بیس (۲۰) مردانِ حق

عبدالرشید ارشد

مکتبہ رشیدیہ

۲۵۔ لوئر مال (شاہراہِ پاکستان)، لاہور

بیس (۲۰) مردانِ حق

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ
مولانا سید محمد علی مونگیریؒ	مولانا محمد علی جالندھریؒ
مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ
خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ	مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
مولانا ابو السعد احمد خانؒ	مولانا مفتی محمودؒ
مولانا محمد عبد اللہ سلیم پوریؒ	مولانا غلام اللہ خانؒ
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ	مولانا غلام غوث ہزارویؒ
مولانا محمد یوسف دہلویؒ	مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ
مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ	مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹکؒ

جمع و ترتیب

عبدالرشید ارشد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
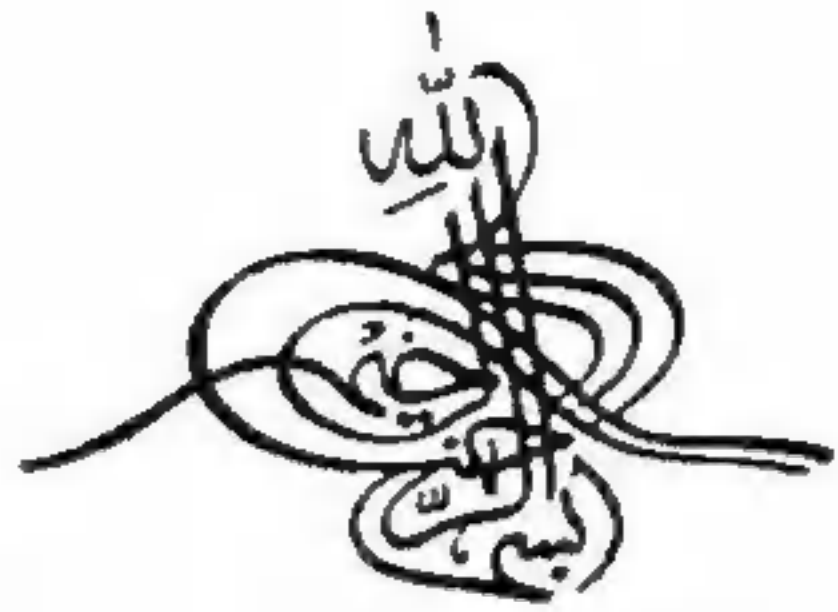
اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ

اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے

(الانفال : ٦٦)

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ج

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ صلے

ان ایمان والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اُنھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا،

اُسے سچ کر دکھایا۔ پھر اُن میں کچھ وُہ ہیں جو اپنی نذر پُوری کر چکے ـــ اور کچھ وُہ ہیں، جو

(شہادت کے) مُشتاق ہیں

(الاحزاب : ٢٤)

(۲۰) بلیس

مردانِ حق

ترتیب

عبدالرشید ارشد

مکتبہ رشیدیہ

۲۵ - لوئر مال ○ لاہور

نام کتاب : بیس مردان حق

مرتب : عبد الرشید ارشد

ناشر : مکتبہ رشیدیہ لاہور

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز ریٹی گن روڈ لاہور

سرورق : حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

کمپوزنگ بخط نفیس : محمد اکبر ضیاء <غلام محمد آباد فیصل آباد>

کمپوزنگ بخط نفیس : محمد اشفاق قادری <اردو بازار، لاہور>

پیسٹنگ : محمد علی سیاح

جلد اول صفحات : ۱۰۲۸

جلد دوم صفحات : [illegible]

بار اول جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ اکتوبر ۱۹۹۶ء
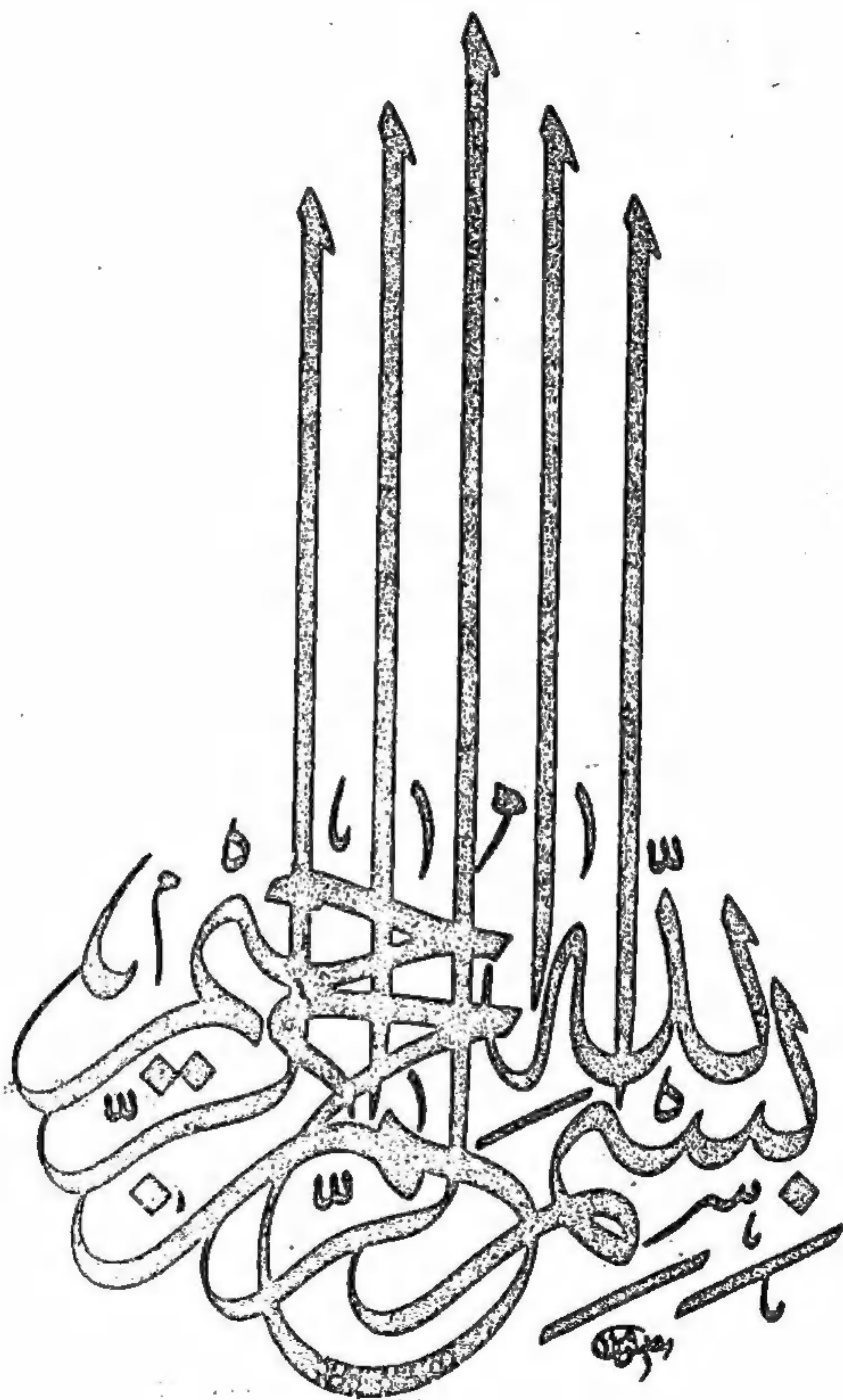
بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمعہ ؛ ۱۲ شوال المکرم

درود شریف ابراہیمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی

۱۰ ذوالقعدہ سنہ ۱۴۱۱ھ

"انسان سب سے زیادہ نقصان
اپنی ذات سے اٹھاتا ہے"

الماس
20-8-2003

خیر الاساتذہ حضرة مولانا خیر محمد جالندھری رحمة اللہ علیہ
۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء ——— ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء

السلام علیکم

دعا و توجہ سے ۔ اور دعا کرتا ہوں

چونکہ ماموں کا بعض والوں نے آپ کے تقرر کی براہ راست خواہش

ظاہر کی ہے ۔ جس کے متعلق صرف اجازت کا ہے ۔

اس لئے مناسب ہے کہ براہ راست بذریعہ خط و کتابت بلا تکلف آزادی

تنخواہ کا فیصلہ کر لیں ۔ نتیجہ سے مجھے بھی مطلع کر دینا مناسب ہے

تنخواہ کو مجھ پر معلق کر دینا غیر مناسب ہے ۔ والسلام

[illegible]

۵ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

شنبہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ

احقر نے جب بیس مردان حق کا اعلان کیا تھا تو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ (خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی قدس اللہ اسرارہم کے سوانح "مشائخ اربعہ" کے نام سے ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ میں خوش تھا کہ تین مضمون یکجا مل جائیں گے، لیکن موصوف اپنی گوناگوں علمی و عملی مصروفیات کیوجہ سے نہ لکھ سکے۔
ان تین حضرات میں سے ایک شخصیت خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ کی تھی۔ حضرت کے مرتب حالات کہیں نہیں ملتے تھے، میں اپنی کم علمی کی وجہ سے ان کے حالات لکھنے سے گھبراتا تھا۔
میرا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ سے نیازمندانہ تعلقِ خاطر ہے، جس کی وجہ "خواجہ تاش" ہونا ہے۔ ان کو مجھ پر ترس آیا اور بروز ہفتہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (۲۱ ستمبر ۱۹۹۶ء) کو کراچی سے مضمون لکھنے کے لئے لاہور تشریف لائے کہ یہاں یکسوئی سے مضمون لکھ سکیں۔
اس طرح میں ایک بڑی ذمہ داری اور امتحان سے بچ گیا۔ اللہ تعالی ان کی شخصیت کو تادیر سلامت با کرامت رکھے۔
سب سے پہلے حضرت الاستاذؒ کے خود نوشت حالات لکھے جاتے ہیں۔ (ارشد)

حضرتؒ کے خود نوشت حالات

ددھیال: ہمارا ددھیالی خاندان ان پڑھ اور زمیندار پیشہ تھا۔ قوم ارائیں تھی۔ والد کا نام الہیٰ بخش ولد خدا بخش تھا۔

ننھیال: یہ خاندان لکھا پڑھا تھا، اردو فارسی حکمت وطب کا علم رکھتا تھا۔ چنانچہ میرے حقیقی ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد بڑے عزت والے سمجھے جاتے تھے، ماموں صاحب میاں شاہ محمد تمام برادری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر و شغل کی طرف متوجہ ہوئے اور ذکر جہر میں مشغول ہوئے اور آخر وقت تک دینیات وقرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثناء میں ہم پانچ بھائی تھے اور ایک بہن تھی۔ تین بڑے بھائی کھیتی باڑی میں مشغول تھے۔ یکے بعد دیگرے فوت ہوگئے۔ والدہ مرحومہؒ نے میرے اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد مرحوم کے ہاتھ پکڑ کر ماموں مرحوم کے سپرد کئے کہ ان دونوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے خود حساب کتاب، تاریخ جغرافیہ، قرآن شریف ہم لوگوں کو پڑھا کر اپنی

نگرانی میں دوسرے مدارس میں بھیجا۔

احقر کی ولادت : احقر کی پیدائش برمکان ماموں شاہ محمد مرحوم بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر ۱۳۱۲ ھ یا ۱۳۱۳ ھ بمطابق ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ ۱۳۱۲ ھ کے اعتبار سے تاریخی نام "محمد مظفر" (۱۳۱۲ ھ) "چراغِ حق ہے" (۱۳۱۲ ھ) ۱۳۱۳ ھ کے اعتبار سے تاریخی نام راغب علی۔ میرے ایک دوست مولانا قمر الدین صاحب اس وقت پڑھتے تھے۔ ایک شعر کہا تھا۔

محمد　مظفر　چراغ

بحق　فی علو مک فی الدیار

بچپن کا زمانہ عمروال بلہ میں ایسا بے ہوشی کا کھیل کود میں گزرا کہ کوئی بات یاد نہیں، تخمیناً سات سال کی عمر میں والدین چک نمبر ۲۵۲ (گ ب) ضلع لائلپور (اب ضلع فیصل آباد) میں گئے اور ہم دونوں کو ہمراہ لے گئے۔

زمانہ درس : اس چک کے امام حافظ پیر محمد (نابینا) تھے۔ تقریباً پہلا پارہ میں نے ناظرہ ان سے پڑھا پھر چند سال وہاں ٹھہر کر وطن واپس ہوئے۔ عمروال بلہ کی مسجد میں ایک امام صاحب تھے۔ ان سے ناظرہ اٹھارہ پارے پڑھے۔ اس وقت میری عمر تقریباً دس سال تھی۔ بعد ازاں ماموں صاحب سے اردو کی سرکاری کتابیں اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں۔ ساتھ ہی لکھنا اور حساب بھی سیکھا۔

نکودر : پھر ماموں صاحب نے شروع شوال ۱۳۲۳ ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخل کرا دیا اور اس مدرسہ میں فارسی کی ابتدائی کتابیں شعبان ۱۳۲۴ ھ مطابق ۱۹۰۷ء تک پڑھیں۔ اسی سال حضرت گنگوہی قدس سرہ کا انتقال ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اور اسی سال طاعون ہوا جس میں میرے دو بڑے بھائی فوت ہوئے اور میرا نکاح بھی شریعت کے مطابق برادری کی تمام رسومات سے خالی اسی سال ہوا۔

رائے پور گوجراں : پھر مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے پاس داخلہ ہوا جو ہمارے گاؤں سے ایک میل تھا۔ صبح وہاں جاتا، شام کو گھر آجاتا تھا۔ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں دوسرے سال مدرس ہو گئے۔ شوال ۱۳۲۴ ھ سے تقریباً ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ ھ تک ابتدائی عربی کتابیں صرف، نحو، فقہ، منطق وفلسفہ وادب کی پڑھیں۔ حضرت مولانا فضل احمد صاحب بہت نیک طینت، حلیم الطبع، عالم ربانی مدرسہ عبد الرب دھلی کے فارغ تھے اور شیخ طریقت مولانا شاہ عبد الرحیم قدس سرہ سے متوسل تھے۔

پانچ رجب ۱۳۸۴ ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۶۴ء ۶۵ سال کی عمر میں (چک ۱۱، ایل نزد چیچہ وطنی) رحلت فرمائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ : حضرت مولانا فقیر اللہ مرحوم نے ابتدائی کتب اور متوسط اپنے وطن میں اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں پڑھ کر پھر سہارن پور مدرسہ مظاہر علوم اور دار العلوم دیوبند میں تین چار سال داخلہ لیا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغ حاصل کی اور حضرت موصوف دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے۔

بہت باشریعت پرہیزگار عالم دین تھے۔ استاذ شفیق مہربان تھے۔ تقریباً ۵۰ سال دین کی تعلیم اور افتاء کی خدمت کر کے

اکیس رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء (ساہی وال) میں خدا کو پیارے ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فقیہ و عالم حق مفتی فقیر اللہ — جو ہر خلاف شریعت پہ کرتے تھے توبیخ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرت والا — کہ خاص خاص سے نکلی وفات کی تاریخ

گنج ضلع گجرات ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۱۰ء سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء اور تین سال بعد اوائل جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ مطابق اپریل ۱۹۱۳ء میں، تین ماہ بخدمت حضرت مولانا سلطان احمد رہ کر مختلف کتب کے کچھ کچھ حصے پڑھے۔ وہ استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کئے ہوئے تھے اور مولوی فاضل اور نٹیل کالج لاہور کے بہت بڑے ادیب تھے۔ ان کے والد حضرت مولانا محمود صاحبؒ بہت بڑے مناظر اور حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔

مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر: پھر مدرسہ منبع العلوم گلاوٹی میں تین سال رہ کر مولانا غلام نبی سرحدی حضرت مولانا کریم بخش پنجابی، حضرت مولانا محی الدین صاحب مہتمم مدرسہ ہذا سے علم ہیئت، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، فرائض، معانی وغیرہ حاصل کئے، یہ تینوں اساتذہ بے نظیر اور قابل تعریف تھے۔

مدرسہ اشاعت العلوم بریلی: پھر مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی پہنچ کر داخلہ لیا۔ ۱۳۳۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۳ء سے چار سال شعبان ۱۳۳۵ھ تک چار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب، مولانا عبد الرحمان صاحب سلطان پوری۔ حضرت مولانا سلطان احمد پشاوری اور حضرت مولانا سلطان احمد بریلوی، چاروں اساتذہ لاثانی تھے۔

اس عرصہ میں طبقہ علیا اور فنون کی تمام کتابیں پڑھیں اور محدث عصر حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندی سے سند حدیث حاصل کی۔ مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندی اور مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی دونوں شاگرد مولانا شیخ الہند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

سند فراغ و تکمیل: شعبان ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) کے آخر میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں جلسہ سالانہ ہوا، اس میں سند فراغ وسند تکمیل حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے متبرک ہاتھوں سے عطا ہوئی۔

زمانہ مدرسی بریلی: شوال ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) سے شعبان ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) تک اسی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حضرت مہتمم صاحب کے حکم سے مدرس مقرر ہوا اور متوسط کتابیں پڑھائیں۔

مدرسی منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور: شوال ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) سے لے کر ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) تک باستثناء ایک سال شوال ۱۳۴۱ھ منڈی صادق گنج میں صدر مدرسی پر فائز رہا۔ اور مکمل نصاب کا کئی مرتبہ درس دیا۔

رائے پور گوجراں: اساتذہ کرام مولانا فضل احمد و مولانا فقیر اللہ صاحب کے حکم سے منڈی صادق گنج سے ایک سال کی رخصت لے کر ہر دو صاحبزادوں مولوی محمود الحسن و مولوی عبد الرشید کو پڑھانے کے لئے آیا۔

مدرسی و نظامت فیض محمدی جالندھر: اساتذہ رائے پور گوجراں کے حکم سے ناظم تعلیمات مقرر ہو کر جالندھر پہنچا اس وقت

وہاں صدر مدرس مولانا احمد بخش و مدرس میرے چھوٹے بھائی مولوی غلام محمد تھے دونوں یکے بعد دیگرے فوت ہوگئے۔ میں جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء مدرسہ فیض محمدی جالندھر پہنچا اور شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک سلسلہ تعلیم وتدریس کا جاری رہا دورہ حدیث بھی کئی مرتبہ ہوا، پھر مدرسہ فیض محمدی بند ہوگیا۔

مدرسہ خیر المدارس جالندھر: جب شعبان ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۱ء) میں مدرسہ فیض محمدی کا سلسلہ ختم ہوا تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہ نسبت دیہات کے شہر میں رہنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے شہر میں رہنے کی تجویز ہوئی اور مدرسہ کا نام خیر المدارس رکھا گیا اور تین وصیتیں فرمائیں۔

(۱) مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پر نہ رکھی جائے۔ بلکہ محض **توکلاً علی اللہ** خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے۔

(۲) عملہ کا کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کیا جائے، بلکہ یہ اندازہ رکھا جائے، کہ حق تعالی جتنی توفیق دیں گے، اتنا ہی رکھیں گے، اگر گنجائش زیادہ ہوئی تو عملہ بڑھالیا جائے گا، اگر گنجائش کم ہوئی تو عملہ گھٹادیا جائے گا۔

(۳) غرباء کے چندے کو، امراء واغنیاء کے چندے پر ترجیح دی جائے گی، اس لئے کہ امراء دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف کی جائے اور شکریہ ادا کیا جائے۔ اس میں بے برکتی ہوتی ہے اور غرباء دے کر شکر گزار ہوتے ہیں، کہ ہمارا روپیہ نیک مقصد کے لئے قبول کرلیا گیا۔ اس میں عند اللہ برکت ہوتی ہے۔ حضرت اقدسؒ نے مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی۔

چنانچہ احقر نے حضرت مولانا احمد بخش صاحب اور مولانا محمد علی صاحب کے مشورہ سے مسجد عالم گیر جالندھر شہر بازار اٹاری میں مورخہ ۱۰ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسے کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد ۲۳ شعبان ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) کو مولانا احمد بخش صاحب وفات پاگئے اور مولانا محمد علی نے سیاست میں مشغولیت کی وجہ سے مدرسہ ہذا کی رکنیت اور تمام خدمات سے استعفیٰ دے دیا۔ اب مدرسہ کا تمام انتظام واہتمام اور تعلیم کا بار تنہا احقر پر پڑگیا۔ اس لئے مدرسہ کے مناسب حال حضرات مدرسین کا تقرر عمل میں آیا۔ مدرسہ میں دورہ حدیث شریف بھی ہوتا رہا۔

تقریباً ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء کو ملتان شہر میں مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب کیمبل پوری اور دیگر حضرات مدرسین کو بلا کر **توکلاً علی اللہ** مدرسہ کا کام شروع کیا گیا۔

حاضری تھانہ بھون شریف: تھانہ بھون کی پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مطابق مئی ۱۹۲۴ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آخری حاضری ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ حضرت اقدسؒ کا وصال ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء ۱۱ بجے شب منگل کو ہوا تھا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اور اس کے دوسرے دن تھانہ بھون آخری حاضری ہوئی۔ پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مئی ۱۹۲۴ء کے اوائل میں ہوئی اور ایک ہفتہ قیام رہا۔ مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی۔ چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حال عرض کیا گیا تو حضرت والا نے مجھ میں تکبر تشخیص کر کے اس کا علاج شروع فرمایا۔ میں نے دوسرے خط میں تشخیص وتجویز دونوں کو تسلیم کیا، تو حضرت والا نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فرمایا کہ "جی بہت خوش ہوا"۔ **ھنیاء لک العلم والعمل۔**

تجدید بیعت طریقت: پہلے بیعت حضرت مرشدی حافظ محمد صالح صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت گنگوہیؒ والد ماجد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری و پیرجی حافظ عبداللطیف صاحبؒ ناقل) سے کی ہوئی تھی۔ اس لئے سیدنا و مرشدنا حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداءً بیعت کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ فرمایا کہ سلسلہ قائم ہے ضرورت نہیں، دراصل حضرت اقدسؒ کا اصول یہ ہے کہ ابتداءً بیعت نہیں فرماتے تھے، بلکہ مناسبت ہونے کے بعد بیعت فرماتے تھے۔

ایک سال کے بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرماتے ہوئے فرمایا، کہ یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ بعد نمازِ مغرب میں خود بلالوں گا۔ چنانچہ مورخہ 9 ذی الحجہ ۱۳۴۳ ھ یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو بعد مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں سلسلوں (چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ میں بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا۔

اس روز سے حضرت والا کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفہ نمایاں ہونے لگی اور خط و کتابت، آمد و رفت میں بھی ترقی ہوئی، بلکہ ذوق و شوق روزمرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔

حصول اجازت بیعت و تلقین: یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۱۷ رجب ۱۳۴۷ ھ (۱۹۲۹ء) کو بوقت قیام احقر در خانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ، کو بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرمائی اور یہ الفاظ لکھ کر مجھے اطلاع دی۔

> **بشارت ناشیہ از ذوق**: اب کی بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہوا کہ آپ پر خدا کا فضل و کرم شروع ہو گیا ہے۔ جو خواص پر ہوتا ہے اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہے ان کی جھلک محسوس ہونے لگی۔ خصوص کل کے دن سے اور اس بناء پر بتوقع زیادتِ رسوخ، شب سے قلب کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کو تلقین و بیعت کی اجازت دے دوں۔ اس رقعہ سے میرے خیال کی صحت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ سب آثار ہیں فنا کے، جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی۔ پس اس خیال کی صحت کے بعد **توکلاً علی اللہ** اپنے اس تقاضے کو پورا کرتا ہوں اور بنام خدا آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔ عذر اور تواضع نہ فرمائیں اور اپنے خاص محبین سے اس کا اظہار بھی فرما دیں اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریراً محفوظ بھی رکھتا ہوں اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کر دے دیں، میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ اور موقع پر شائع کردونگا۔ اشرف علی ۱۷ رجب ۱۳۴۷ ھ (انتہی) ۱۹۲۸-۱۲-۳۰

میں نے حسبِ حکم اپنا پتہ لکھ کر تو دے دیا، مگر اس اطلاع پر بے انتہا ندامت، بلکہ اس قدر حیرت ہوئی، کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت والاؒ نے یہ بارِ گراں میری گردن پر کیسے رکھ دیا؟ میں اس کو برداشت نہیں کر سکوں گا اور مجھے اس کی سمجھ بھی نہیں اور مجھ میں اس کی اہلیت بھی نہیں، میں کہاں اور یہ بار گراں کہاں؟ میں اپنے خیالات اور ترددات میں تھا کہ حضرت والاؒ نے خانقاہ امدادیہ کے ترجمان ماہنامہ رسالہ "الامداد" میں اس اجازت کو شائع فرما کر ۱۷ رجب ۱۳۴۷ ھ کے والانامہ میں احقر کو اس کی اطلاع فرما دی۔

حضرت والا کے قریبی خطوط سے اجازت ملنے کا کچھ ہلکا سا خطرہ گزرا تھا۔ اس لئے میں نے ۱۸ رجب ۱۳۴۷ ھ کو حضرت والاؒ کی خدمت میں ایک شبہ اشرافِ نفس کا عرض کیا۔ اصل مقصود اس سے عذر کرنا تھا۔ حضرت والا نے محققانہ طرز پر جواب عنایت

فرمایا - یہ شبہ اور اس کا جواب دونوں بعنوان حال و تحقیق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

حال : ایک شبہ یہ بھی ہے، کہ قبل از وقت اجازت کا خیال دل میں آنا شبہ اشراف نفس کہیں نہ ہو اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق اشراف نفس اس وقت ہوتا اگر اجازت نہ ملتی، تو کلفت ہوتی اور یہ واقع نہیں، اس لئے اشراف نفس نہیں، بلکہ بنعمتہ تعالیٰ دلیل ہے تناسب باطنی کی کہ جو میرے دل میں آیا اس کا اثر آپ کے دل پر پڑ گیا، کیونکہ اجمالاً میرے قلب میں پہلے ہی سے تھا، یہ دوسری نعمت ہے جس پر شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ (انتہی)۔

تائید : حسن اتفاق سے اسی شب مولانا احمد بخش صاحب صدر مدرس، مدرسہ فیض محمدی جالندھر نے خواب دیکھا، کہ حضرت تھانویؒ جالندھر تشریف لائے ہیں۔ انہوںؒ نے یہ خواب تعبیر کے لئے لکھ کر میرے پاس تھانہ بھون بھیجا، چونکہ اس تعبیر کا تعلق بظاہر مجھ سے نظر آتا تھا اس لئے اس کے بیان سے مجھے شرم آئی کہ کسی سے بیان بھی نہیں کیا۔

خطبہ وطریق بیعت : میں نے اپنی جہالتوں اور کوتاہیوں پر نظر کر کے حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھے خطبہ اور طریق بیعت محفوظ نہیں - اپنی زبان مبارک سے املا کرا دیجئے - چنانچہ بعد مغرب ۱۸ رجب ۱۳۴۷ ھ (۳۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے لالٹین کی روشنی میں خطبہ اور اخذ بیعت کا حسب ذیل طریق املا کرا دیا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنامن يهدى الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمداً عبده و رسوله صلى الله عليه وسلم واله واصحابه تسليما كثيرا كثيرا . اما بعد ! فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم .يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا فى سبيله لعلكم تفلحون .(٦ مائده) يا ايها الذين آمنوا اتقواالله وكونوا مع الصادقين. (پ ١١ توبه) ومن اوفى بما عا هد عليه الله فسيوتيه اجرا عظيما (پ٢٦ فتح) يا ايها النبى اذاجاء ك المومنات يبايعنك على ان لا يشركن بالله شياءً ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا ياتين ببهتان يفترينه بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينك فى معروف فبا يعهن واستغفرلهن الله، ان الله غفور رحيم . (پ ٢٨ ممتحنة)

توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، بدعت سے اور سب چھوٹے بڑے گناہوں سے، اور ایمان لاتا ہوں اللہ پاک پر، اور اس کے سچے رسول ﷺ پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ، اور عہد کرتا ہوں کہ پانچوں وقت نماز پڑھوں گا اور رمضان شریف کے روزے رکھوں گا۔ اگر مال ہوگا تو زکوۃ دوں گا۔ اگر زیادہ گنجائش ہوگی توحج کروں گا۔ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے جہاں تک ہو سکے گا ان سے بچوں گا۔ اگر کوئی خطاء ہو جائے گی تو فوراً توبہ کرلوں گا۔ توبہ کرتا ہوں اور بیعت کرتا ہوں میں چاروں سلسلوں میں، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں، اے اللہ! ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب کر، اور قیامت میں ان

بزرگوں کے ساتھ اٹھا ! آمین یارب العالمین۔ پھر رفعِ ایدی کے ساتھ دعا کی جائے۔ پھر ارشاد فرمایا! طالب کو قصد السبیل کا مکرر مطالعہ کرایا جائے۔ حقیقتِ سلوک (اصلاح واستقامت علی الاعمال) اور غایت سلوک (رضا الٰہی) ذہن نشین کرائی جائے، مثلاً معالجہ غضب میں استفسار کیا جائے کہ سورۂ طبع (جو غیر اختیاری) ہے یا اس کے مقتضاء پر عمل (جو اختیاری ہے) اول پر کوئی مواخذہ نہیں پھر فکر کیا؟ ثانی کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت سے کام لینا چاہیے، یہ تو ضابطہ کا جواب ہے۔ البتہ طریق تسہیل (گو یہ غیر لازم علی الشیخ ہے) یہ ہے کہ ایسے وقت میں قوت وعتاب الٰہی کا استحضار رکھے، یا قلب کو کسی دوسرے شغل میں مشغول کرے۔ خطرات کی پرواہ مت کرو، غرض اس میں تسہیل دی جایا کرے۔ (انتہی خود نوشت) (آثار خیر ص ۱ تا ۱۱)

مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حضرت حکیم الامت کی آمد

۱۹۳۸ء میں حکیم الامت نے دانت بنوانے کے لئے لاہور کا سفر اختیار کیا، لاہور پہنچنے کے بعد حضرت کے ایک خلیفہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے حضرت سے دریافت کیا، کہ اگر ارشاد ہو تو مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دے دوں۔ حضرت قدس سرہ نے ہنس کر فرمایا "میں کیوں "مناع للخیر" بنوں آپ چاہیں تو اطلاع دے دیں" چنانچہ حضرت مولانا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کو کارڈ کے ذریعہ مطلع کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر جلال الدین صاحبؒ کی کوٹھی پر مقیم ہیں، آپ کو ملنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نہ تو کسی کو ساتھ لائیں اور نہ ہی کسی کو اطلاع دیں۔

مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب مفتی صاحب کا کارڈ ملا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک ضروری کام سے مدرسہ سے جانے والا تھا۔ اس کارڈ کے دیکھتے ہی کچھ ایسی حیرت ہوئی، جیسے کہ سکتہ ہو گیا ہو۔ سوچتا تھا کہ یا اللہ! مدت سے تو حضرت والا نے سفر ترک فرما دیا ہے اور آج کل گرمی بھی شدت کی پڑ رہی ہے، یہ خبر میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ مولوی محمد حسن کے خط کو پہچانتا تھا۔ اس کی بھی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی۔ آخر الامر جب تشریف آوری کا یقین ہو گیا تو اتنے دنوں کی محرومی پر بے حد افسوس ہوا، پھر دل کو تسلی دی کہ اب جو اطلاع آئی ہے یہ تیرا کون سا استحقاق تھا، یہ سب ان کا انعام ہے، یہ سوچا کہ لاہور جانے والی گاڑی میں صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے، اگر مکان جانے کا ارادہ ترک کر کے فوراً لاہور چلا گیا تو اس میں دو قباحتیں ہیں، ایک تو دل کام میں لگا رہے گا، دوسرے مدرسہ اور گھر والوں کو تردد ہو گا، کہ کیوں اس قدر عجلت میں لاہور چلا گیا۔ اس سے کہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کا افشاء نہ ہو جائے، اس لئے اس وقت مکان چلا گیا اور دوسرے دن جانے کا ارادہ کیا۔

اگلے روز جب مولانا صاحب لاہور تشریف لائے تو اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مغرب کی نماز کے نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر بڑے کمرے کے اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا نے ادب سے سلام کیا۔ حضرت تھانوی نے انتہائی شفقت سے گلے لگا لیا اور معانقہ فرمایا اور پھر مصافحے سے فارغ ہوتے ہی ہنس کر فرمایا کہ میں نے کہا میں کیوں "مناع للخیر" بنوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ نے مولانا صاحب کے قلب میں عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ مولانا نے عرض کیا کہ میں

نے ابھی نماز ادا نہیں کی ہے۔ فرمایا باہر صف ہے پڑھ لیجئے نماز سے فارغ ہو کر جب مولانا صاحب اندر آئے اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دودھ کا برف کھا کر فارغ ہوئے تھے، مولانا سے فرمایا کہ آپ کے لئے بھی رکھا ہے آپ بھی کھائیے۔

امرتسر جانے سے ایک روز قبل حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت والا نے جس سال سفر بند فرمایا اس سال سفر بند کرنے سے قبل مدرسے کے جلسے کے وقت جالندھر تشریف لانے کا وعدہ فرمایا تھ کہ اگر میں پنجاب کا سفر کر سکتا تو سب سے پہلے جالندھر آتا اب حسن اتفاق سے حضور لاہور تشریف لے آئے ہیں، اس لئے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جالندھر تشریف لے چلیں اور وہاں کی سرزمین کو سرفرازی کا شرف عطا فرمائیں۔

اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔

"کلام اللیل یمحوہ النار" جی میرا بھی چاہتا ہے مولوی شبیر علی سے دریافت کرلیں جس میں سفر کا حرج نہ ہوتا ہو؟۔

چنانچہ یہ طے پایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ پانچ بجے لاہور سے سوار ہو کر ساڑھے آٹھ بجے شب جالندھر میں رونق افروز ہوں گے اور شب میں قیام کر کے اگلے روز صبح سہارن پور روانہ ہو جائیں گے۔

حضرت والا جالندھر پہنچے، جالندھر میں مولانا خیر محمد صاحب نے محکمہ زراعت کے اسسٹنٹ ڈپٹی ڈائریکٹر کی کار کا بندوبست کیا تھا۔ استقبال کے لئے مجمع کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔

حضرت تھانویؒ جب مدرسہ خیر المدارس میں پہنچے تو مدرسہ اور مسجد تمام زائرین سے پُر تھی، عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت نے وضو فرمایا اور نماز پڑھ کر مدرسہ کی چھت پر تشریف لے گئے، وہاں سولہ سترہ علماء وصلحاء کے ساتھ جو مولانا خیر محمد کی طرف سے مدعو تھے، کھانا تناول فرمایا، اس کے بعد اسی صحن میں استراحت فرمائی، تھوڑے سے فاصلے پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے اپنی چارپائی بچھائی تھی، تاکہ حضرت والا کو آرام پہنچا سکیں۔

صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر مولانا خیر محمد صاحب سے فرمایا کہ پہلے اوپر چلنا چاہیے۔ چھت پر آکر مستورات کو پس پردہ بیعت فرمانے کا ارادہ کیا، اس پر مولانا خیر محمد نے فرمایا اندر کئی مستورات ہیں اور سب بیعت کی متمنی ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ کہ جنھوں نے اپنے شوہروں سے اجازت لی ہے، صرف وہی بیعت ہو سکتی ہیں ان کے علاوہ نہیں۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے جہاں زائرین کا مجمع تھا، مجمع کی کثرت کی وجہ سے ہر شخص اٹھ کر حضرت کی زیارت کرنا چاہتا تھا اس لئے عرض کیا گیا کہ کرسی پر اگر حضور تشریف رکھنا منظور فرمائیں تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے باآسانی زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔ فرمایا یہ میری عادت نہیں اور منقول بھی نہیں، البتہ بیان کی حالت میں تو منقول ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجمع کی کثرت کو دیکھ کر دوبارہ عرض کیا گیا کہ چارپائی کی اجازت ہو تو منگوائی جائے۔ فرمایا "ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ دیہاتی وضع ہے نیز میں اس پر اکیلا نہ ہوں گا دو چار اور بھی ہونگے۔ مولانا خیر محمد صاحب سے فرمایا، کہ آپ اور مولوی محمد حسن صاحب دوسری طرف اسی چارپائی پر بیٹھ جائیں، کیونکہ مجھے تنہا اونچا مجمع میں بیٹھے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

ایک گھنٹے تک ملفوظات کا سلسلہ جاری رہا۔ سب اہل مجلس کے لئے مقاصد حسنہ کے واسطے دعا مانگی گئی اور مجلس برخواست

ہوئی - پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بالاخانہ پر تشریف لے گئے حضرت (مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ) صاحب کی درخواست پر مولانا کے صاحبزادے عبدالحق کو "پند نامۂ عطار" کی بسم اللہ کرائی گئی پھر مدرسہ سے چل کر ریلوے روڈ پر تشریف لائے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس مکان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے در و دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔ (آثار خیر ص ۲۳ تا ۲۷)

تدریسی خدمات

علمی شخصیت: حق تعالیٰ شانہ کی عنایت ازلیہ نے حضرت والاؒ کو علوم نبوت کی تعلیم و تدریس کے لئے پیدا کیا تھا، حضرتؒ نے ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حدیث شریف کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھا۔ شوال ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں اسی مادر علمی سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اور اس وقت سے آخری لمحات حیات شعبان ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء) تک مسلسل ۵۵ برس علوم نبوت کی خدمت میں مصروف رہے۔

تدریس حدیث: اور اس عرصہ میں قریباً چالیس سال صحیح بخاری شریف پڑھائی۔ جیسا کہ حضرت والاؒ کی تحریر میں گزر چکا ہے کہ خیر المدارس کے قیام سے پہلے ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ (مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء) سے شعبان ۱۳۴۹ھ (مطابق جنوری ۱۹۳۱ء) تک چار سال مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں تدریسی خدمات انجام دیں اس چہار سالہ عرصہ میں "دورہ حدیث" بھی کئی بار ہوا۔

پھر ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ سے خیر المدارس جالندھر کا آغاز ہوا اور شعبان ۱۳۶۶ھ تک ۱۶ برس اس کا دور اول۔ حضرتؒ فرماتے ہیں۔ "مدرسہ میں دورہ حدیث شریف بھی ہوتا رہا"۔

پھر ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۶۶ (مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء) سے ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا اور یہاں پہلے سال ہی سے دورہ حدیث شروع ہوا۔ اس طرح شعبان ۱۳۹۰ھ تک تدریس حدیث کی مدت چالیس سال سے متجاوز ہے۔

جامعیت علوم: عموماً اہل علم خاص خاص علوم میں صاحبِ کمال ہوتے ہیں کوئی علوم آلیہ میں، کوئی علوم عقلیہ میں، کوئی فقہ میں، کوئی حدیث میں، لیکن ہمارے حضرت والاؒ بجا طور "جامع المنقول والمعقول" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، دینی مدارس میں جو علوم رائج ہیں ان میں سے کوئی علم و فن ایسا نہیں جس پر حضرت والاؒ کو کمال و رسوخ حاصل نہ ہو۔

حضرت الاستاذ مولانا محمد شریف کشمیریؒ جو اپنے دور میں معقولات کے امام تھے، جنہیں قاضی، صدرا زواہد ثلاثہ وغیرہ پر ایسا عبور تھا کہ انہیں دوران تدریس کبھی کتاب کھول کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، وہ فرمایا کرتے تھے۔

پنجاب میں صرف اڑھائی مدرس ہیں۔ ایک حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم کبیر والا) اور آدھا مدرس میں ہوں۔ پھر فرماتے تھے۔ مدرس وہ ہوتا ہے جو ہر فن کی کتاب بلا تکلف پڑھا سکے۔

واقعی حضرت والاؒ تمام علوم و فنون کی تدریس پر بلا تکلف قادر تھے، آپ کے لئے نحو میر اور قاضی، صدرا برابر تھیں، کسی کتاب کی تدریس میں ان کے لئے کوئی دشواری نہیں تھی۔

تدریس میں تواضع: بہت سے حضرات کو دیکھا کہ چونکہ درجہ علیا کے استاذ ہیں اس لئے اگر ان کے لئے چھوٹے درجے کی کتاب تجویز کی جائے تو اس کو اپنی کسرِ شان تصور کرتے ہیں، بعض حضرات تو زبان سے بھی اظہار کر دیتے ہیں، لیکن کچھ حضرات اگر زبان سے نہ کہیں تو دل میں ضرور ملال محسوس کرتے ہیں۔ لیکن حضرت والاؒ جس طرح تمام علوم کی بڑی چھوٹی تمام کتابوں کی تدریس پر قادر تھے۔ اسی طرح وہ کسی کتاب کی تدریس کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ صحیح بخاری شریف کے ساتھ ابتدائی عربی کی کتابیں نحو میر وغیرہ حضرت والاؒ کے زیر درس ہیں اور اس میں کوئی سبکی محسوس نہیں فرماتے۔ بلکہ چھوٹے درجہ کی کتابیں خود اپنے لئے تجویز فرماتے ہیں۔(۱)

طرز تدریس: حضرت والاؒ کا انداز تدریس بھی منفرد تھا، ابتدائی کتابوں پر عبارت کی تصحیح اور لفظی ترجمہ کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، جس سے طالب علم میں کتاب کو صحیح سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی تھی۔ متوسط اور اعلیٰ درجات میں بھی طویل تقریروں کے خلاف تھے، بچے تلے الفاظ میں ضروری مطالب کی تشریح فرماتے تھے۔ مولانا محمد ازہر (مدیر الخیر) نے حضرت والاؒ کی خصوصیات درس بہت دل نشیں انداز میں بیان فرمائی ہیں وہ لکھتے ہیں:

> **خصوصیات درس:** آپؒ کا انداز تعلیم منفرد، جامع اور عام اساتذہ سے مختلف تھا۔ تقریر حشو وزوائد سے مبرا، مضمون مرتب، طریقِ تفہیم سادہ، دل نشین اور مباحث پُر مغز ہوتے تھے۔
>
> جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری مدظلہ، فرمایا کرتے ہیں کہ جو بات ہم دو گھنٹوں میں بیان کرتے ہیں حضرتؒ نصف گھنٹہ میں مکمل فرما لیتے تھے۔ پڑھاتے وقت صرف کتاب کے حل پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ اپنی بے پناہ علمی استعداد وذوق کے مطابق فن کی ضروری اور اہم تحقیقات ومسائل پر بھی مختصر مگر جامع الفاظ میں روشنی ڈالتے۔ تاکہ ایک طرف کتاب پوری ہو تو دوسری طرف طالب علم فن کی اہم اور ضروری مباحث سے بھی آشنا ہو، عہد حاضر کے دینی مسائل پر جامع تبصرہ فرماتے، غیر مقلدین کے اختلافی مسائل پر خصوصیت سے کلام فرماتے، حدیث شریف کے اسباق میں سادہ اور مطلب خیز ترجمہ کے بعد حدیث سے مستنبط فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال ومذاہب مع ادلہ مختصر اور حنفی مذاہب اور اس کے دلائل تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان فرماتے۔
>
> آپ کی تقاریر "خیر الکلام ماقل و دل" کا مصداق اتم ہوتیں، لمبی لمبی مباحث کو چند جملوں میں سمیٹ کر دریا کو کوزہ میں بند کر دیتے، مشہور حدیث "**المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا**" پر اساتذہ مفصل کلام فرماتے ہیں اور تفریق بالابدان اور تفریق کی تقسیم کرتے ہیں پھر تفرق بالاقوال کے نظائر اور قرائن بیان کرتے ہیں۔ حضرتؒ اس ساری بحث کو دو لفظوں میں یوں ارشاد فرماتے کہ "**مالم یتفرقا**" کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک

---

(۱) احقر نے حضرت الاستاذ سے ۱۹۴۹ء میں دو تین ساتھیوں کے ساتھ علم الصرف پڑھنے کی سعادت حاصل کی (ارشد)

معاملہ طے نہ کرلیں ۔عام طور پر اساتذہ حدیث تعلیمی سال کا بیشتر حصہ صرف ارکان اربعہ کے اختلافی مسائل کی بحث و تحقیق پر صرف کردیتے ہیں اور آخر میں صرف کتاب کی تلاوت رہ جاتی ہے اور اس کے باوجود کئی کتابیں ختم نہیں ہو پاتیں۔

حضرت والاؒ اس سلسلہ میں خاص اہتمام فرماتے اول سال ہی سے مقدار خواندگی اس ترتیب اور معیار سے چلتی کہ کسی تعب اور اضافی مشقت کے بغیر نہایت سہولت سے سال کے اختتام پر کتاب ختم ہوجاتی ،اسکے ساتھ ساتھ کوئی بحث طلب مقام اور قابل تقریر حدیث نہ چھوٹتی بخاری شریف کی جلد ثانی حضرت والاؒ عشاء کے بعد پڑھاتے۔

مگر اسکی بھی تلاوت کے مقامات پر مشکل الفاظ کے معانی اور باب کے شروع میں مختصر اور جامع خلاصہ بیان کرنے کا اہتمام ہوتا۔ عشاء کے درس بخاری شریف میں عموماً مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری اور سالک مجذوب حضرت سائیں سید طور شاہ صاحبؒ بھی شریک ہوتے، جب کتاب ختم ہوجاتی تو سائیں طور شاہ صاحبؒ خوشی میں کوئی تبرک طلبہ میں تقسیم فرماتے کبھی کبھی حضرتؒ ان کے ہاتھ سے لے کر طلبہ کی طرف اچھال دیتے اور یوں بے تکلفی کے ساتھ ساتھ مجلس میں نشاط اور تازگی پیدا ہوجاتی۔

حدیث پاک کا احترام : حضرتؒ نہایت متانت وقار اور ادب واحترام کے ساتھ حدیث پاک کا درس دیتے آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ درود وسلام، حضرات صحابہؓ کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ عنہ، اور ائمہ کرام ومجتہدین ودیگر اکابر اہل علم کے ساتھ رحمۃ اللہ یا رحمہ اللہ کا خود بھی التزام فرماتے اور طلبہ کو بھی نہایت تاکیدی حکم فرماتے۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے دوران تلاوت عجلت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی رضی اللہ کے بغیر پڑھا، حضرتؒ اس پر بہت ناراض ہوئے، نہایت سختی سے ڈانٹا، حضرتؒ کے لہجے سے یوں مترشح ہوتا تھا کہ اس قصور پر اس طالب کو درس سے نکال دیں گے۔

مختلف فیہ مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال ومذاہب اور ان کے مستدلات نہایت عزت واحترام کے ساتھ بیان فرماتے۔ آخر میں مذہب حنفی اور اس کے دلائل پر انتہائی محققانہ مگر منصفانہ کلام فرماتے، آپؒ اگرچہ خود ایک قادر الکلام اور نہایت کامیاب مناظر تھے، مگر تدریس کا طرز مناظرانہ اور مجادلانہ بالکل نہ تھا، محققانہ طرز، متکلمانہ استدلال اور منصفانہ بحث آپ کے درس حدیث کی خصوصیات تھیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت فنافی العلم تھے، تعلیم وتعلم کو حضرتؒ نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا آپؒ کی پوری زندگی "**انما بعثت معلما**" کی عملی تصویر تھی، سبق میں ناغہ کا تصور بھی نہ تھا، کسی سخت مجبوری کے وقت بھی ساتھیوں سے یہ فرماتے کہ آج چلتے ہوئے سبق ہوگا چنانچہ جس جگہ تشریف لے جانا ہوتا، طالب علم ساتھ ساتھ چلتے رہتے اور آپؒ سبق پورا فرمادیتے۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سلم العلوم کا ایک سبق اسی طرح چلتے ہوئے پڑھا

تھا(۱)

کوئی مدرس لمبی رخصت لیتے تو ان کے اسباق حضرتؒ خود پڑھاتے، عند الضرورۃ دوسرے اساتذہ کو بھی تقسیم فرمادیتے، اور اگر کوئی ایسا اہم سبق ہوتا جو اسی استاذ صاحب سے پڑھوانا مقصود ہوتا تو اس کی جگہ کوئی اور اضافی سبق شروع کروادیتے۔ امتحانی اور عام تعطیلات کے بعد تعلیم کے پہلے دن اسباق شروع کروانے کا خصوصی اہتمام تھا۔ تاکہ ناغہ کر کے آنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو اور انہیں احساس ہو کہ ہمارا سبق ضائع ہوا ہے۔

ہر استاذ کی پڑھائی ہوئی کتاب کا امتحان لیتے، نئے استاذ کی کتاب کا امتحان عید الاضحیٰ سے پہلے لیتے، طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ترغیب کے لئے امتحانات، نتائج اور انعامات کا معمول تھا۔

خصوصی انوار: حضرتؒ ورع و تقویٰ اور خوف و خشیت الٰہی کا عملی نمونہ تھے، تدریس حدیث کے دوران آپؒ کی ان باطنی صفات محمودہ کے اثرات و انوار طلبہ پر بھی پڑتے، حدیث پاک کے انوار اور محدث کے اخلاص وللہیت اور تقویٰ کے آثار سے ایک نورانی فضا قائم ہوجاتی، خیر المدارس جالندھر میں ایک دفعہ آپ بخاری شریف پڑھا رہے تھے کہ کچھ راہ گیر راستہ بھول کر مدرسہ کی چار دیواری نہ ہونے کے باعث درسگاہ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انھوں نے اس ارادہ سے کہ یہاں سے راستہ پوچھ لیا جائے۔ دار الحدیث کے اندر جھانکا، جونہی حضرتؒ اور طلبہ پر نظر پڑی، راستہ پوچھنے کی بجائے ان کے منہ سے نکلا کہ یہاں تو نور ہی نور ہے" یہ حضرت کی روحانیت و تقوی اور انوار کی ایک اضطراری شہادت تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: **" الا ان للتقوی مھابۃ"** کہ متقی آدمی کو اللہ تعالی ایک خاص وجاہت اور رعب عطا فرماتے ہیں۔ حضرتؒ اس کا کامل مصداق تھے، بہت سے طلبہ جو عبارت پڑھنے میں تیز، طبعاً ذہین اور بلند آواز بھی ہوتے تھے مگر حضرت کے سامنے عبارت پڑھنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ بعض اوقات حضرتؒ کو خود ارشاد فرمانا پڑتا۔

تدریس کی کرامت: حضرت کی آواز فطرتاً پست تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ کبھی کسی ساتھی نے آواز نہ پہنچنے کی شکایت نہیں کی، جتنے طلبہ موجود ہوتے، سب تک بلا تکلف آواز پہنچ جاتی، یہی کیفیت جلسوں کی ہوتی، خواہ کتنا ہی مجمع ہو، حضرت والاؒ کی آواز سپیکر کے بغیر تمام سامعین بخوبی سن پاتے۔

نازک اندامی: حضرتؒ خفیف الجسم، لطیف الروح، حلیم الطبع اور صبیح الوجہ تھے، مزاج میں نظافت، لطافت اور نفاست تھی ایک دفعہ دوران درس کتاب کا ورق الٹتے ہوئے نئے کاغذ کی نوک انگلی پر اس طرح پھر گئی کہ انگلی چر گئی اور خون رس آیا، اس سے حضرتؒ کی لطافت و نزاکت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

پاکستان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کے کچھ عرصہ بعد حضرتؒ والا نے اہتمام و نظم کی ذمہ داریوں اور کثرت کار کے پیش نظر صدر مدرس کا عہدہ مستقل فرمادیا، اس عہدہ پر سب سے پہلا تقرر عارف باللہ محدث وقت حضرت مولانا عبد الرحمان صاحبؒ کامل پوری کا ہوا" (الخیر ص ۱۴۴ تا ۴۴)

طریقہ تدریس کی تعلیم: حضرتؒ والا کو جملہ علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس کا وسیع تجربہ تھا۔ حضرتؒ نے اپنے تجربہ کی روشنی

---

(۱) اس مضمون کے اکثر حالات و واقعات استاد محترم مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کے بیان کردہ ہیں۔

ہیں اصول تدریس کی تعلیم کو باقاعدہ ایک رسالہ کی شکل میں مدون فرمادیا تھا۔ جس کو وفاق المدارس العربیہ کے نصاب کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس میں ابتدائی اور وسطانی درجات کا طریقہ تدریس خود قلمبند فرمایا، اور درجہ علیا کے طریقہ تعلیم کو حضرت والاؒ کے حکم سے حضرتؒ مولانا مفتی محمودؒ نے (جو حضرتؒ کے زمانہ میں وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ تھے) مرتب فرمایا، یہ اپنی شان کا منفرد رسالہ ہے اس لئے حضرات مدرسین کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے، وہ درج ذیل ہے:

اساتذہ مدارس عربیہ کی خدمت میں چند معروضات
اور طریق تعلیم درجات عربیہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم وعلی اله وصحبه اجمعین اما بعد!

میرا ناقص تجربہ شاہد ہے کہ نصاب تعلیم میں زیادہ تغیر و تبدل کرنا اس درجہ مفید نہیں جس درجہ طریقہ تعلیم تبدیل کرنا مفید ہے۔ اور اساتذہ کو خود عملی نمونہ بننا اور طلبہ کے اخلاق و اعمال کی تربیت و اصلاح کی جانب توجہ فرمانا تو مفید تر ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کی خدمت میں چند معروضات اور بعض امور متعلقہ طریق تعلیم عرض کئے جاتے ہیں، اگر ان پر عملاً التزام کیا گیا تو ان شاء اللہ قوی امید ہے کہ طلبہ کو علوم و فنون اور کتابوں سے بہت جلد مناسبت اور استعداد پیدا ہو جائے گی، نیز ان کی عملی اور اخلاقی حالت بھی سدھر جائے گی کہ یہی تعلیم کا اصلی مقصد ہے۔

(۱) دینی تعلیم اپنے مبادی کے باعث عبادت و طاعت ہے اور اس کا ثمرہ آخرت میں اجر عظیم ہے، لہٰذا تمام اساتذہ عبادت اور طاعت اور اجر و ثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا فریضہ سمجھیں اور معاشی ضروریات، تنخواہ وغیرہ کو اس کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ خیال فرمائیں۔

(۲) اساتذہ تعلیم و تدریس کے علاوہ طلبہ کی دین داری اور اعمال و اخلاق کی نگرانی کو بھی اپنا فرض سمجھیں اور حسب ضرورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کریں۔ اور بوقت ضرورت زجر و توبیخ سے بھی کام لیا کریں۔ خصوصاً ذی صلحاء نماز باجماعت، ابتداء بالسلام اور جوابِ سلام کی خود بھی پابندی کریں اور طلبہ سے بھی پابندی کرائیں۔ ڈاڑھی منڈوانا یا کتروانا۔ انگریزی وضع کے بال رکھنا اور لباس پہننا، سگریٹ نوشی وغیرہ منکرات و مکروہات کو قطعاً روا نہ رکھیں جو طلبہ اس سے باز نہ آئیں ان کو فوراً مدرسہ سے خارج کردیں۔ اسی طرح فاسد العقیدہ طالب علم کا وجود بھی مدرسہ کے لئے سخت مضر ہے اگر افہام و تفہیم کے باوجود باز نہ آئے تو اس کو بھی مدرسہ سے نکال دیں۔

(۳) اساتذہ اپنے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن میں ہر ہر سبق کی ایسی ترتیب قائم کرلیا کریں جسے طلبہ کے ذہن بآسانی قبول وضبط کرسکیں اور پڑھاتے وقت وضاحت اور سہولت کا خاص طور پر لحاظ رکھا کریں۔ الزامی جواب کے بعد تحقیقی جواب بھی ضرور دیا کریں۔

(۴) اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے اس کو مان لیں اگرچہ اپنی تحقیق یا تقریر کے خلاف کیوں نہ ہو، خواہ مخواہ اپنی بات کی پچ نہ کیا کریں۔

(۵) کم محنت اور بد محنت طلبہ سے محنت کرانے اور یاد کرانے کا بھی ایسا احسن طریق اختیار کریں تاکہ طالب علم محنت کا عادی اور تحصیل علم وہنر کا شائق بن جائے۔

(۶) ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادی ثلاثہ (حد، موضوع، غایت) اور ترجمہ مصنف وکتاب کی خصوصیات اور طرز تعلیم بھی طلبہ کے ذہن نشین کرادیا کریں۔

طریقہ تعلیم درجات عربیہ: تعلیمی حیثیت سے کتب درسیہ کے تین طبقے قرار دیئے گئے ہیں اولیٰ، وسطیٰ، علیا،

اولیٰ: میزان الصرف سے کافیہ تک

وسطیٰ: شرح جامی سے ہدایہ اولین تک

علیا: تفسیر جلالین سے دورہ حدیث شریف تک

ہر طبقہ سے متعلق طریقہ تعلیم درج ذیل ہے

طریقہ تعلیم طبقہ اولیٰ: ۱۔ اس طبقہ میں حتی الوسع ترجمہ لفظی اور مطلب خیز، تقریر مختصر اور ذہن نشین، انداز بیان سادہ اور سہل، تفہیم مضمون آسان الفاظ میں ہونی چاہیے۔

نفس مسئلہ طالب علم کے ذہن نشین کرانے کے بعد اس کی زبان سے اعادہ بھی کرانا چاہیے۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو اپنی نظروں کے سامنے بٹھلا کر اس سبق کو یاد کرایا جائے، دوسرے دن پچھلا سن کر اگلا سبق پڑھایا جائے اور روزانہ حسب حال زبانی اور تحریری سوالات کر کے جوابات دینے کی بکثرت مشق کرائی جائے تاکہ ٹھوس استعداد پیدا ہوسکے۔

۲۔ میزان الصرف کو خوب اچھی طرح سمجھا کر تھوڑا تھوڑا باترجمہ پڑھایا جائے اور اس کے ساتھ علم الصرف حصہ اول مصنفہ مولانا مشتاق احمد چرتھاولی سبقاً سبقاً یاد کرایا جائے اس طرح کہ میزان الصرف کی ترتیب کے موافق صیغوں اور گردانوں کے نام خوب یاد ہو جائیں اسم ظرف، اسم تفضیل، مذکر، مؤنث میں تصغیر کے صیغے بڑھادئے جائیں، اور بحث اسم آلہ، وسطیٰ، کبریٰ کے بارہ صیغے ابواب الصرف کی ترتیب کے موافق یاد کرائیں جائیں۔ اور صحیح ابواب کے صیغے نکالنے اور بتلانے کی خوب مشق کرائی جائے۔ اس مشق کے لئے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) سے مدد لی جائے۔

۳۔ منشعب میں سے صرف ۲۴ باب (۶ ثلاثی مجرد ۴ ثلاثی مزید فیہ ۴ رباعی مجرد ومزید فیہ) کی صرف صغیر جدید بامداد تیسیر الابواب جدید، مع نام وعلامت باب خوب یاد کرائی جائے یا بجائے منشعب کے تیسیر الابواب ہی کو خوب یاد کرا کے مشق کرادی جائے یہ بھی کافی ہے، بعد ازاں میزان الصرف کی ترتیب پر صرف کبیر مع ترجمہ یاد کرائی جائے اور عربی صفوۃ المصادر کی مدد سے صحیح ابواب کی صرف صغیرو کبیر گردانوں کی خوب مشق کرائی جائے۔ اسی لئے سہ ماہی اول میں صرف ایک کتاب میزان ومنشعب نصاب میں رکھی گئی ہے۔

۴۔ علم الصرف حصہ سوم میں ہفت اقسام کی صغیرو کبیر باترجمہ عربی صفوۃ المصادر کی مدد سے نیز تعطیلات کی خوب اچھی طرح مشق کرائی جائے، صرف میر اور علم الصیغہ میں بھی اس مشق کو جاری رکھا جائے۔

تنبیہ صرف کے تمام اسباق ایک ہی استاد کے پاس ہونے چاہئیں جو کہنہ مشق اور آزمودہ کار ہو، نوآموز مدرس کے یہ کام ہر گز نہ سپرد کرنا چاہیے۔

۵- نحو میر میں مسائل زبانی یاد کرانے کے ساتھ ساتھ ہر ہر جملہ کی ترکیب بھی کرائی جائے نیز کتاب کی مثالوں پر اکتفا ہر گز نہ کیا جائے، بلکہ قرآن وحدیث، نیز دیگر کتب ادب سے بکثرت مثالیں دی جائیں اور ترکیبیں کرائی جائیں کہ تکثیر امثلہ اس باب میں بیحد مفید ہے، انواع اعراب کو خصوصا خوب ہی یاد کرایا جائے، اور عوامل النحو منظوم فارسی حفظ کرادی جائے۔

(۶) شرح مائۃ عامل میں ایک دن صرف عبارت مع ترجمہ ومطلب پڑھائی جائے۔ دوسرے دن ترکیب کرائی جائے اس طرح کہ نوع اول تک اولاً چھوٹی ترکیب ہو۔ ثانیاً اسی کی بڑی ترکیب ہو، نوع اول سے نوع ثانی تک صرف بڑی ترکیب ہو اور نوع ثانی سے آخر تک صرف چھوٹی ترکیب۔ ہاں اثنا میں گاہے گاہے بڑی ترکیب کا بھی امتحان لیتے رہیں۔

۷- روضۃ الادب میں یا کسی بھی آسان ادبی کتاب میں ترجموں اور صیغوں کی مشق کے ساتھ ساتھ ترکیب نحوی بھی کراتے رہیں اور عربی تحریر و بول چال کی بھی مشق کرائی جائے۔

ہدایۃ النحو اور مرقات میں اصطلاحی الفاظ کی تعریفات اصل [illegible] یں یاد کرائی جائیں اور مسائل اردو زبان میں خوب حفظ کرائے جائیں اور شب وروز کی گفتگو میں مسائل منطق کا اس طرح اجراء کرایا جائے کہ طلبہ محسوس کریں کہ ہم سب منطقی ہیں اور رات دن منطق سے کام لیتے ہیں تاکہ منطق ان کے لئے اجنبی چیز نہ رہے۔

۹- نور الایضاح اور قدوری میں مسائل جزئیہ آسان الفاظ میں طلبہ کے ذہن نشین کرا کے سوال وجواب کے طرز پر ان سے اعادہ کرایا جائے اور سبقاً سبقاً سنا جائے۔

۱۰- تہذیب کو اس طرح وضاحت اور سادگی سے پڑھایا جائے کہ بغیر کسی پیچیدگی اور دشواری کے شرح تہذیب کے تمام مباحث آجائیں اور اس کے پڑھنے کی ضرورت نہ رہے۔

طریقہ تعلیم طبقہ وسطیٰ: عبارت بقدر ضرورت ایک ایک مسئلہ کی پڑھوائی جائے لفظی اور اعرابی غلطیوں پر متنبہ کیا جائے لفظ یا اعراب غلط پڑھنے کی وجہ سے مطلب اور معنی میں جو نقص یا اہمال پیدا ہوتا ہے اس کو خوب واضح کیا جائے تاکہ طلباء کو عبارت غلط پڑھنے کی قباحت وشناعت کا احساس ہو، حتی الامکان طالب علم سے خود لفظ یا اعراب صحیح پڑھوایا جائے، جب طالب علم تصحیح سے عاجز ہو جائے تو استاذ غلطی اور اس کی وجہ سمجھائے اور عبارت صحیح کرائے جو طالب علم عبارت پڑھ رہا ہے دوسرے طلبہ سے کہا جائے کہ جہاں یہ لفظ یا اعراب غلط پڑھے تم ٹوکو اور عبارت کی تصحیح کرو روزانہ ایک ہی طالب علم سے عبارت نہ پڑھوائی جائے اور نہ باری مقرر کی جائے، بلکہ خود استاد جس طالب علم کو مناسب سمجھے عبارت پڑھنے کے لئے کہے، کمزور طلبہ سے زیادہ عبارت پڑھوائی جائے۔

اسی طرح جو طلبہ عبارت پڑھنے سے بچتے ہیں ان سے ضرور عبارت پڑھوائی جائے یہ اور اس کے علاوہ جو بھی مناسب تدبیریں طلبہ کو مطالعہ دیکھنے اور عبارت صحیح پڑھنے کا عادی بنانے کی ہو سکتی ہیں اختیار کی جائیں، عبارت میں

صرف و نحو سے متعلق جو لفظی اشکالات ہوں ان کو سمجھا کر ان کا حل پوری وضاحت کے ساتھ بتلایا جائے "دفع دخل مقدر" کی تقریر کر کے کتاب کے جواب کو واضح الفاظ میں منطبق کیا جائے۔ اس طرح مسئلہ کی تقریر کر کے عبارت کا ترجمہ اور مسئلہ کا انطباق خود طالب علم سے کرایا جائے اور ایسے طرز پر مطالعہ دیکھنے کی تاکید کیجائے کہ طلبہ خود مطالعہ میں ان امور کے حل کرنے کے عادی ہو جائیں، اگرچہ اس طریق پر پڑھانے سے سبق کی مقدار کچھ کم ہوگی۔ مگر یہ چند روز کی بات ہے، اس کے بعد خود طلبہ عادی ہو جائیں گے اور علمی استعداد پختہ ہو جائے گی۔ اور تلافی مافات ہو سکے گی۔ آغاز سال میں تو کم از کم یہ طریق ضرور اختیار کیا جائے، کبھی کبھی گذشتہ سبق کے متعلق اچانک سوال کر لیا کریں، تاکہ طلبہ پڑھے ہوئے سبق کے تکرار اور اعادہ پر مجبور ہوں۔

اس طبقہ میں طلبہ کو مطالعہ کی طرح تکرار کا عادی بنانا بھی نہایت ضروری ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ استاذ طلبہ کو بتلائے کہ ہمارے بزرگوں نے سبق کے اعادہ کے لئے تکرار کا طریقہ اس لئے جاری کیا ہے کہ طالب علم میں علمی استعداد کے ساتھ ساتھ تفہیم و تدریس کی صلاحیت بھی آہستہ آہستہ نشو و نما پاتی رہے۔ بالفاظ دیگر یہ تکرار در حقیقت مدرسی کی تربیت ہے

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو طلبہ طالب علمی کے زمانے میں تکرار کرانے کے عادی ہوتے ہیں وہ فارغ ہونے کے بعد نہایت آسانی سے نہ صرف مدرس بلکہ کامیاب مدرس بن کر نکلتے ہیں۔

تکرار کی اس افادیت کو سن کر ان شاء اللہ تعالی طلبہ میں تکرار کرنے کرانے کا شوق ضرور پیدا ہوگا۔ ہر استاذ اپنے سبق کے طلبہ کو دو دو یا تین تین جماعتوں پر تقسیم کر دے اور باری باری ہر طالب علم کو تکرار کرانے کی تاکید کرے تاکہ تکرار کا فائدہ تمام طلبہ کو یکساں طور پر پہنچے نیز استاذ خود تکرار کے اوقات مقرر کرے اور گاہ گاہ ان اوقات میں خود جا کر نگرانی بھی کرے تاکہ طلبہ تکرار کے بجائے گپ بازی میں وقت ضائع نہ کریں۔

۲۔ کنز الدقائق، اصول الشاشی وغیرہ فنی کتابوں میں فن کی اصطلاحات اور الفاظ اصطلاحیہ کی تعریفات تو اصل عربی الفاظ میں یاد کرائی جائیں اور مسائل کو اس طرح ذہن نشین اور یاد کرایا جائے کہ اصل فن سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

۳۔ ترجمہ قرآن عظیم میں علوم معارف قرآن کی بجائے عربیت پر زیادہ توجہ کی جائے، صرفی و نحوی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلے مفردات کے لغوی اور مرادی معنی اور محل اعراب کو بتلایا جائے، پھر سادہ اور مطلب خیز لفظی ترجمہ کرایا جائے۔ شان نزول اور بیان واقعات و قصص میں قدر ضروری پر اکتفا کیا جائے۔ ربط آیات پر ضرور توجہ کرنی چاہیے اور سادہ مطلب خیز ترجمہ تو خوب ہی رٹایا جائے۔

۴۔ ہدایہ اولین: کامل تحقیق و تدقیق و عرق ریزی کے ساتھ اس طرح پڑھایا جائے کہ اول ہر ہر مسئلہ اور اس کی دلیل عقلی کا ماخذ جو اصول کلیہ میں سے ہو طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے، پھر اس پر مسئلہ کو متفرع کیا جائے، تاکہ طالب علم کے اندر اصل کلی معلوم کرنے اور اس پر مسئلہ متفرع کرنے کا ملکہ پیدا ہو۔

۵۔ علوم و فنون عقلیہ میں ہر علم و فن کی اصطلاحات کو بعبارتہا یاد کرایا جائے اور اس کے مبادی و اصول موضوعہ سے

آگاہ کر کے مسائل کو اسطرح ذہن نشین کرایا جائے کہ اس علم وفن سے مناسبت اور استخراج مسائل کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

طریقہ تعلیم طبقہ علیا: (از ناظم وفاق باجازت صدر محترم مدظلہ)

۱۔ اس طبقہ کی بیشتر کتابیں علوم وفنون کی آخری اور منتہی کتابیں ہیں۔ بسا اوقات طلبہ کو اس کے بعد کی کتابیں پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملتا اس لئے اساتذہ کو پوری محنت و کاوش کے ساتھ نہ صرف کتاب کا بلکہ اس کے مستند حواشی وشروح نیز اس علم وفن کی دیگر محققانہ معاون کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور پڑھاتے وقت صرف کتاب کے حل پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ اپنے طویل وعریض مطالعہ میں سے فن کی ضروری اور اہم تحقیقات ومسائل پر نہایت مختصر، مگر جامع الفاظ میں روشنی ڈالنی چاہیے تا کہ ایک طرف کتاب بھی پوری ہو جائے اور دوسری طرف طالب علم کے کان فن کی اہم اور ضروری تحقیقات سے بھی آشنا ہو جائیں اور مستند کتابوں کے نام بھی اسے معلوم ہو جائیں تا کہ فارغ ہو جانے کے بعد جب وہ خود اس فن یا اس کے مسائل کو پڑھانے بیٹھیں یا کوئی مقالہ یا مضمون لکھنے کا قصد کریں تو ان ماخذ کی مراجعت کر سکیں۔

نیز عہد حاضر کے دینی مسائل پر بھی ضرور تبصرہ فرمائیں، تا کہ طلبہ کو فارغ ہونے کے بعد جب ان مسائل سے سابقہ پڑے تو وہ خالی الذہن اور بے خبر نہ ہوں اور اساتذہ کے بتلائے ہوئے ماخذ کی مراجعت کر کے ان کی جواب دہی کر سکیں۔ مثلاً:

۲۔ تفسیر جلالین پڑھانے کے وقت کتاب کے حل کرنے کے لئے تو حاشیہ جمل یا کم از کم صاوی کا اور ربط آیات و دیگر علوم ومعارف قرآن کے لئے تفسیر بیان القرآن اور سبق الغایات کا اور اصول تفسیر سے آگاہ کرنے کے لئے الفوز الکبیر اور تفسیر الاتقان کا اور تفسیر قرآن کے سلسلہ میں احادیث اور مسائل فقہیہ کی تحقیق کے لئے تفسیر مظہری کا حسب ضرورت مطالعہ کرتے رہا کریں۔

۳۔ علم اصول حدیث، حدیث کا اہم ترین موقوف علیہ ہے اور نصاب میں صرف مقدمہ مشکوۃ اور شرح نخبہ یا خیر الاصول کو رکھا گیا ہے۔ حضرات اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ان کتابوں میں سے تو مصطلحات حدیث کو خوب حفظ کرائیں مگر خود مقدمہ ابن صلاح یا تدریب الراوی کا مطالعہ کریں اور حسب ضرورت وموقع فن کے اہم مسائل پر ان کتابوں کی مدد سے سیر حاصل تبصرہ کریں۔

۴۔ مشکوۃ شریف پڑھاتے وقت سادہ اور مطلب خیز حدیث کا ترجمہ کرانے کے بعد ہر حدیث سے مستنبط فقہی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے اقوال و مذاہب مع ادلہ تو نہایت اختصار کے ساتھ اور حنفی مذہب اور اسکے دلائل ذرا تفصیل وتحقیق کے ساتھ بیان کریں اور اگر حدیث بظاہر مذہب حنفی کے خلاف ہو تو اس کا آخری اور تحقیقی جواب بصورت ترجیح یا تطبیق یا توجیہ و تاویل ضرور بیان کریں۔ اس سلسلہ میں ابن رشد کی بدایۃ المجتہد سے مدد لیں اور لمعات شرح مشکوۃ یا التعلیق الصبیح کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

دورہ حدیث شریف کی کتب عشرہ بالخصوص بخاری شریف پڑھانے کے وقت فتح الباری، عینی ورنہ حواشی

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ اور فیض الباری کا اور تراجم بخاری کے لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تراجم بخاری کا ورنہ کم از کم حضرت شیخ الہندؒ کے الابواب والتراجم بالالتزام مطالعہ کریں۔ اور جامع ترمذی پڑھانے کے وقت معارف السنن یا الکوکب الدری کا اور سنن ابی داؤد پڑھانے کے وقت بذل المجھود کا علی ہذا القیاس باقی کتب عشرہ پڑھانے کے وقت ان کے حواشی و شروح کا ضرور مطالعہ کریں، مگر ان طویل وعریض شروح میں سے اہم ترین مباحث نہایت اختصار کے ساتھ بیان کریں۔ تاکہ کتاب بھی ختم ہو سکے اور جس کتاب حدیث کو بھی شروع کرائیں اول بطور مقدمہ تاریخ وتدوین حدیث، حجیت حدیث، اصحاب صحاح وسنن کے تراجم اور انکے شرائط ومراتب اور خصوصیات کتب عشرہ پر اجمالاً اور زیر درس کتاب اور مصنف سے متعلق امور مذکورہ پر تفصیلاً محققانہ تبصرہ کریں۔ اس کے بعد کتاب شروع کرائیں اور نہایت متانت ووقار اور ادب واحترام کے ساتھ ایک ایک باب وحدیث کے لفظی ومعنوی حل طلب امور اور اس سے مستنبط احکام ومسائل پر سیر حاصل تقریر کریں اور مختلف فیہ مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال ومذاہب اور ان کے مستدلات نہایت عزت واحترام کے ساتھ بیان کر کے مذہب حنفی اور اس کے دلائل پر انتہائی محققانہ، مگر منصفانہ بحث کریں۔ اور وجوہ ترجیح بیان کریں۔ مناظرانہ اور مجادلانہ طرز ہرگز نہ اختیار کریں اور اختلاف کو حتی الامکان ختم یا کم کرنے کی کوشش کریں۔ نہ کہ بڑھانے کی،

نیز مذہب کو حدیث کے مطابق کرنے کی سعی کریں نہ کہ حدیث کو مذہب کے مطابق کرنے کی، کہ اصل حدیث ہے اور مذہب اس سے ماخوذ و مستنبط۔ حدیث میں تاویل اور صرف عن الظاہر کرنے کے بجائے رجال وسند پر محققانہ کلام کرنا زیادہ مفید اور بہتر ہے اس لحاظ سے امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار حنفیہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے اختلافی مسائل پر کلام کرتے وقت اس کو اور موطا امام محمدؒ کو پیش نظر رکھنا حنفیہ کے لئے از بس ضروری ہے۔

قدیم فرق زائغہ اور زمانہ حال کے فرق باطلہ کی محققانہ تردید کریں اور اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کریں۔ اسی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو تصحیح عقائد ونیات اور تزکیہ اخلاق واعمال کی بھی ترغیب دلائیں، تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا فرض بھی ادا ہو، اس باب میں خود استاذ کو ورع و تقویٰ اور خوف وخشیت الہیٰ کا عملی نمونہ بننا از بس ضروری ہے اور محدث کے شایان شان بھی یہی ہے۔ **وفقنا اللہ تعالی اجمعین**۔

نیز اپنی بحث و تحقیق کو متعارف اختلافی مسائل ومباحث تک محدود نہ رکھیں بلکہ علوم ومعارف حدیث علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم کو ایسی تحقیق وصاحت کے ساتھ بیان فرمائیں کہ طلبہ کے ذہنوں میں حدیث کی شایان شان اہمیت اور دین میں اس کا حقیقی مرتبہ ومقام راسخ ہو جائے تاکہ وہ عہد حاضر کے عظیم تر لادینی فتنہ "انکار حدیث" کی جواب دہی اور بیخ کنی پر پورے طور سے قادر ہو جائیں۔

عام طور پر حدیث پڑھانے والے اساتذہ سال کا بیشتر حصہ صرف ارکان اربعہ کے مسائل اختلافیہ کی بحث و تحقیق پر صرف کر دیتے ہیں اور آخر میں صرف کتاب کی تلاوت رہ جاتی ہے، اور اس کے باوجود بھی بیشتر کتابیں ختم نہیں ہوتیں۔ یہ طریقہ سخت مضر اور حدیث رسول اللہ ﷺ کا حق ادا کرنے کے باب میں تقصیر کے مترادف ہے۔

اعاذنااللہ منہ اس لئے استاذ کو روز اول سے کتاب ختم کرانے کو پیش نظر رکھنا چاہیے ۔ خود بہت کچھ دیکھنا اور مطالعہ کرنا چاہیے اور طلبہ کے سامنے کم از کم مگر بے حد ضروری اور اہم باتیں علیٰ وجہ البصیرت بیان کرنی چاہیں ۔

۶۔حدیث کی طرح اس طبقہ کے بقیہ علوم وفنون کے اساتذہ کو بھی اسی طریق کار کے مطابق اپنا مطالعہ زیر درس کتاب تک محدود نہ رکھنا چاہیے، مثلاً ہدایہ اخیرین پڑھاتے وقت فتح القدیر اور حاشیہ مولانا احمد حسن سنبھلیؒ ورنہ کم از کم عنایہ کا اور شرح عقائد پڑھاتے وقت اشارات المرام للبیاضی ورنہ کم از کم مسامرہ اور المرام فی عقائد الاسلام مصنفہ مولانا عبد العزیز پرہاروی کا ، اور حماسہ پڑھاتے وقت اس کی شرح فیضی وتبریزی ورنہ کم از کم حاشیہ مولانا اعزاز علیؒ کا ۔ اور متنبی پڑھاتے وقت شرح برقوقی ورنہ حاشیہ مولانا اعزاز علی ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہیے۔

۷۔سیرت وتاریخ وہ جدید علوم ہیں جو اسی سال وفاق نے نصاب تعلیم میں اضافہ کیے ہیں ۔ ان کے اساتذہ کو درسی کتابیں شروع کرانے سے پہلے ہر دو علموں کی وسیع معلومات کا ذخیرہ مہیا کر لینا چاہیے تا کہ پڑھاتے وقت ہر دو علموں کے اہم ترین مباحث کی طلبہ کو نشان دہی کر سکیں اور یاد کراسکیں ۔ ہر دو علموں پر عربی اور اردو دونوں زبانوں میں مستند محققین کی تصانیف موجود اور دستیاب ہیں۔

مثلاً سیرت مغلطائی کے ساتھ سیرت ابن ہشام۔ نور الیقین ، اتمام الوفا کا، اور تاریخ ابو الفدا کے ساتھ محاضرات خضری ، (عہد بنو امیہ وبنو عباس) کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ اردو میں اوجز السیر ، تاریخ خلافت راشدہ مصنفہ مولانا عبد الشکور لکھنوی اور خضری کی محاضرات کا اردو ترجمہ اور اس کے علاوہ جو بھی کتابیں تاریخ وسیرت کی میسر آئیں ان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

تاریخ وسیرت کے استاذ کے لئے عہد رسالت ۔ عہد خلافت راشدہ ۔ عہد بنو امیہ ، عہد بنو عباس اور عہد حاضر کے اسلامی ممالک کے جغرافیے خواہ عربی میں ہوں خواہ اردو میں، جس طرح ممکن ہو حاصل کر کے اس میں بصیرت حاصل کر لینی چاہیے ۔ اس لیے کہ وفاق کے مجوزہ نصاب میں تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی لازمی مضمون ہے ۔ مدرسہ کو اس سلسلہ میں مدرس کی پوری امداد کرنی چاہیے ۔ کہ اس کے بغیر مدرس ان نئے علموں کو نہ کما حقہ پڑھا سکتا ہے اور نہ امتحان کی تیاری کرا سکتا ہے۔

۸۔ علم کلام جدید اور علم اخلاق بھی جدید علوم ہیں ، ان کے پڑھانے والے استاذ کے لئے متعلقہ کتاب شروع کرانے سے قبل علم اخلاق میں امام غزالی کی احیاء العلوم کا ورنہ کم از کم کیمیا سعادت کا ، اور علم کلام جدید میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی حجۃ الاسلام ۔ انتصار الاسلام۔ قبلہ نما کا ، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ کی تصانیف کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

(آثار خیر ص ۵۰۸ تا ۵۱۹)

خدمت افتاء

دار الافتاء کا قیام

حضرت والاؒ نے جامعہ کی نشاۃ ثانیہ کے متصل بعد ہی عامۃ الناس کی دینی مسائل سے واقفیت وآگاہی کے لئے "دار الافتاء" قائم فرمایا، مگر یہ "دار الافتاء" آپ ہی کی ذات کا نام تھا، نہ مستقل عمارت تھی، نہ نائب، نہ معین، نہ ناقل، اپنی تمام تر تعلیمی، انتظامی اصلاحی و تبلیغی مصروفیات کے ساتھ یہ کام جو کئی افراد کا مقتضی ہے، حضرت والاؒ تن تنہا انجام دیتے تھے۔ خود ہی جوابات تحریر فرماتے، خود ہی انہیں رجسٹر میں نقل فرماتے اور اپنی مہر سے مزین فرما کر سپرد ڈاک کرتے۔

حضرت والاؒ علوم نبوت کے وارث وامین، اور اخلاق نبوت کا آئینہ تھے، ارشاد وہدایت، خلوص وللہیت، تقویٰ وطہارت، تدبر وفراست، اعتدال واستقامت، زہد وقناعت جیسے ان گنت محاسن ومحامد کی تصویر تھے۔

حسن تعلیم وتقریر: آپ انتہائی شفیق استاذ اور مربی تھے، سبق کی تقریر دریا بکوزہ کی مثال ہوتی، اسلوب بیان سلیس اور دلنشین ہوتا تھا، لمبی لمبی تقاریر ومباحث کو نہایت اختصار وجامعیت کے ساتھ طلبہ کو ذہن نشین کرادینا حضرت والاؒ کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق وفلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلبہ سے فرماتے کہ کل کا سبق کچھ مشکل ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں" لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب وتسہیل کے ساتھ بیان فرماتے کہ طلبا اسے نہایت سہل پاتے۔ اور ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم وتعلیم کے سلسلہ میں استاذ خود مشقت برداشت کرے، طلبہ پر بوجھ نہ ڈالے، حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والاؒ ائمہ مجتہدینؒ کے مستدلات کا ایسا محمل بیان فرماتے یا ایسا معنی خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث **"البیعان بالخیار مالم یتفرقا"** معرکۃ الآراء حدیث ہے اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ احناف سے "خیار مجلس" کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں۔ اساتذہ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں، "تفرق بالابدان" اور "تفرق بالاقوال" کی تقسیم اور "تفرق بالاقوال" کے نظائر اور قرائن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والاؒ اتنی تطویل کی بجائے ایسا جچا تلا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپؒ فرماتے "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہو جاتے، ظاہر ہے اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث "خیار مجلس" کی دلیل بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ اسی "تفرق بالاقوال" کی موجز وحسین تعبیر ہے فللہ درہ۔

علمی تبحر اور ژرف نگاہی: ۱۹۴۹ء میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عنہ عارف کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب مقرر ہوئے تاہم حضرت مفتی صاحبؒ تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والاؒ کی خدمت میں پڑھ کر سناتے، آپ کمال توجہ سے سنتے حسب ضرورت آپ کی ترمیم وتصحیح یا تصدیق کے بعد سپرد ڈاک کئے جاتے، بعض جوابات پر حضرت والاؒ مرتبت کچھ اضافہ بھی فرماتے، جو آپ کی دقت نظر، تبحر علم، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہ دور رس کا شاہکار ہوتے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو:

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالم دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ "تفسیر بلغۃ الحیران" کے مختلف مقامات پر آیات کی

ایسی تفاسیر کی گئی ہیں، جو سلف صالحین اور اہلسنت والجماعت کے عقائد ونظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت میں مستفتی نے ۶ مقامات باحوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا کہ کیا یہ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار تو نہیں ؟

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپ نے تمہیداً لکھا "ہمارا مسلک دیوبند کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے، ہم عبارات مشکوکہ و مشتبہ کی بنیاد پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے، افراط تفریط۔۔۔یہی دو ایسے امر ہیں جن کی بنیاد پر امت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں، اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اسکے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا کہ ہم نے آپ کی محولہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر و تفسیق سے مانع ہے۔ لہذا ہمیں قول مالا یرضیٰ بہ القائل لے کر کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

بظاہر یہ جواب مکمل تھا مگر حضرت والاؒ نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے یہ محسوس فرمالیا کہ اس فتویٰ سے بعض اہل غرض یہ تاثر بھی دے سکیں گے کہ خیر المدارس نے تفسیر بلغتہ الحیران کی من وجہ تائید و توثیق کردی ہے۔ آپؒ نے اس تاثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات و عواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے۔

"حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنف بلغتہ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور احوط ہے۔ مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہلسنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ابہام ومغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہوسکتے ہیں، مگر اس کے ضرر اور اثم سے براۃ کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک اسکی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے واللہ الموفق"۔

ازاحقر خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان

۱۳۷۰/۶/۹ھ

مندرجہ بالا اضافہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت والاؒ فتاویٰ کا محض سرسری سماع نہیں فرماتے تھے، بلکہ پوری ذمہ داری اور احساس مسئولیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ "خیر الفتاویٰ" کے نام سے جامعہ خیر المدارس کی جانب سے شائع کئے جارہے ہیں۔

دینی مدارس کا قیام : حضرت والاؒ کی تحریر میں گزر چکا ہے کہ جب ۱۳۴۹ھ مدرسہ فیض محمدی سے حضرت کی تدریس کا سلسلہ منقطع ہوا تو اپنے پیرومرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مشورہ سے جالندھر شہر (مشرقی پنجاب) میں مدرسہ خیر المدارس قائم

فرمایا، حضرت والاؒ اس مدرسہ کا نام حضرت حکیم الامتؒ کی نسبت سے "اشرف المدارس" رکھنا چاہتے تھے، جب حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں اس نام کی تجویز پیش کی گئی تو حضرتؒ نے برجستہ فرمایا: اسکا نام "خیر المدارس" کیوں نہ رکھا جائے؟

چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ نام واقعی اسم بامسمیٰ ثابت ہوا۔

پاکستان میں ہجرت کے بعد "خیر المدارس" کی خیر شہر اولیاء ملتان کے حصہ میں آئی اور حضرت نے یہاں آتے ہی بلا توقف ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ فرمادی، اور حضرت والاؒ کے حسن انتظام کی برکت سے بحمد للہ مدرسہ خیر المدارس سے یہ "جامعہ خیر المدارس" بن گیا اور اسکی متعدد شاخیں قائم ہوئیں۔

مولانا محمد ازہر مدیر الخیر لکھتے ہیں:

خیر المدارس جالندھر

چنانچہ حضرت حکیم الامت کی سرپرستی میں ۱۹ شوال المکرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۱۳ء خیر المدارس کا وجود

"توکلا علی اللہ" عمل میں آیا ابتداء کے آزمائشی عبوری دور کے بعد بحمد للہ مدرسہ نے اپنے دینی مقاصد تعلیم و تبلیغ میں ہر سال نمایاں کامیابی حاصل کی، اور علماء و صلحاء کے پر خلوص تعاون اور دعاؤں سے ظاہری اور باطنی ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ اس نشاۃ اولیٰ میں سیکڑوں طلباء تفسیر قرآن، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد، کلام، فرائض، معانی، مناظرہ، اور قرآن مجید حفظ وناظرہ سے فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس اور تعلیم و تبلیغ جیسی دینی خدمات میں مشغول ہوئے۔

خیر المدارس کا مسلک و مشرب: درحقیقت خیر المدارس اور اس جیسے سیکڑوں مدارس عربیہ تحفظ دین کی ایک تحریک تھے، جن کا کام اور مسلک و مشرب واضح تھا، لیکن بدقسمتی سے طبقہ علماء میں محسوب بعض افراد نے ان علماء ربانی پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں بدنام کرنا چاہا جو انگریز کے خلاف ذہن سازی اور حفاظت و دفاع دین کے محاذ پر کام کر رہے تھے، اس لئے بانی خیر المدارس نے جامعہ کے مسلک و مشرب کی تعیین کر دی تا کہ اس کا علماء حق سے تعلق و وابستگی واضح رہے اور کسی کو شبہ کی گنجائش نہ ہو، آپ نے لکھا کہ "خیر المدارس کا مسلک عقائد اہل سنت والجماعت فقہ حنفی، اور طرز فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشرب کے مطابق ہے۔ جامعہ کے مسلک و مشرب کی طرح اس کے اغراض و مقاصد بھی متعین کئے گئے، تاکہ مستقبل میں جامعہ کی تعلیمی یا انتظامی خدمات انجام دینے والوں کو یہ امور ملحوظ رہیں"۔

اہم اغراض و مقاصد:

(الف) مسلمانوں میں علوم دینیہ، یعنی قرآن وحدیث، عقائد اہل سنت والجماعت، فقہ حنفی اور متعلقہ علوم کی ترویج و اشاعت کرنا۔

(ب) قرآن، حدیث، عقائد، فقہ کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام جس میں ضروریات دین اور مقتضیات عصریہ کا خاطر خواہ لحاظ ہو اور جس سے تحقیقی بصیرت رکھنے والے ماہرین علوم دینیہ پیدا ہو سکیں۔

(ج) علوم دینیہ کی عمومی تکمیل کے ساتھ ساتھ خصوصی شعبوں میں ایسے متخصصین تیار کرنا جو علوم دین کے اہم شعبوں میں مہارت تامہ حاصل کر کے کسی خاص گوشہ میں امتیازی خدمات مثلاً قضاء، افتاء، تبلیغ ومناظرہ، تحریر وتقریر اور تصنیف وتالیف انجام دینے کے اہل بن سکیں۔

ہجرت پاکستان: جالندھر میں ہمہ قسم کی دشواریوں کا مقابلہ کر کے خیر المدارس کی بنیاد رکھی گئی تھی، خدائے شکور نے اپنے مخلص بندوں کے جذبہ اخلاص کی قدردانی فرمائی اور تھوڑی ہی مدت میں "خیر المدارس" ہند میں طلبہ دین کا مرکز ومرجع بن گیا،

لیکن تقسیم برصغیر سے اس گلستان میں خزاں آگئی، بانی جامعہ حضرت مولانا خیر محمدؒ ہجرت کر کے برصغیر کے قدیم ترین شہر ملتان (پاکستان) میں تشریف لے آئے آپؒ کا اس شہر میں تشریف لانا قدرت کی طرف سے اس قدیم علمی شہر میں ایک اور بڑے مرکز علمی کے اضافے کا سبب بنا، اسے تاریخ کا عجیب کہیے حسن اتفاق کہ پورے ہند میں دین کا سب سے پہلا مدرسہ بھی ملتان میں قائم ہوا اور قیام پاکستان کے بعد بھی سب سے پہلا دینی مدرسہ ملتان میں بنا، اول الذکر کی بناء، تاریخ فرشتہ کی رو سے، ناصر الدین قباچہ نے مولانا قطب الدین کاشانیؒ کے لئے رکھی اور مؤخر الذکر کو عامۃ المسلمین کے لئے استاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے پروان چڑھایا، سلطان ناصر الدین قباچہ کے مدرسہ میں پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے بھی تعلیم پائی ہے۔

ملتان کے معروف شاعر اسد ملتانی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔

اے اسد وہ شہر ملتان ہے جہاں قائم ہوا　　ہند میں تعلیم کا سب سے پہلا مدرسہ
شیخ قطب الدین کاشانیؒ کی خاطر اس جگہ　　ناصر الدین قباچہ نے بنایا مدرسہ
جس میں پڑھتے تھے بہاؤ الدین زکریا کبھی　　اللہ اللہ مدرسہ ہوگا وہ کیسا مدرسہ

خیر المدارس کا قیام: ۱۳۴۹ھ میں مدرسہ فیض محمدی بند ہونے پر آپؒ نے حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے مشورہ واجازت سے مسجد عالمگیری جالندھر میں ایک مدرسہ کا آغاز فرمایا، جس کا نام حضرت حکیم الامتؒ نے "خیر المدارس" تجویز فرمایا۔

اللہ تعالی نے حضرت حکیم الامتؒ کی توجہات ونگرانی اور ہمارے حضرتؒ کے حسن اہتمام وانتظام کی بدولت خیر المدارس جالندھر کو مقبولیت عامہ عطا فرما کر طلباء دین کے لیے مرجع بنا دیا سیکڑوں طلبہ اس دور میں اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے اور قرآن وحدیث کے ماہر جید عالم بن کر نکلے۔

قیام پاکستان کے بعد: تقسیم ہند کے فوراً بعد مدینۃ الاولیاء ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ حضرتؒ کے مبارک

ہاتھوں سے ہوئی، استاذ العلماء حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب کاملپوری جیسے جید محدث وصاحب نسبت بزرگ اور حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ جیسے مخلص خادم قرآن حضرتؒ کو ابتداء میں میسر آئے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے اخلاص اور دین کے درد کے ساتھ شبانہ روز مساعی اور قربانیاں یہاں بھی رنگ لائیں اور بہت جلد مدرسہ نے پورے ملک میں مرکزی حیثیت حاصل کرلی۔

تعلیم وتدریس کے نظم میں حضرتؒ کا ایک خاص مزاج تھا اور آپ نہایت استقامت سے اسکی پابندی فرماتے تھے ، حضرت سیاسیات کے خلاف نہ تھے بلکہ اس باب میں آپکی مستقل خدمات ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل حضرت حکیم الامتؒ کے مؤقف کی حمایت اور تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد میں حصہ لیا، قیام پاکستان کے بعد علماء حق کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے کوشاں اور اسلامی دستور کی تمام کوششوں میں شریک رہے ، مگر مدرسہ میں ذہنی تشتت ، پراگندہ خیالی، آزاد روی اور سیاسی ذہن کے قائل نہ تھے ، آپ فرماتے تھے :

ہم تقسیم کار کے قائل ہیں اہل باطل کے حملوں سے دفاع اور ان کے خلاف عملی اقدام کے لئے سیاسی میدان کی بھی ضرورت ہے ، سیاست کا ایک مستقل میدان ہے اور تعلیم دین اس سے مختلف الگ شعبہ ہے ۔ اختلاط سے دونوں شعبے کمزور ہوتے ہیں اور کوئی کام بھی صحیح نہیں ہوپاتا ، اپنے اپنے مزاج کے مطابق سیاست میں حصہ لیا جائے مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ، دوران تعلیم غیر تعلیمی مشاغل ، بالخصوص عصر حاضر کی سیاسیات میں آلودگی طلباء کے لئے سم قاتل ہے۔ حضرتؒ کے اسی تصلب واستقامت کا نتیجہ تھا کہ بحر سیاست میں بلاخیز طوفان آئے ، مدوجزر کی تند وتیز لہروں نے بیسیوں کے نظام تعلیم کو تہ وبالا یا کم از کم متاثر ضرور کیا لیکن خیر المدارس کے سکون واطمینان اور تعلیمی امور میں ان خارجی ہواؤں کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ، جو بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ خیر الاساتذہ اور خیر الطلبہ کا مصداق ہیں، بدستور اپنی تعلیمی وتدریسی مصروفیات میں منہمک رہے۔ حضرتؒ کی زندگی کے آخری ایام میں سیاست نے ایک وبائی مرض کی حیثیت اختیار کرکے تقریباً تمام مدارس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور خالص دینی تعلیمی وتدریسی کام ناممکن کے قریب تھا۔ ان حالات میں بھی آپؒ نے اپنی فطری سلامت طبع ، میانہ روی ، اعتدال مزاجی ، حسن انتظام ، تحمل وبرداشت اور تدبر وفراست کے ساتھ خیر المدارس کے تعلیمی سفینہ کو منزل تک پہنچایا ، اس دور میں اساتذہ اور طلبہ کو سیاست میں آلودہ ہونے سے بچانا اور مدرسہ کے ماحول کو خارجی اثرات سے متاثر نہ ہونے دینا یقیناً حضرت کی کرامت تھی۔

مدارس کی سرپرستی : اپنے دور میں حضرت والا مرجع خلائق تھے ، ہزاروں اہل علم "خیر المدارس" کے چشمہ صافی سے سیراب ہوئے ، اور انہوں نے حضرتؒ کی سرپرستی میں اپنے اپنے علاقوں میں دینی مدارس قائم فرمائے۔

مولانا محمد ازہر مدیر "الخیر" لکھتے ہیں :

پاکستان کا دار العلوم : جامعہ کی انہیں ظاہری وصوری اور معنوی وروحانی خصوصیات نے اسے مقبولیت عامہ اور اہل نظر کے ہاں محبوبیت کا درجہ عطاء کیا پاکستان کے متعدد اکابر اور اصحاب علم وفضل نے جامعہ میں علم وعمل کی جامعیت

اسکے نظم ونسق ، وضع اسلامی اور طرز سلف صالحین کو دیکھ کر اسے بے اختیار پاکستان کا " دارالعلوم (دیوبند) قرار دیا ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے کتاب الآراء میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا :

" پاکستان آنے کے بعد نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی دیوبند اور سہارن پور کا نمونہ نظر آئے سو الحمد للہ "خیر المدارس" آنے کے بعد وہ نمونہ نظر آیا اور دل کو تسلی ہوئی"۔

دینی خدمات عالمی سطح پر : جامعہ خیر المدارس نے اپنے بانی کی جدوجہد اخلاص ، حسن تدبر اور حسن سلیقہ کی بدولت پاکستان ہی نہیں عالمی سطح پر بھی معروف مقام حاصل کیا ہے۔ اس وقت بیرونی ممالک ایران ، افغانستان ، برما ، بنگلہ دیش ، سری لنکا ، اور بھارت وغیرہ سے تشنگان علوم اپنی پیاس بجھانے یہاں آتے ہیں اور پھر اپنے ممالک اور دیگر اسلامی ممالک کو اس چشمہ صافی کے علوم وفنون سے سیراب کرتے ہیں اس وقت بھی برما ، ہندوستان ، بنگلہ دیش اور برطانیہ کے علاوہ حرمین شریفین میں جامعہ کے فضلاء وقراء خدمت دین انجام دے رہے ہیں۔ جن میں مولانا قاری محمد عبد اللہ (مدینہ منورہ) قاری عبدالحنان صاحب (مدینہ منورہ) اور مولانا قاری سیف الدین صاحب (مکہ مکرمہ) کی دینی ، تعلیمی خدمات عالمی طور پر متعارف ومسلم ہیں۔

جامعہ کی مرکزیت : جامعہ کو بحمد للہ پورے پاکستان میں جو خداداد مقبولیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ جامعہ کی مرکزی عمارت ۷ ۴ کنال ۷ ۱ مرلہ پر مشتمل ہے ، جس پر ۲۰ مکانات ۳۰ درسگاہیں ۲۶ رہائشی کمرے مستقل دار القرآن (جو پانچ درسگاہوں اور پانچ رہائشی کمروں پر مشتمل ہے) اور ۶ سٹور ہیں ان میں ۴۲ اساتذہ اور سترہ ملازمین مدرسہ ہیں لیکن اس کے باوجود طلبہ کی کثرت کے باعث یہ ناکافی ہے ، چنانچہ مختلف جگہوں پر حسب ضرورت جامعہ کی شاخیں قائم کرکے اس ضرورت کو پورا کیا جارہا ہے۔ اس وقت مندرجہ ذیل شاخیں مصروف کار ہیں۔ جن میں ایک سے تین تک اساتذہ کرام اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۱- مدرسہ ضیاء العلوم ، بستی سحر ضلع وہاڑی
۲- مدرسہ تعلیم القرآن قدیر آباد۔ملتان۔
۳- مدرسہ تعلیم القرآن نواں شہر ملتان۔
۴- مدرسہ تعلیم القرآن انصار کالونی ملتان۔
۵- مدرسہ تعلیم القرآن اشرف آباد۔ملتان۔
۶- مدرسہ ترتیل القرآن گل گشت کالونی بلال مسجد۔ملتان۔
۷- جامعہ مدنیہ (رجسٹرڈ) مدنی مسجد ، چوک کمہاراں ملتان۔
۸- جامعہ ترتیل القرآن حسن آباد گیٹ نمبر ۱ ملتان۔
۹- مدرسہ تعلیم القرآن نیل کوٹ ملتان
۱۰- مسجد اشرف ، رائٹرز کالونی ملتان۔

۱۱- مدرسہ تعلیم القرآن جسٹس عبدالحمید کالونی ملتان۔
۱۲- مدرسہ عربیہ رحیمیہ تعلیم القرآن رجسٹرڈ، جامع مسجد رحمانیہ، نیو ملتان۔
ان تمام شاخوں کے جملہ اخراجات جامعہ کے مرکزی شعبہ مالیات سے پورے کئے جاتے ہیں اس وقت جامعہ میں ۵۵۰ طلباء اور اس کی شاخوں میں ۱۴۶۵ طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں گویا دو ہزار کے لگ بھگ طلباء وطالبات بیک وقت علوم دینیہ سے مستفیض ہو رہے ہیں۔
اس سال (سنہ ۱۴۰۷ھ) میں ۱۱۹ فضلاء درس نظامی، ۲۰۴، حفاظ کرام، ۱۸ قراء، ۷۴ فاضلات اور ۳۸ حافظات کو تعلیم سے فراغت کی سندات دی جائیں گی"

تعلیم نساء: حضرت والاؒ کے دور میں دینی مدارس میں طلبہ کی تعلیم کا تو بحمد للہ اہتمام تھا، لیکن بچیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا، کیوں کہ بچیوں کے تعلیم کے راستہ میں بہت سی نزاکتیں حائل ہیں، لیکن حضرت والاؒ نے مدرسہ "خیر المدارس" میں شعبہ "تعلیم النساء" کا اجراء فرما کر ایک مجددانہ قدم اٹھایا، اس شعبہ کا اجمالی تعارف حضرت والاؒ کی فیض یافتہ محترمہ ام صہیب کے قلم سے درج ذیل ہے:

تعلیم دین کی فرضیت صرف مردوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے افسوس کہ اب اس طرف سے انتہائی غفلت ہے اسلام دشمن عناصر جو مسلمانان عالم کی تنزلی وپستی کے درپے ہیں سب سے پہلے مسلمان عورت ہی کو جو کہ علم دین سے ناآشنا تھی آزادئ نسواں کے پر فریب نعرہ سے صراط مستقیم سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اقوام کی پستی وبلندی کا مدار عورت کی سیرت سازی یا کردار کشی سے ہے عورت کا صالحہ ہونا پوری قوم کے صالح ہونے کی علامت ہے۔

"الدنيا متاع خير المتاع امراة صالحة"

یہ خطہ ارض جس کے حصول کا مقصد صرف اور صرف نفاذ احکام شرعیہ ہی بتلایا گیا تھا اس میں اس قصد کی پائمالی تاہنوز جاری ہے مسلمان عورت کا اپنے فرض منصبی سے ہٹ کر مغرب کی کورانہ تقلید کی زد میں آجانا اسلامی تشخص کے لئے نہایت مضر ہے، تاہم غنیمت ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں فکری اقدار اور اسلامی روایات کے تحفظ وبقاء کے لئے کام کرنے والے افراد اور ادارے موجود ہیں اس سلسلہ میں سر فہرست استاذی ومرشدی واستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا نام نامی واسم گرامی ہے حضرت کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں بلکہ ان کا زریں تعارف سرزمین ملتان کی دینی درسگاہ جامعہ "خیر المدارس" کے تابناک نام سے اظہر من الشمس ہے، حضرت مرحوم نے جہاں مسلمانوں کے درس نظامی کے باضابطہ نصاب کا اجرا فرمایا، وہاں مسلم بچیوں کے لئے بھی جامعہ "خیر المدارس تعلیم النساء" کا اجراء فرمایا۔ تعلیم النساء کے اجراء کا مقصود حضرت والاؒ کا صرف اور صرف یہی تھا کہ مسلمان بچیوں کو صحیح اسلامی عقائد وافکار کی قرآن وحدیث کی روشنی میں تعلیم دیجائے اور خالص دینی ماحول میں انکے اخلاق کی تربیت کی جائے تاکہ مغرب زدہ ماحول اور جدیدیت کے زہر سے معصوم ذہنوں کو مصفا رکھا جائے اور آئندہ نسل صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے، اس غرض سے مدرسہ "تعلیم النساء" کے طریقہ تعلیم کو تین شعبوں میں منقسم فرمایا۔

۱۔ شعبہ پرائمری یعنی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اردو پڑھنا لکھنا حکومت کا منظور شدہ نصاب اور ساتھ ہی مدرسہ کے نصاب تعلیم کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ پانچویں جماعت تک طالبہ صحت الفاظ اور تجوید کے قواعد کے مطابق قرآن کریم مکمل کر لے، اور ساتھ ہی اسلامی عقائد و احکام سے واقفیت کے لئے تعلیم الاسلام کے چاروں حصے داخل نصاب فرمائے۔

۲۔ دوسرا شعبہ ان خواندہ طالبات کے لئے مقرر فرمایا جس میں ابتدائی فارسی و عربی گرائمر و ادب یعنی صرف و نحو ترجمہ قرآن مجید، زاد الطالبین، ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف، تفسیر بیان القرآن اور فقہی مسائل کے لئے نور الایضاح وقدوری کا چہار سالہ نصاب مقرر فرمایا۔ اضافی نصاب یعنی پانچویں سال میں بخاری شریف، شمائل ترمذی اور موطا امام محمد جیسی مستند کتابیں مقرر کی گئیں۔

۳۔ تیسرا شعبہ طالبات کے لئے حفظ قرآن مجید کا ہے۔

بحمد للہ مدرسہ تعلیم النساء تینوں شعبوں میں باحسن طریق کامیاب ہے تعلیم النساء سے طالبات ہر سال کافی تعداد میں درس نظامی و حفظ قرآن مجید سے فراغت کی سند حاصل کرتی ہے جس کے نتیجے میں بفضل تعالیٰ ملک بھر میں جامعہ کی فاضلات دینی تعلیم و تبلیغ کے اہم ترین فریضہ کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں، اب تک مدرسہ تعلیم النساء سے اڑھائی سو طالبات سند فراغت حاصل کر چکی ہیں اس وقت تقریباً ساڑھے نوصد طالبات شعبہ تعلیم النساء میں زیر تعلیم ہیں۔

۱۴ معلمات شعبہ پرائمری اور شعبہ حفظ و کتب میں مصروف کار ہیں مدرسہ تعلیم النساء، جامعہ سے علیحدہ مستقل عمارت میں قائم ہے جس میں طالبات کے شرعی پردہ کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ ادارہ کے اس شعبہ سے اہل ملتان کو خصوصیت سے فائدہ پہنچا ہے، ہر سال اتنی کثرت سے طالبات کے والدین سرپرست اپنی بچیوں کے لئے آتے ہیں کہ عمارت کی کمی کی وجہ سے بہت سے حضرات سے معذرت کرنی پڑتی ہے، یہ سب حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و حسن نیت کا ثمر ہے۔" لسان نبوت کا ارشاد ہے:

انما الاعمال بالنیات ----- حضرت نور اللہ مرقدہ کا تعلیم نسواں کے بارے میں فرمان تھا کہ مرد تو جتنا بھی دیندار ہو کسب معاش کے سلسلے میں بچوں سے دور ہی رہتا ہے، اس لئے باپ کا کردار اولاد پر اثر انداز نہیں ہوتا جتنا ماں کا ہوتا ہے اگر ماں عقائد صحیحہ اور ایمان کی نعمت سے مالامال ہو، اخلاق و اطوار میں شریعت مصطفوی کی جھلک ظاہر ہو تو واضح ہے کہ بچہ ماں ہی کے اعمال و عقائد کا نقش لے گا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا دیندار ہونا مسلمان قوم کی حیات و بلندی کے لئے اشد ضروری ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم (الخیر ۷۷ تا ۷۸)

اور الحمد للہ کہ جس کام کی ابتدا بالخیر حضرت والاؒ نے فرمائی تھی اب متعدد شہروں میں یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور بچوں کی تعلیم کے لئے اچھی اچھی درسگاہیں قائم ہو چکی ہیں۔ لیکن ابھی تک بچیوں کے سلسلہ میں بڑی تشنگی محسوس کی جاتی ہے، اور قرآن مجید کے حفظ و ناظرہ کے علاوہ "عالمات" کے درجات کی مزید درگاہیں قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے، لیکن اس راہ پر بڑے حزم و احتیاط اور شرعی اصول و قواعد کی پابندی کی بڑی ضرورت ہے۔

وفاق المدارس کی تشکیل

حضرت والاؒ کا ایک مجتہدانہ کارنامہ "وفاق المدارس العربیہ" کی تشکیل ہے۔

"قیام پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد وقصبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب ومدارس وجود میں آئے لیکن یہ سیکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے، جو اپنی اپنی جگہ آبدار وتابناک تو ضرور تھے، لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابل ذکر حیثیت ومقام حاصل نہ تھا، عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارس عربیہ میں انضباط اور ارتباط اور معیار تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے اس تجویز کی افادیت واہمیت اور تقاضائے وقت کے پیش نظر اکابر علماء نے اس کی توثیق فرمائی۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے اس تجویز کو خصوصیت کے ساتھ سراہا۔

چنانچہ اجلاس میں موجود حضرات، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا۔

آج "وفاق المدارس العربیہ" کی لڑی میں ایک ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں جس کا نصاب طریق امتحان سندات وغیرہ یکساں ہیں حکومت پاکستان نے "وفاق" کی تیس سالہ وقیع علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی واسلامیات کے برابر تسلیم کیا۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ بعد ازاں مختلف مذہبی طبقات کی طرف سے اپنے حلقہ اثر کے مدارس کی شیرازہ بندی میں وفاق ہی کی پیروی میں تنظیمیں بنائی گئیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ اور علمائے دیوبند کی اصابت رائے ندرت فکر اور حقیقت شناسی کا عملی اعتراف ہے **والفضل للمتقدم**"

(الخیر ص ۵۸)

حضرت والاؒ تا حیات "وفاق المدارس" کے صدر رہے۔ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ اس کے ناظم تھے، حضرت مفتی محمود کی مصروفیات کے پیش نظر جناب مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب کو ناظم دفتر مقرر کیا گیا۔

الحمد للہ! وفاق المدارس کا ادارہ جہاں مدارس عربیہ کے درمیان یک جہتی کے لئے بہت مفید ثابت ہوا وہاں بہت سی آفات وبلیات سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنا۔

اوصاف واخلاق

حضرت والاؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں سالکین وطالبین کی جتنی سخت "دھلائی" ہوتی تھی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت والاؒ کے مزاج اور اوصاف واخلاق میں کس قدر نکھار پیدا ہوگا۔ یہاں بطور نمونہ چند واقعات کا ذکر کردینا کافی ہوگا۔ ایک مسلمہ حقیقت کو نہایت سادہ الفاظ میں بیان کیا۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں

آدمی ، آدمی بناتے ہیں

انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے انسان کی سوانح اٹھالیجئے وہ آپ کو کسی نہ کسی معلم، مربی، استاذ، شیخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتا ۔۔۔ اور اپنی بے علمی ونادانی کا اعتراف کرتا نظر آئے گا، جو لوگ صرف کتاب کے عالم بنتے ہیں انہیں حروف ونقوش تو یاد ہوجاتے ہیں، لیکن یہ نقوش نقش حیات نہیں بن پاتے۔ اس کے لئے صرف کسی نظر کیمیا اثر کی ضرورت پڑتی ہے سچے طالب ہمیشہ ایسے اہل نظر کے متلاشی رہتے ہیں۔

جو نظر سے دل کو بدل سکے مجھے اس گدا کی تلاش ہے۔

انہی اللہ والے صاحب نظر لوگوں میں سے قدوۃ الاصفیاء محبوب العلماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی تھی۔

جی چاہتا ہے کہ ان کے گلستان زندگی کے چند پھول نذر قارئین کئے جائیں جن کی نزاکت، لطافت، حسن، اور خوشبو سدا بہار ہے۔

بلند ظرفی کی عجیب مثال: حضرت قدس سرہ وقار ومتانت کا مجسمہ تھے کبھی کسی کی بات یا عمل کی غلطی پر اسے شرمندہ نہ فرماتے، دانستہ غلطیوں پر مناسب تنبیہ اور نادانستہ پر اغماض کی عادت تھی۔

ایک دفعہ بورے والا کے سفر میں آپؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

حضرت والاؒ بورے والا میں حاجی محمد شریف صاحب (ملتانی) کے بعض اعزہ کے ہاں مہمان تھے، روانگی سے قبل آپؒ کے ایک عقیدت مند کا شدت سے اصرار ہوا کہ ناشتہ میرے غریب خانے پر کیا جائے۔ حضرت والاؒ نظام سفر بنا چکے تھے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہ تھے۔ بالآخر اس کے اصرار پر فرمایا کہ آپ تھوڑی سی کوئی چیز لاری اڈا پر بھجوا دیں، میں کھالوں گا وہ صاحب خوشی خوشی گھر سے کچھ حلوہ بنوالائے، حضرت والاؒ نے ایک جگہ بیٹھ کر تناول فرمایا۔ اور برتن واپس کردیے حضرت کا خادم ہمراہ تھا وہ اس خلاف معمول عمل پر حیران تھا کہ حضرتؒ نے آج پوچھا تک نہیں اتنے میں روانگی کا وقت ہوگیا، حضرت والاؒ عازم سفر ہوگئے، میزبان گھر پہنچے باقی ماندہ حلوہ چکھا تو افسوس وندامت میں ڈوب گئے کہ وہ سخت کھارا اور کڑوا تھا۔ ہوا یہ کہ خاتون خانہ نے غلطی سے پسی ہوئی چینی کی بجائے نمک ڈال دیا تھا، عجلت میں کسی نے چکھا نہیں اور پلیٹ حضرت والاؒ تک پہنچ گئی۔

حضرتؒ پہلے لقمے پر ہی کمال فراست سے اصل حقیقت سمجھ گئے - اور صاحب خانہ کو شرمندگی سے بچانے کی خاطر کھارا بلکہ کڑوا "حلوہ" خود ہی ختم فرما دیا -

اکرام ضیف : من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ ارشاد نبوی ﷺ ہے حضرت والاؒ اس پر مکمل عامل تھے - مہمان کی مدارات اور ہر طرح سے اس کی راحت کا خیال خصوصی مذاق تھا، سالانہ جلسوں پر مہمانوں کے اکرام پر خاص توجہ فرماتے، اگرچہ اساتذہ کی نگرانی میں خدام طلبہ ہر ایک کی خدمت پر متعین ہوتے، مگر آپؒ اس کام کو صرف خدام پر نہ چھوڑتے ذمہ داریاں تقسیم کرنے کے باوجود ہر مہمان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ضرورت وراحت کے انتظام کی تسلی فرماتے -

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تہجد کے بعد نماز فجر سے قبل چائے پینے کے عادی تھے، موصوف جب جلسہ پر تشریف لاتے تو حضرت والاؒ اس خیال سے کہ دن رات دوڑ دھوپ کرنے والے تھکے ماندے رضا کاروں کے لئے ایسے وقت میں چائے کا اہتمام مشکل ہو جائے گا، خود دولت کدہ سے تہجد کے وقت چائے بنوا کر لاتے اور مولانا کاندھلویؒ کو پیش فرماتے -

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کو ایک دفعہ حضرت والاؒ کی اس مشکل کا علم ہوا تو عرض کیا "حضرت ہم خدام کے ذمہ لگادیں اس خدمت کو سرانجام دیں گے" حضرت والاؒ نے اعتماد فرمایا اور یہ خدمت مولانا کے سپرد کردی، لیکن اس نظم کے باوجود بے فکر نہیں ہوئے، بلکہ مولانا کاندھلوی کی آمد پر نماز فجر سے قبل ان کے کمرے میں تشریف لے جا کر معلوم فرماتے کہ چائے پہنچی ہے یا نہیں -

ایک دفعہ عجیب لطیفہ ہوا۔ حضرت والاؒ حسب معمول تشریف لائے مولانا کاندھلویؒ اور مولانا شمس الحق افغانیؒ کے کمرے ساتھ ساتھ تھے - آپ حضرت افغانی کے کمرے میں کھڑے تھے کہ مولانا کاندھلوی کا خادم نظر آیا پوچھا چائے پلادی ؟ اس نے عرض کیا ابھی لاتا ہوں حضرت یہ فرما کر کہیں اور تشریف لے گئے، خادم نے غلطی سے چائے لا کر مولانا افغانی کی خدمت میں پیش کردی، وہ سمجھے میرے لئے آئی ہے نوش فرمالی، حضرت والاؒ تھوڑی دیر کے بعد مولانا کاندھلویؒ کے کمرے میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا "چائے پی لی ؟ انہوں نے کہا پہنچی ہی نہیں فوراً مولانا محمد صدیق صاحب کی جواب طلبی ہوئی انہوں نے عرض کیا آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے خادم چائے لے گیا ہے اب تو مطبخ میں دودھ بھی نہیں حضرت معاملہ سمجھ گئے، ان سے فرمایا تم قہوہ بنا کر لاؤ میں گھر سے دودھ لاتا ہوں چنانچہ گھر سے بنفس نفیس دودھ اٹھا کر لائے - مولانا کاندھلویؒ کو حسب معمول نماز فجر سے قبل چائے پلادی -

کمال تواضع : جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درسگاہیں مدعوین علماء کرام کے لئے خالی کردی جاتی ہیں - حضرت والاؒ بھی دار الاہتمام خالی فرمادیتے، نہ ہی اپنے لئے کوئی خاص کمرہ متعین فرماتے تھے -

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت وآرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ کوئی لیٹنے کی جگہ ہے ؟ آپؒ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اس کا اہتمام کرتے کہ آپ کے لئے کوئی کمرہ خالی

رہے۔

ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا کوئی جگہ ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ کوئی جگہ خالی نہیں تمام کمروں میں مہمان آرام فرما ہیں ۔ رضاکاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی ، حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ بھی تو جگہ ہی ہے ۔ چنانچہ وہیں لیٹ گئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہوگئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے۔۔

فراست مؤمنانہ: استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے ، ابتداءً آپ درس نظامی کی کتابیں پڑھانا چاہتے تھے ۔ اتفاق سے جس سال آپ نے کچھ بچوں کو صرف و نحو پڑھائی اسی سال حفظ کا نتیجہ کمزور آیا ، حضرت والاؒ نے بلا کر صرف تحفیظ و تجوید قرآن کا کام آپ کے سپرد کردیا۔ حضرت قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سوچا کہ بچوں کو قرآن پاک یاد کروا کر کون استاذ میرے پاس تجوید کے لئے بھیجے گا ؟ لیکن ایک وقت آیا کہ تصحیح کے لئے اتنے حفاظ آنے لگے کہ داخلہ کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی ۔ یہ حضرت والاؒ کی دور اندیشی ، مزاج شناسی اور فراست تھی کہ ہر شخص کی صلاحیت مذاق کا صحیح اندازہ فرماتے تھے ۔

مسلک اعتدال: ایک سالانہ جلسہ میں جمعیۃ علماء اسلام نے لیبر پارٹی سے انتخابی اتحاد کیا تو اس پر بعض جید علماء کرام کی طرف سے شدید رد عمل ہوا "مرکزی جمعیۃ علماء اسلام" کا قیام بھی اسی رد عمل کا نتیجہ تھا ، اس کے نتیجہ میں جانبین سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں ۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو بعض غیر ذمہ دار کارکنوں نے ایسی باتیں پہنچائیں کہ ملتان کے جلسہ میں انھوں نے حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے سیاسی طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کا ارادہ کرلیا ، حضرت والاؒ کو علم ہوا تو مسکرا کر ان سے فرمایا کہ "مفتی صاحب" کو میں زیادہ جانتا ہوں ۔ چونکہ ان کے قریب ہوں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے " چنانچہ مولانا کاندھلوی نے آپؒ کے فرمانے پر اپنا ارادہ منسوخ کردیا۔

رعایت حقوق: انہی دنوں میں مرکزی جمعیۃ کے اکابر (جن کی اکثریت حضرت حکیم الامت کے متوسلین کی تھی) نے ملتان میں جلسے کا نظم طے کیا ان کا ارادہ تھا کہ جلسہ احاطہ "خیر المدارس" میں ہو ، حضرت والاؒ بعض مصالح کے پیش نظر اس کو مناسب نہ سمجھے اس لئے جلسہ کی اجازت تو نہ دی ، البتہ یہ فرمایا کہ جلسہ کے دن ہم آپ کی مہمانی کردیں گے جو حضرات علماء باہر سے تشریف لائیں وہ ماحضر ہمارے پاس تناول فرمائیں ۔ یوں حضرت والاؒ نے فریقین کی رعایت فرمادی اور طبقہ علماء میں کسی کو ناراض بھی نہ فرمایا۔

بے نفسی : اسی انتخابی فضا میں ہندوستان سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ (خلف الرشید شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ) تشریف لائے ، جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر کی طرف سے محبانہ اور مشفقانہ تعلقات کی وجہ سے جلسہ میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی ، مگر جب آپ کو جلسہ کا علم ہوا تو خود تشریف لے گئے اور یہی آپ کی تواضع اور بے نفسی کے شایان

شان تھا رحمہ اللہ تعالیٰ و نور اللہ مرقدہ

(الخیر ص نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۴)

باکمال منتظم: اللہ جل شانہ نے حضرت اقدسؒ کو بے مثال اور قابل رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا، مردم شناسی اور کمال فراست کے مالک تھے ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرمالیتے تھے آنحضرت ﷺ کے ارشاد " **اتقوا فراسته المؤمن فانه ینظر بنورالله** " کے مصداق کامل تھے۔

ادب و تواضع: حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحاب معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سلیمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرماتے، حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دابتے رہے۔ یہ خدام کو ادب و تواضع اور اکرام ضیف کا عملی درس تھا۔

(الخیر ص نمبر ۵۷)

حق پرستی

جمعہ فی القریٰ: جمعہ فی القریٰ کے موضوع پر استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی شیخ المشائخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے گفتگو!

مسویٰ و مصفیٰ شرحیں موطا امام محمدؒ و غیرہ رسائل کے مطالعہ سے عند الحنفیہ جمعہ فی القریٰ کا جواز سمجھ میں آیا۔ اور تخمیناً تین سال اس پر عمل کیا، بلکہ ایک تحریر بھی قلمبند کی، اسی اثناء میں تھانہ بھون حاضری ہوئی اس سفر کی تفصیل یہ ہے کہ منڈی صادق گنج کے قیام کے دوران ایک دفعہ مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی کے لڑکے (کے) ساتھ رنگون جانے کا قصد ہوا۔ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ کے وسط میں ہم براستہ دہلی بمبئی گئے۔ وہاں ایک عرب صاحب جو مولانا عبد الرحیم صاحب غزنوی کے داماد بھائی تھے۔ ان کے پاس ایک ہفتہ تک قیام رہا، پھر وہاں سے متھرا ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ دو روز وہاں ٹھہر کر رنگون کو جہاز پر روانہ ہوئے۔ تیسرے یا چوتھے دن جہاز رنگون پہنچا۔ وہاں عشرہ اخیرہ رمضان مبارک اور عید الفطر گزارے۔ واپسی میں بریلی میں مدرسہ اشاعت علوم میں ایک دو دن قیام کیا۔ پھر عشرہ اولیٰ شوال ۲ مئی ۱۹۲۴ء ۱۳۴۲ھ تھانہ بھون میں حاضر ہوئے، حضرت والا سے ملاقات ہوئی، شب کو میں نے حضرت کی خدمت میں ایک خط لکھا، صبح اس کا جواب ملا، اور میرے مرض کی تشخیص بھی کی۔ پھر جواب الجواب میں اس مرض کو تسلیم بھی کیا تو حضرت والاؒ نے دعا دی، اور لکھا جی خوش ہوا، ھنیالک العلم والعمل۔ پھر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ ہوا تو جی میں آیا کہ سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں اس کا ذکر کر کے تشفی حاصل کرلی جائے، مگر حضرت اقدس کے خداداد رعب کی وجہ سے بالمشافہ ذکر کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی تردد کی حالت میں واپسی کا پختہ ارادہ کر کے دوپہر کے وقت الوداعی مصافحہ کرنا چاہا۔ تو خود فرمایا کہ کچھ پوچھنا تھا تو پوچھ لینا تھا۔ یہ حضرت والاؒ کی کرامت تھی، میں نے عرض کیا پوچھنا تو تھا، مگر بات لمبی ہے۔ آپ کا

وقت عزیز ضائع ہو گا دوسرے رعب بھی مانع ہے۔ میں پوری بات نہیں کر سکوں گا۔ فرمایا وہ بات دین کی ہے یا دنیا کی عرض کیا گیا دین کی ہے۔

فرمایا پھر وقت ضائع کیسے ہو گا؟ میرا تو سارا وقت ہی دین کے لئے ہے دوسری بات کا جواب فرمایا کہ آپ مرعوب بالکل نہ ہوں، یوں سمجھو کہ میں دیوار کے سامنے بیٹھا ہوں۔ بے فکر ہو کر اپنے شبہات بیان کرتے جائیے اور جوابات سنتے جائیے۔

حضرت والا کے ان شفقت آمیز لہجہ اور حوصلہ افزاء کلمات طیبات سے دل میں حوصلہ ہوا، اور گفتگو شروع ہوئی جو سوال وجواب کی صورت میں درج ذیل کی جاتی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی الخ کا خطاب عام اہل ایمان کو ہے اس میں اھل قریٰ بھی مخاطب ہیں۔

جواب: اس آیت میں الذین اسم موصول عہد خارجی ہے، قرینہ اس پر آیت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہے لہذا مخاطب اہل ایمان مصری ہیں نہ کہ قروی۔

سوال: احادیث۔ الجمعة واجب علی کل مسلم جمعوا الخ حیث ما کنتم وغیرہما الخ پیش کی گئیں

جواب: ہر ایک کا جواب شافی عطا فرمایا۔

مسویٰ ومصفیٰ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جس گاؤں میں پچاس آدمی ہوں تو وہ جمعہ نہ پڑھیں تو گنہگار ہوں گے تمام حضرات دیوبند سے حضرت شاہ ولی اللہ بڑے ہیں چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول پر عمل کر لینے سے سلسلہ سے بھی انسان خارج نہیں ہوتا۔

جواب: آپ نے اصول ٹھیک بیان کیا مگر انطباق میں غلطی کی حضرات دیوبند جو کچھ کہتے ہیں وہ از خود نہیں کہتے بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات نقل کرتے ہیں۔ اب شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ان حضرات کے ساتھ کیجئے۔ اور چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول کو ترجیح دیجئے۔

الغرض میرے تمام سوالات کے جوابات مناظرہ رنگ میں دیکر مجھے لاجواب کر دیا، مگر قلب میں شرح صدر نہ ہوا میں نے عرض کیا کہ شبہات تو بحمد اللہ دور ہو گئے، مگر ابھی شرح صدر نہیں ہوا، آپ نے فرمایا دیکھو آپ نے کنز وغیرہ میں یہ جزئیہ پڑھا ہو گا کہ اگر مصری تندرست جس پر باتفاق ائمہ حنفیہ جمعہ فرض ہے اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے، اور یہ گمان کرے کہ جامع مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو گا، تو تمام ائمہ حنفیہ کے نزدیک فرض وقتی ساقط ہو جاتا ہے اور جہاں ائمہ حنفیہ میں سے کسی کے نزدیک بھی جمعہ اداء نہیں ہوتا، جیسے قریٰ صغریٰ تو وہاں ظہر پڑھ لینے سے کوئی فرض ساقط نہ ہو گا۔۔۔ پتہ نہیں یہ کس دل اور کس طرز سے اداء فرمایا تھا کہ فوراً دل صاف ہو گیا اور شرح صدر ہو گیا عرض کیا گیا کہ الحمد للہ شرح صدر بھی حاصل ہو گیا۔ اب جتنے جمعہ قریٰ میں پڑھے ہیں حساب لگا کر ظہر قضا کر لوں گا۔

ارشاد فرمایا کہ فی ماہ پانچ جمعہ کا حساب لگانا، کیونکہ کسی کسی ماہ میں ۵ جمعہ بھی آجایا کرتے ہیں۔ چنانچہ رمضان ۱۳۴۳ھ میں گاؤں پہنچ کر مسجد میں اعلان کر دیا کہ مجھے تحقیق ہو گئی ہے میں جمعہ نہیں پڑھا کروں گا جن لوگوں نے میری وجہ سے جمعہ شروع کیا ہو وہ چھوڑ دیں ورنہ مجھ پر بار نہ ہو گا پھر حساب لگا کر قضا کر لیں ــــــ فالحمدللہ علی ذلک۔

تصنیفات و تالیفات

حضرت والاؒ نے اپنی زندگی اصلاح وارشاد، تعلیم و تربیت، درس وتدریس اور مدرسہ کے انتظام وانصرام کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ لیکن ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود تحریر و تقریر کے ذریعہ بھی دینی مسائل کی وضاحت اور مسلمان بھائیوں کی اصلاح کی سعی فرماتے۔ چنانچہ متعدد علمی رسائل حضرتؒ کے قلم سے نکلے ۔ حضرت کے نبیرہ گرامی جناب مولانا حافظ قاری محمد حنیف زید مجدہ، نے حضرت کے رسائل کو یکجا کر دیا ہے، اور یہ مجموعہ آثار خیر کے نام سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کر دیا ہے۔

حضرتؒ کی تحریر کی چند امتیازی خصوصیات یہ ہیں :

(۱) زبان بڑی صاف شستہ عام فہم تکلف سے مبرا۔

(۲) انداز تحریر عالمانہ، باوقار، تعریض اور طنز و تشنیع سے پاک۔

(۳) موضوع خالص علمی مسائل۔

(۴) اور مقصدِ تحریر محض مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور اصلاح۔

(۵) تحریر کے بین السطور شائستگی، حلم ووقار اور تواضع صاف جھلکتی ہے۔

آثارِ خیر میں حضرتؒ کے درج ذیل رسائل شامل ہیں :

(۱) حضرتؒ کے خود نوشت حالات۔ (جو اس مضمون میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۲) حضرتؒ کے تفسیری افادات۔

(۳) خُیر الاصول فی حدیثِ رسولِ ﷺ۔

(۴) خُیر التنقید فی سیر التقلید۔

(۵) خُیر الارشاد الی التقلید و الاجتہاد۔

(۶) خُیر المصابیح فی عدد التراویح۔

(۷) بیس رکعات تراویح سنت ہے۔

(۸) مسائلِ نمازِ تراویح۔

(۹) خُیر الوسیلۃ

(۱۰) مسئلۃ توسل کی صحیح حیثیت

(۱۱) خُیر الجواب فی ایصال الثواب۔

(۱۲) خیر ابراھین

(۱۳) خیر الافادات

(۱۴) طریقِ تعلیم درجاتِ عربیہ
(۱۵) نماز حنفی
(۱۶) الخیر دائمی جنتری
(۱۷) حضرتؒ کے مواعظ

مناسب ہوگا کہ رسائل کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

تفسیری افادات: حضرتؒ نے درس قرآن کے لئے بطور یاد داشت کے چند نوٹ ایک کاپی میں تحریر فرمائے تھے، قرآن مجید کا درس دیتے ہوئے ان کو سامنے رکھتے تھے۔ اور ان کی روشنی میں درس ارشاد فرماتے تھے، یہ سلسلہ آیت شریفہ " **ما ننسخ من آیة** " تک چلا۔ اس مجموعہ کی تحریر کا عکس آثار خیر میں چھاپ دیا گیا ہے۔ ان یادداشتوں کے چند نمونے ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔ اس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے۔

بسم الله الرحمان الرحيم

المبادی المتعلقة بترجمة القرآن الكريم

(۱) قال ابن عباسؓ لا بد للقاری من اربعة اشیاء (۱) اخلاص نية (۲) خشوع وخضوع (۳) طهارة ظاهره وباطنه (۴) سوال من الله بزبان العلم والعمل.

(۲) جب فطرۃ انسانیہ میں مادہ طاعت و معصیت کا رکھا گیا اور یہ ملکیت و بہیمت کا جامع ہوا تو اس کو امانت الٰہیہ (استعداد وقبولِ حق) کا حمل بنایا گیا۔ **کما قال تعالی: "انا عرضنا الامانة"** الخ اور اس کی حفاظت و تکمیل کے لئے قانون و دستور شریعت (قرآن) عطا فرمایا گیا۔

(۳) **اسباب نزول:** (۱) عقائد باطلہ۔ (۲) اعمال فاسدہ (۳) غفلة عن اللہ

(۴) مقصد القرآن۔ **اصلاح المعاد با صلاح امور ثلاثة مذكوره**

مرجعہ: (۱) تعلیم العبدیۃ۔ (۲) تعارف الالوهیۃ

طریق اصلاح عقائد باطلہ: (۱) بدلائل عقلية (تحقيقى) (التزامى) (۲) دلائل نقليه (۱) (از کتب سابقہ وعلماء اہل کتاب) (۲) (وحی نبی کریم ﷺ)

دلیل عقلی تحقیقی: مثلا قوله تعالى يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذى خلقكم والذين من قبلكم (بقرة)

دلیل عقلی التزامی: مثلا قوله تعالى قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع الابصار ومن يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى ومن يدبر الامر. فسيقولون الله الخ. (يونس پ ۱۱)

دلیل نقلی از کتب سابقہ: مثلا قوله تعالى واتينا موسى الكتاب وجعلنا هدى البنى اسرائيل الا تتخذوا من

دونی وکیلا "لآیۃ(بنی اسرائیل)

دلیل نقلی : از اہل کتاب : مثلا قوله تعالی الذین اتینا ہم الکتاب یتلونه حق تلاوته اولئک یؤمنون بها"لآیۃ (البقرۃ)

دلیل نقلی از وحی نبی: مثلا قوله تعالی قل انی نہیت ان اعبدالذین تدعون من دون الله کماجاء نی البینات من ربی وامرت ان اسلم لرب العالمین "لآیۃ(حم مومن ۲۴)

تنبیہ : حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں اس قسم کا نام علم المخاصمہ ہے۔ اس کے مخاطب فرق اربعہ (۱) مشرکین (۲) یہود (۳) نصاریٰ (۴) منافقین ہیں۔

طریق اصلاح اعمال فاسدہ : تفصیل حلال وحرام یعنی ما مورات منہیات اس کا نام علم الاحکام ہے

طریق اصلاح الغفلۃ :(۱) انذار۔ (۱) دنیوی۔ (۲) اخروی ۔

(۲) تبشیر۔ (۱) دنیوی ۔ (۲) اخروی۔

انذار دنیوی (۱) بتذکیر ہلاکته الامم السابقه .مثلا قوله تعالی وکم اهلکنا قبلهم من قرن هل تحس منهم من احد او تسمع لهم رکزا (مریم پ ۱۶)

(۲) بنزول انقم الالهیه . مثلاقوله تعالی انذار اخروی . مثلا قوله تعالی ونسوق المجرمین الی جهنم وردا (مریم پ ۱۶)

فائد :اول کا نام علم التذکیر بایام اللہ ۔ ثانی علم التذکیر بالموت وما بعدہ ہے۔

تبشیر دینوی (۱) بنعم الله تعالی علی هذه الامة المرحومه مثلا قوله تعالی .اذا جاء نصرالله والفتح (نصر پ ۳۰) (۲) بتذکیر غلبة الانبیاء والصلحاء السابقین .مثلا قوله تعالی .

فائدہ (۱) ان دونوں کا نام علم التذکیر بایام اللہ ہے۔

(۵) زمان ومکان : لیلۃ القدر (۴) رمضان المبارک ۔ دوسرا مکہ معظمہ ۔

(۶) اول ما نزول :ابتداء سورۃ العلق

(۷) جمع القرآن : ثلاث مرات (۱) عہد النبی ﷺ (۲) عہد ابی بکرؓ (۱) عہد عثمانؓ

ترتیب : ترتیب الآیات توفیقی بالاجماع ۔ ترتیب السور مختلف فیہ (۱) توفیقی (۲) اجتہادی (۳) توقیفی ماسوی براءۃ وانفال ۔

(آثار خیر ص ۳۰ تا ۳۲)

فوائد قصہ آدم علیہ السلام : قرآن مجید میں قصہ سات جگہ آیا ہے (۱) سورۃ بقرۃ (۲) اعراف (۳) الحجر (۴) بنی اسرائیل (۵) کہف (۶) طہ (۷) ص۔

یہاں پر چند فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (۱) حدوث نوع انسانی ۔ (۲) ابتداء آدم علیہ السلام سے ۔ (۳) آدم علیہ السلام نبی رسول متکلم ہیں ۔ اخراج الطبر انی عن ابی ذرؓ قال قلت یا رسول اللہ ارئیت آدم انبیاکان قال نعم کان نبیا رسولا کلمہ اللہ قبلہ قال یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ الخ (درمنثور ص ۵۱ ج ۱)
(۴) انسان زمین میں خلیفۃ اللہ ہے (۵) بعض انسان غیر معصوم ہیں (۶) ملائکہ تمام معصوم ہیں (۷) علم محیط خدا ہی کا ہے (۸) علم ملائکہ محدود ۔ (۹) اسرار خداوندی کے درپے نہ ہونا چاہیے، بلکہ ملائکہ کی طرح انقیاد تسلیم ہونا چاہیے ۔
زبان تازہ کردن باقرار تو　نینگیختن علت از کار تو ۔ (۱۰) علمی شغل عبادتِ تسبیح و تہلیل سے افضل ہے ۔ عند اللہ علم وہ ہے جس میں خشیت الہیہ ہو قولہ تعالی انما یخشی اللہ من عباد العلماء ۔ ورنہ علمے کہ راہ حق نماید جہالتست ۔ (۱۱) جنت میں آدم وحوا کا داخلہ چندروز بغرض امتحان ۔ (۱۲) اللہ تعالی کا علم، علم غیب کلی اور محیط کلی ۔ (۱۳) انسان کو فرشتوں پر فضیلت بوجہ مسجودیۃ (۱۴) مدار خلافت علم وفہم مع العمل ہے نہ مجاہدہ عمل ۔ فقط، کما ہو شائع فی مشائخ لطریقۃ (۱۵) انکار واستکبار شیطانی خصلت اور موجب لعنت ۔ (۱۶) مقدمہ ممنوع ہے ۔ جیسے نہی از قرب فی لاتقربا (۱۷) معصیت ظلم ہے (۱۸) شیطان اتباع جنت سے محرومی کا سبب (۱۹) انسانوں میں باہمی عداوت کی پیشگوئی ۔ (۲۰) توفیق توبہ اللہ تعالی کے اختیار میں ہے (۲۱) سجدہ تعظیمی موجب تکفیر نہیں (۲۲) اجراء نبوت از ابتداءِ عہدِ آدم علیہ السلام (۲۳) ہدایت الہیہ کا اتباع موجب نجات ہے ۔ (۲۴) کفر وتکذیب موجب دخولِ جہنم (۲۵) کامل کو بھی شیطان کے مکر وفریب سے مامون نہ ہونا چاہیے، جیسے آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ہونے تک نہیں ہوئی حالانکہ ان میں اور غیروں میں دو طرح سے فرق ہے ۔ اول کفر سے محفوظ و معصوم تھے (۲) دوئم ان کی معصیت غیروں کی طرح نہیں ۔ انکو ایسی توبہ نصیب ہوئی کہ کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہیں" 　　(آثار خیر از ص ۸۲ تا ۸۴)

خیر الاصول فی حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم : اصول حدیث پر نہایت جامع ومختصر رسالہ ہے ۔ چونکہ اکثر مدارس میں داخلِ درس ہے ۔ اس لئے محتاج تعارف نہیں ۔ اس کی قبولیت اس سے واضح ہے، کہ اسے سب سے پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے داخلِ درس فرمایا ۔

خیر التنقید فی سیر التقلید : یہ رسالہ تقلید کے موضوع پر ہے ، اس میں حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا کہ :

کسی کام کی خرابی اور برائی نتیجہ ومقصد کی خوبی اور برائی سے پہچانی جاتی ہے ۔ اور اس کی ضروت و بے ضرورت کا فیصلہ اس سے بھی ہوسکتا ہے ، کہ اس کے ثبوت یا عدم ثبوت کا صحیح معیار شرعی دلائل سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے ؟ اگر وہ کام عمدہ اور ضروری بھی ہو، اور اس کے دلائل قرآن وحدیث اور تعامل خیر القرون و سلف صالحین سے بہ کثرت پائے جاتے ہوں ، اس کے صحیح وثابت ہونے پر بھلا کس کو شک وشبہ ہوسکتا ہے ؟ ۔ بس اسی معیار کے ماتحت مسئلہ تقلید ائمہ مجتہدین کو اس مختصر رسالہ میں نہایت سادگی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ ہے ۔
واللہ الموفق وھو یھدی السبیل ۔

مقصد تقلید : اس کے بعد مقصد تقلید کی وضاحتیں کرتے ہوئے فرمایا، کہ :

دین اسلام کی بنیاد وحفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس فرض کے ممکن و مستحسن ذرائع کا حاصل کرنا واجب ہے۔ اور اس دور شر و فتن اور الحاد و زندقہ میں مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں خود رائی کو چھوڑ کر مجتہدین ائمہ کی تقلید واتباع کرنے میں جس قدر دین کی حفاظت ہے، اور جس قدر عمل کی پابندی میں دل جمعی و تسلی ہے، ترک تقلید میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں، تقلید ائمہ دین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن وحدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے۔ لہذا ایسی تقلید کی خوبی میں کسی سچے دیندار کو کلام نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد تقلید کے پسندیدہ ہونے اور حفاظت دین کا ذریعہ ہونے پر پانچ شہادتیں نقل فرمائی ہیں۔

اول: قطب ربانی شیخ عبد الوہاب شعرانی (شافعی) کی میزان (کبری ۵۵ ج ۱) سے

دوئم: امام الہند شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۳ ج ۱ اور عقد الجید ص ۳۶ سے

سوئم: جناب نواب صدیق حسن خان صاحب مجدد اہل حدیث کی (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۶۷ - ۶۸ سے)

چہارم: وکیلِ اہل حدیث جناب مولانا محمد حسین بٹالوی کے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۲ ج ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء

پنجم: قاضی عبد الواحد خانپوری (اہل حدیث کی کتاب "التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ" (المقلب بہ) اظہار کفرِ ثناء اللہ بجمیع الاصول اُمنت باللہ" ص ۲۶۲ سے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کے الفاظ یہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے، کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہل حدیث میں سے بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں"

ضرورت اجتہاد و تقلید: اس کے بعد "ضرورت اجتہاد وتقلید" کا عنوان دے کر اس نکتہ کی تحقیق فرمائی ہے، کہ مسائل منصوصہ غیر متعارضہ میں محل اجتہاد ہی نہیں۔ لہذا نہ ان میں اجتہاد جائز ہے، اور نہ تقلید کی ضرورت۔ البتہ ایسے مسائل جو نصِ صریح غیر متعارضہ سے ثابت نہیں، ان میں مجتہدین اپنی قوت اجتہادیہ کو کام میں لاکر حکم شرعی معلوم کریں گے۔ اور جو لوگ اہل اجتہاد نہیں وہ مجتہدین پر اعتماد کرتے ہیں ان سے مسائل دریافت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کے دور سعادت میں صحابہ کرام آنحضرت ﷺ سے رجوع فرماتے تھے، اور جو لوگ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہوسکتے تھے، وہ اگر اہل اجتہاد تھے، تو خود اپنے اجتہاد سے احکام کا استنباط فرماتے۔ حدیث معاذؓ اس کی دلیل ہے۔ اور جو حضرات اجتہاد پر قادر نہیں تھے، وہ اہل علم سے دریافت کرتے تھے، اور زمانہ نبوی ﷺ کے بعد مسائل غیر منصوصہ میں صرف دو راستے باقی رہ گئے۔ اہل استنباط کے لئے اجتہاد اور دوسروں کے لئے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنا، گویا سلف پر اعتماد کرنا دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اور ان مضامین کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارتوں سے مدلل فرمایا۔

ان اصول کی وضاحت کے بعد کتابوں کے حوالے سے تقلید کی تعریف بتائی ہے " یعنی لائق اعتماد شخصیت کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کرنا اور اس کی دلیل پر مطلع ہونے کا انتظار نہ کرنا - اگر ایک ہی لائق اعتماد شخصیت سے مسائل شرعی دریافت کرتا رہے، تو یہ تقلید شخصی کہلاتی ہے اور اگر کبھی کسی سے پوچھ کے اور کبھی کسی سے، تو یہ تقلید غیر شخصی کہلاتی ہے۔

صحابہ وتابعین کے دور میں تقلید غیر شخصی کا رواج تھا، دوسری صدی کے وسط سے کچھ کچھ تقلید شخصی کا رواج بھی ہونے لگا اور چوتھی صدی سے تقلید شخصی ہی متعین ہو گئی - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی فرماتے ہیں:

وبعد:الما تین ظهرفیهم التهذیب للمجتهد باعیا نهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذالک الزمان " (الانصاف ص ۵۹)

ترجمہ " اور دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا، اور ایسے کم آدمی تھے جو مجتہد معین کے مذہب (کی تقلید شخصی) پر اعتماد نہ رکھتے تھے اور اس وقت تقلید شخصی ہی واجب تھی "

اور چوتھی صدی میں جب مذاہب اربعہ کے سوا تمام مذاہب حقہ مٹ گئے تو حضرت شاہ صاحبؒ کے بقول ان چار مذاہب کی تقلید میں حق منحصر ہو گیا:

ولماانْدرست المذاهب الحقه الاهذه الاربعه کان اتباعها اتبا عا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم "

" یعنی " جب ان مذاہب اربعہ کے سوا دوسرے مذاہب حقہ معدوم ہو گئے، تو انہی چاروں کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ٹھہرا اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہو گا "

خلاصہ یہ کہ مذہب اربعہ میں تقلید شخصی کا منحصر ہونا محض عنایت ربانی اور فضل الہی تھا - کہ دوسرے مذاہب حقہ مٹ گئے - اور عطائے امت شعوری یا غیر شعوری طور پر ان مذاہب اربعہ کی پابندی پر متفق ہو گئے - ورنہ کوئی شخص اپنی تدابیر ومساعی سے مشرق ومغرب کی پوری امت کو متفق کرنے پر قادر نہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

بالجملة فالتمذهب للمجتهدین سر الهمه الله تعالی العلماء، وجمعهم علیه من حیث یشعرون او لا یشعرون " (الانصاف ص ۶۳)

"خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذاہب کی پابندی (تقلید شخصی) ایک راز ہے، جس کا اللہ تعالی نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا اور ان کو اس پر جمع فرما دیا - خواہ وہ (تقلید شخصی کی خوبیوں کو) سمجھیں یا نہ سمجھیں"

حضرتؒ نے اسی مضمون کو علامہ ابن امیر الحاجؒ، شیخ احمد ملا جیونؒ اور مولانا عبد الحی لکھنویؒ کے حوالوں سے مزین فرمایا- اور حضرات مجتہدین ائمہ اربعہ کی مقبولیت عند اللہ کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، قطب ربانی امام شعرانیؒ اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حوالے رقم فرمائے ہیں -

اس کے بعد حضرتؒ نے اثبات تقلید کے لئے چھ آیات کریمہ تین احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے استدلال فرمایا ہے۔ پھر تابعین عظامؒ سے، ائمہ مجتہدین سے، علماء وفقہاء کے اقوال سے، محدثین کے اقوال سے، صوفیا کرام کے اقوال سے، گویا تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید صحیح، جائز بلکہ ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

هذه المذاہب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بهامنها على جواز تقليد

باالی یو منا ہذا (حجة الله البالغه ص ۱۲۳ ج ۱)

"تمام امت نے یا امت کے قابل اعتبار افراد نے ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے۔"

چونکہ بعض حضرات کی طرف سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ولی للّہی خاندان غیر مقلد تھا، اس لئے حضرت نے "دار الحدیث دہلی کا خاندان حنفی المذہب تھا" کا عنوان قائم کر کے اس پر شیخ محسن تیمیؒ، نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اور مولانا قاری عبد الرحمان کے حوالے پیش کئے ہیں کہ یہ حضرات سب کے سب حنفی تھے۔

اور آخر میں منکرین تقلید کے سات شبہات کا شافی جواب دیا گیا ہے اولاً۔ اجمالی۔ ثانیاً تفصیلی۔

مسئلہ تقلید پر یہ رسالہ اس قدر مدلل اور عام فہم ہے کہ منصف کے لئے مجالِ انکار نہیں چھوڑی، لطف یہ کہ تحریر میں کسی کی تحقیر و تحمیق نہیں کی گئی نہ طعن و تشنیع۔ آخر میں مسئلہ تقلید پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ایک مختصر تحریر درج کی گئی ہے۔ جس کو حضرت والاؒ "درہ نادرہ" فرماتے تھے۔ اور حضرتؒ ہی کی فرمائش پر حضرت حکیم الامتؒ نے اس کا نام "**الكلام الفرى فى التزام التقليد**" تجویز فرمایا تھا۔ حضرت کا پورا رسالہ گویا اسی کی شرح ہے۔

خیر الارشاد فی التقلید والاجتهاد: یہ رسالہ بھی فی الجملہ خیر التنقید فی سیر التقلید" کے مباحث پر مشتمل ہے۔ البتہ اس میں اجتہاد سے متعلقہ مباحث کا اضافہ ہے، جو درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے اجتہاد لغوی۔ اجتہاد اصطلاحی، شروط اجتہاد، ضرورت اجتہاد، تحسین اجتہاد، صحابہ کرام سے اجتہاد کا ثبوت (اس سلسلہ پر عہد نبوی ﷺ کے تین واقعات ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی جانب سے صحابہ کرامؓ کے اجتہاد کی تقریر نقل فرمائی ہے) تابعین عظامؒ سے اجتہاد کا ثبوت۔ اور اسی ضمن میں متعدد حوالوں کے ساتھ اس کی وضاحت کی گئی ہے، کہ حضرات مجتہدین کے استنباط احکام بھی "سنت حکمیہ" میں شامل ہیں۔ اس کے بعد تقلید کے مباحث ہیں جن میں تقلید کی تعریف اور تقلید کی عقلی و شرعی دلائل ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں منکرین تقلید کے بارہ شبہات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

اس رسالہ کا انداز معلوم کرنے کے لئے چند اقتباس پیش کئے جاتے ہیں:

ابتدا میں حمد وصلوۃ کے بعد فرماتے ہیں:

اس مختصر تحریر سے حنفیہ یا فقہ حنفی کی طرف دعوت و تبلیغ مقصود نہیں اور نہ اس کے منکرین یا غیر حنفی مسالک پر کوئی رد وانکار منظور ہے، بلکہ اس تحریر سے اصولی طور پر اجتہاد و تقلید کے بارہ میں نقلِ صحیح اور عقلِ سلیم کی روشنی میں صرف ظاہر کرنا ہے، کہ کسی معتبر اجتہاد کی تقلید کرنا کوئی بدعت نہیں ہے، کہ اسے قابلِ ملامت اور اس کے

مرتکب کو مستوجب نکیر تصور کیا جائے، بلکہ ایسا مسلوک راستہ ہے جو سلف سے لیکر خلف تک اجماعی طور پر دینی شاہراہ بنا رہا ہے۔ اور امت نے اپنے دین کے تحفظ کی صورت اس کے سوا نہیں سمجھی ہے۔ بلکہ دین دنیا کے ہر شعبہ میں تقلید کا رواج ایسا عام ہے کہ ہر خواندہ وناخواندہ شب وروز اس سے کام لے رہا ہے۔ اور گھر میں آتے اور جاتے وقت ضرورت کی اشیاء کو محض اعتماد پر طلب کیا کرتا ہے اور بلا دلیل مان لیتا ہے، یہ بھی ایک گونہ تقلید ہے۔ **واللہ الموفق والیہ الصواب۔**

۲۔ جواز تقلید کے عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

تقلید کا جواز عقلی اور عرفی دلیل سے بھی ثابت ہے نقلی اور شرعی سے بھی۔

دلیل عقلی: تو یہ ہے کہ تمام انسان زندگی میں پیش آنے والے حوادث وحوائج کے لئے قابل اعتماد و ماہرین فن کی طرف ہمیشہ رجوع کرتے چلے آئے ہیں۔ پورے عالم انسانیت کا اس پر اجماع ہے اور تمام اقوام عالم میں آج تک بلا نکیر اس پر عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔

(مثلاً) طب قدیم وجدید کے اصول وفروع مدون ومنضبط ہیں، مگر سب لوگ بوقت ضرورت اطباء اور معالجوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی تجویز پر عمل شروع کر دیتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا کہ مرض اور مجوزہ نسخہ میں کیا ربط ہے اور اس تجویز کی دلیل کیا ہے۔ تعمیرات میں ماہر معماروں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ہم سفر کرنا چاہتے ہیں اپنی منزل کا ہمیں صرف اجمالی علم ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر پہنچنا ہے، تفصیلی راستے کا کچھ علم نہیں ہوتا جس کے لئے ٹکٹ لے کر گاڑی پر سوار ہو جاتے ہیں اور ڈرائیور کی رہنمائی پر مکمل اعتماد کیا جاتا ہے بعینہ یہی صورت حال تقلید کو حاصل ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں قابل اعتماد محقق عالم کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کی تحقیق وتجویز پر عمل کیا جائے۔ یہ طرز عمل اگر مسئلہ معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں ناجائز ہے تو علاج کرانے اور دیگر امور میں ماہرین فن کی آراء پر اعتماد کرنے کے بارے میں بھی ناجائز اور حرام ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اقوام عالم کا مسلمہ، اجماعی، متواتر و مسلسل عمل ہے۔ بس جواز تقلید میں بھی کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔

۳۔ دلیل شرعی کے زیر عنوان قرآن کریم کی دو آیتیں **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** .. اور **واتبع سبیل من اناب الیہ** لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔

سلف صالحین پر اعتماد:

مذکورہ دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم کو عالم پر اور عام لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف رجوع رکھنے والوں پر اعتماد کرنا دین میں ایک لازمی اور بنیادی چیز ہے۔ خود رائی اور اتباع ہویٰ (اپنی مرضی پر چلنا) اختیار کرنا راہ مستقیم نہیں بلکہ اللہ کے نیک بندوں اور دین کے ہادیوں پر اعتماد اور اعتبار کرنا حسن ظن رکھنا ہی ہدایت کا ضامن ہے فی زمانہ دین کے جو کچھ آثار ونشانات دکھائی دے رہے ہیں یہ سب اسی کا صدقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ "عقد الجید" ص ۳۶ میں فرماتے ہیں :

ان الامة اجتمعت علی ان یعتمد واعلی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمدوا العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعةلا یعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقة عمن قبلھا بالاتصال "ترجمہ: شریعت کی معرفت تمام امت نے سلف گذشتہ پر اعتماد کیا۔ چنانچہ تابعینؒ نے صحابہ پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر طبقہ کے علماء پہلوں پر اعتماد کرتے چلے آئے ہیں اور عقل سلیم بھی اس طریق کو پسند کرتی ہے۔ کیوں کہ شریعت کا علم نقل واستنباط کے بغیر ممکن نہیں اور نقل جبھی صحیح اور درست ہو سکتی ہے کہ ہر پچھلے طبقہ والے پہلوں سے بالاتصال لیتے چلے جائیں۔

خیر المصابیح فی عدد التراویح : نماز تراویح رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے ، مساجد میں جماعت کے ساتھ اس کا اہتمام امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے شروع کرایا اور جب سے اب تک مشرق ومغرب کے تمام مسلمان کم سے کم بیس تراویح پر متفق چلے آئے ہیں۔ لیکن اہل حدیث حضرات امت کے عملی تواتر کے خلاف ہر سال اشتہار بازی کرتے ہیں ، کہ "بیس رکعت تراویح" کا کوئی ثبوت نہیں۔

حضرت والاؒ نے اس موضوع پر دو رسالے تالیف فرمائے "خیر المصابیح" (۱) اور "بیس رکعت تراویح سنت ہے" پہلا رسالہ اصل ہے ، اور دوسرا رسالہ اسی کی تلخیص ہے "خیر المصابیح" کی تمہید میں حمد وصلوۃ کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

"پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ اور حضرت عمر نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمرؓ کا بھی حکم آٹھ کا ہی ہوتا تو حضرات صحابہ کرام تابعین ، تبع تابعین ، ائمہ مجتہدین ، سلف صالحین ، علماء راسخین کا عمل بیس سے زائد نہ ہوتا۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پورے بارہ سو سال میں بیس یا بیس سے زائد رکعت ہوتیں تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں۔ کیا اہل حدیث کے سوا جمہور امت گمراہی میں رہی یا ثبوت کے بغیر ہی بیس یا بیس سے زائد پڑھتے رہے۔

حضور ﷺ کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حتمی طور پر آٹھ رکعت تراویح نہیں پڑھیں ، بلکہ بیس رکعت تراویح پڑھی گئی ہیں۔۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں اور نہ امام ترمذیؒ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو نقل کرتا مگر تمام صحاح ستہ کی کسی ایک مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقلکیا گیا ہے"

(۱) خیر المصابیح فی عدد تراویح حضرت استاذ نے احقر کو شائع کرنے کے لئے مرحمت فرمائی چنانچہ اسے سب سے پہلے راقم نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی (ارشد)

اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دور سے ائمہ اربعہ تک صحابہ وتابعین کا تعامل باحوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"عہد فاروقی سے لے کر تیسری صدی کے قریبا وسط تک مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، خراسان وغیرہ کے علماء اور ائمہ کا عمل رکعات تراویح کے باب میں یہی تھا۔ کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح نہ پڑھتا تھا، اور نہ ہی اس پر کفایت کرتا تھا، اور نہ اس پر کہیں عمل تھا۔

اس کے بعد تیسری صدی سے پہلے ہی ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اپنی فقہ کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دے کر دنیا سے رخصت ہوچکے تھے اور ان کے فقہی مسالک پر عمل ہوچکا تھا اور جو آج تک جاری ہے آج چاروں اماموں کی کتب فقہیہ لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی آٹھ رکعت پر اکتفا کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بے شک ان ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر مجتہد اور امام بھی تھے اور ان کا کچھ عرصہ تک اتباع بھی جاری رہا۔ جیسے حضرت سفیان ثوریؒ اور داؤد ظاہریؒ مگر وہ بھی آٹھ کے قائل نہ تھے، بلکہ بیس کے قائل تھے"

اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی، حضرتؒ نے پہلے تو "قول وفعل نبی ﷺ سے کوئی عدد متعین تراویح کا حتمی طور پر صحیح روایت سے ثابت نہیں" کا عنوان قائم کرکے اس پر سات اہل علم کی شہادتیں پیش کیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں :

۱ - شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (فتاویٰ ص ۲۴۶ ج ۲)

۲ - علامہ تاج الدین سبکیؒ (شرح منہاج - منقول از تحفہ الاخیار ص ۱۱۲ - ومصابیح ص ۴۴)

۳ - علامہ شوکانیؒ (نیل الاوطار ص ۶۴ ج ۳)

۴ - مولانا وحید الزمان اہلحدیث (نزل الابرار ص ۱۲۶ ج ۱)

۵ - میر نور الحسن خانؒ اہلحدیث (عرف الجادی ص ۸۴)

۶ - نواب صدیق حسن خانؒ اہلحدیث (الانتقاد الرجیح ص ۶۱)

۷ - حافظ جلال الدین سیوطیؒ (رسالہ مصابیح ص ۴۷)

اس کے بعد اہل حدیث کے اس دعوے کے دلائل ذکر فرمائے :

پہلی دلیل : حضرت عائشہؓ کی مشہور حدیث کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (بخاری ص ۱۵۴ ج ۱)

ان کی اس دلیل کے سات جواب ذکر فرمائے۔ پہلا جواب یہ کہ یہ حدیث نماز تراویح سے متعلق نہیں بلکہ نماز تہجد کے متعلق ہے، اور دونوں الگ الگ ہیں اس کے پانچ دلائل ذکر فرمائے۔

لطیفہ : راقم الحروف عرض کرتا ہے، کہ رکعات تراویح پر اس ناکارہ کی ایک مشہور اہل حدیث عالم سے گفتگو ہوئی ۔ میں نے عرض کیا کہ آٹھ رکعت کی کیا دلیل ہے؟ انہوں نے فوراً حضرت عائشہ کی یہ حدیث پڑھ دی۔ میں نے حاضرین سے عرض کیا کہ مولانا

صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ یا تو تراویح نام کی نماز ہی نہیں ، اور اگر ہے تو وہ آٹھ نہیں ، بلکہ بیس رکعت ہے۔ کیونکہ مولانا صاحب نے جو حدیث پڑھی ہے اس کے الفاظ ہیں فی رمضان ولا فی غیرہ "ظاہر ہے کہ تراویح کی نماز تو رمضان اور غیر رمضان میں نہیں پڑھی جاتی ۔ لہذا اس حدیث میں نماز تراویح کا ذکر نہ ہوا ۔ مولانا صاحب کے پاس آٹھ رکعات تراویح پر اور کوئی حدیث نہیں ۔ ادھر مسلمان حضرت عمرؓ کے زمانہ سے آج تک بیس رکعت تراویح پڑھتے آرہے ہیں ۔ پس اگر تراویح نام کی کوئی نماز ہے جو صرف رمضان شریف میں پڑھی جاتی ہے تو وہ بیس رکعت ہے ورنہ ایسی کوئی نماز نہیں جس کی آٹھ رکعتیں ہوں ، اور وہ رمضان و غیر رمضان میں نہیں بلکہ صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہو" میری اس تقریر پر مولانا صاحب خاموش ہو گئے اور گفتگو ختم ہو گئی۔

اہل حدیث کی دوسری دلیل : حضرت جابرؓ کی حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کے صرف ایک رات آٹھ رکعت اور وتر باجماعت پڑھنے کا ذکر ہے (قیام اللیل ص ۱۵۵)

حضرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس کی سند میں عیسی بن جاریہ متفرد ہے ۔ امام یحیی بن معین اس کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ "لیس بذاک" اس کے پاس متعدد روایتیں منکر ہیں ۔ امام نسائی اور امام ابوداؤد اس کو منکر الحدیث فرماتے ہیں ۔ اور امام نسائی اس کو متروک بھی فرماتے ہیں ۔ ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے ، اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ، اس روایت کا دوسرا راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کو حافظ نے تقرب میں ضعیف لکھا ہے۔

اور اسی سند سے حضرت جابرؓ کی ایک اور روایت ہے جس میں ابی بن کعبؓ کے گھر کی مستورات کو آٹھ تراویح پڑھانے اور آنحضرت ﷺ کے اس پر سکوت فرمانے کا ذکر ہے (قیام اللیل ص ۹۰)

یہ روایت بھی محمد بن حمید اور عیسی بن جاریہ کی سند سے ہے لہذا اس پر بھی وہی جرح ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے۔

اہل حدیث کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی گیارہ رکعت (آٹھ تراویح تین وتر) کا حکم دیا تھا جیسا کہ موطا امام مالکؒ میں ہے (ص ۹۱ اصح المطابع)

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ یہ سائب بن یزیدؓ کی رویت ہے ۔ اور سائبؓ کے دو راوی ہیں محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ ۔ محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد اس کی روایت کرتے ہیں ۔ امام مالک ، یحییٰ بن سعید القطان ۔ عبد العزیز بن محمد ، ابن اسحاق ، عبد الرزاق اور پانچوں کا بیان مختلف ہے لہذا یہ روایت مضطرب ہے ۔ بخلاف اس کے یزید بن خصیفہؒ کی روایت بیس رکعت کی ہے ۔ اور اس میں کوئی اختلاف و اضطراب نہیں ، ۔ چنانچہ اکابر محدثین امام نوویؒ ، حافظ عراقیؒ ، حافظ سیوطیؒ حافظ سبکی و ملا علی قاریؒ نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے ۔ اس کے بعد حضرتؒ نے آنحضرت ﷺ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ و تابعین سے بیس رکعات تراویح کی احادیث نقل فرمائی ہے۔

جمہور کے دلائل : اہل حدیث کے دلائل پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد حضرتؒ نے جمہور امت کے دلائل ذکر کئے ہیں اور اس سلسلہ میں تیرہ روایات درج فرمائی ہیں ۔ ان میں سب سے پہلے حضرت عرباض بن ساریہؓ کی حدیث ذکر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین ، تمسکوا بہ وعضو علیھا بالنواجذ (رواہ احمد وابوداؤد ، ترمذی و ابن ماجۃ)

ترجمہ " یعنی تم میری سنت کو اور خلفاء راشدین مہدیین کو لازم پکڑو اور اس پر عمل کرو، اور داڑھوں سے منضبوط پکڑو"۔

اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنیؒ نے حاشیہ ابن ماجہ سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک خلفاء راشدین سے مراد وہ تمام علماء خلفاء مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور طریقہ پر ہوں۔

"یعنی جو علماء جناب رسول ﷺ کے طریقہ پر ہیں جیسے چاروں امام (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) اور عادل حکام جیسے عمر بن عبد العزیزؒ سب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے سنتِ رسول ﷺ کی اتباع لازم ہے ایسے ہی سنت خلفاء راشدین کی اتباع ضروری ہے بلکہ بعض علماء کے ہاں جمہور مجتہدین کی اتباع لازم ہے، اب جمہور صحابہ کرامؓ وتابعینؒ وجمہور مجتہدین ومقلدین ائمہ اربعہ وعمر بن عبد العزیزؒ بھی بیس تراویح سے کم نہیں پڑھتے تھے، تو بیس تراویح سے کم پڑھنا سنتِ رسول ﷺ سنتِ خلفاء راشدین کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کا امر اور قول ہے کہ تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلفاء راشدین کے قول اور فعل کی پیروی بھی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی سنت ہے"

اس کے بعد وہ روایات نقل کی ہیں جن میں خلفائے راشدین اور صحابہ وتابعین کا بیس رکعات پر تعامل ثابت ہوتا ہے اسی ضمن میں حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے:

ان رسول اللہؐ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (ابن ابی شیبہ ، بیہقی)

یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس تراویح اور وتر پڑھاتے تھے"

اس حدیث پر اہل حدیث یہ شبہ کرتے ہیں کہ اس کا راوی ابوشیبہ ابرہیم بن عثمان مجروح ہے، اس لئے یہ روایت ضعیف ہے اس راوی کی جرح وتوثیق پر گفتگو کرنے کے بعد حضرتؒ لکھتے ہیں۔

"بہرحال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابرہیم ضعیف راوی ہے اس کی وجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ابراہیم کی حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو، مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقیؓ کے مسلمانوں کا علانیہ عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوا ہے۔ اور ہر چہار ائمہ اربعہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلااضافہ یا اضافہ کے ساتھ اسی کے موافق رہا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم نے ایک موقع پر اعتراف کیا ہے، کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بقبول سے رفع ہو گئے ہیں الخ (اخبار اہلحدیث مورخہ ▪ ۱ اپریل ۱۹۰۷ء)"

بیس رکعت پر خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین کا تعامل ذکر کرنے کے بعد اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع اور امت کا تعامل وتوارث ذکر فرمایا ہے اور اس کے لئے امام نوویؒ حافظ ابن تیمیہؒ، ابن قدامہ مقدسیؒ، اور ملا علی قاریؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل حدیث حضرات کا دعوی کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھیں اور حضرت عمرؓ نے بھی آٹھ ہی کا حکم فرمایا تھا۔ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے اور خلفاء راشدین کے دور سے آج تک پوری امت کا تعامل وتوارث اس دعویٰ کی نفی کرتا ہے۔

خیر الوسیلہ

مسئلہ توسل پر ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ :

(۱) توسل بالانبیاء والاولیاء کی حقیقت کیا ہے ؟

(۲) اور یہ کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ؟

حضرت رسالہ کی تمہید میں لکھتے ہیں :

بعد الحمد والصلوۃ ۔ توسل بالانبیاء والاالیاء جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک عموماً اور بزرگان دیوبند کے نزدیک خصوصاً جائز و مستحسن ہے ۔ مگر بعض لوگ افراط کی راہ چل کر توسل کی طرح غیر مشروع استعانت لغیر اللہ کو جائز اعتقاد کرنے لگے ہیں ۔ اور بعض غیر مشروع استعانت لغیر اللہ کی طرح توسل بالانبیاء والاولیاء کو بھی شرک وناجائز کہنے لگے ہیں ۔

اس لئے محض دینی خیر خواہی کی غرض سے قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں توسل واستعانت کے متعلق مختصر مضمون جمع کر کے راہ اعتدال واضح کیا گیا ہے تاکہ منصف مزاج ناظرین سلف صالحین کی معتدل راہ اختیار کر کے افراط وتفریط سے بچیں اور بزرگوں سے صحیح ادب واحترام کا تعلق قائم رکھیں ۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ"

توسل کی حقیقت :

حضرت تھانوی کی کتاب نشر الطیب اور انفاس عیسیٰ سے نقل فرمائی ۔

اور حاصل توسل فی الدعا کا یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے اور ہم اس سے محبت واعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر بھی رحمت فرما ۔

توسل کا حکم :

حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام اور صلحاء کرام کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا جائز بلکہ مستحسن ہے ۔

قرآن کریم سے ثبوت :وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا.

اس آیت کے ذیل میں تفسیر در منثور ، روح معانی اور فوائد شیخ الہندؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ :

قرآن کریم کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرمایا"

(حق تعالیٰ شانہ نے یہود کے اس توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وبالقرآن نقل کر کے کہیں تردید نہیں کی پھر اس کے جواز میں کیا شبہ ہے ؟

حدیث شریف سے ثبوت

(ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت عثمان بن حنیفؓ اس نابینا صحابی کا واقعہ نقل کیا ہے۔
جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے دعا کی التجا کی تھی اور آنحضرت ﷺ نے انہیں دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرنے کا حکم فرمایا۔

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ (ﷺ) امام ترمذی نے باب الدعوات میں اس حدیث کو نقل کر کے حسن صحیح کہا ہے اور امام بہقی نے بھی اس کی تصحیح کی

(۲- حاشیہ ابن ماجہ میں برویت طبرانی (فی الکبیر) انہی عثمان بن حنیفؓ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے یہی دعا ایک شخص کو سکھائی، جس کو حضرت عثمان بن عفانؓ سے کچھ کام تھا اور وہ التفات نہیں فرماتے تھے اس دعا کی برکت سے ان کا کام ہو گیا۔

(۳- مشکوٰۃ شریف میں بروایت شرح السنہ حضرت امیہ بن خالد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فقراء والمھاجرین کے توسل سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔

(۴- مشکوٰۃ شریف میں بروایت ابوداؤد حضرت ابوالدرداءؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **فانما ترزقون وتنصرون بضعفاءکم**۔ تم کو رزق اور دشمنوں پر غلبہ غرباء کے طفیل میسر ہوتا ہے۔

(۵- اور اسی مضمون کی حدیث بخاری شریف اور نسائی میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے مروی ہے بخاری شریف کے الفاظ ہیں۔ **بل تنصرون وترزقون الا بضعفاء کم** تم کو نصرت اور رزق دیا ہی جاتا ہے کمزوروں کے طفیل"

(اس کے بعد شافعی کا ارشاد نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے جاتا ہوں اور ان کے قریب اپنی حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو جلدی میری مراد پوری ہو جاتی ہے"
بعد ازاں اکابر علماء کے ارشادات نقل کئے اور آخر میں علماء دیوبند کے مسلک کی وضاحت کے لئے المھند علی المفند" سے سوال نمبر ۳ اور ۴ نقل کر کے حضرت لکھتے ہیں:

"یہ فتویٰ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم مہاجر المدنیؒ کا لکھا ہوا ہے اور اس کی تصدیق میں اکابر علماء دیوبند (مثل حضرت مولانا مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب، حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ) کے (۲۳) دستخط ثبت ہیں نیز علماء مکہ معظمہ، علماء مدینہ طیبہ، علماء جامع ازہر مصر، علماء دمشق وشام کے (۴۷) تصدیقی دستخط ہیں۔
الغرض جواز توسل کا مسئلہ تمام علماء دیوبند کے نزدیک متفق علیہ ہے کسی ایک کا بھی اس میں خلاف نہیں۔

تنبیہ:
مذکورہ بالا تجربات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہمارے مغربی پاکستان میں منتسبین دیوبند میں سے جو اہل توسل بالاموات یا توسل بالذوات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز دیوبندی مسلک نہیں، بلکہ اس کو بدنام کرنے والے ہیں **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم**"

(آثار خیر ص ۲۹۳)

شبہ کا جواب صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ساتھ استقا کے لئے توسل کرنا مذکور ہے، اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ زندوں کے ساتھ توسل جائز ہے، مگر مرحومین کے ساتھ جائز نہیں اور یہ کہ حضرت عباسؓ نے اس موقعہ پر استقاء کی دعا کی تھی جس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ توسل حضرت عباسؓ کی ذات سے نہیں بلکہ ان کی دعا کے ذریعہ تھا، حضرتؒ نے علامہ عینیؒ حافظ ابن حجر اور علامہ شعرانیؒ کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عباسؓ کی ذات سے ہی توسل کیا گیا تھا، اور حضرت عباسؓ سے توسل قرابت نبوی ﷺ کی وجہ سے تھا۔ اس لئے یہ بھی درحقیقت توسل بالنبی ﷺ کی ایک صورت تھی۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں:
اُس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا، جبکہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو۔ قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا نہ اسلئے کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ جبکہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے"

(نشر الطیب ص ۲۵۰) (آثار خیر ص ۲۹۶)

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں:
مثل حدیث بالا سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، اور نبی ﷺ کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلادلیل ہے اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا"

(آثار خیر ص ۲۹۷)

توسل اور استعانت میں فرق: بعض حضرات توسل کو استعانت پر قیاس کر کے توسل کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ توسل کی جو صورت ذکر کی گئی وہ تو مطلقاً مستحسن ہے اور استعانت کی کئی صورتیں ہیں، اور ان کا حکم الگ ہے۔

استعانت کی قسمیں: استعانت کی دو صورتیں کفر اور شرک ہیں

الف) کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد مانگنا۔

ب) کسی کو قادر بعطاء الٰہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد مانگنا۔ یعنی یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ جو امور طاقت بشریہ سے باہر ہیں ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے، گویا وہ عطاء الٰہی کے بعد ان امور میں مستقل اور مختار ہے۔ حق تعالیٰ کے علم وارادہ کو اب اس میں کچھ دخل نہیں یہ دونوں صورتیں کفر اور شرک ہیں۔

اور دو صورتیں حرام ہیں:

الف۔ عقیدہ میں نہ اس کو مستقل بالذات سمجھ کر۔ اور نہ مستقل بالعرض۔ لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا کرے مثلاً اس کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔

ب۔ استعانت بالغیر ہیں اس غیر کو مستقل سمجھنے کا اہتمام ہوتا ہے جیسے روحانیات سے مدد مانگنا۔ اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن مشرکین چونکہ ارواح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اس لئے ان کے شعار کا اظہار اور اس کی تائید ہو گی۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں بلکہ دوسری صورت میں کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں قسم مباح اور جائز:

جو امور طاقت بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عالم کے اسباب کے ساتھ مربوط و متعلق ہوں، اور کسی شخص کو ان کے فاعل مستقل ہونے کا توہم بھی نہ ہوتا ہو جیسے روٹی سے بھوک دفع کرنا، پانی سے پیاس بجھانا، دوا دارو سے بیماری کا علاج کرنا وغیرہ۔ اور خواہ امور شرعیہ سے متعلق ہوں جیسے دعاء رقیہ، تعویذ، صبر اور نماز وغیرہ استعانت کی یہ صورت جائز اور مباح ہے۔

مسئلہ توسل کی صحیح حقیقیت: اس کے ساتھ ہی حضرتؒ کا ایک اور رسالہ "مسئلہ توسل کی صحیح حقیقت" ملحق ہے، یہ حضرت حکیم الامتؒ کے عربی رسالہ کا ترجمہ ہے، اور اس کے مضامین کا خلاصہ "خیر الوسیلہ" میں آ گیا ہے۔

خیر الجواب فی ایصال الثواب: یہ رسالہ بھی ایک استفتاء کا جواب ہے ایک رسالہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات کے تیسرے دن کچھ کھانا منگوا کر فاتحہ پڑھی۔ اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، مسئلہ دریافت کیا تھا کہ یہ روایت کیسی ہے؟ جس سے تیجا اور فاتحہ کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

حضرتؒ نے جواب سے پہلے دو مقدمے درج فرمائے اور پھر اس کا ایک اجمالی اور ایک تفصیلی جواب رقم فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع اور منگھڑت ہے، اور اکابر کے حوالے سے بتایا کہ یہ امور بدعت قبیحہ ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی طرف بے ثبوت کسی کی نسبت کرنا بدترین گناہ کبیرہ ہے۔ بہرحال مختصر رسالہ اس لائق ہے کہ عام وخاص کا مطالعہ کریں۔

خیر البراہین: بعض اہل حدیث حضرات نے فقہ اسلامی کو بدنام کرنے کے لئے بعض ایسے رسائل مرتب کئے جن میں چند فقہی مسائل کو بھونڈی شکل میں پیش کر کے عوام کو فقہ اسلامی سے بدظن کرنے کی تدبیر کی اور بعض نے فقہاءامت کے اختلافی مسائل کو اس رنگ میں پیش کیا کہ ان میں سے کس کا اعتبار کیا جائے علماء حق نے ان رسائل کے جواب تحریر فرمائے ہیں اور ان مسائل کی صحیح حقیقت واضح فرمائی ہے فجزاہم اللہ خیر الجزاء

حضرت نے ان حضرات کی اصلاح کے لئے یہ رسالہ تالیف فرمایا، جس میں غیر مقلد حضرات کے ۷۵ مسائل ذکر کر کے ہر مسئلہ کے بارے میں تحریر فرمایا کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

۱- غیر مقلدین کے نزدیک کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ بطور نمونہ شروع کے تین مسائل درج کیے جاتے ہیں۔
(دلیل الطالب ص ۱۳۴ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد، و عرف الجادی ص ۲۴۷ مؤلفہ نور الحسن خان غیر مقلد)
دلیل میں حدیث صحیح یا قرآن کی آیت پیش کرنی چاہیے، غیر مقلد ہو کر شوکانی کی تقلید جائز نہیں۔
۲- غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہیے نکاح کرسکتا ہے اس کی حد نہیں کہ چار ہی ہوں۔ (ظفر الملاضی (ص ۱۴۱ - ۱۴۲، نواب صاحب غیر مقلد کی عرف الجادی ص ۱۱۵)
یہ کہنا کہ یہ اجتہادی تقریر ہے غلط ہے نص کے موجود ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد کیسا؟ اور شوکانی کی تقلید کیسی؟ حدیث حسن لغیرہ موجود جس کا اقرار اور پھر شوکانی کی تقریر اجتہادی جو غلط ہے بغیر رد کے ذکر کرنا اور جو دلائل اس کے خلاف ہوں ان کی تردید کرنی یہ تقلید جامد نہیں تو اور کیا ہے؟
۳- غیر مقلدین کے نزدیک خشکی کے وہ تمام جانور حلال ہیں جن میں خون نہیں
(بدور الاہلہ - ص ۳۴۸ مؤلفہ نواب صاحب مذکور)
دعوی کے لئے اور جواز کے واسطے صحیح حدیث یا قرآن کی آیت کی ضرورت ہے، یہ کہنا کہ یہ اجتہادی تقریر ہے بچوں کو سمجھانا ہے"۔
(بطور نمونہ آثار خیر ص ۳۵۴)

ان ۵۷ مسائل کے بعد بطور نمونہ ۵۵ مسائل ایسے ذکر فرمائے ہیں جو غیر مقلدین کے درمیان محل نزاع ہیں اس رسالہ (خیر البراہین) پر مفتی محمد انور صاحب کا طویل مقدمہ ہے۔ جسے بجائے خود ایک رسالہ کہنا چاہیے۔

خیر الافادات: حق تعالی شانہ نے گزشتہ صدی (چودہویں صدی) میں جو کام لیا وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں مشکل ہی سے دین کا کوئی مسئلہ ایسا ہو گا جو اس زمانہ میں محتاج وضاحت تھا اور حضرتؒ نے اس پر قلم اٹھایا نہ ہو؟۔ کونسی بدعت اور کجی، زنقہ والحاد ایسا ہے جس کی حضرتؒ نے اصلاح نہ فرمائی ہو، اور امت کی اعتقادی عملی، اخلاقی، معاشرتی، اور سیاسی غلطیوں کا حکیمانہ انداز میں علاج نہ تجویز فرمایا ہو؟ حضرت حکیم الامت نے ۱۳۰۱ ھ میں تجدید احیاء دین کا کام شروع کیا تھا۔ اور جب ۱۳۲۲ ھ تک مسلسل اس میں مشغول رہے، اور بجا طور اکابر امت نے آپ کو حکیم الامت اور مجدد ملت کا لقب دیا۔ یہ بھی حق تعالی کی خاص عنایت ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی تصنیفات، مواعظ اور ملفوظات کی حفاظت واشاعت کا غیبی سامان مہیا کر دیا کہ صدیوں تک امت ان سے مستفید ہوتی رہے، حضرتؒ کی تالیفات ان کی حیات میں بہت کثرت سے شائع ہوئیں اور حضرتؒ کے مواعظ اشرفیہ بھی شائع ہوتے رہے، اور اب مواعظ اشرفیہ کی ۲۷ جلدیں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہیں اسی طرح حضرتؒ کے ملفوظات بھی بہت سے اکابر نے قلمبند کیے "اضافات یومیہ" کی دس جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صاحب کا مرتب کردہ مجموعہ "مجالس حکیم الامت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) کا مرتب کردہ مجموعہ "الکلام الحسن" کے نام سے چھپ چکا ہے "خیر الافادات" ہمارے حضرت والاؒ کا مرتب کردہ مجموعہ ہے جس میں حضرت حکیم الامتؒ کے ۲۰۶ ملفوظات جمع کئے گئے ہیں ان میں سے ہر ملفوظ گویا اصلاح کا ایک اہم اصول ہے۔

خیر الاختیار فی خبر الاختیار : یہ رسالہ بھی حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ملفوظ ہے جس کو ہمارے حضرت والاؒ نے مرتب کیا، اور حضرت حکیم الامتؒ ہی نے اس کا نام تجویز فرمایا حضرت والاؒ اسکی تمہید میں لکھتے ہیں۔

احقر خیر محمد جالندھری جامع ملفوظات عرض رساں ہے کہ بہت دن سے میرا قلب غواشی میں مستور اور طرح طرح کی تشویشات میں معمور تھا، حق تعالی کا کروڑ شکر ہے کہ ملفوظات مذکور کی بدولت قلب تمام غواشی سے صاف اور تمام تشویشات سے خالی ہو گیا، اور ایک گونہ جمعیت حاصل ہو گئی۔ حق تعالی سیدی حضرت مولانا مدظلہم کے فیوض و برکات کے علی الدوام جاری رکھے اور جملہ احباب کو استفادہ کی توفیق بخشے اور اپنی رضا نصیب فرمائے آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ مجلس بعد نماز عصر ۴ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ

(یکم جنوری ۱۹۳۳ء) -- یوم یک شنبہ۔

اصلاح وارشاد

حضرت والاؒ حضرت حافظ محمد صالحؒ (خلیفہ حضرت گنگوہیؒ) سے بیعت تھے، ان کے انتقال کے بعد شوال ۱۳۴۲ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا ایک سال کے اصلاحی تعلق کے بعد اگلے سال لیلۃ الاضحیٰ ۱۳۴۳ھ کو مغرب کے بعد دست بدست بیعت سے مشرف ہوئے، حضرت لکھتے ہیں۔

"اس روز حضرت والاؒ (حکیم الامتؒ) کی طرف سے شفقت اور نظرِ عطوفت اور ظاہری وباطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفۃ نمایاں ہونے لگی۔ اور خط و کتابت اور آمد ورفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق وشوق روزمرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا"

مرشد تھانویؒ کی نظر کیمیا اثر اور حضرت والاؒ کی خداداد بلند ہمتی جوہر قابل اور علوے استعداد کا نتیجہ تھا، کہ تین سال سات مہینے کے قلیل عرصہ میں مراحلِ سلوک طے ہوگئے اور ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ کو مرشد تھانویؒ نے آپ کو خلافت واجازت عطا فرمادی۔

آنانکہ بہ نظر خاک را کیمیا کنند
آیا بُود کہ گوشۂ چشم بما کنند

اور تکمیل سلوک عبدیت وفنایت کا نام ہے، چنانچہ حضرت والاؒ نے حصول خلافت کے بعد بھی اپنے کو باکمال نہیں سمجھا بلکہ اپنے شیخ ومرشد حکیم الامتؒ سے برابر استفادہ واستفاضہ کرتے رہے۔ اور یہ سلسلہ حضرت حکیم الامتؒ کے وصال تک جاری رہا۔

تبویب تربیت السالک اس عرصہ میں ایک عظیم الشان کام جس کی سعادت حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والاؒ کے حصہ میں رکھی تھی یہ تھا کہ آپ نے تربیت السالک کی تبویب وتدوین فرمائی۔

اکناف واطراف سے دوائے دردِ دل کے متلاشی حضرت مرشدؒ کے دار الشفا (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) سے رجوع کرتے تھے۔ اور بذریعہ خطوط اپنے باطنی احوال پیش کرتے اور حضرت حکیم لامتؒ ان کے حکیمانہ جوابات مرحمت فرماتے۔ امراضِ باطنی کی تشخیص فرماتے، ان کے معالجات تجویز فرماتے، اشکالات حل فرماتے اور بہت سے پریشان لوگوں کی عقدہ کشائی فرماتے۔ ان میں سے اہم مکاتیب کو محفوظ کرلیا جاتا اور خانقاہ سے شائع ہونے والے رسائل میں ان کو تربیت السالک کے نام سے شائع کرایا جاتا، تاکہ ان کا نفع عام اور تام ہو۔ یہ جواہر پارے منتشر اور رسائل وکتب میں بکھرے ہوئے تھے حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز مولانا عبد المجید بچھرانی کے ایما پر ہمارے حضرت والاؒ (مولانا خیر محمد جالندھریؒ) نے ان تمام جواہر کو جو ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۵۰ھ تک شائع ہوئے۔ اور مختلف جگہوں پر بکھرے ہوئے تھے یکجا کیا۔ اور انہیں "تبویب تربیت السالک" کے نام سے دس ابواب پر مرتب ومدون کردیا۔ گویا تیس سال کے لآلیٔ منثورہ (بکھرے ہوئے موتیوں) کی سلک مروارید تیار کردی یہ مجموعہ، جو گیارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے مولانا عبد المجید بچھرانوی نے دہلی سے طبع کرا کر شائع کیا، بعد ازاں حضرت والاؒ نے ۱۳۵۰ھ کے بعد کے افاداتِ اشرفیہ کی بھی ایسی طرح تبویب فرمائی۔ اب مکمل "تربیت سالک" تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

جو قریباً پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے، ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبد الحی صاحبؒ نے اس کی اشاعت کی تحریک فرمائی۔ اور

مختصر سا ابتدائیہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

الغرض حضرت حکیم الامت کے چہل سالہ افادات اور باطنی معالجات کو یکجا کرنا اور ایک خاص ترتیب سے مرتب و مدون کر دینا ہمارے حضرت والاؒ کا وہ کارنامہ ہے جس کی توقع ان جیسے اولو العزم ہی سے ہو سکتی تھی ۔ اور اسی میں شیخ سے استفادہ و استفاضہ کے چند در چند پہلو پوشیدہ تھے۔

اول ۔ مرید کا اپنے شیخ کے کار خاص میں مشغول ہونا، جو شیخ کا مرکز توجہ ہو، مرید کی ترقیات کا سب سے قوی ذریعہ ہے اندازہ فرمائیے کہ جس وقت حضرت حکیم الامت کو خیال آتا ہوگا کہ یہ صاحب ہمارے علوم کو یکجا اور مرتب کر رہے ہیں تو حضرتؒ کی کس قدر توجہ مبذول ہوتی ہوگی اور کس قدر دعائیں دل سے نکلتی ہونگی۔

دوم :۔ اگر کوئی شخص محبت و عقیدت کے ساتھ استفادہ کی نیت سے "تربیت السالک" کا اول سے آخر تک کا مطالعہ کرے تو اس کے باطنی احوال میں انقلاب آجائیگا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرت قطب الارشاد مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ اپنے خلفاء کو "تربیت السالک" زیر مطالعہ رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔

اب غور فرمائیے کہ جس نے "تربیت السالک" کا ایک ایک حرف پڑھ کر اسے ترتیب و تدوین کے رشتہ میں منسلک کیا اس کے باطنی انقلاب کا کیا عالم ہوگا؟

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ ظالم شیشے میں بھری ہوگی

سوم : اور حضرت والاؒ کی عبدیت و فنایت کا یہ عالم کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دینے کے باوجود اپنا نام تک کہیں نہیں ظاہر ہونے دیا "تربیت السالک" کا خطبہ خود صاحب افادات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریر فرمایا اور اس کی تمہید حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ (خلیفہ مرشد تھانویؒ) نے لکھی، مرتب کتاب نے نہ خطبہ لکھا نہ دیباچہ نہ ابتدائیہ، اگر مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ :

"مولانا مولوی عبد المجید صاحب سلمہ کے استدعاء پر مولانا مولوی خیر محمد صاحب سلمہ جالندھری نے اس کی نہایت لطیف تبویب فرمادی ہے۔ کل مضامین دس ابواب پر منقسم ہوگئے ہیں اب اور بھی اس کے مضامین سمجھنے میں سہولت ہو گئی، اور بہت عمدہ مجموعہ تیار ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں مولانا صاحبان کی سعی قبول فرمائے ۔ اور سب مسلمانوں کو اس سے منتفع فرمائے۔ اور حضرت مدظلہم العالی کے فیوض و برکات کو مدت مدید تک بایں خیر و خوبی جاری رکھے آمین"

تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ "تبویب تربیت السالک" کا کارنامہ کس کے سوز جگر کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بہت سے حضرات کو اب بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کا مرتب کون ہے یہ فنایت کی نادر مثال ہے، جو حضرت والاؒ کو بفیض مرشد تھانویؒ میسر آئی اور جس کا اس دور میں شاید تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ، واللہ ذو الفضل العظیم ۔

حضرت والاؒ کو مرشد تھانویؒ سے ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ میں خلافت و اجازت ملی ۔ اور ۲ شعبان ۱۳۹۰ھ کو حضرتؒ کا

وصال ہوا۔ اس تنتالیس سالہ عرصہ میں حضرت والاؒ نے اصلاح وارشاد اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ پیہم جاری رکھا ۔ بے شمار لوگ حضرت والاؒ سے فیض یاب ہوئے اور متعدد حضرات کو حضرت والاؒ کی طرف سے خلافت واجازت عطا ہوئی ۔ اگر اس چہل سالہ دور میں آپؒ کے افادات کو جمع کر کے مرتب کر دیا جاتا تو ہمارے لئے جدید "تربیت السالک" تیار ہو جاتی، لیکن اس عجالہ کے وقت اس ناکارہ کے سامنے کوئی چیز بھی نہیں جس سے حضرت والاؒ کے انداز تربیت کا اندازہ ہو سکے، البتہ بطور نمونہ چند چیزیں پیش کرتا ہوں۔

اول: حضرت حاجی محمد شریف ہوشیار پوریؒ جو حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، لیکن حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد انہوں نے باوجود صاحب کمال ہونے کے اپنے آپ کو حضرت جالندھریؒ سے وابستہ کر لیا تھا ، انہوں نے حضرت والاؒ کے چند خطوط اپنی "آپ بیتی" میں درج کئے ہیں وہ یہاں درج کرتا ہوں۔

والا نامہ جات حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

"مکرمی! زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ان پیروں میں بعض بڑے اولیاء ہیں ان کو بُرا سمجھنا اپنے ایمان کو نقصان پہنچانا ہے سب کا دل وزبان سے ادب ہونا چاہیے، رہا ان کا سماع وغیرہ بعض رسوم میں ابتلاء کسی کی طرف تو نسبت صحیح نہیں اور کسی کا خاص بنا پر ابتلاء ہے جس میں وہ معذور ہیں ایسے امور میں ان کی اقتداء کرنا جائز نہیں البتہ ان پر بدظنی کرنا بھی سخت گناہ ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

(۲) مشرک تو سمجھنا نہ چاہئے۔ البتہ رسومات میں اتباع کرنا جائز نہیں اس سے احتراز کیا جاوے۔

ایسے لوگ مسلمان ہیں ان کو کافر اعتقاد کرنا بہت برا ہے یہ تو آپ کے سوالات کا جواب تھا۔ اب خیر خواہانہ مشورہ ہے وہ یہ کہ ایسے خیالات سے بالکل پرہیز کیا جائے اپنی ہی فکر پیش نظر رکھنی چاہیے سنت کے مطابق عمل کیا جائے۔ پھر بھی اپنے آپ کو قصور وار سمجھ کر استغفار کیا جائے، اور زید، عمرو بکر سے نظر بند کر لی جائے"۔

والسلام ۲ صفر ۱۳۷۴ھ

ارض پنجاب کے متعلق مسائل شرعیہ

(سوال: کیا پنجاب کی زمین عشری ہے؟
(جواب: حضرت مولانا:
عشری ہونے میں شبہ ہے اس لئے بقول حضرت گنگوہیؒ عشر ادا کرنے ہی میں احتیاط ہے۔
سوال: کیا استنجاء سے بچا ہوا پانی مکروہ ہوتا ہے؟ کیا وضو کے لئے تازہ پانی لینا چاہیے؟
جواب: شرعی کراہت تو کوئی نہیں البتہ طبعی کراہت ہے۔ دونوں طرح اختیار ہے۔
سوال: شنید یہ ہے کہ یہاں کی زمین پٹھانوں نے اوروں سے غصب کر کے لی ہے کیا اس افواہ سے کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے؟
جواب: ایسے احتمالات سے کچھ نہیں ہوتا جب تک صحیح تحقیق نہ ہو۔
سوال: باتیں کرتا ہوں لیکن دل کورا ہے۔
جواب: یہی اعتقاد ہمیشہ رہنا چاہیے گو واقعہ میں ایسا نہ ہو۔
سوال: بحمد للہ حضرت کی صحبت سے دل سرشار ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اسی میں میرا خاتمہ ہو۔
جواب: اللہ تعالی اس مخلصانہ محبت کو طرفین کے لئے نافع اور طرفین کے حق میں ذریعہ نجات بنائے۔
سوال: دعا فرمائیں میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔
جواب: انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

مال مشتبہ سے احتیاط:

مال مشتبہ کے بارے میں استفسار پر حضرت مولانا مرحوم نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دینے والے دنیوی غرض سے ملازمین کو بلا طلب یا مع طلب جو چیز دیتے ہیں وہ رشوت کہلاتی ہے۔ سو پٹواریوں کی زائد از مشاہرہ آمدنی اسی کا مصداق ہے، اس لئے کھانے پینے کی اشیاء سے اجتناب کرنا ہی احوط ہے۔
البتہ اس کے ماسواء اشیاء میں وسواس کے پیچھے لگنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو اس سے اجتناب مناسب ہے باقی کا تدارک استغفار سے کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

از جالندھر، ۲۹ رجب ۱۳۶۲ھ

حسن ترتیب کا شہری اصول

ایک خط کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم رقمطراز ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تربیت کس طرح کی گئی اس لئے مشورہ سے قاصر ہوں۔

البتہ ایک اصول عرض کرتا ہوں جو حضرتؒ کا معمول تھا، وہ یہ کہ کسی طالب کو اپنے دلی تعلق خاص کی اطلاع نہیں فرمایا کرتے تھے، تاکہ ناز کا وقت نہ آنے پائے بلکہ ہر شخص کو ظاہری استغناء اور اندرونی توجہ سے تربیت فرمایا کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے آپ سے اس کی رعایت نہیں رہ سکی۔

واللہ تعالیٰ اعلم　۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء

مقتدیانِ دین کے اصولِ شرعی

سوال: حضرت والاؒ! میرے ایک افسر چاہتے ہیں کہ میں ان کی ہمشیرہ کو ٹیوشن پڑھاؤں لڑکی قریب بلوغ ہے، اگر انکار کردوں تو اندیشہ ہے کہیں نقصان نہ پہنچائیں کوشش کروں گا کہ لڑکی موٹے کپڑے پہن کر پڑھے ارشاد فرمائیں کہ کیا طریق اختیار کروں؟ حسب ارشاد دل وجان سے عمل کروں گا۔

جواب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

مکرمی زید فیوضکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

حق گوئی وحق جوئی سے دل بہت خوش ہوا، حق تعالیٰ مزید ترقی ارزانی فرمائے!۔ جواباً مختصر تحریر ہے کہ قرآن مجید میں آیۃ کریمہ "لاتقربوا الزنیٰ" "زنا کے قریب مت جاؤ" میں اسباب وذرائع اور دواعی ومسائل زنا کو حرام اور ممنوع قرار دے کر اس کی نہی فرمائی گئی ہے اسی لئے دوسری آیت میں مرد وعورت کو نظر پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور حدیث میں ناگہانی نظر کو معاف فرمایا گیا ہے، ان سب نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد کا اجنبی عورت سے قصداً تخلیہ میں بیٹھنا، آواز سننا، ہم کلام ہونا ناجائز ہے، ایسے مقام میں بیٹھنا قصداً جہاں گاہے گاہے نظر پڑجاتی ہو، معافی میں داخل نہیں بلکہ قصداً نظر کے حکم میں ہے معافی اسی صورت میں ہے کہ خود کسی اجنبیہ کے قرب کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ پھر اتفاق سے سامنا پڑ جائے۔ وہ معاف ہے اس لئے آپ کا معاملہ میری نظر میں مشکوک ہے خلاف تقویٰ ہے۔ مرشد نا حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز اس پر مطلع ہوتے تو اجازت نہ فرماتے۔ علاوہ ازیں دینی مصلحت کے بھی خلاف ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی مقتدا کا عہدہ عطاء فرمایا ہے۔ مقتدا کے لئے مقامِ تہمت ومواضع شک وتردد سے اجتناب ضروری ہے، تاکہ دوسرے مقتدین غیر جائز مواقع میں اس کو حجت نہ بنا سکیں اور مخالفین بدنام کرکے ایک دینی مسلک سے عوام کو نہ ہٹا سکیں۔

فقط

یہ میرا خیال ہے آگے آپ خود متقی ہیں دین میں فہیم ہیں تحریری استخارہ فرمالیں اور بحکم حدیث دع ما یریبک الی ما لا یریبک ،یعنی مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کیا جائے احتیاط پر عمل فرمالیں۔

والسلام خیر محمد عفی عنہ از خیر المدارس ملتان

۲۲ ذالحجہ ۱۳۷۰ھ

چنانچہ حسب ارشاد حضرت مولاناؒ میں نے اس بچی کو پڑھانا قبول نہ کیا، اپنے افسر صاحب سے معذرت کر دی ۔ اللہ تعالی نے مولانا مرحوم کی برکت سے عجیب فضل فرمایا کہ اس افسر نے مجھے کہا کہ آپ کی اسی بات نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے آپ دینی اصول کے پابند ہیں پھر انہوں نے خاص کوشش سے مجھے دو تین سپیشل گریڈ دلوائے۔

سوال : حضرت والاؒ ہماری محراب کافی وسیع ہو گئی ہے ، لوگوں کا اصرار و تقاضا ہے کہ یہاں نماز جمعہ ہوا کرے گی، لیکن مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا ۔

جمعہ کے دن میرا خیر المدارس آنا موقوف ہو جائے گا ،ساتھ یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں انکار کرتا رہا تو لوگ نیا امام ڈھونڈ نے کی فکر کریں گے ۔ حضرت ارشاد فرمائیں کیا کروں ؟ رمضان المبارک آنے کو ہے ،دل یہ چاہتا ہے کہ اگر جمعہ کی نماز شروع کر دینے کا حکم ہو تو پہلا جمعہ حضرت والاؒ پڑھائیں لیکن حضرت کو روزے کی وجہ سے آنے میں تکلیف ہو گی۔

جواب: حضرت مولانا مرحوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بہتر صورت یہ ہے کہ آئندہ جمعہ یعنی ۲۹ شعبان کا آپ اپنی مسجد میں شروع کریں ۔ کیونکہ یہ جمعہ اصل میں رمضان ہی کا ہے میں آجاؤں گا اپنے دوستوں کو اطلاع کر دیں اگر یہ صورت منظور ہو تو مجھے اطلاع کر دیں۔

والسلام

خیر محمد عفی عنہ ۲۶ شعبان ۱۹۷۵ء

حضرت والاؒ تشریف لائے ۔ ہماری مسجد میں پہلی جمعہ کی نماز حضرت نے پڑھائی آئندہ کے لئے مجھے اجازت مل گئی اور حضرت کی برکت سے اللہ تعالی نے مسجد آباد فرما دی۔

فرمودات حضرت استاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کی افادیت

(۱) حضرت کا معمول تھا کہ عصر کی مجلس ہوتی تھی جس میں اکثر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات اور کبھی کبھار کسی دوسرے بزرگ کی کتاب سنی جاتی تھی، اسی مجلس میں ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ہر

خاص عام کے لئے یکساں مفید ہیں۔

طالب اصلاح کو مشورہ

(۲) فرمایا جس شخص کو بھی اپنی اصلاح مقصود ہو حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کو زیر مطالعہ رکھے اور اگر نہ پڑھ سکے تو کسی سے سن لیا کرے۔

دیو بندیت کیا ہے ؟

ایک مجلس میں فرمایا میرے نزدیک دیوبندی وہ نہیں جو صرف دیوبند سے پڑھ کر آجائے بلکہ دیوبندی وہ ہے جو اکابرین دیوبند کے مسلک پر چلے (شاید حضرت کا اشارہ ان حضرات کی طرف ہو جنھوں نے دیوبند ہی سے علوم حاصل کئے اور پھر چند مسائل میں اکابرین دیوبند سے شدید اختلاف کیا بلکہ اختلاف کو مقصد حیات بنائے رکھا)

پھر فرمایا میں نے اگرچہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھا نہیں مگر اکابرین دیوبند کے مقصد کا پابند ہوں۔

عالم بے عمل :

(۴) ایک دفعہ فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال پارس پتھر کی سی ہے جو لوہے کو تو سونا بنا دیتا ہے، مگر خود وہی پتھر کا پتھر رہتا ہے -- اسی طرح عالم بے عمل دوسروں کو تو راہ دکھاتا ہے، مگر خود اس راہ پر نہیں چلتا آخر میں فرمایا لیکن اس کے باوجود وہ قابل احترام ہے کیونکہ وہ عالم ہے

گر خواہی سلامت بر کنار است ،

(۵) ایک دفعہ فرمایا سیاسی حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ کسی ایک جماعت کے ساتھ مخصوص نہ ہوں اور نہ کسی جماعت کی مخالفت کا نشانہ بنیں بلکہ عین موقع پر جس جماعت کو بہتر خیال کریں اس کے ساتھ تعاون کر دیں۔

طلباء اور عملی سیاست :

(۶) خطیب الملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ڈیرہ اسماعیل خان کا دورہ کر کے مدرسہ تشریف لائے تو اس موقع پر فرمایا دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ کو عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ ورنہ اس سے تعلیمی ماحول برباد ہو جاتا ہے (بعد کے حالات اور تجربات نے ثابت کر دیا) کہ حضرتؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا وہ بالکل صحیح تھا طلبہ کو عملی سیاست میں شریک کرنے والوں نے خود اپنے اس عمل پر تاسف کا اظہار کیا **وللہ در القائل**۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

جواب جاہلاں باشد خاموشی :

(۷) ایک دفعہ فرمایا مخالف کی بیہودہ گفتگو اور لغو بات کا جواب نہ دینا بہترین جواب ہے اس سے فتنہ ختم ہو جاتا ہے ورنہ آج جواب دو گے تو کل کوئی نیا شوشہ چھوڑ دے گا اس طرح مستقل درد سر بن جائے گا۔

بییں تفاوت راہ:

(۸) فرمایا کہ ایک دفعہ بریلی کے اسٹیشن پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور بریلویوں کے بڑے حضرت احمد

رضاخان کی ملاقات ہوئی - خان صاحب نے جب حضرت حکیم الامت کو دیکھا تو نورانی چہرہ اور وجیہ شکل ہونے کے سبب بزرگ سمجھ کر دوڑ کر مصافحہ کیا اس کے مقتدین بھی یہ دیکھ رہے تھے، بعد میں انہوں نے بتلایا کہ یہی تو مولوی اشرف علی تھانوی ہیں " تو خان صاحب کو بہت غصہ آیا اور وہیں سے واپس ہو گئے کہ جس ریل میں وہابی سفر کر رہا ہو میں سفر کرنا گوارہ نہیں کرتا۔

ادھر حضرت حکیم الامتؒ کو ان کے ساتھیوں نے بتلایا کہ "یہی تو مولانا احمد رضاخان صاحب تھے" تو فرمایا ماشاء اللہ صورت تو بڑی اچھی ہے سنت کے مطابق، اللہ تعالی عقیدہ صحیح فرماویں۔

اعتدال راہ سنت

(۹) ایک مسترشد نے اپنے حالات ذکر کئے تو سننے کے بعد بطور نصیحت فرمایا! اعتدال سے کرو، پڑھنے کا وقت مقرر کرو اس میں مطالعہ کرو، وظائف کے وقت میں معمولات ادا کرو، آرام کرو، غرض ہر کام اعتدال سے ہونا چاہیے۔

صحبت کا نتیجہ

(۱۰) فرمایا کہ ہر ایک بری مجلس سے اپنے آپ کو بچانا ہر ایک کا فرض ہے۔ بری مجلس کا انجام دین سے دوری اور ہلاکت ہے۔ **تلک عشرة کاملة**

(آثار خیر ۴۷۸ تا ۴۸۸)

دوم: - حضرت والاؒ کے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا محمد شریف مرحوم (مہتمم دوم جامعہ خیر المدارس) کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے تھا، تعلیم کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کے حکم سے انہوں نے اپنے والد ماجد سے رجوع کیا، ایک نمونہ انکے اصلاحی خطوط کا آثار خیر میں شائع ہوا اس کو نقل کرتا ہوں

پیر طریقت باپ کے خطوط، سالک راہ بیٹے کے نام

نماز میں حصول اطمینان کا طریقہ:

حال: نماز میں اطمینان کے لئے کوئی علاج فرمائیں؟

ارشاد: علاج اس کا یہ ہے کہ حتی الوسع خود دل لگا کر نماز کو شروع کیا جائے پھر جو کچھ ہو اسکی پرواہ نہ کی جائے۔ پریشانیوں کی فکر کی بجائے اس کے اسباب کا ازالہ کیا جائے۔

حال: ظاہری و باطنی بیماریوں کی وجہ سے تمام اوقات پریشانی میں گزر رہے ہیں۔

ارشاد: پریشانی طبیعت کو مضمحل کردیتی ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں کرنا چاہیے البتہ پریشانی کے سبب پر غور کرنا چاہیے۔

اصلاح احوال کا طریقہ:

حال: - بندہ اصلاحی احوال کا طالب ہے۔

ارشاد: - رسالہ تبلیغ دین میں اخلاق رذیلہ کا مطالعہ کیجئے ان میں سے جو اپنے اندر محسوس کریں، ان کی فہرست

بنالیں اور ایک ایک کا علاج پوچھ کر کراتے جائیں۔

ازالہ کبر کا آسان طریقہ :

حال : بندہ میں کبر کا مرض کسی وقت غالب آجاتا ہے اس کا علاج فرماویں

ارشاد : آسان طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ بعد المغرب کیا جائے اور اپنے عیوب کا مطالعہ کیا جائے اور پھر توبہ کی جائے اور حق تعالی سے دعاء کی جائے

کبر سے پیدا ہونے والی ایک کیفیت کا علاج :

حال : تکبر کے آثار مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں جیسے دوسروں کو حقیر سمجھنا اور راستہ میں دوسرا اسلام نہ کرے تو غصہ ہونا۔

ارشاد :اس کا علاج یہ ہے کہ جس کو حقیر سمجھے اس کی خوبیوں پر نظر کرنا اور غصہ کے وقت اپنے نقائص اور عیوب کو یاد کرنا اور خدا کی بڑائی کو دل میں مستحضر کرنا۔

مرض غیبت کا علاج :

حال :غیبت کا علاج فرما کر اصلاح فرمائی جائے۔

ارشاد :غیبت حق العباد ہے اگر ممکن ہو تو مغتاب علیہ سے معافی طلب کرے اگر ناممکن ہو تو اس کی تعریف کرے اور اس کے لئے دعاء کرے اور آئندہ احتیاط کرے اگر پھر بھی غیبت ہو جائے تو ۴ رکعت نفل جرمانہ پڑھا کرے ان شاء اللہ یہ ترک ہو جائے گی۔

حسد کا علاج :

حال : حسد کا علاج تجویز فرمایا جائے

ارشاد : مراقبہ موت چند منٹ کیا جائے اس سے حسد جاتا رہے گا۔

معارف الہیہ کا مطالعہ

حال : اگر کسی خاص کتاب کا مطالعہ زیادہ مفید ہو اور تسکین خاطر کا سبب ہو تو ارشاد فرمائیں

ارشاد :معارف الہیہ کا مطالعہ مفید ہو گا انشاء اللہ

ایضا

حال : کسی خاص کتاب کا مطالعہ مناسب ہو گا

غصہ برا مگر :

حال :اپنے اندر غصہ پاتا ہوں کبھی دنیاوی امور میں اکثر خلاف شرع کے دیکھنے پر

ارشاد :

غصہ برا نہیں البتہ غصہ کے مقتضا کو فوراً جاری نہ کیا جائے جب غصہ فرو ہو جائے پھر سوچا جاوے اور مقتضا پر عمل کیا جائے

تلک عشرۃ کاملۃ

(الخیر ص ۱۲۱ تا ۱۲۲)

سوم اس ناکارہ روسیاہ کا اصلاحی تعلق اولاً حضرت والاؒ سے ہی تھا حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ (قطب العالم برکتہ العصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ) سے رجوع کیا، لیکن افسوس کہ:

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

نہ گلم، نہ برگ سبزم، نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

اس ناکارہ کا حضرت والاؒ سے اصلاحی تعلق ۱۳۷۳ھ سے ان کے وصال تک سترہ سال رہا اگر کسی کو فطرت سلیم اور جوہر عالی نصیب ہوتا تو اس عرصہ میں خدا جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا۔ لیکن اپنی حالت وہی رہی

یہ روسیاہ اول تو التزام سے حضرت کو احوال لکھتا نہیں تھا اور کبھی لکھدیے تو عمل ندارد۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ سترہ سال کے بعد بھی ویسے کا ویسا ہی رہا اس لئے اپنے اصلاحی خطوط بھی ہمیشہ دبا کر رکھے، طویل عرصہ گزرنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرنے کی وجہ سے بہت سے خطوط ضائع ہوگئے بہر حال چند خطوط موجود ہیں خیال ہوا کہ اپنے عیوب کو کب تک چھپائے رکھوں گا؟ اس لئے حضرت والاؒ کے انداز تربیت کا نمونہ پیش کرنے کے لئے ان کو نقل کرتا ہوں:

(۱) ٦٨٧ سیدی حضرت شیخ! زادہ اللہ شرفاً و مجداً السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سلام نیاز مندانہ کے بعد حضرت کی دعا کی برکت سے خیر وعافیت ہے۔ حضرت اقدس صحت عالیہ سے مطلع فرمائیں (۱) آج کل عام رواج ہے کہ رمضان المبارک میں لوگ مساجد میں کھانا لے آتے ہیں جسے امیر اور خوشحال لوگ بھی خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ ناکارہ کو اس بارے سخت خلجان ہے کہ اکثر کھانا صدقہ اور خیرات کی مد میں تیار کیا جاتا ہے۔ تو یہ فقراء کو ہی کھانا چاہیے۔ لیکن حدیث افطار، صائم کی فضیلت میں بظاہر تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ حضرت سے دریافت یہ کرنا ہے کہ بہ نیت صدقہ وخیرات جو کھانا تیار کرایا جاتا ہے اس سے اغنیا کا افطار جائز ہوگا یا نہیں؟ (۲) نیز عام رواج یہ بھی ہے کہ یہی اللہ واسطے کا کھانا لوگ بچوں کو کھلانے کے عادی ہیں۔ اس میں بھی یہ تمیز نہیں کی جاتی کہ کھانے والا بچہ غنی کا ہے یا فقیر کا، اور عوام کا گمان یہ ہے کہ بچہ خواہ کتنا امیر ہو لیکن اس کے لئے صدقہ خیرات کا کھانا جائز ہے خادم کو اس میں بھی خلجان ہے۔ اسلئے اس کا حکم ارشاد فرمایا جائے۔ ناکارہ کے لئے فلاح دارین کی دعا فرمائیں۔ والسلام طالب دعا ناکارہ محمد یوسف عفی عنہ لودھیانوی۔ چک نمبر ۳۳۵ ج ب	السلام علیکم جو شے منت اور نذر کی ہو وہ فقراء کے ساتھ مخصوص ہے افطاری وغیرہ ایسی نہیں۔ اس کا بھی جواب یہی ہے مطلق خیرات نذر نہیں۔ دل سے دعا گو ہوں۔ دستخط حضرت مولاناؒ
(۲) ٦٨٧ سیدی وسندی حضرت شیخ! دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	السلام علیکم۔

حضرت کی علالت کے متعلق سنا تھا اور ساتھ یہ بھی کہ حضرت لاہور ہی برائے علاج مقیم ہیں ، اسلئے اب تک دریافتِ صحت سے بھی یہ دور افتادہ محروم رہا۔	نہیں تو صرف ایک ہفتہ وہاں رہنا ہوا تھا
حق سبحانہ تعالیٰ شفاء کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے۔ خدا کرے اب حضرت کی طبیعت مبارکہ اچھی ہو۔	صحت اس قدر اچھی ہے کہ تعلیم واہتمام کا کام کرتا ہوں فالحمدللہ۔
عوارض مذکورہ کی وجہ سے حضرت کو حالات کی اطلاع نہیں کرسکا ہوں اسی سال ناکارہ کے پاس مشکوٰۃ شریف ہے، اگر حضرت اقدس کو تکلیف نہ ہو تو ارشاد فرمائیں کہ اس کے لئے کون سی کتب قابل اعتماد ہونگی۔	تعلیق صبیح، مظاہر حق ، آثارِ سنن ، اعلاء سنن
نیز حدیث مبارک کو سمجھنے اور سمجھانے کا طرز کیا ہونا چاہیے؟ مشکوٰۃ شریف میں کن چیزوں کی رعایت رکھی جائے۔	(۱) الفاظ ومعانی کی تحقیق(۲) استنباط مسائل مختلف فیہ مسائل میں حنفیہ کے دلائل اور حدیث کا انطباق۔
نیز باوجود حدیث مبارک پڑھنے کے قلب پر رقت طاری نہیں ہوتی۔ عشاء کے بعد بنام تہجد اگرچہ چھ نفل پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن اتنے بلاحضور کہ بعد میں خود شرم آتی ہے۔ نیز ذکر اسم ذات کی بھی یہی حالت ہے۔ کہ بوقت ذکر میں خود کہیں ہوتا ہوں اور خیال نامعلوم کہاں ، قرآن مجید کی تلاوت پر بھی پابندی نہیں ہوسکتی۔	غیر اختیاری وساوس کا مضائقہ نہیں صورت پر پابندی کیجئے روح خود حق تعالیٰ عطا فرمائینگے۔
غصہ کے متعلق ارشاد فرمودہ علاج " ضبط وہمت پر عمل کرتا ہوں لیکن بعض دفعہ بھول جاتا ہوں۔	اسی طرح گرتا گرتا سوار ہوجاتا ہے۔
حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات حصہ ہفتم۔ تبلیغ دین۔ منہاج العابدین کا مطالعہ کرتا ہوں۔	
حضرت اقدس اس نابکار کے لئے دعا اور توجہ کی ضرورت ہے۔ والسلام	اللہ تعالیٰ نافع فرماوے بندہ بھی دعا کرتا ہے۔
نابکارہ محمد یوسف لدھیانوی ---روشن والہ ۲۲/۱۲/۱۴ء	دستخط حضرت مولانا ----

(۳)

۶۸۷

سیدی حضرت شیخ! اعلی اللہ درجاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خدا کرے مزاج عالی بخیر وعافیت ہو۔

چند دنوں سے عریضہ عرض خدمت کرنے کا قصد تھا، غفلت وشقاوت سے کوتاہی گئی۔

چند امر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں جب سے حدیث مقدس پڑھی۔ "من صلی للہ اربعین یوما فی جماعۃ یدرک التکبیرۃ الاولی کتب لہ براءتان براءۃ من النار وبراءۃ من النفاق" اسی وقت سے بندہ نے کوشش کر کے دیکھی، مگر ایک سال کی مسلسل کوشش کے باوجود اس پر عمل سے محروم رہا۔ آخر دل برداشتہ ہو کر چھوڑ دیا۔ اب پھر یہی حدیث گذری تو دوبارہ عمل کا عہد کیا، مگر اب بھی ناکام رہا۔ اس سے بندہ کو نفاق کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ کہ حق تعالی شانہ کا ارشاد تو یہ ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ مگر اس نا اہل کا اس سے حرمان عدم رضائے الٰہی کی دلیل نہ ہو (معاذ اللہ) اسلئے حضرت اقدس اس ناہنجار کے لئے خاص طور پر دعا اور توجہ فرمائیں،

۲۔ بعض دفعہ فرائض کی ادائیگی کے بعد دیگر نفلی نمازمیں طبیعت نہیں لگتی۔ مگر جلدی جاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کہیں یہ ریا تو نہیں؟

نیز حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں اصلاح نفس وفلاح دارین کی دعا کی درخواست ہے!

ناکارہ محمد یوسف عفی عنہ، روشن والا

۱۳ جمادی الاولی سنہ ۷۵

السلام علیکم!

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔

مگر نفاق عملی نہ کہ اعتقادی۔

وہ نفاق اعتقادی ہوتا ہے نہ کہ عملی، البتہ یہ بے برکتی کا موجب ہوتا ہے لہذا سعی وعزم جاری رکھنا چاہیے۔ رفتہ رفتہ دوام نصیب ہو جایا کرتا ہے۔ ماخذہ ولکن یا حنظلۃ ساعۃ فساعۃ الحدیث

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد باید کہ ہراساں نشود

اگر قصد خوشنودی خلق نہ ہو تو ریا نہیں

دعا کے ساتھ دوا بھی عرض کر دی ہے

دستخط حضرت مولاناؒ

(۴)

۶۸۷

سیدی سندی حضرت الشیخ! دامت فیوضھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج شریف!

عرض کمترین ایں کہ بندہ حضرت کے ارشاد مقدس کے ماتحت یہاں روشن والہ میں آیا تھا۔ آئندہ سال چونکہ ان کے پاس طالب علم نہیں، اس لئے انہوں نے ۱۵ رجب کے بعد سے بندہ کو فارغ کردیا اور آئندہ سے جواب دے دیا۔ اطلاعاً حضرت کی خدمت میں گزارش ہے کہ بندہ کے لئے کوئی جگہ جو حضرت اقدس کے نزدیک مناسب ہو تجویز فرمادیں۔

نیز عرض ہے کہ نصف رجب کے بعد بندہ یہاں سے فارغ ہوجائے گا اور یہ لوگ پورے رجب کی رقم دینا چاہتے ہیں تو کیا بعد کے پندرہ دن کی رقم میرے لئے حلال ہوگی یا نہیں ؟

ناکارہ محمد یوسف روشن والہ

عزیز محترم سلمہ ربہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

جو تنخواہ دینا چاہتے ہیں وہ جائز ہے۔ اگر ہماری معرفت آئندہ کوئی جگہ لینی ہے تو اواخر شعبان میں یاددہانی معہ پورے پتہ ڈاک کے کرا کر نام لکھوادینا۔ انشاء اللہ تعالیٰ خیال رکھا جائے گا۔ بفضلہ تعالیٰ نیم خیریت سے ہوں اور دعا کرتا ہوں

والسلام دستخط حضرت مولاناؒ

رجب ۱۳۷۵ھ ملتان

(۵)

۷۸۶

سیدی حضرت الشیخ! دامت افضالھم وبرکاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج اقدس!

بفضلِ الٰہی و دعائے حضرت والا صحت بحال ہورہی ہے۔ حضرت سے مزید دعائے صحت کا خواستگار ہوں۔

حضور والا کے ارشاد سے اس نالائق کی تقرری آئندہ سال کے لئے ماموں کانجن کے لئے ہوئی ہے۔ تاحال ان سے معاملات بابت مشاہرہ ودیگر لوازمات گفتگو نہیں ہوئی۔۔ بلکہ اسے حضور اقدس کے فیصلہ پر رکھا گیا ہے، اس لئے عرض رساں ہوں کہ حضرت والا جو کچھ

السلام علیکم۔

دعاء گو خیریت سے ہے اور دعاء کرتا ہے۔ چونکہ ماموں کانجن والوں نے آپ کے تقرر کی براہ راست خواہش ظاہر کی ہے۔ میرا تعلق صرف اجازت کا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ براہِ راست بذریعہ خط وکتابت بلاتکلف آزادی سے تنخواہ کا فیصلہ کر لیں۔ نتیجہ سے مجھے بھی مطلع کر دینا مناسب

منظور فرمائیں گے بندہ کو بھی منظور ہوگا۔

حضرت اپنی صحت وعافیت سے اطلاع بخشیں اور بندہ کے لئے بھی دعائے صحت فرمائیں فقط والسلام

ناکارہ محمد یوسف لدھیانوی

چک نمبر ۳۳۵ ج ب

ہے تنخواہ کو مجھ پر معلق رکھنا غیر مناسب ہے

والسلام دستخط حضرت مولاناؒ

۵ رمضان المبارک

۱۳۷۵ھ سہ شنبہ ملتان

(٦)

۷۸٦

سیدی حضرت الشیخ الجلیل والامام الکبیر۔ دامت افضالہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج گرامی مع الخیر باد۔

ہمارے علاقہ میں بلکہ خود ہمارے گھر میں عشر کا رواج نہ تھا اس لئے مسئلہ بتلانے کی ضرورت پیش آئی مگر کتب فقہ اور فتاویٰ کی طرف رجوع کرنے کے باوجود چند امور میں تسلی نہیں ہوئی اس لئے عرض کرتا ہوں۔

پاکستان کی اراضی تین قسم کی ہیں۔

اول وہ جو قبل از قیام پاکستان بھی مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔

دوم وہ جو پہلے غیر مسلم کی ملکیت تھی بعد میں مہاجرین مشرقی پنجاب پر تقسیم ہوئیں۔

سوم وہ جو تقسیم ملک سے قبل گورنمنٹ انگریزی کے قبضہ میں تھیں۔ اب وہ براہ راست حکومت پاکستان کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں اور انہیں ٹینڈر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور حکومت اس پر گیارہ گنا وصولی کرتی ہے۔

قسم اول پر اگر عشری کی تعریف صادق آجائے تو عشر کا حکم بطور وجوب ہوگا یا بطور احتیاط۔

السلام علیکم

پاک وہند کا تبادلہ چونکہ جہاد وجنگ سے نہیں ہوا اس لئے اراضی کا سابق حکم شرعاً نہیں بدلا، اول فتح سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہوئی تھی۔ اور تاریخ سے پورا پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت ان اراضی کو عشری قرار دیا گیا تھا یا خراجی۔ اس لئے حضرت گنگوہیؒ جیسے بزرگوں کا فتویٰ یہی ہے کہ احتیاطاً عشر ادا کیا جائے بطور وجوب احتیاطی کے۔

<table>
<tr>
<td>
جیسے کہ فتاویٰ دار العلوم میں اراضی ہند کے متعلق تحریر ہے۔
(جلد اول امداد المفتیین ص ۹۴)
قسم دوم پر عشر ہوگا یا نہیں، بظاہر تو ارضِ عشری کی تعریف صادق نہیں آتی۔
قسم سوم، بظاہر اراضی مملکت اور اراضی خود معلوم ہوتی ہیں جنہیں شامی وغیرہ میں لا عشریہ ولا خراجیہ کہا گیا ہے۔ پھر ان میں عشر کا حکم ہوگا یا نہیں؟
یہ امور سمجھ نہیں آئے اس لئے حضرت کی طرف رجوع کی ضرورت ہوئی ورنہ حضرت کی مصروفیات اور ضعف صحت دیکھ کر تکلیف دینے کو دل نہیں چاہتا۔ حق تعالیٰ حضرت کا سایہ دائم وقائم رکھے۔
والسلام مع الاحترام
دعا کا محتاج احقر محمد یوسف ماموں کانجن
۸ شوال ۱۳۷۶ھ
</td>
<td>
دعا گو ہوں۔
دستخط حضرت مولاناؒ
</td>
</tr>
<tr>
<td>
(۷)
۷۸۶
سیدی حضرت شیخ الجلیل والامام الکبیر۔ دامت افضالہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
مزاج گرامی!
احقر ۶ شوال کو یہاں حاضر ہو گیا تھا۔ آج ۱۲ شوال سے اسباق شروع ہو گئے ہیں۔
چند امور قابل اطلاع ہیں۔
(۱) یکم رمضان المبارک ۱۰ شوال تک چالیس یوم تکبیر تحریمہ جماعت کے ساتھ حاصل ہوئی جسکی بہت دفعہ شکایت عرض کی تھی۔
یہ فیضِ شیخ کی اول برکت ہے۔ دعائے دوام فرماویں۔
</td>
<td>
السلام علیکم۔
مبارک ہو صد مبارک۔
یا صدق ہمت۔
دل سے دعا کرتا ہوں۔
</td>
</tr>
</table>

(۲) جو مسائل پڑھے تھے محض اساتذہ میں نیک نامی یا امتحان میں کامیابی یا لوگوں کو سنانے کے لئے پڑھے اور یاد کئے تھے۔ افسوس کہ اس نیت سے پڑھے ہی نہ تھے کہ ان پر عمل کریں گے لیکن الحمدللہ اب ہر مسئلہ برائے عمل پڑھنے اور دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

انشاء اللہ تعالیٰ مفتاح سعادت ثابت ہوگا

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ اب اسی نیت سے شروع کردیا ہے۔ اسی لئے بہت سی کوتاہیاں معلوم ہونے لگی ہیں۔ حق تعالیٰ معاف فرمائے۔

حق تعالیٰ نافع فرمائے۔

(۳) معاصی سے نفرت نہ تھی، احتراز عن المعاصی کو حد امکان ہی سے خارج سمجھتا تھا۔ اب بدعا وتوجہ حضرت شیخ، دونوں میں اصلاح ہونی شروع ہوئی۔

الحمدللہ
حق تعالیٰ تکمیل فرمائے۔

(۴) بہت سے مسائل پر اس لئے عمل کرنے سے قاصر تھا کہ بدنامی ہوگی، الحمدللہ اب اس میں کمی ہو چلی ہے۔

(۵) بزرگوں کے فیض صحبت کا مسئلہ سمجھ نہ آتا تھا، ۱۸ یوم کی قلیل مدت خدمت میں رہ کر آنکھوں سے مشاہدہ ہوا۔ اور طبیعت میں عجیب تبدیلی محسوس ہوئی۔

یہ تو آپ کی قوت ارادی ہی پر خدا تعالیٰ نے ثمرہ عطا فرمایا ہے ورنہ یہاں تو بزرگوں کی مجالس سے دور کی نسبت بھی نہیں،
چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

(۶) ارشادات پر حتی الوسع عمل کرتا ہوں، تبلیغ دین اور مواعظ حکیم الامتؒ کا التزام کرلیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور عمل مستقیم عطا فرمائے۔

مگر افسوس وندامت سے عرض کرتا ہوں کہ تہجد کے لئے پابندی سے بیدار نہیں ہوسکتا۔

غیر اختیاری امور قابل التفات نہ ہونے چاہیے۔

چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) مدرسہ کے کاغذات روشنائی، پنسل ودیگر اشیاء میں بعض دفعہ بے احتیاطی ہوجاتی ہے، کیا ان کو ذاتی ضروریات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔؟

احتیاط اولیٰ ہے نہیں تو معاوضہ کی نیت سے مدرسہ کی کچھ مدد مالی کردی جایا کرے۔

(۲) حسد کی تعریف تبلیغ دین میں پڑھی۔ احقر میں رشک کا مادہ زیادہ ہے، اگر کسی کی حالت دینی یا دنیوی عمدہ سن پاتا ہوں تو طبیعت پریشان ہوجاتی ہے۔ جس پر حسد کا شبہ ہوتا ہے۔

یہ ندامت ہے نہ غبطہ (رشک) نہ حسد

لیکن غور کے بعد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حسد نہیں۔ کیونکہ اس سے سلب نعمت کی تمنا نہیں بلکہ اپنے حرمان پشیمانی ہے۔	یہ لازم نہیں۔
نیز حسد کے لئے محسود کا مغضوب علیہ ہونا کس درجہ میں لازم ہے ورنہ حسد ہی کیوں ہوتا۔ اور یہاں ایسا نہیں۔ آیا یہ تاویل صحیح ہے یا تسویل نفس۔	کوئی مرض نہیں۔
اگر یہ مرض ہو تو اس کا علاج تجویز فرمادیا جائے۔	
(۳) طبیعت میں عجیب انتشار رہتا ہے۔ کبھی بہت ہشاش بشاش۔ اور کبھی عبوس قمطریر۔ اس کا علاج تجویز فرمائیں۔	بتکلف ہشاش رہنے کی سعی رکھیں خصوصاً دوسروں سے ملاقات کے وقت۔
نیز ناکارہ کے لئے دعائے صلاح و فلاح دارین اور عافیت فی الدنیا والآخرۃ کی درخواست۔ والسلام احقر محمد یوسف ماموں کانجن ۱۲ شوال دوشنبہ ۷۶ھ	دل سے دعا کرتا ہوں دستخط حضرت مولاناؒ
(۸) ۷۸۶ سیدی حضرت شیخ الجلیل والامام الکبیر دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک واقعہ عرض ہے۔ علامہ شعرانیؒ کی کتاب تنبیہ المغترین کا ترجمہ احقر کے پاس تھا، اصل کتاب کے دیکھنے اور خریدنے کا بہت شوق تھا۔ اتفاق سے ملتان کے ایک کتب خانہ سے مل گئی۔ اور خرید لی گئی، مدرسہ میں آکر مہتمم صاحب اور مولوی صاحب کی بلا اطلاع مدرسہ میں داخل کردی۔ آج مولانا نے رجسٹر میں اندراج دیکھا تو فرمایا کہ تمہیں اس کتاب کا شوق اپنے لئے تھا یا مدرسہ کے لئے۔ میں نے بلا سوچے فوراً بک ڈالا کہ مدرسہ کے لئے۔ انہوں نے کہا یہ تو بہت اچھا ہوا	السلام علیکم!

عرض یہ ہے کہ کتاب کے خریدتے وقت مدرسہ کی نیت یا تو تھی نہیں یا تھی تو مغلوب تھی۔ اس لئے فوراً تنبہ ہوا کہ یہ صریح جھوٹ اور غلط بیانی کی گئی۔ مولوی صاحب یا اور کسی کو اگر نیت کا علم نہ تھا تو حق تعالیٰ کو تو پتہ تھا۔ اس لئے بہت ندامت اور پریشانی ہے۔ کہ افسوس نفس پلید معمولی بات پر ایمان فروشی کے لئے تیار ہے۔ جب واقعہ یاد آتا ہے استغفار کرتا ہوں، اور تدارک یہ تجویز کیا ہے کہ کتاب تو مدرسہ میں رہے لیکن اس کی قیمت کسی طریقہ سے خود ادا کروں۔ حضرت سے بیان کرنا بھی نفس کو گوارہ نہ تھا۔ لیکن امراض کیسے دور ہونگے۔ حضرت والا بندہ کے لیے اس کا تدارک تجویز فرمادیں والسلام محمد یوسف ماموں کانجن ۲۰ شوال ۷۶ھ	یہی تدارک ہے آئندہ ہمت کرکے کیدِ نفس سے بچتے رہنا دستخط حضرت مولاناؒ
(۹) ۷۸۶ سیدی حضرت شیخ الجلیل والامام الکبیر۔ دام ظلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو! ایک ضروری امر عرض خدمت ہے۔ ہمارے علاقہ میں اکثر موروثی زمینیں تھیں۔ ان کی شرعی نوعیت پر سوائے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نے متنبہ ہی نہیں کیا۔ مگر پاکستان میں ان کی حیثیت میں کچھ فرق آگیا ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کے قوانین درباره تقسیم موروثی زمین کے ایک دفعہ مخصوص ہے۔ جس	السلام علیکم

میں تصریح ہے، کہ موروثی زمین کے مسلم مالکان کو پورے حقوق مالکانہ دئے جائنگے، اور مسلم مالکین کے موروثی مزارعین کو بھی حسب نوعیت زمین پورے یا نصف حقوق ملکیت دئے جائنگے۔ اور خود ہمارے گاؤں میں اس پر عمل ہوا۔ کہ مالک کو بھی پوری زمین دی گئی اور مزارعین کو بھی واللہ اعلم عرض یہ ہے کہ یہ امر موروثی زمین میں بحق مزارعین حلت کو پیدا کردے گا یا نہیں بظاہر تو یہ ہے کہ اگر حکومت مالکین کو پورے حقوق دینے کا وعدہ کرلے تو مزارعین کو زمین موروثی کل یا بعض دینا حکومت کا عطیہ ہے جیسے حضرت اقدس کا ارشاد ہو گا اس پر عمل کیا جاوے گا۔ والسلام محتاج دعا احقر محمد یوسف عفی عنہ ماموں کانجن ۲۰ شوال ۷۶ھ	بہتر ہے اس کا حکم شرعی دارالعلوم وغیرہ کسی بڑے دار الافتاء سے دریافت کیا جائے۔ دعا گو دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۰) ۷۸۶ سیدی وشیخی وسندی ومولائی حضرت شیخ الامام لازالت شموس فیوضہم بازغۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج عالی! تقریباً چار ماہ سے علاج باطنی متروک ہے جس کی وجہ عدم اطلاع مجالات خاصہ باطنیہ ہے۔ اور عدم اطلاع کی بڑی وجہ اس امر میں تحیر ہے کہ: آیا میں نے ارشادات سامی پر کما حقہ عمل کیا بھی ہے یا نہیں۔؟ اب حالت موجودہ کو عرض کرتا ہوں کہ رمضان المبارک میں حضرت اقدس کی خدمت میں چند یوم رہا اس کا اثر تقریباً دو ماہ تک عجیب وغریب لیکن اس کے بعد وہ حالت نہیں رہی۔ جن امراض	السلام علیکم توہمات کا کچھ اعتبار نہیں جب احساس مرض ہوا کرے علاج کی طرف متوجہ ہو جایا کریں ورنہ بے فکر ہو کر اپنا کام کرتے

کا علاج شروع تھا، ان کے متعلق یہی پتہ نہیں چلتا کہ آیا مرض ختم ہو گئی یا کہ اس کا مادہ باقی ہے۔ عجیب حیرانی کا عالم رہا کرتا ہے۔ تلاوت قرآن مجید۔ مطالعہ تربیت السالک۔ اور چند یوم سے ذکر اسم ذات بعد تہجد ادا کرتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب مدظلہم کا آپریشن تھا امید ہے کہ بعافیت ہونگے۔ حضرت اقدس سے استدعا ہے کہ اس نابکار کے لئے صلاحِ نفس وفلاحِ دارین کی دعا فرمائیں۔ والسلام احقر محمد یوسف عفی عنہ ماموں کانجن ضلع لائلپور ۷۶-۲۶-۱	رہیں۔ الحمدللہ اچھے ہو کر گھر آگئے ہیں۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۱) باسمہ سبحانہ وتعالی بخدمت بابرکت حضرت الشیخ الجلیل والامام الکبیر دامت فیوضہم وبرکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو! معروض این کہ بفضلہ تعالی وبدعائے حضرت الشیخ معمولات کو حسب ارشاد عالی پورا کرتا رہتا ہوں۔ غصہ کے متعلق جو ارشاد ہوا اس پر عمل انشاء اللہ کرتا رہتا ہوں۔ اگر کوئی اور امر معین دفع غصہ کے لئے ہو تو ارشاد فرما دیا جائے۔ اس پر انشاء اللہ عمل کروں گا۔ ناکارہ کی حالت جسمانی وروحانی اعتبار سے نہایت خراب ہے حضرت والا سے دعائے صلاح وفلاح دارین کی استدعا ہے۔ والسلام بندہ محمد یوسف ۱۷ رجب ۷۷ھ احیاء العلوم ماموں کانجن	السلام علیکم الحمدللہ بشرط ضرورت دیکھا جائے گا۔ صلاح وفلاح کی دعا کرتا ہوں آپ خود بھی دعا کرتے رہیں۔ دستخط حضرت مولاناؒ

(۱۲)

۷۸۶

سیدی حضرت الشیخ والامام الکبیر دامت فیوضہم وبرکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

السلام علیکم۔

خدا کرے مزاج سامی باعافیت ہو !۔

الحمد للہ۔

آج شب خواب دیکھا کہ بندہ مع اپنے بچہ کے (جس کی عمر ۳ سال ۲ ماہ ہے) ریل پر سوار ہوا۔ بچہ کو اس میں بٹھلا کر (غالباً سامان وغیرہ لینے) دروازہ کی جانب گیا تو ایک نوجوان جو ریل میں ہم سے قبل موجود تھا بچے سے کہنے لگا کہ جب تمہارے ابا جان بیت الخلاء میں جائیں گے تو (آگے یاد نہیں رہا) محمد سعید نے اسکی یہ بات سن کر چلا کر کہا ابا جی یہ ڈاکو ہے۔ اگر آپ ادھر ادھر ہو گئے تو سامان لوٹ لے جائے گا۔

اس نوجوان نے یہ سنتے ہی احقر کو دھکا دیکر گاڑی سے نیچے گرانا چاہا۔ لیکن حق تعالیٰ کی شان کہ احقر نے گاڑی کی سیخوں کو اتنا مضبوط تھاما کہ باوجود اس کی پوری زور آزمائی کے احقر نہ گر سکا۔ پھر اس نے جیب سے ایک بڑا چاقو نکال کر احقر پر حملہ کر دیا خدا تعالیٰ نے وہ رد کر دیا اور چاقو اسی کے مونہہ میں جا گھسا۔ احقر نے اسی حالت میں اوپر سے ایک ہاتھ اور مار دیا۔ (آگے کچھ یاد نہیں رہا)

حضرت اقدس کے حضور میں التماس ہے کہ احقر کو اس خواب سے پریشانی بھی ہو رہی ہے اور تعجب بھی۔ پریشانی کیوجہ تو ظاہر ہے اور تعجب کی وجہ یہ ہے کہ سہ سالہ بچہ جسے ابا اماں بھی صحیح کہنا نہیں آتا۔ اس نے اس نوجوان کی بات سن کر کیسے سمجھ لیا کہ یہ ڈاکو ہے نیز باوجود اس کے قوی اور احقر کے نحیف وضعیف ہونے کے اسکا احقر کو گرانے میں ناکام رہنا۔ پھر اس کا حملہ احقر پر کرنا اور خود بخود اس پر اس کا اثر ظاہر ہونا۔ اور وہ بھی مونہہ میں یہ امور

صحیح تعبیر کا علم تو خدا ہی کو ہے مجھے اس سے مناسبت نہیں۔ بقول حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

البتہ بلا تکلف یہ ذہن میں آتا ہے کہ

بھی بظاہر تعجب آمیز ہیں ۔ اگرچہ حضرت والا کا ارشاد ہے کہ خواب کا اعتبار نہیں تاہم طبعی پریشانی وحیرانی نہیں جاتی اس لئے حضرت اقدس تعبیر سے مشرف فرمادیں۔ نیز احقر کے لئے حفاظت فتن اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرماویں السلام ناکارہ محمد یوسف ماموں کانجن ۲۷-۱-۷۷	ڈاکو سے مراد نفس امارہ یا شیطان ہے ۔ جو دشمن ایمان و اصلاح ہے ، بظاہر اس پر غلبہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو نیک فال ہے فللہ الحمد ۔ دل سے دعا کرتا ہوں ۔ دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۳) ۷۸۶ سیدی حضرت الشیخ الامام ملاذ الیوم والغد لازالت فیوضہم وبرکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی بعافیت ہو !۔ یہ حالت جو سابقہ عریضہ میں معروض ہوئی تھی ۔ کتاب حجۃ اللہ کا ایک مقام مطالعہ کرنے اور اس کے موافق اپنے حالات کا مراقبہ کرنے سے پیدا ہوئی تھی ۔ حضرت اقدس کا گرامی نامہ موصول ہونے کے بعد قدرتی طور پر اس میں اعتدال پیدا ہو گیا ۔ اب الحمد للہ پریشانی کی حالت نہیں رہی ۔ البتہ اپنی روسیاہی کا قلق اور کم استعداد پر حسرت اب بھی ہے ۔ حضرت والا اس کے لئے کچھ ارشاد فرمائیں اور اس نالائق کے لئے صلاح وفلاح کی دعا فرمائیں ۔ حق تعالیٰ حضرت اقدس کے فیوض کو دائم وقائم رکھے ۔	السلام علیکم یہ خود داری کا شبہ ہے جو مضر طریق ہے ۔ الحمد للہ ۔ یہ قلق وحسرت ان کا منشاء اختیاری ہے یا غیر اختیاری ۔ دعاء کرتا ہوں ۔

	دستخط حضرت مولاناؒ
والسلام بندہ محمد یوسف ماموں کانجن ۲۳ جمادی الاولیٰ ۷۸ھ جمعتہ المبارک۔	
(۱۴) باسمہ سبحانہ سیدی حضرت الشیخ الجلیل والامام الکبیر ادام اللہ فیوضھم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خدا کرے مزاج گرامی مع الخیر ہو! احقر کو جو مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے بعوض چھ گھنٹے تعلیم کے ہیں، اگر تعلیم میں وقت پورا صرف کروں تو پوری تنخواہ کا مستحق ہونگا ورنہ نہیں۔ اس کلیہ کے چند جزیات دریافت طلب ہیں۔ (۱) سردیوں میں مثلاً مدرسہ کا وقت ۷ بجے شروع ہوتا ہے لیکن عموماً وقت معین پر آنے میں کاہلی ہو جاتی ہے جتنا وقت دیر کر کے آؤں (خواہ اسباق پورے پڑھاؤں) اتنے وقت کی تنخواہ جائز ہو گی یا نہیں؟۔ (۲) اکثر اثنائے سبق یا مدرسہ کے میں کوئی مہمان آجاتا ہے یا کوئی نووارد ہی مشغول کر لیتا ہے اس مشغولی میں جو وقت صرف ہو گا اس کی تنخواہ وصول کی جائے گی یا نہیں؟۔ (۳) بعض دفعہ طلبہ سبق یاد نہیں کرتے ناغہ ہو جاتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟ (۴) بعض دفعہ کوئی شریک سبق مریض ہوتا ہے یا رخصت پر چلا جاتا ہے اس کی رعایت سے سبق کا ناغہ کر دیتا ہوں اور دوسروں کو آموختہ دوہرانے کی ہدایت کر دی جاتی ہے یہ جائز ہو گا یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو اس فراغت کے وقت کی تنخواہ حلال ہو گی یا نہیں؟	السلام علیکم ان تمام امور کا جواب اپنے مہتمم صاحب سے دریافت کیجئے۔ مدرسہ کا اصول جو وہ بتلادیں اس کی پابندی لازمی ہو گی۔ ورنہ نہیں۔

خط	جواب
(۵) بعض دفعہ سبق کا مثلاً گھنٹہ ہے لیکن سبق کم وقت میں پورا ہو جاتا ہے، اس زائد وقت میں اپنی ذاتی ضرورت کو پورا کر سکتا ہوں یا نہیں۔ (۶) اکثر سفر میں جانا ہوتا ہے جو کبھی ذاتی ہوتے ہیں کبھی مدرسہ کی خدمت میں ان اسفار کے ایام کی تنخواہ حلال ہو گی یا نہیں۔ یہ جزئیات اگرچہ بعض معلوم الحکم ہیں لیکن نفس تاویل کر لیتا ہے۔ حضرت والا کے ارشاد کے بعد نفس کو تاویل کی گنجائش نہ رہیگی۔ حضرت والا ملتمس آوارہ کے لئے صلاح وفلاح دارین کی دعا فرماویں۔ والسلام ناکارہ محمد یوسف ماموں کانجن ۲۷ جمادی الاولیٰ	دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۵) ۷۸۶	
سیدی حضرت الشیخ الامام الجلیل عمت فیوضھم وزیدت وبرکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	السلام علیکم
خدا کرے مزاج عالی بصد عافیت ہو!۔ واقعی اپنا عیب ظاہر ہوا۔ یہی خود رائی اب تک سد راہ ہے۔ حضرت اقدس کی تشخیص پر بجان ودل شکر گزار ہوں۔ آئندہ کے لئے تہ دل سے توبہ کرتا ہوں۔ (اعوذ باللہ من الغضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیاء) حضرت والا اس روسیاہ کے لئے استغفار فرمائیں۔	جی خوش ہوا فلیھنک العلم والعمل۔
قلق وحسرت کے منشاء کے اختیاری یا غیر اختیاری ہونے کے متعلق جو استفسار فرمایا ہے۔ اس سے بہ برکت توجہ حضرت انور حقیقت منکشف ہو گئی۔ کہ بندہ کو امور اختیاریہ میں خواہ از قبیل امتثال اوامر ہوں یا اجتناب نواہی مستعدی سے کام لینا چاہیے۔ اور امور غیر اختیاریہ کو حق تعالیٰ کے حوالہ کر دینا چاہیے۔	یعنی اس طرف التفات نہ کرنا چاہیے۔ اس کا علاج تو آپ کے اختیار میں ہے

لیکن ایک خدشہ باقی ہے امید ہے کہ حضرت والا بنظر شفقت تشفی فرمائیں گے۔ کہ بعض دفعہ کم استعدادی سے عملاً یا خطاءً امور اختیاریہ میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اس وقت بالضرور رنج وحسرت کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کثرت تفریط کثرت حسرت کا موجب ہو جاتی ہے جو بعض وقت اضطراب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کا کیا علاج کیا جائے، اگرچہ خود نااہل اور غیر مستعد واقع ہوا ہوں۔ مگر الحمد للہ شکر گزار ہوں کہ حق تعالی نے مرد کامل کے ساتھ تعلق پیدا فرما دیا ہے۔ جس کے سامنے بجز راستی کوئی کار آمد نہیں۔ اس زیاں مایہ کے پاس خود زشتی وزبونی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر مرد عارف کا دامن ہے جو یاس کے تاریک غار میں بھی امید کا نور عطا کرتا ہے۔ حق تعالی اس نورانی آفتاب کو مایا فیوض وبرکات دائم وقائم رکھے۔ آنکہ بنظر خاک را کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند محتاج دعا محمد یوسف ماموں کانجن ۳ جمادی الاخری شنبہ	جب منشاء اختیاری ہے تو اسکو اختیار کیا جائے اصل کے تدارک سے فرع کا خود تدارک ہو جائے گا دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۶) باسمہ سبحانہ تعالی بخدمت سیدی ومرشدی حضرت الشیخ الامام لازالت شموس فیوضھم بازغۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!۔ بحمد للہ حضرت اقدس کے فیوض کی برکت سے اپنی ردی حالت پر افسوس ہونے لگا۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ حق تعالی اس ناپاک رذائل سے احتراز کی توفیق عطا فرمائیں۔	السلام علیکم الحمد للہ آمین اللھم زد فزد

حسد کے متعلق بندہ کو کوئی سوال نہیں رہا۔ الحمد للہ اس وقت اپنے قلب میں کسی کی جانب سے غل وغش نہیں پاتا۔

حضرت اقدس استقامت کی دعا فرمائیں۔

کبر کی حقیقت کلیہ ارشاد فرمائی جائے جسے جزئیات پر منطبق کر سکوں نیز اس کا علاج بھی ارشاد فرما دیا جائے تو احسان ہو گا۔

حضرت والا سے دعائے اصلاح اخلاق اور حسن خاتمہ کی استدعا ہے۔

والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ۔

ازماموں کانجن ۳ جمادی لاخری ۸۷ھ

کسی نعمت کو اپنا کمال سمجھ کر اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ کبر کی حقیقت ہے۔ علاج اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر ہر شخص کی خوبی پر نظر رکھی جائے۔ اور دوسروں سے ابتداء بالسلام اور خدمت کا معاملہ کیا جائے۔

دستخط حضرت مولاناؒ

(۱۷)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

سیدی ومرشدی حضرت الشیخ الجلیل الامام الکبیر لازالت شموس افضالہم علینا بازغۃ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو!۔

معروض ایں کہ ارشادات عالیہ پر بجان ودل مطمئن اور عمل پیرا ہوں۔ حضرت اقدس استقامت کی دعا فرمائیں۔

کبر کی ارشاد فرمودہ تعریف جز اول (کسی نعمت کو اپنا کمال سمجھ کر) کے متعلق عرض ہے کہ بعض امور کے متعلق اپنا کمال ہونے کا خیال آہی جاتا ہے۔ گو کمال ذاتی کا خیال (معاذ اللہ) نہیں ہوتا لیکن کمال واقعی کا وہم کے درجہ میں بعض خطور پر ہو جاتا ہے اسے کبر قرار دیا جائے گا یا نہیں۔

اور دوسرے جز (اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر) کے

السلام علیکم

دل سے دعا کرتا ہوں

خیال آنا کبر نہیں کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ خیال کرنا اور کمال سمجھ کر دوسرے کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔

افضلیت کیا تفسیر کیا ہے۔

متعلق گزارش ہے کہ الحمدللہ دوسرے کی حقارت کا خیال تو نہیں ہوتا البتہ اپنی فضیلت اور دوسرے کی مفضولیت کا زعم فاسد اکثر ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس کے تکبر کہلانے میں تو کوئی شبہ نہیں ہوگا، لیکن دوسرے کی مفضولیت کا خطرہ قلب میں پیدا ہو جانا ہی کبر کہلائیگا یا اس کے ساتھ مفضول کا معاملہ کرنا تکبر ہوگا اس میں کچھ اشتباہ ہے حضرت والا کی راہنمائی کا محتاج ہوں۔ ایک امر اور قابل عرض ہے کہ جب کسی نوع کے کمال کا وہم پیدا ہوتا ہے تو اہل کمال کے کمالات کا مراقبہ کر لیتا ہوں۔ مثلاً انبیاء کرام ودیگر سلف کے کمالات و عمل وتقویٰ کا سوچ کر یہ خیال کر لیتا ہوں کہ ان حضرات نے جب باوجود سب کچھ ہونے کے اپنے کو کچھ نہیں تصور کیا تو ہمیں کسی بھی فخر کا کیا حق اور کیا مونہہ ہے

الحمدللہ اس سوچ سے فروتنی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر حضرت والا کے نزدیک یہ مراقبہ مضر نہ ہو تو کر لیا کروں۔

حضرت اقدس اس ناہنجار کے لئے اصلاح اخلاق اور حسنِ خاتمہ کی دعا فرماویں۔ والسلام

خویدم الخدام ناکارہ محمد یوسف ماموں کانجن

۱۳ رجب ۸۷ھ جمعۃ المبارک

دستخط حضرت مولاناؒ

---

(۱۸)

سیدی وسندی ومولائی حضرت شیخ والامام الجلیل والمرشد الامین دامت افضالہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خدا کرے مزاج عالی بصحت ہو!

حضرت اقدس کو اس بدنام روسیاہ کے قصہ سے جو اذیت ہوئی مجھے اس کا تصور بھی نہیں اس کے لئے یہ سگ کمینہ بے حد پشیمان ہے۔ اور اس کو اپنی شقاوت تصور کرتا ہے للہ حضرت

السلام علیکم

بفضلہ تعالی قریب صحت ہوں

مجھ پر بفضلہ تعالی آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا کچھ اثر نہیں اور نہ میں نے تحقیق کرنے کا ارادہ کیا ہے اس لئے مجھے ایسی

خط	جواب
اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو معاف فرماویں۔ (غلاصہ مضمون) ایک صاحب حضرتؒ کے خادم رہے تھے، وہ کسی بات پر اس ناکارہ سے بہت ہی بگڑے۔ ہر چند معافی مانگی منتیں سماجتیں کیں نہ مانے اور مجھے پتہ چلا کہ انھوں نے حضرتؒ سے میری شکایت کر دی ہے میں نے پریشانی کے عالم میں حضرتؒ کی خدمت میں منت و لجاجت کا خط لکھا۔ بندہ محمد یوسف احیاء العلوم ماموں کانجن ۲۴ شوال ۸۷ھ	چیزیں لکھنا میرے اوقات ضائع کرتا ہے۔ (تنبیہ) مجھ سے اصلاح کا تعلق رکھئے باقی فضول قصوں سے میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔ دعا گو دستخط حضرت مولاناؒ
(۱۹) سیدی وسندی ومولائی حضرت شیخ الامام الجلیل والمرشد الامین دامت افضالہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	السلام علیکم
حق تعالیٰ سے امید ہے کہ مزاج عالی بصحت وعافیت ہوگا!	الحمد للہ
المعروض ایں کہ معمولات الحمد للہ ادا کرتا ہوں۔ البتہ انضباط نہیں ہو سکتا۔ کبھی ناغہ ہو جاتا ہے۔	مضر نہیں جبکہ عزم اور دھن رہے۔
اس عدم انضباط کے لئے حضرت والا کوئی علاج تجویز فرماویں۔	استعمال ہمت۔
افضلیت سے مراد یہی ہے کہ بعض نعمت اپنے اندر ہوتی ہے دوسرے کے اندر نہیں ہوتی تو اس سے اپنی فضیلت کا خیال پیدا ہوتا ہے اسے تکبر کہا جائیگا یا نہیں؟	یہ عُجب ہے۔
ایک عرض یہ ہے کہ بسا اوقات وقار اور تکبر کے درمیان التباس ہو جاتا ہے اس التباس سے کیسے احتراز کیا جائے۔	علمی تحقیقات کی بجائے عملی اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ کہ واقعات ذکر کر کے اصلاح کرائی جائے مصلح خود پہچانے گا کہ کونسی حالت ہے۔
بلکہ بعض دفعہ ایک فعل کو تواضع سمجھتا ہوں غور کرنے سے تکبر معلوم ہوتا ہے	اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے دعا کرتا ہوں

حضرت والا سے صلاحِ نفس کے لئے توجہ اور دعاء کی استدعا ہے۔ والسلام محمد یوسف ماموں کانجن ۱۷ ذی قعدہ ۷۸	دستخط حضرت مولاناؒ
(۲۰) باسمہ سبحانہ سیدی وسندی ومولائی حضرت شیخ الامام الجلیل والمرشد الامین دامت افضالہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج عالی بصحت ہو! عرض ایں کہ بچپن میں قرآن مجید حفظ نہیں کیا تھا۔ اور نہ اب تک اس کے لئے کوشش کی۔ اب جناب والد صاحب نے بھی فرمایا ہے اور بندہ کو بھی شوق ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ توفیق دیں تو حفظ کرنا چاہیے۔ اس لئے حضرت کی خدمت میں بغرض استصواب عرض ہے کہ بندہ کو اس کے لئے وقت مل سکتا ہے اب الحمد للہ مدرسہ کے اسباق کے علاوہ زیادہ مشاغل بھی نہیں۔ البتہ اس میں کسی قسم کا کید نفس نہ ہو۔ اس کا خطرہ ہے حضرت اقدس جس طرح بہتر خیال فرمائیں اسی میں خیر وبرکت ہوگی۔ حق تعالیٰ حضرت کے فیوض کو دائم وقائم رکھیں۔ حضرت سے صلاح وفلاح دارین کی دعا کے لئے استدعا ہے۔ والسلام بندہ محمد یوسف۔ احیاء العلوم ماموں کانجن لائلپور۔ ۱۶ ذی الحجہ ۷۸ھ	السلام علیکم۔ قوت اور فرصت اگر اجازت دیتی ہے تو "در کار خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست" شرط ہے کہ فرض منصبی تعلیم میں کماً وکیفاً فرق نہ آئے۔ دل سے دعا کرتا ہوں دستخط حضرت مولاناؒ

(۲۱)

بسم اللہ

سیدی وسندی ومولائی حضرت شیخ الامام الجلیل والمرشد الامین دامت افضالہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خلاف معمول عریضہ کا جواب بہت دیر سے ملا۔ بہت فکر رہا۔ خدا کرے حضرت والا کی صحت اچھی ہو!

السلام علیکم

غالباً عدیم الفرصتی سبب ہوگی

ارشادات پر عمل کرتا ہوں البتہ حضرت نے جو ذکر اسم ذات فرمایا ہے۔ اس کے لئے آج کل موزوں وقت نہیں ملتا۔ صبح سویرے آنکھ نہیں کھلتی فجر کی نماز کے بعد اگر کرتا ہوں تو تلاوت نہیں ہوسکتی۔ ارشاد ہو تو مغرب کی نماز کے بعد کر لیا کروں۔

جب آسانی سے ہوسکے۔

ایک عرض یہ ہے کہ بندہ میں جھگڑے کی عادت تھی جب کبھی کسی نے بے جا بات کی بس فوراً اس سے الجھ گیا۔ اب یہ سوچ کر کہ یہ بھی شعبہ تکبر ہے اس سے توبہ کرلی ہے۔ الحمد للہ اب تک جن سے الجھنا یاد تھا ان سے معذرت کرلی ہے اور دوسرے حضرات کے لئے دعا کرتا ہوں۔ جھگڑے سے احتراز کے لئے بھی ارشاد فرمائیں۔

بہت اچھا کیا۔

دوسروں کو حقیر سمجھنے میں اب کافی اصلاح ہوگئی ہے۔ لیکن جو شخص قبیح عقلی یا شرعی کا مرتکب ہو اس کی حقارت بلا اختیار قلب میں آجاتی ہے۔

حقارت اور نفرت میں فرق ہے نفرت ہونی چاہیے نہ حقارت۔

کیا یہ بھی تکبر ہے۔

ہاں

حضرت والا دعا فرمائیں کہ تکبر اور دیگر رذائل سے کلی شفا حاصل ہوجائے حق تعالیٰ حضرت والا کی عمر مبارک اور امور خیر میں برکت فرمائے۔

دعا کرتا ہوں

والسلام

محمد یوسف احیاء العلوم ماموں کانجن

یکم محرم ۷۹ھ

دستخط حضرت مولاناؒ

(۲۲)

سیدی حضرت شیخ الامام الکبیر زیدت افضالہم وعمت فیوضہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
خدا کرے مزاج سامی بعافیت ہو!

السلام علیکم
الحمد للہ

معروض ایں کہ تکبر کی پوری ماہیت بحمد للہ واضح ہوگئی ہے الحمد للہ کسی عالی سے عالی اور عاصی سے عاصی کو بھی بچشم حقارت نہیں تکتا۔ کفار پر بھی ترس آتا ہے کہ افسوس وہ ایمان سے محروم کیوں ہیں۔ لیکن حقارت نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک معروض اور ہے۔ وہ یہ کہ بعض دفعہ طلبہ پر اور کبھی عام مسلمانوں پر تنبیہ کرتے وقت جو تندی کا لہجہ پیدا ہوجاتا ہے اس وقت ہیئت متکبرانہ سی ہو جاتی ہے کیوں کہ اسوقت ان کے عند اللہ مقبول ہونے کا بعض دفعہ استحضار نہیں رہتا۔ کیا ایسے وقت اپنی کمتری اور اسکی برتری کا استحضار ضروری ہے یا نہیں؟۔

ہوسکے تو بہتر ورنہ انکی اصلاح کا خیال تو ضروری ہے

پہلے یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ہمارے مرتبہ کا لحاظ نہیں رکھتا تھا اس پر قلبی انقباض ہی نہیں بلکہ زبانی شکایت بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کردیا کرتا تھا۔ الحمد للہ حضرت کے فیض سے اب ایسے وقت زبان تو استعمال نہیں کرتا۔ البتہ انقباض اب بھی ہوجاتا ہے مثلاً چھوٹے بھی اگر گستاخی کریں تو یہ جان لیتا ہوں کہ میں اس سے بھی زیادہ براہوں۔

تربیت کی نیت سے ڈانٹ ضرور چاہیے البتہ حقیر نہ سمجھا جائے۔

اگرچہ اپنی کمتری کو اب بھی نفس گوارہ نہیں کرتا۔

ابھی کبر کا شمہ مرکوز ہے۔

تکبر کے بارے میں اس وقت اور کوئی بات قابل عرض نہیں۔ حضرت اقدس مراحم خسروانہ سے اگر کوئی مزید تنبیہ فرماویں تو احسان ہوگا۔ تواضع پیدا کرنے کی ہروقت فکر رہنی چاہیے ایک امر بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ اور کوئی تو خیر بجائے خود رہا۔ اگر حضرت اقدس کی طرف سے بھی کوئی تنبیہ ہوا کرتی تو اگرچہ مان لیتا لیکن (لکھتے ہوئے نوک قلم چلتی

ہے) نفس میں ناگواری پائی جاتی تھی - العیاذ باللہ مگر حضرت اقدس
کے فیض سے بحمد اللہ اب زیادہ سے زیادہ تنبیہ پر اسی قدر لذت
محسوس ہوتی ہے - حق تعالیٰ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اس حال
کو راسخ فرماویں -

حضرت اقدس سے دعاء و اصلاح و فلاح کے لئے استدعاء
ہے- کیونکہ حق تعالیٰ کی رحمت اور حضرت والا کی دعاء و شفقت کے
سوا اس نامہ سیاہ کے پاس کوئی سرمایہ نجات نہیں جسکی طرف نظر
اٹھا سکے - ادام اللہ فیوضھم و برکاتھم

والسلام

بندہ محمد یوسف احیاء العلوم ماموں کانجن

۲۴ جمادی الاخریٰ ۷۹ھ

آمین

دعا کرتا ہوں-

دستخط حضرت مولاناؒ

(۲۳)

سیدی حضرت شیخ الامام - مدت فیوضھم وزیدت برکاتھم -
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ -

مولانا منظور احمد کے خط سے حضرت اقدس کی صحت کا علم
ہوا حق تعالیٰ حضرت والا کو بصحت وعافیت تادیر قائم رکھے - اپنی
بعض پریشانیوں کے سبب عریضہ ارسال نہیں کر سکا ندامت کے
ساتھ معذرت خواہ ہوں-

بندہ کا رشتہ تا حال کسی جگہ نہیں ہوا- حضرت والد صاحب
کسی موزوں رشتہ کی تلاش میں ہیں حضرت اقدس سے استدعا ہے کہ
بندہ کے لئے دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل کرم سے زوجہ
صالحہ عطا فرمائیں - جو معین آخرت ہو

حضرت والا صحت عالیہ سے اطلاع بخشیں -

اب انشاء اللہ جلد از جلد عریضہ ارسال کیا کروں گا-

والسلام

محمد یوسف احیاء العلوم

۶ ربیع الاول ۸۳ھ

السلام علیکم

اللہ تعالیٰ گھر کی تکلیفوں کو دور کرے

حق تعالیٰ رفیقہ زندگی صالحہ معینہ آخرت
جلد عطا فرمائے آمین -

بحمد للہ خیریت ہے-

دستخط حضرت مولاناؒ

(۲۴) سیدی حضرت شیخ الامام مدت فیوضہم وزیدت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خداوند تعالی سے دعا ہے کہ حضرت کے فیوض کو باسلامت باکرامت رکھے، بندہ کا دیرینہ شوق تھا کہ حق تعالی حفظ قرآن کی دولت عطا فرمائیں۔ بندہ زادہ محمد سعید سلمہ نے حفظ شروع کیا تو اس کے ساتھ ہی میں نے بھی بنام خدا شروع کر دیا جتنا سبق وہ لے لیتا ہے میرے پاس مغرب کے وقت بیٹھ کر یاد کر لیتا ہے۔ اسی سے مجھے بھی یاد ہو جاتا ہے حضرت کی دعا سے دس پارے ہونے کو ہیں جناب مولانا منظور احمد صاحب نماز فجر کے بعد بندہ کا ایک پارہ بلاناغہ سن لیتے ہیں۔ اس لئے ضبط میں بھی خاص مشقت نہیں ہوتی۔ بندہ حضرت اقدس کے تمام خدام سے علم و عمل اور عقل وفہم میں ناقص ہے حضرت اقدس کی دعاء شفقت اور رحمت خداوندی کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ حضرت سے خاص دعاؤ توجہ کی استدعاء ہے۔ صحت عالیہ سے مطلع فرمائیں۔ والسلام محمد یوسف احیاء العلوم ماموں کانجن ۱۸ ربیع الاول ۸۳ھ	السلام علیکم یہ دولت بے بہا ہے اللہ تعالی اس کو بآسانی آپکو اور صاحبزادہ کو نصیب فرمائے آمین۔ دعا کرتا ہوں دستخط حضرت مولاناؒ
(۲۵) سیدی حضرت الشیخ الامام لازالت شموس فیوضہم بازغۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خدا کرے مزاج گرامی بصحت ہو! اطلاعاً عرض ہے کہ حق تعالی کے فضل و کرم سے حضرت	السلام علیکم میں خیریت سے ہوں آپکی خیرو

اقدس کی دعاؤں کے طفیل بندہ کا رشتہ ایک مناسب جگہ تجویز ہو گیا ہے بعض عوائق کی وجہ سے نکاح کی تاریخ معین نہیں ہوئی انشاء اللہ شعبان یا شوال میں ہو جائے گا - حضرت اقدس سے دعاء کی درخواست ہے کہ اس رشتہ کو حق تعالیٰ شانہ بندہ کے لئے باعث خیر و برکت بنائیں - اور تمام امور کا تکفل فرمائے۔ جلسہ سے کچھ بعد بندہ بیمار ہو گیا تھا الحمد للہ اب افاقہ ہے - حضرت والا صحت عالیہ سے اطلاع بخشیں۔ والسلام دعا کا خواستگار محمد یوسف احیاء العلوم ماموں کانجن ۲۲-۶-۸۳	عافیت کے لئے دعا کرتا ہوں - رشتہ کی بابت بہت خوشی ہوئی ہر چہ دیر آید درست آید دستخط حضرت مولاناؒ
(۲۶) سیدی حضرت شیخ الاسلام - مدت فیوضہم و زیدت برکاتہم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - دعا ہے کہ مزاج عالی بصحت ہو! عرض ایں کہ ببرکت دعاء حضرت اقدس بندہ کا نکاح ہو گیا ہے حضرت اقدس سے التجاء ہے کہ خیر و برکت کی دعا فرمائیں - (بسلسلہ تکبر) بعض مرتبہ جب اکابر سے اپنے کسی کام کی تحسین سن لیتا ہوں تو اگرچہ اپنا عجز اور نکما پن - بحمد للہ پوری طرح پیش نظر رہتا ہے۔ لیکن نفس کو اس سے سرور ضرور حاصل ہوتا ہے اور فرح واطمینان کی سی کیفیت ہو جاتی ہے کیا یہ بھی کبر ہے یا نہیں - امسال جلسہ پر حاضر نہیں ہوسکا حضرات اکابر پر پابندی کی خبر سنکر بہت صدمہ ہوا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون - حضرت اقدس سے دعائے صلاح و فلاح - اور استقامت علی	السلام علیکم! بے حد خوشی ہوئی دل سے دعا کرتا ہوں یہ تکبر نہیں یہ طبعی امر ہے جلسہ میں خلل نہیں آیا جلسہ کامیاب ہوا

حضرت والاؒ اپنے پیر مرشد کی نظر میں

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اپنے چند دوستوں کے ساتھ خانقاہ میں حاضر ہوئے تو انہیں آتا دیکھ کر حضرت حکیم الامتؒ فرمانے لگے :

"انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت سی کھینچے لارہا ہے"۔ (سیرت اشرف ۳۸۴)

۲- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے بحیثیت رکن مجلس شوریٰ "خیر المدارس" دوران قیام خانقاہ حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا جس میں کل مجلس شوریٰ خیر المدارس کی خواہش ظاہر کی کہ حضرت والاؒ کے مشاہرہ میں دس روپے کا اضافہ ضرور ہونا چاہیے۔ تو آپ نے تحریر فرمایا:

"بعد الحمد والصلوۃ احقر اشرف علی نے اس معاملہ میں غور کیا، بے تکلف دل نے یہی شہادت دی کہ ترقی تنخواہ، بمقدار مذکور مولانا کی توجہ و کارگزاری اور خدمت مدرسہ کے بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کی اعانت و تطبیب قلب کی برکت سے مدرسہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوگی"۔ والسلام

(از تھانہ بھون رمضان ۶۱ھ)

۳- حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی وصیت میں رابعۃ التابعہ مضمون ہفتم میں تحریر فرمایا ہے :-

حدیث شروع کرنے والوں کے لئے رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول ﷺ اصطلاحات واصول حدیث میں مؤلفہ مولانا خیر محمد صاحبؒ داخل نصاب کیا گیا (اشرف السوانح ج ۳ ص ۲۶۵) اور حضرت والا کو تحریر فرمایا آنجناب کا رسالہ خیر الاصول یہاں۔ (مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) کے نصاب میں داخل کر کے اسے نقشہ میں لکھوادیا گیا کہ مشکوۃ سے پہلے اس کو پڑھایا جایا کرے۔ اپنی تصنیفات کی نصائح میں تصنیف فرمایا مولوی خیر محمد صاحب نے اعتقاد کی تسہیل کا عزم ظاہر کیا۔ (سیرت اشرف ۳۸۴)

۴- ۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہ دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لے آئے تو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے حضرت والاؒ کو مطلع کرنے کے لئے حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت طلب کی تو حضرت حکیم الامتؒ نے ہنس کر فرمایا میں مناع للخیر کیوں بنوں (خودنوشت سوانح)

ف۔ گویا حضرت سیدی قدس سرہ کو سراپا خیر مجسم فرمایا۔ اسی طرح حضرت والاؒ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے مہمان تھے، حضرت مولانا عبد الجبار صاحب ابوہری کا اصرار تھا کہ آپ ایک مرتبہ میری دعوت قبول فرمائیں۔ اس پر حضرت مدنیؒ نے فرمایا آپ مناع للخیر بنے ہوئے ہیں گویا دونوں نے حسن اتفاق سے ایک ہی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے

۵- حضرت حکیم الامت تھانوی نے جب دلائل القرآن علیٰ مسائل النعمان تصنیف کے لئے اپنے چند مخصوص معتمد علماء کو

ارشاد فرمایا - اس میں حضرت والاؒ کو بھی ارشاد فرمایا جس پر حضرت والاؒ نے مذکورہ کتاب میں مقدمہ کی ضرورت کا ارشاد فرما کر صرف مقدمہ تحریر کرنے کا ارشاد فرمایا (فیوض الرحمٰن) اس سے حضرت والاؒ حضرت حکیم الامتؒ کا خصوصی اعتماد ظاہر ہے۔

حضرت والاؒ مشائخ کاملین کی نظر میں:

۱- حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ

حضرت مدنی کو ان کے ایک مرید نے خط لکھا کہ آپ دار العلوم دیوبند میں ہیں اور ہم پاکستان میں، اس لئے صحبت کے فیض سے محروم ہیں - تو آپ نے تحریر فرمایا "پاکستان میں حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب موجود ہیں ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو" مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رائے پوریؒ مفتی جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے سالانہ جلسہ خیر المدارس ملتان کے اجلاس چہارم مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۹۰ھ کو حضرت کی موجودگی میں مذکورہ بالا ارشاد نقل کیا اور فرمایا یہ مکتوب حضرت شیخ الاسلام میں موجود ہے۔

۲- عارف باللہ اپنے مرید حاجی عبد السلام صاحب لائل پوری کو تحریر فرماتے ہیں

"اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملتان میں برکت نازل فرمائیں، حضرت مولانا (خیر محمد صاحب) کی ملاقات نعمت ہے - اس سے نفع حاصل کرو- حق تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا ہے۔ (القول العزیز ج ۲ ص ۱۲۸)

۳- مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جن کے نام کے ساتھ آج رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لکھنا پڑھ رہے ہیں پاکستان کے علماء واولیاء میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے، ایسی جامع علم و عمل بعا خدا ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں

(اقتباس موت العالم موت العالم ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان ۱۳۹۰ھ)

نیز تربیت السالک ج ۲ ص ۴ پر فرماتے ہیں جامع الخیرات حضرت مولانا (خیر محمد صاحب کا نام نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہوگیا ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا"

۴- حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ

آپ نے خیر المدارس ملتان میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا بیشک خیر المدارس ایسی جگہ ہے کہ اس کے صحن میں داخل ہونے والا خیر ہی ہوجائے گا کیونکہ مدرسہ بھی خیر المدارس قائم کرنے والے بھی مولانا خیر محمد اور اس کے طلباء بھی خیر الطلباء تو اس وجہ (۱) سے اگر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مدرسہ خیر المدارس کی خیر کا افشاء کیا جائے تو یہ ٹھیک ہے اور میں خود اس کا مؤید بلکہ مدعی ہوں اور اگر اس لئے ہے کہ یہ خیر متعدی ہے نالائقوں کو لائق بنا دیتی ہے اور اس طرف مقتضی ہے کہ میرے اندر بھی خیر پیدا کرے گی تو میں اس کا انکار نہیں کرسکتا، کیونکہ میں بھی خیر محسوس کرتا ہوں اور ہر حاضری پر مجھے خیر ہی ملتی رہتی ہے اور جب میں مولانا خیر محمد صاحبؒ کے سامنے ہوں تو خیر ہی لے کر جاؤں گا البتہ اگر اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ میں خیر لے آیا ہوں تو میرے اندر کوئی خیر و برکت نہیں اور اگر یہ اس لحاظ سے ہے کہ میں خیر لے کر جاؤں گا تو اس پر شکریہ کروں تو مضائقہ نہیں -

(وعظ یوسفی ص ۴ مکتبہ صدیقہ ملتان)

۲ حضرت سیدی علیہ الرحمۃ کے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے اس قدر گہرے روابط تعلقات تھے کہ ۱۳۸۹ھ میں گردہ اور پیشاب وغیرہ کی تکلیف سے یکے بعد دیگر تین آپریشن ہوئے اور احقر ناکارہ نے حضرت قاری صاحب مدظلہ کو دعائے صحت کے لئے لکھا تو دارالعلوم دیوبند میں خصوصی دعا کا اہتمام کرنے کے بعد احقر ناکارہ سے طویل خط و کتابت فرمائی جسے احقر بکمل من وعن " اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں " میں درج کردیا ہے۔

ایک والانامہ میں تحریر فرمایا پاکستان کی طرف دو ہی ہستیوں کی طرف (نظر) ہوتی تھی ایک مولانا محمد حسن صاحبؒ اور ایک مولانا ممدوح " گرامی نامہ بنام احقر قریشی غفرلہ مورخہ ۸۹-۱۱-۱۰ ایک شنبہ

۴- شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ

ایک مرتبہ حضرت لاہوری اور حضرت ساتھ سفر کر رہے تھے حضرتؒ ریل کے ڈبہ میں قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو حضرت لاہوریؒ اٹھے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت نے بیت الخلاء کا دروازہ نہ بند کرلیا۔۔

واپسی میں حضرت لاہوری پھر کھڑے ہوگئے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت اپنی نشست گاہ پر واپس تشریف نہ لے آئے اس سے حضرت لاہوری کے دل میں حضرتؒ کا احترام ظاہر ہوا۔

(بیس بڑے مسلمان)

۵- امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری قدس سرہ

"شاہ جی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مدرسہ چلانا ہو تو اس کا ڈھنگ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے سیکھو!"

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۴ اپریل ۱۹۶۷)

اکثر فرماتے :-

مجھے مدرسہ چلانے کا ڈھنگ نہیں نظم حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا کام ہے۔مولانا قاضی عبد الکریم صاحب کلاچی سے نجم المدارس کلاچی کے سالانہ جلسے پر فرمایا تم میرے شاگرد نہیں بنے، مدرسہ چلانے کے کام میں حضرت مولانا کے شاگرد ہو، ایک مرتبہ مولانا مرحوم مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے تو وہاں کے اخلاق اور مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے اور واپسی میں غائبانہ تربیت اخلاق وغیرہ کا ذکر فرماتے رہے ۔

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۴ اپریل ۱۹۶۷)

۷- حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی صاحب قدس سرہ

حضرت مولانا خیر محمد صاحب علماء سلف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، مشکل سے ہی پر ہوگا ۔

(روزنامہ امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰)

۸- خطیب امت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس سرہ

شب دوشنبہ ۲۰ محرم ۱۳۹۰ کو آپ نے تقریر کے افتتاحیہ میں فرمایا کہ خیر المدارس اپنی تعلیمی شہرت، کارکردگی، زہد

واتقاء طلباء کی قابلیت سے اسم با مسمیٰ ہے۔ اس کے بانی اور مہتمم تمام علماء میں سب سے زیادہ افضل اور قابل احترام ہیں اور اس زمانہ کے علماء کی یادگار ہیں جن کی وفات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر نوح عطاء فرمائے آپ خیر العماء وافضل العماء ہیں اور اس کا جلسہ خیر الجلسہ جس سے دہلی اور سہارن پور کے جلسہ کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔

۲۔ اسی طرح آپ نے ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں مولانا کے ادنیٰ اشارے کو حکم کے برابر سمجھتا ہوں۔

۹۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ

حضرت مولانا مرحوم کا شمار ایسی جامع الکمال ہستیوں میں سے تھا وہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم نہ تھے بلکہ عاقل متین ومدبر منتظم تھے۔ علم ووقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت عقل ودانش، حلم ووقار اور مکارم اخلاق کی موت ہے۔ ان کی وجہ سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت میں محفلیں آباد وبارونق تھیں پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمیٰ تھا۔

(اقتباس بصائر وعبر ماہنامہ بینات کراچی شوال المکرم ۱۳۹۰ھ)

(نمبر ۱ تا ماخوذ قلمی مسودہ اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں)

۱۰۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ (صاحب اعلاء السنن)

مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں۔ خلفاء حضرت حکیم الامت میں ان کا بلند مقام ہے۔

(تربیت السالک ج ۲ ص ۶)

حضرت والا علماء صالحین کی نظر میں:

۱۔ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ایڈیٹر ماہنامہ الحق

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی زندگی دین اور علوم دین کی خدمت میں گذاری سلامت طبع، میانہ روی، معتدل مزاج اور نظم وضبط وغیرہ صفات میں آپ اپنے پیر ومرشد حضرت تھانویؒ کا نمونہ تھے افتراق وانتشار کے اس گھمبیر ماحول میں بھی آپ حسب الوسع فکری تعصب اور گروہی تحزب سے اپنا دامن بچاتے ہوئے علماء حق کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے کوشاں رہے وہ ان گنے چنے افراد میں سے تھے۔ جن کی طرف سے ایسے حالات میں نگاہیں اٹھتی تھیں۔

(اقتباس از اداریہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک شعبان ورمضان ۱۳۹۰ھ)

۲ مولانا قاری محمد حنیف صاحب قدس سرہ خطیب ملتان

آپ نے جلسہ خیر المدارس کے نویں اجلاس ۲۰ ذالحجہ ۱۳۸۸ھ کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کا وجود مسعود صرف خیر المدارس یا شہر ملتان کے لئے باعث برکت نہیں بلکہ تمام پاکستان کے لئے آپ کا وجود باعث خیر وبرکت ہے۔

۳- مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم مہتمم نجم المدارس کلاچی

"ارض ملتان تو شہیدوں کی امانت دار ہے اور اہل اللہ کے انوار سے گلزار ہے"

آج پھر پہلو میں تیرے آگیا اک مہ جبیں

وہ جو علم تھا خیر محمد کا امیں

(ذکر خیر - ماہنامہ بینات محرم ۱۳۶۱ھ کراچی)

۴- مولانا محمد رمضان شوق صاحب خطیب جامع مسجد نور لائل پور

(حضرت مولانا) تمام فنون عالیہ اور انتظامیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں - تربیت مریدین نہایت لطیف طریقے سے فرماتے ہیں -

(اکمال الشیم فی اتمام النعم ص ۴۰۰)

حضرت والا نو تعلیم یافتہ صاحبان کی نظر میں :

۱- فخر الاماثل خیرِ مجسم حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان حضرت تھانویؒ کے محبوب خلفاء میں سے ہیں، آپ کے چہرہ کی نورانیت، بشرہ کی شگفتگی، نظروں کی شفقت، لبوں کی مسکراہٹ اور اخلاق کی وسعت اشرفی جمال کی زندہ تصویر ہے -

(سیرت اشرف)

۲ شاعر عظیم جناب اسد ملتانی مرحوم :

خیر المدارس ملتان جنت نشان پر ایک نظم میں حضرت والاؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

خدا رکھے سلامت مولوی خیرِ محمد کو

جناب تھانویؒ کی ہیں یادگار ہم میں

اسد ملتان میں علم دیں کا چرچہ بڑھ گیا ان سے

نزدل خیر و برکت کیوں نہ ہو خیر المدارس میں

نیز خیر المدارس پر ہی ایک دوسری طویل نظم میں فرماتے ہیں :

مولوی خیر محمد نے کیا جاری اسے

کیوں نہ ہو خیر المدارس سب سے اچھا مدرسہ

۳- حضرت مولانا حافظ عبدالمجید صاحب انور مدرس خیر المدارس ملتان :

خیر المدارس پر ایک نظم میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت والا کے بارے میں گلفشانی کرتے ہیں :

ہے جناب تھانوی کے شرف سے تیری بناء
حضرت خیرِ محمد سے ملا تجھ کو کمال

ارشادات حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان

اللہ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

اکبر الہ آبادی نے خوب فرمایا ہے۔

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے ۔۔۔ سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

حسن اتفاق سے یاد آیا کہ تعلق مع اللہ پر استاذ العلماء راس الاتقیاء عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ العزیز بانی مہتم خیر المدارس ملتان نے مدرسہ اشرف المدارس کے سالانہ جلسہ میں مورخہ ۸ صفر ۱۳۸۷ ۱۹ مئی ۱۹۶۷ شنبہ کو جو تقریر فرمائی بغرض استفادہ واستفاضہ قارئین نقل کرتا ہوں۔

(جامع وعظ بندہ محمد اقبال قریشی ہارون آبادی)

حضرت مرحوم نے بعد خطبہ مسنونہ

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوانى يحببكم الله ويغفرلكم ذنوبكم والله غفور الرحيم .

تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت میں تعلق باللہ کا طریقہ بتلایا گیا ہے جب اللہ تعالیٰ سے بندہ کا صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بندہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمادیتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالی خود اس کی حفاظت کرتے ہیں ابن الفارض نقشبندی خاندان کے ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں جب ان کو موت کا وقت قریب آیا تو آپ کے سامنے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے گئے آپ نے ان کو دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا چونکہ آپ شاعر تھے اس لئے فوراً یہ شعر پڑھا

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ما قد رایت فقد ضیعت ایامی

یعنی تمہارے پاس محبت کا اجر یہ ہے تو میں نے اپنی عمر ضائع کردی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی اور آپ کی روح پرواز کر گئی جب اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو خود بخود غیر اللہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی مثال ہے کہ شاہ چین نے آپ کو شیشہ دیا تو آپ نے اپنے گھر میں رکھوا دیا جب گھر میں داخل ہوتے تو خود بخود شیشہ کی طرف نظر پڑتی حالانکہ آپ کو شیشہ دیکھنے کا شوق نہ تھا لیکن بجائے توجہ مع اللہ کے شیشہ کی طرف نظر پڑنے سے اپنی شکل وصورت نظر آتی اتفاق سے وہ شیشہ نوکر سے ٹوٹ گیا نوکر بہت گھبرایا کہ آپ سخت ناراض ہوں گے جب آپ تشریف لائے تو اس نے ڈرتے ہوئے کہا

از قضاء آئنہ چینی شکست

آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ اتنی دیر اللہ کی طرف سے دھیان ہٹتا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے خود انتظام کردیا تو آپ نے جواب

مصرع فرمایا

خوب شد اسباب خود بینی شکست

مقصود اعظم تعلق مع اللہ: پس تعلق مع اللہ بہت بڑی دولت ہے مقصود اعظم مع تعلق اللہ ہے جب بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو فکر آخرت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ کے سوا اسے کسی سے اندیشہ نہیں ہوتا۔ اسے مال یا جان کی حفاظت کی پرواہ نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اللہ کے سوا اسے کسی کا اندیشہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے انبیاء کرام تشریف لے آئے انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا تاکہ تعلق مع اللہ کا سلسلہ قائم رہے تعلق مع اللہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔

عالم کی چار قسمیں ہیں عالم ارواح، عالم ازل، عالم برزخ سب سے پہلے روحیں عالم ارواح میں تھیں اور بس روحیں اللہ تعالیٰ کو دیکھتی تھیں مگر ان کا دیکھنا غیر اختیاری تھا جیسے تصویر لٹکی ہو تو پانی میں خود نظر آتی ہے اسی طرح روح کا دیدار تھا۔

قرآن میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ " **الست بربکم** " کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو جواب دیا گیا قالوا بلیٰ یعنی کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) یہاں سب کا پہلا جواب ساتھ نہ تھا جیسا کہ مفسرین نے نقل فرمایا ہے یہود ونصاریٰ کی روحیں موجود تھیں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے جواب دیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جواب نہ دیتی تو کوئی بھی جواب نہ دیتا آپ کے جواب کے بعد انبیاء علیہ السلام کی روحوں نے جواب دیا اس کے بعد درجہ بدرجہ قطب اولیاء کی روحوں نے جواب دیا گویا عالم روحانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استاد بنا دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سب کے لئے باعث تقلید بنی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے انبیاء علیہ السلام کو بھیجا گیا جیسے بادشاہ کے آنے کی تاریخ مقرر ہوتی ہے تو چھوٹے چھوٹے اہل کاروں کا انتظام ہوتا ہے شامیانہ لگایا جاتا ہے، فرش بچھایا جاتا ہے اور شامیانے کو افسر دیکھنے کے لئے آتے ہیں، کہ آیا بادشاہ کے لائق بھی ہے تو آپ کے لئے آسمان کا شامیانہ لگایا گیا۔ زمین کا فرش بچھایا گیا سورج اور چاند کی لالٹینیں لگائی گئیں اور سب انبیاء علیہ السلام شامیانے کو دیکھنے کے لئے آئے اور شامیانہ بدستور رہا۔ جب تک ایک آدمی بھی کلمہ توحید پر ایمان لاتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے شامیانہ بھی اسی وقت تک رہے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو سورج اور چاند بے نور ہو جائے گا شامیانہ کی ضرورت بھی نہ رہے گی اللہ تعالیٰ نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی قسم کھائی ہے، اور کسی کی عمر کی قسم نہیں کھائی۔ چنانچہ سورۃ حجرات آیت ۷۲ میں " **لعمرک انهم لفی سکرتهم یعمهون** " میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو بیان نہیں کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے معجزات ہیں کہ ان کا بیان ہو ہی نہیں سکتا ان میں سے ایک معجزہ معراج شریف ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھامی براق پر سواری کی زمین سے گزرے، براق زمین و آسمان کے درمیان چلتا تھا جہاں تک نظر جاتی تھی اس کا ایک قدم ہوتا تھا خوشبو آنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا یہ جنت کی خوش بو ہے جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہاں سے جنت بہت دور ہے۔

فرعون کی ایک ملازمہ تھی وہ کنگھی کر رہی تھی ایک دن کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس کے منہ سے کلمہ توحید نکل گیا۔ جب اللہ والے کی زبان سے بات نکلتی ہے پھر نہیں چھپتی بلکہ پہلے سے زیادہ نکلتی ہے کسی نے جا کر فرعون سے کہہ دیا فرعون نے پولیس بھیجی۔ اس پر لڑکی نے کہا میں اس خدا کو مانتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس پر فرعون نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے۔ اسکے دو بیٹے تھے ایک شیر خوار دوسرا تین چار سال کا۔ فرعون نے بیٹے کو ذبح کرنے کی دھمکی دی ماں برابر ڈٹی رہی اس پر فرعون نے بڑے بیٹے کو ذبح کرا دیا اور چھوٹے بیٹے کو ماں کے سینہ پر رکھ دیا۔ ماں گھبرائی، اس پر اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچے کو زبان دے دی کہ میرا بھائی جنت میں میرا اور آپ کا انتظار کر رہا ہے ظالم نے ماں اور بچے کو ذبح کر دیا آج اس کی قبر کی خوشبو آ رہی ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچی ہے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے آپ ﷺ وہاں پہنچے جہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر جلتے ہیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات پڑتی ہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کے سینہ میں وہ طاقت رکھی ہے جو آگے جا سکے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں سب سے افضل ہیں اور یہاں آپ ﷺ کی فضیلت جبرائیل علیہ السلام سے بڑھ کر ثابت ہوئی ہے آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا جب ایک آدمی بادشاہ یا اپنے پیر کے پاس جاتا ہے تو سوغات لے کر جاتا ہے آپ یہ سوغات لے کر گئے التحیات یعنی قولی عبادت۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہو گی اور زبان سے ہر جملہ اللہ تعالیٰ کے مرضی کے مطابق ہی نکلے گا۔ والصلوٰت سر سے پیر تک کی عبادت اللہ کے لئے ہو گی اپنے نفس کے لئے کچھ نہ ہو گا قبروں پر سجدہ نہ ہو گا بلکہ اللہ کے لئے ہو گا۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش ؏ چہ شمشیر ہندی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است وبنیاد توحید بس

تیسرا والطیبات پاک مال کی کمائی پیش کی۔ کسی کی چوری کی کمائی نہ ہو گی خرچ میں رضائے الٰہی ہو گی، مدارس اسلامیہ کی امداد ہو گی اور دیگر نیک کاموں میں صرف ہو گی اللہ تعالیٰ نے بھی آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے تحفہ دیا۔ آپ ﷺ واپس آئے تو حضرت موسیٰ ﷺ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے واپس کیا پانچ نمازیں کم ہوئیں اسی طرح نو مرتبہ آپ ﷺ واپس ہوئے بعض احادیث میں جو دس یا بیس کا ذکر آتا ہے وہ دو یا چار کو جمع کر لیا ہے جب پانچ باقی رہ گئیں تو موسیٰ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر تین نمازیں فرض تھیں۔ انہوں نے وہ نہ پڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ کی عادت معلوم ہو گئی اگر پانچ بھی معاف ہو جاتیں تو امت کے لئے کیا سوغات یا تحفہ لے جاتے یہ اللہ کا تحفہ ہے جس طرح آج لوگ اپنے دوست کو شادی میں تحفہ بھیجتے ہیں، اگر کوئی تحفہ واپس کر دے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آئے گا۔

آج کل لوگ بہت کم نمازیں پڑھتے ہیں حضور ﷺ کی امت کے لئے نماز تجویز خداوندی ہے، باقی انبیاء کی نمازیں اپنی تجویز تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں بندہ کی تجویز اور خدا کی تجویز میں فرق ہوتا ہے، خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آسمان پر بلا کر نمازیں تجویز فرمائیں حضرت آدم ﷺ نے گندم کا دانہ کھا لیا تھا جب ان کی توبہ قبول فرمائی تو

زوال کا وقت قریب تھا آپ نے شکریہ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ اسی طرح ان پر ظہر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب اٹھے تو دن ڈھل چکا تھا۔۔۔ آپ نے چار رکعت نماز پڑھی اسلئے ان پر عصر کی نماز فرض ہوئی جب حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا، آپ نے چار رکعت کی نیت باندھی لیکن بھول کر تین رکعت پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کی امت پر مغرب کی نماز فرض ہوئی یہ اللہ کا خاص احسان ہے۔

سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں اور سب فرشتوں سے افضل جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں مرنے اور قیامت کے درمیان عالم برزخ ہے ہمارا مسلک ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جائے آپ پر درود اور سلام بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں آپ کے وسیلہ سے دعا مانگیں۔ ہم چشتی ہیں ہم وسیلہ کے قائل ہیں۔ سب وسیلہ کے قائل ہیں ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ، دارالعلوم کراچی نے وسیلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے غیر مقلد کے سوا سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ معتزلہ وسیلہ کے قائل نہیں۔ وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے وسیلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کے متعلق ہیں لکھا جو خیر المدارس میں پڑا ہوا ہے قیامت کے دن شفاعت کبریٰ بھی آپ کے لئے خاص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ سے ہی سب کی نجات ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں لیکن وہ عذر کریں گے کیونکہ انہیں بتلایا نہیں گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **"لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر"** خبر دی گئی ہے۔ تاکہ کہیں کمالِ بندگی سے عذر نہ کر دیں۔

تعلق مع اللہ اتباع سنت کے طفیل حاصل ہوگا:۔ بخاری شریف میں ہے کہ میں سجدہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسی دعائیں سکھائیں گے جو کسی کو نہ سکھلائی ہوں گی۔ ارشاد ہوگا اپنا سر اٹھا اور مانگ جو مانگتا ہے، شفاعت کر شفاعت قبول کی جائے گی۔

علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مٹی جو روضہ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی ہے وہ عرش سے افضل ہے پس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوگا۔ مگر فرق وہی ہوگا جو سرونٹ (ملازم) اور آقا میں ہوتا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعوانی یحببکم اللہ.

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا خواہ اپنے آپ کو زبان سے محبوب کہے یا نہ کہے اور اکثر اہل اللہ زبان سے اپنے آپ کو اللہ کا محبوب نہیں کہتے۔

ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے گناہ معاف کر دیں گے۔ کیونکہ اللہ غفور رحیم ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائیں اور اتباعِ سنت کی توفیق بخشیں۔ اور اپنی رضا و قرب نصیب فرمائیں آمین۔

سیدی ومرشدی حضرۃ اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ

الحمد للّٰہ الذی لہ البقاء وکتب علی غیرہ الفنا والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین وسید الرسل الاتقیاء محمد والہ الاصفیاء وصحبہ الاذکیاء مادام تھمی العیون بالبکاء وتسلی القلوب بالعزاء وبعد۔

۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے مولانا خیر محمد جالندھری بانی خیر المدارس ملتان اس عالم فانی سے رحلت فرما کر عازم آخرت ہوئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

بلاشبہ موت، حیات اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا ہو رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا ہے۔ آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے، اور کل نفس ذائقۃ الموت حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جسے کسی کو مجال نہیں۔ یہاں صبر وضبط تسلیم وانقیاد ورضا بالقضاء کے بغیر کوئی چارہ نہیں **ان اللّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ باجل مسمیٰ**۔

تاہم بعض شخصیتیں قافلہ ہستی کے لئے منارہ نور ہوتی ہیں۔ ان کے وجود مسعود سے علم ودانش، وزہد وتقویٰ اور یقین ومعرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم ہے ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں اس کے پر ہونے کی کوئی صورت نہیں آتی۔

حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکمالات ہستیوں میں تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے ممتاز جید عالم تھے بلکہ بڑے عاقل اور متین اور مدبر و منتظم تھے، علم ووقار کا مجموعہ اور خدا ترسی وللہیت کا بہترین نمونہ تھے ان کی موت عقل ودانش علم ووقار، تدبر وانتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے۔ ان کے وجود سے علم وعلماء کا وقار قائم تھا خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد وبارونق تھیں۔ پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر "ملتان" میں ان کا مدرسہ "خیر المدارس" اسم بامسمیٰ تھا، یوں تو حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہ) کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، لیکن حضرت مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم "وفاق المدارس" کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت وہم نشینی کے مواقع میسر آئے انہیں جذبات سے بالا تر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ وریشہ میں عقل ودانش اور علم وتدبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے بڑی قابل قدر ہستی تھی حق تعالیٰ ان کو عفو ومغفرت اور رحمت ورضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے۔ صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبد الحق کو حضرت مولانا مرحوم کے صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم ودائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے

یذہب الصالحون اول فالاول ویبقیٰ حفالہ کحفالۃ الشعیر اوالتمر لا یبالیہم اللّٰہ بالۃ

"نیک لوگ یکے بعد دیگرا ٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں حق

تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا"

ایک اور حدیث ہے۔

ان اللہ لایقبض بالعلم انتزاعا ینتزعہ من القلوب العباد ولکن یقبض بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذالناس الروسا جہا لا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا

" بیشک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشواہ بنالیں گے، ان سے سوالات ہونگے وہ بغیر جانے بوجھے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے علمِ صحیح اور عملِ صالح۔

یہ دونوں چیزیں انسانیت کی بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں ان کے بتدریج اُٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اُٹھتی جارہی ہیں۔ اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے کسی زمانے میں جو کافروں سے اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے اب وہ مسلمانوں میں بھی مشکل نظر آرہے ہیں نصف صدی پہلے کے فاسق وفاجر جس بلندی کردار کا مظاہرہ کرتے تھے وہ آج کے بہت سے صالحین میں مفقود ہے اور کچھ عرصہ پہلے کے امی اور جاہل خدا ترسی ودین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے وہ آج اہل علم ودانش کے یہاں عنقا ہے۔

جس طرح انسان کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسلاً کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن رو بہ زوال ہے، آج کل عام طور پر انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں، جو حیاتِ مستعار کا بار کندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہے اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کررہی ہے۔

نیستند آدم غلاف آدم اند
ایں بہائمؑ درغلاف آدم اند

اجل مسیٰ موت کا ہاتھ انسانیت کے دستر خوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاق جوہر کے امین ہوں جن کے علم پر اعتماد کیا جاسکے، جن کا عمل امت کے لئے نمونہ بنے، اور جن کے سیرت وکردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

ان اکابر کے سانحہ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت ان فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے ان کی دعائے نیم شبی بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری، پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز وگداز صلاح امت کی فکر اور لگن، یہ چیزیں ان کی ذات کے ساتھ ہی رخصت ہوجاتی ہیں اور امت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بے شمار قمقمے روشن ہیں جو اپنی تابانی اور ضیا پاشی میں مختلف ہیں اگر ان کو یکے بعد دیگرے گل کر دیا جائے تو تدریجاً روشنی مدہم ہوتے ہوتے یکسر ختم ہوجائے گی اور پورے ماحول پر تاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رشد وہدایت کی قندیل ہے جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوش ہوتے جارہے ہیں ہدایت کا نور مدہم

پڑتا جاتا رہتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کائنات مروضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے اور قلوب سے نور یقین مٹتا جارہا ہے اور جب رشدوہدایات کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہرچہار جانب سے تاریکی چھاجائے گی تو اس عالم کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے

لاتقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللہ اللہ لاتقوم الساعة الا علی شرار الخلق ۔

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے

قیامت اسوقت قائم ہوگی جب کہ صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یاس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے باخدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے۔ افسوس ہے کہ دنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جارہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سدراہ تھا وہ بتدریج اٹھتے جارہے ہیں۔

حق تعالی کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

تحفة المؤمن الموت " مومن کا تحفہ موت ہے "

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے موت کا دن ان کے لئے فرح وانبساط اور خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے ان کے نزدیک موت ہی وہ پل ہے جسے عبور کر کے اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه ہوا ہا وتمنی علی اللہ

" دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ پر جھوٹی آرزوئیں باندھے "

وصلی اللہ علی صفوة البریة سید الکائنات وخاتم النبیین محمد واله واصحابه اجمعین

(بینات شوال ۱۳۹۰ ھ)

الطاعات کی استدعا ہے۔ والسلام محمد یوسف احیاء العلوم ۴ ذی قعدہ ۸۳ھ	دستخط حضرت مولاناؒ
(۲۷) بخدمت سیدی حضرت الشیخ الامام لازالت فیوضھم نافضۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	السلام علیکم! میں وہی نیم خیریت سے ہوں۔
عرض این کہ چند دنوں سے حضرت اقدس کی صحت عالیہ کا علم نہیں ہوسکا۔ حق تعالیٰ حضرت والا کو باین فیوض وبرکاتہ تادیر سلامت رکھیں۔آمین	
حضرت اقدس کی دعاؤں سے بندہ اور بندہ زادہ کے پونے سولہ پارے حفظ ہو چکے ہیں۔ حضرت اقدس اس نعمت کے حصول کی دعا فرمائیں۔	یہ نعمت کبریٰ ہے اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔
تکبر کے سلسلہ میں بندہ کو کوئی سوال باقی نہیں رہا البتہ ایک بصد ندامت عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ بندہ میں احساس کمتری کا بہت غلبہ ہے فطری طور پر قد پستہ اور بدن نحیف اور صحت کمزور ہے اسلئے مجھے یہی خیال رہا کرتا ہے کہ لوگ مجھے ذلیل سمجھتے ہونگے۔ اور اس خیال سے پریشان رہتا ہوں۔ ہر چند دل کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اول تو یہ خیال خام ہے۔ اور بالفرض لوگ تجھ کو ذلیل سمجھتے بھی ہوں لیکن اس میں تیرا کیا نقصان ہے تجھے اللہ کی رضامندی کی فکر ہونی چاہیے۔ مگر افسوس کہ اس مرض سے نجات نہیں ہوتی۔	لوگوں کی طرف نظر نہ ہونی چاہیے بس اپنے مالک سے معاملہ صاف ہونا چاہیے۔
اب اس پر ایک مزید پریشانی کا اضافہ ہو گیا ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظر میں اونچا کرنے کی فکر ہے یہ بھی تکبر ہے استغفر اللہ۔ بندہ کی پریشانی حالت حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کردی ہے۔	روزانہ مغرب کے بعد تنہائی میں مراقبہ کیا کرو اور اپنے عیوب کو سوچ کر توبہ کیا کرو۔
حضرت اقدس سے استدعا ہے کہ اس مرض کا علاج تجویز	دعاء کرتا ہوں۔

فرمائیں اور بندہ کے لئے اس قسم کی پریشانیوں سے نجات کی دعا فرمائیں فقط۔

والسلام

محمد یوسف احیاء العلوم

۱۰ صفر ۸۴ھ

دستخط حضرت مولاناؒ

(۲۸)

مکتوب جمادی الآخری ۱۳۷۶ھ

تمہید خط

گذشتہ عریضہ کے بعد پورے ماہ عریضہ نگاری کی توفیق نہ ہوئی، کیوں نہ ہوئی اس بحث سے درگذر فرمائیے۔

انکے بعد مندرجہ ذیل عریضہ لکھا جس میں جمعہ کے متعلق متعدد سوالات لکھے۔ چونکہ ان کی بعینہ نقل طویل ہے اور فضول بھی۔ اس لئے خلاصہ ملاحظہ فرما کر حضرت کا قیمتی جواب بلا توقف ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ بندہ اب تک گاؤں میں جمعہ پڑھتا ہے چند وجوہ سے

الف۔ والد صاحب اجراء پر مصر اور ترک سے ناراض ہیں۔ اس لیے انہیں کبیدہ خاطر دیکھنا نہیں چاہتا۔

ب۔ ترک جمعہ سے عوام ترک نماز پنج وقتہ کے لیے تیار ہیں اس لیے فتنہ سے ڈرتا ہوں۔

ج۔ جمعہ کی وجہ سے بہت سی مخلوق کو دینی فیض پہنچ رہا ہے۔ انہیں کیسے محروم کیا جائے۔

د۔ بعض مولوی صاحبان کا خیال ہے کہ اگر امام صاحبؒ اس زمانہ میں ہوتے تو ضرور جواز جمعہ فی القریٰ کا فتویٰ دیتے۔

ہ۔ ایک ثقہ راوی مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مولانا احمد علی لاہوری صاحب نے بھی جواز کا رجحان ظاہر کردیا۔

و۔ مولانا محمد امین صاحب کے ایک مرید ذکر کرتے ہیں کہ

الجواب

اسلام علیکم۔

تمام خط پڑھا کوئی بات کام کی نظر میں نہ آئی۔ بلکہ افسوس ہوا کہ علم خدا کی نعمت ہے اس پر عمل نہ کرنے سے بے قدری کی گئی۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک قریٰ صغار میں جمعہ کا عدم جواز متفق علیہ ہے۔ ایک بھی روایۃ مخالف نہیں۔ ظہر کی فرضیت قطعی ہے۔ محض اتباع ہوا اتباع اقارب، اتباع اوہام (کیوجہ) سے ترک فرض قطعی پر کیسے جرات کی جاسکتی ہے فیاللعجب۔

اگر عوام میں تبلیغ خاص سے فتنہ دینی کا اندیشہ ہے تو تبلیغ ترک ہو سکتی ہے۔ مگر ذاتی عملی ترک کرنیکا کوئی ذمہ دار ہوگا۔

ولاتزر وازرۃ وزر اخریٰ

آسان صورت تھی کہ والد صاحب سے تنہائی میں مؤدبانہ کہہ دیا جاتا۔ کہ صحیح مسئلہ یہ ہے۔ اس لیے میں البتہ آپ کو کچھ نہیں کہتا خود جمعہ کے روز گاؤں میں قیام نہ کیا جاتا سوچئے کہیں اپنا ہی تو نہیں دل بگڑا ہوا۔

مولانا ان کے گاؤں میں تشریف لے گئے ۔ اور فرمایا کہ چند دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر جمعہ پڑھ لیا کریں ۔ کیا ہم بھی ایسا ہی کرلیں ۔

ز۔ جب کہ ائمہ کا اختلاف مسئلہ میں موجب خفت ہوتا ہے ۔ تو کیا جمعہ فی القریٰ میں خفت نہ پیدا ہو جائے گی ۔ جبکہ وہ ایک نہیں ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے ۔ وفیہ عموم البلویٰ

ح ۔ نیز بوقت ضرورت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل جائز ہوتا ہے ۔ تو کیا یہاں وہ شرائط نہیں پائی جاتیں ؟

ط ۔ اب تک تو کبھی پڑھ لیتا ، کبھی پیچھے نفل کی نیت کرلیتا اب کیسے کیا کروں ؟

لن یصلح العطاء ما افسد الدہر ۔

(۲۹)

مکتوب (۱۱ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ)

۱ ۔ سیدی حضرت والشیخ الامام الکبیر دام ظلہم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

مزاج عالی !

والا نامہ شرف صدور لایا دل کی عقدہ کشائی ہوئی جو امور بزعم خود استدلال تھے وہام ثابت ہوئے ، تالیف قلب مداہنت اور مایہ ناز اعمال ہدی اتباع ہویٰ نکلے ۔

غرض فبہداہم من اللہ الآیۃ کا منظر سامنے آیا ۔ بتسلیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں انشاء اللہ آئندہ احتراز کرتا ہوں گذشتہ سے استغفار کرتا ہوں

۳ ۔ اور ظہر کی قضا کروں گا ۔ حضرت اقدس بھی دعاء فرما دیں کہ حق تعالیٰ معاصی کو معاف فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق دے ۔ گذشتہ عریضہ کے سلسلہ میں ایک عرض اور باقی ہے وہ یہ کہ قریہ کبیرہ کی حد کیا ہے ۔ آبادی کی قلت و کثرت معیار ہے یا نہیں ؟ اگر ایک بستی میں ملحقہ قریٰ کے لوگ جمعہ پڑھ لینے پر اتفاق

جزاک اللہ ، فلیہنئک العلم والعمل ۔

۱ ۔ ضرور

۲ ۔ آمین

۳ ۔ ارد گرد کے دیہات میں عرف عام میں بڑا سمجھا جاتا ہو اور حوائج ضروریہ روز مرہ میں ارد گرد کے عوام اس کی طرف رجوع بھی کرتے ہوں تعداد عام دیہاتوں سے ممتاز ہو ۔ اسکے بغیر چند دیہاتوں کا اجتماع کچھ حقیقت نہیں رکھتا ۔ کیا جمعہ الوداع کے موقعہ پر عرفات میں اجتماع کثیر نہ تھا ؟ پھر بھی جمعہ کیوں نہ پڑھا گیا ؟ محلِ جمعہ کی ایک مستقل شرط ہے اس کو اجتماع وعدم اجتماع سے کوئی دخل نہیں

حافظ عبدالرشید ارشد

خیر الاساتذہ

خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ جیسا کہ ان کی خود نوشت سوانح میں گذرا ان کی پہلی بیعت حافظ محمد صالح قدس سرہ مسترشد امام ربانی حضرت مولانا گنگوہی سے تھی اور راقم کے والد مرحوم بھی حضرت حافظ صاحبؒ سے بیعت تھے۔ حضرت مولانا قدس سرہ میرے حفظ قرآن کے دوران مثال میں دو تین دفعہ حضرت قدس سرہ اپنے اساتذہ حضرت مولانا فضل احمدؒ مہتمم و حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ اور اپنے مرشد زادے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہم اللہ کو ملنے آتے اور یوں حضرت کی زیارت ہو جاتی۔ پھر ۱۹۴۵ میں ہمارے گاؤں بھی تشریف لائے اور تقریر بھی فرمائی۔

پھر میری ہر سال خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں حاضری بھی تقریبا لازمی ہوگئی جو قیام پاکستان کے فورا بعد پہلے جلسہ کے علاوہ حضرت کی زندگی کے آخری جلسہ تک رہی۔ لیکن پاکستان میں پہلے سالانہ جلسہ میں مہاجرت کی افراتفری اور شیخوپورہ کے قریب رہائش کی وجہ سے حاضری نہ ہو سکی۔ جسکا بڑا افسوس رہا کہ اس میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تشریف لائے تھے اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی میں ویسے بھی ملتان کہ میاں چنوں کے قریب ہے سال میں تین چار دفعہ حاضری ہو جاتی اور حضرت مولانا قدس سرہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانویؒ کو ملنے میاں چنوں آتے، قریب کے ایک چک ۱۹-۸-آر میں حضرت مولانا کے قریبی رشتہ دار رہتے تھے میاں چنوں آنے پر چک ۱۹ سائیکل پر لیجانا میرا فریضہ تھا، ویسے مجھے حیرت میں حضرت مولاناؒ کو سائیکل پر بٹھا کر کچے راستے سے چک ۱۹ لیجاتا تھا، کہ حضرت کا قدرتی رعب بڑا تھا، غالبا یہ ان کی شفقت و محبت تھی یا میرا شوق کہ میں اپنے استاذ کو چک لیجاؤں، میری قوت ارادی بڑھ جاتی۔

پھر میں لاہور آگیا جب "بیس بڑے مسلمان" شائع ہوئی تو میں اسے حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا، اس کے بعد دو تین دفعہ حاضری ہوئی، حضرت مولاناؒ کے رہائشی کمرہ جو سابقہ دار الحدیث کے ساتھ تھا اس میں دو تین دفعہ حضرت سے ملنا ہوا تو "بیس بڑے مسلمان" آپ کی الماری میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔

انہی شفقتوں اور محبتوں کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا کی وفات پر میں لاہور سے ملتان پہنچا اور روتی آنکھوں ان کے جنازے کو کندھا دیا اور نماز جنازہ پڑھی۔

پھر خیر المدارس جانے کا حوصلہ نہ پڑا کہ وہاں کے در و دیوار کھانے کو دوڑتے تھے، اور شاید ہی کسی سالانہ جلسے میں خیر المدارس کی حاضری ہوئی ہو اور میں ویسے بھی لاہور آکر اشاعت کتب کے جھمیلوں میں پھنس گیا تھا۔

حضرت مولانا ماہر نفسیات، بہت اچھے منتظم اور نظم اوقات اور طلبا کی نگرانی و تربیت میں بہت ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اوران کی یہ بات طبقہ علماء میں سب کو مسلم تھی۔

خیر المدارس میں ایک صاحب ثروت خاصا چندہ دیا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے آکر مشورہ دیا کہ مدرسہ میں فلاں کام ایسے ہونا چاہیے، تو حضرت نے وہیں بیٹھے اپنے بڑے بیٹے حافظ رشید احمد کو بلند آواز سے رشید احمد کہ کرآواز دی اور وہ "جی اباجی" کہہ کر فوراً حاضر ہوگئے، تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ دیکھو ان صاحب کی کتنی رقم مدرسہ میں آئی ہے وہ واپس کرکے رسید لے لو! ہمیں ان کے مشورے کی ضرورت نہیں ہم خود جانتے ہیں کہ مدرسہ کیسے چلانا ہے۔

کراچی کے ایک کروڑپتی نے حضرت شیخ الہندؒ والا قرآن مجید شائع کراکر تمام دینی مدارس کو بھیجا اور لکھا کہ اس کا ہدیہ مثلاً "بیس روپے ہے" میں آپ حضرات کو دس روپے میں بھیجتا ہوں۔ آپ اسے فروخت کرکے بیس روپے کے حساب سے رسید ہمیں بھیج دیں۔ حضرت مولانا نے خط لکھا اور اسی وقت خط مع بلٹی واپس بھیج دیا اور لکھ دیا کہ ہم مدرسہ چلاتے ہیں کتابیں یا قرآن مجید فروخت نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔۔ میں اپنی تعلیم کے دوران اکثر ان کے دفتر میں جاکر بیٹھ جاتا اور زیارت کرتا تھا۔ ایک طالب علم کا کھانا کسی صاحب کے گھر لگا ہوا تھا وہ طالب علم پٹھان تھے، جتنا کھانا ملتا اس میں ان کا گذارا نہ ہوتا، ایک دن میرے بیٹھے درخواست لیکر آئے کہ میں سیر نہیں ہوتا کھانا پورا نہیں ہوتا، اگر یہی صورت حال رہی تو مجھے مدرسہ چھوڑنا پڑیگا۔ حضرت مولانا نے درخواست پڑھی اور فوراً چاک کردی کہ تم پڑھنے آئے ہو یا کھانا کھانے آئے ہو؟۔ جاؤ جاکر دوبارہ درخواست لکھ کر لاؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو مجھے بھوکا رہ کر تعلیم مکمل کرنا پڑیگی۔۔۔۔۔۔۔ گویا ساتھ ساتھ تربیت بھی فرماتے تھے اس مضمون میں قارئین برادر محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کی خط و کتابت پڑھ چکے ہیں دیکھیں "قل ودل" کی کیسی خوبصورت مثال ہے۔

جس سال دورے میں داخل ہوا تو طلبہ کو حکم ہوا کہ تمام لکھ کر درخواست دیں کہ کون کون اکھٹے رہنا چاہتے ہیں۔ جب درخواستیں پہنچ گئیں تو سب کو علیحدہ علیحدہ کردیا، چونکہ آپ کو علم ہو گیا کہ کون کس کا دوست ہے مطلب یہ تھا کہ ایک کمرے میں رہ کر پڑھیں گے کم اور گپ شپ میں زیادہ مصروف رہیں گے مجھ سے بھی ایک فروگزاشت ہوئی جس کا محل "حیات مستعار" ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ فراز سے نشیب کی طرف آرہے ہیں حضرت مولانا نے نبی اکرم ﷺ کی اس سنت کو ایسا اپنایا تھا کہ ہوبہو اس کی نقل اتارنے کی سعی کرتے تھے۔۔

مدرسہ میں عام طور پر سر پر سفید ٹوپی ہوتی لیکن جب سفر پر جاتے تو کلاہ پر پگڑی باندھتے جو ہلکے سبز اور پیلے رنگ کی ملی ہوئی دھاری دار باریک کپڑے کی ہوتی اور کلاہ نہ زیادہ اونچا ہوتا نہ پٹھانوں کی طرح گول، اوسط درجے کا ہوتا۔ ہمیشہ شلوار پہنتے اور پاؤں میں جراب پہن کر خصہ کا استعمال کرتے۔ سفر میں عام طور پر لمبی اچکن پہنتے، خاصی فراخ پیشانی موٹی چمکدار آنکھیں اور بہت عمدہ بلند بینی (ناک) داڑھی کلوں پر تھوڑی تھی، قینچی نہیں لگاتے تھے پوری تھی۔ قد درمیانہ سے بھی کچھ کم تھا، لیکن ہر مجلس میں آپ کی شخصیت نمایاں ہوتی جب کبھی حضرت مولانا ابراھیم کے پاس میاں چنوں آتے تو دونوں کو ہر شخص بار بار دیکھتا کہ دونوں ہی کا رنگ روپ بہت خوبصورت تھا۔ اور جب مسکراتے یا کسی بات پر خوشی ہوتی تو چہرے کا رنگ ایسا محسوس ہوتا جیسے سیندور میں میدہ ملا کر دونوں

حضرات کا چہرا بنایا گیا ہے۔

ایوب خان نے جب بی۔ ڈی کے نظام سے ملک کو متعارف کریا تو ملتان کے ڈپٹی سی ملتان جناب کرم داد صاحب تھے۔ جو پابند صوم وصلوۃ اور خوش عقیدہ تھے۔ انہوں نے حضرت کو ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کا ممبر نامزد کیا اور یوں ڈسٹرکٹ کونسل ملتان آپ کی شمولیت وشرکت سے دوسرے تمام اضلاع پر فوقیت اور خیریت حاصل کر گئی

سنا ہے کہ آپ کے ایک مجاز آپ کی سوانح لکھیں گے لیکن برسہا برس اس انتظار میں گذر گئے کہ

نہ آپ آئے نہ نامہ آیا نہ نامہ بھر آیا

حضرت ہمیشہ ڈائری لکھا کرتے خصوصا دورے میں شریک طلباء کے متعلق اپنے تاثرات لکھتے۔

اولاد :۔ آپ کے تین بیٹے تھے حافظ رشید احمد، مولانا محمد شریف، مولانا محمد عبد الحق

حافظ رشید احمد مرحوم :۔ یہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے تاصحت وحیات مدرسہ کے حساب کتاب کے انچارج رہے اور حساب وکتاب کو اتنی خوبی سے لکھتے کہ دل خوش ہوجاتا۔

حضرت مولانا محمد شریف صاحب :۔ بہت سادہ اور اسم بامسمیٰ تھے اپنے عظیم والد کے بعد مدرسہ خیر المدارس اب (جامعہ خیر المدارس) کے مہتمم بنے اور تقریبا ۱۲ سال مہتم رہے بعض حاسدین نے آپ کی شرافت سے ناجائیز فائدہ اٹھاتے ہوئے محکمہ اوقاف کو درخواست دی کہ مدرسہ کو محکمہ اوقاف اپنی تحویل میں لے لے۔ حضرت بانیؒ کی زندگی میں تو کسی کو جرات نہ تھی۔ لیکن اب بعض لوگوں کی خواہش ہوئی کہ ہماری آراء پر عمل کیا جائے۔ لیکن حضرتؒ کی شرافت اور تقویٰ کی وجہ سے منہ کی کھائی اور ناکام رہے۔ مولانا میں بہت عجز اور انکسار تھا۔ اگر کسی مدرس سے کوئی مشورہ یا بات کرنا ہوتی تو خود چل کر جاتے ان کو اپنے پاس نہ بلاتے اور یہ عمل انہوں نے حضرت تھانویؒ کے عمل سے سیکھا تھا کہ ان کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی۔

آپ نے اپنے والد محترم، حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے اصلاح کا تعلق رکھا۔ لیکن ان حضرات کے بعد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے تعلق قائم کیا اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

نظام مصطفےٰ کی تحریک میں مع طلبہ گرفتار ہوئے اور بڑی استقامت سے جیل کے دن کاٹے جبکہ کئی ایک افراد دوچار دن میں معافی مانگ کر واپس آگئے

۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء کو حرمین حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء کو غار حرا میں جاکر دیر تک دعائیں مانگیں اور واپسی پر نماز عصر کے لیے وضو کر کے بیت اللہ میں جانے کے لیے احباب اور ساتھیوں کے انتظار میں بیٹھ گئے وہ ابھی تیار نہ ہوسکے تھے کہ آپ نے سفر آخرت کی تیاری کر لی آناً فاناً حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے اناللہ وانا الیہ راجعون

عمرہ کیا تھا حج ابھی باقی تھا قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب ہجرت کرتا ہوا اپنے گھر سے نکلا پھر اس کو موت نے پالیا پس بے شک اس پر اس

کا اجر ثابت ہو گیا

مولانا تو مکہ معظمہ حج کے ارادے سے پہنچ گئے، حرم کعبہ میں نمازیں پڑھیں اور طواف کئے تو ان کی موت بمصداق یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے ۔

قابل رشک ہوئی بیت اللہ میں ہزاروں کی غیر کی سعید لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے قدموں میں جنت المعلیٰ میں تا قیامت جگہ ملی اور ایک حدیث کے مفہوم کے مطابق آپ قیامت تک ہر سال حج کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ نے کیسی موت مقدر میں لکھی تھی۔

مولانا حافظ عبد الحق مرحوم :۔ سب سے چھوٹے مولانا حافظ عبدالحق تھے کم گو خاموش طبع اور مرنجاں مرنج شخصیت تھے۔ ساری عمر مدرسہ میں کتب پڑھائیں، وضع وقطع اور رفتار گفتار میں اپنے والد ماجد کے مشابہ تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سفر لاہور سے واپسی پر جالندھر خیر المدارس تشریف آوری پر والد ماجدؒ کی درخواست پر حضرت تھانویؒ نے صاحبزادہ حافظ عبدالحق کو پند نامہ شیخ عطارؒ کی بسم اللہ کرائی

مولانا حافظ محمد حنیف :۔ موصوف حضرت مولانا محمد شریف مہتمم ثانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ اور آج کل جامعہ خیر المدارس کے مہتمم ہیں موصوف کو جتنی چھوٹی عمر میں اکابر نے مہتمم بنایا، لوگوں کو اس پر تشویش تھی، مخدوم زادے کو احقر نے، نہ دیکھا تھا اور نہ سنا۔ ایک دن گوجرہ گیا تو حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور ان کے متوسل حضرت مولانا حاجی امیر الدینؒ سے ملاقات ہوئی۔ (آپ کا تعلق خیر المدارس سے بہت پرانا تھا، اور ملتان آکر شوریٰ کے ممبر بھی رہے) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تین چار دن قبل یہاں مولانا محمد شریف صاحب مرحوم کے ہونہار صاحبزادے۔ خیر المدارس کے مہتمم حافظ محمد حنیف نے تقریر کی ماشاء اللہ میرا تقریر سن کر جی خوش ہو گیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو اپنے اجداد کا صحیح وارث بنائے بنائے تاکہ مدرسہ کا اہتمام بہتر انداز میں چلا سکیں اور مجھے یہ تقریر خیر المدارس کے درخشندہ مستقبل کی شکل میں نظر آتی ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی بات ٹھیک نکلی آج مولانا حافظ محمد حنیف صاحب ملک کے درجہ اول کے دینی رہنماؤں سے ہیں اور بین الاقوامی شہرت کے حامل۔ چونکہ زندہ ہیں اس لئے اس سے زیادہ تعریف کرنا مناسب نہیں سمجھتا جامعہ آپ کے اہتمام میں بہت زیادہ ترقی کر چکا اور کر رہا ہے۔

حضرت مولانا کے تینوں صاحب زادے فوت ہو گئے بڑے لڑکے حافظ رشید احمد کا ایک بیٹا ہے مولانا محمد شریف کے بیٹے مولانا محمد حنیف آج کل مہتمم ہیں مولانا حافظ عبد الحق کے تین صاحزادے شمس الحق، قمر الحق، اور نجم الحق علی الترتیب پہلے لائبریرین، دوسرے اچھے صحافی، تیسرے مولانا نجم الحق -جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہیں۔ ا۔ یم اے اسلامیات اور فیصل یونیوسٹی سے ایم فل ہیں آجکل جامعہ خیر المدارس کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جامعہ اور اس کے ارباب حل وعقد اور اساتذہ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ حضرتؒ کی الاد کو انکے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

مجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمدّ علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء ——— ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

باسمہٖ سبحانہٗ

مجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

ولادت گاؤں وغیرہ: آج کل یوم پیدائش منانے کا رواج غلو کے درجہ کو پہنچ گیا ہے اور "برتھ ڈے" کے نام سے ہر سال امراء تو اپنے بچوں کی اس تقریب پر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ تک خرچ کر ڈالتے ہیں جس میں وہ تحفے تحائف بھی شامل ہوتے ہیں جو احباب واعزا کی جانب سے ملتے ہیں۔ کئی غریب لوگ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی غریبی میں جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر لیتے ہیں، لیکن نوے۔ سو سال قبل دیہات میں پیدا ہونے والے بچوں کو تاریخ پیدائش تو کیا یاد ہوگی، سن یاد نہیں ہوتا تھا اور وہ اندازے سے اپنے سن کو شمار کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد گو نمبردار تھے تاہم انہوں نے اپنے بیٹے کی تاریخ ولادت اور سن یاد نہیں رکھا یا شاید انہیں یاد ہو۔ لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔

میں نے حضرت مولانا کو جب دیکھا ان کو اور ان کے اولین اساتذہ کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ ہوگی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی (حاجی) محمد ابراہیمؒ تھا، جو مسلکاً اہل حدیث تھے۔ آپ کی ولادت موضع یکو پور رائے پور رائیاں میں ہوئی۔ قیام پاکستان سے قبل آپ کو تحصیل نکودر میں مولانا محمد علی یکو پوری کہتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ضلع کی نسبت سے مولانا محمد علی جالندھری کہا جانے لگا۔ پہلے یکو پوری عام تھا اب جالندھری تو گویا آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ کسی کتاب یا رسالہ میں بغیر اس کے شاید ہی کہیں لکھا نظر آئے۔ آپ کا گاؤں تحصیل نکودر کے صدر مقام نکودر کی مغرب کی جانب تقریباً آخری گاؤں تھا، اس کے آگے ریاست کپور تھلہ شروع ہو جاتی تھی۔ نکودر سے لوہیاں تک چار مسافر ڈبوں کی ایک گاڑی جاتی تھی جو دن میں دو مرتبہ لوہیاں سے پھلور (ضلع جالندھر کی ایک اور تحصیل کا صدر مقام) چکر لگاتی تھی (لوہیاں سے آگے نئی گاڑی فیروز پور کو جاتی تھی) نکودر سے گاہندراں۔ شاہکوٹ سیندھڑ اور لوہیاں اور ادھر نکودر سے سدھواں، نور محل، پھلور، اور ایک گاڑی دو دفعہ بلکہ تین دفعہ نکودر سے جالندھر جاتی آتی تھی۔ اس لائن پر نکودر سے شانکر، تھابلکے، جمشیر اور جالندھر سٹیشن تھے۔ جالندھر اور پھلور دونوں اس مین لائن پر تھے جو لاہور سے براستہ لدھیانہ، انبالہ، دہلی کو جاتی تھی۔ نکودر ریلوے جنکشن تھا۔ نکودر سے ایک کچی پکی سڑک جالندھر کو جاتی تھی۔ براستہ سڑک جالندھر تقریباً نو میل اور براستہ لائن بارہ میل ہوگا۔ نکودر سے جالندھر جانب شمال تھا اور نکودر سے رائے پور گوجراں جانب جنوب سات میل تھا۔ رائے پور گوجراں بھی دراصل رائے پور رائیاں ہی تھا لیکن مدرسہ رشیدیہ (جس کا ذکر آگے چل کر ہوگا) کے بانی مہتمم اور صدر مدرس تینوں گوجر تھے۔ اس بناء پر کچھ حصہ کو رائے پور گوجراں کہتے تھے۔ ضلع جالندھر کی چوتھی تحصیل نواں شہر تھی۔ رقبہ کے اعتبار سے یہ ضلع متحدہ پنجاب کے انتیس ضلعوں میں سے سب سے چھوٹا تھا، لیکن اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر شاید پنجاب کا ممتاز ترین ضلع تھا اور اب بھی جالندھر بعض نامور مشاہیر کی بناء پر مشہور ہے۔ ہمارے ممدوح کے ہم نام اور ہم تحصیل و ہم برادری (یعنی راعی یا رائیں) چوہدری محمد علی مرحوم جو کچھ دیر پاکستان کے وزیر اعظم رہے اور جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم جو گیارہ سال تک ملک کے سیاہ و سفید کے مالک رہے اور ایک سابق چیف جسٹس

انوار الحق کی وجہ سے جالندھر مشہور عام وخاص ہے جبکہ علماء اور دینی طبقہ میں قیام پاکستان سے ہی حضرت مولانا خیر محمدؒ اور حضرت مولانا محمد علیؒ کی وجہ سے جالندھر کی شہرت تھی اور اس سے پہلے رائے پور کے مدرسہ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے جدامجد کی وجہ سے پورے ہندوستان میں شہرت تھی۔ میں نے سن شعور سے لے کر اب تک سیکڑوں علماء ادباء اور لیڈروں کو قریب سے دیکھا لیکن شاید ہی کسی کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ اپنی دماغی وعلمی صلاحیتوں سے اتنا کام نہ لے سکا جتنا لینا چاہیے تھا، لیکن مولانا محمد علی جالندھری کے متعلق میرا یہی خیال نہیں کئی اور لوگ بھی اس سے متفق ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی استعداد اور صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ اس سے بہت کم کام کر سکے۔ اس کا ایک بڑا سبب تو حالات کی ناسازگاری اور ناہمواری تھا اور دوسرا سبب مولانا کا کوچہ تحریر سے دور رہنا تھا۔ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی اور تیسرا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد ملک وملت کے جدید تقاضوں پر توجہ نہ دی اس کی وجہ تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ تھا کہ آپ نے ساری توانائیوں اور یکسوئی سے اس مسئلہ کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا۔ اگر وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے مطابق سیاسی کام کرتے تو وہ ملک کی اہم ترین شخصیات ہی میں شمار نہ ہوتے بلکہ عالم اسلام کی ایک اہم شخصیت ہوتے۔ تاہم ختم نبوت کے مسئلہ پر انہوں نے عملی طور پر جو کچھ کر دکھایا وہ بھی اس قدر اہم اور وقیع ہے کہ ان کی شخصیت کو "بیس بڑے مسلمان" کی جلد دوم میں صف اول میں جگہ دینا پڑی۔ یہاں ضمناً یہ احساس بیان کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک اور بڑی شخصیت نے ان محاذوں پر کام کیا جو کہ جدید دور کے تقاضوں کو بہت زیادہ سمجھتی تھی لیکن اس کی "انانیت" نے ملک وملت کو نقصان بھی بہت پہنچایا، تاہم جو کام کیا وہ بھی غیر اہم نہیں۔ ضلع جالندھر کے اس مختصر تعارف کے ساتھ اس کا حدود اربعہ بھی جان لیجئے اس کے جنوب مشرق میں فیروز پور، جنوب میں لدھیانہ، مغرب میں امرتسر اور شمال میں ہوشیار پور اور گورداسپور تھے۔ پنجاب کے پانچ ڈویژن تھے۔ دوآبہ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو یہ دریائے ستلج اور بیاس کے درمیان تھا۔ جالندھر بھی ڈویژن تھا اس علاقے کو دوآبہ بست جالندھر کہتے تھے۔ اب اس کے بعد ہم مولانا کے سوانح کی طرف آتے ہیں۔

مولانا کا خاندان: مولانا کے والد ماجد کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے تین لڑکے عبد اللہ، اسماعیل، زینب اور صدر الدین پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد علی تھا۔ پہلی بیوی سے جس لڑکے کا نام صدر الدین تھا وہ جب رائے پور گجراں میں پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تو اساتذہ نے پہلے علی محمد اور بعد میں نام محمد علی رکھا اور یوں صدر الدین، محمد علی کے نام سے پڑھنے لگا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام عائشہؓ تھا جو آپ کو تین ماہ کا چھوڑ کر انتقال کر گئیں۔ میں نے مولانا سے ان کی تقریروں میں "ماں کی ممتا" کے بہت قصے سنے لیکن افسوس کہ خود مولانا کو اس ممتا کا پیار اور شفقت نہ ملی اور اکثر دلگیر انداز میں بیان فرماتے کہ "کاش میں بھی اپنی والدہ کی شفقت ومحبت دیکھتا" پھر شاید یاد نہ رہے یہیں بیان کردوں۔ مولانا سے جامعہ رشیدیہ منٹگمری حال ساہیوال میں ایک تقریر سنی جس میں ماں کی ممتا اور شفقت کا بیان تھا۔ جن لوگوں نے مولانا کو تقریر کرتے دیکھا ہے انہیں ہی پتہ ہے کہ مولانا جب کوئی حکایت یا واقعہ اپنے خاص اور مخصوص پنجابی لہجے میں بیان فرماتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید اس سے بہتر واقعہ نگاری ممکن نہ ہو۔ سامعین شدت تاثر سے کروٹیں بدلنے لگتے تھے اور خود مولانا بھی اس وقت مجسمہ تاثر ہوتے۔ بعض ایسے ساکت ہو کر لمبی گردن کر کے بیٹھ جاتے گویا کوئی مجسمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ:۔

"جمنا میں ایک کشتی گرداب میں پھنس کر الٹ گئی۔ لوگ کشتی سے دریا میں گر گئے کنارے پر کھڑے لوگوں نے رسے پھینکے ایک عورت نے ایک بازو سے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے رسے کو پکڑا۔ لوگ کھینچنے لگے جس بازو میں بچہ تھا وہ تھک گیا اور بچہ چھوٹ گیا ادھر بازو سے بچہ چھوٹا اُدھر والدہ نے ہاتھ سے رسہ چھوڑ دیا"

اس تقریر کو سنے تقریباً پینتیس برس کا عرصہ گزر گیا لیکن اپنے اور سامعین کے تاثر کو اب تک سامنے دیکھ رہا ہوں کہ مولانا کا انداز بیان ایسا تھا کہ تمام مجمع ہچکیاں لینے لگا اور انداز بیان اس مولانا محمد علی کا تھا کہ جس نے اپنی ماں کا پیار نہیں دیکھا تھا، لیکن اگر ماں کا پیار نہیں دیکھا تھا تو صاحب اولاد تو تھے اور ہر صاحبِ اولاد، اولاد کا غم اور محبت سمجھ سکتا ہے، گو مولانا نے اپنی والدہ ماجدہ کا پیار نہ دیکھا لیکن عالم دین اور حساس انسان ہونے کے ناتے ماں کے پیار کو سمجھ اور بیان کر سکتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن بچوں کے والدین یا دونوں میں سے ایک بالکل بچپن میں فوت ہو جائے تو وہ بچے یا تو حد درجہ آوارہ ہو جاتے ہیں یا پھر حد درجہ محنتی اور جفاکش بن کر اپنی آئندہ زندگی میں نام پیدا کرتے ہیں۔ یہاں دوسری صورت پیش آئی۔

والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آپ کی رضاعت خاندان کی ایک دوسری عورت عظیمہ نامی نے اپنے ذمہ لی جو بعد میں بیوہ ہو گئیں اور آپ کے والد نے ان سے عقد کر لیا۔ اس طرح وہ مستقبل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر جان وقف کرنے والے مجاہد کی رضاعی والدہ بنی۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے شروع کی اور شاید قرآن مجید ناظرہ یاد کیا۔ کچھ بڑے ہوئے تو والد ماجد نے مدرسہ رشیدیہ (صابریہ) رائے پور گوجراں کی شہرت سن کر آپ کو وہاں داخل کرا دیا۔ مدرسہ رشیدیہ کا ذکر حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے تذکرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ جس زمانے میں آپ وہاں داخل ہوئے ان دنوں وہاں حضرت مولانا فضل احمدؒ مہتمم اور حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صدر مدرس تھے۔ (راقم الحروف سن ۴۳-۴۴ میں وہاں داخل ہوا تو اول الذکر ہی مہتمم تھے۔ مفتی صاحب امامت کراتے تھے گو تقریباً نابینا (دھوپ چھاؤں کا پتہ چلتا تھا) ہو چکے تھے لیکن دو تین سبق پڑھاتے تھے۔ البتہ مہتمم صاحب کوئی سبق نہیں پڑھاتے تھے۔

مولانا محمد علی جالندھری بھی دوسرے طلبہ کی طرح قریب کے دیہات سے اپنی باری پر روٹیاں مانگ کر لاتے تھے۔ ان دنوں کا پتہ نہیں۔ میرے زمانہ طالب علمی میں قریبی دیہات مخشم پور، سنگووال، رائے پور، آدر مان اور بجھیلہ سے روٹیاں لائی جاتی تھیں اور دال مدرسہ میں پکتی تھی۔ جس طالب علم کی باری ہوتی وہ ٹوکری اٹھا کر پورے گاؤں سے جس جس گھر سے روٹی لینا ہوتی لے کر ٹوکری میں ڈالتا رہتا اور جب سارے گھر پورے ہو جاتے تو واپس مدرسہ آتا۔ دال عموماً چنوں یا پھر مسور کی ہوتی۔ گوشت سال میں کبھی کبھار پکتا۔ میرے زمانے میں تقریباً سوا صد تا ڈیڑھ صد طالب علم اقامتی تھے۔ روٹیاں گندم، مکئی اور باجرے کی ہوتیں۔ ہمارا گاؤں رائے پور سے تین میل دور تھا ہم تو روز صبح جاتے اور شام واپس آجاتے اور دوپہر کی روٹی اپنے گھر سے لے جاتے تاہم کئی دفعہ اقامتی طلبہ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ چنوں اور مسور کی دال میں اتنا مزا اور لذت تھی کہ بڑے ریسٹورنٹوں کے کھانے میں بھی وہ لذت کہاں۔

مولانا کا گاؤں یکو پور، رائے پور گوجراں سے پندرہ سولہ میل دور تھا۔ آپ کبھی لوہیاں سے نکودر گاڑی پر آتے اور وہاں سے مہت پور یکہ پر اور وہاں سے تین میل پیدل چل کر براستہ شمائل پور مدرسہ پہنچتے۔ کئی بار گاؤں سے مدرسہ میں پیدل ہی آتے اور واپس پیدل ہی جاتے اور جو تھوڑا بہت کرایہ بچتا اسے اپنے دوستوں پر خرچ کرتے یا مدرسہ میں داخل کرادیتے۔ ان دنوں یہ کرایہ آنوں کے حساب سے ہوگا لیکن ان دنوں آنے بھی کسے ملتے تھے۔ ہمارا اپنا حال ۴۲، ۴۳ میں یہ تھا کہ ہفتہ ہفتہ خرچ کو ایک آنہ بھی نہ ملتا تھا۔

استاد کی والد کو نصیحت: آپ چونکہ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا ایک دفعہ آپ کے والد صاحب گھر سے گھی اور دیگر کچھ اشیائے خوردنی "السی یا نشاستہ کی پنیاں" اپنے بیٹے کے لئے لائے تو مفتی فقیر اللہؒ نے چودھری ابراہیم سے کہا کہ چودھری صاحب اگر بیٹے کو اس طرح سے کھلانا پلانا ہے تو اس کے لئے بہتر جگہ گھر ہے، یہاں تو اسے وہی کھانا چاہیے جو دوسرے کھاتے ہیں اور اس کے بعد چودھری صاحب نے کبھی اس قسم کا خیال نہ کیا اور میں نے مولانا سے سنا کہ ہم بعض دفعہ کئی کئی دن کی باسی روٹی کھاتے، اس کو توڑتے تو اس میں سے ایک تار سی نکلتی اور ہم آپس میں مقابلہ کیا کرتے کہ کس کی تار لمبی ہے یہ بات موجودہ دور کے طلباء کے لئے بطور عبرت بیان کرتے کہ تم ان دنوں اتنا عمدہ کھاتے، بجلی اور پنکھوں کے نیچے پڑھتے ہو اور آئندہ شاید مدارس میں ائیر کنڈیشن بھی لگ جائیں ہم نے ایسی حالت میں پڑھا اور اساتذہ کی خدمت کی ہے کہ تم اس کا تصور نہیں کرسکتے۔

میرے زمانے میں جو دال پکتی تھی اس میں گھی کا بگھار نہیں لگتا تھا البتہ گاؤں سے جو روٹیاں آتی تھیں وہ دن کو گھی سے چپڑی ہوتیں اور رات کو سوکھی۔ گو یہ بات آج عجیب لگتی ہے کہ مانگ کر روٹی لائی جائے اور پڑھا جائے لیکن ان مدارس کے طلبہ اور آج کل مدارس کے طلبہ کا موازنہ کیا جائے تو ان میں خود داری، حمیت اور غیرت دینی زیادہ تھی۔ آج کل وہ بات نہیں ہے۔

مولانا محمد علی جالندھری "چھوٹے" کے نام سے مشہور تھے اور آپ مفتی فقیر اللہؒ کے گھر میں رہا کرتے۔ آپ استاد کے گھر کا کام کرتے۔ ان کا آٹا دوسرے گاؤں سے پسوا کرلاتے اور ایسی خدمت کرتے جو کتابوں میں اسلاف کے متعلق پڑھتے ہیں۔ آج کل اس کی مثال کم بہت ہی کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم تو ہے لیکن اس کی برکت اٹھ گئی ہے۔

حضرت مولانا خیر محمدؒ کے حالات میں گذرا کہ وہ رائے پور گوجراں کے قریب ایک گاؤں عمروال بلہ کلاں کے تھے انہوں نے فراغت تعلیم کے بعد اپنے گاؤں ہی میں ایک مدرسہ کھول لیا لیکن رائے پور کے قرب وجوار میں کسی مدرسہ کا چلنا، از بس دشوار تھا اور حضرت مولانا، غزنوی خاندان کے ایک مدرسہ منڈی صادق گنج میں ضلع بہاول نگر میں تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے غزنوی خاندان کا یہ مدرسہ مسلکاً اہل حدیث تھا۔ آپ رائے پور سے محمد علی کو ساتھ لے آئے اس طرح مولانا محمد علی نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے موقوف علیہ تک تمام وسطانی کتب پڑھیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب معقولی زیادہ تھے لہٰذا قدرتی اور فطری طور پر مولانا محمد علی بھی اپنے استاد کے رنگ میں رنگے گئے اور اپنی بعد کی عمر میں منقولی باتوں کو ایسے معقول انداز میں بیان کرتے کہ دل میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ رہتی۔

منڈی صادق گنج میں وسطانی کتب پڑھ لیں تو آپ کے والد ماجد آپ کو دورہ حدیث کی تکمیل کے لئے دہلی مولانا نذیر حسین دہلوی کے مدرسہ میں داخل کرانے کے لئے لے گئے۔ حنفی مدارس میں سب سے بڑے مدرسے مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند تھے اور اہل حدیث کا سب سے بڑا مدرسہ مولانا نذیر حسینؒ کا تھا گو وہ طلبہ کی تعداد میں دیوبند کے برابر نہ تھا لیکن اس کی شہرت خاصی تھی۔ مولانا

کے والد ماجد کو مولانا نذیر حسین کے مدرسہ کا نظام تعلیم اور ماحول پسند نہ آیا کہ وہ رائے پور کا ماحول دیکھ چلے تھے اور دہلی اگرچہ دارالحکومت تھا۔ یہاں وہ بات نہ پائی تو پھر اپنے بیٹے کو لے کر دارالعلوم دیوبند کے قصبے میں پہنچے وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک خاص قسم کی سکینت اور روحانیت محسوس کی پانچ نمازیں پڑھیں اور طلبہ کو سر پر ٹوپیاں لئے اور عمامے باندھے دیکھا، یہ ماحول پسند آگیا اور اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کرادیا۔

اساتذہ دیوبند: دیوبند میں ان دنوں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، میاں سید اصغر حسینؒ اور مولانا رسول خانؒ جیسے جلیل القدر علماء مدرس تھے اور قدرت نے ایک ذہین وفطین طالب علم کو اپنے وقت کے غزالی ورازی اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت و توفیق بخشی۔ یہ اساتذہ کرام جہاں علمی طور پر اس دور میں اپنی مثال آپ تھے وہاں عملی طور پر بھی پیغمبر ﷺ کی پیروی میں نمونہ عمل تھے ان کے حالات مختلف کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں (۱)۔

فراغت، تکمیل درسِ نظامی اور مقصد زندگی: یوں آپ نے پنجاب کے سب سے متقی اور پرہیز گار انسان حضرت مفتی فقیر اللہؒ (۲) سے کتب شروع کرکے تکمیل تعلیم اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث (علامہ انور شاہ کشمیریؒ) سے کی۔ آپ تکمیل تعلیم کے بعد جب واپس آنے لگے تو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی زیارت اور دعا کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! میرے والدین اور رشتہ دار سلفی المسلک ہیں دعا کریں کہ میرے لئے مشکلات پیدا نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: مولوی صاحب یہ فکر کی بات نہیں۔ فکر اس بات کی کریں کہ غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوّت کا پرچار پنجاب میں کس طرح ختم ہو۔ اگر میری نصیحت مانو تو اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوّت کی حفاظت کے لئے وقف کردینا"---------- آپ نے یہ بات سن کر اسی وقت اپنی زندگی کا مشن مقرر کرلیا کہ مرزائیت کی تردید میں اپنی زندگی بتادوں گا---------- اور جب گھر آئے تو ایک شادی میں شریک ہونا پڑا جہاں کچھ مرزائی بھی مدعو تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب بعد از نماز عشاء مسئلہ ختم نبوّت پر گفتگو کریں گے۔ آپ کو اس سے پریشانی ہوئی کہ آپ کا اس موضوع پر ابھی اتنا مطالعہ نہ تھا اور مرزائیوں کا ہر فرد بچپن ہی سے بحث ومباحثہ کا عادی ہوتا ہے بلکہ ان کو باقاعدہ اس کی تربیت دی جاتی ہے۔ اگر آپ انکار کرتے ہیں تو پھر برادری میں مرزائیوں کا اثر ورسوخ بڑھ جاتا لیکن بات چیت کرنے میں خطرہ ہے کہ کہیں کسی بات میں مات نہ کھاجائیں۔ مولانا نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد کرتے ہوئے بات چیت کرنے کا وعدہ کرلیا۔

مرزائیوں نے اپنے دعوے میں قرآن پاک کی آیات پڑھنا شروع کردیں جب انہوں نے پہلی آیت پڑھی تو آپ نے جواب دینے کی بجائے فوراً منطقی انداز میں سوال کیا کہ قرآن پاک کی اس آیت سے کونسی دلالت مراد ہے؟ کیونکہ مفسرین اور فقہاء کرام نے دلالت کے چار مراتب رکھے ہیں اور وہ نص کی تقسیم پر ہیں۔ یعنی دلالۃ النص۔ عبارۃ النص۔ اقتضاء النص اور اشارۃ النص۔ تم اس آیت سے کون سی دلالت مراد لیتے ہو مجھے بتاؤ کہ میں کس طریقے سے اور کونسی دلالۃ کے مطابق اس کے مطالب ومعانی آپ کو سمجھاؤں یہ باتیں ان کے فرشتے جانیں وہ

---

(۱) مثلاً "بیس بڑے مسلمان" اور "بیس مردانِ حق" ہی میں ایسے لوگوں کا اور کتب کا ذکر ہے۔ (۲) میں نے اپنی زندگی میں مفتی فقیر اللہؒ سے زیادہ متقی انسان نہیں دیکھا۔ کتاب وسنت کے ایسے عامل اور زہد وتقویٰ میں ایسے کہ میں نے ان کا مثیل نہیں دیکھا۔ (ارشد)

لاجواب ہوگئے اور مولانا بضد ہوگئے کہ بتاؤ کیا جواب ہے؟ بس اتنی سی بات پر وہ کھسک گئے۔

مولانا بہت ذہین اور حاضر جواب تھے۔ ویسے تو عام علم کے متعلق بھی دانا لوگ یہ کہتے ہیں کہ "یک تولہ علم رادہ من عقل باید" کہ ایک تولہ علم کے لئے دس من عقل چاہیے۔ لیکن مناظر کے لئے بطور خاص عقل حاضر جوابی اور الزامی جواب میں مہارت تامہ حاصل ہونا چاہیے۔ اوپر کے واقعہ میں مولا کریم کے فضل کے بعد جو خداداد ذہانت اور حاضر جوابی کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے پہلے ہی مرحلے پر مرزائیوں کو لاجواب کردیا۔ یہیں مولانا کی حاضر جوابی اور الزامی جواب کا ایک اور واقعہ پیش ہے کہ ایک مرزائی بنام اللہ دتہ (مرزائیوں کا مشہور مناظر) مولانا سے مناظرہ کر رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں اس نے ایک نہایت ہی بے ربط اور احمقانہ سوال کردیا کہ مولوی صاحب آپ نے پہلی بیوی کو طلاق کیوں دی تھی؟ آپ نے فوراً کہا کہ اس کا جواب تو میں بعد میں دوں گا تم پہلے یہ بتاؤ کہ ایسا بھی کوئی آدمی ہے کہ جو تمہارے گھر میں اس وقت چلا جاتا ہے جب تم گھر سے باہر نکلتے ہو۔ اس پر مرزائی مناظر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ بعد میں مولانا سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اس سے یہ کیا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جیسا سوال تھا ویسا ہی میں نے کردیا ورنہ اس کے سوال کا مناظرہ سے کیا تعلق؟ لوگ اس پر ہنسیں گے کبھی یک رکنی یا دو رکنی ٹربیونل میں وکلاء کی جرح یا ججوں کے سوالات اپنے ذہنوں میں مستحضر کرلیں یا منیر انکوائری رپورٹ پڑھ لیں شاید پڑھے لوگوں نے ان دنوں کے اخبارات میں عدالت کارروائی پڑھی ہوگی عدالتوں میں عجیب جرح ہوتی ہے کہ جس کا نفس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جرح کرنے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ مجروح کا پیر اکھڑ جائے اور کئی تو دعویٰ سے دست بردار اور عدالت کا بائیکاٹ کردیتے ہیں حالانکہ خود ہی درخواست دے کر ٹربیونل مقرر کراتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی وصیت اور پھر گھر آتے ہی جس صورت حال سے آپ کو دوچار ہونا پڑا اس نے اس وصیت پر مہمیز کا کام اور عہد وعزم کیا کہ پوری زندگی مرزائیت کا تعاقب کروں گا تاکہ وہ بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں نہ پھنسا سکیں۔ آئندہ پوری زندگی پھر آپ نے اسی عہد کو وفا کرنے میں بسر کردی اور وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے۔ تحفظ ختم نبوت میں پوری عمر نہ صرف بتادی بلکہ ایک ایسا ادارہ امیر شریعت کی سرپرستی میں قائم کردیا جس سے آج ساری دنیا متعارف ہے۔

گاؤں میں مدرسی: تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے اس کو پڑھایا جائے تاکہ علم کا استحضار رہے اور جس زمانہ کی یہ بات ہے اس زمانہ میں اکثر علماء کرام فراغت کے بعد تدریس کا مشغلہ اختیار کرتے تھے اور آج کل بھی ذہین علماء پہلے اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور پہلے زمانے کے لوگ عالم باعمل ہونے میں بہت شہرت رکھتے تھے اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند پر تو ایک طویل دور ایسا گزرا ہے کہ جب پڑھنے اور پڑھانے والے سبھی نہایت متقی بلکہ ولی ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کے علماء کا وقت جہاں جہاں گذرا وہاں وہاں صلاح وخیر کے چشمے پھوٹے.............. مولانا فارغ التحصیل ہونے کے بعد ضلع جالندھر کے ایک گاؤں وجوہہ خورد کے دینی مدرسہ میں صدر مدرس ہوگئے۔ ۱۹۲۷،۲۶ء دو سال یہاں دل جمعی کے ساتھ پڑھایا۔ مدرسہ کے نظم ونسق پر توجہ دی اور ساتھ ساتھ وعظ وتبلیغ کے سلسلے میں مختلف جگہ تشریف لے جاتے اور احیائے سُنن اور ردّ بدعات میں بہت دلنشین پیرائے میں تقریر کرتے اور یوں تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی دور ونزدیک شہرت ہوگئی اور آپ ایک اچھے مدرس، عمدہ منتظم اور اعلیٰ مقرر کے طور پر پہچانے جانے لگے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ سلطان پور لودھی: اب بہت جگہ سے آپ کی طلب ہونے لگی کہ آپ ہمارے مدرسہ میں تشریف لائیں لیکن سلطان پور (۱) لودھی کے احباب کا اصرار واخلاص غالب آیا اور آپ ۱۹۲۷ء کے آخر میں وہاں تشریف لے گئے۔ اس علاقہ میں آکر آپ کی شہرت مزید بڑھی اب آپ ضلع جالندھر کے معروف استاد اور نامور مبلغ تھے۔ تحصیل کپور تھلہ (۲) ضلع جالندھر کا ضمیمہ سمجھی جاتی تھی۔

مدرسہ فیض محمدی جالندھر: آپ کے محترم اور مکرم اساتذہ وشیوخ حضرت منشی رحمت علی جالندھری (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) حضرت مولانا فضل احمدؒ اور حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ جالندھر شہر کے ایک مدرسہ فیض محمدی کی انتظامیہ کے سرپرست، مہتمم اور وقیع ممبر (علی الترتیب) تھے۔ ان کے حکم وارشاد پر حضرت مولانا خیر محمدؒ فیض محمدی میں آکر مدرس بن چکے تھے۔ اب سب حضرات کا بشمول حضرت مولانا خیر محمد صاحب یہ تقاضا ہوا کہ مولانا محمد علی صاحب بھی قصبہ سے ڈویژن کے صدر مقام پر آکر اپنی صلاحیتوں سے شہریوں اور طلبہ کو مستفید فرمائیں چنانچہ ہونہار شاگرد اپنے اساتذہ اور مربیوں کے حکم پر اپنے استاد حضرت مولانا کے ساتھ مدرسہ فیض محمدی میں کام کرنے لگے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب بالآخر صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب تک پہنچے اور مولانا محمد علی صاحب بڑی کتابوں کے مدرس اور مدرسہ کے مبلغ مقرر ہوئے اور استاد شاگرد کا یہ ساتھ کارکنان قضاوقدر کو ایسا پسند آیا کہ پھر ساری عمر ہی نہیں بلکہ ابد الآباد تک کا ساتھ ہوگیا۔ مولانا محمد علی جالندھری نے قیام پاکستان سے قبل ملتان قیام فرمایا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قیام پاکستان کے بعد اپنے عظیم وعزیز رفیق کی خواہش واصرار پر ملتان تشریف لے آئے اور کبار شیوخ کے مستقل مستقر میں برسہا برس دینی خدمات سرانجام دیتے ہوئے دونوں یکے بعد دیگرے وفات پا کر ایک ہی جگہ تا قیامت استراحت فرما ہیں۔ تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

مدرسہ خیر المدارس: مدرسہ فیض محمدی میں حضرت مولانا خیر محمدؒ کے ساتھ آپ نہایت مستقل مزاجی سے کام کرتے رہے۔ آپ دونوں کا تعلق استاد شاگرد کا تھا لیکن اس سے زیادہ محب اور محبوب کا تھا۔ دونوں حضرات کی محنت سے مدرسہ نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی تو مدرسہ فیض محمدی کے حاسد پیدا ہوگئے، جس پر ہر دو حضرات اور مدرسہ کے ایک قابل استاد مولانا احمد بخش تینوں نے ایک نئے مدرسہ، مدرسہ عربی خیر المدارس کی بناڈالی اور مدرسہ فیض محمدی بند ہوگیا۔ یہ جنوری ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ مدرسہ خیر المدارس کا اجراء

---

(۱) سلطان پور لودھی ریاست کپور تھلہ کا ایک قصبہ تھا۔ بچپن ہی سے اس کی شہرت اور نام سنتے آئے ہیں لیکن اس کی اصل شہرت مستری محمد صدیق کی وجہ سے ہوئی کہ جو "الہلال" کے دور میں مولانا ابوالکلام آزاد کے عاشق ہوگئے اور مرتے دم تک انہوں نے اپنے آپ کو "حزب اللہ کا ایک فرد سمجھا۔ یاد رہے کہ مولانا نے ایک جماعت "حزب اللہ" بنائی تھی جس کی ان دنوں بہت شہرت ہوئی۔ آج کل برصغیر میں مولانا کی نقل کرتے ہوئے بہت لوگ اس طرح کا کام کررہے ہیں۔ مستری محمد صدیق کو میں نے دیکھا ہے ان دنوں وہ ایک چادر بطور تہ بند باندھتے اور ایک اوپر لپیٹے اور مشہور حدیث کے مطابق انہوں نے سندھ میں بکریاں پال کر اپنا گزارا شروع کیا تھا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "جب دین پر عمل کرنا دشوار ہوجائے تو ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں چلا جائے اور بکریاں پال کر گذارا کرے اور اپنا ایمان بچائے۔ (۲) کپور تھلہ چھوٹی سی ریاست تھی اس کے راجہ نے کپور تھلہ میں بہت خوبصورت مسجد بنائی تھی لوگ بیس بیس پچیس پچیس میل سے جمعۃ الوداع سائیکلوں پر پڑھنے جایا کرتے اور عام دنوں اس کو دیکھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔

۱ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱، مارچ ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ بازار اٹاری کی مسجد عالمگیری میں خیر المدارس کا افتتاح ہوا۔ اس مدرسہ کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ہی مدرسہ کا نام تجویز فرمایا۔ اس مدرسہ کی تفصیل ذکر حضرت مولانا خیر محمدؒ کے حالات میں گزر چکی (۱)۔ اس مدرسہ کی جالندھر ہی میں دو شاخیں بن گئیں کہ عالمگیری مسجد، مدرسہ کی وسعت کے سامنے تنگ نظر آنے لگی۔ چنانچہ لاڈووالی روڈ پر جالندھر کے ایک مخیر بزرگ کی عطا کردہ زمین پر مدرسہ کی وسیع بنیاد پڑی۔ جہاں ۱۹۴۷ء تک مدرسہ خیر المدارس کام کرتا رہا۔ مدرسہ فیض محمدی ہی سے دورہ حدیث شروع ہو گیا۔ یہاں بھی رہا۔ مولانا محمد علیؒ مدرسہ میں پڑھایا بھی کرتے اور علاقے میں تبلیغ اور مدرسہ کی سفارت بھی کرتے۔ آپ کے ذمہ وسطانی کتب تھیں۔ کتاب مجاہد ملت سے ہی ڈاکٹر نور محمد غفاری کی روایت ہے:۔

"مولانا عبد اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ (متوفی ۲۷، رمضان ۱۴۰۵، ۱۷، جون ۱۹۸۵) کہ حافظہ اور علمی استعداد کی یہ کیفیت تھی کہ عدیم الفرصتی کے سبب درس سے تقریباً دس منٹ قبل کتاب کھول کر دیکھ لیتے اور پڑھانا شروع کر دیتے۔ ہمارے سوالات کا جواب اس طرح مدلل اور برجستہ دیتے کہ گویا انہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے کن کن سوالات کا جواب دینا ہے اور اس کی تیاری کر کے آئے ہیں"۔

مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا جس میں برصغیر کے تمام نامور خطباء وعلماء شریک ہوتے اور میرے علم ومطالعہ کے مطابق انجمن حمایت اسلام لاہور اور مدرسہ عربی خیر المدارس کے سالانہ جلسے مقرر حضرات کے انتخاب میں ملکی شہرت رکھتے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں ہر مکتبہ فکر کے علماء وخطباء شریک ہوتے تھے۔ جبکہ خیر المدارس میں دیوبندی مکتبہ فکر کے مثلاً حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوریؒ اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ایسے حضرات ہر سال سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے اور سٹیج سیکرٹری ہمیشہ حضرت مولانا محمد علی صاحب ہوتے۔ چند برسوں بعد آپ مدرسہ خیر المدارس سے مستعفی ہو کر ملتان آگئے تاہم سالانہ جلسہ میں سٹیج سیکرٹری آپ ہی ہوتے۔ ملتان سے آپ بطور خاص ایک ہفتہ کے لئے جالندھر تشریف لاتے اور سالانہ جلسہ کے انتظام وانصرام میں مشغول ومصروف ہو جاتے۔ ایک آدھ نشست میں خود بھی کسی موضوع پر خطاب فرماتے۔ مدارس کے سالانہ جلسوں کا مقصد تبلیغ اور اپنے معاونین کے ساتھ رابطہ ہوتا۔ آپ ان دونوں کاموں کو باحسن طریق نبھاتے اور مدرسہ خیر المدارس کے ساتھ آپ کا تعلق اتنا گہرا اور مضبوط تھا کہ آپ اس کے تاحیات مبصر ونگران رہے اور جیسا کہ گزرا آپ بعد وفات بھی اسی کے ایک گوشہ میں آرام فرما ہیں۔

مجلس احرار اسلام میں شمولیت: مولانا محمد علیؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم رائے پور میں حاصل کی تھی اس مدرسہ کے بانیان واساتذہ سبھی درویش، سادہ دل مخلص اور بہت نیک نیت افراد تھے۔ ایک دور افتادہ گاؤں میں شہروں کی چکا چوند سے دور کتاب وسنت کی علمی وعملی زندگی کی تصویر تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ میں یہاں اپنی اس کوتاہی اور مجرمانہ غفلت

---

(۱) پنجاب کے سابق گورنر میاں محمد اظہر صاحب کے والد میاں فضل محمد مدرسہ خیر المدارس کے جالندھر میں بڑے معاونین سے تھے۔ یہاں لاہور میں جامعہ فضلیہ جامع مسجد فضلیہ اور ایک ہسپتال میں بہت بڑا ہال کمرہ بنا کر دیا۔ (ارشد)

اقرار کرتا ہوں کہ مجھے بچپن میں اکابر سے تعلق رہا یہ تجسس نہ کیا کہ مدرسہ کا کب اجراء ہوا۔ حالانکہ حضرت مولانا فضل احمدؒ مہتمم، حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صدر مدرس و مفتیؒ اور حضرت مولانا عبد العزیزؒ صاحبزادہ حضرت حافظ محمد صالح خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سات آٹھ برس کی عمر سے شناسائی ہو گئی تھی اور تقریباً ۱۹۲۳ء میں رائے پور میں داخل ہو کر قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بزرگوں کے پاس بیٹھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا لیکن اس وقت سے لے کر آج تک یہ کھود کرید کبھی نہیں کہ کہ آپ حضرات نے کب تعلیم کا آغاز کیا۔ مدرسہ کا اجراء کب اور کن حالات میں ہوا کہ سارے بزرگ ایک ایک کر کے سامنے فوت ہو گئے۔

ہر ایک کے انتقال کے بعد خیال ہوتا کہ کاش ان بزرگ سے کچھ پوچھ کر یادداشتیں لکھ لی ہوتیں لیکن جو زندہ تھے ان سے پھر بھی کچھ استفادہ نہ کیا۔ اس طویل دراز نفسی سے اب کچھ حاصل نہیں ہے۔ یہ بچپن سے سنتا آرہا ہوں کہ تحریک ریشمی رومال میں جب علماء کی دارو گیر شروع ہوئی تو حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری نور محل تحصیل پھلور ضلع جالندہر اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ راہوں تحصیل نواں شہر ضلع جالندہر میں نظر بند کئے گئے تو ان دنوں رائے پوری حضرات نور محل میں حضرت مولانا غلام محمد دین پوری کو ملا کرتے تھے۔ نور محل رائے پور سے پانچ چھ میل ہو گا۔

حضرت مفتی فقیر اللہؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد تھے۔ اس لحاظ سے انگریز سے نفرت اور استخلاص وطن کا جذبہ ان میں فزوں تر ہو گا اور یہی نسبت مولانا محمد علی جالندہری میں بھی منتقل ہوئی۔ لیکن دیر تک حضرت مولانا خیر محمدؒ کے ساتھ کام کرنے کے ساتھ یہ نسبت تدریس کی طرف رہی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کام کرنے کا انداز کچھ اور تھا لیکن جالندہر شہر میں رہتے ہوئے مجلس احرار اسلام کے جلسوں میں آتے جاتے تھے اور احرار کے صدر مرکزیہ (رئیس الاحرار) بھی رائے پور کے پڑھے ہوئے تھے۔ شہید گنج کے بعد ایک جلسہ جالندہر میں درہم برہم کر دیا گیا۔ اس پر مولانا حبیب الرحمٰنؒ، مولانا محمد علی سے ملے اور ان سے اپنے خاص انداز میں جالندہر میں احرار میں کام کرنے کو کہا۔ مولانا محمد علی اور مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں مولانا محمد علی نے باقاعدہ مجلس احرار میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ مولانا چونکہ جالندہر میں رہتے تھے اور تھے بھی جالندہری، لہٰذا ان کی شخصیت کا جالندہر میں اثر تھا مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے ایک جلسہ میں مولانا جالندہری (یکوپوری) کی جماعت میں شمولیت کا مسرت افزا الفاظ میں اعلان کر دیا اور مولانا کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا (۱) گو اس سے قبل جب آپ کپور تھلہ میں بحیثیت مدرس کام

---

(۱) علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی زندگی تک علامہ صاحب ان حضرات کے سرپرست رہے لیکن ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملنے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھانہ بھون گئے اور یہ غالباً سر سکندر حیات کے زمانہ کی بات ہے کہ جب امیر شریعت پر شدید قسم کا مقدمہ چلا سزا پھانسی بھی ہو سکتی تھی۔ یہ قصہ میں نے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے ایک رات میاں چنوں سنا کہ ایک دفعہ میں تھانہ بھون سے واپس آیا تو بخاری صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے تھانہ بھون چلنا ہے میں نے عذر کیا کہ حضرت کا ضابطہ ہے کہ ان کے منتسبین اطلاع دے کر آئیں۔ بات طویل ہے مختصر یہ کہ دونوں حضرات تھانہ بھون حاضر ہوئے، طویل نشست ہوئی۔ حضرت تھانوی نے پچیس روپے چندہ برائے مجلس احرار اسلام دیا اور فرمایا اگر پچیس سال کے بعد زندہ رہا تو پھر سہی۔ آخر میں کہا کہ رابطہ رکھیں لیکن فرمایا کہ ہم سب ایک ہی کام کر رہے ہیں لیکن طریقہ جدا جدا ہے۔ آپ جب خط لکھیں تو اس مرموز نام سے لکھیں اور میں اس مرموز نام سے جواب دوں گا۔ میں نے اسی رات ڈائری میں پوری بات لکھ لی۔ کاش ایسے ہی روزانہ ڈائری لکھا کرتا تو آج بیش بہا ذخیرہ میرے پاس ہوتا۔ (ارشد)

کررہے تھے اس وقت بھی آپ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ ریاستی حدود میں سیاسی کام کرنا بہت جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے مگر آپ نے کمال حکمت عملی سے اس ریاست میں کام کیا۔ گو آپ کو دھمکیاں دی گئیں۔ لالچ بھی دیا گیا مگر جس شخص نے دارالعلوم دیوبند اور رائے پور کی چٹائیوں پر درویش صفت اکابر سے پڑھا تھا وہ ان باتوں اور مکروفریب میں کب آسکتا تھا۔ مشہور ہے کہ جس نے دارالعلوم دیوبند میں ایک دن بھی گزارا وہ اسلام کا سچا داعی اور نڈر سپاہی بن جاتا تھا۔ آپ نے تو ان جگہوں پر برسہا برس پڑھا تھا۔ پھر کیسے دام وفریب میں آسکتے تھے اور انہی دنوں میں سیاسی کام کیا ہوا آپ کو کشاں کشاں مجلس احرار اسلام میں لے آیا۔ اب آپ مدرسہ عربی خیر المدارس کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ مجلس احرار میں بھی کام کیا کرتے اور جالندھر شہر اور ضلع جالندھر میں مجلس احرار اسلام کو متعارف کرایا۔

۱۹۳۵ء میں آپ مجلس احرار اسلام میں شریک ہوتے ہیں اور ۱۹۳۷/۳۶ء میں ہندوستان میں عام انتخابات ہوئے جس میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کا انتخاب ہوا۔ مجلس احرار اسلام نے اس انتخاب میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور میں شہید گنج مسجد، سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ اس سے قبل حالات یہ تھے کہ پورے پنجاب، یوپی کے بعض حصوں اور بمبئی میں احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ مغربی علاقہ میں (موجودہ پاکستان کا علاقہ) ہمیشہ سے زمیندار جاگیردار اور سرمایہ دار عوام کو بھول بھلیوں میں ڈال کر اپنا الو سیدھا کرتے رہے ہیں اور فرنگی استعمار کے گماشتے بعض سیاسی لیڈروں کو بھی حیلے بہانے اپنے ساتھ چلا لیتے ہیں۔ پنجاب سے انگریز کو پندرہ بیس روپے پر نوجوان ملتے تھے جو فوج میں بھرتی ہو کر انگریز کی حکومت کے استحکام کا پورے ایشیا اور اسلامی ممالک میں دفاع کرتے تھے۔ وہ یہ کب برداشت کرسکتے تھے کہ مجلس احرار اسلام جو غریبوں کی نمائندہ اور اپنے نام کے اعتبار سے اسم بامسمیٰ ہے وہ پنجاب کے انتخابات میں جیت کر وزارت بنائے۔ چنانچہ اس کے لئے مسجد شہید گنج کا ڈھونگ رچانے کا پلان تیار کیا گیا کہ شہید گنج کو گرا کر اس کا ملبہ احرار پر گرادیا جائے۔ اگر احرار کے لیڈر اس میں حصہ لیتے ہیں تو ان کو گرفتار کر کے سزا دلوائی جائے اور شہیدوں کے خون کو ان کے دامن پر لگادیا جائے۔ اگر علیحدہ رہتے ہیں تو پھر ان کو بدنام کردیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ پہلے مجلس احرار اسلام کا اس قضیہ میں حصہ لینے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں ارادہ تبدیل کرلیا (۱) اور اس میں اصل دماغ چودھری افضل حق مرحوم کا تھا کہ ہمیں بدنام ہونا قبول ہے سیاسی شکست قبول ہے لیکن یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ احرار کے سیکڑوں رضاکار اس میں بے مقصد مسٹر فضل حسین کے پھندے میں آکر شہید کرائے جائیں۔ اگر مقصد نیک ہو تو ٹھیک ہے لیکن جب مقصد محض احرار کو شکست دینا ہے تو ہم مسجد کو سیاسی اکھاڑہ نہیں بناسکتے۔ اس کی تفصیل کے لئے عینی گواہ میاں امیر الدین علامہ اقبال کے سمدھی کی "یاد ایام" میں شہید گنج کا واقعہ پڑھ لیا جائے یا پھر تفصیل کے لئے مرزا غلام نبی جانباز کی کتاب "تحریک مسجد شہید گنج" پڑھ لی جائے۔ ۱۷۶۲ء سے اس جگہ کا جھگڑا چل رہا تھا کئی دفعہ اس مسئلہ کو اٹھایا گیا لیکن دبادیا گیا۔ آخر پنجاب گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۷ء کو فیروز خاں نون کے دستخط سے یہ جگہ سکھوں کو دے دی گئی۔ فیروز خاں نون ان دنوں وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ تھے۔ جانباز مرزا کی کتاب کے صفحہ ۶ پر یہ اصل تحریر موجود ہے۔ بہر حال یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۵ میں جالندھر میں

---

(۱) قارئین حضرت مولانا احمد خان صاحب رحمہ اللہ کے حالات پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے بھی زعمائے مجلس احرار اسلام کو یہی مشورہ دیا تھا۔

مجلس احرار اسلام کے جلسے کو درہم برہم کیا گیا اور نہ احرار کا کوئی مقابل نہ تھا۔ اور یہی وجہ وہ دن ہیں جو مولانا حبیب الرحمٰن کو مجبور کرتے ہیں کہ جالندھر شہر سے ایک توانا شخص کو احرار میں لیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے بھی مشورہ کیا ہو۔ دونو مدرسہ رشیدیہ نکودر میں اکٹھے پڑھتے رہے تھے۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مجلس احرار اسلام کے تین چار ممبر پنجاب سے کامیاب ہوئے جبکہ ان کی وزارت عظمیٰ بننا تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ تحصیل نکودر کی سیٹ سے اس علاقے سے مہت پور کے ایک خان صاحب اسد اللہ خاں نے مقابلہ کیا جو آنریری مجسٹریٹ بھی تھے لیکن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عبد الرحمٰن نکودری اور مولانا محمد علی یکو پوری کی مساعی سے ارائیں برادری نے جو نکودر کی تحصیل میں اکثریت میں تھی۔ مولانا پیر محمد کے لڑکے میاں عبد الرب کو ووٹ دیا اور وہ احرار کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر ایم ایل اے (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) بن گئے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسمبلی میں جا کر علی گڑھ کے اس گریجوایٹ نے سر سکندر حیات کو اپنا ووٹ دے کر وزیر اعظم بنا دیا۔ (ان دنوں صوبے کے وزیر کو وزیر اعظم کہتے تھے)۔ آئندہ ممبر کیا بننا تھا۔ سول سروس پنجاب کے ملازم ہو گئے اور پنجاب میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدہ سے قیام پاکستان کے بعد ریٹائرڈ ہوئے۔

مولانا محمد علی یکو پوری رائے پور پڑھنے کی وجہ سے اس علاقے کے ایک ایک گاؤں سے واقف تھے۔ اس انتخاب نے نکودر کے ہر گاؤں میں مولوی محمد علی یکو پوری کے نام سے معروف کر دیا اور آپ اب بہترین مقرر تھے اور پورا پنجاب بلکہ یوپی بھی آپ کا ہدف تھا۔ ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں تو احقر کی عمر پانچ چھ سال تھی ان دنوں مولانا کی کوئی تقریر سننا یاد نہیں۔ دس بارہ سال کی عمر کے بعد تو پھر جتنی تقریریں مولانا کی سنیں۔ شاید ہی کسی کی سنی ہوں۔

گرفتاری اور سزا: یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ اور جرمن کی لڑائی لگ گئی۔ جسے جنگ عالم گیر کہتے ہیں۔ مجلس احرار اسلام نے فوجی بھرتی کے خلاف فیصلہ کیا۔ اس لئے کہ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء میں ہندوستان کے لاکھوں سپاہی پندرہ پندرہ روپے پر بھرتی ہو کر اسلامی ملکوں میں جا کر انگریزی فوجوں کے تحت لڑتے رہے اور مقامات مقدسہ پر گولیاں چلائیں لہٰذا مجلس احرار اسلام نے فیصلہ کیا کہ مجلس احرار اسلام فوجی بھرتی کی مخالفت کرے گی۔ کانگریس نے یہی قرار داد بعد میں پاس کی۔ مجلس احرار اسلام کے تمام رہنما گرفتار کرلئے گئے۔ مولانا محمد علی جالندھری بھی اس تحریک میں ایک تقریر کی بناء پر گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور تین سال کی سزا ہوئی۔ مولانا نے اس سزا کے دن جالندھر، گجرت اور امرتسر کی جیلوں میں گزارے۔

جیل اور بھائیوں کی وفات: آپ قید کاٹ رہے تھے کہ آپ کے بڑے بھائی چودھری محمد اسماعیل اور منجھلے بھائی چودھری احمد علی چھ گھنٹے کی مدت میں فوت ہو گئے۔ آپ کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی۔ حکومت کا منشا تھا کہ معافی مانگ کر مولانا رہا ہو جائیں مگر مولانا پیرول پر رہا ہوئے۔ جب گھر داخل ہوئے تو والد محترم اپنے بیٹوں کی جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے فوت ہو چکے تھے اور ان کا جنازہ تیار ہو رہا تھا۔ ایک شخص کے لئے دو بھائیوں کا چھ گھنٹے کے وقفے سے وفات پانے کے بعد والد محترم کی وفات پر جو حال ہو سکتا ہے وہ ہوا لیکن آپ

نے اس کو برداشت کیا۔ خیال تھا کہ مولانا معافی مانگ لیں گے مگر مولانا والد کا جنازہ پڑھ کر واپس جیل میں چلے گئے۔ آزادی کی منزلیں آسانی سے نہیں ملتیں۔ اس میں کوہ کنی اور دار ورسن کی آزمائش اور والدین، عزیز واقارب اور خاندان کے افراد کی اموات کی خبر جیل میں سننا پڑتی ہے۔ تمام احرار رہنماؤں کو اس طرح کے حادثات سے دوچار ہونا پڑا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور خطیب اسلام قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سبھی کو ایسے حالات پیش آئے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تو اپنی بیوی کی وفات کا قصہ بلکہ جیل جانے سے پہلے اپنی بیوی کا وجدانی طور پر محسوس کر کے بیوی کو زندہ جاوید کردیا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لانا اس کو "غبار خاطر" میں ایک خط میں ذکر اور دشمنوں اوز مخالفوں نے اس پر ایسا تاریخی کردار کیا کہ عبرت کا مقام ہے۔ مولانا آزاد کی بیوی کے جنازے پر اینٹیں اور پتھر برسائے گئے۔ مگر جو لوگ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو دنیا کے سامنے بطور مثال کرتے ہیں۔ وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ و عثمانؓ کی شہادت اور حضرت حسینؓ کی کربلا میں شہادت، امام ابو حنیفہ کا جیل میں فوت ہونا، امام مالکؒ کا ایک مسئلہ پر مار کھانا اور امام احمدؒ بن حنبل کے کوڑے کھانا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پنجے تڑوانا، شاہ اسماعیلؒ اور سید احمدؒ بریلوی کا بالاکوٹ میں اسلام کی سر بلندی کے لئے شہید ہونا۔ شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء و تلامذہ مولانا عزیر گل اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا مالٹا میں کم و بیش چار سال قید کاٹنا ایسی مثالیں ہیں کہ جو اسوۂ حسنہ ﷺ کے اتباع میں اور اسلام کی صدا بلند کرنے پر تھا۔ علماء حریت دار ورسن اور قید و بند ہمیشہ لازم و ملزوم رہے ہیں۔ اس کے لئے مجدد الف ثانیؒ کو گوالیار کے قلعہ میں تین سال محبوس رکھا گیا۔ یہ رسم نئی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانیت کو وحدانیت کی تعلیم دینے والے آخری پیغمبر و رسول ﷺ آئے تو آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؐ کے متعلق "اسوۂ حسنہ" کا لفظ قرآن پاک نے استعمال کیا اور ہر دور میں اسلام کے فرزندوں نے اس پر عمل کر کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کی۔ مولانا محمد علی جالندہری بھی اس سے گزرے اور جیسا کہ بیان ہوا اس دوران میں آپ کے دونوں بھائی اور والد فوت ہوئے۔ لیکن آپ نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کی آزادی کی خاطر اپنا سیاسی سفر جاری رکھا اور والد مرحوم کا جنازہ پڑھ کر پھر جیل چلے گئے۔

ملتان میں قیام: بچہ پیدا ہوتا ہے تو والدین اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق اس کا مستقبل بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی ایک اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دلاتے ہیں اور جس دور کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس میں دیہاتی عوام کا منتہائے نظر لڑکے کو پٹواری بنانا، گرداور بنانا وغیرہ ہوتا تھا۔ اگر دینی تقاضا ہوتا تو پھر دینی مدارس کی طرف نظر اٹھتی تھی۔ مولانا کے والد نے اپنے ہونہار بیٹے کو خود رائے پور اور دیوبند لے جا کر دینی تعلیم دلوائی۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک عالم دین اپنی علمی بساط کے مطابق کام کرتا ہے۔ ذہین اور فطین علماء کو یہ فکر ہوتی ہے کہ آموختہ بھولنے نہ پائے۔ لہٰذا وہ سب سے پہلے درس و تدریس کا کام شروع کر کے چراغ سے چراغ جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا فراغت کے فوراً بعد یہ کام شروع کر دیتے ہیں لیکن ذہن رسا کی وجہ سے ملکی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری اپنی تالیف حضرت مولانا محمد علی جالندہری میں رقم طراز ہیں کہ:۔

"میرے بزرگ حضرت مولانا طفیل احمد جالندھری مدظلہ اور حضرت مولانا عبد اللہؒ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ سے مالابدمنہ سے لے کر شرح وقایہ تک کتابیں پڑھیں۔ انداز تدریس انوکھا تھا جو کچھ پڑھاتے ذہن نشین کرا کر چھوڑتے۔ کچھ عرصہ تک منطق کی کتاب قطبی بھی پڑھاتے۔ مگر دیگر دینی سرگرمیوں کی وجہ سے مطالعہ کا وقت نہیں ملتا تھا تو مولانا خیر محمدؒ سے کہا "میں طلبہ کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا۔ یہ کتاب کسی اور مدرس کو دے دیں"۔

اس اقتباس سے پتہ چلا کہ مولانا میں تعمیر سیرت اصلاح معاشرہ اور رسم ورواج کے خلاف بھی شروع ہی سے کام کرنے لگے۔ جس کا آئندہ زندگی میں زیادہ ظہور ہوا اور یہ دیانتداری کی مثال ہے کہ اگر ایک کتاب کا حق ادا نہیں کرسکتے تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں--------- والدین کا اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کرنا اور پھر اولاد کا علم دین پڑھ کر اس پر عمل کرنا یہ تو طبعی اور تشریعی امور ہیں، لیکن اس کے ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی رہتی ہے جسے تکوینیات یا تکوینی امور کہنا مناسب ہوگا۔ ضلع ملتان اور اس کا گردو نواح گدی نشین پیروں اور سجادہ نشین امراء کا گڑھ تھا جو خود قلعہ نما حویلیوں اور کوٹھیوں میں رہتے اور بہاول پور و سندھ سے غریب مرید آکر ایسے غریب کہ جن کے تن پر کھدر کا ادھورا کرتہ اور شلوار یا چادر ہوتی۔ وہ ننگے پیر آنا ثواب سمجھتے گو ان کی غربت جوتا خریدنے کی ہمت بھی نہ رکھتی (۱)۔

قدرت کو منظور ہوا کہ اس علاقے میں ایسے شخص کو مستقل بسادیا جائے کہ جو غریبوں کا ہمدرد اور غمگسار ہو اور جو غریبوں میں اٹھنا بیٹھنا اور رہنا پسند کرتا ہو اور جس کے مزاج اور فطرت میں یہ ہو کہ سرمایہ داری (جیسی کہ ملتان و نواح میں تھی) انسانیت کے چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مئی ۱۹۴۱ میں مجلس احرار اسلام کا ملتان میں جلسہ ہوا۔ مولانا محمد علی صاحب نے اس میں ایسی دردانگیز اور مؤثر تقریر کی کہ احرار رضا کاروں اور ان کے مقامی زعماء نے یہ محسوس کیا کہ ایسے دردمند انسان اور غریبوں کے ہم نوا عالم دین کا یہاں ہونا اور رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ ملک برخوردار اور حافظ یار محمد نے علاقے کے تقاضے گنوا گنوا کر آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ ملتان کو اپنا مستقل مستقر بنالیں اور جب ضرورت ہو تبلیغ اور جماعتی کاموں کے لئے باہر تشریف لے جایا کریں لیکن آشیانہ یہاں بنائیں کہ دن بھر (چھ دن) جہاں مرضی پرواز کریں لیکن رات بسیرا یہاں ہو۔ ان اللہ کے مخلص بندوں نے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا اور مولانا کے شیخ ومربی حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے بھی درخواست کی۔ حضرت شیخ اس علاقے کے حالات سے واقف تھے، چنانچہ ان کا فیصلہ بھی یہی ہوا۔ اپنے امیر اور شیخ کے حکم کے بعد مولانا کو ملتان مستقل آنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ بظاہر یہ فیصلہ انسانوں کا تھا لیکن قدرت قیام پاکستان سے پہلے یہ انتظام کررہی تھی کہ جب پاکستان بن جائے، تمام شہر ہندوؤں سے خالی ہوجائے،

---

(۱) میں جن دنوں ملتان پڑھتا تھا ایک دن ملتان شہر کے اندر ایک "خانقاہ" کو دیکھنے گیا۔ سجادہ نشین ابھی بالاخانہ پر تھے اترنے کے وقت بیسیوں مرید سیڑھیوں کے ارد گرد جمع ہوگئے اور دائرے میں لے کر ان کو ان کے قیمتی قالین اور عمدہ تکیے لگے تخت پر بٹھایا۔ یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے اس وقت پیر صاحب کے پاس دو تین ٹیلی فون پڑے تھے۔ مرید دست بستہ کھڑے رہے اور پھر باری باری اپنے کھدر کے تہبند سے دھات کے روپے حسب استطاعت نکالتے۔ پیر صاحب کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے نذر تخت پوش پر رکھتے۔ پھر پاؤں کو ہاتھ لگاتے اور الٹے پاؤں واپس آتے۔ "گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے روشن"۔ آج بھی یہی حالت ہے۔

ہر طرف مسلمان ہی مسلمان ہوں گے اس وقت ایک دینی ادارے اور جامعہ کی ضرورت ہوگی جو مولانا کے استاد اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد پورا کریں گے اور جب یہ بساط بچھ جائے گی تو قیام پاکستان کے چند سال بعد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ایسا مخلص اور جان نثار خادم یہاں مستقل مستقر بنائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ پورا ملک شیخ الہند کی طرح اس کی قیادت میں چلے گا۔ میری مراد حضرت مفتی محمودؒ سے ہے۔ ویسے ملتان میں پہلے حضرت مدنیؒ کے دو بہت تابعدار شاگرد اور فرشتہ خصلت انسان موجود تھے، حضرت مولانا مفتی شفیع بھی ملتان میں موجود تھے کہ جن کے جامعہ قاسم العلوم کا سنگ بنیاد تقسیم سے قبل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۹۴۶ء میں رکھ چکے تھے۔ لیکن یہ تینوں بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا خدا بخش، حضرت مولانا مفتی عبد اللہؒ عوامی نہیں تھے۔ قدرت جو انتظام کر رہی تھی اس کو تمام دنیا نے دیکھا کہ پورا ملک پاکستان اس کی آماجگاہ بن گیا کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ملتان ہی تشریف لے آئے اور یوں ملتان کو ملک میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قارئین اس کی کچھ تفصیل خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمدؒ کے سوانح میں پڑھ چکے ہوں گے، کچھ اس مضمون میں اور بقایا حضرت مولانا مفتی محمود کے مضمون میں انشاء اللہ پڑھ لیں گے اور حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنے اساتذہ رائے پور سے لے کر دیوبند تک اور پھر جماعت مجلس احرار اسلام سے لے کر اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبد القادر سے ہی تربیت پائی تھی کہ سب سے بڑی بات "امتثال امر" حکم کا بجالانا ہے سو آپ نے اس پر عمل کیا۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا یہ تکوینی امر تھا جس کو قدرت سرانجام دے رہی تھی۔

مسجد سراجاں کی خطابت: ملتان میں آکر فیصلہ کیا گیا کہ کس مسجد میں آپ مستقل جمعہ پڑھائیں اور اس کے لئے حافظ یار محمد وغیرہ حضرات کے مشورے سے حسین آگاہی کے سرے پر مسجد سراجاں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اب حضرت مولانا نے اس مسجد کو مرکز بنا کر تبلیغ دین، ردِ فرقِ باطلہ خصوصاً ردِ مرزائیت کا مسلسل سلسلہ شروع کر دیا۔ یہاں اس امر کا ذکر مناسب ہوگا کہ جام پور کے ایک بڑے زمیندار جو دینی تڑپ رکھتے تھے اور اضلاع ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخاں میں رفض اور بدعت کے فروغ کو دیکھ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ انہوں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے سال میں ایک پورا مہینہ سال کے مختلف اوقات میں یا سال میں ایک ہی دفعہ پورے ماہ کے دن ان اضلاع کے لئے لے لئے تھے۔ "بیس بڑے مسلمان" میں اس زمیندار سردار احمد خاں پتافیؒ کا آخری نام ہے۔ جاگیر دار اور بڑے زمیندار جیپوں پر پیشہ ور واعظوں اور ذاکروں کو دور دراز علاقوں میں لے جاتے تھے۔ امیر شریعت ایسے علاقوں میں گرمیوں، سردیوں میں کبھی گھوڑے پر، کبھی بیل گاڑی پر اور کبھی پیدل میلوں چل کر تبلیغ دین کرتے تھے۔ ان دنوں ایک واعظ کا ان علاقوں میں اور ریاست بہاول پور میں طوطی بولتا تھا اس کا یہ شعر ہے!

چاچڑ شہر مدینہ دسدا، کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر دے وچ پیر فریدن، باطن دے وچ اللہ

اور ملتان بھرے جلسے میں مخدوم صدر دین شاہ صاحب کی موجودگی میں کہا تھا!

برائے چشم بینا از مدینہ بر سرِ ملتاں   بہ شکل "صدر دین" خود رحمۃ للعالمین آمد

اور بقول مولانا سید نور الحسن بخاریؒ

"محمد یار کی زبان میں بلا کا رس تھا، انتہائی سوز تھا وہ اپنے لحن اور جادو بیانی سے حاضرین کو مسحور کر دیتا تھا وہ منبر پر بیٹھ کر مولانا رومؒ کی مثنوی اور خواجہ غلام فریدؒ کا دیوان دردناک انداز رس بھری آواز اور دلفریب طرز و ترنم میں گاتا تو اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور چلتا دریا تھم جاتا" بیس بڑے مسلمان (۹۶۹)

اور مولانا سید نور الحسن بخاری ہی اس مضمون میں رقمطراز ہیں کہ اس سحر سامری کا طلسم امیر شریعت نے اپنی قوت ایمانی، جادو بیانی اور اعجاز لسانی اور قرآن و سنت کے نغموں سے کچل کر رکھ دیا۔۔۔۔ ایضاً (۹۷۰)

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ قدرت ملتان میں مرکزی شخصیتوں کو اکٹھا کرنے کا سامان کر رہی تھی ابتداء سردار احمد خاں پتافی سے کروائی اور بعد میں ہمارے ممدوح مولانا جالندہری جو بعد میں مجلس تحفظ ختم نبوت میں سرپرست اور حکم بردار کی حیثیت سے اکٹھے ہوئے قیام پاکستان کے بعد مولانا خیر محمدؒ کے آنے سے ملک بھر کے اکابر علماء ملتان تشریف لانے لگے۔

میں نے تقسیم کے بعد اپنی تعلیم کے دوران میں مسجد سراجاں میں جمعہ کا منظر دیکھا ہے۔ مولانا اپنی سیاست باہر چھوڑ آتے اور یہاں صرف تبلیغ اور ردِ مرزائیت ہوتی یا پھر کبھی رواجی مسائل پر بڑے مثبت انداز میں بلیغ اور مؤثر خطاب فرماتے۔ مولانا مسجد سراجاں کا جمعہ کبھی ناغہ نہ کرتے سال دو سال میں ایک آدھ شاید کبھی ناغہ ہوتا ہو ورنہ ایسا بھی نہیں ہوتا تھا (۱) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر نور محمد عقاری نے روداد مجلس ختم نبوت بابت سال ۱۳۹۱ھ صفحہ ۱۰ سے ایک اقتباس اپنی کتاب میں دیا ہے۔ آپ بھی پڑھیئے اور سر دھنیئے!

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنئے گا ‏ اگر کرتے کسی کو سنیئے گا تو دیر تلک سر دھنیئے گا

"ایک بار خطاب جمعہ کے لئے کہیں دور سے واپس آنا تھا۔ ریلوے اسٹیشن تک پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ گاڑی چل پڑی۔ بھاگ کر ڈنڈا مضبوطی سے تھام لیا مگر پاؤں کو پائیدان پر مضبوطی سے جما نہ سکے۔ پاؤں پھسل گیا اور دور تک گھسٹتے چلے گئے۔ سواریوں نے کھینچ کر گاڑی میں سوار کر لیا۔ مسافر کبھی اس وفا کے پتلے کا وجیہہ چہرہ جس پر شاہانہ جلال تھا۔ دیکھتے کبھی دونوں پاؤں سے رواں خون دیکھتے مگر اس سراپا اخلاص کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا "اللہ کا شکر ہے گاڑی مل گئی" جمعہ میں آنیوالوں کو تکلیف نہ ہو گی۔ وعدہ بھی پورا ہو جائے گا حتیٰ کہ ملتان کا ریلوے سٹیشن آگیا۔۔۔۔۔۔ مسافروں نے تعجب سے ایک دوسرے سے کہا "کوئی عالم دین معلوم ہوتا ہے" ایک محرم راز نے کہا "تم کیا جانو مولانا محمد علی جالندہری ہیں احرار کے لیڈر"۔ (صفحہ ۵۸)

دوبارہ درس و تدریس: پیشہ ور واعظ تو اپنی عمر وعظ و خطابت میں بتا دیتے ہیں۔ آج کہیں، کل کہیں۔ لیکن جماعت کے نظم و نسق کے پابند اور خلقِ خدا کی تعلم و تربیت پر مامور افراد یہ بھی کرتے ہیں اور ساتھ مدرسہ و جامعات کا کام کرتے ہیں۔ حضرت مولانا جب جالندہر سے ملتان گئے تھے تو ایک تو خیر المدارس میں وسطانی کتب پڑھاتے تھے اور دوسرے ملک کی آزادی، استخلاص وطن اور غرب لوگوں کو

---

(۱) خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر ضرور ناغہ ہوتا کہ اس کا اہتمام و انصرام حضرت مولانا کرتے تھے

کمیونزم والحاد سے بچانے کے لئے وعظ و تبلیغ کرتے تھے۔ اب ملتان میں جماعت کا کام بھی ہونے لگا۔ وعظ و تبلیغ کے لئے پورے پنجاب میں آنے جانے لگے لیکن یہ خلش رہی کہ قرآن پاک کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ فقہ وحدیث یعنی کتب کا بھی اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اس مسجد سراجاں میں "جامعہ محمدیہ حنفیہ" کا اجراء عمل میں لایا گیا۔ مولانا مفتی محمد شفیع (بانی و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان) مولانا عزیز الرحمٰن فاضل دیوبند تحصیلہ ضلع ہزارہ اور مولانا عبد الرحمٰن مظاہری چک نمبر ۵ بورے والا اور حفظ قرآن کے لئے مولانا قاری رحیم بخش مقرر و تعینات ہوئے۔ مولانا قاری رحیم بخش، حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ پانی پتی مہاجر مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا، قاری صاحب کو حضرت مولانا قاری فتح محمد سے پانی پت سے مانگ کر لائے۔ قاری صاحب ملتان تشریف لائے تو کم عمر تھے۔ دل اداس ہوجاتا۔ مولانا محمد علی ان کو مناتے، بہلاتے اور تسلی دیتے۔ حتیٰ کہ قاری صاحب کا دل ملتان میں ایسا لگا اور انہوں نے قرآن پاک کی وہ خدمت کی کہ آج پاکستان میں جہاں کہیں قرآن پاک کی تعلیم کا زیادہ شہرہ ہے وہاں کوئی نہ کوئی شاگرد قاری رحیم بخشؒ کا ہوگا اور خیر المدارس میں آنے لگے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے اور دونوں بزرگوں کے درمیان ان کی قبر ہے۔

تحریک پاکستان اور مجلس احرار اسلام: ۱۹۳۵ء سے پہلے پنجاب اور لاہور میں میاں سر فضل حسین کا طوطی بولتا تھا اور وہ آئندہ پنجاب میں اپنی وزارت کا تصور و خیال لئے بیٹھے تھے اور اس دنیاوی وجاہت کے لئے انہوں نے ڈلہوزی پلان بنا کر مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس پر گرایا تھا اور اس مسجد کے شہید ہونے یا کرانے پر میاں صاحب نے بیان دیا تھا کہ میں نے مجلس احرار اسلام کے لئے ایک ایسا گڑھا کھودا ہے کہ جس سے وہ قیامت تک کے لئے نہ نکل سکیں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مجلس احرار اسلام دوبارہ اس طرح نہ ابھر سکی لیکن اس کے قائدین وزعماء کا نام لینے والے اور ان پر فداء وقربان ہونے والے آج بھی لاکھوں ہیں لیکن فضل حسین کا نام بعض سیاسی کتب میں پایا جاتا ہے۔ میاں سر فضل حسین نے لاہور میں ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ مسٹر محمد علی جناح کو لاہور جلسہ کرنے کے لئے سوچنا پڑا۔ زعمائے احرار نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما اور کہا کہ ہمارے ہوتے ہوئے لاہور میں آپ کا جلسہ کامیاب ہوگا اور کسی کو جرأت تک نہ ہوگی کہ آپ کی طرف دیکھ سکے۔ سر فضل حسین دمہ کے مریض تھے ان کی خواہش پوری نہ ہوئی اور وہ عدم آباد کو سدھار گئے اور ان کی جگہ سر سکندر حیات خاں نے لی۔

انگریز کی ریشہ کاریوں پر فریب چالوں سے تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد کے شاندار مظاہرے کے بعد "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی سے ہندو مسلم میں نفرت پیدا ہوتی جارہی تھی اور کتنی ہی دیر سے ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے لئے مختلف لوگوں نے تجاویز پیش کی تھیں۔ انہی میں چودھری رحمت علی ہوشیار پوری کی ایک تحریک پاکستان تھی۔ جس سے ان دنوں بیزاری کا اظہار کیا گیا لیکن بعد میں علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں کچھ ایسے اشارے یا واضح باتیں کیں کہ جسے ہندو مسلم مسئلہ کا حل کہا گیا۔ مسٹر محمد علی جناح ہندوستانی سیاست سے بیزار ہو کر برطانیہ لندن رہائش کر چکے تھے لیکن حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ وہ واپس ہندوستان آگئے۔ اس سے پہلے انڈین نیشنل کانگریس لاہور راوی کنارے ایک اجلاس کر کے ہندوستانی کی مکمل آزادی کا ریزولیشن (قرارداد) پاس کر چکی تھی۔ اس

کو انٹرنیشنل اخبارات اور ہندوستانی ذرائع ابلاغ نے بہت شہرت دی۔ جبکہ اس سے پہلے بہت پہلے ۱۹۲۳ میں جمعیۃ علماء ہند کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا اعلان کیا کہ ہم اس سے کم پر راضی نہ ہوں گے۔ برطانیہ کی حکومت پریشان تھی کہ کیا کرے اس کے سامنے فقط ایک ہی حل تھا کہ ہندو مسلم فسادات کرائے جائیں اور جہاں تک ہوسکے آزادی کو دور سے دور رکھا جائے۔ لیکن اس ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے لئے مسلم لیگ نے ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس رکھا اور اس کی وسیع تشہیر کی گئی اور پھر ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک قرار داد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ!

"مشرق میں بنگال اور آسام اور مغرب میں پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ پر دو ریاستوں کا قیام عمل میں لایا جائے---------- پانچ چھ سال بعد دہلی میں دونوں علاقوں کو ملا کر ایک ہی ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۹۴۰ والی قرارداد میں پاکستان کا نام تک نہ تھا۔ لیکن چودھری رحمت علی اس سے پہلے اس لفظ کی تشہیر کر چکے تھے۔ لہٰذا ہندو پریس نے اس قرار داد کو پاکستان کا نام دیا۔ ہندوستان بھر کے مسلمان سرمایہ دار اور زمیندار یا انگریزوں سے ملنے والی جاگیروں کے مالک اور سر اور خان بہادر لقب پانے والے لوگ ہندو سرمایہ دار سے تنگ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ پاکستان میں عوام کی حیثیت تو کالانعام کی ہوگی ہمیں ہمیں ہوں گے لہٰذا دھڑا دھڑ مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے---------- مسلم لیگ کے کسی قائد یا صدر نے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ نعرہ نہیں لگایا تھا۔ یہ نعرہ خود بخود عوام کی زبانوں پر چڑھ گیا اور وہ مسلم لیگ جو ۱۹۳۷ کے انتخابات میں اپنے کم ممبر منتخب کرا سکی تھی اور اگر یو پی میں کچھ ممبر کامیاب ہوئے تھے تو وہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے اتحاد کی برکت تھی۔ لیکن اس نعرے نے عوام کو زبان دے دی اور ہر طرف یہ بحث ہونے لگی کہ پاکستان ناگزیر ہے اور اس کے بغیر ہندو مسلم مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ یہ نعرہ صرف مسلم لیگ کا تھا اور نیشنلسٹ جماعتیں جمعیۃ علماء ہند۔ مجلس احرار اسلام، سرحد کے خدائی خدمتگار اور دیگر دینی جماعتوں کے زعماء مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ ان لوگوں کا مسلم لیگ سے سیاسی اختلاف تھا جبکہ ماضی میں ان کے آپس میں مذاکرات اور اتحاد بھی ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا ایک گروہ نہیں بلکہ تکفیر کا مشغلہ اختیار کرنے والا گروہ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں بشمول مسلم لیگ اور ان کے قائدین کا نام لے کر ان کو کافر، مرتد، زندیق اور نہ جانے کیا کیا قرار دے چکا تھا۔ البتہ اس تکفیری گروہ سے ہٹ کر انہی سے ملتے جلتے، عقائد رکھنے والے کچھ لوگ مسلم لیگ کا ساتھ دے رہے تھے۔ مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی میں بھی اس پر بحث ہوئی اور چودھری افضل حق مرحوم نے اپنے بعض خطبات میں پاکستان کی حمایت کی لیکن تحریک کے شباب سے کئی سال قبل وہ وفات پاگئے اور مجلس احرار اسلام نے متفقہ طور پر پاکستان کی تحریک سے بوجوہ اختلاف کیا کہ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان سرمایہ داروں کی جنت ہوگی لیکن غریب کی اس میں کوئی آواز نہیں ہوگی اور وہ متحدہ ہندوستان کے قائل تھے۔ اس بارے میں ماضی میں مختلف کتابیں مع اپنے دلائل چھپ چکی ہیں۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ہمارے ملک میں اختلاف کو اختلاف نہیں بلکہ مخالفت سمجھا جاتا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل بھی اور اب بعد میں بھی ایسی دلآزار تحریریں شائع کی جاتیں ہیں کہ پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ ان کے ذہن ودماغ کو دیمک چاٹ گئی ہے یا اندھیرے میں تیر مار

رہے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابل مسلم لیگی زعماء اور قیادت واقتدار نے ۱۹۵۶ء تک ملک کا وہ حال کردیا کہ ایک طالع آزما جو ملک کا آئین بننے کے بعد صدر جمہوریہ بن گیا تھا جس کا نام اسکندر مرزا تھا اس نے مارشل لانافذ کردیا اور اپنے اس مقصد میں کہ ملک کا مطلق العنان سربراہ بن کر ملک کو ایران کے ساتھ کنفڈریشن بنادوں، کوشش کرنے لگا لیکن بدمستی اور جاہ پرستی میں یہ بھول گیا کہ مارشل لاء میں تو سارے اختیارات کمانڈر انچیف کو منتقل ہوجاتے ہیں۔ یہ ملک بنانے والی جماعت کی کرتوتوں کا انجام تھا۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (مختصر یہ کہ جمہوریت رخصت ہوگئی آئین ختم ہوگیا اور تقریباً ساڑھے دس سال تک مارشل رہا)

ڈسٹرکٹ کونسل کے انتخابات: اب مجھے صحیح سن یاد نہیں۔ بلدیات کے انتخابات میں ڈسٹرکٹ کونسل ضلع جالندھر کے انتخابات میں تحصیل نکودر سے ایک مسلمان سیٹ تھی۔ اس میں بھی اسد اللہ خاں یونیسٹ پارٹی کی جانب سے کھڑے ہوئے۔ ان کے مقابلہ میں نواں پنڈ کے چودھری سمیع اللہ کھڑے ہوئے جو ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کو ضرورت تھی کہ ان کی انتخابی مہم میں علماء بھی حصہ لیں۔ تحصیل نکودر کے ارائیوں نے حصہ لیا اور مولانا محمد علی صاحب نے اس انتخاب میں بھی ان کے حق میں جلسوں میں تقریریں کیں اور یوں کثرت سے چودھری سمیع اللہ کامیاب ہوئے۔ تقسیم کے بعد چودھری سمیع اللہ فیصل آباد میں آباد ہوئے۔ علماء سے ان کا تعلق مولانا محمد علی کی وجہ سے ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا عبد العزیز رائے پوری (نکودری) فیصل آباد آتے تھے ان سے ان کا تعلق رہا۔ مولانا محمد علی اس انتخاب کی وجہ سے علاقہ کے ایک ایک گاؤں سے مزید واقف ہوگئے اور تحصیل نکودر کے تمام لوگ مولانا محمد علی یکو پوری سے متعارف ہوگئے۔ ہماری تحصیل میں جب کبھی مولانا کا نام لیا جاتا تو ہر کوئی فوراً کہتا کہ کون محمد علی، یکوپور والے کو ملتان آگئے تھے لیکن اپنے آبائی علاقے سے ان کو بہت گہرا تعلق تھا اس کی ایک وجہ مدرسہ عربی خیر المدارس کے سالانہ جلسوں کی سٹیج سیکرٹری شپ بھی تھی کہ ہر سال آپ ہی پورے تین دن اس جلسہ کے سٹیج سیکرٹری ہوتے۔ ضلع جالندھر خصوصاً اور لدھیانہ، امرتسر، فیروز پور کا عموماً دیندار طبقہ اس جلسہ میں پہنچتا اور ہندوستان بھر کے جید اکابر علماء کی تقاریر سنتا۔

پھر جب خیر المدارس قیام پاکستان کے بعد ملتان آگیا تو بھی اس کے سالانہ جلسوں کے سٹیج سیکرٹری مولانا محمد علی ہی ہوتے۔ قید کے دوران یا پھر ان دنوں جب لوگوں نے آپ کے خلاف احرار ہونے کا شوشہ اڑا کر نفرت پھیلانے کی کوشش کی تو مولانا نے شاید ایک دو سال خود ہی یہ خدمت نہ کی ہو۔ ورنہ خیر المدارس اور آپ کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔ اس کا تفصیلی ذکر جب پاکستان کے بعد "مدرسہ خیر المدارس (اب جامعہ) ملتان آگیا" ۔ ان حالات میں آئے گا۔

۱۹۴۵/۱۹۴۶ کے انتخابات: کانگریس نے انگریز کے خلاف "کوئٹ انڈیا" انڈیا خالی کرو یا چھوڑدو کا نعرہ لگایا۔ ان دنوں جرمن اور انگریزوں کی لڑائی زوروں پر تھی۔ ادھر جاپان نے سنگاپور وغیرہ پر قبضہ کرکے کلکتہ پر بمباری شروع کردی تھی ان حالات میں کانگریس کے تمام لیڈر گرفتار کرلئے گئے۔ اتحادیوں کی فتح پر (اتحادی، امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس وغیرہ) چرچل جس نے جنگ جیتی تھی وہ انتخاب ہار گیا اور اس کی جگہ لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر ایٹلی برطانیہ کے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اب حالات اس نہج پر آچکے تھے کہ برطانیہ

کے لئے ہندوستان پر قبضہ رکھنا دشوار تھا۔ چنانچہ برطانیہ کی حکومت نے تمام کانگرس لیڈروں کو رہا کر کے مذاکرات کی داغ بیل ڈالی۔ ملک میں دو بڑی پارٹیاں میدان میں تھیں۔ ایک کانگریس دوسری مسلم لیگ جو پاکستان کے نعرہ کی بناء پر عوام میں مقبول ہو گئی تھی اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہندوستان خصوصاً پنجاب سندھ کے تمام وڈیرے زمیندار نواب قریشی گیلانی وغیرہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے کہ انہوں نے مستقبل کی بو سونگھ لی تھی کہ اب پاکستان بنے گا اور اس میں اقتدار ہمیں کو ملے گا لہٰذا اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے اور عوام اس نعرے سے مسحور تھے، کہ پاکستان کا مطلب کیا **لاالہ الا اللہ** نعرہ بڑا دلکش اور جاذب تھا اور ایک عام مسلمان کے لئے تو کلمہ سے زیادہ پیاری چیز کوئی نہیں جبکہ اس کے جذبات میں اشتعال پیدا کر دیا گیا ہو کہ ہندو تمہیں کھا جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا۔ ان مذاکرات میں جن کا ذکر اوپر ہوا دو ہی جماعتوں کو مذاکرات میں زیادہ نمائندگی دی گئی کہ صدر مسلم لیگ محمد علی جناح کا دعویٰ تھا کہ مسلمانوں کی واحدہ نمائندہ جماعت صرف مسلم لیگ ہے باقی مسلم جماعتیں کانگریس کی تابع مہمل ہیں۔ تاہم مذاکرات میں ان کے نقطہ نگاہ کو بھی سنا گیا۔ طے ہوا کہ ہندوستان میں مرکز اور صوبوں کے عام انتخابات کرادئے جائیں اور اس کی تیاری سبھی جماعتوں نے شروع کر دی۔ مجلس احرار اسلام چونکہ کسی زمانے میں پنجاب کی مقبول ترین جماعت تھی لہٰذا اس نے بھی پورے پنجاب اور یوپی کے بعض علاقوں میں اپنے نمائندے کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا۔ سرحد میں سرخپوشوں کا زور تھا وہاں انہوں نے پورے صوبے میں اپنے نمائندے کھڑے کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مولانا ملتان آنے کے بعد اب مولانا محمد علی جالندھری کے لاحقہ سے یاد کئے جاتے تھے۔ پورے صوبہ اور یوپی وغیرہ میں تو یکو پور مشہور نہیں تھا۔ تاہم تحصیل نکودر میں ابھی تک مولانا کو یکو پوری کے لاحقہ سے یاد کیا جاتا تھا۔

مرکز میں تو احرار نے کم حصہ لیا، لیکن صوبہ کی نشستوں پر اکثر جگہ اپنے نمائندے کھڑے کئے۔ تحصیل نکودر کے لئے کون نمائندہ ہو اس کا فیصلہ اگرچہ مجلس احرر نے کرنا تھا لیکن پہلے دو الیکشنوں میں نکودر کی ارائیں برادری نے احرار کے نمائندوں کو ووٹ دیا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ ارائیوں کی میٹنگ بلائی جائے۔ میری عمر اس وقت تیرہ سال کی ہو گی۔ مدرسہ عربیہ خلیلیہ نکودر ریلوے اسٹیشن کے پاس تھا اور اس کے مہتمم مولانا نیاز احمد صاحب کے مکان کے ساتھ ایک بڑے مکان میں۔ تحصیل نکودر کے نمائندہ ارائیں اکٹھے ہوئے تا کہ متفقہ طور پر کسی کا فیصلہ کیا جائے اور ایک ہی امیدوار یونیسٹ پارٹی کے "سدا بہار" امیدوار اسد اللہ خاں کا مقابلہ کرے۔ مجھے اس میٹنگ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے معززارکان کی شرکت کے علاوہ چار ارکان یا نمائندگان کا علم ہے کہ جنہوں نے اس مجلس کی بحث میں بھرپور حصہ لیا۔ ایک جوندے کے رائیں (نام یاد نہیں رہا) یہ جوندہ، چک مغلانی کے پاس ایک گاؤں تھا اور یہ صاحب غالباً برطانیہ سے آئے تھے۔ مولانا حکیم عبد الغنی گوہیروی، چودھری ولی محمد گوہیر ہرجیاں والے، رشتہ میں میرے پھوپھا، جو سندھ میں ٹھیکداری کا کام کرتے رہے تھے۔ لیکن دو تین سال سے کبھی پرجیاں اور کبھی ہمارے گاؤں ہری پور اپنے سسرال کی کوٹھی میں رہتے تھے اور چوتھے مولانا محمد علی جالندھری تھے۔ مجھے یاد ہے کہ چودھری ولی محمد گوہیر نے سورۃ کوثر پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ "کوثر" کا معنی مفسرین نے کثرت کیا ہے کہ ہم نے آپ کو کثرت عطا کی اور کثرت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ مولانا عبد الغنی گوہیر نے اس کا جواب دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ مفسرین نے اس کا ایک معنی یہ کیا ہے لیکن مسلمان تو اس وقت بہت تھوڑے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ کو خوشخبری دی گئی

کہ ہم نے آپ کو کوثر (حوض کوثر) عطا کیا یا مستقبل میں کثرت عطا کی، تبھی تو فرمارہے ہیں کہ تمہارا دشمن ہی دم کٹا ہوگا، یعنی اکیلا رہ جائے گا اور اس کوثر کے شکریہ میں آپ کو نماز اور قربانی کرنا چاہیے اور مجلس احرار اسلام کا ماضی اسلامی تعلیمات پر عمل اور قربانی کو پیش کرتا ہے اور مسلمان اس وقت اقلیت تھے۔ ہم ہندوستان میں اقلیت اور مجلس احرار چھوٹی جماعت اس کی مصداق ہے۔ گوہیر صاحب غلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ بات یاد رہی۔ دوسری یہ کہ مولانا محمد علی صاحب نے چودھری ولی محمد گوہیر کو بابو ولی محمد کہہ کر مخاطب کیا اس پر انہوں نے بڑی تُندی سے کہا کہ میں بابو نہیں ہوں مجھے بابو نہ کہو۔ پھر مولانا نے چودھری کہا تو اس پر بھی وہ بگڑے کہ میں چودھری بھی نہیں ہوں۔ مولانا نے غالباً پھر مسٹر کہا تھا تو اس پر بھی چیں بہ جبیں ہوئے۔ میں ان کو خوب جانتا تھا کہ اکثر گاؤں میں ان سے ملاقات رہتی تھی۔ اس پر پھر مولانا نے بھائی ولی محمد گوہیر کہہ کر مخاطب کیا اس پر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے علاوہ کچھ زیادہ یاد نہیں، ہاں! یہ یاد ہے کہ اس میں امیدوار تین سامنے آئے ایک تو وہ جوندے والے چودھری صاحب، دوسرے چودھری ولی محمد گوہیر اور تیسرے مولانا محمد علی جالندھری، جوندے والے صاحب تو دولت کے بل بوتے پر کھڑا ہونا چاہتے تھے اور اتنا زیادہ شاید تعلیم یافتہ بھی نہ تھے۔ لیکن ان کی تائید کرنے والے چند افراد تھے۔ چودھری ولی محمد گوہیر لٹریری آدمی تھے۔ میں نے ان کے پاس زمیندار، زمزم، نوائے وقت، کوثر تسنیم اکثر اخبارات ورسائل آتے دیکھے۔ لیکن علاقہ میں ان کی بھی کوئی خاص شناسائی نہ تھی البتہ ایک کام کی وجہ سے ان کی شہرت ہوئی تھی کہ انہوں نے دریائے ستلج پر بند باندھنے کی اپنی سی کوشش کی تھی اور علاقے کے لوگوں کو تحریک کی تھی کہ یہ دریا ہر سال خاصی زمین کو ڈھالا کر دریا برد کرلیتا تھا یا پھر پرجیاں اور ہری پور کے لوگ۔۔۔۔۔ لیکن مسلم لیگ کے چرچے اور ان کے بار بار مسلم لیگ کا نام لینے کی وجہ سے لوگ ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ ہوا کا رخ دیکھ کر پہلے صاحب تو تقریباً خاموش ہوگئے لیکن غالباً ابتدائی درخواست ضرور دی اور پھر گوہیر صاحب کے حق میں بیٹھ گئے اب اصل دو امیدوار میدان میں تھے کہ جن کے ساتھ علاقہ کے سربرآوردہ لوگ تھے گویا نصف نصف کہیے۔ کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا اور مجلس ختم ہوگئی۔ مجلس احرار اسلام چونکہ صوبے کے اکثر علاقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کررہی تھی اور ہماری تحصیل میں مولانا کی شہرت وعزت بھی تھی لہٰذا مجلس احرار اسلام نے آپ کو اپنا نمائندہ مقرر کرکے صوبائی الیکشن کا امیدوار بنایا۔ آپ غالباً ان دنوں صوبہ مجلس احرار کے صدر تھے۔ چودھری ولی محمد گوہیر کا اگرچہ ماضی میں کوئی مسلم لیگ میں کردار نہ تھا، لیکن مسلم لیگ نے پورے صوبہ میں تقریباً ہر سیٹ پر نمائندہ کھڑا کرنے کی تجویز منظور کی تھی، لہٰذا مسلم لیگ کا ٹکٹ گوہیر صاحب کو ملا۔

الیکشن الیکشن ہی ہوتا ہے اور اب تو اس نے بہت ترقی اور نمایاں حیثیت کرلی ہے لیکن اس وقت بھی کچھ کم شور اور ہنگامہ نہ تھا۔ دونوں جانب سے جلسے اور پمفلٹ واشتہار بازی زوروں پر رہی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے گاؤں میں ولی محمد گوہیر کا ایک چھوٹا سا تقریباً ۲۰×۳۰/۴ کا اشتہار لگا دیکھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ گھر نہ گھاٹ، رہائش کے لئے مکان ندارد اور چلے ہیں صوبائی اسمبلی اسمبلی کا الیکشن لڑنے۔ حالانکہ مولانا ایک نمبردار کے بیٹے تھے۔ ضلع رحیم یار خاں میں ان کی زمین تھی۔ پھر صوبہ کی مجلس کے صدر یا ناظم اعلیٰ تھے۔ مسلم لیگ کا یہ رویہ ہمیشہ رہا کہ غریبوں کا نام لیا لیکن اس کے خمیر میں امارت کی بو رہی۔ کہ اس کا خمیر نواب آف ڈھاکہ کے

مکان پر اٹھایا گیا تھا۔ اور ایک اشتہار تھا جس پر احراری کے عدد نکالے تھے کہ ۲۴۰۰ ہوتے ہیں اس پر کسی احرار کے من چلے نے مسلم لیگی کے اعداد نکالے کہ ۲۴۰۰ اور لکھا کہ الٹے چار سو بیس، اور گوہیر صاحب کا تو ایک اشتہار تھا جس میں لکھا تھا، شکل مومناں کرتوت کافراں۔ اس کے جواب میں آسکتا تھا کہ نام مسلم لیگی اور شکل تہذیب کافراں، میں نے ان کو اکثر کیا، ہمیشہ ہی سوٹڈ بوٹڈ دیکھا لیکن کسی نے ایسا نہ کیا نہ کہا، بہر حال خوب تو تکار چلی اور گوہیر صاحب نے ایک پمفلٹ لکھا۔ جس میں منشی امیر الدین، منشی رحمت علی دانیوالوی اور چودھری شاہ محمد ہیڈ ماسٹر مڈل سکول مہت پور کو مخاطب کیا گیا تھا اور چند سوالات کئے گئے تھے۔ یہ تینوں ہمارے علاقے کے متشرع دیندار اور بہت کم گو لیکن سمجھ دار استاد تھے۔ پہلے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے مرید تھے، دوسرے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مرید اور چوہدری شاہ محمد کا مجھے علم نہیں۔ منشی امیر الدین صاحب گزشتہ سال فوت ہوئے۔ آپ کے لڑکے ڈاکٹر حافظ عبد اللطیف ڈاکٹر اور بھائی چودھری محمد علی ایکسین ریٹائرڈ ہوئے۔ منشی رحمت علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانویؒ کے سمدھی اور حافظ زبیر احمد کے والد تھے۔ چونکہ اس علاقے میں دو چار گاؤں پورے کے پورے دیوبندی تھے۔ لہذا گوہیر صاحب کی کوششوں سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تشریف لائے۔ رائے پور کے قریبی گاؤں سنگووال بھی تشریف لائے لیکن یہ سارا گاؤں تقریباً احرار کا خاص تھا لہذا کہیں بھی تقریر نہ کر سکے۔ البتہ نکودر شہر میں، میں نے سر فیروز خان نون کی ایک رات تقریر سنی۔ خان صاحب نے سامعین سے کہا کہ مسلمانوں پڑھو درود شریف اور خود کلمہ پڑھا اور وہ بھی پتہ نہیں صحیح یا غلط۔ یہ روایت اکثر جگہ ان کی رپورٹ ہوئی ہے۔ اس جلسہ میں شانکر سے ایک جلوس آیا جو نعرے لگا رہا تھا۔ لے کے رہیں گے پاکستان، دینا پڑے گا پاکستان۔ پھر ایک نظم پڑھنے والے نے ایک نظم پڑھی جس کا ایک مصرع مجھے اب تک یاد ہے!

جب ہند میں حوریں ملتی ہیں تو جنت کی تمنا کون کرے

یہ مولانا ابوالکلام آزاد پر بہت تھی۔ مولانا محمد شریف (خیر اللہ پوری) جالندھری سابق ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت، احرار رضا کاروں کے ساتھ کھڑے تھے ان کی قیادت میں خاصہ شور ہوا لیکن پھر سکون ہو گیا۔ نکودر ایک دیہاتی شہر تھا۔ فیروز خاں نون کی تقریر اعداد و شمار کے ساتھ (اکیڈمک)۔ لیکن لوگوں نے سکون سے سنی۔

یونینسٹ پارٹی کے سدا بہار امیدوار اسد اللہ خاں آنریری مجسٹریٹ بھی کھڑے تھے اور اپنی مجسٹریٹی کے رعب میں تھے کوئی جلسہ نہیں کیا۔ ہر گاؤں میں ایک چودھری ان کا "خاص آدمی ہوتا تھا" ہمارے گاؤں میں چودھری علی محمد، گوہیر صاحب کے سسر (میرے دادا کے تایازاد بھائی) وہ بھی خاصان خان تھے لیکن اب اپنے داماد کی وجہ سے مجبور تھے۔ میرے ایک چچا چودھری علی محمد کے بھتیجے چودھری رحمت اللہ پکے احراری تھے لیکن گوہیر صاحب کی وجہ سے ان کی حمایت پر مجبور تھے۔ میرے والد کے تایازاد بھائی بابو فتح محمد کے لڑکے بھائی محمد مختار علی گڑھ میں پڑھتے تھے اور ان دنوں مسلم لیگ کے پروپیگنڈے کے لئے گاؤں آئے ہوئے تھے۔ ہم دونوں بھائی (بڑے بھائی حکیم حافظ محمد اسلم) چونکہ رائے پور کے طالب علم تھے لہذا رشتہ داری کے باوجود پکے احرار کے خادم تھے۔

اور ہم نے اس سلسلہ میں حضرت مفتی مولانا فقیر اللہ رائے پوریؒ کے صاحبزادے مولانا قاری محمد لطف اللہ صاحب کی تقریر کرائی اور الیکشن سے کچھ پہلے مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے چچا کو دعوت دی کہ وہ ہری پور آکر تقریر کریں لیکن ان دنوں اس قدر شدید بارشیں ہوئیں کہ الامان والحفیظ۔ مسلسل چھ سات دن بارش ہوتی رہی۔ ان دنوں آج کل کی طرح بڑے بڑے اشتہار چھپوا کر لگانے کا رواج شہروں میں ہوگا لیکن دیہات میں نہیں تھا۔ اگر پریس ہوگا تو جالندہر میں ہوگا۔ میرے علم میں نکودر کوئی پریس نہیں تھا۔ ہم نے فرداً فرداً قریبی دیہات میں جلسہ کی اطلاع کرادی اور ہاتھ سے لکھ کر قریبی دیہات کے اہم مقامات پر لگادئے۔ اتنی شدید بارش کے باوجود قریبی دیہات سے جلسے کے شوقین لوگ آئے لیکن مولانا مفتی محمد نعیم تشریف نہ لائے ان کا خیال ہوگا کہ ایسی قیامت خیز بارش میں کون آئے گا۔ البتہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اپنے آبائی گاؤں عمروال بلے آئے ہوئے تھے اور انہوں نے نواں پنڈ (شونقیاں) (۱) جانا تھا اور راستہ بھی عمرواں بلے سے نواں پنڈ کو ہری پور سے ہو کر جاتا تھا۔ حضرت مولانا نے مفتی محمد نعیم کا سنا تو قصداً گاؤں سے باہر سے جانے کی بجائے گاؤں ہری پور تشریف لائے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی۔ اس دن جمعہ کا دن تھا۔ حضرت مولانا نے جمعہ سے پہلے "واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین" پڑھ کر اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ حضرت مولانا چونکہ غیر سیاسی تھے گو مولانا محمد علی کے استاد تھے لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ بھی تھے اور ان کا رجحان مسلم لیگ کی طرف تھا۔ لہذا حضرت مولانا نے اشارۃً یا کنایۃً کوئی سیاسی بات نہ کی۔ ہمارے گاؤں میں جمعہ ہوتا تھا۔ حضرت مولانا گاؤں میں جمعہ کے قائل نہ تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نبی کریم ﷺ سے دیہات میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اب یہ علم نہیں کہ انہوں نے جمعہ کی جماعت میں شرکت نفل کی نیت سے کی اور بعد میں ظہر پڑھی۔ یاد نہیں اور نہ اس وقت اس طرح کے مسائل کا کوئی زیادہ شعور تھا کہ پوچھتے .... البتہ ایک بات کھٹکتی ہے کہ ان دنوں بھی اور آج بھی تمام دیہات میں جمعہ پڑھا جاتا ہے جو پکے حنفی یعنی دیوبندی ہیں، وہ تو نہیں پڑھتے لیکن عام لوگ پڑھ لیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو بریلوی حنفی کہلاتے ہیں اور کوئی ان کو روکتا نہیں، جبکہ اہلحدیث کے ہاں چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا چاہئے اور ان سے حنفی اس مسئلہ پر مناظرہ کرتے ہیں، لیکن اپنے لوگوں کو روکنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

جمعہ کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے نواں پنڈ جانا تھا۔ پیدل ہی اپنے گاؤں سے اتنی بارش میں (تقریباً تین میل سے) آئے تھے اور پیدل ہی نواں پنڈ کو تشریف لے گئے، میں اور بھائی جان حافظ محمد اسلم اور شاید دو چار اور افراد نواں پنڈ کی جانب خاصی دور تک میل چھوڑ کر آئے۔ یہ سارا راستہ ریتلا تھا۔

اسی سلسلے کا ایک اور واقعہ سنئے۔ مولانا قاری لطف اللہ صاحب بہت اچھے مقرر اور خطیب تھے۔ وہ ایک دفعہ انتخابات سے دو تین سال پہلے چک مغلانی (۲) تقریر کر آئے تھے۔ ہم دونو بھائی بھی اس تقریر میں موجود تھے۔ یہ تقریرات کو کرنل الٰہی بخش معالج بانی پاکستان

---

(۱) اس گاؤں کو "شونقیاں دا" کہتے تھے کہ شاید ہی کوئی گھر ہوگا کہ جہاں کا کوئی فرد افریقہ نہ گیا ہو اور مشہور تھا کہ وہاں کی عورتیں گوبر پھینکنے جاتی ہیں تو چھتری لے کر جاتی ہیں۔ یہ مبالغہ تھا شونقیاں دا بمعنی شوقیناں دا۔ (۲) راقم کا ننھیالی اور کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش کا گاؤں

مکان کے سامنے تکیہ یا میدان میں ہوئی تھی۔ چونکہ بہت اچھے خطیب اور مقرر تھے لہٰذا احرار نے ان کو کار کرائے پر لے کر دی ہوئی تھی کہ وہ گاؤں بہ گاؤں اور قصبات میں انتخابی تقاریر کریں۔ وہ اس خیال سے کہ میں پہلے چک مغلانی تقریر کر آیا ہوں۔ وہاں تقریر کرنے از خود ہی چلے گئے۔ یہ چک سارا تقریباً مسلم لیگی تھا۔ کسی نے تقریر کرانے یا سننے کی حامی نہ بھری بلکہ ان کی کار پر ہلکا پھلکا پتھراؤ کیا کہ انتخابات کے دنوں میں فضا انتہائی جذباتی ہوتی ہے۔

مولانا محمد علی جالندھری کے انتخاب کے سلسلے میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے تحصیل کے تین چار مقامات پر بہت اچھی تقریریں کیں۔ ان کے ساتھ ایک شاعر بھی ہوتا تھا جو انتخابی نظمیں پڑھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ کوٹ بادلخاں جو ہمارے قریب ایک قصبہ تھا وہاں قاضی صاحب تشریف لائے۔ یہاں چودھری محمد عبد اللہ (والد آصفی ورازی) بڑے کٹر احراری تھے اور بھی خاصے لوگ تھے۔ ہم بھی اس جلسے میں گئے۔ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی کے والد مولانا محمد علی جانباز ان دنوں کچھ تقریر بھی کیا کرتے لیکن زیادہ نظمیں پڑھتے۔ یہاں احرار کے شاعر نے جو نظم پڑھی اس کا پہلا مصرع تھا!ع

لڑنا لڑنا احرار نے الیکشن والا جنگ

اور ایک شعر تھا ہو سکتا ہے کہ مجھے صحیح یاد نہ ہو کہ عروض سے ناواقف ہوں

مسلم لیگیو تسیں شیش محل وچ بہہ کے کنکریاں نہ مارو

چکنا چُور محل ہو جاسی جدّو جا اک سنگ!!!

مجلس احرار اسلام کی جانب سے، مجلس کے تمام خطباء پورے صوبے میں جہاں جہاں احرار کے امیدوار کھڑے تھے انتخابی جلسوں میں گئے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ہمارے علاقے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے سنگووال، پرجیاں، اور شاہکوٹ کے عظیم اجتماعات سے خطاب کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی تقریر سننے کے لئے تو ہر کوئی آجاتا تھا کہ ان کی خطابت ہی ایسی تھی لہٰذا ان کے جلسے بہت بھرپور ہوئے کہ ایسے اور اتنے بڑے اب لاہور میں بھی کم ہی ہوتے ہیں دو تو میں نے دیکھے۔ سنگووال والا اور پرجیاں کلاں والا۔ سنگووال اور گردو نواح میں اسد اللہ خاں "سدا بہار امیدوار" کا اثرورسوخ تھا لہٰذا یہاں شاہ صاحب نے ساری تقریر اسد اللہ خاں کے متعلق ہی کی اور اس جلسے میں مشہور پنجابی کہاوت!

موتیاں دے لونگ والیے تیری ہر مسیا بدنامی

پڑھ کر بار بار اسد اللہ خاں کو مخاطب فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگوں پر اسد اللہ خاں کے آنریری مجسٹریٹ ہونے کا جو رعب ہے وہ زائل ہو۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسد اللہ خاں ان دنوں بھی آنریری مجسٹریٹ تھے یا نہیں یعنی ایسے شخص کو انتخاب میں کھڑے ہونے کی اجازت تھی یا نہیں۔ آنریری بمعنی اعزازی۔ ممکن ہے کہ ہو۔۔۔ شاہ صاحب واپسی پر مہت پور سے جب گزرے تو کار پر سنگ باری بھی ہوئی۔

دوسرا بڑا جلسہ پرجیاں کلاں میں تھا جو چودھری ولی محمد گوہیر کا گاؤں تھا۔ یہاں مجمع دیدنی تھا۔ حضرت مولانا محمد عبد اللہ رائے پوری، حضرت مفتی فقیر اللہؒ کے بڑے صاحبزادے، جالندھر خیر المدارس اور قیام پاکستان کے بعد جامعہ رشیدیہ ساہیوال، شیخ الحدیث اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے خصوصی شاگرد تھے، لیکن حضرت مولانا محمد علی کے شاگرد بھی تھے۔۔۔۔ اور کھل کر مجلس احرار اسلام کے ساتھ تھے۔ مولانا موصوف نے جمعہ پڑھایا کہ یہ گاؤں بہت بڑا تھا اور مجمع بھی ہزاروں کا تھا۔ جمعہ کے بعد تھوڑی تقریر مولانا محمد علی نے کی کہ چودھری ولی محمد گوہیر نے کھڑے ہو کر کوئی اعتراض کیا۔ ان کا گاؤں تھا اور وہ کاغذ پنسل لئے ایک کرسی پر ایک جانب بیٹھے تھے۔ میں بھی جمعہ پڑھنے کے بعد ان کے قریب آبیٹھا کہ اپنے رشتہ دار کی حرکات و سکنات دیکھوں اور چہرے کو پڑھوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان دنوں جلسے بہت امن و امان سے ہوتے تھے، لیکن یہ انتخابات کے دن تھے۔ لہذا ان کے اعتراض کرنے خصوصاً اس بات پر کہ وہ مقابلے میں امیدوار تھے اور اصل بظاہر مقابلہ انہی کے ساتھ تھا۔ کچھ شور سا ہوا۔ حضرت شاہ صاحب سکول کی عمارت میں تھے۔ شور سن کر فوراً کلہاڑی بدست نسواری رنگ کا تہمد پہنے ہوئے تشریف لائے اور آتے ہی مولانا کو ہٹا کر خطبہ پڑھ کر تقریر شروع کر دی۔ ان دنوں آپ کی صحت بہت اچھی تھی لہذا تقریر پورے جوش و خروش کے ساتھ کی اور پوری تقریر کے دوران کبھی کبھار نعرہ تکبیر، مجلس احرار اسلام زندہ باد اور امیر شریعت زندہ باد، مولانا محمد علی زندہ باد کا نعرہ لگا تو آپ نے اسے روک دیا اور اپنی کلہاڑی کو بلند کرتے ہوئے اس کے دو نو کناروں کو تمثیلاً مشرقی اور مغربی پاکستان قرار دیا اور درمیان کے لمبے ڈنڈے کو ہندوستان۔ اور کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہم چکی کے دو پاٹوں کی طرح ہوں گے اور ہندوستان کو پیس کر رکھ دیں گے۔ فرمایا کہ یہ تمہارا وہم اور گمان ہے ہمیں تو یہ خدشہ ہے کہ خدانخواستہ اگر قیام پاکستان کے بعد انڈیا سے جنگ ہوئی تو دو نو حصوں کا رابطہ ختم ہوجائے گا اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ ہم ہندوستان کے اندر دس میل چوڑا راستہ خشکی کے ذریعے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین لیں گے یا تو تم احمقوں کی جنت میں رہتے ہو یا پھر ہندو کو باؤلا سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں اتنا طویل راستہ دے گا، میں کہتا ہوں کہ اگر یہ راستہ بالفرض مل بھی گیا تو اس ڈیڑھ ہزار طویل راستے کے دو نو طرف تو انڈیا ہوگا اس راستے کی حفاظت کون کرے گا اور پھر کہا کہ پاکستان سرمایہ داروں کی جنت اور غریبوں کے لئے قید خانہ ہوگا جو لوگ آج مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ اس وقت کہاں تھے جب ۱۹۳۵ میں محمد علی جناح نے لاہور میں جلسہ کرنا چاہا تو کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ جلسہ کی صورت میں امن و امان کی ضمانت دیتا۔ یہ احرار رضاکار تھے کہ جنہوں نے محمد علی جناح (آپ کے آج کے قائد اعظم) کا جلسہ اپنی کلہاڑیوں کی حفاظت میں کرایا اور سر فضل حسین دیکھتا رہ گیا۔۔۔۔ آج جو لوگ سرمایہ دار پاکستان کی حمایت کرتے ہیں پاکستان بننے کے بعد یہ ملک ان کی عیاشیوں کا اڈہ ہوگا۔ بدمعاش دندناتے پھریں گے اور شریف کو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا اور پھر میں پوچھتا ہوں کہ تم مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے میں پاکستان بنالو گے لیکن ہندوستان میں رہنے والوں مسلمانوں کا پرسان حال کون ہوگا۔ بہر حال یہ بڑی مفصل تقریر تھی اور بخیر وعافیت ختم ہوئی اور عصر کے بعد لوگ گھروں کو روانہ ہوئے، بعد میں پتہ لگا کر مہت پور (اسد اللہ خاں مرحوم کے قصبہ) سے گزرتے ہوئے کار پر کچھ روڑے مارے گئے ان دنوں کلاشنکوف، موزر وغیرہ نہیں تھے۔

ادھر جو لوگ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی جو مسلم لیگ کے لئے جلسے اور پروپیگنڈا کرتے پھرتے تھے وہ جلسوں اور محفلوں میں یہ لکھتے تھے کہ پاکستان کی حیثیت مدینہ کی ہوگی۔ جس طرح مدینہ میں ہجرت فرما کر رسول اللہ ﷺ نے قوت مہیا فرما کر مکہ کو فتح کرلیا تھا اور پورا عرب مسلمان ہوگیا تھا پاکستان کے بعد ایسا ہی ہوگا۔ (کاش ایسا ہوتا) لیکن یہ نعرے تقریریں مسلمانوں کے لئے بہت خوش کن تھیں اور پاکستان کے مخالفوں کے بارے میں اتنا کہہ دینا خاصا بڑا اور مؤثر پروپیگنڈا تھا کہ یہ ہندوؤں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں۔

انتخابات پہلے قومی اسمبلی کے تھے اور بعد میں صوبائی اسمبلی کے۔ قومی اسمبلی کے ووٹر کی قابلیت بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا بڑا زمیندار اور شاید گریجوایٹ بی۔اے ہونا تھا جبکہ صوبائی اسمبلی کے ووٹر کو پرائمری پاس ہونا یا غالباً پانچ روپے مالیہ ادا کرنا تھا۔ قومی اسمبلی کے ووٹ پوری تحصیل میں شاید سو دو صد ہوں اور اس کا حلقہ انتخاب غالباً دو تین ضلع یا پورا ضلع تھا۔ ایک حلقے صوبائی میں دس بارہ ہزار زیادہ سے زیادہ ووٹ ہوں گے۔ یہ امیر لوگ غریب جماعت کے امیدواروں کو ووٹ کیوں دیتے تاہم ضلع جالندھر سے مجلس احرار اسلام کے قومی اسمبلی امیدوار غالباً عبد النبی تھے۔ ان کو چند ووٹ ملے۔ اور پورے ملک میں مسلم لیگ کو تقریباً ننانوے فیصد یا شاید اس سے بھی زیادہ نمائندگی ملی، گو مجموعی طور پر ووٹ اس تناسب سے نہیں ملے ووٹ کم ملے۔ ایک تو پاکستان کے نعرے کا اثر اور دوسرے قومی اسمبلی کے انتخابات کا اثر پڑتا تھا۔ صوبائی اسمبلی میں مجلس احرار اسلام کے شاید ایک امیدوار کامیاب ہوئے۔ تحصیل نکودر میں سب سے پہلا پولنگ سٹیشن موضع اوگی تھا جہاں کے مولانا محمد انوریؒ تھے۔

ہمارے ہاں قریبی پولنگ اسٹیشن "آدرمان" گاؤں تھا جو ہمارے گاؤں سے چار میل ہوگا۔ ہم نے بڑی محنت سے اپنے گاؤں سے تقریباً دو تہائی کی ووٹران سے پختہ وعدے لے لئے تھے۔ اور مولانا محمد شریف خیر اللہ پوری (جالندھری) کو (جو سارے حلقے میں مولانا کے سب سے معتمد اور پورے علاقے کے الیکشن انچارج تھے) کو کہہ دیا تھا کہ ہمارے ووٹروں کو لے جانے کے لئے موٹر (بس) بھیجی جائے ان دنوں کسی گاؤں میں موٹر کا آنا آج ہیلی کاپٹر آنے سے زیادہ اہم تھا۔ ممکن ہے ۱۹۳۶/۳۷ کے انتخابات میں بھی آئی ہو لیکن میری ہوش میں دوسری دفعہ آئی۔ ایک دفعہ میرے تایا خوشی محمد جو ولی محمد گوہیر کے برادر نسبتی تھے، کے انتقال پر ان کی میت کو دہلی سے لانے کہ ان کا انتقال دہلی ہسپتال میں ہوا اور ایک دفعہ اس الیکشن میں، سارے گاؤں کے بچے اکٹھے ہوگئے۔ بہر حال ہم نے ووٹروں کو اکٹھا کیا اور بس میں لے کر آدرمان گئے۔ وہاں پولنگ کا منظر قریب سے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا۔ کہ تینوں امیدواروں کا ایک ایک پولنگ ایجنٹ تھا۔ ووٹر پرچی پر انگوٹھا لگاتا یا دستخط کرتا۔ تمام پولنگ ایجنٹ اپنی اپنی فہرست سے اس کے نام پر نشان لگاتے اور ووٹر پرچی کو درمیان میں پڑے ہوئے صندوقچے میں ڈال آتا۔

اس پولنگ سٹیشن پر دیکھا کہ مولانا محمد علی جالندھری اور چودھری ولی محمد گوہیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے پھر رہے اور حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ان دنوں امیدواروں میں ایک دوسرے سے ذاتی رنجش نہ ہوتی تھی اور پھر ہمارے یہ دونو امیدوار ایک برادری کے اور پڑھے لکھے تھے لیکن لوگ حیران تھے کہ دیکھو ہم کو ایک دوسرے سے دور کردیا اور خود ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پھر رہے ہیں۔ واپسی پر غالباً ہم پیدل آئے۔ ان دنوں دس بارہ میل پیدل چلنا بھی آسان تھا اور ہمارا سفر چار پانچ میل کا تھا۔

قومی اسمبلی کے انتخابات کا اثر اور پاکستان کے نعرے کا اثر (جیسا کہ ذکر ہوا) مولانا سمیت مجلس کے تمام امیدوار سوائے ایک کے سارے ہار گئے اور "پاکستان زندہ باد" ہو گیا۔

حضرت مولانا خیر محمد کا ایک تبصرہ: میرے ایک مربی و مشفق مولانا غلام حیدر صاحب، حضرت مولانا خیر محمد کے شاگرد اور قریبی اور کسی زمانے میں لاہور مجلس احرار اسلام کے آفس سیکرٹری اور آخری عمر میں اسلام آباد مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا غلام حیدر نے کئی دفعہ یہ بات سنائی کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے مجھ سے ایک مجلس میں کہا کہ میرا خیال تھا کہ مولانا محمد علی ہارنے کے بعد کافی دنوں تک شرمندگی کی بنا پر نہیں آئیں گے۔ لیکن جس دن نتیجہ نکلا اس سے اگلے یا تیسرے دن اچانک آ گئے اور پہلے کی طرح مسکراتے ہنستے آ کر السلام علیکم کہا۔ خیر الاساتذہ حضرت مولانا چونکہ غیر سیاسی تھے لہذا ان کے نزدیک یہ عجیب بات تھی۔ صحیح سیاستدان تو وہ ہوتا ہے کہ جس کی طبیعت منفعل نہ ہو یعنی فوری طور پر کوئی تاثر لینے والا نہ ہو ورنہ وہ کامیاب سیاستدان نہیں بن سکتا اور بقول جواہر لال نہرو سیاست کے پہلو میں دل نہیں ہوتا۔ اس کا آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کل کے حریف آج کے حلیف اور آج کے حلیف کل کے حریف کچھ دنوں تک یہ چرچا رہا کہ مجلس احرار فلاں فلاں جگہوں سے پٹیشن کر رہی ہے اس میں ہمارا علاقہ بھی تھا لیکن یہ بھی اپنے سیاسی ورکروں کو شاید کچھ دلاسہ دینے کا بہانہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ بہت خاصی اکثریت سے ہر جگہ جیتی تھی۔ ہم اپنے گاؤں میں بحث کرتے تھے کہ مولانا علاقے سے تو ہار گئے لیکن چودھری ولی محمد گوہیر کے سسرال یعنی ہمارے گاؤں سے جیت گئے۔

اس الیکشن نے تقریباً پاکستان کا فیصلہ کر دیا اور مسلم لیگ صوبہ سرحد سے ہار گئی تھی۔ پنجاب میں جیتنے کے باوجود ملک خضر حیات ٹوانہ نے کانگریس سے مل کر وزارت عظمیٰ بنائی۔ یہ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر تھے۔ اس کی تفصیل غیر ضروری ہے کہ ذکر مولانا محمد علی صاحب کا ہو رہا ہے۔

بریلوی اور پاکستان: یہ الیکشن مارچ ۱۹۴۵/۴۶ء میں ہوئے۔ (قومی ۴۵ کے آخر میں، صوبائی ۴۶ کے شروع میں) یہاں ضمناً ایک بات لکھنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ بریلوی مکتبۂ فکر کے عمائدین مسلم لیگ اور پاکستان کے نہ صرف خلاف تھے بلکہ وہ اس بارے میں سخت ترین پمفلٹ شائع کر چکے تھے اور اس بارے میں ایک خاصی ضخیم کتاب تجانب اہل السنۃ معروف و مشہور ہے جو مولانا سید ابوالبرکات کے شاگرد خاص مولانا محمد طیب دانا پوری نے لکھی اور اس پر اکثر عمائدین فرقہ بریلویہ کے دستخط ہیں۔ ایک کتاب "مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری" ہے۔ دوسری کتاب "احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ"۔ دونوں کتابوں کا صرف ٹائیٹل لگایا جا رہا ہے۔

یایھا الذین امنوااتقو اللہ وکونوا مع الصدقین

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

الحمدللہ یہ مبارک فتویٰ جس میں مسلمانوں کے مصائب حاضرہ کے سچے صحیح اور بعونہ تعالیٰ یقیناً نافع وکامیاب علاج کا نفیس بیان اور بدمذہبوں بیدینوں کی معجون مرکب لیگ کے بطالتوں اور ہلاکتوں کا شرعی نقطہ نظر سے واضح تبیان ہے۔ مسمی بنام تاریخی

مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری

۱۳۵۸ھ

ملقب بلقب تاریخی

احکام شریعت برہمزبانی لیگ اہل بدعت

۱۹۳۹ء

فقیر حقیر اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی مارہری عفی عنہ خادم سجادہ، عالیہ، غوثیہ، برکاتیہ مارہرہ نے لکھا۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ

یہ مختصر رسالہ ہدایت قبالہ نافع عجالہ سنی مسلمانوں کو کفار ومشرکین ومبتدعین ومرتدین کی محبت ومواخات الفت وموالات سے بچانے والا "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کا سبق سکھانے والا کانگریس وکانگریسیہ پر اعتماد اون سے اتحاد کو بحکم شریعت حرام قطعی بتانے والا مسلم لیگ کے مقاصد اساسیہ اور اوس کی کارروائیوں میں جو شرعی خرابیاں ہیں اون کا روشن بیان سنانے والا سچی حقیقی کامیابی وترقی کا راستہ دکھانے والا مسلم لیگ کو اتباع مذہب اہل سنت واقتدائے احکام شریعت کی طرف بلانے والا

مسمیٰ بنام تاریخی

احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ

۱۳۵۸ھ

از رشحات قلم حق رقم شیر بیشۂ سنت ناصر الاسلام حضرت مولانا مولوی حافظ قاری مفتی مناظر ابوالفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خان قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی دام ظلہم العالی

حسب فرمائش

جماعت مبارکۂ اہل سنت، سرکار کلاں، مارہرۂ مطہرہ۔ ضلع ایٹہ

لیکن یہ جماعت آج کل کہہ رہی ہے کہ پاکستان تو بنایا ہی ہم نے ہے اور جماعت اسلامی بھی کہتی ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت یا اس سے اختلاف کب کیا۔ بریلوی حضرات اس بارے میں اپریل ۱۹۴۶ میں منعقدہ بنارس سنی کانفرنس کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس میں یہ قرار داد پاس ہوئی کہ اگر خدانخواستہ قائد اعظم بھی اور مسلم لیگ بھی پاکستان کے قیام کا نعرہ چھوڑ دے تو اس جھنڈے اور تحریک کو لے کر ہم اٹھیں گے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس میں قرارداد پاکستان پاس کرنے کے وقت مخالفین اور پورے زعمائے ہندوستان کو کافر دینے والوں نے اس کی بہت مخالفت کی لیکن پیر جماعت علی شاہ علی پوریؒ اور ان کے ساتھیوں اور بعض ان علمائے کہ جو پاکستان کے ہمنوا تھے۔۔۔۔۔۔ نے شور ڈال کر زبردستی کر کے یہ قرار داد منظور کرالی اس کے لئے دیکھئے کتاب "امیر ملت" سوانح پیر جماعت علی شاہ۔

اور پھر یہ تو اس وقت کی بات ہے کہ جب اندھوں کو بھی دکھائی دیتا تھا کہ پاکستان بن گیا اب تو سرکاری اعلان کی دیر ہے۔ اگر اسے نزع کا ایمان کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔۔۔ ان کے عمائدین نے کبھی بانیٔ پاکستان کا نام اچھے انداز میں نہیں لیا۔ بلکہ جیسا کہ گزرا تکفیر کی اور نہ صرف بانی پاکستان کی بلکہ ملک کی ہر جماعت اور اس کے اہم قائد کی تکفیر کی جو سیاست میں حصہ لیتا تھا۔

چھ سات خطباء اور بعض مشائخ نے اگر ساتھ دیا تو ان کا بریلوی مکتب فکر سے تعلق نہیں تھا بلکہ ان کے اکثر علمائے دیوبند کے شاگرد اور متعلق تھے اس کا کچھ تفصیلی ذکر مقدمہ کتاب میں گزر چکا ہے۔

بیعت اور سلوک: بیعت کا ذکر قرآن مجید میں ہے گو عورتوں کے متعلق ہے لیکن اگر اس کے عموم یا مفہوم کو لیا جائے تو یہ مردوں کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں ہے:۔

یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیأ ولایسرقن ولایزنین ولایقتلن اولادھن ولایاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولایعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ. ان اللہ غفور رحیم. (سورۃ الممتحنۃ)

اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان کو بیعت کر لے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں "تیری نافرمانی نہ کریں" کا ذکر ہے گویا نبی پاک ﷺ مستقل بالذات مطاع ہیں ورنہ یہ فرمایا جاتا کہ نافرمانی نہ کریں اللہ کی۔ یہاں ان لوگوں کا رد ہو گیا جو نبی ﷺ کی ذات کو مطاع نہیں مانتے۔ اب یہاں اس آیت میں کافرہ عورتوں کے متعلق نہیں فرمایا بلکہ مومن عورتوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو بیعت کرو اور ان کو ان ان چیزوں سے توبہ کراؤ اور ان کے لئے استغفار کرو ۔۔۔۔۔۔۔۔ تو بطور عبارۃ النص یا اشارۃ النص یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر مردوں (مسلمانوں) کو بیعت کیا جائے تو وہ اسی

آیت کے تحت داخل ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر جو لوگ ایمان لاتے تھے وہ ان تمام گناہوں سے بچتے اور ڈرتے ہیں کہ جن کے کرنے پر وعید آتی ہے۔ پھر یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کیمیا اثر سے ایک ہی صحبت میں ایمان لانے سے وہ لوگ صحابی بن جاتے تھے کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

"اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے"۔ اور ایک جگہ صحابہ کرامؓ کی بیعت جہاد کا ذکر ہے، جسے بیعت رضوان یا بیعت شجرہ کہتے ہیں۔ یہ صحابہ تقریباً اٹھارہ صد تھے۔ ایمان تو وہ پہلے لا چکے تھے لیکن اب عمرہ پر روک دیئے جانے اور حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ بھیجنے اور پھر ان کی یہ خبر سن کر کہ ان کو شہید کر دیا۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر صحابہؓ کرام سے یہ بیعت لی۔ تو یہ بیعت اگرچہ جہاد کی ہے لیکن بیعت کا ذکر آیا۔

جب نبی کریم ﷺ سے قرب نہ رہا اور سوڈیڑھ سو سال گزر گئے اور مسلمانوں کے خلفاء میں بھی خلفائے راشدین والی بات نہ رہی تو عامۃ المسلمین میں کچھ اعمال کی کمزوری آنے لگی تو پھر دین میں ایسے مقربین رسول اور مقربین الٰہی کا گروہ پیدا ہوا کہ جو لوگوں کو نیک اعمال کی ترغیب دیتا اور لوگ روحانی امراض میں اسے رجوع کرتے۔ اگر اس کی تشریح کی جائے تو بہت طویل تفصیل ہوگی۔ قرآن مجید ہی میں ہے۔

یا ایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد. واتقوااللہ. ان اللہ خبیر بماتعملون. (سورۃ الحشر)	اے ایماندارو ڈرو اللہ سے اور ہر نفس کو چاہیے کہ وہ توجہ کرے دیکھے کہ اس نے کل آنے والی کے لئے کیا تیار کیا ہے اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یہ مراقبہ نفس ہے کہ آدمی غور کرے کہ قیامت کے لئے کیا کمائی کی ہے اور اسی طرح قرآن پاک میں جگہ جگہ ذکر اللہ کی ترغیب و تحریک ہے اور قرآن میں ذکر یا ذکر اللہ کا اظہار و ذکر مختلف انداز میں کتنی ہی بار آیا ہے کسی جگہ آیا کہ "اللہ کا ذکر کر"۔۔۔۔ کسی جگہ آیا "اس نے اللہ کا ذکر کیا"۔ کسی جگہ آیا۔ "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا"۔ کسی جگہ آیا کہ "اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کرو"۔ کسی جگہ آیا کہ "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو"۔ کسی جگہ آیا کہ "میرے بندے کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل یعنی لیٹ کر ذکر کرتے ہیں"۔ ایک جگہ آیا کہ "ولذکراللہ اکبر"۔ کہ "اللہ کا ذکر (کرنا) سب سے بڑا ہے"۔ تمام آیات کا احصا مقصود نہیں۔ بتانا یہ ہے کہ ذکرُ اللہ مطلوب ہے اور ایک حدیث پاک کے مطابق جب تک اللہ کا ذکر دنیا میں رہے گا یہ دنیا باقی رہے گی۔ پھر ایک حدیث میں آیا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم از کم یہ ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

انسانی فطرت ہے کہ جو جیسی صحبت میں بیٹھے گا ویسا اثر قبول کرے گا۔ جو لوگ حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھے وہ صحابی کہلائے۔ جنہوں نے صحابہؓ کی صحبت اٹھائی اور ان کو دیکھا وہ تابعی کہلائے ان کی صحبت اٹھانے والے تبع تابعین کہلائے اور اس کے بعد یہ کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ انہی دنوں میں ذکر، احسان، تقویٰ، اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لئے اولیاء اللہ اور صالحین کی صحبت ضروری ہوئی

ان دنوں لوگ گناہ کرتے تو بہت شرمندہ ہوتے اور سمجھتے کہ پتہ نہیں کہ ہماری توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا کہ توبہ کرو اور حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:۔

التائب من الذنب کمن لاذنب له: توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ جب انسان ڈوبتا ہے تو کوئی سہارا تلاش کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ گنہگار، کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا ہے کہ جو اس کا علاج کرے جیسا جسمانی امراض میں ہے کہ انسان اپنا علاج خود نہیں کرتا کسی حاذق اور تجربہ کار حکیم یا کوالیفائیڈ ڈاکٹر اور آج کل اس بیماری کے سپیشلسٹ کے پاس جاتا ہے کہ مرض دور ہو۔ ایسے ہی روحانی امراض میں مبتلا کسی نیک اور پرہیزگار انسان کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں گنہگار ہوں اور وہ نیک آدمی اس کو توبہ کراتا ہے کہ کہو **لااله الا الله محمد رسول الله**۔ ترجمہ:۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر اللہ، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

میں توبہ کرتا ہوں شرک سے، کفر سے، جھوٹ سے، زنا سے اور ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں نماز پڑھوں گا، روزہ رکھوں گا، اور سب نیک اعمال کروں گا۔ اللہ میری توبہ قبول فرما۔ بیعت کی میں نے فلاں کے ہاتھ پر۔ اس سے انسان کو ایک گونہ سکون اور تسلی ہو جاتی ہے اور اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے۔ ذکر کی برکت سے قلب منور ہو جاتا ہے۔ ایسے نیکو کاروں کا طبقہ پہلی صدی ہجری میں یہ کام کرنے لگا تھا کہ مجالس لگاتے اور اس میں وعظ و تذکیر کرتے اور ایسے انداز میں بات کرتے کہ سننے والا عملی زندگی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے کسی سے پوچھا کہ صحابہؓ کیسے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم ان کو دیکھتے تو دیوانہ سمجھتے اور وہ تمہیں دیکھتے تو سمجھتے کہ تمہارا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں۔۔۔۔ ایسی باتیں سن کر انسان میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی۔۔۔۔۔۔۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مواعظ مشہور ہیں کہ ایک ایک وعظ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں لوگ تائب ہوتے۔ یہ طریقہ قرن اول میں سے چلا آتا ہے۔ بیعت کرنے سے بیعت کرنے والی کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی اور اس پر ایک سکینت سی طاری ہو جاتی ہے اور اگر وہ (اکثر ایسا ہی ہے) شیخ کے بتائے ہوئے مسنون ذکر کرتا ہے تو اس کی حالت میں تغیر آنا شروع ہو جاتا ہے۔(۱)

ماضی قریب میں ایسے تین چار بزرگ گزرے ہیں کہ جن کی توجہ اور اخلاص سے لوگ نیک، عابد شب زندہ دار، تہجد گزار اور اللہ والے بن گئے کہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو دیکھ کر واقعہ یہ ہے کہ خدا یاد آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو دیکھو تو اللہ یاد آئے (مفہوم)۔ تو ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ زمانہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، صوفی کامل حضرت مولانا محمد عبد اللہؒ کندیاں والے، ایسے مردِ کامل تھے کہ جن کے آستانہ پر ہزاروں بے راہ گئے اور راہبر بن گئے اور لاکھوں کی اصلاح ہوئی۔ اس کتاب میں تقریباً سبھی ایسے ہی ہیں۔

حضرت مولانا محمد علی اور ان کے شاگرد حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رائے پوری (راقم کے استاد) دونوں کسی شیخ کی تلاش

---

(۱) ماضی قریب میں اور اب جو بھی "داعی" اٹھتا ہے وہ بیعت کرتا ہے اور ہر رکن سے کلمہ پڑھاتا ہے۔ تاسیس جماعت اسلامی کے وقت سب نے نئے سرے سے فرداً فرداً کھڑے ہو کر کلمہ پڑھایا تھا (ارشد)

ہیں تھے۔ علمائے حق اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق سیاسی طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی کا اجتہادِ نظر و فکر یہ تھا کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیا جائے اور حضرت مدنیؒ کا اجتہادِ فکر و نظریہ تھا کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی لی جائے۔ دو نوں حضرات۔ مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا محمد عبد اللہ رائے پوری نے دو نو جگہ کئی چکر لگائے لیکن ایک جگہ جاتے تو اور سیاسی باتیں ہوتیں۔ دوسری جگہ جاتے تو دوسری طرح کی۔ پھر رائے پور جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کی بارگاہ میں دو نو ذھن کے لوگ ہیں اور پہلے دو نوں بڑوں کے احترام واکرام میں بھی ایک ہی نظر رکھتے ہیں۔ وہاں حاضری ہوئی تو دو نوں جگہ کی تعریف ہو رہی تھی، لہٰذا فیصلہ کرلیا کہ یہاں بیعت ہوتے ہیں۔

مولانا محمد علی جالندھری تو اس حاضری میں بیعت آگئے کہ استاد تھے اور شاگرد یعنی مولانا محمد عبد اللہ جالندھری دوسری بار حاضر ہوئے تو حضرت رائے پوری نے تہجد کے وقت خود بلا کر بیعت کرلیا اور فرمایا کہ مولانا محمد علی تم پر سبقت لے گئے ہیں۔ بہر حال مولانا محمد علی راہ سلوک و تربیت میں چلے۔

حضرت رائے پوری قدس سرہ کے تمام ممتاز مسترشد تقریباً مدرس حضرات تھے لہٰذا رائے پور، ضلع سہارنپور پورا رمضان گزارتے۔ اور دوسرے ملازم حضرات بھی رخصت لے کر رمضان المبارک میں رائے پور حاضر ہو جاتے اور پھر رمضان المبارک کی بہار رائے پور میں دیکھنے والی ہوتی۔ قیام پاکستان کے بعد حضرتؒ کا رمضان اکثر پاکستان میں گزرتا کہ یہاں متوسلین زیادہ تھے۔ اس کے لئے "بیس بڑے مسلمان" میں "رائے پور کا شب وروز" حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کا مضمون پڑھنے کے قابل ہے۔ موصوف بھی حضرت کے مرید باصفا بلکہ خلیفہ مجاز ہیں انہوں نے اپنے شیخ کی مستقل سوانح لکھی ہے۔ ہم نے اس کے دو تین باب "بیس بڑے مسلمان" میں نقل کئے ہیں۔ "رائے پور کے شب وروز" میں رمضان کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں غالباً اپنا حال "درحدیث دیگراں" یہ شعر لکھ کر بیان ختم کرتے ہیں!

دکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا رمضان بادہ خوار کا

۱۴، اگست ۱۹۴۷ مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا۔ ان دنوں حضرت کے ہاں حاضری دینے والے وہیں تھے۔ حضرت مولانا فضل احمد مہتمم مدرسہ عربیہ رائے پور وہیں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے اور مدرسہ کا پچاس ہزار روپیہ رائے پور میں رہ گیا جو آج کے پچاس لاکھ کے برابر ہوگا۔ یہ حضرت مولانا جالندھری کے استاد تھے جیسا کہ گزرا مولانا بھی وہیں تھے۔ ایک دن ذکر ہوا کہ اجازت ہو تو ہم جاتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ انگلے ہفتے جانا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان دنوں جو گاڑی دہلی سے مہاجرین کو لے کر آئی راستے میں اس کو روک کر سکھوں نے سب مسافروں کو مار ڈالا یہ بھی تکوینی امور سے تھا۔ حضرت مولانا سے اللہ تعالیٰ نے ابھی بہت کام لینا تھا لہٰذا اگلے ہفتے زندہ وسلامت بخیر وعافیت ملتان آگئے کہ اپنا گاؤں اور ضلع تو آٹھ نو سال پہلے حضرت ہی کے حکم پر چھوڑ کر ملتان قیام کیا تھا۔ حضرت مولانا طبعاً شروع ہی سے نیک فطرت اور ذہین وفطین تھے۔ شیخ کی صحبتوں نے اس کو مزید جلادی اور مولانا کی تقریروں میں ایسا اثر اور سوز ہوتا تھا کہ ہزاروں لوگ آپ کی تقریروں اور واعظ سے راہِ راست پر آئے۔ اس کا مستقل بیان آرہا ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد کی ملتان تشریف آوری: تفصیلاً ذکر تو حضرت مولانا خیر محمدؒ کے ذکر میں قارئین پڑھ چکے۔ یہاں اجمالاً پھر اعادہ کر لیجئے کہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قیام پاکستان کے بعد ملتان تشریف لائے اور تکوینی طور پر ان کے لائق وفائق شاگرد پہلے ہی ملتان کو اپنا مستقل مستقر بنا چکے تھے۔ مولانا نے اپنے استاد گرامی کے لئے دن رات ایک کر دیا اور اپنے مدرسہ کا اثاثہ اور بہترین حفظ کرانے والے استاد حضرت مولانا قاری رحیم بخش بھی مدرسہ خیر المدارس کے حوالے کر دئے۔ شروع شروع میں حضرت قاری صاحب کچھ وقت کے لئے خیر المدارس آتے پھر پوری زندگی خیر المدارس کے لئے وقف کر دی۔ تاہم مسجد سراجاں سے بھی تعلق ختم نہیں کیا۔ مدرسہ عربی خیر المدارس کو پہلے بہت محدود سی جگہ الاٹ ہوئی لیکن طلباء کی کثرت اور پروانہ وار آمد کی وجہ سے موجودہ جگہ گیان تعلہ "گیان استھل" مولانا کی وجاہت سے الاٹ ہوا۔ ملتانؒ کے گدیوں کے اجارہ دار اور سجادہ نشین تو پہلے ہی مولانا محمد علی سے خار کھائے بیٹھے تھے اب ملتان کے اس وقت ملک کے پاکستان میں سب سے بڑے مدرسہ کی معاونت سے حسد کی آگ میں جلنے لگے اور یہ شہرت کرنا شروع کر دی کہ یہ مدرسہ تو احراریوں کا ہے۔ ایثار کے مجسمہ کے قربان جائیے کہ شاگرد نے اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے خود گزارش کی کہ ایک اشتہار شائع کرائیے کہ یہ مدرسہ تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قائم کردہ ہے بلکہ اس کا نام ہی انہوں نے رکھا تھا (یاد رہے کہ بریلوی حضرات نے مسلم لیگ کو مطعون ومردود اس لئے بھی قرار دیا تھا کہ یہ تو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھانوی کو حکیم الامت کہتی اور لکھتی ہے) ان حاسدین میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں گے کہ یہ کیا ہو گیا پہلے تو ایک کو سنبھالنا مشکل تھا اب "یک نہ شد دو شد" بلکہ یک جان دو قالب والا معاملہ ہے۔ کس دل گردے سے شاگرد نے استاد کو کہا ہو گا اور کس درد سے حضرت مولانا خیر محمدؒ نے یہ اشتہار شائع کرایا ہو گا لیکن دو نو دین کے لئے مخلص تھے لہٰذا دین کی خاطر یہ بھی کر گزرے۔

وفاق المدارس کی تحریک وقیام: حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ٹنڈو اللہ یار میں دیوبند کی طرح ایک مدرسہ کی بنا ڈالی تھی۔ اس میں اپنے وقت کے صدر مملکت محمد ایوب خاں کو بلایا اور شکایت کی کہ حکومت انگریزی مدارس کی سرپرستی تو کرتی ہے لیکن دینی مدارس کی نہیں اب اسلامی ملک ہے دار العلوم دیوبند نے یک صد سال انگریز کے دور میں اسلام کی وہ خدمت کی ہے کہ شاید پہلے کسی دینی ادارے نے نہ کی ہو۔۔۔۔۔ صدر مملکت نے کہا تمہاری کوئی تنظیم نہیں ہے کوئی تنظیم بناؤ۔ اس پر مولانا احتشام الحق تھانوی وفاق المدارس کا نظریہ سامنے لائے۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت مولانا خیر محمدؒ کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کی تنظیمی صلاحیتوں سے واقف تھے لہٰذا ان کو اس کا داعی بنایا۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ تمام دیوبندی علماء کے نزدیک ایک معتبر نام اور شخصیت تھے انہوں نے اس کار خیر کو کرنا چاہا۔ مگر وہ لوگ جو ہمیشہ حاکموں کو اور ان سے ملنے والوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انہوں نے اس کو بھی اسی طرح دیکھا اور یہ حضرت نانوتویؒ کی ان آٹھ دفعات کے بھی خلاف تھا جو انہوں نے دار العلوم دیوبند کی خاطر بطور اصول ہشتگانہ بنائے تھے اور مولانا محمد علی جوہر جب دیوبند گئے تو دیوبند کے خزانہ سے وہ اصل تحریر ان کو دکھائی گئی تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے انہوں نے فرمایا کہ ہم برسوں دھکے کھا کر جس جگہ پہنچے، حضرت نانوتویؒ پہلے ہی دن یہاں پہنچ چکے تھے، اور ان کا عقل سے کیا تعلق۔ یہ سراسر الہامی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی ایک دفعہ یہ ہے کہ "سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے"۔

ذہن میں اس دفعہ کو اکابر نے جس طرح سامنے رکھا مجھے اس کی بہت سی مثالیں یاد آرہی ہیں لیکن یہ مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ تو اسی دفعہ کو سامنے رکھ کر بہت سے علماء نے اس کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور حریت پسند علماء شیرانوالہ گیٹ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیادت وصدارت میں اکٹھے ہوئے کہ الگ وفاق بنائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو فوراً لاہور آئے اور کہا کہ جو تنظیم میرے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی نگرانی میں بنے گی اس میں خیر ہی خیر ہوگی اور یوں خیریت گزری اور دونوں فریق شمس العلماء (یہ سرکاری لقب نہیں) حضرت مولانا شمس الحقؒ افغانی سابق استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں وفاق المدارس میں یکجا ہوگئے۔ گو کئی مدارس سالوں بعد اس میں شریک ہوئے۔۔۔۔۔۔۔
ہمارے ممدوح کو بھی اس کا رکن بنایا گیا۔ ایک بڑے عالم نے نکتہ اعتراض اٹھایا کہ محمد علی تو احراری ہے وہ اس وفاق کو بھی اپنے مقصد کے لئے استعمال کرلے گا۔ جس دردِ جگر نے سب کو اکٹھا کیا تھا اسی دردِ جگر نے کہا کہ کہیں اس اتحاد کو تیری وجہ سے نقصان نہ ہو۔ فوراً رکنیت چھوڑدی اور فرمایا کہ آپ مل کر کام کریں۔ ہمارے ممدوح کی عظمت کو ہزار بار سلام، کیا اخلاص پایا تھا یہ سب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی تعلیم وتربیت کا اثر تھا جس کو مزید جلا مردِ قلندر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رفاقت اور قیادت نے دی تھی!

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
نہ پوچھو ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ردّ مرزائیت اور تحفظ ختم نبوّت: مرزا غلام احمد قادیانی نے تدریجاً مجدد سے ہوتے ہوئے نبوّت کا دعویٰ کیا اور دعویٰ ایسا کہ جو اس کو نبی نہ مانے وہ کافر بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق بہت غلیظ الفاظ استعمال کئے۔ ابتداہی میں علمائے لدھیانہ نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس سے بہت پہلے "تحذیر الناس" لکھ کر حضور ﷺ کو ہر لحاظ سے خاتم النبین قرار دے چکے تھے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ زمانی، مکانی اور مرتبی ہر لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ شاید ان کے صافی قلب پر اس قسم کا وجدان طاری ہوا ہو کہ کچھ عرصہ بعد ایک متنبی دعویٰ کرے گا کہ میں فلاں قسم کا نبی ہوں۔

حضرت گنگوہیؒ ایسے اکابر ابھی متردد تھے کہ کسی کو کافر قرار دینا بہت بڑی ذمہ داری اور انتہائی قدم ہے، علمائے لدھیانہ نے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو ثالث بنایا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سامنے دلائل پیش کئے۔ حضرت نانوتویؒ نے علمائے لدھیانہ کے حق میں فیصلہ دیا کہ ان کا مرزا کو کافر کہنا درست ہے ازروئے شریعت اس کے دعاوی ایسے ہیں کہ اسلام سے نکل گیا ہے اور اس کے ماننے والے بھی کافر ہیں۔ اس کے بعد تمام اکابر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند سے وابستہ مدارس کے مفتیان کرام نے بھی فتویٰ دیا اور اس پر تمام مکاتب فکر کا اجماع ہوگیا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، میاں نذیر

حسین دہلوی حتیٰ کہ سر سید احمد خاں نے بھی اس کے دعووں کو باطل قرار دیا، جبکہ وہ خود بعض مسائل میں جمہور سے اختلاف رکھتے تھے۔ مرزا غلام احمد نے ملک بھر کے علماء کو چیلنج پر چیلنج کیا کہ تم جھوٹے ہو۔ مجھ پر وحی اترتی ہے اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عطا کئے ہیں کہ کسی بھی نبی کو آج تک نہیں ملے۔ میں یہاں حوالے پیش نہیں کرتا۔ (جناب الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب جو مرزا قادیانی کے ہزار ہا صفحات کا خلاصہ ہے اور اصل عبارات معہ حوالہ جات و تشریح بعد از تصحیح اب دوبارہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے ملتان سے شائع کی ہے اس کی طرف مراجعت کی جائے) اور مرزا کی کتب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے اور ملکہ وکٹوریہ اور حکومت انگلشیہ کی اتنی تعریف کی ہے کہ خدا کی پناہ۔۔۔۔ اور بعد از تحقیق یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ سارا ڈھونگ اور کھڑاگ انگریز ہی کے اشارہ ابرو پر کیا گیا ہے۔۔۔ مسلمان جب کسی کا مرید ہو جاتا ہے تو اس کو کوئی پیر سے علیحدہ کرنا چاہیے وہ پیر کے علانیہ فسق و فجور اور بد عملی کو دیکھ رہا ہو پھر بھی پیر کو نہیں چھوڑتا، ہم آئے دن اس کا اخباروں میں ذکر پڑھتے اور سنتے ہیں تو نبوت تو آخری منزل ہے کہ اس سے پہلے احکام منسوخ بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا جذبہ جہاد ختم کرنا انگریز کے بس کی بات نہیں تھی اور کسی نام نہاد پیر کے ذریعہ بھی یہ کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لئے نبوت بہت ضروری ہوئی۔ ہندوستانی مسلمان اور پھر پنجابی مسلمان تو بہت کمزور عقیدہ و عمل کا ہے یہاں کے جاگیردار، وڈیرے اور مشائخ انگریز کے وفادار تھے اور اسی پنجاب سے انگریز کو فوج کے لئے ٹکوں پر فوج کے لئے افراد ملتے تھے لیکن آج وہ بڑی گدیوں پر براجمان ہیں الاماشاء اللہ اکثر میں سارے عیب شرعی موجود ہیں لیکن مرید ہاتھ چومتے ہیں۔ لہٰذا اس نبوت کو پنجاب کے علاقے قادیانی ضلع گورداسپور سے پیدا کیا گیا کہ مسلمان اس کے فریب و دجل میں آئیں اور اس نے یعنی مرزا غلام احمد قادیانی نے اول اول عیسائیوں سے مناظرے کئے اور ان کے خلاف کتب لکھیں۔ شعبدہ بازی کے شوقین لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ مرزا کا ایک مرید بلکہ مشیر حکیم نور الدین بہت ہوشیار آدمی تھا دونوں نے مل کر ایسا ہم رنگ زمین دام بچھایا کہ سادہ لوح مسلمان اس میں گرفتار ہو گئے۔

اقبال مرحوم پنجابی مسلمان کے متعلق کہتے ہیں!

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت	کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا	ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے	یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

حد یہ ہے کہ بڑے پڑھے لکھے لوگ غلام احمد قادیانی کے پھندے میں پھنس گئے اور تو اور علامہ اقبال مرحوم کے بڑے بھائی کو "صحابی" کا درجہ حاصل تھا۔۔۔۔ سر ظفر اللہ خاں جو ایک دفعہ مسلم لیگ کے ایک اجلاس کا متحدہ ہندوستان میں صدر بھی بنا وہ بھی قادیانی تھا۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا مسلمانوں کے کوٹے سے ممبر تھا۔ یہ قادیانی فتنہ اتنا بڑا تھا کہ کئی اچھے اچھے لوگوں کو مضطر کر گیا۔ علامہ انور شاہ محدث کشمیری کو ہندوستانی علماء میں اس کا سب سے زیادہ فکر اور درد ہوا ان کی راتیں بے چین اور دن اضطراب میں گزرنے لگے۔ علامہ اقبال شروع میں کیا ۱۹۳۲ کے لگ بھگ تک مرزائیت سے متاثر رہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی مساعی اور مجلس احرار اسلام کی تگ و دو سے علامہ اقبال مرزائیت کے خلاف سینہ سپر ہوئے۔۔۔۔۔۔ ہمارے ممدوح مولانا محمد علی جب

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور دیوبند سے رخصتی کے وقت علامہ انور شاہ سے آخری ملاقات دارالعلوم میں کرنے گئے تو انہوں نے جو وصیت فرمائی وہ گزر چکی۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ علامہ کشمیریؒ نے آپ کی مشکلات کے حل کی دعا کے جواب میں فرمایا:۔

"مولوی صاحب یہ فکر کی بات نہیں، فکر اس بات کی ہے کہ غلام احمد کی جھوٹی نبوّت کا پرچار پنجاب میں کس طرح ختم ہو اگر میری نصیحت مانو تو اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوّت کی حفاظت کے لئے وقف کر دینا"۔ اور ہونہار شاگرد نے اپنے استاد گرامی کی بات پلّے باندھ لی اور اپنے آپ کو پوری زندگی کے لئے مرزا کی جھوٹی نبوّت کی تردید تکذیب اور خاتمے کے لئے وقف کردیا۔ حضرت علامہ اس کے لئے کس قدر مضطرب اور بے تاب تھے اس کے لئے انہوں نے علماء کبار کے لئے عربی میں ایک کتاب لکھی اور عربی ہی میں ایک زبردست ۶۱ اشعار کا ایک قصیدہ کہا جس کے دو چار اشعار یہ ہیں!

الدیا عباداللہ قوموا وقوموا	خطوباً الت مالھن یدان
وقد کان ینقض الھدی ومنارہ	وزحزح خیر مالذلک تدان
یسب رسول من اولی العزم فیکم	تکاد السماء والارض تنفطران
وطہرہ من اھل کفر ولیہ	وابقی لنار بعض کفرِ امانی
وحارب قوم ربھم ونبیہ	فقوموا لنصر اللہ اذھودانِ

(۱) اے خدا کے بندو تیار ہو جاؤ اور جو ناقابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔

(۲) بہت قریب ہے کہ ہدایت اور نشانِ ہدایت گر جائیں اور خیر دور ہو گئی ہے جو پھر نزدیک ہونے کو نہیں۔

(۳) ایک اولوالعزم رسول (معاذ اللہ) تمہارے سامنے ذلیل کیا جارہا ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

(۴) جس رسول ﷺ کو حق تعالیٰ نے کافروں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک کیا ہے اس کو محض دوزخ کے لئے بعض کفر جھوٹی نبوّت کی خیال بندیوں کے لئے چھوڑ دیا۔

(۵) ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی پس تم اللہ تعالیٰ کی مدد پر کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے قریب ہے اس قصیدہ کی یہ ابتدا ہے۔ علّامہ صاحب جیسے جیسے آگے بڑھتے ہیں ان کی لے اور پکار میں بے پناہ زور اور التجا پیدا ہوتی جاتی ہے کہ خدا کے بندو یہ کام یعنی مرزا کی مخالفت فرض عین ہے۔ اٹھو دوڑو کہ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے۔

مجلس احرار اسلام ۱۹۲۹ میں بنی، اسی سال شیرانوالہ میں انجمن خدام الدین کے جلسہ میں اردو کے اور برصغیر کے سب سے بڑے خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت کا سیکڑوں علماء کی موجودگی میں خطاب دے کر سب سے پہلے خود بیعت کی اور پھر سب علماء نے۔ یہ منظر بڑا رقت آمیز تھا۔ لیکن احرار اپنے بدوِ شعور ہی سے مرزا کی نبوّت کے خلاف تھے۔ جیسا کہ گزرا علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا کا تعاقب شروع کیا۔ رئیس الاحرار اور بانی احرار حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ اسی خاندان کے ایک فرد تھے کہ جن کے جدامجد نے یہ فتویٰ دیا تھا گویا رئیس الاحرار کو یہ بات یعنی مرزا کی مخالفت گھٹی میں ملی تھی۔ پھر احرار پنجاب سبھی اول دن سے اس کام پر

لگ گئے اور جب جماعت بنی تو اس کا ایک فریضہ مرزا کی نبوت کاذبہ کے خلاف جہاد تھا۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی خطابت اسی پر صرف کردی تھی۔

قیام پاکستان اور مرزائیت: پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو سر ظفر اللہ خاں کو ملک کا وزیر خارجہ بنادیا گیا اور ان صاحب نے اپنی وزارت کے دوران پاکستان کے سفارتخانوں سے جو کام لیا وہ مرزائیت کی تبلیغ بھی تھا اور پھر ایک دن کراچی کے جلسہ عام میں ہیلمنٹ پہن کر مرزائیوں کے جلسے میں شریک ہوئے۔ یہ جلسہ ۱۷-۱۸، مئی ۱۹۵۲ کو جہانگیر پارک میں منعقد ہوا۔ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے منع بھی کیا لیکن ظفر اللہ خاں نے کہا کہ میں نے وعدہ کرلیا ہے ضرور شریک ہوں گا اور وعدہ کے بعد میں اس جلسہ میں تقریر کرنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم مصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیے تو اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہوں (ملخص انکوائری رپورٹ تحقیقاتی عدالت۔ ص ۷۶، ۷۷) کاش وزیر اعظم زور دیتے اور ظفر اللہ مستعفی ہوجاتا اور اس سے قبل بانیٔ پاکستان کی وفات پر جو گورنر جنرل بھی تھے اور جنہوں نے سر ظفر اللہ خاں پر خصوصی مہربانی فرماتے ہوئے اسے وزیر خارجہ مقرر کیا تھا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جب ان کا انتقال ہوگیا تو سر ظفر اللہ خاں نے جنازہ نہیں پڑھا اور ایک نامہ نگار کے جواب میں کہا کہ:۔

"تم مجھے ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لو یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر اور اول دن ہی سے جب مرزا نے نبوّت کا دعویٰ کیا انہوں نے مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا اور ان سے نکاح وغیرہ اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ یہ باتیں ہوائی نہیں ان کا ریکارڈ موجود ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز اور ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ ان کا ایک عزیز جو مرزائی تھا، نے قبر کھودنے وغیرہ ہر کام میں حصہ لیا لیکن دونوں کا جنازہ نہیں پڑھا اور خود اس نے وصیت کی کہ میری میت ربوہ پہنچائی جائے۔ تو یہ تھے حالات کہ جو احرار کو درپیش تھے۔ مرزائیوں نے فوج میں فرقان بٹالین کے نام سے اپنی ایک علیحدہ بٹالین بنالی تھی۔ احرار ان سب حالات کو دیکھتے تھے اور اس کے خلاف رائے عامہ کو آگاہ کرنا ان کا فرض تھا۔

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بہ نشینی گناہ است

اس کراچی کے جلسہ پر کراچی میں ہنگامے ہوئے۔ حالانکہ کراچی میں احرار اسلام کا اثر کم سے کم تھا ان کو کس نے سکھایا۔ مذہبی حمیت اور غیرت نے۔۔۔۔ ادھر پنجاب میں بھی ایک آگ سی لگ گئی۔ ملتان میں ایک جلسہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوا جسے بزور منتشر کردیا اور ایسے ہی جلوس کو، جو اگلے دن ہزاروں افراد نے اس سب انسپکٹر کے خلاف نکالا اور کپ تھانہ گئے جہاں گولی چلا کر تین افراد موقعہ پر شہید کردیا، پچاسوں زخمی ہوئے جن میں سے تین ہسپتال میں دم توڑ گئے۔ ان سب کا مشترکہ جنازہ ملتان عید گاہ میں پڑھا گیا۔ میں ان دنوں ملتان خیر المدارس پڑھتا تھا۔ جنازے کے لئے گویا پورا شہر امنڈ آیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورے ڈویژن کی پولیس اور فوج اس جنازے کے جلوس کو سنبھالنے کے لئے منگوالی گئی ہے۔ عیدگاہ میں سب کا (غالباً) مشترکہ ایک ہی دفعہ جنازہ پڑھا گیا اور اس حرکت کے خلاف ۲۹، اگست ۱۹۵۲ کو ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس سے شیخ حسام الدین مولانا سید ابوالحسنات اور کئی دیگر علماء نے خطاب کیا اور حکومت کو آگاہ کیا کہ حکومت جس راستے پر چل پڑی ہے یہ تباہی کا راستہ ہے۔

اسی طرح ایک واقعہ یہ ہوا کہ خلیفہ بشیر الدین محمود نے خطبہ جمعہ میں کہا جو "الفضل" میں شائع ہوا کہ ہمیں یہ کوشش کرنا چاہیے کہ بلوچستان میں کام کرکے پورے صوبے کو "احمدی" بنائیں کہ یہ سب سے کم آبادی والا صوبہ ہے تاکہ ایک صوبہ تو ایسا ہو کہ جس کو ہم "اپنا صوبہ" کہہ سکیں چودھری ظفر اللہ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور انہوں نے اپنی وزارت خارجہ کے سات سالہ دور میں ایک دفعہ بھی پڑوسی مسلمان ملک افغانستان کا دورہ نہیں کیا، وجہ اس کی چاہے یہ ہو کہ تین مرزائیوں کو امیر حبیب اللہ کے عہد میں گیا۔ یہ تین افراد عبد الرحمٰن خان، عبد اللطیف اور نعمت اللہ خاں کو حکومت نے ہلاک کردیا تھا کہ مرتد کی سزا موت ہے۔ عبد اللطیف کو زمین میں کمر تک گاڑ کر پتھر مار کر ہلاک کیا گیا۔ بحوالہ تحقیقاتی عدالت۔ ص ۱۸۔

اب اس کا بدلہ ظفر اللہ خاں نے یہ لیا کہ دو مسلمان ملکوں کو بھائیوں کی طرح ملنے نہ دیا اور افغانستان بھارت اور روس کی جھولی میں جا گرا۔ یہ تھے وہ حالات کہ جن کو دیکھ کر مجلس احرار اسلام نے سوچا کہ ہم چاہے مسلمان آپس میں فرقہ وارانہ مسائل پر کتنا لڑتے رہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ اس لڑائی میں ہم پاکستان کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں۔ مولانا محمد علی جالندہری اس بارے میں بہت حساس تھے اور یہ احساس ان کو اپنے ساتھیوں اور مربی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور علامہ انور شاہؒ سے ملا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ربوہ میں اتنا اسلحہ ہے کہ اس سے پورے ملک کی پولیس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اس کو شکست دی جاسکتی ہے۔ اور کبھی افسردگی میں یہ کہتے کہ اگر کسی وقت ربوہ کہ جہاں کسی مسلمان کا گھر بنانا ممنوع ہے، خلیفہ یہ اعلان کردے کہ ہم اپنی دو مربع یا چار مربع میل جگہ میں خود مختار مملکت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور اگلے لمحہ امریکہ اس کو تسلیم کرکے اس کے دفاع کا ذمہ لے لے تو ہم کیا کرسکتے ہیں جبکہ ہم پہلے ہی امریکہ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں جو کرتے ہیں۔

میرے ایک مرحوم تایازاد بھائی واپڈا میں ڈائریکٹر تھے وہ تقریباً تیس سال قبل ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ رشید تمہارے احرار لیڈر جو کہتے ہیں سچ ہی کہتے ہیں۔ میرا ایک "کولیگ" ہے اس سے میری ایک دن بحث ہوئی کہ تم بہت باتیں بناتے ہو تم کیا ہو" کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ" تو اس نے بڑے تحمل سے کہا چودھری صاحب! کسی غلط فہمی میں نہ رہنا اس وقت پاکستان کے تمام ائیر بیس ہمارے قبضہ میں ہیں۔ ہم جب چاہیں جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ لیکن ہماری اپنی مصلحت کو پڑھیے اور دیکھیے جبکہ تمام ایر بیسوں پر، ان کا کنٹرول، وزیر خارجہ جو انتہائی گھاگ تھا وہ ان کا اور فوج میں بے شمار افسران ان کے۔ اگر احرار ان سب حالات کو جانتے ہوئے یہ تحریک نہ چلاتے تو تاریخ خاص طور پر اسلامی تاریخ ان کو کبھی معاف نہ کرتی۔ ان کا تو یہ ملک پر احسان ہے۔

بات سے بات نکلتی ہے۔ میں ایک دفعہ امریکہ گیا وہاں سفارت خانہ میں ملازم بریگیڈیئر سے ایک دوست کے ہاں ملاقات ہوئی تو قادیانی مسئلہ چل نکلا۔ میں نے پوچھا فوج میں جو لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر ہے کیا وہ مرزائی ہے تو اس نے کہا کہ ہاں! میں نے پوچھا کہ لاہوری یا قادیانی تو وہ بات کو ٹال گیا اسے یہ خیال نہیں تھا کہ میں اتنی دلچسپی لوں گا۔ اس کے بعد اب اس افواہ کو سامنے رکھیے کہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ امیر مجلس تحفظ ختم نبوت وامیر مجلس عمل کی موت طبعی نہ تھی تو کوئی اچنبھا نہیں ہے۔ (مضمون بہت طویل ہوجائے گا ورنہ میں "شہاب نامہ" سے حوالے دیتا کہ قدرت اللہ شہاب آئی سی ایس تھے۔ آئی سی ایس انڈین سول سروس ایسے چند افسر پاکستان کے حصے میں آئے تھے۔ انہی تمام باتوں کو ذہن میں رکھیے اور پھر مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی مساعی اور اضطراب کو ذہن میں لائیے کہ وہ کیوں اس قدر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے تھے۔ میں اپنے رسالہ "الرشید" میں پہلے بھی ایک دفعہ لکھ چکا ہوں کہ یہ میرے سامنے کی بات ہے کہ میاں چنوں میں میر خلیل الرحمٰن سیکرٹری مسلم لیگ اور خطیب پاکستان قاضی شجاع آبادی کی ۱۹۴۹ کے آخر یا ۱۹۵۰

کے شروع میں مسلم لیگ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ میر صاحب کی میاں چنوں کے ساتھ کسی چک میں زمین تھی وہ اس بہانے سے میاں چنوں آئے اور قاضی صاحب بغیر کسی کو پروگرام بتائے میاں چنوں تشریف لائے اور دونوں کی علیحدگی میں خاصی طویل ملاقات ہوئی اور اس کے بعد یہ بات نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم تک پہنچائی گئی اور احرار اور وزیر اعظم کے آپس میں خفیہ روابط قائم ہوئے لیکن وزیر اعظم کے یہ روابط خفیہ کیسے رہ سکتے تھے جب سر ظفر اللہ خاں جیسا سرد گرم چشیدہ باراں دیدہ وزیر خارجہ ہو اور پھر وہ بات کیا تھی کہ جس کا وزیر اعظم راولپنڈی کے لیاقت باغ میں اعلان کرنا چاہتے تھے لیکن پہلا لفظ منہ سے نکالنے کے بعد ان پر گولی چلادی گئی اور وہ وہیں شہید ہوگئے اور اس کے بعد ایک شخص صید احمد کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا جس کے متعلق کہا گیا کہ اس نے وزیر اعظم پر گولی چلائی۔ ایک ایسا شخص جو سی آئی ڈی کی نگرانی میں تھا وہ سٹیج کے قریب کیوں بیٹھا اور کس نے بٹھایا اور پھر اسی وقت گولی مار کر کیوں ہلاک کردیا گیا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو سب ڈرامہ تھا۔ گولی تو کسی اور نے چلائی تھی۔ وزیر اعظم کشمیر کے قریب اہم تقرر کرنے والے ہوں اور تین چار وزیر راولپنڈی میں موجود ہوں جو وزیر اعظم کے جلسہ میں نہ آئیں۔

یہ حیران کن بات نہیں ہے اور پھر اس کیس کو ڈیل کرنے والے اعلیٰ پولیس آفیسر نواب زادہ اعتزاز الدین آئی جی سپیشل پولیس اور دیگر ۱۸، سرکاری افسر کے اس کیس کی فائل لے کر جہاز میں جارہے ہوں تو ان کے جہاز کو جہلم اور کھیوڑہ کے درمیان گرا کر سارا کیس ہی غائب کردیا جائے یہ جہاز ائیر فورس کا تھا۔ اس سے پہلے جنگ شاہی میں ہوائی جہاز تباہ ہوا جس میں میجر جنرل افتخار احمد بر گیڈیئر شیر احمد خاں اور مصر و الجیریا و مراکش کے نمائندے شریک تھے۔ یہ حادثہ ۱۳، دسمبر ۱۹۵۲ کو ہوا۔ آخر وہ کون ہوشیار شخص تھا جو اس ڈوری کو ہلا رہا تھا اور کون ملک اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ یہ وہ تمام باتیں ہیں جو آج تک برسر عام نہ آسکیں۔ اگر اکیلے نجف خاں کو (جو ان دنوں راولپنڈی میں ایس پی تھے) گرفتار کر کے اس وقت یا پھر ان کا ریمانڈ لے کر پولیس روایتی حربے استعمال کرتی تو ہر بات اظہر من الشمس ہوسکتی تھی۔ یہی وہ واقعات تھے کہ جن کے بعد اوکاڑہ میں احرار نے دفاع کانفرنس منعقد کی، جس کا تحقیقاتی عدالت میں بھی ذکر ہے۔ میں امیر شریعت کی تقریر میں موجود تھا۔ آپ نے اس پر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ مجھے اس کیس کا جج بنایا جائے اور تفتیش میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایک دو ہفتے میں فیصلہ ہوسکتا ہے کہ لیاقت علی کا قاتل کون تھا اور پھر وزیر خارجہ کے افغانستان کے رویے کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے افغانستان کو پاکستان کا دشمن بنادیا ہے اور قبائلی وافغانی پاکستان کو کھانے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب نے ٹوپی اتاری بالوں کو جھٹکا دیا اور اپنی داڑھی کو منہ میں لے کر کلہاڑی کو کندھے پر رکھا اور فرمایا! کہ یہ پاکستان کی طرف یہ حالت بنا کر دیکھ رہے ہیں اور اس کے بعد بڑے درد اور غمناک حالت میں یہ شعر پڑھا!

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست دیا کو دیدہ بینا نہ چاہیے

آئی جی پنجاب انور علی اور قربان علی کی رپورٹوں کی بناء پر یہ کہنا کہ احرار اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کے لئے مرزائیت کے مسئلہ کو اٹھا رہے تھے۔ یہ لوگ انگریزی استعمار کے وقت سے حریت پسند لوگوں کے متعلق ایسی ہی رپورٹیں تیار کرتے آئے تھے اور آج

۴۹ سال سے زائد عرصہ گزرنے پر بھی ایسا ہی ہو رہا ہے وہ تو ۵۲/۵۱ تھا اور یہ لوگ قیام پاکستان سے قبل سے یہ فریضہ انجام دیتے آرہے تھے۔ حالات کی جو رفتار تھی وہ بتا رہی تھی کہ اگر احرار حکومت اور عوام کو بیدار و ہوشیار نہ کرتے اور ہر مکتبۂ فکر کے علماء و مشائخ کو ساتھ لے کر تحریک نہ چلاتے تو نہ معلوم ملک کا اب تک کیا حال ہوتا۔

راقم ۱۹۵۲/۵۳ میں ملتان دورہ حدیث کر رہا تھا اور تقریباً ہر جمعہ (اگر گھر نہ آیا ہوتا) تو مسجد سراجاں میں پڑھا کرتا اور اس کے بعد اکثر بخاری صاحب کے ہاں حاضری دیتا۔ اس واقعہ کپ کے بعد مولانا محمد علی کی جمعہ کی تقاریر میں وہ جذب اور کیفیت ہوتی تھی کہ قلم جس کو لکھنے سے قاصر اور زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔۔۔۔ ایک جمعہ میں فرمایا کہ ہم ایک ایک کے دروازے پر جا کر دستک دیں گے اور دامن پھلا کر ناموس رسالت و ختم نبوت کا واسطہ دے کر بھیک مانگیں گے اور پھر گلو گیر لہجہ میں فرمایا کہ دیوبندی اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم علمائے حق کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور تم خاموش اپنے گھروں میں بیٹھے ہو۔ میں بریلوی حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ تمہیں دعویٰ ہے کہ تم سے زیادہ اور بڑا کوئی عاشق رسول نہیں اور یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہو کیا تم کو اس کی خبر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں بے چین ہیں اور تم اپنے حلوے مانڈنے کی فکر میں ہو اور اہلحدیث حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ تمہیں دعویٰ ہے کہ تمہارے سوا کوئی بھی زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ احادیث کے مقابلے میں نئی احادیث بنائی جا رہی ہے اور شیعہ حضرات سے بھی پوچھتا ہوں کہ تم شیعان علی کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم آنا چاہیے کہ ایک شخص حضرت فاطمۃ الزہرا کے متعلق بکواس کرتا ہے اور حسنین اور کربلا کے متعلق جو کچھ کہتا ہوں کہ کیا تم اس سے بے خبر ہو، کیا تمہیں اس کی خبر نہیں۔

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا کہ امیر شریعت کے مشورہ سے مولانا نے علماء سے ملاقاتیں کرنا شروع کیں۔ مولانا سید ابوالحسنات کے پاس گئے تو انہوں نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ مولانا نے واپسی سے پہلے کہا کہ میں قیامت کے دن نبی کریم ﷺ سے شکایت کروں گا کہ تمہارا سب سے زیادہ نام لینے کا دعویٰ کرنے والے تمہارے بیٹے کے پاس میں آپ کی ختم نبوت کی خاطر گیا تھا لیکن انہوں نے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا اس پر مولانا سید ابوالحسنات نے کہا اچھا بیٹھو گفتگو کرو اور فرمائیے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ مولانا نے اپنی درد بھری کہانی سنائی تو مولانا سید ابوالحسنات نے کہا کہ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ علی ھذا القیاس مولانا ہر ہر دروازے پر گئے اور پھر مولانا غلام غوث ہزاروی نے آل مسلم پارٹیز کے کنونشن کا ایک دعوت نامہ اخبار آزاد میں شائع کیا اور ویسے بھی یہ دعوت نامے پہنچائے گئے۔ اس پر بطور داعی مولانا غلام غوث کے دستخط تھے اور نیچے۔ مولانا غلام محمد ترنم، مولانا مفتی محمد حسین، مولانا احمد علی (انجمن الدین) مولانا محمد علی جالندہری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید نور الحسن غازی، سید مظفر علی شمسی۔ کے اسماء گرامی تھے اور یوں برکت علی محمڈن ہال میں یہ کنونشن منعقد ہوا جس میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علماء و مشائخ اکٹھے ہوئے اور مولانا سید ابوالحسنات کو امیر شریعت کی تجویز پر آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور کا صدر چنا گیا اور پھر کراچی میں کئی ایک میٹنگیں ہوئیں اور تحریک ختم نبوت چلی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ تحریک پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ نے چلائی کہ وہ اس سیڑھی کے ذریعہ مرکز کے دروازے میں داخل ہو کر وزیر اعظم بننا چاہتے تھے۔ ان لوگوں سے یہ سوال ہے کہ ماسٹر تاج الدین انصاری نے دو سال قیام پاکستان سے قبل قادیان میں گزارے۔ مولانا محمد حیات نے قادیاں میں جا کر مرزائیوں کو للکارا اور پھر قادیان میں جلسہ رکھا گیا جس کی حکومت نے ممانعت کر دی اور پھر ایک ہندوؤں کے ہائی سکول کی زمین میں پنڈال بنا کر امیر شریعت نے چھ گھنٹہ تقریر کی۔ جس میں ہندوستان بھر کے اکابر علماء اور ہزارہا افراد ساری رات تقریر سنتے رہے اور اس تقریر کی بناء پر شاہ صاحب پر مقدمہ چلا۔۔۔ اور یہ مقدمہ اتنا سنگین تھا کہ اس پر بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی تھی۔ مجلس احرار اسلام کے سب سے بڑے خطیب اگر انگریز کے زمانے میں کہ جو اس گروہ کا مربیؔ و سرپرست تھا۔ ایسی قربانیاں دے سکتے تھے تو پاکستان بننے پر مرزائیوں کے عزائم کو دیکھتے ہوئے کیسے چپ رہ سکتے ہیں جبکہ الفضل ۱۶، جنوری ۱۹۵۲ میں مرزا بشیرالدین محمود نے اپنے پیروؤں سے پر جوش اپیل کی تھی کہ "اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیں تاکہ جو لوگ اب تک منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ کے آخر تک احمدیت کی آغوش میں آجائیں نیز ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ میں کہا گیا تھا کہ ایک ہی محکمہ فوج ہی میں جمع نہ ہو جائیں بلکہ تمام دوسرے محکموں میں بھی پھیل جائیں"۔ ان حالات میں مجلس احرار اسلام کے زعماء کا ملت پاکستانیہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ارتداد کو روکنے کی کوشش کی ورنہ ان کے ارادے تو پورے پاکستان کو قادیانی بنانے کے تھے۔ ہم نے یہ حوالے تحقیقاتی عدالت کے صفحہ ۲۱۳ سے درج کئے ہیں۔ تحقیقاتی عدالت میں (الفضل کے یہ پرچے فائل کرائے گئے)۔ اس کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ وہ شخص پاکستان کا بدترین دشمن ہے جو ایسے محسن لوگوں کی کردار کشی کرتا ہے جو انتہائی زہریلے سانپ کو مارنے کے درپے ہیں کہ جو پورے ملک کو ڈس جاتا ورنہ اس جماعت کے علاوہ بتایا جائے کہ وہ کون سی جماعت یا افراد تھے کہ جو اس زہریا آگ سے لوگوں کو خبردار کر رہے تھے۔ ملک کے اخبارات چپ تھے، بلکہ جن صحافی حضرات کو پاکستان کا سب سے بڑا محب سمجھا جاتا ہے وہ بھی اس تحریک کے ہمنوا نہ تھے اور جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ ملک کا سب سے اہم عہدہ جو غیر ملکوں سے روابط قائم کرنے کا ہوتا ہے وہ ایک متعصب اور کٹر مرزائی کے پاس تھا۔ جس کے نزدیک اپنے نبی کی اطاعت پہلے اور ملک کی بعد تھی۔ تبھی تو اس نے بانی پاکستان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی یا فلسفی بتائے کہ مرزائیوں کے ان عزائم کا پردہ کسی نے چاک کیا اور اگر چاک نہ کیا جاتا تو کیا حشر ہوتا۔ وہی ہوتا مرزا بشیرالدین اپنے خطبوں میں کہہ رہے تھے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں کے دوسرے فرقے مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ سبھی کا ایک ہی فیصلہ تھا لیکن ان کو ان کے عزائم کی خبر نہ تھی۔ ان عزائم کو ظاہر کر کے سب کو یکجا کر کے تحریک چلانا اور عوام و حکومت کو خبردار کرنا اللہ تعالیٰ نے مجلس احرار اسلام کے مقدر میں لکھا تھا۔

برکت علی محمڈن ہال میں علماء و مشائخ کے کنونشن میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مولانا سید ابوالحسنات کو آل مسلم پارٹیز کنونشن کا صدر چنا گیا۔ اس کنونشن کے داعی مولانا غلام غوث ہزارویؒ (جن کے مرزائیوں کے خلاف دلیرانہ کارناموں کا اسی کتاب میں ذکر ہے) تھے۔ اور مولانا سید ابوالحسنات کو صدر بنانے کی تجویز بحوالہ تحقیقاتی عدالت سید عطاء اللہ بخاری کی تھی اور اس کے موید مولانا محمد علی جالندھری

تھے۔ تحقیقاتی عدالت جسے برائے تحقیقات فسادات کا نام دیا گیا تھا اس کو پڑھ کر دیکھا جائے تو وہ اس کا الزام یا ذمہ دار (کریڈٹ) مجلس احرار اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ کم باعث فخر ہے۔

ہم کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی الجھن نہیں کہ تحریک کا رنگ دیکھ کر پنجاب کے کائیاں وزیر اعلیٰ میاں محمد ممتاز دولتانہ نے وزارت عظمیٰ کی سیڑھی بنانا چاہا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صوبہ اور مرکز کی بنتی نہ تھی۔ لاہور کا سب سے بڑا اخبار "نوائے وقت" دولتانے کے خلاف تھا ممکن ہے دولتانہ نے سوچا ہو کہ تحریک کا رخ مرکز کی طرف کردو اور ویسے بھی مرکز ہی اس قضیے کو ختم کر سکتا تھا۔ آج لوگ دُور کی کوڑی لاتے اور در فنطنیاں چھوڑتے ہیں ان سے سوال ہے کہ اگر اس زہر کا علاج نہ کیا جاتا اور اس خطرناک دشمن سے خبردار نہ کیا جاتا تو نہ معلوم کیا حشر ہوتا، اگر دولتانہ نے استعمال کیا تو اس کے اس مقدس تحریک کو استعمال کرنے کا انجام یہ ہوا کہ اس کے بعد اپنی وزارت اعلیٰ سے اترنے کے بعد لاہور موچی دروازے میں ایک جلسہ کرنے کا حوصلہ کیا لیکن وہ ہو نہ سکا اور اس کے بعد پرانی انار کلی کے قلفہ فالودہ والے چوک کے جنوب میں مندر کے پاس بازار میں ایک رات جلسہ کیا۔ جس میں زیادہ سے زیادہ ایک ہزار آدمی تھے اور پھر یہ صاحب جو کھیل بشمول دوسرے مسلم لیگیوں کے ساتھ کھیلتے رہے اس کا انجام ۱۹۵۸ کا مارشل لاء تھا۔ اس میں محمد ایوب خان نے ایبڈو کا قانون بنا کر سیاست دانوں کو کہا کہ یا مقدمہ لڑ کر اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرو ورنہ سیاست سے دستبردار ہو جاؤ۔ اور دولتانہ صاحب سیاست سے دستبردار ہو گئے۔ دو تین آدمیوں نے اپنا مقدمہ لڑا جن میں سر فہرست شہید حسین سہروردی تھے۔ پاکستان دولخت ہو جانے کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت کے ملازم بن کر برطانیہ میں سفیر بن کر لندن میں عیش کی۔ اور پھر سیاست میں حصہ نہ لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خواجہ ناظم الدین اور ان کے ساتھیوں کا جو سیاسی حشر ہوا وہ بھی ہر ایک پر ظاہر ہے۔ غلام محمد نے آنمحترم کو وزارت عظمیٰ سے علیحدہ کر دیا۔ جنرل اعظم گمنامی کی موت دنیا سے گئے کہ جنہوں نے لاہور میں مارشل میں بے انتہا ظلم کیا۔ اور یہ لوگ "احرار" زندہ ہیں۔ "بیس بڑے مسلمان" میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر تھا۔ جو ایک تاریخی دستاویز بن چکی ہے اور اس کتاب "بیس مردانِ حق" میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد علی جالندہری اور مولانا سید محمد یوسف بنوری کا ذکر ہے۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

چونکہ اس مضمون میں مولانا محمد علی کا ذکر ہے لہٰذا ہم تحقیقاتی عدالت کے متعلق بتاتے ہیں کہ ان کے امیر مولانا سید عطاء اللہ بخاری، ساتھی قاضی احسان احمد شجاع آبادی، صاحبزادہ سید فیض الحسن اور مولانا عبد الرحمٰن میانوی کا علی الترتیب سب سے زیادہ ذکر ہے اور مولانا محمد علی کا کم و بیش ۵۳ دفعہ مختلف جگہ ذکر ہے۔ گنجائش نہیں ورنہ ان تمام مقامات کا ذکر کرتے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر آغا شورش کاشمیری کی کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مرزا غلام نبی جانباز کی امیر شریعت۔ ان پر مشتمل مضامین پر ایک ضخیم کتاب "شاہ جی"۔ چٹان کا ایک نمبر اور اب نقیب ختم نبوت کے دو ضخیم نمبر شائع ہو چکے ہیں اور شاید یہ سلسلہ اور چلے اور چار پانچ جلدیں اور آئیں اور بال شاہ جی کی زندگی میں خاں غازی کابلی نے کتاب لکھی اور آج پورے ملک اور دنیا میں جو ختم

نبوت پر کام ہو رہا ہے وہ انہی بزرگوں کی یاد دلاتا ہے اور ہمیشہ دلاتا رہے گا۔

۱۹۵۳ کی تحریک کو مارشل لگا کر ختم کردی گئی اور اس کو فسادات کا نام دیا گیا لیکن یہی تحریک ۱۹۷۴ میں پھر چلی اور مرزائیت اپنے انجام کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار بھٹو سے لیا۔ حالانکہ مرزائیوں نے پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لئے انتخابات (۱۹۷۰) میں کروڑوں روپیہ خرچ کیا۔ لیکن اسی بھٹو سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لیا۔--------- احرار کے رگ وریشے میں یہ بات کس طرح رچ بس چکی تھی، اس کی ایک مثال مولانا مظہر علی اظہر کے بیٹے خاقان بابر کی ایک بات ہے جو انہوں نے اپنے والد کے مرنے پر آغا شورش کاشمیری سے کہی، میں اس وقت پاس بیٹھا تھا۔-------- خاقان بابر نے کہا کہ ایک دفعہ اباجی، مولانا مظہر علی اظہر نے گلو گیر لہجے میں کہا کہ بیٹا مجھ سے مرزائیت کے خدوخال اور اس کے متعلق تفصیلات از بر کرلو کہ ۲۵ سال کے بعد یہ تحریک پھر چلے گی۔ اس وقت یا تو تحریک کامیاب ہوجائے گی یا پھر اس میں ملک بھسم ہوجائے گا۔ اس وقت مرزائیت کے متعلق وکالت کرنے کی ضرورت ہوگی۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں پتہ نہیں اس وقت کوئی اس طرح جانتا ہو یا نہ۔ ایسا نہ ہو کہ منکرین ختم نبوت کے مقابلے میں محمد رسول اللہ ﷺ کی "ختم نبوت" کی وکالت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ آغا صاحب یہ سن کر رونے لگے اور میرے بھی آنسو نکل آئے۔-- اور امیر شریعت نے بعض لوگوں کے جواب میں کہ "تحریک کا کیا انجام ہوا" فرمایا تھا کہ "میں یہ تحریک چلا کر ایسا ٹائم بم چھوڑ چلا ہوں جو اپنے وقت پر پھٹے گا اور مرزائیت اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی"۔

اس تحریک پر مجلس احرار اسلام تو خلاف قانون قرار دے دی گئی لیکن ایک نئی مجلس تحفظ ختم نبوت کام کرتی رہی جس کے پہلے امیر، امیر شریعت اور ناظم اعلیٰ ہمارے ممدوح مولانا محمد علی تھے۔

چلتے چلتے ایک بات اور سنتے چلئے۔ آغا شورش کاشمیری کہتے تھے کہ میں اپنے گھر میں اپنی بیوی سے اکثر کہا کرتا تھا کہ مولانا محمد علی جالندھری جیسا خطیب وواعظ شاید ہی کوئی ملے۔ افہام و تفہیم کا ایسا ملکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے کہ باید وشاد۔ میری بیوی کہتی تھی کہ وہ تمہارے احراری ساتھی ہیں لہٰذا تم حمایت کرتے ہو۔ لیکن جب یہ تحقیقاتی رپورٹ سامنے آئی اور اس میں مولانا محمد علی کا جو کردار بحیثیت مجموعی ملتا ہے وہ پڑھ کر میں پھولا نہ سمایا اور اپنی بیوی کو بتایا کہ دیکھو کہ پاکستان کے دو نامور جج کیا لکھتے ہیں۔ پوری کتاب دو چار شخصیتوں کے گرد گھوم رہی ہے۔ ان میں ایک مولانا محمد علی ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت: امیر شریعت کی امارت میں قائم شدہ مجلس تحفظ ختم نبوت کو مولانا محمد علی نے تازندگی اس طرح پروان چڑھایا اور ایثار وقربانی کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ ان کو دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کا کوئی مرکزی دفتر نہ تھا۔ ملتان میں اس کا دفتر بنایا۔ باتنخواہ مبلغ رکھے، اور ان کے لئے ایسا نظم ونسق بنایا کہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ شخص کس منظم ذہن کا مالک تھا۔ ایک فارم بنایا جو ہر مبلغ کو سفر پر جاتے ہوئے ساتھ لینا پڑتا تھا اور جہاں کہیں جو خرچ ہوتا تھا اس میں اس کا اندراج کرنا ضروری تھا اور ہدایت تھی کہ کم از کم خرچ کیا جائے کہ رقم قوم کی امانت ہے اور اس کو صحیح اور دیانتداری سے خرچ کرنا چاہیے۔ اس کے متعلق کچھ

واقعات ذکر کئے جائیں گے۔ جو مولانا کی سوانح مرتبہ ڈاکٹر نور محمد غفاری خال ایم پی اے (نواز لیگ) سے ماخوذ ہیں۔

مولانا کی خطابت: مولانا اپنی طرز کے واحد خطیب تھے اور پنجابی میں تقریر کرتے ہوئے اردو کے پیوند اور اردو میں تقریر کرتے ہوئے پنجابی کے پیوند ایسے لگاتے تھے کہ لطف آجاتا تھا۔ دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم انداز میں بیان کرتے تھے کہ ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی بھی اس مسئلہ کو اس طرح سمجھ لیتا تھا جس طرح کہ پڑھا لکھا۔ کبھی کبھی کوئی لطیفہ اور مزاحیہ بات بھی کرجاتے لیکن وہ کسی طبیعت پر گراں نہیں گزرتی تھی اور مثالیں اور حکایات دیکر سمجھانا تو مولانا پر ختم تھا۔ مولانا سید نور الحسن بخاری مرحوم جو خود بہت بڑے خطیب اور انشاپرداز تھے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے اپنی عمر میں گفتگو اور تقریر کے دوران میں برمحل اور سنجیدہ مثالیں پیش کرنے کے فن میں تین آدمیوں کو ماہر پایا ہے۔ ایک سردار صاحب مرحوم (سردار احمد خاں پتافی) دوسرے سردار گل محمد خاں بزدار رئیس اعظم سکھانی دار ضلع ڈیرہ غازیخاں اور تیسرے حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ (اس تحریر کے وقت مولانا زندہ تھے) (بیس بڑے مسلمان۔ ص ۹۸۲، آٹھواں ایڈیشن)

جیسا کہ گزرا علمی مسائل کو بدیہی انداز میں پیش کرتے تھے۔ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا سالانہ جلسہ تھا اور اس میں مولانا کی حجیت حدیث پر تقریر تھی۔ ایسی ایسی علمی باتوں کو عام فہم انداز میں بیان فرمایا کہ لوگ حیران تھے کہ آج تک ایسے عام انداز میں حدیث کے حجت ہونے پر انہوں نے تقریر نہیں سنی تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے اس اجتماع میں اہل علم کثیر تعداد میں موجود تھے اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے بعد میں مولانا سے کہا کہ مولوی صاحب! ہم تو آپ کو سیاسی آدمی سمجھتے تھے لیکن آپ نے تو ہم سے بھی زیادہ علمی باتیں کیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا مولانا کو یہ خراج عقیدت پیش کرنا عجیب وغریب بات تھی کہ ایک تو وہ احرار کے اتنے قریب نہ تھے اور دوسرے خود اتنے بڑے عالم تھے کہ ان کے مقابلے میں کسی کی کوئی علمی تقریر کم ہی جچتی تھی۔

ایک واقعہ میرا چشم دید یہ ہے کہ جامعہ صدیقیہ لاہور کا جلسہ دہلی مسلم ہوٹل میں تھا اور سردار عبد القیوم خاں مہمان خصوصی تھے اور ان دنوں غالباً وہ کشمیر کے صدر تھے۔ مولانا محمد علی جالندھری کو غالباً دعوت بھی نہ تھی لیکن کسی اور مقرر کے نہ آنے پر قاری عبد القیوم صاحب کو پتہ لگا کہ آپ لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں تو آپ نے مولانا کو دعوت دی۔ آپ بے تکلف چلے آئے۔ (صدر جلسہ نے سپاسنامہ پیش کرنا تھا جو لکھا بھی میں نے اور پڑھا بھی ان کی جانب سے میں نے) صدر جلسہ جو بھی تھے۔ تھے)۔

حضرت مولانا نے قرآن پاک کی آیت کریم!

یاایھا الذین آمنوا اذالقیتم فئۃ فاثبتوا
و اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون

پڑھ کر جہاد ذکراللہ اور استقامت پر ایسی موثر تقریر کی کہ سردار صاحب کی آنکھوں سے مسلسل آنسو ٹپکتے رہے۔ ایک تقریر جامعہ رشیدیہ ساہیوال سالانہ جلسے میں کی۔ اس کے صدر اس وقت کے مرکزی وزیر بحالیات حاجی مولا بخش سومرو تھے۔ وہ تقریر عجیب تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ علماء حق ایک سو سال سے دین کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت تو رہی نہ تھی اور انگریز نے پوری کوشش کی کہ دین کو ختم کر دیا جائے اور بقول لارڈ میکالے انگریز کا منشا یہ تھا کہ اگر مسلمان عیسائی نہ بن سکیں تو انہیں مسلمان بھی نہ رہنے دیا جائے لیکن ہمارے اکابر نے دارالعلوم دیوبند مظاہر العلوم سہارنپور اور ایسے ہی پورے برصغیر میں مدارس دینیہ کا جال بچھا دیا۔ اس کے لئے انہیں چندے مانگنا تو ایک طرف لوگوں کے گھروں سے روٹیاں مانگ کر پڑھنا پڑا اور ایسے راسخ العلم علماء پیدا کئے کہ جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہی مدارس میں سے ایک مدرسہ جامعہ رشیدیہ ہے۔ اس کے ابتدائی دور میں، مَیں بھی اس میں پڑھتا رہا ہوں۔ اس مدرسہ نے بڑے بڑے ثقہ اور جید علماء پیدا کئے۔ اس مدرسہ کے مفتی اور صدر مدرس میرے استاد حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب اس جلسہ میں موجود ہیں یہ اسیر مالٹا شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کے خاص الخاص شاگرد ہیں۔ (یاد رہے کہ مفتی صاحب کا ریشمی رومال کی تحریک میں (گمنام مجاہد) کے نام سے ذکر ہے) میں ملک بھر کے تمام دینی مدارس کا نمائندہ بن کر حضرت مفتی صاحب کی موجودگی میں اس امانت کو جو یہ لوگ سو سال سے اپنے سینوں سے چمٹائے پھرتے ہیں۔ حکومت کے ایک نمائندہ حاجی مولا بخش سومرو کو پیش کرتا ہوں کہ اب آپ اس کو سنبھالیں۔ مولانا خود بھی گلوگیر تھے اور صدر سمیت پورے جلسے پر رقت طاری تھی اور غالباً یہی وہ جلسہ ہے کہ جس کا تحقیقاتی عدالت میں بطور خاص ذکر ہے کہ مولانا محمد علی جالندھری نے اس میں زبردست تقریر کی۔

ردّ بدعات اور رسم ورواج کے متعلق بھی بڑے اچھوتے انداز میں سمجھاتے تھے۔ کچہ کھوہ تحصیل خانیوال (اب ضلع خانیوال) میں ایک شب تقریر کی۔ اس میں ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ خاصا مالدار تھا اور اپنے کسی فوت شدہ عزیز کے لئے کھانے پکانے پر خاصا خرچ کرنا چاہتا تھا۔ ایک صاحب نے اس سے کہا کہ میاں صاحب مسجد میں وضو کے لئے پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے اس کی جگہ آپ وہ کر دیں کہ نمازیوں کو پانی میسر آئے۔ اس نے کہا یہ بھی کردوں گا۔ اس شخص نے پھر کہا کہ مسجد میں صفیں بھی نہیں ہیں ان کا انتظام کردو۔ اس نے کہا یہ بھی ہوجائے گا دو تین دینی کام اور کہے سب کے متعلق یہی کہا کہ یہ بھی کردوں گا لیکن یہ ضرور کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ بدعات جب طبائع اور معاشرے میں راسخ ہوجاتی ہے تو پھر ان کو ختم کرنا بہت مشکل ہے۔ کچہ کھوہ ہی کا ایک آدمی جو میانوالی کا تھا وہ اپنے ایک عزیز کے فوت ہونے پر میانوالی نہیں گیا اس سے پوچھا گیا کہ تم کیوں نہیں گئے تو اس نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں اور ہمارے ہاں رواج ہے کہ ایک خاص دن باداموں، کشمش اور فلاں فلاں چیزوں کو سیروں کے حساب سے پراتوں میں بھر کر کھاتے پیتے لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور یہ ذمہ میرا ہوگا۔ میں غریب ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ قرض لے کر یہ رسم ادا کروں اور پھر کتنی دیر اس قرض کے تلے دبا رہوں۔

شروع میں آپ نے ماں کی مامتا کے متعلق مولانا نے جو دریائے جمنا میں ایک کشتی الٹنے پر قصہ بیان کیا، پڑھ چکے ہیں۔ ایسی حکایت یا مثال بیان کرتے ہوئے مولانا سامعین کو ایسے مقام پر لے جاتے تھے گویا کہ وہ اس واقعہ یا قصہ کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

جس شخص نے مولانا کی ایک دفعہ تقریر سنی تو پھر جب اس کو کسی وقت پتہ لگا کہ فلاں جگہ مولانا کی تقریر ہے اور اس کا وہاں پہنچنا ممکن ہوتا تو وہ ضرور پہنچتا۔

میں نے میاں چنوں میں کئی ایک جلسوں میں حضرت مولاناؒ کو بلایا اور تقریر کرائی، مجال ہے کہ کوئی شخص تقریر کے دوران میں اٹھ کر چلا گیا ہو۔ سب لوگ آخر تک تقریر میں بیٹھے رہتے تھے اور کئی جگہ تو ایسا ہوا کہ مولانا نے ایسی پرتاثیر مدلل تقریر کی اور اس کے بعد امیر شریعت کی تقریر تھی تو امیر شریعت نے یہ کہہ کر تقریر کرنے سے انکار کردیا کہ جو کچھ میں نے کہنا تھا وہ زیادہ موثر اور عام فہم انداز میں مولانا محمد علی نے بیان فرمادیا ہے، اب میری تقریر کی ضرورت نہیں۔

سیاسی لوگ اور نمبر: سیاسی لوگوں کے پولیس اور سی آئی ڈی کے ہاں سٹار اور نمبر ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں کو ڈبل سٹار اور درمیانے لوگوں کو سنگل سٹار کہا جاتا تھا۔ امیر شریعت رئیس الاحرار، خان عبد الغفار ایسے لوگ ڈبل سٹار تھے۔ قاضی احسان احمد، مولانا جالندہری ایسے لوگ سنگل سٹار ہوتے ہیں جیسا کہ بتایا پولیس اور سی آئی ڈی کے کاغذات میں ان کا نمبر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سنگل سٹار ہے اور اس کا نمبر ۲۲ ہے تو اگر اس نے ملتان سے میاں چنوں کا سفر کرنا ہے تو ملتان سے میاں چنوں اطلاع کردی جائے گی کہ نمبر ۲۲ سنگل سٹار ملتان سے میاں چنوں کے لئے چل پڑا ہے اور پھر یہ یہاں تک ہوتا کہ اگر وہ نمبر گاڑی (ٹرین) پر آرہا ہے تو حتی الوسع پولیس یا نگران آدمی کی کوشش ہوگی کہ وہ ٹکٹ کا نمبر اور پھر ریل کے ڈبے کا نمبر بھی دوسری جگہ بتائے۔ میاں چنوں میں ایک دفعہ جلسہ تھا اور عشاء کے بعد حضرت مولانا محمد علی کی تقریر تھی۔ حضرت مولانا نے مجھے فرمایا تھا کہ میں جمعہ مسجد سراجاں میں پڑھ کر لنڈی گاڑی پر میاں چنوں کے لئے روانہ ہوں گا (لنڈی گاڑی ملتان سے ساہیوال تک جاتی تھی اس لئے اسے لنڈی کہتے تھے) یہ گاڑی تقریباً سات، ساڑھے سات میاں چنوں پہنچ جاتی تھی۔ جلسہ شروع ہوگیا مگر نہ گاڑی آئی نہ مولانا تشریف لائے۔ مجھے بڑی تشویش ہوئی۔ یہ گمان تو نہ تھا کہ مولانا وعدہ پورا نہیں کریں گے، لیکن کوئی ایسی بات ممکن تھی کہ مولانا نہ آسکتے ہوں-------- ان دنوں فون کی سہولت اتنی عام نہ تھی کہ پتہ کرلیا جاتا۔ میاں چنوں میں پولیس کے حوالدار چودھری عبد الجبار میرے دوست تھے۔ وہ میری پریشانی کو بھانپ گئے۔ انہوں نے مجھے ایک طرف تنہا کرکے کہا کہ مولانا فلاں ڈبے میں اس ٹکٹ نمبر پر سوار ہوچکے ہیں۔ تم "دھڑلے" سے جلسہ میں اعلان کردو۔ لیکن میرا ذکر نہ کرنا اور میں نے ایسا ہی کیا اور بڑے قطعی اور حتمی انداز میں اعلان کیا کہ ہمارے ذرائع کی اطلاع کے مطابق حضرت مولانا ملتان لنڈی پر سوار ہوچکے ہیں اور میں ان کے ڈبے اور ٹکٹ کا نمبر بھی بتاسکتا ہوں۔ میرے اس اعلان سے میری "ٹور" بن گئی۔ اسٹیشن پر آدمی موجود تھے۔ مولانا سیدھے جلسہ گاہ کی طرف تشریف لاکر سٹیج پر رونق افروز ہوئے۔ اور غالباً پانی اور چائے کی ایک پیالی پی کر دوڈھائی گھنٹہ تقریر فرمائی۔

ایک دفعہ خود فرماتے تھے کہ ہم غائب نہیں ہوسکتے۔ ہمارا پولیس کو علم ہوتا ہے کہ ہم کہاں ہیں لیکن اگر ہم خود ہی چاہیں کہ ان کو چکمہ دے کر غائب ہوجائیں تو علیحدہ بات ہے۔ اور ایک قصہ سنایا کہ میں نے ایک دفعہ بہاول نگر یا اس طرف کسی علاقے میں جانا تھا کہ ایک جگہ تقریر تھی لیکن ایک رات خالی تھی اور مجھے تھکاوٹ بھی بہت تھی۔ میں وہاں ہی اتر کر ایک دوست کے گھر چلا گیا اور رات وہاں آرام کرکے اگلی شب موعودہ جگہ پہنچا۔ ایک دن ایک سی آئی ڈی کا ایک آدمی غالباً (اے ایس آئی) میرے پاس آیا اور پوچھا کہ حضرت آپ

فلاں رات کہاں تھے۔ میں نے کہا یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ اس نے کہا کہ مجھے ملتان سے چلنے کا پتہ ہے اور فلاں جگہ پہنچنے کا بھی علم ہے لیکن درمیان کی شب کا علم نہیں کہ آپ کہاں تھے۔ میں نے پھر (مذاقاً) کہا کہ یہ تمہاری ڈیوٹی ہے تم کو پتہ ہوگا۔ اس کے بعد وہ منت سماجت کرنے لگا کہ حضرت آپ کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا، میری نوکری کا معاملہ ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میری انکوائری ہوگی اور شاید معطل کردیا جاؤں۔ خدا کے لئے آپ بتادیں کہ اس شب کا خانہ میں نے پر کرنا ہے کہ آپ کہاں تھے۔ اس پر مجھے ترس آیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں فلاں جگہ فلاں شخص کے پاس رات رہا تھا تو اس کی جان میں جان آئی۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ اور ہے جو ہے تو ذرا مختلف لیکن پولیس کے متعلق ہے۔ آپ نے پڑھا کہ چودھری عبد الجبار حوالدار میرے دوست تھے۔ ان دنوں میاں چنوں اے ایس آئی منیر حسین شاہ صاحب تھے۔ کچھ دنوں پہلے غالباً عبد الحکیم یا مخدوم پور------ میں شیعہ حضرات کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں مولانا بھی تھے۔ مناظروں میں جیسا کہ ہوتا ہے۔ شیعہ حضرات نے ایک اشتہار اور پمفلٹ شائع کیا جس میں درج تھا کہ سنیوں کو شکست فاش ہوئی اور مولانا محمد علی جالندھری سُنّیوں کے مناظر ہار گئے۔ ان دونوں دوستوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا محمد علی جالندھری کی زبانی جلسے میں یہ بات ہم سننا چاہتے ہیں کہ کیا مناظرہ ہوا۔ شیعہ حضرات بہت خوشی منا رہے ہیں۔ میں نے حضرت مولانا کو ایک خط لکھا اور اس میں ان ہر دو حضرات کا ذکر کیا لیکن احتیاط یہ کی کہ یہ خط مولانا محمد صدیق صاحب مدرس مدرسہ خیر المدارس (حال شیخ الحدیث خیر المدارس) کے پتہ پر ان کو لکھا اور خط کے اندر لکھا کہ حضرت مولانا کو یہ خط پہنچا دیا جائے۔ سی آئی ڈی اور پولیس ان حضرات کے متعلق اس قدر الرجک تھی کہ ان کے رشتہ داروں کے بھی خط سنسر کرتی تھی۔ چنانچہ وہ خط سنسر ہوگیا اور یہ دونو بزرگ ملتان ایس پی آفس میں بلائے گئے اور ایس پی صاحب نے ان سے کہا کہ کیوں نہ تمہیں معطل کرکے تم پر مقدمہ چلایا جائے کہ تم پولیس میں ہو کر اس طرح کی باتوں میں حصہ لیتے ہو۔ ان ہر دو حضرات نے کہا کہ اس مولوی نے مولانا محمد علی کی تاریخ لینے کے لئے یہ پاپڑ بیلا ہے ورنہ ہم نے تو کوئی بات نہیں کی۔ پھر بھی ان کو معافی مانگنا پڑی تب جا کر خلاصی ہوئی۔ یہ بات مجھے چودھری عبد الجبار نے بتائی کہ تم نے تو ہمیں مار دیا تھا۔ میں نے بتایا کہ میں نے یہ خط ضرور لکھا لیکن میں نے تو خاص احتیاط برتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ خط ایس پی کی میز پر پہنچ گیا۔ قارئین نے دیکھا کہ مجلس احرار اسلام سے حکومت کا کیا سلوک تھا۔ وہی طور طریقہ جو انگریز کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ ابھی تک چلا آ رہا ہے۔ اس کی کچھ اور تفصیل بھی ہے لیکن اس کا حضرت مولانا کے حالات سے کوئی تعلق نہیں۔ انشاء اللہ "حیات مستعار" میں اس کا ذکر ہوگا۔

اپنا ذکر حضرت مولانا کے ساتھ چلا ہے تو مزید ایک دو حکایتیں پڑھ لیں۔ راقم نے مئی ۱۹۵۰ میں میاں چنوں میں مجلس احرار اسلام کا ایک جلسہ کرایا۔ جس میں امیر شریعت، خطیب پاکستان قاضی احسان احمد، ماسٹر تاج الدین انصاری اور مرزا غلام نبی جانباز تشریف لائے۔ اور یہ بھی کئی خطوں کے بعد طے ہوا کہ شاید خطوط "سرکار کے ہاں" چلے جاتے رہے۔ مئی میں گرمی ہوتی ہے مندر کے ہال میں حضرات کا قیام تھا۔ خربوزوں کا موسم تھا۔ میں نے خربوزے کدوکش کرکے یا چاقو چھری سے باریک کرکے چینی ڈال کر اس میں برف کوٹ کر ملائی اور پلیٹوں میں یہ سویٹ ڈش کی۔ حضرات بڑے خوش ہوئے۔ اس پر حضرت مولانا محمد علی نے فرمایا کہ عبد الرشید اگر تو

وعدہ کر لے کہ ہر سال اس طرح خربوزے کھلایا کرے گا تو ہم ہر سال میاں چنوں آیا کریں گے۔ یہ میری حوصلہ افزائی تھی۔

ایک دفعہ میاں چنوں تشریف لائے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک حجام کی دکان پر ناخن وغیرہ اتروا رہے تھے کہ سامنے مکئی کے بھٹے نظر آئے تو مولانا نے فرمایا عبد الرشید مکئی کے یہ بھٹے لاؤ۔ ساتھ کہا کہ جس شخص کے ساٹھ سال کی عمر میں دانت سالم ہوں اگر وہ گنا نہ چوسے اور بھٹے نہ کھائے تو یہ کفران نعمت ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی حوصلہ افزائی یا ہلکی پھلکی سستی چیزیں کھانے کا انداز تھا۔

مولانا کی سید مودودی سے جیل میں ملاقات: مولانا مودودی کو جن دنوں تنازعہ کشمیر میں حکومت نے گرفتار کر کے ملتان جیل میں قید کر دیا۔ اس کی تفصیل یعنی تنازع کشمیر کی کیا تھی مختصراً یہ ہے کہ کشمیر میں جنگ لگ چکی تھی اور قبائلی اور خفیہ طور پر ملکی فوجیں بھی ان کی امداد پر تھیں۔ ان دنوں مولانا مودودی کے متعلق ایک بیان منسوب کیا گیا کہ یہ جنگ جائز نہیں۔ انہوں نے کس انداز میں کہا اور رپورٹر نے کسی اور انداز میں بیان کیا۔ حاصل یہ کہ مولانا مودودی کو گرفتار کر لیا گیا۔۔۔۔ مولانا سنٹرل جیل یا ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں تھے کہ مولانا محمد علی جالندھری، حکیم سید انور علی، شیخ محمد یعقوب جیل میں مولانا مودودی سے ملے اور ان سے کہا کہ ہمیں اور آپ کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا لیکن اب یہ بن گیا ہے تو اب ہم کو اس کے مقصد اور مشن یعنی پاکستان کا مطلب کیا۔ **لاالہ الا اللہ** کے لئے مل جل کر باہمی اتحاد و اشتراک سے کام کرنا چاہیئے تاکہ ملک کا قبلہ درست ہو۔ ہمارے پاس یعنی احرار کے پاس جانباز رضا کاروں کی منظم تنظیم ہے اور آپ کے ساتھ اہل قلم ہیں یہ دونو قوتیں جب مل جائیں گی تو پھر ہم ملک کو اس کے ہدف یعنی اسلامی ریاست تک پہنچا سکیں گے۔ لیکن اس میں ایک گزارش ہے کہ آپ نے آج تک جو اپنی آرا یا دینی افکار جمہور کے خلاف اپنی کتابوں میں لکھے ہیں ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں لیکن ایک اعلیٰ مقصد کی خاطر آپ آئندہ اس طرح کی فروعی بحثیں نہ چھیڑیں۔ اس پر مولانا مودودی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے ضمیر پر پہرے بٹھا دوں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر بات ختم ہو گئی۔ یہ بات میں نے آج سے دو سال قبل "الرشید" میں بھی لکھی تھی اور اس کو خود مولانا، مفتی محمود اور شیخ محمد یعقوب سے سنا تھا۔ افسوس کہ اس بات کے آخری گواہ شیخ محمد یعقوب بھی فوت ہو گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ لیکن میں اس بات کو برسہا برس سے احباب سے بیان کرتا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر انہیں دنوں دینی جماعتیں مشترکہ موقف اختیار کر لیتیں تو شاید آج ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا کہ پہلے ملک دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کے بعد جو صورت حال ہے اس پر تبصرہ کرنا بیکار ہے کہ آج ہر شخص کہہ رہا ہے کہ کل کیا ہو گا؟۔ میں نے اس پر "بیس بڑے مسلمان" کے مقدمے میں جو علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے لکھا تھا۔ حاشیہ لکھا تھا جو یہ ہے:۔

> امیر جماعت اسلامی اس دور میں داعی اسلام کہلاتے ہیں بلکہ انہوں نے خود بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ "داعی اسلام بے چارہ کیا کرے" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مختلف مسلم فرقوں کو یکجا کرنے کے لئے کیا کیا؟ تحریری طور پر تو وہ سبق دیتے ہیں کہ میں امت مسلمہ کو یکجا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں اور اس نعرے کی بدولت شروع شروع میں ہندوستان کے بعض بڑے علماء نے اس پر لبیک کہا، اور کئی اکابر نے ان کی تحسین بھی کی جس کو آج بھی

جماعت اسلامی اچھالتی ہے لیکن عملاً وہ بعض اجتہادی مسائل اور بعض دوسرے امور میں پوری امت کے مجددوں پر تنقید کر کے اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں سے ایک علیحدہ فرقہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اسلامی نظام جو اصل مقصد ہے اس کے لئے تو وہ مشترکہ قیادت کے قائل نہیں لیکن جمہوریت کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کی بھی قیادت قبول کرتے ہیں اور نوابزادہ نصر اللہ خاں کی بھی ع ایں چہ بوالعجبی است (ارشد) بیس بڑے مسلمان صفحہ ۲۰۲-۲۱-

اور آج میں یہ کہتا ہوں کہ جب ایک ایسا مرحلہ آیا کہ ایک عالم دین کی قیادت میں پوری قوم حکومت کے خلاف اکٹھی ہو جاتی تو ان دنوں وہ جماعت کی امارت سے مستعفی ہو گئے۔ ہم بدگمانی نہیں کرتے، انہوں نے یہ استعفیٰ اپنی علالت اور بعض دینی امور میں مصروفیات کی خاطر دیا تھا لیکن عملاً اپنی انفرادیت کو پھر بھی برقرار رکھا کہ جماعت منجملہ اور جماعتوں کے ایک اتحاد میں شریک ہے اور مولانا اپنی حکمت عملی سے بھٹو کو اپنے گھر بلوا کر ان سے ملاقات کرتے ہیں اور پھر ایک پالیسی بیان بھی دیتے ہیں۔ جبکہ سیاسی طور پر یہ غلط تھا کہ جب جماعت اور اس کا امیر دوسری سب جماعتوں کے ساتھ بھٹو کے ساتھ مزاحمتی تحریک چلا رہے ہیں تو وہ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ اس پر جماعت اسلامی کے حلقوں سے بھی مولانا پر تنقید ہوئی تھی کہ انہوں نے یہ بیان کیوں دیا۔ دراصل وہ ملک اور دنیا کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو میری یہ حیثیت ہے کہ وزیر اعظم میرے گھر آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن بھٹو صاحب گھر سے باہر نکلے تو جماعت کے ورکروں کو پتہ چل گیا تھا اور انہوں نے بھٹو کے خلاف نعرے لگائے کہ "ہمیں بھٹو کا سر چاہیے"۔۔۔۔۔۔۔۔ عرض یہ کرنا ہے کہ جب ملک کی قیادت اور ایک متحرک اور سمجھ دار عالم دین کے ہاتھ میں آنے والی تھی تو مولانا کو ان کے ساتھ مل کر بیٹھ کر بحیثیت ایک جماعت کے امیر کے کام کرنا ضروری تھا لیکن انہوں نے اس سے بہت پہلے استعفیٰ دے دیا تھا۔

میرا اس دراز نفسی سے مطلب یہ ہے کہ جو بات ایک باہمت عالم دین نے ۱۹۴۹ء میں مولانا مودودی کو کہی تھی وہی کام پھر ۱۹۷۷ء میں کرنا پڑا لیکن اس وقت پلوں کے نیچے بہت سا پانی گزر چکا تھا اور آج جس تاریخ کو میں یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں اس سے ایک دن پہلے جمہوریت اور انتخابات کی خاطر جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد صاحب اسلام آباد میں دھرنا مارنے کی دھمکی دے کر پورے ملک سے ہزاروں کارکنوں کو راولپنڈی بلا کر اسلام آباد جانا چاہتے تھے اور تصادم ہو گیا اور ایک دن وہ بھی تھا کہ ملک کی تمام دینی جماعتیں مرزائیت۔۔ ظفر اللہ وغیرہ کے خلاف راست اقدام کرنا چاہتی تھیں تو ایسے دینی اور مقدس مشن سے مولانا علیحدہ ہو گئے تھے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن اب اسی جماعت کا امیر جمہوریت وزیر اعظم ہاؤس کا ہزاروں بلکہ لاکھوں کارکنوں کے ساتھ دھرنا چاہتا ہے اسے حالات کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا کہا جائے گا۔ بات دور نکل گئی۔۔۔۔۔ بات یہ تھی کہ جب لوہا گرم تھا مولانا محمد علی جالندھری کی بصیرت نے یہ محسوس کیا کہ دینی طاقتوں کو مل کر کام کرنا چاہیے لیکن مولانا نے یہ جواب دیا۔

جماعت اسلامی اور مولانا محمد علی: اور اس کے بعد جب مولانا نے یہ کہا کہ کیا میں اپنے ضمیر پر پہرے بٹھا دوں تو اس کے بعد مولانا مودودی کی متنازعہ اور تحریریں شائع ہوئیں، جن کے متعلق بریلوی، اہل حدیث اور دیوبندی مکتبہ فکر کے تمام علماء نے ناپسندیدگی

اظہار کیا اور مولانا محمد علی تو پھر بڑے ذہین تھے۔ مولانا مودودی نے اپنی ایک کتاب میں دجّال کے بارے میں یہ لکھا جس کا مفہوم:۔ یہ ہے کہ کانا دجال وغیرہ تو فسانے ہیں کیا آج تک کی تاریخ نے یہ بات ثابت نہیں کردیا کہ اس کا وجود نہیں ہے کہ آج دنیا کا کوئی گوشہ چھپا نہیں رہا (حالانکہ پہاڑوں میں بے شمار غاریں وغیرہ ایسی ہیں کہ جہاں تک انسانی نظر نہیں پہنچ سکی۔ (ارشد)

اس پر مولانا جالندھری کی میں نے موچی دروازے میں تقریر سنی جس میں انہوں نے کہا کہ صحیح احادیث سے دجّال کے بارے میں بڑی تفصیل آئی ہے لیکن مودودی صاحب نے اس کے بارے میں یہ لکھا لیکن جب ایک مرد و عورت کا بغیر گواہوں کے نکاح کا جواز پیش کرنا چاہا تو پھر ایک کشتی کو توڑ کر یا سالم ان کو ایک جزیرے میں لے جاتے ہیں کہ جہاں کوئی انسان یا آدم زاد نہیں، اور پھر یہ کہتے ہیں کہ انسانی خواہشات اور نفسانی تقاضوں سے مجبور ہو کر اگر وہ آپس میں نکاح کرلیں تو زنا سے بچ سکتے ہیں یعنی حدیثِ دجّال پر اعتراض کرنے کے لئے تو یہ کہا جس کا مفہوم اوپر گزرا۔ اور اس نکاح کے جواز میں ایک ویران جزیرہ تلاش کرلیا اور بغیر گواہوں کے نکاح بھی کرنے کو جائز کہا۔ مولانا محمد علی صاحب بہت عمدہ انداز میں محاکمہ اور تجزیہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مودودی صاحب امّت کے تمام مجددین سمیت انبیاء علیہم السلام پر بھی تنقید کرجائیں لیکن مودودی صاحب پر اگر کوئی عالم تنقید کرے تو جماعت کے سب جرائد اور سب اہلِ قلم اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑجائیں ایسا کیوں ہے؟ اگر سلف پر اپنے امیر کی تنقید پڑھتے ہو اور اس کو سراہتے ہو تو پھر اپنے امیر پر تنقید کو بھی برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرو۔ لیکن پاکستان کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ عبد الغفار خاں اور عبد الولی خاں اور ان کی پارٹی کو پاکستان کے سرکردہ افراد نے کبھی نہیں بخشا۔ لیکن جب ضرورت پڑتی تو پیپلز پارٹی بھی ان کو اپنا حلیف بناتی ہے اور مسلم لیگ بھی اور آج کل مسلم لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی یک جان دو قالب ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اتنے پکے ہیں کہ کالا باغ ڈیم کے متعلق انہوں نے اپنا موقف نہیں بدلا۔

عام مجالس میں خصوصی گفتگو سے پرہیز: مجلس احرار اسلام کے سب زعماء کی کام کرتے کرتے خود ہی ایسی تربیت ہوگئی تھی کہ کوئی راز کی بات عام مجالس میں نہیں کرتے تھے اگر کوئی کچھ ایسی کسی بات کے متعلق پوچھتا بھی، تو بلطائف الحیل ٹال جاتے یا مسکرا کر کہہ دیتے کہ تمہیں اتنی فکر کیوں ہے ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد علی جالندھری میں بھی یہ بات بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور میں نے بچپن سے لے کر آخر تک ان کو اس پر بڑی سختی سے کاربند دیکھا۔ ویسے عام مجالس میں بڑی خوش خُلقی سے کھل کر باتیں کرتے کہ جس کو مجلس میں ہر شخص پسند کرتا اور یہ محسوس کرتا کہ مولانا ہمیں بڑے بڑے رازوں سے آگاہ کر رہے ہیں۔ آپ کے جانشین اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ آپ کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن میں بھی یہ خوبی اور کمال پایا جاتا ہے اور ان معنوں میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ہیں۔ تقریر کم کرتے ہیں لیکن جو بات کرتے ہیں مختصر اور جامع کرتے ہیں اور نظام کو بہتر انداز میں سنبھالے ہوئے ہیں۔

حافظہ وذکاوت: ایک صحیح سیاسی اور مذہبی لیڈر کے لئے یہ خصوصیت بہت ضروری ہے کہ ملنے والے احباب کے نام یاد رہیں اور ان کو مخاطب کریں تو اخلاق کے ضابطہ کے ساتھ نام سے پکاریں۔ مولانا کا حافظہ غضب کا تھا اور ان کو اپنے تمام احباب کے نام یاد تھے جو یقیناً سیکڑوں نہیں ہزاروں ہوں گے اور جب کسی مجلس میں کسی کو مخاطب کرنا ہوتا تو اسے نام سے پکارتے مثلاً مجھے مخاطب کرنا ہے تو، فرماتے۔۔۔۔۔۔۔ عبد الرشید میں نے تم کو فلاں بات کہی تھی کیا اس پر عمل ہوا۔ اس انداز سے مخاطب کا سر فخر سے بلند ہوجاتا کہ مولانا کو مجھ سے خصوصی تعلق ہے تبھی تو ان کو میرا نام یاد ہے اگر کسی رہنما یا لیڈر میں یہ بات نہیں تو یہ ایک قسم کی کمی ہے بہر حال مولانا میں یہ خوبی تھی اور یہ ان کے حافظے کا کمال تھا۔

نظم وضبط اور مجلسی آداب: گزشتہ سطور میں بھی گزر چکا کہ آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے متعلق ایک فارم شائع کرایا ہوا تھا جو مجلس کے ہر مبلغ کو دیا جاتا اور مبلغ صاحب اپنے پورے سفر میں جو جو خرچ کرتے اور جہاں جہاں جاتے اس سب کی اس میں تفصیل ہوتی۔ اسی نظم وضبط کی وجہ سے وہ بشرط صحت خیر المدارس کے سالانہ جلسوں کے سٹیج سیکرٹری ہوتے اور اس میں کوئی خفت محسوس نہ کرتے حالانکہ آپ ذاتی اور جماعتی طور پر بہت اونچے مقام پر تھے لیکن یہ جلسہ آپ کے استاد کا ہوتا اور آپ اس کی خدمت کرنا اپنے لئے فخر وسعادت سمجھتے۔

لاہور برکت علی ہال میں آپ کی کوششوں سے تحریک ختم نبوّت کے متعلق جو ملک بھر کے علماء ومشائخ کا اجتماع ہوا۔ اس میں آپ نے دیکھا کہ مولانا حبیب اللہ جالندھری (فاضل رشیدی) ہال کے کونے میں کسی شخص سے کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے سٹیج سے ان کا نام لے کر کہا کہ مولانا حبیب اللہ باتیں مت کرو، خاموشی سے کارروائی سنو۔ فاضل رشیدی مرحوم شاید کوئی اہم بات کر رہے تھے یا ایک آدھ فقرہ گفتگو کا باقی تھا پھر مخاطب سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے (پہلے بھی آہستہ ہی کر رہے تھے) اب مولانا کو غصہ آیا اور غصے سے فرمایا کہ مولوی حبیب اللہ خاموش ہوجاؤ ورنہ میں حکم دوں گا کہ ہال سے باہر نکل جاؤ۔ فاضل رشیدی آپ کے استاد زادے تھے لیکن مولانا کے شاگرد بھی تھے اسی لمحے بالکل ساکت وخموش ہوگئے۔ مولانا جالندھری کو یہ نظم وضبط کا سبق اپنے اولین استاد حضرت مفتی فقیر اللہؒ،

دوسرے استاد حضرت مولانا خیر محمدؒ سے ملا تھا اور جب مجلس احرار اسلام میں آئے تو یہاں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمنؒ نے اس کو مزید جلا بخشی اور آپ کندن بن گئے۔ اس معاملے میں سب آپ کا لحاظ کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے استاد حضرت مولانا خیر محمدؒ بھی اس کا خیال رکھتے تھے اس کے متعلق ڈاکٹر نور محمد غفاری نے اپنی کتاب میں یوں تذکرہ بروایت حضرت مولانا عبداللہؒ فرمایا ہے کہ:۔

"ایک دفعہ میں اور (حضرت) مولانا خیر محمد (جو مولانا جالندھری کے استاد اور مربی تھے) ایک تبلیغی سفر پر تھے۔ ہمیں لاہور میں ایک جلسہ سے خطاب کرنا تھا۔ دوران سفر ہمیں دیوا شتہانے ستایا (حضرت) مولانا خیر محمدؒ نے مجھے فرمایا کوئی سستی چیز پکوڑے وغیرہ لے کر آنا۔ زیادہ خرچ نہ کرنا۔ محمد علیؒ کو جا کر حساب دینا ہے یہ وہ زمانہ تھا جن دنوں وہ برصغیر (متحدہ پاک وہند) کے مدرسہ خیر المدارس میں خازن اور مدرس تھے .... اور خرچ میں کفایت کے متعلق خود میرا اپنا کئی دفعہ کا مشاہدہ ہے کہ منٹگمری (حال ساہیوال) یا میاں چنوں جلسہ میں آئے تو ناشتے میں اگر کوئی چیز خشک سی ہوتی مثلاً بوندی یا نمک پارے وغیرہ تو پوچھ کر کہ یہ کچھ بچ گئی ہے اگر میں اس کو لے لوں تو اجازت ہے کہ راستے میں کسی جگہ بھوک لگے تو کوئی چیز خریدنا نہ پڑے اور پھر اس کو کسی کاغذ یا لفافے میں رکھ کر اپنے تھیلے وغیرہ میں رکھ لیتے یا رومال کے پلو میں باندھ لیتے ----- اور ہر مبلغ کو یہ ہدایت تھی کہ جہاں کہیں وعظ یا تبلیغ کے لئے جاؤ تو وہاں کھانے پینے کا کوئی خاص مطالبہ نہ کرنا جو مل جائے وہی کھانا اور اگر رقم ملے تو اسی وقت اس کی رسید کاٹ کر دے دینا کہ تمہاری مجلس کی طرف سے تنخواہ مقرر ہے۔

شعر وداب سے تعلق: میں نے آپ کی بیسیوں تقریروں میں آپ کی زبان سے تین شعر سنے ایک اردو کا، دو فارسی کے جو یہ ہیں:۔

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے　　یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

اور فارسی کے دو شعر یہ تھے!

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی　　منت شناس ازاں کہ بخدمت بداشتت

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

تقریر میں اردو پنجابی کے پیوند: آپ کی تقریر اگر اردو میں ہوتی تو اس میں پنجابی کے پیوند ہوتے اور اگر اردو میں ہوتی تو پنجابی کے پیوند ہوتے لیکن سامعین تقریر سننے میں کچھ اس قدر محو ہوتے کہ ان کی ادھر توجہ نہ جاتی۔ میرے ایک بزرگ جو آپ کے بہت عزیز شاگرد و دوست تھے۔ مولانا غلام حیدر ان کا اسم گرامی تھا میاں چنوں میں اردو فارسی کے استاد کی حیثیت سے ہائی سکول سے ریٹائر ہوئے اور پھر اسلام آباد میں مجلس کے مبلغ لگ گئے۔ کسی زمانے میں لاہور مجلس احرار کے (غالباً) اعزازی آفس سیکرٹری بھی رہے۔ یہ تقسیم سے قبل کی بات ہے غالباً گرمی کی چھٹیوں میں دفتر میں اعزازی کام کرتے ہوں گے۔ ان کی روایت یہ دو فقرے ہیں کہ:۔

اس نے واھن میں ڈھیلا پھینک دیا۔ (واھن بل چلی ہوئی زمین کو کہتے ہیں)

اس نے وکھی پر گھڑا چوک لیا۔ (وکھی بمعنی کمر۔ چوک لیا بمعنی اٹھالیا)

آپ اپنی تقریر میں افہام تفہیم کا خیال رکھتے تھے کہ سامعین کو آسانی سے بات سمجھ میں آجائے۔ فصاحت بلاغت یا فقروں کی بناوٹ کا خیال نہیں فرماتے تھے کہ اصل مقصد تبلیغ تھی جیسے سامعین ہوتے انہی کے ذھن ودماغ کے مطابق تقریر کرتے اور سامعین کی قلت وکثرت کی پرواہ نہ کرتے۔ دیہات میں ایسے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے کہ جو سب ان پڑھ ہوتے تو جیسا کہ گذرا منقولات کو معقولی انداز میں پنجابی میں ایسا سمجھاتے کہ اس سے بہتر سمجھانا کسی اور کے لئے مشکل ہوتا اور پنجابی میں کبھی کبھی اردو کے پیوند لگاتے اور شاید یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ پنجابی کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ لیکن بہت سادہ، جب سٹیج پر تشریف لاتے تو محسوس ہوتا کہ کوئی سادہ دیندار دیہاتی ہے۔ لیکن جب تقریر کرتے تو کئی دفعہ یوں محسوس ہوتا گویا قرنِ اول کا کوئی مجاہد تقریر کر رہا ہے۔ عوام کی بولی ٹھولی میں ختم نبوّت اور سیاسی دینی مسائل سمجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

جیم کی مناسبت: تحریک ختم نبوّت میں میاں چنوں میں ایک مسلم لیگی لیڈر ماسٹر نذیر احمد مرحوم (جو بہت اچھے خطیب اور جذباتی مقرر تھے) نے تحریک ختم نبوّت ۱۹۵۳ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان نے تین محمد علی پیدا کئے، پہلے مولانا محمد علی جوہر کہ جنہوں نے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی، دوسرے محمد علی جناح جنہوں نے ہمیں دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک لے کر دیا (اس وقت مشرقی اور مغربی پاکستان اکٹھے تھے) اور تیسرے مولانا محمد علی جالندھری کہ جنہوں نے تحفظ ناموس ختم نبوّت کی خاطر تمام مسلمان فرقوں کو متحدہ کردیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ راقم اس میں چوتھے چودھری محمد علی جالندھری کا اضافہ کرتا ہے کہ جنہوں نے ۱۹۵۶ء میں پاکستان کو آئین دیا لیکن اسکندر مرزا نے اس کو ختم کردیا پھر انہی چودھری محمد علی نے ایوب خاں کے مارشل لاء میں دیہات قصبات میں جا کر مارشل لاء کے سناٹے کو توڑا اور عوام وخواص میں جرأت پیدا کی ورنہ قبرستان کا سا سناٹا یا سکوت تھا اور عجیب اتفاق یہ کہ چاروں محمد علی جس لاحقہ سے مشہور ہیں اس میں جیم آتی ہے اور دو محمد علی جالندھری نکودری اور ارائیں تھے۔ بہر حال یہ ایک اچھا نکتہ ہے جو مقرر نے پیش کیا۔

بانیٔ پاکستان کی وفات: راقم خیر المدارس میں ابتدائی کتب پڑھتا تھا کہ بانیٔ پاکستان کی وفات ہوئی اور حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے مدرسہ میں نوٹس بورڈ پر اعلان لکھ کر لگایا کہ بانیٔ پاکستان، محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کی وفات پر مدرسہ میں چھٹی کی جاتی ہے تاکہ سب طلباء اساتذہ ان کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے اگلا جمعہ میں نے حسب معمول حسین آگاہی مسجد سراجاں میں پڑھا۔ حضرت مولانا نے بانی پاکستان کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ میں محسوس کر رہا تھا بلکہ سب ہی سامعین وحاضرین محسوس کر رہے تھے کہ مولانا بانیٔ پاکستان کی وفات پر خاصے دل گرفتہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ تحریک پاکستان کے وقت ہمارا (مجلس احرار اسلام) کا مسلم لیگ سے اختلاف تھا اور یہ اختلاف ایسا تھا جیسا سفر کرتے وقت ایک خاندان میں ہوتا ہے کہ سفر کس سواری پر کیا جائے، ٹرین پر، بس پر یا پھر کار میں اور اس پر خاصی بحث ہوتی ہے بالاخر خاندان کے ایک بڑے آدمی نے کہا کہ ہم کار پر چلتے ہیں۔ ہماری کار بہت اچھی ہے اس میں سارے افراد سما

جائیں گے اور تمہیں معلوم ہے کہ میں گاڑی چلانے میں خاصا ماہر و مشاق ہوں میں خود گاڑی چلاتا ہوں۔ کثرت رائے سے فیصلہ یہی ہوا کہ کار پر سفر کیا جائے۔ سفر شروع ہو گیا لیکن منزل پر پہنچنے سے پہلے اس بڑے آدمی کا جو کار چلا رہا تھا انتقال ہو گیا۔ باقی سب افراد گاڑی چلانے میں اناڑی ہیں اتنے تجربہ کار نہیں اور کار چلانے والے کا انتقال بھی ایسی جگہ اور ایسی صورت حال میں ہوا کہ کھانے پینے کی اشیاء کی بھی کمی ہے قریب کوئی جگہ بھی نہیں اور یہ جگہ ہے بھی خطرناک، تو ایسی صورت حال میں سبھی پریشان ہوں گے۔ پاکستان ابھی نیا نیا بنا ہے اور بہت سے مسائل کا اسے سامنا ہے سب سے گھمبیر مسئلہ کشمیر اور مہاجرین کی آباد کاری کا ہے کون سا دل ہے جو ان حالات میں بانئ پاکستان کی وفات پر غمزدہ اور رنجیدہ نہیں ہوگا اور کونسی آنکھ ہے کہ جس سے آنسو نہ ٹپکیں اور مولانا نے پاکستان کے پریشان کن مسائل کا تجزیہ کیا اور اسی دلگیر لہجے میں کہا کہ خدا کی مشیت و مرضی کے آگے انسان بے چارا اور بے کس ہے، اللہ تعالیٰ پاکستان کو صحیح سمت پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور بانئ پاکستان کی مغفرت فرمائیں اور اختلاف کے متعلق اور بھی کئی مثالیں دیں۔ ایک مثال گھر بنانے کی دی کہ بناتے وقت گھر کا ہر فرد اپنی رائے دیتا اور نقشے میں تبدیلی کا اظہار کرتا ہے لیکن جب مکان ایک فیصلے اور نقشے کے مطابق بن جاتا ہے تو سب خوش ہوتے ہیں اور ہنسی خوشی اس گھر میں رہتے ہیں پھر کوئی نہیں کہتا کہ اس مکان کو گرا کر نئے سرے سے بناؤ بلکہ مکان کی آرائش وزینت کے لئے اب سب افراد اپنی اپنی رائے دیتے ہیں، جیسا کہ گذرا کہ مولانا کسی بات کو سمجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ اس سے بہتر شاید کوئی اور نہ سمجھا سکے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ مولانا ایسی تقریر بانئ پاکستان کی وفات پر کسی نے ایسے غمزدہ انداز میں نہ کی ہوگی۔۔۔۔ اور آخر میں دعائے مغفرت کی گئی۔

لوگ ہمارے بزرگوں کو جھوٹا کہیں: ایک دفعہ مولانا جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں کہ جس میں جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور کے منتظمین بھی شریک تھے تو مولانا نے پاکستان کے استحکام اور استقلال کے متعلق انتہائی آخری بات کہی۔ فرمایا کہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ پاکستان اتنی ترقی کرے اتنا خوشحال اور مستحکم ہو اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کہ لوگ کہیں کہ جو لوگ پاکستان بنانے کے حق میں نہ تھے وہ غلط تھے اب تو پاکستان کی ترقی واستحکام اور خوشحالی ہمیں درکار ہے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا کہ مسجد کے بنانے میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جب بن جائے تو پھر اس کا احترام ضروری ہے۔ پاکستان کی ایسی ہی مثال ہے کہ وہ اب مسجد کا حکم رکھتا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کا فقرہ تو ضرب المثل بن چکا ہے کہ پاکستان نہ بنتا تو اور بات تھی لیکن اب اس کا بن کر بگڑنا پورے عالم اسلام کی توہین ہے۔

اللہ تعالیٰ محافظ ہے: ایک دفعہ میں نے حضرت مولانا کے ساتھ سفر کیا اور خانیوال سے آگے ایک اسٹیشن پسنجر ٹرین سے شاہکوٹ اترے اور وہاں سے پیدل چل کر چک ۸ کسی جانا تھا جو مولانا محمد شریف (حضرت مولانا کی امارت کے زمانہ میں ناظم اعلیٰ تھے) کا گاؤں تھا۔ سارا راستہ سنسان اور کسی کسی جگہ خاصا راستہ ریتلا بھی آجاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا اکثر راستہ ہاتھ پیچھے کئے ہوئے ان کو آپس میں ہلاتے اور ملاتے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ سوچتے جاتے ہیں اور میں نے اکثر ان کو اکیلے بیٹھے یا تو حساب کتاب کرتے دیکھا، مبلغین

کی کار کردگی کے فارم چیک کرتے دیکھا اور نہ کسی گہری سوچ میں دیکھا یعنی ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ آرام کے وقت آرام اور وہ بھی شاید رات بھر کبھی سونا نصیب ہوا ہو کہ سال کے اکثر دن تو جلسوں اور میٹنگوں میں گذارتے تھے۔ جلسوں میں آپ کی تقریر عام طور پر رات کو ہوتی تھی تا کہ لوگ سکون کے ساتھ سن سکیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہر حال کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ اب جب پیدل کئی میل کا سفر کر رہے ہیں اور میں ادب کی وجہ سے زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا اور پھر یہ دیکھ کہ آپ تو کس گہری سوچ میں مستغرق ہیں (وہ آپ کے ہاتھوں کی حرکت سے معلوم ہوتا تھا)۔ مجھے حوصلہ بھی نہ پڑتا تھا کہ میں انہیں ان کی سوچ سے ہٹاؤں کہ اچانک بجلی کی سی رفتار سے خیال کا ایک کوندا لپکا جو یہ تھا کہ اتنے میل پیدل سفر، سنسان راستہ اور مرزائی آپ کی جان کے دشمن اور یہ اکیلے ایسی جگہ سفر کر رہے ہیں یہ تو محض اتفاق تھا کہ میں ساتھ تھا اور میرا ساتھ ہونا بھی کیا کر سکتا تھا۔ بہر حال اس خیال کے آتے ہی میں نے بڑے ادب سے اپنا یہ اشکال حضرت مولانا کے سامنے پیش کیا تو حضرت مولانا نے ایک لحظہ میری طرف مڑ کر دیکھا اور معاً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محافظ ہے جس خدا کے آخری نبی ﷺ کے لئے ہم یہ کام کر رہے ہیں کیا وہ ہماری حفاظت نہیں کرے گا اور پھر فرمایا کہ موت تو مقدر ہے وہ تو اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گی۔ وہ تو کسی جگہ جلسہ، ہجوم یا گاڑی میں بھی آسکتی ہے جس کا ایک مفہوم یہ بھی تھا کہ کیا محافظ ساتھ رکھنے سے بچ سکتا ہوں پھر محافظ کا کرایہ کیوں مجلس پر ڈالوں۔

دفتر کی بنا و قیام: مرزائیوں نے اپنی زبردست تنظیم بنا رکھی تھی اور ان کا ضابطہ تھا کہ جو شخص مرزائی ہو وہ اپنی آمدنی کا دس فیصد مرکز (قادیانی مرکز) کو ادا کرے اور مرنے سے پہلے اپنے ترکہ سے دس فیصد کی مرکز کے لئے وصیت کرے چنانچہ انہیں نہ قادیان ضلع گورداسپور میں کبھی روپے پیسے کی کمی ہوئی اور نہ پاکستان آکر، بلکہ پاکستان آکر تو انہوں نے چنیوٹ سے سرگودھا کو جاتے ہوئے دریائے چناب سے گذر کر ایک پہاڑی کے ساتھ ٹکوں کے حساب سے تقریباً چار مربع میل یا اس سے کچھ زیادہ زمین خرید لی اس کا نام ربوہ رکھا اور ملک سے مرزائی اکٹھے ہو کر وہاں مکان بنانے لگے بعض اپنے شہروں میں رہتے تھے لیکن مکان وہاں بنائے۔ مرزائیوں کے امیر کا وہاں محل نما مکان بنا اور ساتھ اونچے درجے کے مرزائیوں کے مکان بنے اور یہ جگہ انہوں نے محفوظ سمجھ کر سوچ سمجھ کر لی کہ ایک طرف پہاڑی ہے دوسری طرف دریائے چناب ہے اور قادیان کی طرح بلکہ اس سے زیادہ پابندی کے ساتھ کسی مسلمان کو گھر نہ بنانے دیا پوری کی پوری زمین مرزائیوں کی ملکیت تھی اور وہی وہاں رہنے کے لئے مکان بنا سکتے تھے اور یہاں مسلمانوں کے پاس کوئی دفتر نہ تھا، مجلس تحفظ ختم نبوّت نے اپنا پہلا دفتر مسجد سراجاں میں معمولی سا اور پھر مسجد خونی برج میں بنایا لیکن شدت سے اس کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی گو پورے ملک کی مساجد اور مدارس اسلام کے قلعے اور ختم نبوّت کے دفتر تھے تاہم ضرورت تھی کہ دفتر بنایا جائے۔ حضرت مولانا نے اس کی تگ و دو شروع کی اور تغلق روڈ پر کچھ جگہ لے کر وہاں ضرورت کے مطابق دفتر بنایا مبلغین کی آمد و رفت پر ان کے لئے قیام گاہیں بنائیں۔ باورچی خانہ بنا، باورچی رکھا اور سادہ کھانا اور غذا تیار ہونے لگی اور مجلس کی اہم ضرورت پوری ہوئی۔ میں نے ۷۰ کے آخر میں حضرت مولانا کی یہیں آخری زیارت کی۔ اسی طرح یہ محسوس کیا گیا کہ بیرون ملک بھی تبلیغ کا مرکز قائم کیا جائے۔ برطانیہ میں مسلمان زیادہ تھے اور فجی میں مرزائی

کافی کام کر رہے تھے۔ چنانچہ مولانا لال حسین اختر کو برطانیہ نمائندہ بنا کر بھیجا گیا اور وہی پھر فجی گئے۔ برطانیہ کے شہر ہڈس فیلڈ میں ایک دفتر کے لئے جگہ خریدی گئی جس میں مقامی لوگوں نے بھی تعاون کیا۔۔۔۔ جب حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بنے تو پھر ملتان والا دفتر حضوری باغ میں خاصا وسیع بنایا گیا اور ساتھ اچھی خاصی مسجد بنائی جہاں بچے قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں یہ خاصی وسیع جگہ ہے۔۔۔۔۔۔ نویں دہائی میں برطانیہ ہی میں ایک گرجا خرید کر اچھا خاصا دفتر بنایا گیا جس کا ذکر ہو چکا۔ اس کا سارا نظم گو مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوّت کے زیر اہتمام ہے لیکن وہاں مقامی طور پر محمد یعقوب باوا انچارج ہیں۔۔۔۔۔۔ تو مولانا محمد علی جالندھری نے مجلس کے لئے اپنی جان کھپادی اور اپنی زندگی کا مشن اپنے استاد کی وصیت کے مطابق مجلس تحفظ ختم نبوّت بنایا۔

تحریک ۱۹۵۳ء کے متعلق مزید بحث: ۔۔۔۔۔۱۹۵۳ کی تحریک کے کچھ حالات گزر چکے لیکن منیر انکوائری رپورٹ میں جس طرح اس کو پیش کیا گیا ہے اس کالبِ لباب یہ ہے کہ احرار پاکستان میں آکر اپنا وقار اور مقام کھو چکے تھے لہٰذا انہوں نے یہ سب کچھ اپنا سابقہ مقام حاصل کرنے کے لئے کیا۔ کاش وہ دیانتداری سے اور انصاف سے اس پر بحث کرتے اور تاریخ کا جائزہ لیتے کہ مجلس احرار اسلام کے یکے از بانیاں اور تقریباً سر پرست رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے دادا جان مولانا محمدؒ، مولانا عبد اللہ اور مولانا اسماعیل نے ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر قرار دے دیا تھا گو دوسرے علماء ابھی متذبذب تھے لیکن اکابر علماء کے کشف اور وجدان نے اس فتنہ کی دھندلی سی تصویر دیکھ لی تھی حضرت پیر مہر علی شاہؒ ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین چلے گئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے باصرار و تاکید ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ:۔

در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند	ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا
شما ضرور ملکِ خود واپس بروید واگر بالفرض	تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ اگر بالفرض
شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ	تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہو تو وہ
ترقی نہ کند ودر ملک آرام ظاہر شود۔	فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک امن میں
(ملفوظات طیبہ) بحوالہ بیس بڑے مسلمان، ص ۹۸)	رہے گا۔

پیر صاحب، حاجی صاحب کے اس کشف کو فتنہ قادیانیت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا تھا چنانچہ پیر صاحب نے اپنی زبان اور اپنے قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پرزور تردید کی۔ (تاریخ مشائخ چشت) (۱۳-۷۱۴-۷)

اور پورے ملک کے تمام مسلمانوں کا چاہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے متفقہ فیصلہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کافر ہے اور تقریباً تقریباً ہر فرقے کے مختلف علماء اور مشاہیر نے مرزا کو کافر قرار دیا تھا۔ کاش جسٹس کیانی (ممبر) اور جسٹس منیر (صدر) تحقیقاتی عدالت احرار اور مرزائیوں کے پرانے تاریخی ریکارڈ کو دیکھ لیتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا گورداسپور والا فیصلہ جو قادیان کے قریب ایک کانفرنس میں تقریر کرنے پر قائم ہوا تھا اور ماتحت عدالت نے حضرت شاہ صاحب کو چھ ماہ قید بامشقت دی لیکن اپیل پر اس

فیصلہ کے خلاف مسٹر ڈی جی کھوسلہ سیشن جج کھوسلہ نے جو سیشن جج تھے ملزم (شاہ جی) کو تا برخاست عدالت سزا دی۔ احرار کانفرنس اور اس مقدمہ سے مرزائیوں کی ہوا اکھڑ گئی۔ سیشن جج کا فیصلہ یہ تھا:۔

مرزائیوں نے "احرار" کی گوشمالی کے لئے شاہ جیؒ پر مقدمہ بنوایا تھا، لیکن خدا کی قدرت انہیں لینے کے دینے پڑ گئے، شاہ جیؒ کی "تبلیغ کانفرنس" کی تقریر سے مرزائیوں کی ہوا کیا اکھڑی تھی جو اس مقدمے سے اکھڑی، مسٹر کھوسلہ کا یہ تاریخی فیصلہ جو قادیانیت کے لئے پیغام موت کی حیثیت رکھتا ہے طبع ہو چکا ہے، اس کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں!۔

"مرافعہ گزار کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا ہے، اس پر غور و خوض کرنے سے قبل چند ایسے حقائق و واقعات بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے، جن کا تعلق امور زیر بحث سے ہے، آج سے تقریباً پچاس سال قبل قادیان کے ایک باشندے مسمّی غلام احمد نے دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ میں مسیح موعود ہوں، اس کے اعلان کے ساتھ ہی اس نے "لاٹ پادری" کی حیثیت بھی اختیار کرلی، اور ایک نئے فرقے کی بنا ڈالی، جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی تھے، لیکن ان کے بعض عقائد و اصول عام عقائد اسلامی سے بالکل متبائن تھے، اس فرقہ میں شامل ہونے والے لوگ قادیانی یا مرزائی یا احمدی کہلاتے ہیں، اور ان کا ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ فرقہ مرزائیہ کے بانی (مرزا غلام احمد) کی نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں"۔

"مسلمانوں کی اکثریت نے مرزائیوں کو بلند بانگ دعاوی خصوصاً اس کے دینی تفوق کے دعوؤں پر بہت ناک منہ چڑھایا اور مرزا نے ان پر کفر کا الزام لگایا، اس کے جواب میں ان لوگوں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا، مگر قادیانی حصار میں رہنے والے اس سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے"۔

"قادیانی مقابلتاً محفوظ تھے، اس حالت نے ان میں متمردانہ غرور پیدا کردیا، انہوں نے اپنے دلائل دوسرے سے منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لئے ایسے حربوں کا استعمال شروع کردیا جنہیں ناپسندیدہ کہا جائے گا، جن لوگوں نے قادیانیوں کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا انہیں بائیکاٹ، قادیاں سے اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی، بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی جماعت کے استحکام کی کوشش کی، قادیاں میں رضا کاروں کا ایک دستہ مرتب ہوا، اور اس کی ترتیب کا مقصد غالباً یہ تھا کہ قادیاں میں "لمن الملک الیوم" کا نعرہ بلند کرنے کے لئے طاقت پیدا کی جائے"۔

"انہوں نے عدالتی اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے، دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی، دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کیں، اور ان کی تعمیل کرائی گئی، کئی اشخاص کو قادیاں سے نکالا گیا، یہ قصہ یہیں نہیں ختم ہوتا، بلکہ قادیانیوں کے خلاف کھلے طور پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے مکانوں کو تباہ کیا، جلایا، اور قتل کے مرتکب ہوئے"۔

"کم از کم دو اشخاص کو قادیاں سے اخراج کی سزا دی گئی اس لئے کہ ان کے عقائد مرزا کے عقائد سے متفاوت تھے، یہ اشخاص حبیب الرحمٰن گواہ صفائی نمبر ۸ ۲ اور مسمّی اسماعیل ہیں"۔ "کئی اور گواہوں نے قادیانیوں کے تشدد و ظلم کی عجیب

وغریب داستانیں بیان کی ہیں"۔ بھگت سنگھ گواہ صفائی نے بیان کیا کہ قادیانیوں نے زدو کوب کیا، لیکن جب اس نے عدالت میں استغاثہ کرنا چاہا تو کوئی اس کی شہادت دینے کے لئے سامنے نہ آیا"۔

سب سے سنگین معاملہ عبد الکریم اڈیٹر "مباہلہ" کا ہے، جس کی داستان، داستانِ درد ہے۔ یہ شخص مرزا کے مقلدین میں شامل ہوا اور قادیاں میں جا کر مقیم ہو گیا وہاں اس کے دل میں شکوک پیدا ہوئے اور وہ مرزائیت سے تائب ہو گیا۔ (۱) اس کے بعد اس پر ظلم وستم ہوا، اس نے قادیانی معتقدات پر تبصرہ کرنے کے لئے "مباہلہ" نامی اخبار جاری کیا، مراز بشیر الدین نے ایک تقریر میں "مباہلہ" والوں کی موت کی پیشگوئی کی، اس تقریر میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مذہب کے لئے ارتکاب قتل پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس تقریر کے بعد جلد ہی عبد الکریم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، مگر وہ بچ گیا، لیکن اس کا ساتھی قتل کر دیا گیا"۔

"محمد امین ایک مرزائی تھا اور جماعت مرزائیہ کا مبلغ تھا، اس کو تبلیغ کے لئے بخارا بھیجا گیا، لیکن کسی وجہ سے بعد میں اسے اس خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا، اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی جو چودھری فتح محمد گواہ صفائی نمبر ۲۱ نے لگائی۔۔۔۔۔۔ محمد امین پر مرزا کا عتاب نازل ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔ محمد امین تشدد کا شکار ہوا اور کلہاڑی کی ضرب سے قتل کیا گیا۔ پولیس میں وقوعہ کی اطلاع پہنچی لیکن کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی۔ چودھری فتح محمد کا عدالت ہذا میں باقرار صالح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا۔ مگر پولیس اس معاملہ میں کچھ نہ کر سکی، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ گواہ سامنے آ کر سچ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا"۔

"ہمارے سامنے عبد الکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے کہ عبد الکریم کو قادیاں سے خارج کرنے کے بعد اس کا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور قادیاں کی کمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریقے پر اسے گرانے کی کوشش کی گئی"۔

"یہ افسوس ناک واقعات اس بات کی منہ بولتی شہادت ہیں کہ قادیان میں قانون کا احترام بالکل اٹھ گیا تھا، آتش زنی اور قتل کے واقعات ہوئے تھے۔ مرزا نے کروڑوں مسلمانوں کو، جو اس کے ہم عقیدہ نہ تھے شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنایا، اس کی تصانیف ایک لاٹ پادری کے اخلاق کا انوکھا مظاہرہ، ہیں، جو صرف نبوت کا مدعی نہ تھا، بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا مدعی بھی تھا"۔

"معلوم ہوتا ہے کہ حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ دینی ودنیاوی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز بلند نہیں ہوئی، مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایت پیش ہوئی لیکن وہ اس کے انسداد سے قاصر رہے، مسل پر کچھ اور

(۱) مولانا عبد الکریم کو مرزا محمود کے کریکٹر پر اعتراض تھا، وہ مرزا محمود سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ پر عائد کردہ الزامات غلط ہیں تو آیئے "مباہلہ" کر لیجئے اخبار "مباہلہ" میں انہوں نے مرزا محمود کو بار بار مباہلہ کا چیلنج دیا۔ اس کے جواب میں مرزائی جماعت کی جانب سے انہیں وہ سزا دی گئی جس کا تذکرہ فاضل جج نے کیا۔

شکایات بھی ہیں لیکن یہاں ان کے مضمون کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے، اس مقدمہ کے سلسلہ میں صرف یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیاں میں جور و ستم رانی کا دور دورہ ہونے کے متعلق نہایت واضح الزامات عائد کئے گئے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ (حکومت کی طرف سے اس صورت حال کے انسداد کے لئے) کوئی توجہ نہ ہوئی۔ ان کارروائیوں کے سد باب کے لئے اور مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کرنے کے لئے تبلیغ کانفرنس منعقد کی گئی"۔

(بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر، ص ۶۹۵-۶۹۶)

اور خود یہ تحقیقاتی عدالت اپنے فیصلے میں لکھتی ہے کہ:۔

"احرار کی بڑی بڑی سرگرمیوں میں ایک یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں احمدیوں کی مخالفت کرتے رہتے تھے، یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احرار کی پیدائش ہی احمدیوں کی نفرت سے ہوئی ہے، ابھی مجلس احرار کی تاسیس پر دو ہی سال گزرے تھے کہ انہوں نے ایک قرارداد منظور کی جس کا منشا یہ تھا کہ کوئی قادیانی کسی مجلس عاملہ کا ممبر منتخب نہ کیا جائے، قادیاں تقسیم سے پہلے تقریباً خالص احمدی قصبہ تھا، ۱۹۳۴ء میں احرار نے قادیاں میں ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا، لیکن جب اس جلسے کو ممنوع قرار دیا گیا تو انہوں نے اسی سال ۲۱ اکتوبر کو قادیاں سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں رجادہ کے دیانند اینگلوویدک ہائی سکول کی گراؤنڈ میں کانفرنس منعقد کرلی جس میں حاضرین کی تعداد ہزاروں تک تھی، اس کانفرنس میں احرار کے مقبول عام خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے احمدیوں کے خلاف پانچ گھنٹے کی ایک نفرت آمیز تقریر کی جس میں انہوں نے ایسی باتیں کہیں جن سے صرف یہ مقصود تھا کہ سننے والوں کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھے، انہوں نے اپنی تقریر میں امن وامان کے دعاوی کے ساتھ نہایت پست قسم کی دشنام طرازی اور مسخرگی سے کام لیا (۱) اس تقریر کی بناء پر بخاریؒ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا جس کی سماعت کے دوران اتنی سنسنی پیدا ہوئی اور احمدیوں کے خلاف جذبات اتنے برانگیختہ ہوئے کہ خود تقریر سے بھی نہ ہوئے ہوں گے (۲)۔ اس مقدمے میں بخاریؒ کو سزا دی گئی، وہ دن اور یہ رات، ہر قابل ذکر احراری مقرر، احمدیوں، ان کے راہ نماؤں اور ان کے عقیدوں کے خلاف ہر قسم کی باتیں کہتا رہا ہے۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۱۱)

---

(۱) جسٹس صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، قادیانی کتابوں کے حوالوں کو وہ "پست قسم کی دشنام طرازی اور مسخرگی" سے تعبیر فرما رہے ہیں جو شخص ناموسِ رسالت کے ساتھ مسخرہ پن کا مظاہرہ کرے وہ مسلمانوں کے نزدیک تو اسی کا مستحق ہے (ناقل) بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے۔ (ارشد)

(۲) گویا شاعر کی زبان میں:۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے، نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

آخر اس میں غریب بخاریؒ کا یا احرار کا کیا قصور تھا؟۔ (مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر)۔

"پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی- وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا، قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے، اور وہ جہاں کہیں جاتا ہے اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوتا ہے---------
زیادہ اہم سیاسی واقعات کا ذکر تو در کنار؟ پاکستان یا کسی اور شخص کو کوئی آفت پیش آجائے، کوئی افسوس ناک واقعہ رونما ہوجائے، قائد ملت قتل کردئے جائیں، یا ہوائی جہاز گر پڑیں، قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں کی سازش ہی کا نتیجہ ہوتا ہے"- (تحقیقاتی رپورٹ، ص ۱۲۷)

ہمارا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا قرن اول سے لے کر مرزا تک نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے متعلق یہی فیصلہ رہا ہے----
سب سے پہلے یمن کے ایک شخص کے سر میں یہ سودا سمایا اور اس نے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نبوّت کا دعویٰ کیا- نبی اکرم ﷺ نے اس کے مقابلے کے لئے ایک لشکر بھیجا اور حضرت فیروزؓ کے خنجر نے اس کا کام تمام کیا- نبوّت کا دوسرا دعویدار مسیلمہ کذاب جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کی نبوّت میں حصہ دار اور شریک ہوں- حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو (جو اللہ کی تلوار تھے) اس کی سرزنش کے لیے بھیجا اور یہ متنبی (جھوٹا نبی) اپنے بیس ہزار امتیوں کو لے کر جہنم میں گیا- اس ایک معرکہ میں گیارہ سو یا چودہ سو صحابہؓ جو صحابہ میں اشراف تھے شہید ہوئے گویا یہ امت کا پہلے دن سے فیصلہ تھا اور یہ صحابہؓ جو شہید ہوئے ان میں سات سو سے زیادہ قراء تھے- پھر مختلف اوقات میں مختلف منحوس افراد یہ دعویٰ کرتے رہے لیکن کسی کو پذیرائی نہیں ہوئی- حتیٰ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انیسویں صدی میں بتدریج مجدد کے دعویٰ سے گزرتے ہوئے نبوّت کا دعویٰ کیا بلکہ کئی دعوے کئے- مسیح ہونے کا دعویٰ کیا مہدی کا دعویٰ کیا- کرشن ہونے کا دعویٰ کیا اور اس نبوّت کی آڑ میں جہاد کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتابوں میں بے شمار جگہ فرنگی حکومت کی تعریفیں کیں، بلکہ ایک جگہ اپنے آپ کو برطانیہ کا خود کاشتہ پودا کہا، جس سے یہ بات یقین کی حد کو پہنچ جاتی ہے کہ اس نے دعویٰ کیا نہیں بلکہ کرایا گیا کہ مسلمان کسی پیر، ولی، قطب، غوث کے کہنے پر جہاد کو منسوخ نہیں سمجھ سکتا- اس کے لئے ایک نبی ہی کی ضرورت تھی سو وہ پوری کرکے جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کروادیا گیا------- اور اس سے پہلے اس سے عیسائیوں کے خلاف کتب لکھوائی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہ السلام کے متعلق بکواس کرائی گئی تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ یہ تو فرنگی کے مذہب کے خلاف ہے لیکن جب مسلمان مرزا کے خلاف ہوگئے تو اس کو انہی کی پناہ لینا پڑی اور بھید کھل گیا کہ شروع کی مخالفت دکھاوے کی تھی اور وہ ایسی کہ کوئی مسلمان کسی پیغمبر یا اس کی والدہ کے متعلق ایسا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ایسی ویسی بات کرے اور یہاں تک کہنا پڑا کہ میں برطانیہ کا خود کاشتہ پیدا ہوں- مرزا نے کیا کیا کفر بکے اور علماء و مسلمانوں کو کیا کیا گالیاں دیں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے- اس کے متعلق قارئین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا رسالہ "مغلظات مرزا" ملاحظہ فرمائیں کہ جس میں بحروف تہجی مرزا کی گالیاں لکھی گئیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہر مکتب فکر کے علماء نے خصوصاً حضرت پیر مہر علی شاہؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ (موجودہ اہلحدیث لیڈر سجاد میر کے والد مرحوم) اور دوسرے علماء نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا اور مرزا نے تمام مسلمانوں کو گالیاں

بکیں، اور اپنے آپ کو اتنا اوپر لے گیا کہ نعوذ باللہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی توہین کی اور ایک شاعر نے اس تعریف میں اشعار لکھے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی شان میں بڑھ کر ہیں۔ اگست ۱۹۴۷ء تک انگریز حکومت تھی لیکن مسلمانوں خصوصاً مجلس احرار اسلام نے مرزائیت کا تاروپود بکھیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو ایک حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے طویل عربی قصیدے سے ظاہر ہوتا ہے جس کے چند اشعار اس مضمون میں بھی ہیں۔ حضرت علامہ مرحوم کی ایک تقریر ملاحظہ ہو جو "انوار انوری" مرتبہ مولانا محمد انوریؒ کے صفحہ ۱۵۳ پر ہے:۔

"ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے او ہم اس میں غالب رہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کردیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہوگیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آکر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیاں سے لاہور آکر کل ہیضے سے چل دئے۔ خیر تاہم ہم تو غالب ہی رہے"۔

علامہ صاحب نے تو اس کی یہ تعبیر اسی وقت کرلی اور واقعتاً ٹھیک ہی ہے کہ آپ لاہور تشریف لائے لیکن مرزا ہیضہ سے ۱۹۰۸ میں موجودہ نشتر روڈ کی ایک بلڈنگ میں ہیضہ سے آنجہانی ہوگیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ راقم کو تعبیر سے کوئی مناسبت نہیں۔ لیکن اب یہ تحریر لکھتے وقت یہ تعبیر ذھن میں آرہی ہے کہ انہی علامہ انور شاہؒ سے مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانویؒ نے پڑھا کہ جن کے خاندان نے سب سے پہلے مرزا پر کفر کا فتویٰ لگایا پھر یہی مجلس احرار اسلام کے یکے از بانیاں ہوئے اور انہی کی تجویز پر شیرانوالہ، لاہور خدام الدین کے جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت قرار دے کر ان کی بیعت کی جس کے بعد میں پانچ سو اور علماء نے بیعت کی اور انہی شاہ صاحب اور مجلس احرار اسلام نے مرزائیت کے متعلق جو کام کیا وہ اظہر من الشمس ہے (اس سلسلے میں احرار کے لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کا بیان یا وصیت اپنے بیٹے خاقان بابر کو اس کتاب میں موجود ہے) امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاری اور علامہ انور شاہ کے شاگرد مولانا محمد علی نے مجلس تحفظ ختم نبوت بنائی اور مولانا جالندہری کو علامہ صاحب کی وصیت بھی گزر چکی انہی علامہ انور شاہؒ نے اپنے اہم شاگردوں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا سید محمد بدر عالمؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا قاری محمد لیب کو اس کام پر لگایا کہ تحریراً تقریراً اپنی زندگی میں اس پر کام کریں اور بہاولپور میں ایک مقدمہ چلا کہ جس میں ایک عورت کا خاوند مرزائی ہوگیا۔ اس عورت نے احمد پور شرقیہ کی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کردیا۔ نچلی عدالت سے جب اوپر کی عدالت میں کیس لیا تو بہاول پور کے لوگوں میں تشویش پیدا ہوئی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے خلیفہ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ (اب اسلامی یونیورسٹی) نے حضرت شاہ صاحب کو خط لکھا تو حضرت شاہ صاحب نے مسلسل کئی دن ضعف ونقاہت کے باوجود بہت عمدہ دلائل دئے کہ جن کو سن کر ہر عالم دنگ تھا اور فیصلہ مدعیہ کے حق میں ہو کر نکاح فسخ ہوا اور انہی علامہ انور شاہ نے اپنے آفتاب وماہتاب شاگردوں کو لے کر پورے پنجاب کا دورہ کیا اور ہر بڑے شہر میں تقریریں کیں۔ فیروز پور میں ایک مرزائی زمیندار کی وجہ سے مناظرہ ہوا تو قادیانی مناظر نے اپنی من مانی شرائط سے مناظرہ کرنا منظور کیا۔۔۔ اس پر حضرت شاہ صاحب کو تار دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب فوراً پہنچے

اور فرمایا کہ جو شرائط مناظرہ طے ہو چکی ہیں ان کو کہو کہ اس کے علاوہ جو شرائط اور رکھنا چاہیں وہ رکھ لیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مسلمانوں سے معاملہ دیکھیں۔ قادیانی بری طرح مناظرہ ہار گئے اور رات کو ان تمام اکابر نے فیروز پور ردِ مرزائیت میں تقریریں کیں ---------- اور انہی علامہ انور شاہؒ کے مقرر کردہ امیر شریعت اور وصیت کردہ مولانا محمد علی جالندہریؒ نے تحریک ختم نبوّت چلائی اور پھر مجلس تحفظ ختم نبوّت بنائی جس کے پہلے امیر، امیر شریعت مقرر ہوئے اس وقت یہ تحریک ہزاروں قربانیوں کے باوجود بظاہر کامیاب نہ ہوئی لیکن اس مجلس تحفظ ختم نبوّت کے امیر جب علامہ انور شاہ کشمیری کے جانشین مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ بنے تو تحریک پھر چلی اور مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اس میں اصل تعبیر کا ٹیپ کا بند یہ ہے کہ جس سال حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (۱۹۰۸ء) میں پیدا ہوئے تھے اسی سال مرزا مر گیا تھا گویا ایک یہ تعبیر تھی کہ علوم انوری کا جانشین پیدا ہو گیا اب مرزا مرے گا۔ جب علامہ بنوری نے مجلس تحفظ ختم نبوّت کی امارت کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا اس وقت مرزائیت اپنے منطقی انجام کو پہنچی۔ گویا علامہ انور شاہ کے مقرر کردہ امیر شریعت، وصیت کردہ مولانا جالندہری اور ان کے علوم کے جانشین حضرت بنوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا اور علامہ انور شاہ کے آدمی غالب ہوئے۔ یہ دوسری تعبیر ہے جو ان سطور کو لکھتے وقت اچانک ذھن میں آئی۔ یہ حقیقت ہے کہ مرزائیت کے خلاف عوام میں جو کام علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ نے کیا اس کی نظیر نہیں ملتی اور یہ سب دارالعلوم دیوبند کا فیضان ہے کہ اس نے اس کے اکابر اور ان کے تلامذہ کو اشاعت کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ برعظیم کے مختلف غلط و باطل افکار کے خلاف اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی توفیق عطا کی۔

مولانا محمد علی جالندہری اور آغا شورش کاشمیری۔ آغا شورش کاشمیری "چٹان" میں ایک مختصر اداریہ لکھنے پر حکومت کے اس قدر زیر عتاب آئے کہ ڈیکلریشن (چٹان کا) منسوخ کر دیا گیا۔ شمارہ ضبط کر لیا گیا اور پریس جس میں چٹان چھپتا تھا، بھی ضبط کر لیا گیا اور پاکستان میں سب سے بڑی شریعت کانفرنس جو جمعیۃ علماء اسلام نے موچی دروازہ میں کی تھی اس کے آخری اجلاس میں تقریر کی اور بالآخر گرفتار ہو گئے۔ (یاد رہے کہ ان دنوں آغا صاحب جمعیۃ کے خلاف بھی لکھتے تھے تاہم حکومت کے ان اقدامات کی وجہ سے ان کی آخری شب تقریر کرائی گئی) مقدمہ چلا اس میں عدالت کے خلاف حکومت کے وکیل کی بات پر آغا صاحب نے کراچی سنٹرل جیل میں بھوک ہڑتال کر دی۔ ان دنوں مولانا محمد علی جالندہری کراچی مولانا احتشام الحق کے پاس گئے کہ اس سلسلے میں کچھ کریں کہ آغا صاحب کی حالت وصحت دن بدن گر رہی تھی۔ مولانا احتشام الحق نے مولانا جالندہری کو "چٹان" کا ان کے خلاف لکھنا یاد کرایا۔ اس پر مولانا نے کہا کہ حضرت یہ باتیں ہوتی رہتی ہیں آغا صاحب "ختم نبوت" کی خاطر جیل میں گئے ہیں۔ ہمیں تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ان کی حمایت اور تعاون کرنا چاہیے۔

طالب علم اور جلسے: میرے ملتان خیر المدارس دورہ شریف کے سال مولانا خیر المدارس آئے تو بخاری شریف کا درس ہو رہا تھا، غالباً اتوار کا وقت تھا کہ بعض اوقات حضرت مولانا خیر محمد صاحب بخاری شریف کا درس عشاء کے بعد بھی کراتے تھے۔ مولانا محمد علی نے دیکھا کہ طلبا درس میں کم ہیں، ان کو بڑی حیرانی ہوئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ طلبہ قلعہ پر ایک "واعظ" کی تقریر سننے گئے ہوئے ہیں۔ اس

پر ان کو بہت دکھ ہوا، اور ایک تقریر میں طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہیں معلوم ہو کہ خرق عادت کے طور پر امام بخاریؒ زندہ ہو کر ملتان قلعہ پر تقریر کر رہے ہیں تو سچا اور حقیقی طالب علم وہ ہے کہ جو بخاری شریف کے سبق میں شریک ہو اور امام بخاریؒ کی تقریر سننے قلعہ پر نہ جائے اور طالب علم حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے شاگرد کی تقریر سننے چلے گئے ہیں اور بخاری کے سبق میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر فرمایا کہ شاید تمہیں یاد ہو کہ ایک بزرگ جب پڑھتے تھے تو پوری پڑھائی کے دوران میں والدین اور احباب کے آئے ہوئے خطوط کو ایک گھڑے میں ڈالتے رہے اور جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو گھڑے سے خط نکال کر پڑھتے رہے، کبھی کسی خوشی کی تحریر پر مسکراتے تھے اور کسی غم کی تحریر پر روتے تھے لیکن اس طالب علم کا کتنا بلند مقام ہے۔۔۔۔ مزید فرمایا کہ ایک طالب علم کی طالب علمی کے دور میں خلیفہ وقت جامعہ یا مدرسہ کا دورہ کرنے آیا لیکن مدرسہ کی حالت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ مدرسہ یا مدارس بند کر دئے جائیں لیکن چلتے چلتے ایک طالب کا کمرہ آیا تو دیکھا کہ ایک طالب علم مطالعہ میں اس قدر منہمک اور مصروف ہے کہ انہیں ارد گرد کی کوئی خبر نہیں اور یہ پتہ لگنے پر بھی کہ خلیفہ وقت آئے ہیں، اپنے مطالعہ کو نہ چھوڑا تو خلیفۃ المسلمین نے کہا کہ میں اس طالب علم کی وجہ سے اپنے فیصلہ کو جو میں نے دل میں کرلیا تھا منسوخ کرتا ہوں اور اس طالب علم کو آج امام غزالی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوّت: مجلس تحفظ ختم نبوّت کی بنیاد ۱۹۵۴ء میں رکھی گئی۔ پہلے امیر، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (م ۱۹۶۱) دوسرے امیر خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ تیسرے امیر، مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ اپنی امارت تک مجاہد ملت حضرت مولانا جالندھری ناظم اعلیٰ رہے اور اس جماعت کی اصل روح رواں مجاہد ملت ہی تھے۔ چوتھے امیر، مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر، اس کے بعد کچھ دیر فاتح قادیاں مولانا محمد حیات رہے۔ بعد ازاں جانشین علوم انوری حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمهم الله اجمعین۔ اور حضرت بنوری کے بعد تا ایندم حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ زیب سجادہ کندیاں شریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات بابرکت سے تادیر جماعت کو متمتع رکھے۔ حضرت بنوریؒ کی امارت میں مسئلہ قادیانی حل ہوا۔ جس کی تفصیل ان کے مضمون میں آرہی ہے اور بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ یہ مسئلہ امداد اللہ کی الف سے شروع ہو کر یوسف بنوری کی ی پر حل ہوا (گو متعلقات باقی ہیں)۔

چنیوٹ میں سالانہ جلسہ: مرزائی ہر سال ربوہ میں سالانہ جلسہ کیا کرتے، جس میں ملک اور بیرون ملک سے مرزائی شریک ہوتے۔ تمام فوجی وسول افسران شریک ہوتے، بلکہ ایک دفعہ تو سالانہ جلسہ پر نام نہاد خلیفہ کو سرگودھا سے فوجی طیاروں نے اڑ کر ربوہ میں ڈائی مار کر سلامی دی۔ "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا انہیں دنوں چنیوٹ میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا سالانہ جلسہ ہوتا اور تمام مکاتب فکر کے علماء اس میں خطاب فرماتے۔ یہ بھی مجاہد ملت کی تجویز وتدبیر تھی، جس کو اکابر کی سرپرستی میں طے کیا گیا۔ اس کے بعد ربوہ کے نزدیک جگہ لے کر مسلم کالونی بنائی گئی۔ اب یہ جلسہ وہاں کی وسیع مسجد میں ہوتا ہے۔ مجلس احرار اسلام نے ربوہ کے بالکل قریب ایک بڑی مسجد کی تعمیر کی ہے، وہاں بھی ہر سال جلسہ ہوتا ہے اور اس جلسہ میں ربوہ سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ آج کل ربوہ کھلا شہر ہے اور ربوہ میں ریلوے سٹیشن پر بھی مسجد مجلس تحفظ ختم نبوّت کے زیر اہتمام مسجد تعمیر کی گئی اور ملک کی مختلف جگہوں اور شہروں میں مراکز قائم کئے گئے۔ گو یہ کام مجاہد ملت کے بعد ہوتے لیکن اس کا اصل سہرا امیر شریعت اور مجاہد ملت کو جاتا ہے۔

مولانا کی اولاد: مولانا کے تین بیٹے تھے۔ بڑے حافظ حبیب الرحمٰن جو چند سال قبل فوت ہو گئے۔ ان سے چھوٹے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہیں جو آج کل مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ ہیں اور اپنے والد کے انتظامی امور میں صحیح جانشین ہیں۔ گو عام جلسوں میں شرکت نہیں کرتے، لیکن مجلس کے جلسوں میں بالالتزام شرکت کرتے ہیں۔ حکومت کو ملنے والے وفود میں صحیح ترجمانی کرتے اور بلا جھجک کرتے ہیں۔ تیسرے صاحبزادے حافظ حفظ الرحمٰن ضلع رحیم یار خاں میں زمیندارہ کرتے ہیں۔

تحریر: ڈاکٹر نور محمد غفاری ایم پی اے پنجاب

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

گو راقم نے اپنے اس مضمون میں محترم ڈاکٹر نور محمد غفاری کی کتاب سے خاصا استفادہ کیا ہے لیکن اب آخر میں انہی کی کتاب سے غیر مرتب واقعات لئے ہیں گو کسی جگہ میرا قلم لگا ہے، میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری جماعت اور خاندان کے بزرگ پر قلم اٹھایا۔ (ارشد)

ان اللہ جمیل یحب الجمال: آمد و خرچ کے رجسٹروں کا اندراج صحت و صفائی سے کراتے۔ اگر کبھیں کلرک نے اندراج کرتے وقت غلط بیانی تو کجا بدخط بھی لکھا تو اس کی شامت آجاتی۔ جن دنوں راقم ملتان بغرض تعلیم مقیم تھا ان دنوں مولانا عبد اللہ (اسرائیل) لودھیانوی آمد و خرچ کا اندراج کرتے تھے۔ وہ اچھے خوشنویس تھے اور دیانتدار بھی۔ مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل تھے مگر قدرے اناڑی اور سست ضرور تھے۔ بعض اوقات اندراج بروقت نہیں کرتے تھے جبکہ مولاناؒ ہر کام کو بروقت اور درست کرنا اور کرانا چاہتے تھے۔ ان حالات میں بھائی عبد اللہ کی حالت دیدنی ہوتی تھی۔ مولانا برستے رہتے اور یہ سراپا حیرت بنے سنتے رہتے۔

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی

آئینہ دار بن گئی حیرت نقشِ پا کہ یوں!

حجت تمام کرتے ہیں آج آسمان سے ہم: اپنی اور اپنے رفقاء کی ذاتی احتیاط پسندی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ ایک قدم اور آگے اٹھایا اور اس کی تصدیق اور مزید بہتری کی رہنمائی کے لیے انہوں نے اپنے دور امارت کے آخری سالوں میں جدید سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر کی طرز پر مجلس کے آمد و خرچ کا آڈٹ کرانا شروع کیا۔ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں انہوں نے ۱۳۸۷-۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸-۱۹۶۹ء تین سالوں کے حسابات چودھری محمد حسین اینڈ کمپنی لاہور سے آڈٹ کرائے۔ یہ ایڈیٹرز حضرات حسابات کی صداقت اور صفائی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا:۔

"ایسے صحیح اور عمدہ حسابات بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں" (۱) (۲)

مبلغین حضرات میں سے کوئی اپنے سفر خرچ کا بل تیار کرتے وقت اپنا خرچ کم دکھاتا یا اپنا کوئی حصہ لینا بھول جاتا تو اس کی بھی سرزنش فرماتے۔ ان سے فرمایا کرتے "اپنا حصہ یونہی نہ چھوڑیں کیونکہ آپ کی بھی ضروریات ہوں گی لہٰذا اپنا سفر خرچ پورا پورا وصول کیا کریں"۔

---

(۱) رپورٹ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان ۱۳۹۱ھ-۱۹۷۱م- ص ۲۴- (۲) اس کمپنی سے آڈٹ کرانے میں مولانا غلام حیدر مرحوم اور راقم کا مشورہ شامل تھا کہ یہ تقسیم سے قبل کے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھے۔ اس کمپنی کے مالک چودھری محمد حسین ہیں۔ (ارشد)

حساب کتاب میں کسی کی پرواہ نہ کرتے: حساب کرتے وقت ایک ٹیڈھی پیسہ تک کا فرق گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں جماعت کے تمام متعلقین ان کے احتساب میں برابر تھے۔ جن دنوں حضرت مولانا قاضی احسان احمدؒ میر مجلس تھے اور آپ ناظم اعلیٰ، ان دنوں قاضی صاحبؒ کو بہاول نگر تبلیغی دورہ پر جانا ہوا۔ واپسی پر انہوں نے اپنا سفر خرچ کا بل دکھایا تو اس میں ریل کا انٹر کا کرایہ درج تھا۔ آپ جانتے تھے کہ بہاول نگر جانے والی گاڑی میں انٹر کی بوگی نہیں ہوتی اور دفتر میں پڑا ہوا ریلوے کا نظام الاوقات بھی اس کی تصدیق کرتا تھا، مگر حقیقت یہ تھی کہ درمیان میں انٹر کی بوگی لگنا شروع ہو گئی تھی۔ اب قاضی صاحبؒ سے دریافت کیا گیا، وہ بے چارے لاکھ کہتے رہے بھائی میں نے انٹر میں سفر کیا ہے۔ مگر مولاناؒ برابر کہتے جاتے تھے کہ اس گاڑی میں انٹر کی بوگی ہوتی تو ریلوے کے ٹائم ٹیبل میں ضرور درج ہوتی۔ بالآخر ریلوے اسٹیشن ملتان کی انکوائری میں فون کیا گیا تو قاضی صاحبؒ کی جان بچی۔

اس واقعہ میں ان دونوں صاحبانِ وفا کے اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔ قاضی صاحبؒ میر کارواں ہونے کے باوجود جانتے تھے کہ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی ذمہ داری ہے کہ تمام مبلغین کے حساب کتاب کی پڑتال کریں اور اگر میں امیر بن کر اس طرح اپنی توہین سمجھوں، اور گویا اپنے لیے امتیاز پسند کروں تو اس طرح کسی شخص کو جماعت میں امت کے مال سے کھیلنے کا موقع مل جائے گا اور مولانا جالندھریؒ۔۔۔۔۔۔ جن کا خمیر ہی وفاشعاری اور دیانتداری سے اٹھایا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ جانتے تھے کہ قاضی صاحب ایسی شخصیت سے بھی تو چوک ہوسکتی ہے اور اگر انہیں امیر سمجھ کر نظر انداز کردیا جائے تو یہ امت کے مال میں خیانت ہے۔

اس معاملہ میں سب سے کڑا احتساب اپنی ذات کا کرتے۔ ایک بار گگری خورد (سندھ) کے ایک دیندار زمیندار میاں سردار صاحب نے آپ کو ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کرنے کے لئے دعوت دی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے فنڈ کے لیے تین سو روپے بطور چندہ دیئے۔ واپسی پر وہ آپؒ کو اپنی گاڑی میں ریلوے اسٹیشن تک چھوڑنے بھی آئے۔ جب آپؒ گاڑی سے اترے تو رقم اس گاڑی میں رہ گئی۔ ملتان پہنچے تو اس رقم کے ضائع ہونے کو اپنی غلطی سمجھ کر تین سو روپے اپنی جیب سے مجلس کے حساب میں داخل کرادئے۔ کچھ دنوں بعد میاں سردار صاحب نے وہی رقم کسی آدمی کے ذریعے آپؒ تک پہنچادی۔ آپؒ نے وہ رقم بھی مجلس کے فنڈ میں داخل کرادی۔

دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوں گر کا

ہے اس کی فقیری میں سرمایہ سلطانی

مولانا حبیب الرحمنؒ فاضل رشیدی نے راقم کو ایک عجیب واقعہ سنایا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار رات کو آپؒ جماعت کا حساب چیک کر رہے تھے۔ آمدن اور خرچ میں ایک پیسہ کا فرق تھا۔ حساب کو برابر کرنے کے لیے رات بھر جاگتے رہے، جب صبح رفقاء کار نے اس شب بیداری کا سبب پوچھا تو راز کھلا کہ جماعت کا ایک پیسہ کہیں ضائع ہورہا تھا انہیں اس کی تلاش تھی۔ لہٰذا جب تک وہ مل نہ گیا ان کی آنکھ سو نہ سکی۔

شب غم کی تلخیوں کا کوئی میرے دل سے پوچھے
تیری راہ تکتے تکتے مجھے صبح ہو گئی ہے

اس دنیا کے بے وفا محبوبوں کی خاطر رات بھر جاگنے والے بھلا کیسے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ وفا کا پتلا کس محبوب کی خوشنودی کے لیے رات بھر جاگتا رہا۔

"مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تُو نہ مرجاوے": آپؒ مجلس کی تمام رقوم کا حساب تیار رکھتے تھے۔ اس کی جہاں ظاہری وجہ حساب کتاب کی صفائی تھی جس کا تقاضہ ان کی دیانتداری اسے کرتی تھی، وہاں اس کی دوسری وجہ موت کا ڈر تھا جو ہر مرد مومن کی طرح اس مرد مجاہد کے ساتھ سایہ کی طرح لگا ہوا تھا، بلکہ یہ تو اس قافلہ کے حدی خواں تھے جو "موتوا قبل ان تموتوا"(۱) کی چلتی پھرتی تصویر رہتے تھے۔ ان کے ایک رفیق کار مولانا عبد الرحیم اشعر صاحب (جو آپؒ کے زمانہ امارت میں مجلس کے ناظم تھے) کہتے ہیں کہ حضرتؒ نے مجلس کے خزانہ کی دو چابیاں تیار کر رکھی تھیں، ایک اپنے پاس رکھتے جو سیف کے اندر جماعت کے خاص حساب کتاب سے متعلق تھی اور دوسری میرے پاس ہوتی، یہ تمام سیف کی عمومی چابی تھی۔ ایک بار آپؒ کہیں اپنے تبلیغی پروگرام پر روانہ ہونے لگے تو مجھے بلا کر فرمایا "یہ خزانہ کی خاص چابی ہے۔ تم فرض کرلو "محمد علی مرگیا۔ اب تم جماعت کا حساب کتاب چیک کرو اور دیکھو کہیں میری کوئی ایسی کوتاہی تو نہیں رہ گئی جو کل آپ حضرات کے لیے پریشانی کا باعث بنے"۔ میں نے سیف کھولا تو اندر ایک کاغذ تھا جس پر نومدات آمد اور خرچ کی درج تھیں۔ میں نے دیکھا تو تمام حساب برابر تھا اور اتنا واضح کہ مجھے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

جماعت کے فنڈز کی حفاظت انہیں نہایت عزیز تھی۔ فرمایا کرتے تھے "مجھے لوگ جماعت کے فنڈز کے استعمال میں بخیل ہونے کا طعنہ تو دے سکتے ہیں مگر فضول خرچی کا الحمدللہ طعنہ نہیں دے سکیں گے"۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ نے اپنے دور امارت میں جماعت کے دفاتر کی تعمیر و تشکیل اور مبلغین کی فلاح و بہبود پر اتنا زیادہ خرچ کیا جتنا ان سے پہلے کبھی خرچ نہیں کیا گیا تھا۔ آپؒ کے دور امارت میں مجلس تحفظ ختم نبوت اہلِ حق کی تمام دینی جماعتوں سے زیادہ امیر جماعت تصور کی جاتی تھی۔

اے وائے تن آسانی مفقود ہے وہ راہی: ایک بار راقم کی موجودگی میں ایک دینی جماعت (غالباً جمعیتہ علماء اسلام) کے کسی عہدہ دار سے دینی جماعتوں کے افلاس اور وسائل کی کمی پر بات چیت ہو رہی تھی۔ فرمانے لگے "آپ کو بتاؤں جماعت کے فنڈز کیونکر بچائے اور بڑھائے جاتے ہیں؟ کارکنانِ جماعت اپنی ذات پر کم از کم بلکہ بالکل ہی خرچ نہ کریں تو دینی جماعتیں امیر بن جائیں" پھر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

(۱) اپنی موت کے آنے سے پہلے موت کے لیے تیار رہو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔

"دیکھو جب آپ دینی پروگرام سے واپسی پر ریلوے اسٹیشن یا بس سٹاپ پر اتریں تو وہاں سے اپنی جائے منزل تک سستی سواری لیا کریں۔ اگر ٹیکسی اور رکشہ ہوں تو رکشہ کریں، رکشہ اور تانگہ ہوں تو تانگے پر سوار ہوں اور اگر وہاں تانگے کے لیے عام سواریاں ہوں تو اکیلے تانگہ کرایہ پر نہ لیں۔ عام سواریوں کے ساتھ سوار ہو کر سفر کریں۔ اس سے نفس بھی پائمال ہوگا اور عام لوگوں کے ساتھ سفر کرنے میں ان سے تعلق بھی پیدا ہوگا جو بذاتِ خود نیکی کا کام ہے اور اگر مسافت زیادہ نہ ہو تو پیدل چل کر آئیں۔ میرے اس فارمولا پر عمل کریں۔ آپ کی جماعت کے فنڈز بڑھتے جائیں گے۔ الحمد للہ، میں تو ایسا ہی کرتا ہوں۔

جو سختی منزل کو سامانِ سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی مفقود ہے وہ راہی

اہل اللہ کی خدمت میں حاضری

امروٹ شریف کا سفر: امروٹ شریف کا سفر آپؒ نے ۱۹۲۷ء میں کیا یہ وہ زمانہ تھا جب ترقی یافتہ ذرائع مواصلات تھے، نہ سفر مامون و محفوظ تھا، مگر عشقِ دیوانہ کو کسی ذریعہ سفر یا امن کی یقین دہانی کی کیا پروا؟ وہ تو خود ہی اپنی منزل اور خود ہی زادِ راہ ہوتا ہے۔

عشق ہم راہست و ہم خود منزل است

جالندھر سے امروٹ شریف تک کے پر خطر اور تھکا دینے والے سفر پر روانہ ہوئے۔ سکھر تک اس دور کی سست رفتار گاڑی میں سفر کیا۔ سکھر سے آگے امروٹ شریف اٹھائیس میل دور تھا۔ راستہ پیدل تھا اور گھنے جنگل سے ہو کر گزرتا تھا، مگر شوق کو کون سمجھائے؟ یہ تو جب اپنی سی پر آتا ہے تو داناؤں کو دیوانہ سمجھتا ہے۔ چلتے رہے حتیٰ کہ امروٹ شریف پہنچ گئے۔ نہ کوئی آپؒ کی زبان جانتا نہ آپؒ ان کی۔ اکٹھے رہے مگر جدا ہو کر، طبیعت ذرا الجھی مگر مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی نظرِ شفقت نے مسافری کا احساس دور کر دیا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:۔

"نماز ظہر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک شخص امروٹ شریف سے واپس گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا اور اس کا راستہ وہی تھا جو میرا میں نے بھی اجازت چاہی تاکہ ایک رفیق مل گیا ہے سفر آسانی سے کٹ جائے گا، کیونکہ جب ایک ہی منزل کے دو راہی مل جائیں تو سفر کی پریشانیاں آدھی رہ جاتی ہیں۔ مولانا امروٹیؒ تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے۔ میری بات سن کر قرآن مجید بند کر کے ایک ہاتھ میں تھام لیا اور دوسرا ہاتھ میرے کاندھے پر شفقت بھرے انداز میں رکھ دیا اور فرمایا "بھائی کیوں دل برداشتہ ہوتے ہو اسے اپنا گھر سمجھو اور چند دن یہاں ہمارے مہمان بن کر رہو"۔ آپؒ کے اس ارشاد مبارک سے میری وحشت انسیت میں بدل گئی اور میں وہاں کچھ دنوں کے لیے ٹھہر گیا۔

سلیقہ مے کشی کا ہو، تو کر لیتی ہے محفل میں
نگاہِ مستِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

اپنے قیام امروٹ کا ایک انوکھا واقعہ اکثر سنایا کرتے تھے۔ حضرت امروٹیؒ روزانہ نماز عصر کے بعد مغرب تک عام مجلس لگایا کرتے تھے۔ جس میں آپؒ مختلف علاقوں سے آئے لوگوں کے مسائل کا جواب دیتے۔ ایک دن چند ہندو حاضر ہوئے اور دیر تک آپؒ سے مصروف گفتگو رہے، چونکہ بات چیت سندھی میں تھی لہٰذا میرے پلے کچھ نہ پڑا۔ البتہ جب میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث کا یہ ٹکڑا سنا "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" (ہر انسانی بچہ اپنی فطرت اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے) تو میں ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہا۔ میں نے اندازہ کر لیا کہ کسی اہم دینی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔ بعد میں مولانا نے مجھے اردو زبان میں فرمایا "میرے رشتہ دار تھے، ہندو ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ دین اسلام ہی دینِ فطرت ہے اور ہر انسانی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ مسلمان ہوتا ہے بعد میں اس کے والدین اس کو ہندو بنائیں یا یہودی یا نصرانی۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ آزمانا چاہتے ہیں تو کوئی بچہ ایسا لائیں جو چالیس روز سے کم کا ہو۔ میں اس کے سینے سے "لاالہ الا اللہ" کی آواز سنوا دیتا ہوں مگر وہ نہ مانے۔

توہی اگر نہ مانے تو بہانے ہزار ہیں

آپؒ نے چند دن امروٹ شریف قیام فرمایا اور واپس جالندھر تشریف لے گئے۔ ساقی نے نگاہوں سے کیا پلادیا؟ بلانوش مجاہد ملتؒ جانیں یا ساقی مولانا امروٹیؒ ہم کیا جانیں؟

میاں عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را خبر نیست

میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ راہ وفا کے دو مخلص مسافر اکٹھے ہوئے تھے نہ جانے ان چند دنوں میں کتنی ہی منزلیں طے کرلی ہوں گی۔

وادی عشق بسے دور دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے

دین پور شریف کا سفر: یہی جذبہ اندرون انہیں کشاں کشاں دین پور شریف لے گیا۔ دین پور شریف اپنی خوبی تقدیر پر جتنا چاہے ناز کرلیا کرے۔ یہ وہ مبارک خطہ زمین ہے جسے اللہ کریم کے ان مخلص بندوں کی آماجگاہ ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے جن کے اخلاص اور للہیت پر کوئی قسم کھالے تو وہ جھوٹا نہیں ہوگا۔ یہ بندگانِ خدا "درکفے جام شریعت ودر کفے سندان عشق" کی سچی تصویر تھے۔ جہاں ایک طرف یہ لوگ قلب و نظر کے اندھوں کو اجالا بخشتے تھے وہاں دوسری طرف جہاد فی سبیل اللہ میں انہوں نے اہل جہاں کو شمشیر وسناں کی جھنکار بھی سنائی۔

برکفے جام شریعت برکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

ان اہل صدق ووفا نے حریت دین ووطن کے لیے بے سروسامانی کے باوجود وہ قربانیاں پیش کیں جن کی مثال اس مادی دنیا کے انسان شاید پیش کرسکیں یہ ربانین صحیح معنوں میں رہبان اللیل (راتوں کے زاہد عبادت گزار) اور فرسان النہار (دن کو میدان جنگ کے شاہسوار) تھے۔ ان مخلصین کی جماعت کے حدی خوانوں میں مولانا غلام محمدؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور (مرشدی) حضرت مولانا عبد الہادیؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے؟

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ---------- جن کا خمیر ہی حطام دنیا سے نفرت اور محض اللہ کریم کی رضاجوئی کے لیے باطل قوتوں سے نبرد آزمائی کے جذبہ سے اٹھایا گیا تھا---------- کے لیے تو دین پور شریف کی اس چھوٹی سی بستی کے اہل وفا دنیا میں عزیز ترین متاع کا درجہ رکھتے تھے۔ ان مخلصین سے روحانی تقویت حاصل کرنے یا یوں کہیے کہ ان کے سوز دروں میں اپنا جذبہ اندروں شامل

کرنے آپ کئی بار دور دراز کا سفر کر کے یہاں تشریف لے جاتے (اور وہاں سے بھی یہ صدا الملتی ناقل)

ہزار بار بروصد ہزار بار بیا

کئی بار تمام پروگرام ترک کر کے رمضان المبارک کے پر کیف لیل ونہار دین پور شریف ان اہل صدق ووفا کے ساتھ گزارنے چلے جاتے اور اس کثرت سے حاضری کے باوجود اسے کم ہی سمجھتے۔

شب وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

دین پور شریف کی پہلی حاضری: دین پور شریف کی اپنی پہلی حاضری اور حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ کی زیارت کا واقعہ اکثر سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "میرا مولانا غلام محمدؒ سے وجدانی تعلق تو اس وقت سے تھا جن دنوں ۱۹۱۶ء میں انگریز کی استبدادی حکومت نے ریاست بہاول پور بدر کر کے "راہوں" تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر(۱) میں پابند جولاں کر رکھا تھا، مگر ان سے جان پہچان نہ تھی۔ جن دنوں میں امروٹ شریف مولانا تاج محمودؒ کی زیارت کرنے گیا تھا واپسی پر خان پور ریلوے اسٹیشن پر اترا اور وہاں سے پیدل چل کر دین پور شریف پہنچا۔ ان دنوں مولانا غلام محمد بیماری اور پیرانہ سالی کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے اور مطالعہ، گھر اور مسجد کے ہو کر رہ گئے تھے اور احمد بن ابی سلیمانؒ کے اس شعر کی تصویر تھے۔

ولما سنا عمری ثمانین حجة
وایقنت انی قد قربت من المدیٰ(۲)
تخلیت عن دنیای الا ثلاثة
دفاتر علم، ثم بیتا وّ مسجدا

اور ان دنوں تو نماز بھی اپنے حجرے میں ادا کرنے پر مجبور تھے۔ میں حاضر ہوا، مصافحہ کیا تو میرے دونوں ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں تھام لیے، پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا "حضرت! محمد علی ہوں، رائے پور جالندھر سے آیا ہوں مجھے معانقے کے لیے اپنے بازوؤں میں دبالیا۔ محبت بھرے انداز میں باتیں کیں۔

جز نغمہ محبت سازم نوا نہ ندارد

نماز کا وقت آیا تو فرمانے لگے "مسجد میں نماز ادا کرو گے یا ہم معذورین کے ساتھ یہیں ادا کریں گے۔ میں نے عرض کیا "حضرت! آپ کے ساتھ نماز ادا کروں گا" فرمایا "اچھا" میں جتنے دین پور مقیم رہا، مجھے اپنے ساتھ نماز پڑھاتے رہے، آپؒ میرے ساتھ جس شفقت سے پیش آئے وہ آپ کی ہی کریم النفسی کا حصہ تھا۔

---

(۱) رائے پور کے اساتذہ "راہوں" خلیفہ غلام محمدؒ کو ملنے جاتے، مولانا ان دنوں غالباً وہاں پڑھتے ہوں گے۔ (ارشد) (۲) جب میری عمر نے اسی سال پورے کر لیے اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اپنی مدت عمر کے قریب پہنچ چکا ہوں میں نے اس دنیا سے تین چیزیں اپنے لیے چن لیں اور باقی کو چھوڑ دیا۔ وہ تین چیزیں ہیں، کتابیں، گھر اور مسجد۔

پھر تیرے کوچے کو جاتا ہے خیال
دل گم گشتہ مگر یاد آیا

فرصت دیدن گل آہ کہ بسیار کم است: راقم نے کئی بار آپؒ سے یہ ارادہ کرتے سنا کہ چند دن کے لیے مولانا عبد اللہ بہلویؒ کی خدمت میں رہ کر "اللہ اللہ کرنا" سیکھ لیں۔ بعض اوقات تو نہایت حسرت سے کہتے دیکھیں گئے۔ میری زندگی تو ایک بھٹکے ہوئے راہی کی طرح گذری ہے۔ کاش! مجھے ان (دعوتی) مشاغل سے فرصت ملتی تو مولانا عبد اللہ بہلویؒ کے پاس چند دن گذار لیتا۔

ناکارہ راقم نے ان کی زبان مبارک سے یہ حسرت بھرے الفاظ سن کر ان دنوں بھی اور آج بھی تعجب کرتا ہوں کہ کیا مولانا محمد علی جالندہریؒ ایسے مرد خود آگاہ کو بھی اپنی اصلاح کے لیے مروجہ "راہ سلوک" پر چلنے میں ہی نظر آتی ہے حالانکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نبی اکرم ﷺ کے تاج و تخت ختم نبوت کی پہرہ داری میں اس مجاہد کی طرح گذر رہی ہے جس کا مطلوب شہادت ہو اور وہ اسے مالِ غنیمت اور کشور کشائی دونوں پر ترجیح دیتا ہو اور ویسے بھی آپؒ ان اہلِ وفا کے قافلے کے میر کارواں تھے جس قافلے میں شمولیت کی پہلی شرط موت پر بیعت کرنا ہوتی تھی۔ جن کے عشق کی ایک جست وہ تمام منازل طے کر دیتی ہے جو سالک لوگ مدتوں سفر کر کے طے کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے انہی اصحابِ وفا کے بارے میں فرمایا تھا۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

مگر مولانا محمد علی جالندہریؒ نے ساری زندگی مروجہ "راہ سلوک" پر چلتے رہنے کی تمنا اس لیے کی کہ میرے بزعم خود "اصلاح یافتہ" اور "اپنی اصلاح آپ" کے پر فریب اور غلط نظریہ کے برخود غلط پیروکار اور مبلغ یہ نہ سمجھ لیں کہ "سلوک کی راہ" ان کے لیے نہیں ان سے کم تر لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہ حسن ولطافت کیوں؟ وہ قوت وشوکت کیوں؟: عالمانہ عظمت کے ساتھ ساتھ اللہ کریم نے انہیں تواضع اور انکار ذات کی نعمت سے بھی نواز رکھا تھا۔ علم اور تواضع ان دو نعمتوں کا ایک جگہ اکٹھا ہو جانا اللہ کریم کا بہت ہی بڑا احسان ہے جو وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ ہی کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے قیام ملتان کے دوران ایک بار مولانا پیر سید خورشیدؒ احمد شاہ (عبد الحکیم سے) تشریف لائے (۱)۔ میری آنکھوں نے دیکھا کہ شان والے مولانا محمد علیؒ ان سے اس تواضع سے پیش آ رہے تھے جس تواضع سے وہ مؤدب طالب علم بھی اپنے محسن استاد سے پیش نہیں آتا ہو گا جس نے اسے حدیث رسول اللہ ﷺ پڑھائی ہو۔

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

---

(۱) حضرت پیر سید خورشید احمد شاہؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ تھے۔ مجاہد ملت کا ان سے اس طرح ملنا بعید از قیاس نہیں۔ (ارشد)

قادیانی فرقہ ضالہ اور دیگر باطل قوتوں کے ساتھ جہاد تو گویا ان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے غذا کا درجہ اختیار کر چکا تھا اور اس فکر میں دن رات مگن رہنا ان کے دکھیا جسم کے لیے باعث سکون و قرار تھا۔ لہٰذا ایسے شاہین صفت مجاہد کو فرصت کہاں مل سکتی ہے جس نے ہر آن اعداء اسلام کی کمین نگاہوں پر نگاہ رکھنی ہو اور جس کی گھات میں ہر وقت صیاد ہو۔ مگر وہ جب کبھی فرصت پاتے رہبرانِ راہ سلوک کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

اللہ کریم نے یہ دونوں خوبیاں اپنے ایک سادہ سے بندے میں اکٹھی کر دی تھیں۔

یہ حُسن و لطافت کیوں؟ وہ قوت و شوکت کیوں
بلبلِ چمنستانی، شہبازِ بیابانی

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وهو الحبيب الذى ترجىٰ شفاعته
لكل هول من الا هوال مقتحم

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ صدق و وفا کا سرمایہ زندگی اور مصائب میں پناہ گاہ رہا ہے اور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اہل غل و غش نے انہیں "گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور "مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناآشنا" کے طعنے دئے ہیں۔

تیرے شہر میں آ کر ہم نے کتنی شہرت پائی ہے

مگر انصاف کون کرے؟ اہل صدق و وفا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اشاعت میں سر دھڑ کی بازی لگائیں، راہ حق میں در بدر کی ٹھوکریں کھائیں، معرکہ حق و باطل میں مقابلہ کرتے کرتے قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں، ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور انہیں حقیر سمجھ کر مسکرائیں، اگر فراغ مل جائے تو قران و حدیث کے شہ پارے ترتیب دے کر آنے والی نسلوں کے لیے تعلیمات دینیہ کو سہل کر دیں، فتنہ قادیانیت اٹھے تو ان سرفروشوں کا قافلہ تحفظ ختم نبوت کی قسم کھا کر میدان کارزار میں اتر جائے، عظمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کوئی حرف گیری کرے تو اسے دندان شکن جواب دیں، کوئی یاوہ گو انکار حدیث کر بیٹھے تو یہ دلائل و براہین سے اس کا ناطقہ بند کر دیں، باطل سیاسی طاقتیں گلشن اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش کریں تو یہ بلانوشاں ان کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ غرضیکہ جس محاذ پر بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت طریقوں کی ترویج و حفاظت کا مطالبہ ان سے ہوا انہوں نے گردنیں پیش کر دیں اور باطل کے ہر سیل کے سامنے سیل بن کر آ گئے۔ کفر ان کے سامنے کئی بار ننگی کا ناچ ناچا اور باطل ان سے ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہا۔ وہ زندہ ہی اس لیے رہے کہ دنیا میں حق کی شمع فروزاں رہے اور اگر کوئی احمق اسے پھونکیں مارنا چاہے تو اس کی دیوانگی کا علاج کرنے کے لئے نشتر حق اس کی رگ باطل پر رکھ دیں۔ مگر ہائے افسوس، گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی (العياذ بالله) یہی ہیں۔

طربنا لتعریض العذول بذکرکم(۱)
فنحن بواد والعذول بواد

مولانا محمد علی جالندھریؒ اہل حق کے اسی مظلوم مگر محترم ومقدس قافلے کے حدی خواں تھے ان کے عشق رسول ﷺ کے بارے میں محض اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ساری زندگی تاج وتخت ختم نبوت کی پہرہ داری کرتے گذری، موت بھی آئی تو اس عہد وفا کو پورا کرنے کی راہ کا مسافر بن کر اور جنازہ بھی اٹھا تو مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر سے، انہیں گھر کی زندگی نصیب ہوئی نہ گھر کی موت۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

مگر کیا کریں؟ یار لوگوں کے پاس حب رسول اللہ ﷺ کے اپنے اپنے پیمانے ہیں، جو ان کے پیمانے میں پورا نہ اترے، وہ گستاخ۔ چلیے کچھ باتیں ان کی سی کر لیتے ہیں یعنی ہم انہیں یہ نہیں بتاتے کہ مجاہد ملتؒ کو ناموس تحفظ ختم نبوت کی خاطر کتنی بار مارا گیا؟ اس راہ وفا پر انہوں نے کتنے ہزار میل کا سفر طے کیا؟ کتنی بار بغیر سواری کے وہ پیدل چلے؟ کتنی بار وعدہ ایفاء کرنے کے لیے وہ ریل گاڑی کے پیچھے دوڑے، گرے، سنبھلے اور زخمی ہوئے؟ کتنی بار اس مقدس مشن کی سزا میں انہیں پس دیوار زنداں بھیج دیا گیا؟ کتنے من اناج جیل کی چکی میں پیسا؟ ان کے والد محترمؒ سمیت کتنے بھائی اور اعزہ کی موت اس حال میں آئی کہ وہ جیل میں پابند جولاں تھے اور وہ انہیں آخری سلام تک نہ کہہ سکے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتنی بار انہیں "اپنوں" نے "گستاخ رسول ﷺ" کہا اور ان کے راہ وفا کا پتھر بنے؟ ہم ان باتوں کو نہیں چھیڑتے، بھلا ایسی باتوں کا عشق سے کیا تعلق؟ میاں عاشق تو ہم ہیں۔ واحسرتا!

یہ عجب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے وہی لے ثواب الٹا

تیری خاکِ پا جسے چھو گئی وہ برا بھی ہے تو برا نہیں: آپؒ نے عمر بھر صرف اس بات کا اہتمام کیا کہ معتقدین میں سے سادات خاندان کے کسی فرد سے کوئی ایسی خدمت نہیں لی جو اس کے شایان شان نہ ہو۔ یہ اہتمام ان کے نبی اکرم ﷺ سے خاندانی تعلق کی بناء پر تھا۔ حتیٰ کہ اس تعلق کے جھوٹے دعوے دار بھی ان کی نگاہ میں قابل احترام بن گئے۔ جب تبلیغی سفر پر تشریف لے جاتے اور کوئی قدردان اکے پاؤں دبانے کی سعادت پانا چاہتا تو پہلے دریافت فرمالیا کرتے کہ وہ سید تو نہیں۔ آپؒ کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن نے بتایا کہ مرض الوفات کے دنوں میں جب وہ سخت نڈھال تھے اور درد دل نے ان پر غنودگی کی کیفیت طاری کر رکھی تھی ایک صاحب نے.........جو سید ہونے کے دعوے دار تھے (مگر سید تھے نہیں).........آپؒ کے پاؤں دبانا چاہے آپؒ نے اس

---

(۱) جب تنقید کرنے والے آپ کا نام لے کر برا بھلا کہنا شروع کیا تو تو ہم جھوم گئے (اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تو نقاد کی باتوں کا الٹ کرنا ہے۔ لہذا جب وہ آپ کو برا کہتا ہے تو ہم اسے دیوانہ خیال کرتے ہوئے اس کی تنقید کو آپ کی تحسین تصور کرتے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں) دراصل آپ کو برا کہنے والا اگر ایک وادی میں چلے تو ہم دوسری میں چلنا شروع کر دیتے ہیں۔

جانکنی کی حالت کے باوجود اپنے پاؤں کھینچ لیے۔ یہ صاحب جب بضد ہوئے تو آپؒ نے فرمایا "بھائی جس ذات ﷺ کو اپنی بخشش کا سہارا سمجھ رکھا ہے اور پوری زندگی کا سردار بنا رکھا ہے ان سے رشتہ داری کے دعوے داروں سے پاؤں کیسے دبواؤں"۔ یہ فرمایا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

تیری خاکِ پا جسے چھو گئی وہ برا بھی ہے تو برا نہیں

روئے دل را جانبِ دلدار کن: کبھی کبھی تو یہ مقدس تعلق غلبہ حال کی کیفیت طاری کر دیتا اور وہ دیوانگی پر اتر آتے۔ میرے محسن اور بزرگ مولانا طفیل احمد جالندھری نے بتایا کہ ایک بار جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں آپؒ نے فخرِ انبیاء ﷺ کے اختیاری فقر و فاقہ اور سادگی کے موضوع پر تقریر کی۔ جب فارغ ہو کر مہمان خانہ میں تشریف لائے تو انہیں شیشہ کے گلاس میں پانی پیش کیا گیا، رو پڑے اور فرمانے لگے "میرے لیے مٹی کا پیالہ لاؤ آج تو یہ غلام اپنے سردار ﷺ کے طریقہ پر پانی پیئے گا"۔ قلندر کے ان الفاظ میں کیا جادو تھا تمام حاضرین پر گریہ طاری ہو گیا۔

ہاتھ آجائے اگر خاک تیرے نقشِ قدم کی
سر پر کبھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں

کلمہ طیبہ اور نبی اکرم ﷺ کے گنبد خضراء کی برکت: جن دنوں وہ دسمبر، جنوری ۱۹۶۹ء میں نشتر ہسپتال ملتان میں مثانہ کی غدود کے اپریشن کے بعد زیر علاج تھے اور راقم ان کی خدمت کی سعادت پا رہا تھا۔ ایک دن مجھے کہنے لگے "جب ڈاکٹر مجھے اپریشن تھیٹر میں لے گئے تو میری طبیعت سخت گھبرائی اور موت کے ڈر سے میری کیفیت یہ ہو گئی جیسے میرے جسم میں کانٹے چبھو دئے گئے ہوں۔ جب ڈاکٹروں نے مجھے لٹایا تو میں نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا کہ بس اب تو کریم آقا کی حاضری کا وقت آ ہی گیا۔ معاً میرا خیال نبی اکرم ﷺ کے روضہ اقدس اور گنبد خضراء کی طرف چلا گیا۔ اللہ پاک نے وہ محویت عطا فرمائی کہ ڈاکٹروں نے میرا پیٹ چاک کر کے کس کرسی بھی دیا اور مجھے معمولی تکلیف کا احساس ہوا۔ یہ آپ ﷺ کی محبت کی کرشمہ سازی تھی۔

اے گل بہ تو خورسندم ۔۔۔۔۔: آپؒ کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن نے راقم کو بتایا کہ جس دن وہ اس دار فانی سے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ اس دن آپؒ نے جدائی سے تھوڑی دیر پہلے انہیں بلایا اور کہا "وہ رومال جو میں مدینہ منورہ سے لایا تھا وہ میرے تکیہ پر پھیلا دو تاکہ اسے اپنی آنکھوں سے لگاؤں اور انہیں ٹھنڈا کروں۔ اپنے رخسار اس سے رگڑوں اور سکون حاصل کروں۔ اس رومال میں میرے سردار ﷺ کے مبارک شہر کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ فراق کا وقت ہے پھر یہ وصال نصیب ہو نہ ہو۔

اے گل بتو خورسندم کہ تو بوئے کسے داری

مولانا عزیز الرحمٰن کہتے ہیں کہ چونکہ ان پر خاص وجدان کی کیفیت طاری تھی میں نے فوراً وہ رومال نکال کر ان کے تکیہ پر پھیلا دیا اور انہوں نے اس پر اپنی آنکھیں بچھا دیں۔

روئے نکو معالجہ عمر کو تاہ است
ایں نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ اند
یارب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیرالخلق کلھم

جواہر پارے یا جگر کے ٹکڑے

تمہیں اہل دل کی خبر نہیں کہ جہاں میں گنج لٹا گئے
یہ گدایان دیار غم، یہ قلندران تہی کدو

وہ جواہر پارے جنہیں وہ اخلاص کا پتلا نصف صدی تک امت محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے بکھیرتا رہا وہ دراصل جگر کے ٹکڑے تھے جنہیں حلق اور زبان کے راستے الفاظ کا جامہ پہنا کر سامعین کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا۔ اس مرد مومن کے سادہ مگر درد بھرے بول میں کیا قوت تھی کہ ایک طرف ان سے لاکھوں بندگانِ خدا کو دین میں استقامت اور سرفروشی کا جذبہ نصیب ہوا تو دوسری طرف باطل فرق پر لرزہ طاری رہتا اور وہ اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ اس آوازہ حق کو خاموش کرنے کے طریقے تلاش کرتے رہتے۔ مگر قصور کیا تھا؟

خونے نہ کردہ ایم وکسے نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

مجاہد ملتؒ نہ خوش الحان تھے، نہ شعر پڑھنے کا ڈھنگ جانتے تھے، نہ ہی الفاظ کے پیچ وخم میں سامعین کو الجھانا انہیں آتا تھا۔ بس سینہ میں درد کی ایک آگ تھی جو برابر لگی ہوئی تھی اور یہ درد اللہ کریم کے دین سے محبت کا تھا جو اپنی شیرینی اور تلخی میں تمام دنیوی محبتوں کے درد پر غالب ہوتا ہے اور درد کے مارے ہوئے کو مسجع بولنے کا خیال کہاں؟ وہ تو فطرتی طریقہ پر رودھو کر اپنا غمِ دل اپنے ابنائے جنس کو سناتا ہے کہ شاید کوئی اس کی حالتِ زار پر ترس کھا کر اس کا شریک غم ہوجائے اور اس کا فسانہِ محبت اس سے سن لے۔

کوئی ایسا بھی صاحب دل ہو کہ فسانہ محبت
میں اسے سنا کے رووں وہ مجھے سنا کے روئے
کہیں رستے میں ملے حبیبؒ (۱) تو اتنا اس سے کہنا
میں اداس ہوں اکیلا میرے ساتھ آ کے روئے

---

(۱) دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ دراصل یوں تھا!

کہیں رستے میں ملے سیف تو اتنا اس سے کہنا

میں نے سیف کی جگہ حبیب کا تصرف کیا ہے اور حبیب سے یہاں میری مراد میرے حبیب کریم مولانا محمد علی جالندھری ہیں۔ (رحمۃ اللہ علیہ رحمتہ واسعتہ)

اس وقت بھی اللہ کریم کے بہت سے ایسے خوش نصیب بندے بقید حیات ہوں گے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور کانوں سے ان کا دردِ دل سنا وہ راقم کی اس بات کی گواہی دیں گے کہ:۔

مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

انہوں نے بلامبالغہ اپنی حیات مستعار میں ہزاروں تقاریر کی ہوں گی مگر بدقسمتی سے وہ تمام نہ ضبطِ تحریر میں لائی جاسکیں نہ انہیں ریکارڈ کیا گیا۔ جو مختصر سا سرمایہ محفوظ کیا گیا ہے اس وقت اس تک بھی راقم رسائی حاصل نہیں کرسکا۔ جو بندہ نے خود سنا ہے اس میں سے چند فرمودات ہدیہ قارئین کیے دیتا ہوں تاکہ وہ بھی اندازہ کرلیں کہ مقصد سے والہانہ لگاؤ اور اس کی آبیاری کے لیے خونِ جگر کو ارزاں کرنا اور اس کے حصول کے لیے جذبہ اندروں کیا ہوتا ہے؟۔

علماء اور خدمت دین: ایک تقریر میں فرمایا:۔

"آپ لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ "دین ملا فی سبیل اللہ فساد" مولوی کا مذہب تو بس فساد پیدا کرنا ہے۔ مولوی تو بس لڑنا ہی جانتے ہیں۔ میں آپ حضرات کو جھٹلاتا نہیں مگر ہماری بھی ایک مجبوری ہے جس کی وجہ سے ہم آپ ایسے مخلص اور صلح پسند دوستوں کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ دنیا کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جو جس کا کھاتا ہے اس کے گن گاتا ہے، اس کا وفادار بن کر رہتا ہے اور جو ایسا نہ کرے اسے بے وفادار نمک حرام ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ جب ہم لوگوں کو روٹی صرف اس لیے ملتی ہے کہ ہم مولوی دین کی خدمت پر مامور ہیں، تو پھر آپ ہی انصاف کیجئے اگر اللہ پاک کی توحید اور نبی اکرم ﷺ کے تاج و تخت ختم نبوت پر حملہ ہوتا رہے اور مولوی چپ رہے تو ــــ محمد رسول اللہ ﷺ کے رب کی قسم! اس مولوی سے بڑھ کر کون نمک حرام ہوگا"۔

علماء اللہ کریم کے فوجی ہیں: فرمایا:۔

"ہر ملک اپنی فوج رکھتا تھا جو اس کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس فوج میں شامل ہونے کے لیے ایک مطلوبہ قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہر فوجی کو بڑے غور و خوض کے بعد رکھا جاتا ہے۔ حکومت اس پر خرچ کرتی ہے، اسے ایک نمایاں قسم کی وردی پہناتی ہے، ملک میں ہر جگہ اس کی عزت کرائی جاتی ہے، قوم اسے دیکھ کر کہتی ہے "یہ وطن کا محافظ ہے" اگر وہ فوجی اپنے فرائض دیانتداری سے انجام نہ دے یا غداری کرے، تو کل تک جو اس کی عزت و شان تھی وہ خاک میں مل جائے گی۔ کل تک لوگ اسے سلام کرتے تھے آج وہ غداری کے الزام میں جیل کی ہوا کھاتا ہے۔ یہی حال علماء کرام کا ہے۔ وہ اللہ کریم کے فوجی ہیں، جنہیں اللہ پاک نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے چنا ہے۔ جس کی انہیں روزی اور عزت ملتی ہے"۔

"اب اگر اللہ کریم کے دین پر اندرونی اور بیرونی دشمن حملہ کرتے رہیں اور مولوی چپ رہے تو آپ ہی فیصلہ کیجئے اس مولوی کا اللہ کریم کے ہاں اور امت مسلمہ کے ہاں کیا مقام ہوگا؟ یہی نا کہ وہ اللہ کریم اور مسلمان امت دونوں کا غدار ہوگا اسے عام مجرموں سے زیادہ سزا ملے گی"۔

ایک دوسرے مقام پر اس بات کو ایک دوسرے انداز میں فرمایا:-

"آپ دوست ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ ہم علماء فساد نہ کریں اور پرامن رہ کر دین کی تبلیغ کریں۔ دیکھیے مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے، مگر پہلے آپ سے ایک فیصلہ کراتا ہوں۔ ہر ملک اپنے دفاع کے لیے ایک فوج رکھتا ہے، اسے اسلحہ سے لیس کرتا ہے، ہر فوجی پر ایک عام شہری سے زیادہ خرچ کرتا ہے، فوجیوں کو یہ تلقین کبھی نہیں کی جاتی کہ وہ پرامن ہو کر رہیں، کسی پر حملہ نہ کریں، نہ کسی کو قتل کریں، نہ آبادیاں تباہ کریں، بس وردی پہن کر خوبصورت بن کر پُرامن ہو کر بیٹھے رہیں۔ حتیٰ کہ ان پر کوئی حملہ بھی کرے تو بس شریف اور امن پسند بن کر چپ سادھے مار کھاتے رہیں۔ بے شک دشمن ملک پر قبضہ کر لیں یا قوم تباہ ہو جائے۔ کیا یہ دانائی کی بات ہوگی؟ ہر گز نہیں۔ اب سنیے، علماء اللہ کریم کے فوجی ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کریم کے دین کی سرحدوں کی حفاظت کریں اور جو دشمن جس طرح سے اور جس طرف سے اس پر حملہ آور ہو اس کا مقابلہ کریں۔

اب افسوس یہ ہے کہ آپ وطن کا دفاع کرنے والی فوج کو پُرامن رہنے کی نامعقول تلقین کو نامعقول سمجھ کر نہیں کرتے۔ مگر علماء کو آپ تلقین کرتے ہیں کہ وہ پُرامن رہیں اور دشمن دین نبی اکرم ﷺ کے تاج و تخت ختم نبوت پر حملہ کریں یا شب خون ماریں۔ ہمیں تمہارے الزامات قبول مگر یہ تمہارا خیر خواہانہ مشورہ نامنظور۔

محضتنی النصح لکن لست اسمعه
ان المحب عن العزا ل فی صمم

(اے ناصح میں جانتا ہوں تو نے مجھے (اپنی ذاتی غرض سے) خالص نصیحت کی لیکن میں تو اسے نہیں سنوں گا اور عاشق صادق تو ملامت گروں کی ملامت سے بہرا ہوتا ہے)

دیکھو جس کسان کا رات کو کھیت اجاڑا جا رہا ہو کیا وہ نہیں چلائے گا، مدد کے لیے نہیں پکارے گا؟ وہ کیوں نہ چیخے اور چلائے؟ وہ سردی، گرمی برداشت کر کے اپنے کھیت کو بوتا ہے، رات رات جاگ کر اسے سینچتا ہے، جب وہ پکنے کے قریب آئے اور اس کی امید بندھ جائے، پھر کوئی سنگدل اسے رات کو اجاڑنے آئے تو وہ کیوں نہ چلائے؟۔

اسی طرح علمائے دین اسلام کے کھیت کے رکھوالے ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ اسے اسلام کے دشمنوں، چوروں اور ڈاکوؤں سے بچائیں۔ اگر دین کا کھیت لٹے اور مولوی چپ رہے تو گونگا شیطان، غافل بن کر سویا رہے تو نمک حرام اور اگر دشمنان اسلام کی مداہنت کرے تو بے ایمان ہو کر مرے گا۔ (العیاذ باللہ)۔

یاد رکھو! جب تک دین پر حملے ہوتے رہیں گے مولوی چلاتے رہیں گے، یہ ان کی مجبوری ہے۔ وہ تو حفاظت دین کے لیے رات کے پہرہ دار کی طرح ہیں۔

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

آپ علماء کو زندہ ہی رہنے دیں، ہم آپ کے غلام ہیں: ایک بار دوران تقریر نہایت درد بھرے انداز میں فرمایا:۔

"دیکھو جو کتا اپنے مالک کے گھر اور مال کی حفاظت کرتا ہے اسے وہ دودھ ڈالتا ہے، اس کی پیار محبت سے پرورش کرتا ہے۔ ہم مولوی آپ لوگوں کے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ ہماری پرورش نہ کریں، بس صرف ہمیں زندہ ہی رہنے دیں"۔

دیکھو! پرانے وقتوں میں جب دیا سلائی کا عام رواج نہیں ہوا تھا۔ سگھڑ عورتیں گوبر کے اُپلے سلگا کر انہیں چولھے کی راکھ میں دبا کر رکھ دیتی تھیں، پھر جب انہیں آگ جلانا ہوتی اس اُپلے پر تھوڑا سا پھوس اور ایندھن رکھ کر پھونک مارتیں اور آگ روشن کرلیتیں۔ اس میں کفایت شعاری بھی تھی۔ آپ جانتے ہیں اُپلے گندگی کے ہوتے ہیں، گوبر سے بنتے ہیں، مگر سمجھ دار لوگ ان سے بھی کام لے لیتے ہیں۔ آپ حضرات ہم علماء کو اُپلے ہی سمجھ لیں"۔

"اگر ہم سلگتے رہیں گے تو تمہیں جب آگ روشن کرنے کی ضرورت پڑے گی، ہمیں پھونک مارنا ہم تمہارے لیے آگ روشن کردیں گے، لیکن اگر تم نے ہمیں بجھا دیا یا تمہاری عدم التفاتی سے ہم خود بجھ گئے تو یاد رکھو، لاکھ پھونکیں مارنا، منہ پر راکھ تو پڑے گی مگر آگ نہیں جلے گی۔ ہمیں بجھنے نہ دو۔ ہم تمہارے کام آئیں گے۔ ہم تمہارے غلام ہیں"۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم نازیک دانائے راز آید بروں
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

نبی اکرم ﷺ نے عادات اور صفات کو خوبی والا بنایا

ایک بار سیرت النبی ﷺ پر تقریر کر رہے تھے۔ دوران تقریر اپنے مخصوص انداز میں سامعین سے فرمایا "ایک بات بتاؤں" پھر فرمایا:۔

"یہ نہ خیال کرنا کہ اچھی صفات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی شان بڑھ گئی"۔ اس جملہ کو دو تین بار فرمایا، سامعین حیران تھے۔ پھر فرمانے لگے "یہ صفات اس لیے اچھی بن گئیں کہ انہیں آپ ﷺ نے اختیار فرمایا اور انہیں قبولیت کا شرف بخشا"۔

تیری خاکِ پا جسے چھو گئی وہ بُرا بھی ہے تو بُرا نہیں

اسی طرح کا مضمون حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب انہوں نے اپنے ایک شعر میں کہا:۔

ما ان مدحت محمد بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

میں نے اپنے اشعار کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کی مدح نہیں بلکہ آپ ﷺ کے مبارک نام کو اپنے اشعار میں لاکر اپنے اشعار کی تعریف کی۔

تین طبقوں کو ایک ہی نصیحت: ایک دفعہ ایک جلسہ میں دوران تقریر فرمایا:-

"دیکھو! میں اپنی عمر کے آخری پیٹے میں ہوں، بوڑھا ہو گیا ہوں، شاید جدائی کا وقت قریب ہو، میں تین طبقوں کو ایک ہی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ شاید آپ اس پر عمل کر کے میری قبر ٹھنڈی کریں۔

۱- سرکاری حکام اور ارباب حل وعقد کو میری وصیت ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کے وفادار بن کر رہیں اور کسی عہدہ کے لالچ یا دنیا کی عارضی عزت کے بدلے جناب رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی کرتے ہوئے منکرین ختم نبوت کی مدد یا حوصلہ افزائی نہ کریں، ورنہ ان کا حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے ان حکام کا ہو چکا ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا عہدِ وفا توڑ دیا اور دشمنانِ عقیدہ ختم نبوت کے ہاتھ مضبوط کیے۔ پھر چند ایسے بدنام زمانہ حکام اور افسران کے واقعات بھی سنائے۔

۲- علمائے کرام کو خبردار کرتا ہوں کہ ان کی یہ درس گاہیں جو ان کے لیے آرام گاہیں بن چکیں ہیں، انہیں میسر نہیں رہیں گی۔ جب ایسے حالات آجائیں تو ثابت قدمی سے دین پر خود بھی قائم رہیں اور اشاعتِ دین بھی کرتے رہیں۔ ایسے حالات میں رستوں پر بیٹھ کر اور درختوں کے سائے میں ڈیرہ ڈال کر اللہ کریم کا دین پڑھاتے اور سکھاتے رہیں۔ آپ کے اسلاف نے ایسا کر کے دکھایا ہے۔ اس کے برعکس ایسے حالات بھی آئیں گے کہ ملازمت یا عہدہ کا لالچ دے کر علماء کو خدمتِ دین سے باز رکھا جائے گا۔ خدارا بھوکوں مرجانا مگر اللہ کریم کے دین سے بے وفائی کر کے اس دنیا کی فنا ہونے والی عزت پر نقد دین نہ لٹوانا۔ دین سکھاتے رہنا بے شک کچھ ہو جائے۔

کیف الوصول الی سعادو دونها

قلل الجبال و بینهن حتوف

۳- عام لوگوں سے میری درخواست ہے کہ ایک وقت ایسا آسکتا ہے جب عقیدہ ختم نبوت کا نام لینا جرم بن جائے گا۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو، لیکن اگر حالات تمہیں ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیں تو جان دے دینا مگر باوفا نبی اکرم ﷺ سے دنیا کی عارضی تکلیف پر بے وفائی نہ کرنا اور اپنے عقیدہ پر جمے رہنا۔ یہاں تک کہ موت تمہیں دنیا کی ان عارضی چیزوں سے بچا کر اللہ کریم کی دائمی نعمتوں والی جنت میں داخل کر دے۔

مالا عین رأت، ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر (متفق علیہ)

نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے تذکرے سنے اور نہ کسی دل پر ان (کی رنگا رنگی) کا خیال گزرا۔

صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں: ایک بار مسجد خونی برج ملتان میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"دیکھیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین میں معیار حق تسلیم کرتے ہیں جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ دین کی بنیاد ہی گرانا چاہتے ہیں"۔ پھر فرمایا "نبی اکرم ﷺ نے انسانی ضمیر اور عقل کے سامنے ایک مقدمہ دائر کیا تھا۔ جس میں انہوں نے تمام باطل نظریات اور افکار کو غلط قرار دیا اور اپنی دعوت کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ میرا دعویٰ اس لیے درست ہے کہ میں اللہ کریم کا فرستادہ ہوں اور میں جو کچھ کہتا ہوں اللہ کریم کی طرف سے ہی کہتا ہوں۔ آپ ﷺ کا دعویٰ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے برابر قائم ہے۔

اس مقدمہ کے موقعے کے گواہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جو نام نہاد محقق ان ستودہ صفات حضرات پر تنقید کرتے ہیں یا ان کی عدالت وصداقت پر شک وشبہ کرتے ہیں وہ دراصل مستشرقین اور دیگر دشمنان کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دعویٰ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ ان کے گواہان تو مشکوک کردار کے مالک ہیں۔ بھائی، جب آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) اقرباء نواز کہیں گے تو گویا بحیثیت خلیفہ وہ راہ راست پر نہیں تھے لہٰذا وہ اس قابل نہیں تھے کہ ان پر اعتماد کیا جاسکے، تو ان کی ان روایات پر کیسے اعتماد کیا جائے گا جو ان سے نبی اکرم ﷺ کے دعویٰ میں مروی ہیں؟ پھر نتیجہ کیا ہوگا؟ آپ اندازہ کرلیں۔

ہم صحابہ کرامؓ کے جج کیسے بن بیٹھے ہیں؟: اسی تقریر میں فرمایا:-

"اگر دو بوڑھے بھائی جو سفید ریش بھی ہوں، آپس میں کسی بات پر الجھ پڑیں اور ان کی بات یہاں تک بڑھے کہ وہ دست وگریباں ہوجائیں اگر ان دو میں سے کسی ایک کا بیٹا یا ان دونوں کے بیٹے ان دونوں سفید ریش بزرگوں کو ماریں پیٹیں یا اپنے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا کرکے ان کے تنازعہ کا فیصلہ کرنا چاہیں تو عقل مند لوگ ایسے بیٹوں کو کیا کہیں گے؟ گستاخ بے ادب، ظالم اور کیا کیا۔ جو محقق آج حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اور دیگر مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جج بن بیٹھے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے؟۔

فسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون. (الشعراء- ۲۶:۲۲۷)

ترجمہ: ظالم عنقریب جان لیں گے کہ انہیں کونسی جگہ لوٹ کر جانا ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد "میرے صحابہ کرام کو برا نہ کہو۔ اگر تم اللہ کریم کی راہ میں سونے کا پہاڑ بھی خرچ کرو تو ان کے اس ذرہ کے برابر بھی نہیں ہوگا جو انہوں نے اللہ کریم کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:-

"دیکھو وہ ثواب میں اس لیے بڑھ گئے کہ انہوں نے اللہ کریم کی رضا کے لیے خرچ کیا جبکہ تمہاری نیتوں میں ریا اور واہ واہ کہلانے کا جذبہ داخل ہوتا ہے۔ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کی سنت کے مطابق خرچ کیا تم سنت کی مخالفت کرکے خرچ کرتے ہو، لہٰذا تمہارا پہاڑ بھی ان کے ذرہ کے برابر ہیچ ہے"۔

اصل دین وہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا: اصل دین وہی ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے سمجھا۔ اس کے بعد اصل دین وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں مذکور ہے، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے سمجھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی گروہ یا خاص فرد ہی نہیں بلکہ سارے کے سارے ہدایت کے چراغ ہیں۔ ان میں کسی ایک کی پیروی اللہ کریم کی رضا کا سبب اور جنت تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:-

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (بیہقی، السنن الکبریٰ)

میرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت ہی پاؤ گے۔

کسی کے ظاہر پر نہ جائیں: ایک بار فرمایا:۔

"دیکھو! کوئی پھل اوپر سے کھایا جاتا ہے، اندر سے پھینکا جاتا ہے اور کوئی اندر سے کھایا جاتا ہے، اوپر سے پھینکا جاتا ہے۔ خربوزہ اندر سے کھایا جاتا ہے اوپر سے پھینکا جاتا ہے۔ جامن اوپر سے کھایا جاتا ہے، اندر سے پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کا ظاہر ایماندار ہے باطن خراب ہے، کسی کا باطن ایماندار ہے ظاہر خراب ہے"۔

ہم تم سے انگریزی سیکھیں گے، تم ہم سے قرآن سیکھو: ایک بار جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارے افسر بھائیوں کو بھی دین سمجھ لینا چاہیے، یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ دیکھیں میں الحمد للہ فاضل دیوبند ہوں مگر جب کبھی میرے پاس حکومت کی طرف سے انگریزی میں چٹھی آتی ہے تو میں کسی انگریزی جاننے والے بھائیوں کے پاس جانے میں شرم محسوس نہیں کرتا اسی طرح آپ دوستوں کو ہم سے قرآن پڑھنے میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ دیکھیے آپ کو انگریزی آتی ہے ہمیں قرآن آتا ہے۔ ہم تم سے انگریزی سیکھیں گے تم ہم سے قرآن سیکھو"۔

مساجد اور مدارس کی امداد کے لیے غرباء کے پاس جانا بہتر ہے: فرمایا کرتے تھے "اگر مساجد اور مدارس کے لیے تعاون کی ضرورت ہو تو بہتر ہے کہ غریب مسلمانوں سے درخواست کی جائے۔ میرے نزدیک چار پانچ غریبوں کی خدمت میں حاضر ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک سرمایہ دار وڈیرے کے پاس جایا جائے۔ غریب کے پاس جانے اور وڈیرے کے پاس نہ جانے میں یہ فائدے ہیں۔

۱۔ غریب کے پاس جانے سے خود علماء کے اندر موجود غرور و تکبر کا خاتمہ ہوگا جو بذات خوب اللہ کریم کی ایک بڑی نعمت ہے۔

۲۔ وڈیروں سے بے نیاز ہو کر اللہ کریم کے دین کا کام کرنے سے ان سرمایہ داروں کا عارضی اور مصنوعی رعب و دبدبہ بھی نہیں دیکھنا پڑے گا اور ان امراء کی ظاہری دنیوی وجاہت سے مرعوب ہو کر ان کی حماقتوں اور غلط کاریوں پر چشم پوشی بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ جو بذات خود علماء حق کے لیے بہت بڑا کمال ہوگا اور ہم تو ایسا ہی کیا کرتے تھے"۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

۵۔ وہ سرمایہ دار یہ خیال کریں گے کہ دین کا کام ان کا محتاج نہیں۔ اللہ کریم اسے ان کی مدد کے بغیر بھی چلا سکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:۔

"چندہ لینا کاروبار نہیں۔ جتنے وسائل ہوں گے اتنا ہی کام کریں گے۔ دین کی تحقیر کر کے چندہ لینا خود گناہ ہے"۔

تعداد کی کثرت معیار حق نہیں: فرمایا:- آج کے دور کی لادین مغربی جمہوریت نے ہمیں ایک غلط پٹی پڑھائی ہے کہ حق پر وہ ہے جس کے ساتھی زیادہ ہوں- یہ نظریہ قرآن وسنت کے خلاف ہے- اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:-

"وقلیل من عبادی الشکور" (۱)　　میرے بندوں میں شکر گزار تو تھوڑے ہی ہوتے ہیں-

سچے اور نیک بندے ہر دور میں کم رہے ہیں- اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرلیں آپ کہیں نہیں دکھا سکتے کہ مسلمانوں نے کسی علاقہ پر حکومت اس لیے کی ہو کہ وہاں وہ کثرت میں تھے"-

"تاریخ شاہد ہے کہ جتنی جلدی اور جتنی زیادہ تعداد میں لوگ مسیلمہ کذاب کے پیچھے لگے تھے اتنی جلدی اور اتنی زیادہ تعداد میں تو لوگ اصدق الصادقین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکار نہیں بنے تھے بلکہ آپ ﷺ کو اپنی سچی دعوت منوانے کے لیے ایک مدت تک صبر آزما محنت کرنا پڑی تھی- ہاں کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق کثیر تعداد والوں کے ساتھ ہو- جس طرح خطہ عرب میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوا"-

اے زمانہ پھر دکھادے اب وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

چاند پر مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر: ایک بار لانگے خان باغ ملتان میں دوران تقریر فرمایا:-

"کہتے ہیں کہ لوگ چاند پر جارہے ہیں- یادرکھیے اگر چاند پر انسانوں کی آبادی شروع ہوگئی تو انشاء اللہ ہم نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوّت کا پرچم لے کر وہاں بھی پہنچ جائیں گے اور وہاں بھی اللہ کریم نے چاہا تو چاند پر بھی مجلس تحفظ ختم نبوّت کا دفتر ہوگا"-

تو قطع منازلہا، من ویک لغزشِ پائے

اصلاح معاملات کا معیار: ایک مرتبہ اصلاح معاملات پر تقریر کے دوران فرمایا:-

"دیکھو! اگر یہ دیکھنا چاہو کہ تمہارے معاملات درست ہیں یا نہیں تو اس کا ایک آسان معیار بتا دیتا ہوں- اگر کسی کا پیسہ ناحق تمہاری طرف آتا ہوا اتنا ہی دُکھے جتنا تمہارا پیسہ کسی کی طرف ناحق جاتا ہوا دُکھتا ہے تو اللہ کریم کا شکر کرنا تمہارے معاملات درست ہیں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو اپنے ایمان کی خیر منانا کیونکہ جس کے معاملات درست نہ ہوں اس کی عبادات بھی درست نہیں ہوتیں اور نتیجتہً اس کا ایمان خطرے میں ہوتا ہے-

اسلامی سزائیں واقعی بہت سخت ہیں: ایک مرتبہ دوران خطاب بعض متجددین اور احساس کمتری کا شکار مفکرین کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

"لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی سزائیں بہت سخت ہیں- ہاں مگر گناہوں اور جرائم کو روکنے کے لیے اسلام چاہتا ہے کہ جرائم رک جائیں اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جرم کی سزا سخت ہو تاکہ آئندہ مجرم کو جرم پر جرأت نہ ہو اور تم چاہتے ہو کہ سزا اتنی کم ہو جو برداشت کی جاسکے گویا کہ تمہاری تمنا یہی ہے کہ جرم ہوتے رہیں اور مجرم ہلکی پھلکی سزا بھی برداشت کرتے رہیں- اسلام کا یہ منشا نہیں-

(۱) السبا: ۱۳

مولانا اور جمعیتہ علماء اسلام

نہیں بیگانگی اچھی رفیق راہ منزل سے: مجاہد ملتؒ جمعیتہ علماء اسلام کے قافلہ اہلِ وفا کے کسی بھی دور میں مستقل رکن نہیں رہے۔ البتہ اہل وفا کی پرانی ریت نبھاتے ہوئے وہ اس قافلے کے حدی خوانوں کے مربی بھی رہے ہیں اور مشیر بھی، اور جہاں اور جس وقت اور جس حالت میں جمعیتہ علماء اسلام نے ان کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا اس کریم النفس ہستی نے ان کا ہاتھ جھٹکا نہیں۔ گو قیام پاکستان سے لے کر تادم وصال وہ غیر سیاسی زندگی گزارتے رہے۔ کیونکہ اب ان کے پیش نظر تاجدار مدینہ فداہ امی وابی ﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ کے لیے اتحاد امت کی ضرورت تھی۔ اب انہیں اپنوں ہی سے مقابلہ پسند نہیں آتا تھا۔ مگر پھر بھی جمعیتہ کے ارباب حل وعقد کو اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازتے رہے۔

مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سے کون واقف نہیں؟ وہ اپنے وقت کے کاروان سیاست کے امیر تھے۔ راقم نے انہیں بارہا دیکھا کہ جب کبھی وہ اور مجاہد ملتؒ دونوں ملتان میں ہوتے تو مفتی صاحبؒ ناشتہ کے وقت مدرسہ قاسم العلوم سے دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت تشریف لاتے اور اس نابغہ روزگار سے اہم ملکی اور جماعتی معاملات کے بارے میں مشورہ لیتے۔

صدر ایوب مرحوم کی گول میز کانفرنس: ۱۹۶۹ء میں جب ڈھاکہ تمام سیاستدانوں بشمول شیخ مجیب الرحمن کی اس وقت کے صدر جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے گول میز کانفرنس طلب کی تھی۔ اس میں جمعیتہ علماء اسلام کی نمائندگی مولانا مفتی محمودؒ اور ابوذر وقت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کرنے جارہے تھے۔ ان دنوں مولانا محمد علی جالندھریؒ نشتر ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ راقم ان دنوں نشتر ہسپتال میں مولاناؒ کی خدمت میں سعادت پارہا تھا۔ راقم نے دیکھا اور سنا کہ مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ گول میز کانفرنس میں اپنی جماعتی پالیسی انؒ سے مشورہ سے طے کرنے تشریف لائے۔ مولاناؒ نے فرمایا "۱۹۵۶ء کا آئین تسلیم نہ کرنا اور باقی اسلام جہاں تک گنجائش دے تسلم کرتے چلے جانا، کیونکہ ۱۹۵۶ء کا آئین مسئلہ ختم نبوت کا حل نہیں کرتا" ان دنوں پاکستان کی اکثر جماعتیں مارشل لاء کا خاتمہ اور ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کا مطالبہ کررہی تھیں۔

نسیم صبح تیری مہربانی: مولانا مفتی محمودؒ کا آپؒ سے قریبی تعلق تھا۔ مفتی صاحبؒ کی سیاسی تربیت اور بصیرت کے نکھار میں آپؒ کے فیضان نظر کو بہت زیادہ دخل تھا۔ راقم کے ایک دوست جناب علامہ سعید احمد نے مجھے بتایا کہ ۱۹۵۲ء میں جن دنوں وہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں زیر تعلیم تھے۔ ان دنوں مسجد الہی والی (چوک گھنٹہ گھر ملتان) میں آپؒ، مولانا محمد شفیعؒ (اس زمانہ کے مہتمم مدرسہ قاسم العلوم) اور مولانا مفتی محمودؒ کی مجلس بعد از نماز عصر ومغرب ہوتی۔ جس کا موضوع سیاست اور اسلام ہوتا۔ مولانا محمد شفیعؒ کا ابتداً جھکاؤ جماعت اسلامی کی طرف تھا۔ آپؒ اکل کھرے احراری، اور مولانا مفتی محمودؒ کا آغاز سیاست تھا۔ آپؒ اور مولانا محمد شفیعؒ کے درمیان سیاسی مباحثہ ہوتا۔ جب آپؒ ہر مسئلہ میں اپنی رائے منوانے کے لیے دلائل کے انبار لگاتے تو مفتیؒ صاحب ششدر ان کا منہ تکتے رہتے۔ اثر یہ ہوا کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ آپؒ کے رنگ میں رنگ گئے اور اکابر علماء دیوبند کے سیاسی عقائد کے ترجمان بن گئے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر: دونوں بزرگوں کا یہ تعلق زندگی بھر رہا۔ جن دنوں دونوں بزرگ اپنی اور دعوتی پروگراموں کے وقفہ کے دوران ملتان اکٹھے ہوجاتے تو مجاہد ملتؒ بعد از نماز عصر مدرسہ قاسم العلوم مفتی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے اور نماز مغرب تک دونوں بزرگوں کی مجلس ہوتی۔ اس دوران بعض معاملات میں اختلاف رائے ہوتا اور دونوں بزرگ بلند آواز سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ کئی بار بے خبروں نے اس بلند آوازی کو جھگڑے اور اختلاف پر محمول کیا۔ مگر یہ جھگڑا نہیں ہوتا تھا بلکہ دو درد بھرے دلوں کی دھڑکنیں تھیں جو اس وقت تلخ نوائی میں بدل جاتیں جب دونوں مخلصین یہ خیال کرتے کہ ان میں سے ہر ایک جو رائے دے رہا ہے وہ امتِ مسلمہ کی بہتری کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

نوا را تلخ ترمی زن۔۔۔۔: دونوں بزرگ اختلاف رائے کے باوجود بھی ایک دوسرے کی بات مانتے اور تعاون کرتے۔ ۱۹۷۰ء میں جب اسرائیل نے امتِ مسلمہ کی غیرت کا اندازہ کرنے کے لیے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کو آگ لگائی تو جمعیت علماء اسلام نے پاک وہند کے مسلمانوں کی قدیم روایت نبھانے کے لیے ملتان میں ایک جلسہ عام کا اعلان کیا جس میں اسرائیل اور اس کے خداوند ان کی مذمت کرنا تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ٹیلیفون پر آپؒ سے اس جلسہ میں تقریر کرنے کی درخواست کی۔ وہ جانتے تھے کہ مجاہد ملتؒ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی ایسے مواقع پر عوام کی رہنمائی کرنے کے لیے کیا تھا۔ راقم اس وقت مجاہد ملت کی خدمت میں موجود تھا۔ مولاناؒ اسرائیل کو مجرم تصور نہیں کرتے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ "اسرائیل اس کی جرأت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے مربی امریکہ کے عربوں سے مفادات وابستہ ہیں۔ لہٰذا امریکہ، اسرائیل کو ایسی ناپاک جسارت کی اجازت دے کر تمام عربوں کو کیونکر ناراض کرسکتا ہے؟ دوسرے مسجد اقصیٰ عیسائیوں کے نزدیک قابل احترام ہے۔ لہٰذا اسرائیل امریکی پادریوں کو کیونکر نظر انداز کرسکتا ہے؟

اگر مذمت کرنا ہی ہے تو اس امت کی کریں جس کے ایک حصہ کو صحرا سینائی میں بے دردی سے مارا گیا، اسے جولان کی پہاڑیوں سے نیچے دھکیل دیا گیا اور مسجد اقصیٰ کے صحن میں دھکے دئے گئے۔ جب کہ دوسرا حصہ پی کر اور دولت کے نشہ میں لمبی تان کر سویا رہا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو ٹیلیویژن پر مغنیہ کے پائل کی جھنکار اور بربط کے تار کی دھن میں محو ہو کر رہ گیا"۔

پھرتے ہیں داد خواہ تیرے حشر میں خراب
تو جو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

آپؒ کے اس استدلال نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ بندہ اس رات اس جلسہ مذمت میں حاضری کی سعادت نہ پاسکا اور مولاناؒ اس جلسہ کے سامعین میں اپنا دردِ دل بانٹتے چلے گئے۔ جاتے ہوئے مجھے حکماً فرمایا "میرے ساتھ چلو یا میرے آنے تک جاگتے رہنا اور میری چارپائی پر بیٹھ کر پڑھتے رہنا"۔ بندہ نے دوسری شرط تسلیم کرلی۔

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی
ہر شوق نہیں گستاخ، ہر جذب نہیں بے باک

سنبھال مالی باغ اپنا: ۱۹۷۱ء کی کل پاکستان ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں مولانا مفتی محمودؒ تشریف لائے تو آپؒ نے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا: لیجئے مفتی صاحب! اپنی تو چھٹی۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ "ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا محمد علی جالندھریؒ پردہ غیب کے پیچھے ایک تلخ حقیقت پر آگاہ ہو کر اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ مگر بات "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" والی ہوئی۔ اگلے سال ۱۹۷۲ء میں جب کل پاکستان ختم نبوت کانفرنس اسی مقام پر ہوئی تو مولانا محمد علی جالندھریؒ موجود نہیں تھے صرف ان کی یاد باقی تھی، اور وہ بھی ان کے رفقاء کار کے لیے بہت بڑا روحانی سہارا تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے اس ارشاد نے حاضرین پر گریہ طاری کردیا جب انہوں نے فرمایا "آپ کو یاد ہوگا پچھلے سال اسی تاریخ و اسی مقام پر مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی تھی۔ انشاء اللہ وہ ذمہ داری پوری نبھاؤں گا"۔ اللہ پاک نے یہ ذمہ داری بھی پوری کردی اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مجاہدانہ اور مخلصانہ کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشا۔ پوری قوم نے مفتی صاحبؒ کی مومنانہ قیادت پر اعتماد کیا اور حکومت وقت کو مجبور کردیا کہ وہ قادیانی فرقہ کو اقلیت قرار دے۔ یوں اللہ کریم نے اپنے مخلص بندہ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی روح کے لیے خوشخبری اور مسرت کا سامان پیدا کردیا۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات اور مولاناؒ: پاکستان جب سے پاکستان بنا۔ ۱۹۷۰ء اس کی تاریخ کا پہلا اور اللہ کریم نہ کرے غالباً آخری سال تھا جب پاکستانی قوم کو اپنی آزادانہ رائے سے اپنے نمائندگان چننے کا موقع ملا۔ گو ملک میں اس وقت بھی فوجی حکومت تھی۔ اس وقت فوجی حکمران جنرل یحییٰ خان نے نہ جانے کیوں دور اندیشی سے کام نہ لیا کہ اس مظلوم قوم کو اپنی آزادانہ رائے دہی کا خواہ مخواہ موقع دیا۔ شاید انہیں اندازہ نہیں تھا کہ مکار سرمایہ دار مکر کی چالوں سے بازی لے جائے گا اور قوم کے مقدر سے اپنی عیارانہ چالوں سے کھیلے غریب اور مزدور اپنی سادگی میں مات کھا جائیں گے اور قوم کھیتی رہے گی۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
اور انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

المومن لایلدغ من جحر واحد مرتین: علماء اسلام کی ہمیشہ سے یہ عادت چلی آرہی ہے کہ وہ اسلام کی سربلندی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جب انتخابات کا اعلان ہوا اور انہیں آزادانہ بالغ رائے دہی کا یقین دلایا گیا تو وہ بھی اپنی تمام تر بے سروسامانی اور فقر کے ساتھ میدان میں کود گئے۔

انتخاب میں ایک طرف پرانے ظالم سرمایہ دار نئے جال کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ جال دراصل نیا نہیں تھا صرف اس بار انہوں نے علماء کی نقل کرکے اپنے اس ظالمانہ جال کو غریب کی مدد، اور اسلام کی ترویج، کے رنگ میں ڈبو لیا تھا۔ مگر اہلِ حق کا قافلہ شروع ہی سے ان کی مکر کی چالوں سے واقف تھا۔ لہٰذا وہ ان کے حمایتی کیسے بن سکتے تھے؟

المومن لایدغ من جحر واحد مرتین (مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا)

دوسری طرف کچھ نووارد تھے وہ بھی غریبوں کی مدد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ اہل حق ووفا نے انہیں نہیں آزمایا تھا۔ لہذا انہیں اپنانے کی کوشش کی، نیت میں اخلاص تھا اور ارادہ یہی کہ شاید ان کے اتحاد سے غریب کے دن بدل جائیں۔ اس پر استحصالی سرمایہ داروں کے گروپ نے انہیں "اشتراکی ملا" اور سوشلسٹوں کا آلہ کار قرار دیا۔ ستم یہ کہ اس الزام تراشی میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو تقدس کے پردے سے باہر منہ نکال کر بات کرنا گناہ سمجھتے تھے مگر اہل وفا کو برا بھلا کہنے میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔

رقابت علم وعرفان میں ہے غلط بینی منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

مجاہد ملت۔۔۔۔ جو اہل صدق ووفا کے ساتھ ایک مدت سے قدم ملا کر چل رہے تھے اور ان کے رازدان تھے۔۔۔۔ جانتے تھے کہ علماء حق نہ سوشلسٹ ہیں، نہ سوشلسٹوں کے آلہ کار۔ وہ اگرچہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر تھے جو خالصۃً ایک تبلیغی جماعت تھی مگر یہ الزام سنا تو تڑپ گئے۔

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حق گو تو تھے ہی، چپ نہ رہ سکے۔ اہل حق کی صفائی دینا ضروری خیال کیا۔ اس زمانے کی اپنی کئی تقاریر میں مختلف انداز میں اس الزام کی تردید کی۔ آپؒ کی ایک تقریر کا ایک اقتباس قارئین کرام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ پڑھیئے:۔

"جس وقت ہم اس ملک کو ظالم انگریز کے پنجہ استبداد سے آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے تھے تو ہمارے کرم فرما ہمیں ہندوؤں کا ہمنوا ہونے کا الزام دے رہے تھے۔ آج جب علماء دیوبند اسلام میں غریب کے حق کا نام لے رہے ہیں تو یہ کرم فرما انہیں کمیونسٹوں کا ہم سفر اور ان کا ایجنٹ کہہ کر بدنام کر رہے ہیں۔ مگر یاد رکھیے نہ ہم اس وقت ہندوؤں کے ایجنٹ تھے نہ آج کمیونسٹوں کے آلہ کار الحمدللہ! علماء اسلام اس سے کہیں بلند تر ہیں۔ ہم پاکستان میں صرف اور صرف اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ یہ وہ قدر مشترک ہے جو جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ علماء پاکستان دونوں کی مشترک جدوجہد کا مرکزی نقطہ ہے۔ کوئی مولوی دیوبندی ہو یا بریلوی وہ اسلام سے بے وفائی کر کے کمیونسٹ نہیں بن سکتا۔ اس کا مقصد حیات صرف اسلام کی سربلندی ہے۔ وہ اول تا آخر اسلام کا سپاہی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ غریبوں کا ہمدرد نہ نظام سرمایہ دارانہ ہے نہ اشتراکی۔ بلکہ صرف نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا نظام معیشت ہے جس کی بنیاد عدل اجتماعی کے نظریے پر رکھی گئی ہے۔

مگر افسوس جن لوگوں نے انگریز کی کاسہ لیسی کی، ان کی نمک حلالی کے لیے مسلمانوں کے مفاد سے کھیلتے رہے اور انہوں نے جب کبھی اسلام اور غریبوں کو خوشحال دیکھا، سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور ان کے خلاف وہ سب کچھ کر گزرے جو مطلب پرست اور طالع آزما کیا کرتے ہیں۔ آج جب دیکھ رہے ہیں کہ غریب مسلمان علماء اسلام کے گرد اکٹھے ہو رہے ہیں تو یہ پھر اپنے اچھوتے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اتر آئے ہیں اور علماء کو کمیونسٹ کہہ رہے ہیں تاکہ سادہ لوح غریب مسلمانوں اور

علماء میں اختلاف کی خلیج حائل کر دیں"۔

اس مختصر اقتباس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجاہد ملتؒ کے درد بھرے دل میں قافلہ صدق ووفا کے رہرواں کا کس قدر احسان تھا کہ وہ ان کے وکیل صفائی بن کر ان کا عادلانہ دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

اسلامی مجلس۔۔۔ اتحاد امت کے لیے ایک کوشش: شہادت عثمانؓ کے بعد سے اس امت کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ رہی کہ یہ باطل کے مقابلہ میں اکٹھی نہ ہو سکی۔ لہذا اس کی تاریخ ہزیمت میں ایسے واقعات نہایت قلیل ہوں گے جہاں مسلمان اکٹھے ہوئے اور پھر بھی باطل کے مقابلہ میں ناکام ہوئے ہوں۔ مگر ایسے واقعات بے شمار ہوئے ہوں گے جہاں باطل قوتیں مجتمع ہو گئیں مگر اہل حق اکٹھے نہ ہوئے اور مار کھا گئے۔ یہی حال ۱۹۷۰ء کے پاکستانی انتخاب میں ہوا۔ مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتوں نے الگ الگ الیکشن لڑا بلکہ ایک دوسرے کے مدمقابل امیدوار کھڑے کیے اور ہار گئیں لہذا اسلامی نظام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
تو اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

آپؒ کو اس کمزوری کا احساس شروع ہی سے تھا۔ نہایت زیرک ہونے کے ساتھ ساتھ درد مند دل والے بھی تھے۔ مذہبی جماعتوں کو آپ میں دست و گریباں دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ غیر سیاسی ہونے کے باوجود میدان میں آئے۔ دیوبند مکتب فکر کی تمام قابل ذکر جماعتوں مثلاً مجلس تحفظ ختم نبوت، تنظیم اہل سنت، جمعیۃ علماء اسلام وغیرہ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔ اس کا نام "اسلامی مجلس" تھا اور اس کے خود کنوینر بن گئے۔ مقاصد میں یہ شامل تھا کہ پاکستان کی تمام قابل ذکر سیاسی، مذہبی جماعتوں مثلاً جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء پاکستان کو بھی اس مجلس میں شامل کیا جائے۔ مگر یہ مخلصانہ کوشش تعصب اور نام آوری کے شوق کی بھینٹ چڑھ گئی۔

خدایا جذب دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
جتنا کھینچتا ہوں اتنا کھنچتا جائے ہے مجھ سے

اس کوشش کی ناکامی کا نتیجہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج کی صورت میں نکلا۔ اسلامی جماعتیں ہار گئیں اور جیتے وہ، جو وہ تھے۔ ملک دولخت ہو گیا جس کا ایک بڑا سبب مذہبی جماعتوں کا اختلاف بھی تھا۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

پاکستان میں نفاذ اسلام کے لئے علماء کرام کے ۲۲ نکات

یارب کجاست محرم رازے؟: چیلنجوں کا مقابلہ کرنا اور ان میں کامیاب ہوجانا یا غلبہ حق کے لیے اپنی عزیز ترین متاع لٹا دینا اہل وفا کی رسم وفا رہی ہے۔

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قافلہ احرار اسلام جو خزاں دیدہ ہوچکا تھا۔ اس کے اہل وفا مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے تاج وتخت کی حفاظت کے لے نئی بہارو بلکہ دائمی بہاروں کی زندگی کا رستہ متعین کر چکے تھے اور وہ تھا زندگی بھر نبی اکرم ﷺ کے تاج وتخت ختم نبوت کی پہرہ داری کرنا اس کی خاطر ہمہ قسم کی قربانیاں پیش کرنا اور مر کر اللہ کریم کی دائمی بہاروں والی جنت حاصل کرنا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت خالصتاً ایک تبلیغی جماعت تھی۔ مجاہد ملت مولانا محمد علیؒ اور اس کے رفقا سفر نے سیاسی رنگا رنگی کو چھوڑ کر تحفظ ختم نبوت کو زندہ رہنے کا آخری سہارا چن لیا تھا اور اگر کوئی سیاسی لیڈر انہیں سیاسی انداز میں للکارتا تو وہ باآسانی کہہ سکتے تھے۔

نہ ستم کر اب تو مجھ پر کہ وہ دن گئے کہ ہاں تھی

مجھے طاقت آزمائی، تجھے الفت آزمائی

مگر کیا کیا جائے دل ہی عدو ہے فراغ کا

اس وقت کے وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم ۱۹۵۱ء میں پشاور میں یہ تقریر کر بیٹھے کہ وہ اسلام نافذ کرنے میں مخلص ہیں مگر کونسا اسلام لائیں؟ مسلمانوں کے کس فرقے کا اسلام؟ اگر پاکستان میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علماء کرام مل کر انہیں کوئی متفقہ مسودہ قانون تیار کردیں تو وہ اسے جاری کرنے کو تیار ہیں۔ لیاقت علی خان مرحوم کو غالباً اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اہل صدق ووفا ایسے مواقع اللہ نصیب کرے۔ و۔ تو ان چیلنجوں کو قبول کرنا اور انہیں کامیابی سے پورا کرنا ایک کھیل سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ع

تو وقطع منازلہا، من ویک لغزش پائے

یہ لوگ بلا کے ذہین تو ہوتے ہی ہیں، حالات شناسی اور حالات کا رخ دیکھ کر اس کا جائز حل نکالنا ان کا فن ہوتا ہے۔ وقت کے وزیر اعظم کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے اس بار اپنے قافلہ کے محترم رفیق سفر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا انتخاب کیا جن کے ذمہ یہ تھا کہ وہ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کو کراچی اکٹھا کریں۔

پروگرام یہ طے پایا کہ آدھے علماء کرام مشرقی پاکستان سے بلائے جائیں اور آدھے مغربی پاکستان سے۔ روکاوٹوں کا پیش آنا اور ان کو ہٹا کر اپنی راہ صاف کر لینا اہل حق ووفا کی تاریخ کا ابتدائیہ رہا ہے۔ یہاں بھی معاملہ یہی تھا۔ ملک کی دو نمایاں جماعتوں کے بزرگ اکڑ کر بیٹھے، انہیں منت سماجت کر کے منایا اور کراچی آنے کا وعدہ لیا گیا۔ مگر ان حضرات کے رویہ سے ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ شاید وہ مل بیٹھنے سے پہلے یا فوراً بعد دوبارہ روٹھ جائیں گے اور ایک بڑی دینی اور سیاسی جماعت کے بزرگ رہنما نے ایسا کیا بھی۔ مگر اللہ کریم نے اپنی شان

کریمی سے کام لے کر ان کا پہلا اجلاس کامیاب کردیا۔ اس اجلاس کے میر مجلس علامہ سید سلیمان ندویؒ تھے۔ یہ اجلاس چار روز ۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء تک جاری رہا۔

اس اجلاس میں تمام مکاتب کر کے اکتیس علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ ان بزرگان کے نام یہ ہیں:۔

۱- علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ صدر مجلس ہذا

۲- مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پنجاب

۳- مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ امیر جمعیت علماء اسلام وامیر انجمن خدام الدین، لاہور

۴- مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ مفتی اعظم پاکستان، کراچی

۵- مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مہتمم مدرسہ دار العلوم اسلامیہ، اشرف آباد، سندھ

۶- مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ۔ امیر جماعت اسلامی، پاکستان

۷- مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ وزیر معارف، ریاست قلات

۸- مولانا سید محمد بدر عالمؒ۔ استاذ الحدیث، دار العلوم اشرف آباد، ٹنڈو الٰہ یار، سندھ

۹- مولانا محمد ادریسؒ شیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ، بہاول پور

۱۰- مولانا خیر محمدؒ۔ مہتمم مدرسہ خیر المدارس، ملتان

۱۱- مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ مہتمم مدرسہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور

۱۲- مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ شیخ التفسیر دار العلوم، اشرف آباد، سندھ

۱۳- مولانا اطہر علیؒ۔ صدر جمعیت علماء اسلام، مشرقی پاکستان

۱۴- مولانا راغب احسنؒ۔ صدر جمعیت علماء اسلام، مشرقی پاکستان

۱۵- مولانا محمد صادقؒ۔ مہتمم مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ کراچی

۱۶- مولانا شمس الحقؒ فرید پوری۔ صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم، ڈھاکہ

۱۷- مولانا ابو جعفر محمد صالحؒ۔ امیر جمعیت حزب اللہ، مشرقی پاکستان

۱۸- مولانا قاضی عبد الصمد سربازیؒ۔ قاضی قلات، بلوچستان

۱۹- مولانا حاجی خادم الاسلام محمد امینؒ۔ خلیفہ ترنگ زئی، مجاہد آباد، سندھ

۲۰- مولانا پیر صاحب محمد امین الحسناتؒ۔ مانکی شریف، سرحد

۲۱- مولانا حبیب اللہؒ۔ جامعہ دینیہ دار الہدیٰ، ٹھیڑی، خیر پور میرس

۲۲- محمد ظفر احمد انصاری۔ سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز، پاکستان۔

۲۳- پروفیسر عبد الخالق- رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز، پاکستان

۲۴- مولانا محمد حبیب الرحمنؒ- نائب صدر جمعیت المدرسین، سرسینہ شریف، مشرقی پاکستان

۲۵- مفتی محمد صاحب دادؒ- سندھ مدرستہ الاسلام، کراچی

۲۶- پیر صاحب، محمد ہاشم مجددیؒ- ٹنڈو سائیں داد، سندھ-

۲۷- مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونیؒ- صدر جمعیت علماء پاکستان، سندھ

۲۸- مولانا داؤد غزنویؒ- صدر جمعیتہ اہلحدیث، مغربی پاکستان

۲۹- مولانا محمد اسماعیلؒ- ناظم جمعیت اہلحدیث، پاکستان گوجرانوالہ

۳۰- مفتی جعفر حسین مجتہد- رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان

۳۱- مفتی کفایت حسین مجتہدؒ- ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان، لاہور-

مجاہد ملتؒ نے اس مقدس جہاد میں نہ صرف اپنی جماعت کی نمائندگی کی بلکہ اس راہ کی تمام مشکلات کو دور کرنے میں وہ برابر کے شریک رہے روٹھوں کو منانا اور بنے بیٹھوں کو منانا ان کا پرانا مشغلہ تھا، جس سے اس کارِ خیر کی تکمیل کے لیے بھی خوب خوب کام کیا-

کنونشن کے اخراجات چندہ سے پورے کیے گئے: مجاہد ملتؒ فرمایا کرتے تھے "ہم نے اس تاریخی کنونشن کے اخراجات بھی چندہ سے پورے کیے"- چندہ بھی کس قدر قابل رشک ہے کہ ہمیشہ سے اہل حق کا ساتھی، محرم راز اور سہارا بن کر رہا ہے- اللہ کریم نے اس کے روپ میں انہیں ایسا باوفا ساتھی عنایت کیا ہے، جسکے ساتھ اللہ پاک نے ان سے وہ کارنامے سر انجام دلوائے جن کا یقینی مادی سہاروں والے تصور بھی نہیں کرسکتے- ان مخلص علماء اسلام کو جب کبھی کوئی ایسا دینی کام سر انجام دینا پڑا جس کے لیے زر سے خدمت لینا گوارا کیا گیا تو ان مالی طور پر فقیروں نے اپنے اس باوفا ساتھی کو آواز دی- ع

تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

یہاں بھی کنونشن کے اخراجات کے لیے اسی باوفا سہارا کو شرف قبولیت بخشا گیا-

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا: سادگی کی بھی حد ہوتی ہے، مگر جب اس بے چاری کا واسطہ اہل وفا سے پڑجائے تو یہ بھی اپنا سر پیٹ لیتی ہے کہ اس بے چاری کا کچھ تو بھرم رکھ لیا جائے- یہاں بھی یہی دیکھا- کنونشن کے شریک علماء اسلام حکومت وقت کے لیے اسلامی قوانین کا مسودہ تیار کر رہے تھے اور حکومت کے خزانہ سے کچھ لینا بھی گوارہ نہیں- مسلمانوں کے چندہ سے کام کریں گے- بھولے انسانو! حکومت کو اسلامی قانون کی تیاری کی دہائی دے کر روپیہ بٹورنے، ہوائی جہاز میں سفر کرنے، پر تکلف ہوٹلوں میں رہنے، بنکنگ کونسل کی دعوتیں اڑانے، سربراہ مملکت سے ملنے والوں کے درمیان زبردستی گھس کر تصویر اتروانے کا موقع ملا تھا مگر آپ نے ضائع کردیا-

عجب چیز ہے لذت آشنائی

مجھے آپ کی کمزوری کا پتہ ہے آپ پرانی لکیر وفا کو پیٹنے کے عادی ہیں کہ اسلام کا نام لے کر مال کھایا تو قیامت کو اللہ کریم کو جواب دینا پڑے گا۔ آپ کی یہ عادت مبارک۔ اللہ کریم اس پر استقامت بخشے۔ آمین

کنونشن دوبارہ اجلاس، مجاہد ملتؒ کی کوششیں: پہلے اجلاس کے اختتام پر یہ طے پایا تھا کہ آئندہ اجلاس کے لیے جو اخراجات آئیں گے ان کے لیے تمام جماعتیں تعاون کریں گی۔ جمعیتہ علماء اسلام کے امیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک ہزار روپیہ، احرار اسلام کے مایہ ناز رہنما مولانا محمد علی جالندھریؒ نے پانچ سو روپے اور مولانا شمس الحق افغانیؒ (اس زمانہ کے وزیر معارف قلات) نے تین ہزار روپے دئے۔ اسی طرح دیگر تمام جماعتوں نے اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔ ایک قابل ذکر جماعت کے امیر نے ایک ہزار روپیہ بطور چندہ بھجوایا پھر واپس لے لیا۔ نہ جانے کیوں؟

دوبارہ اجلاس کے لیے مالی پریشانیوں نے اپنا پورا زور لگایا۔ مولانا احتشام الحقؒ بھی ایک دو جماعتوں کے رہنماؤں کے طرز عمل سے دل برداشتہ ہوگئے۔ مولاناؒ گوجرانوالہ کسی دینی مدرسہ سے خطاب کرنے آئے تو مجاہد ملتؒ یہاں پہنچ گئے اور اپنے دل کا ارمان پورا کرنے کا اعادہ کیا۔ مولانا احتشام الحقؒ نے اپنی مالی مجبوریوں کا ذکر کیا۔ مجاہد ملتؒ۔۔۔۔ جنہیں کریم آقا نے ان مشکلات کا ہیرو بنایا تھا، نے فرمایا مولانا آپ اجلاس بلائیں۔ پنجاب سے جتنے علماء اسلام شرکت کے لیے جائیں گے ان کے کرایہ جات ہمارے ذمہ ہیں اور ایسا کرکے دکھایا۔ اس طرح اللہ پاک نے اس مرد مومن کے ذریعے دوبارہ اجلاس کے وسائل پیدا کردئے۔

وادی عشق بسے دور دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے

کنونشن کا تاریخی کارنامہ: قیمت میں بہت بڑھ کر ہے تابندہ گوہر سے

علماء اسلام کے اس تاریخی اجتماع نے جو تاریخی کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ پاکستان کا ایک درخشندہ باب ہے۔ تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر اسلامی قانون کی ایک متفقہ قرارداد تیار کردی جو ۲۲ نکات پر مشتمل تھی۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف جناب لیاقت علی خان کے اس چیلنج کا جواب دے دیا کہ اسلام کا کوئی قانونی ڈھانچہ ہے تو تمام علماء اس پر متفق کیوں نہیں ہوجاتے، بلکہ اس حقیقت کا برملا اظہار بھی کردیا کہ امت مسلمہ کا بظاہر اختلاف ذریعہ رحمت ہے نہ کہ ذریعہ تشتت وپراگندگی اور وہ اپنے تمامتر تشریحاتی اختلافات کے باوجود اسلامی شریعت کے نفاذ پر ایک ہی رائے رکھتے ہیں۔

اس تاریخی کارنامہ کی تکمیل میں مولانا محمد علی جالندھریؒ نے جس جُہدِ مسلسل، اخلاص اور دلسوزی سے کام لیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مجنوں تھا جہاں بھی گیا قربانیاں اس کے جلو میں محو سفر ہیں۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کے
دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے یہ کیا گذری؟

علماء کے ۲۲ نکات: ۳۱ علماء کرام کا یہ تاریخی اجتماع جن میں ۲۲ نکات کو اسلامی ریاست کے رہنما اصول کے طور پر مرتب کیا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

"اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل اصول کی تصریح لازمی ہے۔

۱- اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲- ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

تشریحی نوٹ: اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کردئے جائیں گے۔

۳- مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی، یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶- مملکت بلاامتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷- باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

۸- مذکورہ بالاحقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا، اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقعۂ صفائی و فیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹- مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیرووں کو اپنے مذہب کی تعلیم

دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۰- غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱- غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲- رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدیّن، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳- رئیس مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴- رئیس مملکت کی حکومت مستبداد نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵- رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶- جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہ کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷- رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸- ارکان و عمّال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اسے نافذ کریں گی۔

۱۹- محکمۂ عدلیہ، محکمۂ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰- ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱- ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲- دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

آخرت کا مسافر

بیماری: مرض لادوا کی دوا کس سے چاہوں؟

بیمار کون نہیں ہوتا؟ اس عالم ناپائیدار میں کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اسے کوئی بیماری نہیں لگی؟ بیماری لگتی ہے اور جب انسان اس کے منہ سے بچ کر نئے سرے سے تندرست و توانا ہو جاتا ہے تو اس بیماری کو بھول جاتا ہے۔ اگر ایک شخص کے ساتھ زندگی میں کئی بار ایسا ہو کہ بیماری آئے اور تندرست چھوڑ کر چلی جائے تو انسان اس کے رنج اور پریشانی کو برداشت کرنے کا گویا خوگر بن جاتا ہے اور یہ مشکل اس کے لیے آسان بن جاتی ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

مگر وہ بیماری جو اس انسان کا تعلق اس عارضی دنیا سے توڑ کر ابدی دنیا سے جوڑ دے اور اس کے چاہنے والوں سے اسے چھین کر دار البقاء کا مسافر بنا دے؟ اس حال میں کہ وہ رختِ سفر باندھ رہا ہو اور یہ بے چارے بے بسی کے عالم میں بلک بلک کر رو رہے ہوں، تو ایسی بیماری کو اکثر ایک مدت تک یاد رکھا جاتا ہے اور اگر کاغذ اور قلم کا سہارا لیا جائے تو تحریر بھی کر لیا جاتا ہے۔

یہ دسمبر ۱۹۶۹ء تھا جب مجاہد ملتؒ کو مثانہ کے غدود کا آپریشن کرانے کے لیے نشتر ہسپتال ملتان میں داخل کرایا گیا۔ دوران آپریشن اور بعد از آپریشن ان کے اطباء کو بھی ان کے جانبر ہونے کی امید کم تھی۔ وہ ایک ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے مگر موت ہار گئی اور محمد علیؒ جیت گیا۔ لیکن یہ خطرناک اور مہلک بیماری شاید کسی دکھیا دل والے کو ہی یاد ہو جو مہینہ بھر نشتر ہسپتال کے گھٹن والے ماحول میں ان کے ساتھ رہا، اپنی راتوں کی نیند اور دن کا آرام ان کے قدموں پر نچھاور کرتا رہا ہو، باقی کسی کو یاد نہیں ہوگی۔

اے دل تجھے رونا ہے تو دل کھول کر رو لے

آخر اس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا: مگر "عارضہ قلب" کا وہ سلسلہ جو ۵، ۶، اپریل ۱۹۷۱ء کی اس درمیانی رات شروع ہوا جب وہ سلانوالی (سرگودھا) میں تقریر فرما رہے تھے اور جس کا آخری حملہ ۲۱، اپریل ۱۹۷۱ء کو دفتر مجلس ختم نبوت ملتان میں ہوا، جس نے انہیں ہم مجبوروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھین لیا، وہ ہم سب کو یاد ہے۔

الا یا حمام الایک لبین من
فقد ناہ ولا نلتاہ ماذر زاھر

(اے باغ کی کبوتری! رو اس دلربا حبیب کے غم میں جو ہم سے جدا ہو گیا اور جب تک آسمان کی چھت پر ستارے چمکتے رہیں گے اس سے ملاقات ممکن نہیں)

قصہ درد سناتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔: اس بیماری کی تفصیل یہ ہے کہ ۶،۵ اپریل ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات کو آپ سلانوالی کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ کی آخری نشست سے خطاب فرمارہے تھے کہ یکایک دل میں درد اٹھا۔ تقریر ختم کردی اور آرام کے لیے لیٹ گئے۔ رات جب گیارہ بجے تو دل کا دورہ پڑا۔

دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

مگر اے کاش کہ وہ "درد دل" تک ہی محدود رہتا تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ اہل وفا تو پیدا اس درد کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مگر ایسا نہ ہوا اور انہیں ملتان لایا گیا۔ علاج شروع ہوا۔ طبیعت کبھی گرجاتی کبھی سنبھل جاتی گویا کہ:

جس دل پہ مجھ ناز تھا وہ دل ہی نہ رہا

۸، اپریل ۱۹۷۱ء کو دوسری بار دل کا دورہ پڑا مگر دوسرے ہی دن طبیعت سنبھل گئی ڈاکٹروں نے مکمل علاج کا مشورہ دیا۔ اگر عمر رفتہ کو آواز دینا ممکن ہوتا تو مجاہد ملتؒ ڈاکٹروں کی اس پسندیدہ قید کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا اور کہتا۔

گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

مگر رخشِ حیاۃ جواب تک اپنی مقررہ رفتار سے کہیں زیادہ تیز دوڑ چکا تھا۔ اب اسے تقدیر نے ایسے موڑ پر پہنچادیا تھا جہاں سے مڑنا اس کے بس میں نہیں تھا کیونکہ:

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

۲۱، اپریل ۱۹۷۱ء (بمطابق ۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ) کو تیسری بار دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔

فلوکان لی قلبان عشت بواحد
وافردتقلبا فی ھوا ک مھذب

اگر میرے دو دل ہوتے تو میں ایک ہی کے ساتھ جی لیتا اور دوسرا دل تیری محبت میں دکھ سہنے کے لیے خالی چھوڑ دیتا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ اپنے دفتر میں موجود تمام رفقاء کو بلا کر باتیں کرنا چاہیں غالباً تحفظ ختم نبوت کا عہدِ وفا جو وہ عمر بھر اٹھائے اٹھائے پھرے، چاہتے ہوں گے کہ اسے اپنے ہم نفساں کے سپرد کریں اور ان سے بھی عہد وفا کا حلف لے لیں تاکہ بے فکر ہو کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہوں، لیکن وہ مایہ ناز خطیب (اس پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں) جو گھنٹوں اپنی طاقتِ لسانی کے جوہر دکھا کر سامعین کو مسحور کیے رکھتا تھا آج وہ صرف "اللہ" ہی کہہ سکا کہ شدتِ درد نے زبان بند کردی۔ اسی اثنا میں جس کمرہ میں وہ رختِ سفر باندھ رہے تھے اچانک نگاہیں اس کی غربی دیوار کی طرف اٹھیں اور وہیں جم کر رہ گئیں اور اس طرح غور سے دیکھنا شروع کیا جیسے عاشق صادق اچانک مل جانے والے اپنے بچھڑے ہوئے حبیب کو دیکھتا ہے جس کی راہ تکتے تکتے اسے صبح ہوگئی ہو۔ گویا جن کا انتظار تھا وہ آگئے۔

خبرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہ کہ سوار خواہی آمد
ہمہ آہواں صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد
بیک آمدن ربودے دل ودین وجان خسرو
چہ شود اگر بدل یاں دوسہ باخواہی آمد

آپؒ نے اس پوری قوت سے کام لینا چاہا جو کسی بھی مرنے والے میں دم واپسیں کے وقت ہوتی ہے، تاکہ اپنے پرانے ساتھیوں کو کچھ تو کہہ سکے تاکہ یہ لوگ یہ شکوہ نہ کرتے رہیں کہ:

کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

مگر صرف "ختم نبوت" ہی کہہ سکے اور روح قفس عنصری سے پرواز کرکے حبیب حقیقی سے جاملی۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

موت ایک پل ہی تو ہے جس پر سے گزر کر دوست اپنے دوست سے مل جاتا ہے

یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی. (سورۃ الفجر: ۲۷ تا ۳۰)

اے اطمینان والی روح! پلٹ جا اپنے پروردگار کی طرف خوش خوش، اس حال میں کہ تجھے پسند کیا گیا ہے۔ پس تو میرے بندوں میں شامل ہوجا میں تجھے جنت میں داخل کردوں گا۔

اور یوں مجاہد ملت محمد علی، مشکلات میں ہیرو محمد علی، صبرو استقلال کا پیکر محمد علی، بیماریوں کو نہ خاطر میں لانے والا محمد علی، قید وبند کی کڑیاں جھیلنے والا محمد علی، حق کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھانے والا محمد علی، دولت وامارت سے کنارہ کش محمد علی، ہار گیا اور موت جیت گئی۔

من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر
کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر
لیت المنازل والدیا ر حفا ئر و مقا بر
انی وغیری لامحالت حیث صرت لصائر

تیرے بعد اب جس کا دل چاہے مرجایا کرے مجھے تو صرف تیرا ہی ڈر لگا ہوا تھا۔ تُو ہی تو میری آنکھوں کا نور تھا تیرے مرنے نے تو مجھے اندھا کردیا (کیونکہ تیرے جانے کے بعد میری ان دکھیا آنکھوں نے اب دیکھنا ہی بند کردیا ہے) کاش یہ گھر اور آبادیاں گڑھے اور قبریں ہوتیں۔ البتہ (دکھیا دل کے لیے ایک سہارا ضرور ہے کہ) ہم سب وہاں آرہے ہیں جہاں تو (مجھے روتا ہوا چھوڑ کر) چلا گیا ہے۔

تجہیز و تکفین: اس بوڑھی دنیا کی پختہ عادت کو پورا کرنے کے لیے کہ دور کے رشتہ دار ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے والے پر ایک حسرت بھری نگاہ ہی ڈال لیں، تجہیز و تکفین کے لیے پورا ایک دن تاخیر کرنا پڑی۔ جسد مبارک کو مجلس تحفظ ختم نبوت کے صحن میں جہاں وہ ننگی چارپائی پر ہی گرمیوں میں بغیر پنکھے کے سونا پسند کرتے تھے، برف کی بڑی بڑی سلوں میں رکھا گیا اور یوں ساری زندگی تکلف نہ کرنے والے کو تکلف کرایا گیا اگر بول سکتے تو ضرور کہہ دیتے "مجھے ان تکلفات سے نفرت ہے، یوں مجلس کا روپیہ ضائع نہ کرو اور میں نے جہاں جانا ہے، وہاں مجھے چھوڑ آؤ" مگر اب تو بے بسی کے سواوہ اس دنیا کی کسی اور چیز کے مالک نہیں تھے۔

آخر وہ وقت آہی گیا جب امت کا بار اٹھانے والا دوسروں کے کندھوں پر بار بن کر مدرسہ خیر المدارس کی چار دیواری پر پہنچا جہاں وہ اپنے استاد مولانا خیر محمدؒ کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے؟

کہتے ہیں کہ کثرت ہجوم عاشقان کی وجہ سے دوبار نماز جنازہ ہوئی، مگر نیرنگی قدرت کہ جن درد کے ماروں کو اس موقع پر آنا تھا وہ ایک بار میں شامل نہ ہوسکے اور یوں ساری زندگی دل میں حسرت لے کر رہ گئے۔

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

پہلی بار نماز جنازہ میں سوگواران کی امامت مولانا عبد العزیزؒ (زراعتی فارم ساہیوال) نے قلعہ کہنہ (قاسم باغ) میں اور دوسری بار حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ نے مدرسہ خیر المدارس میں کرائی اور یوں زندہ رہ جانے والوں نے اپنے مرنے والے کے زاد راہ میں وہ تحفہ بھی شامل کر دیا جس سے بہتر جینے والے اپنے مرنے والے کو پیش نہیں کر سکتے یعنی بخشش کی دعا۔

مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لایشرکون باللہ شیئا الا شفعهم الله فیه. (رواہ مسلم)

جو کوئی بھی مسلمان شخص وفات پائے جس کے جنازہ میں چالیس ایسے مسلمان شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں تو اس میت کے بارے میں اللہ کریم ان کی شفاعت قبول کر لیتے ہیں۔

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد: اس مادی دنیا میں سہاروں کی زندگی گذارنے والے میرے ایسے کے لئے وہاں ایک مٹی کی چھوٹی سی ڈھیری ہے جسے قبر کہتے ہیں۔ جس پر کتبہ ہے نشان، ہاں البتہ وہاں ہمارے لازوال تعلق کے درمیان ایک زوار کی دیوار ہے جسے ہم اپنے گریہ سے بہا کر اس کے پیچھے رہنے والے سے وفا کر لیتے ہیں مگر جب ہمیں اپنے اس گریہ سے فرصت ہوتی ہے تو یہ دیوار پھر قائم ہو جاتی ہے مگر ہم مسلسل اس کو ہٹانے کی کوشش کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ایک دن ہم بھی اس مٹی کی دیوار کے پیچھے اس کے پاس پہنچ جائیں جس کے فراق میں ہماری آنکھیں آج بے بسی کے آنسو بہا رہی ہیں۔

لقد لامنی عند القبور علی البکاء
رفیقی لتذراف الدموع السوافک
قال "أ تبکی کل قبر رأیته ؟
لقبر ثوی بین اللوی فالدکادک"
فقلت "ان الشجا یبعث الشجا
فدعنی، هذا کله قبر مالک"
(متمم بن نومیرہؒ)

میرے دوست نے (جو غالباً درد و غم سے ناآشنا تھا) میرے قبروں کے پاس رونے اور پے در پے آنکھوں سے آنسو گرانے پر مجھے برا بھلا کہا۔ وہ کہنے لگا کیا تو ہر ایک قبر پر رویا کرے گا صرف اس قبر کی یاد میں جو مقام لویٰ اور دکادک کے درمیان (خیر المدارس کی چار دیواری میں) واقع ہے۔ میں نے اس سے کہا" سن! غم غم کو جنم دیتا ہے، لہذا جی کھول کر رو لینے دے میرے لیے تو یہ ساری کی ساری مالک (محمد علیؒ) کی قبریں ہیں"۔

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء —— ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۶ء

مولانا عبد اللہ میمن
دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ

ولادت :۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا آبائی وطن دیوبند ضلع سہارنپور (انڈیا) ہے، اسی قصبہ میں مورخہ ۲ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق جنوری ۱۸۹۷ء کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے دادا نے آپ کا نام "محمد مبین" رکھا تھا لیکن آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ نے ولادت کی اطلاع اپنے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو دی جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے آپ کا نام "محمد شفیع" تجویز فرمایا۔

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بن حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب بن خلیفہ تحسین علی صاحب بن میاں جی امام صاحب بن میاں جی حافظ کریم اللہ صاحب بن میاں جی خیر اللہ بن میاں جی شکر اللہ صاحب۔

بچپن :۔ حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد چونکہ دار العلوم دیوبند ہی میں شعبہ فارسی کے صدر مدرس تھے اور دار العلوم کے قریب ہی آپ کا مکان تھا اس لئے دار العلوم ہی کی سرزمین بچپن ہی سے آپ کی آماجگاہ تھی۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ خود بیان فرماتے تھے میرا وطن کہنے کو تو دیوبند تھا، لیکن درحقیقت اس کا ایک گوشہ یعنی دار العلوم تھا اسی میں طفلانہ کھیل کود کا وقت گزرا اسی میں چھبیس سال تعلیم اور فتویٰ کی خدمت انجام دی (۱)

بچپن کا ایک واقعہ :۔ ایک واقعہ خود سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور میرے رشتہ کے بھائی عاقل صاحب سرکنڈوں سے کھیل رہے تھے، بھائی عاقل مجھ سے بڑے تھے انہوں نے میرے سارے سرکنڈے جیت لئے مجھے اتنا شدید غم ہوا کہ آج تک یاد ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں بالکل لوٹا گیا ہوں۔ پھر فرمایا کہ آج وہ واقعہ یاد کر کے ہنسی آتی ہے کہ سرکنڈا جیسی حقیر چیز کی کتنی وقعت و محبت دل میں تھی کہ سرکنڈے جیت گئے تو مالا مال ہوگئے ہار گئے تو گویا لٹ گئے۔

پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہمارا یہی حال ہوگا جنت کی نعمتوں کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتیں ہیچ نظر آئیں گی اور ہم اپنی اس دانائی پر ہنسا کریں گے کہ دنیا کی حکومت و اقتدار، مال دولت جائیداد اور سامان بھی اس قابل چیز تھیں کہ ہم

---

(۱) نقوش و تاثرات، ص ۱۱۔

ان کو دل میں ذرا بھی جگہ دیتے، ہم کیسے ناداں تھے کہ ان کے لئے لڑتے جھگڑتے تھے (۱)

ابتدائی تعلیم : پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم جناب حافظ محمد عظیم صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں شروع فرمائی۔ آپ کے والد بزرگوار کی خواہش تھی کہ قرآن شریف حفظ کرائیں کچھ پارے حفظ کر بھی لیے تھے، مگر جسمانی طور پر بچپن ہی سے کمزور تھے، حفظ کی محنت برداشت نہ ہو سکی، مگر چند پارے جو اس وقت حفظ کر لئے تھے عمر بھر ان کو یاد رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، آپ یہ پارے اکثر نفلوں اور تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم کی فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں خط و املاء کی مشق اور فارسی کی تمام کتب مروجہ کتابوں کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، حساب اور فنون ریاضی اقلیدس وغیرہ اپنے چچا جناب منشی منظور احمد مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے اور فن تجوید اپنے عربی علوم کے رفیق درس جناب قاری محمد یوسف صاحب سے حاصل کیا۔

عربی صرف و نحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں مثلاً فصول اکبری، ہدایۃ النحو اور منیۃ المصلی تک والد موصوف سے فارسی تعلیم کے ساتھ پڑھ لی تھیں اس طرح تعلیم قرآن کے بعد تقریباً پانچ سال فارسی، ریاضی وغیرہ کی پوری تعلیم اور عربی کی ابتدائی کتب میں صرف ہوئے (۲)

درس نظامی اور آپ کے اساتذہ : ۱۳۳۰ھ میں جب آپ کی عمر سولہ سال تھی اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخل ہو کر شروع فرمائیں اور پھر درس نظامی سے فراغت تک دارالعلوم ہی میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۳۳۶ میں آپ نے اپنے زمانے کے جید اساتذہ جو علم و فن کے پہاڑ تھے اور زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ استفادہ کیا

چنانچہ آپ کے اساتذہ کرام میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں

(۱) فخر المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمنٰ صاحب نور اللہ مرقدہ

(۳) دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد زاہد صاحبؒ

(۴) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(۵) عارف باللہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب قدس سرہ

(۶) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ

(۷) جامع المعقول حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ

(۸) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ (۳)

---

(۱) البلاغ کا "مفتی اعظمؒ نمبر" ص ۹۶ ۔ مضمون حضرت مفتی اعظم کے آباؤ اجداد

(۲) البلاغ کا "مفتی اعظمؒ نمبر" ص ۹۶ ۔ مضمون حضرت مفتی اعظم کے آباؤ اجداد (۳) البلاغ کا "مفتی اعظمؒ نمبر" ص ۹۸

فخر المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور دورہ حدیث : حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں مشکوٰۃ شریف، جلالین اور وہ کتابیں جو دورہ حدیث کے لئے موقوف علیہ ہیں، مکمل کرلیں، جب دورہ حدیث کا نمبر آیا تو آپ کی تمنا یہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ سے بخاری شریف پڑھنے کا موقع مل جائے، مگر اسی سال رمضان کے بعد حضرت شیخ الہند حج کے لئے روانہ ہو گئے، حضرت مفتی صاحب نے اسی سال فنون کی باقی کتابیں لے لیں اور دورہ حدیث ملتوی کردیا، کہ آئندہ سال شیخ الہندؒ سے بخاری شریف پڑھوں گا، مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا حضرت شیخ الہندؒ انگریز کے اسیر ہو کر مالٹا جیل بھیج دئے گئے، بالآخر آپ نے بخاری شریف حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی۔

طلب علم میں انہماک : علمی ذوق آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہمیشہ غالب رہا زمانہ طالب علمی میں آپ نے جس انہماک اور جانفشانی سے اپنے اسباق کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے اس کی مثالیں دورِ حاضر میں نایاب ہیں۔ عربی تعلیم باقاعدہ شروع فرمانے کے وقت سے ہی دارالعلوم ہی گویا آپ کا گھر تھا، اسباق سے فارغ ہو کر اپنے ہم سبقوں کو روزانہ اس طرح سے تکرار کراتے کہ استاذ کی تقریر کا پورا چربہ اتر جاتا تھا۔ آپ کا تکرار طلبہ میں بہت مقبول تھا، طلبہ اتنی اہمیت سے تکرار میں شریک ہوتے کہ مستقل درس کی صورت بن جاتی۔ صبح دارالعلوم جا کر رات کو واپسی ہوتی، اور بعض اوقات رات کو بھی وہیں مولسری کے درخت کے نیچے کھلے فرش پر سو جاتے، تکرار رات کو ہوتا تھا، اور جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا اور کبھی دو، ایک دو مرتبہ درالعلوم کراچی کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

> رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کرکے دیں، ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی، بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی راتوں میں شوربہ اوپر سے جم جاتا، اور نیچے سے صرف پانی باقی رہ جاتا میں وہی کھا کر سو جایا کرتا (۱)

بیعت وسلوک : حضرت مفتی صاحبؒ بچپن سے اپنے والد ماجد کے ساتھ شیخ الہندؒ حضرت محمود حسن صاحبؒ نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں بڑے ذوق وشوق سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب آپ درالعلوم کے درجہ فارسی وریاضی میں زیر تعلیم تھے اسی وقت سے آپ کا معمول تھا کہ ہر سال حضرت شیخ الہندؒ بخاری کے درس کا افتتاح فرماتے اور تمام علماء طلبہ تبرکاً اس میں شریک ہوتے آپ بھی ضرور حاضر ہوتے۔

شیخ الہندؒ کے مکان پر ایک مجلس بعد عصر ہوا کرتی تھی آپ اس میں بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ شریک ہوتے جوں جوں حاضری بڑھتی گئی شوق روز افزوں ہوتا گیا اور اس مجلس کا ایسا چسکا لگا کہ اپنے والد صاحب کے بغیر بھی بکثرت حاضری ہونے لگی، بعد عصر کی قید بھی نہ رہی جب اسباق سے ذرا فرصت ملتی حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت شیخ الہندؒ کو بھی آپ پر بے حد شفقت تھی اگر کسی روز حاضر نہ ہوتے تو دریافت فرماتے تھے ۔۔ ایک مرتبہ آپ کو بخار ہوا دو روز تک حاضر نہ ہو سکے، تیسرے روز جب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کہیں جانے کو کھڑے تھے ۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ آپ ہی کے گھر جانے کا قصد تھا

---

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۰ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

اسی عرصہ میں آپ نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ مجھے بیعت فرمالیجئے، ہمیشہ ہی فرمایا کہ طالب علمی سے فارغ ہوجاؤ تب کریں گے۔ حضرت کا اصول تھا کہ کسی طالب علم کو بیعت نہ فرماتے تھے تاکہ طالب علم کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہے اس میں خلل نہ آئے (۱)

مگر جب آپ نے ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۹ء میں دورہ حدیث پڑھ کر درس نظامی کی تکمیل کرلی ہے تو اس وقت حضرت شیخ الہند مالٹا جیل میں اسیر تھے، ان کی مفارقت آپ پر پہلے ہی بہت شاق تھی اور اب تو فارغ ہونے کے بعد صبر آزمائی بن گئی اب دو بزرگوں پر نظر جاتی تھی، ایک حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ رائے پوری، دوسرے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مگر چونکہ حضرت تھانوی سے پہلے دو ملاقاتیں ہوچکی تھی اس لئے آپ کے والد ماجد کی رائے میں ترجیح اس کو ہوئی کہ حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ آپ اپنے والد ماجدؒ کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صاف صاف بات عرض کردی کہ:

مجھے حق تعالیٰ نے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق بخشی ہے، دل کی خواہش ہے کہ ان سے بیعت ہوں۔ مگر حضرت اس وقت اسیر ہیں اور معلوم نہیں کب رہائی ہو، اب میں حضرت ہی سے مشورہ کا طالب ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

حضرت والا نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کہ:

اس میں کیا اشکال ہے، تصوف وسلوک اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسی ہی فرض ہے جیسے اعمال ظاہرہ کی اصلاح، اس کو تو مؤخر کرنا درست نہیں لیکن اس کے لیے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں بیعت کے لئے حضرت مولانا (شیخ الہند) کا انتظار کرلیں اور حضرتؒ کے واپس تشریف لانے تک میں خدمت کے لئے حاضر ہوں، میرے مشورہ کے مطابق اصلاح کا کام شروع کردیں۔

پھر فرمایا کہ:

آپ کے ذمہ دو کام ہونگے ایک اپنے حالت کی اطلاع دوسرے اس پر جو میں مشورہ دوں اس کا اتباع پھر حضرتؒ نے کچھ تسبیحات اور معمولات کی تلقین فرمائی اور ضروری نصیحتوں کے بعد رخصت فرمادیا، اس کے بعد کچھ عرصہ تک خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا پھر منقطع ہوگیا۔

پھر جب حضرت شیخ الہند پانچ سال کے بعد مورخہ ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۸ء کو دیوبند تشریف لائے تو حضرت کی زیارت وملاقات کے لئے پورے ملک سے انسانوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ حضرت مفتی صاحب بیعت ہونے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے اسی حال میں ایک روز آپ نے اور آپ کے رفیق درس حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور چند حضرات نے موقع پاکر حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی حضرت شیخ الہندؒ نے چند تسبیحات کی تلقین فرمائی اس سے زائدہ استفادہ کا

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۷ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

اس وقت موقع نہ تھا۔ مالٹا سے رہائی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ ایک سال چھ ماہ حیات رہے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو دہلی میں فوت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ان کی وفات کے بعد تصوف وسلوک کا جو سفر شروع ہوا تھا راستہ میں ہی رہ گیا کئی سال اسی عالم میں گزر گئے اور آپ کی دلچسپیاں تدریس و تصنیف تک محدود ہو گئیں، اور حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھی نہ کوئی حاضری ہوسکی اور نہ خط و کتابت کا سلسلہ رہا۔

حضرت حکیم الامتؒ سے اصلاحی تعلق : بالآخر دوبارہ آپ کے دل میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا اور آپ نے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء یا ۱۳۴۴ھ، ۱۹۲۶ء میں دوبار تھانہ بھون تشریف لیجا کر حضرت سے ملاقات کی۔ حضرت تھانویؒ نے پہلے جیسی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا اور اس طویل بے تعلقی کا کوئی اثر آپ کی طبیعت پر نہیں تھا آپ نے حضرت تھانویؒ سے صاف صاف عرض کردیا کہ :

میری تمنا تو بہت ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدے اور ریاضتوں اور محنت وفرصت کا کام ہے، میں پیدائشی طور پر کمزور ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل بھی نہیں اور فرصت بھی کم ہے تمام وقت درس وتدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزرجاتا ہے۔ کیا مجھے ان حالات میں بھی کوئی حصہ نصیب ہوسکتا ہے؟۔

حضرت تھانویؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ :

کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لئے ہے، ضعفاء کے لئے نہیں۔ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کے لئے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہے ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریقہ مختلف ہے ہم آپ کو ایسا طریقہ بتادیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت نہ فرصت کی ---------- پھر فرمایا کہ :

فرائض واجبات اور سنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں آپ تین چیزوں کی پابندی کرلیں انشاء اللہ سارا سلوک اسی میں طے ہوجائے گا۔

(۱) تقویٰ اختیار کریں اس کے مفہوم کو آپ بتلانے کی ضرورت نہیں، البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطن میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہر میں۔

(۲) لایعنی بے فائدہ کام، کلام، مجلس۔ اوقات سے پرہیز کریں لایعنی سے میری مراد وہ کام ہیں جس میں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا۔

(۳) تیسرے بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔

آخر میں فرمایا کہ :

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۱۱۸۔ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے اگر چاہے اور فرصت ہو تو صبح وشام، سبحان اللہ، الحمد للہ، لاالہ الااللہ سو سو مرتبہ اور استغفار، درود شریف، سو سو مرتبہ پڑھ لیا کریں، اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی کا التزام کریں (۱)

اس ملاقات کے بعد حضرت تھانویؒ کے ساتھ گہرا تعلق ہو گیا خط و کتابت کے علاوہ جب بھی دارالعلوم کے مشاغل سے ذرا بھی موقعہ ملتا یا حضرت حکیم الامت یاد فرماتے تو تھانہ بھون حاضر ہو جاتے، کبھی جمعہ کی چھٹی وہاں گزار کر ہفتہ کی صبح تک دیوبند واپسی ہو جاتی کبھی کئی کئی مہینے وہاں قیام رہتا۔ دارالعلوم دیوبند کی سالانہ تعطیلات میں رمضان المبارک کا اکثر و بیشتر پورا ہی مہینہ مع اہل وعیال تھانہ بھون کی روح پرور فضا میں گزرتا۔ جب اہل وعیال کے ساتھ ہوتے تو سب کا قیام حضرت کے مکان کے برابر والے کمرہ میں ہوتا تھا۔ (۲)

تصوف وسلوک اور عشق ومعرفت کی پر پیچ راہوں سے گزرتے گزرتے اب وہ مقام آگیا تھا جہاں حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسا رہبر ورہنما ہر طرح امتحان کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ جس مسافر طریقت نے ان کی انگلی پکڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اب وہ راستہ کے تمام نشیب وفراز اور پیچ وخم سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ ناواقفوں کی رہبری کے لیے بھی اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ میں اچانک حکیم الامت کا مکتوب گرامی دیوبند پہنچا، جس میں حضرت مفتی صاحب کو تلقین وبیعت کی اجازت تحریر تھی وہ مکتوب گرامی مندرجہ ذیل ہے۔

مشفقی مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سلمہ اللہ۔

السلام علیکم۔

بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع احباب کے بیعت وتلقین کی اجازت ہو بس توکلاً علی اللہ اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب علم حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کرلیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے"

بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیج رہا ہوں۔

والسلام بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ ۱۹۳۰ء

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو حقیقی تواضع وانکسار سے نوازا تھا ان کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی یہ نوبت آنے والی ہے کہ حکیم الامت اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیں اچانک یہ گرامی نامہ ملا تو حیرت میں رہ گئے اور مرشد تھانویؒ کو اسی عالم حیرت میں یہ خط لکھا۔

"ولانامہ گرامی صادر ہوا دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ وآوارہ شفیع اور بیعت وتلقین کی اجازت!"

صلاح کار کجا و من خراب کجا؟

میں تو واللہ باللہ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا بھی سلیقہ نہیں رکھتا، سلوک ابتدائی مراحل سے بھی روشناس نہیں۔ کسی

(۲) مفتی اعظم نمبر ص ۱۱۹۔ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مد ظلہم

دوسرے کو کیا تلقین کروں گا اور پھر ایسا کون بے وقوف ہوگا جو مجھ سے درخواست کرے گا بار بار والانامہ کو دیکھتا اور اپنی سیہ کاری پر نظر کرتا ہوں، تو حیرت کے سوا کچھ نہیں آتا اور یوں مجھ جیسے غفلت شعار سیہ کار اتنے بڑے منصب سے نوازنا کہیں اس منصب کی بدنامی کا سبب نہ ہو اس خیال سے یوں جی چاہتا ہے کہ اس کی اشاعت نہ ہو تو اچھا ہے۔

جواب : یہی تو بِنا ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں۔

مکتوب : اس والانامہ کے بعد سے ہر قدم پر اپنی ناکارگی کا مزید احساس ہونے لگا۔

جواب : انشاء اللہ بہت نفع ہوگا۔

مکتوب : دعا و ہمت سے دستگیری کی احتیاج بھی اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔

جواب : میں حاضر ہوں

مکتوب : یہاں ہنوز روز اول ہے

جواب : نہایت کی تفسیر عدالی البدایہ ہے۔ انشاء اللہ یہ روز اول وہی ہدایت ہے (۱)

اس طرح اللہ تعالی نے نے تصوف وسلوک کے تمام مراحل طے کرا کر شیخ طریقت کے عظیم منصب پر فائز کردیا؛ اس کے بعد آپ کا روحانی فیض جاری ہوگیا اور جب آپ ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے تو کراچی میں دارالعلوم کراچی قائم کیا اور اس وقت بروز اتوار گیارہ بجے دن حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں کثیر تعداد میں علماء اور عوام اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے شرکت کرتے اور حضرت والا سے فیض یاب ہوتے اور یہ مجلس آپ کی وفات سے چند روز پہلے تک جاری رہی اس کے علاوہ خط و کتابت کے ذریعہ سیکڑوں لوگوں نے اپنا روحانی علاج کرایا،

آپ کے فیض سے کچھ لوگ ایسے بھی نکلے جو بذات خود بھی شیخ طریقت بننے کے قابل ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے ان کو بیعت کرنے اور اصلاح و تلقین کرنے کی اجازت دیدی۔

جن حضرات کو آپ نے اجازت دی ان کے نام وپتے مندرجہ ذیل ہیں

(۱) جناب میر امام الدین صاحب مرحوم حیدرآباد دکن۔

(۲) جناب مولانا محمود حسن مدراسی صاحب۔

(۳) جناب مولانا سید محمود حسن صاحب مکتبہ اشرفیہ وحید آباد کراچی۔

(۴) مولانا عبد الحکیم صاحب سابق مفتی ومدرس مدرسہ اشرفیہ سکھر۔

(۵) مولانا محمد طفیل صاحب پیپلز کالونی فیصل آباد۔

(۶) مولانا عبدالروف صاحب سکھروی مدرس ومفتی دارالعلوم کراچی نمبر ۵۔

(۷) جناب حکیم امداد اللہ صاحب - ۲۱۲ حیدرآباد کالونی بہادر یار جنگ روڈ کراچی نمبر ۵

---

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۱۴۶

(۸) جناب سلیمان شاہ ۲۹۹ فرمان آباد ۶ ۳۶ بی لانڈھی کراچی۔

(۹) جناب غلام قادر صاحب۔

(۱۰) جناب حاجی محمد عثمان صاحب لیاقت آباد ۱۸۸ کراچی نمبر ۱۹۔

(۱۱) مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰلہ یار ضلع حیدرآباد سندھ۔

(۱۲) مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودہا۔

(۱۳) جناب ماسٹر محمد اقبال صاحب قریشی ٹبہ شریف ہارون آباد ضلع بہاولنگر۔

(۱۴) مولانا مفتی محمد محی الدین صاحب بڑا کٹڑہ لین پوسٹ چوک بازار ڈھاکہ بنگلہ دیش (۱)

حضرت مولانا مفتی صاحبؒ اور تدریسی خدمات :

۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں آپ نے دورہ حدیث کیا کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں فراغت کے بعد ایک سال میں ان کی تکمیل کرلی اور نہایت ممتاز حیثیت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کو مکمل کرلیا، اس وقت آپ کی عمر ۲۲ بائیس سال تھی اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب تھے ان کی اور دوسرے اساتذہ کرام کی نگاہ انتخاب عرصہ سے آپ پر تھی اور فراغت کا انتظار تھا، اور فراغت کے فوراً بعد آپ کو معین مدرس مقرر کردیا گیا۔ اور آپ کئی سال تک اسی حیثیت سے تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے آپ نے تدریس کا سلسلہ ابتدائی کتابوں سے شروع فرمایا، پھر ہر سال آپ ترقی کرتے رہے اور آپ نے پھر اوپر کے درجات کی کتابیں انتہائی محنت اور ذوق و شوق سے پڑھائیں۔

تدریس کے دوران مختلف علوم و فنون آپ نے گہری دلچسپی سے پڑھائے، اور اسی گہری دلچسپی کے مختلف ادوار آپ پر گزرے ہیں۔

ادب: ادب وہ پہلا موضوع ہے جس سے آپ کو خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی عربی تعلیم کا آغاز شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے ہاتھوں ہوا، اور ان کے حسن تعلیم و تربیت نے آپ کو مختصر سی مدت میں اس حیرت انگیز مقام تک پہنچایا کہ "نفحۃ الیمن" پڑھنے کے دوران آپ نے عربی میں اشعار کہنے شروع کردیے آپ کی تدریس کی ابتداء عربی صرف و نحو اور ادب سے ہوئی، پھر سالہا سال آپ نے مقامات حریری، دیوان حماسہ اور سبعہ معلقہ کا درس دیا، خاص طور سے آپ کا مقامات حریری کا درس اتنا مشہور ہوا کہ دوسرے مدارس کے اساتذہ اس درس میں شرکت کے لیے آیا کرتے تھے (۲)

معقولات: ادب کے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند میں معقولات، یعنی منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت اور ریاضی بھی پڑھانے کا موقع ملا، اور چونکہ آپ نے یہ علوم ایسے اساتذہ سے پڑھے تھے جو اپنے وقت میں معقولات کے امام سمجھے جاتے تھے مثلاً

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ

حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ

---

(۲) مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۲۲ (۲) مفتی اعظم نمبر ص ۷۱-۳ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

حضرت مولانا محمد ابرھیم صاحب بلیاوی

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم میں بھی راسخ استعداد عطا فرمائی تھی - چنانچہ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے، جب دارالعلوم دیوبند کے طلباء میں آپ معقولات کے ماہر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی بزرگوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی صحبت کے اثر سے یہ حقیقت آپ کے ذہن وقلب میں پیوست تھی، کہ یہ علوم ایک طرف تو مقصود بالذات نہیں، بلکہ محض آلہ اور وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں - اور دوسری طرف ان علوم میں اجتہاد کا باب وسیع ہے اور ان میں فلاسفہ کے فتووں کی تقلید ضروری نہیں - چنانچہ آپ ان علوم کی تدریس کے دوران صرف کتاب کو سمجھانے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ اکثر زیر بحث مسائل میں اپنی تحقیق بھی بیان کرتے تھے-- (۱)

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کو منطق کی مشہور کتاب "میرزاہد" سپرد کی گئی آپ نے اس کو جس انداز اور جس خوبی کے ساتھ پڑھایا، اس کا واقعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے مفتی اعظم نمبر میں اس طرح قلم بند فرمایا ہے۔

"ایک مرتبہ دارالعلوم میں منطق کی مشہور کتاب "میرزاہد" رسالہ کا درس ایک استاد کے سپرد ہوا، اور طلباء کی جماعت ایسی آگئی جس نے قدم قدم پر سوالات کی بھرمار کر کے استاذ کو زچ کردیا- بسااوقات غیر متوقع سوالات کے جوابات کے تیار نہ ہونے کے سبب اطمینان بخش جواب نہ دے پاتے اور طلباء کا اطمینان نہ ہوتا اس طرح بحث ومباحثہ کی فضا میں درس کی رفتار سست ہوگئی، اور استاذ کا وقار بھی خطرے میں پڑنے لگا اس وقت حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری ناظم تعلیمات تھے، جب انہیں اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اساتذہ کو جمع کر کے اس بارے میں مشورہ کیا اور رائے یہ ہوئی کہ کتاب کا درس کسی اور استاد کے پاس بھیج دیا جائے -اس سلسلہ میں مختلف تجویزیں زیر بحث آئیں، آخر میں حضرت شاہ صاحب نے والد صاحب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ درس آپ اپنے ذمے لے لیں۔

حضرت نے جواب دیا کہ:

"حضرت! اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو در حقیقت میں میزان الصرف پڑھانے کے بھی لائق نہیں لیکن اگر آپ اس سرپرستی میں پڑھوانا چاہیں تو مجھے بخاری شریف بھی دیدیں گے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا اور اللہ کے بھروسہ پر وہ بھی پڑھادوں گا"

چنانچہ وہ کتاب حضرت والد صاحب کے سپرد کردی گئی، والد صاحب فرماتے ہیں جب میں پہلے دن درس دینے کے لئے پہنچا تو میں نے طلباء سے خطاب کر کے کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے، آپ حضرات کو معقولات میں ملکہ ہے اور اس سلسلہ میں آپ کے دل میں سوالات بہت پیدا ہوتے ہیں اس لئے میں نے طے کیا ہے کہ شروع میں ایک ہفتہ صرف سوال وجواب اور مذاکرہ کے لئے رکھوں گا اس ہفتے میں جس کسی کے دل میں کوئی سوال ہو وہ بلاتکلف بیان کردے اور جب تک اطمینان نہ ہوجاوے آگے نہ بڑھے۔

البتہ گفتگو کے دوران یہ بات ذہن میں رکھئے کہ موضوع بحث معقولات ہیں، لہذا گفتگو کی بنیاد خالص عقلی دلائل پر ہوگی، اور

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۳۸۷۔ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

محض اس بات کو دلیل نہیں سمجھا جائے گا کہ فلاں منطقی یا فلاں فلسفی نے یہ بات لکھی ہے بلکہ جو بات کہی جائے گی وہ عقلی دلائل کی بنیاد پر کہی جائے گی ۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا لیکن میں نے جو قید لگائی تھی کہ منطقی یا فلسفی کے قول کو حجت کے طور پر پیش نہ کیا جائے اس کی بنیاد پر طلباء کی ترکی جلد ہی تمام ہو گئی اور ایک ہفتہ تو درکنار ایک دن ہی میں سارے سوالات ختم ہو گئے ۔ اس کے بعد میں نے حسب معمول درس شروع کیا اور بفضلہ تعالیٰ طلباء مطمئن ہو گئے ۔

مگر چونکہ آپ کی خصوصی مصروفیات کا محور فقہ اور تفسیر رہے اس لئے اس میدان میں آپ کو خود کوئی نمایاں کام کرنے کا موقع نہیں ملا ۔ البتہ آپ کی خواہش یہ ضرور تھی کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو جدید فلسفے پر مکمل عبور حاصل کریں اور پھر اس کی تردید میں " نہایت الفلاسفہ " لکھی اسی مقصد کے لئے آپ نے دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں جدید علم کلام کی بعض کتب کا اضافہ فرمایا تھا (۱)

فقہ : جس علم سے حضرت مفتی صاحب کو سب سے زیادہ شغف رہا ، جس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی عظیم خدمت لی وہ علم فقہ ہے ، آپ کی یہی حیثیت دنیا میں زیادہ معروف ہوئی ۔ اور اسی بنا پر آپ کا لقب " مفتی اعظم " مشہور ہو گیا ۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے فقہ کی متعدد کتابیں پڑھی ہیں ، لیکن فقہ کے ساتھ مناسبت اور لگاؤ اس وقت پیدا ہوا جب دارالعلوم دیوبند میں " فتویٰ نویسی " کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ سے فقہ ، فتویٰ کے میدان میں عظیم دین کی خدمت لی اور آپ نے اپنی زندگی میں لاکھوں کی تعداد میں فتاویٰ لکھے اور بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جس کے بارے میں مستقل عنوان سے تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے ۔

درس حدیث : جب آپ نے ابتدائی درجات اور متوسط درجات کی تقریباً تمام کتابیں پڑھالیں ۔ اور آپ کا شمار درجہ علیا کے اساتذہ میں ہونے لگا تو سب سے پہلے حدیث کی کتابوں میں " موطا امام مالکؒ " کا درس آپ کے سپرد ہوا اور اس کے بعد دورہ حدیث کی دوسری کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی ۔ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب سنن ابوداؤد پڑھایا کرتے تھے ، ایک مرتبہ دوران سال انہیں سفر پیش آیا تو اپنا سبق حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد کر گئے پھر انہیں کی خواہش پر یہ درس مستقل طور پر آپ کے سپرد کر دیا گیا ، پھر آپ کا یہ درس اتنا مشہور ہو گیا کہ دور دراز کے طلبہ و علماء بھی اس درس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند آئے ۔

پاکستان آکر جب آپ نے دارالعلوم کراچی قائم فرمایا تو اس میں کئی سال تک بخاری شریف کا درس دیا کرتے پھر آخر میں جب قویٰ ضعیف ہو گئے اور عمر زیادہ ہو گئی تو اس وقت بخاری شریف کی پہلی کتاب الوضوء تک آپ پڑھاتے اور جب آخری چار سال میں آپ صاحب فراش ہو گئے ۔ اس وقت آپ بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھایا کرتے تھے ، بخاری شریف کے علاوہ دارالعلوم کراچی میں ۔۔ " موطا امام مالکؒ " اور " شمائل ترمذی " کا درس بھی آپ نے کئی سال تک دیا ۔

مشہور تلامذہ : ۔ آپ کے براہ راست شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہو گی جو برصغیر کے علاوہ دنیا کے بہت ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں مشہور تلامذہ کی ایک فہرست دی جارہی ہے ، جو مفتی اعظم نمبر میں حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم کے مضمون سے لی گئی ہے ۔

---

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۳۸۹

۱- شیخ الحدیث علامہ محمد یوسف بنوری صاحب بانی جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی وسابق امیر مجلس تحفظ ختم نبوت ورکن اسلامی نظریاتی کونسل وصدر وفاق المدارس العربیۃ پاکستان

۲- حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ وسابق سربراہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد مظفر نگر (بھارت)

۳- حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

۴- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی و مہتمم دارالعلوم اکوڑاخٹک (پشاور) وسابق رکن قومی اسمبلی پاکستان

۵- عالم محقق حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالا (پنجاب)

۶- خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ بانی و مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار سابق قائد مرکزی جمعیۃ علماء اسلام وسابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

۷- شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی صدر شعبہ حفظ و تجوید دارالعلوم کراچی مقیم حال مکہ مکرمہ

۸- حضرت مولانا محمد انوارالحسن انور شیر کوٹی سابق صدر فارسی اسلامیہ کالج فیصل آباد (پنجاب)

۹- حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ

۱۰- حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی بانی و مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد کراچی

۱۱- حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب دیوبندیؒ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

۱۲- حضرت مولانا سید بادشاہ گل صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اسلامیہ اکوڑاخٹک پشاور

۱۳- حضرت مولانا سید نورالحسن بخاری فاضل دیوبند وسرپرست تنظیم اہلسنت پاکستان

۱۴- حضرت مولانا عرض محمد صاحبؒ مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ بلوچستان

۱۵- حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب مدظلہم استاذ حدیث وسابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی

۱۶- حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم، استاذ حدیث و تفسیر و ناظم دارالعلوم کراچی

۱۷- حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

۱۸- برادر عزیز حضرت مولانا محمد تقی عثمانی استاذ حدیث و مدیر ماہ نامہ "البلاغ" و نائب مہتمم دارالعلوم کراچی و رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

۱۹- حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب صدر مدرس نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان

۲۰- حضرت مولانا قاضی عبدالعزیز شوقی صاحب انبالوی سابق صدر مدرس دارالعلوم اسلامیہ لاہور

۲۱- حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب مفتی واستاذ حدیث مدرسہ اشرفیہ سکھر و رکن مجلس منتظمہ دارالعلوم کراچی وخلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظمؒ

۲۲- حضرت مولانا صدیق احمد صاحب صدر نظام اسلام پارٹی و شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ ٹپہ چاٹگام بنگلہ دیش

۲۳- حضرت مولانا مصلح الدین صاحب کشور گنج ضلع میمن سنگھ بنگلہ دیش

۲۴- حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم پاکستان ـ و مفتی استاذ حدیث مدرسہ اشرف العلوم برا کٹرہ ڈھاکہ۔

۲۵- حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب سابق صدر مدرس شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی۔

۲۶- حضرت مولانا زین العابدین صاحب میرٹھی (مولف بیان اللسان)

۲۷- حضرت مولانا امیر زمان کشمیری صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم نعمان پورہ باغ پونچھ آزاد کشمیر۔

۲۸- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم پلندری آزاد کشمیر۔

۲- حضرت مولانا عبدالصمد صارم صاحب (کئی مفید کتابوں کے مصنف)

۲- حضرت مولانا محمد آفتاب عالم مہاجر مدنی فرزند حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحبؒ

حضرت مفتی صاحب بحیثیت "مفتی اعظم"

علمی کاموں میں افتاء اور فتویٰ نویسی کے کام کو سب سے زیادہ مشکل اہم اور نازک ترین سمجھا گیا ہے۔ فقہ کے لاکھوں ملتے جلتے مسائل کا تھوڑے فرق سے حکم بدل جاتا ہے ـ حالات اور زمانہ کے بدلنے بھی احکام میں کچھ نہ کچھ تغیر آتا ہے جس کو سمجھنے کے لئے عمیق علم اور وسعت معلومات کی ضرورت ہے۔ جب تک مفتی کو فقہ سے کامل مناسبت، ایک گونہ قوت اجتہاد، حالات زمانہ پر بالغانہ نظر، اور کامل درجہ کی احتیاط، تقویٰ پرہیزگاری، تواضع وانکساری کی شان موجود نہ ہو وہ اس کا منصب کا صحیح حق ادا نہیں کرسکتا۔

یہ تمام اوصاف کامل طور پر حضرت مفتی صاحب میں موجود تھے۔

جس وقت آپ کو دارالعلوم دیوبند میں "مفتی" کا منصب سپرد کیا گیا اس وقت آپ کی عمر صرف ۳۵ سال تھی یہ دور فتویٰ کی ذمہ داری محسوس کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے انتہائی نازک اور مشکل ترین دور تھا ـ اس لیے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب کے سیاسی اور فکری غلبے کی وجہ سے پوری دنیا میں انقلابی تبدیلیاں آرہی تھیں، نت نئی ایجادات کا ایک نیا سیلاب پھوٹ رہا تھا، تجارت و معیشت میں نئے نئے معاملات وجود میں آرہے تھے طرز معاشرت اور رہن سہن کے طریقوں میں انقلاب آرہا تھا اور اکابرین کے لکھے ہوئے فتاویٰ جو آج کل موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا ان تمام حالات کے باوجود حضرت مفتی صاحبؒ فتویٰ لکھنے میں بہت احتیاط اور اعتدال سے کام لیتے تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کے کام کی ابتداً مجھ پر بہت بوجھ تھا اور ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے اس لئے شروع شروع میں جب مجھے کسی سوال کا جواب لکھنا ہوتا تو خواہ سوال کتنا واضح کیوں نہ ہو اسے کئی کئی کتابوں میں دیکھ کر اطمینان نہ کرلیتا اس وقت تک چین نہ آتا میں محض یادداشت کے بھروسہ پر یا صرف اصول

قواعد کی روشنی میں جواب لکھنے سے حتی الوسع گریز کرتا تھا، اور جب تک کسی فقہ کی کتاب میں کوئی صریح جزئیہ نہ مل جائے، جواب نہ لکھتا تھا اس وجہ سے بعض اوقات ایک ایک مسئلے کے جواب کے لئے مجھے دس دس کتابوں کے متعلقہ حصوں کو بنظر غائر دیکھنے کی نوبت آجاتی تھی اور اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ایک ایک مسئلہ کی تلاش میں دسیوں دسیوں دوسرے مسائل نظر سے گزرجاتے تھے (۱)

یہ عام قسم کے فتاویٰ کا حال تھا، اور جن فتاویٰ میں کوئی خاص تحقیق پیش نظر ہوتی ان میں تو متعلقہ موضوع سے متعلق جتنی کتابیں میسر ہوتیں والد صاحب ان سب کی مراجعت فرماتے اور بہت سی وہ کتابیں دیکھتے جو اگرچہ متعلقہ موضوع پر نہ ہوتیں۔ لیکن ان میں زیر بحث مسئلے کے کسی پہلو کے ملنے کا امکان ہوتا، اس طرح ایک مسئلے کی تحقیق پر بڑے رسالے تیار ہوگئے جن میں سے ایک بڑا حصہ تو شائع ہوچکا ہے اور باقی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں (۲)

حضرت مفتی صاحب جب تک مسئلے کی پوری تحقیق نہ فرمالیتے اور اس تحقیق پر مکمل شرح صدر نہ ہوجاتا، اس وقت تک فتویٰ صادر نہیں فرماتے اور جہاں ضرورت ہوتی احتیاط سے کام لیتے ہوئے کسی چیز سے اجتناب کا حکم صادر فرماتے اور فتویٰ کے الفاظ لکھنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے۔

اسی طرح آپ نے بار بار فرمایا کہ مفتی کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس فتوے کا اثر اور نتیجہ کیا ہوگا"؟

چنانچہ بعض اوقات کسی مسئلے کا ٹھیک فقہی حکم بیان کرنے سے مفاسد کا اندیشہ ہوتا ہے، مثلاً ایک چیز فی نفسہ مباح ہے لیکن اس کی کھلی چھٹی دینے سے اندیشہ ہے کہ بات معصیت تک پہنچ جائے گی اور لوگ اپنی حدود پر قائم نہیں رہیں گے ایسے موقع پر مفتی کو یہ مد نظر رکھنا پڑے گا کہ اس کام کی حوصلہ افزائی نہ ہو اور دوسری طرف فقہی حکم میں تصرف بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر مفتی کو اپنا فتویٰ کی بجائے مشورے کے طور پر لکھنا چاہیے ایسے موقع پر اس قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ فلاں عمل مناسب نہیں یا درست نہیں یا اس سے پرہیز کرنا چاہیے (۳)

حضرت مفتی صاحبؒ جس طرح خود غایت درجہ احتیاط فرماتے تھے، اسی طرح بعض مسائل میں سائل کو اصل حکم سے آگاہ فرماکر تحریر فرمادیا کرتے تھے کہ اس میں احتیاط بہتر ہے

چنانچہ ایک سوال مع جواب اس نوعیت کا نقل کیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کچے اور پکے رنگ سے عورت کے لئے کپڑا رنگنا جائز ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اس میں شراب پڑتی ہے۔

الجواب کچا پکا رنگ عورت کے لئے جائز ہے فتویٰ اسی پر ہے اس پر وہم نہ کرنا چاہیے لیکن نماز میں احتیاط کی جائے۔

فقط واللہ اعلم (۴)

---

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۳۹۳ / (۲) مفتی اعظم نمبر ص ۳۹۳
(۳) / مفتی اعظم نمبر ص ۴۲۶ / (۴) مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۴۔

نیز حضرت مفتی صاحب اپنی مکمل تحقیق کے باوجود بر بنائے احتیاط دیگر علماء کرام سے تصدیق کرایا کرتے تھے اور حضرات علماء کرام حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کی نہ صرف تصدیق فرماتے بلکہ آپ کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے۔ جن میں آپ کے اساتذہ کرام بھی داخل ہیں (۱)

اسی طرح حضرت مفتی صاحب کی تحریرات میں اکابر علماء و مشائخ کے فقہی اختلافات میں کسی کو ترجیح دینے میں بڑی عرق ریزی کے باوجود محتاط پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مسئلہ میں جن میں علامہ شامی اور شارح منیہ جواز کے قائل ہیں اور دوسرے عام مشائخ ناجائز فرماتے ہیں، وجوہ ترجیح بیان کرنے کے بعد اپنی محتاط رائے کا اظہار فرمادیا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ دبیز اور اونی جرابوں کو منعل کرلیا جائے، یعنی تلے یا نیچے اور ایڑھی پر بھی چمڑا چڑھا دیا جاجائے، تو اس پر مسح کرنا شافعی اور شارح منیہ جائز، مگر تقویٰ کے خلاف قرار دیتے ہیں اور دوسرے عامہ مشائخ ناجائز فرماتے ہیں۔ اور ایسے اکابر علماء و مشائخ کے اختلاف میں کسی جانب کو ترجیح دینا گو ہم جیسوں کا کام نہیں، لیکن بضرورت دینیہ اس سے چارہ بھی نہیں۔

آخر میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اسلئے احقر کا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی جرابوں پر مسح کی اجازت نہ دی جائے ۔**واللہ تعالی المسئول للسدید وھو من فضلہ وکرمہ غیر بعید** (۲)

آپ خود بھی بعض مسائل میں دوسرے علماء سے استفادہ فرمایا کرتے تھے۔ خصوصا اپنے ذاتی مسائل میں تو اکثر رجوع فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ شدید تکلیف میں مبتلا ہوئے تھے، میرے استاذ مکرم حضرت مولانا عاشق الٰہی مد ظلہم سے دریافت فرمایا کہ تیمم کی گنجائش ہے؟ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک گنجائش نہ تھی لیکن تکلیف اس قدر شدید تھی کہ میں یہ کہنے کی ہمت نہ کرسکا کہ وضو کرنا لازم ہے تھوڑی دیر خاموش بیٹھ کر چلا آیا۔ حضرت نے محسوس فرمالیا کہ وضو کے بغیر چارہ نہیں چنانچہ وضو فرما کر نماز ادا فرمائی، اور مسجد میں مجھ سے فرمایا کہ میں نے وضو کرلیا تھا (۳)

آپ کی تصانیف اور تحریرات کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ نے مسائل کے اختلاف میں کبھی سخت اور متعصبانہ الفاظ استعمال نہیں کئے ذاتیات سے ہمیشہ دامن بچایا اور کبھی ایسا انداز بیان اختیار نہیں فرمایا جس سے دوسرے عالم کی توہین اور تذلیل ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اختلاف میں آپ بہت محتاط الفاظ استعمال فرماتے اور وہ اختلاف صرف مسئلہ کی حد تک ہوتا تھا تلخی کلام تک نوبت نہیں آتی تھی اور اختلاف رائے پر کبھی غصہ یا ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے اگرچہ اختلاف کرنے والا آپ کا شاگرد کیوں نہ ہو۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مد ظلہم جو کئی سال تک حضرت کے زیر سایہ فتویٰ کا جواب دیتے رہے فرماتے ہیں۔

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۱۵۷ (۲) مفتی اعظم نمبر ص ۱۸۷ (۳) مفتی اعظم نمبر ص ۸۲۷ مضمون مولانا صبار دانش صاحب

احقر کو بہت سی جگہ اختلاف رائے بھی ہوتا تو بندہ عرض کر دیتا کہ یہ جواب آپ کی رائے کے مطابق لکھ دیا ہے آپ دستخط فرمادیں میں دستخط نہیں کروں گا۔ گزارشات بشاشت سے قبول فرماتے اور دستخط فرمادیتے مجھ جیسے ایک معمولی طالب علم کے اختلاف میں کبھی تکدر یا ناگواری کا ظہور نہیں ہوا تکدر کیا ہوتا اختلاف سے خوش ہوتے (۱)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب سے دین کی بے شمار خدمات لیں جن میں تدریس، تصنیف، وعظ، اصلاح اور شاد اقامت دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے سیاسی جدوجہد وغیرہ لیکن ان تمام خدمات میں سے وہ خدمت جو آپ کی زندگی کا جز بن گئی تھی فتویٰ کی خدمت تھی جو "مفتی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد شاید ایک دن کے لئے بھی نہیں چھوٹی یہاں تک کہ زندگی کا آخری کام جو وفات سے چند گھنٹے پہلے انجام دیا وہ بھی ایک استفتاء کا جواب تھا دوسری خدمات اپنے اپنے وقت کے ساتھ مخصوص رہیں اور ان کی انجام دہی میں وقفے آتے رہے، لیکن فتویٰ کا کام سفر و حضر، صحت وعلالت، مصروفیت و فراغت تنگدستی و خوشحالی کسی بھی حال میں نہیں چھوٹا آپ سفر میں جاتے تو ڈاک کا ایک ضخیم پیکٹ ساتھ ہوتا اور چلتی ہوئی ریل میں بھی جب کہ عام آدمیوں کے لئے لکھنا ممکن نہیں ہوتا ڈاک کا جواب برابر جاری رہتا تھا (۲) حضرت مفتی صاحب نے فتویٰ کے میدان میں دین کی اتنی عظیم خدمت انجام دی کہ پورے عالم میں "مفتی اعظم" کے لقب سے آپ کا تعارف ہونے لگا۔ اور اسی لقب سے آپ پوری دنیا میں مشہور ہو گئے۔ اور بعض اوقات منع بھی کیا لیکن اس کے باوجود یہ لقب پھیلتا ہی چلا گیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیہ النفس کے عظیم درجہ پر فائز فرمایا تھا جس کے بارے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں فقیہ النفس فقہا کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ کثرت ممارست کے بعد ایک ایسا ذوق سلیم عطا فرمایا دیا ہو جس کی روشنی میں کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجے تک پہنچ سکتا ہو۔

مجھ جیسے بے علم و عمل شخص کا یہ منصب نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں "فقیہ النفس" ہونے کا فیصلہ کرے کیونکہ فقیہ النفس" کی پہچان بھی انہیں لوگوں کا حصہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبحر علمی سے نوازا ہو۔

مصر کے معروف اور محقق عالم شیخ الاسلام علامہ زاہد الکوثری نے حضرت والد صاحبؒ کو "فقیہ النفس" کا خطاب دیا تھا اس کے بعد علامہ کوثری کا تعارف اور ان کا مکتوب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اس مکتوب میں علامہ کوثری حضرت والد کے علم و فضل کی محض رسمی تعریف نہیں کی بلکہ باقاعدہ آپ کو صحیح معنی میں "فقیہ النفس" کا خطاب دیا ہے اور جو لوگ علامہ زاہد الکوثری کے تبحر علمی سے واقف ہیں انہیں اندازہ ہو گا ان کے الفاظ کو کسی تصنع یا مبالغے پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

تصنیف و تالیف : اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بڑا ملکہ اور اس لائن میں بھی دین کی خدمت کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفقہ فی الدین کی دولت سے مالامال فرمایا تھا، وہاں اصلاح قوم کے جذب خیر سے سرشار فرمایا تھا۔ آپ کو ہمیشہ اس بات کی فکر دامن گیر رہتی کہ کسی نہ کسی طرح دین کی باتیں عام مسلمان تک

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۲۳۷ مضمون مولانا صبار دانش صاحب (۲) مفتی اعظم نمبر ص ۳۰۴ مضمون مولانا تقی عثمانی صاحب

اس طرح پہنچ جائیں کہ وہ آسانی کے ساتھ سمجھ کر ان پر عمل کرسکیں۔

اگرچہ حضرت مفتی صاحب کی بیسیوں کتابیں بحیثیت فقیہہ و مفتی اعظم کے محض محققانہ خالصتاً معرکتہ الآراء مباحث پر مشتمل ہیں، لیکن طبعی طور پر بحیثیت مرشد کامل کے ایسی کتابوں کو پسند فرماتے تھے جن سے عامتہ الناس کو نفع پہنچے۔ آپ کا مزاج اس سلسلے میں موجودہ زمانہ کے عام مصنفین سے بالکل ہٹ کر تھا۔ چنانچہ آپ ہمیشہ اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ مضامین کو انتہائی سہل انداز سے آسان اور سلیس زبان میں بیان کردیا جائے، تاکہ اس سے تعلیم یافتہ عوام اور گھریلو عورتیں بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرسکیں (۱)

اب آپ کی چند اہم تصانیف کا تذکرہ مختصر تعارف کے ساتھ کیا جاتا ہے

معارف القرآن : اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت مفتی صاحب کو فقہ اور فنون کے میدان میں بہت اعلیٰ اور ارفع مقام عطا فرمایا تھا اسی طرح تفہیم قرآن کریم کے میدان میں بھی بہت اونچا مقام عطا فرمایا۔ آپ جب ہجرت کرکے پاکستان آئے تو آپ نے عمومی اصلاح اور نفع عام کے لئے آرام باغ کراچی کے قریب مسجد باب الاسلام میں قرآن کریم کا درس دینا شروع کیا فجر کی نماز کے بعد روزانہ ایک گھنٹہ تک یہ درس ہوتا جس میں شرکت کے لئے ہر قسم کی صلاحیت اور ہر طبقہ کے لوگ دور دور سے آتے سات سال کے عرصہ میں یہ درس مکمل ہوا۔ پھر کا آپ کا درس ریڈیو پاکستان سے جمعہ کے روز نشر ہونے لگا جو ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک جاری رہا۔ اس درس کی افادیت نافعیت کا احساس عام طور پر کیا جاتا تھا اس لئے اس درس کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا تقاضہ اور اصرار ہونے لگا۔

جس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کو از سر نو مرتب کرنا شروع کیا اور ابتداء میں دوسرے مشاغل اور مصروفیات کی وجہ سے "معارف القرآن" کی تالیف کا کام آہستہ آہستہ جاری رہا لیکن جب آپ کو آخری عمر میں عارضہ قلب اور دوسری بیماریوں نے گھیر لیا اس وقت آپ میں اس تفسیر کو جلد از جلد مکمل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

۔چنانچہ آپ نے تفسیر کے کام کو اولیت دیکر اس کو مکمل کرنے کی کوشش شروع کردی واقعہ یہ ہے کہ اس تفسیر کا اکثر بیشتر حصہ بستر علالت پر مرض ضعف ہی کی حالت میں تحریر فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس تفسیر کو جو قبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاج بیان نہیں، اس لئے کہ آپ نے یہ تفسیر عام فہم انداز میں بالکل سہل زبان میں تحریر فرمائی ہے کہ معمولی پڑھا لکھا انسان بھی اس کو بآسانی سمجھ سکتا ہے، شاید ہی کوئی مسجد ایسی ہوگی جس میں درس قرآن "معارف القرآن" کے بجائے دوسری تفاسیر کو دیکھ کر دیا جارہا ہو، امام مسجد کا تعلق چاہے کسی فرقے سے ہو لیکن وہ "معارف القرآن" سے بے نیاز نہیں اور پھر اس میں کئی خوبیاں بھی جمع کردی ہیں، یعنی ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل "بیان القرآن" آگئی ہے اور معارف و مسائل حضرت مفتی صاحبؒ کے اپنے تالیف کردہ میں اس لحاظ سے یہ تفسیر کئی خوبیوں کا ایک مجموعہ بن گئی ہے۔

احکام القرآن ۔ عربی : حضرت تھانویؒ نے جب یہ محسوس کیا کہ ایسی کتاب تالیف ہونی چاہیے جس میں ان آیات قرآن کو تفسیر

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۶۲۹ مضمون مولانا منیب احمد صاحب

فقہی و تشریح کے ساتھ جمع کردیا ہے جن سے علماء حنفیہ نے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط فرمایا ہو، پہلے ہی سے اس کا نام **دلائل القرآن علی مذہب النعمان** تجویز فرمایا بعد میں آپ کی رائے بدل کر یہ ہو گئی کہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیے جس میں ان تمام آیات کو ان کی فقہی تفسیر کے ساتھ جمع کردیا جائے، جس سے کوئی بھی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہو

چونکہ کام لمبا تھا اس لئے آپ نے اس کام کے لئے مندرجہ ذیل علماء کرام کو منتخب فرمایا اور مندرجہ ذیل تفصیل کے ساتھ اس کی تالیف ان حضرات کے سپرد کی

(۱) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	پہلی اور دوسری منزل
(۲) حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ	تیسری اور چوتھی منزل
(۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	پانچویں اور چھٹی منزل
(۴) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ	ساتویں منزل

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے حصے کی تالیف کو بڑی محنت اور شب روز کی کاوشوں سے مکمل فرمایا اور حتیٰ کہ بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے پورے پورے رسالے تصنیف کرڈالے، چنانچہ اس کتاب میں آپ ایک رسالہ "کشف الغناء" کے نام سے موسیقی کے موضوع پر تحریر فرمایا اور ایک رسالہ پردے کے موضوع پر "تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب" کے نام سے تحریر فرمایا ان کے علاوہ جن فقہی موضوعات پر آپ نے تفصیلی کلام فرمایا ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے

جواہر الفقہ دو جلد : یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ۴۵ فقہی رسائل کا ایک مجموعہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "مفتی اعظم" کے عظیم منصب پر فائز فرمایا تھا، اس لئے ان سے کام بھی عظیم لیا، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس کسی اہم چیز یا معاملے کے بارے میں کوئی استفتاء آتا تو آپ اس کے جواب میں پوری تحقیق اور چھان بین فرماتے جس کی بناء پر وہ جواب ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرجاتا۔

اسی طرح بہت سے فقہی مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسالے وجود میں آگئے جو علیحدہ علیحدہ کئی مرتبہ مختلف ماہناموں اور رسالے کی شکل میں شائع ہوئے مگر چونکہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے وقت اس رسالے کو تلاش کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب ذکی کیفی صاحب مرحوم نے ان رسالوں کو ایک کتابی شکل میں یکجا مرتب فرمادیا جو بعد میں جواہر الفقہ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئے ان رسالوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ تکفیر کے اصول۔

۲۔ قرآن کریم کا رسم الخط اور اس کے احکام۔

۳۔ کیا قرآن کریم کا صرف ترجمہ کیا جاسکتا ہے؟

۴۔ مسئلہ تقلید شخصی۔

۵۔ دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے حدود۔

۶ - فتویٰ متعلقہ "جماعت اسلامی"

۷ - پیر و مرید کا فقہی اختلاف -

۸ - دست بوسی اور قدم بوسی -

۹ - مروجہ سیرت کمیٹی اور اسکی شرعی حیثیت -

۱۰ - مروجہ صلوۃ وسلام کی شرعی حیثیت -

۱۱ - مساجد کی نئی شکلیں ان کے مقاصد -

۱۲ - سمت قبلہ -

۱۳ - اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں ؟

۱۴ - حرف "ضاد" کا صحیح مخرج اور اسکے احکام -

۱۵ - خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں ہے ؟

۱۶ - قنوت نازلہ

۱۷ - احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ -

۱۸ - حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت -

۱۹ - رویت ہلال کے شرعی احکام -

۲۰ اوزان شرعیہ -

۲۱ - احکام عید الاضحیٰ وقربانی -

۲۲ - چرم قربانی کے احکام -

۲۳ مواقیت احرام اور ان کے مسائل -

۲۴ - حج بدل اور اس کے احکام -

۲۵ عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ -

۲۶ - نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار -

۲۷ - اسلام اور نسبی امتیازات -

۲۸ - مختلف مذاہب زوجین کے احکام

۲۹ -- علم نبوی کی تحقیق -

۳۰ - مرتد کی سزا اسلام میں

۳۱ - شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات

۳۲- ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراکیت عمل کی حدود شرعیہ۔

۳۳- عشر وخراج کے احکام۔

۳۴- ووٹ کی شرعی حیثیت۔

۳۵- قانون اسلامی بابت پٹہ دوامی۔

۳۶- زمینداره بل۔

۳۷- حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت

۳۸- احکام القمار

۳۹- ناجائز معاملات میں ایک تصنیف کا خاکہ

۴۰- اسلامی ذبیحہ۔

۴۱- داڑھی کے خضاب اور کترانے وغیرہ کے احکام

۴۲-تفصیل الکلام فی مسئلہ الاعانة علی الحرام

۴۳- آداب واخبار

۴۴- یتیم پوتے کی میراث۔

۴۵- ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت

امداد المفتیین : گیارہ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد تحریر فرمائے ان فتاویٰ کی تعداد جو آپ نے وہاں تحریر فرمائے ایک لاکھ تک پہنچتے ہیں ان میں سے صرف ایک ہزار فتاویٰ کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ باقی فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ "دارالعلوم دیوبند" کے "دارالافتاء" میں محفوظ ہے۔

یہ ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جن پر اکابر علماء دیوبند اور حضرت تھانویؒ نے اعتماد کیا ہے۔ اور ان فتاویٰ کی اشاعت سے پہلے حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی تواضع اور احتیاط کے پیش نظر مظاہر العلوم سہارن پور انڈیا کے مفتی جناب سعید احمد صاحبؒ سے نظر ثانی کرائی۔ اور ان کے مشورے سے بعض جگہ اصلاحات فرمانے کے بعد شائع فرمایا پھر بعض سوالات کے جواب میں آپ نے پورے پورے رسالے تحریر فرمائے ہیں، چنانچہ اس قسم کے ۱۸ رسالے اس کتاب میں بھی شامل ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱- الافصاح عن تصرفات الجن والارواح ---------- جنات اور ارواح کے متعلق تحقیق

۲- روع الناس عن محدثات الاعراس---------- مروجہ عروس ومزارات کے شرعی احکام

۳- ماحول القبول فی ظل الرسول ------------ رسول اللہ ﷺ کا سایہ پڑتا تھا یا نہیں اسکی تحقیق

۴- نیل المآرب فی المسح علی الجوارب---------- جس میں کپڑوں کے موزوں پر چمڑہ چڑھا کر مسح کرنے کے متعلق مفصل تحقیق ہے کہ کس صورت میں مسح جائز ہے۔

۵- احکام الاعلام بالتکبیر والاعلام ------------ جھنڈوں اور ترانوں اور نعروں وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانا اس کے متعلق شرعی حکم۔

۶- تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال- اس میں سمت قبلہ سے متعلق علامہ مشرقی کی پیدا کردہ تشکیکات کا واضح جواب ہے۔

۷- القول القدیب فی اجابة الآذان بین یدی الخطیب---جمعہ کی آذان کا جواب دینا اور بعد کی دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق

۸- اماطة التشکیک فی اخاطة الزکوۃ بالتملیک -------- رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم کے تملیک کے بغیر خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔اس مسئلہ کی مدلل اور مفصل بحث

۹- انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہونے کی تحقیق

۱۰- خیر الامور فی قدر المہور------------عورتوں کے مہر کی مقدار کے متعلق مکمل تحقیق۔

۱۱- اقامة العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحقوق بالسکوت ------عورت کے سکوت سے مہر معاف ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق

۱۲- رفع الجور فی حکم یمین المؤبد والفور - اگر طلاق کو کسی کام کے نہ کرنے پر معلق کیا تو کب تک نہ کرنے سے طلاق واقع ہوگی -اس مسئلہ کی مکمل تحقیق

۱۳- حکم الانصاف فی الطلاق الغیر المضاف ----------شوہر نے جس طلاق کی اضافت بیوی کے بجائے اپنی طرف کی ہو وہ واقع ہوگی کہ نہیں اس کا مفصل حکم

۱۴- نیل المرام فی حکم المسجد المبنی بالمال الحرام --مال حرام مسجد کی تعمیر میں لگانے کا حکم -اور مختلف صورتیں

۱۵- الاحری بالقبول فی وقف العمارة علی الارض النزول - لاوارث زمین پر حکومت قبضہ کسی کو دیدے تو اس کو وقف کرنے کا حکم

۱۶- توضیح کلام اہل اللہ فی ما اھل بہ لغیر اللہ ---------بتوں یا قبروں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کے متعلق شرعی احکام

۱۷- المقالة المرضیة فی سجدة التحیة---------------سجدہ تعظیمی کے متعلق بحث و تحقیق۔

۱۸- اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام --------مال حرام کو صدقہ کرنے کے متعلق مفصل تحقیق۔

آلات جدیدہ :

شریعت اسلامیہ کی جامعیت ہے کہ ہر نئے سے نئے مسئلہ کا جواب اپنے اندر رکھتی ہے مگر اس کا استخراج ہر شخص کا کام نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کتاب میں تمام آلات جدیدہ سے متعلق شرعی احکام قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ جمع

فرمائے ہیں۔ مثلاً ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیگراف، انجکشن، ایکسرے، ہوائی جہاز، آلۂ مکبر الصوت، فوٹو گرافی، سینما اور فلم، انسان کا خون یا اعضاء دوسرے انسان کے بدن میں استعمال کرنا وغیرہ مسائل پر تحقیق کے ساتھ کلام کیا ہے۔

حیلۂ ناجزہ:۔ یہ کتاب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مشترکہ تصنیف ہے۔ یہ مسلمانوں کے عائلی قوانین پر نہایت اہم کتاب ہے ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے اور اسلامی قانون نہ ہونے کے سبب جو بہت عورتوں پر مظالم ہورہے تھے اس میں بڑی تحقیق و تفتیش سے مظلوم عورتوں کے حقوق کی حفاظت اوران کی مشکلات کا حل مذاہب اربعہ سے نکالا گیا ہے اور پھر پورے مشترکہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کے پاس بھیج کران کی آراء معلوم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تاکہ یہ مسائل باہمی اختلاف کا ہدف نہ بنیں اور کوشش کرکے اس کو ملک کا قانون بنوایا جاسکے۔ اس میں دوسرے مذاہب کے علماء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ختم نبوت:۔ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ مفصل و مکمل کتاب ہے جس میں قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات اور دوسو دس (۲۱۰) احادیث اور سیکڑوں اقوال وآثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کا امکان نہیں۔ تشریعی، غیر تشریعی، ظلی، بروزی کے الفاظ جو قادیانی دجل نے ملک میں پھیلائے ہیں ان کا کوئی شرعی وجود ہے نہ وقوع کا امکان، قادیانیوں کی طرف سے اس سلسلے میں جتنے شبہات پیدا کئے گئے ہیں ان سب کا مدلل مکمل جواب اس میں موجود ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے (۱)

چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی ہر ہر تصنیف پر اگر تعارف لکھا جائے تو یہ مضمون بہت طویل ہوجائے گا، اس لئے بقیہ کتب کے تعارف کی بجائے صرف کتابوں کے نام فن وار درج کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے تاکہ ایک نظر میں کم از کم ان کے ناموں سے واقفیت حاصل ہوجائے۔

تفسیر:۔ (۱) تفسیر معارف القرآن کامل ۸ جلد کل صفحات ۵۷۱۷۔

احکام القرآن (عربی) دو جلد۔ ان دونوں کتابوں کا تعارف اوپر آچکا ہے

حدیث: (۳) تقریر ترمذی یہ وہ ہے جو درس کے دوران حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے درس میں قلم بند فرمائی۔

(۴) الاذدیاد السنی علی الیانع الجنی (عربی) اکابر علماء دیوبند کا سلسلہ اسنادِ حدیث۔

(۵) مختصر چہل حدیث، مترجم متعلقہ اخلاق وآداب

(۶) چہل حدیث متعلقہ اسلامی معاشیات

(۷) چرخے کی فضیلت متعلقہ احادیث کا مجموعہ

---

(۱) امداد المفتیین ص ۷۶۔ مختصر تذکرہ حضرت مفتی صاحبؒ

فقہ :

(۸) امداد المفتیین جس کا تفصیلی تعارف اوپر ہو چکا جس میں فقہی مسائل بھی شامل ہیں

(نوٹ ۸ ۱ پہلے آچکی ہیں)

(۲۷) اسلام کا نظام اراضی

(۲۸) آلات جدیدہ جس کا تعارف اوپر گزر چکا

(۲۹) مسئلہ سود

(۳۰) آداب مساجد

(۳۱) رفیق سفر۔سفر کے متعلق احکام وآداب

(۳۲) مسجد کے حدود کار اور احکام

(۳۳) شب برات

(۳۴) احکام القمار

(۳۵) تصویر کے شرعی احکام

(۳۶) بیمہ زندگی

(۳۷) حیلہ ناجزہ یہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مشترکہ تصنیف ہے

(۳۸) نکاح وطلاق

(۳۹) اعضاء انسان کی پیوند کاری

(۴۰) پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود

(۴۱) ضبط ولادت کی شرعی حیثیت

(۴۲) احکام حج

(۴۳) قرآن میں نظام زکوۃ

(۴۴) احکام دعا

(۴۵) جواہر الفقہ جس کا تفصیلی تعارف اوپر گزر چکا ہے جو (۴۵) فقہی رسائل پر مشتمل ہے۔

(۹۰) تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب (عربی) اس میں عوتوں کے پردہ سے متعلق شرعی احکام بیان فرمائے ہیں یہ رسالہ اور آئندہ آنے والے چھ رسائل عربی زبان میں ہیں اور احکام قرآن عربی میں شامل ہیں

(۹۱) السعی الحثیث فی تفسید لھوالحدیث (عربی) اس میں گانے بجانے اور سماع کی مفصل بحث ہے

(۹۲) کشف الریب عن علم الغیب (عربی) اس میں علم غیب کے مسئلہ پر مفصل تحقیق ہے،

(۹۳) تکمیل الحبور بسماع اہل القبور (عربی) سماع موتی کے مسئلہ پر قرآن وسنت کی روشنی تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

(۹۴) کشف الغناء عن وصف الغناء (عربی) اس میں غناء اور مزامیر اور موسیقی کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث کے ذریعہ مسئلہ کو مدلل کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ رسالہ اردو ترجمۃ اور مکمل بسط وتحقیق کے بعد اسلام اور موسیقی کے نام سے مکتبہ درالعلوم سے شائع ہو چکا ہے

(۹۵) اماۃ الشغب فی کداھۃ اللھو واللعب (عربی) اس میں مختلف کھیلوں کے شرعی احکام بیان فرمائے ہیں

(۹۶) تنقیح الکلام فی احکام الصلوۃ والسلام (عربی) اس میں درودوسلام
کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

عقائد و کلام :

(۹۷) ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں

(۹۸) مقام صحابہ

(۹۹) صحابہ کرام میں افضل کون ہے ؟

(۱۰۰) ختم نبوت کامل

(۱۰۱) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (عربی) یہ کتاب حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مشترکہ تصنیف ہے

(۱۰۲) ہدایہ المهديين فی آیات ختم النبیین (عربی)

(۱۰۳) مسیح موعود کی پہچان (۱۰۴) دعاوئ مرزا

(۱۰۵) ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری

(۱۰۶) مشرقی اور اسلام

(۱۰۷) سنت وبدعت۔

معیشت وسیاست:

(۱۰۸) اسلام کا نظام تقسیم دولت

(۱۰۹) اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہونگی ؟

(۱۱۰) دستور قرآنی

(۱۱۱) اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق۔

(۱۱۲) ووٹ اور ووٹر کی شرعی حیثیت

(۱۱۳) سرمایہ دار سوشلزم اور اسلام

(۱۱۴) خطبۂ صدارت کل ہند جمعیت علماء اسلام کانفرنس منعقدہ حیدر آباد سندھ جنوری ۱۹۴۷ء

(۱۱۵) افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ

(۱۱۶) جہاد پاکستان ۱۹۶۵ء

(۱۱۷) حالیہ جنگ نے ہمیں کیا سبق دیا

(۱۱۸) وحدت امت

(۱۱۹) اخلاف ام شقاق (عربی)

(۱۲۰) اسلام میں مشورے کی اہمیت

سیرت وتاریخ:

(۱۲۱) سیرت خاتم الانبیاء علیہ السلام

(۱۲۲) آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۲۳) شہادت کائنات یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادتیں کائنات میں

(۱۲۴) فتوح الہند

(۱۲۵) شہید کربلا

(۱۲۶) ذوالنون مصریؒ

(۱۲۷) دوشہید

(۱۲۸) درس عبرت

اصلاح وارشاد:

(۱۲۹) گناہ بے لذت

(۱۳۰) گناہوں کا کفارہ

(۱۳۱) بسم اللہ کے فضائل ومسائل

(۱۳۲) روح تصوف

(۱۳۳) دافع الافلاس

(۱۳۴) مصیبت کے بعد راحت

(۱۳۵) کید شیطان موت کے وقت مکر شیطان اور بچاؤ کی تدبیریں

(۱۳۶) رجوع الی اللہ

(۱۳۷) ذکراللہ اور دورد وسلام کے فضائل

(۱۳۸) آداب الشیخ والمرید

(۱۳۹) خلاصہ و تسہیل قصد السبیل

(۱۴۰) دل کی دنیا

(۱۴۱) ملفوظات امام مالکؒ

(۱۴۲) ملفوظات امام احمدؒ بن حنبل

(۱۴۳) پیغمبر امن وسلامت

(۱۴۲) مقدمہ حیوۃ المسلمین

تعلیم و تبلیغ :

(۱۴۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ کتاب ماہنامہ القاسم دیو بند میں قسط وار شائع ہوئی

(۱۴۶) قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا نظام تعلیم

(۱۴۷) طلبہ کے نام دو اہم پیغام

(۱۴۸) وصیت نامہ

زبان وادب :

(۱۴۹) اصول اللغۃ مقدمہ المنجد اردو

(۱۵۰) کشکول ،اردو ،فارسی کلام نظم نثر

(۱۵۱) نغمات عربی نظم ونثر کا مجموعہ

(۱۵۲) تحفۃ الوطن شرح نفحۃ الیمن (عربی)

متفرقات

(۱۵۳) اسلام میں نظام مساجد

(۱۵۴) میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات

(۱۵۵) نقوش وتاثرات سفر نامہ دیو بند و تھانہ بھون

(۱۵۶) مجالس حکیم الامتؒ

(۱۵۷) حضرت تھانویؒ کے آخر عمر کے ملفوظات جو " خاتمہ السوانح " میں شائع ہوئے

(۱۵۸) مکاتیب حکیم الامت غیر مطبوعہ

(۱۵۹) دارالعلوم دیو بند اور اس کا مزاج ومذاق

(۱۶۰) تاریخ قربانی

(۱۶۱) مقدمہ امداد الفتاویٰ

(۱۶۲) مقدمہ فتاوی دارالعلوم دیو بند (عزیزالفتاویٰ)

قیام پاکستان میں آپ کا کردار (۱) تحریک پاکستان میں علماء کرام نے جو کردار ادا کیا وہ ہماری تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ علماء نے پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ علماء کی ایک جماعت " جمعیت علماء ہند " نے کھلم کھلا کانگریس کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت کی تھی ۔حالانکہ اس کے برعکس علماء کی ایک بڑی جماعت " جمعیت علماء اسلام " کے نام سے تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیتی رہی اور سہلٹ اور سرحد ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی اسی " جمعیت علماء اسلام " کے اکابرین کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ دارالعلوم دیو بند جیسے شہرہ آفاق مرکز علوم اسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ان علماء کرام کے سرپرست اور مربی تھے جو مسلمانوں کی الگ تنظیم اور حصول آزادی کے لئے جدوجہد کو ناگزیر سمجھتے تھے وہ مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح کے زبردست حامی تھے ۔اسی نظریہ کے تحت انہوں نے اپنے متوسلین متبعین میں سے جن جید علماء کرام کو ہدایت فرمائی کہ وہ پوری طاقت سے قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں ان میں

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ۔

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ

مفتی عبدالکریم گمتھلوی صاحبؒ

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۸۱۹ مضمون حافظ اکبر شاہ بخاری صاحب

مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری صاحبؒ
مفتی محمد حسن امرتسری صاحبؒ
مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مولانا اطہر علی سلہٹی صاحبؒ
مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ
مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کو سیاسی ہنگاموں سے طبعاً دلچسپی نہ تھی، مگر ملکی وقومی ضرورت کے پیش نظر دینی خدمت کے جذبے سے شرکت کا ارادہ کرلیا اس وقت دارالعلوم دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔

ایک گروپ کانگریس کا ساتھ دے رہا تھا اور دوسرا گروپ جس میں دارالعلوم دیوبند کے
سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
مہتمم حضرت قاری محمد طیب
صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی
پر مشتمل تھا کانگریس کا سخت مخالف تھا جب ان حضرات نے یہ محسوس کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں رہ کر اگر اختلافات بڑھ گئے تو یہ دارالعلوم دیوبند کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ دالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر الگ ہوگئے، اور خود کو تحریک پاکستان کے لئے وقف کردیا۔

اسی زمانے میں حضرت مفتی صاحبؒ نے کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی جس میں مطالبہ پاکستان کے سیاسی مصالح اور اس مطالبہ کی شرعی حیثیت قرآن وسنت کی روشنی میں مستحکم دلائل سے تحریر کی؛ اور ثابت کیا کہ ان حالات میں کانگریس کی حمایت نامناسب ہے جس میں حصہ لینا قرآن وسنت کی روح سے نامناسب ہے۔

جید علماء وقت جن میں
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔
مولانا ظفر احمد عثمانی۔
مفتی جمیل احمد تھانوی
سید سلیمان ندویؒ نے اس فتویٰ کی پرزور تائید کی
نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستان کی قسمت کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر وسہارنپور وغیرہ حلقہ انتخاب سے کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طرف سے لیاقت علی خان مرحوم کھڑے تھے اس حلقہ میں "جمعیت علماء ہند" کا

سب سے زیادہ اثر تھا اس لئے مسلم لیگ کی کامیابی سب کو مشکل نظر آرہی تھی اور سہارنپور کے عوام کا مطالبہ تھا کہ اس حلقہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ چنانچہ مسلم لیگی زعماء نے حضرت مفتی صاحبؒ کا فتویٰ حاصل کیا اور اسے شائع کرا کر بڑے بڑے پوسٹروں کی شکل میں پورے حلقہ انتخاب میں چسپاں کر دیا گیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ کانگریس کے امیدواروں کو ووٹ دینا صحیح نہیں۔ مسلم لیگ کے امیدوار اس کے صحیح حق دار ہیں "حضرت مفتی صاحبؒ" کے اس فتوٰی نے انتخاب کی فضا کو یکسر بدل دیا اور مسلم لیگ کی جو شکست یقینی نظر آرہی تھی کامیابی میں تبدیل ہوگئی اور یہ حقیقت ہے کہ اگر مفتی صاحب کا فتوٰی شائع نہ ہوتا تو مسلم لیگ کی شکست بالکل یقینی تھی اس کا اعتراف خود لیاقت علی خاں مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ کی بدولت ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ان کا فتوٰی شائع ہوتے ہی ہوا کا رخ بدل گیا۔

((ماہنامہ "الرشید" لاہور ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ)

سرحد اور سلہٹ کے علاقے پاکستان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے سامنے ۱۱ جون ۱۹۴۷ کو اس بات کا اظہار کیا کہ یہ دونوں علاقے ہر قیمت پر پاکستان میں شامل ہونے چاہئیں ان تینوں بزرگوں نے وعدہ فرمایا کہ وہ سرحد اور سلہٹ کے علاقوں کا دورہ کرینگے اور مسلم لیگ کی کامیابی کی سر توڑ کوشش کرینگے۔

اس کے بعد علامہ عثمانی اور مفتی صاحب نے سرحد کا محاذ سنبھالا اور صوبہ سرحد کا تاریخی دورہ کیا جن علاقوں میں فضا مسلم لیگ کے بالکل خلاف تھی ان بزرگوں کے دوروں نے یکدم بدل ڈالی اور مسلم لیگ کے لئے راہ ہموار ہوگئی اگر شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس موقع پر دورہ نہ کرتے تو اس ریفرنڈم میں پاکستان کا میابی چنداں آسان نہ تھی۔ (۱)

سیاسی مبصرین کی رائے یہ ہے کہ اس نازک وقت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرحد کا دروہ نہ کرتے تو ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی ناممکن تھی اس بات کا اندازہ خود قائداعظم محمد علی جناح کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس وقت کہے جب ان حضرات علماء نے سرحد ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائداعظم کو مبارک باد دی اس مبارک بادی کے جواب میں کہا

اس مبارک بادی کے مستحق آپ حضرات ہیں یہ ساری کامیابی آپ حضرات علماء کی بدولت ہوئی ہے

(حصول پاکستان مؤلفہ پروفیسر احمد سعید تھانوی) (۲)

جب حکومت برطانیہ نے ہندوستان سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تو نئی صورت حال پر غور کرنے کے لئے ۳ جون ۱۹۴۷ء

---

(۱) مفتی اعظم نمبر ص ۸۲۲ مضمون حافظ اکبر شاہ بخاری صاحب

(۲) مفتی اعظم نمبر ص ۸۳۰

کو دھلی میں مشترکہ ھندوستان کی اسمبلی کے مسلم ارکان کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں شرکت کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو خاص طور پر مدعو کیا گیا جن کی بدولت مسلم لیگ نے انتخاب جیتے تھے۔ وہاں پورے غور وخوض کے بعد پاکستان قبول کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس سے عیاں ہے کہ مفتی صاحب تعمیر پاکستان میں ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان دو حضرات کو قائد اعظم کے ایماء پر مدعو کیا گیا تھا جو دل سے ان کا احترام کرتے تھے۔

غرضیکہ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف قائد اعظم اور مسلم لیگی زعماء کی خدمات ہیں تو دوسری طرف علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کی بھی اتنی ہی خدمات ہیں۔

اس لئے پاکستان کو دونوں طبقوں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہئے حضرت مفتی اعظم اور دوسرے بزرگوں نے پاکستان کے لئے جدوجہد اور تگ ودو محض اس مقصد کے لئے کی تھی کہ اس خطۂ زمین میں پاکستانی مسلمان قرآن وسنت کے قوانین نافذ کریں گے اور اپنی تہذیب، اپنی ثقافت، اپنے علوم وفنون اور اپنی اردو زبان کو فروغ دینے کے لئے کسی کے تابع اور محتاج نہیں رہیں گے (۲)

ہجرت پاکستان : ھجرت پاکستان کا واقعہ خودؒ حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔

پاکستان وجود میں آیا تو اس کی محبت اور اس میں پیش آنے والے دینی اور علمی ضرورتوں کے تصور نے ترک وطن کے جذبات دل میں پیدا کرنے شروع کردئے دیوبند جو میرے لئے وطن جسمانی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے لائے ہوئے علوم کے ایک مرکز کی حیثیت سے وطن ایمانی بھی تھا۔ عمر عزیز کے ۵۳ سال اسی سرزمین میں گزرے اور اسی میں بال سفید ہوئے کبھی ایک مہینہ سے زائد اس سے غیر حاضر نہ رہا

ایک طرف وطن مالوف کی محبت کا گہرا نقش عیال کی کثرت، مالی وسائل کا فقدان زنجیر پا بنے ہوئے تھے ہلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ دوسری طرف یہ نیا ملک پاکستان جو مدتوں کی تمنا اور ہزاروں کوششوں اور محنتوں کے بعد وجود میں آیا، اسکی طرف جانے اور وہاں اس ملک کو صحیح معنیٰ میں اسلامی ملک بنانے کے لئے جدوجہد کا جذبہ ترک وطن پر مجبور کر رہا تھا

ایک عجوبہ قدرت یہ تھا کہ میں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے جدی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں پانچ بچوں کے ساتھ نہایت تنگی کے ساتھ گزارا تھا، اس دور انقلاب سے چند سال پہلے (۱۳۵۱ھ میں) حق تعالی نے ایسے اسباب جمع فرمادیے کہ جدی مکان کے عقب میں ایک افتادہ زمین خرید کر اپنا نیا مکان دو منزلہ اپنی مرضی اور ضروریات کے مطابق بنالینے میں کامیابی حاصل ہو گئی، ساتھ ہی فارغ اوقات یک سوئی سے گزارنے کے لیے شہر کے قریب ایک باغیچہ اپنے ہاتھ سے لگایا عجیب اتفاق تھا کہ جس سال مکان کی تعمیر مکمل ہوئی اسی سال باغ پر پہلا پھل نمودار ہوا اور یہی وہ وقت تھا جب ترک وطن کا جذبہ دل میں ابھرا رہتا تھا اور بالآخر اللہ تعالی کے نام پر اس دار و دیار اور گھر اور باغ کو چھوڑ کر پاکستان جانے کا فیصلہ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں کر لیا گیا۔

۱) مفتی اعظم نمبر۔ص۔۸۳۰ مضمون جناب منشی عبدالرحمان صاحب
۲) مفتی اعظم نمبر۔ص۔۸۲۴ حافظ اکبر شاہ بخاری صاحب

اپنے ساتھ غیر شادی شدہ بچے اور ان کی والدہ تھیں ، اور گھریلو سامان میں سے صرف بدن کے کپڑے اور علمی سامان میں سے صرف اپنے مسودات ، باقی سب عیال اور سامان اور مکتب خانہ دیوبند میں چھوڑ کر ۲۰ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی سنہ ۱۹۴۸ء کو دہلی کے لیے روانہ ہو گیا ، وہاں سے براہ جودھپور کھوکھراپار پھر کراچی پاکستان منتقل ہو گیا مجھ جیسے کم ہمت مبتلائے حب وطن جس کو ابھی مرضی کے مطابق گھر نصیب ہوا ، اور اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے باغ کا پہلا پھل اپنی ابتدائی حالت میں نمودار ہوا یہ وقت صبر آزما تھا۔ اور کسی طرح اندازہ نہ تھا کہ اس عظیم انقلاب کو برداشت کر سکوں گا ، لیکن اللہ تعالی کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ اس نے اسی وقت میرے قلب کو ان سب چیزوں سے ایسا بے نیاز بنا دیا کہ حیرت ہو گئی جس وقت میں نے مکان سے قدم نکالا مکان میرے دل سے نکل گیا۔ حسن اتفاق سے یہ ھجرت اس وقت ہوئی جب کہ میری عمر ترپن سال کی تھی جس سے اللہ تعالی نے ہجرت نبوی ﷺ کی سنت کا اتباع نصیب فرمایا ، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا سن شریف بھی بوقت ہجرت ترپن سال تھا۔

نقل وطن کے بعد ایک نئے ملک نئے ماحول ، وطن اصلی سے بہت دور آکر آب و ہوا سے بے حد مختلف شہر کراچی میں ایک ایسے مکان میں قیام کیا جہاں آسمان صرف دریچہ سے نظر آسکتا تھا ، اور وہ بھی ایک مہربان نے رہنے کے لیے دیدیا تھا۔ جس کے ہر وقت ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ جانے پہنچانے والے گنے چنے چند نفوس تھے یہ وقت بیگانگی ہی بیگانگی کا دور دورہ تھا ، جو بچے ساتھ تھے وہ اتنے چھوٹے کہ بازار کی ضرورت بھی انکے سپرد نہ کر سکتا تھا راستے معلوم نہیں بازار کا اندازہ نہیں گھر میں کوئی سامان نہیں ہر چیز خریدنے و بنانے کی ضرورت سامنے ، باقی ماندہ عیال اور ضعیف والدہ ماجدہ کی مفارقت سے دل زخمی۔

مگر شکر ادا نہیں ہو سکتا اپنے مالک کا کہ اس نے ہر قدم پر دستگیری فرمائی اور ان حالات میں بھی عیال والدہ ماجدہ کی فکر تو ہوتی ، مگر باغ جائیداد کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آئے ، اللہ تعالی نے چھ ماہ کے اندر یہ مشکل بھی حل کر دی کہ والدہ ماجدہ اور باقی عیال بھی کراچی پہنچ گئے۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے اعزہ واحباب بھی کراچی پہنچنے لگے اور کراچی نے وطن اصلی کی جگہ لے لی۔ سات سال مختلف کرایہ کے مکانوں میں کہیں راحت سے کہیں تکلیف سے گزر گئے پھر اللہ تعالی نے ایک وسیع جگہ لسبیلہ ہاؤس پر مکان بنانے کے لیے عطا فرمادی اور وطن کے چھوڑے مکان سے اور اپنے ارادہ اور خیال سے کہیں بہتر اور وسیع مکان بن گیا (ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة) مہاجرین کے لیے قرآنی وعدہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آگیا (۱)

(۱) مفتی اعظم نمبر۔ص۔۲۱۸ منقول از نقوش وتاثرات سفر نامہ حضرت مفتی صاحبؒ

آپ کا تاریخی کارنامہ
پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں آپ کی کوششیں
اور قرارداد مقاصد

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے اس موضوع پر مفتی اعظم نمبر میں جو تحریر فرمایا ہے اس میں سے کچھ اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں - فرماتے ہیں ، قرارداد مقاصد جو پاکستان کے ہر آئین میں بطور دیباچہ شامل چلی آرہی ہے - اور سنہ ۱۹۷۳ کے موجودہ آئین میں بھی شامل ہے ، یہ وہ اہم قومی دستاویز ہے جس میں مملکت خداداد پاکستان کے مقاصد اور قومی جہد وعمل کی سمت قرآن وسنت کی روشنی میں مقرر کی گئی ہے اور ان بنیادی حدود کا تعین کیا گیا ہے جن پر دستور سازی کے تمام مراحل انجام پانے تھے ، اور جن کی پابندی دستور ساز اسمبلی کو اور پاکستان کے ہر آئین کو کرنی تھی یہ تاریخی دستاویز پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے سب سے پہلا ٹھوس قدم تھا ، اب تک پاکستان کے دستور وقانون میں جو جو اسلامی دفعات شامل ہوئیں ، یا آئندہ شامل ہونگی ، وہ سب درحقیقت اسی ، قرارداد مقاصد کی مرہون منت ہیں -

قرارداد مقاصد اگرچہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے وزیراعظم شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے پیش کی تھی ، مگر اس کا مسودہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت والد صاحبؒ نے طویل غور وخوض کے بعد مرتب فرمایا تھا - اس کی تیاری اور اس کے بعد اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں شیخ الاسلام کو طویل علمی اور سیاسی جدوجہد کرنی پڑی ، برسراقتدار طبقہ کا ایک گروہ اس راہ میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کررہا تھا - قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے اس گروہ کے علی الرغم شیخ الاسلام کی حمایت کی ، اور اسمبلی میں ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۹ ، کو قرارداد مقاصد خود پیش کر کے اسے منظور کرایا ، حضرت والد صاحبؒ ان تمام مہمات میں شیخ الاسلام کے ساتھ برابر شریک رہے (۱)

مختلف کاوشیں : پاکستان بننے کے بعد جب دستور سازی کا کام جاری تھا ، اس وقت علماء کرام نے اسلامی دستور سازی کے لیے انتہائی کوششیں کیں اپنی کوششوں کے دوران مخالفین کی طرف سے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ اسلام کا سرے سے کوئی دستور مملکت ہی نہیں اس کی عملی شکل کہیں بھی نظر نہیں آتی - اسلام کے مبینہ اصولوں پر تمام علماء متفق نہیں ہیں -

اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء جمع ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر اس کے جواب میں اسلامی مملکت کے بنیادی اصول ؛ جو ۲۲ نکات کے نام سے مشہور ہے تحریر کیے اور بڑے پیمانے پر اس کو شائع کرایا ان بنیادی اصولوں کی تیاری کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحبؒ کو سب سے زیادہ جدوجہد اور کاوش کرنا پڑی -

اس کے بعد مسٹر بروہی نے یہ جب اعلان کیا کہ ، قرآن میں دستور مملکت سے متعلق ایک لفظ بھی موجود نہیں "

اسکے جواب میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک مفصل کتاب "دستور قرآنی " کے نام سے لکھی ، جس میں انہوں نے

(۱) مفتی اعظم نمبر - ص - ۲۲۰

حکومت کے اغراض مقاصد۔ طرز حکومت۔ فرائض حکومت اور صدر مملکت کے اوصاف سے متعلق ۱۸ دستوری دفعات پیش کر کے قرآنی آیات کے ذریعہ ان کو ثابت کردیا کہ جس دستور اسلامی کا مطالبہ پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے وہ کتاب اللہ میں موجود ہے علماء وفقہاء کے اجتہادات وقیاسات پر مبنی نہیں۔

بورڈ آف "تعلیمات اسلام" کی رکنیت: پھر جب سنہ ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ آئین سازی کا کام شروع کیا تو قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے ایک اسلامی مشاورتی بورڈ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے اور اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کرے۔ یہ بورڈ مندرجہ ذیل چھ حضرات پر مشتمل تھا۔

۱۔ علامہ سید سلیمان صاحبؒ ندوی صدر
۲۔ حضرت والد صاحبؒ (حضرت مفتی صاحبؒ) رکن
۳۔ جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رکن
۴۔ جناب پروفیسر عبد الخالق صاحب رکن
۵۔ مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد (شیعہ عالم) رکن
۶۔ جناب ظفر احمد انصاری صاحب سیکرٹری

یہ بورڈ ۹ اگست سنہ ۱۹۴۹ء سے اپریل سنہ ۱۹۵۴ء تک تقریباً ساڑھے چار سال قائم رہا۔ اور حضرت والد صاحبؒ شروع سے آخر تک اس کے ممتاز رکن رہے اس بورڈ نے نہایت عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کے لیے جو سفارشات پیش کی تھیں اگرچہ سنہ ۱۹۵۶ء اور سنہ ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں ان کی جھلک کسی حد تک موجود تھی لیکن افسوس کہ اس بورڈ کی تمام سفارشات کسی بھی دور کے آئین میں نہ تو تمام کی تمام روبہ عمل لائی گئیں۔ نہ انہیں ارباب حل وعقد نے شائع کیا (۱)

لاء کمیشن کی رکنیت: بورڈ آف تعلیمات اسلامی کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک تھا، پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا، موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ نے حکومت پر زور دیا تو سنہ ۱۹۵۰ء کے اواخر میں ایک "لاء کمیشن" بنایا گیا جس میں علماء کرام کی جانب سے ابتداءً صرف علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کو ممبر بنایا گیا جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے تھے یہ وہ وقت تھا جب کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات کئی ماہ قبل ہو چکی تھی۔ جو حضرت والد صاحبؒ کے استاذ بھی اور پھوپھی زاد بھائی بھی۔ حضرت سید صاحبؒ نے محسوس فرمایا، کہ اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے "لاء کمیشن" میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شرکت ناگزیر ہے چنانچہ انہوں نے "لاء کمیشن" میں اپنی شرکت باقی رکھنے کے لیے حکومت کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ مفتی صاحبؒ کو بھی کمیشن کا رکن بنایا جائے بالآخر آپ کو اس کی بھی رکنیت قبول کرنی پڑی۔

---

(۱) مفتی اعظم نمبر۔ ص ۲۲۵ مضمون حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

یہ کمیشن بھی دو سال تک قائم رہا لیکن وزارتوں کے تغیر اور برسر اقتدار طبقہ میں کئی ایسے افراد کی طرف سے مسلسل رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار نہ تھے اس کمیشن کی مساعی کوئی نتیجہ نہ پیدا کر سکیں۔

ایک موقعہ پر اس کمیشن کی ایک میٹنگ میں حضرت والد صاحبؒ نے کمیشن کے چیئرمین کو جو ایک جسٹس تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قانون سازی کا کام اسلامی رخ پر آپ چلنے نہیں دیتے اور غلط پر میں نہیں چلنے دوں گا نتیجہ یہ ہو گا گاڑی یہیں کھڑی رہے گی چنانچہ یہی ہوا، گاڑی کھڑی رہی (۱)

زکوٰۃ کمیٹی میں شرکت: تقریباً اسی زمانہ کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے مصارف وغیرہ کے اسلامی قوانین مدون کرنے کے لیے "زکوٰۃ کمیٹی" قائم کی تھی حضرت والد صاحبؒ اس کے بھی اول سے آخر تک رکن رہے، لیکن اس میں بھی صورت حال وہی پیش آئی جو "لاء کمیشن" میں پیش آئی تھی (۲)

مرکزی جمعیت علماء اسلام کی قیادت: ۱۳ دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہ کی وفات کے بعد حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے لیکن ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۵۳ء میں حضرت سید صاحبؒ کی وفات پرجہاں دستوری مساعی کی دوسری ذمہ داریاں حضرت والد صاحبؒ (حضرت مفتی صاحبؒ) کے کندھوں پر آپڑیں اسی کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کی صدارت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔

جتنے سرکاری اداروں میں آپ بحیثیت ممبر شریک ہوئے ان سب میں آپ نے اپنی شرکت کی یہ شرط ارباب حل وعقد سے ہمیشہ منوائی کہ ہم پر عوامی تقریر و تحریر کی وہ پابندیاں عائد نہیں ہونگی جو سرکاری ملازمین پر ہوتی ہیں چنانچہ صدارت جمعیت علماء اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ نے جمعیت کی جانب سے تحریک دستور اسلامی کے لیے مشرقی ومغربی پاکستان کے طول عرض کے بار بار دورے کیے اور ضلع ضلع میں پہنچ کر اسلامی دستور کے لیے عوامی شعور کو بیدار کیا، مغربی پاکستان کا ایک دورہ جو ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۵۵ء سے ۳ جنوری سنہ ۱۹۵۶ء تک جاری رہا، اس میں ناچیز راقم الحروف (حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی) اور برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی کو بھی شرف ہمرکابی حاصل ہوا جمعیت علماء اسلام کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے آپ نے ۳ سال تک جمعیت کی خدمات انجام دیں آپ کی مساعی جاری تھیں کہ ملک میں انقلاب آیا، اور جنرل محمد ایوب خان مرحوم نے مارشل لاء لگا کر تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیدیا۔

مگر سنہ ۱۹۷۰ کے انتخابات سے کچھ پہلے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کیمونزم اور سوشلزم پھیل جانے کے خطرات قوی ہوگئے اور سوشلزم کو عین اسلام باور کرانے کے لیے پروپیگنڈہ اور جلسے جلوس عام ہوگئے تو اس مسئلہ کی نزاکت نے پھر آپ کو جمعیت علماء اسلام کے احیاء پر مجبور کر دیا کیونکہ ضابطہ میں قائم مقام صدر آپ ہی تھے

---

(۱) مفتی اعظم نمبر-ص ۲۲۷ مضمون حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

(۱) مفتی اعظم نمبر-ص ۲۲۷ مضمون حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مغربی و مشرقی پاکستان کے تمام ارکان جمعیت کا اجلاس بلا کر جمعیت کی صدارت تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی طرف منتقل فرمادی اور خود کس عہدے کے بغیر امرکزی جمعیت علماء اسلام کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے اسلام اور سوشلزم کے درمیان جو بنیادی خلیج حائل ہے اسے تحریر و تقریر کے ذریعہ واضح فرمایا آپ نے ایک رسالہ اسلام کا نظام تقسیم دولت اور دوسرا رسالہ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہونگی؟ اسی دور میں تصنیف فرمائے جو کثیر تعداد میں شائع ہوئے تقریباً ایک سال اسی جدوجہد میں صرف ہوا جس سے مسئلہ کی وضاحت تو بحمداللہ پوری طرح ہو گئی، مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور کام کرتے ہیں انتخابات کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا، اور اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا آگیا (۱)

آپ کی عظیم یادگار جامعہ دارالعلوم کراچی: اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں۔ ہجرت پاکستان کے بعد حضرت والد صاحبؒ (حضرت مولانا مفتی صاحب) نے دو کاموں کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا ایک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد دوسرے کراچی میں یہاں کے شایان شان دارالعلوم کا قیام (ہجرت کے بعد جب آپ کا قیام آرام باغ کے قریب تھا اس وقت آپ نے) مسجد باب الاسلام کے احاطہ میں دروازہ کے اوپر آپ نے ایک کمرہ دارالافتاء کا تعمیر کرایا، تاکہ فتویٰ حاصل کرنے والوں کو سہولت ہو نقل فتاویٰ اور دارالافتاء کے انتظام کے لیے ایک صاحب کو تنخواہ پر رکھ لیا اور فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے لیے احقر کے استاذ محترم حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی اور حضرت مولانا امیر الزمان صاحب کشمیری کو مقرر فرمایا، پھر اللہ تعالی نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ محلہ نانک واڑہ میں سکھوں کے زمانہ کے ایک اسکول کی خالی عمارت دارالعلوم کے لیے عطا فرمادی، حضرت والد صاحبؒ نے ہمارے بہنوئی جناب مولانا نور احمد صاحبؒ کو ساتھ لیکر چندے کی اپیل اور سازوسامان کے بغیر محض سادگی سے مدرسہ قائم فرمادیا ایک استاذ اور چند طلبہ سے اس مدرسہ کا محض اللہ کے بھروسہ پر آغاز ہوا اور چند مہینے کے اندر اندر یہی مدرسہ دارالعلوم کراچی بن گیا۔ دارالعلوم کے ہر شعبے میں کام جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا اس کے سامنے موجودہ عمارت بہت تنگ محسوس ہونے لگی، ادھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت والد صاحبؒ (حضرت مفتی صاحبؒ) کی دلی تمنا تھی کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کے شایان شان دارالعلوم قائم ہو اس کے لیے وہ احاطہ زمین جس میں شیخ الاسلام کا مزار ہے شب و روز کی جدوجہد سے باضابطہ حاصل فرمایا اور دارالعلوم کو وہیں منتقل کرنے کے خیال سے نقشہ منظور کرا کے تعمیر کا کام شروع کرادیا مگر بعض لوگوں کی مزاحمت کے باعث کھدی ہوئی بنیادیں محض جھگڑا ختم کرنے کے لیے اسی حال میں چھوڑ کر نانک واڑہ واپس تشریف لے آئے حکومت اور رفقاء کار نے بہت زور دیا کہ تعمیر جاری رکھی جائے مگر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ دارالعلوم بنانا فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا فرض عین ہے فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگنا دین کی صحیح خدمت نہیں، میں جھگڑا مول لیکر یہاں ہرگز دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالی نے کورنگی میں والد صاحبؒ کو چھپن ایکڑ زمین دارالعلوم کے لیے عطا فرمادی پھر جدید تعمیرات

---

(۱) مفتی اعظم نمبر۔ ص ۲۳۲ مضمون حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

بقدر ضرورت مکمل ہوجانے کے بعد دارالعلوم یہاں منتقل فرمادیا اور نانک واڑہ کی عمارت میں دارلعلوم کے چند شعبے رہ گئے (۱)

دارالعلوم کے ابتدائی دور میں آپ نے مجلس منتظمہ کی درخواست پر ضرورت کے پیش نظر کچھ عرصہ کے لیے بطور تنخواہ ماہانہ پانچ سو روپے لینا منظور کرلیا پھر کچھ عرصہ بعد اس میں ازخود کمی کر کے تین سو روپے کر دیے اور پھر چند سالوں کے بعد وہ تین سو روپے لینا بھی ترک کردیا اور اس عرصہ میں جو رقم آپ نے وصول فرمائی وہ تقریباً ساڑھے بیالیس ہزار روپے بنتی تھی یہ رقم آپ نے تھوڑی تھوڑی کر کے دارالعلوم میں واپس داخل فرمادی یہ آپ کے تقویٰ وللہیت کی کھلی دلیل ہے اور اس للہیت کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کو دنیا کے عظیم دینی مدارس کی صف میں لاکھڑا کیا، اور پاکستان کے عظیم ترین دینی اداروں میں اسے ممتاز مقام حاصل ہے۔

دارالعلوم کے مختلف شعبے:۔اس وقت دارالعلوم ایک عظیم درسگاہ ہونے کی حیثیت سے پورے عالم میں مشہور ہے، جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ تبلیغ دین واشاعت دین کی عظیم خدمت انجام دے رہا ہے، اس کے مختلف شعبوں کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

درس نظامی: درس نظامی دینی علوم وفنون کے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے یہ دارالعلوم کا اہم ترین شعبہ ہے جس میں درس نظامی ۱۶ سالہ مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے جو ۶ مراحل پر تقسیم کیا گیا ہے ابتدائی پانچ سال میں پرائمری اسکول کی مکمل تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم قرآن کریم ناظرہ اور دیگر دینی کتب پڑھائی جاتی ہیں دوسرا مرحلہ متوسطہ کا ہے جس میں ۳ سال کے دوران مڈل اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی اور تجوید کی ابتدائی معتدبہ تعلیم دی جاتی ہے۔ تیسرا مرحلہ

ثانویہ عامہ کا ہے چوتھا مرحلہ ثانویہ خاصہ کا ہے، پانچواں مرحلہ عالیہ کا ہے چھٹا مرحلہ عالمیہ کا ہے۔ان چاروں مراحل میں سے ہر مرحلہ میں دو سال تعلیم دی جاتی ہے اور ان میں درس نظامی کا وہ نصاب جو وفاق المدارس پاکستان کی طرف سے طے شدہ ہے معمولی ترمیم کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے درس نظامی میں اساتذہ کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے اور طلبہ کی تعداد ۸۰۰ ہے اور ہر سال تقریباً ۷۰/۸۰ طلبہ درس نظامی سے فراغت حاصل کرتے ہیں جن کو وفاق المدارس کی طرف سے سند فراغت دی جاتی ہے دارالعلوم کی طرف سے بھی ایک سند دی جاتی ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں اور گورنمنٹ کے تمام اداروں میں ایم اے کے مساوی مانی جاتی ہے۔

چونکہ دارالعلوم کا وفاق المدارس پاکستان کے ساتھ چند سال پہلے الحاق ہوچکا ہے اس لیے اب ہر سال تمام مراحل کے آخری سال کا سالانہ امتحان وفاق المدارس کے تحت ہوتا ہے اس امتحان میں دارالعلوم کے طلبہ دوسرے مدارس کے طلبہ سے امتیازی پوزیشن حاصل کرتے ہیں چنانچہ سال گذشتہ یعنی شعبان سنہ ۱۴۰۹ھ کے سالانہ امتحان میں ۱۵ پوزیشنوں میں سے ۹ پوزیشنیں دارالعلوم کے طلبہ نے حاصل کیں۔

دارالقرآن:۔اس شعبہ میں قرآن کریم حفظ وناظرہ کی تعلیم حروف کی صحیح تخریج اور تلفظ کے ساتھ دی جاتی ہے اور چار اساتذہ اس شعبہ میں تعلیم دیتے ہیں، تقریبا ۲۵۰ طلبہ ہر وقت زیر تعلیم رہتے ہیں اور ہر سال تقریبا ۲۰، ۲۵ طلبہ حفظ قرآن کی تکمیل سے

---

(۱) مفتی اعظم نمبر-ص ۲۴۴

فراغت حاصل کرتے ہیں۔قرآن کریم کے علاوہ نماز واذکار اور دعائیں بھی طلبہ کو زبانی یاد کرائی جاتی ہیں

سیکنڈری اسکول: اس شعبہ میں پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک تعلیم دیجاتی ہے جس میں گورنمنٹ اسکول کے نصاب کے ساتھ ساتھ قرآن کریم ناظرہ، مکمل نماز واذکار اور دینی مسائل کی ابتدئی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں اس شعبہ میں تقریباً ۱۲ اساتذہ تعلیم دیتے ہیں اور اس وقت تقریباً ۵۰۰ ، بچے زیر تعلیم ہیں اس اسکول کو گورنمنٹ کی منظوری بھی حاصل ہے جس کی بنا پر یہاں کا دیا ہوا سرٹیفکیٹ تمام تعلیمی اداروں میں قبول کیا جاتا ہے ۔

دار الافتاء: دارالعلوم کا بہت اہم شعبہ ہے، جسے حضرت مفتی صاحبؒ نے سب سے پہلے قائم فرمایا اور اس کو آپ کی براہ راست سرپرستی حاصل رہی اس شعبہ کے ذریعہ عوام الناس کی دینی خدمت اور ان کی صحیح رہنمائی کی جاتی ہے روزانہ بیسیوں استفتاء ڈاک کے ذریعہ اور دستی یہاں آتے ہیں، اور ان کے مستند صحیح جواب تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجے جاتے ہیں۔اس وقت اس شعبہ کو تین مفتیان عظام چلارہے ہیں ایک

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم۔

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم۔

ان تینوں حضرات کی سرپرستی میں

جناب مفتی جناب مولانا عبد الرؤف صاحب

اور معاون مفتی جناب مولانا عبد المنان صاحب

مولانا کمال الدین صاحب بنگلہ دیشی

کام کررہے ہیں اور اب تک ۶۹۱۵۵ استفتاء کے جوابات یہاں سے دیے جاچکے ہیں

درجہ تخصص فی الفقہ والافتاء: اس درجہ کا مقصد طلبہ میں فقہ اور فتویٰ سے مناسبت پیدا کرنا ہے صرف ان طلبہ کو اس درجہ میں داخلہ دیا جاتا ہے جو ذی استعداد ذہین ہوں اور تحریر وانشاء اچھی ہو نحو وصرف، فقہ واصول فقہ پر اچھی واقفیت حاصل ہو اس کے علاوہ وہ کسی مشہور دینی مدرسے سے فارغ التحصیل ہوں اور دورہ حدیث کے امتحان درجہ علیا میں کامیاب ہوئے ہوں اس درجہ کا نصاب تین سال کا ہے۔ اس درجہ کو حضرت مفتی صاحبؒ کی سرپرستی حاصل تھی اور ان کی وفات کے بعد سے اس درجہ کے نگران اعلیٰ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہیں اس درجہ کا نصاب کا اکثر حصہ طلبہ خود مطالعہ کر کے پورا کرتے ہیں البتہ بعض اہم کتابیں خود مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم درساً پڑھاتے ہیں اس درجہ میں صرف دس طلبہ کو ہر سال داخلہ دیا جاتا ہے تیسرے سال میں طلبہ کو فقہ کے کسی خاص موضوع پر مقالہ لکھنے کے لیے دیا جاتا ہے مقالہ کی تکمیل کے بعد ان کو سند دی جاتی ہے۔

ماھنامہ "البلاغ": دارلعلوم سے ایک دینی رسالہ ماھنامہ "البلاغ" ۱۳۸۷ھ سے شائع ہورہا ہے جس کے مدیر حضرت مولانا محمد

تقی عثمانی صاحب مد ظلہم ہیں جس کا مقصد تحریر کے ذریعہ دین کی دعوت عام لوگوں تک پہنچانا اور ان کی صحیح رہنمائی کرنا ہے اس وقت یہ ماھنامہ دنیا کے بہت سے ممالک میں پڑھا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ رسالہ دین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو بے جاگانہ تعاقب کرتا ہے اور کسی مداخلت کے بغیر صحیح بات حکیمانہ اور ناصحانہ اصول کے تحت لوگوں تک پہنچاتا ہے اور اس رسالے میں جو اعتدال میانہ روی اور غایت احتیاط پائی جاتی ہے شاید ہی کسی دوسرے رسالے میں موجود ہو۔

کتب خانہ (لائبریری)

تعلیمی ادارے کے لیے لائبریری ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے شاید ہی کوئی تعلیمی ادارہ ایسا ہو جس میں چھوٹی موٹی لائبریری موجود نہ ہو جب حضرت مفتی صاحبؒ پاکستان تشریف لائے اس وقت اس زمانے میں چونکہ کراچی میں کوئی ایسی لائبریری نہیں تھی جس میں دینی کتابیں مہیا ہو سکیں اس لیے اس وقت کے علماء مسائل دیکھنے اور کتابوں کے مطالعہ کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس ہی تشریف لاتے تھے پھر جب دار العلوم کا قیام عمل میں آیا اس وقت آپ نے دار العلوم میں ایک مستقل لائبریری قائم کی اور اس میں کتابوں کا اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ عمارت تنگ پڑ گئی اور آخر کار آپ نے ایک اپنی زندگی ہی میں ایک تین منزلہ لائبریری کا نقشہ تیار کیا اور اس کی سنگِ بنیاد بھی رکھ دی لیکن افسوس! کہ ابھی کام آگے نہیں بڑھا تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اب الحمد للہ یہ عمارت مکمل ہو کر ایک عظیم لائبریری کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جس کا افتتاح شہید صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب مرحوم کے ہاتھوں ہوا۔

اس وقت لائبریری میں تقریبا ۴۵ ہزار کتابیں موجود ہیں جن میں قدیم کتب کے علاوہ سعودی عرب، بیروت، دمشق، اور مصر سے شائع ہونے والی جدید کتابوں کا بھی بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور بڑی خوبی کی چیز یہ ہے کہ اس لائبریری کو جدید کیٹالاک سسٹم سے آراستہ کیا گیا ہے جس میں ڈیوی کے سسٹم سے مدد ضروری لی گئی ہے لیکن اس سسٹم کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے اسلامی موضوعات کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید طریقے پر از سر نو مرتب کیا ہے کتاب کی تلاش تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے کتاب کے نام کے ذریعہ مصنف کے نام کے ذریعہ موضوع کے ذریعہ، اس طرح کتاب کی تلاش اور اس کو نکالنا بالکل سہل ہو گیا ہے شاید اس وقت پاکستان میں اسلامی موضوعات پر اس طرح کے جدید سسٹم سے آراستہ کوئی لائبریری نہیں ہے۔

مکتبہ دار العلوم: یہ دار العلوم کا اشاعتی ادارہ ہے جس میں دینی کتب کی اشاعت کے ذریعہ دین کی تبلیغ ہو رہی ہے

اس میں ان کتابوں کو شائع کیا جاتا ہے جن کی دین کے اعتبار سے لوگوں کو زیادہ ضرورت ہو، اس کے علاوہ دار العلوم کے اساتذہ اور مصنفین جو کتابیں تالیف یا تصنیف کرتے ہیں ان کو طبع کرایا جاتا ہے اب تک یہ مکتبہ پچاسوں کتابیں شائع کر چکا ہے جن میں اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی کی کتابیں شامل ہیں۔

طرزِ زندگی حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی ایک عام انسان کی سی زندگی نہیں تھی بلکہ آپ کی زندگی ایک عالم باعمل

ایک شیخ طریقت ایک مشفق استاذ ایک بہترین باپ کی طرح ایک با اصول زندگی تھی جسے دیکھ ایک عام انسان حیران ہو جاتا ہے کہ اس طرح زندگی گزارنا عام انسان کے بس کی بات نہیں آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص یہ خیال کرتا کہ حضرت صاحب کو جتنا تعلق اور جتنی محبت مجھ سے ہے اور کسی سے نہیں اولاد پر انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق اور ان کی تربیت کی پوری نگہداشت فرماتے اسی طرح اپنے شاگردوں ماتحتوں اور مریدین کے ساتھ جہاں شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے وہاں ساتھ ہی ان کے اخلاق اور انکے درجات کا خیال رکھتے۔

چنانچہ آپ کی زندگی کے چند پہلو یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

قناعت: دارالعلوم دیوبند میں مالی وسائل کی قلت تھی۔ اساتذہ کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوتی تھیں۔ قارئین کو حیرت ہوگی کہ دارالعلوم میں آپ کو صرف پانچ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا آپ نے اسی پر قناعت فرمائی پھر رفتہ رفتہ مشاہرہ میں تھوڑا تھوڑا اضافہ ہوا جب آپ چھبیس سال کی جلیل القدر خدمات کے بعد دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو اس وقت بھی مشاہرہ صرف ۶۵ روپے تھا اس عرصہ میں دوسرے مدارس سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلانے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپے مشاہرہ کی پیشکش بار بار کی گئی جہاں کام بھی دیوبند سے بہت کم تھا مگر پیش نظر تنخواہ کبھی نہیں تھی دیوبند کے قلیل مشاہرہ پر قناعت کی لیکن مادر علمی کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا (۱)

خدمت خلق اور بے نفسی: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ سردیوں کی ایک رات والد صاحبؒ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے برانچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں۔ وہاں اس زمانے میں بجلی تھی ہی نہیں۔ رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت اکا دکا کوئی مسافر آتا جاتا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہو گئی اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا ہر طرف جنگل اندھیری رات اور سناٹا اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمدورفت عموماً پیادہ ہوتی تھی۔ والد صاحب تنہا تھے سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی اچانک آواز آئی قلی قلی یہ آواز بار بار آرہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی کوئی صاحب مع اہل وعیال اس گاڑی سے اترے تھے قلی نہیں مل رہا۔ جو آبادی تک سامان پہنچادے یہ والد صاحبؒ کے واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے والد صاحب سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈال لی اور مزدورانہ ہئیت میں جلدی سے پہنچ کر کہا سامان اٹھواؤ کہاں جانا ہے؟ انہوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا۔ پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا اس پر دوسرا بکس رکھا تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے میں نے دونوں ہاتھوں بمشکل ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا حضور میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھالیں

یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہوا بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ٹارچ نے چھپا لیا تھا جو انہیں راستہ دکھا

(۱) مفتی اعظم نمبر۔ ص ۱۱۲

رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ نہ دیتی تھی ان کی قیام گاہ پر سامان اتار اوہ یہ کہہ کر اندر گئے کہ ابھی آکر پیسے دیتے ہیں میں موقعہ پاکر وہاں سے غائب ہو گیا اگلے دن وہ خانقاہ میں حسب سابق بڑی تعظیم سے ملے مگر انہیں کیا معلوم وہ ایک ؛ قلی ؛ سے مل رہے ہیں(۱)

ایک اور واقعہ :۔ آگے لکھتے ہیں حضرت والد صاحبؒ نے ایک اور واقعہ سنایا کہ :

میں دیوبند میں ایک دن نماز فجر کے لیے جارہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنویں سے بھر کر لارہی تھی، مگر اٹھانا دو بھر ہورہا تھا بمشکل چند قدم چل کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی مجھ سے دیکھا نہ گیا پاس جا کر کہا لاؤ اماں یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچادوں، یہ کہ کر میں نے گھڑا اٹھالیا، وہ جولاہوں کے محلہ میں رہتی تھی اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھی جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا، تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگی جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں اگلہ دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا ،واپسی پر دور تک پھر ان کی دعائیں سنتا رہا : میں نے یہ سوچ کر یہ سودا تو بڑا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنالیا بڑی بی بھی اسکی عادی ہو گئی اب میں کنویں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ انہیں ،ڈول بھی کھینچنا نہ پڑے۔

بحمداللہ ! یہ معمول عرصہ دراز تک جاری رہا یہاں تک کہ بڑی بی نے ہی آنا چھوڑ دیا شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتارہا ہوں تاکہ کچھ سبق حاصل کرو(۱)

نعمتوں کی قدر (حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند ارجمند جناب محترم ولی رازی صاحب تحریر فرماتے ہیں ؛ ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت والد ماجدؒ کی جو ہم سب لوگ محسوس کرتے یہ تھی کہ چھوٹی چھوٹی بظاہر بے قیمت اور ناکارہ چیزوں کی بہت قدر فرماتے تھے ہر شے کا یک الگ مصرف متعین تھا ، کسی چیز کو بیکار نہ جانے دیتے ، اور کوشش فرماتے کہ اس کو کسی مصرف میں لگالوں مثلاً جو رسالے یا دوسرے بنڈل ڈاک وغیرہ سے وصول ہوتے ، ان پر جو سُتلی بندھی ہوتی اس کو قینچی سے نہ کاٹتے بلکہ گرہ کھول کر سالم سُتلی نکالنے کی کوشش فرماتے۔ اور ان سُتلی کے ٹکڑوں کو کمرے میں ایک متعین جگہ پر جمع فرماتے رہتے اگر کبھی ہم سے کسی بنڈل کو کھولنے کا حکم فرماتے اور ہم سُتلی کو کاٹ کر الگ کرتے تو اکثر یہ کہہ کر تنبیہ فرماتے کہ :

تم بھی اناڑی ہو تمہیں بنڈل بھی کھولنا نہیں آتا اور یا تو خود گرہ کھول دیتے یا پھر گرہ کھولنے کا حکم فرماتے اسی طرح کاغذ کے تھیلے اور تھیلیاں جن میں گھر کی مختلف اشیاء آتیں انہیں ایک جگہ جمع فرماتے بہت سے خطوط ایسے آتے جن پر بہت سا سادہ کاغذ بچ رہتا انہیں پھاڑ کر ایک کاغذ کے ٹکڑوں کا ایک پیڈ سا بنا کر کلپ میں لگا کر اپنے پلنگ کے ساتھ والی دیوار پر لٹکایا ہوا تھا۔

اسی انتظام کا نتیجہ تھا کہ ان کے کمرے میں ضرورت کی تقریباً ہر شے محفوظ رہتی۔ سوچئے بظاہر یہ چھوٹا عمل اپنے

(۱)مفتی اعظم نمبر۔مضمون حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

نتائج اور مصرف کے اعتبار سے کتنے منافع اپنے اندر رکھتا ہے ایک طرف تو بے حقیقت نعمتوں کو ایک مفید مصرف عطا ہوا دوسری طرف ضرورت کے وقت لوگوں کو پریشانی اور تکلیف سے نجات ملی جب یہ چیزیں کسی مصرف میں استعمال ہوتیں، اور کسی کے کام آجاتیں تو حضرت والد صاحبؒ کے چہرے پر مسرت کے آثار کو نمایاں دیکھا جاسکتا تھا (۱)

وقت کی قدر: آپ کے ہر کام کے لیے ایک وقت معین تھا فتاوٰی کے کام کا وقت الگ تھا۔ تصانیف کے لیے الگ وقت، لوگوں سے ملاقات کا الگ وقت، وقت کو کبھی ضائع نہ فرماتے اور ہم لوگوں کو اکثر یہ فرماتے وقت کو کسی نہ کسی کام میں لگاؤ خواہ دنیا کا کام ہو یا دین کا (۲)

آپ کے لیے سب سے زیادہ تکلیف کی بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے۔ آپ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری اور بسا اوقات تفریحی گفتگو کے لیے بھی وقت نکالتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ کے دل میں کوئی الارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا تھا۔ چنانچہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد آپ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے سفر ہو یا حضر آپ کا قلم چلتا رہتا ریل گاڑی میں تو آپ ایسی روانی سے لکھتے کہ بندہ حیران رہ جاتا جیسے ہموار زمین پر بیٹھے ہوں اور تحریر میں کوئی خاص بگاڑ بھی عموماً پیدا نہیں ہوتا تھا حد یہ ہے کہ احقر نے آپ کو موٹر کار بلکہ رکشا تک میں بیٹھ کر لکھتے دیکھا ہے حالانکہ کار اور رکشہ کے جھٹکوں میں لکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، مگر آپ ہلکے پھلکے خطوط اس میں بھی لکھ لیتے تھے (۳)

اوقات کی ترتیب: آپ اوقات کی وسعت کے لحاظ سے مختلف کاموں کی ایک ترتیب ہمیشہ ذہن میں رکھتے، اور جتنا وقت ملتا اس کے لحاظ سے وہ کام کر لیتے جو اتنے وقت میں ممکن ہو مثلاً اگر گھر میں آنے کے بعد فون پر کوئی مختصر بات کرنی ہو تو وہ کر لی، گھر کی کوئی چیز بے ترتیب یا بے جگہ ہے اس کو صحیح جگہ رکھ دیا کوئی مختصر سی چیز مرمت طلب پڑی ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کی مرمت کر لی غرض جہاں آپ کو طویل کاموں کے درمیان کوئی مختصر وقفہ ملا آپ نے پہلے سے سوچے ہوئے مختصر کاموں میں سے کوئی کام انجام دے لیا حتیٰ کہ ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تمہیں نصیحت دلانے کے لیے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے انتہا یہ ہے کہ جب میں قضاء حاجت کے لیے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر لوٹا میلا کچیلا ہو تو اسے دھو لیتا ہوں (۴)

طرز معیشت: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحبؒ کا طرز معیشت ہمیشہ انتہائی سادہ رہا ساری عمر ایک ہی سا لباس اور ایک ہی سی وضع قطع کے پابند رہے نہ عسرت کے زمانے میں کبھی بخل سے کام لیا اور نہ فراوانی کے زمانے میں کبھی اسراف سے البتہ آمد و خرچ ہمیشہ انتظام کے ساتھ فرماتے ہر قسم کے اخراجات کی الگ الگ مد مقرر تھی جتنی آمدنی ہوتی ضرورت کے لحاظ سے مختلف مدوں میں تقسیم ہو جاتی اور جس مد میں جتنے پیسے ہوتے اسی کے لحاظ سے خرچ فرماتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

---

(۱) البلاغ کا "مفتی اعظم نمبر" ص ۳۲۸ - (۲) "مفتی اعظم نمبر" ص ۳۴۷ (۳) "مفتی اعظم نمبر" ص ۵۰۵ مضمون حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (۴) "مفتی اعظم نمبر" مضمون حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

تھوڑی آمدنی کو انتظام کے ساتھ خرچ کرے تو تھوڑی رقم میں بھی کام بن جاتا ہے اور بد نظمی سے کرے تو قارون کا خزانہ بھی کافی نہ ہو۔

مزید فرماتے کہ لوگ معاشی تنگی دور کرنے کے لیے آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں حالانکہ آمدنی کا بڑھنا غیر اختیاری ہے اور جو کام اپنے اختیار میں ہے اسے پہلے کرنا چاہیے یعنی یہ کہ اخراجات کم کیے جائیں اور قناعت اختیار کی جائے۔ جتنی آمدنی جائز ذرائع سے بس میں ہو اخراجات کا معیار اسی کے مطابق رکھا جائے

آپ کا معمول یہ تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ آپ کے پاس جب بھی کوئی رقم آتی تو اس کا ایک معین حصہ مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لیے علیحدہ فرمالیتے تھے اور طے یہ کیا ہوا تھا، کہ آمدنی محنت سے حاصل ہوئی ہے تو اس کا بیسواں حصہ (پانچ فی صد) اور اگر محنت کے بغیر حاصل ہوئی ہے تو (مثلاً انعام، ھدیہ، تحفہ وغیرہ) اس کا دسواں حصہ مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لیے علیحدہ نکال لیا جائے۔ بازار میں جو بھکاری عام طور پر مانگتے پھرتے ہیں ان کے ساتھ والد صاحبؒ کا عجیب طرز عمل تھا عام طور سے جو کوئی سائل آتا آپ اسے کچھ دیدیتے تھے ایک مرتبہ احقر موٹر میں آپ کے ساتھ تھا، کسی جگہ گاڑی رکی اور ایک سائل آدھمکا۔ آپ نے اپنی جیب میں سے کچھ نکال کر اسے دے دیا احقر نے پوچھا کہ اباجی! اس قسم کے سائل عام طور سے مستحق ہوتے نہیں ان کو دینا چاہیے یا نہیں؟ اس کا عجیب وغریب جواب آپ نے دیا وہ آج تک لوح دل پر نقش ہے فرمایا:

ہاں میاں! بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ سوچو کہ اگر ہمیں بھی اللہ کی طرف سے ہمارے استحقاق کی بنیاد پر ملنے لگے ہمارا کیا بنے گا؟

حضرت کے اس جواب سے واقعۃً رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اندازہ ہوا کہ اللہ والوں کی نظریں کہاں پہنچتی ہیں مگر ساتھ ہی یہ شبہ رہا کہ جس شخص کے لیے سوال کرنا حلال نہیں فقہا کرامؒ نے اسے دینے سے بھی منع کیا ہے۔ چنانچہ کچھ وقفے کے بعد احقر نے فقہا کے اس قول کے حوالے سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا:

جس شخص کے بارے میں یقین سے معلوم ہوجائے کہ اس کے پاس اتنے پیسے موجود ہیں اسکے لئے سوال کرنا حلال نہیں یہ حکم اس کے لئے ہے کہ اسے نہ دیا جائے، اور یہ حکم بھی اس لئے نہیں ہے کہ وہ مستحق نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی عادت خراب ہے لیکن سڑک پر جو اجنبی سائل سامنے آجائے ان کے بارے میں یقین سے یہ بات کہاں معلوم ہوتی ہے؟ اور محض بدگمانی کی بنا پر کسی سائل کو رد کرنا ٹھیک نہیں، ہاں جس جگہ یقین ہو وہاں تو بیشک نہیں دینا چاہیے (۱)

معاملات کی صفائی:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو معاملات کی صفائی کا بے حد اہتمام تھا چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت والد صاحبؒ کا معمول ساری عمر رہا ہے کہ معاملہ بیٹے سے ہو یا بھائی سے دوست سے ہو یا رشتہ دار سے شاگرد سے ہو یا مرید سے ہمیشہ واضح غیر مشتبہ اور عموماً تحریری شکل میں فرماتے تھے۔ اور آخر تک کی بات پہلے ہی طے فرمالیتے تھے۔ حدیہ

(۱) "مفتی اعظم نمبر" ص ۵۰۶

ہے کہ اگر اپنے بیٹوں سے کوئی لین دین ہوتا تو اس کی حیثیت بھی عام طور سے لکھ کر معین فرمادیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے کچھ کتابیں ہمارے مرحوم بھائی مولانا محمد زکی کیفی صاحب مرحوم کو فروخت کیں انہوں نے رقم بھیجی، جو شاید چند سو روپے تھی، تو آپ نے باقاعدہ اس کی تحریری رسید الگ کاغذ پر بنا کر بھیجی کہ اتنے روپے فلاں فلاں کتابوں کے عوض میں مولوی محمد زکی سلمہ سے وصول پائے۔

غرض حدیث میں جو ارشاد ہے

تعاشروا کالاخوان و تعاملوا کالاجانب"

رہو بھائیوں کی طرح مگر معاملات اجنبیوں کی طرح کرو

اس ارشاد گرامی پر جس اہتمام کے ساتھ حضرت والد صاحبؒ کو عمل کرتے دیکھا اس کی نظیر کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔

آگے فرماتے ہیں کہ

آخر عمر میں جب صاحب فراش ہوگئے تھے تو دارالعلوم کے انتظامی امور بھی چارپائی پر ہی انجام دیتے تھے، لیکن اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ دارالعلوم کی کوئی چیز کمرے میں رہنے نہ پائے فرنیچر اور برتنوں سے لیکر قلم دوات، کاغذ اور بال پین تک کوئی مدرسے کی چیز کمرے میں نہ آنے دیتے اور اگر کبھی کوئی چیز آجاتی تو فوراً اسے واپس بھیجنے کا انتظام فرماتے وجہ یہ تھی کہ وصیت نامہ میں آپ نے لکھ دیا تھا کہ اس کمرے کا جتنا سامان ہے وہ میری ملکیت ہے، ادھر ہر وقت آپ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاوے کے انتظار میں تھے اس لئے یہ خطرہ تھا کہ اگر انتقال کے وقت مدرسے کی کوئی چیز کمرے میں پڑی رہ گئی تو اسے ذاتی ملکیت سمجھ کر ترکے میں شامل نہ کرلیا جائے بلکہ اس بات کا اہتمام بھی فرماتے کہ والدہ صاحبہ مدظلہا (رحمۃ اللہ علیہا) یا ہمارے کمروں میں سے کسی کی کوئی چیز یہاں نہ پڑی رہے جو چیز وقتی طور پر آتی اسے فوراً واپس بھیج دیتے شاید اس کی وجہ بھی یہی ہو کہ وصیت نامے کے مطابق آپ کے دو کمروں کا سامان آپ کی ملکیت میں تھا، باقی گھریلو سامان آپ والدہ کو ہبہ فرماچکے تھے (۱)

اپنے ہاتھوں سے کام کرنا:۔ جتنا کام آپ کے لئے اپنے ہاتھ سے کرنا ممکن ہوتا عموماً اس کے لئے دوسرے شخص کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ بارہا اپنے کمرے کی جھاڑو خود دے لیتے کبھی کبھی کپڑے بھی خود دھولیتے، مہمانوں کے لئے دستر خوان بچھا کر خود کھانا لے آتے، غرض اپنے کسی کام سے نہ صرف یہ کہ کوئی اعراض نہیں تھا بلکہ اتباع سنت کی نیت سے اس قسم کے کاموں کا شوق تھا اور جب تک صحت رہی معمول یہی رہا کہ اگر ہم لوگوں کو کسی اور کام میں مشغول دیکھا تو ہمیں بلانے کے بجائے خود اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام دیتے یہ عادت اس قدر راسخ ہوچکی تھی کہ مرض وفات میں شدید بیماری کے دوران بھی جتنا کام خود کرنا بس میں ہوتا ہماری بار بار التجاؤں کے باوجود خود ہی کرتے (۲)

تواضع وفنائیت:۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں

---

(۱) "مفتی اعظم نمبر" ص ۵۱۳ مضمون حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (۲) "مفتی اعظم نمبر" مضمون حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

"اللہ تعالی نے حضرت والد صاحبؒ کو تواضع کا جو کمال عطا فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ علم وفضل کے دریا سینے میں جذب کرلینے کے باوجود انہیں اس بات کا ہر وقت یقین اور استحضار تھا کہ میں کسی رفعت و تعظیم کا ہرگز اہل نہیں ، صرف ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

ساری عمر آپ کا معاملہ یہ رہا کہ ملاقاتیوں کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا ۔ بلکہ جب کوئی آگیا خواہ کتنے ضروری کام میں مشغول ہوں اس سے ملاقات فرمائی اس طرز عمل کے نتیجے میں سخت دشواری اٹھانی پڑتی تھی بعض اوقات تصنیف وتالیف کے وقت لوگ پہنچ جاتے ،اور کام میں رکاوٹ پڑجاتی ---------- ہم لوگوں نے بارہا عرض کیا کہ ملاقات کے لئے ایک وقت مخصوص فرمادیں تاکہ جس کسی کو ملنا ہو وہ اسی وقت میں آکر مل لیا کرے اور بے وقت پریشانی نہ ہو لیکن آپ ہمیشہ اس بات کو ٹال جاتے تھے جب ہمارا اصرار بڑھا تو ملاقات کا وقت تو مقرر فرمایا لیکن اگر کوئی شخص دوسرے وقت آجاتا تو ملاقات سے انکار پھر بھی نہ فرماتے ۔

آخر ایک روز میں نے اپنی حماقت سے یہ عرض کردیا کہ اباجی ! حضرت تھانویؒ کے قدس سرہ کے یہاں تو ہر چیز کا نظام الاوقات مقرر تھا اور کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت نہ تھی ۔

احقر کی اس بات پر حضرت والد صاحبؒ اس روز پہلی بار کھلے اور فرمایا !

ارے بھائی ! میں حضرتؒ کے مقام ومنصب کی ہوس کروں تو مجھ سے زیادہ احمق کون ہوگا ؟ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا اس کی بنا پر انہیں حق پہنچتا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنے نظام الاوقات کا تابع بنائیں انہیں جن عظیم دینی کاموں کے لئے اللہ نے پیدا فرمایا تھا وہ اس کے بغیر کیسے انجام پاسکتے تھے اس کے علاوہ لوگوں کو اس سے انمول فائدہ پہنچتا تھا اس لئے اگر اس فائدے کے حصول کے لئے انہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑے تو کچھ حرج نہ تھا ،

لیکن میں کیا ہوں ؟میرا مقام کیا ہے ؟ میں خلق خدا کو کس بنیاد پر آنے سے روکوں ؟ میں نے وقت تو تمہارے کہنے سے مقرر کردیا ہے تاکہ لوگوں کو سہولت ہوجائے لیکن جو شخص محنت اٹھاکر پہنچ ہی گیا اسے واپس کرنے کا نہ مجھے حق ہے اور نہ میرے بس کی بات ہے ۔

اس روز پہلی بار اس طرز عمل کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں ؟

لہذا سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیرا

اور **من تواضع للہ رفعہ اللہ** کامثالی مظہر بنادیا تھا۔

صوفی محمد اقبال قریشی ہارون آباد

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ

کے تحریر فرمودہ چند فتاویٰ (بطور نمونہ)

کھانے پر فاتحہ دینے کا حکم:

سوال: جو کھانا فقیروں کے واسطے پکایا ہوا ن پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: کھانے پر فاتحہ پڑھنا بالکل بے اصل ہے (لیکن اگر ایسا کیا جائے تو یہ کھانا حرام نہیں ہوتا اس کا کھانا جائز ہے) نہ آنحضرت ﷺ سے کہیں ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین سے نہ آئمہ مجتہدین سے محض بدعت ہے سمجھنے کے لئے اتنی بات ہے کہ اگر یہ ثواب کا کام ہوتا تو صحابہ کرام جو ایسے کاموں کے عاشق تھے کبھی نہ چھوڑتے اور ہزاروں واقعات ان کے اس بارے میں منقول ہوتے۔ حالانکہ تمام کتب وتاریخ وسیر میں اس کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں کیا جاسکتا کہ بطرز مروج کھانے پر کسی نے فاتحہ پڑھی ہو اسلئے بدعت وضلالت ہے۔

کما فی الحدیث الصحیح کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار مشکوٰۃ

(امداد المفتیین ص ۱۵۷)

سامان جہیز لڑکی کی ملکیت ہے:

سوال: ایک شخص اپنی لڑکی کو جو کہ بیمار تھی اپنے گھر لے گیا اور مسماۃ کے شوہر سے حیلہ کر کے مسماۃ کا زیور جو کہ دونوں طرف سے چڑھایا گیا تھا واپس گھر لے گیا یہ عورت مر گئی بعد انتقال وہ زیورات پدر مسماۃ سے طلب کئے گئے بعد حیلہ یہ جواب دیا گیا کہ زیورات کو تیمارداری اور نان نفقہ میں رکھا گیا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں اور یہ زیورات کس کی ملک ہیں۔

الجواب: جو زیورات شوہر کے گھر کی طرف سے لڑکی کو دئے گئے وہ ہمارے عرف عام اور رواج کے مطابق شوہر کے ملک ہیں اور جو لڑکی کے میکے کی جانب کئے گئے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہیں بعد وفات لڑکی کے اس ورثہ میں حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم ہونگے والد مسماۃ کو اپنے حصہ سے زائد رکھنے کا حق نہیں اور دوا وغیرہ کا خرچہ کسی حال خاوند کے ذمے واجب نہیں خواہ بیوی اس کے اپنے گھر میں ہو اس لئے صرف تیمارداری میں زیورات رکھنے کا کوئی حق نہیں (پدر مساماۃ کو) کما فی اسشامیہ من النفقہ

(امداد المفتیین ص ۶۶۳)

جلد ۲ کما لا یلزمہ مداوا تھا ایستانة بدواء اعراض ولا اجرة الطبیب ولا الدصد ولا الحجامة الخ

(امداد المفتیین ص ۵۵۹)

طوطا حلال ہے:

سوال: طوطا حلال ہے یا حرام زید کہتا ہے کہ طوطا حرام ہے پنجہ سے ہر ایک چیز پکڑ کر کھاتا ہے!

الجواب: طوطا بلاشبہ حلال ہے اور زید جو حرمت پر استدلال کرتا ہے صحیح نہیں کیونکہ ذی مخلب جس کو حدیث میں حرام فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ پنجہ سے پکڑ کر کسی چیز کو کھائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جانور جو پنجے سے شکار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ طوطا شکاری جانور نہیں اور نہ پنجے سے جانوروں کا شکار کرتا ہے۔

قال فی الدر مختار ولا یحل ذوناب یصد بنابة فخرج نحو البصیر او مخلب یصد بمخلبة فخرج نحو الحمامة (کتاب الذبائحة) اور حیوانٰ میں طوطے کے کے متعلق لکھا ہے ولیست من ذوات السموم ولا من ذوات المخلب ولا امر یقتلها ولانهی عنه

الغرض حنفیہ کے نزدیک بلاشبہ طوطا حلال ہے حیوانٰ میں علامہ دمیری نے ایک قول حرمت کا بھی نقل کیا ہے مگر دمیری شافعی المذہب ہیں حنفیہ پر انکار قول حجت نہیں اور انہوں نے دوسرا قول حلت کے ساتھ نقل کیا ہے (ص ۱۰۴ لفظ ببعضاہ)

(امداد المفتیین ص ۹۲۹)

ڈاڑھی کے بال ایک مشت سے بڑھ جائیں تو کٹوادینا جائز ہے

سوال: ڈاڑھی ایک مشت سے زائد کٹوانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں اور بزرگان دین کا کیا عمل ہے؟

الجواب: درمختار میں ہے ولا باس بشت المشیب واخذ الطراف اللحیة والسنة فیها القبعه الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ طریقہ مشت ڈاڑھی سے زائد کٹوانا جائز ہے اور ابن عمرؓ کی حدیث کا یہی مطلب ہے کہ:

آنحضرت ﷺ ان زائد بالوں کو جو ایک طرف مشت سے زائد اور بڑھے ہوئے ہوں ان کو کٹوادیتے تھے اور ڈاڑھی کو برابر کردیتے تھے واللہ اعلم

(امداد المفتیین ص ۹۸۲)

فٹ بال کھیلنا:

سوال: فٹ بال کھیلنا صحت بدن کے لئے جس میں تالی بجائی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کھیل خواہ گیند کا یا کوئی دوسرا اگر اس سے محض لہو ولعب مقصود ہے تو مکروہ ہے اور اگر تفریح طبع یا رفع کسل یا تحصیل قوت مقصود ہو تو جائز ہے بشرطیکہ کسی ممنوع شرع پر مشتمل نہ ہو۔

قال الشافعی اما ذآ اقصد التلعی اوالفخر او للتری شجاعة فالظاہر الکراهیة وقال فی الدر المختار اما بدونه فیباح فی کل الملدعب ثم قال بعدذلک ویعلم به الفرسیة ویعین عین الجهاد بلا قصد التلهی کما یظهر من کلام فقها تنا مستدلینبقوله "لاتحضر الملائکة شیا من الملا هی سوی النعال ای الرمی والمسابقة الخ

اس سے معلوم ہوا کہ گیند کا کھیل بھی اگر بمقصد تلہی نہ ہو تو جائز ہے بلا کراہت وقد صرح به الشامی من القهستان حیث قال عن الملتقط من لعب بالعون لجان یدرید لافروسیة بوجوز کل ذلک من خطر الشامی (ص ۳۵۵ ج ۵)

فٹ بال فی نفسہ گیند کا کھیل ہے اسلئے وہ بھی بدلیل مذکور فی نفسہ جائز ہے لیکن آجکل دوسرے مکروہات بلکہ محض مجربات

محرمات مثل کشف ستر وغیرہ اس کے ساتھ مثل لازم ہوگئے ہیں۔ نیز عموماً اس کھیل کے حامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین ومذہب اورمذہبی احکام سے آزاد ہیں اور عموماً نیکر پہن کر کھیلتے ہیں جس میں کشف ستر ہوتا ہے ان کے ساتھ اتنا زیادہ اختلاط بھی کراہت سے خالی نہیں لہذا موجودہ صورت کیساتھ فٹ بال کھیلنا مکروہ ہے ہاں اسکول کے لڑکے قواعد اسکول کی وجہ سے مجبور ہوں تو اسکے لئے مضائقہ نہیں بشرطیکہ دوسرے منکرات سے بچیں۔

(امداد المفتیین ص ۱۰۰۰)

خراب نوٹ چلانا:

سوال: ایک نوٹ میرے پاس آگیا ہے جس میں تیل کا اثر ہے معلوم ہوا ہے کہ ایسے نوٹ کا یہ حکم ہے کہ دفتر کرنسی میں بھیجدیا جائے یا نوٹ اس نمبر کا چھاپ کر بھیج دیا جائے گا اور چھپائی لے لی جائے گی اگر بازار میں ہم اس نوٹ کو چلادیں تو کسی قسم کا گناہ نہیں۔

الجواب: نوٹ دراصل حوالہ ہے قرض کا اور صورت مذکور میں چونکہ اس حوالہ میں حوالہ قبول کرنے والے کا یعنی نوٹ لینے والے کا ضرر ہے کہ اسکو چھپائی یا اجرت دینی پڑے گی اس لئے بغیر اس کی اطلاع ورضا کے دینا جائز نہیں ہے۔

(امداد المفتیین ص ۱۰۲۶)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ:

جبری پراویڈنٹ پر جو سود کے نام پر رقم ملتی ہے شرعاً سود نہیں بلکہ اجرت تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہے اس کا لینا اور استعمال میں لانا جائز ہے البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس میں تشبہ بالربوٰ بھی ہے اور ذریعہ کا خطرہ بھی اس لئے اس سے اجتناب کیا جائے۔

۲- اور پراویڈنٹ کی رقم وصول ہونے پر زکوۃ کا حکم امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق یہ ہے کہ سالہائے گذشتہ کی زکوۃ واجب نہیں وصول ہونے کے بعد قواعد شرعیہ کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی۔

(پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کے مسائل)

عورت کے لئے کچے پکے رنگ کا استعمال جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے اس میں کچے اور پکے رنگ سے عورت کے لئے کپڑا رنگانا جائز ہے کیونکہ اس میں شراب پڑتی ہے؟

الجواب: یہ کچا اور پکا رنگ عورت کے لئے جائز ہے فتویٰ اسی پر ہے اسمیں وہم نہ کرنا چاہیے لیکن جائز ہے احتیاط کی جا۔۔۔ واللہ اعلم (امداد المفتیین ص ۲۵۹)

نماز عیدین کے بعد کی دعاء:

سوال (۲۸۶) عیدین کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین نے دعاء مانگی ہے یا نہیں ؟اگر جائز ہے تو عید کی نماز کے بعد یا عید کی نماز کے خطبہ کے بعد اور اگر ناجائز ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام ہے بینا تو جروا ؟

الجواب: احادیث قولیہ میں نبی کریم ﷺ باسانید صحیحہ نماز کے بعد جس میں نماز عید بھی شامل ہے دعاء مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے اگرچہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لئے حدیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعاء مانگنا جائز و مستحب ہوگا اور بعض حدیث قولیہ یہ ہیں:۔

روی عن براء بن عاذب قا ل قال رسول اللہ من قال وبد کل صلوۃ استغفراللہ واتوب الیہ غفرلہ وان کان فرمن الزححف رواہ الطبرانی فی الصغی والوسط وعن معاذ فی حدیث طویل معفوعا اوصیک یامعاذ لاتد عن دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم انی علی ذکرک وشکرک وحسن بادتک رواہ ابوداؤد وانسائی والفط لہ وابن خذیمۃ وابن حبان فی صحیتحہماوالحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین (واللہ تعالیٰ اعلم)

(ترغیب للمندری ص ۸۶۲ ج ۱)

ریڈیو پر عورت سے خبریں سننا:

سوال: بریڈیو پر بعض مرتبہ عورت خبریں نشر کرتی ہے تو کیا ایسی صورت میں خبریں نہیں سننا چاہیے کیونکہ غیر محرم کی آواز ہے ؟

الجواب: ضرورت کے وقت مضائقہ نہیں جبکہ اپنے نفس میں کوئی شر محسوس نہ ہو۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ۱۸۷)

حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک اہم استفتاء

اور اس کا ناصحانہ جواب

استفتاء (۱)

مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب مدظلہ!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی جلد ۱ شمارہ ۱۱ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء ص ۳۸ میں مسئلہ حیات النبی ﷺ میں جناب کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے اس کے ابہام واجمال کی وجہ سے بہت سے ناظرین کو مغالطہ ہوا یا غلط فہمی ہوئی ہے۔

لہذا مودبانہ عرض ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں تشریح فرما کر مغالطہ اور غلط فہمی کو دور فرمایا جاوے۔

۱- عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ بجسد العنصری حیات دنیوی کی طرح زندہ ہیں یا روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں گو جسم

سلامت مانا جائے حیات صرف روحانی ہے آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

۲- عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ بجسد العنصری زندہ اعتقاد کرنا، آیا اکابر علماء دیوبند کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ؟

۳- اگر متفق علیہ مسئلہ ہے تو جو علماء عالم برزخ میں آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی کے منکر ہو کر صرف حیات روحانی کے قائل ہیں اور قائل ہی نہیں بلکہ شب وروز حیات جسمانی کی تردید کو موضوع بحث بناتے ہوئے اور آپ کے محولہ بالا فتویٰ کو (جو ملف ہذا ہے) تائید پیش کرتے ہیں کیا یہ اس مسئلہ میں دیوبندیت سے ہٹے ہوئے یا بالفاظ دیگر دیوبندیت سے خارج ہیں یا نہیں؟

۴- اگر تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں تو جناب اپنے فتویٰ کی ایسی مفصل تشریح فرمادیں کہ مغالطہ اور غلط فہمی دور ہوجائے

بینوا وتوجروا

السائل یکے از خدام علماء دین - ملتان ۲۸-۹-۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومنا المحترم دامت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے، کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشاء کچھ زیادہ مبہم نہ تھا، مگر تعمیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہو کہ میرے نزدیک عوام کا یہ اجمالی عقیدہ یہ کہ حضرت رسول کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے ایمان ونجات کے لئے کافی ہے ان کے ذہنوں کو ان تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں خصوصاً ایسے زمانہ میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام فرائض وواجبات اور حلال وحرام تک کی خبر نہیں اور انکو کسی واقعی مجبوری یا غفلت کی بنا پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں ہمارے لئے اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہ ہوگی کہ ان کو ضروری احکام دین بتلانے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں، جس بزرگ یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کردی ہے میرے نزدیک کوئی ثواب کا کام نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو ہیں تو علماء کو چاہیے کہ صرف علمی مجلس میں بیٹھ کر ان کو سلجھائیں۔

عوام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریراً یا تحریراً کرانا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

اس لئے پچھلے جواب میں احقر نے قصداً مسئلے کی تفصیل و تنقیح سے گریز کیا تھا اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔

جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے، جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام مکلف نہیں ہیں بلکہ ان کی حیات برزخی ہے بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا ان کی ازواج مطہرات بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے، جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں بیہقی نے فرمایا۔

والحیاۃ الانبیاء بعدالممات شواھد من الاحادیث صحیحۃ ۱۶۳۶

اس تصریح میں ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے روح پر نہیں اس لئے حیات بعد الموت وہی ہوسکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو۔ اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کئی معانی نہیں۔

اور شفاء انقام میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلے کی تحقیق کے لئے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے۔

وقد ذکرنا ہ من الجماعۃالعماء وشھد لہ صلوۃ موسی فی قبرہ فانالصلوۃ یستدعی فسدا حیا وکذآ لک الصفات المذکور فی النبیا ءلیلۃ الاسراء کلھا صفات الاسام م ولا یلتمز منکونھا حقیقۃ انیکون لابد ہا معھا کما کانت فی الدنیا عن الاحتاج واشرب والامتناع عن النفوذ فی الحفاب الکثیف وغیرہ ذالک من صفات الجسام التی تشاہد ہا بل قد تکون لھاحکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیات الحیقیقۃ لھم .

(شفاء الاسقام سبکی ص ۱۴۳)

اسکے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔

فلم یبق الانعام حیات حقیقۃ وہو قول جمہور العلماء لکن حل ذالک للروح وقط وللجسد معھا فیہ قولان۔

اسکے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کی حیات تو کچھ ان سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے جمہور امت کا یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔

۳،۴۔ مسئلہ مذکورہ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں سلف اور جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام ہے؛ جو عقیدہ جمہور اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے، وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی سے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ **واللہ الموفق للسدار.**

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام کے تفصیل کے درجات کی خالص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے عوام میں نفیاً یا اثباتاً اس بحث کو ڈالنا نہ ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی خدمت ہے۔

جو بحث کسی طرح رسالوں یا اشتہاروں کی صورت چل چکی ہے اسے وہیں ختم کرکے اگر ہمت کرنا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہۃً بحث کرلی جائے۔

والسلام دستخط بندہ محمد شفیع غفرلہ دارالعلوم کراچی

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جو بلند مقام عطا فرمایا تھا اس کا یہی تقاضا تھا کہ آپ وفات سے پہلے اپنی پوری زندگی کا خلاصہ اور نچوڑ اور مقصد چند الفاظ میں بتادیں۔ چنانچہ وفات سے پہلے آپ نے جو نصیحت فرمائی اور جو اہم کام انجام دیے اس کو مختصراً حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند ارجمند جناب محترم ولی رازی صاحب کے مضمون سے نقل کیا جاتا ہے۔

عید کے روز تمام اولاد کو عیدی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ پچھلے سال بھی ہم نے آخری عیدی سمجھ کر دی تھی اور اس مرتبہ تو خیر ظاہر ہے۔ پھر ہم کہاں بیٹھے رہینگے۔ اس کے بعد سب کو اہتمام سے بلایا اور کہا اچھا بھائی تم نے عیدی لے لی اب ہماری دو تین باتیں سن لو فرمایا کہ:

لمبی چوڑی باتیں کرنے کی نہ طاقت ہے نہ وقت، مختصر سی ایک دو باتیں غور سے سن لو اسکے بعد فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک پر وفات کے وقت جو الفاظ جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے وہ یہ تھے۔

اصلوٰۃ الصلوٰۃ اتقوا اللّٰہ وماملکت ایمانکم

ترجمۃ "نماز کا خیال رکھو نماز کا خیال رکھو اپنے زیردستوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو"

اس کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں نماز کی اہمیت اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں نہایت مؤثر نصیحتیں فرمائیں اور فرمایا کہ۔

آدمی اس وقت نمازی نہیں ہوسکتا جب تک جماعت کا پابند نہ ہوجائے اور جو جماعت کا پابند نہ ہو اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے کہ وہ نمازی ہے نمازی تو جماعت سے بنتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ:

اپنی نمازوں اور عبادتوں پر نظر رکھنی چاہیے یاد رکھو کہ جو آدمی نماز روزہ کرکے خود کو نیک اور صالح سمجھنے لگے اس سے زیادہ کوئی خسارے میں نہیں ہے ساری نمازیں منہ پر ماردی جائیں گی۔

تیسری بات پردے کی شرعی پابندی کی بابت فرمائی کہ:

پردے کا اپنے خاندان میں پورا اہتمام کرو اور نئی تہذیب کی لعنت کو اپنے گھروں میں نہ آنے دو فرمایا

بس! میری یہی وصیت ہے اس کو پلے باندھ لو

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

یہ وصیت آپ نے عید الفطر کے روز اپنی اولاد کے سامنے فرمائی تھی اور یہ آپ کی آخری عید تھی جسکے دس روز بعد آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

عمر کا آخری دن دس شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

جناب محترم محمد ولی رازی صاحب تحریر فرماتے ہیں

آہ دس شوال المکرم کا دن یوں تو بظاہر حسب معمول طلوع ہوا لیکن یہ دن اپنی آغوش میں کتنی قیامتیں اور کتنے ہنگامے لیکر طلوع ہورہا تھا۔ اللہ علیم خبیر کے علاوہ یہ کون جان سکتا تھا ۔۔والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔ ہمیشہ اذان فجر سے کافی پہلے بیدار ہوجایا کرتے تھے اس دن بھی حسب معمول بیدار ہوئے ۔

نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنی چارپائی پر تکئے سے ٹیک لگا کر ذکر میں مشغول ہوگئے اس کے بعد حسب معمول ناشتے سے فارغ ہوئے ناشتہ کے فوراً بعد معمول تھا کہ اصلاح واسترشاد کی غرض سے کچھ لوگ آجایا کرتے تھے وہ تشریف لے آئے ۔۔۔

تقریباً ۷ بجے بیدار ہونے کے بعد افریقہ سے آئے ہوئے مہمانوں سے ملاقات کی وہ مہمان ۱۲ بجے رخصت ہوگئے اس کے بعد فتویٰ کے جوابات لکھوائے تقریباً سوا بارہ بجے زندگی کے آخری فتویٰ پر جواب لکھوا کر دستخط فرمائے ، جو مسجد میں گمشدہ اشیاء کے اعلان سے متعلق تھا۔ اس کے بعد دارالعلوم میں طلبہ کے داخلے جو اگلے روز شروع ہونے والے تھے اس کے متعلق ایک تحریر فرما کر مولوی محمد رفیع سلمہ (حال صدر دارالعلوم کراچی) کو بھجوائی اس وقت دن کا ڈیڑھ بجا تھا ۔ طبیعت بالکل معمولی تھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی کسی کو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ سفر آخرت کے دشوار ترین مراحل سے دوچار ہوجائیں گے۔

صبح چونکہ اجابت نہیں ہوسکی تھی اس لئے ظہر کی نماز سے قبل ملحقہ بیت الخلاء میں تشریف لے گئے دیر بعد وہاں سے واپس آئے تو چہرے پر تکلیف تعب اور تکان کے آثار تھے سیدھے چارپائی کی طرف گئے اور نڈھال ہو کر چارپائی کے کنارے پر ہی لیٹ گئے ۔ منہ میں ڈالنے کی گولیاں منہ میں ڈالیں (اسکے بعد تکلیف بڑھتی رہی اور ڈاکٹر صاحب کو فون کے ذریعہ اطلاع دی گی انہوں نے فوراً ایک انجیکشن لگانے کی ہدایت دی اس کے بعد حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم کو چند ضروری ہدایات دیں) چنانچہ پوری توانائی صرف کر کے فرمایا۔

احتیاطاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ دے دینا۔

اور یہ فرما کر خاموش ہوگئے اور رقت طاری ہوئی پھر وقفے کے بعد فرمایا ۔

مجھے ہسپتال نہ لے جانا ۔

پھر اس کے بعد اسی دن کی لکھی ہوئی ایک نجی تحریر میں ایک لفظ کے بارے میں فرمایا۔

وہاں فلاں لفظ لکھ گیا ہے اس کی جگہ دوسرا ایک لفظ ارشاد فرمایا کہ یہ لفظ بڑھا یا جائے

اس کے بعد جب انہیں ڈاکٹر صاحب کا تجویز کردہ انجیکشن لگایا جانے لگا تو فرمایا ۔

اچھا بھائی خدا کے سپرد۔

اس وقت شام کے پانچ بج چکے تھے (اس کے بعد حالت زیادہ بگڑتی چلی گئی شام چھ بجے کے بعد ڈاکٹر اسلم صاحب تشریف لے آئے بلڈ پریشر چیک کیا تو گھبرا گئے)اور فرمایا

حالت نازک ہے یہاں جو تدبیر ممکن تھی کی جاچکی ہے، انہیں ہسپتال لیجانا پڑے گا۔

چنانچہ اسی وقت ایمبولینس منگا کر جناح ہسپتال لیجایا گیا اور انہیں اسپتال کمرے میں رکھا گیا غالباً بارہ بجے سے چند منٹ پہلے بے چینی ہوئی اور آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

"میرا ہاتھ چھوڑ دو"

چہرے پر کرب اور تکلیف کی کوئی علامت نہیں تھی بلکہ اطمینان اور سکون پورے چہرے پر نمایاں تھا چت لیٹے ہوئے تھے اسی عالم میں آپ نے کروٹ لینے کو کوشش کی پہلے تو ڈاکٹر نے انہیں روکا لیکن آپ نے قبلہ کی طرف کرلی اسی دوران کسی لمحے ڈاکٹر سید اسلم صاحب نے پوچھا مفتی صاحب! کیا حال ہے انہیں آنکھ کھول کر دیکھا اور فرمایا:

"اب کچھ پتا نہیں"

یہ حضرت والد صاحبؒ (حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا آخری کلمۃ تھا جو زبان مبارک سے عالم نزع میں ادا ہوا تقریباً ۱۲ بج کر ۱۹ منٹ پر ڈاکٹر سید اسلم صاحب نے مولانا محمد تقی عثمانی سے فرمایا جس کو بلانا چاہیں بلالیں حضرت مفتی صاحبؒ کا آخری سانس ہے۔

احقر نے بڑھ کر سینے پر ہاتھ رکھا سینہ بالکل ساکت تھا اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح ۸۳ سال کا طویل اور جدو عمل کی شقتوں سے پُرسفر ختم کرکے منزل اصل کی جانب جاچکی تھی جہاں اسے

یاایها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة

کا ابدی سرور وکیف سے لبریز نغمہ سنایا جارہا ہوگا

انا لله وانا الیه راجعون

اس کے بعد آپ کا جسد مبارک ہسپتال سے دارالعلوم لایا گیا دوسرے روز صبح تجہیز و تکفین کے بعد نماز ظہر ڈاکٹر عبدالحی قدس سرہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو دارالعلوم کے قبرستان میں آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی
دارالعلوم کراچی

میرے مخدوم مشفق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

قدس سرہ

مخدوم ومکرم ومشفق معظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کہنے کو میرے دادا تھے مگر ان کے احسانات احقر راقم السطور پر اس قدر زیادہ پے در پے ہیں، کہ گردن ان کے احسانات سے خم ہے اور قلم ان کی نگارش سے عاجز۔

اگر مضمون صرف کسی بزرگ کسی فقیہ، کسی مربی، کسی بے پایاں شفقت رکھنے والے دادا پر لکھنا ہوتا تو شاید آسان نہ ہوتا، مگر بغیر کسی ادنیٰ مبالغے کے میں جب بات کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہوں کہ ان کی ذات میں عظمت وتقدس کے وہ تمام اوصاف اس نزاکت سے جمع ہوگئے تھے۔ کہ ان اوصاف میں سے اگر کسی وصف کو علیحدہ ذکر کرنے کی کوشش کریں تو کم از کم احقر کے نزدیک ذات موصوف سے انصاف ممکن نہ ہوگا۔

اتنی جامع اور ہمہ گیر اوصاف اس نزاکت اور حسن جمال کے ساتھ حق تعالیٰ جل شانہ محض اپنے خاص بندوں میں جمع فرماتے ہیں اور وہ یقیناً ان اوصاف کے جامع اور اسی نزاکت کے ساتھ ان کے استعمال پر بلاشبہ قادر تھے۔

احقر نے جب ہوش سنبھالا تو وہ پہلی ذات جس نے دل ودماغ کی گہرائیوں میں اپنی محبت کا بیج بویا وہ حضرت دادا اباؒ کی ہی ذات تھی۔

میرے والد ماجد صاحب مولانا محمد زکی کیفی نوراللہ مرقدہ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرما کر آخرت میں ان کے درجات بلند تر فرمائے، بااصول اور سخت مزاج تھے۔ ان کی بااصول اور سخت مزاج کا ہی اثر تھا کہ انہوں نے بعض قریبی اقرباء واحباء اور اس وقت کے ماحول کی شدید مخالفت کے باوجود احقر کو دینی تعلیم کی ڈگر پر ڈالا اور مرتے دم تک وہاں سے ہٹنے نہ دیا؛ وہ خود بزرگوں کے عاشق اپنے باپ پر دل وجان سے فداء اور تمام بزرگوں اور خود اپنے باپ کے منظور نظر تھے، اصول کے بہت سخت دل کے کھرے، اور زبان کے سچے تھے۔ ان کے دل کی یہ صفائی جس کا اظہار ان کی زبان سے خود بخود ہوتا رہتا تھا، کئی ملنے جلنے والوں کو ناگوار بھی ہوتی تھی، مگر وہ خود اس بات پر شاید قطعاً قادر نہ تھے کہ جو بات ان کے دل میں نہیں وہ ان کی زبان پر آجائے۔

دین کے اور اہل دین کے عاشق تھے اسی بااصول اور کھرے پن، اور دین سے محبت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے احقر کو نہ صرف تعلیم کی لائن میں لگایا بلکہ بہت کڑی نگاہ رکھی، ان کی اس کڑی نگاہ کی قدر آج رہ رہ کر آتی ہے جس کو میں اس دور میں کڑوی گولی سمجھتا رہا

اور جس کی بدولت آج بزرگوں کی جوتیوں کی خاک سے کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔
والد صاحبؒ کی اس حکیمانہ سخت مزاجی، کڑی نگرانی اور بظاہر درشت معاملگی کے پہلو بہ پہلو دادا اباؒ کی شفقت، سوز و گداز اور محبت سے بھرپور وہ طرز معاملہ تھا جو ابتداء ہی سے انہوں نے میرے ساتھ روا رکھا۔
ایک طرف والد صاحب کی سخت مزاجی اور دوسری طرف دادا اباؒ کی سراپا شفقت ہی میری زندگی کی کشتی کے دو پتوار تھے جس نے مجھ میں موجود تمام تر انسانی خرابیوں کے باوجود دینی لائن سے زیادہ دور ہٹنے نہ دیا۔
بہرحال کہنا صرف یہ ہے کہ ان کے عظیم احسانات میں سے ان کا شفقت اور محبت وانسیت کا وہ عظیم برتاؤ ہے جو انہوں نے مجھ جیسے شخص کے ساتھ روا رکھا اور شاید جس کی نظیر آج کے دور میں ملنا ممکن نہ ہو۔
ان کا یہ کمال شفقت جو دین کے دائرہ سے ایک پر کاہ باہر نہ نکلتا تھا، صرف میرے ساتھ ہی خاص نہ تھا بلکہ ان کو خلق خدا پر شفقت کا وہ لازوال جذبہ اللہ رب العزت نے عطا کیا تھا بندوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ اور پھر دھیرے دھیرے ان کو دین کی جانب کھینچا چلا جاتا ہے، یہ جذبہ جو اولیاء اللہ کی خصوصیت ہے ان میں بدرجہ اولیٰ کمال موجود تھا اور پھر اس میں شفقت کے اس کمال کو کس طرح انہوں نے جمع کر لیا تھا۔
ان کا محور فکر یہ تھا کہ کس طرح میں اپنی پوری جان گھلا کر اس آدمی کو دین کی ایک بات پر قائم کروادوں خواہ وہ دین کی بات بظاہر کتنی حقیر کیوں نہ دکھائی دیتی ہو۔
یہ بات بھی احقر نے بہت محسوس کی کہ جب وہ کسی کو کسی نامناسب بات میں مبتلا دیکھتے تو یا اس کے سامنے کسی شخص کی نامناسب بات کا ذکر کیا جاتا تو کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ تڑپ تڑپ جاتے؛ ان کی پوری ہمدردیاں اس شخص کے ساتھ وابستہ ہوجاتیں جس کو خلاف شریعت بات میں مبتلا دیکھا یا سنا، اول تو حاضرین کے سامنے اس کا کوئی عذر وہ کس قدر ضعیف نہ ہو، بیان کردیتے۔ تاکہ حاضرین بدگمانی سے بچ جائیں اور ان کے سامنے حسن ظن کا دوسرا پہلو بھی رہے اور پھر توجہ اور محبت، رقت قلبی کے ساتھ اس کی جانب حاضرانہ یا غائبانہ متوجہ ہوتے کہ دیکھنے والے کو اس مبتلا پر رشک آنے لگتا، شاید یہ اس کیفیت کا کوئی پر تو ہو جس کو **لعلک باخع نفسک الا یکون مومنین** " اور **حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم** " بیان کیا گیا ہے۔
احقر کے سامنے ایک دو نہیں دسیوں مثالیں ہیں جن میں سے بعض میری بھی ہیں جنھیں خود جب حضرت مفتی صاحبؒ نے ارتکاب جرم پر بظاہر کو سرزنش نہیں کی، مگر ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ ان کے چہرے کا درد و کرب، بخدا ہزار سرزنشوں پر بھاری ہوتا تھا اور مجرم کو تو توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے ایسے موقعوں پر وہ سرد آہ بھرتے کہ سامنے مخاطب کا چہرہ پانی پانی ہوجاتا تھا۔
ان کی لازوال شفقت کا یہ بے کراں جذبہ اگرچہ ہر ایک کے لئے صلائے عام تھا امراء اور غریب کی کوئی تقسیم ان کے یہاں نہ تھی امیر اپنی امارت کی وجہ سے ان کے یہاں حقیر نہ تھا اور غریب صرف اپنی غربت کی وجہ سے محبوب بھی نہ تھا، مگر یہ شفقت مساکین اور غرباء پر تو بہت ہی تھی دار العلوم کے ڈاکخانہ کا ایک ڈاکیہ احقر کو ملا وہ لاہور میں پتہ پوچھتے پوچھتے میرے پاس پہنچا تھا، اسنے حضرت مفتی صاحب کا ذکر کیا اور رونے لگا، اس کو حضرت مفتی صاحب سے نہ تو روحانی تعلق تھا اور نہ ان کی علمی بلند مقامی سے واقف تھا روتے میں

اس کی زبان سے یہی ادا ہوا کہ وہ ہم غریبوں سے بہت محبت کرتے تھے"

احقر کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی استحقاق وصادق تقریباً ایک سال حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا موقعہ عطا کیا اور ان کی خلوت وجلوت میں رہنے کا اتفاق ہوا مسکنت وحب مسکنت کا عجب نمونہ دیکھا وہاں تو صرف ایک ہی خیال تھا کہ مجھے جتنا ہو سکے اور جس قدر ہو سکے، دین کا کوئی کام کر دوں، دین کی کوئی بات میں سکھلا دوں دین کی بات سمجھا دوں، محبت سے ہو یا غضب سے، ڈانٹ سے ہو یا پیار سے، ان کا مقصد حیات اپنی زندگی کے ہر لمحہ ادا کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرنا تھا اور دین کے مطابق اسے بروئے کار لانا تھا، خواہ اس سے دین پھیلے یا نہ پھیلے، اگرچہ میں غلط نہیں سمجھا تو میں یہ کہوں گا کہ حضرت مفتی صاحب کی نجی زندگی ہو، یا معاشرتی، تدریسی زندگی ہو، یا سیاسی، پرہجوم زندگی کے لمحات ہوں، یا خلوت کے پرسکون لمحات، ایک ہی چیز وہاں پیش نظر تھی کہ اس کی رضا کس طرح حاصل کی جائے اور اس موقع پر دین کا مناسب ترین طرز عمل کیا ہے جس کو اختیار کرنا ہے اور اس رضائے حق کی طلب میں وہ اس سے بے نیاز تھے، کہ لوگوں کی راضی یا ناراضی کا فکر کریں یا اس بات کا کہ میرے اس دین پر عمل کرنے سے فی الوقت فروغ حاصل ہوگا یا زوال۔

وہ ان تمام سے بلند تر ہو کر اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ حتیٰ کہ کھانے پینے، مزاح کرنے اور بچوں سے بات کرنے تک میں دین کا خیال رکھتے نتیجہ یہ تھا کہ ان کی ہر ادا سے دین پھیلتا تھا۔ شاید مبالغہ نہ ہو اگر میں یہ کہوں کہ ان کے ہاتھ کی خالی حرکت اور قدم کی جنبش تک سے دین کی خوشبو چار سو مہک مہک جاتی تھی (رحمہ اللہ واسعۃ ولفقنا بہ)

میرے اس ایک سالہ قیام کے دوران جس میں احقر کو حاضر رہنے کا موقعہ ملا، وہ صبح کو اس وقت بیدار ہو جاتے جبکہ میں خواب خرگوش میں مست ہوتا وہ کس وقت بیدار ہوتے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ احقر کو کم از کم ان کے صبح جاگنے کے وقت بیدار رہنے کا کبھی اتفاق ہی ممکن نہ ہوسکا۔

اور رات کو جب میں سونے کے لئے جاتا تو وہ بالعموم کھری چارپائی یا سادہ بستر پر تکیہ سے ٹیک لگائے تحریر فرماتے ہوتے، اور ایسا اتفاق بہت کم ہوتا کہ انہوں نے بجلی بند کر دی اور میں جاگ رہا ہوتا پورے دن میں وہ طرح طرح کے افکار کو اپنے پروں میں سمیٹے پوری تندہی کے ساتھ تصنیف وتالیف، دارالعلوم کے پیچیدہ و گوناگوں مسائل، روزانہ آنے والے ڈھیر بھر خطوط کے جوابات اور طرح طرح کے لوگوں سے ملاقاتیں اس خندہ پیشانی، کشادہ دلی کے ساتھ ادا فرماتے کہ دیکھنے والا حیرن وششدر رہ جاتا۔

یہ ناممکن تھا کہ کوئی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اور حضرت اپنی جگہ سے نہ ہلیں آگے بڑھ کر جگہ سے ہٹ کر اور بیماری کی حالت میں ذرا جگہ سے سرک کر اس بھرپور مشفقانہ انداز سے ملتے کہ جیسے خود ان پر آنے والے نے بڑا انعام کیا ہے انداز گفتگو واضح باتیں دوٹوک بے لاگ لپیٹ ہوتیں۔ جن میں کسی قسم کی ادنی مداہنت کا تصور بھی ناممکن تھا، مگر ان بے لاگ اور کھری باتوں کے اوپر نیچے محبت اور گداز کا لازوال جذبہ اور دلسوزی و نصیحت کا وہ انداز ہوتا کہ نہ تو مخالفت کی کسی بھی طرح دلشکنی یا دلآزاری ہوتی، اور نہ وہ یہاں سے خالی ہاتھ محروم جاتا۔ ان سے علمی سیاسی، یا فروعی اختلاف رکھنے والے ان کی زندگی میں بھی اور آج بھی ان کے اخلاص للہ صدق نیت، کمال محبت کی گواہی دیتے ہیں ان کی ذات بابرکات صدق عمل اور اخلاص نیت کا وہ مجمع البحار تھی جہاں تمام مسلک کی

نہریں جمع ہوجاتی تھیں، اور ان سے اختلاف رائے کے باوجود ہر شخص اپنے دل میں ان کی محبت و عظمت کو محسوس کرتا تھا۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کی مسجد میں نماز باجماعت کے دوران جبکہ احقر بھی ہمراہ تھا، حضرت نے ایک طالب علم کو جوان کے برابر میں نماز پڑھ رہا تھا، دیکھا کہ اس نے رکوع و سجود بہت ہی سرسری اور نامناسب انداز سے ادا کئے نماز سے فارغ ہوئے تو احقر نے دیکھا کہ حضرت مسجد سے باہر صحن میں اس طالب علم کو متلاشی نظروں سے دیکھ رہے تھے، جس نے ان کے قریب نماز ادا کی تھی، اور اسے بالآخر بلا کر فہمائش کی اور صحیح نماز ادا کرنے کی تلقین کی ننھے منے بچوں سے خاص محبت تھی، خود تو سراپا معصومیت کی تصویر تھے ہی معصوم بچوں سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے وقت تو یہ معصومیت انتہا کو پہنچ جاتی، مگر ناممکن تھا کہ بچوں سے بات کرتے وقت یا وعدہ کرتے وقت کوئی بات کی یا کوئی نامناسب کلمہ زبان سے ادا ہو جائے۔

کم از کم میرے لئے اچنبھے کی بات یہ تھی کہ اتنی معصومیت پاکیزگی، سراپا شفقت و سرتاپا محبت ہونے کے باوجود ان کی شخصیت اس قدر پرجلال اور بارعب تھی کہ بڑے بڑے جابروں اور نڈر لوگوں کو ان کا رعب مانتے اور کھاتے دیکھا اور سنا ہے۔

ان کا کمرہ جو ان کی زندگی کی طرح سادگی کا مرقع تھا اور جس میں جاہ وجلال اور حشمت وہیبت کو پیدا کرنے والی نام کی کوئی چیز نہ تھی، جہاں ایک سادہ پلنگ تھا اس کے سامنے دھری ایک سادہ میز جو میز پوش سے بے نیاز تھی، ایک عام سا تخت اور ایک قدیم زمانے کا صوفہ سیٹ، جس کی رنگت بوسیدہ ہو چکی تھی اور ایک لمبی سی الماری جس پر حضرتؒ کی چھڑی لٹکی رہتی تھی یہ کل کائنات دنیا تھی، مگر رعب کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بے نیازی سے داخل ہونے کے بعد جب پہلی نظر کمرہ پر پڑ جاتی تھی تو قدموں کی چاپ خود بخود کم ہونے لگتی اور کمرے کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے تو قدموں کی یہ چاپ بالکل ہی ناپید ہو جاتی۔

ان کے کمرے کا دروازہ اتنا وسیع اور طریق تھا کہ آدمی کو سر جھکانے یا اپنے کو سمیٹنے کا تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر نہ معلوم کیا بات تھی کہ دروازے میں داخل ہوتے وقت سر خم ہو جاتا اور انسان اپنے آپ کو اس آلائش دنیا سے سمیٹنے کی کوشش کرتا۔

رعب وجلال اور محبت و الفت کا یہ سنگم بڑا عجیب اور بہت لذیذ تھا، جس کو الفاظ میں قلمبند کرنا بھی مشکل ہے، ان کا ایک عجیب امتیازی وصف لوگوں اور اپنے متعلقین کی غلطیوں کی فراموش کرنا تھا، غلطی پر فہمائش و نصیحت کے بعد مخاطب کی غلطی کو شاید قطعاً فراموش کر بیٹھتے تھے۔ مخاطب خود احساسِ جرم کی وجہ سے دوبارہ حاضری کے اندر تکلف محسوس کرے تو کرے، مگر ان کے یہاں غلطی پر فہمائش کے بعد دوبارہ اس غلطی کا ذکر اذکار یا اس کی وجہ سے ان کی طرف سے محبت میں کمی کا کوئی سوال نہ تھا، وہ غلطی پر ناراض ضرور ہوتے اور خوب ہوتے اور جتنی غلطی ہوتی اتنا ہی ناراض ہوتے نہ کم نہ زیادہ، مگر دوسروں کی غلطی کو اپنے دل میں جگہ دینے کی ان کے نزدیک اجازت نہ تھی اور ان کا دل ان چیزوں کی آماجگاہ تھا بھی نہیں۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد مجھے تاکید تھی کہ والدہ، بہن، بھائیوں، دکان، مکان اپنے اور دیگر متعلقین کے احوال سے ہر ہفتہ خط کے ذریعہ مجھے آگاہ کرتے رہا کرو، ان کی کئی حکم عدولیوں میں سے ایک حکم عدولی میری جانب سے یہ بھی ہوئی کہ میں ہر ہفتہ خط لکھنے کی مسلسل پابندی نہ کرسکا مگر کمال یہ ہے کہ حضرت دادا اباؒ کا ہر ہفتہ ورنہ ہر پندرہ دن میں ایک خط رحمت نامہ کی صورت میں ضرور وارد ہوتا جس میں نصیحت کی انتہا ہوتی تھی وہ ہر شخص کے مزاج کا بہت گہرا اندازہ رکھتے اور تکلیف جھیل کر بھی اسکے مزاج کے

مطابق سلوک کرتے خواہ وہ ان کا حقیر ترین پوتا ہی کیوں نہ ہو۔

میری حساس طبیعت جو بد تمیزی بے وقوفی بلکہ بیماری کی حد تک حساس تھی اس تک کا وہ حد درجہ خیال فرماتے اور میرے نام سارے والا نامے خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرماتے جب کہ بسا اوقات قلم کو ہاتھ میں تھامنا تک ان کے لئے دو بھر ہوتا تھا اور یہ معمول آخر حیات تک مسلسل جاری رہا۔(ارضاہ اللہ ورضی عنہ)

ان کی ایک نمایاں امتیازی خصوصیت جو دراصل اولیاء اللہ کا ہی وصف ہے جس کی جانب اوپر کچھ اشارہ بھی کیا ہے یہ تھا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں جاتا تھا وہ یا تو عبادت میں مصروف رہتے جو کبھی ذکر کی صورت ہوتا اور کبھی فکر کی صورت جس کے درمیان وقفہ وقفہ سے لفظ "اللہ" دل کی گہرائیوں سے نکل کر ان کے ہونٹوں پر آکر ختم ہوتا تھا اور یا تصنیف وتالیف اور افتاء میں اور یا پھر لوگوں کے حقوق کی ادئیگی میں بھی اس نزاکت کے ساتھ حقوق کی ادائیگی میں افراط ہوتا اور نہ تفریط۔

میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت دادا اباؒ کی زیارت سے نوازا ان کو جاگتے میں تو دیکھا ہی دیکھا، سوتے میں بھی بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا، مجھے کبھی یاد نہیں کہ میں نے ان کو برہنہ سر دیکھا ہو داہنی کروٹ پر قبلہ رخ سر پر رومال ڈال کر بلکہ چہرے کے گرد اچھی طرح لپیٹ کر سونے کا معمول میں نے دیکھا جس میں تخلف بھی میرے سامنے نہیں ہوا یہ تو سونے کی حالت تھی۔

جاگتے میں سوائے سر کھجانے یا تیل سر میں ڈال کر مالش کروانے کے علاوہ میں نے ان کو برہنہ سر نہ پایا کپڑے کی گول سادہ سی ایک ٹوپی ان کے سر کی زینت تھی، عمامہ کا معمول تھا سفید یا سبز اور شاید افتاء یا کسی اہم تحریر اور تصنیف وتالیف کے وقت عمامہ سر پر رکھنا ضرور تھا۔

ان کی ہر ادا بے مثال اور ان کی ہر حرکت کم از کم میرے علم کی حد تک سنت نبوی کے مطابق تھی۔

وہ اعتدال اوصاف وصفات کا نادر ترین مرقع تھے، ان کی کس کس ادا کا ذکر کیا جائے جو حضرات صبح وشام ان کے پاس رہے ہیں اور ان کی صحبتوں کا خوب فیض اٹھایا ہے اور جنہوں نے ان کے مزاج کو سمجھا ہے وہی ان اداؤں اور ان کے اخلاص وصفات کو صحیح طریقہ سے ذکر کر سکتے ہیں۔

ارتجالاً یہ سطور میں نے اس مفتی اعظم نمبر کی برکتوں میں شمولیت کی امید پر تحریر کی ہیں۔ ان میں اگر کوئی غلطی ہو تو اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں ورنہ حضرت مفتی صاحبؒ کی صفات واوصاف میں سے ہر صفت کا یہ عالم ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا

وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صوفی محمد اقبال قریشی
ہارون آباد

میرے شیخ کامل

احقر کے پیرو مرشد اور ہادی بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی قدس سرہ محض شیخ طریقت یا صرف عارف کامل نہ تھے، بلکہ وہ اپنے وقت کے مفتی اعظم بہت بڑے محدث فقیہہ اعظم استاذ، کامل، بہت بڑے ادیب، شاعر مصنف، مورخ فقیہہ النفس عاف باللہ، فانی فی اللہ، شیخ کامل اور ایک مدبر سیاستدان، غرض سبھی کچھ تھے،

انکی نظروں میں شیخ ہی ہیں فقط
میری نظر میں ساری دنیا ہیں

وہ اپنی ذات میں انجمن تھے وہ تنہا اتنا کام سرانجام دیتے کہ بڑی سے بڑی جماعتیں اس کا عشر عشیر کرنے سے قاصر ہیں۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

ان کی ذات بابرکات صرف ان کے خاندان یا دارلعلوم کے لئے نہیں، فقط پاکستان کے لئے نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے واحد سہارا تھی جن کی طرف نظر ہر آڑے وقت "لاینحل مسئلہ وعقدہ "کے حل کے لئے اٹھتی تھی۔ان کی رحلت سے دین اسلام کا ہر شعبہ اپنے مربی مشفق اور ماہر سرپرست سے محروم ہوگیا اب میدان صاف اور خالی نظر آرہا ہے۔

دیکھ لو! خالی پڑی ہے ہر جگہ استاد کی
تم کیا گئے رونق ہستی چلی گئی

آپ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص اور حقیقی جانشین تھے۔آپ کی رفعت و بلند شخصیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے متعدد بار اپنی تحریرات و تقریظات میں اطمینان واعتماد کا اظہار فرمایا۔ یہ کسی معمولی آدمی کی شہادت نہیں بلکہ اس شخص کی شہادت جو حقیقی معنوں میں حکیم الامت تھا۔ جس کا ہر قول شریعت کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا۔

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا

سیدی حضرت مفتی قدس سرہ خوش نصیب ہستی ہیں کہ حضرت حکیم الامت نے متعدد بار ان کے لئے کلمہ خیر ارشاد فرمائے، یا تحریر فرمائے، ورنہ کسی شخص کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا صرف ایک ہی بار کچھ ارشاد فرمانا یا تحریر فرمانا اس کے لئے زاد سعادت توشۂ نجات بلکہ سرمایہ فخر ہوگیا، سیدی حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو

کچھ ارشاد فرمایا، تحریر فرمایا، ان سب کا احصاء یا احاطہ مجھ ضعیف سے ناممکن ہے ہاں بطور نمونہ کچھ پیش کرتا ہوں۔

(الف) حضرت حکیم الامتؒ اپنے رسالہ "التعریف فی تحقیق التسریف" کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

وانظر فی الباب السابع من کتاب ولائل القرآن علی مسائل النعمان المفاضل الصالح مولوی محمد شفیع الدیوبندی بارک اللہ تعالیٰ فی عمرہ وعلمہ وعملہ تجد فیہ بعض الفوائد المتعلقۃ بالباب واللہ اعلم بالحق والصواب. (بوادرالنوادر ج ۲ ص ۶۸۷)

ترجمۃ یعنی اور مزید فائدہ کے لئے رسالہ دلائل القرآن علی مسائل النعمان کے ساتویں باب کا مطالعہ کیا جائے جس کو فاضل صالح مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے تالیف کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائے تو اس مسئلہ کے متعلق بعض فوائد اس میں بھی ملیں گے"

(ب) سیدی حکیم الامتؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے رسالہ الاعجوبۃ فی العربیۃ خطبۃ العروبۃ کی تقریظ میں حکیم الامت نے سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کے اسم مبارک سے قبل جامع الکمالات العلمیۃ والعملیۃ کے الفاظ تحریر فرمائے

(دیکھو ماہنامہ النور تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۵ھ)

(ج) بزمانہ تھانہ بھون شعبان ۱۳۵۴ھ ایک بار سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کو بلا کر ارشاد فرمایا "آپ کا رسالہ المفتی" تو بڑا ہی نافع ہے مغز ہی مغز ہے میں نے تو بعض لوگوں سے کہا ہے کہ اس کی قیمت سالانہ تو صرف سوا روپیہ ہے۔ یہ مضامین سوا لاکھ روپیہ میں بھی جمع ہو جائیں تو سستے ہیں۔

(مجالس حکیم لامت ص ۲۰۳)

(د) سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کی مشہور تالیف "سیرت اور خاتم الانبیاء" کے مطالعہ کے بعد حضرت حکیم الامتؒ ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں،

از اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

القاب اس لئے نہیں لکھا کہ سمجھ میں نہیں آرہا آیا آپ کے والد ماجد صاحبؒ کے تعلقات اخوت پر نظر کرکے تو عزیزم لکھنے کو جی چاہتا تھا۔ مگر آپ کے کمالات کو دیکھ کر اس کے لکھنے کو بے ادبی سمجھا" (سیرت خاتم الانبیاء ص ۷)

اسی والا نامہ میں تحریر فرمایا:

ہاں ایک یاد آگئی کہ مولف سلمہ سے محبت بڑھ گئی اور ایسے نظر آنے لگی کہ پہلے سے ایسا نہیں تھا"

(ی) ایک بار سیدی حضرت مفتی صاحبؒ سے حضرت حکیم الامتؒ نے دریافت فرمایا کہ "کیا آپ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو جانتے ہیں؟ سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے پیر بھائی کی سبقت نے قابل رشک اور اپنی تاخیر کو قابل حسرت بنا دیا تھا۔ اس لئے حضرت حکیم لامتؒ کے سامنے زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکل گیا

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق

او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم

اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے خاص لطف کے ساتھ ارشاد فرمایا ہاں یہاں یہی دستور ہے کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سہرا دیا جاتا ہے ہر ایک کو جو کچھ عطا ہوا اسی پر راضی رہنا چاہیے"

(بزم اشرف چراغ ص ۵۹)

(ے) مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے ایک مفصل خط پر تنقید کے آخر میں حضرت حکیم لامت نے از خود یہ تحریر فرمایا "مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع ،مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہو گیا"

(ماہنامہ النور تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ)

(س) حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کا رسالہ اوجز السیر خانقاہ امدایہ اشرفیہ تھانہ بھون میں بچوں کے ابتدائی نصاب میں داخل فرمادیا تھا اور اپنے وصایا کے نمبر ۱۱ میں دوسروں کو داخل نصاب کرنے کی رائے دی ہے

(تفصیل دیکھو اشرف السوانح ج ۲ ص ص ۲۶۱)

(ش) شیخ ابن عربی کے رسالہ آداب الشیخ والمرید کر ترجمہ و تشریح پر بطور تصدیق و تقریظ حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا" نظر فی الترجمہ ودعا للمترجم لکل خیر خفی وجلی

یعنی ترجمہ پر نظر کی اور مترجم (سیدی مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ) کے لئے ہر ظاہری و باطنی خیر کے لئے دعا کی۔

(ص) یادگار سلف صالحین سیدی حضرت مولانا الحاج ماسٹر محمد شریف صاحب دامت برکاتہم خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جب حضرت والا مفتی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر تھانہ بھون تشریف لے آئے تو حضرت حکیم الامتؒ نے بصد افسوس اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا دیوبند ایک عظیم ہستی ـــــ سے محروم ہو گیا"

واضح ہو کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے یہ ارشاد اسوقت فرمایا جب دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسی مایہ ناز ہستیاں موجود تھیں۔

(ض) سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کے تبحر علمی فقہ پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو اس قدر اعتماد تھا کہ خود حکیم الامت نے کئی بار ذاتی معاملات میں سیدی حضرت مفتی صاحبؒ سے استصواب فرما کر اس پر عمل کیا ایسے ایک فتویٰ کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے انہیں لکھا کہ:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں (الحق ص ۱۳ اکتوبر ۷۶ء)

سیدی حضرت مفتی صاحبؒ قدس سرہ کا وجود مسعود اس دور الحاد ودہریت میں بڑا غنیمت تھا۔ مفتیان کرام اس دور جدید کے پیش آمدہ مشکل مسائل آکر آپ سے حل کرواتے ۔حضرات علماء حدیث کے دقائق واشکالات رفع کروانے میں آپ سے مدد لیتے

مفسرین حضرات تفسیری نکات میں آپ سے مستفیض ہو کر واپس جایا کرتے غرض آپ کی ذات اس کے مصداق تھی۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

احقر ناکارہ کو اپنے شیخ طریقت، عارف کامل سیدی مرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ (بانی خیر المدارس ملتان) کے وصال کے بعد چند مرتبہ حاضر خدمت ہونے کا موقع ملا اور اصلاحی تعلق قائم کر کے کثرت سے خط و کتابت کرنے کا شرف نصیب ہوا۔ **فالحمدللہ علی ذالک**

آخری والانامہ وصال سے چندیوم قبل ۳ شوال المکرم ۹۲ھ کو دست مبارک سے تحریر فرمایا آج احقر نے والاناموں کی فائل نکالی تو ندامت اور حیرت میں ڈوب ڈوب گیا کہ کس دلسوزی و ہمدردی سے احقر ناکارہ کی فکر اصلاح فرماتے ہوئے والانامہ تحریر فرماتے تھے طوالت کے خوف سے صرف چند والاناموں کے اقتباسات پیش کرتا ہوں جس سے آپ کے شیخ کامل ہونے کا اندازہ ہو سکے گا ورنہ آپ کا ہر والانامہ اس کا مظہر ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمۂ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

غصہ کا اعتدال: ایک بار احقر نے لکھا کہ بعض طبیعتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ نرمی کا بالکل اثر نہیں لیتی تو ایسے لوگوں پر بسا اوقات غصہ کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے ورنہ انتظام قائم رکھنا بہت دشوار ہو جائے گا (مثلاً کسی آفیسر کے بعض اس قسم کے ملازم ہوں یا کسی استاذ کے اس مذکورہ طبیعت کے شاگرد ہوں تو کیا ایسے لوگوں پر مراقبہ کر کے بطور اظہار غصہ کچھ کہہ لیا جائے جب کہ متجاوز عن الحد نہ ہو تو اس پر تحریر فرمایا:

نیت انتظام کی ہو انتقام کی نہ ہو اور انتظام بغیر اظہار غصہ ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت کیا جائے"

سبحان اللہ کس جامعیت کے ساتھ جواب عطا فرمایا جو ان کے شیخ کامل ہونے کی بین دلیل ہے۔ کیونکہ اس قسم کے سوالوں کا جواب تصوف و اخلاق کی کتابوں میں آج تک نظر سے نہیں گذرا پھر کس قدر لطیف انداز میں انتقام اور انتظام کا فرق واضح فرما کر غصہ کے اعتدال کی تعلیم فرمائی نور اللہ مرقدہ۔

محبت رسول ﷺ میں احساس کمی محبت کم ہونے کی دلیل نہیں

ایک بار احقر ناکارہ نے بصد حسرت و یاس عرض کیا کہ مجھ میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کی کمی معلوم ہوتی ہے گو اتباع سنت کے اہتمام کی حتی المقدور سعی کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی قلب میں حضور ﷺ کی محبت کی خاص کیفیت محسوس نہیں ہوتی جس کی یہ علامت ہے کہ خاتمۃ سوانح پڑھتا ہوں آنکھوں سے آنسوؤں کی لگاتار جھڑی لگ جاتی ہے، لیکن جب نشر الطیب میں آنحضرت

ﷺ کے حالات وصال مبارک پڑھتا ہوں تو آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں آتا اس پر فوراً تسلی آمیز انداز میں فرمایا:

یہ محبت رسول ﷺ کی کمی نہیں بلکہ طبعی وفطری امر ہے کیونکہ انسان کو اپنے قریبی زمانے کے بزرگوں سے ایک خاص تعلق اور انس ہوتا ہے اسی لئے بزرگوں کی سوانح عمریوں کے لکھنے کا اہتمام ہوتا ہے (تذکرۃ الرشید اشرف السوانح تذکرۃ الخلیل وغیرہ اسی غرض سے لکھی گئی ہیں ورنہ کیا پہلے بزرگوں کی سوانح عمریاں سیرت جنید وشبلی وغیرہ کافی نہ تھیں؟۔ جس طرح تم کو مجھ سے تعلق ہے اس سے مری قول یا فعل سن کر تمہارے دل میں عمل کا ایک خاص داعیہ پیدا ہوا کیونکہ جتنا قریب کا تعلق ہوتا ہے انسان اس کا اثر لیتا ہے، اسی لئے ہر زمانے میں بزرگوں کی سوانح عمریاں لکھی جاتی ہیں پھر انہی کی برکت سے شد، شدہ حق تعالیٰ وہ مقام عطا فرماد یتے ہیں کہ انسان کو صرف حضور ﷺ کے سیرت وسوانح کے مطالعہ میں چین ملتا ہے، مگر یہ مقام انہی کی برکت سے عطا ہوتا ہے (سبحان اللہ حضرت والاؒ کے بیان فرماتے ہی احقر کے ذہن سے ایک بڑا اشکال اور وسواس دور ہو گیا۔ کافی دیر بلیغ انداز میں احقر کی تشفی فرمائی تھی جسکے الفاظ احقر من وعن نقل کرنے سے عاجز ہے تاہم مطالب کچھ بیان ہو گئے)

اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہونا بہت بڑی نعمت ہے:۔ ایک صاحب کے شیخ، پیر طریقت سے احقر کے بفضلہ تعالیٰ بڑے قابل رشک مراسم ہیں وہ ہر والانامہ میں احقر کو "مولانا" مع دیگر تحریر فرماتے ہیں، یہاں پر مذکورہ صاحب چند حاسدین کے پروپیگنڈہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود تو اپنے شیخ کی کیا اتباع کرے، انہوں نے اس قدر انتہائی کوشش فرمائی کہ ان کے پیر ومرشد احقر ناکارہ کو "مولانا" یا دیگر تعریفی کلمات لکھنا چھوڑ دیں۔ (مگر ان کے شیخ ماشاء اللہ عارف کامل ہیں ان کی نظر عنایات احقر ناکارہ پر اضعافا مضاعفہ ہوتی رہیں کیونکہ ان کا یہ مقام ہے۔

بندہ پیر خراباتم لطش و ائم است
زانکہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست دگاہ نیست

احقر ناکارہ بفضلہ تعالیٰ سیدی حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے تعلق کے برکت سے یہ شرف حاصل ہے کہ اپنے آپ کو کسی تعریف کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی مدح کرتا ہے تو دل میں یہی تصور ہوتا ہے کہ حق شانہ نے اپنی شان ستاری سے میرے عیوب کو سے ڈھانپ دئے ہیں اس لئے تعریف کرتا ہے اگر میرے عیوب کا اس کو علم ہو جائے تو یہ شخص فوراً مجھ سے نفرت کا اظہار کرے اس لئے بفضلہ تعالیٰ میرے دل میں کسی کی تعریف کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ نفس خوش ہوتا ہے اس امر کی اطلاع احقر نے سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کو دی تو جواباً فرمایا"

یہ بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ اس کو قائم دائم رکھیں"

ساتھ ہی احقر نے حضرت کو لکھا کہ مجھے ان صاحب کے اس فعل سے بڑی تکلیف ہوتی ہے نہ میں مولانا ہوں نہ مجھے "مولانا" کہلانے یا بننے کی خواہش ہے، مگر ان صاحب کو کیا پڑی کہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کے شیخ احقر کو یہ الفاظ لکھنا چھوڑ دیں گویا ان کو اپنے شیخ پر اعتماد نہیں شر انگیز پروپیگنڈہ، ان پر اعتماد ہے اور حضرت حکیم الامتؒ کا قول ہے کہ جس شخص کو اپنے

شیخ پر اعتماد نہ ہو اس شخص کو نفع نہیں ہوا کرتا۔ لکھنے کو تو احقر یہ خط لکھ گیا لیکن لکھنے کے بعد کانپ گیا کہ حضرت عتاب فرمائیں گے کہ نالائق تو اپنے آپ کو مولانا لکھنے پر خوش ہوتا ہے، مگر احقر نے ٹھانی ہوئی تھی کہ نفس کا ہر وسوسہ حضرت اقدس کے سامنے پیش کرتا رہوں گا۔

نتواں نہفتن از در طبیباں

مگر سبحان اللہ حضرت کی شفقتوں پر قربان جاؤں جن کا ہاتھ مریض کا رگ پر ہوتا تھا الحمد للہ احقر کے دل "مولانا" میں لکھوانے، کہلوانے کی کوئی تمنا یا خواہش نہیں تو وہ مجھ پر کس طرح الزام دھرتے۔ والا نامہ میں تحریر فرمایا تھا:

کہ بس اس کے لئے بھی دعا کردیا کریں کہ راہ راست نصیب ہو،

سبحان اللہ حضرت نے اس میں بھی اعتدال کی عجیب تعلیم فرمائی، جس کی قدر و قیمت احقر کا دل جانتا ہے، مگر الفاظ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

شریعت اور طریقت کے جامع: ایک بار ایک صاحب کے نفس کو سزا دینے کے لئے کچھ رقم خیرات بطور جرمانہ ارشاد فرمائے لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ نہ اس قدر کم ہو کہ نفس بالکل احساس ہی نہ کر سکے اور نہ اس قدر زیادہ ہو کہ سہار نہ سکے (اس میں اعتدال کی تعلیم ہے) مگر ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو زبان سے نہ کہیں کیونکہ زبان سے کہہ لینے سے ادا کرنا ضروری ہو جائے گا۔

(ف) سبحان اللہ! اس تعلیم میں حضرت سیدی علیہ رحمۃ نے اعتدال کو ملحوظ فرما کر کس طرح شریعت و طریقت کو جمع فرمایا کہ زبان سے کہنے میں فقہ کی کس قدر دقیق رعایت ہے اور مقدار میں اعتدال کے متعلق تصوف کی کس قدر باریک تعلیم ہے واقعی کیوں نہ ہو وہ وقت کے مفتی اعظم بھی تھے اور عارف کامل بھی دونوں میں جامعیت ان کا خصوصی امتیاز تھا

شیخ ما ایں دار دوآں نیز ہم

حضرت مفتی صاحبؒ نے جدید وقدیم دونوں علوم جمع فرمادئے :۔

ایک بار احقر ناکارہ حاضر خدمت ہوا تو اپنے دست مبارک سے کتابیں "میرے والد ماجدؒ" اور "جواہر الفقہ مکمل" عنایت فرمادیں احقر ناکارہ نے اس کا مطالعہ کر کے ایک عریضہ میں لکھا کہ یہ تو بوادر النوادر (حضرت حکیم الامت کی آخری تصنیف) کی طرح جامع و نافع ہے حق تعالیٰ نے حضور والاؒ سے دین کی بیش از بیش خدمت لی ہے اس میں جدید وقدیم دونوں عبارتوں کا نمونہ موجود ہے اب نو تعلیم یافتہ حضرات یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ عبارت سمجھ میں نہیں آتی؛ کیونکہ قدیم طرز کی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا "اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں واقعی سیدی حضرت مفتی صاحبؒ کے اس خصوصی طرز نگارش کو حضرت حکیم الامتؒ نے بھانپ لیا تھا کیوں نہ ہو۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ (تقریظ) سیرت خاتم الانبیاء (ص ۹) پر تحریر فرماتے ہیں "عبارت کا انداز جس سے واقعات اپنی اصلی پر جاندار نظر آتے ہیں نہ ایسا پرانا کہ جس کو اس وقت چھوڑنے کی رائے دی جاتی ہے اور نہ ایسا نیا جو حقیقت کو ملتبس کر دیتا ہے

میرے خیال میں تفسیر معارف القرآن کی مقبولیت عامہ وتامہ کا یہی سبب ہے جس سے نو تعلیم حضرات کو اس قدر ہے جس کی مثال دور حاضر کی کسی تفسیر میں نہیں ملتی، اس کی بدولت اہل علم، عوام وخواص سب کو فہم قرآن میں بڑی مدد ملی۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنۂ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

سانحہ کبریٰ

حضرت مفتی اعظم کی وفات پر تعزیتی پیغامات

نہ من براں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

۱۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پوری قدس سرہ العزیز

مکرمان محترمان ابنائے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ واکابر مدرسہ۔

بعد سلام مسنون! کئی دن ہوئے مولانا معراج صاحب دیوبند سے تشریف لائے تھے انہوں نے فرمایا کہ مفتی صاحب معلوم ہو گیا؟ میں نے بڑی مسرت سے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ تشریف لے آئے۔ کیونکہ یہاں ہند میں آنے کی خبر جا رہی تھی، اس پر انہوں نے حادثہ جانکاہ کی خبر دی جس سے دل پر چوٹ لگی میں اس عرصہ میں بخار میں مبتلا رہا کچھ افاقہ ہوا تو سنا اس سے مزید تفصیل معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ بہت ہی مدارج عالیہ نصیب فرمائے! ان کے علمی روحانی سلسلوں سے بہت ہی...

گذشتہ سال پاکستان آمد پر ان سے تخلیہ میں ملاقات برابر یاد آتی رہی اور بے چین کرتی رہی۔ مدارس کی شکایت، حالات کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔ مولانا نے یہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنے بچوں کو ڈاکٹر عبدالحی صاحب کے حوالہ کر دیا اس عرض کیا تھا کہ خود آپ ہی سرپرستی فرمائیں، میں نے ان سے یہ عرض بھی کیا تھا کہ دارالعلوم مظاہر علوم کی بنیاد جن بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی ان کو تو نہیں دیکھا البتہ ان کے خلفاء کو دیکھا ہے دارالعلوم میں اس زمانے میں دربان تک ذاکر ہو۔

میں نے اپنے بخار کی وجہ سے مختصر اشارات کر دئے۔

اب میری بہت ہی اہم درخواست یہ ہے کہ میرے پیارو! جہاں تک ہو سکے اپنے اکابر کے اسوہ کو مضبوط پکڑو خیال

لغو ہے کہ حالات بدل چکے بلکہ حالات بدل جانے کی وجہ سے تو اپنے اکابر کے اسوہ کو اور مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔ جب یہ ناکارہ دارالعلوم دیوبند کا ممبر تھا تو ایک صاحب سے درخواست کی تھی کہ حضرت گنگوہیؒ و حضرت نانوتویؒ کو نہ تم نے دیکھا ہے نہ میں نے لیکن انکے خلفاء کو دیکھا ہے اس لئے ان ہی کے طریقہ پر چلو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اب تو حالات بدل چکے یہ اکابر ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے میں نے بہت ہی توبہ استغفار کی اور کہا انگریزوں کے دور میں حالات اس سے بھی بدتر تھے لیکن تمہارے اکابر نے کس طرح ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا، اس لئے تم دوستوں سے میری یہی درخواست ہے کہ تم نے اگرچہ اکابر کو نہیں دیکھا لیکن مفتی صاحب کو دیکھا ہے اور وہ اپنے اکابر کو دیکھے ہوئے ہیں اس لئے بہت زور سے کہوں گا کہ مفتی صاحب کے طرز کو مضبوطی سے پکڑلیں۔

لکھوانے کے لئے اور بھی جی چاہ رہا ہے مگر ضعف بہت ہورہا ہے۔ خیال تھا کہ حجاز جاتے ہوئے زیارت ہوگی اس وقت تفصیلی ملاقات ہوگی مگر کل ہی معلوم ہو کہ میرے اور مولانا انعام صاحب کے پاکی ویزے کا انکار ہوگیا ہے۔

فقط والسلام حضرت شیخ مدظلہ

بقلم محمد شاہد غفرلہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ

عزیزان محترم مولوی محمد رفیع صاحب و مولوی محمد تقی صاحب وغیرہما سلمہما اللہ تعالیٰ وابقاہم

سلام مسنون ودعاومقرون ! کل علی الصباح حادثہ ہوشربا، وفات برادر محترم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریڈیو کے ذریعہ علم میں آیا میں نماز کے بعد لیٹ گیا تھا کچھ نیند غالب آگئی خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی شخص نے آکر کہا کہ جنازہ آنے والا ہے نماز آپکو پڑھانی ہے۔ خواب میں میں وفات یافتہ شخصیت کو متعارف سمجھ رہا ہوں گو نام ذہن میں اس شخص کا نہیں ہے اس لئے یہ نہیں پوچھا کہ کس کا جنازہ ہو گا۔ یہ خواب دیکھ ہی رہا تھا کہ اسلم نے جگا کر یہ خبر سنائی گویا تعبیر بتلادی۔

افسوس کل تک جس شخصیت کو ہم سلمہ اللہ اور دام مجدہ کہا کرتے تھے آج اسے مرحوم ومغفور کہہ رہے ہیں۔ بلاشبہ مرحوم ومغفور کہنا ان کے لئے تو یقیناً بشارت ہے لیکن پسماندوں کے لئے مصیبت وحسرت ہیں میرا ان کا تعلق بھائیوں جیسا تھا اور تقریباً سارے ہی مبادیات تعلیم وتربیت میں ہم ساتھ ہی رہے۔ درجہ فارسی سے لے کر دورہ حدیث اور کتب عالیہ وآکیہ میں رفاقت رہی تھی حتی کہ سیروتفریح میں بھی رفاقت ہی رہتی تھی حج بیعت اللہ وغیرہ میں بھی شرکت رہی اسی کا اثر تھا کہ ان کے یہاں سے ترک وطن کرکے جانے پر میں شاید کسی مرنے والے پر اتنا نہیں رویا تھا جتنا ان کے فراق پر رویا کہ گھر والے پریشان ہوگئے کہ آخر کیا حادثہ پیش آگیا کہ اتنا گریہ طاری ہے۔

یہ تعلق کی بنا پر تھا کہ ابتداء عہد سے ہم رفیق رہے پھر اپنی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی بناء پر وہ سارے ہی طبقہ اہل علم کے معتمد اور مسلمہ تھے جس سے صدمہ ہمہ گیر ہوجاتا ہے، صرف ایک گھرانے کا نہیں رہتا، دارالعلوم کے اساتذہ اور ذمہ داروں نے ان سے علم واستعداد پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں دارالعلوم کا ابتدائی درجہ کا معلم بنایا پھر وہ اعلیٰ مدرسین میں شامل ہوئے، پھر ان کی استعداد کے

کمال کی بناء پرانہیں دارالعلوم کا صدر مفتی قرار دیا گیا، گویا حضرت مفتی اعظم مولانا عزیزالرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قائم مقام بنایا گیا۔ یہ سب ان کی شخصی لیاقت اور قوت علمی کے آثار تھے۔ اس لئے یہ صدمہ تنہا آپ کا نہیں، بلکہ پورے دارالعلوم اور سارے علمی حلقہ کا ہے۔

اس خبر کے مشتہر ہوتے ہی پورے دارالعلوم میں صدمہ کی ایک لہر دوڑ گئی سب جمع ہو گئے ایصال ثواب کیا گیا اور احقر نے ان کی صفات حمیدہ اور اپنی خصوصی روابط ظاہر کر کے غم میں ڈوبی ہوئی تقریر کی۔ بقول حضرت مولانا شریف الحسن صاحب کے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کی آواز بھرا جاتی تھی اور آپ ضبط کر کر کے تقریر کرتے تھے۔

تعزیت کے لئے کہاں جاتے؟ اول تو دارالعلوم میں تعزیت گاہ بن گیا تھا پھر بھی ہم سب مل کر مولوی خورشید عالم سلمہ کے مکان پر پہنچے کہ اس کے سوا اور کوئی گھر ہی نہ تھا جہاں جاتے بہر حال یہ دن سب کے حق میں انتہائی صدمہ کا تھا۔ اسی وقت دارالعلوم کو دو دن کی تعطیل دی گئی تاکہ طلبہ واساتذہ ان ایام میں جس قدر بھی ممکن ہو ایصال ثواب میں مشغول رہیں۔

گزشتہ سال مارچ ۷۵ء میں اجلاس صد سالہ کا انتظامی اجلاس ان کے مکان پر ہوا خوشی لگی ہوئی تھی کہ وہ اس سلسلہ سے آویں گے اور ان کا بھی عزم یہی تھا سب کا خیال تھا کہ انہیں دو تین ہفتہ قبل یہاں بلائیں گے، مگر خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا سنا افسانہ تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مگر اس شدید غم میں پھر بھی تسلی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ترکہ میں جہاں ایک بڑا علم چھوڑا جو ان کی کثیر تصانیف میں محفوظ ہے۔ وہیں الحمد للہ قابل اولاد بھی چھوڑی جس سے بھرپور توقع ہے کہ ان کے آثار اور باقیات الصالحات کو من وعن باقی رکھیں گی۔ بالخصوص عزیز تقی سلمہ سے ہماری امیدیں زیادہ وابستہ ہیں اب انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مفتی محمد شفیع ہیں۔

حق تعالیٰ ان آرزوں کو پورا فرمائے اس صدمہ میں مزید صدمہ آپ کی والدہ صاحبہ پر فالج کے حملہ سے ہوا مرحوم کی حیاتی ہی میں یہ صدمہ پیش آچکا تھا یقیناً اس کا ان پر فطری طور پر اثر پڑا ہوگا طبیعت گری ہوئی تو تھی ہی اور زیادہ گر گئی ہوگی، ضعیف وہ عرصہ سے ہو چکے تھے۔ مختلف امراض کے حملے جاری تھے، کہ اسی میں یہ بیرونی حملہ اور بھی زیادہ جان لیوا بن گیا ہوگا، بہر حال یہ یوم آخر مقدر تھا، جو اپنے وقت ہی پر پیش آیا صدمہ شدید ہے اس لئے آپ حضرات کو صبر بھی قوی ہی کرنا چاہیئے۔

والدہ کی دلداری اور خدمت باپ سے بھی زیادہ ضروری تھی اور باپ کے اٹھ جانے کے بعد تو اور بھی زیادہ ضروری ہو گئی ہے وہی اب باپ کے بھی قائم مقام ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحت کامل عطا فرمائے۔ ملکوں کے قوانین کی مجبوری ہے ورنہ یہ ایسا موقعہ تھا اور جذبہ بھی آیا کہ میں خود پہنچوں اور اس غم میں شریک ہوں مگر کیا کروں؟ الفاظ ہی پہنچا سکتا ہوں، میری طرف سے والدہ صاحبہ کو سلام مسنون کے بعد کلمات تعزیت پہنچا دیئے جائیں اللہ تعالیٰ ان کا بدل عطا فرماویں اور آپ سب بچوں کو ان کا صحیح جانشین بنائے اگر ممکن ہو تو آخری وقت کی کچھ کیفیت لکھ دینے سے ہم لوگوں کے لئے تسلی کا باعث ہوگا سب اہل خانہ کی خدمت میں سلام مسنون اور مضمون واحد عرض ہے

والسلام گرامی خدمت عزیزم مولوی محمد تقی سلمہ کراچی

محمد طیب از دیوبند ۶ ۹ - ۳

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

برادران محترم وعزیزان گراں قدر آل مفتی رحمۃ اللہ

احسن اللہ عزاءکم واجزل لکم الاجرنی فی مصابکم والھمکم الصبر فیما اصابکم آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مفتی صاحب کی وفات حسرت آیات سے جو صدمہ ہوا ہے اس کا تصور بھی نہ تھا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجات عالیہ انہیں دارالنعیم میں عطا فرمائے، اور سب پسماندگان کو اجر عظیم نصیب فرمائے پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی آخری یادگار تھے جو چل بسے جن کے وجود گرامی سے دارالعلوم کی پوری تاریخ وابستہ تھی بجز رضا بالقضا، چارہ کار نہیں آپ حضرات کی تسلی کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ نے خدمت کا حق ادا کیا اور وہ آپ سے خوش ہو کر عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ جن کے لئے عرصہ سے بے تاب تھے عرصہ دراز کی تکلیف سے جو رفع درجات و عظیم مقامات نصیب ہوئی اس کا تصور بھی مشکل ہے سب ہی کو جانا اور جانے کے لئے آنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی امانت آپ حضرات نے اللہ تعالیٰ کے سپرد کی، ایسی حالت میں کہ **راضیۃ مرضیۃ** کی صدا ہر طرف سے آرہی تھی **الھم غفرلہ اللھم ارحمہ اللھم ارفع درجاتہ** ۔

میں نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح جنازہ پر پہنچ سکوں لیکن افسوس کہ نہ پہنچ سکا موہنجوڈارو تک ۹۰ میل ٹیکسی دوڑائی کہ شاید کوئی سیٹ مل جائے لیکن افسوس بے نیل ومرام واپسی ہوئی اور حسرتوں کو دل میں واپس لایا۔ پانچ گھنٹے میں ایابًا ذہابًا یہ سفر ہوا تھا۔ جنازے پر نہ پہنچ سکنے کے بعد جلد واپس آنا کوئی ضروری نہ تھا، حضرت مرحوم کو مجھ سے جو تعلق تھا اپنے خصوصی اقرباء کے علاوہ شاید کسی کو نصیب ہو، اس لئے صدمہ اسی خصوصیت سے ہے الحمد للہ کہ اپنا کام پورا فرما کر رخصت ہوگئے اور آپ جیسے صالحین ابرار ابناء کو چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔ بہت کم حضرات کو یہ نعمت نصیب ہوتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی اس نعمت کا بھی احساس فرمائیں اور اس عظیم صدمے میں یہ تصور انشاء اللہ تعالیٰ باعث سکون قلبی اور عزاو خاطر ہوگا۔

میں دس یوم کی نیت سے یہاں مختلف وجوہ کی وجہ سے آیا تھا اب شاید کچھ جلد ہی آنا ہوگا میرا تعلق مفتی صاحبؒ سے ۵۲ سال سے تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی تکدر نہیں ہوا اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

وفی اللہ عزاء من کل فائت. والسلام علیکم رحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ ۔

میں ہوں آپ کا شریکِ غم

محمد یوسف بنوری عفا اللہ

عارف باللہ ماسٹر محمد شریف صاحب قدس سرہ العزیز

خلیفہ مجاز حضرت تھانوی قدس سرہ۔

مکرمی و محترمی جناب مولانا صاحب زید مجدکم

السلام علیکم رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہ۔

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کی خبر وفات نے دل مجروح کردیا اس ناکارہ کے تو بہت ہی بڑے محسن تھے کسی پہلو قرار نہیں اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنا قرب خاص عطا فرماویں اور ہم سب کو صبر جمیل سے نوازیں، یہ ناکارہ دعائیں اور ایصال ثواب انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ آپ ہی حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ کے حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ ایسے موقع پر بہت نفع دیتا ہے، جواب کی تکلیف نہ فرمائیں آپ کو فرصت نہ ہوگی جوابی لفافہ صرف احتیاطاً بھیجا ہے یہ لفافہ آپ کی ملک ہے لفافہ صرف اسلئے بھیجا ہے کہ شاید کچھ اطلاع ضروری ہو تو دے سکیں ورنہ قیمتی وقت جواب پر صرف نہ فرمائیں اسی لئے لفافہ پر اپنا پتہ تحریر نہیں کیا۔

احقر محمد شریف عفی عنہ ۹ - ۷ - نواں شہر ملتان

حضرت مولانا محمد سلیم صاحب - مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

خیر خلف عزیز القدر مولوی محمد تقی و محمد رضی واخوانہم سلمہما اللہ تعالیٰ۔

سلام مسنون اور دلی دعائیں، موت کوئی نئی چیز نہیں مگر جو موت بنیان قوم تہدما کی مصداق ہو اس پر آنکھیں نہیں بلکہ دل روتا ہے۔ ایک کرم فرمانے ریڈیو کے حوالہ سے حضرت مفتی صاحب کے حادثہ ارتحال کی خبر سنائی تو ہم سب دم بخود رہ گئے، دوسرے دن اخبار ندوہ میں بھی مختصر خبر شائع ہوئی اناللہ وانا الیہ راجعون

اگر آپ حضرات ایک شفیق باپ سے محروم ہوگئے تو پوری امت عظیم عالم دین اور صاحب ورع و تقویٰ ہستی کو گنوا بیٹھی جس نے محض اپنی ایمانی و روحانی طاقت سے خدمت دین کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، مفتی صاحب محترم کی ذات ایک شمع تھی جو ہزاروں کو راستہ دکھا رہی تھی میری دلی دعا ہے کہ رب العالمین آپ سب کو اطمینان قلب اور صبر جمیل عطا کرے اور تمام کارکنان دارالعلوم کو سکون خاطر میسر کرے آمین۔

اور مفتی صاحب قبلہ کا لگایا ہوا یہ درخت رہتی دنیا تک انشاء اللہ سر سبز و شاداب رہے آمین

یہاں ہم سب اور مدرسہ صولتیہ سے تعلق رکھنے والے احباب و مدرسین و طلبہ مفتی صاحب کی طرف سے طواف عمرہ اور ایصال ثواب کا اہتمام کریں گے تمام کارکنان و مدرسین و طلبہ دارالعلوم کو ہم سب کی طرف سے دلی تعزیت اور دعائیں پیش کریں، اصلی ذمہ داری تو درحقیقت اب ان پر عائد ہوگی کہ وہ دارالعلوم کو اور بھی چار چاند لگانے کی سعی جاری رکھیں آمین!

عظم اللہ اجرکم والہمکم الصبر السوان والسلام محمد سلیم عفا اللہ عنہ، ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

برقیات

جناب فضل الٰہی چوہدری اسلام آباد، سابق صدر پاکستان : "آپ کے عظیم شوہر، مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات کی خبر میں نے سخت رنج و غم کے ساتھ سنی، مولانا مرحوم ایک ممتاز مذہبی رہنما تھے۔ انہوں نے پاکستان کی تحریک آزادی میں مفید خدمات انجام دیں تھیں، اس کے علاوہ ملک میں دینی تعلیم کی بقاء اور ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس غمناک موقع پر میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے آپ کو تعزیت پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی روح کو لازوال راحتیں عطا فرمائے اور اس نقصان کو برداشت کرنے کے لئے آپ سب کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے "۔

فضل الٰہی چوہدری، صدر پاکستان

جناب ذوالفقار علی بھٹو سابق وزیر اعظم پاکستان - "آپ کے محترم شوہر جناب مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات کی المناک خبر سن کر مجھے گہرا صدمہ پہنچا وہ اسلام کے بڑے عالم اور اسکالر تھے۔ اور انہوں نے پاکستان کی تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ ان کی وفات سے اسلام کے علمی اور تحقیقی میدان میں ایک بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جنت میں ابدی سکون عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سوگوار خاندان کے تمام افراد کو اس ناقابل تلافی نقصان کے برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین

وزیر اعظم پاکستان، ذوالفقار علی بھٹو

جناب صاحبزادہ فاروق علی اسپیکر قومی اسمبلی پاکستان : آپ کے عظیم شوہر کی وفات کی غمناک خبر سن کر دلی رنج ہوا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اسلام کے عظیم اور ممتاز عالم تھے۔

یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے اللہ تعالیٰ انکی روح کو ابدی آرام عطا فرمائے اور آپ کو اور تمام افراد خاندان کو اس زبردست نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ اور صبر جمیل عطاء فرمائے آمین

صاحبزادہ فاروق علی اسپیکر قومی اسمبلی پاکستان

جناب گورنر صوبہ سندھ: آپ کے شوہر مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات کی غم ناک خبر سے شدید غم ہوا وہ اسلام کے ایک عظیم عالم اور محقق تھے اور انہوں نے تحریک آزادی میں بے لوث خدمات انجام دی تھیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صالح روح کو جنت کی راحتیں عطا فرمائے اور آپ سب کو اس عظیم غم پر صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

گورنر سندھ

مولانا مفتی محمود صاحب قائد حزب اختلاف قومی اسمبلی پاکستان: "السلام علیکم۔ آپ کے عظیم والد ماجد رحمۃ اللہ کی وفات کی خبر سن کر شدید صدمہ پہنچا وہ دیوبند کی ایک عظیم یادگار تھے۔ ان کے علمی کارنامے اور ان کا عمل، اسلامی دنیا کے لوگوں اور نوجوانوں کے لئے مشعل راہ بن کر زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ابدی راحت وآرام عطا فرمائے اور آپ کی والدہ محترمہ اور دوسرے ورثاء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مفتی محمود قائد حزب اختلاف قومی اسمبلی پاکستان

حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ اکوڑہ خٹک ممبر قومی اسمبلی:۔ حضرتؒ کی وفات پر دل کو گہرا رنج ہوا۔ یہ عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے۔

عبدالحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑا خٹک

مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ راولپنڈی: آپ کے والد محترم کی وفات پر سخت صدمہ پہنچا اپنی چند مجبوریوں کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے قاصر ہوں لیکن آپ کے غم میں شریک ہوں۔

غلام اللہ خان۔ راولپنڈی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ سرپرست جماعت اسلامی لاہور "آپ کے محترم والد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی المناک وفات پر مجھے شدید رنج ہوا، یہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کا ایک عظیم نقصان ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور آپ سب کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی طاقت اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ابوالاعلیٰ مودودی۔ لاہور

مولانا امین احسن اصلاحی۔ لاہور: اسلام کے عظیم محقق اور عالم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات پر گہرا صدمہ پہنچا۔

امین احسن اصلاحی۔ لاہور۔

مولانا محمد اشرفؒ صاحب پشاور: حضرت مفتی صاحب کی وفات کی خبر سن کر سکتے میں آگیا اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان پر اپنی لازوال رحمتیں نازل فرمائے آمین۔

۔ مولانا محمد اشرف پشاور

مولانا ابوذر بخاری امیر مجلس احرار اسلام احمد پور شرقیہ: آپ کے والد مکرم مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی وفات کی المناک خبر سے سخت ملول و غمگین ہوں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً اسلامی قانون سازی میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ میں خود اپنی اور اپنی جماعت کی تعزیت کا مستحق ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کو آخرت کی راحتیں عطا فرمائے ۔ میں آپ کے لئے صبر جمیل اور ہمت وحوصلے کی دعا کرتا ہوں ۔

سید ابو المعاویہ ابوذر بخاری ۔ امیر مجلس احرار اسلام پاکستان ۔ احمد پور شرقیہ ۔

برقیات از بیرون پاکستان

فضیلۃ الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ ریاض سعودی عربیہ : ابنائے عم ! مولانا محمد شفیع صاحب کے صدمہ جانکاہ میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہیں وہ علم یقین اور جہاد کے مظہر تھے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ فضل وکرم کا معاملہ فرمائے ۔ اور آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے عظیم والد کا صحیح معنوں میں بہترین جانشین بنائے آمین

عبد الفتاح ابوغدہ ریاض سعودی عربیہ

حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ صدر جمعیۃ العلمائے ہند دہلی (انڈیا) : آپ کے والد محترم کی وفات کی غمناک خبر سے شدید صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ ان کی روح کو آخرت کی ابدی راحتیں عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ آمین ۔

اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند دہلی

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ لکھنؤ (انڈیا) : "آپ کے والد محترم کی وفات کی خبر سن کر دلی رنج ہوا براہ کرم میری اور ندوہ کی جانب سے تعزیت قبول فرمایئے ۔

ابو الحسن علی ندوی

جناب مفتی ابراہیم صاحب جمعیۃ العلماء ٹرانسوال جوہانسبرگ ۔ جنوبی افریقہ ۔ "مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی وفات سے ٹرانسوال کے ہر عالم اور ہر مسلمان کو بیحد صدمہ پہنچا اللہ تعالیٰ اس حادثہ عظیم پر پاکستان کے مسلمانوں کی اعانت فرمائے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی مدد فرمائے ۔

تمام اہل خاندان اور اہل دار العلوم کو جماعت علماء ٹرانسوال کی جانب سے مسنون تعزیت پہنچا دیجیئے

مفتی ابراہیم سجالوی ۔ ٹرانسوال جوہانسبرگ ۔

کروگرس مسلم جماعت کروگرس ڈروپ جنوبی افریقہ : "مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی وفات سے ہم سب کو عظیم صدمہ اور گہرا رنج ہوا ہم اپنے قلب کی گہرائیوں سے اہل خاندان اور اہل پاکستان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں ۔

کروگرس ڈروپ مسلم جماعت جنوبی افریقہ ۔

جناب خالد نعمانی صاحب ۔ یوگنڈا (افریقہ) : شیخ طریقت "مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات کی خبر گہرے رنج والم کے

ساتھ سنی میری جانب سے میری دلی تعزیت اہل خاندان کو پہنچا دیجئے۔ ہم ان کی صالح روح کے لئے دعا گو ہیں۔

خالد نعمانی۔ یوگنڈا

جناب صدر یو کے اسلامک مشن لندن برطانیہ : میں "مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات پر ملال پر گہرے رنج کا اظہار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں ابدی آرام اور راحت عطا فرمائے آمین۔

صدر یو کے اسلامک مشن لندن

جناب سعید احمد ہاشمی صاحب جنرل سیکرٹری جمعیتہ علمائے ہند دہلی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی المناک وفات پر شدید صدمہ اور رنج ہوا اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی لازوال راحتیں نصیب فرمائے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

سعید احمد ہاشمی

عکس مکتوب گرامی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

جس میں آپ نے حضرت مفتی اعظمؒ کو بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی

موت العالم موت العالم
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
قومی صحافت کی نظر میں

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پوری ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی قومی صحافت بھی اس سانحہ میں برابر کی شریک تھی ملکی و غیر ملکی اخبارات نے اس موقعہ پر جو اداریے لکھے تھے، وہ سب تو نقل نہیں کئے جاسکتے، لیکن ان میں چند قارئین کی نذر ہیں ------------ ادارہ

جنگ کراچی

موت العالم موت العالم

"مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وفات پا گئے۔ علم و آگہی کا ایک آفتاب غروب ہو گیا اس جان کاہ خبر کو صرف پاکستان اور برصغیر ہی نہیں پورے عالم اسلام میں گہرے صدمے کے ساتھ محسوس کیا جائے گا ملت پاکستان نے اب تک جن عظیم شخصیتوں کی رحلت کے صدمے برداشت کئے ہیں ان میں سے ایک وقت کے اس ممتاز فقیہہ اور بے مثل عالم کی جدائی کا صدمہ بھی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس عالم فانی میں ۸۲ سال گذار کر اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے: عارضہ قلب جس میں وہ گذشتہ پانچ سال سے مبتلا تھے، بالآخر سفر آخرت کے لئے بہانہ بن گیا اور وہ ملت اسلامیہ کو سوگوار چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن انکی علمی وملی خدمات، ان کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھیں گی، اور ملت اسلامیہ ان کی گراں قدر تصانیف اور ان کے فتاوٰی سے جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، برابر فائدہ اٹھاتی رہے گی"۔

مولانا مرحوم برصغیر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کو دارالعلوم دیوبند نے علم وفضل کے بلند مقام پر پہنچایا تھا۔ اس تاریخی درس گاہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا نے اپنی علمی خدمات کا آغاز اسی مدرسہ میں درس وافتاء سے کیا تھا اور اپنی خداداد غیر معمولی فقیہانہ صلاحیتوں کی بنا پر بہت جلد افتاء کے کام میں ایک امتیازی حیثیت حاصل کرلی۔ مولانا کو فقہی واجتہادی مسائل میں اتھارٹی اور مفتی اعظم تسلیم کیا جانے لگا۔

مولانا مرحوم کی تصانیف کی تعداد تقریباً دو سو ہے جن میں قرآن کریم کی تفسیر "معارف القرآن" کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل ہے اور فتاوٰی کی تعداد تقریباً دولاکھ بتائی جاتی ہے، اسلامی قوانین کی تعبیر اور موجودہ دور میں پیدا ہونے والے مسائل پر ان کے انطباق کے سلسلے میں کیا جانے والا یہ ایک عظیم کام ہے جو آئندہ تحقیق واجتہاد کے علمی کاموں کے لئے بڑی بنیاد بن سکتا ہے۔

اس مقصد کے لئے آگے چل کر مولانا کے فتاویٰ کی جدید انداز میں اس طرح ترتیب وتدوین کرنی ہوگی کہ ان سے محققین علماء ومفتیانِ کرام اور ماہرین قانون بآسانی استفادہ کرسکیں۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلام کے اس عظیم خادم نے اسلامی قوانین کی تعبیر اور اجتہاد کا یہ کام جو علماء اور فقہاء کی ایک پوری مجلس بھی برسوں میں انجام نہیں دے سکتی تھی تنہا انجام دیا۔

مرحوم نے پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ اور اس کے مطابق قوانین کی تدوین کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔

چنانچہ مولانا کے اسی علمی مرتبے اور خدمات جلیلہ کی بنا پر پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے تحت تعلیمات اسلامیہ کا جو بورڈ تشکیل دیا گیا تھا، اس میں انہیں شریک کیا گیا تھا اور مولانا شروع سے لیکر آخر تک اسلامی دستور کے نفاذ اور قرار داد مقاصد کی منظوری کی اس مہم میں شریک تھے جو پورے ملک میں چلائی جارہی تھی اور اس کام میں وہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے شریک کار بن کر بڑی اہم خدمت انجام دیتے رہے تھے۔

اگر پاکستان میں اسلامی دستور کے مطابق قانون سازی کا کام قیام پاکستان کے فوراً بعد شروع ہوجاتا اور پھر وہ مسلسل جاری رہتا تو مولانا کی فقہی واجتہادی صلاحیتوں سے بڑا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا، افسوس کہ ہم نے اس موقع کو ضائع کردیا۔

ان علمی خدمات کے علاوہ مولانا مفتی محمد شفیع نے قیام پاکستان کی تائید وحمایت میں جو مساعی انجام دی ہیں وہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں مولانا قیام پاکستان سے قبل ایک ایسی درسگاہ سے وابستہ تھے، جس پر بعض شخصیتوں کی وجہ سے کانگریس کا اثر تھا، لیکن مرحوم چونکہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقہ ادارت سے تعلق رکھتے تھے اور بعد میں ان کے خلفائے مجاز کی صف میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا تھا اس لئے علماء دیوبند کے اس طبقے کا کبھی ساتھ نہ دیا جو متحدہ قومیت کے فریب میں آگیا تھا۔

مولانا کا شمار برصغیر کے ان ممتاز علماء میں سے ہوتا ہے جنہوں نے متحدہ قومیت کے طلسم کو توڑنے کے لئے اپنی زبان اور قلم دونوں سے کام لیا اور مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے لئے راہ ہموار کی یہی وجہ ہے کہ مفتی محمد شفیع مرحوم پاکستان کی تحریک کے ابھرتے ہی اس کے ساتھ ہوگئے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مل کر قیام پاکستان کے مطالبے کو مقبول بنانے کے لئے کام کرتے رہے اور قائد اعظم کے ہاتھ مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا مرحوم نے درس وافتاء کے کام کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مل کر سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا جن کا مقصد اسلامی دستور کے نفاذ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل تھا، لیکن بعد میں عملی سیاست سے کنارہ کش ہوتے چلے گئے اور اپنی مساعی درس وافتاء تک اور اپنے قائم کردہ دارالعلوم کی ترقی وتوسیع تک محدود رکھیں، جہاں طالبان علم نہ صرف ملک کے مختلف حصوں سے ہیں بلکہ بیرون ممالک سے بھی آتے رہے ہیں۔

مولانا کی ایک بڑی اہم خدمت یہ بھی ہے کہ انہوں نے علماء اور فقہاء کا ایک بہت بڑا طبقہ پیدا کیا جو قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہا ہے اور ہزاروں شاگرد برصغیر پاک وہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا کی وہ خدمات بھی کچھ کم نہیں جو انہوں

نے اپنے حلقہ ادارت سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں انجام دیں ہیں۔

آج ہم ایک عظیم عالم، فقیہہ اور مصلح کی جدائی کا جس قدر بھی غم کریں کم ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اسے پر کرنا ممکن نہیں ہے۔ درس و افتاء کے منصب پر اب ان جیسا کوئی شخص نظر نہیں آتا مرحوم کی خدمات کی قدر کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ انکی قائم کردہ درس گاہ اور ان کے درس و افتاء کے کام کو فروغ دیا جائے اور مرحوم کی یاد میں اسلامی قانون کی ایک اکیڈمی قائم کی جائے جہاں علماء و ماہرین قانون کو اسلامی قوانین پر تحقیق کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور تمام سوگواروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حریت

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر کے ممتاز عالم دین، تحریک پاکستان کے ایک با اثر مجاہد، مفسر قرآن اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ شب اچانک دل کا دورہ پڑنے سے رحلت فرما گئے۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان بزرگوں کی صف اول میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اس خطہ ارض میں دین اسلام کی اشاعت، اسلامیان ہند کی رہنمائی اور خلق اللہ کی اصلاح و خدمت کے لئے نہ صرف خود مسلسل جدوجہد کی بلکہ ایسے لوگ تیار کئے جو اس روایت کو آگے بڑھاتے رہیں۔

وہ علوم دین میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، اور فقہ کے اساتذہ کرام میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی تفسیر "معارف القرآن" جو آٹھ جلدوں میں ہے ان کے تبحر علمی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

منطق و استدلال میں ان کے کمال کا مشاہدہ ان کے فتاویٰ میں جن کی تعداد لاکھ سے اوپر بتائی جاتی ہے کیا جا سکتا ہے آپ کی تصانیف و تالیف کی تعداد دو سو سے اوپر بتائی جاتی ہیں۔

علماء دیوبند (رحمۃ اللہ علیہم) میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی درس و تدریس سے آپ کا تعلق ابتداء ہی سے تھا دیوبند میں کوئی ربع صدی تک صدر مفتی رہے۔ آپ کے شاگرد نہ صرف برصغیر میں بلکہ آس پاس کے دیگر ممالک میں بھی بے شمار وا تعداد ہیں اس کے علاوہ عامتہ المسلمین میں آپ کو انتہائی عزت و توقیر کے ساتھ دیکھا جاتا تھا چنانچہ مفتی صاحبؒ کی رحلت کی خبر عالم اسلام کے دینی حلقوں کے ساتھ عامتہ المسلمین کے نہایت وسیع حلقے میں بے انتہاء رنج و قلق کے ساتھ سنی جائے گی۔

پاکستان کے عوام کے لئے مفتی شفیع صاحبؒ کی ذات خصوصیت سے ہدایت و برکت کا باعث تھی آپ نے تحریک پاکستان میں نہایت سرگرم حصہ لیا تھا اور برصغیر کے کونے کونے تک مسلم لیگ کو متعارف کرایا تھا یہ کام اس وجہ سے نہایت مشکل تھا کہ اس وقت علمائے دیوبند کا ایک بڑا اور موثر حصہ تقسیم ہند کا مخالف اور کانگریس کا حامی تھا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت اور رفاقت میں مفتی محمد شفیع

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم لیگ کی آواز پر لبیک کہا اور اسلامیان ہند کو تحریک پاکستان کے لئے ذہنی اور عملی طور پر تیار کیا۔ یہ کام "جمعیت علمائے ہند" کے مقابل پاکستان کے حامی علماء جماعت "جمعیت علماء اسلام" کے جھنڈے تلے کیا گیا جس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے علامہ عثمانی کے انتقال کے بعد جمعیت کے صدر مفتی محمد شفیع منتخب ہوئے۔

مولانا مفتی شفیعؒ نے اگرچہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا تھا لیکن پاکستان بننے کے بعد آپ نے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور علم و تعلم سے ہی خود کو وابستہ رکھا۔ آپ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی مجلس اسلامیہ کے رکن بھی تھے اور ہر اہم موقع پر ہدایت اور رہنمائی فرماتے تھے، کراچی اور اندرون سندھ میں دینی مدارس کے قیام کے لئے آپ کی کوششیں محتاج بیان نہیں ----

آپ نے اپنے پیچھے جو یادگاریں چھوڑی ہیں ان میں آپ کی تالیف تفسیر اور فتاویٰ کے علاوہ یہ دارالعلوم بھی ہیں۔

ہم انتہائی دل گرفتگی کے ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے پسماندگان اور ارادت مندوں سے تعزیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ مرحوم کے درجات بلند سے بلند سے بلند تر فرمائے آمین۔

مشرق

موت العالم موت العالم

مولانا مفتی محمد شفیعؒ گذشتہ شب اچانک انتقال فرماگئے اناللہ وانا الیہ راجعون،

مرحوم پاک و ہند کے علماء میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے انہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوش بدوش بیش بہا خدمات انجام دی تھیں۔ ان کو تحریکِ پاکستان کے دینی و سیاسی رہنماؤں کی صف اول میں نمایاں مقام حاصل تھا۔

قیام پاکستان سے قبل آپ دارالعلوم دیوبند میں ۲۶ سال تک درس حدیث دیتے رہے اور صدر مفتی کے منصب اعلیٰ پر بھی فائز تھے۔ آپ نے کراچی آنے کے بعد بھی دینی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا اور نانک واڑہ میں دارالعلوم قائم کیا، جسے بعد میں لانڈھی میں منتقل کردیا گیا آپ دو سو کے قریب دینی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ملک کے دینی حلقوں میں پہلے ہی قحط الرجال کی صورت پیدا تھی جو آپ کے انتقال سے اور زیادہ تشویش انگیز ہوگئی ہے۔ آپ ایک جید عالمِ دین ہونے کے علاوہ سیاسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

یہ حقیقت انتہائی رنج دہ ہے کہ تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کرنے والے عمائد یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے چلے جارہے ہیں۔ آپ کی وفات اس لحاظ سے ایک قومی سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے جس پر جس قدر بھی رنج و غم کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ ان کی جدائی سے قومی صفوں میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جسے پر کرنا بہت دشوار نظر آتا ہے۔

مولانا مرحوم نے قریباً پوری عمر علم دین کی خدمت میں بسر کی ہے۔ اس لئے خاص طور پر دینی حلقوں میں ان کی جدائی پوری شدت سے محسوس کی جائے گی برصغیر میں ہی نہیں انڈونیشیا، ملائشیا، بنگلہ دیش اور افغانستان میں بھی ان کے تلامذہ کی کثیر تعداد پھیلی

ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے مولانا کی وفات کا صدمہ اور زیادہ وسیع پیمانے پر محسوس کیا جائے گا۔ وہ علمی تبحر کے باوجود حد سے زیادہ منکسر مزاج اور بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھے، جو کسی ایک شخصیت میں شاذ ہی جمع ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن بھی تھے اور ملک وقوم کے سچے بہی خواہ بھی ایسے یگانہ روزگار لوگ کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

وہ ایک منفرد حیثیت اور مقام کے مالک تھے ایسے لوگوں کی جدائی بلاشبہ ایک قومی سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اعلیٰ علیین میں مقام رفیع عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔۔۔۔۔۔۔آمین

ڈان :

مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات سے ہم بیک وقت ایک وسیع النظر بلند پایہ اور متبحر عالم دین اور ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگئے ہیں جو اپنے تقدس اور رحم دلی کی بنا پر ملک بھر میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ آپ نے دو عظیم یادگاریں چھوڑی ہیں ایک تو کورنگی میں واقع عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم اور دوسری علوم ومعارف قرآن کا گنجینہ گرانمایہ معارف القرآن، جو کہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اور قرآنی علوم میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ زندگی کے آخری سانس کی روانی تک، صحت کی خرابی، طوالت عمر کے باوجود آپ اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت وترویج کے لئے شبانہ روز مصروف رہے۔

باوجودیکہ آپ ہمیشہ خالص مذہبی اور علمی وتدریسی میدان سے وابستہ رہے۔ تاہم مسلمانوں کی فلاح وبھلائی کی خاطر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صاحب کی معیت میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

پاکستان کی پہلی دستور ساز کمیٹی کی اسلامی تعلیمات کی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے آپ کی نمایاں کارکردگی سے آپ کی وسعتِ نظر اور تبحر علمی کے جوہر کھلے۔ البتہ اکثر لوگ آپ کی شخصیت سے صرف ایک مفتی کی حیثیت سے ہی واقف ہیں۔ جنوبی ایشیا کے بے شمار لوگ اپنے مذہبی مسائل اور علمی زندگی میں پیش آمدہ معاملات کے بارے میں دینی رہنمائی کے لئے آپ ہی کے فتویٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

زبردست قوت استدلال اور صاف واضح اظہار رائے نے سب کو ان لوگوں کو آپ کی دینی رہنمائی تسلیم کرنے پر مجبور کردیا تھا جو ہدایت کے متلاشی تھے عزت واحترام کا جو منفرد ومقام انہیں اپنی وسعت وعمق کی بناء پر حاصل ہوا۔ اس کا خلاء کما حقہ کبھی پر نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل ادارہ تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے مشن کو زندہ وتابندہ رکھنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ جن بنیادوں پر آپ نے دارالعلوم کو قائم کیا تھا انہیں پر اس کی تعمیر وترقی کے لئے بدستور جہد مسلسل ہوتی رہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو سکون وعافیت عطا فرمائے آمین۔

نوائے وقت :

موت العالم موت العالم !

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل علالت کے بعد (۸۲) بیاسی برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

وانا لله اليه راجعون

مولانا مرحوم علماء دین کی اس صف اول کے بزرگ تھے، جنہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں انتقالِ اقتدار کے ساتھ تقسیم اقتدار کو اس لئے مشروط کرنے پر زور دیا تھا کہ اس سے امت مسلمہ کے لئے آبرومندانہ زندگی گذارنے کی ایک صورت پیدا ہوگی۔

مولانا ان دونوں دارالعلوم دیوبند میں فقہ وحدیث کا درس دیتے تھے اور دیوبند کا عمومی مزاج تقسیم ہند کے حق میں نہ تھا لیکن مولانا نے جرات کی اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ ملکر تحریک پاکستان میں نمایاں کام کیا قیام پاکستان کے بعد مولانا نے دارالعلوم کی نہج پر کراچی میں دارالعلوم قائم کیا اور عمر بھر اس سے وابستہ رہے۔ مولانا منصب افتاء پر بھی فائز تھے اور انہوں نے مختلف مسائل کے بارے میں بہت سے فتاویٰ بھی جاری کئے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے انتقال کے بعد حکومت نے تعلیمات اسلامی کے لئے جو بورڈ قائم کیا تھا مولانا اسکے رکن بھی رہے۔ مولانا کے جاری کردہ فتاویٰ کی تعداد دولاکھ کے لگ بھگ ہے اور انکی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد دوسو کے قریب ہے۔ مولانا مرحوم نے عمر بھر سیاسی جھمیلوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی اور زیادہ شغف وانہماک تعلیمی وعلمی مسائل ومشاغل سے رکھا۔ مولانا کی موت سے علمی اور دینی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ بظاہر اس کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ آخرت میں مولانا کے درجات بلند کرے آمین۔

صداقت

تحریک پاکستان کے ایک اور مجاہد کو آخری سلام

سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح دلوں کو تسلی دیں اور کس کس کو روئیں دیکھتے ہی دیکھتے یکے بعد دیگرے تمام پرانے ساتھی اور رہنما بچھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ جنہوں نے برصغیر پاک وہند سے انگریز کو نکال باہر کرنے کے لئے گھر بار چھوڑا۔ تباہیاں اور بربادیاں مول لیں جیلیں کاٹیں، مگر اپنے موقف پر ڈٹے رہے وہ بھی جنہوں نے پاک وہند کے مسلمانوں کو ہند کی مشرکانہ ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو باخبر رکھتے ہوئے انہیں ایک مرکز پر جمع کیا اور پھر تکالیف جھیل کر مشقتیں اٹھا کر اور بے انتہا قربانیاں دیکر مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت اور ایک آزاد وطن قائم کیا اور زندگی بھر اسلام کا سر بلند کرنے کے لئے اسلام دشمن قوموں سے برسرپیکار رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کہ جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے دل روتا ہے، آج کے پُرالم دور میں مینارہ روشنی تھے۔

مفتی صاحب مرحوم قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور پچیس سال تک دیوبند میں صدر مفتی رہے۔ آپ کا شمار پاکستان کے بانیوں میں ہوتا تھا، مسلمانوں کو جگانے ان میں روحِ اسلام پھونکنے اور انہیں ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے آپ نے پورے ہندوستان کے دورے کئے۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ مسلمانوں کو قیام پاکستان کے لئے عملی طور پر آمادہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دستِ راست آپ ان کے بعد جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے پاکستان کے بعد آپ کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی مجلس تعلیمات اسلامیہ کے رکن بنے اور رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام متعدد عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرمائی۔

نہ صرف یہ کہ اسلام اور پاکستان کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مرحوم کی خدمات بے بہا ہیں بلکہ آپ کی علمی اور دینی خدمات بھی بے شمار ہیں۔ آپ کو قرآن و احادیث کی تفسیر میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو فتویٰ میں خاص طور پر کمال حاصل تھا اور آپ نے مفتی اعظم پاکستان کی حیثیت سے پوری اسلامی دنیا میں شہرت پائی۔ آپ کے دستخط شدہ فتاویٰ کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی یوں تو بے شمار تصانیف ہیں، مگر آخری عمر میں معارف القرآن کے نام سے آپ نے آٹھ جلدوں پر مشتمل قرآن پاک کی جو تفسیر مکمل کی ہے وہ ہر اعتبار سے عظیم الشان کہی جا سکتی ہے۔

مفتی اعظم پاکستان کی وفات پر اپنے دلی جذبات اور کیفیات کے اظہار کے لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہیں اور کیا لکھیں اس لئے کہ ان کی ہستی اتنی بابرکت اور عظیم تھی کہ لکھتے رہیئے لکھتے جائیے پھر بھی مضمون تشنہ ہی رہے گا۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین"

یہ آٹوگراف حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے مرتب کتاب کو دیا۔

اولاد و احفاد:

حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہ کو اللہ تعالی نے علم، عمل، اولاد، دین اور دنیا دونوں سے ماشاء اللہ خوب نوازا۔ دینی طور پر ان کی خدمات گذر چکیں۔ اس کے ضمن میں دارالعلوم اور انکی دینی تصنیفات ایسا صدقہ جاریہ ہے کہ جو تا قیامت انشاء اللہ رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے۔ اگر وہ بھی دین کا کام کر رہی ہے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالی نے پانچ قابل و ہونہار بیٹے عطا فرمائے۔

مولانا محمد ذکی عثمانی: مرحوم بڑے بیٹے تھے۔ انہوں نے لاہور میں ادارہ اسلامیات کی (انار کلی میں) بنیاد رکھی اونچے درجے کے شاعر اور ادیب تھے ادارہ اسلامیات چونکہ مرکزی جگہ ہے پھر ان کی ذات اپنے والد گرامی قدر اور خود اپنے ذوق کی وجہ سے بہت مقبول تھی۔ لہذا لاہور کے ادباء شعراء کی تقریباً مستقل روزانہ بعد از عصر علمی، ادبی نشست ہوتی لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں ۲۴ جنوری ۱۹۷۰ء کو فوت ہوگئے۔ ان کے تین بیٹے ہیں محمود اشرف، مسعود اشرف، سعود اشرف۔ مولانا مفتی محمود اشرف دارالعلوم کراچی میں استاد حدیث ہیں۔ دو بھائی ادارہ اسلامیات لاہور میں کام کرتے ہیں۔

مولانا رضی عثمانی: یہ بھی قابل اور لائق تھے انہوں نے کراچی دار الاشاعت قائم کیا یہ ادارہ آج ملک کے وسیع دینی اشاعتی اداروں میں سے ایک ہے۔ ۹۲ کے لگ بھگ فوت ہوئے ان کا ایک ہی بیٹا تھا خلیل اشرف جس نے دار الاشاعت کراچی کا کام سنبھالا ہوا ہے۔ تیسرے بیٹے ولی محمد رازی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت ایک کتاب ہادی عالم ﷺ لکھی جو سیرت میں عربی فارسی اردو میں پہلی غیر منقوط الفاظ پر کتاب ہے اس کو ماشاء اللہ بہت پذیرائی ہوئی ہے

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی: دارالعلوم کورنگی کے مہتمم ہیں، بہت بڑے عالم باعمل ہیں اور دارالعلوم پاکستان کے جامعات میں رتبے، عمارات اور تعلیم، اور تصنیف کے میدان میں سرفہرست ہے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہے آپ کا شمار ملک کی اہم دینی شخصیات میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی:۔ ان کی بھاری بھر کم علمی شخصیات سے پورا عالم اسلام متعارف ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر اور مملکت کی شرعی عدالت کے جسٹس رہے۔ دینی اور دنیاوی علوم میں کمال مہارت حاصل ہے المجمع الفقہ اسلامی جدہ کے وسیع ممبر، کئی اسلامی ملکوں کی بینکوں کے شرعی مشیر اور کراچی یونیورسٹی کی سینڈیکیٹ کے ممبر ہیں۔ تقریر اور تحریر دونوں میں کمال حاصل ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور کتاب کا ترجمہ مع تشریحات اردو میں بائبل سے قرآن تک فتح الملہم، شرح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی، کی تکمیل کی، جہاں دیدہ گو اپنے اسفار کا تذکرہ ہے لیکن یہ کتاب سفر نامہ ابن بطوطہ سے زیادہ مفصل معتبر اور آج تک کے دور کی ایسی تصویر ہے کہ اس کو مکمل کئے بغیر چھوڑا نہیں جا سکتا۔ دار العلوم کے ترجمان البلاغ کے مدیر اعلی اور دار العلوم کے نائب مہتمم ہیں اردو فارسی، عربی، اور انگریزی اور ممکن ہے اس کے علاوہ بعض زبانوں پر بھی عبور حاصل ہو "البلاغ" کے اداریے ملک کے دینی تقاضوں کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں آجکل "جنگ" میں ذکر و فکر کے عنوان سے تعمیر سیرت اور اصلاح معاشرہ پر ہر ہفتہ بہت عمدہ کالم لکھتے ہیں جو کئی ایک دوسرے جرائد میں بھی نقل ہوتا ہے

محدث العصر حضرۃ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء ــــ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

المدرسة العربية الإسلامية

كراتشي رقم (٥)

باكستان

تاریخ ۱۳۸۶ھ

نمبر ....

ٹیلیفون 41720-46962

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمان الرحیم

گرامی قدر محترم۔ وفقکم اللہ لکل خیر وسعادۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نامہ کرم نے مشرف کیا آپ کا پہلا کرم نامہ بھی آیا تھا لیکن میں اس وقت ٹائیفائڈ بخار میں صاحب فراش تھا۔ مراسلات لکھنے اور پڑھنے سے معذور تھا' بخار طویل ہو گیا تھا کوئٹہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے جانا پڑا اس طرح آمدہ خطوط کے ڈھیر میں مکتوب دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا' سب درست ہے آپ کے دینی جذبات اور دینی احساسات سے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ ان مبارک خیالات کو امت کے لئے نافع اور مثمر فرمائے۔ آمین۔ انہی مقاصد کے پیش نظر حضرت مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کے ساتھ مل کر "دعوت و اصلاح" کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی گئی ہے مطبوعہ پمفلٹ ارسال کیا جائے گا۔ بہر حال دعا کریں۔ غفلت یا تغافل نہیں ... تدبیر زیر غور ہے۔ اس وقت اتنا ہی لکھ سکتا ہوں۔ ... السلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

عبد المجید فارقلیط صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت الامام الشیخ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسنی قدس سرہ العزیز

سلسلہ نسب: حضرت شیخ قدس سرہ نے مفتی غلام سرور کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کے ابتدائی اوراق پر اپنے دست خاص سے اپنا جو نسب تحریر فرمایا ہے وہ اس طرح ہے۔

احقر محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن سید مزمل شاہ بن سید میر احمد شاہ بن سید میر موسیٰ بن سید غلام حبیب بن سید محمد زکریا بن سید رحمت اللہ شاہ بن سید عبدالاحد بن حضرت سید محمد اولیاء بن سید السادات شیخ المشائخ صفوۃ الشجرۃ النبویہ معدن علوم الاولین والآخرین قطب الاقطاب سلطان العارفین حاجی الحرمین الشریفین مخزن اسرار الٰہی السید آدم بنوری (علیہ وعلی اولادہ الی یوم القیامۃ من اللہ الرحمۃ والرضوان) بن سید اسماعیل بن سید یہوا بن سید حاجی یوسف بن سید یعقوب بن سید حسین بن سید دولت بن سید قلیل بن سید سعدی بن سید قلندر کہ از فرزندان حضرت سید محمد کہ از اولاد اسماعیل ولد ابرہیم برادر خورد امام حضرت موسیٰ بن امام حضرت موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید شباب اہل الجنۃ قرۃ العینین لرسول الثقلین الحسین بن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ (وامہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء بنت نبی الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ وازکی التحیات واتم السلام) انتہی بلفظہ۔

اس طرح نویں پشت کا سلسلہ نسب عارف محقق سید الطائفہ حضرت سید آدم بنوریؒ سے جا ملتا ہے حضرت سید آدم بنوریؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے اجلہ خلفاء میں سے تھے ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب بنور نام کا ایک قصبہ ہے جسے حضرت سید آدم بنوریؒ کے مولد وطن ہونے کا شرف حاصل ہے بعد میں اسی نسبت سے آپ کی اولاد واحفاد بنوری کہلائی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد فرماتے تھے کہ میں نے سرہند جاتے ہوئے راستہ میں قصبہ بنور کو دیکھا تھا حضرت سید آدم بنوریؒ کے مکان خانقاہ اور لنگر خانے کے آثار وباقیات ابھی تک موجود تھے۔ حضرت سید آدم بنوریؒ نے حضرت امام ربانیؒ کے فیوض وبرکات سے حظ وافر پایا تھا۔ طالبان راہ ہدایت کی تربیت کا انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، حضرت امام العصر انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے تھے کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے بعض ملکات اپنے شیخ سے بھی بلند تھے اور ان کا طریقہ زیادہ لطیف تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ

کے سیرت نگاروں نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے بعد آپ کی جلالت مرتبت اور فخامت منزلت کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا محمود حسن خان ٹونکی نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔

وھو اعظم خلفاء الشیخ احمد السرھندی وکان من اجلۃ الصوفیاء من اہل الصفاء وکان کبیر المشائخ لہ شان عال واحوال سامیۃ ولہ ید طولی فی تربیۃ المریدین الطلبۃ وکان یوصل اھل عالم السفلیٰ الی الملاء اعلیٰ فی ادنی مرۃ

آپ حضرت شیخ سرہندی کے سب سے بڑے خلیفہ اور اجل صوفیاء میں سے ہیں آپ کا مرتبہ بہت بلند اور احوال نہایت عالی ہیں۔ اپنے مریدین اور طالبان راہ کی ہدایت، تربیت میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ بہت ہی کم مدت میں آپ اہل زمین کو ملاء اعلیٰ تک پہنچا دیتے تھے۔

اپنے ملکات قدسیہ اور احوالِ سامیہ کی وجہ سے آپ کے حلقہ بیعت وارشاد کو غیر معمولی وسعت، شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی آپ کی ذات عوام وخواص کے لئے رشد وہدایت کا مرکز بن گئی بر صغیر پاک ہند کے دو عظیم دینی گھرانے یعنی خانوادہ ولی اللہی اور خانوادہ سید احمد شہیدؒ نے اپنے دلوں کی دنیا کے چراغ اسی منبع انوار وتجلیات سے روشن کئے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سلسلہ آدمیہ کی طرف اپنی نسبت اور تعلق وانسلاک کا اظہار بڑے فخریہ انداز میں فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے "ما آدمیان ایم" حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گرامی مرتبت والد حضرت شاہ عبدالرحیم سے بیعت تھے، حضرت شاہ عبد الرحیمؒ حافظ عبد اللہ صاحب سے اور حضرت حافظ عبد اللہ سید آدم بنوری سے بیعت تھے اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ کا سلسلہ ارادات بھی حضرت سید آدم بنوری سے تھا۔ بر صغیر پاک ہند کے ان دو عظیم دینی گھرانوں کی لازوال مجاہدانہ دینی خدمات میں حضرت سید آدم بنوری کے فیوض وبرکات کو بڑا دخل ہے

ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ کو بھی اپنے اس نسبی اعزاز کا بڑا احساس تھا فرماتے ہیں:۔

میں ایک دن حضرت محدث کشمیری کے پاس بیٹھا ہوا "مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم" کے حوالے اسفار اربعہ سے نکال رہا تھا کہ مولانا حبیب الرحمان شیروانی تشریف لائے۔ حضرت محدث نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرایا کہ یہ حضرت آدم بنوری کی اولاد میں سے ہیں صاحب سواد ہیں یہ جو کام کر رہے ہیں مشکل کام ہے۔ میرا ایک قصیدہ ہے جس کا موضوع اثبات باری تعالی ہے لیکن مجھے اس نام میں شناعت معلوم ہوئی اس لئے "مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم" نام رکھا ہے یہ صاحب اس کے حوالے نکال رہے ہیں ان کے خاندان میں حضرت آدم کی بعض کتابیں بھی ہیں مزید فرماتے ہیں میں جب دیو بند گیا تو اساتذہ دارالعلوم نے عزت واحترام سے میری پذیرائی کی اور کہا گیا کہ "تم تو ہمارے مرشد زادہ ہو"

آباء واجداد:۔ خاندان بنور کے کچھ بزرگوں نے پنجاب اور اس کے گردونواح پر سکھوں کے غلبہ واستیلاء کے دوران مسلمانوں کے خلاف ان کے مظالم سے تنگ آکر صوبہ سرحد کی طرف ہجرت فرمائی افغان قبائل نے ان بزرگوں کا نہایت اکرام واجلال سے

استقبال کیا ان سے رشتہ ارادت استوار کیا دینی خدمات کے سلسلہ میں ان سے بھرپور تعاون کیا ان بزرگوں نے بھی اپنی خاندانی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے سرحدی قبائل میں گراں قدر دینی خدمات سر انجام دیں بعض جاہلی مراسم کے استیصال میں بڑی جدوجہد کی۔ موجودہ ریاست دیر کے بانی الیاس اخوند بھی آپ کے حلقہ ارادات میں شامل تھے جنہیں بعد ازاں دیر کے قبائل نے اپنا رئیس منتخب کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد بنوری خاندان کے بعض افراد نے کوہاٹ اور پشاور میں اقامت اختیار کر لی۔

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے پیر دادا میر احمد شاہ کا شمار مشاہیر پشاور میں ہوتا تھا بڑے ذی وجاہت بزرگ اور عالی مرتبت صوفی تھے آپ نے پشاور کے مضافات میں ایک محلہ آباد کیا۔ جو آج بھی گڑھی میر احمد شاہ کے نام سے معروف ہے، اس محلے میں سکونت پذیر ہونے کے لئے نماز پنجگانہ کی پابندی لازمی قرار دی گئی تھی انہی میر احمد شاہ کے صاحبزے میر مزمل شاہ تھے جو مولانا سید زکریا شاہ کے والد اور حضرت شیخ قدس سرہ کے دادا ہیں

والد ماجد :۔ مولانا سید زکریا شاہ بنوریؒ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سیدہ فاطمہ تھا جو محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خاتون نہایت عابدہ زاہدہ صاحب کرامات ولیہ تھیں حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ کو دعاؤں کا ذوق اپنی انہی عالی مرتبت وادی سے حاصل ہوا تھا، فرماتے تھے کہ "میں نے بہت چھوٹی عمر میں ظفر جلیل شرح حصن حصین از نواب قطب الدین دہلوی پڑھی تھی اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی" ان کے خاندان کو جلال آباد کے پاس خوگیانی مقام میں ایک باغ بھی امیر حبیب اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا جس میں انہوں نے انار کا باغ لگایا اسی تعلق کی بناء پر اوائل عمر میں حضرت شیخؒ کابل تشریف لے گئے۔ جس کی وجہ سے فارسی میں آپ کو مادری زبان کی طرح عبور حاصل ہو گیا مولانا سید زکریا شاہ بنوری عجیب وغریب طبیعت اور مزاج کے بزرگ تھے ان کی زندگی نشیب وفراز کا ایک حسین مرقع ہے، جید عالم دین، حاذق حکیم، عربی اور اردو کے اعلیٰ پائے کے ادیب، تعبیر الرویا، میں تو گویا انہیں امامت کا درجہ حاصل تھا خاندان میں معاشی فراغت اور ننھیال کی طرف سے شاہی خاندان سے تعلق کی وجہ سے ان میں خود بھی شاہانہ تلون پایا جاتا تھا طورو کے نواب محبت خان کی طرف سے انہیں ضلع مردان کے قصبہ رشکئی کے مضافات میں کچھ زرعی زمینیں بطور ہدیہ دی گئی تھیں، لیکن ان سارے دینی ودنیاوی انعامات کے باوجود خاندان بنور کی روحانی عظمت کے احساس نے انکی روح کو بے چین رکھا تھا یہ آتش شوق اس قدر بڑھی کہ خود کو علائق دنیا سے بالکل الگ تھلگ کر لیا، نواب طورو کی زمینیں انہیں واپس کر دیں گھر کا تمام اثاثہ ماسوائے سکونتی مکان کے فروخت کر ڈالا مرشد کی تلاش میں رشد وہدایت کے معروف منابع یعنی دہلی، اجمیر اور دیگر خانقاہوں پر حاضری دی لیکن جب سکون قلب یہاں بھی میسر نہ آسکا تو بغداد کا رخ کیا اور ایک عرصہ تک حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مزار پر چلہ کشی کرتے رہے زوال پذیر ترکی حکومت کا یہ آخری دور تھا عراق میں شدید بدامنی پھیلی ہوئی تھی حالات کی ناسازگاری نے انہیں پھر ہندوستان آنے پر مجبور کر دیا یہاں آئے تو صوبہ بمبئی کے ضلع ناسک کے جنگلوں کا رخ کیا اور ایک عرصہ تک چلہ کشی کی شدید ریاضتیں کرتے رہے۔

اللہ اللہ خالق ارض وسماء نے انسان کے مضغۃ الجسد میں عشق ودیوانگی کے کیسے کیسے طوفان سمو دیئے ہیں۔ جب یہ کسی سے

اپنا رشتہ وفا و اخلاص استوار کر لیتا ہے تو حصول وصل کی راہ میں رنج والم کے پیمانے بدل جاتے ہیں راہ کی آبلہ پایاں حدی خوانی کا کام دیتی ہیں موسمی تجاوزات کی تلخیاں لذت و سرور کے کیف آور احساسات سے ہمکنار کرتی ہیں دل کا یہی لگاؤ یہی اٹھاؤ اور یہی بندھن اسکی زندگی کا پتہ دیتے ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے　　　کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

بہر حال شدید ریاضتوں اور مسلسل چلہ کشی کے بعد جب ان کے داخلی کرب کو بالیدگی میسر آئی تو انہوں نے اپنے گھر کا رخ کیا، رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے اور معاشی کفالت کے لئے ٹھیکیداری پیشہ اختیار کیا اس پیشے سے انہوں خاصی دولت کمائی پھر یہاں سے آپ حکومت افغانستان کے بعض منصوبوں پر کام کرنیکی غرض سے کابل تشریف لے گئے اپنی خاندانی وجاہت طبیعت میں غیر معمولی حذاقت و مہارت، اپنے بلند پایہ ادبی ذوق اور علم و فضل کی وجہ سے ان کا شمار مشاہیر کابل میں ہونے لگا اعیان و اکابر حکومت سے ان کے گہرے روابط استوار ہوگئے اسی زمانے میں والئ کابل امیر امان اللہ خان کی طرف سے آپ کو دو عدد ہوائی جہازوں کی فراہمی کا ٹھیکہ دیا گیا آپ نے ان ہوائی جہازوں کی فراہمی کے لئے حکومت افغانستان سے کسی قسم کی کوئی پیشگی رقم نہ لی بلکہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم خرچ کر کے غالباً ریاست پٹیالہ کے مہاراجہ سے سودا کیا مگر جب یہ ہوائی جہاز کابل پہنچے تو افغانستان انقلاب کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ امیر امان اللہ خان تاج و تخت سے محروم ہو کر یورپ چلے گئے تھے، نئے حکمران نادر خان کی حکومت اگرچہ حکومتی قرضوں کی ادائیگی کی قانوناً ذمہ دار تھی، لیکن نئی حکومت مولانا مرحوم کے قرضے کی ادائیگی میں ایک طویل عرصہ تک لیت و لعل سے کام لیتی رہی۔ حضرت مولاناؒ چونکہ اپنا سارا اندوختہ اس سودے پر خرچ کر چکے تھے اس لئے آپ اور آپ کے اہل عیال نے یہ دور بدترین قسم کی معاشی بدحالی میں گزارا۔

بہر حال مولانا سید زکریا شاہؒ زندگی کے اس معاشرتی مدوجزر کے باوجود نہایت ہی اعلی محاسن و محامد کے مالک تھے۔ خاندان بنور کی جملہ دینی وروحانی خوبیاں ان میں موجود تھیں، احقر راقم کو حضرت مرحوم سے دو مرتبہ شرف نیاز حاصل ہے ایک مرتبہ اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں اور دوسری مرتبہ لاہور میں جب وہ اپنے جلیل القدر فرزند حضرت شیخ بنوریؒ کی معیت میں اپنے ایک دوست شیخ محمد عبد اللہ کے ہاں گلبرگ میں قیام پذیر ہوئے ان دونوں بزرگوں نے ان کے ہاں تین چار روز تک قیام فرمایا اس مدت کے دوران احقر کو اکثر اوقات وہاں حاضری کا شرف حاصل رہا متعدد علمی مجلسیں منعقد ہوئیں مولانا سید زکریا شاہ صاحبؒ بنوری نے ان مجلسوں میں اپنے زمانہ قیام افغانستان کے دوران رویاء کی تعبیرات اور طبابت میں اپنی حذاقت کے عجیب غریب واقعات سنائے ایک دن معلوم نہیں شیخ عبد اللہ کو کیا ہوا بڑے ترنگ میں آکر حضرت شیخ سے کہنے لگے مولانا آپ کی علمی عظمتیں دوسروں کے لئے ہیں ہمارے لئے تو آپ اب بھی برخوردار ہیں اس لئے کہ ہم نے آپ کو اپنی گود میں کھلایا اور انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے شیخ صاحب کے انداز گفتگو میں عُجب و پندار کا احقر کو بھی احساس ہوا۔ حضرت شیخ نے فوراً فرمایا ہاں! " عم محترم! آپ کا فرمانا بجا" مجھے جاننے والے میری برخورداری کا مقام خوب پہچانتے ہیں فرمایا میری عمر ابھی پچیس سال کی تھی جب اپنے وقت کے عظیم محدث اور مفسر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مجھے علامہ کہہ کر پکارا کرتے تھے، اس پر شیخ صاحب مرحوم خفیف سے ہو کر خاموش ہوگئے ایک روز لاہور کے

تاریخی مقامات کی سیر کو نکلے راستے میں اثناء گفتگو مولانا سید زکریا شاہ فرمانے لگے مجھے اپنے جلیل الرتبت فرزند پر بے حد ناز ہے اور میں ان کا ممنونِ احسان ہوں کہ ان کی وجہ سے اہلِ علم میں میری قدرو منزلت اور عزت وتکریم میں اضافہ ہوا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ برداللہ مرجعہ کی ذات گرامی نہ صرف آپ کے والدین کے لئے سرمایہ افتخار ہے بلکہ آپ نے خانوادہ بنور کی عظمت کو اپنی غیر معمولی علمی اور دینی خدمات کی وجہ سے مقام سدرہ تک پہنچادیا بلاشبہ اس عظیم دینی گھرانے کے مورث اعلیٰ حضرت سید آدم بنوریؒ ایک بلند پایہ عارف باللہ ایک ولیِ کامل اور مملکت علم وصفاء کے تاجدار تھے لیکن ان کی شہرت ومقبولیت ایک مخصوص حلقہ تک رہی جب کہ ہمارے شیخ کو اللہ تعالی نے اپنے خصوصی انعامات سے نواز کر نہ صرف برصغیر پاک وہند کے عوام وخواص میں محبوب ومکرم بنادیا تھا، بلکہ عالم اسلام کی مقتدر علمی شخصیتوں نے آپ کی عالمانہ تحریروں کے حضور اپنی جبین نیاز کو خم کیا اور آپ کو جماعت ملائکہ میں شمار کیا خانوادہ بنور کے اس حق کو کوئی نہیں چھین سکتا کہ وہ اپنے اس عظیم سپوت پر فخرومباہات کے جس قدر جذبات کا بھی اظہار کرے کم ہے۔

کنند خویش وتبار از تو نازومی زیبد
بہ حسن یک تن گر صد قبیلہ ناز کنند

ولادت باسعادت:۔ ضلع مردان کے قصبہ رشکئی کے ریلوے اسٹیشن کے عقب میں؛ مہابت آباد؛ نام کی ایک بستی آباد ہے بظاہر چند گھرانوں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی میں نہ تو کوئی امتیازی خصوصیت ہے اور نہ ہی پاکستان کے نقشہ میں اس کا کوئی خاص وجود ہے لیکن جب مستقبل کا مؤرخ محدثین عظام کے علمی کارناموں کی تاریخ مرتب کریگا تو اسے اس چھوٹی سی بستی کو اپنی تاریخی دستاویزات میں ایک نمایاں مقام دینا پڑے گا اس لئے کہ اس بستی کو آسمان علم وفضل کے اس بدر کامل کا مولد وموطن ہونے کا شرف حاصل ہے جسکی ضیاء پاش تحریروں اور تقریروں سے زمانہ ایک عرصہ سے اپنی محافل علم وادب کو منور کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا اللہ۔ اللہ یہ اعزاز یہ اکرام یہ شرف اور یہ امتیاز لوٹنے کی جا ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت الشیخؒ کی خود نوشت تحریر کے مطابق آپ بوقت سحر بروز جمعرات ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۶ھ بمطابق سنہ ۱۹۰۸ء عالم عدم سے عالم وجود میں میں تشریف لائے (رضوان اللہ علیہ ورحمتہ) ابھی آپ نے اپنے پاؤں پر چلنا بھی نہ سیکھا تھا کہ سایہ مادر سے محروم ہوگئے آپ کی ایک پھوپھی جن کا اسم گرامی سیدہ مریم تھا، انہوں نے آپ کی پرورش کی۔ ملکوتی صفات کی یہ خاتون صاحبِ کرامات ولیہ تھیں حضرت مریم علیہ السلام کی طرح ان کے پاس بھی بے وقت کے میوے آتے تھے اس قدر زاہدہ کہ انہوں نے وضو کی حالت میں سورۃ یاسین تلاوت کرتے ہوئے چرخے پر سوت کاتا اور اس کا کپڑا بنوا کر اپنے کفن کے لئے رکھا ہوا تھا بعد میں جب مولانا زکریا شاہؒ کی صحرا نوردی کے ایام میں اس خاندان کو عسرت وتنگدستی نے آگھیرا تو سیدہ مریم کے کفن کا یہی کپڑا ہمارے شیخؒ کے لئے

عید کا جوڑا بنا۔۔

ابتدائی تعلیم:۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت شیخؒ اوائل عمری میں کابل تشریف لے گئے تھے اس وجہ سے فارسی زبان میں تکلم پر انہیں ایسا عبور ہو گیا تھا، گویا یہ آپ کی مادری زبان ہو بعد میں آپ اپنے ماموں مولانا فضل ہمدانی کے ہمراہ واپس تشریف لائے تو آپ نے پشاور کے بعض علماء سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں یہ وہ دور تھا جب آپ کے والد مکرم علائق دنیا سے دستکش ہو کر جنگلوں میں چلہ کشی کی زندگی گزار رہے تھے اس لئے آپ کو اپنی ابتدائی تعلیم کے حصول میں شدید دقتوں کا سامنا کرنا پڑا گھر میں عسرت کی وجہ سے مکئی کی روٹی اور سبز چائے کے ناشتے ہی پر قناعت کرنا پڑتی تھی اور پھر اسی ناشتے پر شدید سردیوں کے موسم میں بستی سے بہت دور اپنے اساتذہ کی خدمت میں سارا دن گزارنا پڑتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیخؒ نور اللہ مرقدہ کو ذکاوت و فطانت اور حافظہ کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا اس لئے آپ جو کچھ پڑھتے صفحۂ ذہن پر نقش ہو جاتا شمسیہ کی شرح قطبی کا دیباچہ عربی ادب کا شاہکار ہے آپ نے جب قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ حفظ کر لیا۔ صرف میں آپ کے استاذ مولانا حافظ عبد اللہ ساکن لنڈھی ارباب تھے حافظ صاحب موصوف نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے بعد میں ان کے دشمنوں نے انہیں بے گناہ شہید کر دیا۔ حضرت شیخؒ نے قراءۃ و تجوید باقاعدہ کسی استاد سے نہیں پڑھی تھی صرف ابن حاجب کی شافیہ پڑھی تھی۔ صرف اسی ایک کتاب کے مطالعے سے فن تجوید میں آپ کو کافی درک حاصل ہو گیا تھا۔

قراءۃ و تجوید کی بحثوں میں آپ کی رائے کو ہمیشہ صائب تسلیم کیا جاتا تھا، اس ابتدائی تعلیم کے بعد آپ دوبارہ کابل تشریف لے گئے وہاں کے جن مشہور اساتذہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی ان میں محکمہ شرعیہ کے قاضی مرافعہ قاضی القضاۃ مولانا عبد القادر افغانی لمقانی اور شیخ محمد صالح القیلغوی افغانی کا تذکرہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

قاضی مرافعہ قاضی عبد القادر سے آپ نے منطق کی کچھ کتابیں میرزاہد ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ آپ قاضی صاحب موصوف کے درس ہدایہ ثانی میں شریک ہوا کرتے تھے، آپ کی استعداد و قابلیت دوسرے طلبہ سے ممتاز تھی۔ اس لئے اس زمانے کے محض سنے ہوئے فقہی مباحث خاص طور پر شروط دعوے سے متعلق بحثیں اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ آپ کو آخری عمر تک یاد رہیں۔ اسی دور میں کابل کے حکمران امیر امان اللہ خان کے ایک وزیر سے آپ کا تعارف ہو گیا جنہیں جدید مصری ادب سے بہت شغف تھا آپ کی ذہانت و فطانت اور عربی ادب سے آپ کے طبعی میلان کو دیکھ کر وزیر موصوف نے آپ کو جدید عربی ادب کی کچھ کتابیں ہدیۃً دی تھیں۔

تاہم حضرت شیخؒ کی ذہانت، حافظہ اور طبیعت کے اخذ و قبول کی غیر معمولی صلاحیتوں کے باوجود آپ کو باقاعدہ کسی مشہور دینی درسگاہ میں پابندی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا اس کی وجہ آپ کے والد مکرم کی طویل خانہ بدوشی، یا سیاحت اور گھر سے دوری ہے آپ اکثر شکایت فرمایا کرتے تھے کہ میرے گرامی قدر والد میری ابتدائی تعلیم پر مطلق توجہ نہ دے سکے۔

اللہ تعالیٰ جن نفوس قدسیہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرما لیتا ہے ان کے ساتھ اس کا معاملہ بھی عام لوگوں سے

مختلف ہوتا ہے اکثر وبیشتر ان کے ایام صغر سنی ہی میں انہیں ظاہری اسباب ووسائل سے محروم کر دیا جاتا ہے تا کہ کل جب وہ عظمتوں اور رفعتوں کی ثریا تک پہنچیں تو معاشرے کے افراد اپنی سیڑھیوں کی نمائش نہ کرتے پھریں، ان کے زلف وکاکل کی آرائش اور حسن معنی کی تجمیل کی ذمہ داریاں نشاطہ فطرت کے سپرد کر دی جاتی ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور تہذیب و تادیب کا کام براہ راست ملاء اعلیٰ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر میں محاسن سنیہ کے جملہ جواہر سمو دیئے جاتے ہیں، رشد وہدایت کی راہوں پہ قدم قدم پر ان کے لئے قندیلیں روشن کر دی جاتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل:۔ کابل سے دوبارہ واپسی کے بعد آپ نے درس نظامی کی اعلیٰ کتب کی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا یہ ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء کا سن تھا۔ وہاں آپ نے بحثیت طالب علم سن ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۰ء سے سن ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء تک یعنی تین سال قیام کیا یہیں اسی زمانہ طالب علمی میں آپ کے یار غار اور حبیب مکرم مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیری سے دوستانہ مراسم استوار ہوئے جو آگے چل کر پاکستان میں ایک دینی مدرسہ کے قیام اور ترقی واستحکام میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئے۔

طالب علمی کا زمانہ لاابالی پن اور غیر ذمہ داریت کا دور ہوتا ہے اور اس پر عنفوان شباب کی سرکش خواہشات قدم قدم پر ناپسندیدہ حرکات پر ابھارتی ہیں لیکن الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے حلم وحیا عفت وپاکبازی اور متانت ووقار کے انمول جواہر آپ کی سیرت میں سمودیئے تھے آپ کے رفیق سکونت اور حبیب خاص مولانا لطف اللہ صاحبؒ آپ کی اس اخلاقی عظمت کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے لاتسئل عن المرء وسل عن قرینہ

کل جسے شہر علم وفضل اور طائر سدرہ نشین بننا تھا عالم نو پروازی میں اس کے بال وپر میں کیوں کر تزلزل وضعف پیدا ہو سکتا تھا جس قلب ولسان اور اعضاء وجوارح کو "رب مبلغ اوعی من حاملہ" کا مصداق بننا تھا، اس کی طہارت وعفت کا کیوں کر سامان نہ کیا جاتا۔۔ **ذالک من فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے سب سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کے درجہ میں داخلہ لیا۔ اسی سال آپ نے ابن رشد کی بدایۃ المجتہد اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ یہ دونوں کتابیں آپ نے بمبئی کے ایک ناشر سے بذریعہ ڈاک منگوائی تھیں جب یہ دونوں کتابیں آپ کے پاس پہنچیں تو آپ نے غایت درجہ بہجت و سرور کا اظہار فرمایا۔ حجۃ اللہ البالغہ کا نسخہ اب تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں محفوظ ہے، اسی زمانہ میں دارالعلوم میں بعض شدید قسم کے اختلافات رونما ہو گئے حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کاشمیری نے سلسلہ درس وتدریس منقطع کر دیا۔ حضرت مدنیؒ نے بخاری اور ترمذی کے اسباق شروع کروا دئے، طلبہ کی غالب اکثریت حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ کرنا چاہتی تھی ان کا شدید اصرار تھا کہ آپ بھی ان دونوں کتابوں کے اسباق شروع کرادیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں صرف وہ کتاب پڑھا سکتا ہوں جس کے اسباق شروع نہ ہوئے ہوں معلوم ہوا کہ موطا امام مالکؒ شروع نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے موطا امام مالک شروع کروادی جن طلبہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے موطا امام مالکؒ پڑھی ان میں ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ بھی تھے

اس طرح حضرت شیخ کا حضرت شاہ صاحب سے یہ پہلا تلمیذانہ تعلق قائم ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کی علمی حذاقت ومہارت نے اس تعلق کو والہانہ شیفتگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچادیا۔

دارالعلوم دیوبند میں اختلافات نے اتنی نازک صورت اختیار کرلی کہ بعض اجلہ شیوخ کی دارالعلوم سے علیحدگی ناگزیر ہوگئی چنانچہ طے یہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سراج احمد اور مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی دارالعلوم سے قطع تعلق کرکے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں طلبہ کی غالب اکثریت ان حضرات کے ساتھ تھی۔ چنانچہ کسی ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں کے احباب اساتذہ کرام کے وظائف کے ساتھ ساتھ ان طلبہ کے قیام وطعام کا بھی بندوبست کرسکیں بالآخر ڈابھیل کے سیٹھ گارڈی اور موسیٰ میاں نے اس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھالیا اور پھر ڈابھیل میں ایک نئے دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے جلیل القدر رفقاء سے تشریف لانے کی درخواست کی گئی۔ طلبہ کی جو جماعت ان بزرگوں کے ساتھ ڈابھیل گئی حضرت الشیخ البنوری بھی ان میں شامل تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے درس موطا امام مالک کے دوران علم کے جو نقش آپ کے دل ودماغ پر مرتب کئے تھے انہوں نے اپنے شیخ کے لئے عقیدت وارادت کو عشق و دیوانگی کی آخری حدوں تک پہنچادیا فنا فی الشیخ کی کیفیات و ارادت کی جو حکایتیں اور روایتیں ہم نے اسلاف کے بارے میں سنی ہیں ہمارے شیخ میں وہ بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

شمہ از داستان شور انگیز ما است　　　　ایں حکایتہا کہ از فرہاد شیریں کردہ اند

چنانچہ دارالعلوم ڈابھیل میں جب حضرت امام العصر نے بخاری اور مسلم کے اسباق شروع کئے تو ہمارے شیخؒ نے اپنی ذہانت وفطانت اور دل ودماغ کی جملہ توجہات کو حضرت شاہ صاحب کے درس کی سماعت کے لئے مرکوز کردیا خود فرماتے ہیں کہ میں حضرت شاہ صاحب کے درس کے انتظار میں منٹ اور سیکنڈ تک شمار کیا کرتا تھا اور درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ ایک ایک حرف اور استاذ کی ایک ایک حرکت وسکون تک یاد ہوتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب شاہ صاحب کے علوم کو جذب کررہا ہے گویا علم وعرفان کے ہمالیائی گلیشروں سے پگھلنے والا حیات بخش پانی تربیلاڈیم کی جھیل میں جمع ہورہا ہو۔ ظرف کی انہی وسعتوں اور حوصلہ کی انہی پہنائیوں نے علوم انوریہ کو خود میں سمو لیا یہاں آپ نے حضرت شاہ صاحب سے بخاری اور باب حب الانصار من الایمان اور ترمذی از باب مس الذکر تک پڑھی۔ اس کے بعد شاہ صاحب اپنی علالت کی وجہ سے اس سال سلسلہ درس وتدریس جاری نہ رکھ سکے اور واپس دیوبند تشریف لے گئے حضرت الشیخ نے دارالعلوم ڈابھیل سے دورہ کا امتحان دیا اور تمام طلبہ میں اول پوزیشن حاصل کی خصوصی انعام سے نوازے گئے۔ کتاب عقیدۃ الاسلام اور دس روپے نقد آپ کو انعام دیا گیا نتیجہ امتحان حسب ذیل ہے (۱) صحیح بخاری ۵۱ (۲) صحیح مسلم ۵۲ (۳) سنن نسائی ۵۱ (۴) سنن ترمذی ۵۱ (۵) موطا امام مالک ۵۱ (۶) موطا امام محمد ۵۰ (۷) طحاوی شریف ۵۰ (۸) تفسیر بیضاوی ۵۱

یاد رہے کہ امتحان میں ہر کتاب کے پچاس نمبر مقرر کئے گئے تھے اس طرح آپ نے کل ۴۰۰ نمبرات میں سے ۴۰۷ نمبر حاصل کئے۔

حضرت امام العصر تو اپنی علالتِ طبع کے باعث دیوبند تشریف لے گئے تھے لیکن حصول علم کی جو شمع آپ حضرت شیخ کے

دل و دماغ میں فروزاں کر گئے تھے اس نے مفارقت کے ان ایام کو آپ پر بہت گراں بنا دیا۔ چنانچہ یونہی آپ نے دروہ حدیث سے فراغت حاصل کی دیار حبیب یعنی دیوبند اپنے شیخ کی خدمت میں جا پہنچے۔ آتش شوق کے یہی ایام اور عشق و دیوانگی کا یہی دور حضرت شیخ کا حاصل حیات تھی۔ اسی دور میں آپ کو اپنے استاذ گرامی کے علوم سے وہ مناسبت تامہ پیدا ہوئی جس کی بدولت علوم انوریہ کا وافر حصہ آپ کی ذات میں منعکس و منجذب ہو گیا واردات قلب کی انہی کیفیات کو اگر شیخ کی زبانی سے سنا جائے تو یہ کیف و سرور سے دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں!

"حضرت شاہ صاحبؒ بیماری کی وجہ سے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے فراغت کے بعد میں بھی دیوبند آیا۔ حضرت استاذ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی میں تحریر کیا کہ میں آپ سے اور آپ کے علوم سے استفادہ کا متمنی ہوں میں نے عربی تحریر میں جسقدر درد پیدا ہو سکتا تھا پیدا کیا۔ شیخ سے قلبی تعلق کا اظہار کیا اور اپنی تشنگی علم کا ذکر کیا، حضرت شاہ صاحبؒ اپنے مکان پر تشریف فر ماتھے عریضہ دیکھ کر فرمایا کہ ادب کہاں سے پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہیں سے نہیں۔" فرمایا آپ کو ادب پڑھنے کی حاجت نہیں اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ آپ کو میں اپنے ساتھ ملحق کر لوں گا پھر حکم دیا کہ بدھ کے دن دیوبند میں جو بازار لگتا ہے وہاں سے ایک چٹائی خرید کر لانا میں چٹائی خرید لایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب (مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم) حوالہ کی اور فرمایا اس کے حوالہ جات (اسفار اربعہ للشیرازی) سے نکالو! حالانکہ یہ مشکل کام تھا لیکن مجھے بحمد للہ کوئی دقت نہیں ہوئی (یہ واقعہ اپنی تفصیل کے ساتھ گذ شتہ اوراق میں گزر چکا ہے) حضرت شیخ (اسفار اربعہ) کے حوالہ جات کی تخریج کا کام کر رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کو کشمیر کا سفر در پیش ہوا، آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اس سفر میں خادمانہ رفاقت کی درخواست کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ آپ کی والہانہ شیفتگی وعقیدت سے باخبر تھے۔ چنانچہ آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا۔

کشمیر کا سفر حضرت شیخ کے لئے بہت بابرکت ہوا ڈابھیل اور دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف سے استفادہ عمومی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن یہاں کشمیر میں آپ کی ساری علمی نوازشیں ہمارے شیخ کے لئے مختص تھیں۔ گویا اس سفر کا دورانیہ چند مہینوں تک محدود تھا لیکن یہ مہینے حضرت الشیخ کی علمی زندگی کا حاصل و خلاصہ تھے

قلیل منک یکفینی و لکن . قلیلک لا یقال لہ قلیل

اس مختصر سفر کے دوران آپ نے اپنے شیخ کے حضور عشق و دیوانگی کی ساری داستانیں اور مہر و وفا کے تمام قصے دہرا کر رکھ دیئے یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر کرم کا اثر تھا یا حضرت شیخ کے جنون کی نیرنگیاں تھیں کہ سینہ انوار میں مخفی تمام دفائن و خزائن سینہ بنوریؒ میں منتقل ہو گئے۔

نیروئے عشق بیں کہ دریں دشت بیکراں۔ گامے نہ رفتہ ایم کہ بہ پایاں رسیدہ ایم

اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کی داستانیں حضرت شیخ بڑے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ شیخ سے حاصل شدہ انہی فیوض و برکات کو سناتے وقت آپ کا ہر بُن مُو سراپا تشکر و امتنان بن جاتا تھا۔

زمانہ گلشن عیش کرا بہ یغما داد - کہ گل بہ دامن ما دستہ مے آید

قیامِ کشمیر کے دوران آپ نے اپنے شیخ سے بعض دوسری کتابیں بھی پڑھیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس زمانے میں اپنے بھائی سیف اللہ شاہ کو مطول اور سلم العلوم پڑھائیں۔ حضرت شیخ ان دونوں کتابوں کے درس میں برابر کے شریک رہے۔ حضرت شیخ اپنی زندگی کے اس یادگار علمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

میرے شب و روز کا ایک ایک لمحہ حوائج ضروریہ کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے لئے وقف تھا۔ بہترین صحت جوانی کا زمانہ کشمیر کی آب وہوا اچھی غذا، نیند آتی تھی لیکن میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا۔ کشمیر کی سردی کافی تھی مگر رات ہاڑھائی تین بجے اٹھ جاتا تھا۔ حضرت شیخ کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ اٹھ جائیں اور میں ابھی بیدار نہ ہوا ہوں۔ اسی زمانے کے دو واقعات بیان کرتے تھے۔

ایک تو یہ کہ رمضان کا زمانہ تھا میں حسبِ معمول ظہر کی نماز کے بعد حوالہ جات کا کام کرتا اور شیخ تلاوت کچھ بلند آواز میں فرماتے تھے۔ شیخ کی تلاوت کی حلاوت میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی، میں اپنا کام تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر شیخ کی شیریں تلاوت سے روح و قلب کو شاد کام --- بناتا۔ حضرت شیخؒ جب آیات قرآنیہ میں تفکر و تدبر کرنے لگتے تو میں پوری تندہی سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ایک روز دوران تفکر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا سامنے الماری میں فتح الباری رکھی ہے اس کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر دیکھو کہ حدیث ابن عباسؓ حافظ ابن حجر نے مسند امام احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے یا ابن حبان کے حوالہ سے، میں نے حسبِ ہدایت دیکھ کر عرض کیا کہ صحیح ابن حبان کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ یہ سن کر آپ پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے اسی زمانے میں حضرت شیخؒ نے اپنے استاذ گرامی کی ہدایت و نگرانی میں فتویٰ نویسی کا کام بھی کیا۔ حضرت امام العصر کے پاس مختلف مقامات سے جو استفتاء آتے تھے آپ ضروری ہدایات دے کر حضرت کو ان کا جواب لکھنے کا حکم فرماتے اور پھر حضرت شیخ کے تحریر کردہ فتاویٰ (الجواب صواب) دیکھ کر اپنے توثیقی دستخط فرماتے اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت محدث کشمیری نے آپ کے تحریر کردہ کسی فتویٰ پر نکیر کر کے اس پر دستخط نہ فرمائے ہوں۔

ایک مرتبہ علماء کشمیر میں طلاق کے کسی مسئلہ میں وقوع یا عدم وقوع کے بارے میں شدید اختلاف رونما ہو گیا تصویب کی خاطر استفتاء حضرت امام العصر کی خدمت میں بھیجا گیا اس میں علماء کا جو فریق وقوعِ طلاق کا مدعی تھا۔ ان کا استدلال فتاویٰ العمادیہ کی ایک عبارت سے تھا، حضرت شاہؒ صاحب یہ استفتاء دیکھ کر بہت متفکر ہوئے کہ مسئلہ زیر نظر میں قضاء کی ضرورت ہے، اور تحقیقِ واقعہ کے بغیر اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ تحقیق واقعہ کی راہ میں بے شمار موانع تھے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ گرامی کے اس تفکر کو دیکھ کر عرض کیا حضرت آپ قاضی کیوں بنتے ہیں؟ مفتی بن کر فتویٰ تحریر فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضرت محدث کشمیری کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ سے فرمایا کہ اس کا جواب لکھ دیجئے اس میں یہ بھی لکھیں کہ "العمادیہ" کی عبارت سے جو فریق استدلال کر رہا ہے وہ غلط ہے کیونکہ العمادیہ کا صحیح مخطوطہ میں نے کتب خانہ دار العلوم دیوبند

میں دیکھا ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے اس لئے یا تو یہ تصحیف ہے یا تدلیس ۔ آپ نے اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق جب جواب لکھا تو شیخ نے اسے بہت پسند فرمایا اور اس میں ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا جب اس جملہ پر پہنچے قد طالع الشیخ الحبر البحر مولانا محمد انور شاہ الفتاویٰ العمادیہ ۔ تو شیخ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور فرمایا قلم لائیے اور لفظ الحبر اور بحر کو قلم زد فرمادیا اور فرمایا آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے۔

دوسرا واقعہ جو حضرت الشیخ نے اسی زمانے کا سنایا ۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت استاذ سے عرض کیا کہ حضرت میں جو کام کر رہا ہوں اس میں مولوی سیف اللہ صاحب کو بھی شامل کر لیا جائے تو بہتر ہے ۔ فرمایا آپ جو کام کر رہے ہیں سیف اللہ شاہ ایک دن بھی کرے گا تو چیخ اٹھے گا۔

اساتذہ کرام : آپ نے پشاور کابل، دیوبند، اور ڈابھیل میں جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے پشاور کے مولانا حافظ عبد اللہ لنڈھی ارباب اور مولانا قاضی عبد القدیر، قاضی مرافع کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ دیوبند میں داخلے کے لئے پہلے سال ہی آپ نے مشکوۃ المصابیح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، صاحب التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح سے پڑھی مقامات وسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان سے پڑھی۔ سلم العلوم میں آپ کے استاذ مولانا رسول خان صاحب ہزاروی ہیں، بخاری اور ترمذی کے اکثر حصے آپ نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے پڑھے ۔ لیکن حضرت موصوف کی علالت کے باعث ان دونوں کتابوں کی تکمیل اس طرح کی کہ ترمذی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے اور بخاری شریف مولانا عبد الرحمان امروہیؒ سے ۔

حضرت شیخؒ اپنے اساتذہ کرام کا غیر معمولی ادب و احترام فرماتے تھے ہر شخص کے کمالات کا کھلے دل سے اعتراف فرماتے ۔ فروق بین الرجال میں آپ کو غضب کا کمال تھا، شخصی تحلیل و تجزیہ میں ان کی نظر میں بہت وسعت تھی خود احقر کو زمانہ طالب علمی کے دوران مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تشریف لانے والے بزرگوں کے ادب و احترام کے متعدد مناظر دیکھنے کو ملے ۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ مدرسہ میں تشریف لائے احقر نے نماز کے وقت حضرت موصوف کے نعلین اٹھانے کی کوشش کی تو ہمارے شیخ نے نعلین میرے ہاتھ سے لے لیئے فرمایا، یہ ہمارا حق ہے ۔ ہم خود کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتے، تمہارے لئے ہم جو ہیں ۔ حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب کامل پوری مدرسہ میں تشریف لائے، تو آپ ان کے سامنے ادب و احترام سے بچھے جاتے تھے۔

الغرض اہل علم و فضل کے ساتھ آپ کا طرز عمل نہایت منکسرانہ اور متواضعانہ ہوتا تھا۔

حضرت امام العصر کے بعد جس شخصیت کے علمی کمالات کے آپ معترف تھے وہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب فتح الملہم ہیں۔ اپنی شرح ترمذی معارف السنن میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو شیخنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔

لیکن جس شخصیت نے آپ کے دل و دماغ پر اپنے نبوغ اور عبقریت کے انمٹ نقوش چھوڑے وہ حضرت شاہ صاحب ہی کی ذات ہے حضرت محدث کشمیری کے کمال فی العلم اور حذاقت کے سامنے ان کی نگاہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا۔ انہی کے شیریں تذکروں سے اپنی محفلوں کو زندہ رکھتے، ان کا ذکر خیر اس انداز میں کرتے گویا ابھی ابھی ان کے حضور سے اٹھ کر آرہے ہیں ان کے

ملفوظات اپنے سینے میں اس طرح محفوظ کر رکھتے تھے، کہ بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے واللہ ھذا لفظہ، واللہ ہذا لفظہ عقیدت وارادت اور تشکر وامتنان کا ایک چشمہ تھا جو آپ کے ہر حرف اور ہر لفظ سے ابلتا محسوس ہوتا تھا۔

ہم شہر پر زخوباں منہم وخیال ماہے۔ چہ کنم کہ نفس بدخو نہ کند بہ کس نگاہے۔

پشاور واپسی: دیوبند اور ڈابھیل کے علمی مراکز عمل وعرفان کے دور والآگی سے لدے پھندے آپ واپس اپنے وطن مالوف پشاور پہنچے یہاں آکر آپ کو انتہائی ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ والد ماجد اپنے قرضوں کی وصولی کے سلسلہ میں کابل میں قیام پذیر تھے آمدنی کے ذرائع مفقود تھے۔ اخراجات کا سلسلہ جاری تھا گھر ایک عاشق زار کے دل کی ویرانی کا نقشہ پیش کرتا تھا

سر شام ہی بجھا رہتا ہے۔ دل ہے گویا چراغ مفلس کا

اپنے والد ماجد کو اہل خانہ کی اس غربت وتنگدستی کی اطلاع دیتے تو جواب آتا کہ قرضوں کی وصولی عنقریب ہونے والی ہے اور خانگی مشکلات کا دور ختم ہونے والا ہے لیکن ابتلاء وامتحان کا یہ دور طویل تر ہوتا چلا گیا کابل کی نادر خانی حکومت سے قرضوں کی وصولی ایک لاینحل مسئلہ بن گئی، گھر کا تمام اثاثہ ختم ہو چکا تھا، حتیٰ کہ آپ کی منگیتر جو آپ کے چچا کی لڑکی تھی کی ساری زمینیں بھی آپ کے والد ماجد کے ہاتھوں فروخت ہو چکی تھیں

شادی: ۔ ان حالات میں حضرت الشیخ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے آپ کی شادی بھی مشاہیر عالم کی تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے اس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال آپ کے حبیب خاص حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی زبان سے سنیے! فرماتے ہیں" جب مولانا کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں غیر معین تاخیر ہو گئی تو مولانا عبدالحق نافع کے مشورہ سے طے پایا کہ مولانا کا نکاح اب بہر صورت ہو جانا چاہیے۔

وہ عجیب وغریب رات مجھے نہیں بھولتی جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا۔ مولانا خود دولہا تھے خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے خود ہی نکاح خواں تھے میں اور مولانا عبدالحق نافع گواہ تھے شادی کے لئے اور اہتمام تو کیا ہوتا جوڑا بھی نہیں بنایا گیا نہ دولہا کے لئے نہ دلہن کے لئے بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامہ عروسی تھا۔ گھر میں دو سیر چاول تھے وہ پکائے اور کھائے گئے یہ مولانا کا ولیمہ تھا گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی، سوائے ہم دونوں کے کسی کو شادی کا پتہ بھی نہیں چلا تھا مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام نے ماتم کیا۔

یہ تھی شادی کی روئیداد سادات بنور کے اس شہزادے کی کل جسے مشاہیر علماء کی بارات کا دولہا اور علم ادب کی محفلوں کا سرتاج بننا تھا۔۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت کا تاج جس کے سر پر سجایا جانا تھا، اور وقت کے ہم جہت حکمرانوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں کے خلاف سد سکندری بننا تھا تاریخ کا طالب علم اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ جریدہ عالم پر ثبت ہونے والی اعاظم رجال کی لازوالی داستانوں کا زمانہ اسی قسم کے نادر عنوانات سے ہوتا ہے۔

رجوع الی اللہ :۔ علم ایک ایسا منہ زور گھوڑا ہے جب تک اسے معرفت الٰہی کی لگام نہ ڈالی جائے رکب وحلم کی خدمات صحیح طور پر اس سے نہیں لی جاسکتیں - یہ ایک سرکش دریا ہے جس کی تندو تیز لہریں اس کے کناروں کو روند ڈالتی ہے جب تک کوئی ماہر انجینئر ان طوفانی لہروں کو دریا کے داخلی بہاؤ میں پابند نہ کردے اس کے حیات بخش پانی سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کیا جاسکتا ، تاریخ میں جبابرۂ علم کی قلمی وفکری لغزشیں اسی علمی سرکشی کی بدولت رونما ہوئیں اللہ تعالیٰ کی جن نفوس قدسیہ کو علم وہدایت کی امامت کے منصب پر فائز کرتا ہے ان کے دلوں میں اپنی ذات کی لگن تڑپ اور محبت پیدا فرمادیتا ہے یہی حال ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ کا تھا ، خانوادہ بنوریہ کی روحانی عظمتیں آپ کے قلب ونظر پر مرتسم کردی گئی تھیں - اسی کیفیت سے ــــ آپ کے گرامی قدر والد دوچار تھے ، جس نے اپنے مالک کے دور دراز جنگلوں کی ایک عرصہ تک کروائی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے عرفان کا حصول کے نشہ آپ کا دل ودماغ کچھ اس طرح طاری فرمایا کہ آپ نے زندگی کی تمام ہنگامہ آرائیوں سے خود کو علیحدہ کرلیا ، حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک افغانی بزرگ شیر آغا جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عالی مرتبت مرشد تھے افغانی حکومت کے اختلافات کی وجہ سے پشاور تشریف لائے - حضرت الشیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی لگن اور تڑپ کا اظہار کیا ، انہوں نے آپ کو مراقبہ کی تلقین کی چنانچہ آپ پشاور کے قریب مدفون ایک بزرگ عبد الغفور صاحب کی قبر پر جاتے اور سارا سارا دن وہاں مراقبہ میں گزار دیتے - ان ایام میں آپ پر کچھ ایسا غلبہ طاری تھا ، کہ آپ کو اپنے اعزہ واحباب کے ملنے سے بھی ناگواری ہوتی تھی۔

ایک عرصہ تک کے ذکروفکر کے بعد جب آپ کو قلبی سکون میسر آیا تو آپ نے فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں قلب ونفس کے لطیفے بہت جلد جاری ہوجاتے ہیں - اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرے ساتوں لطیفے جاری ہوگئے حضرت شیخؒ کی زندگی کا یہ دور وجد وکیف کا عجیب وغریب دور تھا ، آپ کے ہر بُن مُو سے ذکر الٰہی کی آوازیں سنائی دیتی تھیں - حضرت شیخؒ کا سینہ پہلے ہی انوار انوری کے نور سے تابندہ تھا کہ حضرت شیخ آغا نے اپنی خصوصی توجہات سے مزید روشن کردیا تاہم حضرت شیخؒ علم وفضل کے آدمی تھے انہیں بیعت وارشاد کی محفلیں نہیں سجانا تھیں اصلاح وتزکیہ کا کام اگرچہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے لیکن قسام ازل کی طرف سے انہیں اس سے بھی اہم فرائض سے عہدہ برا ہونا تھا۔

ڈابھیل واپسی :۔ اسی دوران ڈابھیل کی مجلس علمی کی طرف سے آپ کو علمی خدمات سرانجام دینے کی پیشکش ہوئی - چونکہ آپ کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں مسلسل تاخیر ہورہی تھی اسلئے آپ نے مجلس علمی کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اپنی مادر علمی کا رخ کیا۔ڈابھیل میں نہایت ہی مشقت طلب اور جان پر سوز قسم کا کام آپ کے سپرد کیا گیا - یہ کام تھا عُرف شذی کے حوالوں کی تخریج اور انہیں مکمل طور پر نقل کرنا عُرفِ شذی حضرت محدث کشمیری کی تقریر ترمذی تھی جو جامع ترمذی پڑھاتے وقت حضرت والا نے طلبہ کے سامنے کی تھی یہ تقریر مولانا محمد چراغ صاحب مرحوم نے قلم بند کی تھی اور اسے دیوبند ہی سے شائع کیا گیا تھا۔

حضرت امام العصر کی درسی تقاریر کو منضبط کرنا قریب قریب ناممکن تھا - جن شرکاء درس نے حضرت امام موصوف کی

تقریر کو قلم بند کیا ہے ان کی حیثیت یادداشت سے زیادہ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ عرف شذی میں متعدد مباحث تشنہ اور تعبیرات میں سہو وتسامح پایا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نے عُرف شذی کی تخریج کے کام میں غیر معمولی محنت وجانفشانی سے کام لیا ہے تاہم آگے چل کر اس جان پر سوز کام کی وجہ سے آپ کو بے شمار علمی فوائد حاصل ہوئے۔اس طرح جمع ہونے والا علمی مواد آپ کی شہرہ آفاق کتاب معارف السنن کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔اس کام میں آپ کو کن کن دقتوں اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا،اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ عُرفِ شذی میں دئیے گئے ایک ایک حوالے کے لیے بسا اوقات مجھے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑا طوالت سے گریز کرتے ہوئے صرف مثالوں کے تذکرے پر اکتفا کیاجاتا ہے۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی موقعہ پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ " ہر راوی نے وہ بات ذکر کردی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی۔اس کے بعد فرمایا کہ یہ بڑا اہم قاعدہ ہے مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اس کا ذکر نہیں کیا البتہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کے لئے پوری فتح الباری کا مطالعہ کیا معلوم ہوا کہ حافظ نے پوری کتاب میں دس جگہوں سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحب نے اختلاف صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ

ابوزید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو تو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس حوالے کی تلاش کے لئے مین نے دبوسی کی کتاب تاسیس النظر پوری پڑھی مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا۔خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں اسرار الخلاف یا تقویم الدولہ میں ہوگا مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا تو شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب کشف الاسرار کے حوالے سے ہوگا یا ابن امیر حاج کی شرح التحریر کے واسطے سے۔چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔

ان دونوں مثالوں کے حوالے سے اس امر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کو عُرف شذی کی تخریج کے سلسلہ میں کس قدر کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑی تب کہیں جاکر معارف السنن کی تدوین کے لئے یہ مہتم بالشان علمی مواد جمع ہوا اس اہم علمی کام سے فراغت کے بعد مجلس علمی نے آپ کو نصب الرایہ للزیلعی اور فیض الباری کی طباعت کے لئے مصر بھیجا۔

حضرت شیخؒ کا یہ پہلا غیر ملکی سفر تھا۔آپ کا یہ سفر علمی لحاظ سے بہت مفید اور مبارک ثابت ہوا عالم اسلام کے نامور علماء سے آپ کا تعارف ہوا، مصر کے تعلیمی اداروں اور ان کے طریق تعلیم، معیار تعلیم اور ان کی علمی خدمات سے شناسائی حاصل ہوئی۔اسی سفر کے دوران آپ نے ترکی کا دورہ بھی کیا۔حرمین شریفین میں بھی حاضری دی سلطان عبدالعزیز مرحوم سے ملاقات ہوئی۔الغرض حضرت شیخؒ جب اس سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ کا دل ودماغ جدید علمی وسعتوں سے مالامال ہوچکا تھا (اس یادگار علمی سفر کی تفصیل ان[illegible]

اللہ آئندہ اوراق میں پیش کی جائیگی)۔

ڈابھیل کی مسند صدارت:۔ حضرت شیخؒ اپنے اس سفر سے اس شان کے ساتھ واپس تشریف لائے کہ نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کے مشاہیر علماء آپ کے علمی تفوق کے معترف ہو چکے تھے بلکہ پورے ہندوستان کے علمی حلقوں میں آپ کی غیر معمولی استعداد وقابلیت کے تذکرے ہونے لگے۔

چنانچہ وقت آن پہنچا تھا کہ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی عظیم الشان علمی وراثت کی امانت آپ کے سپرد کردی جائے۔

چنانچہ علم وفضل کے اس مجمع البحرین کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت تدریس اور مسند شیخ الحدیث پر فائز کیا گیا بخاری و ترمذی اور ابوداؤد کی تدریس کی خدمات آپ کے سپرد کی گئیں یہ نہ صرف جامعہ اسلامیہ کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا بلکہ آپ کے لئے اپنے دونوں نابغہ عصر شیوخ کی جانشینی اور نیابت باعث صد فخر ومباہات تھی۔ آپ اپنے اس اعزاز پر بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ درس وتدریس کا یہ سلسلہ قیام پاکستان تک جاری رہا، اس دوران صدہا تشنگان علوم نبوی ﷺ نے اس چشمہ فیض سے اپنی علمی پیاس کی تسکین حاصل کی۔۔۔

ہجرت:۔ علم وفضل کا یہ آفتاب جہانتاب ڈابھیل کے افق پر تابندہ اپنی شعاعوں سے ایک عالم کو منور کررہا تھا کہ برصغیر کی تقسیم عمل میں آگئی جو حلقے پاکستان میں شامل ہوئے ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اسلئے متحدہ ہندوستان میں دیوبند ڈابھیل سہارن پور دہلی اور دوسرے اہم علمی مراکز کی رونقیں انہی علاقوں کے طلبہ سے قائم تھیں علماؤمدرسین کی ایک کثیر تعداد بھی ان مراکز میں تدریسی، علمی اور تبلیغی فرائض سرانجام دے رہی تھی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جب دونوں ملکوں کے درمیان آزادانہ آمدو رفت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو ان درسگاہوں کی رونقیں بھی ماند پڑگئیں۔ مزید براں ہندوستان کے مشاہیر علماء بھی ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے۔

چنانچہ ان علماء وطلبہ کی علمی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پاکستانی علاقوں میں نئے دینی مراکز قائم کرنے کی ضرورت ناگزیر ہو گی۔ علماء نے کمرہمت باندھی اور دیندار اہل ثروت طبقے نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے مختلف شہروں میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ ان میں ایک بہت بڑا مدرسہ دارالعلوم ٹنڈوالٰہیار کا تھا جو مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے انتظام واہتمام میں قائم ہوا تھا، مولانا مرحوم نے اس دور کے نامور علماء کو اپنے دارالعلوم میں جمع کرلیا تھا یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ دارالعلوم مستقبل میں ایک دوسرا دارلعلوم دیوبند ثابت ہوگا۔

مولانا احتشام الحق مرحوم ہمارے شیخ کے علمی مقام سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو دارالعلوم میں اپنی تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دی، نیز دارالعلوم دیوبند بھی اپنے اس نامور فرزند کی علمی صلاحیتوں سے مستفید ہونا چاہتا تھا۔ ادھر پاکستان میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جو آپ کے دوسرے بڑے گرامی مرتبت استاذ تھے اور آپ کے علمی کمالات کے مداح ومعترف تھے۔ آپ کو

پاکستان آنے کے مشورے دے رہے تھے، پاکستان میں اس وقت خواجہ ناظم الدین جیسے شریف النفس اور متین طبع شخص کی وزارت عظمیٰ کا دور تھا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم علماء کے بہت قدر دان تھے۔ مولانا احتشام الحق مرحوم سے ان کے گہرے رابطہ قائم تھے۔ (میرے علم کے مطابق یہ تجویز علامہ شبیر احمد عثمانی کی تھی لیکن وہ جلد انتقال فرما گئے (ارشد)

چنانچہ جب حضرت شیخ پاکستان تشریف لائے تو مولانا احتشام الحق مرحوم نے علماء اور وزراء کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ موٹروں کے ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں بڑی دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا۔ دار العلوم ٹنڈوالہ یار میں "شیخ التفسیر" کے منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس دار العلوم میں شیخ الحدیث کی مسند کو مظاہر علوم سہارن پور کے سابق صدر المدرسین اور حضرت تھانوی کے خلیفہ اکبر حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب کامل پوری نے زینت بخشی۔

مولانا احتشام الحق مرحوم اپنے اس دار العلوم کو دیوبند جیسی عظیم درسگاہ بنانا چاہتے تھے لیکن یہ محض ایک خواہش تھی جوان کے بلند آہنگ دعووں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس قسم کے مقدس علمی مراکز قائم کرنے کے لئے جن اوصاف حمیدہ اور محاسن جلیلہ کی ضرورت ہوتی ہے مولانا مرحوم ان سے بالکل تہی دست تھے توکل اخلاص اور للہیت کسی دینی ادارے کے قیام میں بنیان مرصوص کا کام دیتے ہیں۔ مولانا کثیر المشاغل تھے اور ان کی کراچی کے تجار اور حکام سے واقفیت تھی اور دینی درسگاہ کو سو فیصد توجہ کی ضرورت تھی جو مولانا نہ دے سکے اس کی ایک وجہ ان کا بہت بڑا خطیب ہوتا تھا کہ جس کی بنا پر تعلقات بڑھ جاتے ہیں اور فرصت ہو جاتی ہے۔

اس نزاع میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمان صاحب اور طلبہ کی اکثریت اور مجلس شوریٰ کے ارکان محمد یوسف سیٹھی، حاجی سومار صاحب، حاجی عمر دراز صاحب وغیرہ حضرت شیخ کے موقف کو صحیح سمجھتے تھے اور مکمل طور پر آپ کے ہمنوا تھے۔

چنانچہ حالات کی ابتری اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ آپ کے لئے ٹنڈوالہ یار میں مزید قیام تقریباً ناممکن ہو گیا۔ دار العلوم ٹنڈو الہ یار سے حضرت شیخ کی علیحدگی کی اطلاع جب ملک کے علمی حلقوں تک پہنچی۔ تو کراچی سے پشاور تک کے متعدد علمی مراکز سے آپ کو صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے اعلیٰ مناصب کی پیشکش کی گئی، لیکن حضرت الشیخ کے گذشتہ تجربے نے آپ کے دل میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ اب اپنا ایک دینی ادارہ قائم کرنا چاہئے جسے اپنے روحانی آباء و اجداد کی زندہ روایات کے مطابق چلایا جائے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس: مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس کے پس منظر کو جاننے کے لئے حضرت شیخ کی خود نوشت تحریر سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"جب دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے قطع تعلق کیا تو کراچی سے پشاور تک دس بارہ سے زیادہ علمی اداروں نے صدر مدرس وغیرہ کے منصب پیش کئے لیکن کسی کو قبول نہ کیا، اور باقی ماندہ تھوڑی سی عمر ادھر ادھر ضائع کرنے اور نئے تجربات کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا کہ سابقہ تجربہ کی روشنی میں اپنے انداز کا ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، اور وہاں اپنے طویل تعلیمی تجربے کی روشنی میں طلبہ کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص نظام رائج کیا جائے۔ جو نسل جدید کے لئے مفید ہو لیکن اس عظیم الشان مہم کے لئے اولاً اتم درجے کے اخلاص کی حاجت ثانیاً ہمت بلند کی ضرورت ثالثاً جہد مسلسل اور صبر

واستقامت در کار - اربعا رفقاء کے روحانی اور مادی تعاون کی احتیاج- مجھے احساس تھا کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں اور ان کے بغیر کسی کام کی ابتداء خوابوں کی دنیا بسانے اور ٹھنڈے لوہے پر چوٹ لگانے کے مرادف ہے۔

وانی لہم التناوش من مکان بعید .لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ حرمین شریفین کا سفر کروں، حج وزیارت کی سعادت حاصل کروں اور حج وزیارت کو ایسے کام کی توثیق کا ذریعہ بناؤں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو-وہاں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کروں کہ

میرے دل میں وہ کام ڈال دے جو دین وعلم کی خدمت کے سلسلہ میں میرے لئے مناسب حال ہو۔

چنانچہ بروز جمعہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو ہوائی جہاز سے بصرہ گیا اور وہاں سے عراقی طیارے سے جدہ اترا، اور مکہ مکرمہ پہنچا ان مقدس مقامات میں قبولیت دعا کے خصوصی مقامات ومبارک اوقات اور خاص کیفیت کی گھڑیوں میں اس مقصد وحید کے لئے خوب دعائیں مانگتا رہا-مکہ مکرمہ میں بیس دن گزار کر زیارت روضہ رسول ﷺ کی غرض سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ وہاں بتیس ۳۲ دن قیام رہا اور استخارہ واستشارہ کے بعد پختہ ارادہ کرلیا، کہ دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے مستعفی ہو کر نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالوں گا- اور اسے ایک خاص نہج پر چلاؤں گا۔

پاکستان واپس پہنچا تو حیران تھا کہ کیا کروں اور کیسے کروں ؟

تقریباً سال بھر اسی شش وپنج میں گذرا اسی اثناء میں ایک صاحب حاجی یوسف سیٹھی (جنھوں نے اپنی دولت قرآن کریم اور دینی تعلیم عام کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی) آئے اور پچاس ہزار روپے مجھے پیش کرنا چاہے (جو میرے اور مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کے لئے پانچ سال کے مشاہرے کے لئے کافی ہوتے) تاکہ ہم ان نئے مدرسے کا افتتاح کردیں - لیکن میں نے یہ کہہ کر وہ خطیر رقم واپس کردی کہ میں متعدد وجوہ کی بنا پر مدرسہ کی بنیاد رکھنے سے قبل کسی قسم کی امداد ومعاونت قبول نہیں کرسکتا۔

ہاں مدرسہ کے افتتاح کے بعد جو معاونت ہو گی شکریہ کے ساتھ قبول کیجائے گی، لیکن میں جتنا انکار کرتا رہا اتنا ہی وہ اصرار کرتے رہے- تاہم میں نے اس معاونت کے قبول کرنے سے قطعی انکار کردیا"۔

(حضرت شیخؒ کی خود نوشت تحریر کا یہ اقتباس جب سے نقل کیا ہے دل ایک خاص قسم کے وارده سے دوچار ہے ایک ایسی کیفیت طاری ہے جس کے اظہار کے لئے قلم کی سیاہی خشک ہو رہی ہے- بظاہر اس اقتباس میں نہ تو فصاحت وبلاغت کی سحر طراز باتیں اور نہ ہی ادب وانشاء کی اعجاز فرمائیاں ہیں اور نہ ہی اس میں فلسفہ وحکمت کے اسرار ودقائق نظر آتے ہیں اور نہ ہی علمی وفقہی موشگافیاں ظاہر ہوتی ہیں- لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے میرے شیخؒ نے ایمان وایقان کے انوار سے معمور اپنے دل کو صفحہ قرطاس پر بچھا دیا ہو- یوں لگتا ہے گویا جگر کی کاوشوں کو لفظی ترتیب دے کر ایک عبارت کی شکل دے دی ہو- علم وتقویٰ اور زہد وا تقا کے عالی مرتبت حاملین آئیں اور اس تحریر کی معنوی اعجاز کا مطالعہ فرمائیں - سیرت وکردار کے اعلیٰ ترین مکارم کا جو حسین پیکر اس عبارت سے ابھرے گا اس کے حضور عقیدت واحترام سے اپنی گردنوں کو خم کردیں- آب زر کی تابانی اور تابندہ ہو جائے گی اگر اسے اس عبارت کی تحریر کے

لئے استعمال کیا جائے کتاب دل کی اس انداز میں. تفسیر کرنے والا اب کہاں ملیگا۔

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون.
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

الغرض یوسف سیٹھی صاحب مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے) دینی درد رکھنے والے ایک صاحب ثروت بزرگ تھے۔ انہوں نے ہر ممکن تدبیر کی کہ کسی طرح حضرت الشیخ ان کی پیش کردہ خطیر رقم کو ایک نئے مدرسہ کے قیام کے لئے قبول فرمائیں۔ لیکن حضرت شیخؒ اس پیش کش کی قبولیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنے توکل اور اعتماد کے منافی سمجھتے تھے۔ اس لئے برابر انکار فرماتے رہے۔ سیٹھی مرحوم کو آپ کے اس حیرت انگیز انکار نے متحیر کردیا کہنے لگے کہ یہ عجیب بزرگ ہیں کہ ایک دینی مدرسہ کے قیام کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، اور مالی وسائل بھی مفقود ہیں پھر بھی انکار پر انکار فرمارہے ہیں۔
چنانچہ انہوں نے ایک ساتھی سے کہا کہ سن دائیں یعنی کسی طرح بھی ہماری پیشکش کی قبولیت پر آمادہ نہیں سیٹھی صاحب مرحوم کیا جانیں کہ جن بزرگ سے ان کا واسطہ پڑا ہے ان کے پاس توکل وقناعت کے کس قدر بیش بہا خزانے ہیں بظاہر تہی دست لیکن دلوں پر حکومت کرنے والے اس بادشاہ کو اپنے شہنشاہ مطلق کی امداد ونصرت پر کس قدر یقین ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

وہ کان جو ابتداء ہی سے "**الیس اللہ بکاف عبدہ** اور **من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**"
کی سامع نواز سرگوشیوں سے آشنا ہو چکے ہوں وہ غیر اللہ کی آوازیں سننے کے کہاں متحمل ہوسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب اپنے توکل علی اللہ اور اعتماد باللہ کو اپنے صبر واستقامت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور ثابت کردیتے ہیں تو پھر آسمانوں کے خزانے ان کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں یہ دیوانگان عشق بکار خویش بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ انہیں اس حقیقت کا مکمل ادراک ہوتا ہے، کہ توکل ایک ایسی سرمایہ کاری ہے جو اگرچہ دیر پا ہے لیکن اس کے منافع غیر محدود ہوتے ہیں۔ ان حالات میں حضرت شیخؒ کو اپنے قیمتی وقت کے ایک ایک لمحہ کے ضیاع کے احساس نے شدید بے چین کر رکھا تھا پورا ایک سال اللہ تعالیٰ کے حضور کامل الحاح وزاری سے دعائیں کرتے رہے کہ کسی طرح ایک دینی ادارے کے قیام کی سبیل پیدا ہو جائے۔
اسی دوران کراچی کے مشہور اشاعتی ادارے دار التصنیف کے بانی ومالک پیر محمد طفیل صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ ان بزرگ کا کراچی میں قرآن پاک کی اشاعت اور پیری ومریدی کا سلسلہ تھا۔ انہوں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ میرے زیر تصرف ایک متروکہ جگہ ہندو دھرم سالہ موجود ہے، مزید اراضی کا حصول بھی ممکن ہے، آپ وہاں مدرسہ قائم فرمائیں میں اس کی مالی کفالت بھی کروں گا۔ حضرت شیخؒ نے اس کو منظور فرمالیا اس کے ساتھ ہی آپ نے حکومت کے ارباب بست وکشاد سے مدرسہ کے توسیعی مقاصد کے لئے مزید زمین کا مطالبہ کردیا۔ چنانچہ حکومت نے آپ کے اس مطالبے کو منظور کرتے ہوئے کراچی سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر حب ندی

کے راستہ میں "لال جیوا" کے مقام پر دس ایکڑ زمین آپ کو الاٹ کردی۔

اس قطعہ اراضی کے حصول کے بعد آپ کی طرف سے اخبار و جرائد میں ایک اعلان شائع ہوا کہ درس نظامی کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے درجہ تخصص اور درجہ تکمیل کا اجراء مذکورہ مدرسہ میں کردیا گیا ہے طلبہ کو درج ذیل نصاب پڑھایا جائیگا

(۱) مشکلاتِ القرآن (۲) مشکلات الحدیث

(۳) مذاہبِ فقہا کا مقارنہ ابن رشد کی کتاب بدایۃ المجتہد کی طرز پر

(۴) مقدمہ ابنِ خلدون

(۵) حکیم الہند حضرت شاہ ولی دہلوی کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ کا جزء اول

(۶) تاریخ ادب عربی کے لئے تاریخ الادب العربی۔ اور الوسیط

(۷) عربی مضمون نگاری اور لکھنے بولنے کی مشق اور اس سلسلہ میں جن کتابوں کی ضرورت محسوس ہو طلبہ کو یاد کروانا مثلاً ابن جدابی کی "کفایۃ المتحفظ" اسکافی کی مبادی اللغۃ العربیۃ ہمدانی کی الالفاظ العربیہ "اور ابو منصور ثعالبی کی فقہ اللغۃ وغیرہ

پاکستان کے علمی حلقوں میں حضرت شیخؒ کے علوم رتبت کی شہرت پہلے سے موجود تھی اس اعلان کے شائع ہوتے ہی درس نظامی کے فارغ التحصیل دس طلباء حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہنچ گئے ان طلبہ میں بیشتر نے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم ایسے نامور علمی اداروں سے دورہ حدیث میں فراغت حاصل کی تھی کچھ طلبہ پاکستان کے مقامی دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔

دینی مدارس کے قیام کے لئے جن حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے حضرت شیخؒ بھی ان سے دوچار تھے مدرسہ کی عمارت کی تعمیر طلبہ کے خورد و نوش اور وظائف درسی کتب کا حصول اور اس قسم کے دیگر مسائل سے آپ کو نبرد آزما ہونا پڑا۔ آپ کے پاس ایک دوست کی بارہ سو روپے کی رقم بطور امانت پڑی تھی آپ نے ان سے قرض لیکر ضروری درسی کتابیں اور طلبہ کے لئے خورد و نوش کا انتظام فرمایا۔

مدرسہ کے قیام اور اس میں درس و تدریس کی راہ میں حائل موانع و عوائق کا نقشہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم نے خوب کھینچا ہے فرماتے ہیں۔

> وہاں پر مولانا بنوری نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ اسوقت صرف دو جماعتیں تھیں ایک دورہ حدیث کی اور ایک درجہ تکمیل کی۔ مدرسے میں چونکہ ابتداءً کچھ نہیں تھا اس لئے مولانا نے تعلیمی و تدریسی رفاقت کے لئے پرانے دوستوں کو دعوت دی اور لکھا کہ فی الحال مدرسہ میں تنخواہ کی گنجائش نہیں ہے توکلاً علی اللہ کام کرنا ہوگا۔
>
> چنانچہ مولانا کی دعوت پر تین اشخاص نے لبیک کہا ایک تو مردان کے مولانا محمد یوسف صاحب تھے جو بنارس میں حدیث پڑھا چکے تھے، دوسرا راقم الحروف، اور تیسرے مولانا نافع گل صاحب تھے۔ مولانا محمد یوسف مردانی تو مدرسہ شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد تشریف لے گئے یہاں پر بے سروسامانی کا عالم تھا کچھ عرصہ بعد مولانا نافع گل صاحب بھی واپس تشریف لے گئے۔ اور حب ندی کے کنارے ایک ویرانے میں جسے لال جیوا کہتے ہیں ہم رہ گئے۔ یہاں ایک

عمارت میں (جس میں آج کل مولانا طفیل صاحب نے کوئی بڑی درسگاہ بنائی ہے ہماری رہائش تھی - تنخواہ کی تو خیر ہم کو ابتداء ہی سے توقع نہ تھی، لیکن سب سے بڑھ کر مشکل طلبہ کے لئے خورد و نوش اور ضروریات زندگی کا سامان مہیا کرنا تھا، یہ ویرانہ کراچی سے خاصا دور تھا - وہاں کا پانی کڑوا تھا پینے کا پانی بھی کراچی سے لانا پڑتا تھا اس عمارت کے گرد پیش غلاظت کے ڈھیر تھے، جہاں مکھیوں کا ہجوم رہتا تھا - ہم لوگ درخت کے نیچے درس دیتے تھے، اور اس درخت پر سے ایک قسم کے کیڑے گرتے رہتے تھے، مجھے یاد ہے کہ مولانا مرحوم ایک ہاتھ سے ان کیڑوں کو کتاب بخاری شریف سے دور ہٹاتے رہتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے بخاری شریف کے ورق الٹتے رہتے تھے - وہ واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا کہ مولانا مرحوم کراچی جا کر طلبہ کے لئے کچھ خوراک کا سامان لائے وہ بے چارے طلبہ کی بجائے مولانا طفیل صاحب کے نیاز مندوں کے کام آیا

الغرض یہاں کا قیام ایسا تکلیف دہ تھا کہ اس کی تصویر کھینچنا ممکن نہیں یہ زمانہ مولانا کے صبر واستقامت کے امتحان کا وقت تھا ان دنوں مولانا مرحوم سراپا بے کسی و بیچارگی کا مجسمہ تھے - انہوں نے ان حالات کا بڑی جانکاہی اور پامردی سے مقابلہ کیا" دراصل پیر صاحب موصوف حضرت الشیخ کے علمی کمالات کے واسطے اپنا پیری و مریدی کا سلسلہ چمکانا چاہتے تھے جب کہ حضرت الشیخ کے عزائم ومقاصد خالص علمی اور دینی تھے - عزائم ومقاصد کے بُعد کے باوجود بھی حضرت الشیخؒ درس وتدریس کا کام جاری رکھے ہوئے تھے تاآنکہ اللہ تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے بعد میں پیش آمدہ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لطف اللہ صاحب مرحوم لکھتے ہیں"

کہ مولانا مرحوم عید پر ٹنڈوالہ یار اپنے اہل وعیال کے پاس چلے گئے آپ کے بال بچے وہاں پر تھے کراچی میں مکان نہیں ملتا تھا - میں عید الاضحی کے دن طلبہ کے ساتھ کراچی آیا - مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی واپسی پر ہم لوگ جمشید روڈ کی جامع مسجد میں ٹھہرے جہاں آجکل شاندار مدرسہ ہے - طلبہ نے عید کے دن نوافل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ اے اللہ ہم بڑے تکلیف دہ مقام میں ہیں ہم کو اسی مسجد میں ٹھکانہ دیدے بعض وقت اجابت (قبولیت وقت) کا ہوتا ہے - چار دن بعد مولانا گھر سے واپس آئے تو فیصلہ ہوا کہ اب یہاں کی بجائے کوئی دوسری جگہ ڈھونڈھی جائے - چنانچہ مدرسہ کا سامان جو اب تک خریدا جا چکا تھا، وہ مولوی طفیل صاحب کے حوالے کردیا صرف چند کتابیں مدرسہ کو دیدی گئیں اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ سے مشورہ کر کے مدرسہ اس مسجد کے احاطہ میں منتقل کردیا گیا -

مدرسہ کی تاسیس اور ابتدائی مشکلات :- حضرت الشیخؒ نے جامع مسجد کی انتظامیہ کو اس امر کا یقین دلایا تھا کہ مدرسہ کی تعمیر، خورد نوش کے اخراجات درسی اور حوالہ جاتی کتب کی خرید، اساتذہ کے مشاہرے اور مدرسہ کے دیگر واجبات کے لئے انہیں کسی قسم کے تعاون کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا- چنانچہ اس حال میں مدرسہ کا آغاز کیا گیا کہ جامع مسجد جو ابھی اپنی تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھی طلبہ کے لیے درسگاہ کا کام بھی دیتی تھی اور خوابگاہ کا بھی، مسجد کے شمالی جانب ایک خستہ سا کمرہ تھا جس پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی

یہ کمرہ آپ کے اور آپ کے رفیق خاص مولانا لطف اللہ صاحب کے سامان کا امین بنا اس کمرے کی خستہ حالی اور تنگ دامانی غالب کے گھر کا نقشہ پیش کرتی تھی ۔ چنانچہ رات بسر کرنے کے لئے دونوں بزرگ اپنے ایک دوست حاجی محمد یعقوب صاحب کے ہاں تشریف لے جاتے صبح کا ناشتہ انہی کے ہاں سے ہوتا، دوپہر اور شام کو ہوٹل کے مضر صحت اور ناقص کھانوں سے شکم سیری فرماتے ۔

حضرت الشیخؒ کے استغناء و توکل اور للہیت کا یہ حال تھا کہ آپ نے مدرسہ کے اہتمام کا منصب خود سنبھالنے کی بجائے حاجی سید محمد خلیل صاحب مرحوم کو مہتمم بنادیا ۔ حاجی صاحب مرحوم ایک اعلیٰ سرکاری عہدے سے ریٹائر ہوچکے تھے ان کے نامور فرزند حاجی سید محمد جمیل صاحب بھی ایک ریٹائر سرکاری افیسر تھے سید جمیل صاحب مرحوم اخلاص ووفا کے پیکر اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی چلتی پھرتی تصویر تھے راقم کو اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران حاجی صاحب موصوف کی متعدد مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے انہیں اس حال میں دیکھا کہ دوپہر کی سخت گرمی میں مسجد کے کھردرے فرش پر اینٹ کا تکیہ بنا کر کمال طمانیت کے ساتھ محو استراحت ہیں ان کی داڑھی، سر اور ٹھوڑی کے سفید بال گلاب کی پتیوں سے بھی نازک تر اور سپید تر تھے چہرہ نضرۃ النعیم اور نضرۃ الحسنات کے حسن صورت اور حسن معنی کے نور سے جگمگا رہا تھا، یہ منظر اس قدر حسین تھا، کہ راقم دیکھتا ہی رہ گیا ان کی پیرانہ سالی جوانوں کے حوصلے اور جانفشانی کے لئے باعث رشک تھی ۔

ایک اور بزرگ تھے حاجی محمد یعقوب صاحب دھلوی نہایت خدا ترس نیک دل اور اہل علم کے قدر شناش، خزاں رسیدہ خزانے کی نظامت ان کے سپرد کی گئی ۔

یہاں دو مختصر واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جن کا تعلق مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم سے ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے یہ دونوں بزرگ ہوٹل سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے ، صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے ان بزرگوں کی صحت اپنی سادہ خالص اور حیاتین سے بھرپور غذا کی وجہ سے قابل رشک تھی لیکن ہوٹلوں کی ناقص ، مضر صحت اور تیز مصالحوں سے بھرپور خوراک نے ان کی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب کئے ، خاص کر مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم تو شدید طور پر ضعف امعاء اور اسہال کا شکار ہوگئے ایک دن اس گرتی ہوئی صحت سے تنگ آکر حضرت الشیخ سے کہنے لگے ۔

مولانا ! میں اسہال کی تکلیف سے بہت پریشان ہوں آپ براہ کرم مجھے گھر جانیکی اجازت دے دیں مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم نے نامساعد حالات میں پوری پامردی صبر برداشت اور استقلال کا ثبوت دیا تھا ۔ ان کی ذات حضرت الشیخؒ کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی اب آپ نے ان سے گھر جانیکی اجازت طلب کی تو آپ کو یہ سہارا بھی ٹوٹتا ہوا نظر آیا آپ بہت دل گرفتہ ہوئے ۔ اور آبدیدہ ہو کر فرمایا :

آپ تشریف لے گئے تو میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا مجھے دو دن کی مہلت دیدیں ، میں آپ کا علاج کرواتا ہوں خدانخواستہ اگر ان دو دنوں میں آپ کو افاقہ نہ ہوا تو میں آپ کو بذریعہ ہوائی جہاز گھر پہنچانے کا بندوبست کرونگا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور ہمارے شیخ کی کرامت کہ مولانا دو دن کے اندر اندر ہی مکمل طور پر صحت یاب ہوگئے اور پھر ان کا وطن واپسی کا ارادہ ترک ہوگیا ۔

دوسرا واقعہ بھی انہی کی ذات سے متعلق ہے، مدرسہ کے اجراء کو ابھی چار ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ فصل ربیع کی کٹائی کا موسم آگیا ،

مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم کی صوبہ سرحد میں کچھ زمینیں تھیں ان کی گزر بسر کا انحصار انہیں زمینوں پر تھا مدرسہ میں چونکہ سارا کام فی سبیل اللہ ہورہا تھا مدرسہ کے مالی حالات کسی قسم کی تنخواہ کی ادائیگی کے متحمل نہ تھے چنانچہ انہوں نے حضرت الشیخؒ سے کہا۔

مولانا! فصل کی کٹائی کے دن ہیں مجھے ایک ماہ کے لئے گھر جانے کی اجازت دیں تاکہ میں فصل سمیٹنے کا کچھ بند وبست کر آؤں۔

حضرت الشیخؒ نے اپنے روایتی تبسم کے ساتھ فرمایا

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرات مدرسین کے لئے میرے پاس کچھ رقم آئی ہے۔انتظار فرمائیں تاکہ آپ کے کرائے وغیرہ کا بندوبست ہوجائے۔مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم یہ سن کر ہنس دیئے اور بے تکلفی سے کہنے لگے کہ بلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت الشیخؒ مسکراتے ہوئے مولانا لطف اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا

مولوی صاحب چھیچھڑے تو آگئے یہ رقم مدرسہ کے فنڈ کا پہلا چندہ تھا۔مدرسہ کے لیے سب سے پہلا چندہ چھ سو روپیہ کی یہ رقم تھی جو حاجی وجیہ الدین صاحب مرحوم نے حضرت الشیخؒ کو دی تھی، اس میں سے دو سو روپے مولانا موصوف کو کرایہ آمدورفت دیا گیا۔ مولانا مرحوم ایک ماہ کی مدت اپنے گھر گزار کر واپس مدرسہ تشریف لے آئے۔

مدرسہ کے بنیادی اصول: کسی بزرگ کا قول ہے کہ دینی مدرسے کا قیام اگر دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے ہو تو یہ عذاب آخرت کا باعث بنتا ہے اور اگر اسکے قیام کا مقصد دین مبین کی اشاعت ہو تو یہ عذاب دنیا ہے اللہ کے جن نیک بندوں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے دینی مدارس قائم کئے ہیں انہیں راہ کی دشواریوں، موانع وعوائق اور ابتلاء کے کٹھن مراحل کا خوب تجربہ ہے ان مشکلات پر صرف کمال درجہ کے توکل علی اللہ اور صبر وقناعت کے اعلیٰ ملکات کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے، اگر کسی مدرسہ کو دینی مدارس کے مروجہ طریق سے ہٹ کر مخصوص اصول وضوابط کے تحت چلایا جائے تو راہ کی یہ رکاوٹیں دوچند ہوجاتی ہیں لیکن بالآخر فوز وفلاح، کامیابی وکامرانی اور فیوض برکات کے دروازے ایسے ہی مخصوص قسم کے مدارس پر کھولے جاتے ہیں۔

حضرت الشیخؒ نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ کے لئے مشکل تر راستہ اختیار کیا اور چند ایسے اصول وضع فرمائے جو پہلے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں نہ آئے تھے، آپ نے سب سے اہم اصول یہ اختیار فرمایا کہ مدرسہ کو حاصل ہونیوالی آمدنی کو دو مدوں میں تقسیم فرمایا۔ایک مد زکوۃ وصدقات کی اور دوسری عطیات کی۔زکوۃ فنڈ کی رقم صرف طلبہ کے اخراجات خورد ونوش اور وظائف کے لئے مختص کردی گئی اس فنڈ کو مدرسہ کی تعمیر، کتابوں کی خرید اور اساتذہ کرام کے مشاہرات وغیرہ میں پر مطلق خرچ نہ کیا جاتا تھا۔عطیات کے فنڈ سے اساتذہ کو تنخواہیں اور دیگر واجبات کی ادائیگی کی جاتی تھی بالعموم اہل ثروت زکوۃ کی بیشتر رقم دینی مدارس کو دیتے ہیں اور عطیات کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اس طرح دینی مدارس کے پاس زکوۃ کے فنڈ میں خاصی رقم جمع ہوجاتی ہے۔جب کہ عطیات کا فنڈ اکثر قلت کا شکار رہتا ہے۔مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ زکوۃ فنڈ میں خطیر رقم موجود ہے جب کہ غیر زکوۃ کی مد

خالی ہے۔

ایک دفعہ حاجی محمد یعقوب صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لئے عطیات کی مد میں رقم نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو زکوۃ فنڈ سے قرض لے کر اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور جب عطیات کے فنڈ میں رقم آئے گی تو زکوۃ فنڈ کا قرضہ واپس کردیا جائے گا۔

حضرت الشیخؒ نے بڑی سختی کے ساتھ منع کردیا اور فرمایا کہ میں اساتذہ کی آسائش کی خاطر خود کو دوزخ کا ایندھن نہیں بنانا چاہتا۔ انہیں صبر کے ساتھ عطیات فنڈ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی رقم کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور اگر صبر نہ کرسکتے ہوں تو انہیں اس امر کا اختیار ہے کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔

جب حضرت الشیخؒ کے پاس کوئی صاحب خیر چندہ دینے کی غرض سے حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے تو آپ مجھے عطیات کی مد میں چندہ دیں زکوۃ کی رقم کی مجھے چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو غسالہ مال ہے، امم سابقہ میں زکوۃ کے مال کو آسمان سے آگ اتر کر جلادیا کرتی تھی۔

اس اصول کی حضرت الشیخؒ اور آپ کے رفقاء کی طرف سے بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی اس معاملہ میں تقویٰ واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ احقر کے زمانہ طالب علمی کے دوران ایک بزرگ مدرسہ کے دفتر میں حساب کتاب کی خدمات سرانجام دیتے تھے جنہیں ہم احترام سے "منشی جی" کے نام سے پکارا کرتے تھے وہ طلبہ کے دارالاقامہ سے ملحق بیت الخلا کو استعمال نہیں کرتے تھے حتی کہ پینے اور وضوء کے لئے پانی بھی ان ٹونٹیوں سے نہیں لیتے تھے۔ حضرت الشیخؒ نے خود کو مدرسہ کے مالی امور سے بالکل الگ تھلگ کرلیا تھا؛ خزانے کے ناظم اور منشی صاحب آمدنی اور اخراجات زکوۃ اور غیر زکوۃ کی مدات کا امتیاز کرتے ہوئے ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے تھے خود مدرسہ سے اسی قدر مشاہرہ لیتے تھے جو بمشکل آپ اور آپ کے اہل خانہ کی کفالت کرسکے مدرسہ کی ایک نمایاں خصوصیت اس میں شعبہ مہمان نوازی کا عدم وجود ہے بالعموم یہ شعبہ اخراجات کی وسعت پذیری کے اعتبار سے دوسرے شعبوں پر محیط ہوتا ہے۔ انتظامی کارکنوں کے لئے اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں انجذاب کے لیے اس میں ضرورت کے مطابق گنجائش ہوتی ہے دینی مراکز آمد وخرچ کے سالانہ گوشواروں میں صرفی تجاوزات کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت الشیخؒ نے اس قباحت کی بیخ کنی کی غرض سے یہ شعبہ ہی سرے سے قائم نہیں فرمایا۔ مزید برآں آپ نے مدرسہ کے مالی اخراجات فراہم کرنیکی غرض سے نہ تو کوئی سفیر مقرر کیا اور نہ ہی اشتہارات کے مختلف ذرائع کی وساطت سے کبھی کوئی اپیل کی۔ حتی کہ اس مقصد کے لئے سالانہ جلسوں کے انعقاد کا بھی سلسلہ نہ شروع کیا۔ اہل ثروت ودولت سے آپ بکمال عالمانہ شان سے ملتے تھے تملق وخوشامد کا آپ کی ذات میں شائبہ تک نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ دولتمندوں کا علماء کرام سے تعلق تار عنکبوت سے بھی کمزور تر ہوتا ہے، ذرا ان کی منشاء کے خلاف کام ہوا یہ رشتہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

صرف علماء راسخین ہی دینی مدارس کو صحیح طور پر چلاسکتے ہیں الغرض آپ نے اپنے عظیم علمی ادارے کو چلانے کے لئے خداوند قدوس کی ذات ہی پر بھروسہ کیا اور اور تمام اسباب ووسائل سے صرف نظر کیا۔

جلوہ کاروان ما نیست بہ نالہ جرس
عشق تو راہے برد شوق توزادے دہد

کسی اہم منصوبے کو چلانے کے لیے بظاہر شاندار اصولوں سے صفحہ قرطاس کو مزین کیا جاسکتا ہے ایک ذہین شخص اپنی ذہنی صلاحتیوں کو بروئے کار لا کر
لم یطمثھن انس قبلھم ولاجان ایسے راستوں کا تعین کرسکتا ہے لیکن ان اصول وضوابط کی ٹھیک ٹھیک پاسداری اور ان متعین کردہ راہوں پر صحیح صحیح گامزن ہونا انہی نادرہ کار شخصیتوں کا کام ہے جو قلل الجبال اور دو نہن حتوف ایسے جانگسل مراحل کو عبور کرنے کا عزم واستطاعت رکھتے ہوں الحمد للہ ہمارے شیخؒ نے راہ کی ان مشکلات کا کمال عزم وحوصلہ سے مقابلہ کیا ان کے عشق وشوق نے ان دشوار گزار راستوں پر ان کی گرمئی رفتار میں کمی نہ آنے دی حضرت الشیخ کی یہ ولولہ انگیز جدوجہد کاروان دین حنیف کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

خارہا از اثر گرمئی رفتارم سوخت
منتے بر قدم راہروان ست مرا

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی یہ عظیم الشان عمارت، جدید سہولتوں سے آراستہ یہ درسگاہیں اور دفاتر یہ خوبصورت اقامت گاہیں طلبہ اساتذہ اور دفتری ملازمین کا یہ اژدہام ہر فن پر مشتمل ہزاروں کتابوں کا یہ شاندار ذخیرہ جن کی رونقیں اور بہاریں آج ہماری آنکھوں کو خیرہ کررہی ہیں۔
یہ گلستان علم وادب جس کی روح افزاء مہک سے ایک عالم اپنی روح کی غذا حاصل کررہا ہے اسکے ایک ایک بوٹے کو باد سموم کے جھونک سے بچانے کے لئے حضرت الشیخؒ کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے ان کا ظاہری ومعنوی حسن زبان حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ میری جڑوں میں کسی آشفتہ سر کے خون دل کا ایک ایک قطرہ صرف ہوا ہے

آغشتہ ایم ہر سر خارے بہ خون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

الغرض اس چمن زار علم کی باغبانی کے فرائض کی انجام دہی میں حضرت الشیخ نے بے پناہ عزم وہمت پیہم جدوجہد صبر وثبات اور غیر معمولی استقلال کا مظاہرہ کیا یہ مصائب وآلام ایثار وقربانی کی ایک طویل داستان ہے یہ ان کیفیات واردات کا قصہ الم ہے جو جاں گداز حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے دل ودماغ پر طاری ہوتی ہے، اسے حیطۂ تحریر میں لانے کے لئے ایک دفتر عظیم درکار ہے۔ کاش حضرت الشیخ کا کوئی فیض یافتہ غیر معمولی عزیمت کی یہ حکایت مرتب کرے تاکہ اللہ کے دین کی خدمت کرنے والوں کے لئے راہ کی دشواریاں آسان ہوجائیں۔

مدرسہ کے شعبہ جات:

مدرسہ عربیہ اسلامیہ جواب جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے موسوم ہے اس میں درج ذیل شعبے قائم کئے گئے ہیں۔

(۱) درجہ حفظ و تجوید:

کلمات القرآن کی باحسن طریق ادائیگی تجوید کہلاتی ہے یہ ایک مستقل فن ہے تجوید کے قواعد کے مطابق بچوں کو قرآن پاک حفظ کرانے کے لئے مدرسہ میں ایک مستقل شعبہ قائم ہے اس درجہ میں ڈیڑھ سو سے دوسو تک طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ نصف درجن سے زائد قاری حضرات تدریسی خدمات سرانجام دیتے ہیں

(۲) مکتب برائے تعلیم قرآن کریم ناظرہ وقاعدہ وغیرہ: اس درجے میں بھی ڈیڑھ سو سے دوسو تک طلبہ ابتدائی قاعدہ اور قران کریم ناظرہ پڑھتے ہیں۔ دو معلم صاحبان بچوں کی ابتدائی تعلیم کا فریضۃ انجام دیتے ہیں

(۳) درجہ اعدادیہ: اس درجہ میں کم وبیش پچاس طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ ابتدائی عربی وفارسی کے قواعد انہیں سکھاتے ہیں تحریر وانشاء کی مشق کرائی جاتی ہے اس درجہ میں بالعموم وہ طلبہ داخلہ لیتے ہیں جو ابتدائی نوشت وخواند سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور انہیں آگے چل کر درس نظامی میں داخلہ لینا ہوتا ہے بالفاظ دیگر درس نظامی میں شامل کتب کے پڑھنے کے لئے جو علمی استعداد درکار ہے اس درجہ میں طلبہ میں وہ استعداد پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔

(۴) قسم ثانی: اس شعبے میں صرف ونحو کی ابتدائی اور متوسط کتابیں قدوری سے ہدایۃ تک کی فقہی کتابیں شرح جامی؛ متنبی اور قطبی وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ بھی اسی درجہ میں پڑھایا جاتا ہے۔

(۵) قسم عالی: اس شعبے میں درس نظامی کی دیگر کتب یعنی ہدایہ مکمل، دیون حماسہ، سلم، مشکوۃ المصابیح اور صحاح ستہ تک تعلیم دی جاتی ہے۔ صحاح ستہ کا امتحان وفاق المدارس کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو اسناد شہادت دی جاتی ہے۔

(۶) درجہ تخصص فی علوم الحدیث:

جو طلبہ درس نظامی کے امتحان میں امتیازی نمبر لے کر کامیاب ہوتے ہیں انہیں مختلف علوم میں تخصص کے لئے داخلہ ملتا ہے۔

چنانچہ جو طلبہ علوم الحدیث میں تخصص کے لئے داخل ہوتے ہیں انہیں علم حدیث سے متعلق تمام علوم کی اعلیٰ ترین کتابوں کا مطالعہ کروایا جاتا ہے۔ اسماء الرجال، اصول حدیث جرح وتعدیل مشکلات حدیث اور شروح حدیث کی بلند پایہ کتب کا طلبہ کو دوسال تک مسلسل روزانہ کم از کم نو گھنٹے علوم الحدیث کے ایک ماہر استاذ کی زیر نگرانی وہدایت مطالعہ کرنا پڑتی ہیں ہر سہ ماہی پر ان کا امتحان ہوتا ہے۔ ایک خاص مدت تک کے مطالعہ کے بعد ہر طالب علم کو اسکے طبعی ذوق کی مناسبت سے ایک منتخب موضوع دیا

جاتا ہے جس پر وہ ایک مفصل مقالہ یا کتاب لکھ کر پیش کرتا ہے۔ اگر اس کا پیش کردہ علمی مواد نگران استاد کے قائم کردہ معیار پر پورا اترتا ہے تو اور اسے تخصص فی علوم الحدیث کی سند دے دی جاتی ہے۔

(۷) درجہ تخصص فی الفقہ اسلامی :

درجہ تخصص فی علوم الحدیث کی طرح اس درجہ میں بھی فقہ کی چوٹی کی کتابیں مطالعہ کروائی جاتی ہیں۔ دار الافتاء میں آنے والے استفتاء کے جوابات اپنی نگرانی میں ان سے دلوانے جاتے ہیں قضاء سے متعلق امور کی بھی انہیں تربیت دی جاتی ہے اس طرح اخیر میں انہیں فقہ سے متعلق کوئی کتاب یا مقالہ لکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والے اس مقالہ پر انہیں تخصص فی الفقہ الاسلامی کی سند دی جاتی ہے۔

(۸) درجہ تخصص فی دعوۃ والارشاد :

اس درجہ میں درس نظامی کے فارغ التحصیل طلبہ کو دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے تیار کیا جاتا ہے، ان طلبہ کو ضرورت کے مطابق انگریزی زبان سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے تاکہ غیر ممالک میں بھی تبلیغی خدمات سرانجام دے سکیں ان کی تعلیم مطالعہ اور امتحانات کا طریقہ بھی تخصص کے مروجہ طریقہ کی طرح ہے۔ مقالہ یا کتاب لکھنے پر یہ بھی تخصص کی سند حاصل کرتے ہیں۔

حضرت الشیخؒ اپنی زندگی میں انہی صرف تین تخصصات کا اجراء کر سکے جب کہ آپ کے ذہن میں درج ذیل مضامین میں تخصصات کا پروگرام بھی تھا، ان تخصصات کے اجراء میں ایک تو ماہر اساتذہ کی کمی کا مسئلہ درپیش رہا تھا اور دوسرے درمیان میں آپ کو بعض قومی اور ملی مشاغل نے اس قدر آگھیرا کہ آپ اس کام کے لئے کماحقہ توجہ نہ دے سکے ان گوناگوں مصروفیات نے آپ کی صحت بھی بری طرح متاثر کر دی بہرحال ان تخصصات کے اجراء کا فریضہ آپ کے روحانی اور علمی وارثوں پر عائد ہوتا ہے،، وہ اہل بھی ہیں اور موفق بھی۔ اہل علم کی نظریں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں

(الف) درجہ تخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ

(ب) درجہ تخصص فی والتوحید والفلسفۃ

(ج) درجہ تخصص فی الادب واللغۃ

(د) درجہ تخصص فی التاریخ الاسلامی

(ر) درجہ تخصص فی العلوم العصریۃ من لاقتصاد والمعیشۃ والسیاسۃ والاجتماع وعلوم طبیعۃ الحدیثۃ

(۹) دار التصنیف

طبعی طور پر حضرت الشیخؒ علم وفضل کے انسان تھے علمی مشاغل اور محافل میں ان کی طبیعت کا یہ جوہر پوری طرح کھلتا تھا ایک تو اپنے اس طبعی رجحان اور دوسرے اپنے اس عظیم الشان علمی مرکز کی ناگزیر ضرورت کے تحت تالیف وتصانیف کا ایک جداگانہ شعبہ قائم فرمایا ریسرچ کے اس کام کے لئے آپ نے جو کمرہ مختص فرمایا اس میں ہر موضوع کی نادر کتابوں کا ایک شاندار ذخیرہ جمع

فرمایا۔ درسی اور انتظامی مصروفیات سے فارغ ہو کر اسمیں تشریف فرما ہوتے۔ معارف السنن جلد سادس کے کچھ ابواب عوارف السنن کا بیشتر حصہ اور بعض دوسری کتب پر تحقیقی مقدمات کا کام آپ نے اسی کمرہ میں انجام دیا۔ حضرت الشیخؒ کے ساتھ آپ کے دو مایہ ناز شاگرد برادرم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مولانا محمد امین اور کزئی آپ کی علمی رہنمائی میں تحقیقی کاموں میں مصروف تھے اور اب تک یہ فریضہ سر انجام دے رہے ہیں حضرت الشیخؒ نے اپنے ان دونوں فاضل شاگردوں کے ذمہ درجہ ذیل کام لگایا تھا

(۱) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کو آپ نے لب اللباب فیما یقوله الترمذي وفي الباب کی ذمہ داری سونپی تھی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ علمی ذوق سے نوازا ہے تحقیقی و تصنیفی کاموں سے انہیں دلی رغبت ہے وہ اس ذمہ داری سے باحسن طریق عہدہ برا ہو رہے ہیں ان کے کام معتد بہ حصہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

(۲) دوسرے صاحب مولانا محمد امین صاحب اور کزئی کو حضرت الشیخؒ کے علوم وفیوض سے خصوصی مناسبت حاصل ہے۔ حضرت الشیخؒ کی رہنمائی میں انہوں نے شرح معانی الآثار للطحاوی کی احادیث کی تخریج اور مذہب کی تلخیص کا کام شروع کیا، وہ اگرچہ متخصص فی علوم الحدیث ہیں، لیکن حضرت شیخ نے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے بیک وقت حدیث اور فقہ کی خدمات جلیلہ ان کے سپرد کی ہیں۔

انہوں نے اس عظیم الشان کام کو جس شاندار طریقے سے سرانجام دیا اہل علم حضرات خصوصاً احناف ان کے ممنون واحسان ہوں گے۔

(۱۰) **دار الافتاء** یہ ادارہ جامعہ علوم الاسلامیہ کے ابتدائی دور سے ہی قائم ہے۔ اور ایک عرصہ سے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی زیر صدارت وسیع پیمانے پر فقہی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ روزانہ اندرون ملک اور بیرون ملک سے استفتاء اس ادارے میں آتے ہیں جن کے جوابات بالترتیب انہیں بھیج دئے جاتے ہیں مقامی طور پر لوگ زبانی بھی فقہی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ حضرت الشیخؒ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی فقہی صلاحیتوں پر زبردست اعتماد فرماتے تھے اور ان کے تحریر کردہ جوابات کی تصویب و توثیق فرماتے تھے۔ اس وقت اس ادارے میں چار حضرات حضرت مفتی صاحب کی نگرانی وہدایت کے مطابق استفتاء کا کام کر رہے ہیں

(۱۱) ماہنامہ بینات یہ ایک ماہوار مجلہ ہے جو حضرت الشیخؒ کی باقیات الصالحات میں سے ایک ہے، یہ حضرت الشیخؒ کی زیر سرپرستی شروع ہوا اس کے پہلے مدیر استاذ مکرم مولانا محمد ادریس میرٹھی تھے آجکل مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس کی ادارتی ذمہ داریوں سے عہدہ براہو رہے ہیں وہ حضرت الشیخؒ کے قائم فرمودہ عنوان سے بصائر وعبر کے نام سے اس کے اداریے قلمبند فرماتے ہیں۔ اردو زبان میں آپ کی علمی تحریروں میں بصائر عبر کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جو شخص اردو زبان میں آپ کی اعلیٰ اور پاکیزہ تحریریں پڑھنے کا شوقین ہو اسے بصائر وعبر کے مجموعہ کو ضرور پڑھنا چاہیے۔

اجازت حدیث

اگرچہ حضرت الشیخؒ کو علم کے مختلف شعبوں میں نابغانہ کمال حاصل تھا لیکن علم حدیث سے آپ کا اشتغال واشتغاف خصوصی نوعیت کا تھا اس علم شریف کے عالی مرتب حاملین کا جہاں جہاں بھی آپ کو سراغ ملا آپ کی علمی تشنگی وہاں وہاں ان کے چشمہ ہائے فیض سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے آپ کو کشاں کشاں لئے پھری ۔ چنانچہ آپ کے شیوخ حدیث میں جہاں ایک طرف ہمیں ہندوستان کے اکابر رجال حدیث نظر آتے ہیں وہاں عرب دنیا کے مشاہیر محدثین سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا ہے ، ذیل میں حضرت الشیخؒ کے اکابر اساتذہ کرام کی فہرست دی جاتی ہے ۔

(۱) امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ

(۲) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۳) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۴) حضرت مولانا عبدالرحمن امروہیؒ

(۵) حضرت مولانا عزیز الرحمنؒ

(۶) محقق کبیر شیخ علامہ محمد زاہد الکوثریؒ

(۷) عالم کبیر شیخ خلیل الخالدی المقدسیؒ

(۷) استاذ کبیر و محدث جلیل شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الجکنی الشنقیطی (کلیۃ اصول الدین مصر کے استاذ حدیث)

(۸) محدث جلیل شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی المغربیؒ

(۹) محدثہ شیخہ امۃ اللہ بنت شاہ عبدالغنی المجددی محدث دہلوی ثم مدنی

(۱۰) الشیخ حسین بن محمد الطرابلسیؒ

غیر ملکی تلامذہ اجلہ: حضرت الشیخؒ کی علمی فضیلتوں کا اشہرہ عرب دنیا کے علمی مراکز تک پہنچا ہوا تھا جب حضرت بلاد عربیہ کے سفر پر تشریف لے گئے تو اس دور کے نامور علماء نے حضرت الشیخ سے تلمیذانہ تعلقات استوار کئے چنانچہ متعدد علماء نے آپ سے اجازت حدیث حاصل کی آپ کے بعض اجلہ تلانذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں ۔

(۱) شیخ سلیمان بن عبدالرحمان الصنیع (مکہ مکرمہ کے ادارہ ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے سربراہ)

(۲) محدث شیخ حسن المشاط (مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ کے مدرس)

(۳) محترم بزرگ شیخ ابراہیم ختنی مقیم مدینہ منورہ

(۴) شیخ عبدالعزیز عیون السود حمصی شامی

(۵) شیخ علی محمد مراہ حموی

(۶) عالم جلیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہم

حضرت شیخؒ کا تعلق بیعت واجازت :

علم بذات خود مقصد نہیں ہے بلکہ وہ ذریعہ ہے ایک دوسرے اعلیٰ وارفع مقصد کا یعنی عمل صالح اور تزکیہ نفس کے ذریعے رضائے الٰہی کے حصول کا یہ اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی مرد کامل اور عارف محقق کا دامن تھامنا ناگزیر ہے۔ حضرت الشیخؒ کا اپنا خانوادہ رشد وہدایت کے انوار کا منبع تھا ذات باری تعالیٰ سے عشق ودیوانگی کا تعلق آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد کی طویل اور جان پرسوز ریاضتیں اسی روحانی واثت کے تحفظ کی عکاس ہیں۔ حضرت الشیخؒ نے اوائل شباب ہی میں اپنا تعلق بیعت کابل کے ایک بزرگ حضرت شیر آغا سے استوار کرلیا تھا ان کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کے ذریعے آپ نے پشاور کے نواح میں واقع پیر عبدالغفور صاحب کی قبر پر کچھ عرصہ چلہ کشی کی۔

پھر جب ۱۳۵۷ھ میں آپ نے حج بیت اللہ شریف کی غرض سے مکہ مکرمہ حاضری دی تو وہاں آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ارشد حاجی شفیع الدین نگینوی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت حاجی صاحب نے آپ کو اپنا مجاز صحبت ٹھہرایا اور ساتھ ہی نصیحت فرمائی کہ سلوک کی مزید تعلیم و تربیت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ یا حکیم الامت حضرت تھانویؒ میں سے کسی ایک سے اپنا تعلق بیعت استوار کرنا۔

حضرت الشیخؒ کو حضرت مدنی سے والہانہ عقیدت وارادت تھی۔ آپ نے اپنے اس قلبی لگاؤ کا اپنے شیخ سے ذکر کیا حضرت نے اس کی تصویب فرمادی۔ ہندوستان واپس تشریف لاکر آپ نے ان دونوں بزرگوں سے نیازمندانہ تعلقات قائم کئے اور کمال عقیدت ومحبت سے ان کے دولت کدوں پر حاضریاں دیں پھر خط وکتابت کے ذریعہ ایک عرصہ تک ان دونوں بزرگوں کو اپنی قلبی کیفیات تدریسی کوائف رؤیا صالحہ اور دیگر احوال سے آگاہ کرتے رہے اور ان کی توجہات عالیہ اور دعوات صالحات کی درخواست کرتے رہے ان دونوں عظیم المرتبت بزرگوں نے بھی اپنے مکاتیب کے ذریعے آپ سے اپنی کمال قلبی محبت ومودت کا اظہار فرمایا ہے اور آپ کو اپنی دعوات صالحہ سے نوازا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی طرف سے اگرچہ آپ کو اجازت وخلافت حاصل نہ تھی لیکن سند حدیث سے ضرور نوازا تھا۔ خلافت کا اعزاز آپ کو حضرت تھانوی کی طرف سے ان کے ایک مکتوب مکتوبہ ۱۷ شوال ۱۳۶۰ھ کے ذریعے حاصل ہوا۔

حضرت مدنیؒ سے آپ نے ان کے وصال تک کمال عشق و شیفتگی سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا خود حضرت مدنیؒ آپ سے بے تحاشا محبت وشفقت کا اظہار فرماتے۔

ذیل میں حضرت مدنی کا ایک مکتوب گرامی درج ہے۔

محترم المقام زید مجدکم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو والا نامے باعث سرفرازی ہوئے میرا عرض کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مثل مشہور ہے "خاک ہم از تودہ بزرگ بگیر اور نہایت اعلیٰ درجے کی چیز ہے۔ حضرت تھانوی مدظلہم کا عظیم الشان المرتبہ تصوف اور علوم میں معلوم ہے ان کی موجودگی میں ہم

جیسے ٹٹ پونجیوں کی طرف رجوع کرنا سخت غیر موزوں امر ہے -

آپ جب کہ مولانا کی بارگاہ میں رسوخ رکھتے ہیں تو کیوں نہ وہاں سے اعتراف فرمائیں - مولانا محمد شفیع الدین صاحب (مرحوم) کے پاس سے آپ ہوئے عرصہ گزر گیا - اور غالباً اس کے بعد دو تین دفعہ زیارت کی بھی نوبت آئی ہے - مگر کبھی تذکرہ تک نہ آیا تھا - -

بہرحال اگر جناب کو مجھ نالائق اور ننگ اسلاف سے حسن ظن ہے، اگرچہ وہ غیر واقعی ہے میں اپنی استطاعت اور لنگڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر ہوں حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کو حضرت سید آدم بنوری قدس سرہ العزیز سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور سلوک میں انہی کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے - اگرچہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار واعمال کو زیادہ تر مفید فرماتے تھے مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کو پسند تھا، بہرحال عمدہ صورت یہ ہوتی کہ آنجناب سے بالمشافہ گفتگو ہو جاتی مگر اب اس وقت اس کا موقع نہیں ہے -

آپ روزانہ ذکر قلبی اسم ذات کا پانچ ہزار مرتبہ کرلیا کریں، یعنی قلب کی طرف جو بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے توجہ فرما کر یہ خیال باندھیں کہ قلب سے لفظ اللہ نکلتا ہے اور حسب قاعدہ من احب شیا اکثر ذکرہ، قلب نہایت بے چینی سے اور محبت سے اس محبوب حقیقی کا نام لیتا ہے -

یہ ذکر باوضو قبلہ رو ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ یہ ایک مجلس میں ہو جس طرح آپ کو آسانی ہو خواہ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں کریں - اگر آخر شب میں ہو تو بہت بہتر ہے مگر لازم نہیں جس وقت بھی آسانی سے ہوسکے ؛ البتہ اس وقت معدہ خالی ہونا چاہیے اور یہ مقدار روزانہ پوری ہونی چاہیے - اور اس سے زائد جسقدر بھی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے باوضو، بے وضو کرسکیں اس میں کمی نہ کیجئے اس قدر توغل کیجئے کہ طبیعت ثانیہ ہوجائے، وضو ہمیشہ رہنا اس کے لئے مفید تر ہے - آئندہ وقت ملاقات عرض کرونگا اگر خواب وغیرہ کوئی چیز معلوم ہو تو لوگوں سے تذکرہ نہ کریں دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو فراموش نہ فرمائیں -

والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۰ شعبان ۱۳۵۹ ھ

روحانی تعلیم و تربیت اور بیعت اجازت کے لئے حضرت الشیخؒ کا ان متذکرہ بزرگان دین کے علاوہ کسی دوسرے سے تعلق معلوم نہیں خود آپ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی اور منبع معرفت سے اپنے روحانی استفادے کا ذکر نہیں فرمایا البتہ حضرت کے دور کے نامور اہل صفا سے آپ کمال اکرام واجلال اور غایت درجہ تعلق خاطر سے ملا کرتے تھے - آپ نے مولانا حماد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں متعدد مرتبہ حاضری دی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے کمال عقیدت وارادت رکھتے تھے ان حضرات کی تشریف آوری پر بے پناہ بہجت وسرور کا اظہار فرماتے - اور مدرسہ میں ان سے قیام کی نیازمندانہ درخواست فرماتے -

جلو میں آرہے ہوں قدسیوں کی کوئی جماعت اپنے انوار کا ہالہ کئے ہوتے سراپا اکرام اجلال ہو۔

درس گاہ میں ایک عجیب قسم کا ملکوتی سکوت طاری ہوجاتا درودیوار سے انوار و تجلیات کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتیں، یوں محسوس ہوتا جیسے طلبہ کے ساتھ ملاء الاعلیٰ کی ایک جماعت بھی محو سماعتِ درسِ شیخ ہو۔ پھر جب درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا اور زیر درس کسی مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کا آغاز فرماتے تو علم پورے جاہ وجلال اور رعب ودبدبے کے ساتھ آموجود ہوتا۔ ایک ایک مبحث کو پوری تفصیل اور شرح وبسط سے بیان فرماتے۔ ائمہ فقہاء کے مذاہب ان کے دلائل اور وجوہ ترجیح پر سیر حاصل بحث فرماتے بیان مذاہب میں ائمہ عظام کا ذکر غایت درجہ احترام اور کمال ادب سے کرتے۔ رجال حدیث کے تذکرہ میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ذکر فرماتے روایات کے شذوذ وعلت پر متنبہ فرماتے۔ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صحیح موقف بیان فرماتے۔ بعض علماء حدیث کے تجاوزات کا شکوہ کرتے ہوئے ان کے مدلل ومسکت جوابات بیان کرتے۔

الغرض آپ کا درس صرف زیر درس کتاب کے متون وحواشی اور مطبوعہ شروح تک ہی محدود نہ ہوتا تھا بلکہ ایسی ایسی نادر معلومات سے طلبہ کے دامان علم کو بھر دیتے۔ جو آپ کو اس علم وفن کی نایاب کتب اور مخطوطات سے حاصل ہوئی تھیں پھر حضرت الشیخ کی اپنی وقیع آراء اور نادر علمی توجیہات آپ کے درس کو چار چاند لگا دیتی تھیں۔

چنانچہ طلبہ نہ صرف حضرت الشیخ کی پیش فرمودہ متنوع معلومات سے اپنے دامن علم کو مالامال کرتے بلکہ انہیں ایسی مطول و مبسوط کتب کا بھی علم ہوجاتا جن میں زیر بحث مسئلے کو مزید شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہو اسطرح علمی ذوق رکھنے والے طلبہ کو اپنے علم میں گیرائی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے راہنما مواد حاصل ہوجاتا۔

حضرت الشیخؒ، اپنی تقریر میں کسی اہم نکتے کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کرنے کے لئے زور دے کر گفتگو فرماتے اہم نکات ذہن نشین کراتے ہوئے اعادہ وتکرار سے بھی کام لیتے دوران تقریر بار بار بطور تکیہ کلام طلبہ سے استفسار فرماتے کہ "آیا خیال میں"

حضرت الشیخؒ، کا طریقہ تدریس اپنے شیخ حضرت محدث کشمیری کے درس سے مستفاد و مقتبس تھا۔ آپ کے ہاں طلبہ کو املاء کا رواج نہ تھا عملاً طلبہ کے لئے حضرت الشیخ کی تقریر کو ضبط تحریر میں لانا ممکن بھی نہ تھا ایک تو آپ کے بیان میں غضب کی روانی تیزی اور جوش ہوتا اور دوسرے طلبہ آپ کی طلاقت لسانی، شیریں بیانی اور خوش مقالی کے سحر میں کھوجاتے طلبہ کی محویت و سحرزدگی کا یہ عالم ہوتا کہ وہ عالم تحیر استعجاب میں جلال وجمال کے اس پیکر اعظم کے نظارہ دید میں کھوجاتے ایسے میں کسی کو قلم وقرطاس کا ہوش کہاں رہتا ہے کانهم على رؤوسهم طير کی کیفیت ہر طالب علم پر طاری ہوتی حقائق ومعارف کے متموج سمندر کے بہاؤ کو قلم کی گزر گاہ کا پابند بنانا حیطہ امکان سے باہر تھا۔

بالعموم دینی مدارس کے اساتذہ جب کسی کتاب کی تدریس کا آغاز کرتے ہیں تو کچھ عرصہ تک اپنی تقریر میں ہر مبحث پوری تفصیل اور شرح وبسط سے بیان فرماتے ہیں، لیکن آگے چل کر انکا جوش بیان اور روانی تقریر مدہم پڑ جاتی ہے۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ زیر درس کتاب جلد سے جلد ختم ہو اور انہیں دماغی تعب ومشقت سے سکون حاصل ہو۔ حضرات طلبہ اور انتظامیہ پر اپنا علمی رعب بٹھانے کے لئے ابتداء میں خوب محنت سے مطالعہ کر کے مجلس درس میں آتے ہیں لیکن بعد میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے اپنے اس طریقہ

درس کو نبھا نہیں پاتے۔ انہیں اپنی کتاب ختم کرانا ہوتی ہے اس لئے نصف سال کے بعد کتاب کے متن کے معمولی مفہوم اور قراءت پرہی اکتفاء کرتے ہوئے ایک دوڑ لگادیتے ہیں، بعض کاہل اور درس سے گریز پا طلبہ بھی اپنے استاذ کی اس دوڑ سے خوش ہوتے ہیں تاکہ انہیں بھی کچھ دن کے لئے مجلس درس میں باقاعدہ حاضری سے رخصت مل جائے۔۔

مچھلی کو ڈھیل مل گئی وہ اس پہ شاد ہے
اور صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

لیکن حضرت الشیخؒ کا انداز درس ان حضرات سے مختلف ہوتا آپ کے درس کی ابتداء جس شان وشوکت وولولہ شوق اور روانی بیان سے ہوتی کتاب کے آخر تک اس انداز میں مطلق فرق نہ آتا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تدریس محض زیر درس کتاب کی معلومات سے طلبہ کو آگاہ کرنا نہ ہوتا تھا بلکہ آپ کے پیش نظر طلبہ کے علمی ذوق کو نکھارنا سنوارنا اور صیقل کرنا ہوتا تھا۔اس لیے دوران درس جب بھی کسی مسئلے کی توضیح وتشریح کے لئے بسط وتفصیل کی ضرورت ہوتی۔آپ اس کا ضرور اہتمام فرماتے، چونکہ علم سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا، اس لئے دوران تدریس آپ ہر قسم کے تفکر، تکلف اور گرانی طبیعت کو فراموش کردیتے اور سراپا علم دین بن جاتے تھے۔

وسعت مطالعہ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت اور علمی استفادہ واستفاضہ میں ظاہری وسائل کو بہت کم دخل حاصل ہے آپ کی باقاعدہ تعلیم کا عرصہ دیوبند اور ڈابھیل کی تین سال کی مدت پر محیط ہے اسلئے آپ کے علمی کمالات اور آپ کی نادر معلومات کو شیوخ کے ساتھ آپ کی طویل ملازمت ومصاحبت کا رہین منت قرار نہیں دیاجاسکتا۔ لیکن جس چیز نے آپ کو علم وفضل کی انتہا تک پہنچادیا۔ وہ حضرت امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری سے آپ کا کمال درجہ کا روحانی اتحاد وانصباغ ہے حالانکہ تلمیذ وشیخ کے مابین یہ رشتہ ظاہری طور پر نہایت ہی قلیل مدت پر مشتمل ہے، لیکن اس قلیل مدت میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ غیر معمولی صلاحیت واستعداد حاصل کرلی تھی جس کی بدولت آپ نہ صرف اپنے شیخ کے علوم ومعارف کے خزانوں کے وارث وجانشین قرار پائے، بلکہ علم وفضل کی دیگر معادن تک بھی آپ کی رسائی ممکن ہوئی یہ استعداد وصلاحیت دونوں بزرگوں کے ذہنی وروحانی اتحاد وانصباغ کی بدولت حاصل ہوئی اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں قسام ازل کی طرف سے ودیعت غیر معمولی علمی صلاحیتیں اس تعلق خاطر کی وجہ سے اجاگر ہوئیں ۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جس ولولہ انگیز انداز میں اپنے شیخ کی والہانہ وعاشقانہ خدمت کی عشق ودیوانگی اور شیفتگی وآشفتہ سری کے جن مظاہر کا آپ نے اظہار کیا، انھوں نے آپ کے شیخ کے دل میں بھی آپ کے لئے محبت ومودت کے جذبات پیدا کردیئے۔

وجبب فان الحب داعية الحب

جب خادم ومخدوم اور تلمیذ وشیخ کے مابین اس نوع کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے تو پھر تلمیذ کے لیے طویل ملازمت ومصاحبت کی شرط باقی نہیں رہتی یہ تعلق بذات خوداس قدر مؤثر اور قوی ہے کہ تلمیذ کا انداز تفکر وتدبر اور فہم وتعلم اپنے شیخ کے ہم رنگ ہوجاتا

ہے۔ اس کے اعضاء وجوارح اپنے شیخ کے انداز پر محو عمل ہوجاتے ہیں۔ حتی کہ اس روحانی انصباغ سے ظاہری شکل وصورت میں کمال درجہ کی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال تلمیذ اپنے شیخ کی ظاہری وساطت کے بغیر ہی اپنے شیخ کے علوم ومعارف سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ شیخ کی معلومات ومسموعات سے تلمیذ بلاواسطہ ہی مستفیض ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے غیر معمولی ذہانت وذکاوت، اخاذ طبیعت، دقیقہ شناسی، نکتہ رسی سرعت فہم اور حافظہ کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا ہوا تھا۔ ان فطری خوبیوں اور صلاحیتوں کو منتہائے کمال تک پہنچانے کے لئے کسی مرد کامل کی ضرورت تھی، جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام العصر کی شکل میں مل گئی۔ بالفاظ دیگر حضرت شاہ صاحب نے ایک باکمال جوہری کی طرح خانوادہ بنور کے اس ناتراشیدہ ہیرے کی آنکھوں کو خیرہ کو دینے والی فطری جگمگاہٹ اور تابانی کو اپنی ماہرانہ تراش خراش سے اجاگر کردیا لیکن یہ امر کس قدر حیران کن ہے کہ اگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی فطری صلاحیتیں اور خوبیاں یوں نمایاں ہو کر سامنے نہ آتیں تو حضرت شاہ صاحب کے نادر حقائق ومعارف زیب قرطاس ہی بنے رہتے یہ ہمارے شیخ کا اہل علم طبقے پر احسان عظیم ہے، کہ آپؒ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے ایجاز، ایماء، اغلاق اور اقتصار کو اپنی نابغہ صلاحیتوں کے ذریعے پوری تشریح وتفصیل کے ساتھ بیان کرکے انہیں اہل علم کے لئے قابل فہم اور لائق استفادہ بنادیا۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ومستفیدین میں جید علماء کی ایک بڑی جماعت تھی لیکن ان کے علوم کی ترجمانی وشرح کی خدمت جلیلہ کا اعزاز صرف ہمارے شیخ کو حاصل ہے کہ علماء نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو علوم انوری کا امین ووارث اور نائب وجانشین قراردیا ہے۔

اس تمہید کے عرض کرنیکا مقصد صرف یہی ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات ظاہری اسباب ووسائل کے منت کش نہیں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے آپ کی مختصر مدت کی ملازمت ومصاحبت نے آپ کے فطری جواہر ومحاسن کو صقیل کردیا اور یوں آپ کے دل میں وسعت مطالعہ کے لئے ایک شدید لگن اور تڑپ پیدا ہوئی جو آپ کو علم وفضل کے ہر مرکز کی طرف کشاں کشاں لئے پھری۔

چنانچہ آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک اپنی وسعت مطالعہ اور ازدیاد علم کے تمام ممکنہ ذرائع سے استفادہ کیا۔

چونکہ علم میں اضافے کا بہترین ذریعہ مطالعہ ہے اس لئے عمر بھر آپ کو کتابوں سے خصوصی شغف رہا۔ دنیائے کتاب کے بارے میں آپ کی معلومات نہایت وسیع تھی علوم عالیہ وآکیہ کی ہر شاخ کے بارے میں ایک ایک کتاب کا انہیں علم تھا۔ کسی بھی فن کی کسی بھی کتاب کے بارے میں آپ سے جب بھی استفسار کیا جاتا تھا، تو آپ اس کتاب کے مباحث، ضخامت، تالیف، صاحب تالیف اور سنہ تالیف، سنہ اشاعت حتی کہ مقام اشاعت تک کے بارے میں مکمل معلومات فراہم فرمادیتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں اپنے والد ماجد کے کتب خانہ سے کشف الظنون اور اسکے ذیل کا مطالعہ کیا تھا جس کی بدولت آپ اسلامی علوم وفنون پر تحریر کردہ بیشتر کتابوں سے آپ واقف ہوگئے تھے۔

آپ کے شفیق ماموں مولانا فضل ہمدانی بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی کتب خانہ میں بھی موجود اسلامی علم وفن پر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ آپ کی نظر سے گزرچکا تھا۔ بلکہ آپ نے ان کتب کی ایک فہرست بھی مرتب فرمائی تھی،

اور یوں کتابی دنیا کے بارے میں آپ کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا پھر دیوبند اور ڈابھیل میں اپنے زمانہ تعلیم کے دوران علم و فضل کے جن جبال راسیات سے استفادہ کا موقعہ ملا ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں اسلامی علوم و فنون کے چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ عالی مرتبت اساتذہ دوران تدریس اپنے طلبہ کو زیر بحث موضوع و مسئلہ کی معلومات کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر تحریر کردہ درسی کتابوں کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات فراہم کرتے تھے۔ ایک ایک کتاب کے بارے میں معلومات کو صفحہ ذہن پر مرتسم فرماتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ ۱۹۳۷ء میں جزیرہ عربیہ کے سفر پر تشریف لے گئے۔ علمی نقطہ نظر سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سفر بہت مبارک ثابت ہوا۔ اس سفر کے دوران آپ کو عالم عرب کے نامور علماء سے ملاقات کا موقع ملا۔ خصوصاً عالم اسلام کے نامور فرزند علامہ زاہد الکوثری کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا حضرت علامہ مرحوم قدیم و جدید علوم میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ پورا عالم اسلام ان کی علمی فضیلتوں کا معترف تھا۔

انہیں قدیم علوم کی جدید انداز میں تشریح کرنے کا ملکہ تامہ حاصل تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ان سے متعدد علمی مجلسیں منعقد ہوئیں آپ نے علمی لحاظ سے ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان علمی مجلسوں کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تفکر و تدبر کی نئی راہیں کھلیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حقائق و معارف کے میدان میں انہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پلہ قرار دیتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے مصر شام، ترکی اور حجاز کے تمام بڑے بڑے کتب خانوں کو کھنگال ڈالا۔ آپ ہر کتب خانے میں صرف ان کتابوں پر نظر ڈالتے جن سے پہلے وہ واقف تھے۔ پھر اپنے ذوق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کر کے ان کی یادداشت نوٹ فرماتے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی سرمائے کی وہ یادداشتیں اور مذکرات اب بھی محفوظ ہیں۔

کتابوں کے بارے میں ان کی معلومات محض ان کی تالیف ضخامت اور اشاعت ہی تک کی معلومات تک محدود نہ ہوتیں بلکہ آپ ایک عالم محقق کی طرح گہرے ناقدانہ انداز سے ان کا مطالعہ فرماتے۔ اس کی علمی حیثیت کا تعین فرماتے۔ اس کی خوبیوں کی نشاندہی فرماتے، کتاب میں موجود کسی گمراہ کن نظریہ یا خیال کی تغلیط فرما کر حاشیہ پر صحیح موقف تحریر فرما دیتے۔

الغرض کتابوں کے بارے میں آپ کی معلومات نہایت وسیع، ٹھوس اور محقق ہوتیں چونکہ ذہانت و فطانت اور حافظہ کی غیر معمولی دولت سے مالا مال تھے جو کچھ مطالعہ فرماتے وہ کالنقش فی الحجر ہو جاتا آپ کثیر المطالعہ اور سریع المطالعہ تھے۔ ایک ایک دن میں چار پانچ سو صفحات کا بغیر کسی تعب و گرانی کے مطالعہ فرما لیتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کی سرعت و کثرت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنی کتاب معارف السنن کی تالیف و تدوین کے دوران کم و بیش دولا کھ صفحات کا مطالعہ کیا اگر معارف السنن کی تالیف کو پچیس سال پر مشتمل کر دیا جائے تو روزانہ آپ کا مطالعہ اوسطاً تقریباً دو سو پچاس صفحات بنتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس دوران اپنی تدریسی اور تصنیفی ضروریات کے تحت دوسرے مسائل و موضوعات کے بارے میں بھی مطالعہ فرماتے رہے ہونگے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی زندگی میں اسلامی علوم وفنون کی مختلف کتابوں کے کس قدر صفحات کو اپنے مطالعہ کی نظر سے گزرا ہوگا - شاید آپ پورے تیقن سے اس کا تخمینہ نہ لگا سکے ہوں - تاہم ان کی تعداد کو ملیون کے ہندسہ سے شمار کیا جاسکتا ہے - اگرچہ قدیم علوم کی ہر شاخ پر آپ کی مجتہدانہ نظر تھی لیکن ان میں سے درج ذیل تین علوم سے متعلق کتب کا مطالعہ ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا -

(۱) علوم القرآن والتفسیر

(۲) علوم الحدیث اور شروح الحدیث

(۳) عربی ادب

(۱) علوم القرآن: قرآن مجید سر چشمہ رشد وہدایت اور منبع علم وعرفان ہے ، خدا کی آخری کتاب بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے دنیا میں فوز وفلاح حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے - چنانچہ اس منبع انوار و تجلیات سے اپنے قلب وروح کو مستنیر کرنے والے علوم القرآن پر مشتمل جس قدر بھی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کتب دستیاب تھیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش ان سب سے استفادہ کیا - قرآن کریم کے معارف وحقائق کو سمجھنے میں جن تفاسیر سے مدد لی جاسکتی تھی آپ نے ان سب کا کلیۃً یا جزاءً مطالعہ فرمایا - اگرچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خواندہ ومطالعہ کردہ کتب علوم القرآن وتفاسیر القرآن کی مکمل فہرست دینا ممکن نہیں تاہم ان میں سے بعض متداول ومعروف کتب کا ذکر کیا جاتا ہے -

(الف) علوم القرآن (۱) الاتقان للسیوطی (۲) البرہان لزرکشی (۳) التسہیل العلوم التنزیل للکلبی (۴) التیسیر فی علوم القرآن للدمیری (۵) الفوائد المشوق الی علوم القرآن لابن القیم (۶) التبیان فی اقسام الدین القیم (۷) الکسیر فی علوم التفسیر للجزری (۸) الفوز الکبیر لشاہ ولی اللہ (۹) القرآن والعلوم العصریہ للطنطاوی (۱۰) اعجاز القرن للباقلانی (۱۱) اعجاز القرآن للرمانی (۱۲) اعجاز القرآن للخطابی (۱۳) اعجاز القرآن للرافعی (۱۴) اعجاز القرآن لعبد الکریم الخطیب (۱۵) تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن لبہجۃ البیطار (۱۶) التصویر الفنی فی القرآن لسید قطب (۱۷) مشاہد القیامۃ لسید قطب -

علاوہ ازیں اردو زبان میں علوم القرآن پر جس قدر بھی وقیع علمی مواد جمع ہو چکا ہے - اس کا اکثر وبیشتر حصہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزرا ہے -

(ب) تفاسیر القرآن: برصغیر پاک وہند میں اردو زبان میں متعدد تفاسیر اکابر علماء دیوبند اور ان کے فیض یافتگان کے قلم اعجاز رقم سے منصہ شہود میں آچکی ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی اور تفسیری افادات سے بھرپور استفادہ کیا ہے جہاں تک عربی زبان میں تفاسیر کا تعلق ہے درج ذیل مشہور تفاسیر کلی یا جزوی طور پر مطالعہ فرمائی ہیں -

(۱) جامع البیان للطبری (۲) اعراب القرآن للزجاج (۳) درۃ التنزیل وغرۃ التاویل للاسکلافی (۴) الدر المنثور للسیوطی (۵) مدارک للتنزیل للنسفی (۶) لباب التاویل للخازن (۷) البحر المحیط لابن حیان (۸) زاد المیسر لابن جوزی (۹) مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر

لرازی (۱۰) تفسیر الکشاف للزمخشری (۱۱) اعجاز القرآن للجصاص (۱۲) احکام القرآن لابن العربی (۱۳) جامع لاحکام القرآن للقرطبی (۱۴) غرائب القرآن درغائب الفرقان لنظام نیشاپوری (۱۵) سراج المنیر شربینی (۱۶) ارشاد العقیل السلیم لابی سعود (۱۷) تفسیر القرآن لابن کثیر (۱۸) تبصیر الرحمان للمهائمی (۱۹) سواطع الہام للفیضی (۲۰) روح البیان لاسماعیل حقی (۲۱) روح المعانی آلوسی (۲۲) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروزآبادی (۲۳) تفسیر المنار لعلامہ رشید رضا (۲۴) تفسیر المراغی (۲۶) تفسیر جواہر القرآن للحموی (۲۷) اضواء البیان للشنقیطیؒ (۲۸) فی ظلال القرآن السید قطب (۲۹) تفسیر القرآن الحکیم لمحمود شلتوت۔

علوم حدیث: بلاشبہ علوم الحدیث میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو مجددانہ بصیرت حاصل تھی آپ نے شیخ التفسیر کی مسند جلیلہ پر قرآنی حقائق ومعارف سے ایک عرصہ تک طلبہ کو مستفید فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب علوم القرآن پرآپ کا مقدمہ یتیمۃ البیان فی شیء من علوم القرآن ایک بے نظیر تفسیری شاہکار ہے۔ لیکن جس علم شریف نے آپ کو اپنے اقران ومعاصرین میں ممتاز ومنفرد بنایا وہ علوم الحدیث کے ساتھ آپ کا والہانہ لگاؤ ہے۔

نبوغ فی علوم الحدیث ہی کی وجہ سے آپ کو امام العصر اور محقق عثمانی کی جانشینی ونیابت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور اسی کی بدولت برصغیر پاک وہند کے موقر علمی اداروں کی طرف سے شیخ الحدیث کی مسند کورونق بخشنے کی آپ سے درخواستیں کی گئیں۔

الغرض رشد وہدایت اور علم وعرفان کے اس منبع ثانی سے حضرت شیخ نے غیر معمولی فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں ذیل میں علم الحدیث، لغات الحدیث، اور شروح الحدیث کی ان متعدد کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت الشیخ کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔

(الف) علوم الحدیث: (۱) مقدمہ ابن صلاح (۲) التقیید والایضاح للعراقی (۳) فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی (۴) فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للسخاوی (۵) الکفایۃ فی علوم الروایۃ للخطیب (۶) معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (۷) تدریب الروی للسیوطی (۸) النظر فی شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی (۹) ظفر الامانی فی شرح مختصر المعانی لجرجانی (۱۰) الباحث الحثیث لابن کثیر (۱۱) مفتاح السنۃ للخولی (۱۲) توجیہ النظر الی اصول علم الاثر للجزائری (۱۳) شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی (۱۴) مقدمہ فتح الملہم لعثمانی (۱۵) مقدمہ اعلاء السنن للتھانوی (۱۶) بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب للزبیدی (۱۷) الرسالۃ المستطرفۃ للکتانی (۱۸) بستان المحدثین شاہ عبد العزیز (۱۹) عجالۃ نافعہ شاہ عبد العزیز (۲۰) السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی لسباعی۔ (۲۱) السنۃ قبل التدوین لعجاج الخطیب (۲۲) اضواء علی السنۃ المحمدیہ الابی ریۃ (۲۳) تدوین حدیث لمناظر احسن گیلانی (۲۴) ابن ماجہ اور علم حدیث لعبد الرشید النعمانی وغیرہ۔

اس کے علاوہ بے شمار کتب جو ہزاروں کو پہنچتی ہیں مضمون کی طوالت کے پیش نظر اختصار سے کام لیا جاتا ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یاد گار علمی تقریر

یہ غالبا ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء کی بات ہے لاہور میں انجمن خدام القرآن کی طرف سے لاہور کارپوریشن کے جناح ہال میں انجمن کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد کی صدارت میں سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ انجمن کی طرف سے شائع کردہ اشتہارات میں ان اصحاب علم و فضل کا ذکر تھا جنہیں اس کانفرنس میں دعوت خطاب دی گئی تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بھی ان اصحاب کی فہرست میں شامل تھا احقر اپنے چند احباب کی معیت میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔

آپ کا خطاب شروع ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے کہ اہل لاہور کا ایک کثیر مجمع جو آپ کی علمی فضلیت سے آگاہ تھا۔ جناح ہال میں سراپا انتظار تھا۔ اس میں دینی مدارس کے طلباء بھی تھے اور اساتذہ بھی کالجوں اور یونیوسٹیوں کے پروفیسر حضرات بھی تھے۔ اور اخبارات و جرائد کے صحافی بھی مساجد کے ائمہ و خطباء بھی تھے اور زبان و ادب کے شائقین بھی۔

الغرض ہر مکتبہ فکر کے افراد کا ایک پروقار اجتماع تھا لاہور کو اپنے اعلیٰ علمی ذوق اور فضیلت پر ہمیشہ سے ناز رہا ہے اس کی علمی مجلسوں میں اظہار خیال کرتے وقت اہل علم و قلم کو اپنے زیر بیان موضوع کی ایک ایک تفصیل کو نہایت احتیاط اور پابندی سے روشن و واضح کرنا پڑتا ہے۔

وقت مقررہ پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے جلسہ گاہ میں موجود روشن چہروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو آپ کی علمی جولانیوں نے انگڑائی لینا شروع کر دی۔ آپ کا موضوع خطاب تھا۔

" مقام حدیث "

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے اپنے موضوع پر خطاب کا آغاز فرمایا علم حدیث کی تعریف اس علم شریف کے اعلیٰ مرتبت حاملین کے لئے جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف سے بشارتوں اور انعامات کا ذکر صحابہ کرام میں اس علم کے حصول و حفاظت کی لگن اور تڑپ، باہمی مذاکرہ اور مبادلہ کے لئے ان کی فداکارانہ مساعی کا حال جب اہل مجلس نے سنا تو ان کے دلوں میں جہاں ایک طرف صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کے جذبات فروغ پذیر ہونا شروع ہوگئے تو وہاں دوسری طرف حضرت الشیخ کے ملفوظات عالیہ سے متمتع و مستفیض ہونے کے لیے ان کی توجہات آپ کے خطاب کی طرف مبذول ہو گئیں۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ آج چمن زار علم و ادب کی نسیم نوبہار ان کے دل و دماغ کو اپنی روح پرور مہک سے معطر کر رہی ہیں۔

پھر جب آپ نے علم حدیث کی کتابت و حفاظت، جمع و تدوین اور تسوید و تبییض کی ولولہ انگیز تاریخ بیان فرمائی تو مجمع اپنے اپنے آباء و اجداد کے بے مثال علمی کارناموں پر جھوم اٹھا۔

حدیث کی اہمیت و حجیت اور اس کے تشریعی مقام و مرتبہ اور پھر قرآن و حدیث کے باہمی ناگزیر اور غیر متزلزل تعلق کا حال اس علمی انداز میں بیان فرمایا کہ اہل مجلس پر حیرت و استعجاب کے عالم میں ایک سکتہ ساطاری ہوگیا۔ پھر آپ نے مختلف مجموعہ ہائے

احادیث کی تسوید و تدوین میں محدثین عظام کے اختیار کردہ اصول و ضوابط اور حدود و شرائط کی تاریخ بیان فرمائی احادیث کے بیان و اسناد تصحیح و تضعیف، تہذیب و تنقیح، تعداد طرق، جرح و تعدیل، راوۃ اور ان کے اسماء و کنیات، اور وصل و انقطاع کے حالات نہایت حسن خوبی کے ساتھ بیان فرمائے۔

کتب احادیث کے عالی مرتبت مدونین فقہاء عظام اور شراح حدیث کی حیران کن خدمات ان کی ذکاوت وذہانت ان کے قابل رشک حافظہ، ان کی طبائع کے غیر معمولی اخذ و قبول صلاحیتیں پھر اس علم شریف کے حصول کے لئے قدسیوں کے اس گروہ کی مجاہدانہ جدوجہد جانگسل مساعی، اور مصائب و تکالیف کے تحمل کا بے مثال عزم و حوصلہ غرضیکہ علمی لحاظ سے تاریخ عالم کے اس روشن ترین دور کی تاریخ کا ایک ایک باب پوری شرح و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا پھر جب آپ نے معلم کائنات ﷺ کے ارشادات و فرمودات عالیہ کے جوامع الکلام ان کے حسن صوت، حسن ترتیب اور حسن معنی اور پھر ان میں مخفی علوم و معارف حقائق و دقائق اور اسرار و حکم خداوندی کا ذکر چھیڑا تو مجمع کا حیرت و استعجاب دید کے قابل تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ماہر عامل نے اپنے ماہرانہ عمل تنویم کے ذریعے اہل مجلس پر نیم خوابیدگی کی کیفیت طاری کردی ہو۔ محویت و سحرزدگی، استغراق و خود فراموشی اور تحیر کے اس عالم میں کرسی صدارت پر متمکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بے خود ہو کر بار بار اٹھتے اور پکار پکار کر کہتے کہ "

واللہ مجھے آج مقام حدیث سے آگاہی حاصل ہوئی ہے خدا کی قسم مجھے آج حدیث کی تشریعی اور قرآن کریم کے ساتھ اس کے ناگزیر تعلق کی حقیقت معلوم ہوئی ہے۔ اہل لاہور نے ان اپنے تمام تر علمی کمالات کے باوجود جب ایک دینی مدرسے کے ایک بوریہ نشین درویش کی علمی وسعتوں کا نظارہ کیا تو انہیں اپنی تنگ دامانی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔

لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان کے تحسین و آفرین کے جذبات کی پروا کئے بغیر اپنی شیریں مقالی اور عالی بیانی سے عظمت حدیث کی داستانیں بیان فرما رہے تھے، چمنستان نبوی کا بلبل ہزار داستان اپنی مسحور کن ترنم ریزیوں سے چہک رہا تھا لگتا تھا جیسے علم و فضل کا ہمالیہ آج اہل لاہور پر مہربان ہوگیا ہے وہ آج ان پر علوم و فضائل کے جمیع دفائن و خزائن اور حقائق و معارف کے جملہ جواہر و لآلی الٹ دینے کو ہے اسلامی علوم و فنون کی ہر شاخ آپ کے حضور دست بستہ کھڑی نظر آتی تھی۔ الفاظ و معانی کے ایک سیل بیکراں کا ملاء اعلی سے نزول ہو رہا تھا، عربی، فارسی اور اردو کے اشعار آپ کی تقریر میں نگینوں کی طرح جڑتے چلے جا رہے تھے، محاورات ضرب الامثال اور نادر تشبیہات و استعارات کے ذریعے الفاظ و معانی کی قوس قزح میں حسین رنگ بھرے جا رہے تھے لیکن اس انداز میں کہ تقریر کی شگفتگی و شائستگی، حسن و جمال اور تحکم و جلال کا ایک حسین امتزاج اپنی ساحرانہ تاثیر سے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔

احقر اپنے احباب کی موجودگی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اپنی نسبت تلمذ پر سراپا فخر و مباہات بنا ہوا تھا۔ آج حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فضائل و مناقب کے بارے میں اس خادم کے ایک ایک دعوے کی تصدیق ہو رہی تھی دل میں عقیدت و جانثاری کے جذبات کا ساکن سمندر آج پھر پورے تموج پر تھا جی چاہتا تھا کہ اٹھوں اور اپنی چاہتوں کے سارے سجدے اپنے کعبہ دل کی چوکھٹ کی نذر کردوں فرط عقیدت سے ہونٹ یہ کہنے اور کرنے کے لئے بیقرار تھے کہ

دعنی اقبل رجلیک یاسید المفسرین یا امام المحدثین یاعالم الحدیث فی علله

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ملکی اسفار

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں متعدد مرتبہ علمی، دینی اور تبلیغی مقاصد کے لئے غیر ملکی اسفار کئے۔ ممالک عربیہ کے علمی ادارے آپ کے علمی کمالات سے آگاہ تھے۔ چنانچہ آپ کو ان اداروں اور ان ممالک کی حکومتوں کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں متعدد بار شرکت کا موقع ملا، افریقہ کے بیشتر اسلامی ممالک میں آپ تبلیغی مقاصد خصوصاً ان ممالک میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے اثرورسوخ کوروکنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی مقصد کے لئے آپ نے یورپ کے بعض ممالک کا سفر بھی اختیار کیا۔ ان اسفار کی روئیداد ایک دفتر ضخیم کی متقاضی ہے۔ ذیل میں بعض اہم اسفار کو باختصار بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اولین سفر: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا اولین غیر ملکی سفر ۱۹۳۷ء میں دیار مصر کا اختیار فرمایا ڈابھیل کی مجلس علمی نے جس کے آپ رکن تھے آپ کو اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کو فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کے لئے اس سفر پر بھیجا" فیض الباری" حضرت سید محمد انورشاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تقاریر بخاری کا مجموعہ ہے جو آپ کے تلمیذ رشید مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے آپ کے درس بخاری کے دوران قلمبند کیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ تقاریر کا خود بنظر غائر مطالعہ کر کے اسکے تشنہ مباحث کی تکمیل کر کے اسے قابل اشاعت بنایا تھا۔ دوسری کتاب نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی تھی۔

اس کتاب پر گوجرانوالہ کے مولانا عبد العزیز صاحب اور کامل پور کے مولانا محمد یوسف صاحب نے بعض حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کی علمی اہمیت کو دوچند کر دیا تھا۔ موخر الذکر کتاب کی تصحیح وتنقیح کے لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ محنت کرنا پڑی۔

اس کتاب کی طباعت سے پہلے آپ نے حرمین شریفین کے دو قلمی نسخوں اور دار الکتب المصریہ میں موجود دو مطبوعہ نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اس پر خود ایک وقیع اور پر مغز علمی مقدمہ لکھا، اور محقق العصر علامہ محمد زاہد الکوثری سے بھی ایک مدلل مقدمہ لکھوایا۔ فیض الباری پر بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جاندار، ٹھوس اور معلومات سے بھر پور مقدمہ لکھا۔ اس مقدمہ میں آپ نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت اور طریقہ تعلیم وتدریس پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

اپنے شیخ حضرت امام العصر کا ترجمہ آپ کی درس بخاری کی خصوصیات اور شرح حدیث میں آپ کے مخصوص طرز بیان کو بڑے مفصل انداز میں بیان فرمایا۔

ان دونوں کتابوں کے مسودات کی تصحیح وتسوید اور تکمیل کے بعد آپ نے مصر کے مختلف مطابع سے رابطہ قائم کیا۔ (ٹائپ کے حروف ان کے سائز کے تعین اور طباعت کے انداز کا اپنے اعلیٰ فطری ذوق کے مطابق مقابلہ مختلف مطابع سے کر کے سب سے بہتر اور

اعلیٰ مطبع سے کتابوں کی طباعت کروائی۔

اس سفر کے دوران آپ کو جن بلند علمی شخصیتوں سے شرف ملاقات حاصل ہوا ان میں علامہ شیخ خلیل خالدی مقدسی محدث کبیر شیخ عمران بن حمدان موسیٰ مالکی مغربی اور استاذ کبیر شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الجکنی الشنقیطی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان بزرگوں سے آپ نے اجازت حدیث بھی حاصل کی لیکن جس عظیم المرتبت، بلند پایہ اور محقق دوران شخصیت نے آپ کے دل دماغ پر اپنے نبوغ وعبقریت کے انمٹ نقوش مرتسم کئے۔ وہ حضرت علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ سے یادگار علمی مجلسیں رہیں۔ ان مجلسوں میں حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی نے حضرت الشیخ کو بہت متاثر کیا آپ ان کی علمی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعت علمی، حیران کن مہارت، دقت نظر، خارق عادت حافظہ۔ متحیرانہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ علوم روایت کے تمام انواع واقسام، علم درایت کے تمام مقاصدومدارک، مکارم اخلاق، خصائل حمیدہ تواضع، قوت، لایموت پر قناعت، زہدوتقویٰ، مصائب پر صبر واستقامت، کریمانہ ذات، اپنے خزائن علمیہ اور معارف گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسیطۃ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے۔ مزید براں دین کی آبرو کی حفاظت پر حمیت وغیرت اور ملت اسلامیہ تک حق بات پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے۔"

خود حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے بہت معترف تھے۔ ان ملاقاتوں سے قبل ہی آپ کی علمی شہرت ان تک پہنچ چکی تھی۔ اور جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بغرض ملاقات ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے نہایت پرتپاک اور نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اپنی ملاقات کے تاثرات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تب مین نے انہیں اپنی ملاقات کا ایسا ہی راغب اور شائق پایا جیسا کہ میں ان کا تھا۔ پھر میں نے جب تفصیلی ملاقات کی تو مجھے یقین ہوگیا کہ اس شخص کا علمی مقام اپنی تصانیف اور مقالات سے بہت بلند بالا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مملکت مصر میں علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔

انہی ملاقاتوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے اعاظم رجال کے دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی کارناموں سے آگاہ کیا۔

فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کو ایک طویل پراسیس سے گزر کر پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا، جس کے لئے ایک اچھی خاصی مدت درکار تھی۔ آپ نے ان فارغ اوقات کو غنیمت جانا اور اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے مصر کے مختلف علمی مراکز کتب خانوں اور علمی شخصیات سے راہ رسم پیدا کی۔ جدید عربی لٹریچر کا مطالعہ کیا، جرائد ومجلات جدید ادباء کے ادبی شہ پاروں سے شناسائی حاصل کی۔ اخذ وقبولیت کے غیر معمولی ملکہ کی وجہ سے آپ نے اپنے عربی اسلوب تحریر کو مصر کے نامور ادیبوں کے انداز تحریر سے ہم

آہنگ کرلیا۔

چنانچہ آپ نے قاہرہ کے علمی مجلات میں مختلف عنوانات کے تحت علمی مقالات لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ان ایام میں آپ نے اکابر علماء دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے ان کے علمی مقام، ان کے اسلوب تدریس، دیوبند کے نصاب تعلیم دینی اور تصنیفی خدمات اور اسکے مایہ ناز فرزندوں کے احوال پر مشتمل ایک مفصل مقالہ تحریر فرمایا

اس مقالے کا عنوان تھا۔ النھضۃ العلمیۃ الحاضرۃ و دارالعلوم الدیوبندیۃ حق اساسہا۔

یہ مقالہ قاہرہ کے اسبوعی مجلہ "الاسلام" کی مسلسل چار قسطوں میں شائع ہوا (۱) اس کی پہلی قسط ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۳۸ء منصہ اشاعت پر رونما ہوئی۔ اس مقالے کی علمی اور ادبی وجاہت نے آپ کی علمی شہرت کو مصر کے اہم علمی مراکز تک پہنچادیا نتیجۃ مصر کے مدیران جرائد نے آپ سے رابطہ قائم کرکے اس موضوع پر مزید تفصیل بیان کرنے کی فرمائش کی۔

مصر کے مشہور عالم دین شیخ محمد حامد فقی رئیس جماعت انصار السنۃ کی فرمائش پر آپ نے ایک شاندار علمی مقالہ سپرد قلم کیا اس کا عنوان تھا دارالعلوم بدیوبند فی الہند ومنہاج دراستہ فی الحدیث۔

یہ مقالہ جناب شیخ محمد حامد کے رسالہ "الہدی النبوی" میں شائع ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قیام مصر کے دوران مسئلہ فلسطین کے بارے میں عالم اسلام کے نامور علماء کی قاہرہ میں ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ ہندستان سے مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب بطور مندوب اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ اس سے قبل حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقالات کی وجہ سے علماء ازہر اکابر علماء دیوبند کی گرانقدر تصنیفات اور ان کی ولولہ انگیز ملی وسیاسی خدمت سے آگاہ ہوچکے تھے۔

چنانچہ جب مفتی اعظم تشریف لائے تو مصر کے اکابر علماء اور اعیان مشائخ نے جوش کے عرشہ پر جا کر ان کا استقبال کیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان ایام میں شدید علیل تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب اور ترجمان بنایا قیام قاہرہ کے دوران حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیانات، پروگرام کی تمام کارروائیاں، ردعمل اور مضامین وغیرہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم اعجاز رقم سے مصر کے مجلات وجرائد میں شائع ہوئے جو حضرات حضرت مفتی ہند سے شرف تلمذ رکھتے ہیں انہیں اس امر کا بخوبی ادراک ہے، کہ حضرت مرحوم عربی انشاء وادب کا کس قدر بلند پایہ ذوق اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی نیابت وترجمانی کی خدمات تفویض کرنا آپ کی علمی وادبی عظمت کی ایک واضح سند ہے۔۔

قیام مصر کے دوران وہاں کی مشہور علمی شخصیت علامہ طنطاوی سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت الشیخ اس ملاقات سے قبل علامہ مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن کا بنظر غائر مطالعہ فرماچکے تھے اور اس کی علمی وفکری لغزشوں اور فروگذاشتوں سے واقف ہوچکے تھے۔ چنانچہ ملاقات پر جب علامہ مرحوم نے آپ سے اپنی مایہ ناز تفسیر کے بارے میں استفسار کیا کہ

"کیا آپ میری تفسیر کا مطالعہ فرماچکے ہیں ؟ آپ نے فرمایا "ہاں! اس قدر کہ میں اس پر بھرپور تبصرہ کرسکتا ہوں۔ علامہ مرحوم نے اپنی تفسیر میں مغربی سائنسدانوں کی جدید معلومات اکتشافات اور نظریات کے ذریعے قرآن پاک میں مذکور نجوم وکواکب

---

(۱) اس مقالہ کا ترجمہ حضرت مولانا بنوریؒ نے دارالعلوم دیوبند نمبر کے لیے ارسال فرمایا (ماہنامہ الرشید لاہور)

شمس وقمر، ارض و سماء حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہ کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے اسے مصدق وموثق بنانے کی کوشش کی تھی ۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

علماء پر آپ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے جدید سائنس کی بیسیوں کتب کا مطالعہ کر کے جدید سائنسی نظریات ومعلومات کو یک جا کردیا ہے، لیکن آپ براہ کرم ایک بات پر غور فرمائیں کہ علوم قرآن کا مخزن جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی ہے۔آپ کے صحابہ کرام نے آپ سے ان علوم کو اخذ کیا اور ان سے آج تک یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا علوم جدیدہ کو قرآنی کلمات کی تشریح وتفسیر کے لئے بنیاد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو صاحب وحی نبی ﷺ اور نہ ہی آپ کے جلیل القدر متبعین قرآن کے اصل منشاء ومفہوم کو سمجھ سکے ہیں۔ قرآن تو ایک کتاب رشد ہدایت ہے جو بندوں کو اپنے خالق کی مرضیات سے آگاہ کر کے اس کی اطاعت وانقیاد کا حکم دیتی ہے۔ یہ کوئی تاریخ، جغرافیہ، سائنس، کیمیا یا بیالوجی کی کتاب نہیں ہے۔ مزید براں آپ نے علوم لقرآن کی تشریح وتفسیر کے لئے جن جدید سائنسی اکتشافات ونظریات کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کی اپنی صداقت مشکوک ہے ماضی کے سائنسی نظریات آج کی سائنسی معلومات کی بدولت باطل اور ناقابل اعتبار ٹھہرائے جا چکے ہیں اور یقیناً مستقبل کے سائنسدان ہماری موجودہ سائنسی معلومات کو نئے انکشافات کے ذریعے باطل قرار دیں گے۔ اس طرح قرآنی معلومات کا ابطال لازم قرار پائیگا۔ کیا مستقبل کی سائنسی معلومات ومشاہدات سے واقف ہماری آئندہ نسل آپ کی ان تشریحات وتفسیرات کو جاہلانہ مساعی سے تعبیر نہ کرے گی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ علامہ مرحوم کی تفسیر پر پورے شرح صدر کے ساتھ عالمانہ اور ناقدانہ انداز میں تبصرہ فرمارہے تھے، اور علامہ مرحوم اس نوعمر عجمی کے علمی کمالات اور رشحات فکر کو کمال تحیر واستعجاب سے سن رہے تھے۔ جب آپ نے اپنا سلسلہ کلام ختم کیا تو حضرت علامہ مرحوم نے اپنی تمام تر علمی وجاہت وشہرت کے باوجود اپنی سلامتی طبع کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو درست تسلیم کیا اور آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ۔

لست بعالم ہندی ان انت الاملک نزل من السماء لاصلاحی ۔

آپ ایک ہندی عالم نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہیں جو میری اصلاح کے لئے آسمان سے نازل ہوئے۔ الغرض حضرت الشیخ نے اپنے زمانہ قیام مصر میں نہ صرف قدیم وجدید معلومات ومسموعات کے ذریعے اپنے دامن علم کو مالا مال کیا، بلکہ بلاد عربیہ کے علمی حلقوں تک اپنے علم کمالات کی شہرت پہنچادی۔

نصب الرایہ اور فیض الباری کی طباعت کے بعد آپ نے حرمین شریفین میں بھی حاضری کی سعادت حاصل کی۔ اسی دوران سعودی عرب کے حکمران سلطان عبدالعزیز مرحوم سے بھی مکہ معظمہ میں آپ کی ایک ملاقات ہوئی۔ سلطان مرحوم نے فیض الباری کے دوصد نسخے آپ سے خرید کر مملکت سعودیہ کے مختلف کتب خانوں میں تقسیم کئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے یادگار علمی سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھ فیض الباری اور نصب الرایہ کی حسین طباعت وتجلید اور اعلیٰ ترین کاغذ سے آراستہ ایک عظیم علمی ذخیرہ بھی موجود تھا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی مسند صدارت وریاست آپ کا انتظار کر رہی تھی۔

قاہرہ کے اسفار

قیام پاکستان کے بعد جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۳ء میں مدرسہ عربیہ کا اجراء فرمایا تو آپ مدرسے کی تعمیر و ترقی، تدریس، اہتمام اور ملک کے علمی دینی، اور سیاسی معاملات میں اس حد تک مصروف ہوگئے کہ ماسوائے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ غیر ملکی اسفار کے لئے وقت نہ نکال سکے ۱۹۶۴ء میں جب کہ آپ کے اس علمی ادارے کے قیام کو دس گیارہ سال کا عرصہ ہوچکا تھا اور وہ اپنے ظاہری و باطنی محاسن میں ملک کے اہم علمی مراکز میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت اختیار کرچکا تھا تو آپ کو کچھ فرصت اور اطمینان نصیب ہوا۔

چنانچہ آپ نے اس سال المجمع البحوث الاسلامیہ ازہر کی دعوت پر اس کے منعقدہ موتمر میں شرکت کی غرض سے قاہرہ کا سفر اختیار فرمایا۔ مصر میں ان دنوں شاہ فاروق کی حکومت کا خاتمہ ہوچکا تھا اور عنان حکومت جمال عبدالناصر مرحوم کے ہاتھ میں تھی۔ اس موتمر میں پاکستان کے دونوں حصوں سے مندوبین نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شرکت کی تھی۔ اس موتمر کا پہلا اجلاس ۱۹۶۴ء بمطابق ۱۳۸۳ھ منعقد ہوا آپ کی علمی وجاہت کے پیش نظر آپ کو مجمع البحوث الاسلامیہ کا مستقل ممبر منتخب کرلیا گیا۔ آپ نے مجمع کے مستقل رکن کی حیثیت سے اس کے منعقدہ سالانہ موتمرات میں مسلسل چھ دفعہ شرکت فرمائی۔

مختلف اوقات میں منعقدہ ان چھ موتمرات میں حضرت الشیخؒ نے فصیح و سلیس عربی زبان میں اپنے بلند پایہ علمی مقالات کے ذریعے شرکاء موتمرات کو اپنا گرویدہ اور مداح بنالیا۔ دیار مصر کے علماء و فضلاء ازہر کے اعیان و شیوخ اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے فاضل ارکان ہر موتمر پر آپ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار کرتے اور آپ سے اپنے دوستانہ و نیازمندانہ تعلقات کا اظہار فرماتے۔ مجمع کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبدالرحمن بیطار تو آپ کے احباء خاص میں سے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ضعف و علالت اور پاکستان میں اپنے مشاغل کی کثرت کا عذر کرکے ان سے فرمایا کہ آئندہ مجھے ان موتمرات میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے۔ تو ممنون ہونگا ڈاکٹر صاحب موصوف نے فوراً کہا کہ مثلکم لایستغنیٰ عنہ

آپ جیسی علمی شخصیات سے محروم نہیں رہا جاسکتا۔

جامعہ الازہر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مشہور محقق شیخ ابوزہرہ مرحوم اور ڈاکٹر محب اللہ مرحوم سے آپ کے گہرے قلبی مراسم قائم تھے۔ یہ حضرات حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اور آپ کے اعلیٰ مکارم اخلاق کے گرویدہ تھے۔ ان میں ملاقاتوں کا سلسلہ اکثر جاری رہتا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود جب پاکستان کے دورے پر تشریف لاتے تو انہوں نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے طلبہ اور مدرسین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے اعلیٰ علمی ذوق ان کے تفسیری اور محدثانہ کمالات ان کے شعری و ادبی محاسن اور دعوت الی اللہ کی شدید لگن اور تڑپ کے جواہر کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اور آپ سے گہرے قلبی روابط کو اپنے لئے باعث

فخر ومباہات اور ابتہاج وسرور قرار دیا۔ شیخ الازہر کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے انہی مخلصانہ تعلقات کا نتیجہ تھا۔ کہ ازہر کی جانب سے ہر سال مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ایک مصری عالم دین اور ایک قاری ومجود کا ازہر کے اپنے اخراجات پر تقرر کیا جاتا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دیار مصر اور جامعہ ازہر کی علمی خدمات سے بہت متاثر ہوئے تھے ان خدمات کا آپ نے بھرپور طریقہ سے بینات میں اظہار بھی فرمایا۔ مصر کے جمال عبدالناصر ذاتی اور شخصی خوبیوں میں ایک مثالی حکمران تھے لیکن ان کے سیاسی نظریات، ان کی عرب قوم پرستی اور اشتراکیت کی طرف ان کے میلان پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست تنقید فرمائی۔ جمال عبدالناصر نے پروپیگنڈے کے جدید اور موثر ذرائع سے عرب قومیت کا زہر پورے عالم عرب میں پھیلادیا تھا۔ عرب دنیا اشتراکیت کی جدید جہالت کی شکار ہوتی نظر آتی تھی مرحوم ناصر کی عرب دنیا پر اس ساحرانہ گرفت نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دینی جذبے کو شعلہ بدامن بنادیا۔

چنانچہ آپ نے واپس تشریف لاکر اپنے رسالہ بینات کے بصائر وعبر کے ادارتی کالموں کے ذریعہ جمال عبدالناصر کے افکار ونظریات اور اعمال وکردار کا زبردست مواخذہ ومحاسبہ کیا۔ عربوں کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے اجتماعی امراض کا اس انداز میں ذکر فرمایا کہ،

ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا ہے کہ عرب قوم دو قسم کے امراض میں مبتلاء ہے۔ جو تمام بیماریوں کے لئے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۱) عرب قوم پرستی۔

(۲) مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط۔ یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے۔ لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا روگ ہے۔ جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کرگیا ہے۔ فلسفہ قومیت کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے اسلام کے نظریہ قومیت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ قومیت عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی دین اسلام کی نظر میں بہرحال وہ ایک لعنت ہے وہ ایک بت ہے جس کی پرستش کو اسلام شعار جاہلیت قرار دیتا ہے اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔۔ فیاللاسف

قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی۔ اس لعنت کا بری طرح شکار ہے۔ قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کرڈالا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان امراض کے پیدا ہونے، ان کے مہلک اثرات اور ان کے محرکات وعوامل کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے علاج کی نشان دہی کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ عالم اسلام کلمہ، ایمان، خدا ورسول ﷺ اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہوکر ایک بنیان مرصوص بن جائے ؟

اور دشمنانِ اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفریق کی جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے، اس سے باہر آنے کی تدبیر کریں

مزید فرمایا۔

ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دعاۃ الی اللہ " کی جماعتیں بنا کر دعوت اور دین کو مستقل مقصد بنا کر ہر ملک میں مقیم ہوں، پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے۔ ابھی تک ان کے دلوں میں نور ایمان کی دبی چنگاریاں موجود ہیں۔

لیبیا اور دیگر بلاد عربیہ کے اسفار

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لیبیا کا پہلا سفر صفر ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ میں اختیار فرمایا اس وقت لیبیا پر شاہ ادریس کی بادشاہت کا دور دورہ تھا۔

اس سفر کے دوران آپ نے لیبیا کے اہم شہروں طرابلس "بن غازی" درنہ اور بیضاء وغیرہ کے دورے فرمائے۔ وہاں کی جامعات اور علمی اداروں کے احوال و کوائف کا معائنہ کیا اہل علم سے ملاقاتیں اور دینی و علمی مجلسیں رہیں۔ بعض اہم دینی موضوعات پر آپ نے انہیں اپنے اعلیٰ مشوروں سے نوازا۔ بیضاء میں قائم اسلامی یونیورسٹی اور جامعہ السید محمد بن السنوسی الاسلامیہ کے طلبہ، اساتذہ، شیوخ کو اپنے افکار عالیہ سے بہرہ ور کیا۔ الشیخ الجامعہ الشیخ عبدالمجید بن عطیہ الدیبانی سے خصوصی علمی مذاکرات کئے حضرت الشیخ الشیخ الدیبانی کے علمی کمالات اور شخصی محاسن و مکارم سے بہت زیادہ متاثر ہوئے آپ نے ان کے کمالات کا دل کھول کر تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا لیبیا کا دوسرا سفر ۱۹۷۰ء کو عمل میں آیا ستمبر ۱۹۶۹ء میں لیبیا کی فوج کے جنرل قذافی نے شاہ ادریس کا تختہ الٹ کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے اسلامی ممالک کے ساتھ مستحکم تعلقات کی استواری اور ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے بلند و بانگ دعوے بڑے تواتر سے کرنے شروع کردیئے۔

عالم اسلام کے دینی حلقوں میں ان دعاوی کی بازگشت بڑے احترام اور نیک جذبات کے ساتھ سنی گئی۔ چنانچہ جنرل قذافی نے اپنے ان عزائم و دعاوی کے پیش نظر لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں دعوت اسلامیہ، کے نام پر ایک پانچ روزہ کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا۔ دنیا بھر سے اسلامی علوم و فنون کے مشہور سکالروں اور علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی پاکستان سے بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ایک وفد طرابلس پہنچا یہ کانفرنس ۱۳ شوال ۱۳۹۰ھ تک جاری رہی۔ اس کانفرنس کے بنیادی مقاصد ہیں دعوت اسلام کو عام کرنا، الحاد کے انسداد کے لئے موثر ذرائع و وسائل اختیار کرنا، ان ممالک کا تعین جہاں دعوت اسلام کا کام شروع کیا جائے، دعاۃ اور مبلغین کی تعلیم و تربیت اور ان کے لئے شرعی ضابطہ اخلاق کا تعین وغیرہ جنرل قذافی کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے اور بعض اہم نکات اپنی نوٹ بک میں درج کرتے جاتے۔

اس کانفرنس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مواقع پر اہل مجلس کو اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرایا دوسرے مندوبین کی طرف سے بے راہ رو اجتہاد کے مسائل چھیڑنے پر اہل مجلس کو متنبہ فرمایا۔ اجتہاد کی ضرورت واہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے ان حدود و شرائط اور اصول و ضوابط کا ذکر فرمایا جن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہی اجتہادی کوششیں کی جا سکتی ہیں اس کانفرنس میں آپ نے داعی اور مبلغ کے اوصاف "سورۃ مدثر" کی روشنی میں بڑی وضاحت سے بیان فرمائے۔

آپ نے فرمایا:

قرآن پاک داعی کے لئے فطرت کے پانچ اوصاف کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔

(۱) وربک فکبر (توحید اس کے دل میں ہو اور خدا کی ذات اور اس کی عظمت اس کے ہاں ہر شے پر غالب ہو۔

(۲) وثیابک فطہر (اس تہذیب سے مراد اخلاق و عادات اور مکارم حسنہ ہیں۔

(۳) والرجز فاہجر (ہر قسم کے دینی عملی اور اخلاقی نجاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی

(۴) ولا تمنن (دعوت کی ادائیگی میں توجہ اللہ ہو اور مخاطب پر کسی قسم کا احسان نہ جتائے

(۵) ولربک فاصبر داعی کے لئے سب سے اہم اور بنیادی وصف اس میں صبر و استقامت کا بدرجہ اتم موجود ہونا ہے

اگر یک داعی میں متذکرہ بالا اوصاف اپنی حقیقی روح میں موجود ہوں تو مخاطب اس کے بیان سے ضرور متاثر ہو کر رہے گا۔

بہرحال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کے شرکاء کو ہر اہم مسئلے پر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور ان کی صحیح

صحیح رہنمائی فرمائی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اردن، فلسطین، کویت، لبنان، شام، عراق اور مراکش کے بھی متعدد مرتبہ اسفار کئے ہیں۔ ان

اسفار میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان ممالک کے مختلف اداروں میں مختلف علمی موضوعات پر لیکچر دیئے مسلمانوں کو ان کی موجودہ

پستی کے اسباب اور ان کے اجتماعی امراض نیز ان کا تدارک کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالی۔

ان اداروں کے قیام وغیرہ پر ان کی علمی و دینی خدمات پر بہجت و سرور کا اظہار فرمایا عمان میں رابطہ العلوم الاسلامیہ اور دار القرآن

کی علمی سرگرمیوں کو سراہا۔ کویت میں شیخ مصطفی زرقاء کی رہنمائی میں حکومت کی سرپرستی میں مرتب ہونے والے

موسوعۃ فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔ لبنان اور بیروت کے دوروں میں آپ نے وہاں کی

متعدد علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ مجلس علمی کی طرف سے بیروت میں مصنف عبد الرزاق کی طباعت کا کام ہو رہا تھا۔ طباعت میں

پیش رفت کے حال معلوم کرنے کے لئے آپ متعلقہ مطبع اور اس کے مہتمم شیخ محمد زہیر شاویش کے ہاں بھی تشریف لے گئے۔

بیروت کی ایک علمی شخصیت ڈاکٹر عمر فروخ کے حضرت شیخ سے نیازمندانہ تعلقات اور عقیدت و محبت کے جذباتی

روابط قائم تھے۔ ۱۹۶۷ء میں جب راولپنڈی میں قرآن کریم کے چودہ سو سالہ جشن نزول قرآن کریم کے سلسلہ میں ایک کانفرنس

میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی کے ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض مفتی امین الحسینی مرحوم سر انجام دے رہے تھے۔ ایک سابق مرکزی وزیر نے اردو میں

اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے منافی بعض باتیں کہنا شروع کر دیں۔ حضرت شیخ کی غیرت ایمانی اس خلاف اسلام

گفتگو کو برداشت نہ کر سکی آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور صدر جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

ایها السید الرئیس علیکم ان تلجموا هذا الخطیب ماذا یقول الجموه فقد خرج عن موضوعه

یعنی جناب صدر محترم اس مقرر کو لگام دیجئے یہ کیا کہہ رہا ہے اسے پابند لگام کیجئے کہ یہ اپنے اصل موضوع سے نکلا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر عمر فروخ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس جراتمندانہ اقدام سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے واپس بیروت جا کر اپنے ایک خط میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے آپ جیسے حضرات سے ملاقات بخشی راولپنڈی کانفرنس میں آپ کے جراتمندانہ موقف کو کوئی بھی فراموش نہیں کر سکتا نیز آپ کو عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد نئے ھجری سال ۱۳۸۸ھ کے شروع ہونے پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر رہنے والے مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

عراق ہمارے اسلاف کے جلیل القدر علمی کارناموں اور بے مثال خدمات کا امین ہے۔ وہاں کے کتب خانوں اور لائبریریوں میں اسلامی علوم وفنون کے بیش بہا خزائن موجود ہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا غایت درجہ اشتیاق حصول معلومات متعدد مرتبہ آپ کو عراق کے ان علمی ذخیروں تک لئے پھر عراق کے سابق سفیر برائے پاکستان اپنے علمی ذوق کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے احباء خاص میں سے تھے۔ ایک دفعہ آپ شمالی افریقہ کے طویل دورے کے بعد ائرپورٹ پر اترے تو بغداد کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے مطار کے آفیسر نے مطار کی حدود سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی لیکن آپ نے متعلقہ آفیسر سے ملاقات کر کے اس پروقار علمی انداز سے اس سے گفتگو فرمائی۔ کہ اس سے نہ صرف آپ کو اضطراری ویزا دلوادیا۔ بلکہ آپ کے نیاز مندوں میں شامل ہو کر آپ سے شرف مہمانی بخشنے کی درخواست کی۔

پاکستان میں مراکش کے سفیر جناب محمد سعدانی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے عظیم الشان علمی ادارے کے بڑے مداح تھے۔ مراکش کے سفیر مراکش میں چھپنے والی ادبی و علمی کتابیں جیب خاص سے خرید کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ جواباً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیفات سفیر موصوف کی وساطت سے مراکش کے علمی اداروں کو ارسال فرمائیں۔

شاہ مراکش کی طرف سے آپ کو اپنے ملک کا دورہ کرنے اور مختلف اداروں میں مختلف موضوعات پر علمی مقالات پیش فرمانے کی دعوت بھی دی گئی لیکن اس وقت کی حکومت نے آپ کو مراکش جانے سے منع کر دیا۔

مصر کے بعد بلاد عربیہ میں شام دوسرا ملک ہے جہاں اسلامی علوم وفنون کی اشاعت وتدوین کا کام نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے آپ دمشق کے مشہور علمی و ادبی ادارے "مجمع اللغۃ العربیہ" کے پاکستان کی طرف سے مستقل رکن تھے اس ادارے کی رکنیت ایک بہت بڑا عالمی اعزاز تھا جو عالم اسلام کے ممتاز علماء کو حاصل تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اس ادارے کے سہ ماہی مجلہ "مجمع اللغۃ العربیۃ" میں امام ترمذی اور ان کی کتاب جامع ترمذی پر ایک نہایت جامع اور فاضلانہ مقالہ شائع ہوا علمی حلقوں نے آپ کے اس مقالے کے ٹھوس علمی مواد کو نہایت عقیدت سے سراہا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق یونیوسٹی میں متعدد مرتبہ مختلف علمی موضوعات پر نہایت فاضلانہ لیکچر دیئے۔

الغرض شام کے علمی مراکز اور حلقے آپ کے علم و فضل کے بہت معترف تھے، اور اکثر و بیشتر آپ کے رشحات فکر سے مستفید ہونے کا موقع پیدا کرتے رہتے تھے۔

مشرقی افریقہ کا سفر

مسلمانان پاکستان کی طویل اور صبر آزما جانی اور مالی قربانیوں اور مسلسل مجاہدانہ جدوجہد کی بدولت پاکستان میں قادیانیت کے شجر ملعونہ کی جڑیں بیخ دین سے اکھڑنا شروع ہوئیں تو قادیانیوں نے مشرقی افریقہ کے دور دراز اور پسماندہ ممالک میں اپنی دجل وفریب کی سرگرمیاں تیز تر کر دیں - اگرچہ قادیانی مبلغین نے ایک عرصہ سے قادیانیت کو اسلام ہی کا ایک فرقہ بنا کر ان ممالک میں اپنے تبلیغی اور تدریسی مرکز قائم کر رکھے تھے لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے انہیں اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلے کے بعد ان ممالک میں ان کی سرگرمیاں مزید بڑھ گئی تھیں - اس فرقہ باطلہ سے غایت درجہ کے جذبات نفرت اور اس کے استیصال کے لئے بے پناہ کرب اور تڑپ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ حضرت سید انور شاہ کاشمیری سے روحانی وراثت ملی تھی - چنانچہ آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلہ کے سلسلہ میں قومی اسمبلی میں پیش کی جانے والی اردو اور انگریزی کی تمام دستاویزات کو جمع فرمایا اور اسے "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کے نام سے عربی میں ترجمہ کروا کر زیور طباعت سے آراستہ کیا اس طرح آپ نے ایک مستند علمی اور قانونی دستاویز لیکر مشرقی افریقہ کے ممالک کے تبلیغی دورہ فرمانے کا فیصلہ کر لیا -

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس دورے کا آغاز شوال ۱۳۹۵ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء کو حرمین شریفین کی زیارت سے کیا ، محترم ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر اور مشہور مصنف اور وفاقی شرعی عدالت کے جج مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس اہم تبلیغی سفر میں آپ کے ہمراہ تھے - جدہ سے یہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں پی-آئی-اے کے ذریعے اکتوبر ۱۴ اکتوبر کو صبح ساڑھے چھ بجے کینیا پہنچا نیروبی ایرپورٹ پر آپ کے ایک شاگرد اور مبعوث دار الافتاء ریاض مولانا مطیع الرسول صاحب اور دیگر اعیان شہر نے آپ کا استقبال کیا - نیروبی کینیا کا دار الحکومت اور ایک بین الاقوامی نوعیت کا شہر ہے ، اس شہر کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ اکتوبر سے ۱۶ اکتوبر تک وہاں قیام فرمایا -

ان تین دنوں کے قیام کے دوران آپ نے وہاں دینی ، علمی اور رفاہی خدمات سرانجام دینے والی مختلف تنظیموں ، اداروں ، مدارس ، اور مساجد کے اعیان واکابر سے ملاقاتیں کیں - ان اداروں میں تدریسی خدمات سرانجام دینے والے پاکستانی اور افریقی اساتذہ کی حوصلہ افزائی کی - مختلف مقامات پر مختلف موضوعات کے تحت خطابات فرمائے - جن میں خاص طور پر عقیدہ ختم نبوت کی تشریح وتوجیہہ ، اس کی حفاظت ، قادیانیت کے عقائد ونظریات اور اس کے تاریخی پس منظر کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا -

باہمی اتحاد یگانگت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ، عجائب قدرت اور صفات رسول وغیرہا ایسے مضامین بڑی جرات سے بیان فرمائے مزید برآں آپ نے وہاں کے مقامی علماء کو ترغیب دی کہ وہ قادیانی فتنہ کے دجل وفریب سے عامۃ المسلمین کو بچانے کے لئے مجلس ختم نبوت کی تنظیم وتشکیل کر کے اس کے ذریعے قادیانیوں کا بھر پور تعاقب کریں -

آپ نے نے کافی تعداد میں "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کے نسخے علمی حلقوں میں تقسیم کرنے کے لئے ان علماء کو دیئے۔

۱۶ اکتوبر کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کینیا کے دوسرے اہم شہر ممباسہ کے لئے روانگی فرمائی۔

مولانا محمد تقی عثمانی اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی شدید علالت کی خبر پا کر واپس پاکستان چلے گئے۔ اس طرح ممباسہ اور اس کے بعد کے اسفار میں مولانا عبد الرزاق اسکندر صاحب ہی کی رفاقت آپ کو میسر رہی۔ اس شہر میں مسلمانوں کی متعدد دینی تنظیمیں علمی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ کثرت سے مساجد بھی موجود ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی مسلمانوں کو ان کی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا۔ متعدد مساجد میں اپنے دروس کے ذریعے انہیں باہمی اتحاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نیز "تمسک بالدین" کی تلقین فرمائی فرقہ قادیانیہ کے عقائد و نظریات اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے بغض و عناد اور بعد و اختلاف کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا۔ وہاں کے مشائخ و اعیان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ختم نبوت کی حفاظت و صیانت اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے تکفیری شرور سے محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔

ممباسا میں کینیا کے قاضی القضاۃ شیخ عبد اللہ صالح، ممباسہ کے تاجر شیخ الحسن العمری اور شہر کے مشہور خطیب سید احمد سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں۔

۱۸ اکتوبر کو آپ نے تنزانیہ کے دارالحکومت دار السلام کا قصد فرمایا۔ جہاں مسلمانوں کی صرف ایک ہی تنظیم کام کر رہی ہے۔ جس کے عہدیداروں کا انتخاب براہ راست حکومت کرتی ہے، کیونکہ حکومت کی طرف سے اپنے ملک میں اس طرح کی تنظیمیں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے اس شہر میں حکومت مصر کی طرف سے المرکز الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ علمی و دینی اور رفاہی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

آپ نے اس ادارے کے کارکنوں اساتذہ اور طلبہ سے خصوصی ملاقات فرمائی۔ آپ نے انہیں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے آمادہ کیا اور انہیں کتاب مذکورہ کے چند نسخے بھی عنایت فرمائے۔

۲۰ اکتوبر کو آپ نے دار السلام کو خیر باد کہا اور زمبیا کے "دراحکومت "لوساکا کا عزم فرمایا لوساکا میں متعدد مساجد موجود ہیں ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب بھی قائم ہے جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے اور ابتدائی دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لوساکا کی مساجد کے حسن انتظام سے بہت مسرور ہوئے کیوں کہ ان مساجد کے ہالوں میں نہایت قیمتی اور خوبصورت قالین بچھائے گئے ہیں۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کا انتظام ہے حتی کہ وضو کے بعد ہاتھ اور منہ پونچھنے کے لئے تولیئے تک آویزاں نظر آئے۔

اس شہر میں مسلمانوں کی بیشتر تعداد کا تعلق ہندوستان کے علاقہ سورت اور گجرات سے ہے؛ جن کے آباء و اجداد بہت عرصہ قبل حصول معاش اور تجارت کی غرض سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کی دینداری دینی اداروں کے ساتھ تعلق و شیفتگی اور مساجد و مدارس کے حسن انتظام سے ازحد خوش ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یہاں کے مسلمانوں کی دینی محبت سے متاثر ہو کر ان کے کام کو سراہا، ان کی حوصلہ افزائی

فرمائی اور انہیں اسلام کے اہم اور بنیادی عقائد و نظریات اور تعلیمات سے آگاہ فرمایا۔ وہاں کے علماء سے خصوصی ملاقاتیں کیں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی اور قادیانیوں کی مذموم و مسموم کارگزاریوں سے محفوظ و مامون رکھنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ آپ کی ترغیب پر باقاعدہ "مجلس ختم نبوت" کی تشکیل کی گئی امارت کے فرائض مولانا عبد اللہ منصور کو سونپے گئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لوساکا سے ۳۸۰ میل کے فاصلے پر واقع شہر چپاٹا کا بھی دورہ فرمایا یہ شہر اپنی خوبصورت مساجد اور مدارس کی وجہ سے خالص مسلمانوں کا شہر لگتا ہے۔ جہاں کی تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اس شہر کے مسلمان دینی تعلیمات سے بہرہ ور اور اسلامی عبادات و شعائر کے پابند نظر آئے۔ ان کے چہرے تقویٰ و صلاح کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ ہر عمر کے افراد کے چہروں پر داڑھی کی زینت قائم تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہاں کے مسلمانوں کی دینداری سے بہت خوش ہوئے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی انہیں "تمسک بالدین" پر رہنے اور مقامی باشندوں سے اسلام کے شایان شان طرز عمل اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ آپ کے استفسار پر ان مسلمانوں نے بتایا کہ دینداری کے یہ اثرات تبلیغی جماعت کی غیر معمولی محنت اور جانفشانی کے ثمرات ہیں۔ زمبیا کے مختلف شہروں کا کامیاب دورہ فرمانے کے بعد آپ واپس دارالحکومت لوساکا تشریف لائے اور وہاں چھ دن قیام فرمایا اس دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اور روحانی فیوضات نے وہاں کے مسلمانوں کے دل موہ لئے۔ نوجوان طبقہ خاص طور پر آپ کا شیدائی و فدائی بن گیا۔ نماز فجر کے بعد آپ کی مجلس درس میں شرکت کی غرض سے یہ حضرات آپ کے ساتھ تہجد کی نماز میں آشریک ہوتے۔

الغرض ان کا شوق و ذوق اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی عقیدت و ارادت دیدنی تھی۔ جب آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو ایرپورٹ پر آہ و بکاء اور الحاج وزاری کا منظر بڑا رقت آمیز تھا۔ سیکڑوں آنکھیں آپ سے مفارقت کے غم میں غمناک تھیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے ان سے اجازت لی اپنے تلمیذ خاص کو ہمراہ لے کر آپ واپس نیروبی تشریف لائے۔ نیروبی سے آپ کا ارادہ یوگنڈا تشریف لے جانے کا تھا، لیکن یوگنڈا کے ویزہ کا حصول ایک دقت طلب اور صبر آزما مسئلہ تھا۔

چنانچہ آپ نے یوگنڈا کے شہر جنجا میں مقیم مولانا عبد الخالق طارق کو فون پر ویزا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مولانا عبد الخالق طارق پنجاب کی مشہور علمی شخصیت گجرات کے مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم کے پوتے ہیں اور ایک عرصہ سے سعودی حکومت کے قائم کردہ "المعہد الاسلامی" میں درس و تدریس اور تبلیغ کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

چنانچہ مولانا موصوف نے یوگنڈا کے مفتی شیخ محمد یوسف سلمان کی وساطت سے ان دونوں حضرات کے لیے ویزا حاصل کیا۔

ویزا کے حصول کے بعد آپ نے ۶ نومبر کو صبح آٹھ بجے نیروبی سے یوگنڈا کے ایرپورٹ انٹے بے کے لئے پرواز فرمائی۔ ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد آپ انٹے بے پہنچے۔ مولانا عبد الخالق طارق اور بعض دوسرے سرکردہ حضرات استقبال کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے۔ ایرپورٹ سے فارغ ہو کر آپ پچیس میل دور واقع کمپالا تشریف لے گئے، جہاں آپ نے شیخ یوسف سلیمان کے شدید اصرار پر ان کی مہمانی قبول کرتے ہوئے کمپالا انٹر نیشنل ہوٹل میں قیام فرمایا شیخ یوسف سلمان یوگنڈا کے مفتی اور وہاں کی "

مسلم سپریم کونسل کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اور مسلمانان پاکستان کی طرف سے انہیں اور حکومت یوگنڈا کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔

اس وقت کے صدر جمہوریہ یوگنڈا عیدی امین صاحب کا قول تھا کہ "

"ہمارا دین وہ ہے جس کا مرکز مکہ مدینہ ہے ہمیں وہ دین نہیں چاہیے جسے لندن اور اسرائیل سے ہدایت ملتی ہوں۔

محترم عیدی امین ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے زمانہ صدارت کے دوران ملک میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے اور الحاد وزندقہ اور تجدد و تغرب کے انسداد کے لئے متعدد اقدامات کئے۔

ملکی معاشیات پر انگریزوں یورپین اقوام اور ہندو ساہوکاروں کا قبضہ تھا۔ یہاں کی غالب آبادی غربت و افلاس کی چکی میں پس ہوئی تھی۔ صدر عیدی امین نے ان تمام غیر ملکیوں کو بیک جنبش قلم یوگنڈا بدر کردیا اور ان کی املاک کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ ان اقدام سے دنیا بھر کے تمام غیر مسلم ادارے ان کی جان کے شدید دشمن بن گئے اور بالآخر ملک چھوڑنا پڑا۔

کمپالا میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد دینی مجلسوں اور اجتماعات سے خطاب فرمایا وہاں کے مسلمانوں کے دینی جذبہ کو ابھارا اور انہیں اسلامی اقدار کے فروغ اور اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھالنے کی نصیحت فرمائی۔

کمپالا میں متعین سعودی حکومت کے سفیر جناب عبداللہ الحبالی پاکستان میں بھی سفارتی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام سے پہلے ہی سے آگاہ تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں ایک پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا جس میں مسلم سپریم کونسل کے عہدیداروں کے علاوہ شہر کی معزز شخصیات بھی مدعو تھیں۔

افریقہ کی قدیم ترین یونیورسٹی جو "مکریرے یونیورسٹی" کے نام سے موسوم ہے کمپالا میں واقع ہے۔ اس یونیورسٹی میں پاکستان کے بہت سے پروفیسر اور لیکچرار حضرات مختلف تعلیمی شعبوں میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان حضرات کو جب حضرت شیخ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ آپ سے ملاقات کے لئے آپ کی قیام گاہ آتے رہے۔ حضرت شیخ دیار غیر میں ان کے دینی مزاج سے بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعوات صالحہ اور نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا۔

کمپالا کے مشرق میں پچاس میل کی مسافت پر واقع شہر جنجا میں بھی آپ تشریف لے گئے۔ جہاں سعودی حکومت کی طرف سے قائم کردہ اسلامی ادارے " المعہد الاسلامی " میں پاکستان کے مولانا عبدالخالق طارق، مولانا خالد نعمانی اور مولانا عبدالسلام صاحبان تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے نیازمندانہ و تلمیذانہ مراسم قائم ہیں۔ انہوں نے جنجا میں مقیم بعض دوسرے پاکستانیوں سے مل کر متعدد اجتماعات منعقد کروائے جن میں آپ کے علمی و دینی فیوضات سے عامۃ المسلمین کو مستفید و مستفیض کروایا۔

جنجا شہر دنیا کی حسین اور مشہور جھیل وکٹوریہ جھیل کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ جھیل دریائے نیل کا منبع ہے۔ اس جھیل میں ایک بہت بڑا ڈیم بنا کر بجلی پیدا کی گئی ہے جو پورے ملک کو سپلائی کی جاتی ہے۔

قسام ازل نے اس علاقے کو اپنی بے پناہ فیاضی سے نواز رکھا ہے۔ کمپالا سے جنجا تک کا پچاس میل کا علاقہ اپنی غیر معمولی زرخیزی سے معمور ہے۔ راستے کے دونوں اطراف سرسبز درخت چائے اور گنے کے شاداب کھیت اور بارشوں کی وجہ سے فصلوں اور پتوں کی سبزی سیاہی مائل ہورہی تھی۔ حضرت الشیخ کی طبع نفیس ان حسین مناظر سے بہت محظوظ ہوئی آپ کے دل ودماغ کا تقدس فوراً خدائے قدس کے عجائب وغرائب کی طرف مبذول ہوجاتا، آپ کی زبان حمد وثناء کے ترانے الاپنے لگتی

مقام عبرت: جنجا شہر سے چند میل کے فاصلے پر بلند وبالا ٹیلوں پر ایک خوبصورت سیر گاہ بنائی ہوئی ہے اس سے کچھ دور تھوڑے فاصلہ پر تین شاہانہ قسم کے محل تعمیر کے گئے، ہیں اس محلات کی شان وشوکت مغل شہنشاہوں کے محلات سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جدید راحت وسکون اور آسائش وتعیش کی ہر شیء ان میں موجود تھی۔ محلات کے چاروں اطراف میلوں تک پھلدار اور پھول دار پودے گنے اور چائے کے باغات ایک عجیب سہانہ منظر پیش کررہے تھے۔ سامنے ایک پہاڑی کو خوبصورت گھاس پھولدار پودوں اور سایہ دار درختوں سے سجایا گیا تھا۔ اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے ایک کشادہ اور خوبصورت بل کھاتی ہوئی سڑک بھی بنائی گئی تھی اس پر کھڑے ہو کر جھیل وکٹوریہ کا نظارا بڑا خوبصورت منظر پیش کرتا۔

ایک دن کمپالہ کے احباب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں سیر وتفریح کے لئے لے گئے آپ کو بتایا گیا کہ یہ محلات مدوانی نام کے ایک ہندو نے تعمیر کروائے تھے لیکن فرشتہ اجل نے اسے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کو بھی ان محلات میں زیادہ عرصہ قیام کرنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ صدر عیدی امین نے یوگنڈا سے غیر مسلم اقوام کو ملک بدر کرتے ہوئے انہیں یہاں سے رخصت کردیا۔ اب یہ محلات وحشت ویرانی کا مناظر پیش کررہا ہے اور اپنے تعمیر کونیوالوں کی محرومیوں کا ماتم کررہی تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

کم ترکوا من جنات ونعیم وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوافیہا فاکھین"

بہر حال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۶ نومبر تک جنجا میں قیام فرمایا ۱۶ نومبر کو بذریعہ کار عازم کمپالا ہوئے مغرب کے وقت کمپالا پہنچے، مغرب کی نماز ایک پاکستانی جج کے ہاں ادا فرمائی، رات کو مع اپنے دیگر احباب کے جو جنجا سے آپ کو رخصت کرنے آپ کی معیت میں کمپالا تک آئے تھے۔ سعودی سفارت خانے کے ناظم استاذ محمود کے ہاں پہنچے عشاء کی نماز وہیں ادا کی اور رات کا کھانا بھی آپ کے ہاں تناول فرمایا۔ اس رات کو آپ مع مولانا عبد الرزاق سکندر کمپالا سے قاہرہ کے لئے محو پرواز ہوئے اور ساڑھے چار گھنٹے کی پرواز کے بعد قاہرہ کے ہوائی اڈے پر پہنچے۔ "المجلس الاعلی لشئون الاسلامیہ" کے نمائندے آپ کے استقبال کے لئے مطار پر موجود تھے۔ کسٹم کے مراحل سے گزر کر مجلس کی طرف سے پہلے سے ریزو کردہ ہوٹل کے ایک کمرے میں قیام پذیر ہوتے۔

اس طرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شمالی افریقہ کے جس سفر کا ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ کو آغاز فرمایا تھا ۱۷ نومبر ۱۹۷۵ء کو اپنے اختتام کو پہنچا پینتیس دنوں کے اس طویل سفر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ردقادیانیت کے سلسلہ میں بڑا قابل قدر او

عظیم الشان کام کیا۔ متعدد شہروں میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیمیں قائم کیں۔ "موقف الامۃ الاسلامیہ عن القادیانیہ" کے صدہا نسخے تقسیم فرمائے۔

مختلف افریقی ممالک میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں اداروں مدارس اور مراکز، نیز ان سے منسلک اہم شخصیتوں اور سربراہوں اور علمی اصحاب سے رابطہ پیدا کر کے ان کی دینی خدمات کو منضبط و مربوط بنانے کی تلقین فرمائی اور اپنے پورے عزم لگن اور حوصلے سے "تمسک بالدین" اور دین کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جن مقاصد کے لئے یہ طویل سفر اختیار فرمایا الحمدللہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کمال توجہ جانفشانی اور لگن سے ان پر کام کیا اور آپ کا یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ حضرت نے برطانیہ کا سفر بھی فرمایا اس کا ذکر نہیں ہوسکا
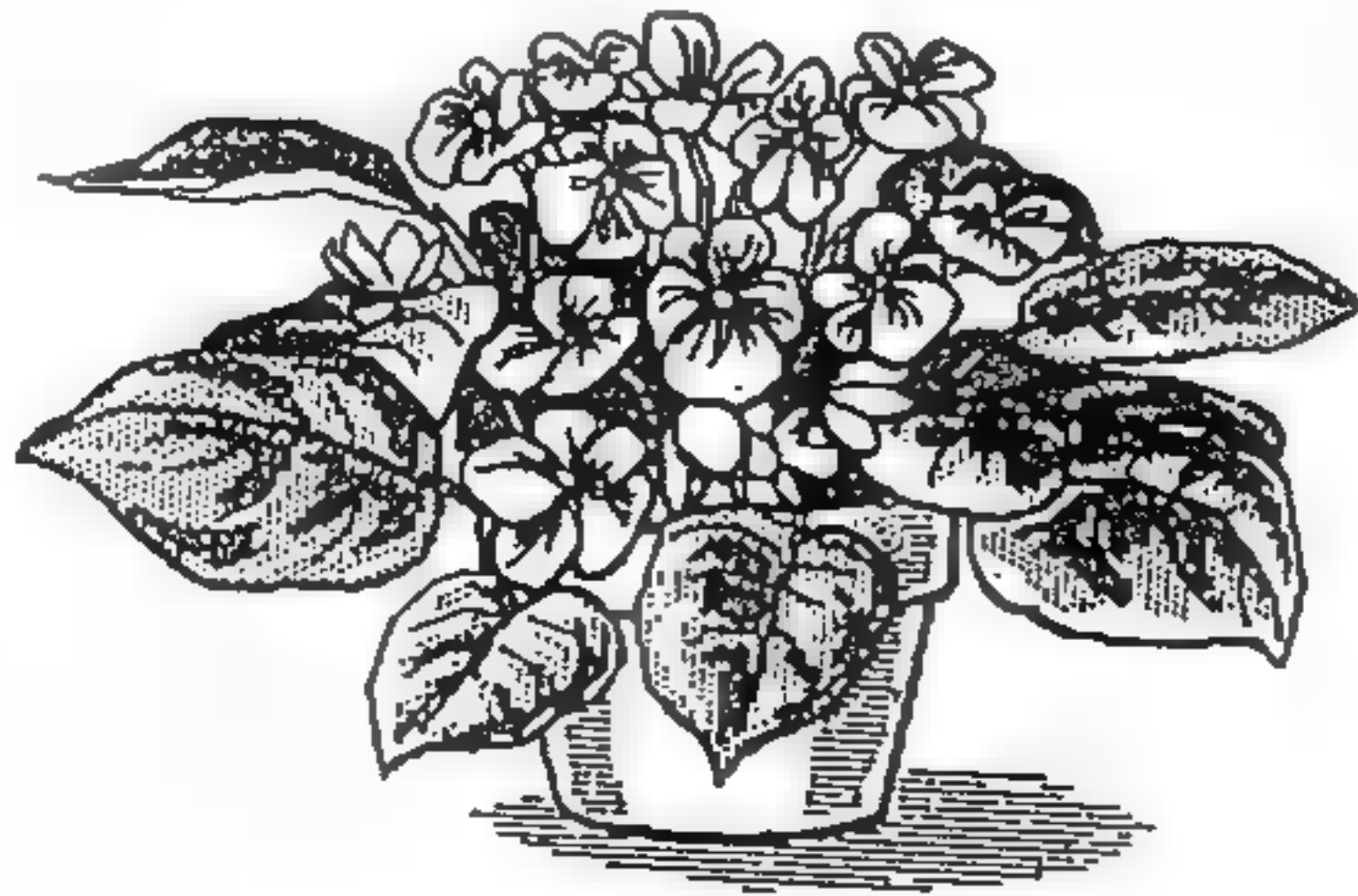
فتنہ قادیانیت

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر وقت کے اصحاب زیغ وضلال کے خلاف علمی اور عملی میدانوں میں نبرد آزما رہے، لیکن آپ کی اہم ترین دینی خدمت فتنہ قادیانیت کا تعاقب اور بالآخر اس کا مکمل استیصال ہے۔ برطانوی استعمار کا کاشتہ وپرداختہ یہ شجرہ خبیثہ گذشتہ نوے سال سے اپنے مسموم اثرات سے دین حنیف کے ضعف واضمحلال کا باعث بنا ہوا تھا۔ یہ ناسور جسد ملت کو مسلسل چاٹ رہا تھا، لاکھوں اصحاب ایمان اس کی ملعونیت کا شکار ہو کر کفر وارتداد کے قعر میں گر چکے تھے۔ لعین قادیان مرزا غلام احمد کو اس کے برطانوی آقا یان ولی نعمت نے اپنے استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے کذب وافتراء اور تدجیل وتلبیس کی مسند پر بٹھایا تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی اصل روح یعنی جذبہ جہاد کو ختم کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے سیاسی طور پر کمزور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس برطانوی گماشتے نے سب سے پہلے منسوخی جہاد کا فتویٰ دیا اور برطانوی اقتدار کو امن وامان کا گہوارہ اور موجب برکت وسعادت قرار دیا۔ بقول اس کے اس نے انگریزوں کی مدح سرائی میں اس قدر لٹریچر فراہم کیا ہے کہ اس سے الماریوں کی الماریاں بھر جاتی ہیں۔

آزادی سے قبل اس فتنہ کے بھیانک روپ کو ہمارے اکابر نے شدت سے محسوس کیا۔ انہوں نے اس فرقہ ملعونہ ومغضوبہ کے مفترین کے خلاف ہر محاذ پر بھرپور اور کامیاب مقابلہ ومجادلہ کیا۔ علمی میدان میں اس فرقہ کا ملعون بانی اور اس کی شیطانی ذریت ہمیشہ فرار کا راستہ اختیار کرتی رہی مناظرہ اور مباہلہ میں ہمیشہ انہیں ندامت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔

الغرض فتنہ قادیانیت کے قلع وقمع میں ہمارے اکابر کی محنت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے بیان کے لے ایک علیحدہ دفتر ضخیم درکار ہے۔ لیکن جس شخصیت نے اس فتنہ کی سنگینی کا سب سے پہلے ادراک کیا وہ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔

امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو اس شجرہ خبیثہ کے مسموم وملعون برگ وبار نے حد سے زیادہ بے چین کر رکھا تھا۔ ان کی بیدار ایمانی حس نے انہیں شدید طور پر داخلی کرب والم میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسی غم واندوہ کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک بے چین وبے قرار ہو کر راتوں کو اٹھ بیٹھتے اور اپنے نالہ ہائے نیم شبی میں اپنے پروردگار کے حضور اس فتنہ کے استیصال اور دین مصطفوی کے بقاء وتحفظ کی دعائیں کرتے رہتے۔ حضرت شیخ نے اپنے شیخ کی اس کیفیت بیقراری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے امتیازی شان امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز اپنے انفاس مبارکہ سے اس فرقہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصر نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم نے خود بھی علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ ومدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی اور اعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرتؒ سے سنا ہے کہ

جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دین محمدی ﷺ کے زوال کا باعث یہ

فتنہ نہ بن جائے فرمایا چھ ماہ کے بعد میں مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہیگا اور یہ فتنہ مضمحل ہوجائیگا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم سا ہوگیا ہے جس سے ہروقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے " لعین بن لعین قادیان " اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟

ہم اس طرح اپنے قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار پر مجبور ہیں

(خاتم النبیین اردو ایڈیشن ص = ۲۴)

حقیقت یہ ہے کہ قادیان کے اس مغضوب علیہ اور ملعون شخص کی وجہ سے دین محمدی کو جو نقصان پہنچا ہے اسکی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی برطانوی مفادات کی چوکیداری کرنے والے اس کتے کی وجہ سے لاکھوں مسلمان جہنم کا ایندھن بنے۔

اخبث الناس قلبا اشقی الناس روحا اور اشرالناس عملا اس شخص کی خباثت و دنایت، شورہ پشتی دجل اور تلبیس کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ ارض وسماء بھی کانپ کانپ جاتے ہونگے قصر نبوت کے اس بڑے شیطان نقب زن کو یوم محشر ان ملعونوں کا سردار بنا کر گھسیٹا جائے گا، جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ **اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین**

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علوم و معارف کے بے بہا خزائن ہی نہیں بلکہ فتنہ قادیانیت کے خلاف حضرت امام کا سوزِ دروں آتشِ غیظ و غضب اور شعلہ افشاں تنفر بھی آپ کے قلب و ذہن پر منتقل ہوگیا جن لوگوں کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے قرب و مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ جب آپ کے سامنے دین مصطفوی کے دفاع اور اہل فتن سے محاربہ اور مجادلہ کا معاملہ درپیش ہوتا تو آپ کا جلال دیدنی ہوتا تھا۔ آپ کے قلم اور آپ کی زبان سے الفاظ نہیں بلکہ آتشیں تعبیرات کا صدور ہوتا تھا۔ الحاد و زندقہ کے خلاف منبع قلب کے غضب و تنفر کا بہاؤ اس قدر پرجوش اور تند و تیز ہوتا کہ الفاظ و تعبیرات کے لئے اردو زبان کو اپنی تنگ دامانی پر ندامت ہوتی۔

چنانچہ ایسے حالات میں آپ کو اظہار و بیان کے لئے عربی زبان کا سہارا لینا پڑتا۔

ذیل کے چند جملوں سے قادیانیت کے خلاف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آتش بطن اور شعلہ افشاں قلم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

" فبدت فی ھذہ الایام فتنۃ کبری' تدع الارض بلاقع الاوہی فتنۃ الکارثۃ التی تستمیٰ با لفتنۃ القادیانیۃ والطائفۃ المرزائیۃ تعزی الیٰ زعیمھا الضال المضل المرزا غلام احمد القادیانی الھندی .و وصل الی امہ الھاویۃ نارحامیۃ فکان عتلا زنیمامعتدیا اثیما آخرا وقاحا اذا ع فی اذنابہ کفرا بواحا وضلالا صراحا،لم یغادر شیئا من شعائر الاسلام الا زعجہ وابطلۃ ونحن نذکر نبذا من احوال ہذہ الفتنۃ المارقۃ من الدین باغیۃ علی اللہ ورسولہ

مجلس احرار کے رہنماؤں اور اس کے کارکنوں نے امت مرزائیہ کا بھرپور تعاقب کیا انہوں نہ صرف یہ کہ برصغیر کے کونے کونے میں مرزائیت کے شیطانی مکایدو وساوس سے اسلامیان ہند کو آگاہ کیا مرکز مرزائیت قادیان کا گھیراؤ کر کے اسے مناظرے ، مباحلے اور مجادلے کے ذریعے زچ کر کے رکھ دیا مرزا کی شیطانی ذریت اور اس کے اشرار حواری " مجلس احرار اسلام " کی اس ولولہ انگیز پیش قدمی سے بوکھلا اٹھے اور اپنے برطانوی آقاؤں سے اپنے جانی، مالی اور مادی تحفظ کے لئے گڑگڑا کر مستمد ہوئے۔

انگریز بہرحال ان کا آقائے ولی نعمت تھا۔ اس نے اپنے ان پالتو کتوں کے تحفظ کے لئے مجلس احرار کے رہنماؤں اور کارکنوں پر دارو گیر کا ہر حربہ اور ابتلاء و آزمائش کا ہر طریقہ آزمایا برصغیر کی جیلیں آج بھی مجلس احرار کے جانبازوں کے ثبات واستقلال اور عزم کی ثنا خواں ہیں۔ ختم نبوت کے ان فدائیوں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام اطواق وسلاسل کے زیورات پہن کر گزارے یہ ایک طویل اور مفصل داستان ہے اخلاص ووفا ، ایثار وقربانی ، جذبہ فدائیت اور عزیمت وحوصلگی کی ، ایثار و فدائیت کی یہ داستان جانباز مرزا کی کتاب کاروان احرار میں بڑی شرح وبسط میں مطالعہ کی جاسکتی ہے۔

المختصر مجلس احرار نے چند ہی سالوں میں ختم نبوت کے دفاع وتحفظ کے لئے جو ولولہ انگیز کارہائے نماں انجام دئے ان کی وجہ سے ہمارے اکابر نے ان کی ہر طرح سے تائید ونصرت فرمائی۔

اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ علوم ومعارف کے بحر بیکراں امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علم وعرفان کے جبال راسیات ابنائے دیوبند نے مجلس احرار کے امیر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت کا لقب دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور فتنہ قادیانیت کے قلع واستیصال کے سلسلہ میں انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

حضرت امیر شریعت کی بیعت کرنے والوں میں ہمارے شیخ حضرت شیخ بنوریؒ بھی شامل تھے۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب نفحۃ العنبر کے نام سے اپنے عظیم شیخ کی سوانح حیات مرتب فرمائی تو اس میں ایک اہم باب " الشیخ والفتنۃ المرزائیہ " کا عنوان قائم کر کے مجلس احرار اور اس کی عظیم الشان خدمات کو ذیل کے کلمات سے خراج تحسین پیش فرمایا۔

" هذا الذی تری الیوم فی ارجاء الهند من تاسیس لجنات وانعقاد اجتماعات حافلة واجراء الجرائد والمجلات الحسم عروق هذه الفتنة المتاصلة لاسیما مساعی جمعیة الاحرار ورئیس شعبة تبلیغها المجاهد الباسل شمشم الامة خطیب القوم ؛ مولانا سید عطاء الله شاه البخاری اطال الله بقاءه وزاد همته واخلاصه کل ذلک من ماثره السنیة الباقیة علی صفحات الدهر وسنته الحسنة السائرة بین المسلمین (نفحۃ العنبر ص ۱۰۲)

یہ جو آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ برصغیر کے گوشہ گوشہ میں جماعتیں تشکیل دی جارہی ہیں۔ جلسے جلوسوں کا انعقاد ہو رہا ہے۔ جرائد ورسائل نکل رہے ہیں۔ یہ تمام اس فتنہ کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں خاص طور پر مجلس احرار اور اس کے شعبہ تبلیغ کے امیر ایک جانباز مجاہد شیر امت خطیب ملت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے ان کی ہمت وحوصلہ میں اضافہ فرمائے (مجلس احرار کی یہ

ولولہ انگیز جدوجہد اور اکابر اسلام کی) یہ تمام
خدمات آپ (یعنی امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری
رحمۃ اللہ علیہ) کے تابندہ ماثر ہیں جن کے نقوش دوام
صفحات دہر پر ہمیشہ باقی رہیں گے اور یہ آپ کی سنت حسنہ
ہمیشہ مسلمانوں میں جاری وساری رہیگی "

متحدہ ہندوستان میں مجلس احرار اور اکابرین ملت نے فتنہ مرزائیت کے قلع واستیصال کے لئے اپنی تمام علمی اور عملی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کی تھیں مگر برطانوی استبداد کے جابرانہ نظام میں اس فتنہ کی مکمل پشتپناہی کی وجہ سے مرزائیت کا شجرہ خبیثہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا نہ جاسکا۔ تاہم اس کا اس قدر فائدہ ضرور ہوا کہ "عامۃ المسلمین" اس فتنہ کے بھیانک روپ سے آگاہ ہوگئے۔

پاکستان معرض وجود میں آیا تو حضرت شیخ نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء وارشاد کی تعمیل میں ڈابھیل کو خیر باد کہا اور پاکستان تشریف لائے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا پاکستان میں ورود ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا ۱۹۵۳ء میں مشہور عالمی تحریک ختم نبوت چلی ، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کی قیادت وسیادت کے ذریعہ اس میں بھرپور حصہ لیا۔ گو یہ تحریک بعض وجوہ کی بناء پر مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکی لیکن اس نے قصر اقتدار کی دیواریں ہلاکر رکھ دیں۔ نہ صرف قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ اس تحریک کی بدولت اقتدار سے محروم ہوا بلکہ خواجہ ناظم الدین کی پوری کابینہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

۱۹۵۳ء کی یہ تحریک فتنہ قادیانیت کے استیصال کا نقطہ آغاز تھا اسکے بعد قادیانیت کو پاکستان میں اپنے مذموم توسیعی عزائم پورے کرنیکا موقع نہ مل سکا۔

ٹنڈو اللہ یار میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسال تک درس حدیث وتفسیر کی خدمات سرانجام دیں اور پھر ۱۹۵۴ء میں آپ نے کراچی کو اپنا مستقل دارالقرار بنالیا۔ جمشید روڈ پر واقع بنوری ٹاؤن کے علاقہ میں آپ نے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی اور توکلاً علی اللہ اپنے مخلص رفقاء کی معیت میں اس ادارے کو علوم ومعارف کے ایک عظیم مرکز تک ترقی دینے میں آپ نے جس اخلاص وللہیت ، محنت وجانفشانی ، ایثار وقربانی اور جانگسل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا وہ دینی حلقوں کی تعلیم واشاعت کی ایک مستقل داستان ہے۔

کراچی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام اہل کراچی کے لئے بالخصوص اور اہل پاکستان کے لئے بالعموم موجب برکت وسعادت ثابت ہوا اہل علم کو اپنے اسلاف کے علوم ومعارف کے انمول خزائن کا امین مل گیا۔ طلبہ کو دارالعلوم دیوبند کی علمی فضا میسر آگئی سقیم دلوں کو ایک مرشد مزکی مل گیا۔ اسلامیان پاکستان کو ان کی دینی رہنمائی کے لئے ایک نڈر بیباک صاحب ادراک ، اور پیکر غیرت حمیت رہنما کی خدمات حاصل ہوگئیں۔

الغرض ایک مجاہد فی سبیل اللہ ایک امام وقت اور ایک قائد اسلامی کی حیثیت سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جو اوصاف

حمیدہ اور فضائل محمودہ مشیت ایزدی کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے تھے۔ان کے علمی اظہار کے لئے کراچی بہترین آماجگاہ ثابت ہوئی ۔مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملک کی ایک عظیم دینی درسگاہ بن گئی اسکی ظاہری و باطنی شان وشوکت عروج پر پہنچ گئی اس کی مسجد اس کی درسگاہیں اور اقامت گاہیں مختلف انواع علوم وفنون پر مشتمل نایاب ونادر اور ضخیم کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ اساتذہ کرام کی ایک منظم جماعت اور حصول علم میں منہمک اور مگن طلبہ کی ایک مثالی تعداد۔

الغرض ایک ادارے کے جملہ لوازم میسر آچکے تھے۔تاہم قطرے کو گہر ہونے تک جن مراحل سے گزرنا پڑا ان کی بدولت آپ

ثم یوضع لہ القبول فی الارض "

کی عملی تفسیر بن چکے تھے عرب و عجم کی علمی مجالس آپ کے علمی تفوق کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتی تھیں۔کلیدی مناصب پر فائز اعلیٰ سرکاری حکام آپ کے حضور اپنی نیازمندی کو باعث شرف سمجھتے تھے اصحاب جاہ و ثروت آپ کی ایک نگاہ التفات کے منتظر رہتے تھے۔۔عامۃ المسلمین کی عقیدت و شیفتگی اظہار و بیان سے قاصر ہے۔

الغرض ہر طبقہ ہر حلقہ اور ہر سطح کے افراد ایک غیر مرئی مقناطیسی کشش کے تحت آپ کی طرف کھنچے چلے جاتے ،اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف لے جاتے معلوم ہوتا تھا کہ سیادت ووجاہت اور احترام و عقیدت کا اجتماع ہو رہا ہے۔

یہ اکرام یہ اجلال یہ عقیدت یہ شیفتگی یہ وجاہت اور سیادت یہ شان محبوبیت وہ مواھب وعطایا ہیں جن سے حق تعالیٰ اپنے منتخب افراد کو دین کے خاص مقاصد کے حصول کے لئے نوازتا ہے۔

بات بڑی ہے منہ چھوٹا ہے۔لیکن کہنے سے باز بھی نہیں رہ سکتا کہ دین کی اصلاح و تجدید کا عظیم الشان کام کرنے والے مجددین وصدیقین ہی اس قسم کی وھبی نوازشوں سے سرفراز کئے جاتے ہیں ۔بے پایاں کرم و عطاء کا یہ سلسلہ یقیناً اس لئے تھا کہ وقت آن پہنچا ہے جب فتنہ قادیانیت کو آپ کے ہاتھوں نیست ونابود ہونا تھا۔

ذالک من فضل اللہ یوتیہ من یشاء
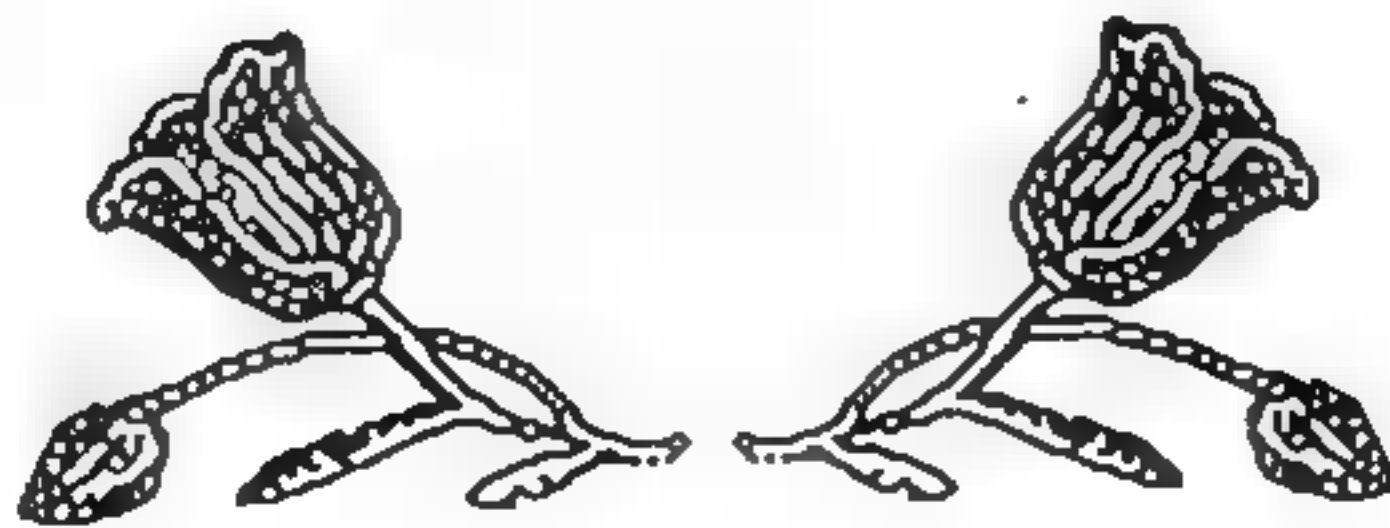
ضرب آخر

پاکستان جب منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا تو قادیان کا دار الکفر بھی ہندوستان کے حصہ میں آیا مرزایت کا قبلہ اول اور مکۃ المسیح بھی ان سے چھن گیا۔ دجال قادیان کا فرزند اکبر محمود اپنے صحابہ اور امہات المومنین کو لے کر لاہور میں پناہ گزین ہوا،، یہاں آکر اس نے ضلع سرگودھا کے ایک دور افتادہ کوہستانی علاقہ میں ربوہ کے نام سے دجل وفریب کے ایک نئے مرکز کی بنیاد رکھی مشرقی پنجاب سے آنے والے متعدد مرزائیوں نے ربوہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مغربی پنجاب کے بھی بہت سے قادیانی خاندان ربوہ منتقل ہوگئے اس طرح چند سالوں میں ربوہ اس امت خبیثہ کا بہت بڑا بین الاقوامی گڑھ بن گیا۔ قادیانیوں نے وہاں ایک عظیم الشان سیکرٹریٹ قائم کرکے دفاتر قائم کیے پریس لگائے رسائل وجرائد کا اجراء کیا، تعلیمی ادارے قائم کے اور غیر ممالک میں اپنے مشنری وفود کی ترسیل اور اپنے مبلغین سے رابطوں کا ایک مربوط نظام قائم کیا۔ ملکی سیاسیات اقتصادیات، ذرائع ابلاغ و بیورو کریسی اور فوج کے بیشتر اعلیٰ مناصب پر ان کا کنٹرول ہونا شروع ہوگیا تھا۔

اس طرح حکومتی سطح پر انہیں غیر معمولی تعاون اور کثیر مراعات حاصل تھیں، بین الاقوامی طور پر استعماری قوتیں ان کی پشت پناہ تھیں حتی کہ اسرائیل ایسے دشمن ملک میں بھی مرزائیوں کے مشنری دفاتر قائم تھے۔

پھر یہی نہیں خود پاکستان کا اقتدار جن ہاتھوں میں تھا ان میں سے بیشتر وہ پشیتنی نواب اور جاگیر دار تھے جن کے سینوں پر برطانوی مقاصد کے تحفظ کی خاطر خدمات سرانجام دینے کے عوض " حسن کارکردگی کے تمغے آویزاں تھے ان کے نزدیک قادیانیت اسلام کا ایک حصہ تھی بلکہ وہ اپنے سابقہ آقایان ولی نعمت کی خوشنودی کے حصول کی خاطر قادیانیوں سے ترجیحی سلوک روا رکھتے تھے۔

اس پر ستم یہ کہ متحدہ ہندوستان میں دجل و تلبیس کے قادیانی مرکز پر کامیاب یلغار کرنے والی مجلس احرار، تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ سے عدم تعاون کی وجہ سے حکومت کے ارباب بست وکشاد کے ہاں معتوب ومغضوب ٹھہرائی جاچکی تھی۔

ان ظاہری ومادی اسباب وسائل اور موافق ومطابق احوال کی موجودگی کی وجہ سے یہ امت کاذبہ اس زعم فاسد میں مبتلا تھی کہ ان کی جعلی نبوت کا کاروبار خوب چمکے گا۔

اور اہل اسلام کی کوئی تنظیم یا ادارہ ان کے دینی مفاسد وعقائد کو چیلنج کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا اور اگر کسی نے یہ قدم اٹھایا بھی تو سرکاری مناصب پر فائز قادیانی حکام حکومت کو اس کی گوشمالی پر مجبور کردیں گے۔ اور اسے شر پسندی اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کے الزام میں پس دیوار زندان کردیں گے۔

حالانکہ افراد، شخصیات، ادارے اور تنظیمیں محض ظواہر ہیں اپنے دین کی حفاظت اور اپنے پیغمبر ﷺ کی ختم نبوت کی پاسبانی حق تعالیٰ کا اپنا کام ہے۔ اور جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالے تو پھر ارض وسماء کی ساری طاقتیں اس کے ایک اشارے کے سامنے عاجز وقاصر ہوجاتی ہیں۔

قادیانیوں کی نظر محض ظاہری وسائل کی فراوانی اور حالات کی ان کے حق میں موافقت پر تھی وہ اس حقیقت کو فراموش کرچکے

تھے کہ حریم نبوت کے ان نقب زنوں کا تعاقب کرتے ہوئے کتنی ماؤں نے اپنے لخت ہائے جگر کی قربانیاں دی تھیں؟۔ کس قدر بڑھاپے کے سہارے شمع رسالت پر فدا ہوئے تھے؟ کتنی جوانیاں گداز جسموں سے کھیلنے کی بجائے پس دیوار زنداں مضمحل ہو گئیں؟ اور کس قدر ارباب قلوب کے نالہ ہائے نیم شب متیٰ نصر اللہ کی فریاد کرتے رہے۔ کیا یہ ساری قربانیاں آہیں اور سسکیاں عرش الہیٰ سے ٹکراتی نہیں ہیں کیا حق تعالیٰ اپنے بندوں کے فداکارانہ جہاد وپیکار کے عمل سے غافل تھا؟ نعوذ باللہ نہیں اور ہرگز نہیں یہ اس کی تکوینی مصلحتیں تھی، کہ اس نے اپنے بندوں کو جہاد و شہادت کی نعمت سے نوازا اور قادیانی فتنہ پردازوں کو ڈھیل دی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب علی غضب کے مصداق بن جائیں اور وہ وقت آن پہنچے جب امر اللہ کی آمد واجب ہو جائے۔ اور پھر ہر مفتری اور کذاب غضب الہی کا شکار ہو کر خس وخاشاک کی طرح بہ جائے۔

ظاہر ہے یہ کام بھی حق تعالیٰ اپنے دوسرے عباد مکرمون سے لیتا ہے۔ عباد مکرمون کے اسی گروہ کی امامت وسیادت کا شرف اس نے اپنے ایک خاص بندے حضرت الشیخ البنوری کو بخشا۔

چنانچہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک نئی غیر سیاسی تنظیم کی تاسیس کی گئی۔ حضرت امیر شریعت کو اس تنظیم کا پہلا قائد امیر منتخب کیا گیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں میں بیشتر وہ مجاہد تھے جنہوں نے متحدہ ہندوستان میں فتنہ قادیانیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنے کے ساتھ ساتھ استخلاص وطن کے لئے سرفروشانہ جہاد وپیکار کی روشن مثالیں قائم کی تھیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے برصغیر کی ان سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا تھا جو برطانوی استعمار کے خلاف برسرپیکار تھیں۔

چنانچہ تحریک قیام پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد ان راہنماؤں پر قیام پاکستان کی مخالفت کے الزامات عائد کئے گئے متحدہ ہندوستان میں ان حضرات کا سیاسی مؤقف یقیناً مسلم لیگ کے رہنماؤں کے خلاف تھا، لیکن پاکستان جب عملاً معرض وجود میں آیا تو امیر شریعت اور آپ کے رفقاء نے واشگاف الفاظ میں نو تشکیل شدہ مملکت کی ترقی واستحکام اور جغرافیائی اور نظریاتی حدود کے تحفظ ودفاع کے لئے اپنی پوری توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کردینے کا اعلان فرمایا۔ لیکن مسلم لیگ نے ان حضرات کی مخلصانہ اس پیش کش کا مثبت جواب نہ دیا اعیان حکومت کی اس سرد مہری نے قادیانی گماشتوں کو مزید شہ دی۔ چنانچہ قادیانی پریس اور اس کے ہمنواؤں نے بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ تحریک پاکستان کی مخالفت کے گھسے پٹے الزامات کو جلی عنوان سے اجاگر کرنا شروع کردیا۔ مخلصین کے اس۔ گروہ نے اپنوں کی سرد مہری اور دشمنوں کی کھلم کھلا مخالفت کے علی الرغم چراغ مصطفوی کو اپنے جگر کا خون دے دے کر روشن رکھا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت نے ملک کے طول وعرض میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ مبلغین کی ایک کثیر تعداد تیار کر کے انہیں بیرون ملک بھیجا گیا۔ قادیانی وساوس دوسائس کے حقیقی خدوخال نمایاں کرنے کے لیے بڑی تعداد میں لٹریچر تیار کروایا گیا اور وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں رد قادیانیت کے جلسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رکھا بہرحال ان ناموافق حالات میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے اعیان سے جو کچھ بن سکا انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعت کے سانحہ ارتحال کا ہولناک واقعہ پیش آیا مجلس تحفظ ختم نبوت ریاض رسول

کے بلبل ہزار داستان اور اس شیر بیشہ خطابت سے محروم ہو گئی جس کی دہاڑ سے قادیانی ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے وصال کے بعد " مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت و امارت مختلف سنین میں درج ذیل شخصیات کے ہاتھوں میں رہی

(۱) حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی (المتوفی ۱۳۸۳ھ بطابق ۱۹۶۶ء)

(۲) حضرت مولانا محمد علی جالندھری (المتوفی ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء)

(۳) مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر (المتوفی ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء)

حضرت مولانا لال حسین اختر کی وفات کے بعد مشہور مناظر فاتح قادیان مولانا محمد حیات صاحب کا مجلس کی امارت کے لئے انتخاب کیا گیا۔ مولانا محمد حیات صاحب نے اپنے انتخاب کے وقت مستقل طور پر اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے اپنے ضعف و عوارض کی وجہ سے معذوری کا اظہار فرمایا انہوں نے یہ عہدہ عارضی طور پر اگلے مستقل انتخاب تک قبول کرنے کی حامی بھر لی تھی ان حالات میں وابستگان و کارکنان مجلس تحفظ ختم نبوت کی نظریں کسی ایسی بھاری بھر کم شخصیت کو تلاش کر رہی تھیں، جو اس اہم اور نازک دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے امارت و سیادت کے جملہ اوصاف و کمالات اور جواہر سے مالا مال ہو۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے قدیم رہنماؤں میں سے بیشتر اپنی مفوضہ ذمہ داریاں کماحقہ پوری کرنے کے بعد منہم قضی نحبہ کے جملہ تقاضے پورے کرتے ہوئے آغوش رحمت خداوندی میں محو استراحت ہو چکے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس عالی منصب کی امارت کسی ایسی شخصیت کو تفویض کی جائے جو اس کی اعلیٰ روایات کی امین ہو جس کا دردمند اور روشن دماغ حفاظت دین کی گرانبار ذمہ داریوں سے بدرجہ اتم عہدہ براہونے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہو اور جو حریم نبوت کی پاسبانی کے لئے اپنی تمام محبوبات اور مرغوبات کو بحذ اخیرہ قربان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔

ان ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات کی حامل شخصیت اس وقت صرف ایک ہی تھی اور وہ تھے شیخ الاسلام امیر الملۃ حضرت العلامۃ مولانا سید محمد یوسف البنوری الحسینی رحمۃ اللہ علیہ۔ چنانچہ مجلس کے کارکنوں نے اپنی کشتی تحریک کو اس ماہر مشاق اور بیباک ناخدا کے سپرد کرنیکی درخواست کی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عمر کے اس حصے میں تھے جس میں اعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرنے والی کسی تنظیم کی امارت و سیادت کی نازک اور گرانبار ذمہ داریوں سے عہدہ براہونیکی صلاحیتیں کمزور پڑجاتی ہیں۔ آپ کا طبعی مزاج آپ کے دیگر مشاغل کی کثرت اور نوع بنوع عوارض اس قسم کی اہم ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی راہ میں حائل تھے۔ لیکن ان تمام موانع وعوائق کے باوجود فتنہ مرزائیت کے خلاف آپ کے سوز دروں اور آتش قلب کی وجہ سے آپ نے "مجلس تحفظ ختم نبوت" کو اپنی سرپرستی میں لینے کا فیصلہ فرمالیا۔ چنانچہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۹۷۴ء کو عالم اسلام کی اس مایہ ناز شخصیت کو "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی قیادت کی مبارک ذمہ داری مشیت ایزدی کی طرف سے ربیع الاول اور اپریل کے حسین اجتماع کے دوران تفویض کی گئی کیا، یہ دونوں مہینے جہانوں کی آخری رحمت تمام اور تاجدار ختم نبوت کے عالم غیب سے عالم شہود میں تشریف لانے کا عرصہ نہیں ہے۔

یہ اجتماع شریفہ محض ایک عام اتفاق نہیں بلکہ مستقبل قریب میں امت اسلامیہ کی تاریخ میں رونما ہونے والے ایک روشن باب کا پیش خیمہ تھا۔

یہ ہمارے اکابر کے تضرع و ابتہال کے ساتھ مسلسل دعاؤں اور ان کی تروتازہ جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کو ایک پرخلوص اور بابرکت قیادت نصیب ہوئی اور اسی دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل مثبت دعوت و تحریک کی بدولت مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام دنیا بھر کی ممتاز تنظیموں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ان تنظیموں کے نمائندوں نے مسلسل چھ روز کے غور و خوض کے بعد ایک متفقہ طور پر قرارداد منظور کی

ذیل میں اس قرارداد کے متن کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔

قادیانیت ایک نہایت خطرناک باطل مذہب ہے جو اپنی اغراض خبیثہ پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلام کے نام کا لبادہ اوڑھتا ہے اس کی اسلام سے مخالفت ان باتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) اسلام دشمن طاقتوں کی مدد سے دنیا میں مساجد کے نام سے ادارے تعمیر کرنا جن میں قادیانی افکار و عقائد کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

(ب) مدارس، اسکول اور یتیم خانوں کے نام پر ڈھونگ رچانا جن میں اسلام دشمن طاقتوں کی منشاء کے مطابق قادیانیوں کی سازشی سرگرمیوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

(ج) دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے چھپوانا۔

چنانچہ قادیانیت کی مذکورہ بالا مذموم سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانے کا کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا۔

(۱) دنیا کی تمام اسلامی تنظیمیں اور جماعتیں قادیانیوں کے معابد، مدارس، یتیم خانوں اور ان کے دیگر سازشی مقاصد کے مراکز پر کڑی نگرانی رکھیں۔ ان کی سازشوں کا محاسبہ کریں۔ لوگوں کو قادیانیوں کے جال سے بچانے کے لئے انہیں بے نقاب کریں اور عالم اسلام کو ان کی حقیقت سے آگاہ کریں۔

(۲) اس گروہ کے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کریں۔

(۳) قادیانیوں سے کوئی لین دین نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کا اقتصادی معاشرتی اور اجتماعی بائیکاٹ کیا جائے ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے اور ہر بات میں ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کافر سے کیا جاتا ہے۔

(۴) اسلامی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائے۔ انہیں قانونی طور پر "غیر مسلم اقلیت" قرار دلوائے اور انہیں کسی اسلامی ملک میں کوئی ذمہ دار عہدہ نہ دیا جائے۔

(۵) قرآن حکیم میں قادیانیوں کی طرف تحریفات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے قادیانی تراجم کو ضبط کیا جائے اور ان کی ترویج

واشاعت کا انسداد کیا جائے۔

ادھر عالم اسلام کا سارا دل ودماغ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اس فتنہ عظمیٰ کے قلع واستیصال میں دیوانہ وار مصروف عمل تھا، تو ادھر کارکنان قضاء وقدر لوح محفوظ کی تحریروں کو عملی جامہ پہنانے میں مشغول تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی مسند پر سریر آراء ہوئے ابھی دوماہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانی غنڈوں نے ریل میں سوار مسلمان مسافروں پر حملہ کر کے انہیں شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ بظاہر یہ فوجداری نوعیت کا سانحہ تھا، لیکن حقیقت میں یہ وہ آخری گولی تھی جو اس امت خبیثہ کے جیالوں نے قادیانیت کے جسد خباثت پر خود اپنے ہاتھوں سے چلائی تھی۔

مسلمانوں کے دل پہلے ہی ان کی چیرہ دستیوں سے گھائل تھے وہ ان کی اس جرات پر تلملا اٹھے وہ سراپا احتجاج بن گئے انہوں نے آخری اور فیصلہ کن ٹکر لینے اور قادیانی تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے اپنے سروں پر کفن باندھ لئے ملک کے طول وعرض میں احتجاج اور اشتعال کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ربوہ کے اس حادثہ فاجعہ کے وقت سوات کے دور دراز علاقوں میں سفر پر تھے آپ کو اطلاع دی گئی آپ فوراً واپس تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ نے حالات کا جائزہ لیا اور اکابر ملت سے مشاورت کے بعد آئندہ کے لئے ایک مربوط لائحہ عمل مرتب فرمایا۔

کسی قائد کی قائدانہ صلاحیتوں کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اس کی قوم کی کشتی بحران کے تھپیڑوں کی زد میں آچکی ہو۔ یہ اس کی قائدانہ بصیرت، حوصلے اور جرات مندانہ پیشروی کے اظہار کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان نازک حالات سے کماحقہ عہدہ براہونے کے لئے اپنے پروردگار کے حضور اپنے ضعف وناتوانی کا اقرار کرتے ہوئے تضرع وابتہال کی ساری حکایتیں دہرادیں مشیت ایزدی کی طرف سے بھی فتنہ قادیانیت کے استیصال کا فیصلہ کیا جاچکا تھا۔ چنانچہ ان آہوں، سسکیوں اور فریادوں کے جواب میں **الا ان نصراللہ قریب** کی نوید جانفزاء کا جوبن بھی اپنی بہار دکھانے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔

ان حالات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیگر تمام مشاغل اور مصروفیات سے خود کو آزاد کر کے اپنی ساری ذہنی وجسمانی توانائیاں اسلامیان پاکستان کے منتشر اجزاء کو ایک سلک مروارید میں جمع کرنے کے لئے وقف کردیں۔ مختلف مکاتیب فکر کے اعیان سے رابطے قائم کئے اور انہیں متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم پر کام کرنے کی دعوت دی۔ ۲۹ مئی کو ربوہ کا سانحہ پیش آیا اس کے ٹھیک چار دن بعد ۳ جون کو راولپنڈی میں مسلمانوں کے تمام مسالک کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا، لیکن حکومت کی مداخلت کی وجہ سے انتظامیہ نے اس اجتماع کے بعض اہم مندوبین کو اس میں شرکت سے جبراً روک دیا تاہم اس اجتماع میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ ملک کی اہم دینی اور سیاسی جماعتوں سے فوراً رابطہ کر کے ۹ جون ۱۹۷۴ء کو لاہور میں ایک زبردست اجلاس منعقد کیا جائے۔

چنانچہ مذکورہ تاریخ کو لاہور میں ملک کی بیس مقتدر دینی اور سیاسی جماعتوں کے مندوبین کا ایک ولولہ انگیز اجتماع ہوا۔ اس

عظیم الشان نمائندہ اجلاس کے سامنے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس اجتماع کے اغراض و مقاصد اور اس تحریک کے مستقبل کے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ذیل کے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔

"ہمارا یہ اجتماع اس وقت صرف ایک دینی عقیدہ کی حفاظت کے لئے ہے یہ اجتماع ختم نبوت کے مسئلہ پر ہے۔
اس کا دائرہ آخر تک محض دین رہیگا، سیاسی آمیزشوں سے اس کا دامن پاک رہے گا، جو سیاسی حضرات اس میں شامل ہیں ان کا مطمع نظر بھی دین ہی ہوگا اور نہایت پر امن ہوگا۔

ختم نبوت کی تحریک کا طریق کار نہایت پر امن ہوگا

اور اسے تشدد سے کوئی سروکار نہ ہوگا اگر کوئی مزاحمت ہوئی یا تکلیف پیش آئی تو ہمارے مدمقابل صرف مرزائی امت ہوگی۔
ہم حکومت کو یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ اگر حکومت نے ان کی حفاظت یا انکی حمایت میں کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس وقت مجلس عمل کوئی فیصلہ کریگی ابھی قبل از وقت کچھ کہنا مناسب نہیں۔

(بینات رمضان شوال ۱۳۹۷ھ)

اس اجتماع میں مختلف نمائندوں کی طرف سے بڑی پرجوش اور ولولہ انگیز تقاریر کی گئیں اور ہر جماعت کی طرف سے اس تحریک کو تکمیل کی آخری حد تک پہنچانے کے لئے بھرپور اور ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا مکمل یقین دلایا گیا۔

اس تحریک کے لئے مرتب کردہ لائحہ عمل کے خطوط پر اس تحریک کو چلانے کے لئے مجلس عمل کے نام سے مختلف دینی و سیاسی اکابر پر مشتمل ایک نمائندہ تنظیم تشکیل دی گئی باوجود شدید انکار و معذرت کے باصرار مجلس عمل کی قائدانہ ذمہ داریاں بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کی گئیں۔

یہ وہ دور تھا جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ملک کے ہمہ جہت مقتدر اعلیٰ تھے جو ایک عرصہ تک قادیانیوں کے سیاسی حلیف رہ چکے تھے اس لئے مجلس عمل کے قائدین کے لیے قادیانیوں کو حکومت کی طرف سے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا بڑا کٹھن اور مشکل معاملہ تھا۔ تاہم مجلس عمل نے توکلا علی اللہ اپنے کام کا آغاز کیا مجلس کے اراکین نے وزیر اعظم سے فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے انہیں امت مسلمہ کے موقف اور فتنہ قادیانیت کی سیاسی اور ملی شر انگیزیوں سے آگاہ کیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی وزیر اعظم سے ملاقات کی اور بڑے واضح صاف اور واشگاف الفاظ میں ملت اسلامیہ کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے فرمایا

"قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روز اول سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا شہید ملت خان لیاقت علی خان مرحوم کو اس خطرناک غلطی کا جب احساس ہوا۔ تو انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کر لیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ شہید کر دئے گئے اور ہو سکتا ہے ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو۔ اس وقت جو جرأت مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دئے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑکیں گے اور ان کی (قادیانیوں) جان و مال کی حفاظت حکومت کے لئے مشکل ہو جانے گی اقلیت قرار دیے جانے کے بعد اس ملک میں ان کی حیثیت ذمی کی ہوگی اور ان کی جان و مال کی حفاظت شرعی قانون کی رو سے مسلمانوں پر ضروری ہوگی اس طرح ملک میں امن قائم ہو جائیگا۔

میں مانتا ہوں آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہوگا۔ لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا تقاضا بھی ہے کہ قادیانیوں کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات بھی ہیں اور ہر قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں۔ خارجی دنیا میں غیر اسلامی حکومتوں کی بجائے اسلامی مملکتوں کو مطمئن اور خوش کرنا زیادہ ضروری ہے۔

نیز ایک معمولی سی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اتنی بڑی اکثریت کو غیر مطمئن کرنا دانشمندی نہیں۔ اگر آپ حق تعالیٰ پر توکل واعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمادیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اس راستہ میں موت بھی سعادت ہے۔

(بینات رمضان وشوال ۱۳۷۴ھ)

مسٹر بھٹو ایک زیرک سیاستدان، ایک اعلیٰ منتظم اور علم سیاست کے ایک ماہر استاد تھے، وہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے کہ دنیا کے کسی دستور، آئین، ضابطہ قوانین، مذہب یا سیاسی مفکرین کے کسی نظریئے کی تعریف کے اعتبار سے قادیانیت اسلام یا کسی دوسرے مذہب کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مستقل دین اور اسلام سے علیحدہ ایک جداگانہ مذہب ہے۔ جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں علاوہ ازیں ملکی سیاسیات، اقتصادیات بیورو کریسی اور فوج کے اعلیٰ مناصب قادیانیت کے پنجہ شیطانی میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ قادیانی جرنیلوں، اور مفکرین کی اسلام اور پاکستان کے خلاف معاندانہ شرانگیزیوں کی تاریخ بھی مسٹر بھٹو کو خوب یاد تھی۔ خود ان کا اپنا اقتدار بھی ان شیطانی قوتوں سے محفوظ نہ تھا وہ اس لعنت سے خود بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن وہ مغربی طاقتوں کے دباؤ اور خود رجعت پسندی کے الزامات سے بھی گھبراتے تھے۔ تاہم ملک کے سیاسی معاشی اور فوجی نظام میں ان کا اثر رسوخ اس قدر عمیق تھا کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اتنا بڑا اقدام اٹھانے کا وہ حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ کسی ایسے وقت کے انتظار میں تھے جب حالات کی سازگاری آئینی اور قانونی لحاظ سے قادیانیوں کو کافر قرار دینے میں ممد و معاون صورت اختیار کر جائے۔

بہر حال مجلس عمل کے رہنماؤں نے مسٹر بھٹو کے سامنے ملت اسلامیہ کے موقف اور اسلامیان پاکستان کے بنیادی جذبات بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیئے تھے اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملک کے طول وعرض میں شمع رسالت کے پروانوں کو حکومت سے متصادم ہوئے بغیر نہایت پرامن انداز سے اپنے جذبات کے اظہار کی تحریک دی۔

اس سلسلہ میں انہوں نے ہر وہ پرامن راستہ اور طریقہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں کے احتجاج کا اظہار ہوتا ہے مجلس کے اراکین نے ۱۴ نومبر کو پورے ملک میں مکمل ہڑتال کا اعلان کردیا۔ پاکستانی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ اس تاریخ کو درہ خیبر سے لے کر بحر ہند کے ساحل تک اس قدر کامیاب اور مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شمع رسالت کے پروانوں کو مسلسل پرامن رہنے، صبر وسکون سے کام لینے اور تشدد وتصادم کے راستوں سے گریز کر نیکی تلقین فرماتے تھے۔ لیکن اس کے بالمقابل مسٹر بھٹو اقتدار کے نشے میں چور اہل اللہ کی اس جماعت کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہ تھے حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے تھے۔ عوامی جذبات کا حال یہ تھا کہ وہ ہر حالت میں جسد ملت

سے قادیانی ناسور کو علیحدہ کرنے پر تلے ہوئے تھے ، اور اس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کا عزم کر چکے تھے ہمسٹر بھٹو نے اس عوامی سیلاب کے روکنے کے لئے ہر انتظامی حربہ آزمایا ۔ پولیس کا بے دریغ استعمال کیا گیا، لاٹھیوں ،ڈنڈوں اور سنگینوں سے مظلوم افراد کو بھیمیت کا نشانہ بنایا۔ ہزاروں علماء اور کارکنوں کو پابند سلاسل کر دیا ۔

الغرض ایذا رسانی کا ہر شیطانی حربہ اہل اسلام پر آزمایا گیا لیکن حریم رسالت کے کفن بردوش جان نثاروں کا سیلاب ان سے تھم نہ سکا دوسری طرف مجلس عمل کے مقتدر رہنما مفتی محمودؒ نے مسٹر بھٹو کے مجلس عمل سے مذاکرات کے انکار کے جواب میں وزیر اعظم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مسٹر بھٹو! آپ کو قوم کے ایک حلقہ نے منتخب کر کے بھیجا ہے، اس لئے آپ اسمبلی کے معزز رکن ہیں ۔ میں بھی ایک حلقہ انتخاب کا نمائندہ بن کر اسمبلی میں آیا ہوں اس لئے میں بھی اس معزز ادارے کا رکن ہوں۔ مگر میں آنجناب کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجلس عمل کسی ایک حلقہ کی نمائندہ جماعت نہیں ہے ۔ بلکہ وہ اس وقت پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ کیسی عجیب منطق ہے کہ آپ ایک حلقہ انتخاب کے نمائندہ کو عزت واحترام کا مقام دینے کے لئے تیار ہیں ،مگر قوم کے سات کروڑ عوام کی نمائندہ مجلس عمل کو آپ پائے حقارت سے ٹھکرا رہے ہیں ۔ بہتر ہے میں ان سے جا کر کہہ دوں کہ وزیر اعظم سات کروڑ عوام کی بات سننے کے لئے تیار نہیں"

مفتی محمود صاحب مرحوم کی طرف سے مسٹر بھٹو کے حضور یہ کوئی فریاد ،التجا ، یا فدویانہ عرض داشت نہ تھی ; بلکہ یہ ایک شدید انتباہ تھا۔ دوسری طرف خیبر سے کراچی تک بپھرے ہوئے عوام کا سیل بیکراں اور اپنی انتظامیہ کی بے بسی کا وہ نظارہ کر چکے تھے ۔ انہیں اپنا اقتدار جسے انہوں نے آدھا ملک گنوا کر بصد مکروفریب حاصل کیا تھا خس وخاشاک کی طرح بہتا ہوا نظر آرہا تھا وہ اندر سے شکست کھا چکا تھا ، لیکن جھوٹی انا کا لبادہ اوڑھ کر محض گیدڑ بھبکیوں کے سہارے اقتدار پر قابض تھا ۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے فیصلہ کن انتباہ نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح ۷ ستمبر ۱۹۷۴ کو ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر وزیر اعظم نے مجلس عمل کے نمائندوں کے مجوزہ پر دستخط کر کے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا جس کی رو سے مرزائیت کی دونوں شاخیں (قادیانی اور لاہوری) اپنے خبیث بانی کا ماتم کرتی ہوئی دائرہ اسلام سے خارج ہو گئیں ۔ اور پھر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر اس مسودہ کو آئینی شکل دے دی گئی۔

پارلیمنٹ کے آئین سازی کے اس عمل کی خبر جب ذرائع ابلاغ کی طرف سے نشر کی گئی تو جہاں ایک طرف ربوہ کے ایوانوں میں صف ماتم بچھ گئی ،وہاں دوسری طرف پورے عالم اسلام میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ اسلامیانِ پاکستان پر اس فرحت وانبساط نے وجد وکیف کی وہ حالت طاری کر دی جس کا نظارہ چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔

عامۃ المسلمین غایت مسرت میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے اور ایک دوسرے سے مبارک باد کا تبادلہ کر رہے تھے ، شکرانے کے نوافل ادا کئے گئے ، غرباء ومساکین میں کھانے تقسیم کئے گئے اور احباب کے مابین دعوتوں کا ایک وسیع سلسلہ چلا۔

الغرض ہر مسلمان نے اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی حیثیت سے اپنے قلبی انبساط کا اظہار کیا ، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جن کو فتنہ

قادیانیت کے غم واندوہ نے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا تھا، ان کی خوشی کا اندازہ کون کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بصائر و عبر میں اپنی بیش بہا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی عوام بالخصوص اس تحریک کے جانباز کارکنوں، رہنماؤں اور مخلصوں کو مبارک باد دی اور اس مقدس مشن کے لئے جدوجہد کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے دین کی خدمت کا وہ عظیم الشان کام لیا جس کی نظیر ہمارے اسلاف کے حیرت انگیز کارناموں میں خال خال ہی ملتی ہے۔

فتنہ قادیانیت ملت اسلامیہ کی تاریخ کا وہ بدترین فتنہ تھا جس کے مسموم اثرات نے ہمارے اکابرین کو خون کے آنسو رلایا اور ان کے دلوں کو قاش قاش کرکے رکھ دیا یہ ان خونناب آنکھوں زخمی دلوں اور مبتہل و متضرع زبانوں کی حق تعالیٰ کے حضور اپنی بے بسی و بیچارگی کی فریاد تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب حضرت الشیخ البنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں دیا گیا۔

ہمارے شیخ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات و کرامات کی جو بارش ہوئی ہے الفاظ کو ان کے اظہار کا یارا نہیں ہے۔ انبیاء و رسل کے بعد ہر وہ اعلیٰ وارفع مقام جن پر نفوس قدسیہ کو فائز کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہمارے شیخ بھی ان سے نوازے گئے ہوں گے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ایک کارنامہ ہزار قدسیوں کی صد سالہ عبادتوں پر بھاری ہے اور اگر خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قلم مستعار لے لیا جائے تو یہ کلمات عین بعین آپ ہی پر صادق آتے ہیں۔

فهذا عندي، ميزة كبرىٰ اكبر من سائر مزايا الشيخ رحمه الله وتفوق سائر مآثره السامية فلولم لشيخ حسنة غير هذه الحسنة العظيمة ومنقبة غير هذه المنقبة العالية لكفاه شرفاوفضلا ولكفاه شهادة انه كان رباني هذه الامة بعهده فهذه منقبة زهراء من بين سائر مآثرة الخالدة تبقىٰ آثار ها الجميلة فى قلوب اهل الحق وتتلالا لامئة على صفحات التاريخ الاسلامى على انقراض الدهور وانقضاء العصور .

میرے نزدیک حضرت شیخ کا یہ عظیم الشان کارنامہ آپؒ کے تمام کمالات پر بھاری ہے اور آپ کے تمام مآثر سامیہ پر فائق تر ہے۔ اگر ہمارے شیخ کے نامہ اعمال میں اس عظیم نیکی کے علاوہ کوئی اور نیکی اور اس فضیلت کے علاوہ کوئی اور فضیلت نہ بھی ہوتی تو بھی یہ آپ کے دائمی مآثر میں سب سے زیادہ تابناک فضیلت ہے جس کے آثار جمیلہ اہل حق کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔ زمانے گزرتے رہیں گے اور حضرت شیخ کا یہ عظیم الشان کارنامہ تاریخ اسلامی کے صفحات پر جگمگاتا رہیگا۔

الفاظ و تعبیرات کی کوتاہ دامنی اور قلم و قرطاس کی محدود دنیا ان محاسن و مزایا اور محامد و مناقب کا احاطہ نہیں کر سکتی جو قسام ازل کی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئے آنے والی نسلیں اور زمانے اس احسان عظیم کا پورے اجلال سے تذکرہ کریں گے۔ جو آپ نے فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے کی گئی مساعی جمیلہ اور جہود مشکورہ کے ذریعے ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ یہ ایک ایسی مستحسن، محبوب اور عظیم دینی خدمت ہے جس کے تذکرے عالم بالا میں ملاء اعلیٰ کی مجلسوں میں بھی ہوتے رہیں

گے۔

میں عالم تصور میں دیکھ رہا ہوں کہ اعلیٰ علیین میں ہمارے اکابر اور مجاہدین ختم نبوت کی ارواح ایک متشکل جماعت کی صورت میں جشن مسرت منا رہی ہے۔ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ مقام صدر نشینی پر جلوہ افروز ہلکے ہلکے تبسم کے ساتھ اپنی روحانی مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے منور چہرے کے ساتھ اپنے نغموں اور زمزموں کے ساتھ اس مقدس محفل کو گرما رہے ہیں اور انکھیوں کے ساتھ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھ بھی رہے ہیں۔ پھر میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اچانک اس نورانی محفل میں نمودار ہوتے ہیں آپ پر نظر پڑتے ہی حضرت امام العصر غیر متوقع اور والہانہ طور پر جوش اور شفقت ورافت کے ساتھ اپنے اس نامور فرزند کے استقبال کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سر مبارک کو اپنے سینے سے لگا کر سر اور ماتھے پر محبت و تشکر کے آنسوؤں کی بارش کرتے ہیں۔ جماعت کے دوسرے اکابر بکمال فخر و مباہات اور حیرت و استعجاب سے حضرت شیخ کے چہرہ روشن پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔

احقر قاصر علم و عمل کی دنیا کا ایک گدائے تہی دامن ہے۔ محض اپنے شیخ سے ایک نسبت تعلق ہے جس کے تقاضے پورے کرنیکی کبھی نوبت نہیں آئی۔ خدا شاہد ہے کہ متذکرہ سطور احقر کے عالم تصور کا ایک ناتمام خاکہ ہے، لیکن احقر کی خوشی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب اس نے بینات میں درج حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے منامی مبشرات کی اپنے اس تصوراتی خاکے سے ایک گونہ مماثلت دیکھی۔

ذیل میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے برکات وسعادات پر مشتمل دو منامات ومبشرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ

امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت سا ہجوم ہے۔ لوگ مصافحہ کر رہے ہیں۔ جب ہجوم ختم ہو گیا اور تنہا حضرت شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہے اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو بالکل درمیان میں حضرت شیخ تنہا تشریف فرما ہیں دو تین سیڑھیاں چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا۔ حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگایا میں ان کی اس ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسہ دے رہا ہوں، حضرت میری داڑھی اور چہرے کو بوسہ دیتے ہیں دیر تک یہ ہوتا رہا۔ چہرہ و بدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے، بے حد خوش اور مسرور ہوئے۔

بعد ازاں میں دوزانو ہو کر فاصلہ سے ادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ معارف السنن حاضر کرتا فرمایا میں نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا اس کی تشریح و توضیح و خدمت ہے بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا

"بہت عمدہ ہے"

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت وسیع مکان ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے بہت سے لوگوں کا مجمع ہے۔ میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو باندھ رہا ہوں، بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے، کوئی چادر یا کپڑا نہیں اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ایسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے، میرے داہنے کندھے کی طرف تشریف لائے آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے پہلا جملہ ارشاد فرمایا "واہ میرے پھول" پھر دیر تک معانقہ فرمایا میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی زیادہ شرعی حیثیت نہیں ہے۔

بہر حال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی۔ بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں معلوم ہوتا ہے انہیں بھی اس سے بیحد و بے پایاں خوشی ہوئی ہو گی فالحمد للہ

(بینات ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ)

معلوم نہیں اس سلسلہ مبشرات و کرامات کی کتنی کڑیاں ہونگی جنہیں حضرت شیخ نے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔ حق تعالیٰ کے ظاہری انعامات میں سے ایک وہ احترام و عقیدت ہے جس کا اظہار زندہ اکابرین سے بعض نے تحریر اور اکثر نے تقریر کے ذریعے آپ سے کیا ذیل میں چند تحریروں کو نقل کیا جاتا ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ آپ کی خدمت میں ہدیہ اکرام و تحسین پیش فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر آپ کے اسلاف کے ایک ادنیٰ نیازمند کی حیثیت سے مخلصانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جس کے متعلق بدیع الزمان الہمدانی کے یہ الفاظ بالکل صادق ہیں۔

"فتح فاق الفتوح وآمنت علیہ الملائکۃ والروح اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے اس کارنامہ سے آپ کے جد امجد حضرت سید آدم بنوری اور ان کے شیخ حضرت امام ربانی اور آپ کے استاذ مربی حضرت سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح ضرور مسرور مبتہج ہوئی ہو گی اور اس کی بھی امید ہے کہ روح مبارک نبوی (علیہا الف الف سلام) کو بھی مسرت حاصل ہوئی ہو گی ہنیا لکم وطوبیٰ "اگر میری ملاقات ہوئی تو میں آپ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرونگا۔

آپ کے ایک شامی دوست الشیخ محمود الحافظ مکی نے آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے ۳ شعبان ۱۳۹۴ھ کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا جس میں آپ کو مبارک دینا چاہتا ہوں۔

اور اس کو اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں

میں نے آپ کو شیوخ کی جماعت کے ساتھ دیکھا ہے جو سن رسیدہ تھے اور جن پر صلاح و تقویٰ کی علامات نمایاں تھیں یہ سب حضرات اس قرآن کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف تھے جو آنجناب نے زعفرانی رنگ کی روشنائی سے بدست خود کتابت

فرمایا ہے۔ اور آنجناب کا قصد ہے کہ اسے لوگوں کے فائدہ عام کے لئے شائع کیا جائے آپ نے اس ارادے کا اظہار نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

صبح جب نماز فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی وکامرانی کا تاج پہنایا ہے۔ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

حسن صورت وحسن معنی کا پیکر عظیم

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ جلیلہ اور خدمات عالیہ کا احاطہ قلم وقرطاس کے حیطہ امکان سے باہر ہے آپ کی ذات مبارک کا ایک ایک پہلو اس قدر شاندار، وقیع، پروقار اور پروجاہت ہے کہ تنہا ایک شخص کے لیے آپ کی اعلیٰ سیرت اور عظمت کردار کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے، آپ کے محاسن ومزایا، فضائل وشمائل، مناقب ومحامد خصائص ومشاعر اور جواہر وکمالات کا بحر بیکر ان اس قدر بسیط وغیر محیط ہے کہ ان کا عشر عشیر بھی ضبط تحریر میں لانا آفتاب جہاں کی شعاعوں کو شمار کرنے کے مترادف ہے اجتماع العالم فی واحد" اگر مستنکر نہیں ہے تو پھر آپ کی ذات گرامی اس کی صحیح صحیح مصداق تھی سیرت وکردار کے اس کوہ بلند قامت پر جب نظر پڑتی ہے تو اس کے ایک ایک ذرے کی جگمگاہٹ اور تابانی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

یکاد البرق یخطف ابصارہم۔

لیکن یہ برق سالکان راہ خدا کے لیے انوار وتجلیات اور زائغین وملحدین کے لیے ظلمت فوق ظلمت کا کام کرتی ہے۔

ان سطور کے راقم آثم کو بھی چند سال حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا ہے آج جب اس عشق ودیوانگی اور عقیدت وشیفتگی کا سرور وابتہاج یاد آتا ہے تو

بلغت القلوب الحناجر اورسم الافاعی اعذب ماء اتجرع کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اس مختصر دور شرف وسعادت میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اسوہ حسنہ کی جو اعلیٰ مثالیں مشاہدہ کیں انہیں میں قرآن کریم :

("فاوحی الی عبدہ ما اوحی") کا سہارا لے کر مختصراً صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ فشاہدت من مزایا الشیخ ماشاہدت

میں آپ کے کس کس وصف محمود اور کمال حمیدہ کا ذکر کروں میں وہ سلیقہ اظہار کہاں سے لاؤں جس سے آپ کے ہر شیمہ مبارکہ اور عادت طیبہ کی ترجمانی ہوسکے آپ کے کس کس شرف ومنقبت کی عکاسی کروں۔ آپ کی عفت وعصمت اور حلم وحیا کی بات کروں تو حضرت عثمان غنیؓ کا چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ آپ کے صبر واستقامت پر نظر دوڑاتا ہوں تو اس میں صبر ایوب کی جھلک نظر آتی ہے۔ سیرت باطنی کا تصور کروں تو آنکھوں کے سامنے حضرت یحییٰ علیہ السلام قیام فرما ہوتے ہیں۔ آپ کی مہمان نوازی میں شان ابراہیمی کا عکس نظر آتا ہے۔ حسن وجمال کے ظاہری پیکر کا نظارہ کرتا ہوں تو آنکھوں میں شیخ کنعان علیہ السلام کی روشنی آجاتی ہے۔ طلاقت لسانی کی فصاحت وبلاغت کانوں میں سحبان کی ساحرانہ حلاوت گھولتی ہے۔ شہوار قلم کی ترکتازیاں باقلانی کی یاد دلاتی ہیں۔ علوم ومعارف اور

حقائق ودقائق پر گفتگو ہوتی ہے تو لگتا ہے جیسے عالم بالا سے محققانہ نکات کا نزول ہو رہا ہے۔ تہور ومردانگی اور شجاعت وبسالت فاروق اعظم کے انداز اپنائے ہوئے ہے۔ زائغین اور فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد وپیکار کا جذبہ سنت صدیقی سے مقتبس تھا۔ ظاہری حسن وجمال اور باطنی محاسن وکمالات کے اس پیکر اعظم کے لیے ایسا شاید ابن الفزاری نے کہا تھا :

کان الثریا علقت فی جبینہ
وفی خدہ الشعری وفی وجہہ القمر

الغرض آپ کی ذات علم وعرفان کا ایک چمنستان ہزار رنگ تھی۔ جس کا ہر پھول اہل نظر کو تازگی اور اہل قلوب کو فرحت وبہجت بخشتا ہے انہی گلہائے رنگارنگ کے حسن وبہار کی ہلکی سی جھلک پیش کرنیکی ذیل میں ایک سعی ناتمام کی جاتی ہے۔

تو پھر اس میں اعلیٰ ایمان وایقان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت ، محبت، خشیت اور اطاعت کے پھول بھی تھے۔ اور شدید محبت وعشق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی احترام اور اتباع سنت کے پھول بھی تھے۔ اونچے تقویٰ واخلاص کے ساتھ حسن عبادت حسن خلق اور حسن عمل کے پھول بھی تھے۔ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسن معاشرت ، حسن خلق ، اور حسن عمل کے پھول بھی تھے۔

پاکیزہ ذوق کے ساتھ حسن نظافت ، حسن نفاست ، اور حسن لطافت کے پھول بھی تھے۔ اور فطری انداز میں خندہ جبینی ، شگفتہ روئی اور خوش مزاجی کے پھول بھی تھے ، دینی جذبہ کے تحت دیانت ، امانت، شجاعت اور سخاوت کے پھول بھی تھے۔ اظہار حق کی خاطر حق گوئی صداقت واستقلال واستقامت کے پھول بھی تھے اور اعلیٰ درجے کی عفت وپاکبازی اور نجابت اور شرافت کے پھول بھی تھے اور غیر معمولی شرم وحیا ، غیرت اور خودداری کے پھول بھی تھے ، سنجیدگی اعلیٰ وقار متانت اور وجاہت کے پھول بھی تھے۔ اور مسرت بخش ظرافت ، حسن مزاح اور خوش طبعی کے پھول بھی اور دوستوں سے دلنوازی اور محسنوں سے صلہ رحمی اور مسکینوں سے ہمدردی کے پھول بھی تھے۔ چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کی توقیر کے پھول بھی تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے خلق خدا کی خیر خواہی نفع رسانی کے پھول بھی تھے۔ صوفیان باصفا، اہل اللہ حضرات سے قلبی محبت اور اصحاب کشف وکرامت سے گہری عقیدت کے پھول بھی تھے۔ اور رقت قلب ، سوز وگداز ، آہ وبکاہ اور وجد وحال کے پھول بھی تھے۔ وسیع اور راسخ علم کے ساتھ اشاعت اور تعلیم وتدریس کے پھول بھی تھے اور عقل ودانش کے ساتھ غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور تیقظ کے پھول بھی تھے۔ بہترین حافظہ کے ساتھ وسیع مطالعہ ، غور وفکر ، اور استحضار کے پھول بھی تھے ، اور موثر خطابت ، دلکش تحریر ، مہارت تصنیف وتالیف اور حکیمانہ دعوت وارشاد کے پھول بھی تھے پھر جس طرح پھولوں میں قسم قسم اور رنگارنگ بہ نسبت رنگینی ، رعنائی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح حضرت الشیخ البنوری رحمۃ اللہ کی شخصیت میں جو اوصاف ومحاسن اور جو فضائل وکمالات مجتمع تھے ان میں سب سے نکھرا ہوا اجاگر اور نمایاں وصف علم کا وصف تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کا مولانا بنوری قدس سرہ العزیز سے تعلق غیریت کا نہیں تھا عینیت کا تھا۔ مولانا عالم نہ تھے سراپا علم تھے علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ یا جیسے ہیرے کے اندر چمک دمک ۔ علم آپ کی ہر ہر ادا ہر ہر

نقل و حرکت سے جھلکتا تھا۔ آپ علم کا ایک بلند و بالا پہاڑ اور بحر ناپید اکنار تھے۔ ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالم دین ہیں ---- انتہیٰ

(بینات کا بنوری نمبر ۴۰ از مولانا محمد طاسین صاحب)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ ظاہری حسن و جمال کا مرقع تھے بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا جمالیاتی ذوق بھی رکھتے تھے حسن، قرینہ سلیقہ اور توازن و تناسب جس شے میں بھی دیکھتے بے اختیار اس کی داد دیتے اپنے مزاج کی لطافت، نفاست، نزاکت اور نظافت کی وجہ سے آپ کے گرامی مرتبت والد آپ کو مرزا مظہر جانِ جاناں کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ مولانا محمد طاسین صاحب نے آپ کے اس ذوق لطیف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بینات کے بنوری نمبر صفحہ نمبر ۲۷-۲۶-۴۲۵ میں رقمطراز ہیں۔

حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ کی زندگی کا جمالیاتی پہلو بھی نہایت روشن، درخشاں اور دلکش تھا۔ آپ کی ہر ہر ادا اور نقل و حرکت میں حسن و جمال کی چمک اور نظافت و نفاست کی جھلک تھی گویا آپ اس صفت الٰہی کا مظہر تھے، جس کا حدیث نبوی ﷺ "ان اللّٰہ جمیل ویحب الجمال" میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو جہاں ظاہری و باطنی وافر حسن و جمال سے آراستہ و مزین فرمایا تھا۔ وہاں انہیں حسن و جمال کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق اور قوی احساس بھی مرحمت فرمایا تھا۔

چنانچہ اس کا اظہار و انکشاف آپ کی صورت و شکل، وضع و قطع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست نیز آپ کے لباس پوشاک، خورد و نوش، میل ملاپ، لین دین، تعلیم و تعلم، اور نظم و ضبط وغیرہ، ہر چیز سے ہوتا تھا لہذا آپ کے اندر ایک شان محبوبیت تھی جو سلیم الفطرت انسان آپ سے ملتا آپ کی مجلس میں بیٹھتا گفتگو سنتا اور کچھ کھاتا پیتا، ضرور فریفتہ اور گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی نورانی شخصیت کا اس کے دل و دماغ پر ضرور اثر پڑتا ناممکن تھا کہ کوئی شخص اخلاص کے ساتھ آپ سے ملے اور پھر آپ کے حسن اخلاق سے متاثر نہ ہو بلکہ بعض دفعہ صرف آپ کو دیکھنے ہی سے دل و دماغ پر نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوتا اور آدمی مرعوب ہو جاتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز ہمارے ہاں مجلس علمی میں تشریف لائے اس وقت لائبریری میں جو لوگ مطالعہ کر رہے تھے ان میں ایک صاحب ڈاکٹر الطاف جاوید بھی تھے، جو غیر معمولی ذہانت کے ساتھ اس وقت اشتراکی ذہن رکھتے تھے بعد میں نہایت متشرع صوفی بن گئے۔ حضرت مولانا تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اندر گھر تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر موصوف نے مجھ سے پوچھا کہ یہ حضرت کون تھے؟ میں نے بتلایا تو کہنے لگے جب دروازہ سے داخل ہو رہے تھے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ نورانی صورتوں کی ایک جماعت ہے لہذا میرا دل انہیں دیکھ کر بہت متاثر بلکہ مرعوب ہوا ہے۔

حسن و جمال سے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا طبعی لگاؤ تھا کہ جس چیز میں بھی حسن و جمال دیکھتے اس سے ضرور متاثر اور خوش ہوتے اور اسے ضرور خراج تحسین پیش فرماتے۔

عام ہے کہ خواہ وہ چیز قدرتی مناظر میں سے ہوتی جیسے کوئی حسین وادی پہاڑ، جھیل، دریا، آبشار وغیرہ یا کسی خوبصورت پتھر

، پھول پھل پرندے اور چرندے کی شکل میں ہوتی ، کسی مصنوعی حوض ، باغ ، کھیت سڑک اور عمارت کی شکل میں ہوتی یا قالین فرنیچر برتن ، کپڑے اور لکڑی ، قلم وغیرہ کی شکل میں ہوتی ۔ کھانے پینے سونگھنے کی چیز ہوتی یا پہننے پوشنے ، لکھنے یا پڑھنے کی کوئی چیز ہوتی ، کوئی اچھی گفتگو اور تقریر ہوتی یا عمدہ کتاب اور تحریر کی ہوتی کوئی نئی عبارت یا شعری نظم ہوتی کوئی عملی بحث و تحقیق ہوتی یا فکری کد وکاوش ہوتی شاعرانہ تخیل آرائی ہوتی یا عالمانہ نکتہ آفرینی ہوتی کوئی اچھی عادت وخصلت ہوتی یا عمدہ ذہانت وذکاوت ہوتی معصوم بچوں کی ادائیں ہوتیں یا بزرگوں کی کریمانہ شفقتیں ہوتیں ۔

غرضیکہ جس چیز میں بھی حسن وجمال تناسب و توازن اور نفاست ولطافت دیکھتے متاثر ہو کر داد تحسین دیتے اور مسرت کا اظہار کرتے ۔

اسی طرح جب کسی چیز میں بے ڈھنگا پن ، بد نظمی ، بے ترتیبی اور بگاڑ دیکھتے تو اس سے آپ کو ذہنی کوفت ہوتی اور سخت اذیت پہنچتی ۔ پھر جب تک اس پر تنقید کر کے بھڑاس نہ نکال لیتے چین نہ ہوتا ، بڑے آغاجی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دوسرے مظہر جان جاناں ہیں جو لطافت طبع نزاکت مزاج اور ذوق جمال میں ممتاز اور منفرد تھے ۔

جب حسن اتفاق سے قریبی اور بے تکلف دوست جمع ہوجاتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تو عمدہ ظروف اور بہترین پتی ، خالص دودھ اور نفیس بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی جاتی ۔ خاص طریقہ سے دسترخوان بچھایا جاتا ۔ اس پر نہایت قرینے سے برتن چنے جاتے پیالیوں میں شکر اور پھر چائے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈالی جاتی ، اور پھر چمچہ ہلانے میں خاص نزاکت کا خیال رکھا جاتا ، کئی بار ایسا ہوا میں نے بڑی احتیاط سے چمچ ہلانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود گرفت اور تحمیق ہوگئی اور سب کے سامنے پیاری ڈانٹ پڑی اور ہنسی خوشی کا سامان فراہم ہوگیا ۔

ہمارے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ گو درویش صفت بادشاہ نہ تھے لیکن بادشاہ صفت درویش ضرور تھے ۔ مانا کہ انہیں تاج وتخت نصیب نہیں ہوا لیکن اس دل ودماغ سے کون انکار کرسکتا ہے جو تاج وتخت کے لیے باعث فخر وناز ہوتا ہے اور پھر وہ اقلیم علم کے ضرور بادشاہ تھے ۔ ان کا علمی جاہ وجلال کسی طرح اس جاہ وجلال سے کم نہ تھا جو سیاسی بادشاہوں کو حاصل ہوتا ہے انتہیٰ

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ بسالت وشہامت اور عزیمت وعالی حوصلگی کی ہزار داستان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے زمانہ اس امر پر شاہد ہے کہ حالات کی ناموافقت جسمانی ضعف واضمحلال اور عوارض کی کثرت کے باوجود ایوب خان کی قوس لمن الملک الیوم کی صدائے بھیانک اور مسٹر بھٹو کے جبروت کی موجودگی میں آپ نے احقاق حق اور دفع باطل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا ذیل کے ان دو مختصر واقعات سے آپ کے مجاہدانہ کردار کا ہلکا سا خاکہ سامنے آتا ہے

(اول) ۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت پورے عروج پر تھی ملک کا ہر کلمہ گو دامے سخنے اور عملے اس میں شریک تھا ۔ پوری قوم سراپا احتجاج واشتعال بنی ہوئی تھی دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ اس میں اپنا بھرپور رول ادا کرنے کے لیے بے چین تھے اپنے احتجاجی عواطف کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا انعقاد ہورہا تھا ایسے ہی ایک جلسے سے اساتذہ اور طلبہ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت پڑی تو سب سے پہلے بنوری گردن کٹوائے گا پھر آپ حضرات کی باری آئیگی ۔

آپ کے قلبی الم و کرب اور وفداکارانہ جذبات کو بیان کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف لدھیانوی رقمطراز ہیں

ان دنوں حضرت پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سما سکتی تحریک کے آخری دنوں میں حضرت نے کراچی سے ملتان لاہور، راولپنڈی اور پشاور تک کا سفر کیا اس کی یاد کبھی نہ بھولے گی کراچی سے روانہ ہونے تو حضرت پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن صاحب سے فرما رہے تھے

مفتی صاحب! دعا کیجئے حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے میں کفن ساتھ لیے جارہا ہوں

مسئلہ حل ہو گیا تو الحمدللہ ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہ آئے، حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دروں کی لاج رکھ لی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا

(ماہنامہ بینات ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

(دوم) ۱۹۷۷ کی مشہور عالم تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے دوران ملک کے ہر طبقہ اور مسلک کے افراد کا جوش و ہیجان سراپا طوفان بنا ہوا تھا۔ خاص کر دینی مدارس کے طلبہ اس مبارک راہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے بے چین تھے۔ حضرت شیخ طلبہ کے ان جذبات سے واقف تھے۔ لیکن آپ کی دور اندیش نگاہیں ان خطرات کو دیکھ رہیں تھیں جو آنے والے دور کے دنوں میں رونما ہونے والے تھے۔ حضرت شیخ نے اس تحریک میں طلبہ کی شرکت کو قبل از وقت اور ان کی تعلیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کے احتمال کا ادراک کرتے ہوئے اس نازک موقع پر ارشاد فرمایا

ہم اس وقت پاکستان کے حالات جس نازک دور سے گزر رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہم حالات کا بنظر غائر جائزہ لے رہے ہیں اور ہمیں حالات کی نزاکت کا احساس ہے۔ بعض طلبہ تحریک میں شرکت کے لیے بے تاب ہیں لیکن میری ہدایت ہے کہ آپ فی الحال صبر سے کام لیں ابھی تحریک ہمارے بغیر بھی چل رہی ہے اگر ہماری ضرورت پڑی تو مدرسہ کو تالا لگا کر ہم بھی میدان میں نکلیں گے لیکن اس طرح نہیں کہ فحش گالیاں بکیں گاڑیوں پر سنگ باری کریں اور عماتوں کو آگ لگائیں۔

نہیں بلکہ ہم علمی اور اسلامی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے وقار اور سنجیدگی سے نکلیں گے بہر حال وقت کا انتظار کرو! تعلیمی ضیاع نہ کرو تکرار اور مطالعہ میں مشغول رہو! اللہ کے کرم سے ہم بزدل نہیں ہمارے دل میں بھی اسلامی محبت اور جذبہ ہے اگر مفتی محمود صاحب پاؤں زخمی ہونے کے باوجود تحریک میں حصہ لے سکتے ہیں تو لنگڑا بنوری (حضرت کی وجع المفاصل کی تکلیف) بھی ان سے پیچھے نہ رہے گا، وقت آنے پر آپ دیکھیں گے کہ بنوری کے ہاتھ میں جھنڈا ہو گا اساتذہ تمہارے ساتھ ہوں گے اور تم ہمارے پیچھے ہو گے اس کے بعد انتہائی جوش کے عالم میں یہ شعر پڑھا

فلسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا
ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

گویا شیخ سعدی کی زبان میں ارشاد فرمایا:

آں نہ من باشم کہ روز میدان بینی پشت من

منہم آں کہ میان خاک دخوں بینی سری

نفس مطمئنہ کا رجوع الی اللہ

مرحوم صدر ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جب مارشل لاء کے ذریعے مسٹر بھٹو کی جابرانہ حکومت کی بساط لپیٹ کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے اسلامی مشاورتی کونسل کی از سر نو تشکیل کی اور ایسے افراد شامل کئے جو مختلف جدید وقدیم علوم میں ماہرانہ رسوخ رکھتے تھے مرحوم صدر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری صلاحیتوں سے واقف تھے۔

چنانچہ انہوں نے آپ سے کونسل کے مشاورتی امور کی علمی رہنمائی کے لئے کونسل کی رکنیت اختیار کرنیکی درخواست کی جسے آپ نے دین کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت قبول فرمایا اور باقاعدہ اس کے منعقدہ اجلاس میں شرکت فرماتے رہے۔

کونسل کا ایک پہلا اجلاس ۱۳ اکتوبر سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہو رہا تھا جس میں شرکت کے لئے آپ نے ۱۳ اکتوبر کی صبح کو اسلام آباد کے لئے رخت سفر باندھا تھا اس سفر میں آپ کی معیت میں آپ کے صاحبزادہ اکبر عزیز محمد بنوری سلمہ اور مولانا محمد تقی عثمانی بھی شامل تھے۔ایک گھنٹہ تیس منٹ کی پرواز کے بعد حضرات صبح دس بجے اسلام آباد ائیر پورٹ پر نزول فرما ہوئے۔

چونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سرکاری مندوب کی حیثیت سے تشریف لائے تھے اس لئے حکومت کا ایک نمائندہ آپ کو لینے کے لیے ایرپورٹ موجود تھا نجی طور پر آپ کا استقبال کرنے والوں میں حکومت پنجاب کے سابق صوبائی وزیر مولانا قاری سعید الرحمان اور ان کے ایک دوست پیر عبدالقیوم شاہ صاحب بھی شامل تھے حضرت شیخ نے ان دونوں حضرات کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور سرکاری نمائندے کو دوسری گاڑی دے کر رخصت کردیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جب اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے تو اس کے خوبصورت مناظر، حسن وجمال، وسیع شاہرات اور پرسکون عمارتوں کو دیکھ کر آپ کا جمالاتی ذوق پھڑک اٹھا اور دیر تک اس کے حسن وزیبائش کی تحسین فرماتے رہے۔آپ کے قیام کے لئے حکومت کی طرف سے ایم۔این۔اے ہاسٹل کا کمرہ نمبر ۳ مختص کیا گیا تھا جب آپ کمرے میں داخل ہوئے تو کمرے کی محتویات کے سلیقے قرینے اور حسن ترتیب سے موجودگی دیکھ کر حد درجہ مسرت وابتہاج کا اظہار فرمایا۔چند ساعت کے ضروری حوائج سے فراغت کے بعد آپ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

دو بجے کے قریب واپسی ہوئی ظہر کی نماز ادا فرمائی کچھ دیر قیلولہ فرمایا قریبا چار بجے بیدار ہوئے، وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی راولپنڈی سے کچھ احباب ملاقات کی غرض سے آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کی چائے نوش فرمائی اور پانچ بجے کونسل کی شام کی

نشست کے لئے تشریف لے گئے۔رات کو نو بجے واپس ہوئے۔عشاء کی نماز پڑھائی اور کھانا تناول فرمایا، حسب معمول کچھ دیر آپ نے مطالعہ فرمایا۔رات کو گیارہ بجے کے قریب مفتی محمود صاحب کا فون آیا فون پر دیر تک دونوں حضرات کا سلسلہ گفتگو جاری رہا۔مفتی محمود صاحب کو اگلے روز مصر کے بعد دورے پر جانا تھا۔وہ قاہرہ کی بعض نامور شخصیات کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے معلومات اور ہدایات لینا چاہتے تھے۔

۱۴ اکتوبر جمعۃ المبارک کی صبح آپ نے نماز فجر کے بعد اپنے روزمرہ کے ضروری اوراد و وظائف سے فراغت کے بعد اپنے لخت جگر سید محمد بنوری کی معیت میں ناشتہ فرمایا اور قریب سوا نو بجے کونسل میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔کونسل کا یہ اجلاس تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا اجلاس سے واپسی پر آپ نے جمعہ کی نماز اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد میں ادا فرمائی اس مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد عبد اللہ صاحب گذشتہ پچیس سال سے ادا کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روز عزیز محمد بنوری کو جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں جمعہ کی ادائیگی اور مولانا مفتی محمود صاحب سے ملاقات نہ کرسکنے کی معذرت کے لئے بھیج دیا تھا۔کونسل کی دوسری نشست میں بھی حضرت نے شرکت فرمائی یہ اجلاس کافی طویل ہو گیا اور قریب دس بجے حضرت کی واپسی ہوئی حضرت جب اپنی قیام گاہ میں واپس تشریف لائے تو سید محمد بنوری، اور قاری محمد سعید الرحمان صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی پسندیدہ ڈش کڑاہی گوشت بنوا کر راولپنڈی سے لائے تھے اور کھانے کے لئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ فیصل آباد سے مفتی زین العابدین صاحب بھی آپ سے بغرض ملاقات آپ کے منتظر تھے۔

چنانچہ آپ نے محترم مفتی صاحب سے تخلیہ میں چند منٹ ضروری گفتگو فرمائی اور انہیں رخصت فرمایا آپ سے پوچھا گیا کہ حضرت پہلے نماز یا طعام؟ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے بعد جب میں ہاسٹل واپس آیا تو شریک طعام کوئی نہ مل سکا اس لئے بھوک نے اپنا تقاضا ظاہر نہ کیا اب کھانے کی طلب بڑھی ہے اس لئے پہلے کھانا کھائیں گے اور پھر اطمینان سے نماز پڑھیں گے پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ماحضر بڑے شوق سے تناول فرمایا پھر کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے آپ کو بعض امور کے بارے میں بڑی تشویش تھی اس سلسلہ میں مرحوم صدر ضیاء الحق سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے قاری محمد سعید الرحمان صاحب سے فرمایا کہ کل صدر مملکت سے رابطہ قائم کرکے ملاقات کا کوئی وقت لے لیں تو بہت اچھا ہے۔قاری صاحب موصوف اس کام کی حامی بھرنے کے بعد رات گیارہ بجے آپ سے رخصت ہو کر واپس راولپنڈی اپنے مدرسے میں چلے گئے۔اس طرح رات کو گیارہ بجے کے قریب آپ آرام فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔

۱۵ اکتوبر ہفتہ کی صبح تہجد کے لئے حسب معمول اٹھے اور نوافل ادا کئے۔اس کے بعد چائے کا دور چلا پھر نماز فجر کی امامت فرمائی نماز کے بعد راولپنڈی سے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم، مولانا عبد الستار صاحب قاری محمد امین صاحب اور حاجی محمود صاحب حضرت سے ملاقات کی غرض سے آئے حاجی محمود صاحب اپنے گھر سے حضرت کے لئے ناشتہ بنوا کر ساتھ لے گئے تھے ان سب حضرات نے مل کر ناشتہ کیا۔ناشتہ کے بعد کچھ دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا پھر آپ نے ان احباب سے معذرت کی اور قریب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے سوا نو بجے کے قریب حضرت شیخ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد بیت الخلاء سے واپس آئے

دیکھا تو چہرے پر درد کی شدت کے اثرات اور ہاتھ میں تناؤ کی کیفیت ہے فرمایا:

محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی میرا گلا دبا رہا ہے۔

حضرت بار بار اپنے دونوں ہاتھوں سے گلے کو پکڑ کر اپنی تکلیف کی شدت کا بے اختیار اظہار فرما رہے تھے۔ آپ کے ایک تلمیذ مولوی حسین علی صاحب نے آپ کے گلے کی مالش کی جس سے قدرے افاقہ ہوا۔ حضرت الشیخ دوائیوں کا ایک بیگ مستقل اپنے ساتھ رکھتے تھے، اس میں سے ایک دوا کا استعمال فرمایا لیکن آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ تکلیف ایک دوسری نوعیت کی ہے اور ان دواؤں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت کی یہ کیفیت دیکھ کر سید محمد بنوری بے حد پریشان ہوئے اور راولپنڈی حضرت شیخ القرآن کو فون کر کے حضرت شیخ کی شدید علالت کی اطلاع دی۔

حضرت شیخ القرآن مرحوم فوراً آپ کی قیام گاہ پر پہنچے اور بعجلت تمام آپ کو پولی کلینک ہسپتال لے گئے وہاں ڈاکٹر شوکت صاحب نے آپ کا معائنہ کیا آپ کے مرض کی تشخیص کر کے آپ سے ہسپتال میں داخل ہونے کی درخواست کی جسے آپ نے منظور نہ فرمایا ڈاکٹر صاحب موصوف نے عزیز محمد بنوری کو بتایا کہ حضرت کے قلب پر اثر پڑا ہے اور تین روز تک شدید احتیاط کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب سے چند ضروری ادویات لے کر آپ واپس اپنی قیام گاہ تشریف لے آئے حضرت کی ناساز گار طبیعت کی وجہ سے آپ کے تمام پروگرام منسوخ کر دئے گئے اور آپ سے مکمل آرام کی درخواست کی گئی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب آپ نے تھوڑی سی مقدار میں دلیہ تناول فرمایا اور ساتھ ہی گرانی کی شکایت بھی کی نماز ظہر کی ادیگی کے لئے وضو فرمانے حمام میں تشریف لے گئے وضو خانے سے آپ نیم بے ہوشی کی حالت میں کمرے میں تشریف لائے، دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ اس دورے کی شدت کا یہ حال تھا، کہ حضرت عالم اضطراب میں بار بار کروٹیں بدلتے تھے اور زبان سے استغفر اللہ العظیم کا بلند آواز میں ورد جاری تھا۔

درد والم اس شدت کا تھا کہ جسم پسینے میں ڈوب گیا۔ حضرت کا لباس اور بستر تک گیلے ہوگئے اسی دوران اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین جسٹس محمد افضل چیمہ، مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل اور مولانا محمد تقی عثمانی بھی پہنچ گئے۔

جسٹس محمد افضل چیمہ نے سی۔ ایم۔ ایچ۔ راولپنڈی میں داخلہ کے لئے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا۔ ہسپتال کی طرف سے ایمبولینس بھیجنے اور پہنچنے میں مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا گیا۔

عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے دار الخلافہ اسلام آباد کے اہم ترین مقام ایم این اے ہاسٹل میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھی اور بروقت ایک عدد ایمبولینس نہ مل سکی۔ ۱۹۷۶ء میں واشنگٹن کے گورنر والیس پر قاتلانہ حملہ ہوا تو اخبار نویس موقعہ واردات پر صرف تین منٹ میں پہنچ گئے جب کہ ایمبولینس ساڑھے چار منٹ میں پہنچی اس معمولی سی تاخیر کو اتنی بڑی کوتاہی اور تقصیر قرار دیا گیا کہ پورا امریکی پریس چیخ اٹھا۔

مغرب میں انسانی جان کا اس قدر احترام ہے ہر ذی روح کی سانسیں ایک مقررہ تعداد میں طے کی چکی ہوتی ہیں۔ جن میں کمی و بیشی کا قطعاً امکان نہیں لیکن ظاہری اسباب کی فراہمی سے ایک گونہ طمانیت تو ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ بہر حال حضرت شیخ کو دوپہر

اڑھائی بجے کے بعد سی-ایم-ایچ کے آئی-ٹی-سی یونٹ میں داخل کیا گیا-ڈاکٹروں کے بس میں جو کچھ تھا انہوں نے ہر ممکن کوشش کی علاج معالجہ کا اہتمام کیا ملاقاتوں پر شدید پابندی لگادی -رات کو قدرے طبیعت میں سکون آیا تو مفتی زین العابدین صاحب مولانا محمد اشرف صاحب پشاوری اور میاں محمد اقبال کو تھوڑی دیر کے لئے حضرت کی زیارت کی اجازت دی گئی- اس وقت حضرت کو آکسیجن لگی ہوئی تھی- ان حضرات کو دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا ڈاکٹروں نے ہمیں نظر بند کردیا ہے-رات کو ہسپتال کے لان میں مولوی حسین علی صاحب اور حافظ محمد رفیق صاحب مع ایک گاڑی کے کسی فوری ضرورت کے لئے موجود رہے -رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کچھ دوائیاں منگوائی گئیں-

۱۶ اکتوبر کی صبح حضرت الشیخ کی طبیعت پہلے سے قدرے بہتر تھی کچھ حضرات کو ملاقات کی اجازت بھی مل گئی- حضرت الشیخ کی علالت کی خبر آپ کے اعزاء واحباب کو بذریعہ فون دے دی گئی تھی-

چنانچہ اسی روز پشاور سے مولانا محمد جان بنوری اور سید خالد بنوری (حضرت کے داماد، اور بھانجے) بھی پہنچ گئے کراچی سے آپ کے خصوصی معالج اور دوست ڈاکٹر عبد الصمد اور آپ کے ایک اور دیرینہ دوست سردار میر عالم خان لغاری بھی پہنچ گئے-آپ کو ان حضرات کے آنے کی اطلاع دے دی گئی آپ کے اعزاء واحباب؛آپ کے منتسبین اور متوسلین بار بار ڈاکٹروں سے آپ کی کیفیت جاننے کے لئے بے قرار تھے-

ڈاکٹروں کی طرف سے حالت تسلی بخش ہونے کا اظہار کیا جاتا رہا -رات کو گیارہ بجے ڈاکٹر عبد الصمد صاحب نے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے ہمراہ آپ کا خصوصی چیک اپ کیا علاج جس طریقے سے ہورہا تھا انہوں نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا لیکن حضرت شیخ کو دل کی تکلیف جس شدت کے ساتھ ہوئی تھی اس کے عود کرنے کا بھی خطرہ تھا، اس بنا پر ڈاکٹر یقین اور وثوق کے ساتھ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے یاس وطمانیت کے ملے جلے الفاظ سے حضرت شیخ کی کیفیت کا اظہار کر رہے تھے-

رات کو بارہ بجے کے بعد انچارج ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر کہ حضرت شیخ کی طبیعت اب قدرے پرسکون ہے اور یہ کہ اس یونٹ میں کسی شخص کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، معذرت کرکے تمام حضرات کو باہر جانے کی ہدایت کی حضرت شیخ کے کسی بھی عزیز دوست یا شاگرد کی حضرت شیخ سے یہ آخری ملاقات تھی ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷، پیر کی صبح پانچ بجے وہ وقت آن پہنچا جس کا پہنچنا ہر ذی روح کے لئے مقدر ومعین ہے-

دل کا آخری اور جان لیوا دورہ پڑا اور آپ اپنے مالک حقیقی سے جاملے- انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ کی زندگی کے ان آخری لمحات کے بارے میں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں اور دوسرے سٹاف سے جب صبح استفسار کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت شیخ کو دوائیاں دینے کی بہت کوشش کی لیکن آپ نے انکار فرمادیا-

فرمایا دوائی بس کرو ہمارا عالم بالا سے رابطہ ہوچکا ہے مہمان لینے کے لئے آگئے ہیں ہم تو چلے، یہ فرما کر بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا، اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ رو ہوگئے حضرت شیخ کے فرزند اکبر سید محمد بنوری کی روایت ہے کہ اباجان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں مرتے وقت تک بولتا رہوں گا میرے بولنے سے اندازہ مت لگاؤ مت میری صحت کتنی گر چکی ہے پھر مزید فرمایا کہ

میں اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جب تک میری حیات باقی ہے کسی کا محتاج نہ رہوں اور میری زندگی اگر مقدر ہو تو چار چیزوں کے ساتھ (۱) صحت (۲) قوت (۳) ہمت اور (۴) توفیق مرضیات

یہی چاروں چیزیں لازم وملزوم ہیں - حالات وواقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ حضرت الشیخ کے سانحہ ارتحال کی خبر سب سے پہلے ہسپتال والوں کی طرف سے مارشل لاء حکام کو دی گئی اور اس کے بعد جسٹس محمد افضل چیمہ کو، جسٹس صاحب موصوف نے یہ خبر آپ کے اعزہ واحباب تک پہنچائی - یہ خبر آن واحد میں پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی دوپہر بارہ بجے ریڈیو پاکستان کی طرف سے آپ کی وفات حسرت آیات کا اعلان مسلسل ہوتا رہا اس خبر کا نشر ہونا تھا - کہ پورا عالم اسلام غم واندوہ اور حزن وملال کی تصویر بن گیا تھا حیرت واستعجاب، تحیر وتحوک اور اضطراب وکرب کا مجسمہ بن گیا مشتاقان دید اور عاشقان قلب بدست ملک کے مختلف علاقوں سے راولپنڈی میں جمع ہونا شروع ہوگئے - ان میں دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ بھی تھے اور خانقاہوں کے صلحاء، واتقیاء بھی مساجد کے ائمہ اور اخبارات ومجلدات کے صحافی وادباء بھی کلیدی مناصب پر فائز اعلیٰ سرکاری حکام بھی اور کاروباری شخصیات بھی اور ہزاروں عوام بھی جنہیں کوئی جانتا نہ تھا، مگر وہ اپنے دلوں کی دنیا کا ماتم کرتے ہوئے راولپنڈی کھنچے چلے آرہے تھے -

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اعزہ واحباب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے اساتذہ کرام اور مسجد کمیٹی کے ارکان کی باہمی مشاورت سے طے پایا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ آپ کی علمی یادگار کے پہلو میں تیار کی جائے -

آپ کی تجہیز وتکفین کا سامان بھی اسی مناسبت سے کیا جانے لگا - جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں ہسپتال سے آپ کے جسد اطہر رکھا گیا، ظہر کی نماز سے قبل حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے جنہیں اکابر اور صلحائے امت سے والہانہ تعلق خاطر تھا ایک پر درد مرثیہ انداز میں آپ کے احوال اور ماثرات صالحہ کا ذکر کیا حضرت شیخ القرآن خود بھی ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے اور سامعین بھی اپنے دلوں پر ہاتھ رکھے مجسمہ ہائے آہ وبکا بنے ہوئے تھے - نماز ظہر کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب قدس سرہ العزیز (اکوڑہ خٹک) نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، روحانی اور دینی کارناموں پر بڑے مؤثر انداز میں تقریر فرمائی ٹھیک تین بجے آپ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی گئی -

آدھ گھنٹہ تک مشتاقان دید حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ انور کے ملکوتی حسن کے حضور بالچشمہائے غمناک عشق وشیفتگی کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے ٹھیک ساڑھے تین بجے تابوت بند کردیا گیا چار بجے ایرپورٹ روانہ ہوئے اس قافلہ غمستان اور جماعت دل گرفتگان میں مولانا قاری محمد سعید الرحمان صاحب، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور محترم ڈاکٹر عبد الصمد شامل تھے - جہاز شام سوا چھ بجے اسلام آباد ایرپورٹ سے روانہ ہوا رات آٹھ بجے اس نے اپنی جبین نیاز کراچی کے مطار پر رکھ دی، گویا آہنگری کا یہ شاہکار بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو آخری سلام پیش کررہا ہو!

اہل کراچی کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حالات کی لمحہ بہ لمحہ ٹیلی فون کے ذریعہ اطلاع مل رہی تھی وہ اپنے دلوں کی دنیا کی بے تابی اور اپنی آنکھوں کی کرب آنگیز غمناکی کے ساتھ مصروف دعوات وختمات ہوگئے -

زبانیں سراپا التجاء والحاح بن گئیں اور دل ارتعاب واضطراب کے پیکر ان کے ظاہری اجساد کراچی میں مقیم تھے لیکن ان کے

قلوب وارواح ایک ہزار میل کے بُعد پر واقع اسلام آباد کا طواف کر رہے تھے۔

وحبب فان الحب داعیة الحب ------- وکم من بعید الدار مستوجب القرب

پھر ۱۷ اکتوبر کی صبح کو وہ لمحہ جانکاہ آن پہنچا جس میں وہ برچھی جگر کے پار ہوگئی جس کی خلش گذشتہ تین دنوں سے دلوں کو زخمی کررہی تھی۔ قضا کے ہاتھوں چلا ہوا تیر دل میں معلق ہوگیا وہ رعد جو ایک ہفتہ سے اپنی خوفناک کڑک سے دلوں کو دہلا رہی تھی اس نے دلوں کی دنیا خاکستر کرکے رکھ دی آپ کے متعلقین ومتوسلین کے لئے یہ محض ایک سنگین سانحہ نہ تھا بلکہ اپنے دامن میں صدہائے سانحات کو لئے ہوئے تھا۔

مصائب شتی جمعت فی مصیبة

صبت علی مصائب لوانها

صبت علی الایام لصرن لیالی

اور یا پھر

وما کان قیس هلکه هلک واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما

بہر حال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد اطہر جب کراچی پہنچا تو اہل کراچی دل تھام کے رہ گئے کراچی آمد اور پھر تدفین کے آخری مرحلے کی روئیداد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی ومعنوی فرزند محترم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب کی زبان سے سنیے

"جب جہاز رن وے پر رکا تو ہم لوگ وہیں کھڑے تھے جہاز رکتے ہی جب ڈگمگاتے قدم آگے بڑھے تو دل بے قابو ہو رہا تھا ٹھنڈا پسینا جاری تھا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے اور اچانک ایک ایسا چکر آیا کہ اگر قدم نہ روکتا تو گر جاتا اور جب حواس قابو میں آئے تو پھر آگے بڑھے اس وقت بجائے چمکتے روشن اور پُر نور چہرے کے سفید تابوت سامنے تھا، جس کے آتے ہی آہ وبکا کا بازار گرم ہوگیا نہ معلوم مخلوق خدا کہاں سے امڈ آئی تھی۔ اہالیان کراچی نے اتنا بڑا مجمع شاید ہی کسی جنازے میں دیکھا ہوگا۔ ایئر پورٹ سے معلوم نہیں کہاں تک موٹروں ٹیکسیوں سکوٹروں اور موٹر سائیکلوں پر سوگواروں، یتیموں اور پروانوں کا ایک ہجوم تھا ہر آنکھ پر نم ہر دل شکستہ تھا۔ افتاں وخیزاں بنوری ٹاؤن پہنچے تو گاڑی کو اندر لانا مشکل ہوگیا۔

آدھا گھنٹہ کی تگ ودو کے بعد تابوت گھر لے جایا گیا وہاں ایک کہرام برپا تھا۔ تابوت کھلا اور بے قرار دلوں کی بیقراری اور بڑھ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی اور تیز ہوگئی، آہ وبکا کی آواز سے فضا تھرانے لگی بمشکل تمام جلدی نماز جنازہ کا انتظام ہوا۔

چونکہ برادرم سید محمد بنوری نے پنڈی میں نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی اس لئے محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب (مرحوم) نے ان کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھائی اور سوگواروں کا بے پناہ ہجوم پروانہ وار اس ذات قدسی صفات کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے چلا اور اس طرح وہ منبع انوار جو زندگی بھر تو مسجد کے بائیں جانب قیام پذیر رہا خدا نے اسے اب مسجد کی دائیں جانب منتقل کردیا۔ جہاں ہر وقت سلام پڑھنے والوں اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عشق رسول کا یہ حال تھا کہ روضہ رسول ﷺ کی خاک پاک محفوظ کر رکھی تھی، ساتھ ہی چراغ میں جلنے والا تیل اور بیت اللہ کے غلاف کا ٹکڑا اور خانہ کعبہ کی چھت کی لکڑی اور جس ملفوف میں یہ قیمتی اشیاء محفوظ کر رکھیں تھی اس پر یہ وصیت تحریر فرما رکھی تھی کہ اس خاک پا کو میری آنکھوں کا سرمہ، تیل کو کفن کا عطر، غلاف کعبہ کو کفن کی زینت اور خانہ خدا کی چھت کی لکڑی کو قبر میں رکھ دیا جائے۔

الحمدللہ ان سب وصیتوں پر حسب ہدایت عمل کیا گیا۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واجعله من ورثة جنة النعيم واجعل مرقده روضة من رياض الجنة وافض عليه من شابيب رحمتك وعفوك ورضوانك وادخله الجنة جنة الفردوس بغيرحساب

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده واسقنا من علومه وبركاته وتقوٰه آمين يا رب العالمين بفضلك وكرمك وجودك واحسانك ويرحم الله عبدا قال آمينا

عالم گیر غم و دوہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر عالم اسلام میں جس قدر ماتم کیا گیا علماء اور شخصیات نے جو بیانات، خطوط اور تار دئے ریڈیو نے جو خصوصی پروگرام نشر کئے، عربی، اردو اور انگریزی رسائل نے جو کچھ لکھا، پاکستان کی مختلف دینی اور سیاسی شخصیات نے جو تعزیت نامے بھیجے، پاک و ہند و بنگلہ دیش کے سیکڑوں عربی مدارس میں جو تعزیتی اجلاس اور بے شمار ختم قرآن کریم ہوئے یہاں ان سب کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

بطور نمونہ چند بیانات کے مختصر اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

عزت مآب جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و چیف آف آرمی پاکستان:۔ ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات سے مجھے دلی صدمہ پہنچا مولانا کی موت نہ صرف پاکستان کے دینی، علمی، اور قومی حلقوں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مرحوم نے حدیث فقہ اور دیگر اسلامی موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں وہ ہمارے دینی و علمی سرمایہ کا گرانقدر حصہ ہے آپ عربی کے ایک بلند پایہ عالم، جید محدث پرجوش مبلغ اور باعمل بزرگ تھے۔

مولانا بنوری ایک دینی درس گاہ کے بانی اور سرپرست تھے اور انہوں نے ساری زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف رکھی۔ وہ نہ صرف پاکستان میں اسلام کی عظیم خدمات انجام دیتے رہے بلکہ انہوں کئی موقعوں پر بیرونی دنیا میں بھی پاکستان کی بہترین نمائندگی کر کے وطن عزیز کے وقار میں اضافہ کیا۔

زندگی کے آخری دنوں میں وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے پاکستانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے عظیم کام میں ہاتھ بٹا رہے تھے کونسل کے مختلف اجلاسوں میں انہوں نے متعدد اہم امور پر قیمتی مشورے دئیے جو مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

ان کے انتقال سے اسلامی نظریاتی کونسل میں ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جسے مشکل سے پر کیا جائے گا میری دعا ہے کہ اللہ ہمیں مرحوم کا مشن پایہ تکمیل کو پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں بلند و بالا درجات سے نوازے میری یہ دعا ہے کہ خالق دوجہاں آپ کو اور مولانا کے دیگر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محترم جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ صدر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد:۔ کونسل کے ان چند اجلاسوں میں جنہیں حضرت کے شمول کا شرف حاصل ہوا، ہر رکن ان کے علم و فضل اور فراست مومنانہ سے بہت متاثر ہوا اکثر اختلافی مسائل اور مباحث حضرت کی مداخلت سے نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوجاتے، مولانا ایسی جامع صفات شخصیت کا ملنا پاکستان میں محال ہے وہ

متبحر عالم، اخلاق حسنہ کے پیکر، علم ومعرفت اور سنت نبوی ﷺ کے رازدان تھے۔

مفتی محمود صدر قومی اتحاد از مکہ مکرمہ :۔ پتہ چلا کہ وہ تعزیتی پیغام جو میں نے قاہرہ سے بھیجا تھا آپ کو نہیں مل سکا لہذا مکہ مکرمہ سے آپ کے ممتاز والد اور بزرگوار کے انتقال پر ملال پر دوبارہ تعزیتی پیغام بھیج رہا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ابدی سکون بخشے آمین۔

نوابزادہ نصر اللہ خاں نائب صدر قومی اتحاد :۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ عالیہ کی آخری کڑی تھے جس کا آغاز حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا، ان کی وفات سے نہ صرف پاکستان کو بلکہ عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب وطن عزیز میں اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے کوشش کی جارہی ہے۔ مولانا کی عدم موجودگی اس مبارک کام کی تکمیل میں مشکلات کا باعث بنے گی۔

حضرت مولانا مرحوم نے تحریک ختم نبوت کو جس استقلال اور جس تدبر سے کامیابی کے مراحل سے ہمکنار کیا اس کے لئے پوری قوم ہمیشہ ان کی شکر گزار رہے گی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کو ترقی درجات نصیب فرمائے۔

ائیر مارشل (ر) نور خان کراچی :۔ اپنے والد بزرگوار کے انتقال پر ملال پر تعزیت قبول فرمائیں اللہ تعالیٰ حضرت کی روح کو غریق رحمت فرمائے۔

میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی لاہور :۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سے ہمیں بہت صدمہ پہنچا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی روح کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور :۔ مولانا کے انتقال پر بہت ہی صدمہ پہنچا آپ کا انتقال دنیا اسلام کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔

شعبہ عربی جامعہ کراچی :۔ علامہ مرحوم ملک کے مایہ ناز عالم، محدث، محقق اور عربی کے بلند پایہ ادیب تھے آپ کی وفات عالم اسلامی کا عظیم نقصان ہے جس کی تلافی مستقل قریب میں پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ مرحوم کا عربی کے ایک ادیب ہونے کے ناطے شعبہ عربی سے گہرا تعلق رہا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم مجددی کابل افغانستان :۔ مولانا عالم اسلام کے ایک بڑے عالم تھے ان کے انتقال پر نہایت صدمہ پہنچا اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔

اہالیان پاکستان ۔ بندر عباس ایران :۔ ہم سب ایک بڑی ہستی کی شفقت سے محروم ہوگئے

مولانا رشید الدین ڈھاکہ :۔ اللہ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور حضرت کے اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے باغ (مدرسہ)

کو تاقیامت تروتازہ رکھے۔

مولانا محمد انوار الحق مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ جیری چاٹگام بنگلہ دیش :۔ آنحضرت اسلاف کرام کے علوم و حکمت کی زندہ یادگار تھے۔ جن کا ہمسر و عدیل صدیوں میں بھی میسر آنا مشکل ہے۔

الاستاذ محمد بن ہاشم انڈونیشیا:۔ عز علینا فقده وما الرزية به رزيتكم فحسب ولكنها رزية الجليل كله۔

رئیس الجامعۃ الاسلامیہ پٹیہ چٹا گانگ بنگلہ دیش :۔ مولانا کا وجود سراپا جودِ عرب و عجم تھا بالخصوص علمی دنیا کے لئے غنیمت عظمیٰ تھا آہ آج افق پاکستان سے ایک سورج غروب ہو گیا۔

مولانا امین الدین موزنبیق افریقہ :۔ امت مسلمہ پر عموماً اور ہم جیسے نالائقوں پر خصوصاً آپ کے جو احسانات ہیں۔ یقیناً خدائے ذوالجلال ان کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔

مولانا مطیع الرسول کینیا مشرقی افریقہ : گو ہم مرحوم سے ہزاروں میل دور پڑے تھے مگر مولانا مرحوم کی صرف یاد اور ان کا ذکر خیر اور انکا عالم ہستی میں وجود ہم لوگوں کے لئے ایک بہت بڑا سہارا اور باعث تسلی اور سکون تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس فرانس :۔ مرحوم حقیقی عالم کا نمونہ تھے۔ یعنی وسیع علم کے باوجود وسیع القلبی اور تواضع جس سے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی ہو جاتی تھی میرے دل میں ان کی بڑی عزت تھی

مولانا عبداللہ کا کا خیل نائیجیریا :۔ مرحوم کے لگائے ہوئے گلشن کی آبیاری اب آپ حضرات کی ذمہ داری ہے اور آپ حضرات ہی کی طرف ہماری نگاہیں اٹھتی ہیں۔

فیجی مسلم لیگ فیجی :۔ فیجی کے مسلم باشندوں کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی وفات کی خبر سن کر بہت سخت دلی صدمہ ہوا سب مسلمانوں کا اجتماع ہوا اور حضرت مولانا کے لئے دعا کی گئی۔

مولانا رشید احمد جزیرہ ریونین :۔ ہم ایک جید عالم سے محروم ہو گئے انہوں نے ردقادیانیت میں جو اسلام کی خدمات انجام دی ہیں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

یوسف لوسا کا زمبیا : حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سے ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ان کا انتقال ناقابل تلافی نقصان ہے۔

اسلامک ٹرسٹ جنوبی افریقہ : جنوبی افریقہ کے سارے مسلمانوں کی طرف سے ہمارا ادارہ حضرت مولانا کے انتقال پر تعزیت پیش کرتا ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اس کے علاوہ جمعیۃ علماء نٹال مولانا محمد اسماعیل بھامجی مولانا مفتی سنجالوی، ٹرانسوال "جمعیۃ علماء اسلام" ابراہیم میاں، اسمٰعیل

گارڈی اور جنوبی افریقہ کی بہت سی انجمنوں اور فیملیوں کی طرف سے تعزیت کے تار اور خطوط ملے۔

شیخ عبدالخالق طارق جنجا یوگنڈا :۔ مولانا بنوری کے انتقال سے مجھے اور میرے سب ساتھیوں کو بہت دکھ پہنچا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کی پاک روح کو جنت میں ابدی سکون بخشے۔

شیخ محمود صبحی امین عام جمعیتہ الدعوۃ الاسلامیہ طرابلس لیبیا :۔ شیخ محمد یوسف بنوری دنیا اسلام کے ایک عظیم مفکر تھے ان کی موت صرف آپ کے لیے باعث نقصان نہیں ہے بلکہ پاکستان اور دنیا کے سب مسلمانوں کے لئے ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ ان کی روح کو جنت الفردوس میں ابدی سکون بخشے آمین انا للہ وانا الیہ راجعون

پروفیسر فضل ہادی خرطوم سوڈان :۔ مرحوم کی وفات سے پاکستان کے علمی اور مذہبی طبقہ میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو شاید ہی پر کیا جاسکے مرحوم کی وفات سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلامی کو عظیم صدمہ پہنچا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت ابوظہبی :۔ حضرت مرحوم کے وصال سے ہم سب یتیم ہوگئے ہیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ خلیفہ شارجہ :۔ اتقدم بخالص لاعزاء فی وفاۃ والدنا واستاذنا الجلیل فضیلۃ الشیخ مولانا محمدیوسف بنوری الامام الجلیل والعالم الفقیہۃ المحدث رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

السید علی الہاشمی القاضی الشرعی الآول ابو ظبی :۔ العلامہ الربانی وان وفاتہ لخسارۃ فارحۃ للعالم الاسلامی باسرہ

مولانا ابوالحسن ندوی لکھنو :۔ میری، مولانا نعمانی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تمام ملازمین کی جانب سے تعزیت قبول فرمائیں۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبند :۔ آپ کے قابل وفاضل والد بزرگوار کے انتقال کی خبر سنتے ہی ہم سب جمع ہوئے اور تعزیتی جلسہ میں مرحوم کے لئے دعائیں کی گئیں

مولانا محمد باقر حسین المدرسہ العربیہ الامدادیہ مرادآباد الھند :۔ کان لہ اثر بالغ فی مجال الفکر الاسلامی وان تراثہ العلمی ماثرۃ قیمۃ فی مجال العلم والادب۔

مولانا عبدالحفیظ مظفر نگر انڈیا :۔ حضرت کے سانحہ ارتحال سے علمی دنیا کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے اور حدیث شریف کی بزم رحمت کا وہ چراغ گل ہوگیا ہے جس سے ہندوپاک ہی نہیں پورا عالم اسلام منور تھا۔

مولانا محمد ارشد مدنی انڈیا :۔ مولانا کی خصوصیت تھی کہ اکثر وبیشتر ان کی گفتگو علمی اور نایاب علمی جواہر پاروں پر مشتمل ہوتی تھی۔

سماحتہ الشیخ احمد عبد العزیز آل مبارک رئیس القضاۃ الامارات العربیہ:۔

انہ رحمہ اللہ الی جانب ماثرہ وعلمہ وفضلہ کان صدیقا شخصیا لنا لانہ کان یتصف بکل صفات الرجل المومن للعالم الحریص علی دینہ الساعی لنہضۃ امتہ المتوقد نشاطا وحیوتہ ہنا وہناک فی کل مجال یری فیہ مصلحۃ الاسلام والمسلین.

لقد کان من جنوداللہ حقا الذین وقفوا حتی آخر لحظۃ من حیاتہم یذودون عن حمی الاسلام وارضہ ودینہ ویکافحون فی کل موقع نزل فیہ کفر اوعمت فیہ بدعۃ اوظہر فیہ زندیق

.. لقد ظل رحمہ اللہ تعالی مجاہداحتی سقط وہوفی ساحۃ المیدان حینما توفاہ اللہ وہو یسعی لتحکیم شریعۃ اللہ فی باکستان ..

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب دہلی انڈیا ::۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خبر سنی سکتہ کا عالم طاری ہوگیا مدارس عربیہ میں ایصال ثواب کا سلسلہ جاری ہے ان کی اس دور میں ہم سے جدائی ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا اسماعیل جامعہ حسینیہ راندیر انڈیا:

لوح امکان سے آج مٹتی ہے ---------- علم وفضل وکمالات کی دولت

مولانا ابوالکمال محمد حبیب الحلیم فرنگی لکھنو انڈیا:۔ یہ سال عالم اسلام کے لئے زبردست علمی محرومی کا باعث ثابت ہوا کیسے کیسے متبحرین ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔

مولانا احمد رضا بجنور انڈیا:۔ رفیق محترم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے انتقال پر ملال کی خبر اچانک سن کر جو حالت دل ودماغ کی ہوئی اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں یہ خبر اس وقت سنی جب حضرت شاہ صاحب کے سیمنار میں شرکت کے لئے جموں پہنچ چکا تھا اور بڑی توقع تھی کہ موصوف کا بھی کوئی مقالہ اس موقع کے لئے یا مختصر پیغام ضرور سرینگر پہنچا ہوگا، مگر یہ وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ موصوف ہم سے اس طرح اچانک جدا ہوجائیں گے بہر حال وقت مقرر تھا

انا للہ وانا الیہ راجعون

عالم محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سوریا (شام):۔ کان رحمہ اللہ کنز العلوم والفضائل لکل مستفید وسائل وکان رایہ ثاقبا وفکرہ مصباحا وضاء لنیر السبیل للسالکین والمستہدین اما غزیر علمہ ومکنون حفظہ فہوالبحر العذب النمیر والکوثر الصافی المورد ۔۔

لقد کان لی۔ واللہ۔ الروح والبلسم والمنہل العذب الذی لایشبع منہ الناہلون ولایظفر بمثلہ الطالبون یوسف ہذا العصر فی علمہ ودینہ وجہادہ وجہودہ وکفاحہ فی وجہ کل عاد ومغیر علی الاسلام والمسلمین

مجمع البحوث الاسلامیہ الازہر قاہرہ: حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر مجھے قاہرہ میں ریڈیو کے ذریعہ بہر اسلام آباد کے مصری سفارت خانہ کے برقیہ کے ذریعے سے اطلاع ملی موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی شیخ الازہر

نے بڑے اچھے انداز میں تقریر فرمائی، اور پھر شیخ الازہر کی طرف سے شیوخ ازہر کا وفد تعزیت کے لئے میرے ہوٹل آیا — مولانا مرحوم صرف آپ کے والد نہیں تھے وہ بہت سے لوگوں کو یتیم بنا کر چلے گئے۔

اللہم اغفرلہ اللہم ارحمہ اللہم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد اللہم برد مضجعہ (گرامی نامہ مفتی محمود)

مولانا اسعد مدنی از قاہرہ :۔ ہم جیسے ان گنت خدام کے لئے جو کہ سارے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں بڑا صدمہ ہے یقین رکھیئے کہ عالم بھر میں لوگ آپ کے غم میں شریک ہیں

ریاض الحطیب سفیر سعودیہ :۔ آپ کے ممتاز والد بزرگوار کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر نہایت غمزدہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد احمد رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ :۔ جس غم واندوہ کے عالم میں حضرت والا کی وفات کی خبر مکہ مکرمہ میں سنی گئی وہ بیان سے باہر ہے ہر شخص اور ہر متعلق غم سے نڈھال تھا۔ دوسرے روز صبح اخبار میں تفصیل پڑھی تو غم کی انتہا نہ رہی۔ رابطہ کے امین عام شیخ محمد علی الحرکان اور الامین المساعد شیخ صفوت کی جانب سے ٹیلیگرام دئے گئے ہیں اللہ پاک حضرت والا کو جنت الفردوس میں عالی مقام عطا فرمادیں اور ان کے اس باغ کو جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے۔

فضیلۃ الشیخ محمد رشید فارسی مکہ مکرمہ قضی المغفورلہ۔ عمرہ فی التعلیم والتالیف والکفاح والطویل والجہد العظیم فی مقاومۃ المذاہب الھدایۃ

مولانا شمیم صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ :۔ کن الفاظ میں فقیہ امت مجاہد وقت اور عالم بے مثال حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی دائمی مفارقت پر آپ کو تعزیت لکھی جائے۔۔ مدرسہ صولتیہ کے ہال میں تمام طلبہ ومدرسین اور حجاج پاک کی ایک معتدبہ تعداد نے جمع ہو کر قرآن پاک اور خصوصی دعائے مغفرت کی

مولانا انعام کریم مدینہ منورہ : اس حادثہ جانکاہ سے جس قدر رنج وملال ہے حد بیان سے باہر ہے بے حد قلق ہے کیا تھا اور کیا ہو گیا یہاں مدینہ منورہ میں اس خبر کو سن کر صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔

محمد المدنی البخاری مدینہ منورہ : حضرت محدث شیخ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سے اہل مدینہ کو عموماً اور بخاری مہاجرین کو خصوصاً شدید صدمہ پہنچا حرم شریف اور مدرسہ تحفیظ القرآن میں قرآن کریم کے ختمات ہوئے اور مرحوم کے لئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔

مولانا عبد الغفار حسن : اس دور قحط الرجال کے بہت سے خطرناک فتنوں کی سرکوبی کے لئے مولانا محترم کی شخصیت انتہائی موثر تھی مولانا مرحوم کی قیادت میں جس طرح تحریک تحفظ ختم نبوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے اس کی نظیر پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

الامام المجاہد فی سبیل اللہ

حق تعالیٰ کا نظامِ قدرت و حکمت بھی عجیب ہے بعض حضرات بزمِ جہاں میں دیر سے آتے ہیں، مگر ان کو نشست "صدیقین اوّلین" کے پہلو میں دی جاتی ہے، امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:۔

انّہ سیکون فی آخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجراولھم، یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن۔ (مشکوۃ ص ۵۸۴)	اس امّت کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جن کو اجر، امّت کے پہلوں کا سا دیا جائے گا یہ لوگ، "معروف" کا حکم کریں گے، برائیوں سے روکیں گے اور اہلِ فتنہ سے لڑیں گے۔

یعنی "المعروف" کا حکم کرنا "المنکر" سے روکتے رہنا اور فتنہ پردازوں سے برسرِ پیکار رہنا، یہی تین وصف ایسے ہیں جو پچھلوں کو پہلوں سے ملا دیتے ہیں۔ بلاشبہ علم و فضل، طہارت و تقویٰ، زہد و تقدس وغیرہ ایمانی و انسانی اوصاف بھی نہایت گرانقدر ہیں، مگر ان سارے اوصاف سے آدمی مقبولیت عند اللہ میں اپنے ہم عصروں سے آگے نکل سکتا ہے، اور اپنے زمانہ کا مقتدا بن سکتا ہے، تاہم شمار اس کا اسی زمانے میں ہوگا جس میں وہ پیدا ہوا اور اس کے اجر و ثواب اور درجات کا پیمانہ بھی اسی دور کے لحاظ سے متعین ہوگا۔ لیکن جو چیز قرونِ متاخرہ کے افراد کو قرونِ اولیٰ کی شخصیت بنا دیتی ہے، وہ صرف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اہلِ فتن سے جہاد ہے۔

المجاہد فی سبیل اللہ الشیخ الامام السید مولانا محمد یوسف البنوری الحسینیؒ بھی انہی "الآخرون السابقون" میں تھے جنہیں بارشادِ نبوی "لھم مثل اجر اولھم" کے شرف و افتخار سے نوازا گیا اور جن کی پوری زندگی "اہل فتن" سے جہاد و پیکار میں گزری۔ "فتنہ" لغت میں سونے کو کٹھالی میں پگھلا کر، پرکھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "فتنہ" ان آزمائشوں کا نام ہے جن میں ایمان کا "زرِ خالص" پرکھا جاتا ہے، اسی ضمن میں وہ بدعتیں، گمراہیاں اور جدّت طرازیاں بھی آتی ہیں جن کو اپنے دماغ سے گھڑ گھڑ کر کجرو لوگ دین کے نام سے پیش کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو "اہلِ فتنہ" کہا جاتا ہے اور انہی اہل فتنہ سے جہاد کی فضیلت بیان فرمائی گئی جسے اوپر نقل کر چکا ہوں۔

حق تعالیٰ نے زائغین کے برپا کردہ فتنوں کو ایمان کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی بنایا ہے یعنی اسے ان فتنوں سے تنفر ہے یا ان کی طرف کشش؟ جس شخص کے دل میں ایمان جتنا قوی، جتنا مضبوط اور جتنا صحت مند ہوگا اسے فتنوں سے اسی قدر نفرت اور بغض و عداوت ہوگی۔ اس کے برعکس جس کا ایمان جس قدر کمزور، زنگ آلود اور مریض ہوگا اسے فتنوں کی طرف اسی نسبت سے کشش ہوگی۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد مروی ہے:۔

تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عوداً عوداً، فایّ قلبٍ اشربها نکتت فیه نکتة سوداء، وایّ قلبٍ انکرها نکتت فیه نکتة بیضاء، حتٰی تصیر علیٰ قلبین، ابیض مثل الصفا فلا تضرّہ فتنة مادام السمٰوات والارض. والآخر اسود مرباداً کالکوز مجخیاً، لایعرف معروفا ولاینکر منکراً الاّ مااشرب من ھواہ.

(مشکوۃ ص ۴۶۱)

فتنے قلوب کے سامنے اس طرح آئیں گے جیسے چٹائی میں ایک تنکا بنا جاتا ہے، سو جس دل نے ان کو جذب کرلیا اس پر سیاہ داغ اور جس دل نے ان سے تنفر کیا، اس کو سفید نشان لگتا جائے گا، یہاں تک کہ دلوں کی دو قسمیں ہوجائیں گی، ایک سفید، سنگِ سفید کی طرح صاف، ستھرا اور چکنا، کہ رہتی دنیا تک اسے کوئی فتنہ نقصان نہیں دے گا۔ دوسرا کالا بھجنگ، کوزہ کی مانند الٹا، یہ سوائے اپنی خواہش کے، جو اس میں رچ بس گئی ہے، نہ کسی بھلائی کو بھلائی سمجھے گا، نہ بدی کو بدی۔

اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ فتنے ایمان کی صحت و مرض کے لیے مقیاس اور کسوٹی ہیں، جن قلوب میں فتنوں سے مقابلہ کی تب و تاب ہو وہ "صحت مند" کہلائیں گے اور جن میں فتنوں سے مصالحت کی استعداد ہو وہ "مریض الایمان" ہوں گے اور مرض بڑھ جانے کی صورت میں یہ لوگ ایمان سے محروم ہوجائیں گے۔ اہل فتنہ سے قتال "ایمان" کا بلند ترین مرتبہ ہے اور اس جہاد و قتال کے لیے چند اوصاف اور صلاحیتیں درکار ہیں:۔

اول: سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے میں اس کا نام "ایمانی حِس" رکھوں گا، اور یہ وہی چیز ہے جس کی طرف اوپر کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی جس طرح ہم آنکھ سے دیکھنے کا، کانوں سے سننے کا، زبان سے چکھنے کا کام لیتے ہیں اسی طرح مومن کے دل میں ایک "ایمانی حاسہ" ہونا چاہیئے جو فتنہ کی بو سونگھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ہر فتنہ کے رنگ و روغن کی تہ میں چھپی ہوئی اصل حقیقت کو پہچان سکتا ہو، اگر یہ "ایمانی حِس" موجود نہیں اور اس کے گرد و پیش فتنے منڈلاتے ہیں مگر اسے کوئی احساس نہیں تو سمجھنا چاہیے اس کا ایمان تندرست نہیں بیمار ہے۔

دوسری چیز "ایمانی غیرت" ہے جس کے لیے فتنہ کی ناپاک بدبو ناقابلِ برداشت ہو اور وہ بے قرار ہو کر پکار اٹھے:

اینقص فی الدین وانا حیٌ "کیا میرے جیتے جی دین میں قطع و برید کی جائے گی"۔

(یہ امت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے صدیق کا جملہ ہے جو ان سے بے تابی کی اس حالت میں صادر ہوا تھا جب فاروقِ اعظم نے مانعین زکوۃ کے بارے میں ان سے نرم روی کی فرمائش کی تھی۔ رضی اللہ عنہما) مومن میں اتنی غیرت ضرور ہونی چاہیئے کہ دین کو بگڑتا ہوا دیکھ کر بے تاب ہوجائے اور فتنہ کی سرکوبی کیلئے جو کچھ اس سے بن پڑتا ہو اسے کر گزرنے کے لیے آمادہ ہوجائے۔

تیسری چیز بسالت وشجاعت ہے جو ایمانی غیرت کا مرکب بن کر آتش نمرود میں کود پڑے اور وہ وقت کے کسی بڑے سے بڑے فرعون وشدّاد کو خاطر میں نہ لائے۔

چوتھی چیز علم وفضل کا سازوسامان اور اسلحہ ہے، جس کے بغیر کوئی جنگ نہیں لڑی جاسکتی۔ امام ربانی مجددؔ الف ثانیؒ کی عبقریت سے کون ناواقف ہے؟ مگر یہ کم لوگ جانتے ہوں گے کہ اس دور کے ابوالفضل اور فیضی بھی آپ کے علم وفضل کا لوہا مانتے تھے۔

پانچویں اور آخری چیز حق تعالیٰ سے قلبی تعلق، اپنے ضعف وناتوانی پر نظر اور بارگاہِ خداوندی سے پیہم التجا ہے بہت سے لوگ صرف قلمی گھوڑے دوڑانے اور بازاروں میں نعرے لگانے کو فتح وکامیابی کا نشان سمجھتے ہیں جب کہ ان کا رشتۂ قلب بارگاہِ صمدیت سے پیوستہ نہیں ہوتا اور قرآن کریم کا اعلانِ بے نیازی:۔

ان ينصركم الله فلا غالب لكم وان يخذلكم فمن ذالذى ينصركم من بعده وعلى الله فليتوكل المؤمنون.	اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور جو چھوڑدے گا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟ اور اللہ پر بھروسہ چاہیے مسلمانوں کو (شاہ عبد القادرؒ)

ان کی نظر سے اوجھل رہتا ہے، نتیجہ یہ کہ وہ بزعم خود فتنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے خود فتنوں کا شکار ہوجاتے ہیں، اور ان کی تمام مساعی شہرت ونمود کے گرد چکر لگاتی ہیں۔

حضرت قدس سرّہ کو حق تعالیٰ نے ان تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا، جو فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لیے درکار ہیں۔ ان کی "ایمانی حِس" اتنی تیز تھی کہ نہ صرف دور سے فتنہ کو محسوس کرلیتی بلکہ اس کی باریک سے باریک رگوں کو بھی ٹٹول لیتی "ایمانی غیرت" ایسی پر جوش تھی کہ انہیں ہمہ دم فتنوں کے خلاف بے قرار اور آتش زیر پا رکھتی، شجاعت وجرأت ایسی تھی کہ بڑے بڑے فراعنہ سے ٹکرا دیتی، علم وفضل، فہم وفراست، عقل وتدبّر اور سیادت ووجاہت میں آپ کی برتری عرب وعجم میں مسلّم تھی اور حق تعالیٰ شانہ سے رشتہ قلب ایسا قوی، مضبوط اور استوار تھا کہ آسمان سے رحمتِ الٰہی کو کھینچ لاتا تھا، وہ ہر کام سے پہلے خدا تعالیٰ سے اتنی دعائیں، اتنی التجائیں، اتنے استخارے کرتے اور نالہائے نیم شبی میں اتنی سسکیاں بھرتے کہ مالک رؤف رحیم کو ان پر ترس آجاتا، وہ جب بھی میدانِ جہاد میں اترتے تو اسی کی رضا کے لئے اور اسی کے بھروسہ پر۔ پھر ان کا قلبی تعلق مرکز تجلیاتِ الٰہی، کعبہ مشرفہ اور معدنِ انوار نبوت، روضۂ مطہرہ، سے ہمیشہ پیوستہ رہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام اربابِ قلوب سے جو ان کے علم میں تھے۔ ہمیشہ ربط تعلق رہتا اور ان سے بھی دعاؤں اور التجاؤں کی مسلسل استدعائیں ہوتی رہتیں۔

آئیے اب ذرا دیکھیں کہ مسلسل نصف صدی تک یہ مردِ مجاہد فی سبیل اللہ۔ کن کن فتنوں سے نبرد آزما رہا۔

فتنۂ قادیان: آنحضرت ﷺ نے جہاں اور فتنوں کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی وہاں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خروج کی بھی اطلاع دی تھی، جھوٹے مدعیان نبوّت سے مقابلہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا اور "حدیقۃ الموت" میں مسیلمہ کذاب کو اس کی نبوت وامت

سمیت دفن کیا، اہلِ علم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ پیشگوئی سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کی جماعت پر صادق آئی:-

یایّھا الذین آمنوا من یّرتدّ منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقومٍ یّحبھم ویحبّونہ اذلّۃٍ علی المؤمنین اعزّۃ علی الکفرین، یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ سورۃ مائدہ ۵۶

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ آگے لاویگا ایک لوگ کہ ان کو چاہتا ہے، وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے، یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔ (شاہ عبد القادرؒ)

دور ما بعد میں جب بھی امّت میں نبوّتِ کاذبہ کا دجّال فتنہ اٹھا، حق تعالیٰ نے اس کی سرکوبی کے لیے ایسے رجالِ کار کو کھڑا کیا جن میں یہی "صدیقی نسبت" کار فرما تھی اور جو یحبھم ویحبّونہ -الخ- کے مصداق تھے۔ اسی سنّتِ الیہ کے مطابق جب مرزا غلام احمد قادیانی (اللعین بن اللعین) کی نبوّتِ کاذبہ کا فتنہ اٹھا (جو اس صدی کا سب سے منحوس وملعون فتنہ تھا) تو اس شجرہ خبیثہ کے استیصال کے لیے حق تعالیٰ شانہ علماء ومشائخ کی ایک جماعت کو آگے لائے۔

اس فتنہ کا ادراک سب سے پہلے سیّد الطائفہ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو ہوا اور منکرینِ ختم نبوّت کے خلاف کفر کا فتویٰ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند نے "تحذیر الناس" میں دیا۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہر عارف کو اس کے علوم ومعارف کی ترجمانی کے لیے ایک لسان عطا کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت شمس تبریزؒ کی لسان مولانا رومیؒ تھے اور پھر فرماتے تھے کہ "میری لسان مولانا محمد قاسمؒ ہیں، جو علوم میرے قلب پر وارد ہوتے ہیں، مولانا محمد قاسمؒ ان کو کھول کھول کر بیان فرمادیتے ہیں" اس لیے کہنا چاہیے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فتویٰ حضرت حاجی صاحبؒ کے قلبِ صافی کا پرتو تھا، اس طرح "فتنہ قادیانیت" کی تردید کی تحریک کا آغاز حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کی "لسانِ علوم ومعارف" حضرت نانوتویؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اس تحریک کو مسلسل جاری رکھا، اس فتنہ کے استیصال کے لئے یوں تو بہت سے اکابر نے زرّیں خدمات انجام دیں (جن کی تفصیل کے لیے دوسری فرصت درکار ہے) لیکن جس شخصیت کو اس دور کی قیادت وامامت تفویض ہوئی اور جسے حضرت بنوریؒ کے الفاظ میں "واسطۃ العقد" کہنا چاہیے، وہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ذاتِ گرامی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ کو قادیانی فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئیدادِ غم حضرت بنوریؒ سے سنیں:-

"امّت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنتیں کی ہیں ان میں سے سے امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دار العلوم دیوبند کا پورا اسلامی مرکز انہی کے انفاسِ مبارکہ سے اس

شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا، قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصرؒ نے جس طرح تجزیہ کرکے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر عالمِ اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم نے خود بھی گرانقدر علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی واعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ "جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دینِ محمدی ﷺ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا! "چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہوجائے گا"

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصر کو، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل میں ایک زخم ہوگیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے: "لعین بن اللعین لعینِ قادیان" اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی، فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے، فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی دردِ دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار پر مجبور ہیں "(۱)۔

قادیانیت کے خلاف یہی درد وسوز، یہی بے چینی وبے قراری اور یہی غیظ وغضب حضرت بنوریؒ کو اپنے شیخ انورؒ سے وراثت میں ملا تھا۔ اس شعلہ افشاں نفرت وبیزاری کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے، "نفحۃ العنبر" میں لکھتے ہیں:۔

"فبدت فی هذه الایام کبری تدع الارض بلاقع، الوهی الفتنة الکارثة التی تسمی بالفتنة القادیانیة والطائفة المرزائیة تعزی الیٰ زعیمها الضالّ المرزا غلام احمد القادیانی الهندی، وقد وصل الی امه الهاویه، نارحامیه، فکان عتلاً زنیماً، معتدیاً اثیماً، اخرأ وقاحا، اذاع فی اذنابه کفراً بواحاً وضلا لاصراحاً، لم یغادر شیئاً من شعائر الاسلام الا ازعجه وابطله ونحن نذکر نبذاً من احوال هذه الفتنة المارقة من الدین الباغیة علی الله ورسوله وسائر المسلمین". الخ (ص ۱۹۵ طبع جدید)

حضرتؒ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن پشاور تشریف لائے تو وہاں کے سرکاری حلقوں اور انگریزی خواں نوجوانوں میں قادیانیت کا خاصا اثر ورسوخ تھا۔ وہ کھلم کھلا قادیانیت کی تبلیغ کرتے اور "یوم النبی" کے نام پر جلسہ عام بھی کرتے۔ مرزائیوں کی یہ کھلے عام مرتدانہ سرگرمیاں حضرتؒ کی "ایمانی غیرت" کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کا انسداد ضروری تھا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ قادیانیوں نے حسبِ عادت "یوم النبی" کا اعلان کیا اور اس کے اشتہارات لگائے، میں نے اور میرے رفیق مولانا لطف اللہ نے باہم مشورہ کیا کہ قادیانیوں کی اس جرأت کا سدّباب ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے طے کرلیا کہ یہ جلسہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جلسہ کی تاریخ آئی اور

---

(۱) پیش لفظ مولانا محمد یوسف بنوریؒ: خاتم النبیین (فارسی، اردو ایڈیشن) ص ۲۴ شائع کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔

قادیانیوں نے مقررہ جگہ پر جلسہ کے انتظامات کے بعد کارروائی شروع کی تو ہم لوگ بھی اسٹیج پر پہنچ گئے۔ قادیانیوں کی طرف سے جلسہ کے صدر کا نام تجویز ہوا تو میں نے فوراً اٹھ کر اعلان کردیا کہ یہاں جلسہ مسلمانوں کا ہوگا، اور میں جلسہ کی صدارت کے لیے فلاں صاحب کا نام پیش کرتا ہوں، اس اعلان کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا، وہی ہوا، ایک ہنگامہ مچ گیا، ہماری اور قادیانیوں کی ہاتھا پائی ہوئی، بالآخر حریف پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا، ہنگامہ کا سن کر پورا شہر ٹوٹ پڑا، میں نے ختم نبوت پر تقریر کی، قادیانیوں کی مکاریوں سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ قادیانی ذلت ورسوائی کے ساتھ بھاگ گئے اور آئندہ ان کو کبھی کھلے بندوں جلسے کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

یہ حضرتؒ کا قادیانیت سے پہلا معرکہ تھا، جس میں آپ کو کامیابی اور قادیانیوں کو ذلت وشکست ہوئی۔ دیکھنے میں یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن جس بھیانک دور میں آپ نے ایمانی غیرت وحمیت اور جرأت وعزیمت کا یہ مظاہرہ کیا، اگر وہ پیشِ نظر ہو تو اسے فوق العادت کارنامہ تصور کیا جائے گا اور پھر آپ کے اس عملی اقدام کے جو نتائج سامنے آئے وہ شاید ہزاروں روپے کا لٹریچر تقسیم کرنے پر بھی رونما نہ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات (۳، مئی، صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) کے بعد آپ "جامعہ اسلامیہ ڈابھیل" سے منسلک ہوگئے، جو آپ کے شیخؒ کی یادگار تھی اور وہاں شیخؒ کے علوم وانفاس کی تشریح واشاعت میں مشغول ہوگئے، سب سے پہلے عربی میں اپنے شیخؒ کی ایک بلند پایہ سوانح "نفحۃ العنبر فی ہدی الشیخ الانور" مرتب کی، تذکرہ شیخ انورؒ کا ہو اور قلم ان کے جانشین بنوریؒ کا۔ ع

"ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا"

یہ کیسے ممکن تھا کہ شیخ انورؒ کا ذکر ردِّ مرزائیت کے بغیر رہ جائے۔ چنانچہ اس میں ایک اہم باب "الشیخ والفتنۃ المرزائیۃ" کے عنوان سے تحریر فرمایا جس میں قادیانیت کے دجل وتلبیس کا تذکرہ فرمایا اور اس کے ردّ وابطال میں علمائے امت، خصوصاً شیخ انورؒ کے کارناموں کی وضاحت فرمائی۔ قادیانی فتنہ کے خلاف شیخ انورؒ کی صدائے اسرافیل نے بحر محیط کے ساحل سے افغانستان تک مردہ دلوں کو کس طرح جگایا؟ اور اس کی گونج عراق، شام، مصر، حجاز وغیرہ عالم اسلامی میں کس طرح سنی گئی؟ اس کا تذکرہ کرنے کے بعد شیخ بنوریؒ لکھتے ہیں:۔

> "وهذا الذی تری الیوم فی ارجاء الهند من تاسیس لجنات وانعقاد اجتماعاتٍ حافلةٍ، واجراء الجرائد والمجلات لحسم عروق هذه الفتنة المتاصلة، لاسیما مساعی "جمعیة الاحرار "ورئیس شعبة تبلیغها المجاهد الباسل، غشمشم الامة، خطیب القوم، مولانا عطاء الله شاه البخاری اطال اللّٰہبقاءہ، وزاد همته واخلاصه کل ذالک من مآثره السنیّة الباقیة علی صفحات الدهر وسنّته الحسنة السائرة بین المسلمین. (۱)

(۱) نفحۃ العنبر فی ہدی الشیخ الانور: ص ۲۰۱، طبع جدید مجلس علمی کراچی۔

ترجمہ: اور آج جو تم دیکھ رہے ہو کہ اس فتنہ کی جڑیں کھودنے کے لیے ہندوستان کے گوشے گوشے میں جماعتیں بن رہی ہیں، جلسے ہو رہے ہیں، اخبارات ورسائل نکل رہے ہیں، خصوصاً مجلس احرار اور اس کے شعبہ تبلیغ کے صدر مجاہد بہادر، شیر امّت، خطیب قوم مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کی ہمت واخلاص میں ترقی فرمائے، کی مساعی یہ سب آپ کے (شیخ انورؒ کے) تابناک مآثر ہیں جن کا نقشِ دوام صفحاتِ زمانہ پر باقی رہے گا، اور یہ آپ کی سنّت حسنہ ہے جو مسلمانوں میں جاری وساری ہے"

۱۹۳۷ء میں آپ "مجلس علمی ڈابھیل" کی کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں مصر تشریف لے گئے، وہاں کے اکابر علماء سے تعلقات استوار کیے، علمائے دیوبند کے تعارف پر وہاں کے مجلّات میں گرانقدر مقالے شائع کئے مگر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے شیخ انورؒ کے مشن "ردِّقادیانیت" کو وہاں بھی فراموش نہیں کیا، وہاں کے تمام علماء ومشائخ کو قادیانیت کے خلاف جہاد کے لئے تیار کیا ان سے قادیانیت پر رسالے اور مقالے لکھوائے پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے لعل وجواہر سے آگاہ کیا۔ علامہ محمد زاہد الکوثری جنہیں مصر کے علمی فضا میں وہی بلند پروازی حاصل تھی جو حضرت شاہ صاحبؒ کو ہندوستان میں انہوں نے ایک مقالہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر رقم فرمایا جو "مقالاتِ کوثری" میں شامل ہے وہ اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب "عقیدۃ الاسلام" کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:۔

"وفی عقیدة الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیه السلام لمولانا الحر الکشمیری بسط القول فی وجوه دلالة الکتاب علی ماعلیه اصل الحق، فلیراجعها من شاء الاستزادة"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"بل لمولانا المحدث الکشمیری "کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" یوق فیه سبعین حدیثا تدل علیٰ نزوله علیه السلام" (مقالات کوثری۔ ص ۳۵۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اعلی الله سبحانه منزلة العلامة فقید الاسلام المحدث المحجاج الشیخ محمد انور الکشمیری فی غرف الجنان، وکا فأة مکافاة الذابین عن حریم دین الاسلام ، فانه قمع القادیانیة بحججه الدامغة، وحال دون استفحال شر معتد لیهم ومتطر فیهم بالهند کتب ممتعة فی الردّ علیهم بلغات شتیٰ، وحقق فی کتابه "اکفار الملحدین" امرا کفاد هؤلاء وامثالهم". (ص ۳۵۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کوثریؒ نے قادیانیت پر حضرت شاہ صاحبؒ کی تینوں تصانیف ("عقیدۃ الاسلام") ("التصریح بما تواتر فی نزول المسیح") اور ("اکفار الملحدین") مطالعہ کی تھیں، نیز یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بنوریؒ نے مصر میں اس سلسلہ میں کن کن حضرات سے ملاقات کی ہوگی اور انہیں فتنہ قادنیت سے آگاہ کیا ہوگا۔

بلاشبہ یہ حضرت بنوری قدس سرہ کی قادیانیت کے خلاف عظیم الشان مہم تھی جس میں انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

حضرتؒ ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یار میں حدیث و تفسیر کی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اسی دوران ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی تو یہ شیخ وقت فوراً میدانِ عمل میں آگیا اور ظفر اللہ قادیانی کی وزارتِ خارجہ کے خلاف احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کرنے لگا۔ یہ تحریک اگرچہ اپنے تمام مطالبات میں کامیاب نہیں ہوئی۔ تاہم کون نہیں جانتا کہ یہی تحریک ظفر اللہ خاں کی وزارتِ خارجہ کے ساتھ خواجہ ناظم الدین کی وزارتِ عظمیٰ کو بھی بہا کر لے گئی۔ تحریک ختم نبوت میں آپ کی شمولیت کا یہ تجربہ دراصل مستقبل کی تیاری کا پیش خیمہ تھا۔

۱۹۵۴ء میں حضرتؒ مستقل طور پر کراچی میں آگئے، کراچی میں آپ کے قیام میں حق تعالیٰ کی جو جو تکوینی مصلحتیں تھیں ان کی تفصیلات کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ مگر خیال ہوتا ہے کہ قدرت آپ کو کراچی کے مرکز میں لاکر "تحریکِ ختم نبوت" کی قیادت آپ کے سپرد کررہی تھی۔ آپ یہاں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ آپ کی سیادت و محبوبیت کا نقش دلوں پر ثبت ہونے لگا اور اندرون و بیرونِ ملک ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے تعلقات وسیع ہوتے گئے اور آپ کو ہر بڑے چھوٹے سے ملنے، ہر ایک کو پڑھنے اور سمجھنے اور ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس سے کام لینے کا موقع ملا، ظاہر ہے کہ یہ کام نہ ڈابھیل کے دور افتادہ خطے میں میسر آسکتا تھا نہ ٹنڈوالٰہ یار کے قصبے میں اور نہ "لال جیوہ" کے ویرانے میں۔ کراچی لاکر گویا قدرت نے "ولقد مکنّا لیوسف فی الارض" کا نقشہ لوگوں کو ایک بار پھر دکھایا اور حدیث نبوی ﷺ "ثم یوضع لہ القبول فی الارض" کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے آگیا۔

میں سوچتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ یہ بوریہ نشین مرد درویش جس کی نہ کوئی پارٹی ہے نہ تنظیم، نہ تحریک، نہ نعرہ، نہ اخبار، نہ رسالہ، (۱) نہ اشتہار، نہ دربار، نہ اسباب، نہ وسائل، شہرت و نمود کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں مگر اس کی مقناطیسی کشش کا یہ عالم ہے کہ ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگ اس کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں سیکریٹریٹ سے لے کر عام لوگوں تک سے اس کا گہرا رابطہ ہے۔ یہ عرب و عجم کے دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے اور اپنی آتش دروں اور حرارت قلب سے بے شمار قلوب کو گرما رہا ہے اور جدھر کو نکلتا ہے سیادت و وجاہت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ شیخ آدم بنوری الحسینیؒ کے فرزند کو قدرت یہ ساری دولتیں اسباب و وسائل کے بغیر عطا کررہی تھی، کیوں؟ اس لیے کہ اس صدی کے سب سے بڑے فتنہ۔ فتنہ قادیانیت کے استیصال کا وہ عظیم الشان کام اس سے لیا جانا ہے جو مجددین اور صدیقین سے لیا جاتا ہے۔ یہ ساری وہبی نوازشیں اسی کی تمہید ہیں۔

یاد آیا کہ ایک بار راقم الحروف نے حضرت سے عرض کیا کہ "حضرت! جس طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے "اکبری فتنہ" کے

---

(۱) "بینات" بہت بعد کو نکلا اور پھر حضرتؒ کی مقبولیت "بینات" کی رہینِ منت نہ تھی، نہ آپ نے کبھی اسے اپنی یا اپنے مدرسہ کی تشہیر کا ذریعہ بنایا۔

خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے حکومت کے اعلیٰ ترین اہلِ مناصب کو رام کیا تھا، آج بھی اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے"۔ یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا "جی ہاں! بالکل صحیح ہے، حضرت مجدّد صرف دین کے مجدّد نہیں تھے بلکہ طریقہ تجدید کے بھی مجدّد تھے"۔ اس وقت اس ناکارہ کو یہ احساس نہیں تھا کہ اس دور کے فتنہ عظیمہ کے خلاف، جس کی جڑیں حکومت میں اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی سے زیادہ گہری تھیں، حضرتؒ کو بھی قدرت امام ربانی کے نقش قدم پر چلارہی ہے اور حق تعالیٰ اس ملک کے صلاح قلوب کو آپ کی طرف از خود متوجہ فرمارہے ہیں۔ بہرحال اس دور میں حضرتؒ نے "عقیدہ ختم نبوت" کی حفاظت کے لیے خاموشی سے کام شروع کردیا، اور اس کے لیے تین میدان منتخب فرمائے۔

اوّل: اندرونِ ملک ہر طبقہ کے وہ سعید قلوب، جو اس مقصد کے لیے مؤثر اور کارآمد ہوسکتے تھے، آپ نے انہیں تلاش کر کر کے جوڑنا اور قادیانیت کے خلاف انہیں منظم اور بیدار کرنا شروع کیا۔ ان میں علماء بھی تھے، وکلاء بھی، کاروباری بھی تھے اور سرکاری ملازمین بھی۔ حضرتؒ کو معلوم تھا کہ ملک میں "مجلس تحفظ ختمِ نبوّت" اس فتنہ کے خلاف منظم طور پر پوری یکسوئی، تندہی اور جانفشانی سے کام کررہی ہے، حضرتؒ نے اس کی بھی سرپرستی شروع کردی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی اعانت ونصرت فرمائی، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں "مجلس تحفظ ختمِ نبوّت" کے زعیم حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ (جو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید اور خطیب العصر امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دستِ راست اور جانشین تھے) حضرت کی خدمت میں کراچی حاضر ہوتے، کئی کئی دن قیام رہتا، گھنٹوں حضرتؒ سے تنہائی میں مشورے کرتے۔ راقم الحروف ایک بار کراچی سے پنجاب گیا، مولانا محمد علی جالندھریؒ کی زیارت وملاقات میسر آئی، موصوف نے علیک سلیک کے بعد پہلا سوال اپنے مخصوص پنجابی انداز میں یہ فرمایا: "سنا پھیر میرے شیخ دا کی حال اے" اور "میرے شیخ" کا لفظ جس عظمت ومحبت کے لہجے میں ادا... فرمایا اس کی حلاوت وشیرینی کا لطف کاغذ پر کیسے منتقل کیا جائے؟

الغرض حضرت بنوریؒ نے خاموشی سے ان تمام حضرات کو اپنے ساتھ وابستہ کررکھا تھا جو اس فتنہ کی سرکوبی میں کوئی مؤثر کردار ادا کرسکتے تھے اور کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ مردِ مجاہد ختمِ نبوت کا قلعہ تعمیر کرنے کے لیے کہاں کہاں سے اینٹ مصالحہ ڈھونڈ کر لارہا ہے۔

دوم: قادیانی مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ خود اسلام کا مسئلہ تھا، اس لیے حضرتؒ نے عالمِ اسلام کے تمام اکابر علماء سے بھی رابطہ رکھا، انہیں قادیانی سازشوں کی تفصیلات سے مسلسل آگاہ کرتے رہے، ان کے گھناؤنے عقائد ونظریات کے علاوہ ان کی مسلم کش پالیسیوں سے انہیں چوکنا کرتے رہے اور اس رابطہ کے تین ذرائع تھے، اول یہ کہ باہر سے علماء کے جو وفود پاکستان آتے نیوٹاؤن میں ان کی تشریف آوری ہوتی، دوسرے حضرت بھی بین الاسلامی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے، تیسرے، سال میں کم ازکم دو بار حرمین شریفین میں حاضری ہوتی۔ جہاں عالم اسلام کا دل ودماغ سمٹ آتا ہے۔ ان تمام مواقع میں جہاں حضرتؒ کی عظمت ومحبت کا نقش عالم اسلام کے قلب پر مرتسم ہوتا۔ وہاں قادیانیت سے نفرت وبیزاری کی تحریک کو بھی انگیخت ہوتی ——— ربیع الاول ۱۳۹۴ - اپریل ۱۹۷۴ء میں مکہ مکرمہ میں "رابطہ عالم اسلامی" کی کانفرنس میں دنیا بھر کی ۱۴۴ تنظیموں کے نمائندوں نے جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی

تھی (۱) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی یہ تشکیلِ مجددانہ حضرتؒ کی محنتوں کے بغیر یہ سب کچھ ہو گیا تھا؟

حضرت قدس سرہ جہاں دنیا بھر کے علماء و مشائخ اور اعیان و اکابر سے رابطہ قائم کیے ہوئے انہیں قادیانی فتنہ کی سنگینی سے مسلسل آگاہ کر رہے تھے، وہاں ارباب قلوب اور اصحاب باطن سے بھی رابطہ استوار تھا، اور انہیں بھی اس سلسلہ میں "صرف ہمت" اور دعاؤ التجا کی طرف متوجہ رکھتے تھے۔

سوم: تیسرا اور آخری کام جو آپ نے کیا وہ عالم اسلام کے ارباب اقتدار (جن میں ملکوں کے سربراہ اور وزراء و سفراء سبھی شامل تھے) سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں قادیانی فتنہ سے باخبر رکھنا تھا۔ عرب ممالک کے جو سفراء ہمارے ملک میں وقتاً فوقتاً تعینات ہوتے رہے، ان میں سے اکثر و بیشتر حضرتؒ کے شناسا بلکہ قدردان محب تھے۔ اسلامی ممالک کے امراء و وزراء سے بھی اچھا تعارف تھا، خصوصاً پاسبانِ حرم شاہ فیصل شہیدؒ تو آپؒ کے بہت ہی قدرشناس تھے۔ شہید مرحوم سے آپ نے متعدد بار ملاقات بھی کی، اور انہیں بالمشافہ قادیانی فتنہ کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔ ایک ملاقات کا حال مولانا عبد الرحیم اشرف نے حضرتؒ کی زبانی یوں قلمبند کیا ہے:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ------ متع اللہ بطول حیاتہ نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ "مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی تحریک سے کچھ پہلے آپ حرمین حاضر ہوئے، تو ایک دوست نے از خود یہ کوشش کی کہ جلالۃ الملک سے ملاقات ہو۔ ملاقات طے ہو گئی۔ مولانا شاہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ ملک محترم نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا، اپنی کرسی سے بہت قدم آگے بڑھ کر مصافحہ فرمایا۔ گفتگو کا آغاز حضرت سے کیا اور گفتگو تمام تر قادیانیت پر تھی۔ (شاہ) اور اکثر و بیشتر امور میں پرزور تائید اور گرم جوشانہ حمایت کا وعدہ فرمایا۔ ملاقات ختم ہو گئی تو آرام سے مولانا کو الوداع کہنے دروازے تک تشریف لائے۔ مولانا اپنے رفیق کے ہمراہ شاہی محل سے نکل رہے تھے کہ شاہ شہید علیہ الرحمۃ بھی تشریف لائے۔ مولانا کو احساس ہوا تو راستے سے ایک کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ شاہ وہاں پہنچے تو مولانا سے حسب سابق آگے چلنے کو فرمایا۔ مولانا نے اس سے انکار فرمایا، اور شاہ سے درخواست کی کہ آپ ہی آگے چلیں، اس پر جلالۃ الملک نے مولانا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں آگے چلنے پر مجبور کر دیا، اور خود پیچھے پیچھے چلتے رہے، اور جب شاہی محل کے دروازے تک پہنچے تو دوسری بار مولانا کو گرم جوشی سے الوداع کہا"۔ (۲)

جہاں عالم اسلام کے ارباب حل و عقد کو اپنی نجی ملاقاتوں میں اس مسئلہ کی طرف متوجہ فرماتے، وہاں خطوط کے ذریعہ بھی توجہ دلاتے۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ نے ان مکاتیب کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ ورنہ یہ ہماری تاریخ کا قیمتی علمی و اصلاحی ذخیرہ ہوتا، تاہم یہاں حضرتؒ کے دو خطوں کا خلاصہ درج کرتا ہوں (۳) جو رفیق محترم جناب مولانا قاری سعید الرحمن کی وساطت سے راقم الحروف کو میسر آئے۔ ان میں پہلا خط شاہ فیصل شہیدؒ کے نام ہے اور دوسرا لیبیا کے صدر جناب کرنل معمر قذافی کے نام، یہ دونوں خط اس وقت لکھے گئے تھے جب ہمارے یہاں خدا کا قہر مسٹر بھٹو کے صدر اور عوامی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہونے کی شکل میں نازل ہو رہا تھا۔ جب مسٹر ایم ایم احمد قادیانی کا طوطی بولتا تھا، جب قادیانی مسٹر بھٹو کے زیر سایہ پاکستان پر داد حکمرانی دے رہے تھے، اور جب ہمارے ملک کے

---

(۱) اس قرارداد کا متن ضمیمہ میں دیکھئے۔ (۲) ہفت روزہ المنبر، فیصل شہید نمبر ۱۹-۱۲ شوال ۱۳۹۶ھ = ۱۳-۷ ستمبر ۱۹۷۶ء، ص ۱۳۔ (۳) اصل متن ضمیمہ میں دیکھئے۔

سب سے نازک طبقہ .... فوج .... کو آغوش قادیانیت کے حوالے کردیا گیا تھا۔ ان دنوں حضرتؒ پر بے چینی کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ ان کے خطوط کے بین السطور میں صاف پڑھی جاتی ہے۔

شاہ شہید کے نام تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدی ومولائی! ہر شخص اپنی طاقت وقدرت کے بقدر اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے، آنجناب کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام وسائل عطا کر رکھے ہیں۔ جن کے ذریعہ آپ ساری روئے زمین میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔

سیدی ومولائی! ہمیں علم ہے کہ جب ہمارے وطن عزیز پاکستان اور ظالم ہندوستان کے درمیان جنگ برپا ہوئی تو آنجناب نے پاکستان کی ہر ممکن مادی واخلاقی مدد فرمائی، جو سربراہان اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک قابل فخر نمونہ ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آپ کے اس کارنامہ پر دل کی گہرائیوں سے شکریہ بجالائیں۔

سیدی ومولائی! آج پاکستان قادیانیت کی جانب سے عظیم خطرہ میں ہے۔ بحریہ کا سربراہ حفیظ قادیانی ہے، فضائیہ کا سربراہ چوہدری ظفر قادیانی ہے، اور بری افواج میں ٹکا خاں کے بعد سترہ جرنیل لگاتار قادیانی ہیں حکومت یا تو اس مہیب خطرہ سے غافل اور جاہل ہے، یا پھر استعماری قوتوں، برطانیہ وامریکہ کے ہاتھ کا کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وہ مسلمانوں کو فوجی مناصب سے برطرف کر رہی ہے اور قادیانیوں کو بھرتی کر رہی ہے۔ لاریب کہ قادیانی اور ان کا امام متنبی کذاب، قبحہ اللہ، برطانیہ کا خود کاشتہ پودا اور برطانوی استعمار کا ساختہ وپرداختہ تھا، قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ حکومت برطانیہ "ظل اللہ فی الارض" ہے۔ جہاد منسوخ ہے اور یہ کہ تمام مسلمانوں پر برطانیہ کی نصرت وحمایت فرض ہے۔ وغیر ذالک من الکفر والہذیان

ان لوگوں کی کوشش ہے کہ کسی طرح برطانیہ کا عہد رفتہ واپس لوٹ آئے، اور پاکستان ان قادیانیوں کے ہاتھ میں آکر اس کا آلہ کار بنے اور برطانیہ کو از سر نو بحر احمر پر تسلط حاصل ہوجائے۔ اس بدترین سازش کے ہولناک نتائج آنجناب سے مخفی نہیں ہیں ----۔ آنجناب سے توقع رکھتا ہوں کہ پاکستان کو قادیانیوں کے چنگل سے چھڑانے میں اس کی مدد کریں۔ صدر بھٹو کو ان ہولناک نتائج سے متنبہ فرمائیں اور اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں کہ وہ ان لوگوں کو کلیدی مناصب سے الگ کردیں، تاکہ یہ لوگ اسلام کے لیے، اور اسلام سے پہلے خود بھٹو کے لیے، خطرہ نہ بن جائیں الغرض آپ اس نہایت خطرناک مصیبت کبریٰ سے پاکستان کو بچانے اور بھٹو کی کجروی کی اصلاح کے لیے ہر ممکن جہد بلیغ فرمائیں اور محض اللہ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ طاقت وقوت اور وسائل کے ذریعہ آپ وہ کردار ادا کریں جو واقعی ایک خلیفہ اور امام المسلمین کو فہم وبصیرت اور قوت کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔

ہم جناب والا کے حق میں ہر خیر وسعادت کے متمنی ہیں اور آرزو رکھتے ہیں کہ آپ کے مبارک ہاتھوں کے ذریعہ اسلامی ممالک کو ان ریشہ دوانیوں اور ملعون سازشوں سے نجات ملے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کی ذات کو اسلام کے لئے ذخیرہ اور مسلمانوں کی پناہ گاہ کی حیثیت سے باقی رکھے اور ربانی سائے تلے، جس کے جھنڈے آپ کے ملک پر لہراتے ہیں۔ آپ کی سلطنت کو

بقائے دوام بخشے۔ آخر میں میری طرف سے آنجناب کی ذات اور مملکت کے حق میں بہترین دعائیں اور گہری تمنائیں قبول فرمائیں"۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اور لیبیا کے صدر کرنل قذافی کے نام تحریر فرمایا:۔

"بعد از سلام مسنون گزارش ہے کہ مجھے آنجناب کی زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جبکہ طرابلس کی پہلی "دعوتِ اسلامی کانفرنس" میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔ آنجناب کی شخصیت میں اخلاص، قوت ایمان اور سلامتی فطرت کے آثار دیکھ کر اول وہلہ میں آپ کی محبت میرے دل میں جاگزین ہوئی۔ بعد ازاں آپ کی خیر وسعادت کی خبریں ہم تک پہنچیں، جن کی وجہ سے آپ بلاشبہ داد وتحسین کے مستحق اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے مایۂ فخر ہیں، حق تعالیٰ آپ کو اسلام کے لیے ذخیرہ اور مسلمانوں کی پناہ کی حیثیت سے سلامت رکھے، اور آپ کے وجود گرامی سے اسلام اور عرب کی عزت ومجد کے علم بلند ہوں۔ آمین۔

برادر گرامی قدر! آپ نے پاکستان کے موقف کی تائید کرکے اور ہر ممکن مادی مدد مہیا فرماکر جو احسان فرمایا ہے اس کا ہمیں اجمالی علم ہوا، حق تعالیٰ آپ کو اس حسن سلوک کا بدلہ عطا فرمائیں اور دنیا وآخرت میں آپ پر انعامات فرمائیں۔ آمین۔

اور اب میں آنجناب کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک عظیم خطرہ میں گھرا ہوا ہے اور وہ ہے فتنۂ قادیاں یا قادیانی تحریک۔ بحریہ کا قائد ایک بڑا قادیانی ہے، فضائیہ کا سربراہ قادیانی ہے، اور بری فوج میں ٹکا خاں کے بعد سترہ جرنیل ہیں جو سب قادیانی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ٹکا خاں بھی ریٹائر ہوجائیں گے۔ حکومت مسلمان افسروں کو فوجی مناصب سے معزول کررہی ہے۔ صدر کا اقتصادی مشیر ایم ایم احمد قادیانی ہے اور سر ظفر اللہ خاں کے، جو بڑا خبیث سازشی قادیانی ہے۔ صدر سے خصوصی روابط ہیں اور صدر اس کے مشوروں کی تعمیل کرتا ہے۔ غالباً آنجناب کو علم ہوگا کہ اس گروہ کا ضالّ ومضلّ مقتدا مرزا غلام احمد قادیانی مدعیٔ نبوّت تھا، اس نے پہلے مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بعد ازاں نبوت کا دعویٰ کردیا، اس کا عقیدہ تھا کہ برطانوی حکومت روئے زمین پر خدا کا سایہ ہے، جہاد منسوخ ہے اور یہ کہ برطانیہ کی نصرت وحمایت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ **وغیر ذالک من کفر وھواء۔**

"قادیان" کے بعد (جو ہندوستان میں رہ گیا) انہوں نے مغربی پاکستان میں "ربوہ" آباد کیا، جس کی حیثیت ان کے دارالخلافہ کی ہے۔ وہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی سے سازشیں تیار ہوتی ہیں۔ اور یہ عجلت میں تحریر کردہ عریضہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں۔ میں آنجناب سے اس وقت دو گزارشیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ صدر بھٹو کو اس خطرہ عظیمہ سے آگاہ کیجئے، یعنی قادیانی بغاوت، ملک کا قادیانی حکومت کے تحت آجانا، بحراحمر میں برطانیہ کی عزت رفتہ کا دوبارہ لوٹ آنا، اور بیک وقت تمام عربی واسلامی ممالک کا ناک میں دم آجانا۔ پس آنجناب سے درخواست ہے کہ آج حکومت پاکستان کو قادیانیوں کے، یا بلفظ صحیح برطانیہ کے چنگل سے چھڑا کر اس پر احسان کیجئے، جیسا کہ

قبل ازیں آپ اس کی اخلاقی ومادی مدد کر کے اس پر احسان کر چکے ہیں، اور محض اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول ﷺ کی، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے ہر قسم کی تدبیر و حکمت اور عزم و حزم کے ساتھ "صدر بھٹو" کی کجروی کی اصلاح کیجئے۔ بلاشبہ اسلام کی یہ عظیم الشان خدمت اللہ ورسول کی رضامندی کا موجب ہوگی۔ اسی کے ذریعہ اس رخنہ کو بند کیا جاسکتا اور اس شگاف کو پر کیا جاسکتا ہے کیونکہ فتنہ کا سیلاب خطرہ کے نشان سے اوپر گزر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت ومدد فرمائے۔

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا"

دوسری گزارش یہ ہے کہ جمہوریہ لیبیا میں جو قادیانی ڈاکٹر یا انجینئر کی حیثیت سے آئے ہیں انہیں نکالیے سنا گیا ہے کہ آپ کے ملک میں قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد آئی ہے ان میں ایک ڈاکٹر خلیل الرحمان طرابلس میں ہے، جو شعاؤں کے ذریعہ سرطان کے علاج کا خصوصی ماہر ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا سراغ لگایا جائے اور محض اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول ﷺ کی، اس کی کتاب کی اور مسلمانوں کے قائدین کی خیر خواہی کی غرض سے آپ کو ان کی اطلاع دی جائے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خدمت اسلام اور مسلمانوں کی مدد میں ثابت قدم رکھے، آپ کو اپنی رضا اور اپنے دین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کے ہاتھ سے خیر وسعادت کے وہ کام لے جن کے ذریعے مشرق ومغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ومجد میں اضافہ ہو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا مخلص

محمد یوسف البنوری

خادم الحدیث النبوی ﷺ الکریم فی کراچی

مندوب مؤتمر الدعوۃ الاسلامیہ الاول من پاکستان

الغرض یہ تین میدان تھے جن میں حضرتؒ نے قادیانیت کے مقابلہ میں کام کیا اور جن کا دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قادیانیت سے آخری جنگ لڑنے کے لیے حضرت نے اپنی بساط کی حد تک اسباب ووسائل مہیا کر لیے تھے۔ اندرون وبیرون ملک اس کے لیے زمین تیار کی جا چکی تھی، اور حضرتؒ کے سوزدروں اور آتش جگر نے اس فتنہ کے خلاف ملت اسلامیہ کو آتش فشاں میں تبدیل کردیا تھا۔ تاآنکہ ادھر قدرت آپ کو "مجلسِ تحفظِ ختم نبوت" کی قیادت کے لیے کھینچ لائی، اور ادھر خود قادیانیوں کے ہاتھ سے ربوہ اسٹیشن کے سانحہ کا دھماکہ کرادیا۔ جس سے ملتِ اسلامیہ کا آتش فشاں شعلے اگلنے لگا اور قادیانیت کفر کے خاکستر میں ڈھیر ہو کر رہ گئی (۱)۔

قادیانیت کے خلاف حضرتؒ نے جو کارنامہ انجام دیا، اس کے لیے دستِ قدرت نے آپ کو خود تیار کیا تھا، اور پیکرِ یوسفی میں لطیفہ نصرت خداوندی کار فرما تھا۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآہوئے چیں بستہ اند

---

(۱) پاکستان قومی اسمبلی کے فیصلے کی طرف اشارہ ہے، فیصلے کا اصل متن ضمیمہ ۳ میں دیکھیے۔

ور حضرتؒ کا یہ کارنامہ میرے نزدیک آپ کے "مقام صدیقیت" کا ظہور تھا، جس میں مجددانہ روح کارفرما تھی؛ اس لیے سید آدم بنوری کے فرزند گرامی کا یہ کارنامہ اس کے تمام اوصاف وکمالات اور فضائل ومناقب پر بھاری نظر آتا؛ اور بغیر کسی مبالغہ کے آپ کے حق میں وہی تبریک دہرانے چاہئیں جو آپ کے قلم عنبر رقم سے اپنے شیخ انورؒ کے حق میں نکلے تھے:۔

فهذه عندي ميزة كبرى اكبر من سائر مزايا الشيخ رحمه الله وتفرق سائر مآثره السامية فلولم يكن للشيخ حسنة غير هذه الحسنة العظيمة ومنقبة غير هذه المنقبة العالية لكفاه شرفاً وفضلاً ولكفاه شهادةً على انه كان ربانى هذه الامة بعهده، فهذه منقبة زهراً من بين سائر مآثره الخالدة يبقى آثارها الجميلة فى قلوب اهل الحق، وتتلألأ لامعة على صفحات التاريخ الاسلامى على انقراض الدهور وانقضاء العصور (۱)۔

میرے نزدیک یہ عظیم الشان کارنامہ شیخ رحمہ اللہ کے تمام کمالات سے بڑا اور ان کے تمام مآثر سامیہ سے فائق ہے اگر شیخؒ کے نامہ اعمال میں اس حسنہ عظیمہ کے علاوہ کوئی نیکی اور اس منقبت کے سوا کوئی فضیلت نہ ہوتی تب بھی آپ کے شرف وفضیلت کے لیے کافی تھی اور یہ اس امر کی کافی شہادت تھی کہ آپ اپنے دور کے ربانی ہیں۔ پس یہ آپ کے سارے دائمی مآثر میں سے زیادہ روشن منقبت ہے۔ جس کے آثار جمیلہ اہلِ حق کے قلوب میں باقی رہیں گے، اور آپ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک اسلامی تاریخ کے صفحات پر درخشاں رہے گا۔

مشرقی فتنہ: آج سے قریباً نصف صدی پہلے پنجاب وسرحد میں عنایت اللہ خان مشرقی کا غلغلہ بلند تھا، ایک طرف ان کی بیلچہ بردار "چپ ور ست" کی گونج درودیوار سے ٹکرا رہی تھی تو دوسری طرف ان کے "عسکری اسلام" نے ذہنی فضا میں ایک ہیجان پیدا کر رکھا تھا۔

دنیا کے بڑے بڑے ائمہ ضلل اور دعاۃ فتنہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو بعض چیزیں ان میں قدر مشترک نظر آئیں گی، مثلاً بلا کی ذہانت۔ غضب کی قائدانہ صلاحیت، بے پناہ کبرو غرور، انتہائی خودرائی وخود پسندی، سلف صالحین کی تحقیر، ہر بات میں نئی اختراع کا شوق، نمودو نمائش کا جذبہ اور تعمیر کے نام پر دین وایمان اور قوم ووطن کی تخریب۔

عنایت اللہ خاں مشرقی بھی اس گروہ کے سرخیل تھے وہ اپنے تئیں "علامہ" کہتے تھے۔ انہیں غلط فہمی تھی کہ قرآن کے مفہوم ومعانی عرش معلیٰ سے پہلی بار انہی کے دماغ پر نازل ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسی غرہ میں قرآن کریم پر مشق شروع کردی۔ پہلے "تذکرہ" نامی کتاب لکھی۔ یہ ان کے الحاد کا نقشِ اول تھا۔ پھر کچھ عرصہ کی خاموشی کے بعد "اشارات" لکھی، "خاکسار" تنظیم کی بنیاد ڈالی، ایک پرچہ جاری کیا اور بالآخر "مولوی کا مذہب غلط" نامی کتابچہ کے نمبر نکالنا شروع کردیے۔ یہ ان کی ساری ذہنی وفکری صلاحیتوں کا ماحصل تھا۔

چونکہ عنایت اللہ خاں مشرقی پشاور کی انگریزی درس گاہ میں مدرس رہ چکے تھے۔ اس لیے وہاں ان کا خاصا حلقہ اثر تھا اور حضرت

(۱) نفحۃ العنبر فی ہدی الشیخ الانورؒ۔ ص ۳۰۳ طبع جدید مجلس علمی کراچی۔

بنوریؒ جب فارغ التحصیل ہونے کے بعد پشاور پہنچے تو مشرقی نظریات اور علماء کے درمیان معرکہ کار زار برپا تھا، حضرتؒ آتے ہی اس میدان جہاد میں کود گئے، خاکساروں کو "ہل من مبارز" کا چیلنج کیا اور جلسوں اور تقریروں سے مشرقی فتنہ کا ناطقہ بند کر دیا، خاکساروں کا دعویٰ تھا کہ مشرقی صاحب کو علمائے مصر نے "علاّمہ" کا خطاب دیا ہے۔ علمائے ہند اس کے مقام و مرتبہ کو تو کیا پہنچتے اس کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، حضرت بنوریؒ مشرقی کے اس منبعِ علاّمیت کو خشک کرنا چاہتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں آپ مجلس علمی ڈابھیل کے مندوب کی حیثیت سے نصب الرایہ اور فیض الباری چھپوانے کے لیے مصر گئے۔ تو مشرقی کی کتاب "تذکرہ" علمائے مصر کو دکھائی اور اس کی تحریفات و کفریات سے انہیں آگاہ کیا۔ اس پر بعض علمائے مصر نے ایک استفتاء مرتب کیا اور علمائے ازہر کی جماعت کے ایک رکن اور "الازہر" کے مفتی شیخ یوسف وجوی نے اس کا جواب لکھا، جس میں مشرقی نظریات پر شدید تنقید کی گئی، اور انہیں صریح کفر والحاد قرار دیا گیا، غالباً مصر میں اس فتویٰ سے علمائے ہند کے بارے میں یہ تاثر لیا گیا کہ انہوں نے ایسے گمراہ شخص کا کیوں نوٹس نہیں لیا۔ اس پر حضرتؒ نے صورت حال کی وضاحت کے لیے ایک مختصر سا مضمون لکھا جو وہاں کے مجلہ "الاسلام" جلد ۷ شمارہ ۱، ۴۱، ۲۴ شوال، ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۶، دسمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ مقالہ کا عنوان تھا "کلمۃ عن الالحاد و کتاب التذکرۃ لاحد ملاحدۃ المشرق وجحود علماء الھند فی ھذا الصدد" حضرتؒ کا یہ تاریخی مقالہ ان کی دینی حمیت اور تب و تاب کا مرقع ہے، دین اسلام پر ملاحدہ کی دست درازیوں کا شکوہ کرتے ہوئے اسلام کی بے کسی کا نقشہ کس درد سے کھینچا ہے۔

اصبح الدین کثلۃ غنم لاراعی لہا، اومرتع خصب لاذائد عن حماہ، اویتیم مات ابواہ فاصبح من لایجد من یربیہ ویحنو علیہ او مریض مدنف اشرف علی الموت لا یلقی طبیباً یداویہ بجرعۃ عن دواء۔

آج دین کی حالت اس ریوڑ کی سی ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو، یا اس سرسبز چراگاہ کی سی ہے جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو یا اس بے کس یتیم کی سی ہے جس کے ماں باپ مر چکے ہوں اور بھری دنیا میں اسے کوئی مربی اور شفیق میسر نہ آئے۔ یا اس لاغر اور جاں بلب مریض کی سی ہے جسے کوئی طبیب نہ ملے جو اس کے منہ میں دوائی کا ایک گھونٹ ہی ڈال دے۔

مولانا اس مقالہ میں بتاتے ہیں کہ دین ملاحدہ کے نرغہ میں ہے، اس پر چہار جانب سے یورش ہو رہی ہے مگر مسلمان ہیں کہ وہ خواب غفلت میں مست، دین سے بے فکر، معاشی دوڑ میں منہمک اور عیش پرستی میں مگن ہیں، اسلامی شعائر پامال ہو رہے اور خود مسلمان اسلام کے بجائے مغرب کے شعارِ کفر پر فخر کر رہے ہیں، اس گراوٹ کو دیکھ کر مولاناؒ بے اختیار چیخ اٹھتے ہیں:

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد — ان کان فی القلب اسلام وایمان

اس حالت پر دل غم سے پگھل جاتے ہیں — اگر دل میں اسلام وایمان ہو

اور پھر مسلمانوں کو عموماً اور علمائے کرام کو خصوصاً غیرت دلاتے ہیں:

عار واللہ علی الذین یحملون لواء الدین دینوؤن بثقل اعبائہ

جو لوگ دین کے علمبردار اور اس کے بار کو اپنے کندھوں پر اٹھائے

علی اکتافھم ان یسکتوا عن مثل ھذہ الحالتہ المنکرۃ الفظیعتہ، او یقصروا فی القیام للدفاع بالقدر الذی یستحقہ ھذاالفشل وتتطلبہ تلک الفوضیٰ

ہوئے ہیں بخدا! ان کے لیے بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ ایسی قبیح اور گھناؤنی حالت دیکھ کر سکوت اختیار کریں، یا یہ طوفان اور لاقانونیت جس قدر مقابلہ کی مستحق ہے اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کریں۔

اور پھر عنایت اللہ مشرقی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور مولانا بتاتے ہیں کہ جب مشرقی کے کفرو الحاد کا طومار سامنے آیا تو علمائے ہند اس کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے، اور دین کی پاسبانی کا حق ادا کردیا۔

ودعاہ العلماء للبحث والمناظرۃ مرات وراقم ھذہ السطور من الذین دعوا ھذا الرجل وحزبہ للمناظرۃ لکنہ جبن ولم یحضر.

اور علماء نے اس کو کئی بار بحث ومناظرہ کی دعوت بھی دی، خود ان سطور کا راقم ان لوگوں میں ہے جنھوں نے اس کو اور اس کی جماعت کو مناظرہ کا چیلنج کیا، مگر اسے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

مشرقی کے مقابلہ میں علمائے ہند کی کوششوں کے ضمن میں مولاناؒ نے "مجلس احرار اسلام" اور اس کے جواں سال مجاہدین مولانا بہاء الحق قاسمی اور مولانا غلام غوث ہزاروی کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے:

"فلعلمآ الھند فی ھذالسبیل جھود تشکر دائما، فھم لم یغفلوا ولم یتغافلوا، ولم یحجموا ..... ولم یقصروا. وعلی الاخص " جماعۃ احرار الاسلام" فی الھند، فان لھا مجھودات کبیرۃ، ومن المبرزین فی ھذہ الجماعۃ السبّاقین الی الغایات الاستاذ الفاضل بھآءالحق القاسمی وصدیقنا الفاضل الاستاذ غلام غوث الھزاروی فانھما قد القماہ احجاراً فی فیہ، وسدآ علیہ کل حیلۃ یحتالھا، وترکافتنتہ بین انیاب الاسد، فنشکر لھما جلیل خدمتھما ودفاعھما عن الدین والاسلام، وفقھما اللہ للخدمۃ الصحیحۃ وبارک اللہ فی مساعیھما المنجحۃ وجھودھما المثمرۃ".

اسی مقالہ کے آخر میں مولاناؒ نے یہ بھی بتایا ہے کہ شیخ یوسف وجویؒ مفتی الازہر نے مشرقی کے کفریات کا جو فتویٰ لکھا اس پر مولانا نے دیگر علمائے مصر کی تصدیقات بھی لی تھیں۔

وعلى الجواب توقيعات وعبارات عدة من الاكابر من اجلة العلماء بالقاهرة، محفوظة عندي.	اس فتویٰ پر قاہرہ کے بہت سے اکابر اور جلیل القدر علماء کی عبارتیں اور مہریں بھی ثبت ہیں جو میرے پاس محفوظ ہیں۔

افسوس ہے کہ یہ فتویٰ مجھے نہیں ملا، ورنہ ایک اہم تاریخی چیز ہوتی، بہرحال یہ فتویٰ لے کر حضرت مولانا مصر سے ہندوستان آئے اور یہاں اس کی اشاعت ہوئی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ علمائے ازہر کی نظر میں عنایت اللہ مشرقی کی علمی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کے نظریات کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟ مصر سے واپسی پر مولانا پشاور آئے تو خاکساروں سے پھر معرکے ہوئے اور مانسہرہ میں گرفتاری کی نوبت بھی آئی۔ بالآخر مشرقی فتنہ فرو ہو گیا اور حضرت نے اپنے اس مقالہ میں جو آخری فقرہ لکھا تھا وہ پوری طرح صادق آیا: **اذاجاء نهر الله بطل نهر معقل.**

حضرتؒ نے مصر جانے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب "مشکلات القرآن" کا مقدمہ "یتیمة البیان" کے نام سے لکھا تھا (جسے حال ہی میں دوبارہ طبع کیا گیا) اس میں مشرقی کی کتاب "تذکرہ" پر بحث کرتے ہوئے اس کے افکار ونظریات کا بڑا اچھا خلاصہ نقل کر دیا ہے، تطویل کے اندیشہ سے اسے چھوڑتا ہوں۔

مشرقی صاحب نے ایک اور فتنہ (جو شاید اپنی نوعیت کا سب سے زیادہ سنگین فتنہ تھا) یہ اٹھایا کہ ہندوستان کی مساجد قبلہ رخ نہیں ہیں۔ اس لیے کسی کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ مشرقی صاحب کا یہ فتویٰ اگرچہ قواعدِ شرعیہ سے جہل وناواقفی اور کبر واعجاب کا نتیجہ تھا، مگر اس سے ہندوستان بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور علمائے امت کے پاس بکثرت سوالات آنے لگے، چنانچہ ایک سوال حضرتؒ کے پاس بھی آیا اور آپ نے اس کے جواب میں "بغیۃ الاریب فی مسئلۃ القبلۃ والمحاریب" کے نام سے ایک ایسا رسالہ لکھا جسے اپنے موضوع پر حرفِ آخر کہنا چاہیے، حضرتؒ بارہا ازراہِ تشکر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ نے بیان القرآن" میں میری اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

پرویزی فتنہ: "انگریز کے عہد نحوست مہد میں جو تحریکیں اسلام کو مسخ ومحرف کرنے کے لیے اٹھیں ان میں سب سے پہلی تحریک نیچریت کی ہے، پھر ایک طرف "قادیانیت" نے نئی نبوت کے روپ میں جنم لیا اور دوسری طرف "چکڑالویت" نے انکار حدیث کا فتنہ برپا کیا اس کے بعد "خاکسار تحریک" نے سر اٹھایا اور پھر ان سب تحریکوں کا سڑا ہوا ملغوبہ مسٹر پرویز کے حصہ میں آیا اور ان سب پر کمیونزم کا تعفن اور مستزاد ہوا، چنانچہ پرویزی لٹریچر میں کمیونزم کا پورا معاشی ڈھانچہ اور اس کی مذہب بیزاری، نیچریت کی مادہ پرستی، قادیانیت کا انکار وجحود، چکڑالویت کا انکار سنت، خاکساروں کی تحریف وتاویل، سب خرابیاں یکجا موجود ہیں، اور مسٹر پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلاظتوں میں اور اضافہ کر دیا ہے۔" فزادتهم رجساً الى رجسهم"(۱)

---

(۱) مولانا عبدالرشید نعمانی: پیش لفظ "متفقہ فتویٰ۔ پرویز کافر ہے" پرویز صاحب کے تمام حوالے "متفقہ فتویٰ" سے لیے گئے ہیں۔

مسٹر غلام احمد پرویز بد قسمتی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا ہم نام بھی ہے ہم وطن بھی، الحاد و زندقہ میں اس کا ہم مسلک بھی۔ وہ ایک زمانہ میں حدیث و سنت کا پرجوش حامی تھا اس موضوع پر موصوف کا ایک مقالہ جو "الفرقان لکھنو" میں چھپا تھا۔ راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے انگریزی دور اقتدار نے دہلی کے سکرٹریٹ میں پرویز صاحب کی ساخت و پرداخت کی، موصوف نے اپنے پیشرو داعیانِ ضلال کے افکار و نظریات کو جذب کیا، اور انہیں نئے انداز میں اگلنا شروع کیا، اس کے لیے انجمن "طلوع اسلام" کی بنیاد ڈالی۔ موصوف کے ذہنی خیالات کا خاکہ ابھی غیر مرتب ہی تھا کہ ملک تقسیم ہوا اور پرویز صاحب کو دہلی سکرٹریٹ کے بجائے، کراچی سکرٹریٹ میں پناہ ملی، یہاں کی لادین افسر شاہی کی آشیر باد سے موصوف نے "قرآنی نظام ربوبیت" کا خاکہ مرتب کیا، جس کے دستور اساسی کی پہلی دفعہ یہ تھی:۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد "مرکز نظامِ حکومت" ہے۔

(معارف القرآن۔ ج ۴، ص ۶۲۳)

مرزا غلام احمد قادیانی مسکین کو "رسول اللہ ﷺ" بننے کے لیے وحی والہام کا افسانہ تراشنا پڑا تھا، مگر چودھری غلام احمد پرویز کی "قرآنی بصیرت" نے غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان وغیرہ کو بیک جنبشِ قلم "خدا و رسول" بنا دیا۔ اس قدر افزائی پر اربابِ اقتدار کی باچھیں کِھل گئیں، پرویز صاحب کے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے سرکاری وسائل کے دہانے کھل گئے۔

پرویز صاحب نے "خدا و رسول" تو نئے تلاش کر لیے اب سوال ہوا کہ اس نئے "خدا و رسول" کی اطاعت کیسے کی جائے؟ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا کیا کیا جائے؟ پرویز صاحب کی "بصیرت" نے اس کا حل یہ نکالا کہ اس پورے دین کو ان کے نئے "خدا و رسول" یعنی ارباب اقتدار کے اپنے منشا کے مطابق بدل ڈھالنے دیا جائے۔ وہ نماز کو بدلنا چاہیں تو بدل دیں، روزہ پر خطِ تنسیخ پھیرنا چاہیں تو پھیر دیں، نظام زکوۃ کو گڑبڑ کرنا چاہیں تو کریں۔ الغرض اربابِ اقتدار (یا پرویز صاحب کے خدا و رسول" کا کام ہے دین کو مسخ کرنا اور مسلمانوں کا کام ہوگا اس نت نئے مسخ شدہ دین پر بغیر چون وچرا کے عمل کرنا۔۔۔۔۔۔۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوئی ہے اس لیے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی ان کی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں ازروئے بصیرت متعین کی جائے، یہی رسول اللہ ﷺ نے کیا اور ہمارے لیے بھی ایسا کرنا منشائے قرآنی اور سنت رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہے۔ اس باب میں اخلاق، معاملات اور عبادات میں کوئی تفریق و تخصیص نہیں، اگر تفریق مقصود ہوتی تو عبادت کی جزئیات قرآن خود ہی متعین کر دیتا ہے"۔ (مقام حدیث: ج ۱، ص ۴۲۴)

"جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے قانون اور عبادت دونوں پر منطبق ہوگا۔ یعنی اگر جانشین رسول (قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردّ و بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہے"۔ (قرآنی فیصلے ص ۱۴)

چلیے دونوں اصول طے ہو گئے، اول یہ کہ پاکستان میں "خدا و رسول" حکمران ٹولے کا نام ہے دوسرے یہ کہ پرویز صاحب کے یہ "خدا و رسول" اسلام کے عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات اور سیاست و معاشرت میں جو ردّ و بدل کرنا چاہیں اس کی انہیں

کھلی چھٹی ہے۔ گویا مسٹر پرویز کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا پورا دین تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس ردّوبدل کا خاکہ خود پرویز صاحب کو مرتب کرنا تھا اور وہ جن خطوط پر اس خاکہ میں رنگ بھرنا چاہتے تھے اس کی صرف دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حلال و حرام کا قصہ یوں نمٹایا گیا کہ:۔

"سید محمد صبیح صاحب نے اس رسالہ (حلال و حرام کی تحقیق) میں بتایا ہے کہ قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں (گویا پیشاب پاخانہ بھی حلال۔ ناقل) یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے جس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ ہمارے مروجہ اسلام میں حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں اور کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی شے کو حرام قرار دے دے۔ یہ حق صرف اللہ کو ہے" (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۶۹)

(۲) اور پورے دین کے بارے میں یہ فلسفہ ارشاد ہوا کہ قرآنی احکام عبوری دور کے لیے ہیں، ورنہ اسلام کا اصل منشا مارکسزم قائم کرنا ہے:۔

"اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لیے دیے گئے ہیں؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے اس لیے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین کرتا ہے عبوری دور کے لیے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ و خیرات سے ------------ متعلق احکام اسی عبوری دور سے متعلق ہیں۔ جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔ (اور انتہائی منزل وہی مارکسزم۔ ناقل) (نظام ربوبیت ص ۲۵)

انہی دو اقتباسات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ پرویز صاحب نے اپنے "مرکز ملت" کو شریعتِ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام) کے منسوخ کرنے کی سند مرحمت فرمادی تھی۔

مسٹر پرویز کو احساس تھا کہ علماء موصوف کے اس خود تراشیدہ "بت" کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوں گے اور نہ "پرویز کے خدا ورسول" کو اسلام میں ترمیم و تنسیخ کی اجازت دیں گے، اس لیے پرویز صاحب نے اسلام کے تمام اصول و فروع کے ساتھ ساتھ اسلام کی سیکورٹی فورس "علمائے امت" کی طرف اپنی الحادی توپوں کا رخ موڑ دیا، کبھی نماز کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، کبھی زکوٰۃ کا، کبھی روزے کا اور کبھی حج کا، کبھی جنت اور کبھی دوزخ کا، کبھی آخرت کا اور کبھی جنت و دوزخ کا، اور ان سب سے پہلے اس "ملا" کو نشانہ بنایا گیا جو حریمِ اسلام کی پاسبانی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے، صدقات نکلتے رہیں گے، زکوٰۃ دی جاتی رہے گی۔ قربانیاں ہوتی رہیں گی۔ لوگ حج بھی کرتے رہیں گے اور قوم بدستور بے گھر، بے در، بھوکی ننگی اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی"۔ (قرآنی فیصلے۔ ص ۵۲)

پرویز صاحب "مرکزِ ملت" کی طاقت سے پورے دین کو تلپٹ کرنا چاہتے تھے، لیکن علمائے امت ان کے خاکوں کے رنگ میں بھنگ ڈال دیتے تھے، پرویز صاحب کے خدا ورسول (۱) (جن کو وہ مرکزِ ملت سے بھی تعبیر کرتے ہیں) نے اول تو "ملاؤں" کو سمندر پار بھجوانے کی دھمکی دی، مگر اس کی تعمیل ذرا مشکل نظر آئی تو دوسری تجویز سوجھی کہ باہر سے جیّد اہل علم کو بلوا کر ان کے سامنے پرویز صاحب اپنے سحر آفرین "نظام ربوبیت" کی توضیح فرمائیں تو شاید پاکستان کے علماء بھی مسحور ہوجائیں اور ساتھ کے ساتھ پرویز صاحب نے دین میں ردوبدل کی جو سکیم تیار کر رکھی ہے اس کی پہلی قسط کی تصدیق ان بیرونی اہل علم سے ہوجائے۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء کے اواخر اور ۱۹۵۸ء کے اوائل میں لاہور میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی گئی، جس کا اہتمام بڑے طمطراق سے پرویز صاحب کے "خدا ورسول" نے کیا تھا، اور اس برات کے دولہا خود پرویز صاحب تھے، بحث کا موضوع بینک کے سود کی حلت اور "بے پردگی کی اجازت" تھا، جس میں ساری دنیا مبتلا ہے، مصر سے خاص طور پر اہل علم کو مدعو کیا گیا، کیونکہ مصر ایک مدّت سے آزاد خیالی میں پیشرو تصور کیا جاتا ہے۔ پاکستان سے مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد یوسف بنوری کو دعوت دی گئی۔ ہندوستان سے مولانا ابوالحسن ندوی لکھنوی اور "صدق جدید" کے اڈیٹر کو بلایا گیا۔

عرب ممالک سے جو مندوبین تشریف لائے حضرت بنوریؒ کا ان سے تعارف تھا وہ کراچی اتر کر نیو ٹاؤن تشریف لائے تو حضرتؒ نے نوکر شاہی کی سازش، پرویز صاحب کی سکیم اور اس مجلسِ مذاکرہ کے اغراض ومقاصد ان کے سامنے تفصیل سے بیان کیے۔ دنیا بھر کے مسلمان خواہ کتنے ہی گئے گزرے ہوں ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ پرویز صاحب کے "مرکزِ ملت" کو "خدا ورسول" ہونے کی سند عطا کردیں گے یا اسلامی احکام وقوانین میں کسی بدمست مے اقتدار کو تراش خراش کی اجازت دے دیں گے کھلا جنون ہے اور اس کی توقع سکندر مرزا کے سائے میں پرویز صاحب ہی سے کی جاسکتی تھی، کسی عالم دین سے اس کی امید کب ہوسکتی تھی۔

چنانچہ جب مندوبین نے مجلس مذاکرہ میں پرویز صاحب کا مقالہ سنا تو مجلس کی بیشتر کارروائی اس کی تنقید پر صرف ہوئی، اور پرویز صاحب اور ان کے "خدا ورسول" کو وہ ذلت دیکھنا پڑی جس کا گھاؤ آج تک ان کے جگر میں ہوگا (۲)۔

اقتدار کے سائے میں پرویز صاحب کے نظریات کی نشر واشاعت ہورہی تھی۔ علمائے امت اور ارباب قلم اس کی تحریفات کا توڑ کررہے تھے۔ دونوں طرف سے بحث وجدال کا معرکہ برپا تھا، حضرتؒ نے محسوس کیا کہ یہ "سنار کی کھٹ کھٹ" اس فتنہ کے قلع قمع کے لیے کافی نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس شجرہ خبیثہ کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے پرویزی لٹریچر جمع کرایا، اور پرویزی کفریات کو ایک استفتاء کی شکل میں مرتب کرکے جناب مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے اس کا جواب لکھوایا، اور پھر اس فتویٰ کو علمائے پاک وہند کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ مشرقی ومغربی پاکستان کے تمام دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور شیعہ علماء نے متفقہ طور پر تصدیق کی کہ جو شخص ان نظریات کا پرچارک ہو جو پرویز صاحب کی کتابوں سے مرتب کیے گئے ہیں۔ اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس طرح چودھری غلام احمد پرویز کو اس کے ہم نام، ہم وطن اور ہم مسلک مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ وادیٔ کفر میں دفن کردیا گیا۔ (۳)

---

(۱) اس وقت سکندر مرزا تھا۔ (۲) پرویز صاحب فوت ہوگئے۔ (ارشد) (۳) سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک کالج کے جلسے میں قاضی احسان احمد کی موجودگی میں کفر کا فتویٰ دیا کہ اسی کالج میں پرویز صاحب نے محمد کی کہانی محمد کی زبانی تقریر کی تھی۔

اس فتویٰ کو قریباً ایک ہزار علماء کی تصدیقات کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں شائع فرمایا، اس کے بعد ایک سوال نامہ عربی میں خود مرتب فرمایا اور عرب ممالک کے اہلِ علم سے اس کی تصدیق چاہی، حرمین شریفین، شام اور مصر کے علماء نے بھی پرویز صاحب کے ملحد و زندیق ہونے کا فتویٰ دیا تو اسے "پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ مع اضافات جدیدہ" کے نام سے دوبارہ شائع فرمایا:۔

یہ تھا حضرت بنوریؒ کا پرویزی فتنہ کے خلاف اہم ترین کارنامہ جس سے اس فتنہ کی کمر ٹوٹ گئی اور پرویز صاحب کے "خدا ورسول" اور "مرکزِ ملت" کو بھی پرویز صاحب کی قدر و قیمت معلوم ہو گئی۔ "خسر الدنیا والآخرہ ذالک ہو الخسران المبین"۔

اس فتنہ کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے حضرت کو جو بے حد محنت کرنا پڑی، سفر کی جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، اور اس کے لیے جو اپنے اوقاتِ عزیز صرف کرنا پڑے اس کا صحیح اندازہ آج نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر فضل الرحمان کا فتنہ: مسٹر پرویز کے خلاف حضرتؒ نے جو اقدام کیا اس کا پس منظر یہ تھا کہ صدر ایوب خان، "فیلڈ مارشل" بن جانے کے بعد کی "مسند اجتہاد" پر بھی قابض ہو چکے تھے، اور وہ رفتہ رفتہ اسی راستے پر گامزن تھے جس پر مغل شہنشاہ اکبر اعظم چل نکلا تھا۔ چونکہ مسٹر پرویز نے انہیں "مرکزِ ملت" کی حیثیت سے نہ صرف دین میں تغیر و تبدل کے اختیارات سونپ دیے تھے، بلکہ دور جدید کے "خدا ورسول" کا منصب بھی عطا کر دیا تھا۔ اس لیے صدر ایوب ان دنوں ایک "سرکاری دار الافتاء" قائم کرنے کی فکر میں تھے جس کا "مفتی اعظم" مسٹر پرویز کو بنایا جانا تجویز ہو چکا تھا۔ مولانا شبیر علی تھانوی مرحوم نے حضرت بنوریؒ کے سامنے صورت حال کا یہ سارا نقشہ رکھا اور اس شر کے سدّباب کے لیے کسی مؤثر اقدام کی اپیل کی، حضرتؒ نے "علماء اسلام کا متفقہ فتویٰ: پرویز کافر ہے" مرتب کر کے اس عظیم ترین سازش کو خاک میں ملا دیا، عام پبلک پر مسٹر پرویز کی حقیقت واضح ہو گئی اور ارباب اقتدار اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئے۔ اب انہوں نے اس کے لیے ایک نیا راستہ اختیار کیا، کراچی میں ایک "مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی" (۱) قائم کیا۔ اس میں اسلام پر "تحقیقات" کرنے کے لیے چن چن کر ایسے افراد بھرتی کیے گئے جن میں اکثریت کجرو اور کج ذہن ملاحدہ کی تھی اور پھر اس ادارہ کی سربراہی کے لیے میکگل یونیورسٹی کے ایک مستشرق کو امریکہ سے درآمد کیا گیا۔ یہ شخصیت ڈاکٹر فضل الرحمان کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کو "ادارہ تحقیقات اسلامی" کے ذریعہ کیا کام تفویض کیا گیا تھا؟ اس کو سمجھنے کے لیے میں جناب مولانا محمد منظور نعمانی کے ایک مکتوب کا (جو انہوں نے = ۲، ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی خدمت میں ارسال کیا تھا) ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

> "کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدے دار نے (جو غالباً "سر" کا خطاب بھی رکھتے ہیں) مجھ سے دورانِ گفتگو میں کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لیے ہندوستان (متحدہ ہندوستان) میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے جس دن یہ پالیسی ہمارے ہاتھ میں آجاوے گی ہم آپ لوگوں اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کر دیں گے اور "مداخلت فی الدین" کے نعروں سے آپ عوام میں جو

---

(۱) ابتدا میں یہ ادارہ کراچی میں قائم ہوا۔ پھر راولپنڈی میں آیا پھر اسلام آباد میں قائم ہوا۔ آج کل اس کا دفتر فیصل مسجد کے ساتھ ہے۔ (ارشد)

کہ اس کی آواز سے پورا ملک لرز اٹھا، اُدھر "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کے آرگن "فکر و نظر" میں الحاد و زندقہ کی نئی نئی صورتیں ڈھل کر سامنے آتیں۔ اِدھر "بینات" میں ان پر "ضربِ حیدری" لگائی جاتی۔

نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی　　حدی را تیز ترمی خواں چوں محمل را گراں بینی

"فیلڈ مارشل" صاحب کے مطلق العنان اجتہاد اور ڈاکٹر فضل الرحمان کی ملحدانہ تحریفات کے خلاف حضرت بنوری قدس سرہ کی یہ جنگ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک مسلسل چھ سال تک جاری رہی ہے، اس میں کیا کیا مسائل زیر بحث آئے اور حضرتؒ کے شعلہ فشاں قلم نے الحاد و زندقہ کے ایوانوں کو کس کس طرح خاکستر کیا؟ یہ ساری روئداد "بینات" کے فائلوں میں محفوظ ہے۔ اس کا صرف ایک نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر فضل الرحمان کی ملحدانہ چیرہ دستیوں نے بڑھتے بڑھتے صحیفہ مقدس اور وحی الٰہی پر جا ہاتھ ڈالا تھا اور اپنے اساتذہ مغرب کی تقلید میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ قرآن کا کوئی خارجی وجود نہیں تھا، نہ کوئی فرشتہ وحی لے کر آتا تھا۔ یہ سب، نعوذ باللہ۔ افسانے ہیں، آنحضرت ﷺ کے وجدان اور ضمیر سے جو آواز اُٹھتی تھی وہی وحی تھی اور وہی قرآن کہلاتا تھا۔

حضرتؒ نے جب یہ تحریر پڑھی تو بے چین ہوگئے۔ رجب ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء کے "بصائر و عبر" میں وحی الٰہی کی حقیقت پر قلم اٹھایا، اس کی تمہید یہ اٹھائی:

"انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں تمام اسلامی حقائق کو مسخ کیا جارہا ہے اور باطنیت و الحاد کا جو فتنہ ہزار برس پہلے ظہور پذیر ہوچکا تھا۔ آج تمام عالم اسلام میں پھیل گیا ہے ------ ملاحدہ نے آج میدان کو خالی دیکھ کر اور فضا کو سازگار سمجھ کر وہ شگوفے کھلانے شروع کردیے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ تحریفِ دین کا نام "تحقیقِ اسلام" ہے۔ الحاد فی الدین کا نام "اظہارِ حقیقت" ہے۔ حقائقِ دین کو اس طرح پامال ہوتا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ کیا کیا جائے۔

"از ماست کہ بر ماست"

اسلام کی غربت و بیچارگی کا یہ دور انتہائی حسرت ناک بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس تمہید کے بعد قرآن کریم کی آیات سے "وحی" کی تشریح فرماتے ہیں، وحی کے اوصاف و خصوصیات تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:۔

"سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ سب کچھ ایمانی بصیرت اور ایمانی نور سے محرومی کا نتیجہ ہے، یا پھر ان حقائق الٰہیہ سے جہل عظیم کا ثمرہ ہے، خدارا انصاف کیجئے کہ تمام قرآن اور تمام وحی کو پیغمبر کا اخلاقی تجربہ اور توسیع ذات بتلایا جائے کیا یہ صریح گمراہی نہیں؟ --- حقائق ہیں نگاہیں محسوس کرتی ہیں کہ (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کے دین اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشادات کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، اور اپنے سلف مستشرقین کی دلی آرزوؤں کو پورا کرکے وہ کام انجام دے رہے ہیں جو ان سے نہ ہوسکا"۔

یہ ڈاکٹر صاحب کے خلاف حضرتؒ کا آخری اداریہ تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں۔ چھ سال تک مسلسل حضرتؒ اس فتنہ کے قلع قمع کے لیے سرگرم رہے، اور اس تندی، تلخی اور تیزی سے اس پر پے در پے ضربیں لگاتے رہے کہ پورے ملک میں اس کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور "فیلڈ مارشل" کا مطلق العنان اقتدار اور ڈاکٹر صاحب کا "جدت پسند اسلام" اس طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھانے لگا بالآخر ڈاکٹر صاحب "اسلامی تحقیقات" کے منصب سے معزول ہوگئے، حضرت اسی آخری اداریے میں، جس کا اقتباس اوپر نقل کرچکا ہوں، لکھتے ہیں:-

"یہ سطریں زیر قلم تھیں کہ معلوم ہوا "ادارہ تحقیقات اسلامی" کے ڈائریکٹر جو ان لغویات کے علمبردار تھے، عوام کے احتجاج پر اپنے منصب سے برطرف کردیے گئے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی راہنمائی میں ماہنامہ "فکر و نظر" اور "اسلام" وغیرہ کتابوں کے ذریعہ جو بیج ڈالا گیا ہے اس کا کیا کیا جائے گا؟

اب تک جتنا لٹریچر ظہور میں آچکا ہے وہ "غرق مے ناب اولی" کا مصداق ہے جب تک اس کو دریا بُرد نہ کیا جائے اس وقت تک کیا اطمینان ہے کہ آئندہ پھر کچھ نہیں ہوگا، اور ان تحریفات والحاد پر اس وقت تک پاکستان کے خزانے کا جو لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا اس کا کیا تدارک کیا جائے گا؟ اور جو ہم خیال اسٹاف اپنے ارد گرد جمع کیا تھا اس کا کیا حشر ہوگا؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ ادارہ "امین" ہاتھوں میں دیا جائے، اور ان کی علمی و دینی معاونت کے لیے علمائے امّت میں سے معتمد ترین افراد کا انتخاب کیا جائے، جن کے علم و تقویٰ پر امت کو اعتماد ہے اور وہ شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان تحقیقات کے لیے دائرہ عمل متعین کیا جائے اور دین کے مسلمات کو زیر بحث لانے کی اجازت نہ دی جائے۔ جب تک یہ روک تھام نہ ہوگی اس وقت تک قابلِ اطمینان صورت ملک میں پیدا نہ ہوگی"۔

لیکن افسوس ہے کہ اقتدار نے اس مخلصانہ نصیحت کو گوش ہوش سے سننا گوارا نہ کیا، نتیجہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کے مربی و محافظ "فیلڈ مارشل" کی بساطِ اقتدار بھی الٹ گئی۔

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

فکر مودودیت: سب سے آخر میں جس غلط فکر کے خلاف آپ نے علم جہاد بلند کیا وہ دور جدید کا "فکر مودودیت" ہے جو کبھی "تجدید واحیائے دین" کے نام سے ابھرا، اور کبھی "اقامت دین" اور حکومت صالحہ کے نعرے سے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جن اکابر علماء و مشائخ اور ارباب قلوب کے زمانہ میں اس کا چرچا ہوا وہ سب اس کے خلاف متفق، اس کے اثرات و نتائج سے بے چین اور اس کی اصلاح کی طرف متوجہ رہے۔ حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ابتداہی میں فرما دیا تھا کہ "میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا"۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ اس فکر سے کس قدر بیزار تھے؟ وہ ان کے مکتوبات ورسائل سے واضح ہے۔ قطب العالم حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابر سب کے لیے یہ غلط فکر ناقابلِ برداشت رہا، اور وہ مقدور بھر اس کی اصلاح کے لیے

کوشاں رہے بعض اکابر کو ابتداء میں اس تحریک سے کچھ حسنِ ظن تھا۔ لیکن بہت جلد ان پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی چنانچہ حضرت سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ابتداء میں اس تحریک کے خیر خواہ تھے، لیکن بہت جلد اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت اقدس مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیو بندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ کو اس بارے میں خاصا نرم سمجھا جاتا تھا، لیکن جن لوگوں کو ان حضرات کے آخری دور کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ گواہی دیں گے کہ ان پر اس غلط فکر کی حقیقت کس قدر عیاں ہو گئی تھی۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے جب اپنا رسالہ "مقام صحابہؓ" تالیف فرمایا تو راقم الحروف نے انہیں مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ مودودی صاحب کی آخری دور کی تصنیف "خلافت وملوکیت" ہے جس میں اکابر صحابہ اور خلفائے راشدین تک پر ردوکد کی گئی ہے، اس کے برعکس آنجناب کو خدا تعالیٰ نے آخری عمر میں "مقام صحابہؓ" لکھنے اور صحابہؓ کی عظمت کا نقش اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائی (۱)۔ (حتیٰ کہ مودودی مرحوم کی جو شاید سب سے آخری تحریر شائع ہوئی۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کے متعلق نا ملائم الفاظ لکھے گئے)

الغرض ہمارے دور کے وہ تمام اکابر جن کے خلوص وتقویٰ، جن کی دیانت وامانت اور جن کی سلامتی علم وفہم کی قسم کھائی جاسکتی ہے اور جن کی مقبولیت عند اللہ ان کے اوراق زندگی سے عیاں اور ان کی پیشانی کے آثار وانوار سے واضح ہے۔ مودودی تحریک کو ایک "عظیم فتنہ" قرار دینے پر ان سب کا اتفاق رہا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ رسوخِ علم، حذاقت وتجربہ اور صفائے باطن کی بدولت ان اکابر کے لیے دینی حقائق گویا چشم دید مشاہدہ کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں اور پھر جب دنیا سے انقطاع کا زمانہ قریب آجاتا ہے تو ان پر انقطاع الی اللہ کی کیفیت غالب آجاتی ہے حبّ فی اللہ کے ساتھ ساتھ بغض فی اللہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے۔ ان پر انبیاء کرام کے مقام رفیع کا انکشاف ہو جاتا ہے اور یہ کہ وہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کسی فرد بشر کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ہمارے دین کا مدار ہیں وہ امت کے معلّم اول ہیں، نبی (ﷺ) اور امت کے درمیان وہی رابطہ اور واسطہ ہیں۔ ان ہی کی ذات پر دین کی نقل وروایت کی ساری عمارت کھڑی ہے، اور پھر ان کے بعد وہ تمام اکابر امت بھی ہمارے محسن ہیں جن کی راہنمائی کے طفیل ہمیں دین قیم کے چشمۂ صافی تک رسائی نصیب ہوئی۔۔۔۔ یہ تمام حقائق ان حضرات کے سامنے بالکل کھل جاتے ہیں اس بناء پر انہیں

---

(۱) مرحوم کو برطانیہ میں ایک تقریب میں شمولیت کی دعوت ملی۔ آں محترم اس میں اپنے جسمانی عوارض کی بناء پر جا تو نہ سکے لیکن ایک تحریر لکھ کر اس کا انگریزی ترجمہ کرا کر بھیجا۔ جس میں دو چار اور نامناسب باتوں کے یہ بھی لکھا گیا کہ "آپ ﷺ نہ مافوق البشر تھے اور نہ ہی بشری کمزوریوں سے مبرا" ماہر القادری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مولانا کی عبارت ایسی ہوتی ہے کہ جس میں سے نہ کوئی لفظ کم کیا جاسکتا ہے نہ زیادہ (مفہوم) لیکن اس تحریر پر ہر طرف سے سخت قسم کے اعتراضات اور یلغار ہوئی، حتیٰ کہ حضرت بنوری نے بھی لکھا تو مودودی صاحب نے اس پر لکھا کہ یہ سبقت قلمی ہے میری مراد بشری کمزوریوں سے بشری حاجات تھیں اور اس کا بھی علی الاعلان اعلان نہیں کیا۔ حضرت تھانویؒ نے ایک مستقل رسالہ "ترجیح الراجح" نکال رکھا تھا۔ جب کسی جانب سے کوئی ایراد یا اعتراض ہوتا اور آپ وزن محسوس کرتے تو رجوع کر لیتے اور اس رسالے میں اظہار کرتے اور سب متعلقین کو بھیجتے۔

مودودی صاحب نے حضرت یونس اور دجال والی تحریر واپس لی مگر کتب میں۔ "ترجمان القرآن" میں اس کا اظہار نہیں کیا بلکہ تفہیم القرآن اور متعلقہ کتاب میں عبارت بدل دی۔ (**ارشد**)

انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امتؒ سے تعلقِ خاطر بڑھ جاتا ہے اور ان کی عظمت و محبت کا نقش ان کے مقدس نفوس پر گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

برعکس اس کے مودودی تحریک کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص اس سے جس قدر زیادہ وابستہ ہوگا اسی قدر اس کی لوحِ قلب پر صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امت بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کمزوریوں کا نقش ثبت ہوتا جائے گا، اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر جب آدمی "فنا فی المودودیؒ" ہوجاتا ہے تو اسے صحابہ کرامؓ کا مقام جناب مودودی صاحب سے بلکہ خود اپنی ذات سے بھی فروتر نظر آنے لگتا ہے، وہ خود تو اس چودہویں صدی میں "اقامتِ دین" کے داعی اور علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن صحابہؓ کرام کے بارے میں اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ "ٹھیٹھ اسلامی نظام" کو برپا نہیں کرسکے۔ وہ "ٹھیک منہاجِ نبوت" پر قائم نہیں رہ سکے۔ ان کے دور میں جاہلیت کے فلاں فلاں جراثیم در آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ سے فلاں فلاں غلطیاں ہوئی تھیں۔ حضرت معاویہؓ کی سیرت و کردار پر جاہلیت کے فلاں فلاں داغ دھبے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاصؓ نے اقامت دین کے بجائے ڈپلومیسی (سیاسی چالوں) سے کام لیا۔ وغیر ذالک من الخرافات. اعاذنا الله منها.

گویا یہ دو الگ الگ راستے ہیں، ایک طرف اکابر اولیاء اللہ کا راستہ، اور دوسری طرف مودودی تحریک کا راستہ، یہ دونوں نہ صرف مختلف ہیں بلکہ بالکل متضاد سمتوں کو نکلتے ہیں۔ ایک کا رخ کعبہ کی طرف ہے، تو دوسرے کا ترکستان کی طرف۔ ایک انبیاء کرام کی عصمت، صحابہ کرامؓ کی عظمت اور اسلاف امت کی محبت پر ختم ہوتا ہے تو دوسرا ان کی حقارت و نفرت پر۔ ایک صحابہ کرامؓ کے ذریعہ امت کو آنحضرت ﷺ کے دامنِ رحمت و شفاعت سے وابستہ کرتا ہے اور دوسرا صحابہ کرامؓ سے متنفر کرکے "رسول خدا کے سوا کسی کو معیار حق نہ سمجھے" کی وادیوں میں بھٹکا دیتا ہے۔

اکابر اہل اللہ پر جو مودودیت سے نفرت و بیزاری کا ایک خاص حال طاری رہتا ہے اور وہ کبھی کبھی ایک طوفان کی شکل میں بڑھتا ہے اسکی توجیہ میرے ناقص خیال میں یہی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا تاجِ کرامت پہنے ہوئے صدر نشین مقام قرب و رضا دیکھتے ہیں اور یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ امت اسی وقت امت ہے جبکہ وہ صحابہ کرامؓ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے دامنِ رسالت سے وابستہ ہو۔ جن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ صحابہ کرامؓ کے احسان نافراموش ہیں وہ ان حضرات کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے کٹے ہوئے ہیں۔ انہیں ان کے سلب ایمان کا خطرہ بے چین کردیتا ہے---- یہ راز ہے ان کی مودودیت سے نفرت و بیزاری کا---- عام سطح کا آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بزرگ خواہ مخواہ ایک "داعی حق" اور "مفکر اسلام" کے پیچھے پڑگئے ہیں مگر انہیں کون بتائے کہ یہ حضرات لوگوں کو "داعی حق" سے نہیں ہٹاتے بلکہ "داعی برحق" ﷺ کے دامن سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں اور جس سراب میں یہ لوگ بھٹک رہے ہیں اس سے انہی نکالنا چاہتے ہیں۔ حضرت بنوری قدس سرہ ہمیشہ مودودی تحریک کے مخالف رہے اور وہ ایک عرصہ سے اس پر فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے مودودی لٹریچر اور ضروری مواد بھی فراہم کرلیا تھا، مگر اس خیال سے رک رک جاتے تھے کہ کہیں موجودہ احوال و ظروف میں یہ خلاف مصلحت نہ ہو۔ تاآنکہ وہ وقت پہنچا کہ انہیں اپنا پیمانہ عمر لبریز ہوتا نظر آیا، اور انہوں نے آخری وقت میں اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ خود حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

وکنت برهة من الدهر تعوقني طبیعتي عن الکتابة في الموضوع ... حتّی قرب الرحیل الی دیار الآخرة وکان الامر کما قیل:

"قرب الرحیل الیٰ دیار الآخره
فاجعل الٰهی خیر عمری آخره"

.... فقمت بعد الاستخارات وتفکیر طویل الی الانتقاد، ذباً عن حریم الدین، ابتغاءً لوجه الله الکریم. دون ایّ جنوح الی مطامح الدنیا ومطامعها، وکفی بالمرء شقاوةً جاوز سنّه سبعین عاماً ولایزعه وازع عن سخط الله. (الاستاذ المودودی ص ۲/۲)۔

ایک زمانے سے میری طبیعت مجھے اس موضوع پر قلم اٹھانے سے روکتی رہی۔۔۔۔ تاآنکہ دیار آخرت کی طرف کوچ کا وقت قریب آپہنچا، اور وہی حالت ہو گئی جو ایک شعر میں ذکر کی گئی ہے کہ:

"آخرت کی طرف کوچ کا وقت قریب آگیا ہے الٰہی! میری عمر کا بہتر حصہ آخری حصہ کو بنا"۔۔۔۔ پس میں بہت سے استخاروں اور طویل غور وفکر کے بعد مودودی افکار پر تنقید کے لیے کھڑا ہوا۔ مقصود محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے حریم دین کی پاسبانی ہے۔ کوئی دینوی مفاد قطعاً پیش نظر نہیں۔ آدمی کی شقاوت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی عمر ستر سے اوپر ہو لیکن اس کے باوجود اسے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے نہ روک سکے۔

اور اس کی ظاہری تقریب یہ ہوئی کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی مظلہ العالی کا رسالہ "فتنۂ مودودیت"(۱) چھپ کر آیا تو حضرت بنوریؒ سے فرمائش ہوئی کہ اس کا عربی ترجمہ کرادیا جائے اور اس پر ایک مقدمہ تحریر فرما دیا جائے۔ حضرتؒ نے ترجمہ کا کام جناب مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر کے سپرد فرمایا، اور خود اس پر مقدمہ لکھنے بیٹھے تو وہ مستقل رسالہ بن گیا۔ "افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد"۔ یہ رسالہ "الاستاذ المودودی وشییٔ من حیاتہ وافکارہ" کے نام سے شائع ہوا۔ حضرت کا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ کے دس حصے رقم فرمائیں گے۔ دو شائع ہو چکے تھے اور تیسرا زیر قلم تھا کہ خاتمہ بالخیر کا پیغام آپہنچا اور حصہ دوم کا یہ شعر الہامی ثابت ہوا:۔

"قرب الرحیل الی دیار الآخرہ
فاجعل الٰہی خیر عمری آخرہ"

---

(۱) میں نے اس بحث کا عنوان "فکر مودودیت"۔۔۔۔۔۔۔۔ بنادیا ہے۔ جبکہ حضرت مولانا لدھیانوی مدظلہ نے اسے "فتنہ" لکھا تھا۔ یہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب "فتنۂ مودودیت" کا لفظ آیا تو میرا دل چاہا کہ اپنے ایک عریضہ کی تفصیل لکھوں جو احقر نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو مدینہ منورہ لکھا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی اس کتاب کا یہ نام نہ ہوتا تو مناسب تھا کہ کتاب کے مضامین تو بہت معتدل ہیں (یہ ایک جج کا خط تھا جو حضرت شیخ نے مظاہر العلوم کے (اپنے ہم نام مولانا محمد زکریا قدوسی) "فکر مودودیت" سے متاثر ایک استاد کو لکھا تھا) حضرت شیخ نے جواب دیا کہ "میرے تمام قلمی مسودات پر میرا نواسہ محمد شاہد اور مفتی محمود مسلط ہو گئے ہیں وہ جس خط یا مسودہ کو چاہتے ہیں نکال کر اپنی مرضی کا نام دے کر شائع کردیتے ہیں۔ اس تحریر سے بھی یہی ہوا۔ جب یہ چھپ کر یہاں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر حق تعالیٰ نے کسی کو نور ایمان اور چشم بصیرت عطا کی ہو تو ان دو حصوں میں حضرت نے جو کچھ لکھ دیا ہے موعظت و عبرت کے لیے کافی ہے۔ حصۂ اول میں سب سے پہلے مودودی صاحب کا مرقعِ زندگی پیش کرتے ہوئے ان کے زیغ و ضلال کے منبع کی نشاندہی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ موصوف کو کسی باخدا عالم محقق کے جوتے سیدھے کرنے کی سعادت میسّر نہیں آئی، ان کی ذہنی و قلبی تربیت کسی استاد کے یہاں نہیں ہوئی، بلکہ دیگر کجرووں کی طرح ان کے معلومات کا سارا سرمایہ خود ان کے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے، ان کے ذہن میں اسلام کا جو خاکہ ہے وہ بھی ان کا خود اپنا مرتب کردہ ہے اور ان کے نزدیک حق و باطل اور صحیح و غلط کا معیار بھی خود ان کی اپنی پسند و ناپسند ہے۔ ان کا علم قلب کا نہیں بلکہ قلم کا ہے۔ اس لیے ان کا طرز فکر علماء راسخین کا نہیں بلکہ زائغین کا ہے۔

بدقسمتی سے مودودی صاحب کو ناپختہ عمری میں نیاز فتح پوری جیسے ملحد کی دوستانہ صحبت میسّر آئی جس نے غیر شعوری طور پر ان کی قلبی صلاحیت کو بھی زیغ آلود کردیا، اور ذاتی مطالعہ میں جو سلامتیِ فکر کی توقع کی جاسکتی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اسی حالت میں مودودی صاحب نے "قلم کو ذریعہ معاش" بنانے کی ٹھان لی، اور اس دن سے آج تک وہ یہی شغل فرمارہے ہیں۔ مودودی صاحب کا یہ اقتباس ان کی شخصیت کا شفاف آئینہ ہے۔ مولانا سید بنوریؒ نے یہ مضمون مودودی مرحوم کی زندگی میں لکھا تھا۔ (ارشد)

"ڈیڑھ سال کے تجربات نے یہ سبق دیا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا ضروری ہے اور معاشی استقلال کے لیے جدوجہد کے بغیر چارہ کار نہیں۔ فطرت نے تحریر و انشاء کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا، عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی۔ اسی زمانے میں جناب نیاز فتح پوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے، اور ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی، غرض ان تمام وجوہ سے یہ فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلہ معاش قرار دینا چاہیے"۔ (الاستاذ المودودی حصۂ اول ص ۷۔ بحوالہ مولانا مودودی: اسعد گیلانی ص ۴۷)

پہنچی تو اس پر غور ہوا کہ اس کا نام بدل دیا جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ زکریا نے اپنی ایک تحریر پہلے ایک نام سے شائع کر کے پیسے کھرے کر لئے اور اب دوسرے نام سے کر رہا ہے لہذا خیال ترک کر دیا۔ (حضرت کے والانامہ کا سو فیصد یہ مفہوم تھا) میں نے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی کتاب کیسی ہی معتدل ہو لیکن اس کا نام "فتنہ دیوبندیت" ہو تو راقم اور ہر دیوبندی اس خیال سے پڑھنا شروع کرے گا کہ اس کی ایک ایک سطر کا جواب دینا ہے۔ اس کا حضرت نے مندرجہ بالا جواب مرحمت فرمایا اس خط میں دو تین اور باتیں بھی اپنے متعلق عرض کی تھیں۔ میں نے وہ خط مروتاً کسی کو دکھا دیا پھر آج تک نہ ملا۔ ہوسکتا ہے اور حضرات نے بھی عرض کیا ہو لہذا کتاب کا نام "جماعت اسلامی کے لئے لمحہ فکریہ" رکھ دیا گیا۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کی تحریر ملاحظہ ہو:-

اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست کے نام وہ مکتوب نکلا جو ان کی غیر موجودگی میں مستقل رسالہ کی صورت میں "فتنۂ مودودیت" کے نام سے شائع ہوا۔ دوبارہ ان کی تجویز سے "جماعت اسلامی کے لئے لمحہ فکریہ" کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔ الفرقان خصوصی اشاعت متعلقہ شیخ الحدیث ص ۷۵، ۷۶۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی معروضات میری طرح کی ملی ہوں اور بالآخر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ نام بدل دیا جائے۔ ویسے مولانا مودودی مرحوم کے افکار سے تمام اکابر دیوبند اور اکابر اہلحدیث نے سخت بیزاری کا اظہار کیا۔ اور خاصی کتب لکھی گئیں جن جن تحریروں کے متعلق اعتراضات ہوئے۔ ان سب کا جواب جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مفتی محمد یوسف اکوڑہ خٹک نے دو جلدوں میں جواب دیا اور ہر بات کی سند اکابر متقدمین کی کتب کھنگال کر دیا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ بھی غلط دفاع ہے کہ ہر مسلک کے متفقہ علماء کی تنقید پر پوری امت کے اکابر میں جو مسائل مختلف فیہ ہیں ان کو یکجا کر دیا جائے کہ اس کی دلیل تو یہ ہے آخر متفقہ موقف بھی تو ہوتا ہے کیوں نہ اسے اختیار کیا گیا۔ ہر مسئلہ میں اختلافی مسئلہ ہی کو کیوں لیا جائے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ میری امت کے اکابر علماء سے جو سہو ہوئے یا جو ان کے تفردات ہیں وہ اکیلے سید مودودی مرحوم میں اکٹھے ہوگئے۔ (ارشد)

الغرض ان کی ذہنی ساخت میں بنیادی طور پر دو نقص تھے۔ ایک صحیح تربیت کا فقدان، دوسرے ناپختگی کے عالم میں ایک ملحد کی صحبت ورفاقت، ان دو باتوں کے ساتھ جب قلم کی سلاست ہم آہنگ ہوئی تو نتیجہ "اناولاغیری" کی شکل میں نکلا۔ چنانچہ یہی شخص جو عنفوانِ شباب سے دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے مضطرب اور "معاشی استقلال کی جدوجہد" کے لیے فکر مند تھا اور جس نے نیاز فتح پوری سے دوستانہ تعلقات استوار کئے اور اس کی صحبتِ کیمیا اثر سے متاثر ہو کر قلم کو "وسیلہ معاش" بنانے کا فیصلہ کیا اس نے جب بد قسمتی سے اسلامی موضوعات پر "مشق ناز" شروع کی تو اپنے تئیں مجتہد سمجھ لیا، صحابہ کرامؓ سے لے کر مجددؒ الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور سید احمد شہید بریلوی ایسے اکابر اسے گردراہ نظر آنے لگے اور اس کا "وسیلہ معاش" قلم نہ صرف ایک ایک کے نقائص اگلنے لگا، بلکہ یہاں تک ارشاد ہوا کہ دین اسلام کے چار میں سے تین حصے زمانہ رسالت کے بعد لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آئے، گویا تین چوتھائی دین کا انکشاف پہلی مرتبہ نیاز فتح پوری کے رفیق وہمنشین کو ہوا۔ اس پر حضرت بنوریؒ کی حمیت دینی جوش میں آتی ہے، فرماتے ہیں۔

هل يكون جهل فاضح من هذا؟ لم يعرفه احد من العرب ولا من العجم من اللغويين والمفسرين والمحدثين وارباب البلاغة وائمته العربية من اقدم العصور الى اليوم، وانما فهمها رجل عجمى لايجيد اللغة العربيه لانطقاً ولا كتابةً، ولايكاد يفهمها الابشق النفس بمعونة التراجم الاردويه .... فهل رأيت يا سبحان الله! كلاما ابعد عن العقول من هذه الدعواى. (ج ۱ ص ۱۹)

اس سے بڑھ کر بھی کوئی رسوا کن جہل ہوگا؟ قرنِ اول سے لے کر آج تک تو ان امور کو کسی نے نہ جانا، نہ کسی عربی نے نہ عجمی نے، نہ اہل لغت نے، نہ مفسرین ومحدثین نے، نہ اربابِ بلاغت اور ائمہ عربیت نے، ان کو سمجھا تو ایک ایسا عجمی سمجھا جو لغت عربی سے واقف نہیں۔ نہ عربی بول سکتا ہے نہ لکھ سکتا، بصد مشکل عربی سمجھ سکتا ہے اور وہ بھی اردو ترجموں کی مدد سے --- انصاف کیجئے کہ کیا اس دعویٰ سے بڑھ کر بھی آپ نے کوئی غیر معقول بات کبھی دیکھی سنی؟

مودودی صاحب کی شخصیت کا جائزہ اور اس کی ذہنی وفکری سطح کا جو حدودِ اربعہ حضرتؒ نے پیش کیا ہے وہ مودودی تحریک کی حقیقت وماہیت کو سمجھنے کے لیے کافی وشافی ہے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے رسالہ کے دونوں حصوں میں مودودی افکار کا جائزہ لیا ہے اور ان پر عالمانہ انداز میں بحث کی ہے۔ یہاں اگر ان مباحث کا خلاصہ بھی پیش کیا جائے تو غیر ضروری تطویل کا موجب ہوگا۔ اس لیے قارئین کو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کا مشورہ ہے۔ (۱)

اور حضرت نے مودودی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ تو ان کے رسالہ "الاستاذ المودودی" میں محفوظ ہے، مگر یہ بات شاید بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی کہ جن دنوں حضرتؒ یہ رسالہ تصنیف فرمارہے تھے باقاعدگی سے مودودی صاحب

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا یہ مکمل مضمون دیکھنے کے لئے ماہ نامہ "بینات" کا بنوری نمبر اور ان کی کتاب مقالات یوسفی مطالعہ فرمائی جائے۔ (ارشد)

کے حق میں طول حیات اور رجوع الی الحق کی دعائیں بھی فرماتے رہے، حضرت نے اپنے رسالے میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں:-

وکذالک صاحبنا لو سبقنا الی رحیل الآخرة ثم نقوم بالنقد علیه بعد ان قضیٰ نحبه لقیل سکتوا فی حیاته عجزاً اوجهلاً، ونطقوا بعد رحیله فقاموا ینبشون علیه جدثه. وعسیٰ ان یکون النقد والمؤاخذة فی آخر حیاته انفع للتروی وکبح الشکیمة وربما یوفق الی الانابة والرجوع، حیث ان ادبار الدنیا واقبال الآخرة خیر وازع واحسن رادع، وقرب الاجر حافز الی التوبة والانابته.

اور اسی طرح یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان صاحب نے ہم سے پہلے آخرت کی طرف رخت سفر باندھ لیا اس کے بعد ہم نے تنقید کی تو کہاجائے گا کہ اس کی زندگی میں تو عجز یا جہل کی وجہ سے خاموش رہے اور اس کے جانے کے بعد زبانیں کھل گئیں، اور گڑے مردے اکھاڑنے لگے۔ نیز یہ توقع بھی تھی کہ ان صاحب کی آخری زندگی میں ان پر تنقید ومؤاخذہ ان کے غور وفکر اور رہوار قلم کی لگام کھینچنے میں زیادہ نافع ہے۔ بسا ممکن ہے کہ اس کو انابت اور رجوع کی توفیق ہوجائے۔ کیونکہ دنیا کا پشت پھیرنا اور آخرت کا سامنے آنا بہترین روکنے والی چیز ہے، اور قرب اجل توبہ وانابت پر آمادہ کرنے والی ہے۔ (ج ۲ ص ۲)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالت قدر اور علوِ مرتبت سے کون ناواقف ہے؟ علامہ اقبال کے الفاظ میں "علوم اسلامی کی جوئے شیر کا فرہاد" جس کے سامنے بڑے بڑے جبال علم مور ناتواں" نظر آتے تھے۔ ان کی بے نفسی وتواضع، خلوص وللّہیت اور محاسبہ آخرت کی فکر دیکھئے کہ وہ آخری عمر میں حضرت بنوریؒ سے فرماتے تھے:-

"مجھ سے ابتدائی دور میں بعض قلمی لغزشیں ہوئی ہیں ان میں کچھ چیزوں پر تو مجھے تنبہ ہوا اور میں نے ان کی اصلاح کرلی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے حضرات میری کتابیں غور سے پڑھیں اور ان میں کوئی لغزش نظر آئے تو مجھے متنبہ فرمائیں تاکہ میں ان سے رجوع کرلوں"۔

حضرت سید صاحب کا یہ ارشاد راقم الحروف نے حضرت بنوریؒ سے سنا تھا۔ حضرت بنوریؒ چاہتے تھے کہ جناب مودودی صاحب بھی مسلک اہلِ حق کے مطابق اپنی لغزشوں سے رجوع کرلیں اور ان کی تحریروں سے نوخیز طبقہ میں جو نظریاتی کجی پیدا ہوگئی ہے اس کی اصلاح ہوجائے۔ دنیا میں شاید سب سے آسان کام دوسروں کی غلطی نکالنا اور سب سے مشکل کام اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہے، خصوصاً مودودی صاحب شہرت کی جس منزل میں ہیں اس میں ان کے لیے یہ کام اور بھی مشکل ہے، تاہم اگر وہ اپنی غلطیوں سے رجوع کرلیں تو اس میں ان کی خفت نہیں، بلکہ ان کے وقار میں اضافہ ہی ہوگا۔ اگر تفصیلاً نہیں تو کم از کم اجمالاً ہی اعلان کردیں کہ میری تحریروں اور کتابوں میں سلف صالحین اور مسلک اہلِ حق کے خلاف جو بات بھی ہو میں اس سے رجوع اور ایسے تمام امور سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ بہر حال جناب مودودی صاحب یا ان کی جماعت کے احباب

حضرت بنوریؒ کے بارے میں جو رائے بھی قائم کریں، مگر حضرتؒ نے جو کچھ لکھا پوری بصیرت، شرح صدر اور خلوص سے لکھا ہے، امت کی اور سب سے بڑھ کر خود مودودی صاحب کی خیر خواہی کے جذبے سے لکھا ہے۔

عباسی فتنہ: مودودی تحریک جسے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے "خارجیت جدیدہ" سے تعبیر کیا تھا (۱) (الاستاذ المودودی ص ۹ حصہ اول) اس کے ردِ عمل میں ایک اور فتنہ اٹھا جسے "ناصبیتِ جدیدہ" کا عنوان دیا جانا مناسب ہے۔ یہ محمود احمد عباسی کی تحریک تھی۔ موصوف نے ان تمام خرافات کا جو مودودی صاحب کے قلم سے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں سرزد ہوئی تھیں۔ حضرت علیؓ حضرت حسینؓ اور دیگر اہل بیت کرام سے انتقام لینا چاہا اس تحریک کے سارے لٹریچر میں یہی روح کارفرما نظر آتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو گرایا جائے اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پست ثابت کیا جائے۔

حضرتؒ کے لیے جس طرح مودودی فکر ناقابل برداشت تھی۔ اسی طرح یہ عباسی فتنہ بھی ناقابل مسامحت تھا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں ماہنامہ "بینات" کے صفحات اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے وقف رہے ہیں۔ یہاں ان تمام تفصیلات کو قلم انداز کرتے ہوئے صرف حضرتؒ کی ایک تحریر پر اکتفا کرتا ہوں، کسی شخص نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو محمود احمد عباسی کی کتاب کی تائید کرتا ہے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا اس کی اقتداء میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا:۔

"علمائے حق کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ محمود عباسی کی کتاب اہل حق کے مسلک کے مخالف ہے اور مؤلف شعوری یا غیر شعوری طور پر شدید اور خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہے اس لیے اس کتاب کی تائید کرنے کا درجہ بھی یہی رہے گا، البتہ اگر جہالت سے تائید کرتا ہے تو اس کا جرم نسبتاً ہلکا ہوگا اور اگر دانستہ زیغ کی وجہ سے تائید کرتا ہے تو یہ شخص ایک خطرناک گناہ میں مبتلا ہے، اور فاسق ہے، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اگرچہ فرض ادا ہوجائے گا۔ اس کا بھی حکم وہی رہے گا جو اہلِ ہویٰ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔ (محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ۔ ۲۷ محرم ۱۳۸۱ھ)

---

(۱) ابتداء میں مودودی مرحوم تحریری اور فکری طور پر خارجیت یا اعتزال کی طرف راغب تھے لیکن عملاً وہ کیفیت تھی جس کا ذکر مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے کیا یا پھر لباس کی تراش خراش اور شکل صورت سے واضح تھا۔ لیکن آخر میں سیاست کی وادی میں آکر "دہ دردہ" ہوگئے تھے کہ مباحات بلکہ منکرات کو بھی حکمتِ عملی کہہ کر جواز مہیا کیا لیکن خود متشرع ہوگئے تھے۔ **(ارشد)**

ضمیمہ: نمبر ۱

دو تاریخی مکتوب

حضرتؒ کے جن دو مکاتیب کا حوالہ گزشتہ صفحات میں آیا ہے ان کا متن درج ذیل ہے:

شاہ فیصل شہیدؒ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرة صاحب الجلالة، عاهل العروبة، حارس الاسلام، حضرة الملک المحبوب المعظم فیصل بن عبد العزیز حفظه الله ورعاه وخلّد مملکته فیما یحب الله ویرضاه. السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته،

سیّدی ومولائی! کلٌ مسئول عند الله حسب مقدرته وطاقته، ان الله سبحانه اعطاک ووهبک ماتقدربه من خدمة الاسلام والمسلمین فی انحاء البسیطة کلها.

سیّدی ومولائی! علمنا انک تقوم الواجب، وقمت بالواجب بادنیٰ معاینة فی الحرب بین الباکستان العزیزة وبین الهند الظالمة، فساعدت باکستان باموال واسلحة وعتادوطائرات وبواخر. بذلک اصبحت مفخرةً لملوک الاسلام والمسلمین حقاً، واصبحت محل اعجاب وتقدیر فی العالم کلّه، فرض علی المسلمین جمیعا ان یشکروک ویحمدوک من اعماق قلوبهم.

سیّدی ومولائی الملیک! ان باکستان قد احیطت بخطر عظیم من القادیانیة، فقائد القوات البحریة حفیظ قادیانی، وقائد القوات الجویة شودری ظفر قادیانی، وسبعة عشر من قواد الجنود البریة بعد القائد "تکاخان" کلهم من القادیانیین، والحکومة اما غافلة وجاهلة، واما لعبة بید القوات الاستعماریة بریطانیة وامریکا. واخذت تعزل عن بقیة المناصب العسکریة المسلمین والسنّیین، وتنتخب بدلهم الکفار القادیانیین.

ولاریب ان القادیانیین وامامهم المتنبیٔ الکاذب. قبحه الله، کل من اغراس بریطانیة وولیدة الاستعمار البریطانی. ومن معتقداتهم ان الحکومة البریطانیة ظل الله فی الارض، وان الجهاد منسوخ، ویجب علی المسلمین جمیعاً ان ینصروها الیٰ غیر ذلک من کفر وهذیان. وهؤلاء یفکرون فی ان یعود للبریطانیة مجدها الغابر وتکون باکستان بید هؤلاء القادیانیین وسیلةً للبریطانیة فی کیدهم ومکرهم بالاسلام والمسلمین جمیعاً خصوصا للعرب ویکون لها سلطة علی البحر الاحمر من جدید، ومن نتائج هذه المؤامرة الوخیمة العواقب غیر خافیة علی جلالتکم.

فیا مولائی! الرجاء ان تنصروا الآن باکستان روحیاً بانقاذها عن مخالب القادیانیین وبان تنبه الرئیس "بوتو" بتلک العواقب الوخیمة المظلمة، کیلا یکون خطراً علی الاسلام وعلی نفسه قبل الاسلام، وان تنبه "بوتو" من غفلته والغرض ان تقوموا بالقضاء علیٰ هذه البلیة ذات خطورة عظیمة بکل ما امکنکم من جهد بلیغ فی رد "بوتو" وتقویم اوده، واقامة عوجه، وان تقوموا الله بکل ما اعطاکم الله من حول وطول قیام خلیفة وامام للمسلمین فی حنکة وبصیرة وقوة.

ونحن نتمنیٰ لجلالتکم کل خیر وسعادة ان یتم بیدکم الکریم انقاذ بلاد الاسلام عن تلک الدسائس والموٴ امراتااللعینة، ابقاکم اللّٰہ ذخراً للاسلام وملاذا للمسلمین وخلد مملتکم الکریمة فی ظلّ ربّانی الھی، ترفرف اعلامه علی بلدکم.

وفی الختام تقبلوا طیب تحیاتی لجلالتکم، واغلیٰ تمنیاتی لبلادکم. والسلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته،

مخلصکم محمد یوسف البنوری

مدیر المدرسة العربیة الاسلامیة بکراتشی

وخادم الحدیث البنوری الکریم بھا

کرنل قذافی کے نام

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

صاحب المآثر الفاخرة المبارکة حضرة الاخ عقید معمر القذا فی، رئیس الجمھوریة اللیبیة حفظه اللّٰہ ورعاہ.

تحیة طیبةً وسلاماً وافراً واشواقا کریمة.

وبعد: فانی کنت تشرفت بزیارتکم الکریمة حین کنت مندوباً فی موتمر الدعوة الاسلامیة الاول بطرابلس، والحمدللّٰہ قد وقع فی قلبی محبتکم فی اول وھلة، لمارٔیت فی شخصیتکم الکریمة من ملامح الاخلاص وقوة الایمان وسلامة الفطرة، کل ما اعجبنی وراقنی، ثم ماسمعنا وماوصل الینا کل خیر وسعادة بمااصبحتم به حقاً کل اعجاب وتقدیر ومفخرة للاسلام والمسلمین. ابقاکم اللّٰہ ذخراً للاسلام وملاذا للمسلمین، ورفع بوجودکم المبارک رایة المجلد والعزة للاسلام والعروبة جمیعاً. آمین.

ایھا الاخ الکریم! ان ماحسنتم الی الحکومة الباکستانیة من تائید لموفقھا، وتقویة بکل ما استعطتم من حول وطرل فقد علمناہ اجمالاً. واللّٰہ سبحانه یکافئکم بذلک الجمیلٖ، واحسن الیکم کل احسان فی الدنیا والآخرة. آمین.

وان ما احیطکم به علماً ان دولة باکستان قد احیطت بخطر عظیم، وھو الفتنة القادیانیة، او الثورة القادیانیة، وان قائد القوات البحریة قادیانی کبیر، وان قائد القوات الجویة قادیانی، وان القواد فی الجیش البری تحت "تکا خان" سبعة عشر رجلاً کلھم قادیانیون،وسیحال "تکاخان" الی التقاعد قریباً بعد شھور. وبدأت الحکومة تعزل غیر القادیانیین من المسلمین فی الافواج البریّة والبحریة والجویة، وتنتخب بدلھا من الکفار القادیانین، والمشیر الاقتصادی للرئیس "بوتو" قادیانی شھیر ایم ایم احمد. وان سر ظفر اللّٰہ خان قادیانی خبیث داھیة، له اتصالات مع الرئیس، والرئیس یطاوعه فی مایرید،

ولعل سیادة الاخ الکریم لایخفی علیه ان ھذہ الطائفة زعیمھا الضال المضل المرزا غلام احمد القادیانی تنبأ، وادعی النبوةً اخیراً بعد ماکان اعلن اولاً انّه مجدد ومسیح موعود ومھدی، ومن عقائدہ ان الدولة البریطانیة ظل اللّٰہ فی الارض، وان الجھاد منسوخ، وان مناصرة البریطانیة من اطاعة اللّٰہ وما الی ذالک من کفر وھراً. وان لھم فی باکستان الغربیة بعد القادیان (بقعة فی الھند) "ربوة" کا لعاصمة لھم، فیھا نشاط کبیر من کل تدبیر ضد

الاسلام والمسلمين، ولايتحمل هذا الخطاب المرتجل الملخص تلک التفاصيل، فالرجاء من سيادتكم : اما اولاً فان تنبهوا الرئيس "بوتو" بهذا الخطر العظيم من ثورة قاديانية، ودخول البلاد تحت حكم دولة قاديانية، واعادة لمجد بريطانيا الزائل مرةً اخرى فی البحر الاحمر وضغط على الدول العربية والمسلمين جميعاً فی وقت واحد.

فالرجاء ان تحسنوا الى هذه الدولة الباكستانية من انقاذها من مخالب القاديانية او بعبارة اخرىٰ ادق. من مخالب البريطانية، کا احسنتم سابقاً من تقويتها بطائرات واموال وعتاد واسلحة، وان تقوموا فی تقويم اود الرئيس "بوتو" واقامة عوجه بكل تدبير وحكمة وعزم وحزم، نصيحة لله ولرسوله وللاسلام وللمسلمين جميعاً.

ومامن شک ان ذلک خدمة عظيمة للاسلام بما يرضى الله ورسوله، وبتلک مايرجى منه سدّ هذه الثلمة ورتق هذا الفتق، "فقد بلغ السيل الزبى" كما يقال فی المثل السائر. والله سبحانه يكون فی عونكم ونصركم. و "ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم".

واما ثانياً: فابعاد كل قاديانی دخل فی الجمهورية الليبيه باسم الطبيب والمهندس. ونحن نسمع انه وصل الى مملكتكم الكريمة عدة كبيرة، ومنهم فی طرابلس الدكتور خليل الرحمن المتخصص لعلاج السرطان بالاشعة، وانا اجتهد ان نبحث عن هؤلاء، ونخبركم بهم نصيحةً لله ولرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين.، واسال الله سبحانه وتعالىٰ ان يسدّد خطاكم فی خدمة الاسلام وتقوية المسلمين وان ينزل عليكم نصراً غيبياً، ويحفظكم من اعداء الاسلام، ويقويكم فی رضائه وخدمة دينه، وان يتم بيدكم الكريمة كل خير وسعادة مايكون منه مجد الاسلام والمسلمين فی مشارق الارض ومغاربها. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته،

مخلصكم محمد يوسف البنوری

خادم المدرسة والحديث النبوی الكريم فی كراتشی

ومندوب موتمر الدعوة الاسلامية الاوّل

ضمیمہ: ۲

رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد

مکہ مکرمہ میں ربیع الاول ۱۳۹۴ھ، اپریل ۱۹۷۴ء میں ایک بین الاسلامی عظیم الشان کانفرنس میں ---- ۱۴۴ تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی، اس کانفرنس نے قادیانیت کے بارے میں جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی اس کا متن حسبِ ذیل ہے:-

القاديانية نحلة هدامة، تتخذ من اسم الاسلام شعارا لسترا غراضها الخبيثة. وابرذ مخالفتها للاسلام ادعاء زعيمها النبوة، وتحريف النصوص القرآنية وابطالهم الجهاد القاديانيه ربيبة الاستعمار البريطاني، ولاتظهر الا فى ظل حمايته، تخون القاديانية قضايا الامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية، تتعاون مع القوى الناهضة للاسلام، وتتخذ هذه القوي واجهةً لتحطيم العقيدة الاسلامية وتحريفها. وذلك بما ياتي:

(الف) انشاء معابد تمولها القوىٰ المعادية، ويتم فيها التضليل بالكفر القادياني المنحرف.

(ب) فتح مدارس ومعاهد وملاجى للايتام، وفيها جميعاً تمارس القاديانية نشاطها التخريبى لحساب القوى المعادية للاسلام.

(ج) وتقوم القاديانية بنشر ترجمات محرفة لمعانى القرآن الكريم بمختلف اللغات العالمية ولمقاومة خطرها قرر المؤتمر:

۱- تقوم كل هيأةٍ اسلامية بحصر النشاط القاديانى فى معابدهم ومدارسهم وملاجئهم وكل الامكنة التى يمارسون فيها نشاطهم الهدام فى منطقتها، وكشف القاديانيين والتعريف بهم للعالم الاسلامى تفاديا للوقوع فى حبائلهم .

۲- اعلان كفر هذه الطائفة وخروجها على الاسلام.

۳- عدم التعامل مع القاديانيين او الاحمديين ومقاطعتهم اقتصادياً واجتماعياً وثقافياً. وعدم التزوج منهم وعدم دفنهم فى مقابر المسلمين ومعاملتهم باعتبارهم كفاراً.

۴- مطالبة الحكومات الاسلامية بمنع كل نشاط لاتباع مرزا غلام احمد مدعى النبوة، واعتبارهم اقليةً غير مسلمةٍ ويمنعون عن تولى الوظائف الحساسة للدولة.

۵- نشرمصورات لكل التحريفات القاديانية فى القرآن الكريم مع حصر الترجمات القاديانية لمعانى القرآن والتنبيه عليها، ومنع تداول هذه الترجمات.

ترجمہ: قادیانیت ایک نہایت خطرناک باطل مذہب ہے جو اپنی اغراضِ خبیثہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اسلام کے نام کا لبادہ اوڑھتا ہے۔ اس کی اسلام سے مخالفت ان باتوں سے ظاہر ہے، اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔ قرآنی آیات میں تحریف کرنا اور جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ دینا۔ قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے ڈالی، اسی نے اسے پروان چڑھایا، اور یہ

سامراج کے ظل حمایت ہی میں پنپتی ہے۔ قادیانیت نے امت اسلامیہ کے مفادات سے ہمیشہ غداری کی ہے۔ وہ سامراج اور صہیونیت کی حلیف رہی ہے اور انہی اسلام دشمن طاقتوں کے بل بوتے پر وہ اسلامی عقائد کو پامال کرنے اور ان میں تحریف کرنے میں سرگرم ہے، اس کا طریقہ کار حسبِ ذیل رہا ہے۔

(الف) اسلام دشمن طاقتوں کی مدد سے دنیا میں "مساجد" کے نام پر اڈے تعمیر کرنا، جن میں قادیانی کفر وارتداد کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔

(ب) مدارس، سکولوں اور یتیم خانوں کے نام پر اڈے بنانا، جن میں اسلام دشمن طاقتوں کے منشاء کے مطابق قادیانیت کی سازشی سرگرمیوں کی تربیت دی جائے۔

(ج) دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے پھیلانا، قادیانیت کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے کانفرنس نے یہ طے کیا:

۱- دنیا کی تمام اسلامی تنظیمیں اور جماعتیں قادیانیوں کے معابد، مدارس اور یتیم خانوں اور ان تمام جگہوں میں جہاں جہاں قادیانی سرگرمیاں جاری ہیں، ان پر کڑی نگرانی رکھیں۔ ان کی سازشوں کا محاسبہ کریں، لوگوں کو قادیانیوں کے جال سے بچانے کے لیے انہیں بے نقاب کریں اور عالم اسلام کو ان کی حقیقت سے آگاہ کریں۔

۲- اس گروہ کے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے۔

۳- قادیانیوں سے کوئی لین دین نہ کیا جائے بلکہ ان سے اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی بائیکاٹ کیا جائے، ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے۔ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے اور ہر بات میں ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کافروں سے کیا جاتا ہے۔

۴- اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں انہیں قانونی طور پر "غیر مسلم اقلیت" قرار دیں اور انہیں کسی اسلامی ملک میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

۵- قرآن کریم میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، قادیانی تراجم کو ضبط کیا جائے اور ان کی ترویج واشاعت کا انسداد کیا جائے۔

ضمیمہ ۳:
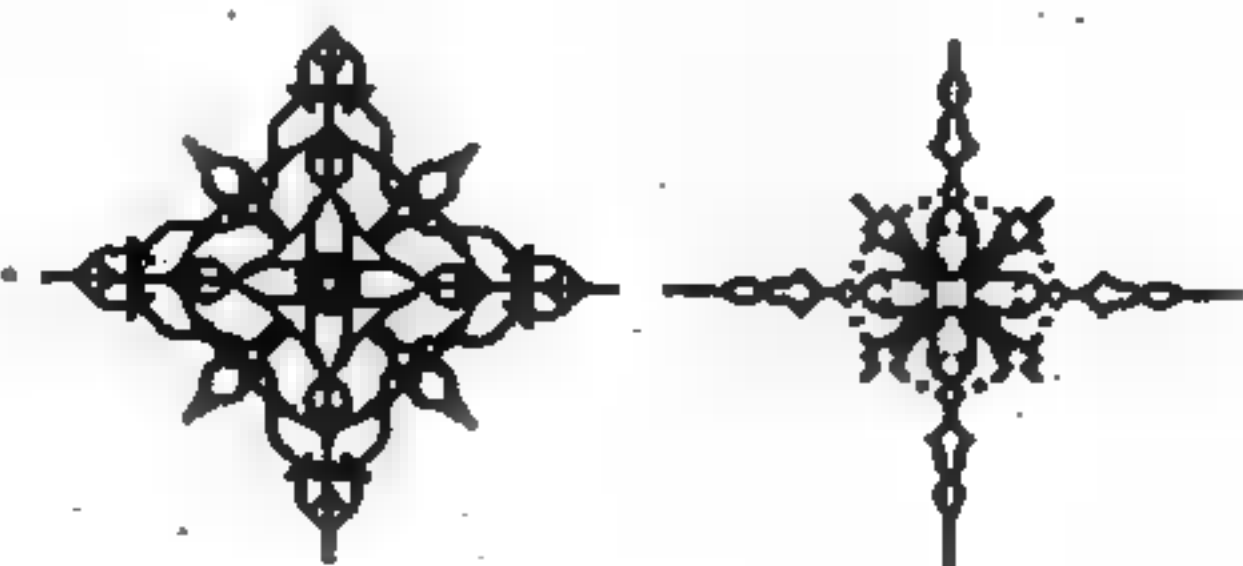
پاکستان قومی اسمبلی کا

تاریخ ساز فیصلہ

"مجلس عمل تحریک ختم نبوت" کے پارلیمانی رہنماؤں نے ذیل کا خط اپنے دستخطوں سے سپیکر کو لکھا:

جناب سپیکر صاحب، قومی اسمبلی، پاکستان۔

جناب مکرم، ہم درج ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں:

ہر گاہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

اور یہ کہ جھوٹ پر مبنی اس کا دعویٰ نبوت، قرآن کریم کی بے شمار آیات کو (نعوذ باللہ) جھوٹا ثابت کرنے کی کوششیں اور ترک جہاد کی تلقین، اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان سے اس کی کھلی غداری کے مترادف ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں کے اتحادِ ملی کو تباہ کرنے اور اسلام کو ایک جھوٹا مذہب ثابت کرنے کی غرض سے وہ سراسر استعمار کی تخلیق تھا۔

اور یہ کہ تمام امتِ مسلمہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ اس کی نبوت پر ایمان رکھتے ہوں یا اسے کسی بھی شکل میں ایک مصلح یا مذہبی رہنما مانتے ہیں، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اور یہ کہ مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں ۶ سے ۱۰ اپریل تک رابطہ عالم اسلامی کے تحت منعقدہ دنیائے اسلام کی مختلف تنظیموں کے اجلاس نے (جس میں دنیا کے ہر حصہ سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں نے شرکت کی) متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ قادیانیت، اسلام اور دنیائے اسلام کے خلاف یکسر تخریبی تحریک ہے، جو کذب بیانی اور فریب دہی سے اپنے آپ کو اسلام ہی کا ایک فرقہ ظاہر کرتی ہے۔

لہٰذا یہ اسمبلی اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار (خواہ وہ کوئی سا نام بھی رکھتے ہوں) مسلمان نہیں، اور یہ کہ نیشنل اسمبلی میں سرکاری طور پر ایک بل پیش کیا جائے جس سے آئین میں مناسب ترمیم ہو۔ انہیں اس ترمیم کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بطور غیر مسلم اقلیت اپنے حقوق و مفادات کا تحفظ حاصل ہو۔

دستخط کنندگان

۱- مولانا مفتی محمود

۲- مولانا عبد المصطفیٰ الازہری

۳- مولانا شاہ احمد نورانی

۴- پروفیسر غفور احمد

۵- مولانا سید محمد علی رضوی

۶- مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک

۷- چودھری ظہور الٰہی

۸- سردار شیر باز خان مزاری

۹- مولانا ظفر احمد انصاری

۱۰- مسٹر عبد الحمید جتوئی

۱۱- صاحبزادہ احمد رضا خاں قصوری
۱۲- مسٹر محمود اعظم فاروقی
۱۳- مولانا صدر الشہید
۱۴- مولانا نعمت اللہ
۱۵- مسٹر عمرا خاں
۱۶- مخدوم نور محمد
۱۷- مسٹر غلام فاروق
۱۸- مسٹر مولا بخش سومرو
۱۹- سردار شوکت حیات خاں
۲۰- مسٹر علی احمد تالپور
۲۱- راؤ خورشید علی خاں
۲۲- رئیس عطا محمد خاں (۱)

مندرجہ بالا تحریک کی بنیادوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے افہام و تفہیم کی مختلف وادیاں قطع کرنے کے بعد عبد الحفیظ پیرزادہ وزیرِ قانون نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔ (یہ سرکاری متن کا سرکاری ترجمہ ہے۔)

کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی طرف سے اس کے سامنے پیش کردہ قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قرار دادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہانِ انجمن احمدیہ ربوہ اور انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسبِ ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:

(الف) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف کی جائے ------ مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لئے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۳) کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے، وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

---

(۱) بعد میں پندرہ مزید اراکین نے قرارداد پر دستخط کیے جن کے نام یہ ہیں ۱- نوابزادہ میاں محمد ذاکر۔ ۲- جناب غلام حسین دھاندلا۔ ۳- جناب کرم بخش اعوان۔ ۴- صاحبزادہ محمد نذیر سلطان۔ ۵- میر غلام حیدر بھروانہ۔ ۶- میاں محمد ابراہیم برق۔ ۷- صاحبزادہ صفی اللہ۔ ۸- صاحبزادہ نعمت اللہ خان شنواری۔ ۹- ملک جہانگیر خان۔ ۱۰- جناب عبد السبحان خان۔ ۱۱- جناب اکبر خان مہمند۔ ۱۲- میجر جنرل جمالدار۔ ۱۳- حاجی صالح خان۔ ۱۴- جناب عبد الملک خان۔ ۱۵- خواجہ جمال محمد کوریجہ۔

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ، ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتخبہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، کے جان ومال، آزادی عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا، اور ان سفارشات کی اساس پر ذیل کا بل پیش ہوا۔

ہر گاہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے۔

لہذا بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:۔

۱۔ **مختصر عنوان اور آغاز نفاذ:** (۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲۔ **آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم:** اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں، جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین "اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کیے جائیں گے۔

۳۔ **آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم:** آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی۔

یعنی: (۳) جو شخص محمد ﷺ، جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔

بیان اغراض ووجوہ: جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے، اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تا کہ ہر وہ شخص محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

عبد الحفیظ پیرزادہ

وزیر انچارج

اولاد:۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے دو صاحبزادے ہیں۔ پہلے صاحبزادہ گرامی قدر مولانا سید محمد بنوری سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ بے حد ذہین اور باہمت ہیں۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے آج کل نائب مہتمم ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے بھی جامعۃ العلوم الاسلامیہ سے تحصیل علم دین کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ ہر دو حضرات سے دین کی خدمت لے اور عظیم المرتبت والد کے لئے صدقہ جاریہ بنیں۔ ویسے سب سے بڑا صدقہ جاریہ تو جامعۃ العلوم الاسلامیہ اور حضرت کے تلامذہ مسترشدین اور تالیفات ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرمائیں۔

فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء ——— ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

مولانا سید اکبر شاہ فیصل مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الحدیث حضرت العلام جامع المعقول مولانا مفتی محمودؒ

۱۳۳۷ھ ---------------------- ۱۴۰۰ھ

> یہ مضمون حضرت مولانا سید محمود شاہ دیپالپوریؒ کے خلفِ اکبر مولانا سید اکبر شاہ فیصل نے لکھا تھا لیکن وہ ۱۴ شعبان ۱۴۱۶ھ کو انتقال کر گئے یہ مضمون انشاء اللہ انکی یادگار رہے گا مرحوم نے مفتی صاحب مرحوم کے متعلق "بدر" یعنی "چودھویں صدی" (چودھویں کا چاند) کا نکتہ پیدا کیا تھا لیکن وہ خود بھی چودھویں شعبان کے مبارک دن فوت ہوئے گویا ان کی بھی مفتی صاحب سے نسبت پیدا ہو گئی۔ (ارشد)

چودھویں صدی ہجری کی چوتھی دہائی کے چوتھے ماہ یعنی ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ کو پیر کی شب پیدا ہوئے یہ تاریخ مفتی صاحب مرحوم کے والد بزرگوار خلیفہ محمد صدیق صاحب مرحوم نے بذات خود بطور یادداشت تحریر فرمائی ہے۔

چودھویں صدی ہجری میں ولادت ہوئی تو وصال بھی چودھویں صدی ہجری کے آخری سال کے آخری ماہ میں ہو گیا۔ کیونکہ چاند بھی اپنے مدارج طے کرتا ہوا چودھویں رات کو مکمل ہو جاتا ہے اور پھر چودھویں شب کے بعد واپس اپنے سفر پر عازم ہو جاتا ہے۔ اس کی خوبصورتی اور حسن وجمال چودھویں شب میں مکمل اور اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے اسی لئے اسے صرف چودھویں شب کے لئے بدر کا خطاب ملا ہے۔ پندرھویں شب کو چاند قمر تو ہوتا ہے مگر بدر نہیں ہوتا۔ اسی لئے شاید قدرتؔ نے بھی انہیں بدر کا درجہ دے کر چودھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قبل ہی اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔

اگر حروف ابجد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو "بدر" کے ابجد صغیر ۸ (آٹھ کا ہندسہ) اور "محمود" کے ابجد صغیر بھی ۸ (آٹھ کا ہندسہ) ہی بنتا ہے، علماء وکلا اور عوام وخواص کے علاوہ دینی وسیاسی جماعتوں کے قائدین وعمائد نے انہیں ملکی اور مذہبی تحریکوں میں اپنا قائد اسی لئے منتخب کیا تھا کہ وہ درحقیقت پوری قوم میں بدر (چودھویں کا چاند) تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی ولادت: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمود کی تاریخ پیدائش ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ہے، شب دوشنبہ پنیالہ میں اپنے ننہال کے ہاں پیدا ہوئے۔ سن عیسوی کے لحاظ سے آپ کی پیدائش مڈل سرٹیفکیٹ کے مطابق ۱۵ فروری ۱۹۱۹ ہے، تاہم سن ہجری کے لحاظ سے پیدائش بالکل صحیح ہے، کیونکہ یہ مفتی صاحب مرحوم کے والد بزرگوار خلیفہ محمد صدیق صاحب کی مصدقہ اور تحریر شدہ ہے۔

نام و نسب: حضرت مولانا مفتی محمود جلیل القدر علماء کے خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے والد خلیفہ محمد صدیق صاحب مرحوم خانقاہ موسیٰ زئی کے ایک صوفی اور خادم تھے۔ سنتِ نبوی کے سچے پیروکار اور دنیوی معاش و مصروفیات سے کوسوں دور رہنے والے تھے۔ آپ کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ چونکہ سچے عاشق رسول تھے اس لئے بچوں کے نام بھی حضور اکرم ﷺ سے والہانہ عشق و محبت میں سرشار ہو کر رکھے۔ احمد، محمود، محمد، حامد اور صابرہ۔ آپ کے والد مرحوم خلیفہ محمد صدیق کی پہلی شادی پنیالہ سے مغربی جانب سات میل کے فاصلہ پر واقع وانڈہ معظم نامی گاؤں میں ہوئی۔ اس سے ایک لڑکا احمد اور ایک لڑکی صابرہ پیدا ہوئے۔ احمد ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو پیدا ہوئے اور زندگی کی تیس بہاریں دیکھ کر ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو انتقال کر گئے۔ صابرہ کا نکاح مفتی صاحب مرحوم کے استاذ مولوی شیر محمد صاحب قندھاری سے کردیا گیا تھا۔ جو کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے مراد آباد کے استاد مولانا عبدالغفور صاحب قندھاری کے بھائی تھے۔ خلیفہ محمد صدیق صاحب کی دوسری شادی ملا گل خان (جو کہ کوہاٹ کے مشہور بزرگ حاجی بہادر صاحب مرحوم کی اولاد سے ہیں) کی بیٹی سے ہوئی۔ ملا گل خان کے اصرار پر خلیفہ محمد صدیق صاحب پنیالہ میں منتقل ہو گئے پہلے آپ خانقاہ یٰسین زئی میں مقیم تھے۔ اس دوسری شادی سے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور خلیفہ محمد صاحب اور حامد پیدا ہوئے۔ حامد کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ احمد سکول میں مفتی صاحب مرحوم کے ہم جماعت تھے۔ ان کی شادی مولانا محمد موسیٰ خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی ہمشیرہ صاحبہ سے ہوئی تھی۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کے نانا گل خان صاحب عالم دین اور صوفی کامل تھے مفتی صاحب سے خصوصی شفقت و محبت فرماتے اور آپ کی تربیت وضروریات کا ہمہ وقت خیال رکھتے۔ اور مفتی صاحب کے بارے میں پیشگوئی فرمایا کرتے کہ یہ بچہ ایک عظیم انسان معلوم ہوتا ہے، آپ کے والد خلیفہ محمد صدیق صاحب بھی آپ کی کڑی نگرانی رکھتے۔ اور ہر ہر قدم پر آپ کی رہنمائی کرتے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کو دینی تعلیم میں عروج حاصل کرنے کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ آپ کے والد خلیفہ محمد صدیق صاحب مرحوم کا انتقال ۱۳ صفر ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۴ نومبر ۱۹۵۰ کو خانقاہ یٰسین زئی میں ہوا۔

انکی زندگی میں یہ سب سے بڑی تمنا اور آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لڑکوں کو عالم باعمل بنائے اور ان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ چنانچہ ان کا روزمرہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد مسجد میں حضرت سید محمد عبدالحکیم صاحب سے خصوصی طور پر لڑکوں کے لئے دعا کرایا کرتے تھے۔

اساتذہ و تعلیم: حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۳۳ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں میٹرک کیا۔ دینی تعلیم کے لئے آپ کو مدرسہ شاہی (دوسرا نام جامعہ قاسمیہ) مراد آباد انڈیا بھیجا گیا۔ یاسین زئی کے صاحبزادہ مولانا محمود صاحب بھی آپ کے ہم عصر تھے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم دورانِ تعلیم بھی کتب پڑھایا کرتے تھے۔ زمانہ تعلیم میں بھی آپ کی قابلیت مسلمہ تھی۔ انہی دنوں "علماء ھند کا شاندار ماضی" کے مصنف اور مدرسہ قاسمیہ کے مدرس سید مولانا محمد میاں صاحب مرحوم نے اپنے بیٹے مولانا سید حامد میاں صاحب مرحوم (مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور) کو فارسی قواعد کا مروجہ رسالہ "رسالہ نادر" شروع کرایا (جو کہ مفتی محمد شفیع صاحب کے والد صاحب مرحوم کی تصنیف

ہے) بعد ازاں مفتی محمود صاحب سے فرمایا کہ اسے (مولانا حامد میاں) کو اس رسالہ کا سبق دے دیا کرو۔ سبحان اللہ۔ کیسی قابلیت و عظمت ہے، کہ استاذ کہہ رہا ہے کہ میرے بچے کو پڑھایا کرو۔ صاحبزادہ محمد موسیٰ خاں صاحب روحانی کو بھی حضرت مفتیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مفتی صاحب کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں کہ

"میں نے اپنے شیخ حضرت مفتی محمود جیسا حافظہ کسی کا نہیں دیکھا۔ مراد آباد میں کتاب "حمد اللہ" کا تحریری امتحان تھا حضرت مفتی محمود نے امتحان سے قبل ممتحن سے کہا کہ میری تلاشی لے لو۔ کیونکہ "حمد اللہ مجھے زبانی لفظ بہ لفظ یاد ہے کہیں بعد میں شبہ نہ کرو کہ محمود نے کتاب سے نقل کیا ہے"

جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں مفتی صاحب مرحوم نے مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب مدرس تجوید وقرأت سے قرآن کریم حدراً تین سال میں مکمل پڑھا۔ اور قرات سبعہ عشرہ کی تکمیل کی۔ حضرت مفتی محمود مرحوم بہترین قاری تھے۔ راقم الحروف نے بھی ان کی اقتداء میں جہری نمازیں پڑھیں۔ آپ کی قرأت انتہائی شستہ اور صاف تھی، مولوی عبد الغفور صاحب قندھاری مفتی صاحب مرحوم کے مربی اساتذہ میں سے ہیں۔ "حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے کہ مجھے استاد محترم مولوی عبدالغفور صاحب کی تربیت نے مولوی بنادیا ہے۔ زندگی میں قدم قدم پر میں ان کی تعلیمات اور ہدایات سے مستفید و مستفیض ہورہا ہوں"۔ حضرت مفتی محمود صاحب مرحوم کے بارے میں یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ انہوں نے شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حدیث کی کوئی کتاب مکمل پڑھی ہو البتہ اپنے دور وزارت علیا میں مفتی صاحب نے حضرت مولانا مدنیؒ سے استفادہ کا ذکر ایک انٹرویو میں کیا تھا جو کہ طبع ہوا تھا۔ اور وہ خود کو حضرت مدنیؒ کے خوشہ چینوں میں شمار کرتے تھے۔

آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ سے پڑھی تھی جو کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید تھے۔ اور معقولات وفلکیات کی مشکل ترین کتب پڑھانے میں بھی انتہائی درجہ کا درک وکمال حاصل تھا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے انتقال سے لے کر اپنے انتقال تک دار العلوم دیوبند میں بخاری شریف پڑھائی۔ (مراد آباد اور دیوبند کا زمانہ ملا کر مولانا سید فخر الدین صاحب نے تقریباً ساٹھ سال بخاری شریف پڑھائی) فلسفہ و منطق (معقولات) فلکیات کی کتب اور فقہ حنفیہ کی مہتم بالشان کتاب "ہدایہ اخیرین" مفتی صاحب نے مولانا عجب نور صاحب سے پڑھی۔ جو کہ بنوں کے رہنے والے اور علم فلکیات کے ماہر تھے۔ علم وادب عربی کی تمام کتب اور حدیث شریف کی اہم کتاب ترمذی شریف آپ نے مولانا سید محمد میاں صاحب سے پڑھی۔ افغانستان کے مولانا عبدالغفور صاحب سے آپ نے کتاب صدرا پڑھی۔

تعظیم اساتذہ: علوم دینیہ کے حصول میں جب تک تلامذہ سے اساتذہ خوش نہ ہوں یا طالب علم کے دل میں اساتذہ کا وقار اور محبت و عظمت مفقود ہو، اس وقت تک سلسلہ فیض نہیں چلتا۔ اساتذہ کا ادب واحترام اس سلسلہ میں بنیادی شرط ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ اساتذہ کرام کا غائت درجہ احترام فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ سے بیحد محبت و شفقت کا مظاہرہ فرماتے۔ اور

آپ کی قابلیت وذہانت کی وجہ سے آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ انہیں عظیم ہستیوں کے سایۂ عاطفت میں آپ نے تربیت کے مراحل طے کئے۔ اساتذہ کی محبت و عظمت آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دوران سبق اگر کوئی سوال کرتے تو وہ بھی انتہائی متانت و سنجیدگی کے ساتھ، اس لئے آپ کو اپنے اساتذہ کرام سے جو علم اور فیض ملا، وہ واقعی بقدرِ ظرفِ قلب (**بسطة فی العلم والجسم**) کے مطابق ملا۔ فارغ اوقات میں اساتذہ کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل فرماتے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ سے بہت انس تھا۔ تحریری اور تصنیفی کام میں ان کی خدمت کرتے۔ جیسا کہ گذرا آپ کی مشہور تصنیف "علماء ھند کا شاندار ماضی" کا مسودہ بھی حضرت مفتی محمودؒ نے صاف کیا تھا۔ حضرت سید محمد میاں صاحبؒ جب انڈیا سے لاہور تشریف لاتے تو مفتی صاحب فوراً آپ کے پاس پہنچ جاتے اور جب تک مولانا مرحوم کا قیام لاہور ہوتا مفتی صاحب مرحوم اکثر آپ کی خدمت میں رہتے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی قلبی لگاؤ تھا۔ حضرت مدنیؒ کی چند تقاریر کی کیسٹیں ہمیشہ سفر و حضر میں مفتی صاحبؒ اپنے پاس رکھتے اور جب دل چاہتا سن کر محظوظ ہولیتے۔

دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں مفتی صاحب جب تشریف لے گئے تو محدثِ دوراں علامہ انور شاہ کشمیری اور قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے مزارات پر حاضر ہوئے مگر حضرت مدنیؒ کی قبر مبارک پر کافی دیر تک ٹھہرے اور بہت دیر تک روتے رہے۔ بقول مولانا فضل الرحمان صاحب حضرت مفتی صاحب کو اس سے قبل کبھی آنسوؤں سے روتا نہیں دیکھا گیا تھا۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنی مادرِ علمی جامعہ قاسمیہ (المعروف مدرسہ شاہی) مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے معائنہ کے دوران ہر اس درسگاہ کی نشاندہی کی کہ اس درسگاہ میں میں نے فلاں استاد سے فلاں کتاب پڑھی تھی۔ دار الحدیث میں آپ سے عرض کیا گیا کہ طلبہ کو بخاری شریف کی حدیث پڑھادیں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ مگر سبق پڑھاتے وقت درمیان میں بیٹھنے کی بجائے اس جگہ سے ہٹ کر بیٹھے جہاں کبھی آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید فخر الدین بیٹھ کر سبق پڑھایا کرتے تھے اور یہ بات طلبہ کو بھی بتلادی تا کہ انہیں بھی استاذ کی عظمت و بزرگی کا احساس ہوسکے۔

تصوف: خانقاہ یسین زئی (پنیالہ) کے صاحبزادہ مولانا محمود صاحب کے چچا حضرت شاہ عبد العزیز صاحب سے حضرت مفتی صاحب نے باقاعدہ سلوک کی منازل طے کیں اور طریقہ نقشبندیہ میں مجاز ہوئے۔ آپ کے مرشد گرامی ولیٔ کامل تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو آخری مراقبہ "**فانه یراک**" تعلیم فرمایا گیا تھا۔

تدریس: ۱۹۴۸ء تک حضرت مفتی صاحب جامعہ قاسمیہ میں رہے (بقول حضرت مولانا سید حامد میاںؒ مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور) حضرت مفتی صاحب بہت محنت سے علوم کی تدریس میں مشغول رہے۔ اور بقول حضرت مولانا محمد موسیٰ خاں (جامعہ اشرفیہ لاہور) درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحب کچھ عرصہ فارغ رہے کسی مدرسہ میں جگہ خالی نہ تھی اس دور میں غربت و افلاس عروج پر تھا۔ انہی دنوں قادیان سے مرزائیوں کا ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور پیشکش کی کہ آپ قادیان کے مدرسہ میں منطق و فلسفہ پڑھائیں۔ آپ نے انکار کردیا

اور فرمایا کہ میں علم دین میں مسلمانوں کے مقابلے میں قادیانیوں کو معقولی منطقی بناؤں؟ یہ میری غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ فراغت کے بعد سب سے پہلے عیسیٰ خیل (۱) (میانوالی) میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور آپ کی تنخواہ صرف پندرہ روپے مقرر ہوئی۔ یہاں آپ تین سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ یہ دور انتہائی تنگدستی کا دور تھا۔ اسی پندرہ روپے تنخواہ پر ہی آپ کا اور آپ کے اہل خاندان کا گزارا تھا۔ ہر ماہ کے اختتام پر حضرت مفتی صاحبؒ کے بڑے بھائی احمد صاحب عیسیٰ خیل تک چالیس میل کا سفر پیدل طے کر کے آتے۔ دو تین دن قیام کرتے۔ واپسی پر حضرت مفتی صاحبؒ اپنی تنخواہ کا اکثر حصہ انکے حوالے کرتے اور اسی رقم سے وہ گھر کے اخراجات کا اکثر حصہ پورا کرتے۔

بعد ازاں آپ کے مرشد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے مدرسہ واقع اباخیل (ضلع بنوں) بلالیا۔ یہاں آپ دو سال تک مقیم رہے۔ اس زمانہ میں ریڈیو پر قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے کہ جب ۱۴/ اگست و ۲۷ رمضان المبارک کی شب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو میں اس وقت اعتکاف میں تھا، ایک شخص نے آکر یہ خوشخبری سنائی۔ ملک کی آزادی واستحکام اور پاکستان کے قیام پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی دعا کی۔ اس اعتکاف میں حضرت مفتی صاحبؒ نے علم قرأت میں "التسہیل فی التجوید والترتیل" کے نام سے مبتدی طلبہ کے لئے ایک رسالہ لکھا۔

اباخیل کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ اپنے مرشد شاہ عبدالعزیز کے مشورے پر عبدالخیل میں ایک چھوٹی سی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ آپ کی آمد کے بعد اباخیل کا مدرسہ ویران ہو گیا۔ قیام عبدالخیل کے دور میں ایک سال مفتی صاحب نے انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں گزارا۔ کئی بار ایسا اتفاق ہوا کہ تین تین وقت کے فاقے سے ہونے کے باوجود سارا دن اسباق پڑھاتے رہتے آپ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی ہمہ وقتی خیال رکھتے۔ طلبہ میں آپ کو انتہائی مشفق استاذ متصور کیا جاتا۔ قدرت نے آپ میں بہت سی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں۔ آپ کی شخصیت جامع الکمالات تھی۔ صبر و توکل، زہد و تقویٰ اور ذہانت و فطانت اور قناعت میں آپ کی ذات بے مثال تھی۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت مفتی صاحبؒ ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۹۵۲ء میں بطور استاد تشریف لائے۔ تنخواہ ستر روپے مقرر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو فتویٰ جاری کرنے کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔ مدرسہ قاسم العلوم میں آپ کے ہاتھ سے بیس ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر ہوئے۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں آپ کی تقرری کے بارے میں آپ کے قریبی عزیز خصوصی رفیق اور شاگرد رشید مولانا محمد موسیٰ خان صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم العلوم ملتان میں داخلہ لیا وہاں ایک مدرس کی شدید ضرورت تھی۔

(۱) عبدالستار خان نیازی نے کئی جگہ اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا کہ، مفتی محمود عیسیٰ خیل میں پندرہ روپے مشاہرہ پر ملازم تھے اور اس بات کو بطور طنز یا استہزا فرمایا کرتے یہ تو خدا کی دین ہے جسے چاہے بلند کرے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے متعلق کراچی میں یوپی کے ایک بڑے عالم نے کہا کہ احتشام الحق دلی سیکرٹریٹ میں ۲۵ یا تیس روپے میں جھاڑ جھونکا کرتے تھے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ذوالفقار علی بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان سے شکست دی جبکہ وہ کئی جگہ سے جیت گئے تھے ادھر پھر اسی حضرت مفتی صاحبؒ کی سربراہی میں بھٹو مرحوم نے مذاکرات کئے اور حضرت مفتی صاحبؒ برسوں ملکی سیاست پر چھائے رہے

میں نے آپ کا (حضرت مفتی صاحبؒ) کا نام پیش کردیا۔ مدرسہ کی انتظامیہ نے بے چون ، چرا اس کی منظوری دے دی ۔ میں نے آپ کو خط بھیج کر بلالیا۔ یوں قاسم العلوم میں آپ کی تقرری ہوئی اور پھر قاسم العلوم کی انتظامیہ نے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا نے آپ کی قابلیت کے وہ جوہر دیکھے ، جو قدرت نے آپکو عطا فرمائے تھے۔ آپ کی قوت حافظہ قابل رشک تھی اور ذہانت کے بارے میں تو اظہار تشکر کے طور پر خود فرماتے ، کہ جب کوئی شخص مجھ سے بات کرتا ہے تو میں اس کا صرف پہلا جملہ سن کر پوری بات کا اندازہ لگالیتا ہوں (۱) فی الواقع آپ بہت ذہین تھے ، تقریبا بیس سال قاسم العلوم کے دارالافتاء کو زینت بخشی۔ دورہ حدیث شریف کی اہم کتب صحیح بخاری وجامع ترمذی آپ کے زیر درس رہیں۔ پاکستان اور بیرون پاکستان مختلف ممالک کے ہزاروں طلباء وعلماء کرام نے آپ سے استفادہ کیا اور حدیث وسند کی اجازت حاصل کی۔ آپ نے جامع ترمذی کی عربی شرح تالیف فرمائی۔ آپ حدیث ، تفسیر، فقہ کے علاوہ فلکیات ، فلسفہ اور منطق کے انتہائی قابل ترین استاد تھے۔ بقول مولانا محمد زکریا (کراچی) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ مفتی محمود نے اس قدر مطالعہ کیا اور پھر اتنا کام کیا کہ ہم بیکاروں سے کچھ بھی نہ ہوسکا۔ مولانا بنوریؒ کی علمی وجاہت مسلمہ تھی، ان جیسے متبحر عالم دین کے منہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کی تعریف بے معنی نہ تھی۔

عجزوانکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قاسم العلوم ملتان میں دورہ حدیث کے طلبہ نے ایک بزم بنائی۔ تاکہ اس بزم کے تحت تقاریر کے مقابلے کئے جائیں۔ طلبہ کے اجلاس میں طے ہوا کہ اس بزم کا نام حضرت مفتی صاحبؒ کے نام پر بزم محمود ہوگا۔ اور اس بزم کی سرپرستی کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ سے کہا جائے گا چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کی تشریف آوری پر جب طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، تو آپ نے طلبہ سے تنظیم کے مقاصد دریافت فرمائے۔ مقاصد سے مطمئن ہو کر فرمایا کہ میں اس تنظیم یا بزم کی سرپرستی اس صورت میں قبول کرتا ہوں کہ اسے میرے نام سے منسوب نہ کرو۔ طلبہ نے کہا حضرت ہم محمود سے مراد آپ کی ذات مراد نہیں لیتے، بلکہ محمود سبکتگین یا شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا چونکہ نام رکھتے وقت تمہارے ذہن میں محمود سے مراد میری ذات تھی ،لہذا میں اس ریاکاری کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تم اس بزم کا نام بزم شیخ الہند رکھو گے تو میں اس کی سرپرستی قبول کرتا ہوں ورنہ نہیں ۔ چنانچہ طلبہ نے نام تبدیل کیا آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا مقصد دین کا کام کرنا ہے نام ظاہر کرنے سے ریاء کا شائبہ آجاتا ہے۔

---

(۱) جن دنوں حضرت مفتی صاحبؒ شہرت کے بام عروج پر تھے ملک کے مشہور صحافی جناب الطاف حسین قریشی آپ کی قیام گاہ ۸۴ لوئر مال آئے تو ایک سوالنامہ لکھ کر لائے اور کہا کہ اسے پڑھ لیں میں اس کے مطابق آپ کا انٹرویو لونگا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں آپ تشریف رکھیں جو سوال کریں گے جواب دونگا اس نے پھر کہا کہ یہ رکھ لیں ایک نظر دیکھ لیں تو آپنے فرمایا اللہ کے بندے " یہ آپ کا اکثر تکیہ کلام تھا " ضرورت نہیں ایک دوست آپ کے سر پر تیل لگارہا تھا آپنے فرمایا " لاکھ حکیم سر بجیب ایک شعیب سر بکف اس عزیز کا نام شعیب تھا (ارشد)

اسی بزم کے ایک اجلاس میں آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی گئی - تلاوت کے بعد نعت پڑھنے کے لئے طالب علم وزیر احمد رحمانی کا اعلان کیا گیا۔ نعت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے تعجب سے فرمایا کہ رحمانی کا کیا مقصد ہے - یہ دم کیا لگی ہوئی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کب ایسا کیا ہے۔ میرے شیخ حضرت شیخ الہند ہمیشہ اپنے نام و دستخط صرف اتنے فرمایا کرتے "محمود" اسی لئے میں بھی اپنے شیخ کی طرح اپنے دستخط محمود کرتا ہوں۔ میرے شیخ حضرت مدنیؒ اپنے دستخط صرف حسین احمد کیا کرتے تھے جتنے زیادہ القاب کی دم بڑھائیں گے اتنا ہی زیادہ کبر پیدا ہوتا ہے اور اپنے بزرگوں اور اسلاف سے بُعد ہوتا چلا جاتا ہے۔ لوگ ناموں میں لگ گئے ہیں اور کاموں سے کوسوں دور چلے گئے ہیں۔

طلبہ کو اپنے اکابر اور اسلاف کی تصانیف پڑھنے اور سوچ سمجھ کر مطالعہ کرنے کی تلقین فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ دوران سبق فرمایا کہ اگر تم اپنے بزرگوں کی اردو تصانیف سمجھنا چاہتے ہو تو منطق اور فلسفہ از بر ہونا چاہیے - کیونکہ ہمارے اکابر و اسلاف کو خدائے تعالیٰ نے وہ علمی مقام و فراست عطا فرمایا تھا کہ آج کے فضلاء ان کی اردو تصانیف کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ مفتی صاحب چونکہ مدرس و محدث ہونے کے علاوہ محقق بھی تھے - اس لئے مطالعہ بھی محققانہ انداز میں فرماتے اور مسلسل کئی کئی گھنٹے انتہائی توجہ سے کتب بینی میں مصروف رہتے۔ کثرتِ معلومات استحضار اور وسعتِ نظر کے اعتبار سے ایک عظیم علمی خزانے کی مثال رکھتے تھے۔ جامع المعقول والمنقول تھے، دینی علوم کے علاوہ آپ کو دنیاوی علوم پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ مذاہب باطلہ کی تردید عقلی و نقلی دلائل سے فرماتے۔

سائنس: ایسے موضوع پر گفتگو فرماتے تو سامعین ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے طرز تعلیم و طریقہ تدریس ایسا نادر و دلکش تھا کہ ہر ملک اور ہر زبان کا طالب علم آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا فخر سمجھتا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں "سائنس جوں جوں ترقی کرتی جاتی ہے وحی کے فیصلوں کی تائید ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وحی حقیقت ہی حقیقت ہے اور سائنس حقائق اشیاء کو ہمارے سامنے لاتی ہے بہت سے ایسے مسائل اور ایسے امور ہیں کہ جنہیں مسلمان تو تسلیم کرتے آئے ہیں لیکن معتزلہ اور دوسرے گمراہ فرقے انہیں ناممکن اور محال کہہ کر تسلیم نہیں کرتے تھے سائنس نے مسلمانوں کی تائید کی اور مخالفین کی تغلیط - دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ سائنس نے وحی الہیٰ کے فیصلوں کی تائید کی اور ان فیصلوں کو خلاف عقل اور ناممکن سمجھنے والوں کی تغلیط کی۔ مثلاً معتزلہ قیامت کے دن وزن اعمال کا انکار کرتے ہیں اور وہ اپنے اس دعوے پر عقلی استدلال پیش کرتے ہیں کہ اعمال چونکہ اعراض ہیں اور اعراض کا وزن مستحیل ہے یہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں معقولیں (فلاسفہ یونان) کے نزدیک مسلمات میں سے ہیں یعنی یہ بھی درست اور بدیہی بات ہے کہ اعمال اعراض ہیں اجساد نہیں مثلاً صلوٰۃ و صوم وغیرہ عبادات سب کے سب اعراض ہیں ان کے اجسام نہیں ہوتے اور یہ بھی فلاسفہ یونان کے نزدیک مسلم ہے کہ اعراض کا وزن نہیں ہوتا، وزن مختص ہے بالاجسام والاجساد اور معتزلہ نے اس دلیل عقلی کی بناء پر کہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض کا وزن مستحیل ہے یہ فیصلہ دے دیا کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔

وزن اعمال پر قرآن و حدیث سے جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان کا جواب معتزلہ کے پاس اس دلیل کے سوا کچھ نہیں وہ کہتے ہیں کہ

قرآن وحدیث میں جہاں کہیں وزن اعمال کا بیان ہے اس سے مراد حقیقتاً وزن اعمال نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عدل ہو گا۔ قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے، کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انصاف ہو گا۔

ہم (اہلسنت والجماعت) اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہو گا۔ ہمارا استدلال قرآن وحدیث سے ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت" **ونضع الموازين القسط ليوم القيامة** "جو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں پیش کی ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اعمال کا وزن ہو گا۔ ارشاد ہے ونضع الموازین ہم رکھیں گے۔ میزان کس لئے؟ القسط (بالکسر جس کے معنی ہیں عدل) یہ القسط مفعول لہ ہے۔ یعنی" **ونضع الموازين للقسط** "کہ ہم میزان رکھیں گے عدل کے لئے اعمال تولیں گے جن کے اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے ان کو زیادہ اجر دیں گے اور جن کے کم ہوں گے کم اجر ملے گا۔ اور جن اعمال کا وزن ہی نہ ہو گا، جیسے کہ کفار کہ ان کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔" **فلانقيم لهم يوم القيامة وزنا** " انھیں کوئی بھی اجر نہیں ملے گا۔ (یعنی ان کے لئے قیامت کے دن وزن نہیں رکھا جائے گا)

اب یہ وزن کب ہو گا؟ **ليوم القيامة** قیامت کے روز۔ بعض کہتے ہیں کہ القسط صفت ہے موازین کی یعنی ذوات القسط کا مطلب یہ کہ ایسے میزان رکھیں گے جو انصاف والے ہوں گے۔ میزان وزن کے آلے کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وزن یعنی تولنے والے اللہ ہوں گے ونضع الموازین میں نضع کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے موزون لہ (کہ کس لئے وزن ہو گا) القسط ہے۔ یعنی وزن عدل کے لئے ہو گا۔ موزون فیہ قیامت ہے یعنی یہ وزن اعمال قیامت کے روز ہو گا۔

(اب رہا یہ سوال کہ سائنس نے وحی الٰہی کے فیصلوں کی تائید کیسے کی؟ اور ان فیصلوں کو ناممکن اور خلاف عقل کہنے والوں کی تغلیط کیسے کی؟) تو دیکھئے کہ حرارت اور برودت دونوں اعراض ہیں اور دونوں تولے جاتے ہیں۔ آپ گرمیوں میں روزانہ سنتے ہوں گے کہ آج درجہ حرارت یہ ہے اور کل یہ تھا آج گرمی اتنی بڑھی۔ فضا میں آج برودت کم یا زیادہ ہے۔ تو سائنس نے ان دونوں کے تولنے کے لئے میزان بنا دی ہے جس سے یہ تولے جاتے ہیں میزان سے مراد وہ ترازو نہیں ہے جس سے گڑ وغیرہ تولا جاتا ہے بلکہ ہر چیز کے لئے جدا جدا میزان ہوتی ہے آپ اپنے جسم کی گرمی اور حرارت بھی تولتے ہیں جب کبھی ہم میں سے کسی کو بخار ہوتا ہے تو ڈاکٹر ہمارے منہ میں تھرمامیٹر رکھ کر یہ بتا دیتا ہے کہ اتنا بخار ہے تو بخار تولنے کی ترازو وہ نہیں جس سے پیاز اور گڑ تولتے ہیں بلکہ بخار تولنے والی میزان یہی تھرمامیٹر ہے۔ تو ہر چیز کے لئے الگ الگ ترازو ہوتی ہے تو اعمال تولنے کے لئے بھی میزان ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیسی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اعراض تولے جا سکتے ہیں سردی اور گرمی دونوں کا کوئی جسم نہیں ہے دونوں اعراض ہیں۔ مگر سائنس دونوں کو تولتی ہے تو آج دنیا پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارا یہ عقیدہ کہ اعمال تولے جائیں گے بالکل صحیح اور درست ہے اور معتزلہ کا یہ دعویٰ کہ اعمال کا وزن عقلاً مستحیل ہے غلط اور سراسر حماقت پر مبنی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے مضمون " اسلام اور سائنس " سے ہم نے ایک ہی اقتباس وزن تولنے کا اقتباس پیش کیا ہے۔ اس

مضمون میں آپ نے وزن اعمال کے علاوہ دیگر ایسے کئی مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں سائنس نے وحی الہیٰ کے فیصلوں اور اسلام کی تائید کی اور مذاہب باطلہ کی مخالفت کی۔

خطابت وفصاحت : حضرت مفتی صاحبؒ صرف مدرس یا مفتی ہی نہیں، بلکہ ایک عظیم خطیب بھی تھے۔ اور نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرماتے۔ آپ اردو اور اپنی مادری زبان پشتو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی نہائیت جامع کلام فرماتے۔ آپ نے عربی زبان میں کئی قصائد لکھے ہیں۔ آپ کا ایک قصیدہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی رہائی میں بھی ہے جو "الجمعیتہ" دہلی کے مفتی کفایت اللہ نمبر میں چھپ چکا ہے۔ بعض قصائد "الصدیق" ملتان میں شائع ہوئے ہیں اور بہت سے غیر مطبوعہ ہیں (چند ایک اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ ہوں) آپ کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا، مگر اس طرف توجہ دینے کا بہت کم وقت ملا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ظاہری و باطنی، دینی ودنیاوی علمی وغیر علمی تمام خوبیوں کا مجموعہ تھے۔

سیاست : حضرت مفتی محمود صاحبؒ کا تعلق اکابر جمعیتہ علماء ہند سے تھا۔ کیونکہ جس علاقہ میں آپ پیدا ہوئے وہ حضرت شیخ الہندؒ کے انقلابی مشن کا مرکز تھا۔ اور نوے سال قبل حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کی تگ وتاز کا میدان رہ چکا تھا۔ اپنے عہدِ طفولیت ہی میں مفتی صاحب اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں سن چکے تھے اور پھر ایام طالب علمی میں ہی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کردیا۔ معاملہ فہمی، دور اندیشی، اور تحریکی ذہن کی وجہ سے ہمیشہ سیاست سے دلچسپی رہی، مگر یہ دلچسی کسی مادی غرض پر نہیں بلکہ ملی وقومی مصالح ومفادات اور بے غرضی پر مبنی تھی۔ دورانِ طالب علمی آپ نے ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے ساتھ یوپی میں کام کیا اور ۱۹۴۲ء میں انگریز کے خلاف اٹھنے والی "ہندستان چھوڑو" تحریک میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا، یہ وہ دور تھا جب برطانوی استعمار ہندوستان کی آزادی خواہوں کی شبانہ روز جدوجہد سے تنگ آکر ایسے حربوں پر اتر آیا تھا جس سے فرقہ وارانہ کشید گی بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں میں نئے نئے فتنے کھڑے کئے جارہے تھے۔ اور سیاسی میدان سے علماء حق کو ہٹا کر اپنے پروردہ لوگوں اور پٹھوؤں کو آگے لایا جارہا تھا۔ برصغیر میں انگریزوں کے استبداد کے خلاف اجلاس واحتجاجات میں شرکت کررہے تھے، کیونکہ اسلام میں سیاست دین سے جدا نہیں اور نہ یہ مطلب کہ سیاست دین پر غالب آجائے بلکہ ہر حالت میں سیاست کو دین کا تابع رہنا چاہیے۔ شیخ الہند کے مشن کے ورثاء اور ولی الہی مسلک کے علماء نے ہر حالت میں اس بات کو مد نظر رکھا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی پیدائش کے ایک سال بعد انگریز کو تگنی کا ناچ نچانے والا اور ناک چنے چبوانے والا مرد درویش شیخ الہندؒ تو اس دنیا سے رخصت ہوچکا تھا مگر حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کا وارث اور ان کا نائب وجانشین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو چار دانگ عالم میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے مشہور ہوا۔ کی تربیت ضرور مفتی صاحب کو میسر آئی۔ ان حضرت کو انگریز سے نفرت گویا ورثے میں ملی تھی۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے آزادی وطن کی خواہش کی پاداش میں اپنے زندگی کے کئی سال انگریزی عقوبت خانوں کی نظر کئے۔ اگر مولانا مدنیؒ کو حضرت شیخ الہندؒ کا جانشین قرار دیا گیا تو فی الواقع یہ بھی مبالغہ آرائی سے مبرا ہے، کہ حضرت مفتی محمودؒ حضرت مدنیؒ کے صحیح

جانشین اور ان کے مشن کے صحیح وارث تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے زندگی میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور تکالیف برداشت کیں مگر کبھی اصولوں سے سرِ مو بھی انحراف نہ کیا۔ ہمیشہ اسلامی نظام اور ملکی استحکام کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۵۳ء کی تحریک تحریک ختم نبوت میں مفتی صاحب نے سرگرمی سے حصہ لیا اور تقریباً ایک سال ملتان جیل میں رہے۔آپ برصغیر پاک وہند ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں اسلامی سیاست وقیادت کا ایک زندہ مثالی اور عملی نمونہ تھے۔

جمیعت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ: قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام ملک میں استحکام اور نظام شریعت نافذ کرنے کا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے اس مذہبی ملی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن کوشاں ومصروف ہوگئے مگر اس نازک ترین وقت میں جب کہ علامہؒ عثمانی کی رہنمائی اور قیادت کی شدید ضرورت تھی ان کا انتقال ہو گیا۔ دینی حلقوں میں عظیم سانحہ اور خلاء پیدا ہو گیا۔ لادینی عناصر کے حوصلے بلند ہوئے۔ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے نومبر ۱۹۵۲ء میں ملتان میں مغربی پاکستان کے ممتاز اور جید علماء کرام کا اجلاس بلالیا۔ جس میں مولانا محمد علی جالندھری مولانا خیر محمد جالندھری مولانا مفتی محمود اور مولانا قاضی عبد الکریم کلاچی وغیرہ اکابر کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ دستور اسلامی سے متعلق ملک میں تشویشناک صورت حال دیکھ کر اجلاس میں اپیل کی گئی کہ قیام پاکستان سے پہلے تو نظریاتی اختلاف کی گنجائش تھی، مگر تقسیم کے بعد جب کہ ہم سب کا نصب العین دستور اسلامی کی تدوین ونفاذ ہے۔ تو آپس کا بعد نامناسب اور سمجھ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اس اپیل پر علماء کرام نے **لبیک** کہا۔ اور ۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو جمیعتہ علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری صدر اور مولانا احتشام الحق تھانوی ناظم مقرر ہوئے۔

اتفاقات زمانہ دیکھئے کہ یہ تنظیم وجمیعتہ تو ابھی ابتدائی مراحل میں تھی مگر رسوائے زمانہ ازلی لعنتی غلام احمد قادیانی کی جعلی نبوت کے خلاف تحریک ختم نبوت ان دنوں زوروں پر تھی۔ شہنشاہ خطابت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں علماء کرام نے قادیانیوں کا مسلسل تعاقب کر کے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ ان میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا لال حسین اختر، مولانا حبیب اللہ رشیدی جالندھری اور مولانا مفتی محمود نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، مگر افسوس کہ یہ عدیم النظر تحریک دس ہزار سرفروشوں اور جاں نثاروں کی قربانی کے باوجود ظاہری طور پر نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی۔ مرزائی بدستور دندناتے رہے اور مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالتے رہے۔ تحفظِ ختم نبوت، مجلس احرارِ اسلام اور جمیعتہ علماء اسلام کے مقتدر اور ممتاز علمائے کرام کو گرفتار کر کے مختلف المیعاد سزائیں دی گئیں۔ یہ تحریک اسمبلی سے باہر رہی۔ اسمبلی میں اس کا ترجمان یا نمائندہ کوئی نہ تھا اور یہ بہت بڑی کمی تھی جس کی وجہ سے یہ تحریک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ اس صوت حال نے علماء کرام کو طریق کار پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ لہذا فیصلہ ہوا کہ علماء خود اسمبلیوں میں پہنچ کر یہ فریضہ انجام دیں۔ اور سیاست کے شعبہ کو انگریز اور اس کے پیروکاروں نے دین سے جدا کر رکھا ہے اس کا احیاء کرنا چاہیئے۔

قدرت نے اس خدمت کے لئے قافلہ ولی اللّٰہی کے نامور سپوت شیخ الہند کے داعی مولانا مدنیؒ کے جانشین، مفتی کفایت اللہ کے مشن کے وارث، محدثِ دوراں حضرت مولانا مفتی محمود کو منتخب کیا۔

چنانچہ آپ نے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے حکم پر ملتان میں علماء کرام کا ایک کنونشن بلایا جو ۷/۸/۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوا۔ اور اس میں ۱۶۵ علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ یہ اجلاس حاجی باران خان کی زیر تکمیل کوٹھی میں منعقد ہوا جمیعتہ علماء اسلام کی تنظیم نو نئے جذبے اور نئے عزم سے عمل میں آئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمیعت کے ارکان بھی شامل ہونے، جن میں مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

اس اجلاس میں مولانا احمد علی لاہوری کو امیر اور حضرت مولانا مفتی محمود کو نائب اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس کی تمام کاروائی مفتی صاحب نے کی تھی جو کہ ضرورت اور وقت کے عین مطابق تھی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت لاہوری پر پابندی کے باعث مفتی صاحب امیر قرار پائے، جمیعت کے منصب امارت کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب ہی سب سے زیادہ موزوں شخصیت تھے۔ کیونکہ وہ تحریک شیخ الہند میں کام کر چکے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے نائب اور معتمد خصوصی ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ عام گرفتاریوں میں گرفتار ہو کر لاہور لائے گئے، تو اپنے شیخ کے مشن کے لئے یہیں کے ہو کر رہ گئے اور بے بہا قربانیاں دیں۔ انگریزوں کی سی آئی ڈی کی رپوٹ میں آپ کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

"مولوی عبد اللہ سندھی کابل میں مولوی عبید اللہ سے جو فتاویٰ اور خطوط لایا تھا، وہ ایم احمد علی کے لئے تھے۔ جس نے تمام خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کرادیے تھے۔ اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی۔ بی اے آف قصور، خوجہ عبدالحی آف گورداسپور، ڈاکٹر صدر الدین، ابو الکلام آزاد۔ حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا۔ جنود ربانیہ (یہ حضرت شیخ الہند کی خفیہ تنظیم کا نام ہے) کی فہرست میں وہ کرنل ہے بعد کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ اللمعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لئے اور سازشیں گھڑنے کے لئے مرکز کا کام دیتی تھی۔ اور آزاد علاقہ کو جاتے اور وہاں سے آتے، سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے

تحریک شیخ الہند ۳۹۱ (انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ) مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور

جس جمیعت کا احیاء ان حضرات نے فرمایا وہ اہل اللہ کی جماعت ہے اسے ہمیشہ بارگاہ ایزدی سے تائید حاصل رہی اور اکابر واسلاف نے اس میں شمولیت کی، اور حق کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائی۔ اس جماعت کی قیادت شاہ ولی اللہ سے چلی اور شیخ الہند کے ذریعے حضرت مدنی تک پہنچی۔ مولانا مفتی محمود اس قافلہ کی بزرگ شخصیت اور مضبوط کڑی تھے۔ حضرت مدنیؒ کے بعد یہ قیادت آپ کے حصہ میں آئی۔ یہ ایک تسلسل ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ سے مفتی صاحب تک قائم رہا۔ اور پھر مفتی صاحب نے اس جماعت کو اس نہج پر چلایا جس

کی تعلیم اکابر سے ملی تھی۔ آپ نے دینِ اسلام کی خدمت اور نظامِ اسلام رائج کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ حضرت شیخ الہند نے برصغیر سے انگریز کو نکالنے اور اس کی آزادی اور اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے باقاعدہ ایک زبردست خفیہ تنظیم بھی بنائی تھی جس کا ذکر (جنود ربانیہ) پچھلے کالم میں کر چکا ہوں۔ انگریزوں کی سی آئی ڈی رپوٹ جس کا ریکارڈ انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے مین لکھا ہے۔

"فوجی لشکر جس کا نام جنود ربانیہ تھا، کے سالار اعلی اور جنرل شیخ الہند مولانا محمود حسن اور قائم مقام سالار مولانا عبید اللہ سندھی ہیں۔ نائب سالاروں میں مولانا دین پوری، تاج محمود امروٹی، حسین احمد مدنی، حاجی ترنگ زئی، ڈاکٹر انصاری، ان کے بھائی حکیم عبد الرزاق، ملاں بابرا، ملاں کوہستانی، جان باجوڑ، مولانا منصور انصاری، مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی خان جیسے لوگ شامل ہیں۔ اور محمد علی قصوری وغیرہ کے نام ہیں۔ کرنل حضرات کی فہرست میں ۲۴ کے قریب حضرات کے نام ہیں۔ ان میں مولانا احمد علی لاہور مولانا محمد صادق کراچی، مولانا عزیر گل، خواجہ عبد الحئی فاروقی اور مولانا فضل ربی وغیرہ ہیں، اور لیفٹیننٹ کرنل کے قریب ہیں۔ اسی طرح میجر کپتان وغیرہ بھی ہین۔ ہر ایک کا حلقہ اثر اور ماتحت عملہ بھی ہے"۔

دینی وملی خدمت: علماء فرماتے ہیں کہ جناب رسول مقبول ﷺ کی امت میں تین افراد کے تلامذہ نے بے بہا قربانیاں دیں اور اپنے شیوخ کے مشن کو آگے چلایا۔ ۱۔ تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ ۲۔ تلامذہ شاہ ولی اللہؒ ۳۔ تلامذہ شیخ الہندؒ۔ حضرت مفتی صاحب بالواسطہ حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے ہیں جس نازک دور میں مفتی صاحب نے میدان سیاست میں قدم رکھ کر اپنے آپ کو داؤ پر لگایا، وہ ہر کسی کا کام نہیں۔ سامراجی گماشتوں اور فرنگی ذہنیت رکھنے والوں نے پھبتی کسی کہ علماء اور مولویوں کا سیاست سے کیا تعلق۔ ملکی مسائل کی انہیں کیا خبر، علماء کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود رہنا چاہیے۔ یہاں تک سنا گیا کہ ایک عام مولوی مسجد کا نظام چلانے کے لئے ایک کمیٹی کا محتاج ہوتا ہے لہذا اتنے بڑے ملک کا نظام اور سیاسی ڈھانچہ مولوی لوگ کیسے چلا سکتے ہیں، مگر مفتی محمود صاحب نے علمی وعقلی دلائل کے بعد عملی طور پر یہ ثابت کر دکھایا، کہ علماء کرام وقت کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس کا تریاق علماء کے پاس موجود ہے۔ اور پھر ایسی سچی، ستھری اور جھوٹ، فریب سے پاکیزہ سیاست شروع کی کہ سامراجی گماشتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ مفتی صاحب مرحوم برصغیر پاک وہند ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں اسلامی سیاست وقیادت کا ایک زندہ مثالی اور عملی نمونہ تھے۔ آپ نے اپنے قابل قدر طرزِ عمل سے دین وسیاست کی تفریق کا نظریہ بالکل باطل کر دکھایا اور پاکستان کی لڑکھڑاتی سیاسی روایت کو قوت واستحکام بخشا۔ مفتی صاحب مرحوم نے پہلی بار سیاست میں ہیرا پھیری کی بجائے سادگی وخلوص، منافقت کی جگہ شرافت اور جھوٹ وفریب کی بجائے صداقت اور راستبازی کو متعارف کرایا۔

۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلمان ندوی مرحوم کی زیر صدارت اجلاس میں جن پاکستان کے ۱۳ ممتاز علماء کرام نے ۲۲ نکا[illegible]

"اسلامی دستور" کا خاکہ مرتب کیا تھا اس کے ایک رکن مفتی محمود بھی تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور تقریباً ایک سال ملتان جیل میں نظر بند رہے۔ ۱۹۵۶ء میں مفتی صاحب نے دستوری سفارشات پر بھرپور تنقید کر کے ثابت کر دیا کہ وہ ان مسائل سے نمٹنا جانتے ہیں۔ آپ کو اس دستور میں اسلامی، معاشی اور اقتصادی خامیوں کی نشاندہی کرنے والی علماء کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا تھا، جس پر مفتی صاحب نے اس ۵۶ء کے ملکی آئین پر ایک تنقیدی رپورٹ تیار کی اور تمام علمی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

دراصل اس وقت حکومت پاکستان نے ایک آئین مرتب کر کے اپنے پٹھوؤں کے ذریعے پروپیگنڈہ کرا کے مشہور کرا دیا کہ یہ اسلامی آئین ہے۔ اس صورت حال سے دینی حلقوں بالخصوص علماء میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ اس میں بعض ایسی خامیاں تھیں جو قرآن وحدیث کی رو سے غلط تھیں اور ان کی وجہ سے ارتداد کا دروازہ کھلنے کا شدید خطرہ تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قدرت کی عطا کردہ دور رس نگاہوں سے ابتداء ہی میں اس خطرے کو بھانپ لیا اور ملتان میں جید علماء ومشائخ کا ایک عظیم کنونشن بلایا اور تمام صورت حال سے انہیں مطلع کیا علماء نے ۵۶ء کے آئین کا مطالعہ کر کے مفتی صاحب کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس کا کام اس آئین میں موجود خرابیوں کی قرآن وحدیث کی روشنی میں نشاندہی کرنا اور ان کے انسداد کی تجاویز پیش کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے تنقیدات وترامیم کے نام سے ایک کتابچہ سپرد قلم فرمایا جس میں بدلائل ۵۶ء کے آئین کی شرعی خرابیوں کو واضح کر کے تمام علمی ومذہبی طبقوں سے خراج تحسین وصول کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور قومی اسمبلی:

اسلام آباد میں اسلام کی نئی نئی تعبیرات کا کارخانہ تیار ہوا تو ایوبی دور کے مارشل لاء میں تاریکی کے سائے بڑھنے لگے۔ اسلام اور پاکستان کے لئے نت نئے خطرات جنم لینے لگے چین اور روس کے حوالہ سے اشتراکیت کے دو مکاتیب فکر فروغ پانے لگے اور سامراجیت دائیں بازو کے مذہبی، نیم مذہبی سیاسی اور نیم سیاسی دائروں کے سہارے ملک کی پوری معاشی اور سیاسی زندگی پر چھا گئی۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں مالی طور پر معدوم الوسائل اور ذرائع ابلاغ کے اعتبار سے مفقود الاسباب ہونے کے باوجود بلند ہمت، کوہ استقامت، مفکر اسلام، السنہ خمسہ پر قادر الکلام محدث وحضرت العلام قائد تحاریک نظام اسلام مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمودؒ ۱۹۶۲ء میں پہلی مرتبہ احباب اور علماء وعامۃ المسلمین کے اصرار پر قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیکر کامیاب ہوئے یہ انتخاب صدر محمد ایوب خان کے آئین کے تحت پہلے (بالواسطہ) انتخابات تھے دوسری مرتبہ مفتی صاحب مرحوم نے ڈیرہ اسماعیل خان کے حلقہ میں پیپلز پارٹی کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے مقابل میں انتہائی شاندار اور بھرپور کامیابی حاصل کی جب کہ تیسری مرتبہ مفتی صاحب نے مارچ ۱۹۷۷ء میں ڈیرہ اسماعیل خان کے علاوہ ڈیرہ غازی خان کے حلقہ سے بھی عظیم کامیابی حاصل کی۔ (ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء)

۱۹۶۲ء میں حضرت مفتی صاحب کی کامیابی اس لحاظ سے بھی پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی کہ اس

سے ایک طرف تو ہمدردان اسلام کے حوصلے بلند ہوئے اور دوسری طرف یہ کہ ایک فقیہ عالم باعمل اور صاحب بصیرت سیاستدان کے ذریعے ملک کی سیاسی زندگی سے کٹے ہوئے علماء کی اسمبلی میں نمائندگی ہونے لگی - اور یہ تائید ایزدی نہیں تو اور کیا ہے کہ قومی اسمبلی میں حضرت مفتی صاحب پہنچے تو صوبائی اسمبلی پنجاب (مغربی پاکستان ون یونٹ) میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی بھی منتخب ہو کر پہنچ گئے، جو کہ جمعیتہ علماء اسلام کے ناظم تھے - گویا جمعیتہ علماء اسلام کے دو اعلیٰ عہدیدار حضرات ملک کے قانون ساز اداروں اور اعلیٰ ایوانوں میں اعلائے کلمۃ الحق بلند کرنے لگے -

اسمبلی میں پہلا زریں کارنامہ : مفتی محمود صاحب جب قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں آئین کی وفاداری کا حلف اٹھا رہے تھے، تو آپ نے حلف کے آخری الفاظ یعنی "میں دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا کے بعد بصیرت افروز اضافہ کردیا - جس کے الفاظ یہ تھے" اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس دستور کو جوں کا توں قائم رکھیں گے بلکہ دستور کے دیئے ہوئے اختیار کو بروئے کار لاکر ان جملہ خرابیوں اور خامیوں کی جو کہ کتاب وسنت یا جمہوری لحاظ سے اس میں ہوں گی ان میں ترمیم و تنسیخ کریں گے -

حضرت مفتی صاحب کا یہ عالمانہ اور دانشمندانہ اضافہ حلف کی کاروائی میں باقاعدہ درج ہوا بلاشبہ اسے اسمبلی میں آپ کا پہلا زریں کارنامہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ مفتی صاحب کا انتخاب میں حصہ لینا اور ایوانِ اسمبلی تک پہنچنا، کسی دنیاوی غرض یا جاہ ومنصب کے لئے نہیں تھا آپ کا مقصد فقط اور فقط یہ تھا کہ ارباب اقتدار تک دین کی بات پہنچے اور اس کا نفاذ عمل میں آئے - یہی جذبہ و ولولہ اور تڑپ تھی کہ جس نے آپ کو مسندِ حدیث سے ایوانِ اسمبلی تک پہنچادیا -
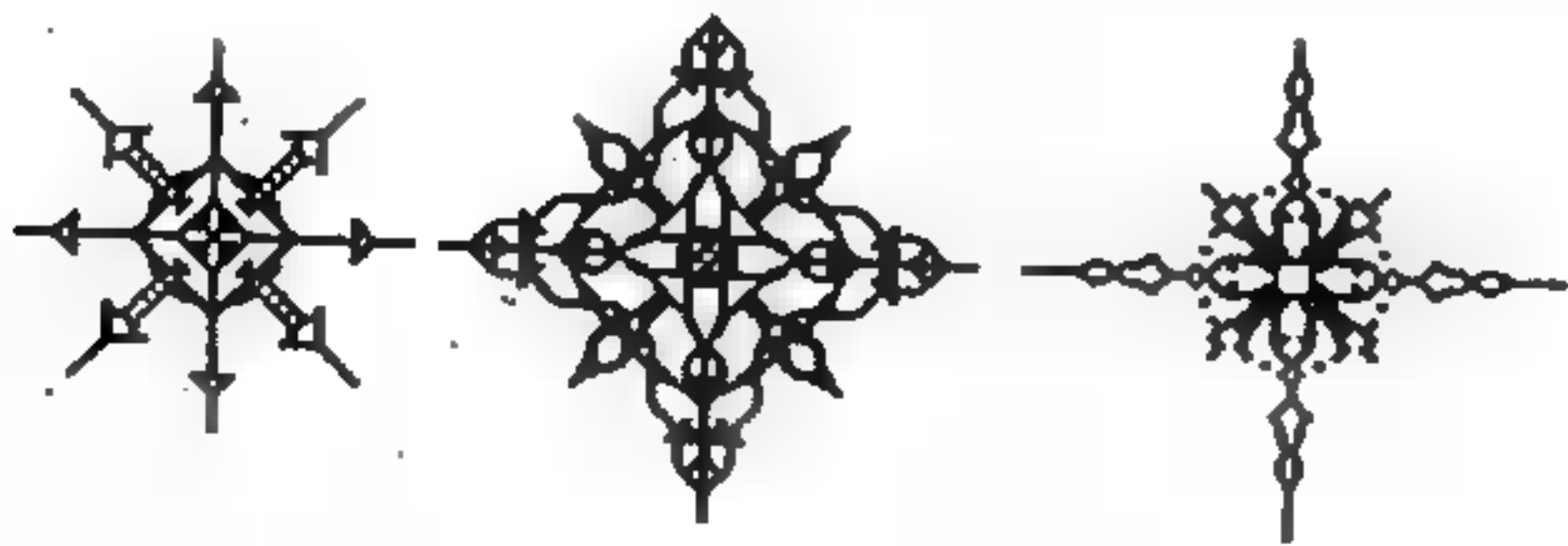
پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الا اللہ: حضرت مفتی صاحب نے ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو بھی قومی اسمبلی کے اجلاس سے عظیم الشان خطاب فرمایا تھا۔ چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

جناب صدر! ہم سمجھتے ہیں کہ اس ملک کو بناتے وقت یہ نعرہ لگایا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب **لاالہ الا اللہ** ہوگا۔ اور آپ بھی جانتے ہیں چوبیس سال تک حکمرانوں اور سیاست دانوں نے ہمیشہ اسلام کو سیاسی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کے نظریئے اور دین و مذہب کا تعلق ہے تو اس سے انحراف کی تمام کوششیں جاری ہیں۔ اس آئین میں ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا ہے، مگر بنظر عمیق دیکھنے سے بھی اسلام کی کوئی بات نظر نہیں آتی ۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے آئینوں میں بھی اس کا نام یہی رکھا گیا تھا، مگر دوربین لگا کر بھی اس نظام میں اسلام کی کوئی بات دیکھ نہیں سکتے۔ جمہوریہ اس کو کہا گیا مگر جمہوریت کی کوئی بات اس میں ہمیں نہیں مل سکتی اور اب بھی ملک مارشل لاء کے تسلط میں چل رہا ہے۔

سرکاری مذہب اسلام: محترم صدر! یہ بات بالکل معمولی سی بات ہے کہ محترم وزیر قانون سے (جن کا میرے دل میں احترام ہے) ہم نے مطالبہ کیا کہ آپ یہ دفعہ بھی آئین میں رکھ دیں کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ اسلامی ممالک مصر، لیبیا کے دساتیر (جن کو بہت سوں نے سوشلسٹ قرار دیا) میں یہ دفعہ موجود ہے۔ **دین الدولته هو السلام**، تو وہ ملک جو اسلام کے نام پر قائم نہیں ہوئے وہاں بھی ایسی دفعہ موجود ہے، تو یہاں اگر اس دفعہ کو شامل کرلیا جاتا، تو پاکستان کے کروڑوں مسلمان مطمئن ہو جاتے، مگر اس معمولی سی بات سے بھی گریز کیا جارہا ہے۔

بنیادی حقوق اور ارتداد کی آزادی: یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکے گا۔ یہ بات بھی میں سمجھتا ہوں کہ ایک دھوکہ ہے اس لئے کہ بنیادی حقوق کی دفعات اس کی نفی کرتی ہیں، مثلاً ان دفعات میں مذہبی آزادی کے عنوان میں وضاحت سے کہا گیا کہ پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے قبول کرسکتا ہے اس میں گویا مسلمان کو عیسائی، یہودی، ہندو اور مرزائی، بننے کا حق دیا گیا ہے۔ مرتد ہونے کی اجازت دی گئی ہے، مگر اسلامی قانون سازی کہتی ہے کہ **من بدل دینا فاقتلوہ** ۔ اسلامی قانون کے تحت اگر اس ہاؤس میں ہم قانون سازی کا کام شروع کردیں، تو ایسے شخص کو قتل مرتد کی سزا تجویز کریں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! "**انما جزاء الذین یحادلون اللّٰه ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلو او یصلبو او تقطع ایدهم وارجلهم من خلاف**" اسی طرح حدیث میں ہے کہ **من بدل دینا فاقتلوہ** جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کردو۔

قرآن وسنت کی اس تصریح کے بعد ہم اب یہ سزا تجویز نہیں کرسکتے، اس لئے کہ آپ نے آزادی مذہب کے نام سے اسے آئین میں حق دیدیا ہے، مگر مسلمانوں کے ہاں سب سے عظیم جرم ارتداد ہے ۔ زنا۔ شراب خوری سود خوری ڈاکہ "زنی کا جرم اس سے کم ہے۔

جب بڑے سے بڑے جرم پر سزا نہیں ہوسکتی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ آئین کسی طرح اسلامی نہیں کہلاسکتا۔

پیشوں کی آزادی :جناب صدر! آئین میں پیشے کی آزادی کو بنیادی حق سمجھا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کتاب وسنت کے مطابق جائز شرط لگانی چاہیے۔یہاں شراب فروشی، جواء، قحبہ خانہ اور زنا کاری جیسے پیشے جاری ہیں اس پر پابندی ضروری ہے۔

نظر بندی کی دفعہ اور اسلام : دوسری بات نظر بندی کی دفعہ کے متعلق ہے۔ اسلام میں جرم ثابت کیے بغیر مجرم کو ایک دن بھی جیل میں نہیں رکھا جاسکتا۔ قیوم خان تردید کرتے ہیں، مگر میرے سامنے ایسے قیدی ہیں جو مدتوں جیل میں رہے۔ منہ کالے کئے گئے ایسے مولوی ہیں جن کی ڈاڑھیاں نوچی گئی تھیں، اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص ایک سال جیل میں رہے ایک سال باہر،سال پھر اندر۔

بجٹ پر مفتی صاحبؒ کی تقریر: ۱۹۶۲ء کے بجٹ پر حضرت مفتی صاحبؒ نے قومی اسمبلی میں جو تقریر فرمائی اسکے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

خداوند تعالی کا شکر ہے کہ آج ہم آزادی کے بعد پہلی مرتبہ اپنے آئین کے تحت قائم شدہ نیشنل اسمبلی میں بجٹ پر عام بحث کررہے ہیں۔ یہ ملک خدا اور رسول ﷺ قرآن وحدیث، اسلام مذہب دین کے مقدس ناموں پر حاصل کیا گیا تھا۔ یقینا یہ ملک ہمارے پاس ایک معظم ومقتدر نعمت ہے۔ جس قدر نعمت جلیل ہوتی ہے اتنا ہی اس کا شکر عظیم ادا کرنا ہوتا ہے۔

آئیے ہم سب مل کر جائزہ لیں کہ کیا ہم نے فی الواقع اس نعمت جلیلہ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ تعالی کے وعدے " **لازیدنکم** " کے مستحق بنے؟ یا " **کفران نعمت** " کرکے اللہ تعالی کے عذاب شدید کو دعوت دی؟ ہم سب ملک کے منتخب نمائندے ہیں ہمارا قول وفعل کردار وعمل پوری قوم کے کردار کا آئینہ ہے پاکستان کے معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے یہاں کی سرزمین کو اسلامی قانون کے لئے ہموار کرنے یہاں سے فرنگی دور کے اثرات کو محو کرنے، یورپین، تہذیب وتمدن، مغربی افکار واطوار کو ختم کرنے غلامی کی منحوس ومرعوب ذہنیت کو فنا کرنے کے لئے ہم نے کیا کیا ہے اور ہمارے اس زیر بحث بجٹ میں ان مقاصد عالیہ کو بروئے کار لانے کے لئے کتنا حصہ رکھا گیا ہے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ پندرہ سال ہونے کو ہیں ہمارے ملک میں وہی انگریزی دور کا قانون رائج ہے اسی کے مطابق دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں ۔ ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں، جب ہم ان خوشنما وعدوں کو یاد کرتے ہیں جو پاکستان بناتے وقت کئے جاتے رہے۔ اسلام بیچارے کو اس ملک میں ہمیشہ اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔

محترم اراکین! ہمارے سامنے جو بجٹ پیش ہورہا ہے اسے تیار کرتے وقت آمد وخرچ کی ترتیب میں یہاں کے عوام کے دینی احساسات اور جذبات کو قطعاً نظر انداز کردیا گیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بجٹ کسی لادینی سٹیٹ کا اور سیکولرازم کے احساسات سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس بجٹ میں شراب جیسی ملعون چیز کے درآمدی ٹیکسوں کو آمدنی کا ذریعہ ظاہر کیا گیا ہو، اس کی میں کس طرح تحسین کروں ۔ شراب کے بارے میں فرمان خداوندی ہے۔

" رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" (سورۃ مائدۃ آیت نمبر ۹۰)

" شراب گندی چیز ہے شیطانی عمل ہے اس سے کلی اجتناب کر کے ہی تم فلاح کا راستہ حاصل کر سکتے ہو"

اس واضح حکم کے بعد شراب کی درآمد پر کامل پابندی ہی ملک کے بچاؤ کا سبب بن سکتی ہے۔ نیز جس بجٹ میں سود کی آمدنی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر خزانہ کے دل میں ندامت کے احساسات نہ ابھریں اس کو اسلامی ملک کا بجٹ کس طرح کہہ سکتا ہوں۔ شراب اور سود کی حرمت پر حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن وحدیث سے بے شمار دلائل دیئے اور نہایت موثر خطاب فرمایا۔ اور ان تمام مدات کی نشاندہی کی جو ناجائز تھیں آپ نے اسلامی قانون کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے لئے چند امور کا ذکر کیا کہ ان امور کے لئے بجٹ میں سے ایک معتدبہ حصہ متعین کیا جائے، تاکہ اسے اسلامی بجٹ کہا جا سکے۔

مسئلہ کشمیر: حضرت مفتی صاحبؒ خداداد فہم وفراست اور بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کا موقف انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

۲۷ سال سے کشمیر کے متعلق پاکستان میں یہ موقف چلا آرہا ہے کہ کشمیریوں کی تقدیر کا فیصلہ حق خود ارادیت سے ہی ہوگا۔ خواہ ان کشمیریوں کا تعلق آزاد کشمیر سے ہو یا مقبوضہ کشمیر سے۔ وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کریں گے۔ پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ اگر آزاد کشمیر کے لوگوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی اور پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان میں نمائندگی دی گئی تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ آزاد کشمیر کو پاکستان کا حصہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ مقبوضہ اور موجودہ کنٹرول لائن کو مستقل لائن کی حیثیت دے کر کشمیر کے مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے مقبوضہ کشمیر بھارت کو طشتری میں رکھ کر پیش کر دیا جائے گا اور کنٹرول لائن سے اس پار کا علاقہ پاکستان کو مل جائے گا اس کے تو یہ معنی ہیں کہ انڈیا کے ساتھ ان کا کوئی معاہدہ ہوا ہے اور یہ کشمیر کی آزادی کے خلاف سازش ہوگی۔ کشمیریوں کے خلاف یہ فیصلہ پاکستانیوں اور کشمیریوں دونوں کے لئے ناقابل قبول ہوگا۔

اسلامی نظام ہی ہمارا مقصد حیات ہے: حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ نفاذ اسلام کے سلسلہ میں، میں غیر سیاسی ہوں۔ خواہ اوپر سے آئے یا نیچے سے آئے، ہم اسے قبول کریں گے، خواہ بذریعہ فوج آئے یا بذریعہ سول انقلاب آئے۔ یا انتخاب کے ذریعہ آئے کسی طریقے آئے وہ اسے قبول کریں گے، اس کا خیر مقدم کریں گے۔ ہمارا مقصد حیات ہی اسلام اور فقط اسلام ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں اسلامی نظام کے قیام کے لئے سب سے مقدم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی وملی شعور بیدار کر کے انہیں پوری آزادی کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کرنے کا احساس دلایا جائے اور پھر ملک میں ہر قسم کے دباؤ اور تاثرات سے انتخابات کا باقاعدہ انتظام ہو، تاکہ پاکستان کا ہر مسلمان شہری لالچ، غرض اور کسی خارجی اثر سے بے نیاز ہو کر نیک وبد نمائندے کی تمیز کرتے ہوئے اپنے نمائندے منتخب کرے، وہ لوگ جن کی اپنی زندگیاں اسلام کے منافی ہوتی ہیں وہ اسلامی منشور لے کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، کہ ہم اسلام کے نظام کو قائم کریں گے۔ ان لوگوں سے مایوس ہو جانا چاہیے، کیونکہ جو حضرات اپنے چھوٹے سے ملک یعنی سر سے پاؤں تک جو کہ تقریباً

چھ فٹ طویل ہے میں اسلام کو نافذ نہیں کرسکتے اور جو اپنے گھر پر مشتمل مرلوں کے ملک میں اسلام کے نظام کو نافذ نہیں کرسکتے۔ حالانکہ وہاں ان کی مرضی چلتی ہے، وہ اتنے بڑے وسیع وعریض پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے روادار کیسے ہوسکتے ہیں؟۔

خارجہ پالیسی : پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کا نہایت عمدہ مطمع نظر تھا کہ "آزاد اور غیر جانبدار پالیسی ہی پاکستان کے حق میں بہتر ہوسکتی ہے۔ پاکستان کو اپنے مفاد کے پیش نظر اور اسلام کے اصولوں کی روشنی میں ایسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے جس سے پاکستان اسلامی ملکوں کی قیادت کی اہلیت بھی اپنے اندر پیدا کرے اور بین الاقوامی دنیا میں بھی اسے مستحکم پوزیشن حاصل ہو پاکستان کو مغربی ممالک کے ساتھ کئے ہوئے تمام فوجی معاہدوں سے فوراً دستبردار جانا چاہیے، اور عرب ممالک کو یقین دلانا چاہئے کہ پاکستان ان کے بھائی کی حیثیت سے ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔ اس طرح پاکستان کو اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ بھی اچھے روابط قائم کرنا چاہیے، تاکہ خارجہ خطرات سے محفوظ رہ کر پاکستان اندرونی ترقی کے لیے آزادی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔"

اسلام اور مزدور اور کسان : اسلام میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے والا شرعاً اس کا مالک ہوتا ہے۔ اس اصول کے مطابق تمام وہ زمینیں، جو حال ہی میں آباد ہوئی ہیں، موجودہ آباد کار مزارعین کو زمینوں کے مالک قرار دیا جائے۔ اور قدیم آباد زمینوں سے متعلق یہ تحقیقات کی جائے کہ آیا یہ اراضی کسی جائز طریقے سے حاصل کی گئی تھی یا انگریز نے بطور جاگیر حق الخدمت میں کسی کو عطا کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسی اراضی کو لازماً واپس لے کر بے زمین لوگوں میں تقسیم کردیا جائے۔ اگر مزارعین کی مظلومیت اس کے باوجود محسوس ہو تو کوئی بھی اسلامی حکومت ضرورت و مصلحت کے تحت مزارعت کے سسٹم کو ناجائز قرار دے سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی وامام مالک تینوں اس پر متفق ہیں کہ مزارعت کا معاملہ جائز نہیں، چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ائمہ میں اختلاف رہا ہے۔ اس لئے ضرورت کے تحت اس کو ممنوع قرار دینا کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔ باقی رہا بڑے بڑے صنعتکاروں سے متعلق سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ حکومت لازمی طور پر مزدوروں کی تنخواہوں کو اس حد تک بڑھادے کہ مزدوروں کو اپنی محنت کا پورا پورا صلہ مل سکے۔ جس سے ان کی گھریلو ضروریات، بچوں کی تعلیم اور علاج وغیرہ کی بحسن وخوبی کفالت ہوسکے۔ اس طرح یہ مسئلہ آسانی کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ امر مسلمہ ہے کہ جو لوگ دس کروڑ پاکستانی بھوکے عوام کے مسائل کو حل کئے بغیر یہ سمجھتے ہیں، کہ چند سرمایہ داروں سے پاکستان میں امن قائم ہوسکتا ہے، وہ احمقوں کی جنت میں بستے ہیں۔ غریبوں کے مسائل حل کئے بغیر نہ پاکستان ترقی کرسکتا ہے اور نہ کوئی مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، کہ ایک عام مسلمان تو پاکستان میں محنت کرنے کے باوجود اپنے بچوں کا پیٹ نہ پال سکے اور بھوک وفاقے کی زندگی گزارتا رہے، جب کہ چند انسان یہاں پر خرمستیاں کرتے پھریں۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے، اگر ایک کتا دریائے فرات کے کنارے بھوک سے مرجاتا ہے، تو قیامت کے دن عمرؓ سے اس کا بھی سوال کیا جائے گا۔

تحریک ختم نبوت: تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلی جس تحریک میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حصہ لیا وہ ۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک تھی جو کہ خالصتاً ایک دینی ومذہبی تحریک تھی۔ جس میں ہزاروں علماء ومشائخ اور لاکھوں عوام نے حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ناموس رسالت کی خاطر اس تحریک میں تقریباً ایک سال پس دیوار زنداں رہ کر سنت یوسفی پر عمل کیا مگر جیسا کہ پہلے میں بیان کر چکا ہوں، کہ ۵۳ء میں تحریک بوجوہ کامیاب ثابت نہ ہوئی اور گوہر مقصود حاصل نہ ہوا، تو کچھ عرصہ کے لئے یہ تحریک خاموش ہو گئی۔

۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو حضرت مفتی صاحبؒ پیش پیش تھے۔ تحریک کی قیادت کا سہرا محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے سر تھا، مگر قومی اسمبلی میں تحریک کا معرکہ مفتی صاحب لڑ رہے تھے۔ مفتی صاحب کے لئے دن رات کا چین دور ہو گیا تھا اور مسلسل شب وروز کی محنت سے تحریک کے اصل مقصود حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ عامۃ المسلمین سے رابطہ رکھتے اور لاکھوں کے اجتماعات سے خطاب بھی فرماتے۔ علماء وقانون دانوں سے مشورہ بھی کرتے اور سرکاری وغیر سرکاری لوگوں کے احساسات کو بھی مدنظر رکھتے۔ پھر بات یہاں تک ختم نہیں ہوئی، بلکہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے پیشوا مرزا ناصر پر بھی گرفت کرتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس موقعہ پر اسمبلی کے اندر اور باہر جس محنت اور تدبر سے یہ معرکہ لڑا وہ حقیقتاً مفتی صاحب کا ہی حق تھا اور بلاشبہ اس پر وہ پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اس تحریک کی ابتداء ربوہ ریلوے اسٹیشن کے واقعے سے ہوئی تھی، جہاں قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبہ کو پیٹا اور زبردست تشدد کیا۔ اس پر ملک بھر میں شدید رد عمل کا اظہار کیا گیا اور قادیانی ہنگاموں اور جلوسوں سے تنگ آکر چھپتے پھرنے لگے مگر جب تحریک قابو سے باہر ہوتی ہوئی نظر آنے لگی تو حکومت اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں لے گئی۔

چنانچہ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے لئے ایوان میں حزب اختلاف کے جن ۳۷ ارکان نے قرار داد پیش کی گئی ان میں مفتی صاحب کا نام سرفہرست تھا قرارداد کے بعد اس مسئلہ کے حل کے لئے اسمبلی کے اجلاس میں ایک "رہبر کمیٹی" تشکیل ہوئی حزب اختلاف نے اس "رہبر کمیٹی" کی معرفت یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ اس مسئلہ کا ایک فریق قادیانی بھی ہیں اس لئے انکے دلائل سننے کے لئے انہیں بھی اسمبلی میں مدعو کیا جائے۔ تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں، کہ ہمارے دلائل سنے بغیر ہی فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ مرزا ناصر اور لاہوری پارٹی کے سربراہ کو طلب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کے روبرو حزب اختلاف کی ترجمانی کا شرف حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمایا۔ مرزا ناصر کرتہ شلوار زیب تن کئے اور طرے دار سفید پگڑی باندھے، باقاعدہ متشرع ڈاڑھی اور بڑے طمطراق سے آیا دوران خطاب وگفتگو جب نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کا نام نامی اسم گرامی زبان پر لاتا تو بڑے ادب واحترام سے درود شریف بھی پڑھتا اور قرآنی آیات کے حوالے بھی دیتا۔ سادہ لوح ارکان اسمبلی اس صورت حال پر بہت پریشان تھے کہ یہ سفید ریش بزرگ جو نبی ﷺ پر درود شریف بھی پڑھتے ہیں اور قرآنی آیات بھی پڑھتے ہیں، کیسے کافر ہو سکتے ہیں۔ مگر چند لمحوں بعد ہی حضرت مفتی صاحبؒ

نے مرزا ناصر پر جرح شروع کی اور قرآن وحدیث سے دلائل و براہین پیش کر کے دندان شکن جوابات کے ذریعے اسے مبہوت کردیا، اگرچہ یہ جرح تیرہ روز تک جاری رہی، گیارہ روز ربوہ گروپ پر جو مرزا قادیانی کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اور دو روز لاہوری گرپ پر جو قادیانی کو قائد مانتا ہے۔ ہر روز آٹھ گھنٹے جرح ہوتی مگر اس طول جرح نے قادیانیت کے بھیانک اور مکروہ چہرے کو بے نقاب کردیا اور ہمیشہ کے لئے انکا چراغ گل کردیا۔ اور ارکان اسمبلی بخوبی سمجھ گئے کہ قادیانی ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہیں۔

سب کمیٹی : ۲۲ اگست کو حزب اختلاف کے چھ رہنماؤں مولانا حضرت مفتی صاحبؒ، پروفیسر عبدالغفور، مولانا شاہ احمد نورانی، چوہدری ظہور الہٰی، مسٹر غلام فاروق اور سردار مولا بخش سومرو۔ حزب اقتدار کے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ پر مشتمل ایک "سب کمیٹی" تشکیل دی گئی۔ "سب کمیٹی" کے ذمہ یہ کام لگا کہ وہ مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعہ قادیانی مسئلہ کا متفقہ حل تلاش کریں۔

۵ ستمبر کی شام تک اس کمیٹی کے بہت سے اجلاس ہوئے مگر متفقہ حل کی صورت کسی طرح بھی ممکن نہ ہوسکی۔ سب سے زیادہ جھگڑا دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم کے مسئلہ پر ہوا۔ اس دفعہ کے تحت صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔ بلوچستان میں ایک، سرحد میں ایک، سندھ میں دو، اور پنجاب میں تین سیٹیں اور چھ اقلیتوں کے نام یہ ہیں

۱۔ عیسائی، ۲۔ ہندو، ۳۔ سکھ ۴۔ پارسی، ۵۔ بدھ شیڈول کاسٹ یعنی اچھوت۔ حزب اختلاف کے نمائندوں کا یہ مطالبہ تھا کہ ان چھ کی قطار میں قادیانیوں کو بھی شامل کیا جائے، تاکہ کسی کو کوئی شبہ باقی نہ رہے، اس کے لئے حکومت تیار نہ تھی۔

مسٹر پیرزادہ: اس کو رہنے دیں

حضرت مفتی صاحبؒ جب اور اقلیتی فرقوں کے نام فہرست میں شامل ہیں تو ان کے نام بھی لکھ دیں۔

پیرزادہ: وہ اقلیتی فرقوں کا ڈیمانڈ تھا۔ مرزائیوں کا ڈیمانڈ نہیں ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ یہ تمہاری تنگ نظری ہے، اور ہماری فراخدلی کا ثبوت ہے، کہ ہم ان کے ڈیمانڈ کے بغیر انہیں ان کا حق دے رہے ہیں۔

۷ ستمبر کو اسمبلی نے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا مگر اب تک کوئی فیصلہ ہی نہیں ہوسکا تھا ۶ ستمبر کو صبح مسٹر بھٹو نے حضرت مفتی صاحبؒ سمیت "سب کمیٹی" کے ارکان کو پرائم منسٹر ہاوس میں بلایا۔ مگر اس موقعہ پر بھی مسلسل دو گھنٹے کی گفتگو کے باوجود کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا۔ حکومت کی بھرپور کوشش تھی کہ دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم کا مسئلہ چھوڑ دیا جائے، مگر اپوزیشن ترمیم پر مصر تھی،۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد مسٹر بھٹو نے کہا میں سوچوں گا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ بلالوں گا۔ بوقت عصر اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو پیرزادہ نے مفتی صاحب سمیت کمیٹی کے دیگر ارکان کو اسپیکر کے کمرے میں بلالیا۔

حزب اختلاف نے اپنا موقف پھر واضح کیا کہ دفعہ ۱۰۶ میں چھ اقلیتی فرقوں کے ساتھ مرزائیوں کی تصریح کی جائے اور بریکٹ میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ لکھا جائے۔

پیرزادہ: وہ اپنے آپ کو مرزائی نہیں کہتے احمدی کہتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہم ان کو احمدی تسلیم نہیں کرتے احمدی تو ہم ہیں چلو انہیں مرزا قادیانی کے پیروکار لکھ دو،

پیرزادہ: دستور میں کسی شخص کا نام نہیں ہوتا۔ (حالانکہ دستور میں حضرت محمد ﷺ اور قائد اعظم کے نام موجود ہیں) پھر سوچ کر بولے حضرت مفتی صاحب! مرزا کے نام سے دستور کو کیوں پلید کرتے ہو! (مسٹر پیرزادہ کا خیال تھا کہ شاید اس حیلے سے حضرت مفتی صاحب ٹل جائیں گے)

حضرت مفتی صاحب: شیطان ابلیس اور خنزیر کے نام بھی قرآن پاک میں موجود ہیں اس سے قرآن کریم کی صداقت و تقدس پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مسٹر پیرزادہ: (لاجواب ہو کر کہنے لگے) جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب: بریکٹ بند ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتی ہیں، صرف وضاحت کے لئے ہوتا ہے۔ یوں لکھ دو قادیانی گروپ، لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)

چنانچہ اس پر فیصلہ ہو گیا۔ اور قومی اسمبلی نے ۷ دسمبر ۱۹۷۴ء کو اس عظیم الشان فیصلہ کا اعلان کر دیا جس کا پوری ملت کی طرف سے اسمبلی پر دباؤ تھا۔ قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر قومی اسمبلی نے اپنی تاریخ میں پہلی بار ملی امنگوں کی ترجمانی کی اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کیا۔ اور دستور کی دفعہ ۲۶۰ میں اس تاریخی شق کا یوں اضافہ کیا۔

"جو شخص خاتم النبیین محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو اور محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی ومطلب یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبری کا دعویدار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو، وہ آئین یا قانون کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے"۔ دستور میں دفعہ ۱۰۶ کی شکل یوں بنی۔

"بلوچستان، پنجاب، سرحد اور سندھ کے صوبائی اسمبلیوں میں ایسے افراد کے لئے مخصوص نشستیں ہوں گی؛ جو عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ، اور پارسی فرقوں اور قادیانی گروہ یا لاہوری افراد (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا شیڈول کاسٹس سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلوچستان ایک، سرحد ایک، پنجاب تین، سندھ دو"

اس دستوری ترامیم کے علاوہ تین سفارشات بھی آئیں۔ پہلی سفارش یہ تھی، تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ شق نمبر ۳ کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم نبیین ہونے کے خلاف اقرار عمل یا تبلیغ کرے۔ وہ دفعہ ہذا کے مطابق مستوجب سزا ہو گا۔

تراسیم وحمایت : یہ بات قابل ذکر ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی ان آئینی ترامیم کے حق میں ایک سو تیس ووٹ آئے جب کہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہ ڈالا گیا۔ **فالحمد للہ علی ذلک** ۔

قادیانیت کی ابتداء وانتہا اور امیر شریعت : یوں تو یہ تحریک علماء لدھیانہ سے چل چکی تھی اور اہلسنت کے حاجی امداد اللہؒ اور ہر مکتب فکر نے اس میں حصہ لیا لیکن جو کام فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے محدث العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت قرار دے کر رد قادیانیت کے کام پر لگا کر۔ اور خود بنفس نفیس امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان پر کامل اعتماد کا اظہار فرمایا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس تحریک کو جس جانفشانی اور عالی ہمتی سے چلایا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے انگریز سے ٹکر لینا، قادیان میں خطاب کرنا، مرزائیوں سے مناظرہ کرنا جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا اور پھر ساتھیوں کو بھی منظم رکھنا۔ غرضیکہ ہر جگہ قادیانیوں کا تعاقب کرنا یہ امیر شریعت کا حصہ تھا۔

۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی۔ قادیانیوں کے بارے میں مسلمانوں کے متفقہ مطالبات ارباب اقتدار کی خدمت میں پیش کئے گئے لیکن اس وقت اقتدار قادیانیوں کے شکنجہ میں تھا۔ اس اپاہج اقتدار نے اسلامی مطالبات کا جواب گولی سے دیا مجلس عمل کے معزز رہنما جیلوں کی زینت بنے ہزارہا مسلمانوں کو بھون ڈالا گیا اور لاکھوں پسِ دیوار زنداں بھیج دیئے گئے، جو مہینوں نہیں سالوں تک جرم بے گناہی کی سزا کاٹتے رہے۔ یہ تحریک بظاہر ناکامی سے ہمکنار اور تشدد کا شکار ہوئی تھی۔

اس تحریک کے بعد ایک سرکاری افسر نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت امیر شریعت مولنا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے طنزاً کہا شاہ جی! وہ آپ کی تحریک کا کیا ہوا؟ "حضرت شاہ صاحب نے فرمایا میں نے اس تحریک کے ذریعے ایک ایٹم بم مسلمانوں کے دلوں کی زمین میں چھپا دیا ہے، جب وہ اپنے وقت پر پھٹے گا تو قادیانیوں کو اقتدار کی کوئی طاقت تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکے گی، چنانچہ دنیا نے یہ دیکھا کہ ۲۹ مئی ۷۴ء کو یہ ٹائم بم خود قادیانیوں کے ہاتھوں ربوہ ریلوے سٹیشن پر پھٹا۔ جس سے قادیانیت کے محل میں زلزلہ آیا۔ قادیانیوں کے قصر خلافت ربوہ پر مایوسیوں کے بادل منڈلاتے رہے، اور ۷ ستمبر ۷۴ء کو جب مطلع صاف ہوا تو پوری دنیا نے دیکھا کہ قادیانیت کا مصنوعی سورج اسلامی افق سے غروب ہو چکا ہے۔ اور آئین پاکستان میں قادیانیوں کا نام غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں سکھوں ہندوؤں اور اچھوتوں کے ساتھ درج ہے اور دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ نہ تو امریکہ سے برطانیہ تک اقتدار کی کوئی طاقت قادیانیوں کو اس انجام سے بچا سکی نہ یہودیوں کا سرمایہ ان کی ذلت ورسوائی کے داغ مٹا سکا سچ ہے

"قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"

ایک دلچسپ واقعہ : آج سے پورے سترہ سال قبل مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ نے قادیانیت پر ایک طویل مضمون لکھا تھا، جو کہ "ماہنامہ الرشید" کے دار العلوم دیوبند نمبر میں فروری مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں صفحہ ۱۳ ۷ پر مولانا لدھیانوی نے لکھا تھا "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے امیر مولانا محمد علی جالندھری کی تقریروں کا یہ فقرہ بہت سے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہوگا کہ"

" آج کل امریکہ چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اگر کسی وقت چاند پر انسان آباد ہوا اور اگر زمین سے کوئی انسانی قافلہ چاند پر منتقل ہوا تو جو قافلہ انسانی آبادی کے سب سے پہلے قافلے کو لے کر جائے گا اس میں ان شاء اللہ مجلس ختم نبوت کا نمائندہ ہوں گا"۔

دراصل قائدین مجلس تحفظ ختم نبوت کے مدنظر یہ بات ہے کہ ختم نبوت کی دعوت اور قادیانیت کی تردید کا کام دنیا کے ہر اس خطے پر کیا جائے جہاں کوئی انسانی آبادی موجود ہو۔ چنانچہ اتفاق دیکھئے کہ روزنامہ جنگ لاہور اشاعت ۲۸ فروری ۱۹۹۰ء کے صفحہ نمبر ۲ پر یہ خبر چھپ گئی کہ " مجلس تحفظ ختم نبوت "چاند پر زمین حاصل کرے گی اور وہاں آبادکاری ہوتے ہی مجلس کا دفتر قائم کیا جائے گا اس جز میں وضاحت سے کہا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی جو نہ صرف ختم نبوت کا منکر تھا بلکہ واقعہ معراج شریف اور حضور ﷺ کے واقعہ شق القمر کا بھی منکر تھا اور چاند کو محض روشنی کا گولہ قرار دیتا تھا مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کی سخت تردید کی تھی لہذا مجلس تحفظ ختم نبوت نشان صداقت کے طور پر چاند پر زمین حاصل کرنے کی درخواست دے گی۔ یہ خبر یونہی شائع نہیں ہوگئی بلکہ اس سے دو روز بیشتر ۲۶ فروری ۹۰ء کو اسی روزنامہ جنگ کے صفحہ نمبر ۸ پر ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ راولپنڈی کے توقیر جیلانی کو چاند پر دس اکڑ پلاٹ الاٹ ہوگیا ہے۔ اور یہ معاہدہ امریکی فرم سے ہوا۔ تین دیگر ممالک کے شہریوں نے بھی زمین حاصل کرلی۔ اس خبر کے ساتھ توقیر جیلانی کی تصویر اور چاند پر زمین کی الاٹمنٹ کے معاہدہ کی نقل بھی شائع ہوئی۔ چنانچہ اگلے ہی روز مجلس تحفظ ختم نبوتؐ نے بھی چاند پر پہنچ کر رد قادیانیت کے عزم مصمم کو عملی جامہ پہنانے کا اعلان کردیا۔

یہ سب کچھ **بحمدللہ و توفیقہ**، اسمبلی کے اسی فیصلے کی وجہ سے ہو رہا ہے جس فیصلے میں مفتی محمود نے دیگر ممبران سمیت ایک عظیم کردار ادا کیا۔

تحریک نظام مصطفیٰ : بھٹو حکومت کی طرف سے عام انتخابات میں تاریخی دھاندلی کے خلاف اور بحالی جمہوریت کی جو تحریک اٹھی وہ بالآخر نظام مصطفیٰ تحریک میں بدل گئی۔ اس کی قیادت کا سہرا بھی حضرت مفتی صاحب کے سر بندھا۔ اس تحریک میں ہر صوبہ، ہر شہر، ہر گروہ اور ہر جماعت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کیونکہ یہ تحریک اسلام کے نام پر تھی۔ سب کا ایک ہی مطالبہ اور ایک ہی نعرہ تھا کہ ملک میں فوری طور پر اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ تحریک کیا تھی ایک طوفان تھا تمام بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے سربراہ متحد ہوگئے اور مفتی صاحب کو اپنا قائد تسلیم کرلیا۔ قیادت تسلیم کرنے والوں میں مسلم لیگ کے سربراہ سید مردان علی شاہ، پیر پگاڑہ، جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی، جماعت اسلامی پاکستان کے سربراہ میاں محمد طفیل، تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ سردار عبدالقیوم، پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان اور پاکستان خاکسار تحریک کے سربراہ خان اشرف خان شامل تھے۔ ان سب جماعتوں (قومی اتحاد) کو حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی قیادت و امامت اور صداقت و دیانت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ کیونکہ مفتی صاحب نرے مولوی نہ تھے، بلکہ مفتی صاحب اور قومی سیاست لازم و ملزوم تھے۔ ان کی سیاست علاقائی سیاست نہ تھی بلکہ ان کا دل پوری قوم کے لئے دھڑکتا تھا۔ وہ ایک فقیر منش انسان تھے، دیگر لوگوں کی طرح ان میں تعلی یا تصنع

وبناوٹ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ قومی سیاست میں آپ کا کردار عظیم المثال تھا۔ مفتی صاحبؒ نے اس تحریک میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور تحریک کو جس دور اندیشی سے چلایا پوری قوم کو اس پر فخر ہے۔ اور آپ نے ثابت کردیا کہ تحریک وہی کامیاب ہوتی ہے جسے مولوی چلائے اور تحریک مسجد کے منبر و محراب سے اٹھے۔ اسی تحریکِ نظام مصطفےٰ میں نوجوان چلتی ٹرین کے آگے لیٹ گئے تھے، کہ آج اسلام کی عظمت کے لئے پہیہ جام ہڑتال ہے۔ سکھر میں تقریباً ایک درجن بچوں کی آنکھیں ضائع کردی گئیں۔ کمالیہ شہر میں ایک نوجوان کو ناک میں نکیل ڈال کر ننگا کر کے بھرے بازار میں پھرایا گیا بم کیس کے الزام میں نیپ کے کارکنوں کے سامنے ہری پور میں ان کی بہنوں اور بیویوں کو ننگا کیا گیا۔ مسجد لاہور میں ۱۳ گھنٹے تک علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کا خون بہتا رہا۔ میمن مسجد کراچی، مسجد شہدا لاہور، اور تعلیم القرآن راولپنڈی میں نماز کے دوران اشک آور گیس پھینک کر نمازیوں کو بیہوش اور زخمی کیا گیا۔ کراچی میں عورتوں نے تیرہ ہزار چھوٹے بڑے جلوس نکالے، لاہور میں عورتوں کے سیکڑوں جلوس نکالے گئے۔ ان میں سب سے بڑا جلوس ۹ اپریل کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے کے موقعہ پر نکالا گیا۔ اس جلوس میں مولانا مفتی محمود کی اہلیہ کے علاوہ پاکستان کے تمام سیاستدانوں اور مذہبی وروحانی پیشواؤں کی عورتیں شریک ہوئیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں ۲۹۴ افراد اسلام کے نام پر شہید ہوئے۔ ۲۲۸۲۵ افراد گرفتار ہوئے۔ تحریک میں سب سے زیادہ گرفتاریاں مفتی محمود صاحبؒ کی جمعیۃ علماء اسلام کے لوگوں نے پیش کیں۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی ایک مذہبی وسیاسی جماعت ہے۔ اس کے پاس افرادی قوت تقریباً تمام جماعتوں سے زیادہ ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے افراد نے ہر باطل تحریک کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر ہو کر کام کیا ہے۔

وزارت اعلیٰ سرحد: حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حثیت سے حلف اٹھایا۔ کیونکہ الیکشن میں سرحد اور بلوچستان کی اسمبلیوں میں آپ کی جماعت کو واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ آپ کا بحیثیت وزیر اعلیٰ حلف اٹھانا استعمار نواز طبقوں اور بیوروکریسی کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ تھا۔ جو کہا کرتے تھے مولویوں کو سیاست کی کیا خبر ہے حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اپنی وزارت اعلیٰ کے صرف ساڑھے نو ماہ کے قلیل عرصہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، وہ اپنی مثال آپ ہیں آپ نے حلف اٹھاتے ہی سب سے پہلا آرڈیننس، امتناعِ شراب کا جاری کردیا اور شراب پینے، بنانے، رکھنے، اور بیچنے پر مکمل پابندی عائد کردی۔ حالانکہ مفتی صاحب کو اپنے اس اقدام سے صوبہ سرحد کو چالیس لاکھ روپے سالانہ کی ایکسائز ڈیوٹی کے خسارے کا علم تھا، مگر ان تمام خطرات سے بے پرواہ ہوتے ہوئے اسلامی نظام کی طرف پوری قوت سے پہلا قدم بڑھادیا۔ آپ کے اس اقدام کا نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں خیر مقدم کیا گیا۔ لیبیا کے صدر معمر قذافی نے آپ کو اس جرأتمندانہ اقدام پر مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ بن باز نے کہا، پورے عرب میں آپ کی اسلام دوستی اور حب الوطنی پر مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے اسلامی اصلاحات کے اجراء سے قرآنی حکومت قائم ہوسکتی ہے ہم آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

جوئے پر پابندی : شراب پر پابندی کے ساتھ جوئے پر بھی پابندی عائد کردی گئی کیونکہ قرآن کریم میں بھی باری عزاسمہ نے شراب اور جوئے کی برائیوں کو یکجا بیان کیا ہے۔ یہ اعزاز بھی حضرت مفتی صاحب کے حصہ میں ہی آیا کہ آپ نے ہر قسم کا جوا صوبہ سرحد میں قانوناً جرم قرار دیدیا۔ ورنہ پاکستان تو جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا اس میں شراب بھی فروخت ہوتی رہی اور جواء بھی سرعام کھیلاجاتارہا۔

احترام رمضان کا آرڈیننس : حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اپنی آئینی توانائی استعمال کرتے ہوئے صوبہ سرحد میں احترام رمضان کا آرڈیننس نافذ کردیا کہ صوبہ کے تمام ہوٹل رمضان المبارک میں بند رہیں گے۔ اور خلاف ورزی پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور دو ماہ قید کی سزا یا ایک ہی وقت میں دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔ ایسے دلیرانہ احکامات کرنا حضرت مفتی محمود صاحبؒ کا ہی کام تھا۔

سود کا خاتمہ : حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے صوبہ میں گزشتہ تقاوی قرضوں پر سود معاف کردیا، اور آئندہ بلاسود قرضے جاری کرنے حکم فرمایا۔ اس اعلان سے صوبہ کے زمیندار نے خوشی کا اظہار کیا کیونکہ تقاوی قرضوں پر دوگنے قرضوں نے ان کی معیشت کو تباہ کررکھا تھا۔

جہیز ایکٹ : جہیز کی روح فرسا زیادتیوں پر مکمل پابندی عائد کردی گئی۔ ملک وقوم کی جوان بیٹیوں کے لیے یہ سب سے بڑا امن کا پیغام تھا۔ جہیز کی رسومات کے سدباب کیلئے حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے سرتوڑ کوشش کی۔ آپ نے جیسے دیگر برائیوں کا خاتمہ کیا۔ اس طرح جہیز آرڈیننس نافذ کرکے اس خرابی کا بھی محاسبہ کیا اور یہ آپ کے مبارک اقدام کی برکت تھی کہ بعد میں وفاقی حکومت نے بھی ایک جہیز آرڈیننس منظور کرلیا۔

سرکاری زبان اردو : امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے، اگر کنویں میں کتا گر جائے تو جب تک کتا باہر نہ نکالوگے، کنواں پاک نہیں ہوگا بیشک کنویں کا تمام پانی نکال دو، مگر کنواں پلید رہے گا۔ اس طرح انگریز تو اس ملک سے نکل گیا مگر انگریزیت چھوڑ گیا۔ جب تک ہم لوگ انگریز اور فرنگی کی اندھی تقلید کا طوق گلے سے اتار کر اپنا اسلامی اور مذہبی وملی تشخص نہیں اپنائیں گے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور شاید قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اسی لیے کہا تھا کہ اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری رائے میں اردو اور صرف اردو ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے بھی اردو کو صوبے کی سرکاری زبان قرار دیا۔ حالانکہ صوبہ سرحد کی اکثریت پشتو بولنے والی ہے۔ مگر آپ نے لسانی تعصب نام کی چیز کو قریب تک پھٹکنے نہیں دیا، بلکہ عظیم تر قومی وملی مفاد کی خاطر اردو کو رائج کیا جمعیت کی حلیف جماعت، اے این پی جس کے بارے میں آج تک یہی پروپگینڈہ ہوتا رہا ہے کہ وہ پختونستان کی حامی اور کٹر صوبہ پرست ہے اردو کی حمایت کی۔ دوسری طرف صوبہ سندھ میں مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی نے سندھی زبان کو صوبے کی سرکاری زبان قرار دلوایا۔ اردو کے بورڈ اتروائے گئے اور اس موقعہ پر اردو بولنے والوں کو پیٹا گیا کچلا گیا۔

سرکاری لباس : حضرت مفتی صاحبؒ نے سرحد میں سرکاری لباس شلوار قمیص قرار دیا۔ اور تہذیب فرنگ کے منہ پر طمانچہ رسید کیا اور حکم دیا کہ تمام گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ افسر یہی لباس پہنیں گے۔ چنانچہ اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اور ثابت کردکھایا کہ ہم آزاد قوم ہیں ہماری اپنی روایات واقدار ہیں، انگریزی لباس، انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب کے دلدادہ احساس کمتری کا شکار ہیں اور آزاد ہونے کے باوجود غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اس احساس کمتری کا خاتمہ کردکھایا۔

تعلیمی اصلاحات : ہمارے ملک میں ہر سال تعلیم پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، مگر نظام تعلیم کا مسئلہ اب تک تشنہ تکمیل ہے حکومت یا محکمہ تعلیم کے افراد اول تو صدق دل سے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے اگر کرتے ہیں یا اس سلسلہ میں کوئی اقدام یا بورڈ وغیرہ تشکیل دیتے ہیں تو نتیجہ صفر ہی رہتا ہے۔ کیونکہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو محکوم سمجھتے ہیں اور دماغ میں فرنگی نصاب تعلیم غالب رہتا ہے۔

میرے مشفق استاد شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی فرمایا کرتے تھے کہ آج کل سکولوں اور کالجوں پر حدیث، "**طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة**." لکھی جاتی ہے اور اس سے دنیاوی علوم مراد لیے جاتے ہیں حالانکہ اس سے دینی علوم مراد ہیں مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک اس حدیث کو سکولوں کالجوں پر لکھ کر اس سے دنیاوی علوم مراد لینے سے اندیشہ کفر ہے۔ کیونکہ حدیث میں تو دینی علوم کا ذکر ہے، اور سکولوں کالجوں میں دینی تعلیم کی بجائے دنیاوی تعلیم ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ عالم تھے تو عامل بھی، محدث تھے تو مفسر بھی، سیاستدان تھے تو مفتی بھی، قدرت نے جب انہیں وزارت علیا کا قلمدان دیا تو آپ نے محدود اختیارات کے باوجود تعلیمی شعبہ میں دوررس نتائج کے حامل اقدامات کئے۔ اور پاکستان میں پہلی بار ایک صوبہ کی حد تک جب ایک مرد درویش کی معرفت اتنا تو ہوا کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ کیلئے قرآن کریم ناظرہ پڑھا ہوا ہونا اور ترجمہ کے ساتھ نماز یاد ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

ہر دانا بینا انسان اس اقدام کے فوائد واثرات کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے، علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؒ نے صوبے میں تعلیمی سہولتوں میں اضافے کے لئے ایک جامع منصوبے پر عملدرآمد کرایا۔

ایک سو اٹھارہ پرائمری سکولوں کی بنیاد اٹھائی۔ ایک سو سے زائد سکول پرائمری سے مڈل اور مڈل سے ہائی ہو گئے دس نئے ہائی سکول منظور کئے گئے۔ کرک میں ایک نیا انٹرمیڈیٹ کالج، ہری پور اور لکی مروت میں ڈگری کالج اور کوہاٹ میں لڑکیوں کے لئے ایک نیا انٹر کالج قائم کیا۔ ڈیرا اسماعیل خان کے کالج میں، مزید چار مضامین میں ایم اے کلاسز شروع کی گئیں۔ پشاور یونیورسٹی میں ایک مرکز تحقیق قائم کیا۔ جس میں بیالوجی کے مضمون کے متعلق ریسیرچ علمی تجربہ تعلیم وتربیت اور دیگر سہولتوں میں اضافے کا انتظام کیا، تاکہ اس میدان میں صوبے کو زیادہ سے زیادہ ماہرین مہیا ہو سکیں۔ اور آگے چل کر صوبے کی معدنی دولت سے بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکے۔ غریب نادار اور ذہین طلبہ کیلئے ۲۴ لاکھ روپے کے وظائف منظور کئے نئی نسل کو قرآنی تعلیم سے بہرہ مند کرنے کے لئے صوبے کے

۱۰۱ ، سکولز میں علوم دینیہ کے ماہر افراد اور فاضل علماء کے تقرر کا اعلان کیا۔ اور مستند علماء کی اسناد کو ایم، اے کے برابر درجہ دیا گیا۔(۱)

متفرقات: پاکستان میں پہلی مرتبہ اتوار کی بجائے جمعہ کی تعطیل کا قانون منظور کیا آرڈیننس جاری کردیا گیا کہ صوبہ میں کوئی کمی نہیں۔ کسی کو کمی نہیں کھاجائے گا۔ مکمل اسلامی نظام کے قیام کیلئے علماء وکلاء، اور دانشوروں کا بورڈ بٹھایا گیا۔ خستہ حال سڑکوں اور شکستہ پلوں کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ ظلم زیادتی اور ناجائز تجاوزات پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔

اپنے عرصہ وزارت میں پورے صوبہ میں ایک مرتبہ بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں کی گئی امن عامہ کی صورت حال بہترین رہی۔ کوئی سیاسی گرفتاری عمل میں نہ آئی۔ ایک عالم اور مفتی وزیر اعلیٰ نے مختصر مدت میں یہ کارہائے نمایاں انجام دیئے

استعفیٰ: حضرت مفتی صاحبؒ کی اسلامی اصلاحات دیکھ کر وفاقی حکومت نے رخنہ اندازیاں شروع کردیں۔ شخصیت پرستی اور سب اچھا، کا درس دینا شروع کردیا بالآخر جب وفاقی حکومت اور مسٹر بھٹو کو یقین کامل ہوگیا کہ مفتی صاحب اور بلوچستان کی حکومت ہماری ناجائز مداخلت پر اصولوں کو ترجیح دیتے ہیں اور شدید مخالفت کے باوجود یمین ویسار کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں، تو بلوچستان میں نیپ کی حکومت کے خلاف، "لندن پلان" گھڑا، بعد ازاں عراقی سفارت خانے میں اسلحہ سکینڈل استعمال کیلئے اپنے ایک دیرینہ وفاشعار وزیر کی موت اور پھر من گھڑت داستان فساد کا بہانہ بنا کر بلوچستان میں نیپ کی آئینی حکومت کو برطرف کردیا۔ اس صریحاً ناجائز اقدام پر حضرت مفتی صاحبؒ نے رفقاء کے مشورہ سے احتجاجاً استعفیٰ دیدیا۔ اور آپ نے اپنے عزم واستقلال سے ثابت کردیا کہ حفاظت اصولوں کی ہوا کرتی ہے نہ کرسی کی۔ آپ نے ایک جلسۂ عام میں فرمایا تھا کہ، یہ غیر آئینی اقدام اگر پنجاب حکومت کے ساتھ بھی ہوتا تب بھی میں مستعفی ہوجاتا، اسی طرح آپ نے ایک جماعتی اجلاس میں دوران خطاب فرمایا تھا کہ میں نے اقتدار کی کرسی کو لات مار کر عوام کے ہاتھوں سے علماء کی ڈاڑھیوں کو بچالیا ہے اور میں نے علماء کے وقار کو تحفظ دیا ہے اگر میں بہر صورت اقتدار سے چمٹا رہتا تو لوگ کیا تاثر لیتے۔ ہمارے اکابرین جن کا ماضی شاندار اور درخشاں ہے لوگ ان کے متعلق کیا رائے قائم کرتے لوگوں نے ہمارے اکابر کو ہمارے آئینہ میں دیکھنا ہے۔

تحریک پاکستان اور حضرت مفتی صاحبؒ: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مفتی محمود صاحب وغیرہ حضرات نے تحریک پاکستان میں جب تک پاکستان کا قیام معرض وجود میں نہیں آیا تھا اس کی دیانتداری سے مخالفت کی۔ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ تقسیم ملک نہ ہو۔ کیونکہ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہ الگ ملک بن جانے کے بعد بقیہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ اور چار کروڑ بھارت میں رہ جانے والے مسلمان جو پہلے ہی اقلیت میں ہیں مزید کمزور ہو

(۱) صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے درس نظامی کی شہادۃ العالمیہ کو پورے ملک میں ایم۔ اے اسلامیات / ایم۔ اے عربی۔ کے مساوی قرار دے دیا مگر افسوس کہ سنہ ۱۹۹۳ء میں وفاقی حکومت نے اس اعزاز کو ختم کردیا (ارشد)

"جمعیت علماء ہند" نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ پورے ہندوستان کے دانشور جمع کرے پھر غور کرے پھر جو فیصلہ ہوگا ہم بھی اس میں آپ امور میں صوبوں کی خود مختاری اور مرکز میں ۴۵ فیصد مسلمانوں کی شمولیت زیادہ مفید حل ہوگا اور بہت مرتبہ ان حضرات نے یعنی جائیں گے، اس لئے تقسیم ملک سارے مسلمانوں کے لئے مفید حل نہیں ہے بلکہ چار پانچ امور کے سوا جن میں دفاع وغیرہ شامل تھا باقی کے ساتھ ہوں گے اور سب مل کر کام کریں گے۔

اس کے برعکس مسلم لیگ کا نظریہ تھا کہ ملک تقسیم ہو، الیکشن میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔ اور تقسیم منظور ہو گئی تو مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مان لی گئی۔ **"جمعیتہ علماء ہند"** نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک تقسیم کی مخالفت کی تھی مگر ۱۴ اگست کے بعد اسی پاکستان کو معرض وجود میں آجانے کے بعد تسلیم کرلیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت پاکستان بن جانے کے بعد اب آپ کا کیا خیال ہے فرمایا، مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے۔
(شیخ الاسلام نمبر الجمعیتہ دہلی صفحہ ۱۷ کالم ۱)

حضرت مفتی صاحبؒ کا بھی یہی نظریہ تھا۔ انھوں نے مسجد سے اسمبلی تک اور اسمبلی سے وزارت اعلیٰ تک جن دینی خدمات اور حب الوطنی کے احساسات وجذبات کا اظہار فرمایا۔ وہ کسی سے بھی مخفی نہیں ہے۔ استحکام پاکستان کیلئے آپ کی مساعی وخدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کے جذبہ حب الوطنی پر کسی کی دو رائے نہیں ہوسکتیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جس خلوص، محبت اور ایثار سے ملک کی خدمت کی وہ یقیناً انہی کا حصہ تھا۔ آپ کی وفات حسرت کے آیات کے موقعہ پر پاکستان کا ایک کثیر الاشاعت اخبار لکھتا ہے حضرت مفتی صاحبؒ ایک بلند پایہ محقق اور متعدد دینی کتابوں کے مصنف قرآن وحدیث اور فقہ کے استاد جلیل ہونے کے علاوہ ایک کامیاب سیاستدان اور عظیم قومی رہنما بھی تھے۔ بلاشبہ برصغیر سے پہلے ان کے سیاسی مسلک اور قیام پاکستان کے بعد ان کی بعض سیاسی وابستگیوں کی بنا پر بعض لوگوں نے ان سے سیاسی اختلاف کیا، لیکن ان کے مخالفین بھی ان کے بارے میں ذرہ برابر شک کا اظہار نہیں کر سکتے، کہ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کے ساتھ اتنی ہی یا اس سے زیادہ محبت کرنے والے تھے جتنی کہ تحریک پاکستان میں حصہ لینے والی کوئی شخصیت پاکستان سے محبت کر سکتی ہے (روزنامہ جنگ کراچی۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

مدارس عربیہ اور مفتی صاحبؒ : مدارس عربیہ کی فلاح وبہبود اور خیر وصلاح کیلئے بھی مفتی صاحبؒ کی انتھک خدمات ناقابل فراموش ہیں اس سلسلہ میں پہلا اجلاس ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۹ء میں منعقد ہوا جس میں وفاق المدارس العربیۃ کا دستور منظور کیا گیا۔ اسی اجلاس میں مرکزی عہداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ صدارت کیلئے حضرت مولانا شمس الحق الافغانیؒ کو منتخب کیا گیا جبکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ (کراچی) اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری (ملتان) بطور نائب صدر چنے گئے ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کو منتخب کیا گیا۔ وفاق المدارس کا صدر دفتر ملتان میں قائم کیا گیا ملک کے ۱۲۴ چھوٹے بڑے مدارس نے وفاق کے سالانہ امتحانات اور دیگر عمدہ انتظامات مفتی صاحب کے مرہون منت ہیں وفاق سے ملحق تمام مدارس میں امتحانات

یونیورسٹی کی طرز پر ہوتے ہیں اور ایک ہی وقت میں تمام مدارس میں چھپے ہوئے پرچے پہنچتے ہیں۔ حل ہونے کے بعد تمام پرچے واپس وفاق کے صدر دفتر پہنچتے اور پھر کچھ دنوں بعد صدر دفتر ہی سے تمام ملک کے (ملحقہ مدارس) کے نتیجہ کا اعلان ہوتا ہے۔ حکومت پاکستان کے ہاں وفاق المدارس کی سند ایم اے اسلامیات کے برابر ہے۔ اور یہ حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے دینی مدارس کی اسناد کو ایک ایم کے کے برابر دلوانے کا اقدام حضرت مفتی صاحبؒ نے پہلے صوبہ سرحد میں سرانجام دیا تھا۔ جبکہ آپ نے بحیثیت وزیراعلیٰ سرحد، صوبہ کے سولہ سو سے زائد فارغ التحصیل علماء کو ایم اے مساوی قرار دیکر سکولوں اور کالجوں میں تعینات کردیا تھا تاکہ عامۃ المسلمین کے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام ہوسکے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ تادم حیات وفاق المدارس کے صدر رہے۔

دینی مدارس اور سرکاری تحویل کا مسئلہ : بھٹو دور میں علماء اور دینی مدارس کا تاثر دیکھنے کیلئے یہ افواہ اڑادی گئی کہ حکومت تمام دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لے رہی ہے اس کے رد عمل کے طور پر تمام مکاتب فکر کے علماء نے ایک مشترکہ تنظیم اتحاد المدارس العربیہ قائم کی جس میں دیوبندی بریلوی اہل حدیث واہل تشیع شامل تھے۔ اور متفقہ طور پر اعلان کیا کہ یہ اقدام حکومت کی طرف سے مداخلت فی الدین کے مترادف ہوگا جسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائیگا۔ اسی اجلاس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا تھا، کہ اگر حکومت نے مدارس عربیہ پر زبردستی قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی یا مدارس کی عمارات پر قبضہ کرلیا گیا، تو ہم لوگ عمارات چھوڑ کر کھلے میدانوں میں، کھیتوں میں، درختوں کے سائے تلے بیٹھ کر طلبہ کو دین سکھائیں گے اور دینی تعلیم سے آراستہ کریں گے اور دینی علوم کی تبلیغ واشاعت میں آڑے آنے والے ہر شخص اور ہر طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کی مسٹر بھٹو سے ملاقات ہوئی تو بھٹو نے کہا، حضرت مفتی صاحب! ابھی ہم نے اس قسم کا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے صرف تجویز ہی ذہنوں میں گردش کررہی ہے جب فیصلہ کیا آپ سے پوچھ کر ہی کریں گے۔

مؤتمر عالمی اسلامی کانفرنس : حضرت مفتی صاحبؒ ۱۹۶۴ء میں مصر کے صدر کی دعوت پر موتمر عالم اسلامی کانفرنس میں شرکت کیلئے قاہرہ تشریف لے گئے، وہاں آپ نے ڈیڑھ سو علماء مندوبین حضرات کے سامنے اسلام کی اشاعت اور اسلامی شریعت کی ترویج پر انتہائی فصیح بلیغ اور مؤثر خطبات دیئے، کہ بڑے بڑے عرب شیوخ بھی آپ کے علم وفضل کے گرویدہ وقائل ہوگئے۔ آپ کے عربی میں شائع شدہ مقالوں کو بہت وقعت سے دیکھا گیا۔ بعد ازاں بھی کئی مرتبہ قاہرہ تشریف لے گئے اور کئی مرتبہ پاکستان کی بہترین نمائندگی کی۔

مفتی صاحبؒ واقعات کے آئینہ میں

اولاد کی تربیت : آپ کے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمان ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ والد ہونے کے ناطے اولاد پر شفقت فرماتے۔ ان سے گھل مل کر باتیں کرتے مگر اپنا رعب برقرار رکھتے یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے بے باکی سے گفتگو کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی آپ بیتی پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اصل تربیت تو اس کو کہتے ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کی ان کے عظیم والد نے کی۔

آخرت کا اطمینان : حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے مرزائیوں کو باقاعدہ حکومت سے غیر مسلم اقلیت تسلیم کروا کر آخرت کے بارے میں اطمینان ہو گیا ہے اللہ تعالی ضرور اپنی رضا سے نوازیں گے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرماویں گے۔

حرام مال کی زکوٰۃ : آپ کی حاضر دماغی اور علمی وسعت کا مشاہدہ کیجئے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ مفتی صاحب! زکوٰۃ تو حلال مال سے وصول کی جاتی ہے، کیا حرام مال کی زکوٰۃ بھی ہے؟ فرمایا ہاں حرام مال کی زکوۃ بھی ہے کیونکہ آپ سمجھ گئے تھے کہ یہ شخص زکوٰۃ سے بچنے کی راہ تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اس شخص نے کہا حرام مال کی زکوٰۃ کیا ہے فرمایا یہ کہ سارا مال قبضہ میں لے لیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص دم بخود ہو گیا۔

قوت برداشت : حضرت مفتی صاحبؒ کو پاؤں کے انگوٹھے میں تکلیف تھی مگر حیرت اس بات کی ہے کہ یہ کئی انچ آپریشن بے ہوش یا سن کر دینے والی دوا کے بغیر ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے خاصا اصرار کیا کہ آپریشن کافی وقت لے گا تو بہت تکلیف ہو گی مگر آپ نہ مانے آپ کے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ آپ کی قوت برداشت حیرت انگیز ہے میں نے اس سے قبل ایسا اپریشن کرانے والا نہیں دیکھا۔ ایک صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ، اگرچہ ضرورتاً نشہ آور دوا کا استعمال جائز ہے، لیکن میں نے سوچا اس سے جتنا بچ سکوں بچ جاؤں۔

مومن کا ہتھیار : حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے جب کسی سربراہ مملکت سے ملاقات کرتا ہوں تو بات چیت سے قبل تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کرتا ہوں، تاکہ اس کی شیطانی چال کا مجھ پر اثر نہ ہو، چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ بھٹو جیسا ذہین اور چالاک سیاستدان بھی حضرت مفتی صاحبؒ کو کسی مرحلے پر شکست سے دوچار نہیں کر سکا۔

رفقاء کی عزت : حضرت مفتی صاحبؒ نوابزادہ نصر اللہ کا بہت خیال فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ نوابزادہ صاحب ہمارے بزرگ سیاستدان ہیں جنہیں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ہمارے دوسرے اکابر کی صحبت اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہے۔

احکامات بذریعہ استخارہ : مردان میں ایک جگہ جلسہ سے خطاب کے بعد مفتی صاحب تشریف فرما تھے کہ علماء کے وفد میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ مفتی صاحب! سرحد کی وزارت علیا کے دوران آپ نے سکولوں میں معلمین اسلامیات کی پوسٹ کی منظوری تو

دیدی تھی، مگر ہم نے بہت سے علماء کو دیکھا کہ سکولوں میں جا کر اسلام کی خدمت کی بجائے سکول کے ماحول سے متاثر ہو جاتے ہیں اور خود بھی انکے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی مفتی صاحب اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ اب میں کیا کروں! میں نے اس کے متعلق کافی سوچ بچار کے بعد استخارہ بھی کیا تھا۔ تب معلمین اسلامیات کی منظوری دی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ اس قسم کے عام امور کیلئے بھی خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری استخارہ فرمایا کرتے تھے۔

اسلامی انقلاب اور کامیابی : کسی نے دریافت کیا کہ آپ اسلامی انقلاب لانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا بھئی! میری مثال اس شخص کی سی ہے، جو اس درخت کو ہٹانے کی کوشش کرے جو شاہراہ پر پڑا ہے اور راستہ روکے ہوئے ہو میں اسلام کی شاہرہ سے باطل کی رکاوٹ ڈالنے والے درخت کو ہٹانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تادم حیات کرتا رہوں گا۔ اگر دوسروں نے بھی ساتھ دیا تو راستہ جلد صاف ہو جائیگا ورنہ خدا کے یہاں میں کم از کم سرخرو ہوں گا، کہ خدایا جتنی تو نے مجھے طاقت و توفیق عطا کی تھی اس کے مطابق میں نے پوری جدوجہد کی۔

حضرت مفتی صاحبؒ شیخ الہندؒ کے فکر کے داعی تھے اور ان کے قول کو عملاً کر دکھایا جب حضرت شیخ الہندؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! انگریز بہت طاقتور ہے۔ آپ اس کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟ تو شیخ الہند نے جواب میں فرمایا کہ بھئی! ہم سے محشر کے روز کوشش کے بارے میں پوچھا جائے گا نہ کہ کامیابی کے بارے میں۔

تقویٰ : آپکا ڈرائیور عبد الحلیم راوی ہے کہ ایک بار راولپنڈی سے آتے ہوئے راستہ میں کار کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ وہاں سبز چنوں کا کھیت تھا۔ میں نے ایک پودا اکھیڑ کر پکڑلیا اور سبز چنے کھانے لگ گیا ساتھ ہی حضرت مفتی صاحبؒ کو دعوت دیدی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب میں فرمایا تم بھی حرام کھاتے ہو اور مجھے بھی کھلانے کی کوشش کرتے ہو؟ میں نے کہا یہ حرام نہیں کیونکہ سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا ایک ناجائز بات سب لوگوں کے کرنے سے جائز نہیں ہو جاتی۔ اور یوں آپ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

ظرافت : حضرت مفتی صاحبؒ ایک جید عالم، محدث و مفکر، عابد و زاہد اور مصروف امر بالمعروف سیاستدان ہونے کے باوجود خوش طبع بھی تھے۔ ظریف الطبع لوگوں کی خوش کن باتوں سے بہت محظوظ ہوتے۔ مگر ظرافت میں علمیت جھلکتی تھی۔ مولانا سید حامد میاںؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھر میں ایک رشتہ دار نے چائے پینے کی بجائے چائے کھائیے کہہ دیا۔ اس پر دوسرے ایک صاحب نے کہا کہ چائے پر پینا ہی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پی جاتی ہے، کھائی جاتی نہیں۔ اول الذکر نے جواب ضرور دیا مگر غیر تسلی بخش تھا اور بات بے وزن تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ پاس بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ غلط جملہ کہہ کر پھنس گیا ہے، اب اس کی امداد یا ترجمانی کوئی نہیں کر رہا اور بہر کیف اس نے خود ہی مفتی صاحب سے رجوع کیا حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کی وکالت فرمائی اور بادلائل وکالت کی۔ مثلاً شراب پی جاتی ہے کھائی نہیں جاتی، مگر فارسی میں شراب پینے والے کو مے خوار کہا جاتا ہے۔ یعنی شراب کھانے والا۔ قرآن پاک میں پینے کیلئے لفظ شرب کی بجائے "طعام" استعمال فرمایا گیا ہے دوسرے پارے کے آخر میں آیت ہے "**فمن شرب منه فلیس منی ومن لم یطعمه**

فانه منی " البقرة(۱) اس طرح اس شخص کی وکالت ہوئی جو جواب دینے سے قاصر رہ گیا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو اسلاف کے اپنے لطیفے بہت پسند تھے جن میں دقت نظر ہو۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ چمچے سے کھانا کھارہے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ ہاتھ سے کھانا مسنون ہے۔ مولانا سندھیؒ نے فرمایا کہ کیا میں پاؤں سے کھا رہاہوں ؟

مسٹر بھٹو اور پچاس نمازوں کا قصہ : حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ سوشلسٹ نظام کے مدعی لوگ نماز و روزہ سے پہلے ہی فارغ ہیں۔ مذاکرات کے دوران جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہے۔ ہم نے مسٹر بھٹو سے بارہا کہا کہ آپ وقت ضائع کررہے ہیں۔ لوگ مضطرب اور پریشان ہیں، انہیں اتنا مجبور نہ کرو کہ سڑکوں پر نکل آئیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عصر کے بعد گفتگو شروع ہوتی تو مغرب وعشاء بھی اسی جگہ ہو گئی۔ ایک مرتبہ تو بڑی شب گزر گئی اور مذاکرات ہوتے رہے۔ نماز کیلئے ہم تینوں نوابزادہ صاحب، پروفیسر صاحب اور میں اٹھتے نماز پڑھتے، مگر سرکاری پارٹی کے تینوں حضرات بیٹھے سموکنگ کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ ہم جب نماز پڑھ کر واپس آئے تو مسٹر بھٹو نے کہا۔ مفتی صاحب! آپ وقت ضائع کرتے ہیں اور الزام ہم پر کہ ہم وقت ضائع کرتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہم نے کوئی وقت ضائع نہیں کیا۔ مسٹر بھٹو بولے یہ بار بار جو آپ نماز کیلئے اٹھتے ہیں یہ کیا ہے؟ پھر بولے سنا ہے پہلے پچاس نمازوں کا حکم تھا۔ یہ پچاس نمازوں والا کیا قصہ ہے ؟

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا ہاں پہلے پچاس نمازوں کا حکم ہوا تھا، تو پیغمبر رحمت ﷺ کی سفارش پر پانچ ہو گئیں، مگر اجر پچاس ہی کا ملتا ہے۔ بھٹو صاحب بولے پچاس ہی رہتیں تو کیا حرج تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ خدا کے بندے تم تو ایک نہیں پڑھتے اور پچاس کی آرزو کرتے ہو ؟ بھٹو نے کہا ہمارے لئے نہیں آپ کے لئے آپ دن رات پچاس نمازیں پڑھنے میں لگے رہتے اور ہم بے فکر ہو کر حکومت کرتے۔ قہقہہ۔

بھٹو اور دھاندلی : ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ آپ نے خود لاہور میں ضلعی اور ڈویژنل افسران کے اجلاس میں اپنی پارٹی کو بہر حال کامیاب کروانے کا حکم دیکر دھاندلی کا حکم دیا تھا۔ پھر آپ انکار کیسے کرتے ہیں؟ مسٹر بھٹو نے جواب دیا ہاں میں نے انہیں کہا تو تھا، مگر اتنی بڑی دھاندلی کیلئے تو نہیں کہا تھا قہقہہ۔

مسٹر بھٹو کی حضرت مفتی صاحبؒ سے شکست : ۱۹۷۰ء کے عام انتخاب میں مسٹر بھٹو نے لاہور، ملتان، لاڑکانہ اور ڈیرہ اسماعیل خان سے الیکشن میں حصہ لیا۔ سوائے ڈیرہ کے ہر جگہ سے کامیاب ہوا، مگر ڈیرہ اسماعیل خان میں چونکہ مقابلہ حضرت مفتی صاحبؒ سے تھا جو کہ ایک مرد درویش بھی تھے اور مرد آہن بھی، عالم بھی تھے، عامل بھی اس علاقہ سے بھٹو کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

---

(۱) (ترجمہ) سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے نہ چکھا (نہ کھایا) تو وہ بیشک میرا ہے یہ آیت حضرت طالوت علیہ السلام کے لشکر کے متعلق ہے وہ ایک نہر پر سے گذرے اس پر حضرت طالوت نے یہ کہا

اسلام آباد میں ایک ملاقات کے دوران خود بھٹو نے حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے کہا کہ آئندہ کبھی میں آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ تلوار تو میرا نشان تھا، مگر تلوار کی کاٹ (زبان) آپ کے پاس ہے۔

مفتی صاحبؒ کی کامیابی اور بکرا : ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد جناح کالونی فیصل آباد میں ایک مرتبہ دورانِ خطاب مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ میری کامیابی ہماری جدوجہد یا کسی کاوش کی مرہون منت نہیں بلکہ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہوا اور غریب و دیندار لوگوں کی دعائیں کام آئیں میرے لئے بچوں جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں نے نہ صرف دعائیں بلکہ منتیں بھی مانیں۔ پھر ایک واقعہ سنایا کہ مجھے کامیابی کے بعد دیکھنے ایک ضعیف بوڑھی عورت دور دراز سے آئی جو کہ لاٹھی کے سہارے چل رہی تھی وہ اپنے ساتھ ایک بکرا بھی لائی مجھے مبارکباد دیکر وہ عورت فرطِ نشاط سے رو پڑی۔ اور کہا کہ میں یہ بکرا آپ کے لئے لائی ہوں۔ آپ کی کامیابی کے لئے دن رات بارگاہ ایزدی میں دعائیں کرتی تھی کہ یااللہ میرے مفتی محمود کو کامیابی دینا۔ اور منت مانی تھی کہ اگر مفتی محمود کامیاب ہو گئے تو میں ایک بکرا نیاز دوں گی اور مفتی صاحب کو پیش کروں گی یہ وہی بکرا ہے قبول فرمایئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ قبل ازیں میں اس مائی کو جانتا ہی نہ تھا۔

کمالِ احتیاط : حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ سجادہ نشین کندیاں شریف خود بیان فرماتے ہیں کہ غالباً ۷۷-۱۹۷۲ء میں ہم اکٹھے حج پر روانہ ہوئے، مکہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کو طواف کے دوران پاؤں کے زخم کا احساس نہ ہوا منیٰ میں احساس ہوا کہ انگوٹھے کا ناخن اکھڑا ہوا ہے اور شک گزرا کہ ممکن ہے میرا طواف نہ ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ناخن کٹوا کر دوبارہ مکہ مکرمہ گئے اور طواف زیارت کا اعادہ فرمایا۔

قاتلانہ حملے : حضرت مفتی صاحبؒ پر کئی قاتلانہ حملے بھی ہوئے مولانا سید محمد شاہ امروٹی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۷۵ء میں سجاول جاتے ہوئے (سندھ) راستہ میں آپ کی کار پر فائرنگ کی گئی، ایک گولی پائلٹ جیپ میں بیٹھے ہوئے قاری عبداللہ صاحب کے پاؤں میں لگی۔ کار کی ونڈو سکرین پر کلہاڑی سے حملہ کیا گیا، جس سے سکرین ریزہ ریزہ ہو گئی۔ مولانا امروٹی خود بھی مفتی صاحبؒ کے ہمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت مفتی صاحب اس حملہ سے محفوظ رہے۔ اور انہیں کوئی گزند نہ آیا۔ آپ کے چہرے پر کسی قسم کے خوف یا پریشانی کے آثار قطعاً نہ تھے۔ رات سجاول میں تقریر فرمائی اور اس واقعے کی کوئی اطلاع نہ دی گویا حملہ ہوا ہی نہ تھا۔ رات جہاں قیام تھا۔ حکومت کی طرف سے پولیس تعینات کردی گئی، مگر آپ نے پولیس افسر سے کہا کہ مجھے پولیس کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ پولیس افسر نے حضرت مفتی صاحبؒ سے ایف آئی آر درج کرانے کو کہا تو فرمایا اگر ایف آئی آر، درج کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے خلاف درج کراؤں گا جو واقعہ کے پس منظر میں ہیں یہ کلہاڑیاں چلانے والے بیچارے محض حکم کے پابند ہیں ان کے خلاف درج کرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دوسرا قاتلانہ حملہ حضرت مفتی صاحبؒ پر ملتان ریلوے اسٹیشن پر ہوا اسی واقعہ کے راوی قاری نورالحق صاحب قریشی

ایڈوکیٹ ہیں - یہ حملہ اس وقت ہوا جب متحدہ جمہوری محاذ کی تحریک کے سلسلہ میں لیڈروں کا لشکر کراچی سے بذریعہ خیبر میل ملتان پہنچا - گاڑی پانچ گھنٹے تاخیر سے پہنچی - عوام کا زبردست اژدھام تھا - حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ پیر پگاڑا، ولی خان، وغیرہ بھی تھے حضرت مفتی صاحبؒ گاڑی سے اتر کر تشریف لائے جب تقریر کیلئے مفتی صاحب سے کہا گیا اور آپ تقریر کیلئے جونہی ڈبے کے اندر چڑھنے تو حملہ آور نے خنجر سے حضرت مفتی صاحبؒ پر حملہ کردیا اللہ کا شکر ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ تو حملہ کی زد سے بالکل محفوظ رہے، مگر اس کا وار مولوی حفیظ کے دائیں بازو پر پڑا جس سے وہ زخمی ہوا اور اس کا کرتہ بھی پھٹ گیا۔ حملہ آور کو پولیس کے حوالے کردیا گیا، مگر اسے چھوڑ دیا گیا اور اخبارات کو یہ خبر ارسال کرنے کے باوجود کسی اخبار میں شائع ہی نہ ہوسکی۔ حضرت مفتی صاحبؒ انتہائی دلیر تھے ایسے جانکاہ واقعات سے قطعاً نہیں گھبراتے تھے۔

افسر شاہی کا خاتمہ : مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ مفتی صاحبؒ وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھتے تھے وہ یہ کہ ان کے ساتھ دورے میں جانے والے چھوٹے ملازمین ہوا کرتے تھے، میں نے ڈرائیور اور چھوٹے ملازمین اور پولیس کے ملازمین کے سپاہیوں کو وزیر اعلیٰ کے ساتھ ان کے ہمرہ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے دیکھا ہے۔ وہ خصوصیت سے اس بات کا خیال رکھتے تھے، کہ میرے ہمراہ آنے والے ملازمین کہیں آداب شاہی کے چکر میں بھوکے تو نہیں رہ رہے۔ میں اکثر دوروں میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ سرحد کے تمام اعلیٰ افسر مجھ سے بے تکلف ہوتے تھے اور بعض اوقات وہ مجھ سے کھل کر کہتے کہ آپ حضرت مفتی صاحب سے کہیں کہ چھوٹے افسروں کو ساتھ بٹھانے سے حکومت کا دبدبہ اور شان وشوکت برقرار نہیں رہتا براہِ کرم ان چھوٹے ملازمین کا علیحدہ انتظام کرادیا کریں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا تو فرمایا میرا ابھی یہی مقصد ہے کہ ان افسروں میں انگریز نے جو تکبر اور غرور کا رنگ بھر دیا ہے اسے مٹایا اور افسر شاہی کا خاتمہ کیا جائے۔

ایک مرتبہ آپ کا ڈرائیور دوران سفر آپ کو عوامی مشکلات ومسائل کی طرف توجہ دلانے لگا تو حضرت مفتی صاحب نہایت توجہ سے اسکی باتیں سنتے رہے اور ساتھ ساتھ فرماتے رہے کہ آپ کی رائے صحیح ہے میں ان مسائل کے حل کیلئے اپنی کابینہ کے وزراء کے نام ہدایات جاری کروں گا۔ آپ کے سیکرٹری نے ڈرائیور کی اس حوصلہ افزائی کا برا منایا اور وزیر اعلیٰ (حضرت مفتی صاحبؒ) کی عدم موجودگی میں اس کو سخت ڈانٹا اور کہا کہ آئندہ اس قسم کی باتیں حضرت مفتی صاحب سے مت کرنا کیونکہ یہ پروٹوکول کے خلاف ہے۔ واپسی پر ڈرائیور خاموش رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے پوچھا بھئی کوئی اور تجویز ہے تو بتاؤ، مگر ڈرائیور بچارہ سیکرٹری کے خوف سے خاموش رہا مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی نشاندھی پر حضرت مفتی صاحب نے سیکرٹری کو اسقدر ڈانٹا کہ سخت شرمندہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد اور محبوب وہ شخص ہوگا جو براہ راست عوام کے مسائل میرے سامنے رکھے گا۔

وزارت علیا کی سادگی: مولانا فیض احمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں کہ مولانا مفتی محمود صاحب جب سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو یہ جائزہ لینے کیلئے کہ مدرسہ قاسم العلوم کے شیخ الحدیث اور سرحد کے وزیر اعلیٰ کے درمیان کتنا فاصلہ اور بُعد پیدا ہوا ہے؟ وزات اعلیٰ کی کرسی نے آپ کے رہن سہن بودوباش، معیشت ومعاشرے میں تغیر کیا ہے یا نہیں؟ پیشگی اطلاع دیے بغیر ملتان سے پشاور روانہ ہوئے اور پھر اپنی قیام گاہ پر انہیں جو درمیانہ درجے کا سرکاری مکان تھا (واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے حکومت کی طرف سے چار ہزار روپے کرایہ کے بنگلے میں رہائش سے انکار کردیا تھا) بیرونی دروازہ پر عوام کا ہجوم تھا مردوں کی خاصی تعداد کے علاوہ برقعہ پوش عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ چند منٹ بعد حضرت مفتی صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری جو کہ نہایت خوش اخلاق متشرع سفید ریش اور نہائیت نیک سیرت انسان تھے، تشریف لائے۔ آتے ہی از خود سلام مسنون کہا پھر مردوں سے بعد مصافحہ درخواستیں وصول کیں۔ بعد ازاں مستورات سے درخواستیں وصول کیں اور کہا کہ حضرت مفتی صاحب کسی پروگرام میں تشریف لے گئے ہیں، بعد مغرب ملاقات ہوگی درخواستوں پر مناسب کاروائی ہوگی، کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب کے عزیز مولانا احمد صاحب مجھے مہمان خانہ میں لے گئے، جہاں حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے بچے اس معمولی لباس میں کھیل رہے تھے جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں کھیلا کرتے تھے کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب تشریف لائے بعد مصافحہ، معانقہ خیریت حسب معمول دریافت کی نماز مغرب کا وقت ہوگیا تھا گھاس کے میدان میں ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ اذان ہوئی اور حضرت مفتی صاحب نے امامت فرمائی تمام حاضرین مجلس نے نماز باجماعت ادا کی بعدازاں دو گھنٹے اسی گھاس کے فرش پر بیٹھ کر حضرت مفتی صاحب نے بحثیت وزیر اعلیٰ تمام درخواستوں کو چیک کیا اور مناسب کاروائی کرنے کا حکم دیا اس دوران عوام وخواص درخواست گزار وزیر اعلیٰ کے ارد گرد اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے، جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں طلباء یا عوام آپ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ بعض اوقات درخواست گزار کا لہجہ تند وتیز بھی ہوجاتا تھا، لیکن آپ نہائیت تحمل وبردباری سے بات سنتے رہتے، پھر جماعت سے اسی جگہ عشاء کی نماز پڑھی گئی نماز کے بعد سادہ سا کھانا لایا گیا حضرت مفتی صاحب نے بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اسی رات چوک یادگار میں ایک جلسہ بھی تھا، حضرت مفتی صاحب جلسہ کے لئے جانے لگے تو مجھے آرام کرنے کا فرمایا میں نے جلسہ میں حاضری کو ترجیح دی مقصد وہی وزیر اعلیٰ کے متنوع حالات کا جائزہ لینا تھا جلسہ گاہ میں گورنر ارباب سکندر، ولی خان، اور دیگر قائدین بھی اسٹیج پر موجود تھے تقریبا دو گھنٹے جلسہ کی کاروائی جاری رہی مگر آپ یہ معلوم کرکے شاید تعجب کا اظہار کرینگے کہ صوبہ کے وزیر اعلیٰ اور گورنر کے عوامی جلسہ گاہ میں شدید گرمی کے باوجود ایک بھی پنکھا نہیں تھا۔ سب لوگ پسینہ سے شرابور تھے۔ ہر ایک دستی پنکھے سے گرمی کا مقابلہ کررہا تھا۔ جس حالت میں عوام تھے اسی حالت میں ان کے قائد ان کے گورنر اوران کے وزیر اعلیٰ اپنے کردار وعمل سے غریب عوام کو سادگی اور کفایت شعاری کا درس دے رہے تھے (بشکریہ ترجمان اسلام مفتی محمود نمبر)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی عائلی قوانین کے متعلق
قومی اسمبلی میں محققانہ وفاضلانہ تقریر

تمہید

مسٹر ڈپٹی سپیکر! جناب والا تنسیخ عائلی کے بل پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل ۱۹۵۶ء میں حکومت پاکستان نے ایک کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا تھا اور اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا تھا کہ قانون رائج الوقت میں عورتوں کو وہ حقوق نہیں دیئے گئے جن سے ان کی مظلومیت کا ازالہ ہو سکے اس کمیشن کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں ایسی رپوٹ مرتب کرے جس سے عورتوں کے وہ حقوق جو شریعت اسلام نے ان کو دیئے ہیں محفوظ ہو جائیں۔

بد قسمتی سے اس کمیشن کے ارکان ایسے نہ تھے جو کتاب وسنت کے براہ راست عالم ہوں یا قرآن و سنت اور ارشادات نبوی ﷺ کے منشا سے واقف ہوں جو صحابہ کرامؓ اور فقہاء ومجتہدین امت کے علوم کے حامل ہوں۔

غرضیکہ اس کمیشن کے سارے اراکین میں سے سوائے ایک مولانا احتشام الحق تھانوی کے کوئی بھی عالم دین نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کمیشن نے اپنی رپوٹ حکومت کے سامنے پیش کی تو اس عالم دین رکن نے اس رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے ایک اختلافی نوٹ لکھا پھر ہوا یہ کہ ملک بھر کے علماء ودیندار مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

جناب والا۔ عوام کے اس رد عمل سے اس وقت کی آئینی حکومت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس رپوٹ پر عمل کرنے کے لیے کوئی اقدام کرتی۔ لہٰذا وہ رپوٹ معرض التواء میں ڈال دی گئی اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے یہاں پر مارشل لاء کا دور شروع ہوا۔

اس کے بعد بد قسمتی سے ہمارے ملک میں آئینی حکومت ختم ہوئی۔ مارشل لاء دور کی حکومت نے عوام کی رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور رائے عامہ سے بالکل بے نیاز ہو کر یہ سمجھا کہ حکومت طاقت کے ذریعہ چلتی ہے۔ بالکل غیر جمہوری طریقہ سے اس رپورٹ میں سے ان اجزاء کو جو قطعی طور پر قرآن وسنت کے منافی تھے لے کر ایک آرڈیننس کی صورت میں انہیں ملک میں نافذ کر دیا۔

جناب والا۔ اس آرڈیننس میں جو چیزیں قرآن وسنت کے منافی ہیں، اس وقت ہم نے ان چیزوں پر بحث کرنی ہے۔

پوتے کی وراثت

سب سے پہلے میں اس دفعہ کو لیتا ہوں جو وراثت سے متعلق ہے۔ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی موت

باپ سے پہلے واقع ہوجائے اور بعد میں ان کا باپ مرجائے تو ان کو باپ کی وراثت میں سے وہی حصہ ملے گا جو اس کے زندہ ہونے کی صورت میں ملتا اور پھر اس کا وہ حصہ اس کی اولاد کی طرف منتقل کردیا جائے گا۔

جناب والا۔ یہ چیز قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں، بلکہ یہ سراسر اسلام، قرآن وسنت کے ساتھ مقابلہ کی ایک صورت ہے۔ نیز یہ عقل کے بھی خلاف ہے عقل و نقل دونوں کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہوتا ہے۔

عقلی اعتبار سے پہلا سقم: اس قانون میں پہلی بات جو عقل کے خلاف ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد محض ایک جعلی قسم کے مفروضہ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں ایک شخص کے مرے ہوئے بیٹے کو دوبارہ زندہ تسلیم کرلیا جاتا ہے جو بالکل ایک مفروضہ ہے۔

مثال کے طور پر زید کے دو بیٹے ہیں۔ خالد اور بکر۔ بکر باپ سے پہلے مرجاتا ہے اور خالد زندہ ہے۔ پھر ان کا باپ زید مرتا ہے۔ اب بکر کو جو باپ سے پہلے مرچکا ہے دوبارہ زندہ تسلیم کرکے باپ کی وراثت میں سے اس کو خالد کے برابر حصہ دیا جاتا ہے اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کو مردہ تسلیم کرکے اس کے پورے حصہ کو اس کی اولاد کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے (اس طرح زید کے پوتے کو زید کے بیٹے خالد کے برابر حصہ مل جاتا ہے)

جناب والا! آپ کو دنیا کے ممالک میں ایسے قانون کی مثال نہیں مل سکے گی۔ جو اس قسم کے مفروضہ پر مبنی ہو اور جس میں فی الواقع مرے ہوئے شخص کو زندہ مان کر اس کا حصہ وراثت میں تسلیم کرلیا گیا ہو۔

جناب والا! وراثت کے لغوی معنی بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ لغت میں وارث اس زندہ شخص کو کہتے ہیں جو مرے ہوئے شخص کے ترکہ میں سے حصہ لیتا ہے۔ زندہ حصہ لینے والے کو وارث اور میت جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اسکو مورث کہتے ہیں۔ لیکن اس آرڈی ننس میں جو شخص مورث (باپ) سے پہلے مرچکا ہے اور اسکے مرتے وقت خود اس کا ترکہ بطور وراثت تقسیم ہوچکا ہے اس کو زندہ تسلیم کرکے باپ کا وارث بنادیا جاتا ہے یہ بالکل ایک مفروضہ ہے اور اسلام کی بنیاد ایسے جعلی مفروضوں پر نہیں رکھی جاسکتی۔

دیکھئے! جب زید کا وہ بیٹا مر گیا تھا تو اس وقت اس کی جائیداد بطور وراثت اس کے باپ کی طرف بھی منتقل ہوئی تھی اس لئے کہ باپ ہمیشہ بیٹے کے ترکہ میں وارث بنتا ہے۔ جب یہ باپ اس بیٹے کی موت پر اس کا خود وارث بنا ہے۔ اور اس بیٹے کی میراث میں حصہ دار ہے تو پھر اس بیٹے کو دوبارہ زندہ تصور کرکے اس باپ کا وارث کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔ (فیا للعجب)

دوسرا سقم: فرض کیجئے اس جعلی مفروضہ کی بناء پر اگر آپ نے بکر کو زندہ تسلیم کرنا اور اس کو باپ کی وراثت کا حصہ دینا ہی ہے تو پھر دوبارہ مرا ہوا ماننے کے بعد اس کا حصہ اس کی اولاد کی طرف ہی کیوں منتقل ہوتا ہے اس کی بیوہ اور اس کی ماں وغیرہ ورثاء کو کیوں منتقل نہیں کیا جاتا۔ اگر اس کا حصہ منتقل ہونا ہی ہے تو پھر اس میں اس کی اولاد کی کون سی خصوصیت ہے۔ مرے ہوئے بیٹے کی ماں، اور بیوہ، اور دوسرے ورثاء کو کیوں محروم کیا جاتا ہے۔

اس فرضی اصول کو (صرف اولاد میں نہیں) بلکہ اس کے تمام ورثاء میں تقسیم کرنا ضروری ہونا چاہیئے (لیکن ایسا نہیں کیا گیا) یہ

ایک بہت بڑا قانونی سقم ہے جسے آپ کسی قانون کے اندر نہیں دکھا سکتے۔

قرآن کریم کی پہلی مخالفت : علاوہ ازیں میں کہوں گا کہ اس طرح قرآن کریم کے نصوص کو مجروح کیا گیا ہے، قرآن کریم نے جو اصول مرتب کئے ہیں اس میں اقربیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے میں اس کی آیت پڑھتا ہوں۔

مفتی صاحب نے قرآن کھول کر پڑھا:-

للرجال نصیب مماترک الوالدین والاقربون

ترجمہ۔ مردوں کا حصہ ہے اس مال میں جو اس کے والدین یا قریب ترین رشتہ دار چھوڑیں۔

قریب ترین رشتہ داروں کو اقربون کہتے ہیں، ہر اقرب سے ابعد محروم ہو جاتا ہے، اس لیے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو وارث قرار دینا یہ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہے۔

ایک بڑی خرابی :- علاوہ ازیں میں یہ بھی کہوں گا کہ یہاں ایک اور بڑی خرابی لازم آتی ہے جسے ایک مثال میں پیش کرتا ہوں۔

مثلاً ایک شخص مرجاتا ہے جس کا نام زید ہے اس کا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی، لڑکا اس کی زندگی میں مرجاتا ہے لیکن اس لڑکے کی ایک لڑکی ہے (زید کی پوتی) زندہ ہے اب گویا زید کے مرتے وقت اس کے صرف دو وارث ہیں، ایک اس حقیقی لڑکی اور ایک اس کی پوتی۔

اب عائلی قانون کی اس دفعہ کی رو سے وارثت اسطرح تقسیم ہوگی کہ مرے ہوئے لڑکے کو زندہ تصور کر کے دو حصے لڑکے کو جائیں گے اور ایک حصہ لڑکی کو جائے گا۔ پھر لڑکے کے دو حصے اس کی لڑکی (پوتی) کو منتقل ہو جائیں گے۔ اب حاصل یہ ہوا کہ زید کی حقیقی لڑکی تو صرف ایک حصہ کی حقدار ہوگی اور اس کی پوتی دو حصوں کی حقدار بن جائے گی۔

دیکھیے پوتی جو زید کی حقیقی لڑکی نہیں ہے۔ اس کو تو دو حصے مل رہے ہیں اور زید کی حقیقی لڑکی کو صرف ایک حصہ مل رہا ہے۔ (کیا یہ انصاف ہے؟)

قرآن کریم کی دوسری مخالفت :- اس کے علاوہ ایک اور بات ذکر کردوں۔ اگر ایک شخص کے دو لڑکے ہیں ایک لڑکا تو اس کی زندگی میں مرجاتا ہے اور مرے ہوئے لڑکے کی ایک لڑکی زندہ موجود ہے اب جب وہ شخص مرجاتا ہے تو اس کا مال دو حصوں میں تقسیم ہوگا ایک حصہ تو اسکے زندہ بیٹے کو ملے گا اور دوسرا حصہ اس کی پوتی کو ملے گا۔ (گویا حقیقی بیٹے اور پوتی کا حصہ برابر برابر ہو گیا)

رانا عبد المجید وزیر صحت نے اس پر اعتراض کیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟

مفتی صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس میں صرف یہ حرج ہے کہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ:

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین

اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں وصیت کرتے ہیں کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اولاد کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر بقول آپ کے پوتی کو اولاد میں شمار بھی کیا جائے تو اس کا حصہ لڑکے سے آدھا ہونا چاہیے، لیکن اس قانون میں پوتی کا حصہ برابر کر دیا گیا ہے بیٹے کے ساتھ اس طرح اس آیت کی صریح مخالفت کی گئی ہے للذکر مثل حظ الانثیین

صحیح حدیث کی مخالفت:۔ علاوہ ازیں میں بھی کہوں گا کہ اس دفعہ کے اندر حدیث کی بھی مخالفت ہے صحیح بخاری کی حدیث میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں صحیح بخاری وہ کتاب ہے جس کے بارے میں امت کا اتفاق ہے **اصح لکتاب بعد کتاب اللہ تعالیٰ**

یعنی اللہ تعالیٰ کی (قرآن) کے بعد دنیا کی تمام کتابوں میں صحیح ترین کتاب بخاری ہے۔

یہ احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہے۔ اب صحیح بخاری کی روایت بھی آج دیکھ لیں، یہ دیکھئے یہ صحیح بخاری ہے جسے میں پڑھتا ہوں جلد دوم ص ۹۹۸ حضور ﷺ نے فرمایا

ایک آواز آئی مطبع کونسا ہے مفتی صاحب!

صحیح بخاری کے تمام مطبوعات ایک قسم کی ہیں ان کے صفحات ایک جیسے ہیں کوئی فرق نہیں سب مطبوعات میں (ص ۹۹۸) پر ہے۔

الحقو االفرئض باھلھافما بقی فھولا ولیٰ رجل ذکر .

مقرر شدہ حصے ان کے مستحقین کے حوالے کردو اور جو بچے وہ قریب ترین مرد کا حق ہے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوسکتا چنانچہ امام بخاری نے ص ۹۹۸ جلد دوم صحیح بخاری میں اس حدیث کے اوپر یہ باب بھی باندھا ہے

باب میراث -- **ابن لاابن اذالم یکن لہ ابی**

یہ باب ہے پوتے کی وراثت میں -- جب کہ اس کا بیٹا حقیقی نہ ہو۔ اور اس حدیث سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے محروم ہونے پر استدلال کیا ہے۔

صحیح حدیث کی دوسری مخالفت:۔ علاوہ ازیں ایک دوسری صحیح بخاری کی حدیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خاص صورت میں ایک فیصلہ کیا ہے صورت یہ ہے کہ:

ایک شخص مر چکا ہے اور اس کی ایک بیٹی، ایک پوتی، اور ایک بہن ہے یہی اس کے تین وارث ہیں۔ ان وارثوں میں حضور ﷺ نے فیصلہ کیا ہے، جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خود ایسی صورت میں فیصلہ کرتے وقت نقل فرمایا ہے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں :۔

اقضیٰ فیھا بماقضی النبیؐ للابنته النصف ولا بنته الابن السدس تکملة للثقلین ومابقی فلاخت .

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷)

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اس صورت میں وہ فیصلہ جو حضور ﷺ نے کیا ہے یہ ہے کہ لڑکی کو نصف پوتی کو چھٹا تاکہ دونوں کا حصہ ملکر دو تہائی ہوجائے اور باقی مال یعنی تہائی بہن کو ملے گا۔

اب دیکھیے! حضور ﷺ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بیٹی کو آدھا پوتی کو ۱/۲ للابنتہ النصف وللابنة الابن السدس اور بہن کو ۱/۳ ومابقی فلاخت یہاں میں نے پیش یہ کرنا ہے کہ بہن کے لئے ۱/۳ حصہ بیٹی کے لئے ۱/۲ پوتی کے لئے ۱/۲ یہ تو حضور ﷺ کا فیصلہ ہے ۔

مگر اس صورت میں عائلی قانون کی رو سے اگر جائداد تقسیم ہوگی تو وہ اس طرح ہوگی کہ دو حصے پوتی کو اور ایک حصہ بیٹی کو۔ یعنی میت کی جائداد کے تین حصے کئے جائیں گے ۲/۳ پوتی کو اور ۱/۳ بیٹی کو ملے گا اور بہن بالکل محروم ہوجائے گی۔ اس آرڈیننس کی رو سے بیٹی کو ملتا ہے ۱/۳ حصہ۔ جب کہ حضور ﷺ کے فیصلہ سے اسے ملتا ہے ۱/۲ حصہ، آپ کے آرڈیننس سے پوتی کو ملتا ہے ۱/۲ حصہ اس آرڈینس کی رو سے بہن محروم ہے، جب کہ حضور ﷺ کے فیصلے کے ماتحت اسے ملتا ہے ۱/۳ حصہ۔ اس لئے یہ تقسیم جائداد شریعت اسلام کے خلاف ہے۔

اجماع امت کی مخالفت :۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ دفعہ آرڈیننس کی تمام فقہائے امت کے اقوال کے خلاف ہے اسلام میں جتنے بھی فقہاء گزرے ہیں کسی کے نزدیک تقسیم جائیداد اس طرح نہیں ہوئی۔ یہ نیا اجتہاد اجماع امت کے خلاف ہے اور یہ تقسیم وراثت کا طریقہ شیعہ، سنی اور سنیوں میں حنفی مالکی شافعی اور حنبلی یعنی مذاہب اربعہ کے فیصلوں کے خلاف ہے۔

مذاہب اربعہ کے حوالہ جات

حوالہ مذہب امام مالکؒ :۔ اب ہم آپ کے سامنے ان مذاہب سے حوالے پیش کرتے ہیں، یہ کتاب جو میرے پاس ہے اس کا نام جواھر الاکلیل ہے یہ امام مالک کے مذہب کی مشہور کتاب ہے اس سے حوالہ پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے۔

وھوای العاصب بنفسه الابن ثم ابنه الابن وان سفل والاعلی یحجب الاسفل

(الجزالثانی من جواھر الاکلیل شرح مختصر العلامۃ الشیخ ص ۳۲۱)

تقسیم وراثت میں جدی حقدار صرف بیٹا ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا۔ یعنی پوتا ہر اوپر کے درجے والا نیچے والے کو محروم کردیتا ہے۔

حوالہ مذہب امام شافعیؒ :۔دوسری کتاب جو میں پیش کررہا ہوں ہوفقہ شافعی کی کتاب ہے اس کتاب کا نام ہے (شرح المنظومة الوهية)

فلابن ان يجب ابن لابن وكل ابن ان يجب من تحته من بنى الابن

ترجمہ -- بیٹا پوتے کو محروم کردیتا ہے یعنی جو درجے میں قریب ہوگا وہ ابعد کر محروم کردیتا ہے

اسی کتاب کے اسی صفحہ میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

فانهم ان كان بعضهم اقرب الى الميت حجب القرب الابعد فليس الابعد حظ من الميراث والارث للاقرب. ترجمہ-- اگروارثوں میں بعض میت کے زیادہ قریب ہوں توقریبی دوروالے کو محروم کردیتا ہے ابعد کو وراثت میں بالکل حصہ نہیں ملے گا حق صرف اقرب کو ہوگا۔

حوالہ مذہب امام احمد بن حنبلؒ :۔اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ کی مشہور کتاب "المحرز" اس کے صفحہ ۳۹ میں دیکھیے یہ لکھا ہے۔

فلا يرث ولد الابن مع الابن بحال

(المحرز فی الفقہ علیٰ المذہب الامام احمد بن حنبلؒ)

ترجمہ -- بیٹے کی اولاد بیٹے کی موجودگی میں کسی حال کے اندر بھی وراثت نہیں پائے گی۔

مذہب شیعہ کے حوالہ جات

جو لوگ شیعہ مذہب کے ماننے والے ہیں ان کے لیے شیعہ مذہب کی کتابیں بھی میرے پاس ہیں شیعہ مذہب کی جو کتاب اس وقت میرے ہاتھ میں ہے اس کا نام "الاستبصار" ہے اس کتاب کی دوسری جلد کے ص ۱٦۷ پر لکھا ہے۔

ابن الابن اذا لم یکن من الصلب الرجل احد قائم مقام الابن

(الاستبصار جلد دوم ص ۱٦۷)

ترجمہ:۔ بیٹے کا بیٹا (پوتا) جب کہ میت کی حقیقی اولاد میں سے کوئی نہ ہو تو وہ پوتا بیٹے کا قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی پوتا بیٹے کی عدم موجودگی میں وارث قرار پاتا ہے۔

شیعہ مذہب کی دوسری کتاب جو میرے پاس ہے اس کا نام۔ "**من لایحضرہ الفقیہ**" ہے اس میں لکھا ہے۔

ولیس لولد الوالد مع ولد الصلب شئی ء"

(من لایحضرہ الفقیہ جلد چہارم ص ۱۹۰

ترجمہ۔ اولاد کی اولاد کو حقیقی اولاد کی موجودگی میں وراثت میں کچھ نہیں ملتا۔

اس کتاب میں وجہ یہ بتائی گئی ہے۔

لان من تقریب بنفسہ کان اولیٰ واص بالمال ممن تقریب بغیرہ

ترجمہ۔ اس لیے کہ جو میت کا بلاواسطہ قریب ہوتا تھا، جیسے بیٹا وہ مستحق مال ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جو بالواسطہ قریب ہوتا ہے جیسے پوتا۔

اس کے بعد ہم فقہ شیعہ کی کتاب "فروع الکافی" پیش کرتے ہیں۔ اس کے صفحہ ۴٦ میں دیکھئے۔

ولا یرث مع الابن ولا مع البنۃ احدخلقہ اللہ غیر زوج وزوجۃ

(فروع الکافی جلد سوم ۴٦)

ترجمہ۔ بیٹے کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی سوائے خاوند اور بیوی کا وارث نہیں ہوتا۔

یتیم پوتے کی چارہ جوئی کی جائز صورت :۔ اب ہم عرض کریں گے کہ شریعت مقدسہ میں پوتے کے لئے جائز تملیک کی صورت موجود ہے۔ شریعت میں میت کی جائداد زندوں کی طرف دو طریق سے منتقل ہوتی ہے۔ ایک وراثت دوسرا وصیت۔

وراثت میں تملیک بالجبر ہوتی ہے۔ یعنی میت کی مرضی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہر طرح وراثت کو میت کی جائداد خود بخود منتقل ہوجاتی ہے، اور وصیت میں تملیک بالرضاء والاختیار ہوتا ہے، یعنی مرنے والا اپنی رضا اور اختیار سے اپنے مال کا کچھ حصہ کسی کے لئے وصیت کرجاتا ہے۔

شریعت نے یہ فرق کردیا ہے کہ جس کو بطور وراثت کے حق ملتا ہے اس کے لئے مال میں کوئی وصیت نہیں ہوسکتی حضور ﷺ نے فرمایا۔ لاوصیة لوارث ۔ ترجمہ وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے اور جس کے لئے وصیت کی جاتی ہے اس کو وراثت میں کوئی حق نہیں ملتا۔ اب ایسا پوتا جو دادا کا وارث نہیں ہوسکتا اس کے لئے وصیت کا دروازہ کھلا ہوا ہے دادا اس کو ایک تہائی جائیداد کی وصیت کرکے اس کو صاحب جائیداد بناسکتا ہے۔ علاوہ ازیں یتیم پوتے کا نان نفقہ ضروریات زندگی کی کفالت دادا پر اسلام نے فرض کردی ہے اس یتیم پوتے کی ضرورت کو اسلام نے دادا کی موجودگی میں پورا کرنے کا اصول وضع فرمایا۔ لیکن عائلی آرڈیننس میں جب تک دادا زندہ ہے۔ اس وقت تک کے لئے یتیم پوتے کی کونسی چارہ جوئی کی گئی ہے۔

مثلاً ایک پوتا جب چھ مہینے کا ہوتا ہے اس کا باپ مرجاتا ہے اب عائلی قوانین میں اس کی کفالت کس کے ذمہ ڈالی ہوئی ہے جب تک دادا زندہ ہے، وہ اپنی جائیداد کا مالک ہے۔ اس کی زندگی میں تو پوتے کو اس کی جائیداد سے کچھ نہیں دیا جاتا۔ جب تک دادا زندہ ہے چاہے وہ چالیس سال تک زندہ رہے چاہے پچاس سال تک زندہ رہے جب تک وہ زندہ ہے دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ اس کی جائیداد تقسیم کردے، اور پوتے کو کچھ دلادے اب اس عائلی قوانین میں اس چھوٹے بچے کی ضروریات وغیرہ کا کیا انتظام موجود ہے؟

کیا وہ دادا کی زندگی میں ہی یتیم پوتے کو اس کی جائیداد سے فائدہ اٹھانے اور نان نفقہ وغیرہ ضروریات پوری کرنے کا حکم دے دیا ہے اور دادا کے مرنے کے بعد اگرچہ وراثت سے کچھ نہیں ملتا۔ مگر دادا کو اسلام نے یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں پوتے کے لئے ایک تہائی جائیداد کی وصیت کرے اس طرح پوتے کے لئے جائز تملیک کی صورت نکل آتی ہے۔

ایک خدشے کا جواب :۔ اگر یہ خدشہ ظاہر کیا جائے کہ دادا ظالم ہے جیسے کہ عام طور پر ہوتا ہے تو وہ پوتے کو کچھ نہیں دے گا۔ اور وصیت کرے گا اور اس طرح تو پوتا محروم ہوجائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ آپ کا یہ قانون بھی ظالم دادا کو ظلم سے نہیں روکتا، اگر باپ اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو پہلے ہی اپنی ساری جائداد منتقل کردے تو اس عائلی قوانین کے ہوتے ہوئے وہ پوتے کو محروم کرسکتا ہے اور یہ قانون بھی دادا کے ظالم ہونے کی صورت میں پوتے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

بہر حال یہ دفعہ اسلام کے سراسر خلاف ہے مذہب کی روح کے خلاف ہے۔ صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں یہ ظلم روا رکھا جارہا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے اور مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ مسلمانوں کے جذبات کو شدید مجروح کرنا ہے۔

نکاح اور رجسٹریشن :۔ اس کے بعد اب میں دوسرے مسئلہ پر بحث کروں گا اور وہ مسئلہ نکاح کے رجسٹریشن کا مسئلہ ہے۔ سب سے پہلی تو غلطی اس میں یہ ہے کہ جو شخص نکاح کو رجسٹرڈ نہیں کرائے گا تو اس کو تین ماہ کی قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ اسلام ایک سادہ مذہب ہے، اور وہ کسی کے لئے مشکلات پیدا نہیں کرتا اسلام کے اصول کے مطابق اگر دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجائے تو نکاح ہوجاتا ہے۔

نکاح کے سلسلہ میں رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا ایک زائد شرط ہے اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ دوسری خرابی اس قانون میں یہ ہے کہ اسلام میں اگر زوجین خود بغیر کسی نکاح خواہ کے دو گواہوں کے سامنے۔ ایجاب وقبول کرلیتے ہیں تو نکاح ہوجاتا ہے لیکن عائلی قوانین میں ایک تیسرے شخص (رجسٹرار یا نکاح خواں) کے وجود کو نکاح کے انعقاد کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے یہ بھی شرط ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سرے سے رجسٹریشن کے خلاف ہوں۔ نکاح کا لکھ لینا کوئی بری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیع وشراء خرید فروخت کے سلسلہ میں تحریر کرنے کا مشورہ دیا ہے **ولا تسئمو ان تکتبوہ** کہ تم بیع کی کتابت سے نہ گھبراؤ اور اس کا فائدہ خود ارشاد فرمایا **ذالک ادنیٰ ان لا ترتابوا**۔ یعنی اس طرح تم شک وشبہ اور بھول چوک سے بچے رہو گے۔ اس لئے نکاح کا لکھ لینا بھی جرم نہیں ہے۔ یادداشت کے طور پر لکھنا ٹھیک ہی رہتا ہے، میرا سوال یہ ہے کہ اگر رجسٹریشن نہیں کرایا گیا تو کیا اس کو سزا ملنی چاہیے۔ ہرگز نہیں کیونکہ اسلام کی رو سے زوجین کے درمیان یہ نکاح جائز ہے اور جائز امر پر سزا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ رجسٹرڈ نہ کرانے لیے یہ سزا کافی ہے کہ بوقت اختلاف اس کو ثبوت نکاح میں دشواری ہوگی اور وہ نکاح ثابت نہ کرسکنے کے لئے گواہوں کو حاضر کرنے کی کلفت اٹھائے گا۔

رجسٹریشن کی اہم خرابی :۔ رجسٹریشن نہ ہونے سے عدالتی طور پر اس کا نکاح (جو رجسٹرڈ نہ ہو) کوئی اعتبار نہ ہوگا عدالت غیر رجسٹرڈ نکاح کو درست تسلیم نہیں کرے گی۔

اب ایک شخص نکاح کی رجسٹریشن نہیں کراتا۔ اس کو سزا بھی ہوجاتی ہے یا نہیں ہوتی ہے عدالت میں اس کا نکاح ثابت نہیں سمجھا جائے گا۔ حالانکہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجانے کی وجہ سے شرعاً نکاح صحیح موجود ہے۔

بہر حال عدالت تحریری ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے اس نکاح کو درست تصور نہیں کرے گی۔ اب فرض کرو اس منکوحہ عورت کا گواہ مرگیا۔ اور گواہ کنندہ یا کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح ہوگیا، تو اس کا پہلا اصلی شرعی خاوند عدالت میں دعویٰ دائر نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے پاس اپنے نکاح کا کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں ہے۔ اور عدالت اصل شرعی نکاح کو تسلیم ہی نہیں کرتی تو وہ مرد اپنی

منکوحہ عورت کی واپسی کا مطالبہ عدالت میں دائر نہیں کرسکتا، اور نہ خاوند اپنی اس عورت کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ علی ھذا القیاس یہی حشر ان دونوں کی اولاد کا ہوگا اور عدالت سے والدین کے مال متروکہ میں ان کو حق وراثت نہیں دلایا جاسکتا نہ عورت اس نکاح کی بنیاد پر حق مہر یا نان و نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

ایک خدشے کا جواب:- اس لئے عدالت اس نکاح کو تسلیم ہی نہیں کرتی یہ خرابی ایسی ہے جو صریحاً مداخلت فی الدین ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ناجائز نکاحوں کی روک تھام ہوجائے گی میں کہتا ہوں کہ یہ رجسٹریشن سے ناجائز جھوٹے نکاحوں کی روک تھام ہرگز نہیں ہوسکتی، ناجائز نکاح اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک بدمعاش اور غنڈے موجود ہیں۔ عائلی قوانین کے باوجود ایسا ہوتا رہے گا۔

رجسٹریشن کے باوجود قباحتیں پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً کوئی شخص رجسٹرار کو کچھ رشوت دے کر اس سے نکاح کا سرٹیفکٹ لے سکتا ہے اور کسی بے خبر عورت کے ساتھ اپنا نکاح جھوٹ موٹ عدالت میں رجسٹریشن کی بنا پر ثابت کرسکتا ہے قصہ کوتاہ جب تک معاشرہ کی اصلاح نہیں ہوتی ان بدمعاشیوں اور ناجائز نکاحوں کا علاج نہیں ہوسکتا۔

تعدد ازدواج:- تعدد ازدواج کا مسئلہ بلاوجہ کھڑا کیا جارہا ہے، حالانکہ تعدد ازدواج کوئی نفرت کی چیز نہیں ہے نہ عیب کی بات ہے اور نہ کوئی بری رسم ہے البتہ اس کو روکنا **مداخلت فی الدین** ضرور ہے۔ صرف ایک ہی بیوی تک رکھنے کی پابندی لگانا یورپ والوں کی نقالی کی رسم ہے اور اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

قرآن کریم کی مخالفت:- اسلام نے ہمیشہ تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے قرآن کریم میں آپ ذرا سورہ نساء پڑھیں۔

فانکحو ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع .

تم نکاح کرو اپنی پسند کی عورتوں سے دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے

اس جگہ ایک عورت سے نکاح کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے گویا اللہ تعالیٰ نے عام حالات میں اپنے کلام پاک میں تعدد ازدواج کا ہی مشورہ دیا ہے ایک عورت سے نکاح کا ذکر بعد میں شرط کے ساتھ کیا گیا ہے۔

وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم .

اور اگر تمہیں خطرہ ہے کہ متعدد بیویوں میں انصاف نہیں کرسکو گے تو اس ضرورت کے وقت ایک عورت سے نکاح کرو، یا باندی سے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر خطرہ ہے کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے اور اپنی طبیعت پر تمہیں کنٹرول نہیں ہے، تو اس حالت میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت سے یا باندی سے نکاح کرو۔ گویا صرف غیر معمولی حالت میں ایک عورت سے نکاح کا ذکر ہے۔ یعنی اگر تمہاری طبیعت میں ظلم ہے تو پھر ایک بیوی پر کفایت کرو۔ یا باندی سے نکاح پر اکتفا کرو تو یہ کفایت کا نکاح ہے۔

بامر مجبوری۔ اگر طبیعت ظالمانہ ہے تو ایک ہی نکاح مناسب ہے یہاں پر ملکت ایمانکم وواحدۃ پر عطف کیا گیا ہے۔ معطوف الیہ کا ایک ہی حکم ہوتا ہے توجو حکم ملکت ایمانکم کا ہوگا وہی ایک عورت کا ہوگا۔ معلوم ہوا قرآن کریم میں باندی کا نکاح بامر مجبوری جائز قرار دیا گیا ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحسنت المومنات فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المونات .

اور جو شخص طاقت نہ رکھے تم میں سے آزاد، شریف، مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی تو مومن باندیوں سے نکاح کرے۔

جب ثابت ہوا کہ باندیوں سے نکاح مجبوراً ہوتا ہے ایک عورت سے بھی مجبوراً ہوگا۔ اگر ایک عورت سے نکاح اولیٰ اور بہتر ہوتا تو ابتداء سے مثنیٰ وثلث ورباع سے قبل واحدۃ کا ذکر ہوتا (ترتیب اسی کی مقتضی ہے) لیکن قرآن کریم نے واحدۃ چھوڑ کر متعدد نکاحوں کا عام مشورہ دیا ہے اور کے ساتھ نکاح کو ایک شرط کے ساتھ مشروط کردیا ہے۔

حدیث کی مخالفت:۔ حدیث کی مخالفت میں آپ کے سامنے صحیح بخاری کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں حضور ﷺ نے ایک شخص کو نکاح کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

تزوج فان خیر ھذہ امۃ اکثرھا نساء

تم نکاح کرلو اس لئے کہ اس امت میں بہتر شخص وہ جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔

عقلی وجہ میں پھر کہتا ہوں ایک نکاح کا تصور یورپ کا ہے اسلام کا نہیں اسلام میں عورت کا نان نفقہ کا حق شوہر پر ہوتا ہے۔ یعنی عورت کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے، جتنا وہ زیادہ بوجھ اٹھائے گا عورت پر احسان ہوگا۔

ایک اہم قانونی بات:

اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو مجبور نہیں کیا۔ اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کے لئے اسلام کی رو سے عورت آزاد ہے اپنے نکاح میں جس سے چاہے کرے جس سے چاہے نہ کرے۔ عاقلہ بالغہ خود مختار ہوتی ہے عورت اپنی مرضی سے کسی سے اجازت لیے بغیر بھی نکاح کرسکتی ہے اگر وہ نکاح نہ کرے تو کوئی اسے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

اب کوئی عورت اگر دوسری بیوی بننا نہیں چاہتی تو وہ ایسے شخص سے نکاح نہ کرے جسکے گھر میں پہلی بیوی موجود ہے اور وہ اپنی مصلحت کے تحت اپنے اختیار سے اسکی دوسری بیوی بنتی ہے تو وہ کس سے شکایت کرتی ہے

ایک خدشے کا جواب:

اگر کہا جائے کہ یہ تو اسلئے اس کے گھر جاتی ہے کہ اس مرد نے اسے کوئی وعدہ کیا ہوگا کہ میں پہلی بیوی چھوڑ دوں گا اور اس کی طرف دھیان نہیں دوں گا وغیرہ وغیرہ تو وہ اس لالچ میں آکر اسے نکاح کرتی ہے لیکن پہلی بیوی تو مجبور ہے وہ دوسری شادی ہوجانے کے بعد کہاں جائے تو بالکل بے اختیار ہے (اس کی زندگی خراب ہوجائے گی)

ان سب باتوں کے جواب میں میں اپنی محترم بہنوں سے جو شادی شدہ ہیں اور دوسری بیوی کے آنے سے ڈرتی ہیں یہ عرض کروں گا کہ بجائے اس کے کہ وہ عائلی قوانین کی برقراری پر اصرار کریں ان کو چاہیے کہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور فیصلہ کر لیں اور وہ اپنی غیر شادی شدہ بہنوں سے اپیل کریں کہ وہ کسی شادی شدہ مرد کی بیوی نہ بنیں اور ان سے درخواست کریں کہ اے ہماری غیر شادی شدہ بہنو! خدا کے لئے جن مردوں سے ہم نے نکاح کیا ہے تم ان سے نکاح نہ کرو اور ہمارے گھروں میں نہ آؤ اور پھر غیر شادی شدہ بہنیں ان کی اپیل منظور کر لیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں یہ سب سے زیادہ آسان علاج ہے دوسری شادی روکنے کا۔

اور اگر آپ کی اپنی غیر شادی شدہ بہنیں آپ کا مشورہ اور اپیل نہیں مانتیں اور آپ کی اپیل کے باوجود تمہارے مردوں سے نکاح کرتی ہیں تو پھر اس میں مردوں کا کیا قصور ہے۔ ان سے خواہ مخواہ کیوں گلہ کرتی ہیں خود اپنی بہنوں سے گلہ کریں، کہ وہ تمہاری اپیل کیوں منظور نہیں کرتیں؟

ایک اہم نکتہ:

جناب والا! مرد پر ایک بیوی کی پابندی لگا کر یہ لوگ ملک میں زنا کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ نکاح پر پابندی لگا کر اس ملک کو زنا کا اڈا بنایا جا رہا ہے یہ نہیں چاہتے کہ اس ملک میں حیا اور شرم کا معاشرہ قائم رہے۔

مسٹر ڈپٹی سپیکر۔ مولانا صاحب معاف کیجئے گا! آپ نے شدید نوعیت کا الزام لگایا ہے، یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اس سے زنا کو فروغ ہوگا۔ کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔

مفتی صاحب۔ جناب والا! میں نے کسی کا نام نہیں لیا۔ میں ایک عام بات کر رہا ہوں اور میں ثابت کروں گا کہ ان کی نیت اسی طرح کی ہے خالق دینا ہال کراچی میں اپوا کی میٹنگ ہوئی تھی اس میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ جب مردوں کو چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی چار مردوں سے شادی کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

بیگم جی اے خان۔ جناب والا! اپوا کی کوئی میٹنگ خالق دینا ہال میں نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات آپ دل سے نکال دیں۔

مفتی محمود صاحب۔ اپوا کی میٹنگ نہ سہی لیکن ان عورتوں کی میٹنگ خالق دینا ہال میں ضرور ہوئی تھی۔ اخبارات میں یہ خبر چھپی اور ان عورتوں کے فوٹو بھی شائع ہوئے تھے۔ یہ میٹنگ ان عورتوں نے اس تنسیخ کے بل کے خلاف کی تھی۔ اس میٹنگ میں ان عورتوں نے مغربی پاکستان اسمبلی میں پیش شدہ قرارداد کہ زنا کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے کی مخالفت کی تھی زنا کو قابل تعزیر جرم کی مخالفت کرنے کا ان کا مقصد کیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ نکاح پر پابندی ہو اور زنا عام ہو۔

جناب والا! میں یہ کہتا ہوں کہ خوشحال گھرانے کے لوگ ہی تعدد ازدواج کے خلاف ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اسکی مخالفت کر کے وہ زنا کو فروغ دیں اور وہ اپنی خواہشات کو دوسرے ناجائز طریقوں سے پورا کریں۔ زنا کے لئے شریعت نے جو سزا مقرر کی ہے وہ یہاں نافذ ہو جائے اور زنا کے تصور کو اس ملک سے ختم کر دیا جائے تو یہی لوگ مظاہرے کریں گے اور مطالبہ کریں گے کہ ایک بیوی سے

ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔ خدا کے لئے تعدد ازدواج کی اجازت دیں۔

رانا عبدالحمید (وزیر صحت) جناب مفتی صاحب نے ان لوگوں کو کفار گھرانے کے لوگ کہہ کر نامناسب لفظ کیوں استعمال کیا۔

مسٹر ڈپٹی سپیکر۔ مولانا صاحب نے خوشحال گھرانے فرمایا ہے کفار نہیں فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب — شاید رانا کی سماعت میں کچھ فرق ہے تو جناب میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خوشحال لوگ کہیں گے کہ ایک بیوی سے ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔ چار تک بیویوں کی اجازت ضرور ہونی چاہیئے۔ غریب آدمی تو ایک کے علاوہ دوسری شادی کر ہی نہیں سکتا۔

عوتوں پر ہونے والے مظالم کا حل :۔ جناب والا! اس ملک میں ایک ہزار گھرانوں میں سے ۹۹۹ گھر وہ ہیں جہاں صرف ایک بیوی ہے ہزار میں صرف ایک گھر ایسا جہاں دو بیویاں ہو سکتی ہیں تو ہزار میں سے صرف ایک گھر سے ظلم کے ازالے کے پیش نظر قانون بنایا گیا ہے لیکن ۹۹۹ گھروں میں جہاں ایک ایک بیوی ہے اور ان پر بھی ظلم یقیناً ہو رہے ہیں۔ ان کے مظالم کے ازالہ کے لئے کیا گیا ہے جہاں اکثر خانہ جنگی ہوتی ہے اس لے ضروری ہے کہ عورتوں کے حقوق محفوظ کرنے کے لئے تحصیل دار قاضی عدالتیں قائم کی جائیں۔ جہاں عورتوں کی تکالیف کا فوری ازالہ ہو اور ان کے ساتھ انصاف ہو۔

مسٹر ڈپٹی سپیکر:

قاضی عدالتیں یا اس قسم کی دوسری عدالتوں کے قیام کے لئے تو عورتیں مکمل طور پر متحد ہیں

حضرت مفتی صاحبؒ:

جناب میں تو کہتا ہوں کہ عوتوں کو جائز حقوق ضرور دئے جائیں۔ عدالتیں قائم کی جائیں، تاکہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو تو وہ عدالت سے رجوع کریں۔ اور ان کے ساتھ انصاف ہو اگر کسی ملک کی حکومت عدالتوں کے ذریعہ مظلوم کو ظالم سے حق نہیں دلا سکتی اور وہاں کے لوگوں کے یا کسی طبقے کے جائز حقوق نہیں دلائے جاتے اور نہ ان کے ساتھ انصاف ہوتا ہے تو ایسی حکومت سے کیا فائدہ میں تو کہوں گا کہ ایسی حکومت کو مستعفی ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ حکومت کے قیام کا مقصد یہی تو ہوتا ہے کہ ظالم کو ظلم سے روک کر مظلوم کو حق دلا سکے۔ آج کل جو عدالتوں میں کیس چل رہے ہیں وہ اکثر ایک بیوی کے کیس ہیں نہ کہ متعدد بیویوں کے اس لئے آپ کورٹ کے ذریعے سب عورتوں کے حقوق دلائیں۔ اور ان کی تکالیف کا ازالہ کریں نہ یہ کہ آپ نکاح پر پابندی لگائیں۔ دیکھئے اگر آپ تعداد ازدواج کے لئے سزا مقرر کریں گے تو یہ قرآن وسنت کے خلاف ہوگا۔

اسلام کی تاریخ میں آج تک کبھی نہیں سنا گیا کہ فلاں شخص مجرم کی حیثیت سے پیش ہوا کہ اس نے دوسرا نکاح کیوں کیا۔ چودہ سو سال کا عرصہ گذر چکا لیکن آج تک ایسے مجرم کی کوئی مثال نہیں ملتی تو کیا آپ کے پاس کوئی نئی وحی آگئی ہے جو تعداد ازدواج کو جرم قرار دے رہے ہیں۔

کیا ایران ،افغانستان ،یا عرب ممالک اسلامی ممالک نہیں ہیں کیا وہاں تعداد ازدواج جرم ہے ۔جب وہاں جرم نہیں اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان ہیں تو ان کے لئے اسلام کا قانون اور ہے اور پاکستانی مسلمانوں کے لئے اور ۔۔۔؟

بیگم جی اے خان :

جناب ! میں مولانا صاحب کی اطلاع کے لئے عرض کرنا چاہتی ہوں کہ ایران ،انڈونیشیا ، ملایا وغیرہ میں عوتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے عدالتوں کے قیام پر غور ہو رہا ہے۔

مفتی صاحب محمود :

اگر وہاں عدالتیں بن رہیں ہیں تو ہم بھی اسلامی حدود میں رہ کر ایسی عدالتیں بنائیں گے لیکن یہ قانون جسکے تحت تعداد ازدواج پر ایک سال کی سزا مقرر کی گئی ہے یا پانچ ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں مقرر ہوئی ہیں ۔اس کے کیا معنی ہیں صحابہ کرام ،تابعین عظام، علماء واولیا کرام وغیرہ سلف صالحین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ جس کی متعدد بیویاں نہ ہوں تو کیا یہ سب مجرم ہیں

عدت :۔جناب والا !عدت کے لیے جو یہاں احکام وضع کئے گئے ہیں وہ بھی قرآن وسنت کے بالکل خلاف ہے اس میں عدت مطلقہ کی میعاد ۹۰ دن مقرر کی گئی ہے

قرآن کریم کی پہلی مخالفت :

قرآن کریم کا راشاد ہے

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثلة قروء

مطلقہ عورتیں ایام ماہواری گزرنے تک انتظار کریں
(اس کے بعد وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں)

کیا کسی نے ثلثة قروء کے معنی ۹۰ دن بھی کئے ہیں اگر کسی لغت کی کتاب میں یہ دکھایا جائے کہ ثلثة قروء کے معنی ۹۰ دن کے ہوتے ہیں تو ہم اعتراض چھوڑدیں گے ۔دیکھئے تین ایام ماہواری دو مہینے میں بھی پورے ہو سکتے ہیں عوتوں کے مختلف ایام ہوتے ہیں اب نوے دن سب کے لئے مقرر کرنا اسلام (کتاب وسنت اور عقل کے صریحاً خلاف ہے ۔

قرآن کریم کی دوسری مخالفت :دوسری بات یہ ہے کہ اس قانون کے تحت جو عدت مطلقہ عورت کے لئے مقرر ہوئی ہے وہ عام ہے ہر طبقہ کے لئے عدت ۹۰ دن مقرر ہوئی ہے یہ قرآن کے صریح خلاف ہے قرآن نے مطلقہ غیر مدخولہ کے لئے کوئی عدت مقرر نہیں کی ۔وہ تو طلاق ملتے ہی فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے مثلاً ایک عورت کو اس کے خاوند نے چھوا نہیں ہے بلکہ مرد کے ساتھ اس کا صرف ۔ح ہوا ہے ہم بستری وغیرہ نہیں ہوئی تو اس کے لیے اسلام میں کوئی عدت نہیں ۔

بلکہ قرآن نے اس کے لئے عدت کی نفی کی ہے

اذانکحتم المومنات ثم طلقتموہن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا

جب تم نے مومن عوتوں سے نکاح کیا اور پھر ان کو چھوئے بغیر طلاق دے دی تو تمہارا ان پر عدت شمار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یعنی وہ طلاق ملتے ہی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لیکن اس عائلی قانون میں ایسی مطلقہ (غیر مدخولہ بہا) عورت کے لئے بھی عدت ۹۰ دن کی مقرر ہے، یہ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہے۔

قرآن کریم کی تیسری مخالفت: یہاں پر ایک اور خرابی جو قرآن کریم کی صریح مخالفت ہے وہ یہ ہے کہ اس قانون میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو یعنی اس کو حمل ہو تو طلاق مل جائے تو اس آرڈیننس کی رو سے اگر وضع حمل ۹۰ دن سے قبل ہوجائے (تو وضع حمل سے اس کی عدت ختم نہیں ہوگی) وضع حمل کے ۹۰ دن سے قبل ہوجائے (تو وضع حمل سے اس کی عدت ختم نہیں ہوگی) وضع حمل کے باوجود اسے ۹۰ دن پورے کرنے ہوں گے

لیکن قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن**

اور حمل والی عوتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہوجائے۔

اگر طلاق دے دی جائے تو۔ حاملہ عورت کو اور دوسرے دن اس کا بچہ ہوجائے تو وہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے

اس طرح صحیح بخاری کی احادیث بھی اس سلسلے میں واضح موجود ہیں۔ (بغرض اختصار حوالاجات چھوڑتا ہوں)

قرآن کریم کی چوتھی مخالفت: عدت کے لئے قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے عدت شروع ہوجاتی ہے۔

وطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ:۔

اور عوتوں کو عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرو!

جب طلاق دی گئی تو عدت فوراً شروع ہوجاتی ہے، لیکن اس آرڈیننس کے اندر یہ ہے کہ طلاق کے بعد چیئرمین کو اطلاع کرنی ہوگی اور چیئرمین کو نوٹس کے بعد سے نوے دن شمار ہوں گے۔ اگر ۲۰ دن کے بعد چیئرمین کو اطلاع ملی تو عدت بھی ۲۰ دن کے بعد شروع ہوگی یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔

طلاق:۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اب میں کہوں گا کہ طلاق کے بارے میں اس آرڈیننس میں یہ طے ہوا ہے، کہ اگر تین طلاق دیدی جائیں تو تین طلاق دینے کے باوجود وہ شخص عدت میں اس مطلقہ کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اگر ایک دفعہ تین طلاق دیدیں اور پھر چیئرمین نے صلح کرادی اور رجوع کرلیا۔ تو باوجود متعدد طلاق کے وہ بغیر نکاح ثانی اور حلالہ کے پھر اس کی بیوی بن جاتی ہے۔ جتنی طلاقیں بھی ہوں، خواہ دس ہوں، بیس ہوں، پچاس ہوں یا سو ہوں۔ مرد جتنی چاہے طلاقیں دے دے، چیئرمین صلح کراسکتا ہے،

یہ بھی قرآن کے خلاف ہے۔

قرآن کریم کی مخالفت : فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره

پھر اس کو تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔

حدیث کی مخالفت : صحیح بخاری میں احادیث موجود ہیں کہ تین طلاقیں بیک وقت بھی واقع ہوجاتی ہیں۔

باب من اجاز طلاق الثلث (جلد دوم بخاری)

اس باب میں امام بخاری نے مختلف احادیث سے بیک وقت تین طلاق کے وقوع کو ثابت کیا ہے۔امام بخاری نے یہ باب رکھا ہے خاص اسی طلاق ثلث کے وقوع کے لئے۔

دلائل : حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن وحدیث سے دلائل دیکر ثابت کیا کہ اس قانون سے کس طرح قرآن وحدیث کی مخالفت کی گئی ہے۔آپ نے قرآنی آیات اور احادیث پڑھ کر سنائیں اور تفصیلاً مذاہب اربعہ سے ثابت کیا کہ ،ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

آپ کے قانون کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا مذہبی عقیدہ تو تبدیل نہیں ہوسکتا۔اب ایک عورت حنفی مذہب کی ہے اور پاکستان میں عام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے وہ کیا کرے گی۔میں عرض کروں گا جس حنفی عورت کو تین طلاقیں مل جاتی ہیں اس کے بعد اس مطلقہ عورت کے ساتھ مراجعت اور صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میرے پاس پرسوں ایک خط آیا تھا۔جس میں اس نے لکھا ہے کہ ان عائلی قوانین کی وجہ سے مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے وہ یہ کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں، بعد ازاں مرد نے دعوی دائر کردیا اور عدت کے اندر رجوع کرلیا عدالت نے فیملی لاء کے تحت مجھے اس کی منکوحہ قرار دے دیا۔وہ لکھتی ہے کہ اب میں اپنے مذہب کی بناپر چونکہ مجھے تین طلاقیں مل چکی ہیں نہ تو اس کی زوجہ بن کر رہ سکتی ہوں ، اور نہ دوسری جگہ شادی کرسکتی ہوں، اب دیکھئے یہ عورت نہ تو سابق خاوند کے پاس دوبارہ جاسکتی ہے اور نہ کسی اور مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔یہ صرف ایک مثال نہیں ہوگی بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قانون کے ذریعہ عام مسلم خواتین کی زندگی جہنم ہوگئی ہے۔عقیدہ بدل نہیں سکتی کہ وہ سابق خاوند کے پاس چلی جائے اور دوسری جگہ نکاح کرنے سے یہ قانون مانع ہے۔اب وہ عمر بھر لٹکی رہے گی۔کیا یہ عورتوں کے فائدہ کے لئے قانون بنایا گیا ہے ؟ علاوہ ازیں چیئرمین جو ثالثی کونسل کا صدر ہوگا وہ غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے ،غنڈہ بدمعاش بھی ہوسکتا ہے۔ان کے سامنے گھر کے راز کس طرح رکھے جاسکتے ہیں ۔اور چیئرمین کو خواہ مخواہ درمیان میں لایا گیا ہے۔

آیت سے غلط استدلال :

قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق صلح کا طریقہ بتایا گیا ہے

فابعثواحکمامن اهله وحکمامن اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما

یعنی اگر زوجین میں نزاع ہوجائے تو طلاق سے قبل ایک حکم ادھر سے اور ایک ادھر سے لے لو ،اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں تو

اللہ تعالی ان میں موافقت پیدا کردیں گے۔

طلاق سے قبل اگر صلح ہوجائے تو یہ اچھا ہے لیکن طلاق کے بعد صلح اور صفائی کا کوئی ذکر نہیں یہاں اس آیت سے لوگ غلط استدلال کرتے ہیں اور اس سے ثالثی کونسل کا جواز نکالتے ہیں ۔ جو طلاق ثلاث کے بعد صلح کے لئے تجویز ہوئی ہے چیئرمین ثالثی کونسل کا ہوگا وہ ہمارے ملک میں ہندو بھی ہوسکتا ہے عیسائی بھی ہوسکتا ہے اس لیے کہ چیئرمین کے لیے مسلمان ہونا کوئی شرط نہیں، گویا طلاق کے مقدمات ایک کافر کے سامنے بھی رکھے جاسکتے ہیں غنڈوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں اگر وہ چیئرمین ہوں اس لیے چیئرمین کو باہر سے مسلط کرنا اس کے کوئی معنی نہیں ہیں اور اس آیت سے غلط استدلال کیا جاتا ہے اسکے بعد بچوں کے متعلق عرض کروں گا۔

بچوں کا نکاح :

مسٹر ڈپٹی سپیکر:

اس کا جواب صرف یہ ہوسکتا ہے کہ غنڈوں کو ووٹ دیکر چیئرمین نہ بنائیے۔

مفتی صاحب:

ہاں قانون اس قسم کا بنائیے کہ غنڈے چیئرمین نہ بن سکیں ۔

نابالغوں کا نکاح :۔ جناب والا! میں اب نابالغوں کے نکاح کا ذکر کروں گا۔

سوال یہ ہے کہ نابالغ لڑکی، لڑکے کا نکاح ولی اپنی اجازت سے کرسکتا ہے؟۔ نابالغ لڑکیوں کا نکاح اس کے والدین اپنی اجازت سے کرسکتے ہیں کسی بھی نابالغ لڑکی کا باپ اس کا نکاح کسی سے کرسکتا ہے۔ شریعت میں یہ حق اس کو حاصل ہے اور اس آرڈیننس میں اس سے یہ حق چھین لیا گیا ہے۔

مسٹر ڈپٹی سپیکر:

(دخل دیتے ہوئے) مولانا آپ کا یہ کہنا غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے اس قانون کے اندر صریحاً ایسی بات موجود ہے، کہ اگر بی۔ڈی۔ (بنیادی جمہوریت) کا چیئرمین منتخب ہوجائے تو پھر کسی مسلمان کو مصالحتی کونسل کا چیئرمین منتخب کیا جاوے ۔

مفتی محمود صاحب:

جناب والا! اگر آپ یقین دلاتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن غنڈے تو چیئرمین ہوسکتے ہیں۔

مفتی صاحب (تقریر جاری رکھتے ہوئے) نابالغ لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے جو عمر بلوغ کی مقرر کی گئی ہے یہ بھی اجماع امت کے خلاف ہے۔

عمر کے متعلق وضاحت :- ۱۶ سال کی قید لگانا بچیوں کے بلوغ کے لئے اور اٹھارہ سال کی قید لگانا بچوں کے لیے بالکل شریعت کے خلاف ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کے بلوغ کے لیے نو سال اور لڑکوں کے بلوغ کے لیے بارہ سال مقرر کی ہے۔ یعنی اس مدت میں اس کے بالغ ہونے کا امکان ہے اب آپ بتلائیں کہ عام طور پر ہمارے ملک میں لڑکیاں بارہ سال میں بالغ ہوجاتی ہیں، اور جو گرم ممالک ہیں وہاں تو اور بھی جلدی بالغ ہوجاتی ہیں ایسٹ پاکستان میں عموماً لڑکیاں بارہ سال سے پہلے ہی بالغ ہوجاتی ہیں حالات کے ماتحت جب کوئی لڑکی بالغ ہوجاتی ہے اور اس کے والدین یہ محسوس کریں کہ اگر اس کی جلد شادی نہ کی گئی تو اس کا کریکٹر اچھا نہیں رہے گا ایسی صورت میں اس کے والدین موجودہ عائلی قوانین کی رو سے اس کو چار سال تک اور بٹھائے رکھنا ہوگا۔ اس کو بالغ ہوجانے کے باوجود بھی وہ اس کا نکاح نہیں کرسکتا۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ اس لڑکی کے والدین اگر اس کے بٹھائے رکھیں تو اسے اچھی زندگی گزارنے پر کیسے مجبور کرسکیں گے، وہ لڑکی اگر اس کا کردار مضبوط نہ ہو تو مجبوراً اپنی زندگی زنا کاری میں گزارے گی، بالغ ہونے کے بعد لڑکیوں کو سولہ سال عمر تک بٹھا رکھنا ان کے اوپر سراسر ظلم ہے جب بلوغ کے لئے اسلام ۹ سال کی حد مقرر ہوچکی ہے، لڑکیوں کے لیے بارہ سال کی، لڑکوں کے لیے تو اسے سولہ سال اور اٹھارہ سال تک کرنا درست نہیں ہے، بلکہ میں تو کہوں گا کہ لڑکی اگر نابالغ بھی ہو تو اجماع امت کے ساتھ اس کے باپ کو اختیار ہے کہ نکاح اپنی مرضی سے جہاں چاہیے کرلے۔

دیکھئے ایسا ہوتا ہے کہ باپ مریض ہے وہ خیال کرتا ہے کہ وہ مرض الموت کا شکار ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی بچی کا نکاح اپنی زندگی میں کردے تاکہ اسکی موت کے بعد وہ بچی ماری ماری نہ پھرے اور وہ مطمئن ہو کر مرے۔ وہ چونکہ حقیقت میں مرنے سے پہلے اپنی اولاد کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتا ہے اس لیے شریعت نے اسکو یہ حق دیا ہے ایسی صورت میں اس شخص کے حق کو سلب کرنا اس پر اور اس کی بچی پر ظلم کرنا ہے۔ ایک باپ کو اپنی لڑکی کے نکاح کا حق حاصل ہے اس مسئلہ میں کسی مذہب کا اختلاف نہیں ہے۔ اس کے اوپر کوئی اختلافی قول کسی کا موجود نہیں ہے۔ چودہ سو برس سے اسلام میں یہی قانون جاری ہے اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

ایک بہت بڑی خرابی:

ایک بار ہم پھر کہیں گے کہ بالفرض اگر باپ اپنی اولاد کے نکاح کا حق استعمال کرکے اپنی بچی کا کہیں نکاح کردے۔ شریعت کے مطابق اس کے بلوغ سے پہلے

اب جب کہ وہ بچی بالغ ہوگئی ہے اور عائلی قوانین کے تحت اس نے اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کرلیا، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ باطل نکاح سے پہلے جو نکاح شریعت کی رو سے اس کا ہوچکا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے گا؟ شریعت کے مطابق تو اس کا نکاح پہلے ہی ہوچکا ہے۔

مگر عائلی قوانین کے مطابق نہیں ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ عدالت میں اس کے متعلق کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی، یہ بھی مذہب میں مداخلت ہے شریعت میں دخل اندازی ہے۔

ساردا بل :۔ علاوہ ازیں میں یہاں یہ بھی کہوں گا کہ ساردا بل کے نام سے برطانوی دور حکومت میں متحدہ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں ایک بل پیش ہوا تھا، اس وقت پورے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس بل کی مخالفت کی تھی۔ اس بل کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس بل سے مستثنیٰ کردیا گیا تھا اس طرح مسلمانوں نے اپنی رائے کا اظہار کر کے اس بل کو مسلمانوں پر نافذ ہونے سے روکا، جب برطانوی دور حکومت میں کوئی قانون اسلام کے خلاف نافذ نہ ہوسکا تو آج مسلمانوں کے دور حکومت میں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

برطانوی دور حکومت میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ مسلمانوں کے مذہبی خاندانی مسائل کے خلاف کوئی قانون رائج کیا جائے۔ لیکن آج مسلمان دور حکومت میں ہمارے مذہب کو مجروح کیا جارہا ہے ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی فرد یا حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کے اندر کوئی مداخلت کرے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے لیے ہمارے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

تنسیخ نکاح ایکٹ میں ترمیم :۔ اب ہم کچھ تنسیخ نکاح کے بارے میں کہیں گے بات یہ ہے کہ ایک شخص جو فیملی لاز کیخلاف دوسرا نکاح کرتا ہے اور اس کی پہلی بیوی موجود ہے، جب پہلی بیوی کو یہ معلوم ہے کہ اس کے خاوند نے اس کی مرضی کے خلاف دوسرا نکاح کرلیا ہے، تو اس قانون کی رو سے پہلی بیوی کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے کہ اس نے میری مرضی کے خلاف دوسرا نکاح کرلیا ہے۔ اگرچہ وہ بھی تسلیم کرلے کہ اس کے حقوق پورے ادا کئے جارہے ہیں اور اس کے ساتھ انصاف ہورہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے اعتراف اور تسلیم کرنے کے باوجود بھی اگر اس کا صرف یہ اعتراض ہو کہ اس کے خاوند نے اس کی مرضی کے خلاف دوسرا نکاح کیوں کرلیا ہے یہی تنسیخ کے لیے کافی ہے اور عدالت صرف اس اعتراض پر پہلی بیوی کے نکاح کو فسخ کردے گی گویا دوسرا نکاح کر کے خاوند نے کوئی بڑا ظلم کیا ہے۔ کہ دوسری بیوی اس کی قانونی کی بیوی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے نکاح کو عدالت میں تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس کا پہلا نکاح بھی فسخ ہوجائے گا اس پر جرمانہ بھی ہوگا اور اسے ایک سال قید بھی کیا جائے گا۔

گویا پہلی بیوی تنسیخ نکاح کے لیے دعویٰ دائر کردے تو اس طرح بیوی (جو قانونی تھی) بھی گئی۔ اور دوسری بیوی بھی گئی جرمانہ پانچ ہزار بھی ہوا۔ ایک سال قید کی سزا بھی ہوئی حاصل یہ ہے کہ دوسرا نکاح کر کے اس شخص نے کوئی بہت بڑا گناہ ہے۔

خواتین سے ہمدردی کا اظہار :۔ ان باتوں کے کہنے سے میرا مقصد یہ ہے اور میں انصاف سے کہتا ہوں کہ مجھے خواتین سے انتہائی ہمدردی ہے، اور مجھے احساس ہے کہ موجودہ دور میں خواتین کے اوپر بڑے بڑے ظلم ہورہے ہیں میری بہنیں یہ بات دل سے نکال دیں کہ علماء خواتین کے خلاف ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء ہمیشہ خواتین کے حق میں رہے ہیں فرنٹیر میں خواتین کو وراثت میں جو حق ملا یہ وراثت انگریزوں کے زمانے میں پاس ہوا تھا، وہاں کے علماء کرام نے عوتوں کی محرومی کے خلاف تحریک چلائی تھی۔ اور کہا تھا کہ اگر عورت حق وراثت سے [illegible] تو اسلام کے خلاف ہے، کفر ہے، عوتوں پر سراسر ظلم ہے اس جرم کی پاداش میں ڈیرہ اسماعیل خان

کے قاضی محمد خان صاحب مرحوم جو ایک بڑے عالم تھے ، اور اس تحریک کے حامی تھے کو اندھیری رات میں ان کے گھر میں گھس کر وہاں کے غنڈوں اور بدمعاشوں نے ان کو شہید کر دیا تھا ۔ ان کا یہی جرم تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ جو شخص عورتوں کی وراثت سے انکار کرے وہ اسلام کا دشمن ہے کافر ہے ۔

اس لیے دیکھیے علماء عورتوں کے حقوق کے لیے لڑے ہیں اور ان کو حق دلایا ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ عورتیں ہماری مائیں ہیں ، بہنیں ہیں ، ہماری بیٹیاں ہیں ، چودہ سو سال تک اسلام میں مردوں نے ان کے حقوق کی حفاظت کی آئندہ بھی کریں گے ۔

ہم ان سے پھر کہیں گے آپ ہماری مائیں بہنیں بیٹیاں ہیں ۔ آپ اپنے حقوق کے دائرے کے اندر رہ کر مانگیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے ۔ لیکن خدا کے لئے اسلام کے خلاف جو بھی غلطی سے قدم اٹھایا گیا ہے اس کو ختم کیجئے ، اور اس کمزوری کو دور کیجئے جو اسلام نے حق دیا ہے اور اسلامی شریعت نے جو حقوق دلائے ہیں وہ ان کو ضروری دلائے جائیں ۔ وہ ہماری مائیں ، بہنیں ہیں ، ہم ان کے حقوق کے لئے اسی طرح لڑیں گے جیسے اپنے حقوق کے لیے لڑتے ہیں ۔

اسلام کی تاریخ میں عورتوں اور مردوں کی حقوق پر کبھی لڑائی نہیں ہوئی آج عورتوں کے حقوق کی لڑائی کی فضا پیدا ہوئی ہے ۔ یا کی گئی ہے وہ موجودہ دور اور یورپ کی تقلید کی پیداوار ہے ہم اب بھی ان حقوق کے حامی ہیں جو اسلام نے ان کو دیے ہیں ۔

شریعت اسلامیہ کے مختلف جزوی مسائل جن کو عائلی قوانین قباحت نے اصل حقیقت سے دور کر دیا ہے مفتی صاحب نے ایک ایک مسئلہ پر سیر حاصل بحث کر کے محرفین کے اغلاط کو کھول کر سامنے رکھ دیا ۔

۲۹ اکتوبر سنہ ۷۰ء کو ریڈیو پاکستان پر کی گئی تقریر

دین اسلام کا قیام جمیعتہ کا مقصود ومدعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين وعلى اله واصحابه اجمعين" اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا "

برادرانِ ملت ! السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ،

میں ریڈیو اور ٹیلیویژن کے کارپردازان کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، کہ انہوں نے فضا کی ریڈیائی لہروں کے ذریعہ مجھے آپ سے براہ راست مخاطب ہونے کا موقعہ مہیا کیا اور آپ تک کلمۂ حق پہچانے کا وسیع ترین ذریعہ بہم پہنچایا ، میرے پاس وہی ایک پیغام ہے جسے سالہاسال سے میں اور میرے رفقاء کل پاکستان جمعیتہ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے بیان کرتے چلے آرہے ہیں یہ پیغام گذشتہ چودہ سو سال سے زمین وآسمان کی فضاؤں میں گونجتا چلا آرہا ہے اور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے توسط سے اللہ تعالی نے اس پیغام کو قیامت تک کے لئے عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود کے واسطے مقرر فرمایا یہ پیغام اللہ ورسولؐ کا پسندیدہ دین اسلام ہے جیسا کہ میں نے شروع میں قرآن حکیم کی

آیت تلاوت کی ہے **اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً**

پس یہ دینِ اسلام ہے جس کا قیام ونظام کل پاکستان جمعیتہ علماء اسلام کا مقصود ومدعا ہے ، پس اس دین کو قائم ونافذ کرنے کے لئے ابتدائی اقدامات کے طور پر کل پاکستان جمعیتہ علماء اسلام نے اسلامی منشور کی صورت میں ایک خاکہ پاکستان کے عوام کے سامنے پیش کردیا ہے ۔

برادرانِ اسلام ! شروع میں بیان کردہ آیت قرآن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام کا نظام ایک کامل نظام ہے۔ اللہ تعالی کی اکمل فرمودہ نصیحت ہے اور اس کا پسندیدہ دین ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں اسلام کے مقابلے پر دنیا کا کوئی نظامِ حیات مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا ۔

دنیا کی ماضی کی تاریخ بھی ہمارے سامنے ہے اور وقتی موجودہ حالات بھی ہماری نظروں سے گذر رہے ہیں ماضی کی تاریخ اور وقت کے حالات سب ہی شہادت دے رہے ہیں کہ ہدایت الہی سے روگرداں ہو کر انسانیت نے ہمیشہ نقصان ہی اٹھایا ہے اور وہ فساد و انتشار کی اماجگاہ بن گئی ہے **ظهر الفساد فى البر والبحر بما كسبت ايدى الناس** ۔ کہ انسان جب بھی راہ حق سے ہٹا اس کے ہاتھوں بحر و بر میں فساد برپا ہوا۔ چنانچہ خود انسانیت کی بھلائی کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالی کا دین قائم ہو، تاکہ بحر و بر کا یہ فساد ختم ہو۔ اس

اعتبار سے یہ ذمہ داری مسلمانوں پر بالخصوص عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے اپنے درمیان اسلام قائم کریں اور اس کی برکات وخوبیوں کا مظہر بن کر دنیا بھر کو اسلام سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ اس لئے کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام چاہتی ہے کہ اسلامی قوانین پاکستان میں کامل ومکمل طریقہ پر نافذ کردیے جائیں تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقانیت اور اس کی خیر وبرکات کا عملی نمونہ آجائے۔

سامعین محترم! میں پوری بصیرت اور پورے یقین کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ عہد حاضر کے وہ تمام پیچیدہ مسائل جن سے انسانیت کو سابقہ پڑا ہوا ہے ان کا بہترین حل اسلام میں موجود ہے اور پاکستان جن مسائل سے دوچار ہے وہ بھی صرف اسلام کو اختیار کرنے سے ہی حل ہوسکتے ہیں۔

کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام اول دن سے اس بنیادی اور اہم نکتہ پر زور دیتی چلی آرہی ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور نے انسانی فکر کو ہی نہیں، بلکہ اجتماعیت کے ایک ایک مسئلہ کو ہمہ گیر طور پر متاثر کیا ہے آج انسان کو گہرے اعتماد ویقین کی ضرورت ہے اور اجتماعیت کے مسائل میں انسانیت کے مجموعی مفاد کا مقدم رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اسلام ان دونوں ضرورتوں کو جس خوبی وکمال کے ساتھ پورا کرتا ہے اس کا اندازہ قرآن وسنت کے پُر بصیرت مطالعہ سے ہی کیا جاسکتا ہے، اسلام انسان کو ایک نہایت مستحکم اور غیر متزلزل عقیدہ سے سرشار کرتا ہے جس کے اثر سے ایک مومن مسلم زندگی کی ہر مشکل عبور کرتا ہوا موت کے پل پر سے ہنستے مسکراتے گذر جاتا ہے اور انسانیت کے مجموعی مفاد کو اس کام میں اس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کی بھلائی اور فائدے کے لئے اپنی محبوب سے محبوب چیز کو قربان کردینے کا پابند ہے۔

ان صفات کے حامل دین سے ہی تمام مسائل کے حل کی توقع کی جاسکتی ہے اور پاکستان میں ہم مسلمان اس کا عملی مظاہرہ کرکے دنیا کو اس طرف متوجہ کرسکتے ہیں پاکستان میں بھی ہمارے مسائل کی یہی نوعیت ہے ہمارے یہاں بھی بے چینی اور بے دینی کے جال پھیلے ہوئے ہیں عوام میں غلط قسم کی سیاسی اقتصادی معاشی درجہ بندی ہے اور ان باتوں کے نتیجہ میں انتہائی بے چینی بے اطمینانی اور انتشار سر اٹھائے ہوئے ہے۔ جب تک ہم ان سب کا ازالہ نہیں کرلیتے ایک بہتر مستقبل کی توقع نہیں کرسکتے ہمیں پاکستان کی نئی نسل کو بے یقینی اور بے دینی کے خطرات سے بچانا ہے۔ ہمیں سیاسی جبر و روایات کا خاتمہ کرنا ہے: ہمیں اقتصادی تفاوت کے ایسے جھول دور کرنے ہیں جن سے بے چینی اور بے اطمینانی کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں ان دونوں مقاصد کو اسلامی احکام کے ذریعہ ہی بہتر طریقہ پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جب ایک بار ملک میں اللہ کی حاکمیت کا اصول نافذ ہو جاتا ہے، قرآن وسنت کے تمام احکام اور ارشادات دستور وقانون کی اساس قرار پاجاتے ہیں اور ملک کے تمام انتظامی محکمے، عدلیہ، پریس اور فوج وغیرہ ان احکام کی پابند بنادی جاتی ہیں، تو اس کے بعد کسی بھی گروہ کے لئے سیاسی جبر بالادستی کے مواقع باقی نہیں رہتے، اسلام کی رو سے سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام شہری تک اسلامی احکام کے اجراء، نفاذ کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتا اور سب یکساں طور پر قانون کے سامنے جواب دہ بن

جاتے ہیں، اس طرح تمام سیاسی بد عنوانیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

" جمعیتہ علماء اسلام "اس قسم کی سیاسی تبدیلی اس ملک میں لانا چاہتی ہے! اور اس نے اپنے منشور میں اپنے اس سیاسی موقف کی واضح نشاندہی کردی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب ایک بار ملک کا اقتصادی معاشی ڈھانچہ تمام حرام و ناجائز ذرائع سے پاک کر لیا جاتا ہے اور صرف حلال ذرائع پر اسے از سر نو منظم کر دیا جاتا ہے اور ان تمام مراعات کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے جو غیر ملکی حکمرانوں کے اپنے پسندیدہ افراد اور حلقوں کو دی تھیں، تو اس کے بعد ایک ایسا معاشی و اقتصادی نظام وجود میں آسکتا ہے جس میں جائز ملکیتیں بھی باقی رہیں گی اور اقتصادی نظام مساوات کا بھی نفاذ ہو جائے گا۔ جمعیتہ علماء اسلام "نے اپنے منشور کے اقتصادی حصہ میں ان امور کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔

عزیزانِ ملت! میری جماعت کا سیاسی اور اقتصادی موقف صرف یہ ہے اور ہم ایک ایسے نظام حیات کی بنیاد ڈالنا چاہتے ہیں جو ہمیں عہد حاضر کی تمام غیر اسلامی باتوں سے نجات دے سکے اور رفتہ رفتہ خلافت راشدہ کے دور کے نظام کی جھلک پیدا کر دے، جس طرح عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے درمیان کوئی امتیاز و تفاوت قائم نہیں تھا، حاکم و محکوم، راعی اور رعایا خلیفہ اور عام مسلمان ایک ہی جیسی زندگی بسر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے معاون اور بھائی بن گئے تھے، ٹھیک ٹھیک وہی صورت حال پھر مسلمانوں میں پیدا ہو جائے جسے قرآن حکیم میں ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

" **فاصبحتم بنعمته اخوانا** " یعنی اللہ کی مہربانی سے سب بھائی بھائی بن گئے۔ اس لئے میری جماعت ملک کے غریب عوام، کسانوں، مزدوروں، طالب علموں، اور تمام آدمیوں کو اس سطح پر لانا چاہتی ہے جہاں تمام مسلمان عملاً بھائی بھائی نظر آسکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا، جبکہ بے لاگ طور پر ملک میں قرآن و سنت اور خلفائے راشدین کے عہد کا عملی نمونہ اختیار کر لیا جائے اور ملک سے سیاسی، اقتصادی اور معاشی ظلم و جبر کا خاتمہ کر دیا جائے۔

حضرات! پاکستان کی سالمیت و استحکام کا بھی تقاضہ ہے کہ ملی وحدت کے رشتوں کو مضبوط تر بنایا جائے ملی وحدت کے رشتے جب ہی پروان چڑھ سکتے ہیں جب کہ یہاں سیاسی اور اقتصادی امور میں اسلامی وحدت کے اصول کار فرما ہوں ہر مسلمان سیاسی طور پر اپنے آپ کو آزاد اور معاشی طور پر خوشحال محسوس کرے اور سب کے سب عقیدہ و عمل کی ایک ہی ڈوری میں بندھے ہوئے ہوں۔۔ (**واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا**) کا بھرپور مظاہرہ ملت کے ہر گوشہ سے نمایاں ہو۔ برطانوی عہد کے سیاسی، سماجی، انتظامی، عدالتی اور اقتصادی امتیازات کو برقرار رکھ کر برائے نام تبدیلی سے انہیں اسلام کا نام دے کر ہم ہر گز ہر گز ملی وحدت کے مقاصد اور اسلامی نظام کی برکتوں کو حاصل کرنے کے قابل نہیں بن سکتے۔

محترم برادرانِ ملت! میری ان گذارشات سے آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا، کہ میری جماعت "کل پاکستان جمعیتہ علماء اسلام "کا مقصد و منزل کیا ہے ہم اس ملک میں کتابُ اللہ و سنتِ رسول اللہ کا نظام حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی رو سے ملک کا ہر شعبہ بے دینی کے اثرات اور حرام و ناجائز باتوں کی شمولیت سے پاک ہو جائے۔

جس کی رو سے ملک کے تمام مسلمان بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے قابل بن جائیں۔
جس کی رو سے ملک کا کسان، مزدور اور غریب بھی اس طرح سر اٹھا کر چل سکے، جس طرح ملک کا ایک بڑے سے بڑا آدمی چل سکتا ہے۔
جس کی رو سے ملک کی عدالتیں صرف اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں۔
جس کی رو سے ملک کے ہر گوشہ میں حق وانصاف کا بول بالا ہو۔
جس کی رو سے ملک میں کسی کو کسی پر سیاسی جبر کا موقع حاصل نہ رہے۔
جس کی رو سے پاکستان کے مسلمان ایک متحد قوت بن کر سر بلند ہو سکیں۔

"جمعیتہ علماء اسلام" نے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طریق کار اختیار کیا ہے جس کے ذریعہ نہ تو اسلام کے نام کو خود غرضانہ مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کیا جاسکے گا نہ ملک کے مختلف حلقوں اور گروہوں کے درمیان نام نہاد کفر واسلام کی کشمکش سر اٹھا سکے، نہ ملک اور عوام کا اتحاد پارہ پارہ ہو سکے اور نہ ملک کے غریب عوام، کسان، مزدور وغیرہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکیں کہ ان کے مسائل کا حل اسلام میں موجود نہیں ہے داخلی امن وامان اور ملکی استحکام کو برقرار رکھتے ہوئے صرف اسلام کی اساس پر ایسی تبدیلیاں لائی جائیں، جن سے ملک کے تمام سیاسی سماجی اور اقتصادی مسائل حل ہو جائیں جمعیتہ علماء اسلام نے ان تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ہی اپنا منشور مرتب کیا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ اگر "جمعیتہ علماء اسلام" کے منشور پر اس کے طریق کار کے مطابق عمل کیا جائے تو انشاء اللہ تعالی ملک میں ایسی سیاسی واقتصادی تبدیلیاں رونما ہو جائیں گی جو خالص اسلامی نظام کے نفاذ اور قیام کی اساس ثابت ہوں گی۔

میں آخر میں یہ عرض بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ "جمعیتہ علماء اسلام" پاکستان میں مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی خواہاں ہے، کہ پورا عالم اسلام اتحاد کی لڑی میں منسلک ہو جائے، لیکن یہ اتحاد عملاً اس وقت تک بروئے کار نہیں آسکتا جب تک کہ مسلمانوں کی سرزمین سے غیر ملکیوں کے سیاسی اور اقتصادی اثرات کا کلیۃً خاتمہ نہ ہو جائے۔

عربوں کے سینے پر سے اسرائیل کا خنجر نہ اٹھایا جائے اور کشمیر کے مسلمان آزادی کے حق سے بہرہ ور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ میری جماعت اسرائیل اور غیر ملکی سامراج کے اثرات کے خلاف عربوں کی غیر مشروط اور بلا تنقید حمایت کرتی ہے اہل کشمیر کی آزادی کی جدوجہد تیز کرنے میں پوری پوری معاونت کی حامی ہے۔ میری جماعت بھارت میں بسنے والے چھ کروڑ مسلمانوں کے موجودہ سنگین حالات سے بھی بے پروا نہیں ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اسلامی نظام اور اسلامی اخوت اور اسلامی مساوات کی اساس پر مبنی نظام کے قیام سے پاکستان میں ایک ایسی مستحکم اور با اثر حکومت قائم ہو سکتی ہے، جو بھارت کے مسلمانوں کے مصائب کا مداوا کرنے کے قابل ثابت ہو سکے گی۔

ایسی ہی حکومت اہل کشمیر کی آزادی اور اسرائیل کی جارحیت کے مقابلہ میں عربوں کی پشت پناہ بھی بن سکتی ہے۔

یہ ہماری جمعیۃ کا موقف، مسلک، پالیسی اور پروگرام ہے۔

سامعینِ محترم! برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں علماء دین کا ہمیشہ سے یہ ہی مقصود رہا ہے کہ اس سرزمین پر اسلام کا صحیح اور مکمل نظام قائم ہو۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی علمی و عملی خدمات اس جدوجہد کے سنہری ابواب ہیں اور شہیدان بالا کوٹ نے اپنے خون کی قربانی دے کر ان ابواب کو مداومت بخشی ہے۔

پاک وہند کے علماء ان قدوسی صفات بزرگوں اور پیشرؤوں کے نقش قدم پر ہی اسلام کا قافلہ لے کر رواں دواں رہے ہیں۔ برطانوی استبداد سے ایک صدی سے زیادہ تک ان کا مقابلہ عہد حاضر کی تاریخ کے مسلمات میں سے ہے میری جماعت کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام علماء حق کے اس سلسلے کے مشن کی امین اور پیروکار ہے اور سمجھتی ہے کہ جس دن بھی پاکستان میں قرآن وسنت کا حقیقی نظام قائم ہوگا وہ دن برصغیر پاک وہند میں داخل ہونے والے پہلے مجاہد کی روح سے لے کر حضرت مجدد الف ثانیؒ، شہدائے بالاکوٹ شہدائے تحریک آزادی کی روحوں کے مسرت واطمینان کا دن ہوگا اور عالم بالا میں ان کی دعائیں اہل پاکستان کا ساتھ دے رہی ہونگی۔

میری جماعت ماضی کی تاریخ کے اس تیرہ سوسالہ مشن کی تکمیل میں ہی مصروف ہے اور انشاء اللہ یمین ویسار کی پرواہ کئے بغیر اپنا یہ مشن جاری رکھے گی۔ اسے اللہ کی مدد سے پاکستان کے مسلمانوں کی اعانت کی پوری پوری توقع ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

==

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی ایک اہم تقریر

اسلام کے لئے ہم کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے

میرے عزیز ہم وطنو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج میں نہایت ہی مکدر سیاسی فضا میں آپ کے سامنے چند تلخ حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر حقائق کو پوری وضاحت کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کردوں تو شاید فضا اور مکدر ہو جو یقیناً ملکی مفاد میں نہیں اور اگر چشم پوشی سے کام لے کر مابہ النزاع امور کو ایک حد تک نظر انداز کردوں تو قوم صحیح طور پر حالات سے روشناس ہو کر درست فیصلے پر نہیں پہنچ سکے گی، بہرحال میں کوشش کرتا ہوں کہ اس مشکل پر قابو پاسکوں اور ملک وملت کے مفاد کو ملحوظ رکھ کر چند ضروری امور سے قوم کو آگاہ کرسکوں۔

بطور تمہید کے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس قوم کو اچھی سیاسی لیڈر شپ آج تک میسر نہیں آئی جو ذاتی گروہی مفاد سے بالا تر ہو کر قوم کو صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش کرے، جو بھی سیاستدان سامنے آتے ہیں وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر جوڑ توڑ میں شب روز مصروف رہتے ہیں اس لئے جب بھی ملک کو آئین دینے کا مرحلہ ان کے سامنے آیا آئین میں اپنے اقتدار کو استحکام بخشنے کا سب سے پہلے سوچتے ہیں اور ایسا آئین تشکیل دیتے ہیں جو ان کے گروہی مفادات اور اقتدار کا پورا پورا محافظ ہو، خواہ وہ قوم کے مزاج اور خواہشات کے بالکل برعکس کیوں نہ ہو، پھر وہ آئین جیسے دستاویز کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جس کی وفاداری کا حلف اٹھایا جاتا ہے۔ جب بھی اقتدار کو تحفظ دینے کے لئے انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اپنے حلف کو نظر انداز کر کے اس آئین کو سبوتاژ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے یہی وجہ ہے، کہ ۲۵ سال تک یہ قوم آئینی جدوجہد میں ناکام رہی ہے اور کوئی آئین ایسا آج تک تیار نہیں ہو سکا جو قوم کے لئے قابل قبول ہو۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے نو سال بعد ۱۹۵۶ء میں مشکل سے ایک آئین نافذ ہوا جو اگرچہ قوم کو سیاسی اور مذہبی حیثیت سے مطمئن نہیں کرتا تھا لیکن پھر بھی آخر آئین تھا جس کا حلف اٹھایا گیا تھا لیکن سکندر مرزا اور ایوب خان نے ایک مارشل لاء کے ذریعہ اس آئین کو منسوخ کر کے رکھ دیا اور چار سال تک ملک کو فوج کے حوالے کیا

آخر ۱۹۶۲ء میں اسی جذبہ اقتدار کی بنا پر ایک دوسرا دستور صدارتی طرز حکومت کا حامل نافذ ہوا اور بنیادی جمہوریت کے نام سے قوم پر مسلط کیا گیا۔ اس کا بھی حلف اٹھایا گیا تھا اور اس کا حلف اٹھانے والے یحییٰ خان نے اسے بھی سبوتاژ کر دیا اور ملک کو ایک دوسرے مارشل لاء کے حوالے کر دیا۔

گذشتہ برس ایک عبوری آئین نافذ کیا گیا اس میں بھی اقتدار کے تحفظ ہی کو بنیاد قرار دیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ مرکز میں تو صدارتی نظام اور صوبوں میں پالیمانی نظام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔

اب جب مستقل دستور کا مرحلہ سامنے آیا تو اقتدار کے تحفظ کے اس جذبہ کے تحت ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو چار پانچ روز کے مذاکرات کے بعد مختلف پارلیمانی پارٹیوں کے لیڈروں کی ایک کانفرنس میں ایک سمجھوتہ ہوا۔ سمجھوتہ کے درمیان یہ بات تمام لیڈروں پر واضح کر دی گئی کہ پارلیمنٹری سسٹم کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اقتدار کو تحفظ کی ضمانت نہ مل جائے اور روز بروز حکومت کو بدلنے کے خطرات کا مکمل طور پر سد باب نہ ہو۔

چنانچہ یہ بھی تجویز سامنے آئی کہ پولیٹیکل پارٹی ایکٹ میں ایسی ترمیم کی جائے کہ اگر پارٹی اسمبلی کے کسی ممبر کو پارٹی سے خارج کر دے اس کی سیٹ بھی خالی قرار دی جائے، اگرچہ وہ ممبر پارٹی اور پارٹی کے پروگرام کا اپنے آپ کو وفادار سمجھتا ہو اس طرح کوئی بھی ممبر اپنی ممبر شپ کو خطرے میں ڈال کر عدم اعتماد کا نوٹس دینے اور گورنمنٹ کے فیصلوں کے خلاف رائے دینے کی کسی بھی مرحلے میں جرات نہیں کر سکے گا۔

ظاہر ہے کہ اس ترمیم کو تبدیل کرنے کی صورت میں عوام کا ایک منتخب نمائندہ پارٹی کے چند وڈیروں کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے، جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا یہ تجویز آئی کہ اگر کوئی ممبر عدم اعتماد کا نوٹس دینا چاہے تو اسے سیٹ خالی کرنی ہو گی اور پھر دوبارہ انتخاب لڑ کر کامیاب ہو کر اسمبلی کا ممبر بنے انتخاب کے بعد وہ عدم اعتماد کا نوٹس دے سکے گا ظاہر ہے کہ کوئی بھی ممبر اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کرے گا اور اس طرح عدم اعتماد کی تحریک کا خطرہ مستقل طور پر ٹل جائے گا، ہمارے لئے پہلے کی طرح یہ صورت حال بھی قابل قبول نہ تھی۔ اب ہمارے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو ملک کو آئین کے بغیر رہنے دیں اس لئے کہ حزب اختلاف کی جماعتیں اکثریتی پارٹی کے تعاون کے بغیر کوئی آئین دینے پر قدرت نہیں رکھتیں اور اس طرح حکومت کے تمام ذرائع حسب عادت آئینی تعطل کا الزام بلاوجہ اپوزیشن کے سر تھوپ دیتے یا پھر کچھ مدت کے لئے اور بالکل ہی نامناسب اور غیر جمہوری تجاویز قبول کر لیں وہ تجاویز یہ ہیں

۱۔ یہ کہ حکومت پر عدم اعتماد کی تحریک اسمبلی کے کل ممبران کی دو تہائی کی اکثریت سے پاس ہو گی۔

۲۔ عدم اعتماد کا نوٹس مل جانے کے باوجود وزیر اعظم اسمبلی کو توڑنے کی سفارش کر سکے گا۔

چنانچہ ہم نے بہ امرِ مجبوری قومی و ملی مصالح کے پیش نظر ان دو تجاویز کو تلخ گھونٹ سمجھ کر پی لیا تھا لیکن ہم نے بجٹ پاس کرنے کے سلسلے میں یہ تجویز پیش کی تھی، کہ حکومت کے پیش کردہ بجٹ کے حق میں اگر اسمبلی کی معمولی اکثریت بھی متفق نہ ہو گی تو ظاہر ہے کے بجٹ پاس نہیں ہو سکے گا اب اس کے نتیجہ میں تین صورتیں ہوں گی اور ان میں سے لازماً کسی پر عمل کر لیا جائے گا۔

۱۔ یا تو حکومت اپنی بقا کے لئے از سر نو اسمبلی کے ممبران کی ۵۱٪ اکثریت کا اعتماد حاصل کرے۔

۲۔ یا حکومت مستعفی ہو جائے۔

۳۔ یا اسمبلی اور وزارت سب توڑ کر از سر نو انتخابات کرائے جائیں۔

ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ دو تہائی اکثریت کی شرط کے باوجود سال میں کم از کم ایک مرتبہ تو بجٹ کے اجلاس میں سادہ اکثریت سے بھی حکومت سے نجات کا راستہ مل سکتا ہے اس قربانی کو مد نظر رکھ کر ملک کی بقا اور سلامتی اور عظیم مفاد کی خاطر یہ تلخ گھونٹ پی لیا تھا۔ مگر مسودہ آئین جب سامنے آیا تو زہر کی تو فراوانی تھی، مگر تریاق کا سرے سے ذکر ہی غائب تھا۔

اب تعجب کی بات یہ ہے کہ آج حزب اقتدار کے ذمہ دار لوگ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ سب تجاویز حزب اختلاف کی طرف سے پیش ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ اقتدار کے تحفظ کی غیر جمہوری تجاویز اقتدار پر فائز لوگ ہی لا سکتے ہیں نہ کہ حزب اختلاف، جب یہ تجاویز حزب اقتدار ہی کے لئے مفید مطلب ہیں حزب اختلاف کی طرف منسوب کرنے کی کوئی بھی ذی ہوش انسان تسلیم نہیں کر سکتا اور اگر بقول حزب اقتدار یہ غلطی حزب اختلاف کی ہے تو جب حزب اختلاف کی تمام جماعتیں ایسی غلطی کے ازالے پر متفق ہیں، تو حزب اقدار اس پر اصرار کیوں کرتا ہے حزب اختلاف کا اس سے فرار اور حزب اقتدار کا اس پر اصرار اس بات کا بین ثبوت ہے کہ تجاویز حزب اقتدار ہی کے ذہن کا

اختراع ہیں اگر کوئی غلطی سمجھوتے میں ہوئی ہے اور تمام فریق سمجھوتے کی اس غلطی کے ازالے پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ کہ سمجھوتے کی خلاف ورزی ہے اور نہ قانوناً اور اخلاقاً کوئی جرم ہے۔

آئینی کمیٹی میں حزب اختلاف کے نمائندوں نے ایک نئی تجویز رکھی اور وہ یہ کہ ان دو غیر جمہوری تجاویز کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ طے کرایا جائے کہ اگر اسمبلی کی سادہ اکثریت خود اسمبلی کو توڑنے کا فیصلہ کردے تو اسے بھی یہ آئینی حق حاصل ہونا چاہیے۔اسمبلی کے اکیاون فی صد ممبر اگر یہ محسوس کریں کہ ایک آمر غاصب اور جابر حکومت سے نجات دو تہائی اکثریت کے عدم اعتماد کے بغیر تو ممکن ہی نہیں تو کیوں نہ اسمبلی کو خود کشی کا حق دیا جائے۔

اس طرح اسمبلی سادہ اکثریت سے ٹوٹ جانے کے بعد نئے سرے سے انتخابات کا راستہ کھول دیتی ہے اور اسمبلی کی خود کشی قوم کے لئے جمہوریت کی شکل میں نئی زندگی کا باعث بن جاتی ہے یہ تجویز سمجھوتہ کی خلاف ورزی نہیں بلکہ ایک نئی شق کا اضافہ تھا اور یہ بالکل درست بات تھی جب وزیر اعظم اسمبلی کو ہر وقت توڑ سکتا ہے اور وزیر اعظم در حقیقت اسمبلی کی سمپل مجارٹی کے اختیار کو استعمال کر کے بالواسطہ یہ اختیار رکھتا ہے، تو خود وہ اسمبلی جو طاقت کا سرچشمہ ہے اور جنہوں نے اپنی طاقت وزیر اعظم کی طرف منتقل کی تھی اور وزیر اعظم ان اختیارات کو استعمال کر کے اسمبلی کو توڑنے کا مجاز ہے تو اصل طاقت اس کی مجاز کیوں نہ ہو۔

لیکن اس سادہ اور بہتر تجویز کو بھی حزب اقتدار نے ٹھکرا دیا اس سے میرے قابل احترام اور ذی شعور ہم وطنوں پر واضح ہو گیا ہو گا کہ حزب اقتدار اپنے اقتدار کے تحفظ ہی کی خاطر ہر مرحلے پر انکار کرتا رہا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہم نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کے خلاف مسودہ آئین میں اختلافی نوٹ لکھا اور مطالبہ کیا کہ اس ایکٹ کو منسوخ کر دیا جائے اور اسے جو آئین میں تحفظ دیا گیا ہے واپس لیا جائے اسلئے آئینی سمجھوتے کے بعد اس ایکٹ کو باقی رکھنا سمجھوتے کی روح کے منافی ہے اسطرح ہم نے اور بھی کئی اختلافی نوٹ لکھے جو ہمارا آئینی اور کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے بنیادی حق تھا۔

لیکن حزب اقتدار کے ذمہ دار حضرات ہمارے اختلافی نوٹوں سے بوکھلا گئے اور انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہم پر سمجھوتے سے منحرف ہونے کے الزامات عائد کر دیے اور تمام ذرائع ابلاغ ٹیلی ویژن، ریڈیو اور پاکستان نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخباروں کو ہمارے خلاف ایک مہم چلانے کی ہدایت کر دی گئی۔

اب میں ذرا یہ بات بھی واضح کر دوں کہ حزب اقتدار نے کہاں کہاں آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کی ہے ۔

سمجھوتے کی اسلامی دفعات کی دفعہ اکتالیس میں یہ بات واضح طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ کوئی قانون بھی قرآن وسنت میں مذکورہ احکامات کے خلاف نہیں بنایا جائے گا موجودہ قانون کو ان احکامات کے مطابق ڈھالا جائے گا دفعہ ۴۲ میں ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل اسطرح تشکیل دی جائے گی کہ اسلام کے احکامات پر مثبت عملدرآمد کے لئے راہ ہموار کرے۔

لیکن مسودہ آئین کی بنیادی حقوق کی ضمنی دفعہ ۱۹ میں ہر شہری کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ کوئی بھی مذہب اختیار کر سکتا ہے اس

طرح مذہبی آزادی کے خوشنما عنوان سے مسلمانوں کو مرتد ہونے کا بنیادی حق دیا گیا ہے جو صریحاً اسلامی اصول سے انحراف ہے۔

دوسرا یہ کہ اسلامی کونسل کو غیر مؤثر بنا کر سمجھوتہ کی روح کو کچل دیا گیا جب کہ مسودہ آئین میں طے کر لیا گیا ہے کہ جب تک پارلیمنٹ کا کوئی ایوان یا صوبائی اسمبلی کی اکثریت کی رائے سے کوئی قرارداد منظور نہ کرالی جائے اسلامی کونسل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، ہماری رائے ہیں متعلقہ قانون ساز ادارے کے ہر رکن کو یا کم از کم اسمبلی کے منظور کردہ کورم کی تعداد کے برابر ممبر کو بھی حق ملنا چاہیے کہ کسی بھی مجوزہ قانون کو اگر محسوس کریں کہ یہ غیر اسلامی ہے تو اسلامی کونسل کے پاس بھیج سکیں موجودہ مسودہ دستور میں تجویز کردہ طریق کار در حقیقت اسلامی کونسل کے منشور سے انحراف کے مترادف ہے نیز ایک سوال اسلامی کونسل کو بھیج دیا جائے تو اس وقت تک اس سوال کے متعلق قانون سازی ملتوی ہونی چاہیے جب تک کہ متعلقہ مقننہ کو مشورہ فراہم نہیں کیا جاتا، لیکن مجوزہ صورت میں مقننہ کو اس بات کا پابند نہ کرنا در حقیقت اسلامی کونسل کی حیثیت کو بے اثر بنانے کی ایک کوشش ہے اس طرح اسلامی کونسل کا مشورہ حاصل ہونے کے بعد مقننہ کو اس مشورہ کا پابند ہرگز نہیں بنایا گیا بلکہ مقننہ کو بلا روک ٹوک آزادی سے مسترد کر سکتی ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا اس طریقہ کار سے اس ملک میں اسلامی قانون سازی کی ضمانت دستور مہیا کر سکتا ہے اور کیا یہ سمجھوتہ میں اسلامی قانون سازی کے حق کو تسلیم کرنے والی شق کی صریحاً خلاف ورزی نہیں ہے۔

نمبر تین یہ کہ قرآن وسنت کی قانون سازی کو دوسرے بنیادی حقوق کا مقام مسودہ میں نہیں دیا گیا کسی بھی غیر اسلامی قانون سازی کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تو کیا وجہ ہے کہ اسلامی اصول کے منافی قانون کو جو نہ صرف فرد واحد بلکہ ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی حق تلفی ہے کو عدالت میں چیلنج کرنے سے روک دیا گیا ہے؟ مزید براں یہ کہ رسوائے زمانہ مسلم فیملی لاء کو جو تمام اسلامی مکاتیب فکر کے نزدیک غیر اسلامی ہیں کو دستوری تحفظ دیا گیا ہے، کیا یہ بھی خلاف ورزی نہیں ہے؟ اس پر مستزاد یہ کہ ججز، حتی کہ چیف جسٹس کو بھی مسلمان ہونے کی شرط سے مستثنی قرار دیا گیا ہے، جبکہ ہم نے آئینی کمیٹی میں ججز کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کی ترمیم پیش کی تھی، جس پر ہمارا اختلافی نوٹ بھی موجود ہے تو کیا اسلامی قانون کے تحفظ کی ضمانت مل سکتی ہے؟

اس کے علاوہ سمجھوتے میں اسلامی دفعات کی دفعہ ۴ میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے، تو اب اس کے کچھ تقاضے ہیں گویا اسکے یہ معنی ہیں کہ پاکستان کو ایک نظریاتی مملکت قرار دیا گیا اور ایک نظریاتی مملکت میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ اس ملک کی کلیدی اسامیوں پر ایسے لوگ تعینات نہیں کئے جا سکتے، جو سرے سے اس نظریہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ آپ کسی کیمونسٹ ملک میں ایسی مثال نہیں دے سکتے، کہ اس میں کسی بھی کلیدی اسامی پر کیموزم پر یقین نہ رکھنے والا شخص فائز ہو اور نہ ہی کیپٹلسٹ ممالک میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے، لیکن ہم نے جب آئینی کمیٹی میں اس شق کے تحت تجویز پیش کی کہ،

تینوں افواج کے سربراہوں کے لئے بھی مسلمان ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے بھی انکار کر دیا گیا، اس کے علاوہ آئینی سمجھوتہ میں ایوان زیریں کے لئے دو سو اور ایوان بالا کے لئے ساٹھ ممبروں کا فیصلہ کیا گیا، لیکن مسودہ آئین میں اسکی صریحاً خلاف ورزی کی

گئی ہے، اس لئے کہ قومی اسمبلی کے اسوقت ایک سو چوالیس منتخب ممبر ہیں ممبران کی تعداد دوسو تک بڑھانے کی شق کو مجوزہ آئین سے نکال دیا گیا ہے، اس کی متبادل صورت مجوزہ آئین دفعہ ۲۷۱ میں دی گئی ہے۔ جس پر عملدرآمد ۱۹۷۷ء میں ہوگا، یہ آئینی سمجھوتہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے اس طرح ایوان بالا کے لئے آئینی سمجھوتہ میں ساٹھ ارکان کا فیصلہ ہوا، جبکہ مجوزہ دستور کی دفعہ ۲۷۲ کے تحت اسے فی الوقت چوالیس کردیا گیا، ظاہر ہے کہ آئینی سمجھوتہ ۱۹۷۷ء میں لاگو ہونے کے لئے تعین کیا گیا تھا اور اگر ایسی صورت ہے تو وزیر اعظم پاکستان کے عدم اعتماد کی دو تہائی اکثریت اور ہمچوں قسم کے دوسرے امور بھی ۱۹۷۷ء سے نافذالعمل ہونے چاہئیں۔

سمجھوتہ کی دفعہ ۴۵ میں عدلیہ اور الیکشن کمیشن کو انتظامیہ سے آزاد ہونے کی ضمانت دی گئی ہے، لیکن مجوزہ آئین میں اس کے برعکس صدر چیف جسٹس اور چیف الیکشن کمشنر کو صوابدید پر فائز نہیں کرسکتا، جب تک وزیراعظم اس کی تصدیق نہ کردے مجوزہ دستور کی دفعہ ۵۱ کی شق تین میں تصریح موجود ہے کہ صدر کے احکامات باضابطہ ہونے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اس پر وزیر اعظم ہی کے پسندیدہ اشخاص ہوں گے، اب یہ فیصلہ قوم نے کرنا ہے کہ اس صورت میں کیا عدلیہ اور الیکشن کمیشن انتظامیہ سے آزاد ہیں جس کی ضمانت سمجھوتہ کی شق ۴۵ میں دی گئی ہے اور کیا یہ سمجھوتہ کی اس شق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔

میرے عزیز بھائیو! اگر میں حزب اقتدار کی طرف سے مسودہ آئین میں سمجھوتہ کی خلاف ورزی کا مستقصا کروں تو وقت میرا ساتھ نہیں دے سکے گا، لیکن اسکے باوجود الزام ہمیں دیا جارہا ہے کہ ہم سمجھوتہ سے منحرف ہوگئے ہیں اور یہ کہ اکثریتی پارٹی حزب اختلاف کے تعاون کی محتاج نہیں ہے وہ خود ملک کو آئین دے سکتی ہے باوجودیکہ نہ تو حزب اختلاف کی کسی جماعت نے آئینی امور میں عدم تعاون کا ارادہ کیا ہے اور نہ اس کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے بلاوجہ چڑانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

درحقیقت آئین پورے ملک کے عوام کے لئے ہوتا ہے اس میں حزب اختلاف کے نمائندوں کا تعاون لازمی ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے اسمیں چار یونٹ ہیں ہر یونٹ کے کچھ حقوق اور مسائل ہوتے ہیں آئین میں سب کا حل تلاش کیا جاتا ہے اگر بلوچستان کا کوئی نمائندہ اسمبلی میں آئین بناتے وقت شریک نہ ہو یا سرحد کے ممبران قومی اسمبلی کی اکثریت دستور سے مطمئن نہ ہو تو کوئی جواز نہیں کہ وہ آئین زبردستی سرحد، بلوچستان پر مسلط کیا جائے۔

جیسا کہ شیخ مجیب کے چھ نکاتی پروگرام کے مطابق آئین سازی پر صدر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا کہ میں عوامی لیگ کی اکثریتی پارٹی کے بنائے ہوئے آئین کو ہرگز قبول نہیں کروں گا جب تک مغربی پاکستان کے صوبوں کی تائید اسے حاصل نہ ہو۔ عوامی لیگ کی اکثریت چونکہ ایک صوبے سے ہے اس لئے دوسرے صوبوں کے نمائندوں کی تائید کے بغیر وہ ان کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

کیا اکثریتی پارٹی اس بات کو بھول چکی ہے اور کیا ان کا بنایا ہوا آئین بلوچستان اور سرحد میں ان کے نمائندوں کی تائید کے بغیر ٹھونسا جاسکتا ہے۔

میں حزب اقتدار کے ذمہ دار حضرات کو چیلنج کرتا ہوں کہ میں نے اور میری جماعت "جمعیۃ علماء اسلام" نے کبھی سمجھوتے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرے اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکتے اور ایسی کسی بھی ایسی تجویز کی نشاندھی نہیں کرسکتے جس سے سمجھوتے کی خلاف ورزی ثابت ہوسکے ہر شخص آج بھی کہتا ہے کہ کیا یہ پاکستان بھی بچ جائے گا ہمیں چاہیے کہ ہم پورے خلوص سے پاکستان کی سلامتی کے لئے اور اس کو بلند وبالا رکھنے کے لئے متحد ہو جائیں اور آئین کے سلسلہ میں تمام اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر ایک پاکستانی کی حیثیت سے مضبوط اسلامی اور جمہوری آئین کے بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔

میرے عزیز ہم وطنو! آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کو سلامتی، اتحاد، یک جہتی اور پاکستان کو صحیح معنوں اسلامی ملک بنانے کے لئے ہیں، میری جماعت آپ کی خدمت ہر وقت کرتے رہیں گے، اس سلسلے میں میری جماعت "جمعیۃ علماء اسلام" کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور انشاء اللہ حق کا بول بالا ہوگا۔

اسلام زندہ باد۔ پاکستان پائندہ باد۔

===
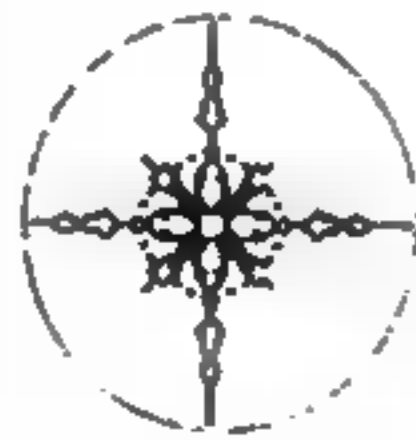
حضرت مفتی محمود واقعات کے آئینہ میں

حافظ اطہر عزیز ایم-اے

زندگی میں ہونے والے بعض چھوٹے چھوٹے واقعات کسی شخصیت میں خوشنمائی کی خوشبو کی حیثیت رکھتے ہیں ہر انسان کی زندگی میں ظاہری خوشنمائی کے ساتھ ساتھ اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کی خوشبو ہے، یہی خوشبو اس کے سراپا کا حقیقی مقام بتلاتی ہے۔

اگر کوئی ذہین ہے تو ذہانت واقعات زندگی سے ہی نمایاں ہوگی۔ اگر کسی شخصیت میں اخلاص وللہیت ہے تو واقعات ہی اس کا پردہ چاک کریں گے۔

اگر کسی میں سچائی ودیانت کا جوھر پوشیدہ ہے تو واقعات سے ہی اس کی صداقت پرکھی جائے گی۔

اگر کسی میں تقویٰ اور امانت ہے تو وہ بھی واقعات سے ہی آشکار ہوگی

علم وتفقہ پر مہر تصدیق بھی واقعات ہی ثبت کریں گے۔

واقعاتی زندگی سے ہٹ کر کسی کی شان اور مرتبہ کی حیثیت اس کاغذی پھول کی ہوجاتی ہے جس کی اندرونی اور پوشیدہ صلاحیتیں اپنی موجودگی کا اعلان نہ کررہی ہوں۔

مولانا مفتی محمود ذہین تھے عالم اور فقیہ تھے۔ اخلاص وللہیت ان کا جوہر تھا تقویٰ ان کا شعار تھا، دیانت ان کا امتیاز تھی، سادگی ان کی پہچان تھی۔ واقعات ان کی شخصیت کی مہک بکھیر رہے ہیں، ان کی زندگی کے چند واقعات پیش خدمت ہیں جس سے ان کی شخصیت اور مقام کا صحیح اندازہ لگاکر ان کے مقام کو سمجھا جاسکتا ہے۔

استاد کو حیران کردیا:۔ قدرت کی عطا کردہ پوشیدہ ذہانت زندگی کے ہر موڑ پر جلوہ گر ہوتی ہے جبکہ بعض شخصیات میں بچپن ہی سے اس کا اظہار ہونے لگتا ہے۔

مولانا مفتی محمود بھی انتہائی ذہین لوگوں میں سے تھے۔ اور بچپن ہی میں بعض اوقات اپنی ذہانت سے لوگوں کو حیران کردیتے۔ ایک دفعہ اپنے استاذ محترم کو حیران کردیا۔ عمر چودہ پندرہ سال کے قریب ہوگی جب پنیالہ کے سامنے شیخ بدین کے پہاڑوں پر قائم مسجد میں مولانا غلام رسول سے سلم العلوم پڑھتے تھے۔ ایک روز جمعہ کا دن تھا مولانا غلام رسول کسی کام سے گاؤں سے باہر گئے اور واپس نہ آئے جمعہ کا وقت گذر رہا تھا، مسجد میں نمازی حیران وپریشان تھے کہ مولوی صاحب تو آئے نہیں جمعہ کیسے پڑھیں گے، اتنے میں محمود آئے اور ممبر پر براجمان ہوگئے، کچھ باتیں کی اور خطبے کے لیے کھڑے ہوگئے انتہائی اعتماد کے ساتھ انہوں نے جمعہ پڑھایا۔ اتنے

میں لوگوں نے دیکھا کہ مولانا غلام رسول صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آرہے ہیں سانس پھولا ہوا تھا کہ محمود نے آگے بڑھ کر ان کو بتایا کہ آپ فکر مند نہ ہوں میں نے جمعہ پڑھا دیا ہے۔ استاد حیران تھے کہ یہ کیسے ممکن ہوا؟ انہوں نے حیرت واستعجاب سے محمود سے پوچھا کہ تم نے خطبے میں کیا پڑھا ہے؟ محمود نے مسکرا کر جواب دیا کہ پہلے خطبے میں سلم کا کل کا سبق اور دوسرے خطبے میں آج کا سبق نیز دونوں خطبوں میں چند آیات چند احادیث، یہ سن کر مولانا غلام رسول صاحب ہنس دیے کہ محمود نے کیا کیا سلم تو منطق کی کتاب ہے جسکا جمعہ کے خطبے سے کیا تعلق لیکن ننھے محمود نے ایک لاینحل مسئلے کا حل اپنی ذہانت اور تدبیر کی بنیاد پر نکال لیا تھا اور دونوں خطبوں میں آیات واحادیث پڑھ کر سنت بھی پوری کرلی۔

بچپن میں قیادت کا جذبہ اور اہلیت کا ثبوت:۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب مولانا مفتی محمود "مدرسہ شاہی" مراد آباد میں زیر تعلیم تھے، وہاں اپنے ہم جماعت ساتھیوں میں اپنی ذہانت بے باکی کی وجہ سے مقبول تھے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ پورے مدرسہ میں ہر دلعزیز تھے، لہذا تمام طلباء ان پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک بار کسی مسئلے پر استادوں اور شاگردں میں اختلاف پیدا ہوگیا اب سب کی نظریں اس قائد پر جم گئیں سب طلبہ محمود کے کمرے میں جمع ہوئے۔ اساتذہ جب اپنی اپنی جماعتوں میں پڑھانے کے لیے گئے تو کلاس خالی تھی انہیں پتہ چلا کہ سب طلبہ محمود کے کمرے میں جمع ہیں۔ لہذا وہ اس طرف چل دئے محمود نے جب اساتذہ کو آتے دیکھا طلبہ کو فانتشروا۔ بکھر جاؤ کہہ دیا جس پر سب منتشر ہوگئے اور خود بھی کمرے سے نکل گئے۔

دوران درس کامل ہوشمندی:۔ ان کے ہم سبق کہتے ہیں کہ ان کو سبق پڑھنے کے بعد اس کی تکرار کی نوبت نہیں آتی تھی پہلی ہی خواندگی میں انہیں حفظ ہو جاتا تھا۔ اس طرح سبق عرصہ دراز تک ان کے لوح ذہن پر نقش رہتا لہذا انہیں پڑھے ہوئے علوم پر کامل دسترس اور وہ علوم مستحضر رہتے تھے جس شخص کی یہ کیفیت ہو وہ مسائل کے استخراج میں کوتاہی نہیں کرسکتا اور اس کی جانچ اور پرکھ بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض اوقات اساتذہ کو ان کی بے خبری اور سہو پر بلا جھجک متنبہ کردیتے تھے اور ایسے واقعات دوران درس عام ہوتے تھے۔

ایک بار افغانستان کے مولانا عبدالغفور "صدرا" پڑھا رہے تھے حلقہ درس میں دیگر طالب علم اور محمود ہمہ تن گوش تھے ایک مقام پر ان سے غلطی ہوگئی۔ محمود اگرچہ بڑے باادب تھے، اپنے اساتذہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے لیکن ان کے ہاں ادب کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ دو اور دو کو تعظیماً پانچ کہہ دیا جائے ------ لہذا انہوں نے فوراً اپنے استاد سے کہا کہ آپ جو پڑھا رہے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ حضرت الاستاذ کو بھی اپنے علم پر وثوق تھا، وہ غصے میں آگئے اور کہا جو میں پڑھا رہا ہوں یہی درست ہے، تم استاذ کی غلطی نکالنے والے کون ہو استاذ نے یوں بات ٹال دی لیکن محمود کی بات انہیں کھٹکتی رہی غصے کے طوفان کی لہریں جب سکون پذیر ہوئیں تو انہیں غور کا موقع ملا۔ لہذا اگلے روز جب سبق پڑھانے آئے تو انہوں نے کل کے نقطہ کی وضاحت سے سبق شروع کیا اور ساتھ ہی محمود سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ محمود تم ٹھیک کہتے تھے میں نے ہی غلط پڑھا تھا۔

فرضی تھانیدار کے منہ پر طمانچہ: یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب آتش جوان تھا۔ جذبات اور عقیدتوں کے ساتھ افکار اور قوت عمل پر بھی شباب طاری تھا۔ وہ مولانا محمد میاںؒ کی "علماء حق کا شاندار ماضی" کی ترتیب وتدوین میں معاون رہ چکے تھے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے عقیدت انہیں کوچہ سیاست میں فعال کارکن بنا چکی تھی اور وہ مدرسہ شاہی سے فارغ ہو کر اباخیل ضلع بنوں میں تدریس کا کام کرنے لگ گئے تھے۔

وہ اپنی سیاسی طبیعت ومیلان کی وجہ سے اپنے عقیدے ونظریے کی بات کرتے تو چند سینئر طلبہ نے سوچا کہ مفتی محمود بڑے سیاسی بنتے ہیں اور سیاست کی خارداروادی کا انہیں اندازہ نہیں لہذا انہوں نے ان کی جرات واستقامت کا امتحان لینے کی ٹھانی، مدرسہ کے سینئر طلبہ جن کو وہ نہ جانتے تھے ان کا انتخاب ہوا انہیں پولیس کی جعلی وردیاں پہنادی گئیں اور ایک قوی الجثہ طالب علم کو تھانیدار بنایا گیا۔ وہ سپاہیانہ پھرتی کے ساتھ مولانا مفتی محمود کے پاس آئے اور آتے ہی تھانیدار مولانا محمود سے گویا ہوا آپ نے فلاں مقام پر حکومت کے خلاف تقاریر کی ہیں لہذا آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے اور تھانیدار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ انہیں ہتکڑی لگا کر تھانے لے چلیں۔ ابھی یہ سپاہی آگے بڑھنے ہی نہ پائے تھے کہ مولانا مفتی محمود نے ایک زوردار طمانچہ تھانیدار کے منہ پر رسید کردیا جس سے ڈارمہ رچانے والوں کی ہنسی نکل گئی اور راز کھل گیا

جمہوری انداز میں فیصلہ اور عہد کی پاسداری: چند سال پہلے عبد الخیل والے مولانا محمود کو ان کے شیخ شاہ عبد العزیز سے اپنی مسجد کی امامت وخطابت کے لیے مانگ کر لائے تھے۔ لیکن انہوں نے ان سے کہ دیا تھا کہ میں تنہا نہیں۔ میں پورا مدرسہ ہوں میرے ساتھ پچاس کے قریب طلبہ ہیں اگر مجھے لے جاتے ہو تو سوچ لو! سمجھ لو! ان کے خوردونوش کا اہتمام کرنا ہوگا۔ عبد الخیل والوں کے دل میں خدمت دین کا شوق بھی تھا اور مولانا محمود سے عقیدت بھی لہذا وہ اس پر بھی رضامند ہوگئے اور عبد الخیل کی مسجد کیا آباد ہوئی ایک مدرسہ آباد ہوگیا۔ اسی دوران مولانا مفتی محمود کے طلبہ جب مزید تعلیم کے لیے ملتان پہنچے تو ان کی شہرت عام ہوئی۔ مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے رکھی تھی اور وہ عرصہ دراز سے علم کی روشنائی بانٹ رہا تھا۔ اس کی انتظامیہ نے مولانا مفتی محمود کو ملتان آکر مدرسہ میں پڑھانے کی آفر کی۔

مولانا مفتی محمود چاہتے تو خاموشی سے چل دیتے کہ شہر میں گزر اوقات اچھی ہوتی دیہاتی ماحول سے نجات مل جاتی۔ لیکن وہ جو منتوں، سماجتوں کے ساتھ لائے تھے ان کا کیا بنتا۔ لہذا مولانا مفتی محمود نے ملتان سے ہونے والی پیشکشوں پر اور بہتر زندگی کے خواب کی خاطر اپنے محبت کرنے والے دیہاتیوں کا دل نہ توڑا۔

ملتان سے بار بار پیغام آرہے تھے ان کے قدم اٹھتے بھی لیکن ہمنشینوں کے حقوق آڑے آجاتے ایک روز انہوں نے سارے گاؤں والوں کو جمع کیا اور انہیں کہا کہ ملتان کے مدرسے والے میری خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ سب نے کہا ہمارے گاؤں کی رونق ختم ہوجائے گی آپ ہمیں مایوس نہ کیجئے گا اس طرح معاملہ طے ہوگیا۔ لیکن بمشکل سال ہی

گذرا ہوگا کہ پھر ملتان سے قاصد عبدالخیل پہنچ گیا آپ نے پھر گاؤں والوں کو جمع کیا اور ان کی رائے لی۔ اب چھوٹے بھائی خلیفہ محمد، تعلیم سے فارغ ہو کر ان کی جگہ لینے کے لیے تیار تھے۔ عبدالخیل والے اک دم سوچ میں پڑ گئے کہ لو! یہ علم کوہ گراں ہم سے گیا لیکن مولانا مفتی محمود نے تسلی دی کہ ایسا نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ رمضان آپ کے ہاں گذرے گا اور عید آپ کے ساتھ ہی ہوا کرے گی عبدالخیل والوں نے اب بادلِ ناخواستہ اجازت دے دی۔ چنانچہ مولانا مفتی محمود نے ان سے زندگی بھر یہ عہد نبھایا وہ جہاں کہیں بھی ہوتے رمضان گزارنے گاؤں پہنچ جاتے۔ اور عید ان کے ساتھ مناتے۔ کئی مرتبہ ایسے حالات بنے کہ ان کے لیے یہ عہد نبھانا مشکل ہوا لیکن ہر رکاوٹ کے باوجود انہوں نے اس وعدہ کو پورا کیا شاید کسی شرعی مجبوری یا معذوری سے ناغہ کیا ہو

احیاء جمعیۃ کے لیے قریہ قریہ:۔ مقصد کی سچی لگن چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، مولانا مفتی محمود سے اپنی اولین ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے استاذالعلماء مولانا ایوب جان بنوری فرماتے ہیں کہ

یہ غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ ایک روز میں نماز ظہر کے بعد آرام کی غرض سے لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، تو میں نے بادلِ ناخواستہ دروازہ کھولا، تو میرے سامنے ایک اجنبی چہرہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے مجھے کہہ رہا تھا کہ مجھے مولانا ایوب جان صاحب بنوری سے ملنا ہے میں نے رسمی خیریت دریافت کی اور چائے کا پوچھا مہمان نے بے تکلفی سے کہا پہلے کھانا بعد میں چائے، لہذا کھانا لایا گیا۔ دوران طعام میں نے ان سے تعارف ضروری جانا تو انہوں نے اپنا تعارف اس طرح کرایا۔

میرا نام محمود ہے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس ہوں۔ افتاء کا کام بھی میرے ذمہ ہے آجکل جمعیۃ کی تنظیم نو ہو رہی ہے اور مجھے احباب سے ملاقاتیں کرنے کا کہا گیا ہے، تاکہ انہیں تنظیم کو فعال بنانے کے لیے آمادہ کروں لہذا سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں پھر چارسدہ کا پروگرام ہے اس کے بعد دیگر مدارس میں بھی جاؤں گا اس سلسلے میں مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے اور ان کی کوششوں سے جمعیۃ منظم ہوتی چلی گئی۔

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی محفل میں مولانا مفتی محمود کا تذکرہ:۔ ۳۸ سالہ نوجوان عالم، مولانا مفتی محمود مدرسہ قاسم العلوم کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ۱۹۵۴ء میں انہوں نے ملک کے چیدہ چیدہ علماء کو جمع کر کے جمعیۃ علماء اسلام قائم کی اس طرح جہاں ان کے علم، تقویٰ، علمی پختگی، معاملہ فہمی، تدبر اور سیاسی بصیرت کا شہرہ پھیلا وہاں وہ سیاسی جدوجہد میں شریک ہونے لگے۔ اس عرصے میں ملتان میں بزرگ شخصیت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری زندہ تھے یہ نوجوان شیخ الحدیث ہر دوسرے تیسرے روز شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا۔ مفتی محمود کی شخصیت نے شاہ صاحب کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا، یا یوں کہیے کہ حضرت شاہ جیؒ کی فراست نے اس گوہر کو پہچان لیا۔ مولانا منظور احمد شاہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں امیر شریعت کی مجلس میں حاضر تھا "مولوی محمود" آئے اور کسی علمی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے اور بعد ازاں اجازت لے کر چلدیئے۔ ان کے جانے کے بعد شاہ جی نے اہل مجلس سے پوچھا آپ انہیں جانتے ہیں ایک صاحب نے کہا کہ یہ مدرسہ قاسم

العلوم کے مدرس ہیں شاہ جیؒ نے فرمایا تم اسے نہیں جانتے یہ بڑا قیمتی آدمی ہے۔ یہ شخص ہمارے دور کا انسان تھا اس دور میں پیدا ہو گیا قدرت نے اسے بڑے کام کے لیے پیدا کیا ہے یہ اسی سانچے میں ڈھلا ہے جس میں بڑے لوگ ڈھلا کرتے ہیں پھر فرمایا یہ محمود بھی یقیناً کوئی سومنات توڑے گا۔

اس حدیث پر آج ہی عمل ہو جائے:۔ مولانا مفتی محمود قاسم العلوم کی مسند حدیث پر درس حدیث دے رہے تھے آج آپ نے حدیث پڑھائی جس میں ثرید کا ذکر آیا کہ ثرید کی دوسرے تمام کھانوں پر اسی طرح فضیلت ہے جسطرح عائشہؓ کو دوسری عورتوں پر۔ (ثرید گوشت کے شوربے میں گندم کی کوٹی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں)

یہاں آکر رک گئے اور کہا کہ اس حدیث پر آج ہی عمل ہو جانا چاہیے انہوں نے اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکالا اور ایک طالب علم کو دیا اور کہا باقی جمع کر لو آج رات ثرید ہی کھائیں گے تاکہ سنت پر عمل ہو جائے

درس حدیث میں شرکت پر بلی کا اصرار:۔ قاسم العلوم کے طلبہ بتاتے ہیں کہ مفتی صاحب سبق پڑھانے کے لیے دارالحدیث میں داخل ہوئے تو ان سے پہلے ایک بلی کمرے میں آتی اور ڈیسک کے نیچے بیٹھ جاتی۔ وہ کچھ دنوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے ایک دن انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان بلی کو اندر نہیں آنے دینا۔ لہذا پھر جب مفتی صاحب سبق پڑھانے کے لیے بیٹھ گئے پھر دروازے بند کر دئے تھوڑی دیر کے بعد وہ بلی آگئی دروازوں کو بند پا کر اس نے دروازوں پر پنجے مارنے شروع کر دیے اور آوازیں بھی نکالنا شروع کر دیں۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا کہ بھئی اس کو آنے دو کس نے کہا تھا اس کو رو کو ایک طالب علم نے دروازہ کھولا تو جھٹ سے آکر ڈیسک کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ اور درس کے خاتمے پر ہی وہ واپس لوٹی۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا

سمجھانے کا ایک پیار بھرا انداز:۔ محمد ادریس اپل کہتے ہیں کہ میں ان دونوں بی۔ ایس۔ سی کا طالب علم تھا اور جمعیۃ طلباء اسلام کی صوبائی عاملہ کا رکن جب مولانا مفتی محمود کے شیرانوالہ گیٹ میں دورہ تفسیر پڑھانے کا اعلان ہوا۔ کالج کا طالب علم تھا ابتدائے شباب کا زمانہ تھا لہذا ہلکی ڈاڑھی کے ساتھ سر کے بال کچھ بڑے تھے اور درمیان سے مانگ نکالتا۔ گھر سے کالج جاتا، ایک آدھ ضروری پیریڈ پڑھ کر دورہ تفسیر میں آن بیٹھتا اور کبھی گھر سے کالج کے بہانے سیدھا یہاں شریک درس ہو جاتا۔ میری دلچسپی سننے سے زیادہ لکھنے سے تھی مفتی صاحبؒ آہستہ آہستہ بولتے اور اس طرح ان کے الفاظ میرے قلم کی دسترس سے باہر نہ ہوتے ہاں بے توجہی سے کبھی ایک آدھ فقرہ رہ جاتا۔ نہ جانے وہ مجھے کب سے دیکھ رہے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے غالباً **خذو زینتکم عند کل مسجد** والی آیت تھی۔ تذکرہ ادب کا ہو رہا تھا مجھے یاد ہے کہ میرے کانوں نے سنا کہ ہر چیز کے آداب ہیں جو سکھائے گئے ہیں اور ہمارے ہاں درس قرآن میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ننگے سر، اس کے آدھے منٹ بعد خاموشی تھی میں نظر کیا اٹھاتا سر ہی جھکا ہوا تھا طلبہ نے میرے اوپر چھوٹے بڑے رومالوں کی بارش کر دی اک ڈھیر لگ گیا ایک صاحب نے اٹھ کر رومال میرے سر پر لپیٹ دیا مجھے نہیں معلوم میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ضرور مسکرائے ہونگے۔

ہر عمل تنظیم اور ترتیب کے ساتھ:- مولانا مفتی محمود کا جماعتی سرگرمیوں کے سلسلہ میں اکثر لاہور آنا ہوتا لیکن اب کی بار وہ کافی دیر کے بعد لاہور آرہے تھے۔لہذا ساتھی ان کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ پہنچ گئے وہاں خاصا ہجوم ہو گیا جب مفتی صاحب باہر آئے تو ہجوم مصافحے اور معانقے کے لیے ان کے گرد ہو گیا۔اور دھکم پیل ہونے لگی تو مفتی صاحب لاؤنج میں چلے گئے۔اور کہا ایسے کام نہیں چلے گا ، انہوں نے جمعیتہ کے ذمہ دار ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ اس طرح تو وقت بھی زیادہ لگے گا اور تکلیف بھی ہوگی آپ جلدی سے قطار بنوائیے میں ہر ایک سے ملوں گا۔

لہذا سب چھوٹے بڑے دورویہ قطار میں کھڑے ہو گئے تو مفتی صاحب ہر ساتھی کو فرداً فرداً "السلام علیکم" کہتے اور ہاتھ بڑھاتے۔ایک بار دائیں کھڑے ساتھی سے اور دوسری بار بائیں کھڑے ساتھی سے اس طرح منظم انداز سے دو لمبی قطاروں نے مفتی صاحب سے مصافحہ کیا، انہوں نے استقبال کے لیے آنے والے کسی ایک کارکن کو بھی مایوس نہ کیا۔

وہ سکوٹر پر جلسہ گاہ پہنچ گئے : مولانا امیر حسین گیلانی کہتے ہیں ۱۹۷۰ء میں اہل اوکاڑہ نے ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا اور اس میں مولانا مفتی محمود سے وقت لیا گیا میں لاہور سے کار میں مولانا مفتی محمود کو لے کر اوکاڑہ پہنچا تو وہاں پہنچ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔اعلان ہو رہا تھا کہ مفتی محمود کے ضلع ساہیوال میں داخلہ پر پابندی لگا دی گئی ہے ، کوئی پریشانی سی پریشانی تھی۔کہ ایک طرف جلسہ کے انتظامات مکمل تھے اور دوسری طرف انتظامیہ متحرک تھی کہ مولانا مفتی محمود خطاب نہ کر سکیں اس پر مولانا مفتی محمود صاحب نے ہی میری ہمت بندھائی۔اور فرمایا اگر آپ تیار ہیں تو میں ان پابندیوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ان کاروائیوں اور بندشوں کی میری ذات کے منشور میں کوئی جگہ نہیں۔طے یہ پایا کہ مفتی صاحب شہر کے نزدیک مضافات میں ٹھہر جائیں اور ادھر جلسہ شروع کر دیا جائے گا۔ جونہی جلسہ اپنے شباب پر پہنچے چند بزرگ شخصیات کو گاڑی میں روانہ کر دیا جائے اور ساتھ ہی مفتی محمود زندہ آباد کے نعرے لگا دیے جائیں تاکہ انتظامیہ کو یقین ہو جائے کہ مولانا مفتی محمود اسی گاڑی میں ہیں اور مولانا مفتی محمود سکوٹر پر بیٹھ کر خاموشی سے سٹیج پہنچ جائیں۔پھر ایسا ہی ہوا انتظامیہ کو خبر نہ ہو سکی اور مفتی صاحب سکوٹر پر بیٹھ کر سٹیج پر پہنچ گئے عوام کا جوش و خروش بے مثال ۔ یہ سب کچھ مفتی صاحب کی تجویز پر ہوا۔

ان کی سادگی کے سامنے پولیس والا تماشہ بنا رہا:- ۱۹۶۲ء کا قصہ ہے۔جب مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی کے رکن بنے ان دونوں انہیں جمعیتہ علماء اسلام کے کارکنوں علاوہ بہت کم لوگ جانتے تھے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے انہیں ملتان سے بذریعہ ٹرین اسلام آباد پہنچنا تھا ملتان سے ان کی نشست ریزرو ہو چکی تھی اور پروٹوکول کے مطابق انتظامیہ کے افراد کی ڈیوٹی تھی کہ وہ رکن قومی اسمبلی کو اپنی نگرانی میں سوار کرائیں۔ جس ڈبے میں مولانا مفتی محمود صاحب کی نشست مقرر تھی اس کے باہر ایک پولیس والا موجود تھا۔مسافر اس ڈبے کی طرف لپکتا ، پولیس والا اسے روک لیتا اور کہتا کہ یہ ڈبہ رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے۔یہاں آپ اندر نہیں جا سکتے لہذا مسافر آگے کی جانب

بڑھ جاتے۔

پھر پولیس والے نے دیکھا ایک شخص، سیاہ ڈاڑھی، کندھے پر رومال اور ایک رومال پگڑی نما سر پر لپٹا ہوا، میانہ قد اور بھاری جسم، کھلی آستین کی قمیص اور کھلے پائنچوں والی شلوار پہنے تین چار "امام مسجد نما" ساتھیوں سمیت آیا اور ان نے ڈبے میں سوار ہونے کی کوشش کی سپاہی نے سمجھا کہ یہ دیہاتی قسم کے لوگ ہیں اور لاعلمی میں اس ڈبے میں سوار ہونا چاہتے ہیں۔ لہذا اس نے انہیں کہا کہ یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود صاحب کے لئے ریزرو ہے۔ لہذا آپ کہیں اور جگہ تلاش کیجئے۔ مولانا مفتی محمود اب ڈبے کے باہر کھڑے ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ ساتھیوں نے مولانا مفتی محمود کا سامان کسی نہ کسی طریقہ سے ڈبے میں پہنچادیا، لیکن سپاہی نے مفتی صاحب کو اندر نہ گھسنے دیا جب بھی وہ ذرا آگے بڑھتے سپاہی فوراً مستعد ہوجاتا اور راستہ روک کر کہتا کہ آپ خوامخواہ پریشان ہوں گے اور میری بھی سرزنش ہوگی آپ کو اپنا سامان اٹھانا پڑے گا۔ بہتر ہے کہ آپ بعد میں شرمندہ ہونے کی بجائے پہلے ہی کہیں اور جگہ تلاش کرلیجئے، یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے۔

مولانا مفتی محمود سپاہی کی اس پھرتی اور مستعدی سے پیدا شدہ صورت حال سے محظوظ ہوتے رہے اور ساتھیوں کو بھی انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی سپاہی کو ان کے متعلق نہ بتایا جائے، اس طرح وہ اور ان کے ساتھی دل ہی دل میں ہنستے رہے گاڑی چلنے میں اب تھوڑی دیر رہ گئی تو آخری بار مولانا مفتی محمود آگے بڑھے، سپاہی نے جھٹ راستہ روک لیا۔ اور چیخ کر بولا۔

مولوی صاحب کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑگئے ہو، جان نہیں چھوڑ رہے، کتنی بار کہا کہ یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود کے لیے خاص کیا گیا ہے اس میں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، مفتی صاحب آنے والے ہونگے۔ اب مفتی صاحب نے فرمایا مفتی محمود کیسے دوسرے ڈبے میں جاکر بیٹھے یہ اسی کے لیے تو ہے میں ہی تو مفتی محمود ہوں، اب سپاہی کے ہوش اڑگئے۔ ایک طرف مؤدب ہوکر کھڑا ہوگیا مفتی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور اندر داخل ہوگئے۔

ایک کارکن کے غصہ پر تحمل اور بردباری:۔ قاری عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب مولانا مفتی محمود صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ تھے تو میں نے ان سے وقتِ ملاقات طے کیا اور طے شدہ وقت کے مطابق صبح نو بجے ان کی جائے قیام پر پہنچ گیا اور چٹ لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی۔ لیکن ہوا یہ کہ دوپہر ہوئی پھر شام ہوئی پھر رات چھا گئی لیکن بلاوا نہ آیا۔ ادھر میرا غصہ بھی طوفان بن رہا تھا، کہ "دامن خود چاک یا دامن یزداں چاک" آخر میں زبردستی آدمیوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا میں نے دیکھا کہ وہ کاغذوں اور فائلوں کے درمیان مصروف ہیں، آنکھیں سرخ ہورہی ہیں اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار ہیں مفتی صاحب کی مجھ پر نظر پڑی تو فرمایا آئیے جلالی صاحب کیسے آئے؟ میں یہ سن کر آتش فشاں بن گیا۔

آپ نے مجھے ۹ بجے کا وقت دیا اور رات کا ایک بج رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کیسے آئے۔ اور پھر کہتے ہیں بات کروں۔ کیا بات کروں؟ یہ بات کرنے کا وقت ہے۔

میں نے خوب شور مچایا اور پھر باہر نکل آیا لوگوں نے مجھے گھیر لیا، سرکاری ملازم میری طرف بڑھنے لگے تو اچانک میں نے ایک ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا - یہ ہاتھ مولانا مفتی محمودؒ کا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ

"صرف سنانا ہی مردانگی نہیں سنا کر سننا بھی مردانگی ہے"

وہ مجھے دوبارہ کمرے میں لے گئے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کو میری آمد کی اطلاع ہی نہ دی گئی جو چٹ میں لکھ کر بھیجتا وہ ان تک ہی نہ پہنچتی جس پر مفتی صاحب نے اس ملازم کو بلوا کر ڈانٹ پلائی بلکہ اگلے روز اس کی ڈیوٹی بھی تبدیل کر دی -

مجھے اچھی طرح مطمئن کرنے کے بعد انہوں نے اپنی بات کہی کہ

قاری صاحب! یہ دنیا کیا ہے کچھ بھی نہیں ہے لوگ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتے ہیں جب کوئی مولوی میرے پاس دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے گولی مار دوں یہ دنیا کی لعنت دنیا والوں کے پاس ہی رہنے دیں اچھا ہے لیکن جب کوئی میرے پاس لوگوں کے مسائل لے کر آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے آپ اپنے علاقے کے مسائل لے کر آئے ہیں تو سنائیے میں سنوں گا، میں نے کہا کہ اب وقت نہیں صبح بات کر لیں گے لیکن ان کا کہنا تھا کہ قیامت سے ڈرتا ہوں صبح تک زندگی کا کیا پتا، یہ کہہ کر انہوں نے میری پوری بات سنی، اور پھر احکامات جاری کئے -

دشمن بن کر آیا دوست بن کر نکلا صوبہ سرحد میں نیپ اور جمعیۃ کی حکومت قائم ہوئی تو پیپلز پارٹی والوں نے اسے تسلیم نہ کیا، اور دوسری طرف مرکز میں ذوالفقار علی بھٹو کی خواہش بھی یہ تھی کہ صوبہ سرحد میں ان کی حکومت ہو اور اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم سرحد کی حکومت کو مشکلات پیدا کر کے بلیک میل کیا جاسکے - لہذا مرکز کی ہدایات پر پیپلز پارٹی کے لیڈر اور کارکن کسی نہ کسی مسئلے پر احتجاج کرتے رہتے -

ایسا ہی ایک احتجاج پیپلز پارٹی کے ایک وکیل امیر نواز خان ایڈووکیٹ نے کیا - انہوں نے مطالبات منوانے کے لیے بنوں سے پشاور تک لانگ مارچ کا اعلان کیا امیر نواز کہتے ہیں کہ ہم متواتر بارہ دن پیدل مارچ کرتے ہوئے لکی مروت سے پشاور پہنچے راستے میں ہم نے جگہ جگہ جلسے کیے - طرح طرح کے الزامات ہم نے حکومت پر لگائے - ہم کھلے بیابانوں میں راتیں گذارتے رہے اور صبح جلسے کرتے - بارہ دن کے مسلسل لانگ مارچ میں، ہمیں پولیس کہیں بھی روک سکتی تھی لاٹھی چارج ہو سکتا تھا، آنسو گیس استعمال کی جاسکتی تھی ہمیں گرفتار کیا جاسکتا تھا گولی چلا کر ہمارا راستہ روکا جاسکتا تھا -

ہم ان امکانات کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ کہیں بھی ہمیں روکا جاسکتا ہے لیکن ہم سیدھے پشاور پہنچ گئے نہ ہمیں روکا گیا نہ گرفتار کیا گیا جب ہم گورنر ہاؤس کے دروازے پر پہنچے تو دروازے کھول دئے گئے ہم ساتھیوں سمیت اندر داخل ہو گئے چند لمحوں بعد مفتی محمودؒ نے مصافحہ کرنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ امیر نواز تم نے شیرپاؤ اور اظہر خان کے زمانے میں لانگ مارچ کیوں کیا، میں خود بھی جنوبی اضلاع سے تعلق رکھتا ہوں مجھے ان کی تکالیف کا احساس ہے ہم سے جو ممکن ہو سکا ان کی ترقی کے لیے ہم کریں

نے گے۔

مفتی صاحب نے کہا کہ ایسے بات چیت نہ ہوسکے گی آپ دو چار ساتھیوں کا انتخاب کرلیں جو آرام سے بیٹھ کر ہم سے گفتگو کرلیں، ایسا ہی ہوا دو تین گھنٹے کی ملاقات کے بعد ہم مطمئن ہوگئے، اور ہمارے زیادہ تر مطالبات مان لیے گئے۔

یہی وہ ملاقات تھی جس میں میں مولانا مفتی محمود کے اخلاص۔ صاف گوئی انداز بیان اور طرز استدلال سے متاثر ہوا۔ اور اپنے سیکڑوں ساتھیوں سمیت میں نے قدم مولانا مفتی محمود کی جماعت جمعیت علماء اسلام کی جانب بڑھادئے۔

اس طرح جمعیۃ میں شامل ہونے کے لیے یا پیپلز پارٹی کو خیر باد کہنے کے لیے بارہ دن پیدل مارچ کرنا پڑا۔ اور حلقے کے مسائل بھی حل ہوگئے

کارکن کے پہلو میں زور دار گھونسا اور پھر تسلی:۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت چل رہی تھی اور ایک بڑا اجتماع تمام سیاسی و دینی جماعتوں کا بادشاہی مسجد لاہور میں ہورہا تھا مسجد کا وسیع و عریض صحن بھرا ہوا تھا: مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی میں "ختم نبوت" مقدمہ لڑ رہے تھے لہذا ہر دل کے لیے عزیز از جان تھے قوم ان کے لیے آنکھیں بچھا رہی تھی اس عظیم الشان اجتماع میں قائدین مجلس احرار اسلام کے قائد مولانا ابوذر بخاری تقریر کررہے تھے کہ جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب کو اس انداز میں سٹیج پر لائی کہ زبردست نعرہ بازی کر رہی تھی اور گولے اور پٹاخے چھوڑے جارہے تھے، اس انداز سے مجمع میں اظہار ناپسندیدگی کیا گیا۔ ابوذر بخاری نے تقریر روک دی اب سٹیج پر "پیر مودودی" اور مرشد مودودی" کے نعروں نے جو اگرچہ صرف سٹیج تک محدود رہے، کسی کو تقریر نہ کرنے دی ساتھ ہی مودودی صاحب نے تقریر شروع کی پرجوش مجمع نے شور کی وجہ سے کوئی اثر نہ لیا۔ اتفاق یہ ہوا کہ اسی دوران مفتی محمود آگئے۔ اب کیا تھا پورا مجمع ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوگیا ہر کوئی مفتی محمود کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ جماعت کے نوجوانوں نے اسے نامعلوم کیا سمجھا اب انہوں نے ایسا شور مچایا کہ وہ جلسہ درہم برہم کرنے پر تل گئے اور کسی نے یہ اعلان کردیا کہ مولانا مفتی محمود تقریر نہیں کریں گے۔

مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا خاکسار تحریک نے سٹیج سنبھال لیا۔ اور مفتی محمود تقریر کے لیے کھڑے ہوئے پھر جماعت اسلامی کے چند نوجوانوں نے سٹیج کے نیچے ہڑبونگ مچایا دیا اسے دیکھتے ہوئے احسان الٰہی ظہیر نے یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت آپ تقریر نہ کریں مفتی محمود نے کہا کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں پھر مائک سنبھال لیا ابھی مائک تھاما بھی نہیں تھا کہ ایک کارکن آگے بڑھا اور اپنے مائک کے ساتھ منہ لگا کر "مودودی ٹھاہ" کا نعرہ لگادیا۔ مولانا مفتی محمود نے اس کو بازو سے پکڑا اور ایک زور دار گھونسا اس کے پہلو میں جڑدیا مفتی محمود نے تقریر کی اور خوب کی۔ بعد ازاں مفتی محمود صاحب کی رہائش گاہ پر یہی کارکن مفتی محمود صاحب کو ملا جب مفتی محمود صاحب کو بتایا گیا کہ اسے آپ کی پٹائی کا افسوس نہیں ہوا بلکہ جماعتیوں نے زدو کوب کیا اس کا اسے افسوس ہے تو مفتی محمود صاحب نے اسے تسلی دی اور پوچھا کہ مکا زیادہ زور سے تو نہیں لگا، درد وغیرہ تو نہیں ہورہا، جس پر کارکن ہنس دیا

انہوں نے اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھا:۔ علامہ یوسف قریشی کہتے ہیں کہ ایک روز میں سرحد کے بزرگ عالم دین مفتی عبدالقیوم کے ہمراہ مسجد قاسم علی خان میں بیٹھا ہوا محو گفتگو تھا مولانا مفتی محمود صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں ایک سفری بیگ تھا، میں نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا ان کا بیگ اپنے ہاتھ میں لیا اور ان سے معانقہ کیا، لیکن مفتی عبدالقیوم صاحب نے بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھادیا ان کی سرد مہری کا شکوہ میرے دل میں آیا لیکن زبان پر نہ لاسکا کہ ایسا موقع نہ تھا.

مفتی محمودؒ کے چلے جانے کے بعد میں مفتی عبدالقیوم کے سامنے اپنا شکوہ زبان پر لے آیا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ مفتی محمود سیاست میں ہمارے بڑے ہیں لیکن علم میں نہیں۔ میں بوڑھا آدمی ہوں میرے لیے کسی کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں، کسی اور موقع پر مفتی محمود سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی قلبی واردات اور مفتی عبدالقیوم سے مکالمہ عرض کیا تو فرمانے لگے "مفتی صاحب کے تمام فتوے مصدقہ ہیں۔ لیکن یہ فتویٰ سب سے زیادہ مصدقہ ہے وہ ہمارے بزرگ ہیں۔ ان کا احترام ہمارے لئے واجب ہے، نہ کہ ہمارا احترام ان کے لیے۔

دوستانہ بے تکلفی:۔ حضرت بنوریؒ علم کا پہاڑ اور مولانا مفتی محمود بھی علم کا کوہ گراں اور ان دونوں کے درمیان دوستی اور ان کے ساتھ تیسرے پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے چیئرمین مولانا محمد اشرف یوں دوستی و بے تکلفی کی تکون بنی ہوئی تھی۔

واقعہ یوں ہوا کہ مولانا مفتی محمود صاحب کے دور وزارت میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ پشاور تشریف لے گئے، انہیں پی۔ ڈبلیو۔ڈی کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا، حضرت بنوری مفتی صاحب کے ذاتی مہمان تھے اس لئے کھانے پینے کا انتظام بھی اپنی طرف سے ہوتا تھا ایک روز چائے پینے بیٹھے تو پتہ چلا کہ چائے تیار ہے لیکن چینی گھر میں ختم ہو گئی ہے فون قریب رکھا تھا مفتی صاحب نے ریسیور اٹھایا اور مولانا محمد اشرف کے گھر کا نمبر ملایا دوسری طرف مولانا محمد اشرف بولے مولانا مفتی محمود نے ان سے کہا کہ آج چائے ہمارے ساتھ پیجئے، حضرت بنوری بیٹھے ہیں ابھی آجائیے (مذاقاً فرمایا) ہاں مگر تھوڑی چینی ساتھ لیتے آئیے گا۔

چائے کی اچانک اور بے تکلفانہ دعوت تو سمجھ میں آتی تھی لیکن چینی ساتھ لانے کا مطلب نہ سمجھ پائے چنانچہ جب مفتی صاحب نے کہا کہ گھر میں چینی ختم ہو گئی ہے۔ چینی کی بات سے انہیں قربت کا احساس ہوا۔ لہذا وہ چینی لائے اور تینوں حضرات نے مل بیٹھ کر چائے نوش کی۔

بنک کی سفارش۔۔ اگر فتویٰ دے دیں تو آپ کے فتویٰ پر عمل کرلوں گا:۔ مفتی احمد الرحمان کہتے ہیں مولانا مفتی محمود صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے سرحد بنک میں ایک اسامی خالی ہوئی تو میرے ایک دوست میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ مولانا مفتی محمود سے اس آسامی کے لیے میری سفارش کے لیے چلیے میں نے انہیں کہا کہ مفتی صاحب کے پاس چلنے سے بہتر ہے کہ میں پہلے ان سے فون پر بات لوں۔ مین نے مفتی صاحب سے فون پر بات کی تو انہوں نے فرمایا بینکنگ کا شعبہ غلام فاروق کے پاس ہے میں اس میں زیادہ سے زیادہ سفارش کرسکتا ہوں وہ میرا کہا ٹال نہ سکے گا جواب دیں اگر آپ نے اثبات میں جوب دیا تو سفارش کردوں گا

ورنہ نہیں پھر انہوں مجھ سے پوچھا کہ شریعت کے مطابق بنک کی نوکری جائز ہے؟ میں نے جواب دیا آپ خود مفتی ہیں آپ بہتر فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ نہیں تم فتویٰ دو اگر تم نے جواز کا فتویٰ دیا تو میں تمہارے فتوے پر عمل کرلوں گا اور اپنا فتویٰ بتائیں مفتی صاحب نے جواب دیا میں بنک کی نوکری کو ناجائز سمجھتا ہوں اور جس چیز کو ناجائز جانتا ہوں اس کی سفارش کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں پھر میں نے مفتی صاحب کا جواب اپنے عزیز دوست کو سنادیا۔

تکلف سے بری ہے حُسنِ ذاتی :۔ مولانا مفتی محمود وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے زندگی کا انداز وہی رکھا جو وزارت سے پہلے تھا، وہی سادہ کھانا۔ وہی لباس اور وہی رہن سہن جب وہ پشاور میں وزیر اعلیٰ بن کر آئے تو ان کے لیے مناسب اور موزوں رہائش کی تلاش شروع ہوئی تھی ایک کوٹھی اگرچہ وسیع اور کشادہ تھی مگر فرنیچر بہت پرانا تھا چیف سیکرٹری نے وزیر اعلیٰ کے لیے یہاں سے پرانا فرنیچر اٹھوا کر نئے فرنیچر سے اس عمارت کو آراستہ کرنا چاہا اس نے مفتی صاحب سے بات کی تو مفتی صاحب نے دھیان نہ دیا اس نے تین مرتبہ بات دہرائی تو مفتی صاحب نے فرمایا اللہ کے بندے کس چکر میں پڑ گئے ہو یہی فرنیچر ٹھیک ہے اس کے بدلنے کی ضرورت نہیں، میرے اپنے گھر میں کوئی ٹوٹا پھوٹا صوفہ بھی نہیں ہے۔ چیف سیکرٹری حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا کہ ہر آنے والا وزیر اعلیٰ دفتر کی آرائش پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کو اولین ترجیح دیتا تھا لیکن یہاں تو درویشی وسادگی ہی سارا حسن لیے ہوئے ہے

پھر جب وہ ڈٹ گئے ۔ اور بیورو کریسی بے بس ہو گئی :۔ بیورو کریسی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں میں الجھا کر وزیروں اور مشیروں کو قائل کر کے اپنی بات منوالیتی ہے یہی کچھ مولانا مفتی محمود کے ساتھ ہوا کہ جب انہوں نے صوبے میں شراب پر پابندی کا حکم جاری کیا تو، ایکسائز سے متعلق افسروں نے مفتی محمود کی خدمت میں اعداد و شمار کا گوشوارہ بنا کر پیش کیا کہ جناب شراب کی فروخت پر عائد ڈیوٹی کی وجہ سے حکومت کو لاکھوں کی آمدنی ہوتی تھی لہذا اس کی بندش سے حکومت کو کئی لاکھ روپے خسارہ ہوگا۔ مولانا مفتی محمود ان کی اس چال کو سمجھ گئے اور ان کے گوشوارے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا

"خسارہ جتنا چاہے ہوجائے میں اپنا حکم واپس نہیں لے سکتا"

میرے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد یہاں جتنی شراب بھی پی جائے گی اس کا حساب کتاب قیامت کے دن مجھ سے لیا جائے گا۔

اور میں وہاں باز پرس کی ہمت نہیں پاتا۔ لہذا شراب پر پابندی کا حکم واپس نہیں لوں گا۔

اس جواب کو سننے کے بعد بیورو کریسی اپنا سامنہ لے کر چلی گئی

پھر اللہ کی مدد اٹھ جائے گی :۔ مولانا مفتی محمود وزیر اعلیٰ بنے تو پوری دنیا میں ان کا نام پھیل گیا لیبیا، مصر، سعودی عرب، کے علماء اور مقتدر طبقے میں انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا بین الاقوامی تنظیموں سے بھی رابطے ہونے پھر تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ میں انہوں نے پوری قوم کی قیادت کی۔ شیرانوالا گیٹ میں مفتی محمود حلقہ احباب میں بیٹھے تھے جماعتی وسائل کی کا ذکر چھڑ گیا کسی صاحب نے دوسری تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ آپ بھی اپنی جماعت کے لیے بیرون ممالک سے امداد لیں تو اس پر

خوشگوار موڈ میں بیٹھے ہوئے مفتی محمود کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی اور کہا کہ ہم بیرونی امداد پر نہیں چل سکتے۔

ہمارے اکابر کا طریقہ کار یہی ہے لیکن یاد رکھنا جب تم بیرونی امداد کے سہارے ڈھونڈو گے تو پھر اللہ کی مدد اٹھ جائے گی

کیا میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں: جس نے مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھ کر قرآن وحدیث پڑھاتے ہوئے بے پناہ عزت پائی تھی اُس کو وزیر اعلیٰ ھاؤس کی کرسی کیا عزت دے سکتی تھی، وہ وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے بھی وزیر اعلیٰ ہاؤس کے لان کے گھاس کے فرش پر بیٹھے لوگوں سے درخواستیں وصول کرتے ہوئے اپنی عزت وشان میں کمی محسوس نہ کرتے ملاقاتیوں کا ایک حلقہ ان کے گرد ہوتا۔ جب کوئی ملاقاتی آتا شناسائی وناآشنائی امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُٹھتے، اس سے ہاتھ ملاتے، معانقہ کرتے اور پھر بیٹھ جاتے ایک عقیدت مند اور قریب ہی پاس بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس سے رہا نہ گیا اس نے کہہ ڈالا کہ حضرت! آپ نے پہلے ہی بھاری بھر کم جسم کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اور بیماریوں نے بھی گھیرا ڈالا ہوا ہے پھر بھی ہر آنے والے کے لیے اُٹھتے ہیں آپ کے لیے مشکل بھی ہوتا ہے بیٹھے بیٹھے ہی ملاقاتیوں سے ہاتھ ملالیجیے۔ مفتی محمود صاحب نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور کہا

موٹاپے کی وجہ سے بار بار اٹھ کر لوگوں سے ہاتھ ملانے میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر کیا اس ذرا سی تکلیف کے لیے میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں؟

پولیس سچ اگلواتی ہے مگر انہوں نے پولیس سے سچ اگلوا لیا:۔ لتمبر ایک جگہ ہے جہاں سڑک کے کنارے ڈاکہ پڑا یہ ان کی وزارت اعلیٰ کا دور تھا ڈاکے کی رپوٹ درج ہوئی اور حسب دستور پکڑ دھکڑ شروع ہوئی، اس پکڑ دھکڑ میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس کا تعلق جمعیتہ علماء اسلام کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا۔ کوہاٹ سے جمعیت کے ذمہ دار ساتھی نے مفتی محمود صاحب سے کہا کہ ہمارا آدمی بے گناہ پکڑا گیا ہے۔ مفتی محمود صاحب خاموش رہے پھر وہ پشاور آیا اور پوری ذمہ داری سے کہا کہ ہمارا آدمی بے گناہ ہے مفتی محمود صاحب پھر خاموش رہے آخر ایک روز وہ بہت تلملایا اور کہا کہ آپ توجہ ہی نہیں دے رہے کہ آدمی بے گناہ ہے رہا ہونے کو تو وہ آدمی رہا ہو جاتا مفتی محمود صاحب حکم دے دیتے

لیکن مولانا مفتی محمود صاحب کے پیش نظر اپنا مقام اور اپنی جماعت کا وقار تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ جمعیتہ کے ایک ساتھی پر الزام لگے، اور وہ بغیر صفائی کے ایسے ہی چھوٹ جائے۔ مفتی محمود صاحب نے اسے کہا کہ اب انتظامیہ نے ایکشن لے لیا ہے ایسا کرتے ہیں کہ ہم واقعہ کی عدالتی تحقیقات کروالیتے ہیں اگلے روز عدالتی تحقیقات کا حکمنامہ جاری ہونا تھا کہ پولیس کے دو متعلقہ افسران بہت گھبرائے ہوئے آئے انہیں معلوم تھا کہ عدالتی تحقیقات ہوئی تو پھر شاید اس کے ساتھ کئی کہانیاں جنم لیں اور انتظامی کمزوریاں منظر عام پر آئیں اور وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جمعیتہ کا ہے وہ بے گناہ ثابت ہو جائے اس لیے انہوں نے محض ایک مولوی سمجھ کر اپنے زور بیان سے قائل کرنا چاہا وہ کہہ رہے تھے کہ سر آپ نے تحقیقات کا حکم دیا ہے اس سے کئی نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے انتظامیہ پہلے ہی بدنام ہو رہی ہے مزید بدنام ہو گی اس طرح انہوں نے عدالتی تحقیقات کے خلاف طویل تقریر کی مفتی محمود صاحب

سنتے رہے وہ دل ہی دل میں سمجھتے رہے کہ کام بن گیا، لیکن مفتی محمود صاحب نے ان کی گفتگو کے بعد صرف اتنا کہا کہ اگر آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو پھر ہم عدالتی انکوائری نہیں کراتے ۔ یہ کہنا تھا کہ ان چہرے اتر گئے کہ ہم جس کے سامنے بیٹھے ہیں وہ ہمیں ہی مجرم سمجھتا ہے

مرزا ناصر احمد ۔۔ اور مفتی محمود صاحب کی حاضر جوابی :۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے تحریک چل رہی تھی ،اس کے لیے ایک ٹربیونل تشکیل دیا گیا اسکے سربراہ جسٹس صمدانی تھے۔

اس ٹربیونل کے سامنے مرزا ناصر احمد اپنی صفائی پیش کرنے آئے وہاں مفتی صاحب نے علاوہ مولانا شاہ احمد نورانی ۔۔ مظفر علی شمسی اور دیگر حضرات موجود تھے ۔ جب مرزا ناصر احمد اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے موقع کے حق میں کہا کہ بریلوی ، دیو بندیوں کو کافر کہتے ہیں اور اہل حدیث بریلویوں کو کافر کہتے ہیں اور شیعہ دیو بندیوں کو کافر کہتے ہیں جس طرح ان کے آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہنے سے یہ لوگ کافر نہیں کہلاتے اس طرح ہم بھی مسلمانوں کا فرقہ ہیں ۔ ہمیں کافر کہہ دیا جائے تو ہم کافر نہیں ٹھہرتے دلیل بڑی کاٹ دار تھی لیکن جن کے سامنے دی جارہی تھی ان کے سامنے تو پانی بھی ہوا ہو جاتا تھا ان کی زبان پر دن رات ایسی ہی دلیلوں کا تذکرہ رہتا تھا ۔ اب سارے اکابر بیٹھے تھے ، لیکن اس کا جواب مفتی محمود کے علاوہ کون دے سکتا تھا ، مفتی صاحبؒ مسکرائے اور مولانا شاہ احمد نورانی سے مخاطب ہوئے کہ مولانا ! آپ بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے کہا جی ہاں اور آپ کو پتہ ہے کہ میں دیو بندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہوں ۔ انہوں نے کہا جی ہاں ! پھر آپ مجھے کافر سمجھتے ہیں مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا بالکل نہیں میں آپ کو پکا سچا مسلمان سمجھتا ہوں پھر شیعہ مکتبہ فکر کے مظفر علی شمسی سے مخاطب ہوئے اور کہا شمسی صاحب! میں دیو بندی ہوں اور دیو بندیوں کا نمائندہ ہوں آپ مجھے کافر سمجھتے ہیں شمسی مرحوم نے استغفر اللہ کہا اور یوں گویا ہوئے میں آپ کو اپنے سے اچھا مسلمان سمجھتا ہوں ، اسی طرح اہل حدیثوں کا نمائندہ موجود تھا ، اس سے بھی یہی مکالمہ ہوا پھر وہ ناصر سے مخاطب ہوئے ۔ جھوٹ کیوں بولتے ہو! اب مرزا صاحب کی زبان گنگ تھی اور عدالت ان کا منہ تک رہی تھی ۔

وہ اسلام آباد جارہے تھے اور ان کا جوتا ٹوٹا ہوا تھا :۔ ظہور احمد صاحب بیان کرتے ہیں اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس ہو رہی تھی مفتی صاحب اسلام آباد جانے کے لیے ملتان سے لاہور ائیر پورٹ پر اترے اور آرام کی غرض سے جناب دستگیر صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے ، میں کیا دیکھتا ہوں کہ پاؤں گھسٹ کر چل رہے ہیں۔ میں نے پاؤں کی طرف دیکھا کہ شاید کوئی تکلیف ہو لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی صاحب کا پرانا جوتا کھل گیا ہے اور پاؤں پر اس کی گرفت نہیں ، وہ اسے قابو رکھنے کے لیے گھسٹ رہے ہیں۔ ظہور احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے نیا جوتا لانے کے لیے کہا تو وہ مسکرا کر ٹال گئے میں نے کہا کہ آپ اسلام آباد جارہے ہیں وہاں اتنی اہم کانفرنس ہو رہی ہے ملنا ملانا ہو گا۔لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے ۔ مفتی صاحب نے فرمایا میں فقیر آدمی ہوں مجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آرام کے لیے لیٹے اور سو گئے مجھے موقع مل گیا میں نے ان پرانا جوتا اٹھایا اور بازار لے گیا اس ماپ

کا نیا جوتا لے آیا دستگیر صاحب نے مجھے جوتے کی قیمت دینا چاہی تو میں آبدیدہ ہو گیا کہ وہ مجھے اس سعادت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے دستگیر صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ اس کا دل نہ توڑو ظہور احمد کہتے ہیں کہ آج بھی وہ جوتا میرے پاس محفوظ ہے۔

اک فقیر کی شان بے نیازی اپنی ذات کے لیے چیک قبول نہیں: کراچی میں ایک صاحب ثروت اسرار احمد خان نے مفتی صاحب کو دس ہزار روپے کا چیک پیش کیا کہ اپنی ذات کے لیے قبول فرمالیں! مفتی صاحب نے چیک یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ الحمدللہ! میری ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ جب خاں صاحب کا اصرار بڑھا تو فرمایا آپ مدرسہ کی خدمت کریں۔ اس پر ہم دونوں کو اجر ملے گا" لہٰذا انہوں نے یہ رقم قاسم العلوم ملتان کے پتے پر بھجوائی جس کی رسید انہیں مل گئی۔

حضرت مدنیؒ سے عقیدت:۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے دور کے تمام اہل اللہ کے سرتاج مانے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جامع کمالات شخصیت سے نوازا تھا۔ لہٰذا جس نے بھی ان کا زمانہ پایا۔ وہ ان کا شیدائی رہا۔ مفتی محمودؒ نے بھی ان کا زمانہ پایا تھا۔ وہ ان کے سیاسی مدوجزر کو ملاحظہ کیا۔ ان کے علمی وروحانی مقام ومرتبہ کا مشاہدہ کیا۔ لہٰذا انہیں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے عقیدت و عشق ہو گیا۔ انہیں سنتے لیکن جی نہ بھرتا۔ تمام عمر ان کی کیسٹوں کو حفاظت سے رکھا۔ لیکن ان کی عقیدتوں کا عاشقانہ پہلو اس وقت نمودار ہوا جب مولانا مفتی محمود دارالعوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر ہندوستان تشریف لے گئے اور وہاں ایک روز حضرت مدنیؒ کی قبر پر جا بیٹھے۔ پھر کیا تھا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ وہاں زار وقطار روتے رہے

نماز کی پابندی۔ جان کی پرواہ نہیں:۔ نماز بھی کیا شے ہے! کہ دنیا کی کسی چیز میں وہ لذت و سرور نہیں جو نماز میں ہے۔ اہل عشق کے ہاں اس کی ادائیگی دنیا ومافیہا سے زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے، کہ اس کے ذریعے قرب الٰہی کی جانب پرواز ہوتی ہے اور ایک نماز میں کوتاہی مقام سے نیچے لے آتی ہے یہ بات وہی سمجھ سکتا ہے جو کسی مقام پر فائز ہو اور اس کی بلندی و پستی سے بھی آگاہ ہو۔

نماز کے لیے مولانا مفتی محمود کی بے تابیاں دیکھئے

مولانا مفتی محمود شدید بیمار تھے۔ دل کی دھڑکنیں بے سکون سی ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر عبد الصمد اور ڈاکٹر عبد الرحمان آپ کے معالج تھے جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے مولانا مفتی محمود کو سی۔سی۔یو میں داخل کر لیا۔ اور آپ کے جسم پر وہ آلہ منسلک کر دیا جس سے چوبیس گھنٹے آپ کے دل کی حالت کا پتہ چلتا رہے اس طرح مفتی صاحب بالکل بے بس ہو گئے آپ نہ ہل سکتے تھے اور نہ اٹھ سکتے تھے عصر کی نماز کا وقت تھا یا مغرب کی مولانا مفتی محمود صاحب نے اپنے خدام سے کہا مجھے اٹھا کر اوپر کرو انہوں نے اٹھایا تو کیا منظر تھا، کہ مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے اپنے ہاتھ سے تمام آلات اور چیزیں جسم سے الگ کر دیں، اور وضو کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔

ڈاکٹر اور نرسیں پریشان بھاگی ہوئی آئیں، کہ دل کا منظر پیش کرنے والے آلے کی سکرین پر دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں تھیں مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے وضو کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ڈاکٹروں کے پوچھنے پر مولانا مفتی محمود صاحب نے

فرمایا کہ مجھ سے تیمم اور اشاروں سے نماز نہیں پڑھی جاتی - زیادہ سے زیادہ میں مر ہی جاؤں گا لیکن نماز کے لیے آپ کو یہ پابندی ختم کرنا ہوگی

سرور کائنات کی زیارت - اور حضور کی نصیحت :- مولانا فضل الرحمان کہتے ہیں کہ والد محترم خود کہا کرتے تھے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا - کہ رسول کریم ﷺ مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اپنے لوگوں کو تقلید سے بچاؤ!

خواب میں ہی میں حیران ہوا کہ میرے تو تمام بزرگ مقلد تھے پھر آپ ﷺ مجھے کونسی تقلید سے لوگوں کو روکنے کا حکم فرمارہے ہیں -

پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا !

مسائل فقہ تو عین نصوص ہیں !

اس خواب ہی میں میرا اشکال رفع ہوگیا - آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ فقہی مسائل دراصل قرآن وحدیث ہی سے مستنبط ہیں ان کا ماننا ائمہ کرام کی تقلید نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی تقلید ہے

مفتی صاحب نے فرمایا کہ خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ کونسی ایسی قوم ہے کہ لوگ جس کی زیادہ نقالی کرتے ہیں - محسوس ہوا کہ نقالی تو یہ کسی نہ کسی حد تک سب کی کرتے ہیں - لیکن انگریز کی نقالی سب سے زیادہ کی جاتی ہے - چنانچہ میں نے اس خواب کی روشنی میں عہد کرلیا کہ اقوام غیر کی نقالی سے لوگوں کو تو پہلے ہی روکتا تھا - اب اس چیز پر زیادہ محنت کروں گا چنانچہ اس کے بعد میں نے ہر موقع پر انگریز کی تہذیب کی مخالفت کی -

خواب بیان کرنے سے منع کیا --- کہ خودستائی کا پہلو نکلتا ہے :- قاری سعید الرحمان لکھتے ہیں کہ میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جسے مولانا مفتی محمود نے اپنی زندگی میں بیان کرنے سے منع کردیا تھا - لیکن اس وقت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں -

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ کی جانب سے مفتی محمودؒ کو ان الفاظ میں پیغام دیا گیا

قال له منى السلام بتقوى بالله ولايقول الا الحق والله يقول الحق وہو يهدی السبيل .

ترجمہ - میری طرف سے ان کو سلام کہیں ہر معاملہ میں اللہ سے قوت وطاقت کے طلب گار رہو، ہمیشہ حق کہیں اللہ تعالیٰ نے سچ اور حق کہا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے -

قاری سعید الرحمان کہتے ہیں کہ میں نے جب عرض کیا کہ خواب کو سفرنامہ میں شائع کردیا جائے - پہلے تو مولانا مفتی محمود صاحب نے کچھ نہ کہا اور پھر جب ریاض جانے کے لیے مدینہ منورہ ائیرپورٹ جارہے تھے تو از خود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو! اس

سے خودستائی کا پہلو نکلے گا۔۔

آخری خواب نبی اقدس ﷺ بلا رہے ہیں :۔ مولانا عبید اللہ انورؒ فرماتے ہیں کہ میں مولانا مفتی محمود کی معیت میں رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع پر گیا وہ تمام راستہ موت اور آخرت کی باتیں کرتے رہتے ۔ پھر جب وہاں پہنچے تو حلقہ علماء بھی گئے ، اور وہاں جا کر مفتی صاحب کے ساتھ دیگر بزرگ اور علماء بھی مراقبہ میں شریک ہوگئے۔ پھر وہ سب علماء سے اس طرح ملے جیسے انہیں یقین ہو کہ یہ ان کی ان علماء سے آخری ملاقات ہے اجتماع کے بعد واپسی پر مولانا مفتی محمود صاحب نے فرمایا کہ میرا وقت پورا ہو چکا ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا روضہ اطہر میرے سامنے کھلا اور اس طرح کہ آنحضرت ﷺ موجود ہیں آپ کے اور میرے درمیان کوئی حجاب نہیں اور آپ مجھے بلا رہے ہیں۔

اس کی تعبیر انہوں نے یہ نکالی کہ آپ ﷺ کا بلانا ۔ اس دنیا سے واپس ہونے کا اشارہ ہے اور آپ ﷺ کے اور میرے درمیان حجاب کا نہ ہونا بھی دوسری دنیا کا نقشہ ہے جہاں آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کسی حجاب کے بغیر ملتے ہیں

اک اور امتیازی شان :۔ رب امتی رب امتی کہہ کر سجدہ میں رونے والے پیغمبر کے دل میں امت کی آخرت کی کس قدر فکر ہوتی تھی جہاں وہ اپنی امت کو دن میں دعوت وجہاد کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی سعی فرماتے ۔ وہاں امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال بھی کرتے پھر وارثین انبیاء نے بھی اتباع رسول میں ان دونوں چیزوں کا اہتمام فرمایا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خادم خاص ان کی دعائے سحر کو نقل کرتے ہیں کہ ان کی دعا یہ ہوتی تھی ۔

اکرمک یا اکرم الکرمین علی وعلی امة محمدؐ

ترجمہ اے اکرام الاکرمین ! اپنے اوپر اور امت سیدنا محمد ﷺ پر تیرے کرم کا سوال کرتا ہوں۔

کچھ ایسا ہی حال مولانا مفتی محمود کا تھا ۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری کے صاحبزادے مولانا محمد بنوری سے حضرت مفتی صاحب نے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کر کے فرمایا۔

کہ سفر حج پر اس لیے جا رہا ہوں کہ یہ صدی کا آخری حج ہے چاہتا ہوں کہ یہ ادا کرلوں اور امت محمد ﷺ کی طرف سے گناہوں کا استغفار کروں۔

وجعلنامن الماء کل شیء حی

جنوبی سرحد میں اور اسی طرح سرحد کے دور دراز علاقوں میں پانی کی کمی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ پانی بہت دور دراز علاقے سے لانا پڑتا تھا۔ حضرت مفتی محمود نے سرحد میں پانی کا انتظام کیا۔ اور سرحد میں جگہ جگہ قرآن پاک کی یہ آیت بورڈوں پر لکھوا کر آویزاں کی

وجعلنا من الماء کل شیء حی

ترجمہ: اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پیارے رسول اکرم ﷺ اور اس کے دین کے وارثوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے!

آمین یارب العالمین

تحریک ختم نبوت کے مسئلہ پر ۱۹۷۴ء
میں مسٹر بھٹو کو اسمبلی کے فورم پر انتباہ

ملک میں تحریک زوروں پر تھی پورا ملک سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔ ایک ہی نعرہ، ایک ہی آواز، ایک ہی مطالبہ تھا: کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

حکومت گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھی۔ کسی بھی قسم کی نرمی یا مذاکرات کے لیے تیار نظر نہیں آتی تھی۔

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے مسٹر بھٹو کے مجلس عمل سے مذاکرات کے انکار کے جواب میں وزیر اعظم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مسٹر بھٹو! آپ کو قوم کے ایک حلقہ نے منتخب کر کے بھیجا ہے، اس لئے آپ اسمبلی کے معزز رکن ہیں۔ میں بھی ایک حلقہ انتخاب کا نمائندہ بن کر اسمبلی میں آیا ہوں اس لئے میں بھی اس معزز ادارے کا رکن ہوں۔

مگر میں آنجناب کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجلسِ عمل کسی ایک حلقہ کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس وقت پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ کیسی عجیب منطق ہے کہ آپ ایک حلقہ انتخاب کے نمائندہ کو عزت واحترام کا مقام دینے کے لئے تیار ہیں، مگر قوم کے سات کروڑ عوام کے نمائندہ مجلس عمل کو آپ پائے حقارت سے ٹھکرا رہے ہیں۔

بہتر ہے میں ان سے جا کر کہہ دوں کہ وزیر اعظم سات کروڑ عوام کی بات سننے کے لئے تیار نہیں

"مفتی محمود صاحبؒ کی طرف سے مسٹر بھٹو کے حضور یہ کوئی فریاد، التجا، یا فدیانہ عرض داشت نہ تھی، بلکہ یہ ایک شدید انتباہ تھا۔

دوسری طرف خیبر سے کراچی تک بپھرے ہوئے عوام کا سیل بیکراں اور اپنی انتظامیہ کی بے کسی کا نظارہ کر چکے تھے۔ اپنی انا اقتدار سے انہوں نے آدھا ملک گنوا کر بصد مکروفریب حاصل کیا تھا خش وخاشاک کی طرح بہتا ہوا نظر آرہا تھا وہ اندر سے شکست کھا چکا تھا، لیکن جھوٹی انا کا لبادہ اوڑھ کر محض گیدڑ بھبکیوں کے سہارے اقتدار پر قابض تھا۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے فیصلہ کن انتباہ نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح ۷ ستمبر ۱۹۷۴ کو ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر وزیر اعظم نے "مجلس عمل" کے نمائندوں کے مجوزہ پر دستخط کر کے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا جس کی رو سے مرزائیت کی دونوں شاخیں (قادیانی اور لاہوری) اپنے خبیث بانی کا ماتم کرتی ہوئی دائرہ اسلام سے خارج ہو گئیں۔

اور پھر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر اس مسودہ کو آئینی شکل دے دی گئی۔ قومی پارلیمنٹ کے آئین سازی کے اس عمل کی خبر

جب ذرائع ابلاغ کی طرف سے نشر کی گئی تو جہاں ایک طرف ربوہ کے ایوانوں میں صف ماتم بچھ گئی وہاں دوسری طرف پورے عالم اسلام میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

اسلامیان پاکستان پر اس فرحت و انبساط نے وجد و کیف کی وہ حالت طاری کردی جس کا نظارہ چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا

اس طرح علماء حق کا دیرینہ مطالبہ آج مولانا مفتی محمود ممبر قومی اسمبلی کی قرارداد پر حل ہوا

فالحمد للہ

مفتی صاحب کی اولاد:۔ حضرت مفتی صاحب کی دو بیویوں سے پانچ بیٹے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب:۔ پنجابی کی ایک کہاوت ہے "ماں پر دھی، پتا پر گھوڑا، پورا نہیں تو تھوڑا تھوڑا" مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو ملتان حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے جنازے پر تقریر کرتے دیکھا تو لب و لہجہ وہی، تقریر کا انداز وہی، پہناوا وہی جن لوگوں نے مفتی صاحب کی تقریر سنی ہے وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی تقریر سنیں تو انہیں احساس ہوگا کہ مفتی محمودؒ ہی تقریر کر رہے ہیں، اس فرق سے کہ بیٹے کے لہجہ میں زیادہ دھیما پن ہے۔ مفتی صاحب نے اپنی زندگی کا سفر پورا کیا تو اسی دن بیٹا قائد بن گیا اور سیاسی سمجھ بوجھ پہلے دن ہی سے کامل تھی، بہرحال مختلف تحریکوں سے گزرتے ہوئے اپنے والد محترم کے علاقہ سے ایم این اے ہوتے رہے۔ کل اسمبلی میں امور خارجہ کی کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ اس حیثیت سے دنیا کے مختلف ملکوں کا دورہ کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ عرض کیا سیاسی مہارت پہلے ہی دن سے حاصل ہے، انگلش بھی جانتے ہیں، جو شخص ان سے گفتگو کرتا ہے اسے ان کے دلائل کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ مفتی صاحب کی زندگی میں ان کو جیسے دار العلوم بنانے کی لگن تھی، خاصے وسیع رقبہ پر جامعہ معارف الشرعیہ بنایا اور اس کے مہتمم ہیں۔

مولانا عطاء الرحمٰن:۔ فاضل علوم دینیہ اور جامعہ معارف الشرعیہ کے نائب مہتمم ہیں اور اچھی تنظیمی صلاحیتوں کے حامل ہیں اپنے کام میں مگن رہ کر اسے لگن سے کرتے ہیں۔

لطف الرحمٰن:۔ ڈیرہ اسماعیل خاں کے سوشل ایکشن پروگرام کے چیئرمین ہیں۔

ضیاء الرحمٰن:۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

عبید الرحمٰن:۔ سب سے چھوٹے بیٹے ہیں اور اپنی تعلیم مکمل کر رہے ہیں۔

انتقال

حضرت مفتی صاحب حرمین شریفین کیلئے عازم سفر تھے آپ کی خواہش تھی کہ چودھویں صدی ہجری کے آخری حج میں شریک ہو کر بارگاہ ایزدی میں التجا و دعا کریں کہ پوری صدی میں امت سے جو کوتاہیاں اور لغزشیں ہوئی ہیں باری عزوجل اسمہ اپنی شان کریمی رحمت بے پایاں کے صدقے اور اپنے محبوب رحمت اللعالمین ﷺ کے طفیل امت کے پوری صدی کے گناہوں کو معاف فرمائے اللہ تعالی کو اس حسن اخلاص و حسن نیت کیوجہ سے آپ کا یہ عزم سفر اتنا پسند آیا کہ قیامت تک اس سفر کو جاری فرمادیا اور قیامت تک اس مبارک سفر کے اجر و ثواب کو آپ کے نامہ اعمال میں لکھ دیا۔ چنانچہ حرمین شریفین کیلئے پرواز ٹھیک ۳۲ گھنٹے قبل ہی حضرت مفتی صاحبؒ کی بے تاب و بے چین روح اس صدی کے مسلمانوں کی سفارش لے کر سیدھی بارگاہ ذوالجلال میں پہنچ گئی۔

"وابعثہ مقاما محمودا"

چودھویں صدی ہجری کے آخری حج کے لیے یا اپنی زندگی کے آخری سفر کیلئے حضرت مفتی صاحب ۱۱ اکتوبر ۸۰ء یکم ذوالحجہ کو بروز ہفتہ کراچی پہنچے ۱۵ اکتوبر ۵ ذوالحجہ کی پرواز میں آپ کی نشست مخصوص ہو چکی تھی۔ کراچی میں آپ کا قیام جامعہ بنوری ٹاؤن میں تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے بینک میں جمع کرائی گئی رقم پر زکوۃ سے متعلق ایک فتویٰ دیا تھا۔ کراچی سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کو اس فتوی پر قدرے فقہی اختلاف تھا۔ چنانچہ اس اہم مسئلہ پر دینی گفتگو کیلئے حضرت مفتی صاحب کے حکم پر مولوی محمد بنوری نے فون پر ان دونوں حضرات کو دعوت دی اگلے ہی روز ۱۴ اکتوبر ۴ ذوالحجہ بارہ بجے دن کا وقت طے ہوا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ قبل گیارہ بجے غسل فرما کر مدرسہ تشریف لے آئے۔ مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی، مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا محمد بنوری صاحبان آگئے ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہوا تو مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی اور مولانا محمد تقی صاحب عثمانی بھی آگئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ انتہائی شفقت و محبت سے ملے۔ تقریبا بیس منٹ تک نہایت خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ مولوی محمد بنوری صاحب نے کہا کہ حضرت یہ تقریبا نصف گھنٹہ تاخیر سے پہنچے ہیں لہذا انہیں جرمانہ ہونا چاہیے۔ مفتی صاحب نے فرمایا نہیں بھائی! پاکستان میں ایک گھنٹہ تک تاخیر معاف ہے۔ ویسے بھی یہ حضرات شہر سے دور رہتے ہے، پھر فرمایا کہ ہماری حالت تو یہ ہو گئی ہے کہ اگر کوئی شخص پابندی وقت کا خیال کرے تو لوگ اسے طعنہ دیتے ہیں کہ اس میں انگریزیت ہے، حالانکہ یہ تو اچھی صفت ہے، مگر ہم لوگوں نے اچھی باتیں انگریز کے کھاتے میں ڈال دی ہیں اور پھر وہ اچھی باتیں واپس لینے کو تیار نہیں، اور بری باتیں لینے کو تیار ہیں۔ اسی اثنا میں چائے آگئی تو مولانا محمد رفیع صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب نے چائے سے معذرت کرکے ٹھنڈا مشروب نوش کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا گو میں خود چائے پیتا ہوں، مگر جو حضرات چائے نہیں پیتے ان کو بہت اچھا سمجھتا ہوں اس پر مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنے پان کے بٹوے کی

طرف اشارہ کر کے کہا کہ حضرت ہمارے ساتھ یہ علت لگی ہوئی ہے فرمایا یہ اس سے بھی بد تر ہے۔ مولانا محمد طاسین صاحب نے نماز کا وقت دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ نماز ڈیڑھ بجے ہو گی حضرت مفتی صاحب نے فرمایا پھر میرا خیال ہے کہ تھوڑی سی گفتگو نماز سے پہلے ہو جائے۔ اس وقت مفتی صاحب بڑے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آپ چند منٹ کے مہمان ہیں۔ چہرے پر نشاط کے آثار تھے۔ بعض باتیں بے تکلفی کے ماحول میں ایسی ہوئیں کہ محفل بار بار کشت زعفران بنتی رہی ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ مفتی صاحب نے فرمایا اچھا اب نماز سے پہلے اصل مسئلے کے متعلق کچھ باتیں کر لی جائیں۔ پھر اچھی طرح کلی کر کے بحث کا آغاز کیا اور فرمانے لگے سب سے پہلے تو مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ زکوۃ کا مسئلہ خالص دینی مسئلہ ہے اس لئے ہمیں اس پر خالص فقہی نقطہ نظر سے گفتگو کرنی چاہیے۔ اور کسی بھی دوسرے نقطہ نظر یا کسی قسم کی نفسانیت کو درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔ الحمد للہ مجھے اس پر اطمینان ہے کہ اگر آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی تو اسے قبول کرنے میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا، لہذا یہی امید الحمد للہ آپ سے بھی ہے کہ اگر میری بات آپ کی سمجھ میں آگئی تو آپ اپنی بات پر اصرار نہیں کریں گے اور اسی امید پر میں نے زبانی گفتگو مناسب سمجھی ہے تا کہ اگر فتوؤں میں اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے بہتر ہے پھر فرمایا کہ آپ حضرات نے میرے فتوی کا جواب لکھا ہے گو اس میں صراحتا میری تردید نہیں کی گئی مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے فتوی کا جواب ہے پہلے نکتہ کو آپ نے تشریح سے بیان فرمایا۔ آپ کی تقریر بڑے ربط و تسلسل سے ابھی جاری تھی کہ اچانک خدا معلوم وہ پہلے نکتہ کی تشریح بیان فرما چکے تھے یا ابھی کچھ فرمانا چاہتے تھے کہ فقرہ مکمل کر کے ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے، بایاں ہاتھ پیشانی پر رکھا اور یکایک بائیں پہلو کی طرف پیچھے کو گر گئے اس جانب مولوی محمد بنوری بیٹھے تھے ان کی گود میں آپڑے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں ہم نے آج تک کسی کو اتنی آسانی سے مرتے نہیں دیکھا تھا اتنی آسانی روح کا قبض ہو جانا اس ناکارہ کیلئے بالکل ہی نیا مشاہدہ تھا کہ نہ تو موت سے پہلے کسی تکلیف کی شکائیت نہ کسی درد کرب کا اظہار۔ شیخ عطار کے درویش کا واقعہ کتابوں میں پڑھا سنا تھا کہ ان کی دہلیز پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور کہا کہ ہماری روح تو یوں قبض ہو جائے گی مگر اس چشم دید مشاہدہ حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال سے ہوا کہ مرنے والے یوں بھی مر جایا کرتے ہیں۔ کسی کو وہم بھی نہیں ہوا کہ حضرت مفتی صاحب ہمیشہ کیلئے ابدی نیند سو گئے ہیں سب حضرات یہی سمجھے کہ دل کے دورہ کی وجہ سے سکتے کی سی بیہوشی ہے۔ چنانچہ مولانا محمد رفیع عثمانی نے زبان کے نیچے دوائی رکھی جو شدید درد قلب کی دی جاتی ہے۔ مولانا محمد طاسین صاحب نے منہ میں پانی ڈالا۔ مولانا محمد عثمانی اور مولانا محمد بنوری ڈاکٹروں کی طرف دوڑے امراض قلب کے ہسپتال میں فوری طور پر گاڑی میں پہنچایا گیا ڈاکٹروں کی ٹیم ایمرجنسی وارڈ میں تقریبا نصف گھنٹہ تک سر توڑ کوشش کی مگر وہاں کیا رکھا تھا پیغام اجل آچکا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر سید اسلم صاحب باہر آئے نہایت افسردہ لہجے میں کہا کہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ مفتی صاحب کی روح تو ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی پرواز کر چکی تھی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے پاس بلانے کیلئے ایسے وقت کا انتخاب کیا کہ وہ سفر حج کیلئے پا بہ رکاب تھے، بلکہ سامان

شروع ہو چکا تھا۔ آپ آخر دم تک ایک خالص دینی وفقہی مسئلہ کی تحقیق میں مشغول رہے اور یہی گفتگو ان کی آخری گفتگو ثابت ہوئی۔ ایسا مبارک اور حسین خاتمہ بالایمان ہر مسلمان کیلئے قابل صد شکر ہے دین متین وشرع مبین کا یہ سچا خادم ومجاہد" قال اللہ وقال الرسول کے ماحول میں پروان چڑھا تھا اور قال اللہ و قال الرسول کی ہی بات کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات پر تاثرات وپیغامات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ : حضرت مفتی صاحبؒ بطور سیاسی ومذہبی شخصیت کے اپنے اکابر کی روایات کے امین تھے۔ انہوں نے اپنے عمل سے پوری دنیا پر یہ حقیقت واضح کردی کہ ایک خدا ترس عالم دین ہی ایک اعلیٰ حکمران ہو سکتا ہے اور صرف وہی اپنے بے غرض عمل کے ذریعہ سسکتی ہوئی انسانیت کو امن وآشتی کا پیغام دے سکتا ہے۔ ان کی وفات ایک قومی سانحہ ہے اللہ تعالی مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ اور ہمیں صبر جمیل عطاء فرمائے۔

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق : حضرت مفتی صاحبؒ ملک کے ایک ممتاز عالم دین اور تجربہ کار سیاسی رہنما تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی ترویج اور تبلیغ کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیں اور اس مقصد کیلئے نہ صرف خود درس وتدریس کا کام کیا بلکہ دینی مدارس بھی قائم کئے۔ جن سے فیض پانے والوں کی تعداد ان گنت ہے۔ فیض کا یہ سرچشمہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ مولانا کی زندگی کا دوسرا اہم پہلو ان کی سیاسی خدمات سے متعلق ہے۔ انہوں نے پاکستان کی تاریخ میں اہم سیاسی کردار ادا کیا خاص طور پر ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفی ﷺ میں انہوں نے ایسی قیادت مہیا کی جس کی ملک کو ضرورت تھی۔ اس دور میں ان کے سیاسی کارناموں کے سبھی معترف ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر بھی مولانا سے کئی مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے انہیں طبعاً ہمیشہ مصلح اور سادہ مزاج پایا۔ میں نے ان میں دین اسلام کیلئے سچی محبت پائی سیاسی معاملات میں ان کی سوجھ بوجھ اور بصیرت نے مجھ پر اثر چھوڑا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

جلالۃ الملک پاسبان حرم شاہ خالد بن عبد العزیز سربراہ سعودی عرب : الشیخ مفتی محمود سے چند لمحات کی صحبت نے مجھے حد درجہ متاثر کیا ان کی علمی واسلامی خدمات اہل اسلام کیلئے سرمایہ حیات ہیں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند : مولانا مفتی محمودؒ دار العلوم دیوبند کے ان فیض یافتگان میں سے ہیں

جنہوں نے ایک زندہ وجاوید تاریخ رقم کر کے بڑا نام پایا وہ ایک جید عالم دین اور مخلص سیاستدان تھے۔

فضیلۃ الشیخ محمد سفوت السقاء امینی سربراہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ: الشیخ مفتی محمودؒ کی افسوس ناک رحلت کی اطلاع سے ہمیں سخت صدمہ پہنچا تھا۔ مولانا مفتی محمودؒ بلاشبہ اسلام کے بطل جلیل اور متبحر عالم دین تھے۔ مرحوم نے پاکستان میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے رائے عامہ کو منظم کرنے کے سلسلے میں اہم کردارر ادا کیا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ترقی واستحکام اور اسلامی وحدت کیلئے انتھک جدوجہد کی۔

محمد علی الحرکان۔ سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ: میں اور رابطہ عالم اسلامی کے دیگر رفقاء اپنے پیارے دوست مولانا مفتی محمودؒ کی اچانک رحلت پر انتہائی دم بخود ہیں۔ مولانا مفتی محمودؒ عالم اسلام کے ممتاز سکالر تھے، جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کیلئے وقف کی ہوئی تھی" **انا للہ وانا الیہ راجعون ط** " اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ازراہِ کرم ہمارے دلی جذبات اپنے دیگر افراد خانہ تک پہنچا دیں۔

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند دہلی: اچانک ریڈیو اور پھر رات کو حضرت مفتی محمودؒ کے وصال کی خبر معلوم ہوئی یہ حادثہ صرف آپ کے اور علمائے پاکستان اور محبین دینِ حق کے لئے بلکہ ہم سب کے لئے بھی نہائت صبر آزما ہے۔ کن الفاظ میں آپ حضرات کو صبر کی تلقین کریں۔ مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت اور رضوان سے نوازے اور آپ حضرات کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اور دستگیری و مدد فرمائے اور موصوف کے نقش قدم پر چل کر اسلام اور مسلمانوں کی صحیح خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: عالم اسلام میں مولانا مفتی محمودؒ کا نام اسلام کے ایک عظیم سکالر کی صورت میں معروف ہوا پاکستان میں اسلام کے نفاذ کیلئے انکی خدمات سنہرے حروف سے لکھی جائینگی۔

مصر کے ممتاز عالم شیخ الازہر محمد شلیتوت: مولانا مفتی محمود کے علم وتقوی اور قوت استدلال سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ وہ میرے محبوب وممدوح بن گئے۔

شیخ العرب مولانا محمد مکی مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ: مکہ کے علماء رؤسا الشیخ مفتی محمودؒ کی علمی مجلس سے اسقدر متاثر تھے کہ علماء برصغیر کے متعلق انہیں اپنا نظریہ تبدیل کرنا پڑا۔

سفیر سعودی عرب اسلام آباد: ازراہ کرم آپ اپنے عظیم فاضل الشیخ مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیں وہ میرے بہترین دوست اور ممتاز قومی رہنما تھے۔ خدا تعالیٰ انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔

مولوی محمد یونس خالص حزب اسلامی افغانستان: آپ کے محبوب والد بزرگوار کی وفات پر افغان مجاہدین کو گہرا صدمہ ہوا ہے اور وہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں میری اور افغان مجاہدین کی طرف سے دلی ہمدردیاں قبول فرمائے۔

محمد گنج دوست ، ناظم الامور حکومت ایران اسلام آباد : آپ کے محبوب والد بزرگوار کی وفات پر انتہائی دکھ اور صدمہ ہوا ہے۔ان کو مفکرانہ وقائدانہ اسلامی خدمات کے سلسلے میں دیر تک یاد رکھا جائے گا۔

انجنئر گلبدین حکمت یار حزب اسلامی افغانستان : ہیں اور حزب اسلامی کے دیگر ارکان مولانا مفتی محمودؒ کی اچانک اور اندوہناک وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں ان کی وفات سے پاکستان کو خصوصاً اور عالم اسلام کو عموماً نقصان پہنچا ہے اللہ تعالی ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا کرے۔

خالد الحمدان ، کلچرل کونسلر برائے سعودی عرب (لاہور) : آپ کے والد بزرگوار کے انتقال پر مجھے ناقابل بیان صدمہ پہنچا وہ میرے محترم دوست اور اسلامی تعلیمات میں گہری نظر رکھنے والے قابل احترام عالم دین تھے۔

سقراطری ، انڈر سیکرٹری وزارت انصاف واسلامی امور ابو ظبہی : میری اور وزارت انصاف واسلامی امور کی جانب سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پر انتہائی دل کی گہرائیوں سے تعزیت قبول کریں اللہ تعالی انکو جوار رحمت میں جگہ دے ان کے خاندان اور قوم کو اس ناقابلِ فراموش غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ بخشے۔

صدر آزاد کشمیر برگیڈئیر محمد حیات خان : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

سردار عبد القیوم خان آزاد کشمیر میں نے مولانا مفتی محمودؒ کو علمی اور سیاسی حیثیتوں میں دیکھا ان کو دونوں حیثیتوں پر غور کیا اور میں انہیں علمی اور سیاسی ہر دو اعتبار سے غیر معمولی انسان پایا وہ بے حد وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے۔

مولانا اسرار الحق سیکرٹری جنرل جمیعتہ علماء ہند (نئی دہلی) : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے،میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

محمد ظاہر الحق جنرل سیکرٹری مجلس تحفظ ختم نبوت (ڈھاکہ) میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں اللہ تعالی آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مولانا عبد الرحمن صاحب شیفیلڈ برطانیہ : حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے انتہائی دکھ ہوا میری طرف سے دلی ہمدردی قبول فرمائیں۔

حضرت مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک : حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پر پوری قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے موصوف نے اسلام اور پاکستان کے لئے زریں خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور لاہور : حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی زندگی پاکستان کے علماء کیلئے ایک روشن آفتاب کی مانند ہے جس کی کرنوں سے ہزاروں مردہ قلوب کو تازگی ملی ہے۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد (کندیاں شریف): حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی موت پورے جہاں کی موت ہے مرحوم نے تحفظ ختم نبوت کیلئے اہم کردار ادا کیا پوری ملت اسلامیہ ان کے احسان عظیم کو ہرگز نہیں بھول سکتی۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی و حضرت مولانا محمد تقی عثمانی: حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات صرف پاکستان کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک جان کاہ حادثہ ہے۔ ان کی وفات سے پاکستان ایک جلیل القدر عالم دین، ایک سیاسی رہنما اور قائد سے محروم ہو گیا۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے پاکستان میں اسلامی نظام کے جو جدوجہد کی ہے، اس راہ میں جو قربانیاں دی ہیں وہ ہماری تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ ہے سیاسی مشغولیات کے ساتھ ساتھ خالص علمی مسائل سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی دلچسپی اور علمی تبحر ان کی وہ صفت تھی جو خال خال ہی دیکھنے میں آتی ہے

مولانا پیر محمد شاہ امروٹی سندھ: حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے کردار کی روشنی میں باطل قوتوں کے سامنے ہمیں سینہ سپر ہو جانا چاہیے۔

مولانا پیر عبد الکریم بیروالے سندھ: حضرت مولانا مفتی محمودؒ ہمارے اکابر کے صحیح جانشین تھے ان کے کردار کی روشنی میں ہمیں آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔

میاں سراج احمد دین پوری دین پور شریف: مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے قوم ایک عظیم قائد سے مرحوم ہو گئی ہے مولانا مرحوم کی اسلام کیلئے کی جانے والی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی: حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے ہم یتیم ہو گئے ہیں وہ صحیح معنوں میں علماء دیوبند کے وارث و امین تھے۔

گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی: حضرت مولانا مفتی محمودؒ ایک ممتاز دینی رہنما اور سکالر تھے۔ ان کی خدمات برسوں یاد رہیں گی۔

گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایم ایس عباسی: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پاکستان نہ صرف ایک عظیم عالم دین اور ممتاز دانشور سے محروم ہو گیا ہے بلکہ ایک عظیم محب وطن داغ مفارقت دے گیا ہے پاکستان میں اسلام کیلئے مفتی صاحب کی خدمات اور قرآن و سنت کے احکام پر مبنی نظام کے قیام کیلئے ان کی جراءت مندانہ جدوجہد ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی

گورنر سرحد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق: ایک عالم دین کی حیثیت سے مولانا مفتی محمودؒ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا صوبہ سرحد کے عوام کیلئے ان کی خدمات گراں ہیں۔ اور ان کی وفات ایک عظیم قومی المیہ ہے۔

گورنر بلوچستان لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خان: مولانا مفتی محمودؒ ایک ممتاز عالم اور مقبول سیاستدان اور عظیم محب وطن تھے ان کی وفات سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

چیف مارشل انور شمیم : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات ایک عظیم ملکی وملی سانحہ ہے۔

وزیر دفاع میر علی احمد تالپور : مولانا مفتی محمودؒ کی ناگہانی اور الم انگیز وفات سے میں ایک ذاتی دوست سے محروم ہو گیا ہوں مرحوم ممتاز عالم دین اور برصغیر کے منجھے ہوئے سیاستدان اپنی خدمات اور سیاسی بصیرت کے سبب بڑے محترم سمجھے جاتے تھے۔

محمود ہارون وزیر امور مذہبی حکومت پاکستان : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے گہرا صدمہ پہنچا ہے، وہ پاکستان کے عوام کے دینی قومی وملی جذبات کا مرکز تھے۔ ان کی اسلامی سیاسی سماجی خدمات دیر تک یاد رکھی جائیں گی، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

جسٹس شاہنواز خان چیف جسٹس پشاور ہائی کوٹ : عظیم رہنما حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی اندوہناک موت کی خبر سن کر شدید دھچکا لگا یہ آپ کا اور پوری قوم کا مشترکہ نقصان ہے اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

لیفٹیننٹ جنرل جمال سید میاں وزیر حکومت پاکستان : حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے المیہ پر دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

میجر جنرل شفیق احمد ہیڈ کوارٹر ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کوہاٹ : مجھے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی اچانک وفات پر انتہائی رنج ہوا ان کی اسلامی اور قومی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی

عبد العلی خان سیکرٹری تعلیمات اسلام آباد : حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کی غم ناک خبر سے انتہائی رنج ہوا بلاشبہ ان کی وفات ہمارا قومی نقصان ہے۔

مسٹر جسٹس تنزیل الرحمان چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل : مفتی محمود صاحبؒ کی وفات سے ملک کے دینی و تعلیمی حلقوں میں ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے۔

معظم علی مشیر صدر پاکستان : مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ پر ہونا مشکل ہے۔

ہائی کوٹ بار ایسوسی ایشن لاہور : اسلامی نظام کے قانون کی بالادستی، جمہوریت کی بحالی کیلئے ان کی بے پناہ خدمات ہیں۔ مولانا مفتی صاحبؒ نے تمام زندگی حق گوئی کا پرچم بلند رکھا۔

نوابزادہ نصر اللہ خان : مولانا مفتی محمودؒ نے سرحد میں وزارت علیا پر فائز ہوتے ہی یہ مثال قائم کر دکھائی تھی، کہ ایک بوریہ نشین عالم ایک جدید جمہوری معاشرہ میں حکومت کے فرائض کو اپنی تمام تر سادگی اور درویشی کے باوجود بطریق احسن چلا سکتا ہے۔

میر غوث بخش بزنجو سابق گورنر بلوچستان : مجھے مولانا کی وفات پر گہرا رنج ہوا میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائے اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

ملک غلام علی واراکین جموں و کشمیر کانفرس مظفر آباد : مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال پر ملال سے انتہائی غمزدہ ہیں مفتی صاحبؒ اسلام کے عظیم سپاہی تھے اور جمہوریت کے لئے جدوجہد کرنے والے تھے۔ ان کی اچانک وفات سے عالم اسلام خصوصاً پاکستان

ایک عظیم ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہو گیا ہے۔ مفتی صاحبؒ کی پاکستان میں سیاسی تاریخ کے روشن باب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت دے۔

خان عبد الولی خان: مولانا مفتی محمودؒ کا سیاسی مسلک اور سوچ اتنی واضح اور صاف تھی کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کیلئے زیادہ دیر وقت کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

بیگم ولی خان: مولانا مفتی محمودؒ با اصول سیاستدان تھے ان کے تاریخی کارنامے ہمیشہ یاد رہیں گے۔

پروفیسر عبد الغفور: مولانا مفتی محمودؒ معاملہ فہم انسان تھے ان میں ظرف ضبط بلا کا تھا۔ ان کے کسی رویہ پر تنقید کی جاتی تو غور سے سنتے اور پھر ٹھنڈے دل سے اس کا جواب دیتے اور معترض کو مطمئن کرتے۔

ارباب سکندر خان خلیل سابق گورنر سرحد: مولانا مفتی محمودؒ کے دل میں اسلام سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ اسلام کے سچے خادم تھے۔

جاوید ہاشمی سابق مرکزی وزیر: مولانا مفتی محمودؒ درویش صفت انسان تھے۔ دین اور دنیا کے علم سے مالامال ہونے کے باوجود ان میں حد درجہ انکسار تھا۔

سردار شیر باز مزاری: مولانا مفتی محمودؒ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے آزادی کے لئے چلائی جانیوالی ہر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ آخر وقت تک قوم کو متحد کرنے کے لئے سرگرم عمل رہے۔

خان محمد اشرف خان: مولانا مفتی محمودؒ اسلام کے سچے غم خوار تھے۔ ملک اور قوم کے لئے ان کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

ریٹائر ائیر مارشل اصغر خان: مولانا مفتی محمودؒ کی حق گوئی، بے باکی، بلند نگاہی اور قوت تجزیہ سے معاملات کو حقائق کی روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت ایسی چیزیں ہیں، کہ قوم کے اہل الرائے طبقے رہنمائی کے لئے ان کی طرف دیکھتے تھے۔ موصوف کی سیاست سے کسی کو اختلاف تو ہو سکتا ہے، لیکن بصیرت اخلاص سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

چوہدری ظہور الٰہی: مولانا مفتی محمودؒ نے مجھے مذہب اور سیاست کے حوالہ سے ازحد متاثر کیا تھا۔ مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد ملک ایک عظیم سکالر اور محب وطن سیاسی رہنما سے محروم ہو گیا ہے۔

محمد زمان خان اچکزئی: مولانا مفتی محمودؒ نے ہمیشہ پاکستان میں قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کی جدوجہد کی، تاکہ ملک کو مثالی واسلامی، فلاحی ریاست بنایا جاسکے۔

ایس ایم ظفر سابق مرکزی وزیر قانون: تاریخ کے اس موڑ پر مولانا مفتی محمودؒ کی المناک وفات ایک عظیم نقصان ہے۔ مرحوم علم دین اور سیاسی تدبر کا امتزاج تھے وہ اپنی زندگی میں نہایت عمدہ جمہوریت پسند تھے۔ ایک عظیم تحریک میں قوم کی قیادت

کی اور اس وقت ان کی بڑی ضرورت تھی۔

نوابزادہ افتخار احمد انصاری : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا مشکل سے پر ہو گا اسلام جمہوریت اور پاکستان کے لئے ان کی خدمات طویل عرصے تک یاد رکھی جائیں گی۔

نواب اکبر بگٹی سابق گورنر بلوچستان : مولانا مفتی محمودؒ علوم اسلامیہ کے فاضل اور پختہ سیاسی رہنما تھے۔ اپنے درمیان انکی غیر موجودگی ہر پاکستانی محسوس کرے گا۔

میاں طفیل محمد امیر کالعدم جماعت اسلامی (ان دنوں سیاسی جماعتیں کالعدم تھیں) :

مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت سے ملک، جمہوریت اور اسلامی نظام کے ایک عظیم شیدائی سے محروم ہو گیا ہے۔ مرحوم نے بحالی جمہوریت اور ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جو جدوجہد کی وہ تاریخ پاکستان کا حصہ بن چکی ہے۔ ان کی وفات پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔

پروفیسر غفور احمد پروفیسر خورشید احمد محمود اعظم فاروقی : مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے ملک ایک بلند پایہ سیاسی شخصیت اور صاحب بصیرت، دینی و قومی رہنما سے محروم ہو گیا ہے۔ تحریک پاکستان میں ان کی مساعی اور ملک میں فقہی اختلاف سے بلند ہو کر متحد کرنے میں انہوں نے جو ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ قومی تاریخ میں وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مولانا عبدالستار خان نیازی جنرل سیکرٹری جمعیت علماء پاکستان : (میانوالی) مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پاکستان کے لئے ایک سانحہ ہے۔ مرحوم نے ختم نبوت کی تحریک اور تحریک بحالی جمہوریت و تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ میں شاندار خدمات سر انجام دیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایم اے : مولانا مفتی محمودؒ اسلامی عظمت، جمہوریت اور اسلامی اقدار کی جدوجہد کرنے والی قوتوں کے میر کارواں تھے۔

پیر صاحب دیول شریف : مولانا مفتی محمودؒ نے قومی اور عالمی سطح پر اسلام کی بے مثال خدمات کیں۔ ان کی وفات سے ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

پروفیسر شاہ فرید الحق : مولانا مفتی محمودؒ نے ملک اسلامی روایات و اقتدار کے مقصد کے لئے جو بیش بہا قربانیاں دی ہیں انہیں پاکستان کے عوام کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

ظہور الحسن بھوپالی : مولانا مفتی محمودؒ ایسے عالم دین تھے، جنہوں نے اپنی زندگی بحالی جمہوریت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ وہ پرانے قائدین میں سے تھے اور ہمارا اثاثہ تھے۔

مولانا سعید احمد کاظمی : میں مولانا کی وفات پر انتہائی غمزدہ ہوں۔

ملک محمد قاسم : مولانا مفتی محمودؒ کی بے وقت موت سے قومی استحکام کی کوششوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مرحوم ایک عظیم شخصیت تھے، جنہوں نے ہمیشہ جمہوریت کے لئے پوری لگن سے کام کیا۔

چوہدری محمد حسین چٹھہ : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پیدا ہونیوالا خلا پر نہیں ہو سکے گا

ملک وزیر علی : مولانا مفتی محمودؒ کی ملکی، ملی، دینی و سیاسی خدمات ناقابل فراموش ہیں

مولانا سلیم اللہ خان : چودھویں صدی ہجری کا آخری چراغ گل ہو گیا۔ مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے عالم اسلام بالخصوص پاکستان ایک بہت بڑے مفکر، جید عالم دین اور ماہر سیاسی مدبر سے محروم ہو گیا۔

ڈاکٹر انعام اللہ خان سیکرٹری جنرل موتمر عالم اسلامی : مولانا مفتی محمودؒ ایک ممتاز عالم ہی نہیں بلکہ ایک محترم سیاسی مفکر بھی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ پاکستان میں قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کے لئے جدوجہد کی۔

پریشان خٹک وائس چانسلر گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات ملک وملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

غلام مصطفےٰ جتوئی سابق مرکزی وزیر : مولانا مفتی محمودؒ ایک ممتاز مذہبی سکالر، ممتاز رہنما اور جمہوریت پسند انسان تھے۔ ان کی وفات ملک کیلئے عظیم نقصان ہے۔ مرحوم اپنی تمام زندگی میں اسلامی اصولوں اور جمہوریت کے کاز کے لئے جنگ کرتے رہے۔ مولانا آزادی کی تحریک میں برطانوی حکمرانوں کے خلاف صف اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے سیاسی مذہبی محاذوں پر نمایاں خدمات انجام دیں۔

خان عبدالقیوم خان سابق مرکزی وزیر : مولانا مفتی محمودؒ ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ جو عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے کوشاں رہے اور ان کی ذات میں عظیم دینی رہنما اور عظیم سیاستدانوں کی خوبیاں موجود تھیں۔

میاں محمد علی قصوری سابق وزیر قانون : مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے ملک ایک عظیم رہنما سے محروم ہو گیا ہے۔ ان کا انتقال پاکستان کیلئے ایک سانحہ ہے۔ مرحوم ایک عظیم انسان اور صاحب استقامت مدبر تھے، انہوں نے جس استقامت سے بھٹو دور کے استبداد کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کے صفحات میں درخشاں باب کی حیثیت سے محفوظ ہو چکا ہے۔ عالمی سیاست کے اس انتہائی موڑ پر ان کا ہم سے بچھڑ جانا انتہائی تکلیف دہ ہے۔ ملک وملت کو ان کے مفید مشوروں کی انتہائی ضرورت تھی۔

حکیم آفتاب احمد قریشی : مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے پاکستان ایک عظیم دانشور اور سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے۔

ع غ کراروی شیعہ رہنما : مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے ملک کو عظیم نقصان پہنچا ہے۔ تحریکِ ختم نبوت اور تحریکِ نظام مصطفےٰ ﷺ میں مرحوم کی بے مثال قیادت اور دیگر دینی خدمات کو بنظر استحسان دیکھا جائیگا۔

میر رسول بخش تالپور سابق گورنر سندھ: مولانا مفتی محمودؒ صاحب کردار انسان تھے، جمہوریت اور اسلام کے لئے مرحوم کی خدمات تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائینگی۔

افغانستان کے ممتاز رہنما پیر فضل الرحمٰن المجددی: مولانا مفتی محمودؒ کی انمول خدمات طویل عرصہ تک یاد رکھی جائیں گی ،ان کی موت سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کرنا بہت مشکل ہوگا۔

حضرت مولانا محمد زکریا کراچی: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پاکستان ہی کا نہیں بلکہ عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے۔

حضرت مولانا محمد ایوب جان بنوری کراچی: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلاء عرصہ تک محسوس ہوتا رہے گا خدا ہمیں جلدی اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

انیس امروہوی: مولانا مفتی محمودؒ عظیم سیاستدان تھے اور اس قافلہ آزادی سے تعلق رکھتے تھے، جس نے آزادی اور جمہوریت کے لئے بڑی جدوجہد کی اور کام کیا وہ علماء دیوبند کے وارث تھے۔

پرہم کمار شاہانی: مولانا مفتی محمودؒ ایک ممتاز عالم دین، عملی سیاستدان ،معروف پارلیمنٹرین اور دلدادہ جمہوریت تھے۔ ان کا ایسے وقت پر ہم سے رخصت ہوجانا بلاشبہ ایک قومی المیہ ہے، جب قوم اپنے قوانین اور معاشی نظام کا ڈھانچہ مذہبی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

ملک جاوید اختر صدر پنجاب یونیورسٹی: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ پر ہونا مشکل ہے مرحوم نے ملک میں جمہوریت کے فروغ اور اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔

مولانا مفتی احمد الرحمن کراچی: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پاکستان کی تاریخ کا ایک باب مکمل ہوگیا ہے۔ موصوف ہمہ صفت خوبیوں کے مالک تھے۔

مولانا عبد الشکور دین پوری: مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے پاکستان کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے ۔ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

مولانا عبد الستار تونسوی ومولانا محمد مراد سکھر: مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے ملک میں بہت بڑا سیاسی ودینی خلاء پیدا ہوگیا ہے ان کا متبادل فراہم ہونا بڑا مشکل ہے وہ ایک جمہوریت پسند قائد تھے۔

فدائے نور خان سابق صدر تحریک استقلال بلوچستان: آج تک میں نے علمی اور سیاسی طور پر ہمہ صفات کی حامل کوئی اور شخصیت نہیں دیکھی ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ میں اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات رکھی تھیں وہ سب کے تھے

==

غرضیکہ

مولانا مفتی محمودؒ کی شخصیت اتنی مقبول تھی کہ ہر مکتب فکر کے حضرات نے ان کی وفات حسرت آیات پر اپنے قلبی جذبات و تاثرات کا اظہار کیا، طوالت مضمون کے خوف سے باقی حضرات کے احساسات تاثرات کا اظہار پیش کرنے سے معذرت خواہ ہوں، اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جس کی وفات پر اسلامی مملکتوں کے سربراہوں سے لے کر عامۃ المسلمین تک سب نے رنج والم محسوس کیا ہو، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث تمام مکاتب فکر نے اپنے آپ کو یکدم بے سہارا محسوس کرلیا ہو، سیاسی وسماجی شخصیتوں نے اپنی عظیم قیادت کی رحلت پر افسردگی ومایوسی کا اظہار کیا ہو، اور تمام ایوان یکدم ساکت وجامد ہوگئے ہوں، جس کے زوردار مذہبی و سیاسی دلائل سننے کے لئے اسمبلی کے درو دیوار منتظر رہ گئے ہوں، جس کے ایمانی جذبہ اور رعب و دبدبہ کے مخالف بھی معترف ہوگئے ہوں، جس نے ظلم کے ایوانوں میں حق کی آواز بلند کرکے مظلوم کو حق دلایا ہو، جس نے دینی سیاست کا مقام منوایا، جس نے اسمبلی کے فورم پر ہر غیر شرعی قانون کی اصلاح کے لئے جدوجہد کی، جس نے خاک نشین ہوتے ہوئے عادل حاکم بن کر دکھایا ہو، جس کے مداحوں نے اپنے آپ کو یتیم محسوس کرلیا ہو، جس نے دینی ماحول میں آنکھ کھول کر خالص دینی ہی ماحول میں دوران سفر حج مسجد و مدرسہ میں، علماء کے جمگھٹے میں، مفتیوں کی محفل میں، حدیث کی کتاب اپنے دامن میں رکھ کر **قال اللہ وقال الرسول**ﷺ کہتے ہوئے آنکھ ہمیشہ کے لئے بند کرلی ہو، اس کی وفات غیر معمولی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا گیا۔

موتُ العالمِ موتُ العالَم

اور اس دور میں یہ مرتبہ صرف مولانا مفتی محمودؒ کے حصہ میں آیا جن کی وفات صرف وفات نہیں بلکہ حادثہ ہے اگر آپ کی وفات **عباداللہ الصالحین** کے لئے قابل رشک ہے تو دنیا داروں اور اقتدار کے بھوکوں کیلئے ایک چیلنج بھی ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

===============================

نداء الاسیر

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

حضرت مفتی محمود صاحبؒ ۱۹۵۳ء میں بسلسلہ تحریک ختم نبوت سنتِ یوسفی پر عمل کرتے ہوئے ملتان جیل میں محبوس ہوئے تو حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ کے تتبع میں یہ نظم کہی۔

حضرت مفتی اعظم ۱۹۳۲ء میں قائد جمعیت علماء ہند کی حیثیت سے سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتار ہونے اور اٹھارہ ماہ قید بامشقت کی سزا کے سلسلہ میں ملتان جیل لائے گئے عید کے موقعہ پر آپ نے جیل کے نگران میجر فضل الدین کو ایک فصیح و بلیغ عربی نظم میں تہنیت عید بھیجی، جس میں عید کے موقعہ پر ایک قیدی کے جذبات واحساسات کا اظہار کرتے ہوئے اسلامی حمیت و غیرت اور آزادی حاصل کرنے کے عزمِ مصمم کا بھی ذکر کیا تھا۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ جو دینی و فقہی اور علمی و عملی ہر میدان میں حضرت مفتی اعظم صاحبؒ کے صحیح جانشین ہیں، کی یہ نظم مولانا حبیب اللہ صاحب ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے مرحمت فرمائی۔ ہمیں یہ نظم دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کیونکہ ہمارے خیال میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ عظیم فقیہ، بلند پایہ شیخ الحدیث اور ایک صاحب فراست سیاستدان تو تھے لیکن اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ آپ شعر بھی کہتے ہیں یہ نیا شاعرانہ پہلو شاید قائدین کے لئے بھی انکشاف کی حیثیت رکھے گا۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے ساتھ جیل میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا سید نور الحسن بخاریؒ، مولانا محمد اسماعیل صاحب، حافظ خادم صاحب اور ناظم جامعہ رشیدیہ بھی تھے، مفتی صاحب جمعہ پڑھایا کرتے تھے، شیخ التفسیر قرآنِ پاک کا درس دیتے تھے اور مولانا حبیب اللہ صاحب نے رمضان میں قرآن سنایا (انوار مدینہ)۔

مرسلہ ثناء اللہ صاحب

حضرت مولانا مفتی محمود کی وفات پر برطانوی نشریاتی ادارے بی۔بی۔سی کا تبصرہ

۱۴ اکتوبر سنہ ۸۰ء

برطانوی نشریاتی ادارے "بی بی سی" نے ۱۴ اکتوبر کی نشریات میں پاکستان کے ممتاز عالم دین اور سیاستدان مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پر ایک خصوصی پروگرام نشر کیا، جو تقریبا ۳۰ منٹ تک جاری رہا، پروگرام میں مولانا مفتی محمودؒ کی شخصیت اور ان کی سیاسی اور مذہبی زندگی کی بھرپور عکاسی کی گئی، اس پروگرام میں مولانا مفتی محمود کے تین انٹرویوز کے جو انہوں نے مختلف مواقع پر "بی بی سی"

کو دیئے تھے اقتباسات پیش کئے اور ان کی آواز سنائی گئی "بی بی سی" کے نمائندے طاہر مرزا نے پروگرام کے آغاز میں بتایا کہ مولانا مفتی محمودؒ نہ صرف پاکستان کے ممتاز دینی رہنما تھے، بلکہ ایک عظیم سیاستدان بھی تھے، انہوں نے قیام پاکستان سے قبل جمیعت علماء ہند کے سرگرم کارکن کی حیثیت سے مسلمانوں کی خدمت سرانجام دی اور قیام پاکستان کے بعد انہوں نے خود کو پاکستان کی سیاسی اور معاشی جدوجہد سے وابستہ کرلیا، وہ قیام پاکستان کے بعد ہی ترقی پسند نظریات رکھتے تھے اور پاکستانی سیاست میں ۱۹۷۰ء کے عام انتخاب میں صوبہ سرحد کے عوام نے ان پر زبردست اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ بعد ازاں بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد بھی وہ سیاست میں آگے آگے تھے۔ مولانا مفتی محمودؒ شیخ مجیب الرحمن کی عوامی لیگ کے ۶ نکات سے متفق نہیں تھے اور صوبائی خود مختاری کے مخالف تھے اس دوران پروگرام میں مولانا مفتی محمودؒ کے ۱۹۷۰ء میں "بی بی سی" کو دئے گئے ایک انٹرویو کا اقتباس پیش کیا گیا، جس میں مولانا مفتی محمودؒ نے کہا تھا کہ

"پاکستان مختلف صوبوں پر مشتمل ہے اور ہر صوبے کے لوگوں کی مختلف زبانیں ہیں اور ان کی ثقافت بھی اپنی اپنی ہے تاہم پاکستان کو ایک مملکت کی حیثیت سے لازماً ایک ہی ملک اور مستحکم ملک ہونا چاہیے اور ایسی صوبائی خود مختاری کے ہم مخالف ہیں جس سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچے"

"بی-بی-سی" کے نمائندے نے بتایا کہ جب صوبہ سرحد میں نیپ اور جمیعت علماء اسلام پر مشتمل مخلوط حکومت بنی تو مولانا مفتی محمودؒ کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مولانا مفتی محمودؒ کے مسٹر بھٹو سے اختلاف بڑھتے گئے اور جب بھٹو کی حکومت نے نیپ کو بلوچستان کی حکومت سے برطرف کیا تو مولانا مفتی محمودؒ نے بھی احتجاجاً وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا، مولانا مفتی محمودؒ جمہوریت پر اپنے تصور کا بار بار اعادہ کرتے رہے ہیں، اس موقعہ پر مولانا مفتی محمودؒ کے ایک انٹرویو کا اقتباس پیش کیا جو انہوں نے ۱۹۷۷ء میں کالعدم پی این اے کے سربراہ کی حیثیت سے "بی بی سی" کو دیا تھا۔

مولانا مفتی محمودؒ نے اس انٹرویو میں کہا تھا کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ پاکستان میں ایک جمہوری نظام نافذ ہو اور ہمارا یقین ہے کہ جمہوری حکومت قائم کئے بغیر پاکستان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ "بی-بی-سی" کے مطابق مولانا مفتی محمودؒ اپنی خرابی صحت کے باوجود سیاست میں بھرپور حصہ لیتے رہے وہ اسلامی نظام پر بھی مکمل یقین رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی بات توجہ سے سنی جاتی تھی۔ مولانا مفتی محمودؒ نے "بی-بی-سی" کو دئے گئے انٹرویو میں کہا تھا کہ

پاکستان اسلام کے لئے بنا ہے اس لئے معاشرے کی اصلاح اسلامی اقدار اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان میں قانون بھی اسلام کے مطابق بنایا جائے اور اس پر جتنی جلدی ممکن ہو کام شروع کرایا جائے۔

"بی-بی-سی" بیرون ملک مقیم پاکستانی باشندوں کے معاملات سے متعلق صدر پاکستان کے مشیر معظم علی نے کہا ہے کہ مرحوم مولانا مفتی محمودؒ ایک بہت بڑے دینی رہنما تھے اور پاکستانی سیاست میں انکا انتہائی اہم کردار رہا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ کی یاد میں "بی-بی-سی" کے ایک خصوصی پروگرام میں انٹرویو دیتے ہوئے مسٹر معظم علی نے کہا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد مولانا مفتی محمودؒ کا دلی لگاؤ پاکستان سے ہو گیا تھا، اور بعد ازاں اپنی زندگی میں انہوں نے پاکستان کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دئے جب کہ قیام پاکستان سے پہلے وہ جمعیت علماء ہند کے کارکن کی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ "بی-بی-سی" کے اس سوال پر کہ مولانا مفتی محمودؒ کو کالعدم پاکستان قومی اتحاد کا سربراہ کیوں منتخب کیا گیا؟ مسٹر معظم علی نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ

چونکہ ان کا کردار مضبوط تھا اور اس بات کا امکان نہیں تھا کہ مسٹر بھٹو کے ہاتھوں بک جائیں گے یا انہیں زیر کر لیا جائے گا، اس لئے تمام کالعدم سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے انہیں متفقہ طور پر اپنا لیڈر منتخب کیا تھا ایک اور سوال کے جواب میں مسٹر معظم علی نے کہا کہ

صوبہ سرحد میں مولانا مفتی محمودؒ نے کالعدم نیپ سے اس لئے اتحاد کیا تھا کہ مجموعی طور پر نیپ کے رہنما پاکستان کی بہتری چاہتے تھے۔ بی بی سی کے ایک سوال پر کہ مولانا مفتی محمودؒ کی وفات پر پاکستان کی موجودہ سیاست پر کیا اثر پڑے گا مسٹر معظم علی نے کہا کہ مولانا مفتی محمود کی وفات سے پاکستان کی سیاست میں بہت بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے جو آسانی سے پر نہیں کیا جا سکے گا۔

قومی اخبارات و جرائد

روزنامہ جنگ کراچی، ۱۵ اکتوبر ۸۰ء

مولانا مفتی محمودؒ

مولانا مفتی محمودؒ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے **انا للہ وانا الیہ راجعون** اس الم انگیز سانحہ کی خبر پاکستان اور پاکستان کے باہر ہر جگہ بڑے صدمے اور گہرے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی، مولانا حج کے ارادے سے کراچی پہنچے تھے لیکن ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے وہ خانہ خدا کی زیارت کے قصد سے نکلے تھے لیکن اللہ نے خود اپنے پاس بلا لیا موت اپنے وقت پر ہوتی ہے اس کی آمد میں نہ ایک لمحے کی تاخیر ہوتی ہے اور نہ تعجیل ہوتی ہے انسانی اور قومی مصلحتوں کا تقاضا خواہ کچھ ہو حکیم مطلق کی مصلحت تمام مصلحتوں پر غالب ہوتی ہے خدا کا جب یہ اٹل فیصلہ آجاتا ہے تو اس کے بندوں کے لئے بہترین راہ اس کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کر دینا اور صبر اختیار کرنا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ ایک بلند پایہ عالم دین اور متعدد اہم دینی کتابوں کے مصنف علوم قرآنی اور حدیث و فقہ کے استاذ جلیل ہونے

کے علاوہ ایک کامیاب سیاستدان اور قومی رہنما بھی تھے ۔ بلاشبہ تقسیم برصغیر سے پہلے کے ان کے سیاسی مسلک اور قیام پاکستان کے بعد ان کی بعض سیاسی وابستگیوں کی بنا پر بعض لوگوں نے ان سے سیاسی اختلاف کیا لیکن ان کے مخالفین بھی اس بارے میں ذرہ برابر شک کا اظہار نہیں کرسکتے تھے ، کہ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کے ساتھ اتنی ہی یا اس سے زیادہ محبت کرنے والے تھے ، جتنی کہ تحریک پاکستان میں حصہ لینے والی کوئی شخصیت پاکستان سے محبت کرسکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب مولانا مفتی محمودؒ نے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں نہ صرف حصہ لیا ، بلکہ اسکی کامیاب قیادت کی تو وہ پوری ملت پاکستان کے ایک متفقہ لیڈر اور غیر متنازعہ شخصیت بن گئے ۔ اور ان کا مقام و مرتبہ عوام کی نظروں میں بہت سے ہم عصر قائدین سے زیادہ ہو گیا ۔

مولانا مفتی محمودؒ نے اسلامی دستور کی تحریک کے علاوہ تحریک ختم نبوت اور تحریک بحالی جمہوریت میں بھرپور حصہ لیا لیکن ان کے اصل کارنامے کا تعلق تحریک نظام مصطفیٰ کی قیادت اور رہنمائی سے ہے ، یہ مولانا مفتی محمودؒ ہی کی شخصیت تھی جس کے اطراف ملک کے تمام سیاسی رہنما اور پوری ملت پاکستان جمع ہو گئی تھی عوام انکے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے ۔۔۔

اس تحریک کے دوران انتہائی نازک مراحل پیش آئے لیکن مولانا مفتی محمودؒ کے تدبر اور ان کی استقامت نے تحریک کو تمام مراحل سے نکال کر کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا ۔ اس تحریک کے نتیجے میں ہی ملک سے آمریت کا خاتمہ ہوا اور یہ اس تحریک ہی کا سب سے بڑا حاصل ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کو اسلامی نظام کے قیام کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ۔ اس کا کریڈٹ اجر و ثواب مولانا مفتی محمودؒ کو اور ان کے ساتھ مل کر تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں حصہ لینے والے تمام خواص و عوام کو پہنچتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں اسلامی دستور کی جس تحریک کا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا تھانویؒ مولانا ابو الحسناتؒ اور دیگر علماء نے آغاز کیا تھا اسے کامیابی کے بڑے اور آخری مرحلے تک پہنچانے کی سعادت مولانا مفتی محمودؒ کو حاصل ہوئی ۔

مولانا مفتی محمودؒ کی جدائی نے ہمیں ایک قیمتی شخصیت اور قابل قدر رہنما سے محروم کر دیا ہے خصوصاً سیاست کے میدان میں کوئی شخصیت قابل ہوتی ہے اور کوئی دیانتدار ہوتا ہے تو اسکی قابلیت معرض بحث آجاتی ہے ایسی شخصیتیں بہت کم ہوتی ہیں جن کی قابلیت و دیانت دونوں مسلمہ ہوں ۔

مولانا مرحوم ایک ایسی ہی شخصیت تھے عالم ہونے کے ساتھ ایک نہایت قابل اور دیانت دار سیاست دان بھی تھے ، اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطاء فرمائے اور انہیں اپنے مقربین میں جگہ دے اور ان کے اعزہ و احباء اور پوری ملت پاکستان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

==

روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵ اکتوبر ۸۰ء

مولانا مفتی محمودؒ کا انتقال

مولانا مفتی محمودؒ کی وفات سے ملک وقوم ایک ممتاز عالم دین اور ایک بزرگ سیاست دان سے محروم ہوگئے ہیں وہ حج بیت اللہ شریف کے عزم سے چند روز قبل کراچی پہنچے تھے اور اس مبارک سفر پر روانہ ہونے سے پہلے جامع مسجد بنوری میں اپنے احباب سے تبادلہ خیال کررہے تھے کہ انہیں دل کا شدید دورہ پڑا اور طبی امداد کے لئے ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی ان کی روح جسد خاکی سے پرواز کرگئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مفتی محمودؒ کا تعلق ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک گاؤں عبدالخیل سے تھا لیکن تدریسی زندگی کا بیشتر حصہ انہوں نے ملتان میں بسر کیا وہ ایک دینی درسگاہ مدرسہ قاسم العلوم کے مہتمم کے طور پر فرائض ادا کرتے رہے انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز قریباً ۴۰ سال پہلے قوم پرست علماء کی تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے کیا تھا اور قیام پاکستان کے بعد وہ جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ ہوگئے اور بڑے عرصے تک ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اس تنظیم کی قیادت اور رہنمائی کرتے رہے قومی سیاست میں انہیں اہمیت ملنے کا آغاز ۱۹۶۴ء میں ہوا جب وہ ایوب خان مرحوم کے آئین کے تحت پہلے (بالواسطہ) انتخاب میں قومی اسمبلی کے رکن بنے اور پھر انہوں نے بحالی جمہوریت اور نظام اسلام کے نفاذ کی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں انہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان کے کالعدم پیپلز پارٹی کے سربراہ مسٹر بھٹو کے مقابلے میں بھرپور کامیابی حاصل کی۔ اپنی اسی کارکردگی کا اعادہ انہوں نے مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ڈیرہ اسماعیل خان کے علاوہ ڈیرہ غازی خان کے حلقہ سے کامیابی حاصل کرکے کیا۔

اگرچہ وہ مئی ۱۹۷۲ء کے بعد نودس ماہ کے لئے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں، لیکن انہیں قومی سطح پر غیر معمولی اہمیت مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے لئے قائم ہونے والے (اپوزیشن جماعتوں کے مشترکہ محاذ) پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ منتخب ہونے سے حاصل ہوئی تھی، جس میں ملک بھر کے عام لوگوں کی والہانہ تائید سے شخصی آمریت کے خاتمے۔ بحالی جمہوریت اور نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کی تحریک میں جو عہد آفریں کردار ادا کیا اس کی سربراہی کا شرف مولانا مفتی محمودؒ کو ہی حاصل رہا۔

عبوری آئین (اپریل ۱۹۷۲ء) کے نفاذ کے بعد جب صوبوں میں بھی اسمبلیوں اور صوبائی حکومتوں کے قیام کی راہ ہموار ہوئی تو مئی ۱۹۷۲ء میں مولانا مفتی محمودؒ نے کالعدم نیپ کے اشتراک کا جو معاہدہ کیا اس میں سرفہرست نکتہ اسلامی نظام کا قیام ہی تھا، لیکن فروری ۱۹۷۳ء میں جب بلوچستان اور سرحد میں کالعدم نیپ سے تعلق رکھنے والے گورنروں کو سبکدوش کرکے بلوچستان کی وزارت کو برطرف کردیا گیا، تو مولانا مفتی محمودؒ نے اسے وفاقی حکومت سے ایک خلاف جمہوریت وآئین قرار دیتے ہوئے سرحد کی وزارت اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور وفاقی حکومت کے پرزور اصرار کے باوجود اپنے اصولی موقف پر قائم رہے، اس مختصر عرصہ اقتدار میں

انہوں نے اہل اقتدار کے مروجہ اور روائتی کروفر کے بجائے سادگی اور انکسار سے کام لیا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں درویشی کی ایک نئی مثال اور روایت قائم کی۔

مولانا مفتی محمودؒ اب خالق حقیقی کی بارگاہ میں چلے گئے ہیں، جہاں ہر شخص (خواہ اس فانی دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہو) صرف اپنا ہی نامہ اعمال لے کر پیش ہوتا ہے اور علیم وخبیر اللہ تعالی سے اس کے زاد راہ میں خیر اور شر کا ذرہ بھی پوشیدہ نہیں رہتا، چنانچہ اس فانی دنیا سے رخصت ہونے والے کے لئے خواہ وہ عامی ہو یا عالم، سب مسلمان بخشش اور مغفرت کی ہی دعا کرتے ہیں ہماری بھی یہی دعا ہے، کہ اللہ تعالی مولانا مفتی محمودؒ کی نیکیوں اور دینی خدمات کو قبول فرمائے انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور ان کے پسماندگان، احباب، ساتھیوں اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل کے ساتھ دینِ حق کی سربلندی کے لئے ان کوششوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جن کی وجہ سے مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال پر ملک میں رنج وغم کے اظہار کے ساتھ ان کے لئے دعائے خیر کی جارہی ہے۔۔

روزنامہ امروز لاہور ۱۶-۱۰-۸۰

موتُ العالِم موتُ العالَم

مولانا مفتی محمودؒ رحلت کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ جید عالم دین اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ تبلیغ دین میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کا اصل میدان یہی تھا، تفسیر، حدیث اور فقہ میں منتہیٰ تھے، زندگی کا بیشتر حصہ دینی علوم کی تدریس میں ہی گذارا، آپ کے تلامذہ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، "چراغ جلتا ہے" کے مصداق ملک کے طول وعرض میں رشد وہدایت کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔ مولانا مفتی محمودؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں اسی دور کے ممتاز علماء دین سے کسب علم وفیض کیا، مولانا فخر الدین احمدؒ سے (جو بعد میں دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے) کتب حدیث کی تکمیل کی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف دینی مدارس میں تعلیم وتعلم پر مامور رہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا مفتی کفایت اللہ سے بہت متاثر تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں ہی سیاست سے دل چسپی پیدا ہوئی، ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں اپنے اکابر کی رہنمائی میں انہوں نے یو پی میں کام کیا، اس دور میں جمعیتہ علماء ہند سے وابستہ ہوئے ۱۹۴۲ء میں "ہندستان چھوڑ دو" کی تحریک میں حصہ لیا، ۱۹۴۶ء میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ انتخابی دورے میں شریک رہے۔

قیام پاکستان کے بعد ان کی زیادہ تر توجہ علومِ دینیہ کی تدریس پر مرکوز رہی، مدرسہ قاسم العلوم ملتان کا اجراء (۱) و فروغ آپ کی مساعی کا رہین منت ہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں شرکت سے ان کی سیاسی سرگرمیوں کا احیاء ہوا ۱۹۶۲ء میں وہ پہلی بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ دوسری بار ۱۹۷۰ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۷۷ء میں انہیں یہی اعزاز حاصل ہوا ۱۹۷۲ء میں وہ دس ماہ تک صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہے۔ ایوب خان کے دور میں وہ بحالی جمہوریت کے لئے مسلسل جُہد آزما رہے اور سابق وزیر اعظم بھٹو کے دور حکومت میں بھی انہوں نے نظامِ مصطفےٰ ﷺ اور بحالی جمہوریت کی عدیم النظر تحریک کی رہبری کا فرض جس تدبر و فراست اور بے جگری سے ادا کیا، پاکستان کا ایک ایک فرد اس سے آگاہ ہے۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکیں اور جب تک ان کی قیادت میں چلنے والی تحریک کامیاب نہ ہو گئی، انہوں نے آرام اور چین کو اپنے اوپر حرام کئے رکھا۔ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات کے معترف تھے، اور عمائدین حکومت بھی ان کے علم و فکر سے استفادے کو بہت اہم جانتے تھے۔ انکی وفات حسرت آیات پر صدر ضیاء الحق اور چاروں صوبوں کے گورنروں کی طرف سے گہرے رنج والم کا اظہار کیا گیا ہے وہ مولانا مفتی محمودؒ سے ان کے قلبی لگاؤ کا آئینہ دار ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ شرافت و نجابت کا نمونہ، اسلامی اخلاق و تہذیب کے امین اور حلم و بردباری میں فرد واحد تھے۔ معاملہ فہمی کا بے پناہ ملکہ رکھتے تھے۔ اپنے انہی اوصاف، خاص طور پر اپنے علمی تجربہ کی بنیاد پر تمام حلقوں میں مقبول تھے، ان کی رحلت سے ملک و ملت ایک راست فکر، راست باز اور راست گفتار رہنما سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اس مرد حق بین و حق آگاہ کی مغفرت اور اعزہ و متعلقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

روزنامہ جسارت کراچی ۱۶ اکتوبر ۸۰

مفتی صاحبؒ منفرد عہد سیاست

مولانا مفتی محمود صاحبؒ منگل کے روز ایک علمی مجلس میں زکوٰۃ و عشر پر اپنے فقہی نقطۂ نظر کا اظہار کر رہے تھے، کہ اچانک خالق حقیقی سے دعوت اجل آئی، انہوں نے جاری گفتگو موقوف کی اور خاموشی سے اللھم لبیک کہہ کر ایک طرف لڑھک گئے۔ لوگ لپک کر مزاج پرسی کو پہنچے تو وہ اپنے سفرِ آخرت کی منزل طے کر چکے تھے۔ تفہیم دین کی اس مصروفیت کے عالم میں سفرِ آخرت کا یوں طے ہو جانا واقعتاً ایک عالم دین اور مخلص خدمت گذار دین کے شایانِ شان خاتمہ ہے اور ہر مسلمان کے لئے قابل رشک ہے یہ جہاد ابلاغِ دین کی راہ

(۱) یہ صحیح نہیں ہے کہ قاسم العلوم ملتان کا اجراء حضرت مفتی صاحبؒ نے کیا، چونکہ قاسم العلوم ملتان کا سنگ بنیاد سنہ ۱۹۴۶ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے رکھا ہاں البتہ قاسم العلوم ملتان کی ترقی حضرت مفتی صاحبؒ کی مساعی کی رہین منت ہے۔
(ابو حسنین اکبر ضیاء)

کی مثالی شہادت ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی موت سے پاکستان میں حزب اختلاف کی جمہوری سیاست اور جدوجہد کی تاریخ کا ایک جاندار اور ولولہ انگیز دور تمام ہوا۔ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں جمہوری روایات کو استبدادی یلغار میں نابود ہونے سے بچانے کے لئے بڑی جراءت مندانہ جدوجہد کی وہ اسمبلی کے اندر اور اسمبلی سے باہر حزب اختلاف کے جمہوری ادارے کے دفاع کے سلسلے میں سینہ سپر رہے اور ایک بار ایسا بھی ہوا، کہ انہیں اسمبلی سے باہر اٹھا پھینکا گیا، مگر انہوں نے اسمبلی میں سڑکوں پر جلسوں کے پلیٹ فارموں پر اور جیل خانوں کے اندر ہر اذیت اور ہر تکلیف کی قیمت پر جمہوری اقدار کی پاسداری کا حق ادا کیا۔

اور بعد کی حکومت کے زاویہ نظر نعرے اور لب ولہجے کا فرق دراصل اس تحریک کے اثرات ہی کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اس صدی کے ابتدائی عشروں میں یہ بحث ہوتی رہی ہے، کہ دین اور سیاست کو یکجا ہونا چاہیے یا دین اور سیاست کے دھاروں کو الگ الگ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کی سیاست کو سیکولرازم کی راہ پر چلانے والوں کی خواہش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ دین اور سیاست کے راستے ایک نہ ہوں، بہت سے علماء بھی اس معصومانہ مغالطے میں مبتلا رہے، کہ عملی سیاست میں حصہ لینا خدمت دین سے انحراف ہے، مگر مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور ان کے ہمعصر اکابر علماء نے گویا اپنے عمل سے اس بحث کو غیر موثر کر کے ختم کر دیا، مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی زندگی کی جدوجہد میں دین اور سیاست ہم قدم اور ہم سفر رہے ہیں۔

مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا انتقال بلاشبہ ایک قومی سانحہ ہے اور ان کی موت کی صورت میں اہل وطن کے ایک ہوشمند اور زیرک رہنما اور سیاست دان کو گنوادیا ہے، یہ پوری قوم کا نقصان ہے اور ان کے پسماندگان کے لئے تو یہ بہت ہی بڑا ذاتی نقصان ہے، ہم ان کے تمام پسماندگان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں خدا مولانا کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ہم ان کے صاحبزادگان سے یہ توقع رکھنا بجا سمجھتے ہیں، کہ وہ خود کو اپنے عظیم باپ کا سچا جانشین بنائیں گے اور خود کو مولانا کے تمام اوصاف حمیدہ سے متصف کریں گے۔

مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے میدان سیاست میں محض قائد اختلاف ہی کا کردار ادا نہیں کیا ایک مختصر سی مدت میں انہیں صاحب اقتدار کے کردار کا مظاہرہ کرنے کا بھی موقعہ ملا وہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے اور اپنے عہد وزارت میں انہوں نے قرن اول کے مسلمان حکمرانوں کی سی درویشانہ شان کا مظاہرہ کیا، اپنی مجموعی سیاسی زندگی میں انہوں نے ایک چیز بہت واضح طور پر ثابت کی کہ قدیم اسلامی طرز کی درسگاہوں کے فارغ التحصیل علماء جدید دنیا کی انتہائی شاطرانہ جمہوری فضا میں حزب اختلاف کے پلیٹ فارم سے ایوان حکومت کے اندر ہوشمندانہ اور دیانتدارانہ سیاست چلانے کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی شخصیت کے ساتھ علماء پاکستان میں پہلی بار سیاسی تحریکات پر غالب آئے اور ان کی موجودگی

سیاست کے انداز، اطوار اور نعرے سب بدل ڈالے اور پھر ان ہی کی قیادت میں برصغیر کی ۸۰ سالہ جدید تاریخ کی سب سے زیادہ پر جوش اور ولولہ انگیز تحریک 'تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ' چلی یہ تحریک اپنے منطقی انجام کو کیوں نہ پہنچ سکی، یہ ایک الگ بحث ہے اور اس پر مستقبل میں کھل کر تجزیہ اور بحث ہو سکے گی، مگر بات طے ہے اس تحریک کے اثرات فوراً ہی ختم نہیں ہوئے بلکہ اس کے اثرت ہم آج تک محسوس کر رہے ہیں اس ملک میں فوجی حکومتیں اس تحریک سے قبل بھی رہی ہیں اور اس تحریک کے بعد بھی اس تحریک سے قبل کی فوجی حکومتوں نے دین کے لئے کچھ نہ کیا (اور موجودہ فوجی حکومت میں بہت بڑا فرق ہے کہ اس کی بنیاد اسلام ہے) (ارشد)

روزنامہ مشرق لاہور ۱۶ اکتوبر ۸۰

موتُ العالِم موتُ العالَم

ممتاز عالم دین اور نامور سیاسی راہنما مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت پوری قوم کے لئے ایک المیہ ہے مرحوم نے اپنی ذات کو زندگی کی آخری سانسوں تک تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے وقف کر رکھا تھا وہ سادگی، اخلاص اور عزم واستقامت کا پیکر تھے اور ہر محاذ پر لادینیت اور مطلق العنانی کی قوتوں سے برسرپیکار رہے انہوں نے منبر ومحراب سے بھی رشد وہدایت کی دعوت دی اور سیاست کے خرابے میں بھی اسلام اور جمہوریت ہی کا نام لیا۔ وہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے منصب پر بھی فائز رہے تاہم امر واقعہ ہے کہ ان کے ہر کردار میں اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کا نقش غالب رہا اور انہوں نے ملک وقوم کے لئے ایسی دینی اور سیاسی خدمات انجام دیں کہ قوم انہیں ہمیشہ یاد رکھے گی۔ بالخصوص ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ کے دوران انہوں نے استبداد اور مطلق العنانی کی قوتوں کے خلاف جس پامردی اور عزم وحوصلے کے ساتھ جدوجہد کی وہ تاریخ میں ان کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

روزنامہ وفاق لاہور

آہ مولانا مفتی محمودؒ

مولانا مفتی محمودؒ بھی چل بسے **انا للہ وانا الیہ راجعون** گذشتہ سال انہی دنوں مولانا مودودی کی وفات حسرت آیات نے خادمان اسلام کو غم واندوہ میں مبتلا کیا تھا اور آج اسلامی اقدار کے ایک اور علمبردار اور تحریک نظام اسلام کے قافلہ کے سالار مفتی صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کے باعث پوری قوم نڈھال ہے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحبؒ کی بھاری بھر کم شخصیت صحیح معنوں میں اسلاف کا نمونہ تھی۔ قحط الرجال کے اس دور میں شاید ہی کسی متبحر اور جید عالم دین کو سیاسی زندگی میں اتنا سرگرم فعال اور موثر کردار ادا کرنے کی توفیق ہوئی ہو۔ تحریک پاکستان کی علمبرداری کے بعض بڑے بڑے دعوے داروں کو بھی تحفظ پاکستان کی خدمت کے سلسلے میں وہ جدوجہد نصیب نہیں ہوئی، جو مرحوم کے حصہ میں آئی۔

مرحوم رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ بدل جانے کی بجائے حالات بدلتی ہوئی اقدار اور بگڑتے ہوئے حالات کے مقابلہ میں ڈٹ جانے والے بزرگ تھے۔ علمی وجاہت، دینی قدوقامت اور سیاسی بصیرت کے جواہر ان کی ذات میں اس حد تک نمایاں وعیاں تھے، کہ ہر صاحب نظر پر یہ خوبیاں اور خصوصیات پہلی ہی ملاقات میں آشکار ہو جاتی تھیں۔

مفتی صاحبؒ کی کس کس خوبی اور خصوصیت کا ذکر کیا جائے بخاری شریف کا درس دیتے تو طلباء مسحور ہو جاتے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تو نمازی وجد میں آجاتے، جلسہ عام میں تقریر کرتے تو حاضرین متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، اسمبلی میں خطاب کرتے تو اپنے مخالفین کو مبہوت کر دیتے اور احباب کی مجلس میں ابریشم کی طرح نرم ہونے کی زندہ مثال ثابت ہوتے۔

درویش منش عالم دین وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے تو بھی ان کی درویشانہ زندگی میں کوئی ایسی تبدیلی محسوس نہیں کی گئی جو بالعموم اقتدار کا خاصہ تصور کی جاتی ہے۔ وہی شلوار قمیض، وہی جبہ و دستار، جو علماء سلف کا طرہ امتیاز ہے، مفتی صاحب کا معمول کا لباس اور نہ ان کے طرز گفتار میں کوئی فرق آیا نہ اطوار اور ادوار میں پاکستان کی تاریخ میں۔ اور شاید کسی بھی ترقی پذیر ملک کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی غالباً آخری مثال ہوگی، کہ ایک صوبائی وزارت انتقامی کارروائی کا نشانہ بنتی ہے تو اس پر احتجاج کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ (مفتی محمود) مستعفی ہو جاتے ہیں۔ قلندرانہ اداؤ سکندرانہ جلال کے مظہر، حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے اسلام اور پاکستان کی جو غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، ان کے نتیجہ میں قوم کی اجتماعی زندگی کا رخ لادینیت اور اشتراکیت کی طرف سے موڑنے میں اہم مدد ملی ہے۔ انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں اسلامی قوانین اور اسلامی حدود کے نفاذ کا ذکر سننے میں آرہا ہے اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کا نام تو پہلے بھی لیا جاتا تھا۔ لیکن صرف نام کی حد تک اس نام کو کام سے کوئی غرض نہ تھی۔ آج اسلام کا نام بامقصد اور بامعنی طور پر لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان کو اس مقدس اور مبارک نام کی وجہ سے غیر معمولی عزت و عظمت نصیب ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی زندگی کا یہ اہم پہلو بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے دور کے ہر محب وطن اور محب دین فرد اور گروہ کے ساتھ غیر مشروط اور غیر محدود تعاون کیا ہے اور ملک اور قوم کے ہر بد خواہ کے خلاف محاذ آرائی میں بڑھ کر حصہ لیا مرحوم مذہبی اور سیاسی انار کسٹوں، فرقہ پرستوں کے خلاف صف آرا اور جادہ اعتدال و توازن پر گامزن حلقوں کے شریک و ہمہم رہے، مرحوم کے اس کردار کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۷۷ء کی نظام اسلام کی تحریک کی قیادت مرحوم کے حصہ میں آئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اسلامیان پاکستان کے بھرپور تعاون سے اس تحریک میں کامیابی نصیب ہوئی پاکستان کی تاریخ میں ۱۹۷۷ء کی ولولہ انگیز تحریک اور اس میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی خدمات جلیلہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے بالکل صحیح الفاظ میں مرحوم

خراج تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ اپنی سیاسی بصیرت اور دین کے لئے بے لوث خدمات کے سبب بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور مذہبی اور سیاسی میدان میں ان کے کارہائے نمایاں طویل عرصہ تک یاد رکھے جائیں گے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ گذشتہ چند سالوں سے ذیابیطس اور عارضہ قلب کے باعث اکثر بیمار رہتے تھے۔ لیکن شدید علالت کی بنا پر ہسپتال میں بھی زیر علاج ہوتے تو دینی مسائل حل کرنے میں مصروف و منہمک رہتے، حتی کہ بعض اہم مشورے اور فیصلے ان کے ہسپتال کے کمرہ ہی میں کئے جاتے۔ آخری لمحات میں بھی چند گھنٹے اپنے سیاسی احباب کے ساتھ صلاح مشورہ میں گذارنے کے بعد مرحوم مفتی محمود صاحبؒ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسجد کے حجرہ میں زکوۃ کے بارہ میں بعض فقہی مسائل پر گفتگو میں مصروف تھے اور اسی حالت میں خالق حقیقی سے جاملے۔ عجیب بات ہے کہ اگلے دن سفرِحج کی تیاری تھی، لیکن مرحوم کے عقیدت مند انہیں احرام کے نورانی لباس میں ملبوس دیکھنے کی بجائے کفن پہنانے پر مجبور ہوگئے۔ بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور بالآخر ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی زندگی بھی قابل رشک تھی اور انکی موت بھی قابل رشک۔

روزنامہ آفتاب (ملتان) ۱۶ اکتوبر ۸۰ء

آہ مولانا مفتی محمودؒ:

ممتاز سیاسی رہنما اور جید عالم دین، مولانا مفتی محمودؒ بھی رحلت فرما گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ان کی وفات سے قوم تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ کے قائد اور بحالی جمہوریت کی طویل تاریخی جدوجہد کے راہنما سے محروم ہو گئی ہے ان کی تمام تر زندگی دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گذری اور انہوں نے دین کی خدمت کرتے ہوئے ہی اپنی جان دے دی، اسلام اور قوم کے لئے مولانا مفتی محمودؒ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں انہوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے کسب فیض کیا اور مولانا سید فخرالدین سے جامعہ قاسمیہ مرادآباد میں انہوں نے فاضل درس نظامی اور قاری کی اسناد حاصل کیں، وہ جمعیت علماء ہند سے وابستہ رہے وہ مفتی بھی تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں سیکڑوں، ہزاروں فتاویٰ جاری کئے وہ دینی علوم کے ماہر تھے اور انہوں نے دینی مدرسوں کے لئے نصاب بھی تیار کیا،

ملتان میں مدرسہ قاسم العلوم کا قیام (۱) اور علم کی ترقی اور فیض کے گہوارے کا قیام بھی مفتی صاحب مرحوم کا اعزاز ہے اور

---

(۱) یہ صحیح نہیں ہے کہ قاسم العلوم ملتان کا اجراء حضرت مفتی صاحبؒ نے کیا، چونکہ قاسم العلوم ملتان کا سنگ بنیاد سنہ ۱۹۴۶ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے رکھا ہاں البتہ قاسم العلوم ملتان کی ترقی حضرت مفتی صاحبؒ کی مساعی کی رہین منت ہے۔

(ابو حسنین اکبر ضیاء)

انہیں قوم کے لئے سب سے زیادہ صدمے سہنے اور دکھ اٹھانے کا نام بھی ملا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا مفتی محمودؒ کئی بار جیل گئے سب سے پہلے ۱۹۵۳ء میں اور ۱۹۷۷ء میں اور آخری بار تحریک بحالی جمہوریت کے دوران وہ متعدد بار جیل گئے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کافی زور پکڑ چکی تھی اور تحریک میں وہ پیش پیش تھے۔ اس دوران انہوں نے تقریباً ایک سال جیل میں گذارا ان کے اپنے بیان کے مطابق شروع میں تو انہوں نے جیل میں سخت گھٹن محسوس کی اس کے بعد گھٹن کا احساس ختم ہو گیا۔

==============================

روزنامہ مغربی پاکستان لاہور ۱۶-۱۰-۸۰

مفتی محمودؒ کی رحلت:

پاکستان کے سیاسی دینی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ کالعدم قومی اتحاد کے سربراہ اور ممتاز عالم دین مولانا مفتی محمودؒ کراچی میں دل کا دورہ پڑنے سے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے ہیں **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مفتی صاحب مرحوم حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے اور اسی مقصد عزیز کی خاطر ۱۱ اکتوبر کو کراچی پہنچے تھے وہ بے حد خوش وخرم تھے۔ لیکن ۱۴ اکتوبر کو دوپہر کے وقت بنوری مسجد نیوٹاؤن کے دینی مدرسہ میں علماء سے زکوۃ کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے، کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گر گئے۔ طبی امداد کے لئے انہیں فوراً جناح ہسپتال کے امراض قلب کے وارڈ میں پہنچایا گیا، لیکن راستے ہی میں روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ کراچی سے موصول ہونے والی اطلاع کے مطابق صبح کے وقت خان عبد الولی خان اور سردار شیر باز خان مزاری ان سے ملنے آئے اور تھوڑی دیر بات چیت کر کے لوٹ گئے۔ بعد ازاں بنوری مسجد چلے گئے اور وہیں دل کا حادثہ پیش آیا، جونہی انکی وفات کی خبر ملی، سردار شیر باز مزاری، خان عبد الولی خان، نوابزادہ نصر اللہ خان، خواجہ خیر الدین، اور دوسرے ہزاروں لوگ بنوری مسجد پہنچ گئے۔ نماز جنازہ میں ممتاز رہنماؤں اور مرحوم کے عزیز واقارب کے علاوہ گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی نیز دیگر فوجی اور سول افسروں نے شرکت کی۔

مولانا کا جسد ایک خصوصی طیارہ کے ذریعے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچایا گیا جہاں انہیں ان کے آبائی گاؤں عبد الخیل نزد پنیالہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ (کراچی سے میت ملتان لائی گئی اور ایمرسن گراؤنڈ میں نماز جنازہ پڑھائی گئی پھر آبائی گاؤں لیجائی گئی۔ (ارشد)

مولانا مفتی محمودؒ ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ ایک مشہور سیاسی رہنما بھی تھے ۱۹۷۲ء کے عام انتخاب کے بعد وہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی مقرر ہوئے لیکن جب بلوچستان کی حکومت کو توڑا گیا تو انہوں نے بھی احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا تھا جس کے بعد بلوچستان اور سرحد میں مظاہرے شروع ہو گئے مفتی محمودؒ سابق حکومت کے بڑے مخالفین میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے

۱۹۷۷ء میں پارلیمانی آمریت کے خلاف اور بحالی جمہوریت کے لئے (پاکستان قومی اتحاد) کے پرچم تلے تحریک کا آغاز کیا اور یہ تحریک بالآخر سابق حکومت کے سقوط اور مارشل لاء کے نفاذ پر منتج ہوئی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو نافذ ہونے والے مارشل لاء کے بعد ملکی سیاست میں جو اتار چڑاؤ آتے رہے اور قومی اتحاد شکست وریخت کے جن مراحل سے گذرنے لگا وہ کسی سے اوجھل نہیں ، مفتی محمودؒ صاحب کی سربراہی میں جو تحریک چلائی گئی اس کا سب سے بڑا مقصد جمہوریت کی بحالی اور غیر جانب دارانہ اور منصفانہ انتخابات کا قیام تھا، لیکن سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں میں بڑھتی ہوئی نفرت وکشید گی کے باعث نہ تو بحالی جمہوریت کا مقصد پورا ہو سکا نہ عام انتخابات کی نوبت آئی ، اس کے برعکس داخلی معاملات نے جو صورت اختیار کرلی اس کے نتیجہ میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کے علاوہ سیاسی جماعتیں توڑدی گئیں بلکہ اخبارات پر بھی سنسر لگادیا گیا اور جمہوریت بحال کراتے کراتے سیاست بھی ہاتھ سے گئی ، اس صورت حال کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے غالباً اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ داخلی انتشار ہی ہماری بیشتر خرابیوں اور سیاسی عدم استحکام کا سبب بنتا ہے اور یہی انتشار موجودہ صورتحال کا بھی باعث بنا ہے۔تاہم جہاں تک مولانا مفتی صاحب کی مساعی کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی سربراہی میں سابق حکومت کے خلاف جو تحریک نظام مصطفےٰ ﷺ کے نام پر چلائی گئی ہے وہ اس حکومت کو لے بیٹھی اور یہی غالباً ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جائے گا۔ملک کی آئندہ صورت حال کے بارے میں مفتی صاحبؒ پارلیمانی جمہوری نظام کے قیام کو ترجیح دیتے تھے ۔چنانچہ کچھ عرصہ قبل اخبارات میں نظامِ حکومت سے متعلق جو بحث چلتی رہی اس میں انہوں نے اسی موقف پر صاد کیا تھا۔ان کی وفات سے ملک کے سیاسی اور دینی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جائے گا اور شاید ہی پُر ہو سکے ، کیونکہ اب ان جیسی پہلو دار شخصیتیں کہاں؟ جو بیک وقت مذہب وسیاست میں اپنا سکہ چلاتی اور منواتی رہی ہیں۔ "مغربی پاکستان" جہاں ان کی اخروی زندگی کے لئے دعا گو اور نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہے وہاں ان کے لواحقین کے درد وغم میں بھی شریک ہے۔خدا تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

بادبان ۱۴ تا ۲۴ اکتوبر ۸۰ء

جنگل اداس ہے :

مولانا مفتی محمود بھی اپنے اللہ سے جاملے اور اس شان سے جاملے کے اللہ ہی کہ گھرمیں اللہ ہی کے ذکر میں مشغول تھے کہ موت آئی کہ دوست کا پیغام آگیا۔دل نے مزید دھڑکنے سے انکار کردیا آخری بار جو دھڑکا تو اللہ ہی کے نام پر دھڑکا اور سچ پوچھئے اس دل کی آن بان ہی یہ رہی ہے کہ عمر بھر اللہ ہی کے لئے دھڑکا، اللہ ہی کے راستے پر چلنے کی تمنا میں جوان رہا۔اس دنیا کی کسی شے میں خود کو نہ اٹکایا، خود کو نہ لگایا۔ یہ دل عجیب دل ہے زندہ رہا اور اب جب یہ خاموش ہوا ہے تو اس کی گونج ایک دنیا میں پھیلی ہوئی ہے ،ایک دنیا میں دیکھی جاسکتی ہے ،اس کے چرچے ایک دنیا کی زبان پر ہیں اس کی یادیں دنیا کے سینوں میں ہیں، اس کے لئے ایک تڑپ رہی ہے، ایک دنیا

رو رہی ہے، ایک دنیا غمزدہ ہے، ایک دنیا لٹ گئی ہے اور ایک دنیا کے ہونٹوں پر دعائیں ہیں ہاتھ مغفرت مانگنے کے لئے اٹھ گئے ہیں۔

مولانا مفتی محمودؒ خالص مولوی تھے دینی درسگاہوں میں پلے، بڑے اور جواں ہوئے، چالیس سال قبل سیاست کی وادی میں قدم رکھا اور برصغیر کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی قیام پاکستان کے بعد "جمعیۃ علماء اسلام" سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ بالآخر نظامت اعلیٰ نے ان کے قدم چومے ایوب خان مرحوم کے زمانے میں انہوں نے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور ۱۹۶۲ء میں قومی سطح پر نمایاں ہوئے، پھر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ مولوی مسٹروں پر چھاتا اور اپنا آپ منواتا گیا۔ معاملہ سازی اور سیاسی اقدامات کا لوہا منواتے چلے گئے تاآنکہ ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان سے ہرادیا اس کے بعد تو مسٹر بھٹو کی سیاست سے ان کا بار بار پالا پڑا اور بار بار وہ اسے شکست دیتے رہے۔

مولانا مفتی محمود کی اپنی اور انکی جماعت کی حیثیت اس قدر مستحکم اور اس قدر فیصلہ کن تھی، کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران تشکیل پانے والی سرحد اسمبلی میں کالعدم نیپ اور کالعدم قیوم لیگ میں سے کسی کے لئے بھی ممکن نہ رہا کہ مفتی صاحبؒ کی حمایت اور تعاون کے بغیر وزارت سازی کا خواب بھی دیکھ سکے مفتی صاحبؒ نے اپنی شرائط دونوں گروہوں کے سامنے رکھیں مسٹر ولی خاں اور ان کی جماعت نے انہیں قبول کر لیا اور مفتی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے انہیں مخلوط پارلیمانی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا سیکولر نیپ نے اسلامی نظام نافذ کرنے کا عہد کیا اور مفتی صاحب کی وزارت کا دور شروع ہو گیا۔ وزارت کے دوران مفتی صاحبؒ تھے اور سادگی تھی استغنیٰ تھا، فقر تھا، درویشی تھی، امیری میں فقیری اور فقیری میں امیری کی یہ تصویر تاریخ کے صفحات پر نقش ہو چکی، اسے کوئی نہ تو مٹائے مٹا سکتا ہے نہ چھپائے چھپا سکتا ہے۔

مسٹر بھٹو نے بلوچستان میں نیپ اور جمعیت کی حکومت کو غیر آئینی طور پر برطرف کر دیا تو مفتی صاحبؒ نے احتجاج کرتے ہوئے اپنی وزارت کا استعفیٰ بھی پیش کر دیا ان لوگوں نے دیکھا کہ جب بڑے بڑے دانشمند اور بڑی بڑی غیر ملکی جامعات کے پرورش شدہ اقتدار کے دروازے پر کھڑے ہو کر دم ہلانے ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے تھے مدرسے کے پڑھے ہوئے ایک "مولوی" نے اقتدار کو اس طرح دھتکار دیا جیسے لوگ کوئی پلید جانور کو اپنے دروازوں سے دور بھگا دیتے ہیں۔

مفتی صاحب ملکی سطح پر آگے بڑھتے رہے اور لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب مسٹر بھٹو کے خلاف نو جماعتوں کے محاذ "پاکستان قومی اتحاد" کی تشکیل ہوئی تو قیادت کا تاج رکھنے کے لئے ان سے بہتر کوئی سر نہ مل سکا۔

مفتی صاحبؒ اپنی استقامت کے حوالے سے اس طرح بلند ہوئے کہ ان کے آبائی صوبے سرحد میں "زملاں" کہہ کر ان کے لئے زندباد کے نعرے لگائے جاتے وہ تھے بھی "زملاں" انہوں نے آزادی جمہوریت اور اسلامی اقدار کے ساتھ برسوں پہلے جو ناطہ جوڑا تھا آخر دم تک اس کے لئے زندہ رہے وہ آزادی کے مجاہد تھے۔ آزادی کے لئے زندہ رہے۔ وہ آزادی کے لئے لڑتے رہے۔ اس مرد آزاد کی وفات پر آج ہم اپنے آپ سے تعزیت کرتے ہیں، ان کے اہل خانہ سے تعزیت کرتے ہیں اور جذبہ آزادی سے تعزیت کرتے ہیں۔

کہ مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے۔

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رفتید ولے نہ ازدلِ ما

دل ودماغ کو ہلادینے والی خبر قارئین نے سن لی کہ ملت کی عزیز ترین متاع مولانا مفتی صاحبؒ نے اکسٹھ سال کی ہنگامہ خیز زندگی کے بعد اپنے خالق ومالک کے آستانہ پر ایسے وقت میں اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے، جب چند گھنٹے بعد وہ خدا کے گھر جانے والے تھے، گویا طویل سفر کا تھکا ہارا مسافر بیت اللہ کی بجائے گھر والے کے پاس ہی چلا گیا، لیکن اس کا جانا ایسا ہے کہ ہزاروں نہیں لاکھوں سوگوار ہیں، ان کے کئی عزیز یقیناً غم وصدمہ سے نڈھال ہوں گے اور ہونا چاہیے، کہ کسی خاندان کو ایسا سربراہ خال خال ہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن ہزاروں شاگرد، لاکھوں عقیدت مند اور متوسلین وہ بھی غم سے نڈھال ہیں، بلکہ ہر وہ شخص جسے ملک میں اسلامی نظام کی تحریک اور اعلیٰ اخلاقی قدروں سے تعلق ہے اس نے اس صدمے کو شدت سے محسوس کیا ہے اور مدت تک یہ صدمہ محسوس کیا جاتا رہے گا۔

مفتی صاحبؒ اس طویل وعریض خطہ میں علم ودیانت کی ایک روایت کے وارث تھے انہوں نے بڑے لوگوں سے کسب فیض کیا تھا اور اب وہ خود بڑے تھے اتنے بڑے کہ دوست دشمن ان کی عظمت کا معترف تھا۔ ماضی قریب میں ۷۴ء کی تحریکِ ختم نبوت اور ۷۷ء کی تحریکِ نظامِ شریعت میں ان کا قائدانہ کردار ایسا ہے جو تاریخ حریت وعزیمت کا روشن باب ہے۔ ان مواقع پر انہیں جس درجے کی عظمت وشہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی، وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔ ان کو جلوت وخلوت میں دیکھا۔ بڑے لوگوں کی باتیں ان میں بطریق اتم موجود تھیں۔

افسوس کہ سنگین نوعیت کی مجبوری کے پیش نظر آخری زیارت اور جنازے کی سعادت سے محروم رہا۔ مجھے ان کا طویل مرثیہ لکھنا ہے جس میں مجھ سمیت ہزاروں عقیدت مندوں کی آہیں اور سسکیاں شامل ہوں گی۔ اس وقت ابتدائیہ کے طور پر چند سطور پیش خدمت ہیں دعا ہے اللہ رب العزت انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی وفات حسرت آیات سے پیدا ہونے والے خلا کو اپنی رحمت کاملہ سے پورا فرمائے۔

غم زدہ علوی

(مدیر ہفت روزہ خدام الدین لاہور)

==============================

ہفت روزہ چٹان

اک چراغ اور بجھا

حضرت مولانا مفتی محمودؒ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے **انا للہ وانا الیہ راجعون** رہے نام اللہ کا، مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت بہت بڑا قومی نقصان ہے۔ آپ ایک عالم دین، مبلغِ اسلام، صاحبِ بصیرت سیاست دان اور معاملہ فہم انسان تھے۔ آپ نے نہ صرف پاکستان کی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا، بلکہ اسلام کی سربلندی اور ترویج کے لئے بھی انتھک جدوجُہد کی یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں تھی کہ کچھ سالوں سے آپ کی صحت مصروفیتوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، لیکن آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کا عمل جاری رکھا۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی دینی، ملی، اور سیاسی خدمات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آپ نے عالمِ دین اور مذہبی رہنما کی حیثیت سے بھی اپنے لئے ایک قابلِ رشک مقام پیدا کیا اور باکردار سیاست دان کے طور پر بھی اپنی حیثیت منوائی۔ آپ نے اصولوں کی خاطر صوبہ سرحد کی وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دے کر ایک ایسی مثال قائم کی جو پاکستان کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ اصولوں اور ملک وقوم کی خاطر ہی آپ نے کئی مراحل میں سمجھوتوں اور پیشکشوں کو ٹھکرادیا۔

سیاست اور فکر ونظر کے دوائر میں اختلاف ہوا ہی کرتے ہیں مولانا مفتی صاحبؒ سے بھی بعض حلقے اختلاف کرتے رہے اور آپ نے بھی دوسروں سے اختلاف کیا، لیکن اس کے باوجود ہر حلقے اور ہر مکتب فکر کے دائرے میں آپ کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا تھا اور اس کا سبب آپ کا بے لاگ کردار تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ ایک درویش منش انسان تھے، انہوں نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی وہ اپنے مقام ومرتبہ کے باعث جو کچھ چاہتے حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے کبھی متاعِ ضمیر کا سودا نہیں کیا آپ پہلے بھی کئی مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ اب پھر فریضہ حج ادا کرنے کے لئے پابہ رکاب تھے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلالیا۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی وفات سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی زندگی جدوجہد اور عزم واستقلال سے عبارت تھی۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

==============================

ماہنامہ الحق اکتوبر نومبر

امام صدق وصفا زعیم جہاد وعزیمت

مولانا مفتی محمودؒ

رفتم وازر فتنم یک عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

واویلاہ ۔ وامصیتباہ۔ حیف صد حیف ۴ ذی حجہ کو چودھویں صدی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ آخر شب اپنے ساتھ علم و عمل اور جہاد، سیاست کا ایک ایسا تابندہ ودرخشندہ ستارہ بھی لے کر رخصت ہوا جو ایک عرصہ سے ہر نازک بحران اور ظلماتی لمحات میں ہدایت ورہنمائی کا پیغام اور بینارہ رشد وہدایت بن جاتا تھا۔ ظلم وعدوان سے برسر پیکار قوتوں کے لئے اس کا وجود مرکز ثقل اور اسلام وشریعت کی بالادستی سے سرشار طاقتوں کے لئے اس کی ذات سنگ میل رہتی، جو دینی وعلمی، قومی، ملی کاموں کے لئے قطب الرحی بن گئے تھے اور جو پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں ملکی اتحاد و یکجہتی کی علامت اور یکتا ومنفرد قدر مشترک بن چکے تھے اور جس نے اپنے وجود اور دلآویز شخصیت کی شکل میں دین سیاست کا ایک ایسا حسین امتزاج پیش کیا جس نے عملاً دین وسیاست کی دوری کو کاٹ کے رکھ دیا اور جس نے یہ ثابت کردکھایا کہ قدیم علوم وفنون اور اسلامی مدارس کا ایک فارغ التحصیل مولوی عصر حاضر کے نہایت عیارانہ اور شاطرانہ جمہوری ماحول مغرب کی میکیاولی سیاست کی فضا میں جس ہوشمندی تدبر وبصیرت، وقار ومتانت اور دیانت کے اصولوں اور مؤمنانہ صفات کو سینہ سے لگائے ہوئے بھی قائدانہ اہلیت وصلاحیت کے ساتھ ماحول پر غالب آسکتے ہیں ۔

علماء جنہیں معاشرہ کا عضو معطل، ملائے مسجد ومکتب، دو رکعت کا امام سمجھا اور بنایا گیا اور آج اسے ملکی سیاست اور قومی معاملات کا ایک اہم ترین عنصر سمجھا جارہا ہے اور چاہے یا نہ چاہے علما کی اہلیت صلاحیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا دائرہ عمل مسجد وخانقاہ سے پھیل کر ایوانِ حکومت، اسمبلی اور ہر سیاسی قومی پلیٹ فارم تک وسیع ہو گیا ہے۔ تو اس انقلاب احوال میں حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہ کے طویل اور صبر آزما ہمہ پہلو جہاد اور جدوجہد اور روشن وتابناک کردار کا بھی بنیادی دخل ہے۔ اس مخلصانہ اور بے لوث جدوجہد نے مروجہ سیاست کے اطوار، انداز بدل دیے اور ایک نئی نیو رکھ دی ۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات میں اللہ تعالی نے ایسی بے بہا اور بے حد صلاحیتیں جمع فرمادیں تھیں کہ جس نے واقعی انہیں اس عہد کی تاریخ ساز شخصیت بنا کر رکھ دیا تھا جنہیں دیکھ کر کسی نے سچ کہا ہے کہ آپ کی وفات حقیقت میں صدی کی موت ہے ۔

وسیعُ النظر عالم، فقیہ النفس مفتی، روشن دماغ اور روشن ضمیر رہنما، ہمت واستقامت کے کوہ گراں جراءت وشجاعت کا

سد آہنی کسی مقصد پر ڈٹ جاتے پرائے تو کیا اپنوں نے بھی کبھی ہزار اختلاف رائے ظاہر کیا، مگر آپ کی سختی اور استقامت کو ذرا بھر جنبش نہ ہوتی اور وہ گرد وپیش سے متاثر ہوئے بغیر اپنا سفر جاری رکھتے۔ اس کے ساتھ وسعتِ ظرف اور وسیع المشربی اور نرمی مزاج معاملہ فہمی اور عاقبت اندیشی ایسی ہی مختلف الخیال اور مختلف متضاد و مکاتیب فکر کو ساتھ لے کر چلتے اور منزل مقصود تک پہنچ کر دم لیتے وہ برصغیر کی سب سے بڑی زور دار اور ہمہ گیر تحریکِ نفاذ اسلام کے ہیرو اور قافلہ سالار تھے۔ اس وقت کروڑوں انسانوں نے ان کی قیادت وامامت پر اعتماد کیا وہ بلندیٔ نگاہ دلنوازیٔ گفتار اور جان پر سوز کا متاعِ سفر لے کر میر کارواں کی صفات پر پورے اترے۔ وہ چودھویں صدی کے اس قافلہ صدق وصفا اور کاروانِ جہاد عزیمت کے آخری جرنیل تھے۔ جسے شاہ ولی اللہ نے ترتیب دیا اور جس کو حافظ ضامن شہید، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مضبوط اور مستحکم کیا اور جس کے سالاروں میں حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ شامل تھے۔ اس جماعت حقہ کی شخصیات کو برقرار رکھنے اور اس قافلۂ تسلیم ورضا کے جہاد وعزیمت علم وعمل استقامت وایثار، اخلاص وقربانی کی امانتیں حضرت مفتی صاحبؒ نے چودھویں صدی کے اختتام پر پندرھویں صدی کی دہلیز تک پہنچادیں، تاکہ نئی صدی میں اپنے قابل فخر اسلاف کے مشن پر چلنے والوں کے لئے یہ چیزیں متاعِ عمل اور سرمایہ نجات بنی رہیں، ان کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت جس کی ہمتوں اور محبتوں خلوتوں وجلوتوں اور سفر وحضر کی رفاقتوں اور کفش برداریوں کا اس غمزدہ کو ایک طویل موقعہ اللہ نے دیا اور جو کبھی کبھی شفقت ومحبت کی وجہ سے ۔

"کرم ہائے تو کرد گستاخ"

کا مصداق بھی بن جاتا تھا اس کا یکایک دنیا سے اٹھ جانا، اللہ اکبر، وقعت الواقعة۔ قیامت صغریٰ سے کسی طرح کم نہیں۔ ایسے میں قلم وقرطاس اور ذہن ودماغ ماؤف مفلوج ہو کر یہاں بیان اور اظہار احساسات سے اعتراف عجز کردیں تو کیا تعجب ہو، آج ڈیڑھ ماہ اس سانحہ ہائلہ کو گذرا ہے، مگر قلم نے اپنے آپ کو اتنا عاجز ودرماندہ کبھی نہ سمجھا تھا اور یہی عجز وتعطل پرچہ کی تاخیر کا بھی سبب بن رہا ہے۔ وہ جو محبت اور عظمت کے چراغ گل کر کے رخصت ہوئے تو خدام وعشاق نے بھی کچھ عرصے کے لئے محفل زیست کی شمعیں بجھا دیں تو انہیں سزاوار ملامت نہ سمجھا جائے۔

من المؤمنین رجال صدقوا ماعاهدوا الله علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم من ینتظر

(ترجمۃ ایمان والے کچھ لوگوں نے سچ کر دیکھا یا اس وعدہ کو جوانہوں نے اللہ سے کیا تھا پھر ان میں سے کچھ نے پورا کیا اس عہد کو اور کچھ انتظار کر رہے ہیں (سورۃ احزاب)

==============================

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بھارت

ناظرین کرام اسی شمارے میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سے متعلق ایک مضمون ملاحظہ فرمائیں گے جس میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں انہی دنوں میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب (صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی) کا گرامی نامہ ملا جس میں حضرت ممدوح نے مفتی صاحب کے سانحہ وفات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے تاثرات ظاہر فرمائے ہیں راقم سطور نے مکتوب گرامی کے اس حصہ کا حق سمجھا کہ وہ اپنے ناظرین تک بھی پہنچا دیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیں

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا سانحہ ہماری پاکستانی، علمی، دینی، فکری اور ملکی شریفانہ سیاست میں اتنا بڑا خلا چھوڑ گیا ہے جس کا بدل کہیں نظر نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے علم و تقویٰ کے ساتھ جو سیاسی بصیرت اور وسعت قلبی عطا فرمائی تھی۔ وہ مختلف اور متضاد عناصر کو جوڑ لیتی تھی، ایسی قیادت اب ملک میں ختم ہو گئی ہے۔ اپنے حضرات میں بھی اب کوئی ایسا بالغ نظر درویش صفت سیاسی قائد نظر نہیں آتا بہر حال جو دینی نظام کی داغ بیل اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی صورتیں پاکستان میں بحمد للہ نظر آ رہی ہیں۔ اس میں مفتی صاحب مرحوم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیاست کے پرخار میدان میں رہ کر اپنا دامن بحمد للہ تعالیٰ بچا کر لے گئے۔

وزارت اعلیٰ کے زمانہ میں خود بندے نے درویشانہ زندگی کے نظارے دیکھے، اسلاف کا نمونہ دکھا گئے رائے ونڈ میں اس سال جو بڑا تبلیغی اجتماع ہوا اس میں بندے کی آخری ملاقات حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی مجلس میں ہوئی مجلس کے اختتام پر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے دعا کے لئے کہا اور پندرہ بیس منٹ کی دعا میں آنکھوں سے برابر آنسو بہتے رہے، ان کی اشک آلود آنکھیں اب بھی نگاہ میں پھر رہی ہیں

۳۵ برس قبل (۵۰ برس قبل) مسلمانوں کی خستہ حالی پر فریاد

حیف دیروز کہ من سوئے گلستاں دیدم ہمچو شبنم گل و بلبل ھمہ گریاں دیدم!

جانبِ شام و عراق و سوئے ایراں دیدم ہمہ آفاق پُراز فتنۂ دوراں دیدم

مصر در بستۂ زنجیر غلامیت ہنوز شاہِ البانیہ را بے سروساماں دیدم

نغمہ سنجانِ خراساں و حجاز و شیراز ہمہ را از غمِ صیاد ہراساں دیدم

بنی عباس دریں عہد نہ آلِ سفیان نہ بہ کاشانۂ آں دولتِ عثماں دیدم

ماہِ انور بہ بخارا شدہ درخاک نہاں آہ بے رونقیِ محفلِ تُرکاں دیدم

دردِ حبِ وطن احساسِ بقائے ملت قوم را بے خبر از سکتۂ قرآں دیدم

سبزہ پامال و خزاں دیدہ شدہ برگ و ثمر آہ شیرازہ اسلام پریشاں دیدم

نہ شبِ ماہ نہ گلشن نہ بہارِ لبِ جُو نہ سرِ شاخ گلے مرغ خوش اِلحاں دیدم

مدتے شد کہ در انبوہ وطن قافلہ را مبتلائے المِ شامِ غریباں دیدم

بنگر اے شاہِ امم سوئے لباسِ امت جامۂ ہست نہ دامن نہ گریباں دیدم

آں حریمے کہ دراں درشبِ معراج شبہا قدِ بے سایۂ تو سرو خراماں دیدم

ارضِ پاکش شدہ جولانگہ بیدادِ یہود ہمہ آشفتہ بجوں نعشِ مسلماں دیدم

آں زمینے کہ نشانِ کفِ پایت بودہ بر ہماں خاکِ عرب گنجِ شہیداں دیدم

رام شد حلقہ گرداب یم نیل و فرات کشتیِ دجلہ و بغداد بہ طوفاں دیدم

ہر بلائیکہ شد از گردشِ دوراں پیدا آہ بربادکنِ قومِ مسلماں دیدم

فتنۂ روس کہ آورد بلائے الحاد دشمنِ ملت و غارت گر ایماں دیدم

بصرہ خالی ز حسنؒ ہست ز نعمانؒ کوفہ مسجد و خانقہ و مدرسہ ویراں دیدم

بشنو فریاد ز محمود دلِ افگار و حزیں

کر گرفتار بہ بندِ غم و حرماں دیدم

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء — ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

مولانا عبد المعبود

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ

نام: غلام اللہ خان اور لقب "شیخ القرآن" تھا۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کو ضلع اٹک علاقہ چھچھ کے گاؤں "دریہ" میں مقیم ایک صاحبِ ثروت اور نامور شخصیت ملک فیروز خان نمبردار کے گھر فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ جس کا نام "غلام خان" دادی صاحبہ نے رکھا۔ جو خاندان کی برگزیدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں، بعد ازاں آپ کی گراں قدر دینی خدمات اور علوم قرآن و حدیث کے ساتھ والہانہ تعلق کے پیشِ نظر ایک ولیِ کامل شیخِ طریقت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس اللہ سرہ نے اپنے احباب کی مجلس میں مولانا موصوف کا تذکرہ جمیل سن کر "غلام اللہ خان" کے نام سے نوازا۔ حالانکہ مولانا اس مجلس میں موجود بھی نہ تھے۔ (شیخ القرآن اس مجلس میں موجود تھے) (۱)۔ اللہ والے کی زبان سے نکلا ہوا یہ نام نہ صرف عالمی شہرت کا حامل بنا۔ بلکہ امت کے مقتدر اور شہرہ آفاق نامی گرامی علماء کی فہرست میں امتیازی حیثیت سے اجاگر ہوا۔ جس کی تصدیق و توثیق حضرت شیخ اس طرح فرماتے "تو خاندانی نام کو چنداں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی مگر اللہ والے کی زبان صدق ترجمان سے نکلے ہوئے نام کی صدا اطراف و اکنافِ عالم میں گونج گئی"۔

مولانا کے طالب علمی کے زمانہ ہی میں قرآن مجید کے ساتھ والہانہ عشق اور علوم قرآن سے گہری وابستگی مشاہدہ فرما کر ان کے مرشد و مربی رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "شیخ القرآن" جیسا امتیازی نوعیت کا لقب عطا فرمایا تھا۔ جو دائمی شہرت حاصل کر گیا اور مدیر ماہنامہ "الحق" دامت برکاتہم کے بقول اسلامی تاریخ میں بھی یگانہ و فرزانہ ہے۔ "زبان خلق پر بھی وہ شیخ القرآن کے منفرد لقب سے معروف ہوئے کہ شیخ الحدیث کا لقب اور منصب تو تاریخ اسلام میں چلا آرہا ہے۔ مگر وہ غالباً پہلے بزرگ ہیں، جنہیں شیخ القرآن کے تمغۂ سعادت کے ساتھ شہرت ملی" (ماہنامہ الحق رجب ۱۴۰۰ھ)۔

موصوف کا نسبی تعلق امام محمد بن حنفیہ بن سیدنا علی المرتضیٰؓ سے تھا اور قبیلہ اعوان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ "آفتاب علوم نبوت" علاقہ چھچھ کی "زرخیز" سرزمین میں "خاک کو اکسیر" بنانے والے زمیندار گھرانے میں چودھویں صدی کے ربع اول میں طلوع ہوا۔ والدین نے رائج الوقت تعلیم کے نفع بخش ثمرات سے بہرہ مند ہونے کی غرض سے سکول میں داخل کرا دیا۔ ان کی نیک خواہشات اور مخلصانہ جدوجہد نونہال کو جدی اراضی کا وارث بنانے ہی تک محدود تھیں۔ لیکن قسامِ ازل اسے "انا مدینۃ العلم" کی ضیاء میں وارث انبیاء اور خاندان کے جدِ اعلیٰ "وعلیٌ بابہا" کی فقید المثال تفسیر بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور آپ کی تابناک سرشت میں سیادت و قیادت کا عکس جمیل ہویدا تھا۔

ابتدائی تعلیم: ناظرہ قرآن مجید اپنے گاؤں کے امام مسجد سے پڑھا۔ جبکہ پانچ سال کی عمر میں گاؤں سے دو میل دور موضع "بہادر خان" کے سکول میں داخل ہوئے جہاں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور پھر ہائی سکول میں نویں جماعت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ لیکن قدرت

---

(۱) بروایت مولانا قاری محمد طیب مہتمم جامعہ حنفیہ بوریوالہ۔ حضرت مولانا غلام اللہ خاں اس مجلس میں موجود تھے جس میں حضرت رائے پوریؒ نے آپ کا نام غلام اللہ خاں رکھا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے استاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ رائے پوری سے سنی۔ (ارشد)

نے جس جوہر آبدار سے آپ کے قلب کو منور فرمایا تھا، وہ انہیں علوم اسلامیہ کے حصول پر برانگیختہ کرتا تھا۔ بالآخر آپ کے قلب صافی میں علومِ قرآن وحدیث کے حصول کا اشتیاق ایسا شعلہ زن ہوا کہ اس راہ میں حائل علاقائی اور خاندانی تمام رکاوٹیں پاش پاش کر کے علاقہ پوٹھوہار کے دور افتادہ گاؤں "ججہ" نزد لکھوجا پہنچے۔ جہاں ایک درویش منش جید عالمِ دین استاد العلماء حضرت مولانا احمد دین علوم وفیوض کی ضیا پاشی فرما رہے تھے۔ مولانا موصوف علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں یاد گار اسلاف تھے۔ جنہوں نے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی اور علامہ سیف الرحمن جیسے نابغہ روز گار علماء سے اکتساب علم کیا تھا اور صرف و نحو جو عربی علوم کی اساس ہیں، پڑھانے میں مہارت تامہ اور خصوصی ملکہ رکھتے تھے۔ ان کا تالیف کردہ قانونچہ صرف کی تمام کتابوں سے مستغنی کر دیتا تھا اور نحو میں ہدایت النحو تک پڑھ لینے سے کامل مہارت ہوجاتی تھی۔ اگرچہ اس علم کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے نحو کی تمام کتب انتہائی محنت سے پڑھاتے تھے۔ جس کی شہرت علمی حلقوں میں دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ پرانی طرز کی یہ درس گاہ تکلفات سے مبرا، اسباب راحت وآرام سے بے نیاز صرف اہل دیہ کے "وظیفوں" پر قائم تھی۔ شیخ القرآن جس ناز و نعمت میں پلے اور جو خوراک اور پوشاک عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ سب کچھ یکسر ترک کر دیا۔ مسجد کے فرشِ خاکی پر وقت گزار کر اور نانِ جویں کھا کر اپنی علمی اور مجاہدانہ زندگی کا آغاز کیا۔ انتہائی محنت وکاوش اور جاں فشانی سے فارسی نظم، صرف کی تمام کتب، نحو میں کافیہ تک اور فقہ کی ابتدائی کتب ان سے پڑھیں۔ بعد میں جب مولانا احمد دین ججہ سے اپنے گاؤں "ٹھٹھ" علاقہ سواں تشریف لے گئے تو دوسرے طلبا کے ساتھ مولانا غلام اللہ خان بھی ٹھٹھ چلے گئے۔ استادِ محترم سے جو کچھ سنتے وہ لوح دل پر نقش دوام بن جاتا۔ صرف کی کتب زبانی یاد کرنے کے لئے جس جاں گداز محنت سے کام لیا اس کی ایک حیرت انگیز جھلک ملاحظہ ہو۔ "موصوف" ٹھٹھ کے قریبی جنگل میں نکل جاتے اور ایک سو جنگلی بیر توڑ کر رکھ لیتے۔ پھر قسم کھاتے کہ جب تک میں پوری کتاب کا سبق ایک سو مرتبہ نہ پڑھ لوں یہاں سے اٹھنا اور کھانا پینا حرام ہے، استاذ نے بھی ذہین وفطین شاگرد کو سنگ سے سنگِ پارس بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور علم کی امانت بتمام وکمال اپنے ہونہار طالب علم کو ودیعت کر دی۔

استاذ کے فیضانِ نظر نے آپ کو بہت جلد بامِ عروج کی طرف گامزن کر دیا۔ وہاں سے فائز المرام ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے دوسری جگہ چل دیئے، ہری پور ہزارہ میں مولانا سکندر علی اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد اسماعیل ساکن گوکل سے مختلف کتب کا درس لیا۔ پھر کچھ عرصہ موضع حمیال ضلع اٹک میں بھی زیر تعلیم رہے۔

علوم وفنون کی تکمیل: شیخ القرآن جب اس بحر محیط کے غواص بن کر دربائے ناسفتہ اور گہر ہائے مکنونہ حاصل کرنے کے لئے مستعد ہوگئے تو رحمت ایزدی کا سمندر بھی جوش میں آگیا۔ جس نے آپ کی اعلیٰ علمی وذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور آپ پورے انہماک واستغراق سے معقولات ومنقولات کی دولت سمیٹنے لگے۔ اس زمانہ میں موضع "انھی" تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے مدرسہ حسینیہ میں معقولات کے امام علامہ غلام رسول اور ان کے داماد مولانا ولی اللہ معاون کی حیثیت سے علمی جواہر پارے بکھیر رہے تھے۔ شیخ القرآن بھی اس چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے۔ فقہ، اصول فقہ، معانی، کلام، عقائد، منطق، فلسفہ، ریاضی، مشکوٰۃ شریف، جلالین بیضاوی اور ترجمہ قرآن علامہ موصوف سے پڑھا۔ موصوف وقت سحر سے نماز عشاء تک پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت شیخ

خداداد ذہانت اور غیر معمولی محنت و کاوش کو بروئے کار لا کر بہت جلد عملی اعتبار سے ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ آپ کی قابل رشک علمی وجاہت پر نہ صرف ہم سبق طلبا کو رشک آتا تھا بلکہ اساتذہ بھی داد تحسین دئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ موضع "انھی" کے طالب علمی کے زمانہ میں بہت سی کتب طلباء کو پڑھاتے بھی تھے۔ جو شیخ القرآن کی علمی مہارت کی نادر الوجود مثال ہے۔ گویا کہ ایک ہی وقت میں متعلم اور معلم کی صفت سے متصف تھے۔

قرآنی علوم و معارف کا حصول: علامہ غلام رسولؒ کا معمول تھا کہ اپنے تلامذہ اور مسترشدین کو معقولات و منقولات سے فراغت کے بعد اپنے مرشد کی خدمت میں قرآنی علوم و معارف سے بہرہ یاب ہونے کے لئے واں بھچراں بھیج دیتے تھے۔ جہاں پیر طریقت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے خلیفہ ارشد اور محدث یگانہ، فقیہ زمانہ قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مایہ ناز اور جلیل القدر تلمیذ، رئیس المفسرین الشیخ حسین علی میانوالی کے تپتے ہوئے ریگ زاروں میں قرآن و حدیث کے انمول موتی لٹا رہے تھے۔ موصوف بہت بڑے زمیندار تھے۔ وضع قطع، لباس اور خوراک مبالغہ کی حد تک سادہ تھی۔ ظاہر بین انہیں دیکھ کر عالم ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن "ولی را ولی مے شناسد" کے مسلمہ اصول کے مطابق اہلِ علم حضرات کے ہاں وہ آسمانِ علم و دانش کے آفتاب عالمتاب تھے۔ قدرت نے حضرت موصوف کو یہ شرف بھی عطا فرمایا تھا کہ قرآنی علوم و معارف حاصل کرنے میں صرف تین واسطوں سے نابغہ روزگار، جامع العلوم والحکم امام شاہ ولی اللہ فاروقی دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے۔

(۱) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ۔ (۲) حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور (۳) حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔

علامہ حسین علی فنانی التوحید، علمبردار توحید و سنت، ترجمان حق و صداقت اور پروانہ سنت سید الاصفیا والاذکیا ﷺ تھے، انہوں نے توحید کی ایک ایسی دل ربا شمع فروزاں کر رکھی تھی، جس پر قرآن و سنت کے عشاق پروانہ وار جانیں نچھاور کرتے تھے۔ شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنیؒ نے موصوف کے سانحہ ارتحال کو ملت اسلامیہ کا نقصانِ عظیم قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

"مولانا سید حسین علی صاحب میانوالی جو توحید الٰہی کے بیان میں سیفِ بُراں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبل استقامۃ اور اعلاء کلمۃ الحق میں "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" کی شان کے حامل تھے"۔

(جمعیت علما ہند جلد ۲، ص ۱۶۸ مطبوعہ اسلام آباد)

علامہ غلام رسول نے اپنے شاگرد رشید مولانا غلام اللہ خان کو بھی حسب دستور رئیس المفسرین مولانا حسین علی کی خدمت میں علم تفسیر حاصل کرنے کی غرض سے بھیج دیا۔ حضرت شیخ کے دل میں بھی یہ ولولہ اور جذبہ موجزن ہوا کہ کسی شہرہ آفاق مفسر قرآن کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے قرآنی جواہرات حاصل کروں، تاکہ اب تک کی محنت ثمر بار ہو سکے۔ چنانچہ آپ رختِ سفر باندھ کر واں بھچراں روانہ ہو گئے۔

جب حضرت کی ملاقات سے شرف بار ہوئے اور آمد کا مقصد عرض کیا، تو انہوں نے ایک ایسا سوال پوچھا جو بظاہر سادہ اور معمولی تھا۔ لیکن اس کی پنہائیوں میں علمی اور تحقیقی مباحث مضمر تھیں۔ آپ پر سکتہ طاری ہوگیا اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ اب تک جو کچھ حاصل کیا تھا وہ تو قرآنی علوم کے سمندروں میں سے ایک قطرہ کی مانند بھی نہیں۔ گویا کہ قرآنی اسرار و رموز سے ابھی تک تہی دامن ہوں۔

حضرت شیخ کا سوال یہ تھا کہ سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "اے ایمان والو اپنے وعدے پورے کرو۔ تمہارے لئے چارپائے حلال ہیں" اس میں ایفائے عہد کے ساتھ حلت انعام کا کیا جوڑ ہے۔ اگر سوال فلسفہ، منطق یا ریاضی کا ہوتا تو ایسی جامع مانع تقریر جھاڑ دی جاتی جو سامعین کو مبہوت کر دیتی اور مزید اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ مگر یہاں تو حقائق و معارف قرآنی کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جواب ندارد۔ آپ کی بے بسی کو دیکھ کر شیخ نے فرمایا پھر "یہیں سے قرآن شروع کرلو" حضرت شیخ ربط آیات و سُوَر، تفسیری مباحث، تحقیق و تدقیقِ آیات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے مشکل سے مشکل آیات حل کرنے میں خاص کمال حاصل تھا۔ شیخ القرآن تفسیر القرآن کے سبق میں شامل ہوگئے۔ لیکن علاقہ غیر مانوس، دلکش مناظر سے خالی اور دشت و صحرا پر مشتمل تھا۔ دل جمعی کے اسباب میسر نہ آئے، اور واپسی کا ارادہ کرلیا۔ مولانا عبد الرؤف بھوچھالی کو جب اس کا علم ہوا، تو انہوں نے مشفقانہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ ارادہ ملتوی کرنے پر رضامند کرلیا۔ بعدہ حضرت الشیخ کی بلند پایہ علمی صلاحیتوں اور علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ بصیرت مشاہدہ کرنے اور قرآنی اسرار و رموز سے مستفید ہونے پر طمانیتِ قلبی نصیب ہوگئی اور مولانا عبد الرؤف کے سپاس گزار بن گئے اور عمر بھر احسان مندی کے ساتھ انہیں نیک دعاؤں سے نوازتے رہے۔

شیخ القرآن اپنی عدیم النظیر محنت و کاوش، بے مثال ذہانت و فطانت اور پورے انہماک کے ساتھ شیخ کے افادات عالیہ سے مستفید و مستفیض ہونے لگے۔ شبانہ روز کی جاں گداز محنت کے نتیجہ میں سرچشمہ ہدایت قرآن مجید سے ایسی گہری وابستگی پیدا ہوگئی کہ تادمِ واپسیں چولی دامن کا ساتھ رہا۔ قرآن مجید کے ساتھ غایت درجہ عشق اور علمی کمالات کے پیش نظر شیخ مکرم نے فرمایا تھا "آپ تو شیخ القرآن ہیں" اپنے شاگردِ رشید کی خداداد صلاحیتوں اور علوم و فنون میں بدرجہ اتم مہارت کے پیش نظر شیخ کو بجا طور پر امید وابستہ تھی کہ میرے اشاعت توحید و سنت کے مشن کو تابندہ و پائندہ رکھنے کی پوری استعداد کے مالک ہیں لہذا یہ میرے مشن کے علمبردار ہوں گے چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ استاد محترم کے گلشنِ توحید کی آبیاری شیخ القرآن نے اپنے خون جگر سے کی اور اسے برگ و بار اور پرازمیر و بہار بنا دیا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات   تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

شیخ القرآن علم و دانش کے چشمہء حیواں کی تلاش و جستجو میں نکلے اور پھر سیراب و کامیاب واپس آئے۔ آپ نے ظاہری علوم و معارف کے استفادہ کے ساتھ ساتھ باطنی اصلاح و تربیت کے لئے عارف باللہ علامہ حسین علی ہی کو اپنا مربی بھی بنالیا جن کے تلقین کردہ اوراد و وظائف اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود تادمِ مرگ پابندی سے ادا فرماتے رہے۔ اپنے استاد محترم کے تفسیری اور تشریحی تصریحات و افادات بڑی عرق ریزی سے قلم بند کئے، جو بعد میں "بلغۃ الحیران" کے نام سے ایک نادر الوجود ضخیم تفسیر کی صورت اشاعت پذیر ہوئے۔

علم حدیث کا اشتیاق: شیخ القرآن جب معارف قرآنیہ کا گراں مایہ خزینہ اور علوم فرقانیہ کا بیش بہا گنجینہ حاصل کر چکے تو عشق نبوی ﷺ مقتضی ہوا کہ اپنے آقا اور مولا، مولائے کل ختم رسل ﷺ کی احادیث طیبہ کے انمول موتی بھی حاصل کئے جائیں۔ جس طرح احسان و تزکیہ اور قرآنی رموز و معارف کی روح پرور وادی سے گزرنے کے لئے مرد حق آگاہ اور خضر راہ قدوۃ السالکین رئیس المفسرین مولانا حسین علی برد اللہ مضجعہ جیسا مربی مل گیا۔ اس طرح علم حدیث کے گنج ہائے گراں مایہ سے سرفراز ہونے اور وادی علم وادب کو کامیابی اور فتح مندی سے طے کرنے کے لئے مشیت ایزدی نے جامع معقول والمنقول خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جیسا خضرِ راہ عطا فرمادیا۔

تائید غیبی کے طور پر یہ واقع بھی رونما ہوا، کہ شیخ القرآن کے فنون کے ہم سفر ساتھی مولانا عبد القدیر نے (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن) جو ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شریک تھے، خط لکھا علامہ کاشمیری اکثر بیمار رہتے ہیں لہذا وقت کو غنیمت سمجھیں اور جس قدر جلد ممکن ہو ان سے استفادہ کریں۔ شیخ القرآن نے اس ارادہ سے اپنے مرشد کو آگاہ کیا تو انہوں نے برضاور غبت جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کاغذ کے معمولی سے پرزے پر چند تعریفی اور سفارتی الفاظ تحریر فرما کر علم حدیث کے انوار سے فیض یار ہونے کے لئے، پیکر علم وفضل، نابغة العصر، بحر العلوم علامہ انور شاہ کاشمیری کی خدمت میں دیوبند بھیج دیا۔ علامہ موصوف معارف واسرارِ قرآن وحدیث اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر بے کراں تھے۔ ان کا حلقہ درس حدثنا واخبرنا کے زمزموں سے زعفران زار بنا ہوا تھا اور پوری دنیا میں ان کے فضل وکمال کا طوطی بول رہا تھا۔

شیخ القرآن کو دیوبند پہنچنے پر معلوم ہوا کہ امام العصر علالت کے باعث گھر پر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور امام العصر کو بستر علالت پر پایا۔ آپ کی خدمت میں قدوۃ المفسرین علامہ حسین علی کا گرامی نامہ پیش کیا۔ موصوف مولانا کا اسم گرامی سن کر بے ساختہ فرمانے لگے مجھے بٹھایا جائے۔ بیٹھ کر رقعہ، ادب سے چوما اور غایت عزت واحترام سے آنکھوں پر لگایا۔ پھر فرمایا حضرت کا فرمان سر آنکھوں پر، لیکن افسوس کہ علالت کے باعث آپ کی علمی تشنگی بجھانے سے سردست قاصر ہوں، بہتر ہے کہ آپ دار العلوم (دیوبند) تشریف لے جائیں تاکہ آپ کی علمی تشنگی کا مداویٰ ہوسکے۔ شیخ القرآن جو عزم واستقلال کے پہاڑ تھے اس واقعہ سے کبیدہ خاطر ہوکر ہمت ہارنے کی بجائے فی الفور دارالعلوم تشریف لے گئے جہاں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علومِ نبوّت کے موتی بکھیر رہے تھے۔ حسب دستور استاذ العلماء مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ نے آپ سے داخلہ کا امتحان لیا۔

موصوف آپ کی اعلیٰ صلاحیت، بے مثال قابلیت اور علمی تفوق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اتفاق سے اسباق میں تعارض تھا۔ اس لئے ممتحن نے سفارشی نوٹ لکھا "طالب علم بیحد ذہین وفطین اور ذی استعداد ہے لہذا اسباق کا تعارض رفع کر کے اسے داخل کرلیا جائے" آپ نے دیوبند کے اجلہ شیوخ سے کسب فیض شروع کردیا۔ مگر علامہ انور شاہ صاحب کی طلب وتڑپ میں دل مضطرب رہتا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت کی نعمت سے نوازا، اور اسباق شروع کرادئے، تو شیخ القرآن یہ مژدہ جاں فزا سنتے ہی ڈابھیل خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر "انوری" خزینہ سے علم کے انمول موتیوں سے دامن بھرنے لگے۔ امام العصر کے تبحر علمی کو دیکھ کر بے ساختہ یہ زباں پہ آتا تھا کہ خزانہء قدس کے لدنی سرچشمے تک ان کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب وکوشش سے اس مقام تک رسائی ممکن نہیں۔ بہرحال شیخ القرآن

مرحوم نے جس ذوق وشوق، ولولہ اور انہماک سے معقولات ومنقولات کا علم حاصل کیا تھا- وہی استغراق اور جاں سوز محنت علم حدیث کے حصول میں بھی کار فرما تھی- آپ کا محیرّ العقول حافظہ اور بلند پایہ صلاحتیں امام العصر کی خصوصی توجہ اور باطنی عنایات کا مرکز بن گئیں- دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے "پیش مردِ کاملے پامال شو" پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے- شیخ القرآن کو بھی اللہ کریم نے جس بلند علمی مقام سے نوازا تھا وہ ان کی ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد سے کہیں زیادہ امام العصر کے فیضان نظر کا مرہونِ منت تھا-

شیخ القرآن کے علمی کمالات پر اس فقید المثال واقعہ نے مہر تصدیق ثبت کردی کہ جہاں آپ امام العصر سے علوم نبوّت سے بہرہ یاب اور فیض بار ہو رہے تھے- وہاں منطق اور فلسفہ کے اسباق کے علاوہ رئیس المفسرین علامہ حسین علی کے طرز پر بنگالی طلبا کو تفسیر قرآن بھی پڑھا رہے تھے- یہ اعزاز اور سعادت مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے کہ بیک وقت طالب علم بھی اور شیخ التفسیر بھی-

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.

ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جب یہ قابل صد افتخار اطلاع امام العصر کے گوش گزار ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگردِ رشید کو ایک عمدہ ونفیس خلعت مرحمت فرما کر اپنی مسرت وانبساط کا اظہار فرمایا- امام العصر اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی آپ کے حدیث کے اساتذہ ہیں- اس طرح ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں دورہ حدیث پڑھ کر سیّد الابرار کے عرفان ورموز سے کماحقہ بہریاب اور سیراب ہو چکے تھے- علم کا یہ سمندر تلاطم خیز تھا- مشاہیر اہل علم کے فیضانِ نظر نے انہیں فضیلت وسعادت کا ماہتاب اور زمانے کا امام ومقتدا بنا دیا تھا- چنانچہ آپ "یعلمہم الکتب والحکمۃ" کا جلیل القدر اور رفیع المرتبت مشن لے کر تعلیم وتعلّم کے میدان میں قدم رنجہ فرما ہوئے- امام العصر نے اپنے ظلِ عاطفت میں ایک سال کامل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس پر مامور فرمایا-

تدریس کا آغاز: ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں پنجاب واپس آکر حضرت شیخ القرآن نے علمی زندگی کا آغاز "مدرسہ برکات الاسلام" وزیر آباد میں درس وتدریس سے کیا- عنفوانِ جوانی اور نووارد ہونے کے باوجود آپ کی قابل رشک علمی صلاحیتوں اور قابلیت کی شوکت وسطوت طلباء کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی اور دور دور سے طلباء پروانہ وار آنے لگے- بیک وقت ساٹھ سے زائد طلبا شریک درس ہوتے تھے- شیخ نے جس طرح محنتِ شاقہ، جاں فشانی اور عرق ریزی سے علم کی دولت حاصل کی تھی، اسی طرح پڑھانے میں بھی بے مثال شغف وانہماک دلچسپی اور شوق کار فرما تھا- ان کا اصلی ذوق اور افتاد طبع مطالعہ ہی تھا، جو ان کی غذا اور لازمۂ زندگی بن گیا تھا- حسب ذیل معرکۃ الآرا کتابیں بیک وقت پڑھاتے رہے- مطول- مختصر المعانی، حسامی، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، صغریٰ، کبریٰ، میر زاہد، ملاحسن، ملا جلال، امور عامہ وغیرہ اور مشکوۃ، ہدایہ وغیرھم-

استعداد کامل، فکرِ صائب اور ذہن رسا کے باعث بہت جلد علم کے اس مقام رفیع تک پہنچ گئے، جسے حاصل کرنے کے لئے کہنہ مشق شیوخ اپنی عمریں کھپا دیتے ہیں- اسی زمانہ میں کچھ عرصہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں بھی رونق افروز رہے- شیخ القرآن مرحوم کے نامور تلمیذ رشید مولانا عبد الہادی موجودہ نائب شیخ الحدیث دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کے بیان کے مطابق "بھیرہ" میں پڑھنے والے بعض

نامور شاگردوں کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

مولانا محمد اکرم للہ سردبا ضلع سر گودھا۔ مولانا عبد القادر جھاوریاں ضلع سر گودھا۔ مولانا قاضی مظہر حسین چکوال۔ مولانا محمد اسلم ضلع سر گودھا۔ مولانا محمد زمان میانوالی۔ مولانا علی محمد میاں والی۔ مولانا عبد القیوم خان۔ حال خطیب برطانیہ، مولانا عظیم خان چھچھ۔ مولانا محمد یوسف مانسہرہ اور مولانا حافظ محمد رمضان علوی۔

اگرچہ آپ کی علمی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور طلبا کے بھی ملجاوماوی تھے۔ لیکن علاقہ کے لوگوں کے مشرکانہ عقائد اور بدعات کے خوگر ہونے کے باعث شیخ القرآن کی خالص توحید کے موضوع پر تقریریں مزاج کے موافق نہ آئیں اور طبع ناشاد ہونے لگی۔ بنا بریں مولانا ظہور احمد بگوی مہتمم مدرسہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ بھیرہ سے گجرات منتقل ہوجائیں۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء کو آپ "مدرسہ شاہ حسین" گجرات تشریف لے گئے اور فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں آپ کے والد جناب ملک فیروز خان کو اطلاع ملی کہ "غلام خان" گجرات میں قیام پذیر ہے۔ پدری شفقت شعلہ نواہوئی اور ملاقات کی غرض سے گجرات روانہ ہوگئے۔ ملک صاحب رنجیدہ خاطر تھے میرے بیٹے نے منافع بخش تعلیم حاصل نہیں کی۔ اگر سکول کالج کی تعلیم حاصل کرتا، کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا اور بڑے بڑے لوگ ملنے آتے، میری عزت افزائی ہوتی اور خاندان کا نام روشن ہوتا۔ لیکن ملک صاحب یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئے کہ گجرات کی طرز قدیم کی تعمیر شدہ مسجد کے صحن میں ایک بوریا نشین براجمان ہے سامنے درس نظامی کے منتہی طلباء حلقہ نما ہیں۔ ذی وقار صاحب جبہ و دستار علماء، نامور زمیندار اور بڑے بڑے رئیس قدم بوسی کے لئے نیازمندانہ حاضری دے رہے ہیں۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی۔

بار خدایا! میں تو اس غلط فہمی کا شکار تھا کہ دنیا دار صاحب عزت ووقار ہوتا ہے۔ لیکن علم دین کی برکات دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ اور عقل مسحور ہوگئی۔ کہ میرا بیٹا "غلام خان" شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ لوگوں کے دلوں پر بادشاہی کررہا ہے۔ حقیقی عزت اور شرف ومجد، دین ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر والدِ گرامی قدر کا دل باغ باغ ہوگیا۔

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

تکلفات کی سحر انگیزی سے مبرا سادگی کا زمانہ تھا۔ ملک صاحب متمول زمیندار ہونے کے باوجود ایک سادہ لوح دیہاتی تھے۔ جہاں دسترخوان کی زینت ایک ہی قسم کا کھانا ہوتا تھا۔ لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ "غلام خان" کے دسترخوان پر چند قسم کے کھانے دیکھ کر پریشان ہوگئے کہ پہلے کون سا کھایا جائے اور بعد میں کون سا۔ آخر کہنا پڑا "غلام خان ماں دس تے سہی پہلے کہڑا کھاواں" اب تو علم دین کی عظمت اور بھی آشکارا ہوگئی اور خوشی میں کہنے لگے۔ "ماں کے پتہ ریا جے توں اتنا امیر ہوگیا ائیں" حضرت شیخ نے گجرات کا مشہور تحفہ "چارہ کاٹنے والی مشین" والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اور علم دین کے متعلق جس قدر بدگمانیاں دل میں تھیں سب کافور ہوگئیں اور بیٹے کی شادی خانہ آبادی کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ چنانچہ والد صاحب کی پیش کش پر آپ وطن مالوف چھچھ تشریف لے گئے اور ازدواجی سلسلہ میں منسلک ہوگئے۔

گجرات کے قیام کے دوران آپ نے تدریس کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، آپ کے وعظ کا مرکزی موضوع توحید خداوندی تھا۔ ایمان وعقائد کا یہ اساسی مسئلہ علماء کرام کی بے اعتنائی کا شکار ہوچکا تھا۔ عوام تو در کنار علما تک کو شیخ القرآن کی یہ ادا پسند نہ آئی، وہ آباؤ اجداد کی مشرکانہ رسومات وعقائد کو چھوڑنا ذلت ورسوائی سمجھتے تھے، بعض لوگوں نے پند ونصائح کے ذریعہ شیخ القرآن کو یہ موضوع ترک کرنے کی ترغیب دی، بعض نے اس کے سنگین نتائج کی دھمکی دی، لیکن شیخ القرآن نے کسی کی مخالفت وموافقت کی پروا کئے بغیر اپنا مشن جاری رکھا۔ بالآخر کسی دل جلے کو سوجھی کہ مولانا حسین علی کو بلا کر ننگی توحید بیان کرائی جائے تاکہ لوگ شیخ القرآن کے جانی دشمن بن جائیں اور انہیں مسجد سے نکال دیں۔ چنانچہ کسی نے شیخ کی طرف سے جعلی خط حضرت مولانا حسین علی کی خدمت میں لکھ دیا "کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور مسئلہ توحید بیان فرمائیں۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ کا وعظ سننے کے مشتاق ہیں"۔

شیخ القرآن ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت تشریف لے آئے، حیرت کے ساتھ عرض کیا حضرت کیسے تشریف آوری ہوئی فرمایا "اللہ راضی تھیوی تیںڈا خط ملیا اے جے آ کے مسئلہ سنا جاؤ" حضرت نے پوری شرح وبسط کے ساتھ مسئلہ توحید بیان فرمایا۔ لیکن لوگ غیض وغضب سے بھڑک اٹھے اور شیخ القرآن کو ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء میں مسجد سے جواب مل گیا۔ اگرچہ وقتی طور پر مخالفین اور حاسدین اپنے مذموم ارادہ میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن مشیت ایزدی ان پہ خندہ زن تھی۔ اور ہفت افلاک سے اوپر یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ گجرات کے مدرسہ شاہ حسین کا فاضل مدرس راولپنڈی جیسے بین الاقوامی شہر میں علوم اسلامیہ کا ایک ایسا عظیم المرتبت مرکز قائم کرے جس کی نورانی شعائیں مسلمانان عالم کے دلوں کو منور کردیں۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

راولپنڈی آمد: مولانا سیف الرحمن صاحب نے سابقہ واقفیت کی بنا پر راولپنڈی میں اسلامیہ ہائی سکول میں معلم تعینات کرادیا۔ اور یوں شیخ القرآن راولپنڈی میں عربی مدرس کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اشاعتِ توحید وسنت کا جلیل القدر منصب شیخ کے سپرد کرنا تھا اور اس کے لئے ایک "مرکز" درکار تھا۔ بنا بریں اس مقصدِ عظیم کے حصول کی خاطر تائید غیبی کے طور پر راہ ہموار اور حالات سازگار ہونے لگے۔ ایک طرف پنڈی گھیب کے جلسہ کے موقع پر شیخ الحدیث مولانا شمس الدین، مولانا منور دین اور مولانا عبد الرؤف کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوتی نظر آنے لگیں، جنہوں نے شیخ موصوف کو سکول کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر توحید کی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ترغیب دی اور دوسری طرف ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کے لئے ایک مسجد فراہم کردی جو عظیم الشان دار العلوم کے قیام کی پہلی کڑی ثابت ہوئی، اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جامع مسجد حنفیہ پرانا قلعہ میں مولانا پیر عبد الرحمن نقشبندی مجددی فاضل دیوبند خطیب تھے، انہوں نے اپنی مسجد عید گاہ میں جمعہ شروع کردیا اور مسجد خطیب جدید کا انتظار کرنے لگی۔ شیخ القرآن کے راولپنڈی آنے کے بعد جوش خطابت روبہ ترقی رہا، شعلہ نوا تقاریر نے آپ کو عوام اور خواص میں بہت جلد مقبول بنادیا۔ شیخ کی جادو اثر تقریروں سے متاثر ہو کر مسجد پرانا قلعہ کی انتظامیہ نے پندرہ روپے مشاہرہ کے ساتھ خطابت کی پیش کش کردی۔ موصوف نے فرمایا۔ مجھے تنخواہ کی ضرورت نہیں، میں بلامعاوضہ امامت وخطابت اور فی سبیل اللہ دین کی خدمت کروں گا۔ میری شرط یہ ہے میری بات

سنی جائے اور مجھے قرآن بیان کرنے کی پوری طرح آزادی حاصل ہو۔ اب تک آپ کی شہرت ایک کامیاب مدرس، نامور منطقی، قابل اعتماد فلاسفر اور شعلہ نوامقرر کی حیثیت سے تھی۔ لیکن راولپنڈی میں آمد نے نہ صرف آپ کی علمی زندگی میں عہد آفریں اور تاریخ ساز انقلاب بپا کیا، بلکہ پورے ملک میں خالص اسلامی عقائد و نظریات کے انقلاب کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔

دار العلوم تعلیم القرآن کا قیام: ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء یا ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء میں دار العلوم تعلیم القرآن کی ابتداء پرانا قلعہ کی چھوٹی سی مسجد سے ہوئی۔ جو اپنے عہدِ طفولیت اور ابتدائی ایام ہی سے شائقین علوم قرآنیہ کی توجہ کا مرکز اور مرجع بن گیا۔ اگرچہ شیخ القرآن نے راولپنڈی تشریف لانے کے بعد بھی فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ، ریاضی، عقائد معانی اور کلام وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن یہاں آپ "معلم قرآن" کی حیثیت سے آسمانِ علم و فضل پر ایسے چمکے کہ پوری علمی دنیا آپ کی تحقیق و تدقیق پر ناز کرنے لگی۔ جس سے آپ کو ملک گیر بلکہ عالمگیر لازوال شہرت نصیب ہوئی اور پوری دنیا میں "شیخ القرآن" کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر سیکڑوں فضلاء اس چشمہء علم سے سیراب ہو کر دستار و سندِ فضیلت کے ساتھ دنیا کے گوشے گوشے میں درس و تدریس، افتاو تبلیغ کے فرائض انجام دینے اور تشنگانِ دین و مذہب کو سیراب کرنے میں مصروف ہوگئے چونکہ موصوف اپنے شیخ رئیس المفسرین علامہ حسین علی برد اللہ مضجعہ کی مجسم تصویر، ان کے علوم کے امین اور ان کے علمی اسرار کے آئینہ دار تھے۔ بنا بریں شیخ کی طرز پر قلعہ کی مسجد ہی میں ۲۱ رجب سے ۲۳ رمضان المبارک تک دورہ تفسیر پڑھانا شروع کر دیا۔ پہلے سال نو طلبا نے شرکت کی بعد میں تعداد بڑھتی گئی جو سیکڑوں تک جا پہنچی۔

شیخ القرآن کے ایک مایہ ناز شاگرد مولانا بشیر احمد مہتمم مصباح العلوم خوشاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے "۱۳۶۰ھ/۱۹۴۲ء تفسیر القرآن کے دورہ میں شمولیت کی۔ اس سال پچیس طلبہ دورہ میں شریک تھے۔ پھر یہ تعداد ہر سال زیادہ ہونے لگی اور پرانا قلعہ کی مسجد اپنی تنگیٔ داماں کا شکوہ کرنے لگی" اگرچہ دورہ تفسیر میں دوسرے مدارس کے فارغین کے علاوہ دار العلوم دیوبند کے فضلاء بھی شامل ہوتے تھے۔ تاہم داخلہ کے لئے کسی ادارہ کی سند ہونا ضروری نہ تھا۔ بلکہ تھوڑے بہت پڑھے لکھے طلبا کو بھی اس نظریہ کے پیش نظر داخل کر لیتے تھے کہ کم از کم "مسئلہ توحید تو سمجھ جائے گا"۔

یوں تو نفسِ ترجمہ و تفسیر مختلف مدارس میں پڑھانے کا معمول پایا جاتا ہے۔ تراکیب عربیہ کا حل، فقہی مسائل پر مدلل بحث، سلوک کے مسائل کا استنباط اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل تحقیق ہوتی ہے۔ لیکن قرآن مجید کی جامعیت کے پیش نظر انواع و اقسام کے دیگر موضوعات کے علاوہ سب سے بنیادی اور مرکزی مسئلہ توحید خداوند قدوس کا ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث کیا گیا۔ اور اس مسئلہ کی اشاعت و ترویج شیخ کا مطمح نظر تھا۔ اس بوریا نشین مرد قلندر نے جس دور میں توحید و سنت کی آواز بلند کی۔ اس وقت پنجاب ہی نہیں بلکہ سارا ملک ظلمت کدہ شرک بنا ہوا تھا۔ احبار و رہبان کی اکثریت "لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدّون عن سبیل اللہ" کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ لیکن گلشن توحید کے اس "عندلیب" نے جان کی بازی لگا کر گلشن کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔ جس طرح امام الھند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "الفوز الکبیر" میں قرآن فہمی کے لئے زریں اصول بیان کئے تھے، اسی طرح شیخ القرآن

نے "مقدمہ جواہر القرآن" میں کچھ اصطلاحات اور رہبر اصول ایسے حسنِ انداز سے بیان کئے، جس سے مشکل مسائل خود بخود حل ہوجاتے ہیں اور ان کی جامعیت اور بلاغت سے علماء اور طلبا یکساں طور پر مستفید ہو رہے ہیں، نیز قرآنی تعلیمات کے اصل محور، مرکزی نکتہ اور پیغام ابدی پر ایک مفصل باب "مسئلہ لہٗ" کے عنوان سے زینتِ قرطاس بنایا، جیسے درج ذیل عنوانات کے ذریعہ بڑے سلیقہ سے آشکارا کیا ہے۔ الہٰ کے معنی کی تشریح، قانون لفظ الہٰ اور لفظ اللہ کی تحقیق ان اصول وقواعد کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد طلبا کو تفسیر شروع کراتے تھے۔ اور آپ کا تفسیری اسلوب بیان کئی خوبیوں اور خصوصیات کا حامل تھا۔

ربط آیات، ربط سُوَر، خلاصہ، مسئلہ الہ، تحریمات غیر اللہ اور فرق باطلہ کے دلائل اور ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات وغیرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن بنیادی موضوع مسئلہ توحید ہی ہوتا تھا۔ ایک آیت کا دوسری آیات کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے کے لئے ایسا مفید ترجمہ اور عمدہ تفسیر بیان کرتے، جس سے تمام اشکال کافور ہوجاتے، اسی طرح ایک سورۃ کا دوسری سورۃ کے ساتھ ربط اور ان کے مضامین کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے بیحد آسانی اور عام فہم تفسیر کی جاتی، جس سے نہ صرف آیات کی پیچیدگیاں رفع ہوجاتیں بلکہ آیات وسُوَر اور مختلف مضامین موتیوں کی لڑی کی طرح منظم اور مربوط نظر آتے۔

"خلاصہ" شیخ القرآن کے ہاں ایک مایۂ ناز اصطلاح تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک ماہر دواساز کسی چیز کا عرق کشید کرتا یا عطر ساز "روح" کشید کرتا ہے، یا پھر آج کل کے ماہرین جس طرح ہر چیز کا "جوہر" نکالتے ہیں۔ اسی طرح بڑی سے بڑی سورت بلکہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ صرف چند جملوں میں بیان فرمادیتے تھے، جس کی چند ایمان افروز اور روح پرور جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

"سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ **لکل شیٔ لبابٌ ولباب القرآن الحوامیم**۔ ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا خلاصہ حوامیم ہیں (وہ سات سورتیں مراد ہیں جن کی ابتدا میں لفظ حٰم آیا ہے)۔ اور تمام حوامیم کا مبداء سورہ زمر ہے، اور سورہ زمر میں یہ دعویٰ مذکور ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ جبکہ حوامیم سبعہ کا دعویٰ یہ ہے کہ حاجات ومشکلات میں غائبانہ صرف اللہ ہی کو پکارو، اور صرف اسی سے استمداد اور استعانت کرو۔ اس طرح سورہ زمر کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں **ایاک نعبد** میں اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ **ایاک نستعین** میں آگیا، اس اعتبار سے سارے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں آگیا اور سورہ فاتحہ کا خلاصہ "**بسم اللہ الرحمن الرحیم**" میں موجود ہے اور **بسم اللہ** کا خلاصہ اس کی "ب" میں پایا جاتا ہے، گویا سارے قرآن کا اصل مقصد باء استعانت میں مضمر ہے۔ اب پورے قرآن کا خلاصہ یہ نکلا کہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے، مالک ومختار، متصرف اور کارساز اللہ ہی ہے۔ لہٰذا غائبانہ حاجات میں اسی کو پکارا جائے اور اسی سے استعانت کی جائے" (تفسیر جواہر القرآن جلد اوّل ص ۲/۳)۔

حضرت شیخ نماز کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ "کچھ کہنا اور کچھ کرنا"

حضرت شیخ القرآن اس نظریہ کے داعی تھے کہ قرآن مجید اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کائنات کی تخلیق اور انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ہی توحید باری تعالیٰ کی توضیح کرنا ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت وصراحت اور تبلیغ واشاعت پر قرآن مجید کا ہر ہر حرف دلالت کررہا ہے جیسے متعدد سورتوں میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر۔ سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۸۵ میں ہے۔ **وماخلقنا السموت والارض وما بینھماالا بالحق**۔

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا ہم نے زمین وآسمان اور جو کچھ اس کے درمیان واقع ہے مگر حق (یعنی توحید) کے لئے اور سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۲۵ میں ہے۔ **وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔**

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی الہ نہیں۔ لہذا میری ہی عبادت کرو۔ قرآن مجید کا لبِ لباب کیسے دل فریب انداز میں بیان کرتے ہیں۔ "پورے قرآن مجید میں چھ مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ توحید۔ رسالت، قیامت، احکام، تخویف اور بشارت، باقی دلائل بطور شواہد اور قصص بطور عبرت کے بیان کئے گئے ہیں۔"

جن اعمال وافعال کی اصلاح کے لئے قرآن سے زیادہ زور دیا ہے اس کا تصور اس طرح پیش کرتے ہیں۔ "نماز، روزہ، زکوۃ کے علاوہ عبادات کی زیادہ تر چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ غائبانہ حاجات میں پکارنا، نذر نیاز دینا، سجدہ کرنا اور طواف کرنا"۔

قرآنی سورتوں کے مختلف اور منتشر مضامین ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔ "ہر سورت کا مرکزی مضمون جسے دعویٰ یا موضوع کہا جاتا ہے۔ بمنزل محور کے ہوتا ہے اور سورت کے باقی مضامیں اس کے گرد گھومتے ہیں یا اس کی مثال بیج اور تخم کی سی ہے جس طرح درخت کے ہر پتے اور شاخ میں تخم کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔ بعینہ اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل موضوع سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اور اسی موضوع کی بنا پر ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق ہر سورت کا دعوی یا موضوع "توحید" ہی قرار دیتے ہوئے شیخ القرآن فرمایا کرتے تھے۔ "قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں توحید کا بار بار بیان بالکل اسی طرح ہے جس طرح ذی الحجہ کی ساتویں، نویں اور گیارہویں تاریخ کو یاد دہانی اور تاکید کے طور پر انہی کا اعادہ کیا جاتا ہے اور مزید احکام بھی بیان کردئے جاتے ہیں۔ پھر گیارویں تاریخ کو ساتویں اور نویں تاریخ کے احکام ہی کا تکرار اور کچھ مزید خصوصی احکام کا ذکر ہوتا ہے اور ساتھ ہی سورت کی خصوصیت بھی مذکور رہتی ہے"۔

سورتوں کے مضامین واحکام کو سلک مروارید میں پرو دینا شیخ القرآن کی تفسیری خصوصیات کا امتیازی شاہکار ہے۔ جس کی ایمان افروز جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

سورۃ النساء کا سورۃ آل عمران کے ساتھ ربط: سورۃ النساء کا سورۃ آل عمران کے ساتھ دو طرح کا ربط ہے۔ ایک اسمی دوسرا رسمی

رسمی ربط: جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ فاتحہ سے مائدہ تک سورتوں کا اسمی ربط اس طرح ہے۔ **ایاک نعبد وایاک نستعین ولا نعبد ولانستعین البقرۃ کما فعلت الیھود والمشرکون ولا آل عمران کما فعلت النصاری ونؤدی حقوق النساء اللھم فانزل علینا مائدۃ انعامک ورحمتک.**

معنوی ربط: سورہ بقرہ میں چار بنیادی مضامین (توحید۔ رسالت۔ جہاد۔ انفاق) بیان کئے گئے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ امور انتظامیہ اور امور مصلحہ بھی مذکور تھے۔ بقرہ میں توحید کا بیان اور شرک کا رد ہر پہلو سے تھا۔ نفی شرک فعلی، نفی شرک اعتقادی، اور نفی شفاعت قہری سورہ آل عمران میں توحید ورسالت سے متعلق شبہات کا ازالہ کیا گیا اور شرک اعتقادی کی نفی کی گئی۔ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی۔ اب مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر منظم کرنے کے لئے سورہ نساء میں تفصیل سے امور انتظامیہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور

ساتھ ہی ایک امر مصلح یعنی نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز امور انتظامیہ پر عملدرآمد کرنے میں ممد و معاون ہے۔ گویا کہ سورہ بقرہ کے مضامین میں سے ایک مضمون یعنی امور انتظامیہ کو سورہ نساء میں شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔" تفسیر جواہر القرآن ج اول ص ۷ = ۲

سورہ رعد: سورہ رعد کو سورہ یوسف کے ساتھ ربط رسمی یہ ہے کہ مسئلہ توحید اس قدر اہم، ضروری اور واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں بھی اس کی تبلیغ کی اور خواب کی تعبیر پوچھنے والوں کو پہلے مسئلہ توحید سمجھایا اور بعد میں خوابوں کی تعبیر بتائی اور رعد فرشتہ اور دوسرے تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں اور ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور یہ ہر قسم کے شرک سے اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں۔

دونوں سورتوں کے درمیان معنوی ربط یہ ہے کہ سورہ یوسف میں ایک بہت بڑی اور مفصل نقلی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیغمبر، کوئی ولی، کوئی فرشتہ اور کوئی جن و بشر عالم الغیب اور کارساز نہیں۔ سورہ یوسف تک یہ دونوں دعوے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر دیئے گئے یہاں تک کہ اب مسئلہ توحید نظری نہیں رہا بلکہ بدیہی ہو گیا۔ معاندین اب محض ضد و عناد کی وجہ سے نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود احتمال تھا کہ یہ دعوے اب تک کسی پر مخفی رہ گئے ہوں اس لئے ان دونوں دعووں کی مزید توضیح و تفہیم کے لئے سورہ رعد میں گیارہ دلائل بطور تنبیہ ذکر کئے گئے ہیں۔ تفسیر جواہر القرآن جلد دوم ص ۵۴۵۔

سورہ زمر: "سورہ زمر کا سورہ ص کے ساتھ نامی ربط یہ ہے کہ سورہ ص میں واضح کیا گیا کہ جن کو تم شفعاء سمجھتے ہو وہ تو خود بطورِ امتحان و ابتلاء بعض جسمانی تکالیف میں ماخوذ ہیں۔ اس لئے اللہ کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب نہیں۔ اب سورہ زمر میں بیان کیا جائے گا کہ اہلِ توحید اور اہلِ شرک (غیر اللہ کو شفیع غالب ماننے والے وغیرہ) مختلف گروہوں (زمر) میں بٹ جائیں گے۔ اہلِ توحید جنت میں اور اہلِ شرک جہنم میں جائیں گے، سورہ زمر کو ماقبل کے ساتھ معنوی ربط یہ ہے کہ سورہ سبا میں نفی شفاعت قہری کا مضمون مذکور تھا۔ اور سورہ فاطر میں بطور تفریع مذکور تھا کہ کارساز اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، حاجات میں مافوق الاسباب صرف اسی کو پکارو۔ اس کے بعد سورہ یٰسین، صافات اور ص سورہ سبا پر مرتب ہیں۔ کیونکہ ان تینوں سورتوں میں علی سبیل شرقی نفی شفاعت قہری کا ذکر ہے۔ اور سورہ زمر سورہ فاطر پر مرتب ہے اور اس کا کچھ حصہ سورہ سبا پر بھی مرتب ہے یعنی **"والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبد هم الا لیقربونا الی الله"** (۱۰۴) اور **"ام اتخذوا من دون الله شفعاء"** (۵۴)۔ جب اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں اور نہ اس کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب ہے تو ہر قسم کی عبادت صرف اسی کی بجالاؤ اور حاجات میں صرف اسی کو پکارو" (جواہر القرآن جلد سوم ص ۲۲ = ۱)

سورہ مومن: سورہ مومن کا سورہ زمر کے ساتھ ربط یہ ہے کہ سورہ زمر میں دعویٰ **"فاعبد الله مخلصاً له الدین"** ۔ گزرا ہے اب اس سورہ حم مومن میں اس دعویٰ کی تفسیر کی جائے گی کہ فاعبد اللہ سے مراد **"فادعوا الله مخلصین له الدین"** ہے۔ یعنی عبادت کی جزو اعظم پکار ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کو غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔ شمع توحید کے گرد توحید کے پروانوں کا جم غفیر ہونے لگا اور پرانا قلعہ کی مختصر سی مسجد میں طلباء کے لئے گنجائش نہ رہی تو شیخ القرآن کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اللہ کے مہمانوں کی اقامت کے لئے موزوں انتظام کہاں اور کیسے کیا جائے؟ اسی اثنا میں تقسیم ملک کی صورت واضح ہو گئی۔ ادھر راجہ بازار کے عقب میں سادھوؤں کی ایک تربیت گاہ واقع تھی، ہندو

منتظمین نے جب محسوس کیا کہ یہ جائیداد ہم سے چلی جائے گی تو انہوں نے سادھوؤں کی تربیت گاہ کو توحید وسنت کے متوالوں کی تربیت گاہ میں بدل دینے کو ترجیح دی اور اس طرح وہ عمارت شیخ القرآن کے نام مسجد اور مدرسہ کے لئے رجسٹری کرادی۔ اگرچہ تقسیم ملکی کے بعد حاسدوں نے اس جگہ کو وار گزار کرانے کیلئے کتنے ہی مقدمات قائم کئے لیکن عدالت نے شیخ القرآن ہی کے حق میں فیصلہ دیا۔ جہاں بعد میں بالائی حصہ میں عظیم الشان مسجد، دارالعلوم اور زیریں میں حصہ میں مارکیٹ تعمیر کی۔ چونکہ یہ جگہ راجہ بازار کے عقب میں تھی اور راستہ بھی دور تھا اس لئے شیخ نے راجہ بازار کی ایک دوکان خطیر رقم کے عوض حاصل کرکے راستہ بنادیا۔

شیخ القرآن کی قرآن مجید سے والہانہ عقیدت، عشق اور وابستگی ہی کا کرشمہ تھا کہ چالیس سال کے طویل عرصہ میں نامساعد حالات کے باوجود کسی سال بھی دورہ تفسیر کا ناغہ نہ ہوا۔ بارہا حق گوئی کی پاداش میں شہر بدر، ضلع بدر اور نظر بندوزبان بند کیا گیا مگر آپ جہاں اور جس حال میں بھی ہوئے رجب، شعبان اور رمضان کے مقدس مہینوں میں اپنی دل آویز آواز میں قرآن کی نغمہ سرائی میں مشغول ہوجاتے، سارا سارا دن تفسیر پڑھانے میں مصروف ومنہمک رہتے، کئی کئی گھنٹے مسلسل پڑھاتے، نہ بیٹھنے سے اکتاتے، نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا اور نہ ہی باوقار اور گرجدار آواز تغیر پذیر ہوتی۔ طلباء تھک کر نڈھال ہوجاتے، مگر قرآن کا یہ سچا عاشق اپنی جبینِ نیاز پر شکن تک نہ آنے دیتا۔

۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں کسی ناگزیر وجہ کی بنا پر تین دن مسلسل روزانہ بیس بیس گھنٹے پڑھانے میں مصروف رہتے صرف چار گھنٹے نماز، طعام اور آرام کے لئے دیتے تھے۔ یہ انتھک محنت موصوف کے فنا فی القرآن ہونے کی بیّن دلیل تھی، اسی جہدِ مسلسل کا یہ صلہ تھا کہ آپ کے دورہ تفسیر کو علمی دنیا میں ایسی لازوال پذیرائی نصیب ہوئی۔ جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج ساری دنیا میں ان کا علمی فیضان جاری ساری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ کا علمی فیضان ملکی سرحدوں سے تجاوز کرکے براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ تک جا پہنچا ہے۔ عرب ممالک کے علاوہ مشرق بعید، افغانستان، ایران، انڈونیشیا، ملایا اور برما وغیرہ سے مشتاقانِ علوم قرآنیہ کشاں کشاں آتے اور اس چشمہ علم سے سیراب ہوتے۔ آپ کا بے مثال علمی فیضان اس آیت مبارکہ کی عملی تعبیر تھا۔
كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها فى السماء.

تبلیغی سرگرمیاں: حضرت شیخ القرآن شعلہ نوا مقرر اور پرجوش وباوقار خطیب تھے۔ حق گوئی وبیباکی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ جبرواستبداد اور ظلم وستم انہیں جادۂ حق سے نہ ہٹاسکے۔ دنیا کی کوئی طاقت اور لالچ نہ تو ان کے ضمیر کو خرید سکی اور نہ ہی ان کے مذہب وملت کی سر بلندی سے سرشار جذبات کو ٹھنڈا کرسکی۔ موصوف نے توحید کا علم ایسے پرخطر حالات میں بلند کیا۔ جبکہ عقائد کے پیچ وخم، کفر وشرک اور بدعات کی سرحدیں پار کررہے تھے، جاہل صوفی، دین فروش پیر اور علماء سو اسلامی اخلاق وافکار کی دھجیاں بکھیر رہے تھے، شیخ نے ان کے مشرکانہ عقائد واعمال کے خرمن کو شمعِ توحید سے جلا کر خاکستر کردیا۔ ساری قوم کو توہم پرستی، قبر پرستی اور شخص پرستی کے گورکھ دھندوں سے نجات دلا کر اپنے مالکِ حقیقی کے در پہ لاکھڑا کیا۔ جو انسانی قلوب برسوں سے شرک وبدعت کا گہوارہ بنے ہوئے تھے، انہیں نور توحید سے منور کرکے سنتِ رسول کا متوالا بنادیا، مسئلہ توحید بیان کرتے وقت آپ کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی تھیں۔ آپ توحید وسنت کے داعی اور شرک وبدعت اور ہر باطل نظریہ کے لئے ننگی تلوار تھے۔ حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے، سچی بات کہنے میں کبھی مصلحت آڑے نہیں آئی۔ حق کہنا حق پہ رہنا اور حق پر کٹ مرنا ان کی زندگی کا سنہری اصول تھا۔ درس وتدریس، تحریر وتقریر اور امر

بالمعروف و نہی عن المنکر میں ساری زندگی بسر کردی۔ علم کا وقار اور دین کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے انتہائی خودداری سے کام لیتے۔ ناموسِ رسالت ﷺ، عظمتِ صحابہؓ، عفت ازواجِ مطہراتؓ، تقدسِ اہلبیتؓ اور اسلاف کے وقار پر جان کا نذرانہ پیش کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اس راہ میں بارہا موت نے آپ کو سلامی دی، آپ کے پائے استقلال کو چوما اور مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔ حضرت شیخ نے برصغیر کے مسلمانوں کو توحید کی نغمہ سرائی سے بیدار کیا اور ان کی متاع گم گشتہ کی بازیابی کے لئے سردھڑ کی بازی لگا کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور عقیدۂ توحید کی تبلیغ و توضیح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جانشینی کا حق ادا کردیا۔ مسلمانوں میں عقائد، نظریات اور افکار کی اصلاح کا شعور پیدا کیا اور انہیں اپنی وجد آفریں تقریروں سے شمع توحید کا پروانہ اور سنت رسول اللہ کا شیدائی بنادیا۔ جذبہ تبلیغ اس قدر غالب تھا کہ عمرِ عزیز کا شاید ہی کوئی ایسا دن گزرا ہو جس میں شیخ القرآن نے قرآنی دعوت اور سنت سنیہ کی تبلیغ کا مقدس فریض انجام نہ دیا ہو۔ پاکستان کے طول و عرض میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں شیخ نے دعوتِ توحید کا حق ادا نہ کیا ہو۔ قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" کی وجد آفرین صدا سے گرمایا۔ کتنے ہی مقامات پر آپ کو حق و صداقت کی آواز بلند کرنے سے باز رکھنے کی ناکام کوششیں کی گئیں۔ زبان بندی، ضلع بندی، نظر بندی اور دفعہ ۱۴۴ جیسے اوچھے ہتھ کنڈے استعمال کئے گئے، مگر شیخ نے بڑی جرأت وجسارت کے ساتھ سر بکف ہو کر افضل الجہاد کلمہ حق کا حق ادا کیا۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق　　نے ابلہِ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش　　میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

حضرت شیخ اکثر فرمایا کرتے تھے، یہ بڑی تعجب انگیز بات ہے، کہ جو قرآن علما سو اور دین فروش پیر پڑھتے ہیں۔ غلام اللہ بھی وہی قرآن پڑھتا ہے۔ جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہ پڑھتے ہیں وہی کلمہ غلام اللہ پڑھتا ہے۔ وہ عربی میں پڑھتے ہیں اور غلام اللہ کا جرم یہ ہے کہ اپنی زبان میں اس کا ترجمہ بیان کرتا ہے۔ بس پھر میدانِ کارزار گرم ہوجاتا ہے۔ کہتے ہیں دو مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ بیٹا بھی تھا۔ دورانِ گفتگو پیر صاحب نے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ وہ فارسی میں کچھ شد بد رکھتا تھا، کہنے لگا " ایں سگ زادہ من است " جواب غلط ہونے کی وجہ سے پیر صاحب نے دوبارہ دریافت کیا۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ پیر صاحب نے کہا مجھے تمہارا مقصد سمجھ نہیں آرہا۔ اس پر اس کے ساتھی نے کہا حضرت یہ کہتا ہے۔ " یہ میرا کتے کا بچہ ہے " یہ سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہو کر لڑنے مرنے پر تیار ہوگیا کہ تم نے مجھے کتا بنادیا ہے۔ ساتھی نے کہا اس میں لڑنے کی کیا بات ہے جو بات تم فارسی میں کہہ رہے تھے میں نے اسے اپنی زبان میں کہہ دیا ہے، اس میں میرا کیا جرم ہے۔ یہی حال پیروں اور مولویوں کا ہے۔ وہ عربی میں لا الہ الا اللہ کہتے رہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اور غلام اللہ اسے اردو میں کہہ دے، کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی حاجت روا، مشکل کشا نہیں، کوئی عالم الغیب اور حاظر ناظر نہیں، کوئی فریاد رس اور نجادت دھندہ نہیں مگر ایک اللہ " تو پھر غلام اللہ کا جرم قابل گردن زدنی ہوجاتا ہے " وجد میں آکر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

چوں تیغ لابدست آری　　بیا تنہا چہ غم داری
مجواز غیر حق یاری　　کہ لامعبود الاھُو

حضرت شیخ کہا کرتے تھے علمائے سوئے من گھڑت روایات اور جھوٹی حکایات بیان کر کر کے لوگوں کے باطل عقائد ونظریات اس قدر پختہ کردیتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے قرآن وحدیث کے روشن دلائل بیان کئے جائیں تو انہیں ماننے کی بجائے کہتے ہیں "فلاں کتاب میں یوں لکھا ہوا ہے ہم اسے کیسے غلط کہہ سکتے ہیں" پھر اس پر ایک مثال بیان کرتے تھے، کہ کوئی آدمی کہیں ملازم تھا کافی عرصہ گزر گیا وہ گھر نہ گیا بیوی اسے خط کے ذریعہ گھر آنے کی درخواست کرتی رہتی تھی۔ لیکن وہ گھر جانے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔آخر بیوی کو ایک ترکیب سوجی جو کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے خاوند کو خط لکھا "تم گھر نہیں آتے تھے اب تو تمہاری بیوی بیوہ ہوگئی ہے" جب اسے خط پہنچا تو پڑھ کر اس نے رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا شروع کردیا۔ چیخ وپکار کی دل دوز آواز سن کر لوگ جمع ہوگئے اور اس سے رونے کی وجہ معلوم کرنے لگے۔ اس نے کہا "بس کچھ نہ پوچھو میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے" لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اللہ کے بندے تم زندہ سلامت ہو، تمہاری بیوی کیسے بیوہ ہوگئی۔ وہ کہنے لگا "گھر سے خط آیا ہے خط پر ڈاک خانہ کی مہر بھی لگی ہوئی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ تمہاری بیوی بیوہ ہوگئی ہے" لوگوں نے اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی خاوند جب تک زندہ ہوتا ہے بیوی بیوہ نہیں ہوسکتی جب خاوند فوت ہوجائے، تب عورت بیوہ ہوجاتی ہے۔ وہ کہنے لگا تم ہزار دلیلیں پیش کرتے رہو۔ جب خط میں لکھا ہوا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے تو میں خط کو کیسے غلط مان لوں۔

جہاں کہیں شرک وبدعت کے مریض آپ کی تقریر سننا گوارا نہ کرتے اور جلسہ کے انعقاد میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی جسارت کرتے یا کسی مقام پر شریک جلسہ ہونے پر قتل کردینے کی دھمکی دیتے، تو ایسے مواقع پر حضرت شیخ مرعوب یا دل برداشتہ ہونے کی بجائے پامردی، جرأت اور استقلال کے ساتھ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتے، اور جان ہتھیلی پر رکھ کر متانت اور وقار کے ساتھ اس شہر میں جاکر جذبہ وجلال کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں ایمان پرور تقریر کرتے اور نہایت بارعب اور گرجدار آواز میں فرماتے۔ "او سنو، اب آئی اے قرآن دی بارش" تقریر میں بڑے سوز دروں کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ جس سے پتھر دل بھی موم ہوجاتے اور لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے، علماء سو لوگوں کو عموماً تاکید کرتے تھے کہ "غلام خان کی تقریر ہرگز نہ سننا ورنہ تم بھی وہابی ہوجاؤ گے"

مردِ حق پرور اجل سے آشنا ہوتا نہیں حلق کٹنے پر بھی سر تن سے جدا ہوتا نہیں

اگرچہ ایسے حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات آپ کی زندگی کا ایک مستقل باب ہیں لیکن مضمون کی طوالت کے خوف کے باعث "مشتے نمونہ از خروار" صرف چند واقعات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ بندیال کے لوگ شرک وبدعت کے ایسے گرویدہ تھے کہ انہیں حق وصداقت کی آواز سننا بھی گوارہ نہ تھا گردوپیش کے موحد اور صحیح العقیدہ لوگ توحید خالص کی تبلیغ کرانے میں کوشاں رہے مگر ان کی کوششیں بارآور ثابت نہ ہوسکیں۔ جب اس صورت حال کا علم شیخ القرآن کو ہوا تو وہ پیچ وخم کھانے لگے کہ اس بستی کے ہزاروں باشندے توحید خداوندی سے بے بہرہ اور محروم رہیں اور ہم اس طرح قیامت کے دن تبلیغ کی ذمہ داری سے سرخرو ہوسکیں گے۔ ایک موقع پر قریب ہی کسی بستی میں قیام تھا فرمایا میں "بندیال" میں جاکر توحید سناتا ہوں۔ احباب نے وہاں کے متشدد اور متعصب علماء سو کی ایذارسانی کا خدشہ ظاہر کیا اور کہا کہ ایسے حالات میں وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ لیکن شیخ تو عزم واستقلال کا گہوارہ تھے وہ نہ کسی کی دھمکی سے مرعوب ہونے والے تھے اور نہ ہی آوازۂ حق بلند کرنے میں شدائد ومشکلات کو خاطر میں لانے والے تھے۔

چنانچہ آپ تنِ تنہا وہاں جا پہنچے اور مولانا یار محمد سے کہنے لگے میں طالب علم ہوں بڑے دور سے کلمہ شریف کا معنی سیکھنے آیا ہوں۔ بارہا علماء سے اس کا مطلب دریافت کیا مگر تشریح تسلی بخش نہ کر سکے۔ آپ کے علم کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ مولانا نے معنی کیا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ شیخ القرآن نے معصومانہ انداز میں کہا حضرت معبود تو عربی لفظ ہے ایک جاہل آدمی اسے کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ آپ آسان معنی کریں جو میری سمجھ میں آسکے۔ انہوں نے کہا "نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ" شیخ پھر فرمانے لگے، حضرت جی! عبادت بھی عربی لفظ ہے کوئی آسان ترجمہ کریں۔ یونہی دو تین مرتبہ معقول اعتراض کرنے پر مولانا یار محمد مزید آسان ترجمہ کرنے میں عاجز آگئے۔ اس پر شیخ القرآن نے فرمایا۔ ایک ترجمہ میں کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ آسان اور عام فہم ہو۔ مولانا نے کہا کریں، موصوف نے شروع کردیا "کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی عالم الغیب نہیں، کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی فریاد رس نہیں، کوئی رکوع کے لائق نہیں، کوئی سجدے کے لائق نہیں الااللہ مگر ایک اللہ"۔ مولانا یار محمد سخت برہم ہوئے، غصہ سے آگ بگولہ ہوگئے اور کہنے لگے میں پہچان گیا تم غلام خان گستاخ رسول وہابی ہو اور ساتھ میں اپنے شاگردوں وغیرہ کو حکم دیا کہ اب ضَرَبَ یَضرِبُ کا باب شروع کردو، یعنی ان کی پٹائی کی جائے۔ اس طرح شیخ القرآن کلمہ حق سنانے میں فائز المرام ہو کر لوٹ آئے۔ ادھر احباب پریشانی کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ ابھی کوئی اطلاع لڑائی مار پٹائی کی آتی ہے۔ اتنے میں شیخ خوش و خرم تشریف لائے، اور فرمایا فزت برب الکعبہ، لیکن کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ شرک و بدعت کے اس گڑھ میں توحید سنانا اور پھر خیریت سے واپس آجانا۔ جب شیخ نے حقیقت بیان فرمائی تو سب ششدر رہ گئے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

قائد آباد کے قریب موضع وڑچھہ کے پیر غلام حبیب شاہ موحدین کے خون کے پیاسے اور سخت مخالف تھے، انہیں کسی صورت یہ گوارہ نہ تھا کہ شیخ القرآن جیسا قاطع شرک و بدعت ان کی بستی میں تقریر کرے، لیکن حق کے شیدائی بھی جان کا نذرانہ پیش کرکے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کیا کرتے ہیں، چنانچہ مولانا امیر صاحب نے مذکورہ قصبہ میں جلسہ کا انتظام کرایا اور شیخ القرآن کو ساتھ لے گئے، ادھر پیر صاحب کی انا کے مسئلہ کے ساتھ انہیں وصول ہونے والے نذرانوں کی بندش کا خطرہ بھی لاحق تھا۔ پیر صاحب نے جلسہ بند کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر مقدر نے ان کا ساتھ نہ دیا، روحانی شعبدہ بازی اور سیاسی اثر رسوخ سے جلسہ ملتوی کرانے کی بھرپور کوشش کی لیکن منہ کی کھانی پڑی بالآخر پیر جی کو سیاسی اور روحانی محاذ پر شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، وڑچھہ میں جلسہ منعقد ہو ہی گیا۔ جہاں شیخ القرآن ببر شیر کی طرح سٹیج پر گرج رہے تھے، پیر صاحب نے پینترا بدلہ اور نئی چال چلی، مریدین و متوسلین سے فرمایا "لاتسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون" شور و شر اور غل غپاڑہ کرکے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی مذموم جسارت کارگر ثابت نہ ہو سکی، تو پیر صاحب نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا اور مریدوں کی فوج ظفر فوج کو حکم دیا وہابیوں کو گولیوں سے چھلنی کردو یہ حکم ملنے کی دیر تھی کہ فائرنگ کی خوفناک آواز سے کوہ و دمن گونجنے لگے۔ لیکن حاسدین اور مبتدعین کی چیرہ دستیوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں اللہ کا شیر بڑی متانت اور وقار کے ساتھ اپنے مخصوص لہجہ میں قرآن پڑھ کر موحدین کے دلوں کو گرما رہا تھا۔ شیخ آتشیں گولیوں کی بوچھاڑ میں پھولوں کی بارش کی طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور بڑے جلال میں قرآن پڑھ کر خود بھی محظوظ ہوتے اور سامعین کو بھی قرآن کی لذتوں اور حلاوتوں سے مسرور

کر رہے تھے۔ مولانا بابا غلام محمد پروانہ وار شیخ کے گرد چکر لگاتے، ان کی جرات مردانہ پر داد تحسین پیش کرتے اور بار بار کہہ رہے تھے "ان لوگوں کے مشرکانہ عقائد واعمال پر قرآن کی روشنی میں فتوی لگائیں اور ان کے شرک وبدعت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں"۔

بالآخر دشمنانِ دین خائب وخاسر، ناکام ونامراد ہو کر خاموش ہوگئے اور شیخ القرآن رات کے سناٹے میں دیر تک قرآن کی نغمہ سرائی میں مصروف رہے۔ علامہ اقبال ان واقعات کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں   مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

یہ نغمہ نہیں فصلِ گل ولالہ کا پابند   بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

ایک مرتبہ وان بھچراں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مولانا خلیل احمد کے والد مولانا غلام یسین سے پیر قمر الدین سیالوی نے مناظرہ کی ٹھان لی۔ پیر صاحب کے خاص الخاص مرید ملک مظفر پیش پیش تھے، ادھر مولانا محمد امیر بندیالوی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کو لے کر وہاں پہنچ گئے، چونکہ ملک مظفر علاقہ کا وڈیرا اور با اثر تھا، اس نے انتظامیہ سے ساز باز کرکے دیوبندیوں کے جلسہ پر پابندی عائد کرادی۔ مولانا محمد امیر کی تقریر کے دوران تھانیدار نے جا کر تقریر بند کروادی اور اعلان کیا کہ جلسہ پر میں نے پابندی لگادی ہے اب جلسہ نہیں ہوگا۔ جب صورت حال کا علم شیخ القرآن کو ہوا تو برہم ہوگئے اور فوراً سٹیج پر جلوہ افروز ہو کر تقریر شروع کردی، ادھر تھانیدار سیخ پا ہو کر آدھمکا اور بڑے رعب سے کہنے لگا، مولانا آپ نے پابندی کیوں توڑی ہے؟ آپ تقریر نہیں کرسکتے، شیخ نے فرمایا ایک طرفہ پابندی کا کوئی جواز نہیں۔ اگر فریق ثانی کے جلسہ پر بھی پابندی لگادیں تو ہم بھی جلسہ نہیں کریں گے۔ لیکن جانبداری کا فیصلہ ہم ہرگز قبول نہیں کرتے، تھانیدار نے ملک مظفر سے جلسہ بند کرنے کو کہا، جس کے جواب میں ملک کہنے لگا ہم جلسہ جاری رکھیں گے کیونکہ یہاں ہماری اکثریت ہے، ہم جلسہ کرنے کا حق رکھتے ہیں، لیکن وہ لوگ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے جلسہ نہیں کرسکتے۔ تھانیدار پیغام رسانی کے لئے پھر شیخ القرآن کے پاس آیا اور ساتھ ہی جلسہ بند نہ کرنے پر سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی بھی دی۔ شیخ طیش میں آگئے اور فرمایا یہاں سوال اقلیت اکثریت کا نہیں بلکہ معاملہ حق وباطل کی جنگ کا ہے، تھانیدار جب مداخلت سے باز نہ آیا تو سر عام اس کی گوش مالی کردی اور وہ ذلت ورسوائی کے ساتھ پس پا ہوگیا۔ اور شیخ نے اس وقت تک تقریر جاری رکھی جب تک پیر سیالوی کا جلسہ جاری رہا۔ بلکہ اس کے ختم ہوجانے کے بعد تک بھی گلشن توحید کا یہ عندلیب چہچہاتا رہا۔ ایسے واقعات کے لئے تو ایک مستقل کتاب درکار ہے اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش کہاں، میرے اس نظریہ کی ترجمانی شاعر نے کیسے احسن پیرایا میں کردی ہے۔

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش   حمید ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا یہ جملہ شیخ القرآن دہرایا کرتے تھے، جو حقیقت کا آئینہ دار تھا۔ "آدھی زندگی ریل میں گزر گئی اور آدھی جیل میں" اکثر ایسا ہوتا کہ صبح ایک شہر میں تقریر ہوتی اور رات کو کسی دوسرے شہر میں پہنچ کر رونق سٹیج بنتے، اور بارہا ایسا اتفاق بھی ہوا کہ ایک ایک رات میں کئی کئی جلسوں میں گھنٹوں تقریر دلپذیر سے مجمع کو گرماتے رہتے۔

حضرت شیخ نے ملک کے کونے کونے میں توحید کا جھنڈا سرفراز کیا۔ مشرقی ومغربی پاکستان کے علاوہ متعدد اسلامی ممالک کا کئی مرتبہ تبلیغی دورہ کیا۔ ۱۹۷۸ء میں انگلینڈ تشریف لے گئے اور دیارِ غیر میں تقریباً چالیس مقامات پر انقلاب انگیز اور وجد آفریں

تقریروں سے لوگوں کو محظوظ کیا۔ ۱۹۷۹ء سعودی حکومت کی خصوصی دعوت پر مرکز توحید حرم محترم میں ایک ماہ تک توحید کا غلغلہ بلند کیا۔ اس سفر و قیام کے تمام تر انتظامات سعودی وزارت مذھبیہ نے سر انجام دئے۔ علاوہ ازیں زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے جب بھی مشرف ہوتے، زمانہ قیام میں بیت اللہ اور گنبد خضرا کے ظل عاطفت میں بیٹھ کر توحید کی زمزمہ سرائی کرتے۔ مسئلہ الہ کی تشریح و توضیح میں آپ کے طرزِ استدلال پر عرب علماء بھی داد تحسین پیش کرتے۔ وزیر تعلیم عالم نبیل عبد العزیز بن عبد اللہ باز آپ کا بیحد قدر دان اور آپ کے بلند علمی مقام کا معترف تھا۔ فضیلت الشیخ مولانا محمد مکی الحجازی کا کہنا ہے کہ میں نے اٹھارہ سالہ قیام حجاز کے دوران شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان سے بڑھ کر قرآن کا عاشق کسی کو نہیں پایا۔ موصوف مکہ مکرمہ پہنچتے ہی بڑے اہتمام کے ساتھ صبح و شام درس قرآن میں مشغول ہوجاتے اور کسی حال میں بھی ناغہ نہ کرتے۔ ایک مرتبہ احرام بھی نہیں کھولا تھا کہ نماز عشاء کے بعد درس شروع کردیا۔

برصغیر پاک وہند کے اصحاب علم و دانش میں سے صرف حضرات علماء دیوبند کو یہ اعزاز اور امتیاز حاصل ہے کہ مرکز رشد و ہدایت حرمین شریفین میں قرآن و سنت کی خدمت جلیلہ پر فائز ہوتے رہتے ہیں، بلکہ اس اعتبار سے انہیں دنیا بھر کے علماء میں علمی تفوق حاصل ہے۔ مارچ ۱۹۸۰ میں دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں آٹھ سو پاکستانی علماء کرام کی قیادت کرتے ہوئے تشریف لے گئے، جہاں نہ صرف اس تاریخی عظیم الشان صد سالہ اجلاس میں وقیع خطبہ ارشاد فرمایا بلکہ دیوبند کی متعدد مساجد میں تقاریر کیں اور دار العلوم کے طلباء سے بھی خطاب کیا۔ حالانکہ علالت اور نقاہت کا بیحد غلبہ تھا، بعد ازاں مولانا اسعد مدنی کی خصوصی دعوت پر جمعیت علماء ہند کے استقبالیہ میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بھی بہت سے مقامات پر عظیم الشان اجتماعات سے خطاب کیا۔ زندگی کے بالکل آخری ایام میں عمرہ کی سعادت سے مشرف ہونے کے بعد تبلیغ دین کے مقدس مشن پر دوبئی روانہ ہوگئے، وہاں تقاریر کا سلسلہ جاری ہی تھا، کہ پاسبان گلشنِ توحید و رسالت جو دینی حمیت اور اسلامی غیرت سے سرشار اشاعتِ دین کے لئے زندگی بھر سرگرمِ عمل رہا۔ آخر کار اسی لگن اور دھن میں جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

این شرح بے نہایت کز حسنِ یار گفتند   حرفیست از ہزاراں کاندر عبارت آمد

فتنوں کا تعاقب: قدرت نے شیخ القرآن کو ان تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا، جو فتنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ فتنوں کی سرزنش اور تعقب کے لئے "ایمانی غیرت" ایسی پرجوش تھی کہ انہیں ہمہ دم ان کے خلاف بے قرار اور آتش زیر پا رکھتی "شجاعت و جرأت" کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے فراعنہ اور جابر و ظالم حکمرانوں سے ٹکر لینا روزمرہ کا معمول تھا۔ علم و فضل، فہم و فراست اور سیادت و وجاہت میں اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے دل میں قادیانیت کے خلاف زبردست دردو سوز، بے چینی و بے قراری اور غیظ و غضب پایا جاتا تھا۔ اس شعلہ افشاں نفرت و بیزاری کا اظہار تقریروں میں کئے بغیر چین نہ آتا۔

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء کی ملک گیر رفیع الشان تحریک ختم نبوت کے آپ روح رواں تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاری کی قیادت میں شیخ نے ملک بھر کا دورہ کرکے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کیا۔ آتش بیانی سے مسلمانوں کو گرمایا، انہیں مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور ملک و مذھب کے خلاف ان کی خطرناک سازشوں سے روشناس کیا جس سے غیور مسلمانوں میں ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ ہر شخص

ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر سربکف میدانِ عمل میں نکل آیا۔ حضرت شیخ بریلوی علماء کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہے کسی معاملہ میں ان سے اشتراکِ عمل کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا، خصوصاً مولانا عارف اللہ شاہ قادری خطیب مرکزی مسجد راولپنڈی کے ساتھ سخت ترین معرکہ بپا رہتا تھا۔ لیکن تاجدار مدینہ ﷺ کے ناموس کے تحفظ کی خاطر نہ صرف بریلوی علماء کو گلے لگالیا بلکہ عالی ظرفی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے مولانا عارف اللہ شاہ کو صدر بنا کر ان کی کمان میں تحریک ختم نبوت کے لئے اپنی تمام تر خدمات وقف کردیں شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پیتے اور آگ پانی کو یکجا دیکھ کر چشم فلک بھی حیران تھی۔ اور شیخ برملا فرمایا کرتے تھے۔ "اگر غلام اللہ اور عارف اللہ کے وجود کی بوٹیاں بنا کر دیگ میں ڈال دی جائیں، تب بھی غلام اللہ کی بوٹیاں ان کے ساتھ اکھٹی نہیں رہیں گی۔ وہ اچھل کود کر باہر نکل جائیں گی، لیکن تاج و تخت ختم نبوت کی خاطر میں ہر کسی کی جوتیاں اٹھانا بھی اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں"۔

اگرچہ تحریک کے قائدین نے حکومت سے تصادم کی بجائے پرامن راست اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن حکومت نے ۲۷ فروری ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء ربیع الثانی کو کراچی میں مجلس عمل کے سات مقتدر رہنماؤں کو گرفتار کرکے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا۔ جس کے بعد سارے ملک میں گرفتاریاں پیش کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ شیخ کو مجلس عمل کے عہدہ داروں کی گرفتاری کی اندوہگیں اطلاع مسجد پرانہ قلعہ میں خطبہ جمعہ کے اختتام پر وصول ہوئی۔ جس سے آپ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، سخت غضب ناک ہو کر فرمایا۔ "رات کو کلاں بازار میں جلسہ ہوگا اور پھر میں اپنا ردِ عمل پیش کروں گا" اس للکار سے ایوانِ اقتدار میں کھلبلی مچ گئی، اور شیخ کے غیظ و غضب سے مامون رہنے کے لئے انہیں پابند سلاسل کرنے کی سازش ہونے لگی۔ اس سے پہلے کہ قوم کے سامنے آپ کسی انتہائی اقدام کا اعلان کرتے اسی روز شام سے پہلے گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد پورے ملک میں سب سے پہلے آپ کی گرفتاری وقوع پذیر ہوئی۔ گرفتاری کے بعد پولیس نے جس اذیتناک کمینگی کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی قابل نفرین تھا۔ آپ کو ایک ایسی کوٹھری میں رکھا گیا جہاں گدھوں، گھوڑوں اور کتوں کی غلاظت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ کئی دن اس جاں گداز تکلیف سے دوچار رکھنے کے بعد جیل بھیج دیا۔ بعد ازاں گرفتاریوں کا سیل بے کراں شروع ہوا، جس نے قصرِ اقتدار کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیا چار چھ ماہ بعد تمام اسیرانِ تحریک ختم نبوت کی رہائی کے باوجود حکمران ٹولہ آپ کی رہائی کو برداشت نہ کرسکا، اور تحریک کے جن مقتدر رہنماؤں پر ناموسِ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہونے کے الزام میں مقدماتِ بغاوت قائم کئے گئے تھے، آپ بھی انہی کے زمرہ میں شامل تھے۔

ایک مرتبہ راولپنڈی میں مرزائیوں نے بازار تلواڑاں کے ایک مرزائی کے گھر کے سامنے بازار میں مغرب کے بعد جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت شیخ کو عصر کے قریب اس کی اطلاع ہوئی، فوراً انتظامیہ کو آگاہ کیا کہ ان کا جلسہ بند کرایا جائے ورنہ حالات کی تمام تر ذمہ داری انتظامیہ پر عائد ہوگی۔ انتظامیہ اور مرزائیوں کا موقف تھا کہ جلسہ کا سٹیج ذاتی ملکیت کی حدود میں ہونے کی وجہ سے قانوناً جلسہ کرنا درست ہے۔ حضرت شیخ کہتے تھے ہم مسلمان کیسے گوارہ کرلیں کہ ایک غیر مسلم اقلیت سرِ بازار جلسہ کرے اور ہم پھر زندہ رہیں۔ ان کا جلسہ ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہوگا۔ یہ وارننگ دینے کے بعد آپ نے اپنے مجاہد بھیج دئے کہ مرزائیوں کو دو ہاتھ دکھائیں۔ جب حالات سنگین صورت اختیار کرگئے تو انتظامیہ نے مجبوراً جلسہ بند کرادیا۔ اس کے بعد کبھی بھی مرزائیوں کو جلسہ کا کرنے کا خیال تک بھی نہ آیا۔

جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا اقتدار عروج پر تھا اور مغربی پاکستان پر ملک محمد امیر خان جیسا سخت گیر اور جابر گورنر مسلط تھا۔

دونوں کا اقتدار مطلق العنان تھا۔ "تنقید" کا جرم ناقابل معافی گردانا جاتا، بڑے بڑے سیاستدان ان کے جبر و استبداد کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔ اسی زمانہ میں مارچ ۱۹۶۶ء میں آنجہانی لیو شاؤچی صدر چین دورۂ پاکستان کے موقع پر راولپنڈی پہنچے تو ان کے استقبال میں دوسری تقریبات کے ساتھ کالج اور اسکولوں کی نوعمر بچیوں کا رقص بھی شامل تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شخصیت کا استقبال نوجوان لڑکیوں کے ڈانس سے کرنے کی حیاسوز حرکت عمل میں آئی تھی۔ قوم کی معصوم بچیوں کے تقدس کو سرعام پامال ہوتا دیکھ کر جمعیت اسلامی اور غیرت قومی نے شیخ القرآن کے جذبات کو برانگیختہ کردیا۔ پھر شیخ کی بارعب اور پرجلال آواز نے اصحابِ اقتدار کو غیرت دلائی، انہیں اس سنگین جرم کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور اپنی جراتمندانہ تنقید سے "افضل الجہاد من قال کلمۃ الحق عند سلطان جائر" کا فریضہ ادا کیا۔ لیاقت باغ کے وسیع میدان میں لاکھوں کے اجتماع سے عید کے خطبہ میں آپ نے فرمایا:۔

"چین پاکستان کا مخلص دوست ہے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس کی غیر مشروط حمایت پر ہم اس کی جتنی قدر کریں کم ہے، لیکن قوم کی نوجوان طالبات کا صدر چین کے سامنے رقص پرلے درجے کی بے غیرتی اور اسلامی روایات کے سراسر خلاف ہے۔ قوم کی بیٹیوں کا ناچ کسی تقریب میں پیش کرنا اپنی غیرت کا جنازہ نکالنا ہے۔" شیخ کی جرأت مندانہ للکار کی صدائے بازگشت ایوانِ صدر تک جا پہنچی، یہ تنقید حکمرانوں کے لئے ایسا کڑوا نوالہ ثابت ہوئی، جیسے نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ اگر اس جرم کی پاداش میں شیخ کو جیل کی کال کوٹھری میں بند کیا جاتا ہے تو ساری قوم سراپا احتجاج بن جائے گی اور اگر زبان بندی کا سہارا لیا جائے تو وہ بھی پادر ہوا ثابت ہوگا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد موصوف کو ضلع بدر کرکے ان کے آبائی گاؤں "دریہ" ضلع اٹک میں نظربند کرنے کا فیصلہ صادر ہوا۔ جبکہ شیخ القرآن ببانگِ دہل کہہ رہے تھے"۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

شیخ کے دریہ میں رونق افروز ہونے سے علاقہ چھچھ کے سوئے ہوئے بخت بیدار ہوگئے اور "دریہ" دریائے علم و عرفاں کا ایمان پرور منظر پیش کرنے لگا۔ پورے ملک سے علماء کرام اور عوام شرف زیارت سے بہرہ اندوز ہونے دریہ پہنچنے شروع ہوگئے، جمعہ کے اجتماعات، عظیم الشان جلسوں، کی صورت اختیار کرگئے۔ توحید کی پرکیف صدا سے علاقہ زعفران زار بن گیا اور حکومت کے خلاف برملا سخت ترین تنقید کرنے لگے، جس کی منظر کشی شاعر اس طرح کرتا ہے۔

پابندِ زباں بند کئے جاؤ گے جتنا بڑھے گا میرا ذوق یقیں اور زیادہ

حکمران ٹولہ شیخ کو ضلع بدر کرکے بھی سکھ کی نیند نہ سو سکا، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ نظربندی پر زبان بندی کی ملمع سازی کرکے شیخ کی ناقدانہ طرز گفتار سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن موصوف کی طرف سے زبان بندی کے حکم کو پشاور ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا گیا۔ جسے عدالت نے ان الفاظ کے ساتھ کالعدم قرار دے دیا "کہ نظربندی کے بعد زبان بندی کا حکم سراسر زیادتی اور پھر ایک عالم دین پر، یہ تو تبلیغ دین کو بند کرنے کا مترادف ہے"۔

رجب المرجب شروع ہوا، تو حسب معمول ۲۰ رجب کو دورۂ تفسیر قرآن شروع کردیا۔ سیکڑوں طلباء اور علماء شریک ہوئے، علاقہ بھر سے توحید کے پروانے روزانہ قرآن سننے آتے اور شیخ اپنے سحر انگیز بیان میں قرآن کی ضیا پاشی میں شب و روز منہمک و مصروف،

طلبہ کی کثرت اور شائقینِ قرآن کی ہمہ وقتی آمد کے باعث "دریہ" میں ایک بارونق شہر کی سی چہل پہل نظر نے لگی۔

لاکھوں پیاسے آتے ہیں ساقی بھی لٹاتا رہتا ہے اک فیض کا دریا "دریہ" میں ہر وقت لبالب بہتا ہے۔

ان دنوں نوائے وقت کے ایک صحافی نے دریہ کی پُر کیف روح پرور کیفیت کو یوں بیان کیا تھا:۔

"جب میں سرزمین دریہ میں داخل ہوا، لہلہاتے کھیت، خاموش فضا میں لاؤڈ سپیکر سے ایک صدا جو کبھی پنڈی میں سنتا تھا آرہی تھی" "حاجت روا کوئی نہیں مشکل کشا کوئی نہیں" یہ وہ منادی تھی جو ربع صدی سے زائد عرصہ سے پنڈی میں سنائی دیتی تھی۔ قریب پہنچا تو نظر بندی کے پنجرہ میں بند ایک شیر ہے جو سیکڑوں طلبہ کے حسین حلقہ جس میں ہر ایک کے سامنے کتاب اللہ کھلی ہوئی ہے۔ نہایت ہی بارعب اور گرجدار آواز میں احکم الحاکمین کا سب سے عالی شان حکم نامہ سنا کر مردہ دلوں کو زندہ کر رہا ہے"۔ نوائے وقت ۱۹٦٦ء۔

نظر بندی کا عرصہ طویل ہوتا گیا۔ ڈیڑھ سال تک قرآن مجید کی وجد آفریں تلاوت کرنے والی آواز کو جبراً خاموش کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی تھی۔ شیخ نے حق گوئی، بے باکی اور حکومت پر تعمیری تنقید کا سلسلہ جاری رکھا۔ ملکی اخبارات میں عوام کے ہر طبقہ کی طرف سے زبردست احتجاج کے ذریعہ حکومت پر دباؤ بڑھتا گیا۔ جس سے ایک عالم ربانی کو محض جرم حق گوئی کی پاداش میں نظر بند کرنے کی وجہ سے حکومت سخت بدنام ہوچکی تھی۔ اس عرصہ میں آپ کے ضمیر کو خریدنے، دھونس، دھاندلی اور دھن کے ذریعہ آپ کی آواز کو دبانے اور آپ کی حق گوئی کی سودا بازی کی سر توڑ کوشش کی گئیں۔ لیکن حکمران ٹولہ کی کوئی سازش اس مردِ آہن کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ لاسکی بالآخر حکومت نے مجبور اور بے بس ہو کر پندرہ ماہ کے بعد ترجمانِ حق وصداقت کو آزاد کردیا۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں دبی ہے جگر کی آگ مگر بجھی تو نہیں

جفا کی تیغ سے گردن وفاشعاروں کی کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

شیخ نے ہر دور میں جرأت، دلیری اور بے جگری کے ساتھ کلمہ حق بلند کیا۔ حکومتِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق گوئی کا مظاہرہ کرتے تھے اور یہی وہ "جرم بے گناہی" تھا جس کی وجہ سے ہر حکومت کے معتوب رہے اور کئی بار پابند سلاسل کئے گئے۔ ضلع بدر اور نظر بندی کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ لیکن کبھی بھی مداہنت اور مصلحت بینی کو شیوہ نہ بنایا۔ "وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد "(البروج) اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین لائیں اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا۔

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم جرمم ہمیں است کہ عاشقِ روئے تو گشتہ ایم۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ: صدر ایوب خان "فیلڈ مارشل" بن جانے کے بعد "مسندِ اجتہاد" پر بھی براجمان ہونے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے اکبر بادشاہ کی طرح دین الٰہی تیار کرنے کے لئے ایک کارخانہ "مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی" کے نام سے قائم کیا اور مشہور مستشرق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو امریکہ سے درآمد کر کے اس کا سربراہ بنایا۔ نشۂ اقتدار کی بدمستی، سرکاری ذرائع کی پشت پناہی، دین اور دین دار طبقہ سے عناد نے فیلڈ مارشل اور ڈاکٹر کو اس قدر انتہا پسند بنا دیا کہ دین محمدی ﷺ کے متعلق "روایتی اسلام" "فرسودہ اسلام"

اور "جامد اسلام" جیسی ایمان سوز اور دل آزار اصطلاحات کا آزادانہ استعمال کرنے لگے۔ سود اور شراب جیسی قطعی حرام چیزوں کو حلال قرار دے کر ملک میں بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے کی سعی لاحاصل کرنے لگے۔ فضل الرحمٰن نے "اسلام" کے نام سے انگریزی میں کتاب لکھی جو ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ میں طبع ہوئی تھی۔ جس کی چیرہ دستیوں سے صحیفہ مقدس اور وحی الٰہی بھی محفوظ نہ رہے۔ وہ یہاں تک جسارت کر گیا کہ قرآن کا کوئی خارجی وجود نہیں تھا نہ کوئی فرشتہ لے کر آتا تھا۔ یہ سب (نعوذ باللہ) افسانے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وجدان اور ضمیر سے جو بات اٹھتی تھی وہی وحی اور وہی قرآن کہلاتا تھا۔

اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی شیخ القرآن نے جید علماء کرام کا ایک اجلاس دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلب فرمایا۔ اور اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کی تدابیر زیر غور آئیں۔ اگرچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ادارہ کے دوسرے ذمہ دار حضرات کے ملحدانہ اور ایمان سوز نظریات مجلہ "فکر و نظر" اور اخبارات میں مشتہر ہو رہے تھے، تاہم شیخ کی تجویز پر مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری مدیر ماہنامہ تعلیم القرآن اور حافظ ریاض احمد اشرفی خازن روزنامہ جنگ راولپنڈی پر مشتمل دو رکنی کمیٹی بنائی گئی۔ تاکہ کتاب کا مطالعہ کر کے اسلام کے ابدی مسلمات اور بنیادی عقائد کے خلاف گمراہ کن عبارات کی نشان دہی کریں۔ تاکہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل وضع کیا جاسکے۔ چند روز بعد کمیٹی نے اپنی رپورٹ شیخ کو پیش کر دی۔ موصوف نے علماء کرام کا اجلاس بلا کر انہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے کفریات سے آگاہ کیا۔

پھر شیخ القرآن بے خوف و خطر آتش نمرود میں کود گئے، فیلڈ مارشل کے شوق اجتہاد اور فضل الرحمٰن کی ملحدانہ تحریفات کے خلاف سربکف ہو کر میدان میں نکل آئے اور زبردست جذب و سرمستی، دلیری و شجاعت کے ساتھ برسرپیکار ہوئے کہ الحاد و زندقہ کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ اس عظیم فتنہ کے خلاف تندی۔ تلخی اور تیزی سے پے در پے ضربیں لگائیں اور اپنی آتش فشاں تقریروں سے ڈاکٹر کے ماڈرن اسلام" کے خلاف ملک بھر میں آگ لگا دی۔ پورے ملک میں اس کے خلاف ایک طوفان بپا ہو گیا۔ علماء کرام اور عوام اس کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور فیلڈ مارشل کا مطلق العنان اقتدار اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا "ماڈرن اسلام" اس طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ بالآخر حالات کی سنگینی کے پیش نظر فیلڈ مارشل نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو ادارہ کی سربراہی سے برطرف کر دیا اور اس طرح عوام الناس کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور اپنے اقتدار کو بچانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا (۱)۔

مشینی ذبیحہ: ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ نظریات کا ایک شاہکار "مشینی ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ بھی تھا" اس نے فتویٰ دیا کہ "اسلام میں مشینوں کے ذریعہ حلال مویشیوں کو ذبح کرنے کی اجازت ہے صرف ذبح کرنے والا شخص مسلمان یا اہل کتاب ہونا ضروری ہے، اس بیان کو اسلام میں تحریف کے مترادف قرار دیتے ہوئے ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے صدائے احتجاج بلند کی اور مشینی ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔ چونکہ مذبح راولپنڈی کے قریب سہالہ میں واقع تھا اس لئے شیخ القرآن اور راولپنڈی کے دیگر علماء کرام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت اجاگر کریں۔ شیخ نے اپنے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر اس فتویٰ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا، "ایسی مذموم حرکتوں کا اصل منشا مسلمانوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کرنا ہے۔ یہ فتویٰ قرآن وسنت کی تصریحات کے سراسر خلاف

---

(۱) راولپنڈی میں شیخ اور کراچی میں السید محمد یوسف بنوریؒ نے بینات میں اس کا طلسم پاش پاش کیا۔ قارئین ان کے حالات میں مفصل تذکرہ پڑھ آئے ہیں۔ (ارشد)

ہے اور مداخلت فی الدین کی مکروہ سازش ہے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے جس طرح سود اور شراب کو حلال قرار دینے کی ناپاک جسارت کی تھی اسی طرح اب وہ مسلمانوں کو حرام گوشت کھلانے کی شرمناک کوشش میں مصروف ہے۔ اگر حکومت نے ایسی ایمان سوز پالیسی ترک نہ کی۔ تو پھر اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے"۔

شیخ کی اس دھمکی سے مرعوب ہو کر مذبح کے سکریٹری کرنل سید محمد رضوی نے علماء کے نام ایک مراسلہ جاری کیا جس میں مذبح میں نصب شدہ مشینوں کے معائنہ کی دعوت دی گئی تھی۔ لیکن مراسلہ کے مندرجات بورڈ کی بدنیتی کی عکاسی کرتے تھے، بنابریں شیخ القرآن نے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کا اجلاس ۱۴ فروری ۱۹۶۸ء کو جامع مسجد پرانا قلعہ میں طلب کیا۔ جس میں ستر علماء کرام نے شرکت کی اور چٹھی کا مضمون زیر بحث آیا۔ جس پر حسب ذیل رد عمل ظاہر کیا گیا۔

"علماء کرام سلاٹرنگ کی نمائش کا نظارہ کرنے کی دعوت کو علماء سے مذاق اور استہزا کے مترادف سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آزمائشی ذبح جاری ہو جانے کے بعد علماء کو دعوتِ نظارہ دینے سے کیا حاصل۔ علماء کی تصدیق و توثیق کے بغیر ذبح شروع کر دینے کے اقدام کو ہم تمام علما سخت مذموم سمجھتے ہیں۔ نیز سکریٹری کی وضاحت علماء کے شکوک وشبہات کو تقویت پہنچاتی ہے کہ "ذبح کا طریقہ اسلامی شریعت کے نقطہ نظر کے مطابق رکھا گیا ہے۔" جب حکومت مشینی ذبیحہ کو اسلامی شریعت کے مطابق قرار دے چکی ہے، تو اب علماء کو بلا کر اپنے حق میں پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کرنے کے سوا کوئی اور مقصد ہی نہیں اور پھر ستم ظریفی یہ کہ چٹھی میں علماء کے فیصلہ کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تک نہیں، چونکہ ذبیحہ کا مسئلہ حلال وحرام کا معاملہ ہے جو اسلام میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور جس کے متعلق علماء کرام کے فیصلہ کو ہی آخری سند حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہم اس موقف پر قائم ہیں کہ مشینی ذبیحہ قطعی حرام ہے"۔

اور اس میں اتفاق رائے سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو آئندہ پیش آنے والے حالات میں صحیح رہنمائی کر سکے۔ بعد ازاں اگست ۱۹۶۸ میں کمشنر راولپنڈی ڈویژن آغا احمد رضا خان کی دعوت پر علماء کرام نے مذبح کا معائنہ کیا، جن میں حسب ذیل علماء شامل تھے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مفتی عبد الرشید، مفتی دار العلوم تعلیم القرآن، مولانا عبد الستار توحیدی، مولانا سید چراغ الدین اور مولانا فیض علی فیضی وغیرہ، معائنہ کے بعد علماء نے ایک اخباری بیان میں اس طرح تفصیلات بتائیں۔ "جو تفصیلات ہمیں بتائی گئی ہیں ان کے مطابق جانوروں کو لٹانے، کھال اتارنے، انتڑیاں نکالنے اور گوشت بنانے کا کام مذبح میں نصب شدہ مشینری کے ذریعہ ہوگا۔ لیکن جانوروں کو مسلمان شخص شرع اسلامی کے مطابق چھری سے ذبح کرے گا۔ جانوروں کو مشین کے ذریعہ ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اگر واقعی سرکاری مذبحہ میں اس تفصیل کے مطابق جانور ذبح کئے گئے تو یہ مشینی ذبیحہ نہیں بلکہ شرعی ذبیحہ ہوگا اور حلال ہوگا"۔

چونکہ وفد میں جماعت اسلامی کا کوئی نمائندہ شامل نہیں تھا۔ انہوں نے اسے اپنی "انا" کا مسئلہ بنا لیا اور حلقہ ٹیکسلا سے ایک بیان "داغ" دیا، کہ "راولپنڈی کے دس علماء نے مشینی ذبیحہ کو شرع اسلامی کے مطابق قرار دے دیا ہے۔ جس سے مسئلہ الجھ گیا ہے لہٰذا ملک کے پانچ مقتدر علماء سے معائنہ کرایا جائے تاکہ عوام کو اطمینان حاصل ہو سکے"۔ چونکہ یہ بیان حقیقت کے سراسر خلاف اور علماء کرام کو بدنام کرنے کی ایک کڑی تھی۔ لہٰذا شیخ القرآن نے اس الزام تراشی کی تردید کرتے ہوئے مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۶۸ کو وضاحتی بیان جاری

کیا۔ "مذبحہ کے ذمہ دار حضرات نے مجھے اور چند دیگر علماء کو مذبح کے معائنہ کی دعوت دی تھی۔ مذبح کے انچارج نے تمام شعبے دکھائے، اور اس امر کی صراحت کی کہ جانور ذبح کرنے والا انسان اور مسلمان ہوگا۔ جانور مشین سے ذبح نہیں کیا جائے گا، بلکہ مشین سے صرف کھال اتاری جائے گی اور گوشت بنایا جائے گا۔ چنانچہ میں اور دوسرے علماء دیانت داری سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان تصریحات کے مطابق ذبیحہ عین شرع اسلامی کے مطابق ہوگا۔ اور ہم توقع کرتے ہیں کہ حکومت مسلمانوں کو حرام کھلانے سے گریز ہی کرے گی۔ ہم نے مشینی ذبیحہ کو نہ حلال کہا ہے اور نہ ہی حلال کہتے ہیں، مشین سے ذبح کئے جانے والا جانور حرام ہے"۔

غلاف کعبہ کی نمائش: ۱۹۶۳ میں سعودی حکومت نے غلاف کعبہ بمبئی کی ایک فرم سے تیار کرایا اور کچھ حصہ پاکستان میں بھی بنایا گیا تھا۔ کراچی میں کچھ حصہ زیر نگرانی سعودی سفیر تیار ہوا، اور کچھ حصہ لاہور میں امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب کی نگرانی میں تیار کیا گیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے تیار کر کے سعودی عرب بھیج دیئے جاتے مگر دونوں ٹکڑے شہر شہر کوچہ کوچہ میں پھرائے گئے، تعزیہ کی طرح بازاروں میں اس کا جلوس نکالا گیا، اس کی نمائش اور زیارت کے پروگرام اشتہارات اور اخبارات کے ذریعہ مشتہر کئے گئے، کراچی والے ٹکڑے کو مولانا عبد الحامد بدایونی لے کر شہروں میں نمائش کراتے اور غلاف کعبہ کے فضائل ومناقب پر وعظ فرماتے رہے اور لاہور والے ٹکڑے کی زیارت کا افتتاح خود مولانا مودودی صاحب نے کیا اور پھر ملک بھر میں پھرایا گیا۔ غلاف کے ساتھ جو ناروا سلوک اور غیر شرعی حرکات وقوع پذیر ہوئیں، انہیں دیکھ کر شیخ القرآن کی رگِ حمیت بھڑک اٹھی اور اس طوفان بد تمیزی کو برداشت نہ کر سکے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل بیان جاری فرمایا:-

"غلاف کعبہ کے سلسلہ میں پاکستان کے تمام شہروں میں جو جو امور مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ ان سے ہر خاص وعام آگاہ ہے عورتوں کا بے حجابی کا مظاہرہ کرنا، پھر ان کی بے حرمتی، عصمت ریزی، عورتوں کا اغوا، اور کئی ایک افراد کی جانوں کا تلف ہونا، غلاف کے سامنے سجدے کرنا۔ اس سے مرادیں مانگنا، عورتوں کا اپنے دوپٹے اور مردوں کا رومالوں کو غلاف کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لئے لگانا اور اسی قسم کی دوسری حرکتیں شرعاً سخت جرم ہیں۔ مولوی عبد الحامد بدایونی اور بریلوی جماعت پر تو کوئی تعجب نہیں، کیونکہ ان کے ہاں ہر بدعت اور ہر برائی سنت کا مقام رکھتی ہے لیکن افسوس مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی پر جنہوں نے ان بدعات ومحرمات کا سد باب کرنے کی بجائے غلاف کعبہ کی شہر بہ شہر اور کوچہ بکوچہ نمائش کر کے عوام کالانعام کو ان بدعات اور غیر شرعی امور کا دل کھول کر ارتکاب کرنے کے لئے موقع فراہم کیا اور باقاعدہ نمائش کا پروگرام شائع کیا۔ اس طرح بدعات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک خانہ کعبہ پر غلاف نہ ڈالا جائے، نہ وہ غلاف کعبہ ہے اور نہ ہی وہ متبرک ہے، کسی بھی امام یا فقیہ نے خانہ کعبہ پر چڑھائے جانے سے پہلے اسے متبرک نہیں کہا۔ جو ھدی یا جانور اللہ کے تقرب کے لئے نامزد کر کے خانہ کعبہ کی طرف لے جایا جارہا ہو۔ وہ ھدی میں داخل ہے۔ مگر یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اسے سارے ملک میں پھرایا جائے اور اس کی نمائش کی جائے، اس پر کپڑے ڈالے جائیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ غلاف کعبہ شریف پر چڑھانے کے باوجود وہ حاجت روا اور مشکل کشا نہیں بن جاتا۔

مشکل کشا اور حاجت روا صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ کعبہ شریف پر غلاف حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی ڈالا جاتا تھا، مگر جس طرح جماعت اسلامی اور بریلویوں کے لیڈروں نے اس کی زیارت، نمائش اور جلوس کا اہتمام کیا ہے خیر القرون میں ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کی اجازت دی گئی۔ یہ ایک خالص بدعت ہے جو ان دونوں جماعتوں کی اجتماعی کوشش سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو چشم بصیرت عطا فرمائے اور لیڈرانِ قوم کو خوفِ خدا کی دولت نصیب فرمائے"۔ (مولانا غلام اللہ خان)

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء: مرزائیوں کی شر انگیزی کے باعث ایک مرتبہ پھر ملک کے سات کروڑ مسلمان قادیانیوں کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے اور بالآخر اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے جس کی خاطر بے پناہ قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر نہتے مسلمان طلباء پر مرزائی غنڈوں نے بزدلانہ حملہ کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ اس واقعہ سے مسلمان سیخ پا ہوگئے اور سخت مشتعل ہو کر مذہبی اور سیاسی قائدین، طلبا اور عوام نے ملک بھر میں ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ چونکہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہوتے ہی حضرت شیخ القرآن کو پسِ دیوار زنداں بھیج دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں تاجدار ختم نبوت کے ساتھ اپنے عشق و محبت کے جوہر دکھانے کا موقع میسر نہ آسکا۔ جس کی مکافات کے لئے ۱۹۷۴ء کی تحریک کی خاطر جانی، مالی، علمی اور عملی تمام تر توانائیاں ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر نچھاور کر دیں۔ اور تن، من، دھن کی بازی لگا کر مرزائیت کے خلاف سینہ سُپر ہوگئے اور جس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کی خاطر "مسجد نبوی شریف" کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز گردانا۔ یونہی شیخ القرآن نے بھی سُنّت صدیقی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، مرزائیت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن کی مسجد کو مرکز قرار دے دیا۔ چنانچہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر شیخ القرآن نے شہر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کا ایک ہنگامی اجلاس ۳۰ مئی ۱۹۷۴ کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلب کیا۔ جس میں طے پایا کہ سانحہ ربوہ کے خلاف ۳۱ مئی کو تمام مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں صدائے احتجاج بلند کی جائے اور اس واقع کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالا جائے، جس کی ترکیب اس طرح ہو کہ تمام بڑی مساجد سے لوگ جلوس کی صورت میں راجہ بازار پہنچیں اور پھر ایک بڑے جلوس کی شکل میں حسبِ پروگرام روانہ ہو جائیں۔

چنانچہ ساڑھے تین بجے دارالعلوم تعلیم القرآن سے شیخ القرن کی قیادت میں جلوس برآمد ہوا۔ ایک جلوس جامعہ فرقانیہ کوہاٹی بازار سے برآمد ہوا۔ جس کی قیادت مولانا عبد الحکیم کر رہے تھے، جبکہ مرکزی جامع مسجد سے برآمد ہونے والے جلوس کی قیادت طالب علم لیڈر شیخ رشید احمد اور مولانا فیض علی فیضی کر رہے تھے اسی طرح دوسری مساجد سے بھی جلوس نکل کر راجہ بازار میں بڑے جلوس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ جلوس مختلف بازاروں سے گزرتا ہو لیاقت باغ کے وسیع میدان میں پہنچ کر عظیم الشان جلسہ کی صورت اختیار کر گیا۔ جس سے ہر مکتب فکر کے علماء نے خطاب کیا۔ شیخ القرآن نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا، "سانحہ ربوہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں ملوث تمام مجرموں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ عوام میں پائے جانے والی بے چینی کا ازالہ ہو سکے اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کے دیرینہ اور متفقہ مطالبہ کو پورا کیا جائے" مرزائیوں کے خلاف مسلمانوں میں

زبردست ہیجان پایا جاتا تھا، ہر جانب مظاہرے اور احتجاج شروع ہو چکا تھا۔ وقت کی نزاکت کے پیش نظر شیخ القرآن نے ۳ جون ۱۹۷۴ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں ملک بھر کے مقتدر علماء کرام اور مختلف جماعتوں کے قائدین کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کرلیا۔ ادھر حکومت نے سانحہ ربوہ میں ملوث مرزائی بلوائیوں کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام کرنے کی بجائے تحریک کو کچلنے کی ٹھان لی۔ اس اجتماع کو ناکام بنانے کے لئے حکومت نے تین مندوبین مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور علامہ تاج محمود کو لالہ موسیٰ اسٹیشن پر ریل سے اتار لیا۔

بہر حال اجلاس میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ مرزائیوں کو فی الفور غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور عوام سے مرزائیوں کی مصنوعات کا مقاطعہ کرنے اور سانحہ ربوہ کے خلاف ہڑتال کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں ۴ جون کو پنجاب کے تمام بڑے شہروں میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ ۹ جون لاہور میں تاریخی اجلاس ہوا، جس مین تمام مکاتب فکر کے علماء اور سیاسی جماعتوں کے مندوب شریک ہوئے، جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے جنرل سکٹریری کی حیثیت سے شیخ القرآن نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں مجلس عمل کی جانب سے ۱۴ جون کو ملک گیر مکمل ہڑتال اور مرزائی امت کے ساتھ مکمل سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۳ جون کو وزیر اعظم بھٹو نے ریڈیو سے تقریر نشر کی۔ لیکن اس میں حادثہ ربوہ کا نام تک نہیں لیا البتہ مرزائیوں کے متعلق کہا کہ یہ نوے سال کا پرانا مسئلہ ہے، اتنی جلدی حل ہونے والا نہیں۔ ۱۴ جون کو مجلس عمل کی اپیل پر ملک میں درہ خیبر سے کراچی اور کوئٹہ سے لاہور تک ایسی مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی اور نماز جمعہ کے بعد ہر شہر کی بڑی بڑی مساجد میں جلسے بھی ہوئے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن میں نماز جمعہ کے بعد بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں شہر کے تمام مسالک کے علماء اور طالب علم لیڈروں نے خطاب کیا۔ اگرچہ جلسہ دارالعلوم کی مسجد کے اندر تھا۔ لیکن ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ راجہ بازار میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ دارالعلوم کے باہر راجہ بازار اور گردو نواح کی عمارتوں کی تین منزلہ چھتوں پر پولیس پوزیشن لئے تیار کھڑی تھی۔ گویا کہ ان کی جنگ مرزائیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ انتظامیہ جلتی پہ تیل ڈالنے کی مذموم کوشش میں مصروف رہی۔ مجمع کو مشتعل کرنے کے لئے بار بار لاٹھی چارج کرتی رہی۔۔ لیکن شیخ القرآن اور دیگر علماء کرام نے مدبرانہ اور دانشمندانہ رہنمائی سے عوام کے جذبات قابو میں رکھے۔ شیخ القرآن نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا!

"ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت مرزائیوں کے متعلق نرم گوشہ رکھتی ہے۔ لیکن اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اگر پیپلز پارٹی نے اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مخالفت کی اور انہیں مسلمان قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ تو ہم ان کے ایسے فیصلہ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے اس دیرینہ مطالبہ کو پورا کیا جائے۔ ورنہ اس راہ میں حائل ہونے والی "چٹانوں" کو ہم پاش پاش کردیں گے اور اعلان کیا کہ احتجاج موثر طریقہ سے جاری رکھتے ہوئے ۳۰ جون تک شہر کی ہر بڑی مسجد میں جلسے منعقد ہوتے رہیں گے۔"

چنانچہ شیخ نے بڑی مستعدی اور جوش وولولہ کے ساتھ دیگر علماء کی ہمرکابی میں تمام جلسوں میں شرکت کی اور اپنے پہلے سے طے شدہ پروگرام منسوخ کردئے۔"

۱۶، جون کو حضرت شیخ مجلس عمل کے اجلاس میں شرکت کے لئے فیصل آباد تشریف لے گئے۔ جہاں تمام مکاتب فکر کے مندوبین کی اتفاق رائے سے علامہ سید محمد یوسف بنوری کو مجلس عمل کی صدارت کا منصب تفویض کیا گیا اور اجلاس میں طے پایا کہ تحریک کو پرامن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور سول نافرمانی کا شکار ہونے سے بچایا جائے اور قادیانیوں کا بائیکاٹ جاری رکھا جائے"۔

لیکن حکومت کا رویہ بیحد معاندانہ اور شر انگیز تھا۔ اکثر شہروں میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی، پریس پر پابندی عائد کردی اور انتظامیہ اشتعال انگیز کارروائیوں میں مصروف تھی علماء اور طلبا کو گرفتار کر کے اذیتناک سزادی جارہی تھی۔ اجلاس سے واپسی پر شیخ القرآن کو گرفتار کرلیا گیا۔ جبکہ اس سے قبل پولیس نے علماء کے گھروں میں آدھی رات کو گھس کر راولپنڈی کے ۱۴ علماء اور بہت سے طالب علم لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ ان کے ساتھ جیل میں توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا اور انہیں اخلاقی مجرموں کی طرح پابند سلاسل کردیا گیا جس کے باعث علمانے احتجاجاً کھانے کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ لیکن عوام کے زبردست ردعمل اور احتجاج سے مرعوب ہو کر وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے کی ہدایت پر ۱۷ جون کو شیخ القرآن سمیت دیگر ۱۴ علماء کرام کو رہا کردیا گیا۔ ۱۸ جون شیخ القرآن نے رہائی کے بعد دارالعلوم تعلیم القرآن میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "حکومت کو چاہیئے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد اسمبلی میں پیش کرنے کی بجائے اسے بل کی صورت میں پیش کرے۔ کیونکہ قرارداد پیش کرنا، یا اس مسئلہ کو سپریم کورٹ یا اسلامی مشاورتی کونسل میں پیش کرنا اسے کھٹائی میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ جبکہ مرزائیوں کے مسئلہ پر ۱۹۵۳ء میں ۳۳ علمائے دین اپنا فیصلہ دے چکے ہیں، اگر وزیر اعظم چاہیں تو پارٹی کے ارکان اسمبلی کو پارٹی ڈسپلن کے تحت بل کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کرسکتے ہیں اور اس طرح مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا قانون ایک دن میں پاس ہوسکتا ہے۔ جہاں تک انہیں کلیدی اسامیوں سے ہٹانے کا تعلق ہے، تو یہ کام وزیر اعظم ایک حکم کے تحت اسی طرح کرسکتے ہیں جس طرح انہوں نے ۱۳۰۰ سو بدعنوان افسران کو برطرف کیا تھا۔ شیخ نے طالب علم لیڈروں کی رہائی کا پُرزور مطالبہ بھی کیا"۔ ۲۸ جون مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں مجلس عمل کا احتجاجی جلسہ منعقد ہوا، جس میں امیر مجلس عمل علامہ سید محمد یوسف بنوری، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مولانا عبد المصطفیٰ الازہری، علامہ تاج محمود وغیرہ نے خطاب کیا۔ ۲۹ جون دارالعلوم تعلیم القرآن میں مجلس عمل کی ایک میٹنگ میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت پر زور دیا گیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا بل منظور ہونے تک قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ کیا جائے، اسی روز نماز عشاء کے بعد دارالعلوم تعلیم القرآن میں جلسہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں علامہ بنوری، مفتی محمود، شیخ القرآن، علامہ مظفر علی شمسی، مولانا ثناء اللہ بھٹہ اور دیگر علماء نے خطاب کیا۔ اور سندھ اور پنجاب اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کی اجازت نہ دینے پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ ۳۰ جون کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں مجلس عمل کا اجلاس زیر صدارت علامہ محمد یوسف بنوری منعقد ہوا، جس میں تمام مذہبی وسیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے شرکت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا "کہ قادیانیوں کی عسکری و نیم عسکری تنظیموں کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور ان کے تمام فنڈز منجمد کئے جائیں"۔

۲۱ جولائی دارالعلوم تعلیم القرآن میں مجلس عمل کے اجلاس میں عوام کو صبر و تحمل کے ساتھ مطالبات منظور ہونے تک تحریک جاری رکھنے اور مرزائیوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ قائم رکھنے کی اپیل کی گئی۔ اسی روز شیخ القرآن نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ سوشل

بائیکاٹ کے متعلق مجلس عمل کے فیصلہ پر عمل پیرا ہونے کی عوام کو تاکید مزید کی۔ ۴، اگست دارالعلوم تعلیم القرآن میں مجلس عمل کا اجلاس ہوا، جس میں علماء کرام اور طلبا کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے اسے حکومت کی شر انگیز کاروائی قرار دیا۔ مجلس عمل کے ایک اجلاس میں طے پایا کہ راولپنڈی و اسلام آباد کے تمام طلباء آئندہ جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں جمع ہوں، اور جلوس کی شکل میں گورنمنٹ ہاسٹل سے گزرتے ہوئے قومی اسمبلی ہال پہنچ کر وزیر اعظم بھٹو کو ایک یادداشت پیش کریں۔ حسب پروگرام نماز جمعہ کے بعد بہت بڑی تعداد میں علماء کرام مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں پہنچ گئے، جہاں عظیم الشان جلسہ کرنے کے بعد ہزاروں کی تعداد میں علماء، وکلا، سیاسی لیڈر، طالب علم لیڈر اور عوام کا جلوس شیخ القرآن کی قیادت میں روانہ ہوا۔ گرمی کی شدت کے باعث پسینہ میں شرابور، عارضہ قلب میں مبتلا، ستر سالہ پیرِ جوان، عشق نبوی ﷺ سے چور شیخ القرآن خراماں خراماں ہاسٹل کی طرف رواں دواں ہیں۔ مرزائیوں کی اشتعال انگیز کاروائیوں اور حکومت کے سرد مہری کے خلاف جلوس کے شرکاء زبردست غم وغصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ گورنمنٹ ہاسٹل کو جانے والی سڑک پولیس نے بلاک کر رکھی تھی۔ مسلح پولیس کی بہت بڑی تعداد دیکھ کر جلوس کے شرکاء مشتعل ہوگئے اور پولیس کا گھیرا توڑ کر برابر آگے بڑھتے گئے، ہاسٹل کے پاس پولیس نے پھر ناکہ بندی کر رکھی تھی، اتنے میں مفتی محمود اور دوسرے معزز اراکین اسمبلی تشرف لے آئے اور مفتی صاحب نے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے ان کی جدوجہد کو سراہا اور انہیں یقین دلایا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے تک ہم بھی تمہارے شانہ بشانہ شریک کار رہیں گے، جلوس کے شرکاء اسمبلی ہال تک جانے پر مصر تھے، مفتی صاحب کا بیان ختم ہوتے ہی جلوس نے پیش قدمی شروع کردی۔ اسمبلی ہال کے قریب پہنچنے پر پولیس نے زبردست لاٹھی چارج کیا اور نہتے مظاہرین پر گولیاں برسائیں، مظاہرین نے پتھراؤ شروع کردیا اور کئی گھنٹے یہ سلسلہ جاری رہا۔

جلوس کے قائدین نے ایک مرتبہ پھر ہاسٹل کے باہر جلوس کو منظم کیا اور پولیس افسران سے گفت وشنید ہونے لگی کہ ہم پر امن طور پر اسمبلی ہال پہنچ کر یادداشت پیش کرکے منتشر ہوجائیں گے۔ اسی اثنا میں ایک ایس ایچ او نے ایسی شاطرانہ چال چلی کہ سب اس کے دام فریب میں آگئے۔ اس نے ہاسٹل کی دیوار پر کھڑے ہو کر خطبہ مسنونہ کے بعد" ماکان محمدا ابا احد من رجالکم"الخ پڑھی اور ختم نبوت کے موضوع پر دھواں دھار تقریر شروع کردی۔ لوگ پوری یکجہتی اور انہماک سے تقریر سن رہے تھے اور محظوظ ہو رہے تھے کہ ایس ایچ او نے پولیس کو کاروائی کرنے کا ارشاد کردیا۔ پھر پولیس نے جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی قابل مذمت اور باعث صد نفرین تھا۔ انتہائی بے رحمی سے لاٹھیاں برسائیں اور ایسی زہریلی آنسو گیس کے گولے پھینکے کہ خدا کی پناہ، بہت سے علماء وکلا، اور طلبا شدید زخمی ہوئے، اشک آور گیس سے ہاسٹل میں مقیم ممبران اسمبلی اور ان کے اہل خانہ بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ گیس اس قدر مہلک تھی کہ بہت سے لوگوں کو خون کی قے ہونے لگی۔ بہت سے علماء اور طلبا کو گرفتار کرلیا گیا، جن میں شیخ القرآن کے صاحبزادے مولانا حسین علی بھی شامل تھے اور زخمی ہونے والوں میں شیخ کے بڑے صاحبزادے مولانا احسان الحق بھی شریک تھے۔

لیکن شیخ القرآن نے جس بیمثال صبرو تحمل کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی قابل رشک اور حیرت انگیز تھا، شدید علالت کے باوجود سکون وطمانیت اور پامردی کے ساتھ پیش آمدہ مظالم کا مقابلہ کیا۔ گیس کی شدت سے سانس لینا دشوار ہوگیا، دیر تک سکتہ طاری رہا۔ لیکن معنی خیز خاموشی کے ساتھ سب کچھ برداشت کرگئے۔ بالآخر غروب آفتاب کے بعد لوگ گھروں کو واپس لوٹ گئے اور شیخ القرآن نے انتظامیہ سے

رابطہ قائم کر کے اسیران ختم نبوت کی رہائی کرائی۔ تب اطمینان حاصل ہوا۔

وہ روحِ انجمن، فخرِ چمن، معمارِ میخانہ کہاں سے لائیں گے اہل وطن اب ایسا مستانہ
قلم سنگین، نگاہِ حق شناس و نکتہ رس فطرت بیان دلگداز و جرأتِ بیباک مردانہ
غریقِ عشقِ حق و مستِ جامِ بادۂ سنت وہ سرشارِ مئے عرفاں و فخرِ بزم رندانہ
کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

علماء کرام کی طرح بہت سے طلباء بھی جیل میں حکومت کے حیا سوز سلوک کا شکار ہوئے، طلبا کو برہنہ کر کے پیٹا گیا۔ اور انہیں اذیت ناک سزائیں دی گئیں، آخر کار ۱۶ اگست ۱۹۷۴ء کو بیس طالب علم لیڈروں کو میانوالی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ شیخ القرآن نے شمع رسالت کے ان پروانوں اور اسیران ختم نبوت کا استقبال کرنے اور ٹھنڈے مشروبات سے ان کی ضیافت کرنے کا ریلوے اسٹیشن پر پروگرام بنایا۔ اگرچہ طلبا کی تعداد بیس تھی۔ لیکن شیخ نے کم از کم ایک سو آدمیوں کی مشروبات پلانے کی خدمت پر اپنے خادم محمد عبد المعبود کو مامور فرمایا۔ شیخ کی قیادت میں سیکڑوں علماء اور بڑی تعداد میں دینی مدارس، اسکولوں اور کالجوں کے طلبا سٹیشن پر جمع ہوگئے، پلیٹ فارم اور باہر کے حصہ میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ ادھر پولیس کی مسلح بھاری جمعیت بھی طلبا کا "استقبال" کرنے کے لئے دیر سے چشم براہ تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے دن گاڑی پہنچنے پر علما اور طلبا نے رہا ہونے والے طالب علم لیڈروں کو پھولوں کے ہار پہنائے، استقبالی طلبا کی خواہش تھی کہ جلوس کی شکل میں اپنے ساتھی طلبا کو دارالعلوم تعلیم القرآن لے جایا جائے، جیل کی جاں گداز صعوبتوں سے رہائی پانے والے طلبا ابھی پانی کا گھونٹ بھی نہ پینے پائے تھے کہ پولیس نے بڑی سنگدلی کے ساتھ لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں اور اشک آور گیس پھینکنے لگی۔ جس سے علماء طلبا اور سٹیشن پر موجود مسافر بری طرح متاثر ہوئے، اور بیس طلبا کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس افراتفری اور بھگدڑ میں شیخ القرآن پولیس کے ظلم و تشدد اور بربریت کے خلاف سراپا احتجاج بنے پلیٹ فارم پر تنہا کھڑے تھے۔ اشک آور گیس سے آنکھوں میں سوزش اور آنسو رواں تھے۔ موصوف کا خادم عبد المعبود یہ کیفیت دیکھ کر فوراً کپڑا پانی سے بھگو کر لایا۔ آنکھوں پر پھیرنے سے شیخ کو راحت پہنچی اور چند لمحوں کے لئے ایک طرف بٹھایا۔ پھر طلبا کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا، تھوڑی سی دیر میں تمام طلبا جمع ہوگئے، شیخ انہیں ہمراہ لے کر سٹیشن سے باہر آئے یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جو ویگنیں، ٹیکسیاں اور کاریں طلبا کو لے جانے کے لئے پارک کی تھیں۔ پولیس نے سب غائب کر دیں۔ جس کی وجہ سے پیدل دارالعلوم تعلیم القرآن کو روانہ ہونا پڑا۔

دارالعلوم پہنچ کر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ القرآن نے طلباء کی تحریک ختم نبوت کے لئے جدوجہد اور قربانیوں پر انہیں مبارک باد پیش کی، اور ان کے عزم و حوصلہ کو سراہا اور انہیں اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی اور پولیس کی مبینہ زیادتیوں اور ظلم و تشدد کی پرزور مذمت کی۔

بدینِ مصطفیٰ دیوانہ بودی فدائے ملتِ جانانہ بودی
بہ بزمِ مارئیس عشق بازاں بہ رزم دشمناں فرزانہ بودی
بدل بودی فقیرے بے نوائے بہ قالب پیکرِ شاہانہ بودی

جن دنوں تحریک پورے عروج پر تھی اور جوش وخروش کے ساتھ منزلِ مراد کی طرف رواں دواں تھی۔ تو وزیر اعظم بھٹو نے شیخ القرآن سے ایک ملاقات کے دوران درشت لہجہ میں کہا تھا، "مولانا آپ کا یہ دار العلوم ہے یا تحریکوں کا ہیڈ کوارٹر" شیخ نے برجستہ جواب دیا، وزیر اعظم صاحب میرے مدرسہ کا نام ہے دار العلوم تعلیم القرآن اور قرآن کی تعلیم یہ ہے۔ "**ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّن**" وزیر اعظم کے دو بدو ایک مرد قلندر کا اس بیباکی کے ساتھ اظہارِ حق کرنا، اسے کب گوارہ ہوسکتا تھا۔ پہلے ہی سے شیخ کی سر فروشانہ سرگرمیوں اور حکومت اور قادیانیوں کے خلاف موثر کاروائیوں نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ گلشن رسالت میں چہکتے ہوئے اس خوش نوا "عندلیب" کو راستہ سے ہٹانے کی سازشیں ہونے لگیں اور بالآخر کابینہ کے ایک اہم اجلاس میں شیخ القرآن کے قتل کا قطعی فیصلہ کرلیا گیا۔

جس طرح فرعون کے محلات میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ ہوتے ہی اندر ہی کے ایک مردِ مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خفیہ راز سے آگاہ کردیا تھا، اسی طرح نشۂ اقتدار میں بدمست وزیر اعظم کے انتہائی رازداری کے ساتھ ایک مردِ حق آگاہ کے قتل کے فیصلہ کو افشا کرنے کے لئے خدا نے سی آئی اے کے ایک اعلیٰ افسر کو "فرشتۂ رحمت" بنا کر بھیج دیا۔ جس نے آدھی رات کے وقت شیخ کے ایک قابل اعتماد شاگرد کو ویرانے میں لے جا کر آگاہ کردیا۔ اور تاکید کی کہ اسی وقت شیخ کسی محفوظ مقام پر منتقل ہوجائیں، چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی تدابیر اپنالی گئیں اور اللہ کریم نے حکومت کے شر سے محفوظ فرمایا۔ قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ آخری مراحل میں داخل ہوچکا تھا۔ لیکن وزیر اعظم کا کردار مشکوک نظر آتا تھا۔ پولیس اور اینٹیلی جنس کو چوکنا کردیا گیا اور بڑے شہروں میں فوج بلالی گئی۔ جبکہ سات کروڑ مسلمان قادیانیوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔ اس سے ٹکرانا بھی آسان نہیں تھا۔ ادھر مجلس عمل نے الٹی میٹم دے دیا کہ اگر ۷ ستمبر تک مسلمانوں کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو ۸ ستمبر کا سورج سرخ انقلاب کا علم لئے طلوع ہوگا۔ ستمبر کی ابتدا ہی سے مجلس عمل کے مرکزی قائدین، دیگر علماء اور سیاسی لیڈروں نے دار العلوم تعلیم القرآن میں مستقل قیام اختیار کرلیا تھا، رات دن میٹنگیں، مشورے اور جلسے جاری رہتے، اور آخری جلسہ ۷ ستمبر کو دار العلوم ہی میں رکھا گیا۔ جس میں مطالبات منظور نہ ہونے کی صورت میں کسی انتہائی اقدام کا اعلان متوقع تھا۔ لیکن آخر کار شہیدوں کا خون رنگ لایا۔ علماء کرام اور عوام کی بے پناہ قربانیاں بار آور ثابت ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کرادیا۔ جلسہ کے دوران ہی یہ مژدۂ جاں فزا سنایا گیا، "کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ہر قسم کی ذریت کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے" اگرچہ اس موقع پر شیخ القرآن موجود نہیں تھے لیکن ان کی مخلصانہ جدوجہد اور کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہونے پر ہر آدمی بزبان حال انہیں ہدیہ تبریک پیش کر رہا تھا (۱)۔

ملی وملکی خدمات: حضرت شیخ القرآن کی شاندار ملی وملکی خدمات تاریخ کے درخشندہ باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ملک کو ملت کو پیش آنے والی ہر آزمائش میں جان جوکھوں میں ڈال کر دامے، درمے، سخنے ہر طرح کا مکمل تعاون پیش کیا۔ اگرچہ سیاسی وابستگی کسی جماعت کے

---

(۱) قومی اسمبلی میں مختلف ممبران نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک پیش کی تھی جس پر خاصے دن بحث ہوتی رہی۔ ربوہ سے مرزا ناصر کو بلا کر جرح ہوتی رہی، اس کی تفصیل حضرت مفتی محمود والے مضمون میں موجود ہے۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری کراچی سے کفن بردوش آئے۔ (ارشد)

ساتھ نہیں، تاہم قیام پاکستان سے قبل انگریز کے خلاف اور ملک وملت کی آزادی وسرفرازی کے لئے اکابر علماء دیوبند کی ہمرکابی میں مصروف جہاد رہے۔ جہاد کشمیر میں آپ کی گراں قدر خدمات قابل تبریک وتحسین تھیں۔ ۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا، اور جوش خطابت سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد اجاگر کیا۔ اور پاک افواج کے بھرپور تعاون اور امداد کی ترغیب وتحریص دلائی، نیز جہاد فنڈ میں لاکھوں روپیہ کا چندہ فراہم کیا۔ ۱۹۷۳ کی عوامی تحریک میں آپ پیش پیش تھے۔ ۱۹۷۷ کی تحریک نفاذ اسلام میں بھی سرگرم حصہ لیا اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر تحریک کو موثر اور فعال بنایا۔ تحریک کے حق میں اٹھنے والی ہر آواز اور اس کی کامرانی کے لئے نکلنے والے ہر جلوس کا مرکز دارالعلوم تعلیم القرآن تھا۔

شدائد ومصائب: شیخ القرآن کی زندگی شدائد ومصائب ہی سے عبارت ہے، ان روح فرسا واقعات کا احاطہ کرنا اس مختصر سی روداد میں ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے، محض داستانِ درد سنانے کی ریت پوری کی جاتی ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء کی شب مسجد قاسم علی خان پشاور میں مسئلہ توحید بیان کرنے کے "جرم" میں ایک شقی القلب، انسان نما درندے نے "استرے" سے شیخ القرآن پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کی رگِ حیات کاٹنے کی ناکام جسارت کی۔ آپ کے چہرے، کان، ہاتھ، کلائی وغیرہ پر چھ زخم آئے، لیکن سب سے زیادہ خطرناک زخم گلے پر تھا، جو ۱/۲-۵" لمبا اور کافی گہرا تھا۔ موقع پر موجود لوگوں نے ملزم عبدالرؤف کو پکڑلیا اور شیخ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ زخموں سے خون فوارہ کی طرح رواں، مگر حوصلہ اور ہمت بالکل جواں اور ہوش وحواس برقرار تھے۔ ڈاکٹر جب بے ہوش کرنے لگے، تو شیخ نے فرمایا "موت وزندگی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، نہ معلوم میرا چراغ زندگی گل ہونے ہی والا ہو، اس لئے آپ حضرات کو گواہ بناکر میں ایک وصیت کرتا ہوں۔ پھر کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا تم لوگ قیامت کے دن گواہ رہنا کہ غلام اللہ، اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہے، اس کی ذات وصفات میں انبیاء، اولیاء، ملائکہ، جنات بلکہ مخلوق میں سے کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور آخری نبی ہیں۔ جن کا مقام ساری کائنات سے بلند وبالا ہے، اب تمہیں اجازت ہے جو چاہو کرو"۔

سبحان اللہ! مردمومن کی جرأت ایمانی کا مظاہرہ کس قدر قابل رشک ہے کہ موت وزیست کی کشمکش کے وقت بھی توحید خداوندی کا نغمہ زباں پر ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

"ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء" ملزم نے عدالت میں اعتراف جرم کرتے ہوئے وجہ اشتعال یہ بیان کی "مولانا نے تقریر کے دوران رسول اللہ، اولیاء کرام، پیروں اور علماء کرام کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کئے تھے" لیکن فاضل جج کے استفسار پر قابل اعتراض جملے نہ بتاسکا۔ کیونکہ یہ سوچی سمجھی سازش تھی، وجہ اشتعال کیا ہوسکتی تھی۔ مولانا مرزا یعقوب نے اس بزدلانہ حملہ پر اپنا منظوم کلام پیش کیا تھا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

بزدلوں کی بزدلی کا یوں چلتا ہے پتا شیروں کے مارنے کو آئے ہیں لے کے استرا

عدالت نے فیصلہ میں جو ریمارکس تحریر کئے وہ بیحد قابل قدر ہیں۔ "قاتل نے جس تقریر کو وجہ اشتعال قرار دیا ہے۔ اس کا مضمون قرآن مجید کی مختلف آیات پر مبنی ہے جس میں توحید ورسالت کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ جہاں تک اشتعال کا تعلق ہے، ملزم کو

اتنا بھی یاد نہیں کہ وہ کون سے الفاظ تھے، جنہوں نے اسے اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر مجبور کردیا اور پھر وہ بھی خانہ خدا میں"۔ تاہم عدالت نے ملزم کو سات سال قید کا حکم سنایا۔ سکندر مرزا کا نامسعود دور پاکستان کی تاریخ کا سیاہ باب تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے عہد حکمرانی میں بھی شیخ القرآن زیر عتاب رہے۔ ۱۹۵۳ء میں راولپنڈی کا ایک متعصب شیعہ ڈپٹی کمشنر جسے شیخ کی زبان حق ترجمان سے مدح صحابہؓ سننا انتہائی ناگوار اور شاق گزرتا تھا، صحابہ کرام کی تعریف و توصیف سے آتشِ عناد میں جلتا رہتا تھا۔ اور" لیغیظ بھم الکفار "کی مجسم تصویر تھا۔ اس نے آوازِ حق وصداقت کو دبانے کے لئے، کسی گاؤں میں شیخ کو نظر بند کردینے کی وارننگ دی۔ لیکن ایسی گیدڑ بھبکیوں سے مردآہن کب مرعوب ہونے والا تھا۔ بہرحال اس نے راولپنڈی سے کوئی ۲۰ میل دور جنوب مشرق میں واقع ایک گاؤں "کلرسیداں" میں رجب، شعبان اور رمضان تین ماہ کے لئے نظر بند کردیا۔ حالانکہ ان مقدس مہینوں میں شیخ القرآن دورہ قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، جس میں پاکستان کے علاوہ بہت سے دوسرے ممالک سے بھی علماء اور طلباء شریک ہوتے تھے۔

قدرت نے شیخ القرآن کو کچھ ایسے اوصاف کا مرقع بنایا تھا کہ وہ جہاں بیٹھ جاتے، بہاریں ان کی قدم بوسی کرتیں، وہ مسکراتے تو آسمان سے بجلیاں کوندتیں، ان کی پیشانی پر بل آجاتا، تو حکمرانوں کے ایوانوں میں تھرتھراہٹ پیدا ہوجاتی۔ ستارے رات بھر قندیلیں لئے ان کی محفل کو آراستہ کرنے کو سعادت سمجھتے۔ ویرانوں میں اگر وہ شمعِ دل فروزاں کرتے، تو وہاں بھی پروانوں کا جمگھٹا ہوجاتا!

حسنِ بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن

شیخ نے کلرسیداں کی مسجد میں ڈیرہ لگالیا۔ اور اپنی سحر انگیز آواز میں تلاوتِ قرآن شروع کردی۔ سارا علاقہ شرک وبدعات اور رسوم ورواجات کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ دین فروش مولوی اور پیر لوگوں کے ایمان اور مال پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ سادہ لوح مسلمان ان کی ملمع سازی اور فریب کاری کا شکار تھے۔ لیکن شیخ نے اس ویرانہ میں ایسا چشمۂ فیض جاری کیا جس سے ہر خاص وعام فیض یاب ہونے لگا۔ قرآن وسنت کی ایمان پرور روشنی میں لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح ہونے لگی۔ جن لوگوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھنا نہ آتا تھا وہ بھی ترجمہ اور تفسیر قرآن پڑھنے کے ذوق سے سرشار ہوگئے، وہ اولیاء کرام کے اوصاف حمیدہ سے روشناس اور جعلی پیروں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہوگئے۔

وہاں کا ایک سادہ لوح مسلمان اپنی سرگزشت اس طرح بیان کرتا تھا۔

"ہمارے ہاں کشمیر کا ایک پیر ہر سال شیرینی، شکرانے وصول کرنے آیا کرتا تھا، ہم ان کے پجاری اور عقیدت مند تھے، اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ میرے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی، جس کا مجھے قلبی قلق تھا۔ میں نے پیر صاحب سے التجا کی مجھے صاحب اولاد کردیں، انہوں نے فرمایا، تیرے ہاں لڑکا ہوگا، لیکن بھینس کا نذرانہ چڑھانا ہوگا۔ میں نے اس شرط کو بخوشی قبول کرلیا۔ اسی اثنا میں شیخ القرآن کا کلرسیداں میں ورود مسعود ہوا۔ ان کی تقریریں سننے سے معلوم ہوا کہ ہم جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں، ان مولوی اور پیروں نے ہمیں گمراہی کے بحیر عمیق میں دھکیل دیا ہے۔ اب حقیقت آشکار ہوئی کہ ہر ایک خیر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ وہی فریاد رس اور اولاد عطا کرنے والا ہے۔ پھر میں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر اپنے عقائد باطلہ سے توبہ کی اور دل کی گہرائیوں سے اس کی وحدانیت اور ربوبیت کو قبول

کیا۔ پھر اسی کے حضور دعاء التجا کی اے اللہ تو میری جھولی کو ہرا بھرا کردے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد پیر صاحب بھی آگئے۔ وہ حسب معمول بلا اجازت سیدھے میرے گھر میں آئے، میں نے کہا "دُر۔ دُر" دفع ہوجا تو کون ہے، اس نے کہا، ذرا ہوش سے بات کرو کیا کہہ رہے ہو میں تمہارا پیر ہوں اور یہ گھر میں میری بچیاں ہیں۔ میں نے کہا "بچیاں نہ پچیاں، خبردار میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرنا۔ یہ تو میری بیوی اور بیٹیاں ہیں تو غیر محرم کیسے ان کے پاس جاسکتا ہے"۔ پیر نے کہا "میں نے تجھے بیٹا دیا ہے اور میری بھینس تیرے پاس ہے میں لینے آیا ہوں" میں نے کہا مجھے بیٹا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو کون ہے خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔ فوراً میرے گھر سے نکل جا۔ اس پر پیر نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے غلام اللہ کی تقریر سنی ہے اور تم وہابی ہوگئے ہو" میں نے کہا بیشک میں نے مولانا غلام اللہ خان کی تقریریں سنی ہیں الحمدللہ کہ انہوں نے مجھے جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا ہے۔ وہ شخص حضرت شیخ کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا کرتا تھا "استاد جی اللہ تساڈا بھلا کرے تُسی آئے او تے خدا نے بینوں پُتر وی دے دتا، تے مَج وی بچ گئی"۔

اس طرح شیخ نے توحید و رسالت اور شانِ صحابہؓ کے تبلیغی مشن کو بے حد موثر طریقہ کے ساتھ جاری رکھا اور انتظامیہ کی گوشمالی سے بھی باز نہ آئے۔ جس پر انتظامیہ نے تین ماہ پورے ہونے سے پہلے ہی انتہائی خجلت وندامت کے ساتھ نظر بندی کا حکم واپس لے لیا۔

ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں اقتدار پر قبضہ کرلیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا۔ اگرچہ فوجی حکومت کے خلاف لب کشائی سنگین جرم تھا، مگر شیخ القرآن حق گوئی سے کب باز آنے والے تھے۔ آخر صدائے حق بلند کرنے کی پاداش میں گرفتار کرلئے گئے۔ فوجی حکمرانوں نے دس سال قید اور پچیس ہزار روپے جرمانہ کے نادر شاہی احکامات جاری کئے۔ مگر آپ کے صرف دو شیدائیوں نے پچیس پچیس ہزار روپیہ عدالت میں پیش کردیا، لیکن بعد میں عدالت کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بنا بریں جرمانہ معاف کردیا اور دس سال تک پابند سلاسل رکھنے کی بجائے صرف اڑھائی ماہ کے بعد ہی رہائی کا پروانہ جاری کردیا۔

ایک مرتبہ شیخ القرآن اور شیخ محمد شریف جنرل سکریٹری انجمن تاجران کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس کی بھاری جمعیت نے سرِ شام دار العلوم تعلیم القرآن کا محاصرہ کرلیا اور مارکیٹ کے دروازے باہر سے بند کرلئے، شیخ القرآن اور شیخ شریف نے احباب سے مشورہ کے بعد کسی بھی صورت حال سے نبٹنے کے لئے دورہ تفسیر کے سیکڑوں طلبا کو لاٹھیوں سے مسلح کردیا۔ طلبا نے مسجد کے اندر اور چھت پر پوزیشن سنبھال لی۔ حضرت شیخ نماز عشاء کے بعد بے خوف وخطر گہری نیند سوگئے، رات ٹھیک ایک بجے جبکہ ہر جانب خاموشی اور سناٹا تھا، پولیس کو یقین ہوگیا کہ تمام طلبا سوچکے ہیں، لہذا مسجد میں داخل ہوکر شیخ کو گرفتار کرلیا جائے، پولیس جیسے ہی پنڈی مری ٹرانسپورٹ کی عمارت کی چھت پر چڑھی (مسجد کے متصل جنوب میں پنڈی مری بسوں کا اڈہ تھا، جہاں اس وقت مکہ کلاتھ مارکیٹ تعمیر ہوچکی ہے) طلبا فوراً چوکنے ہوگئے، سب نے ایک ساتھ چھت پر زور سے لاٹھیاں ماریں۔ جن کی خوفناک آواز سے پولیس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور وہ ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرسکی اور ذلت ورسوائی کے ساتھ پسپا ہونے پر مجبور ہوگئی۔ پولیس کا محاصرہ رات بھر جاری رہا، مگر اللہ کا شیر میٹھی نیند سویا رہا۔ سحری کے وقت رب ذوالجلال کے حضور عجز ونیاز کے ساتھ سر بسجود ہوکر دیر تک اس کی کبریائی ویکتائی کا ورد کرتا رہا۔ رات کی تاریکی آفتاب عالمتاب کی روپہلی کرنوں کا سامنا کرنے کی تاب نہ لاسکی اور چشم زدن میں اجالے کا روپ دھار

لیا۔ اسی طرح ایک سفاک حاکم کی "وفادار پولیس" جو شب خون مارنے میں ذلت آمیز شکست کھا چکی تھی۔ دن کے اجالے میں "اللہ کے شیر" پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ کہاں سے لاتی۔ مجبوراً محاصرہ توڑ کر کمین گاہوں میں گھس گئی۔

صبح تقریباً ۸ بجے شیخ القرآن اور شیخ شریف نے رفقاء سے مشورہ کے بعد گرفتاری پیش کرنے کا فیصلہ کیا، دار العلوم کے صحن میں کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور نعروں کی گونج میں گرفتاری پیش کرنے بازار کی طرف چل دئے، راجہ بازار میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا جو زبردست نعرہ بازی کر رہے تھے۔ شیخ نے ایک کار کی چھت پر کھڑے ہو کر اعلان کیا "اگر کسی کے پاس میری گرفتاری کے وارنٹ ہوں تو بڑے شوق سے گرفتار کرلے، اگر وارنٹ نہ ہوں تو میرے قریب آنے کی کوشش ہر گز نہ کرنا"۔ لیکن شیخ کے جاں نثاروں کی فوج ظفر موج کی موجودگی میں کون اپنے بچوں کو یتیم کرانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد شیخ اپنے ساتھی شیخ شریف کی معیت میں اپنی کار میں سوار ہو کر کسی نامعلوم سمت کو روانہ ہوگئے۔ ان کی کار روانہ ہوتے ہی سفید کپڑوں میں ملبوس چار آدمی دوڑ کر ایک سفید رنگ کی کار میں سوار ہوئے اس پر لوگوں کو شبہ گزرا کہ یہ پولیس ملازمین ہیں جو شیخ کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب کریں گے، لہذا لوگوں نے کار روک لی۔ جب تسلی ہو گئی کہ شیخ شہر سے نکل چکے ہوں گے، تب انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ شیخ ٹیکسلا کی سمت نکلے تھے، ترنول پہنچ کر گاڑی کھڑی کرائی اور ڈرائیور سے کہا دیکھو تو پولیس کی گاڑی پیچھے آرہی ہے یا نہیں، ڈرائیور نے بتایا کوئی سرکاری گاڑی نظر نہیں آتی۔ شیخ کہنے لگے "پھر ہمارا دماغ تو خراب نہیں کہ ہم بھاگتے جائیں، چلو واپس میرے طلبا کا سبق ضائع ہو رہا ہے" وہاں سے واپس آکر قرآن پڑھانا شروع کردیا۔ چند دن گزرنے کے بعد شیخ کو بالکل تنہا پا کر پولیس نے گرفتار کرلیا۔ یہ شیخ کی جرأت ایمانی کا کرشمہ تھا کہ مسلح پولیس کی بھاری نفری ایک تہی دست درویش منش عالم ربانی کو گرفتار کرنے کے لئے گھنٹوں نہیں کئی کئی دن سوچ کی موج میں گم رہتی تھی۔ ۲۹ اپریل ۱۹۷۷ء بروز بدھ حضرت شیخ القرآن کی ضلع بدری کا پروانہ ملتا ہے اور کیمبل پور بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ کی حق کی للکار نے حکمران ٹولہ کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ ضلع بدر کر کے بھی انہیں سکھ کی نیند نصیب نہ ہو سکی۔ ۵، مئی کو گرفتار کر کے جہلم میں پسِ دیوار زنداں بھیج دیا۔ ادھر ایک انتہائی گھناؤنی، روح فرسا اور دل آزار سازش کے تحت ۶، مئی بروز جمعۃ المبارک پیپلز پارٹی کے غنڈوں اور پولیس نے دار العلوم تعلیم القرآن کی عالی شان مسجد پر ہلہ بول دیا۔ خانۂ خدا میں نمازیوں اور طلبا پر بے دریغ سنگ باری کی۔ مسجد میں شراب کی بوتلیں پھینکیں۔ مسجد کا تقدس پامال کرتے ہوئے پولیس اور پی پی کے غنڈوں نے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں پر لاٹھیاں برسائیں، مسجد کی کھڑکیوں اور دروازوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ تین بجے شام سے سات بجے رات تک یہ غنڈہ گردی جاری رہی۔ عصر، مغرب، اور عشاء کی اذان اور جماعت ہنگامہ کی نذر ہو گئی۔ آخر سات بجے رات طلبہ اور نمازیوں کو گرفتار کر کے ہری پور اور اٹک جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ خانۂ خدا کی بے حرمتی کی دلیرانہ جسارت اور مسجد میں درندگی اور بربریت کے مظاہرہ کی تفصیلات عالمی نشریاتی ادارہ بی بی سی اور آل انڈیا ریڈیو نے بھی نشر کیں۔ پاکستان کی تاریخ میں مساجد کے تقدس کو تاخت و تاراج کرنے کی اس سے زیادہ شرمناک مثال نہیں ملتی۔ بایں ہمہ غنڈوں کو ندامت کے آنسو بہانے کی بجائے "بڑے صاحب" کو خوش کرنے کے لئے اس پر ناز تھا۔ یہاں یہ امر بھی انتہائی عبرت آموز ہے کہ حکومت نے انہی دنوں شیخ القرآن کو قتل کرنے پر ایف ایس ایف کے دو ملازمین کو مامور کردیا تھا جو سفید کپڑوں میں کئی دن دار العلوم کی مسجد میں ڈیرہ ڈالے رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے شیخ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ وہ میلی آنکھوں

سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرسکے۔ پیپلز پارٹی کے ظالمانہ اور وحشیانہ دورِ اقتدار کے زوال کے بعد ان دونوں ملازمین نے حضرت شیخ القرآن کو اس امر واقع سے آگاہ کردیا تھا، کہ طلبا اور نمازیوں کی موجودگی اور کسی غیبی رکاوٹ کے باعث ہم ایسا نہ کرسکے۔ لیکن حکمرانوں نے آپ کے قتل کا فیصلہ کر رکھا تھا ایک موقع پر ایک وفاقی وزیر نے بھی دبی زبان سے شیخ کو اس حقیقت سے آگاہ کردیا تھا۔ جس کے باعث حضرت شیخ کو اپنے رفقاء نے کچھ دن منظر عام سے روپوش ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے دور نامسعود کے آخری ایام میں شیخ القرآن کو چنیوٹ میں مرزائیوں کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کرکے فیصل آباد جیل بند کردیا گیا اور نفسیاتی وذہنی اذیتیں پہنچانے کے لئے آدمی مسلط کردئے۔ اگرچہ ان کا رویہ انتہائی خطرناک تھا لیکن نصرت خداوندی شامل حال رہی۔ کچھ دنوں بعد فیصل آباد سے کوٹ لکھپت جیل میں منتقل کردیا پولیس اور انتظامیہ کے عزائم سنگین نظر آتے تھے اور ان کا رویہ خطرہ کا الارم تھا۔ لیکن خلاف توقع حکومت نے اچانک رہا کردیا۔ حضرت شیخ سے ان کے شاگرد مولانا محمد اسحاق مہتمم جامعۃ العلوم الشرعیہ نے دریافت کیا، کہ حکومت کے ایسے خطرناک فیصلوں اور ارادوں سے آپ ہمیشہ محفوظ ومامون رہتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا میرا یہ ہمیشہ کا معمول بھی ہے اور مصائب کے زمانہ میں اس کا بکثرت ورد کرتا ہوں۔

هو الحبيب الذى ترجى شفاعته لكل هول من الاهوال مقتحم

حلیہ: خوبصورت خدوخال کے ساتھ سرخ وسفید چہرہ، سڈول جسم، سروقد، سرمگیں آنکھوں میں مے توحید کا خمار، سفید بُرّاق پوشاک زیب تن، کلاہ پردھاریدار عمامہ یا ململ کی ٹوپی سر کی زینت، عالم جوانی میں ہلکی سی مکیشن اور پیرانہ سالی میں سادہ پنجابی جوتا، عالم شباب میں تلوار اور کبرسنی میں چھڑی ہاتھ میں رکھنے کی سنّت پر عمل پیرا تھے۔

معمولات: حضرت شیخ اوائل عمری ہی سے شب خیزی کے خوگر تھے۔ زمانہ طالب علمی میں رات کی تاریکی میں خدا کے حضور گریہ وبکا اور تضرع وانکساری کا نذرانہ پیش کرنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ سرما کی طویل راتوں میں ٹھٹھہ کی مسجد میں ورد ووظیفہ میں مشغول پاکر استاد محترم نے زجر کی کہ "یہ زمانہ وظائف کا نہیں حصولِ علم کا ہے" شب زندہ داری کا معمول تازیست قائم رہا۔ سفر وحضر، تندرستی وعلالت ہر حال میں نماز تہجد کی پابندی کرتے۔ علمی مباحث، ملکی وملی معاملات دارالعلوم اور خانگی حالات رات گئے تک موضوع سخن بنے رہنے کے باوصف سحری اٹھنا بارخاطر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اہم دینی مہم کے لئے دارالعلوم کے چند اساتذہ کو کہیں بھیجنا تھا۔ اس سلسلہ میں رات کو دیر تک صلاح مشورہ جاری رہا۔ بنا بریں ایک استاد سوگئے، انہیں بارہ بجے رات بیدار کرایا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا۔ "مولانا یا تو مجھے اپنے مذہب پر کرلو یا آپ میرے مذہب میں آجائیں" نیند کے خمار میں مخمور مولانا کو شیخ کے حیرت انگیز جملہ نے چونکادیا۔ کہنے لگے حضرت مجھے آپ کا مقصد سمجھ نہ آسکا۔ آپ نے پھر اپنا جملہ دہرایا، مولانا نے عرض کیا، حضرت مذہب تو ہم دونوں کا ایک ہی ہے، لیکن آپ کا منشا سمجھنے سے قاصر رہا۔ شیخ نے فرمایا۔ "مولانا یا تو اپنی طرح مجھے بھی سلادو یا پھر میری طرح آپ بھی جاگتے رہیں" رمضان المبارک میں شب بیداری کا یہ عالم ہوتا کہ ساری رات آنکھوں میں گزرجاتی، "نیند" سے ناآشنا ہوجاتے تھے۔ آپ کے ہاں تراویح میں قرآن مجید ترتیل کے ساتھ پڑھا جاتا تھا اور حضرت شیخ چار رکعات کے بعد تلاوت شدہ قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرتے اور عموماً نماز تراویح میں دو

گھنٹے سے زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ لوگ خلاصہ سننے کے اس قدر مشتاق تھے کہ دور دراز علاقوں سے پیدل اور سائیکلوں پر دارالعلوم پہنچ جاتے تھے۔

نماز تراویح سے فارغ ہو کر عموماً دوست واحباب سے علمی مذاکرہ اور دیگر امور پر تبادلہ خیال شروع ہوجاتا اور اکثر اسی اثنا میں سحری کا بگل سنائی دیتا، سحری تناول کر کے دورہ تفسیر شروع ہوجاتا، جو نماز فجر کے مختصر سے وقفہ کے بعد دس گیارہ بجے دن تک جاری رہتا۔ قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر نماز عصر تک قرآن کی نغمہ سرائی میں مصروف رہتے، نماز عصر کے بعد سے نماز عشاء تک انواع واقسام کے معاملات زیر بحث رہتے۔ یہ سلسلہ بیس رمضان المبارک تک متواتر جاری رہتا۔ اور اکیس شب سے تراویح میں ختم قرآن کا سلسلہ شروع ہوجاتا اور شیخ ہر رات کئی کئی مساجد میں تقریر کرتے جو سحری کے قریب تک جاری رہتی۔ اس طرح رمضان المبارک کی مقدس راتیں اور دن شیخ القرآن، قرآن کی تبلیغ وتدریس میں بسر فرماتے اور نیند کو شاعر کی نوید سنا دیتے۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سایہ تلے

پرانا قلعہ کی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن مجید اور نماز عصر کے بعد درس حدیث کا معمول تھا۔ سفر، بیماری یا کسی عارضی وجہ سے درس نہ دے سکتے تو دارالعلوم کے کسی استاد کو مامور کردیتے، پیرانہ سالی اور بعض عوارضات کی وجہ سے جب یہ معمول ادا کرنے میں دشواری پیش آنے لگی تو یہ خدمت شیخ الحدیث مولانا عبد الشکور کے سپرد کردی۔ راولپنڈی کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں عرصہ دراز تک مولانا عبد الستار توحیدی کی مسجد میں روزانہ درس قرآن مجید کا سلسلہ جاری رکھا، اس طرح متعدد دوسری مساجد میں بھی مختلف ایام درس کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔ حضرت شیخ کی زندگی کا سب سے زیادہ مرغوب اور محبوب مشغلہ درس وتدریس قرآن پاک ہی تھا۔

مہمان نوازی: طبقہ علماء میں مہمان نوازی اور فیاضی کا عموماً فقدان ہوتا ہے۔ کیونکہ علماء کی اکثریت عسرو تنگی کے ساتھ بسر اوقات کرتی ہے۔ اگر وسعت وکشادگی میسر بھی آجائے، تو دل کا غنا بہت کم حاصل ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شیخ القرآن کو مالی وجاہت کے ساتھ وسعت قلبی کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، جودو کرم اور سخاوت وفیاضی ان کا طغرائے امتیاز تھا۔ ضیافت اور مہمان نوازی ان کی روحانی غذا اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، مہمان کے ساتھ بیحد تواضع وانکساری، ملاطفت ونرمی اور عزت واحترام سے پیش آتے تھے۔ مہمانوں کی آمد ورفت شب و روز جاری رہتی، وقت، بیوقت مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ باورچی خانہ کی آگ کسی لمحہ بھی نہ بجھتی، پرتکلف انواع واقسام کے کھانوں سے ان کی ضیافت کرتے، کوئی دن ایسا نہ ہوتا جب خاصے مہمان نہ ہوں ہر آدمی کے مزاج کے مطابق اس کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا، وزراء سے لے کر فقراء تک شیخ کے دستر خوان پر یکساں طور پر شکم سیر ہوتے تھے۔ حضرت شیخ کے دستر خوان کی وسعت مہمانوں کا ہجوم دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے دستر خوان کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ موصوف کی بشاشت، انتظامی مستعدی اور اہتمام سے ظاہر ہوتا تھا کہ مہمانوں کی خدمت کر کے انہیں قلبی سرور اور روحانی لذت حاصل ہورہی ہے اور محسن انسانیت ﷺ کے اس ارشاد کی عملی تصویر نظر آتے تھے۔ **من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ.** جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا اسے مہمان کا اکرام کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ القرآن کی رفیقہ حیات کی امور خانہ داری میں محنت اور جفا کشی قابل ستائش اور باعثِ صد افتخار تھی۔ اپنے ہاتھ سے ناشتہ، روٹی اور ہانڈی تیار کرتیں، زمانہ دراز تک بچیوں یا بہو کا تعاون بھی حاصل نہیں تھا۔ نہ ہی کبھی خادمہ کو زیر بار کرنا گوارا ہوا۔ بارہا ایسا اتفاق بھی ہوا کہ آدھی رات کو بے وقت مہمان آگئے تو راحت وسکون مہمانوں کی خاطر قربان کرتے ہوئے میٹھی نیند سے اٹھ کر پر تکلف کھانا تیار کرتیں اور تنگ دلی یا گراوٹ کی بجائے قلبی سرور حاصل ہوتا۔

ناشتہ، روٹی اور ترکاری ہمیشہ گھر ہی میں تیار کی جاتی تھی۔ بازار سے لانا خلاف مروت سمجھتے تھے۔ ناشتہ، روٹی، سالن، انڈے اور دلیہ پر مشتمل ہوتا۔ روٹی ہمیشہ توے کی ہوتی۔ تین، چار قسم کی ترکاری ہمہ وقت موجود ہوتی۔ گھر کی بھینس کا سارا دودھ ناشتہ اور دن بھر کی چائے پر صرف ہوتا۔ لطف یہ کہ جدید سہولیات سے استفادہ سے بے نیاز تھے۔ دور جدید میں عام استعمال میں آنے والی چیز "فریج" تک گھر میں نہیں تھی۔ گھر والے دن رات کھانے پکانے کی خدمت کی انجام دہی میں ہی مصروف رہتے تھے۔ چونکہ دارالعلوم تعلیم القرآن تمام مذہبی اور ملکی تحاریک کا مستقل مرکز بن گیا تھا۔ اس لئے جب بھی کوئی میٹنگ ہوتی تو سو، دو سو علماء کرام اور سیاسی زعماء کا کھانا گھر ہی میں تیار کیا جاتا تھا، مرغ مسلم، قورمہ، چاول اور روٹی ہر چیز اعلیٰ معیار کی تیار کی جاتی۔ اہل حدیث، بریلوی اور شیعہ مندوبین بھی حضرت شیخ کی فیاضی، دریا دلی اور حسنِ انتظام کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ عرب ممالک کے سفراء اور زعماء کی اس قدر پر تکلف اور شاہانہ ضیافت کرتے کہ خود مہمان بھی ورطۂ حیرت میں پڑجاتے۔ ان کی مرغوب چیزوں کا فراہم کرنا اور ان کے مزاج کے مطابق بڑے اہتمام سے تیار کرانا۔ بعض ضیافتوں میں سالم دنبے روسٹ کرا کر عربوں کی خدمت میں پیش کرکے موسم کے مطابق مشروبات بھی پیش کرتے، سرما میں کھانے کے بعد پر لطف قہوہ پلانے کا معمول تھا۔ حضرت شیخ کا معمول تھا کہ ناشتہ اور کھانا مہمانوں یا احباب کے ساتھ تناول کرتے۔ اکیلے کھانا ہرگز گوارہ نہ ہوتا۔ اگرچہ اپنی ترکاری پرہیز کی وجہ سے نمک اور گھی کے بغیر ہوتی۔ لیکن دوسری ترکاری ضرور ساتھ ہوتی۔ شیخ، چپاتی توڑ کر چار ٹکڑے کرتے اور ایک ایک ٹکڑا پہلے رفقاء کے سامنے رکھتے اور پھر خود لیتے۔ اپنے سالن سے بوٹیاں احباب میں تقسیم کردیتے تھے۔ اپنی خوراک بہت قلیل تھی۔ اگر کسی ناگزیر وجہ سے کسی ساتھی کو کھانے میں شامل نہ کرتے، تو بڑی ظرافت سے فرماتے "آپ کا عدم ہمارے ساتھ شریک ہے" مہمانوں کی آسائش کی خاطر پرانہ قلعہ اور دارالعلوم دونوں جگہ فلش بیت الخلاء اور بہترین آرام دہ صوفہ سیٹ کا انتظام کرایا۔ جبکہ اپنی ساری زندگی مسجد کے حجرہ یا دارالعلوم کے دفتر میں گزار دی۔ حضرت شیخ کے محاسن و محامد وفیاضی کے تذکرے طولانی ہیں مگر:۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حُسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

علمی وجاہت: حضرت شیخ القرآن متبحر عالم، شعلہ نوا مقرر، کہنہ مشق مدرس تھے۔ موصوف حد درجہ ذہین فطین تھے، فنون کی کتابیں مستحضر تھیں۔ اگرچہ حافظ قرآن نہیں تھے، لیکن جستہ جستہ اکثر قرآن از بریاد تھا، منطق کی مغلق اور لاینحل عبارات نوکِ زباں تھیں۔ معقول ومنقول پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قرآنی علوم میں گہرا شغف اور جذبہ تحقیق سے سرشار تھے۔ بیشمار آیات کی تشریح و توضیح میں مقتدر مفسرین کی پوری پوری عبارات یاد تھیں۔ حضرت ممدوح کے فضائل کمالات کے گلدستہ میں اس فضیلت وکمال کو گلِ سر بند کی حیثیت

حاصل تھی۔ علم حدیث میں آپ کی نگاہ بہت غائر تھی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں فرقِ باطلہ کی رد میں کامل دسترس حاصل تھی۔ جس کے مناظر دورۂ تفسیر کے دوران قابلِ دیدنی ہوتے تھے۔ اگرچہ تمام علوم میں کامل مہارت حاصل تھی۔ لیکن دو علوم قرآن مجید اور منطق نہایت ذوق اور وجدان کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ بلند پایہ اساتذہ اور جید مدرسین کی صف اوّل میں شمار ہوتے تھے۔ آخر وقت تک تدریسی ذوق برقرار رہا۔ قرآن مجید اور مسلم شریف کے درس کا سلسلہ جاری رہا۔ علم وفضل، فہم وفراست اور اصابت رائے میں اپنے معاصر علماء میں بلند مقام کے مالک اور وقت کے مقتدر اور شہرہ آفاق علماء کرام میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔۔ علمی مباحث میں اکثر علماء آپ کا سامنا کرنے سے گریزاں تھے۔ اگرچہ ایسے واقعات بیشمار ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر صرف ایک ہی واقع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۲ء ٹھٹھہ ترابیا کے مقام پر مولوی محمد عمر اچھروی سے مناظرہ کے دوران بارہا کہا مولوی صاحب" جملہ" کی تعریف کردیں ایک سو روپیہ انعام دوں گا، مگر مولوی صاحب نے سنی ان سنی کردی، بریلوی علماء میں مولوی محب النبی منطقی بھی موجود تھے، چنانچہ شیخ ملا حسن کا ایک سوال پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ اگر اس کا صحیح جواب دے دیں تو میں مناظرہ سے دستبردار ہوجاؤں گا، ان سب پر سکتہ طاری ہوگیا اور جواب دینے کی قطعاً جرأت نہ کرسکے۔

بھٹو دور میں حکومت نے بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی، جس میں مسلم ممالک کے ممتاز سکالر بھی مدعو تھے، جن میں امام کعبہ فضیلت الشیخ عبد اللہ بن سبیّل اور مفتی فلسطین بھی شامل تھے۔ ہر ایک مندوب نے سیرت النبی ﷺ کے مختلف پہلوں پر فصیح وبلیغ مقالہ پیش کیا۔ شیخ القرآن کے مقالہ کا عنوان تھا "اهم امر من سيرة المقدسة لخاتم الانبياء التوحيد" عنوان کی جدت سب کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ مقالہ کیا تھا توحیدؔ کے موضوع پر قرآن وحدیث کی نادر الوجود دستاویز تھی۔ پھر شیخ کی باعظمت، باوقار آواز نے اس میں اور بھی رعنائی پیدا کردی۔ جیسے سن کر عرب فضلا عش عش کر اٹھے اور ہر طرف سے تحسین وتوصیف کی صدا بلند ہونے لگی۔ کانفرنس میں پیش کئے جانے والے تمام مقالات میں جو پذیرائی شیخ کے مقالہ کو حاصل ہوئی۔ سبھی کو اس پر رشک آرہا تھا۔ کانفرنس کے اختتام پر عرب فضلا پروانہ وار شیخ کے گرد جمع ہوگئے اور نقل حاصل کرنے کی جستجو کرنے لگے۔ حضرت شیخ کامیاب مناظر بھی تھے، بارہا معرکہ حق وباطل گرم کیا اور ہمیشہ فائز المرام ہی رہے۔ زیادہ تر بریلوی علماء کے ساتھ مناظرے ہوتے رہے۔ غیر مقلدین سے بھی پنجہ آزمائی ہوتی رہتی تھی اور دوسرے باطل فرقوں سے تو پیچھا پڑا ہی رہتا تھا۔ فریق مخالف عموماً مبادیات اور شرائط طے کرنے کے چکر میں پڑ کر جان چھڑانے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اگر اصل موضوع شروع ہوجاتا تو پھر ذلت آمیز شکست ان کا مقدر بن جاتی تھی۔

تصانیف: حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس طرح جلیل القدر مفسر اور محدث تھے اسی طرح تصنیف وتالیف میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ لیکن تبلیغی اور تدریسی مصروفیات نے اس فن میں کمالات کے اظہار کا موقع بہت کم فراہم کیا ہے۔ بایں ہمہ چند نادر الوجود اور محققانہ تصانیف باقیات الصالحات کے طور پر یادگار چھوڑی ہیں۔

بلغۃ الحیران: رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تفسیری نکات وافادات کا بیش بہا مجموعہ ہے، جو اثنائے درس حضرت شیخ القرآن نے قلمبند کئے تھے اور مولانا سید نذر حسین شاہ بھی اس کام میں معاون تھے، اور تفسیر کے دیباچہ میں یہ تصریح موجود ہے

کہ " یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے غلام خان سے قلمبند کروائی ہیں اور بذات خود ان پر نظر فرمائی ہے" اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر کے ترتیب و جمع میں حضرت خود شریک اور ذمہ دار تھے، یہ مختصر مگر جامع مانع تفسیر ذخیرۂ تفاسیر میں منفرد حیثیت کی حاصل ہے۔

جواہر التوحید: مسئلہ توحید کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے براہین قاطعہ سے لبریز ہے۔

تفسیر جواہر القرآن: چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی لاتعداد تفاسیر زینتِ قرطاس بنی ہیں، مگر تفسیر جواہر القرآن کا اسلوب نگارش توحید کے بنیادی عقیدہ کو آشکارا کرنے سے متعلق ہے۔ اپنی انفرادیت اور افادیت کے اعتبار سے اردو تفاسیر کی سرتاج ہے۔ تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہزارہا کی تعداد میں طبع ہوچکی ہے۔ حضرت شیخ نے آخری عمر میں نظر ثانی کر کے مفید اضافات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ جو چھ ضخیم جلدوں میں تکمیل پذیر ہونا تھا۔ جس کی صرف ایک جلد سات سو صفحات پر محیط تھی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور یہ پروگرام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔

کتب خانہ: دارالعلوم تعلیم القرآن کے کتب خانہ کے علاوہ حضرت شیخ کا ذاتی کتب خانہ مختلف علوم وفنون کی نایاب کتب پر مشتمل تھا۔ قلمی مخطوطات اور نادرالوجود کتب کی فراہمی کا بیحد ذوق تھا اور یہ ذوق ساری زندگی جواں رہا۔ مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسہ میں جب تشریف لے گئے تو دیوبند اور دلی سے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ خرید کرلائے تھے، حالانکہ یہی آپ کے وصال کا سال ثابت ہوا۔ کتابوں کی حفاظت اور ترتیب کا بے حد خیال تھا۔ کتابوں کی ترتیب دینے پر اپنے خادم محمد عبدالمعبود کو مامور کیا اور اسے جامعہ اشرفیہ لاہور اور خانقاہ سراجیہ کے کتب خانہ کی ترتیب کا اندازہ دیکھنے کو بھیجا تاکہ صحیح ترتیب سے کتابوں کو سجایا جائے۔

دارالعلوم تعلیم القرآن کے شعبہ جات: دارالعلوم تعلیم القرآن شیخ القرآن کی زندہ جاوید علمی یادگار ہے۔ جو حسب ذیل شعبوں پر مشتمل ہے۔

دورہ تفسیر: یہ شعبہ انفرادی اور امتیازی شان کا حامل ہے، اس کی تعلیمی مدت ۲۱ رجب سے ۲۳ رمضان تک ہے جس میں اندرون وبیرون ملک کے سیکڑوں طلبا ہر سال سند فراغ حاصل کرتے ہیں۔

درس نظامی: اس شعبہ میں درس نظامی کی تمام کتب پورے اہتمام اور معقول انتظام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔ متعدد تجربہ کار اور محنتی اساتذہ تدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں، جبکہ طلباء کی مجموعی تعداد عموماً دو سو سے زائد ہوتی ہے۔

شعبہ حدیث: اس شعبہ میں پانچ کہنہ مشق اساتذہ جو احادیث کی جرح وتعدیل میں کماحقہ عبور رکھتے ہیں اپنے علمی فیوض سے مستفیض کر رہے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں علماء کرام فیض یاب ہو کر دنیا کے مختلف ممالک میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

شعبہ حفظ قرآن و تجوید: شعبہ افتاء، شعبہ نشرواشاعت، شعبہ ثانوی تعلیم کے علاوہ ازیں اپنے آبائی علاقہ کو علمی فیوضات سے مستفیض کرنے کی غرض سے "دریہ" میں ۱۹۵۲ء دارالعلوم حسینہ کی بنیاد رکھی اور پھر ۱۹۶۸ میں اٹک شہر میں ایک عظیم الشان مدرسہ "جامعہ

اشاعت الاسلام" قائم کیا اور ساتھ ہی ایک وسیع اور عالی شان مسجد بھی تعمیر کی۔ وہیں آج شیخ کی آخری آرام گاہ بھی مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔

سانحۂ ارتحال: اپریل ۱۹۸۰ میں عمرہ کی سعادت سے سرفراز ہونے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سے شرف بار ہونے کے بعد محسنِ انسانیت ﷺ کے دربار گوہر بار میں آخری سلام پیش کرنے کے لئے مدینہ منورہ حاضری دی۔ پھر تبلیغِ حق کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں متحدہ عرب امارات پہنچے، جہاں کئی بڑے بڑے اور عظیم الشان جلسوں سے خطاب کیا۔ آخری جلسہ جس سے خطاب کرنے والے تھے دبئی کی سب سے بڑی مسجد میں منعقد ہوا۔ حضرت شیخ اپنے جانثاروں اور خدام کے جھرمٹ میں جلسہ گاہ میں تشریف لائے، تلاوت قرآن پاک ہو رہی تھی کہ دل میں درد کی شکایت ہوئی، فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا لیکن دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اس طرح توحید خداوندی کا علمبردار، علم نبوت کا امین اور آفتابِ علم ودانش کم وبیش ۷۵ سال تک اپنی تابانی سے مسلمانان عالم کے قلوب کو منور کرنے کے بعد ۱۳۹۹ھ/۲۴ مئی ۱۹۸۰ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ جس کلمہ توحید کی توضیح وتشریح، اور تبلیغ وترویج کی خاطر اپنی ساری عمر کی متاع گراں مایہ وقف کر رکھی تھی۔ آج وہ پاسبانِ گلشنِ توحید ورسالت جو اپنی حمیت اور اسلامی غیرت سے سرشار اشاعت دین کے لئے زندگی بھر سرگرم عمل رہا۔ آخر کار اسی لگن اور دھن میں سارے عالم کو سوگوار چھوڑ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت شیخ کا سانحۂ ارتحال نہ صرف فرزندانِ توحید کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب بنا، بلکہ اس عظیم المیہ نے پوری علمی دنیا کی بساط الٹ کر رکھ دی۔

وماکان قیس هلکه هلک واحد ولکنه بنیان قوم تهدما

بذریعہ طیارہ میت راولپنڈی لائی گئی اور اگلے روز لیاقت باغ کے وسیع میدان میں عالم ربانی اور مجاہد اعظم کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ملک کے گوشے کونے سے لاکھوں لوگ جمع ہو گئے۔ ہر طرف عقیدت مندوں اور سوگواروں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ بعد ازاں اس منبع علم وعرفاں کو جامعہ اشاعت الاسلام اٹک میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جہاں وہ آج آسودۂ خواب ہیں

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما۔

بِاسمِہٖ سُبحانَہٗ
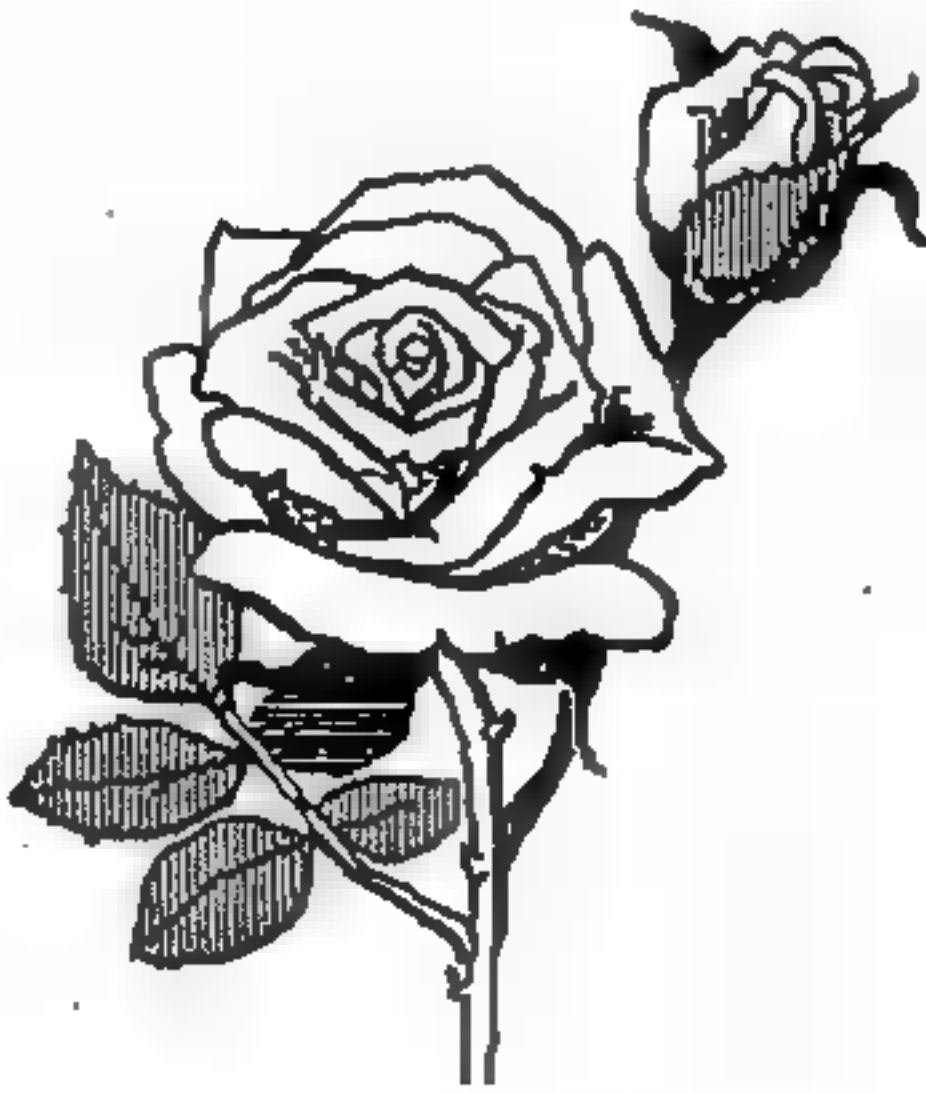
جواب

سپاسنامہ

(از جانب:............ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ)

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان ایوبی دور میں آپنے آبائی گاؤں دریہ میں ڈیڑھ سال نظر بند رہنے کے بعد جب رہا ہوئے تو ملک کے طول و عرض میں ملک کی مختلف تنظیموں اور انجمنوں نے آپ کی دینی اور ملی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو سپاسنامے پیش کیے۔ انجمن شہریان لاہور کی طرف سے انجمن کے جنرل سیکرٹری جناب نذر الرحمن رانا نے ایک نہایت ہی پرجوش اور ولولہ انگیز سپاسنامہ مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا مرحوم نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ ہدیہ قارئین ہے۔

صدرِ گرامی: اراکینِ انجمن شہریانِ لاہور و برادران عزیز۔

آج مجھے پاکستان کے عظیم الشان تاریخی شہر لاہور کے زندہ دل اور غیرت مند باشندگان کی طرف سے جس گرم جوشی، خلوص اور محبّت سے نوازا گیا ہے۔ اس میں اسلامی جذبات کے ساتھ اس شہر کی تاریخی خصوصیّت کو بھی بڑا دخل ہے۔ یہ شہر برصغیر پاک و ہند میں ہمیشہ امتیازی خصوصیات کا حامل رہا ہے اور ہر تحریک کی کامیابی اس شہر کے روشن کارناموں کی مرہونِ منت رہی ہے۔ ہندو اور انگریزوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تحریکِ آزادی نے اپنی مکمل صورت یہیں اختیار کی۔ چنانچہ آج سے ۲۸ سال پہلے ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو اس شہر لاہور میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی۔ اور اس طرح قیام پاکستان کی عملی جدوجہد کا آغاز اسی مرکزی مقام سے ہوا۔ اس شہر کی عظیم روایات کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین سو برس پہلے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ نے لکھا تھا کہ "میرے زمانے میں شہر لاہور میں ستر ہزار سے زیادہ تہجد گزار نمازی موجود ہیں"۔

اسی شہر میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو ادبار کی راہوں سے ہٹا کر اقبال کی راہ دکھائی اور ۱۹۴۶ء میں اس شہر کی جامع مسجد میں تقریر فرماتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور تحریک قیام پاکستان کے جلیل القدر دینی راہنما حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے خطوط کے ذریعہ قتل کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ اگر یہ صورت پیش آجائے تو میں وصیّت کرتا ہوں کہ میری لاش ہندوستان نہ بھیجی جائے۔ مجھے یہیں پاکستان میں دفن کیا جائے۔ یہ پاکستان کے قیام میں علمائے کرام کی مخلصانہ کوششوں اور عزمِ صمیم کا ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اس شہر کی روایتی خصوصیات میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ستمبر ۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ میں بھارت کے ناپاک حملے کا دندان شکن اور کمر توڑ جواب دے کر اہلِ لاہور نے جس جرأت ایمانی اور بلند کردار کا ثبوت دیا ہے۔ وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک زرّیں اور روشن ترین باب ہے اس مجاہدانہ کارنامے کے ذریعے اہل لاہور نے اپنے آپ کو نہ صرف پاکستان کی اعلیٰ توقعات کا اہل ثابت کیا بلکہ پوری دنیا نے اس کی جرأت، عظمت، شجاعت اور بہادری پر خراج تحسین پیش کیا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس شہر کے بہادر اور مخلص بھائیوں اور عزیزوں نے میری ایک معمولی خدمت کی قدر افزائی کی اور بڑی گرمجوشی اور محبت کا

اظہار کیا۔ مجھے اس سے پہلے بھی کئی بار اس شہر میں حاضری دینے اور توحید وسنت کا پیغام دینے کا موقع ملا ہے مگر اس مرتبہ حق گوئی کے سلسلہ میں نظر بندی کے بعد پہلی مرتبہ حاضری پر اہلِ لاہور نے دینی جذبے سے سرشار ہو کر جس خلوص سے میرا استقبال کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں میری ذات سے کہیں زیادہ دینِ حق کی وابستگی کا جذبہ کار فرما ہے اور یہ امر میرے لیے سچی مسرت اور خوشی کا موجب ہے۔

حضرات! علماء حق کی تاریخ ابتلاو آزمائش اور صبرو استقامت کی تاریخ ہے۔ وارثانِ انبیاء کے گروہ نے ہر مصیبت کا مقابلہ ثبات واستقلال سے کیا۔ لیکن راہِ حق سے منہ نہ موڑا۔ یہ اساطین اُمت مصائب ومشکلات کے طوفانوں میں رضائے الٰہی کی منزلِ مقصود کی طرف رخ کیے ہوئے اس پامردگی سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہے جس طرح دریا کے تیز اور طوفانی بہاؤ کو چیرتے ہوئے شیر سیدھا تیرتا ہوا ساحلِ مراد پر جا پہنچتا ہے۔ آپ نے راہ حق میں پیش آنے والی مصیبت پر میری جس استقامت کو سراہا ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عطا فرمائی ہوئی توفیق اور آپ جیسے مخلصین کی مقبول دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں سر تسلیم خم کیے ہوئے یہی عرض کر رہا ہوں کہ!

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ بھی ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اللہ تعالیٰ راہ نوردانِ حق کو مصائب وآفات سے بچا کر اپنے ایمانی اور منصبی فرائض ادا کرنے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن اگر بد قسمتی سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے دین کے وقار اور حق کی آن پر حرف آتا ہو تو آپ دیکھیں گے کہ وہ قادر وقیوم ایسی توفیق عطا فرمائیں گے کہ انشاء اللہ حق کی ترجمانی میں ذرہ برابر بھی مداہنت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اپنی خاص رحمت اور توفیق سے نوازے۔ ہندوستان میں انگریزی استعمار سے تصادم کی صورت ہو یا شدھی سنگٹھن کے فتنے کا مقابلہ ہو یا الحاد اور مغربی افکار کے سیلاب کے روک تھام کا معاملہ ہو۔ علماء حق نے ہمیشہ اپنے فرائض کو انجام دیا اور بے سروسامانی کے باوجود حمایتِ حق اور دفاعِ اسلام کے ایسے کارنامے انجام دیے جو ہمارے لیے سرمایہ افتخار اور نشانِ راہ ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اکبری فتنہ ارتداد کے خلاف کامیاب جہاد شاہ ولی اللہؒ کی اصلاح المسلمین اور اقامتِ دین کی عظیم اور مؤثر تاریخی جدوجہد حضرات شہیدین اور ان کے اخلاص پیکر ساتھیوں کا سکھا شاہی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریشہ دوانیوں کے خلاف جہاد اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے لے کر برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان تک علماء کی قربانیاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور ان کے ساتھیوں کی استخلاص وطن کی قابلِ قدر جدوجہد یہ سب علماء اور صلحاء کے وہ عظیم کارنامے ہیں، جنہیں وہ نائبینِ رسولِ مقبول ﷺ کی حیثیت سے انجام دے کر امت کی صحیح رہنمائی کرتے رہے جس کا اعتراف ہر ایک حق پسند انسان کو کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ علی گڑھ کے مادرِ علمی کے مایہ ناز فرزند مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کھلے دل سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے۔

شاد باش وشاد زی اے سر زمینِ دیو بند　　ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
تیری رجعت پر ہزار اقدام سوجاں سے نثار　　قرنِ اوّل کی خبر لائی تیری الٹی زقند

ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو　　کر لیا ان عالمانِ دینِ قیم نے پسند
کفر نا چاجن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ　　جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے پسند
ان میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن　　سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

حضرت شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں کو تقریباً ساڑھے تین برس تک جزیرہ مالٹا میں قید و بند کی مصیبت، ریشمی خطوط کی انگریزی سامراج کو بوکھلا دینے والی خفیہ تحریک اور ایسے ہی دوسرے اٹل کردار تو ماضی قریب کی وہ واقعاتی حقیقتیں ہیں جن سے ہر وہ صاحب علم واقف ہے جو دینِ حق اور اس احیاء سے کچھ بھی لگاؤ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ایک ایسا گروہ بھی ماضی قریب میں موجود رہا ہے جس نے ذہنی مرعوبیت اور عزم وارادہ کے مورچوں پر شکست خوردگی کے نتیجے میں ایک طرف اگر انگریزی سامراج سے مفاہمت کے دروازے کھول دیے تو دوسری طرف اپنے خاص نظریات اور عقائد کی اشاعت سے دین میں تجدد کا نعرہ بلند کیا جس کی بناء پر ایک مخصوص طرزِ فکر رکھنے والی چھوٹی سی اقلیت اپنی محدود اور یک طرفہ معلومات کے تحت پاکستان کی تحریک کا سلسلہ تجدد کے بانیوں سے ملاتے ہیں۔

ان لوگوں کے پیشِ نظر قیامِ پاکستان کا مقصد خدا کے دین کو غالب کرنے اور مسلمانانِ پاکستان کا اسلامی تعلیمات واحکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نصب العین نہ تھا بلکہ ملازمتوں اور اقتدار کا داعیہ کار فرما تھا۔ لیکن علماء حق اور دیندار مسلمان تحریک پاکستان کا رابطہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت اسماعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد سے ملاتے ہیں جس کی واضح اور غیر مبہم شہادتیں موجود ہیں۔

برصغیر کو اجنبی اقتدار سے پاک کرنے کی تحریک ان بزرگانِ ملت سے ہی چل کر تحریکِ پاکستان تک پہنچی۔ احیائے اسلام کی اس قدیم تحریک کے نتیجے میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا اور اس راہ میں مسلمانوں کو جس قدر آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، علمائے کرام ان میں شریکِ غالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کو قائم کرنے کے لیے قائم کیا گیا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کی حمایت میں عظیم قربانیاں دیں تو اس کا قیام سراسر علمائے حق کا مرہونِ منت نظر آتا ہے جن کی تعلیمی و تبلیغی مساعی سے برصغیر کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے غیرتِ اسلام، کا جذبہ ان کے دلوں میں راسخ ہوا اور تاریخی حقائق کی بنا پر علمائے حق کا فرض ہے کہ وہ پاکستان میں اسلام کے قیام اور اسلام کے ذریعہ اس کے استحکام کے لیے ہر ممکن کوشش کے لیے تیار رہیں اور قوم ان سے ہر ممکن قربانی کی توقع رکھنے میں بالکل حق بجانب ہے اور اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان بننے کے وقت سے لے کر آج تک ہر مرحلے پر علماء نے پاکستان کی اسلامی حیثیت کو برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں ایک خاص طبقہ جو محدود اقلیت میں ہے پاکستان کی اسلامی حیثیت کو مجروح کرنے میں لگا ہوا ہے اور اسے اقتدار کے زیرِ سایہ پھلنے پھولنے کے وسائل اور مواقع حاصل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ دین حق کی حفاظت کے سامان فراہم کردے گا اور غلط قسم کی تجدد پسندانہ تاویلات سے مسلمانوں کے فکر و نظر اور اخلاق واعمال کو محفوظ رکھے گا۔ اظہار جذبات کے ذرائع پر قدغن اور زبان و قلم پر پابندیوں نے صورت حال کو کتنا ہی بدتر کردیا ہو پھر بھی مرد مومن کو مصلحت اندیشیوں سے الگ ہو کر سوچنا اور دین حق کی سربلندی کی خاطر ہر صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اسی عزیمت کے ساتھ ہم پاکستان کی اسلامی قدروں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور یہ متاعِ گراں بہا وہ دولت ہے جو ہمیں اپنے اسلافِ صالحین سے وراثت میں ملی ہے۔ آپ نے اپنے سپاسنامہ میں

علمائے حق کی گرانقدر ملی خدمات میرے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحب کے اصلاحی کارناموں اور ان بزرگوں کی پیروی میں مجھ ناکارہ خلائق کی تبلیغ توحید وسنت کی خدمات کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی علماء کی سرد مہری کی طرف بھی بجا طور پر اشارات کیے ہیں جس کی وجہ سے نئے جنم لینے والے فتنوں کو اپنی مذموم حرکات کا موقع مل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں میں آپ کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے دین کی بنیادوں یعنی کتاب اللہ اور توحید وسنت پر متحد ہو کر اسلام کی حفاظت اور سربلند کرنے کے لیے کام کریں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اُمت مسلمہ کے لیے داخلی فتنے خارجی حملوں سے ہمیشہ زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے شر سے امت کو بچانے کے لیے اہلِ حق کی متحدہ کوشش ناگزیر ہے ہر چند کہ یہ کام تمام مسلمانوں کا ہے لیکن قائد ورہنما ہونے کی حیثیت سے اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری علماء ہی پر عائد ہوتی ہے۔

آپ نے سپاسنامہ میں قراردادِ مقاصد کی اہمیت وافادیت اور اس کے بعد ملحدانہ نظریات کی حامل مقتدر اقلیت کے اس سے انحراف کا ذکر بھی کیا ہے اور ثقافت کی آڑ میں ملک کو لادینی ریاست میں تبدیل کرنے کی سازش کی طرف بھی توجہ دلائی ہے تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ جس طرح متحدہ کوشش سے قراردادِ مقاصد پاس کرائی گئی تھی۔ اگر اسی طرح اس پر ہر عمل کرانے کی متفقہ کوشش بھی کی گئی ہوتی تو برسرِ اقتدار لوگوں کو گریز کی راہ نہ مل سکتی۔ بہرحال اب بھی علمائے کرام کو اپنے فرائض محسوس اور ادا کرنے کی متحدہ اور بھرپور کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ آپ نے پاکستان میں ثقافت کے نام پر اور عائلی قوانین، ضبط تولید اور فتنہ انکارِ حدیث اور دیگر مخرب اخلاق پروگراموں کے ذریعہ اسلامی اقتدار کو نقصان پہنچائے جانے کا بڑی دل سوزی سے ذکر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ علمائے کرام ان مفاسد کے استیصال کے لیے اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کریں گے اور آپ مجھے اس راستے میں انشاء اللہ تعالیٰ کوشاں پائیں گے۔

دینِ حق کی تعبیر وتشریح کے بارے میں اسلامک ریسرچ سنٹر کے جن غلط اقدامات کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اس سے کوئی عام حق بے خبر اور غافل نہیں ہے اور اپنے طور پر سارے علمائے حق اس کی تردید اور اس کے اثرات کے ازالے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انفرادی مساعی کے بجائے منظم کوشش ہی سے اس فتنے کا سدِ باب کیا جاسکتا ہے۔ ملک کی معاشی ناہمواریوں اور ان کے نتیجہ میں اشتراک کے منڈلاتے ہوئے خطرات بھی خاص طور پر ہمیں، فکر وتوجہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اربابِ حل وعقد کو بھی ان خطرات کے محسوس کرنے اور ان کا عملی طور پر سدِ باب کرنے کی توفیق دے۔

مغربی دنیا کی ڈپلومیٹک چالیں ہوں یا اشتراکی طاقتوں کی روش ہمارے داخلی کوتاہیوں اور تدبیریاں ہوں یا بھارت کی مخالفانہ اور کینہ پرورانہ ذہنیت، ان ساری مشکلات کا حل صرف اسلام اور خالص اسلام کو اپنانا اور پورے ملک پر حاوی کرنا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی خاص رحمت سے ہمیں اسلام کو پورے پاکستان اور اس کے ہر ایک شعبے میں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں آخر میں ایک مرتبہ پھر صمیمِ قلب سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ ہم سب کو حق وصداقت پر استقامت کی توفیق عطا کرے اور پاکستان کی اپنی حیثیت کو عملی شکل دینے میں ہماری خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

(شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان۔ ۱، ستمبر ۱۹۶۷ء)

مولانا محمد حسین ہزاروی

شیخ القرآن مولانا

غلام اللہ خانؒ

دین کے لیے زندہ رہے اور دین ہی کیلئے جان دے دی

ممتاز عالم دین حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا ممکن نہیں آپ کی پوری زندگی قرآن و سنّت کی اشاعت میں گزری۔ توحید الٰہی کے لیے انہوں نے دن رات ایک کیا اور ہر تحریک کے محرک رہے ہیں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ خدا انہیں شہادت کی موت دے اور آخر پردیس میں تبلیغی دورہ کرتے ہوئے شہادت کا درجہ پا گئے۔ جس روز شیخ القرآن فوت ہوئے اسی روز میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ عظیم الشان مجلس ہے اولیاء کرام و بزرگان دین کی جس میں شیخ القرآن بھی ہیں مجھے دیکھتے ہی اٹھے اور آگے بڑھ کر گلے ملتے رہے جیسے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مولانا مفتی محمد حسنؒ نے جب شیخ القرآن حج پر گئے ہوئے تھے دو مرتبہ انہیں خواب میں دیکھا کہ روضہ اطہر کے سامنے مولانا غلام اللہ خانؒ کھڑے ہیں، خانہ کعبہ کے سامنے دیکھا وہاں بھی تجلیات برس رہی ہیں۔

مولانا غلام اللہ خانؒ جید عالم دین تھے جو علوم دین میں پوری مہارت رکھتے تھے وہ کسی سے ڈرنے والے نہ تھے۔ برملا حق کا کلمہ کہنے والے تھے۔ صدر ایوب کے دور میں مولانا غلام اللہ خانؒ ایک سال چھ ماہ تک نظر بند رہے ان کو کوئی نہ خرید سکا، اور نہ ہی حق بات سے روک سکا۔ تحریک ختم نبوت میں مولانا غلام اللہؒ پیش پیش تھے۔ تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی دار العلوم تعلیم القرآن مرکز بنا رہا، کئی بار گرفتار ہوئے۔ وہ خدا کے سوا کسی اور سے خائف نہیں ہوتے تھے۔ وہ تو سراج الپاکستان تھے۔ دار العلوم دیوبند کو پاکستان میں مولانا غلام اللہ خان کی عظیم خدمات پر ناز و فخر تھا اس کی صد سالہ تقریب میں خصوصی طور پر انہیں دعوت دی گئی۔ چنانچہ دار العلوم دیوبند کی جانب سے پاکستانی علماء کی نمائندگی مولانا غلام اللہ خانؒ نے کی۔

مولانا غلام اللہ خانؒ نے قرآن پاک کی تفسیر "جواہر القرآن" لکھ کر عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ تین ماہ رجب شعبان، رمضان میں تشنگان علم کو تفسیر کا دورہ کرواتے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ کے شاگرد پوری دنیائے اسلام میں موجود ہیں۔ حضرت شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے خاص تعلق تھا۔ مولانا غلام اللہ خانؒ نے کئی بار مسجد نبوی ﷺ میں درس قرآن دیا۔ جب تقریر و درس میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر فرماتے تو قلب پر رقت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ تقریر کرنا مشکل ہو جاتی۔ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے مشن کو مولانا غلام اللہ خانؒ اجاگر کریں گے، آگے بڑھ کر توحید و سنّت اور قرآن کی خدمت کریں گے۔ مولانا لاہوریؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا غلام اللہ خانؒ توحید کا عاشق ہے۔ وہ جب قرآن پاک پڑھتا ہے تو دشمن بھی جھوم جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے لگاؤ سے قرآن پڑھتا ہے۔ دل سے بات کرتا ہے تو بات اثر کرتی ہے مولانا لاہوریؒ نے کئی بار درس میں مولانا غلام اللہ خانؒ کو اپنا دایاں بازو قرار دیا۔ مولانا غلام اللہ خانؒ کی

آواز میں گرج تھی چمک تھی رعب تھا لیکن انتہائی رحم دل، اس وجہ سے ■ مقبولِ عام تھے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ جمعیت اشاعت التوحید وسنت پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی تھے جو خالص دینی ومذہبی جماعت ہے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے موقعہ پر قاری جو چار رکعت میں قرآن پڑھتا تھا۔ سلام کے بعد مولانا غلام اللہ خان ممبر پر بیٹھ کر اس کا خلاصہ بیان فرماتے تھے، قرآن کے دیوانے تھے۔ جب تلاوت ہوتی تو خاموشی کے ساتھ سنتے اور جھومتے رہتے تھے۔ مولاناؒ اب خالق حقیقی سے جا ملے ہیں اس دنیا فانی میں موجود نہیں رہے لیکن وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

مولانا غلام رسول خطیب جامع منظور کالونی، کراچی

لا الٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھنا ہو تو شیخ القرآن سے سمجھیں

میں سکول میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا۔ عام وخاص کی زبان پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ صاحب کا چرچا سنتے تھے کہ فلاں مولانا صاحب پنڈی والے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب سے پڑھ کر آئے ہیں، کوئی کہتا بڑا سخت ہے۔ کوئی کہتا قرآن کریم مولانا شیخ القرآنؒ کے شاگردوں سے سننے میں بڑی لذت آتی ہے، کوئی کہتا **لا الٰہ الا اللہ** کا مطلب سمجھنا ہو تو شیخ القرآنؒ سے سمجھیں۔ میں پرائمری پاس کرتے ہی دینی تعلیم کا طالب علم بن گیا۔ دینی مدارس میں تو حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور حضرت شیخ القرآنؒ صاحب کے طلبہ مشتاق تھے، جہاں کہیں ان شاہدانِ **لا الٰہ الا اللہ** کا خطاب ہوتا تو عوام کے علاوہ علماء اپنے پرائے خصوصاً طلبہ مجسمہ شوق ہوتے تھے۔

میں علی پور ضلع مظفر گڑھ مدرسہ مفتاح العلوم میں حضرت استاذ مولانا ومرشدنا عبد الرحیم خان صاحب کی خدمت میں زیر تعلیم تھا۔ سنتے تھے یہ حضرات متشدد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خادم بنانا تھا، حضرت پیر طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا بیان کیسٹ سے سنا، دل نے گواہی دی دار العلم یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے اشارہ کیا۔ بس پھر کیا تھا، ایک انقلاب تھا، زندگی میں دید کا شوق پیدا ہوا، حضرت استاذ سے گزارش کی حضرت شیخ القرآنؒ کا بیان علی پور میں کرانا ہے، حضرت استاذ نے فرمایا ٹھیک ہے حضرت شیخ القرآنؒ مظفر گڑھ میں دورہ پر تشریف لائے ہم نے علی پور کے لیے وقت لے لیا۔ حضرت شیخؒ کو علی پور سے پہلے سیت پور میں بیان فرمانا تھا، آپ علی پور سے سیت پور تشریف لے گئے۔ رات کو خطاب فرمایا۔ صبح سویرے میں خدمت میں حاضر ہوا، ہم ویگن ساتھ لے گئے، واپسی پر ویگن پھنس گئی۔ حضرت شیخ القرآن بنفسِ نفیس ہمارے ساتھ ویگن کو دھکا لگانے لگے۔ بڑی مشکل سے ویگن نکلی۔ حضرت شیخ القرآن کے پسینے بہ رہے تھے۔ علی پور پہنچتے ہی بیان شروع فرمادیا۔ گرمی کا دور تھا، لوگ اتنے تھے کہ شامیانے ناکافی تھے لوگ برابر دھوپ کے باوجود خطاب سنتے رہے اور نعرہ ہائے تکبیر سے پنڈال گونج رہا تھا۔ حضرت شیخ صاحب اپنی جمعیت اشاعت توحید وسنت کے نشان تھے اللہ تعالیٰ شیخ القرآنؒ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

سید اصغر بخاری

حضرت شیخ القرآنؒ

یہ مضمون حضرت شیخ کے رفیق کار اور مشیر تصانیف مولانا سید سجاد بخاری کی معلومات سے مستفاد ہے۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان ۱۹۰۵ء میں ضلع اٹک تحصیل حضرو کے ایک گاؤں دریہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم ملک فیروزخان نمبردار علاقہ کی بڑی بااثر اور صاحب حیثیت شخصیت تھے۔ نسبتاً آپ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور امام محمد بن حنفیہ بن حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے مروجہ ابتدائی تعلیم نویں جماعت تک اپنے قریبی سکول سے حاصل کی مگر ابتداہی سے طبعیت دین کی تعلیم کی طرف زیادہ راغب تھی اس لیے ٹھٹہ علاقہ سواں تحصیل راولپنڈی منتقل ہوگئے جہاں مولانا احمد دین مرحوم سے صرف ونحو کی تعلیم پائی اور ازاں بعد درس نظامی کی تکمیل کے لیے موضع انہی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں سکونت اختیار کرلی یہاں آپ نے حضرت مولانا غلام رسول اور مولانا ولی اللہ مرحوم جیسے فاضلین سے اکتساب فیض کیا۔

قرآن مجید کی تفسیر آپ نے واں بھچراں ضلع میانوالی میں حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور حدیث قصبہ ڈابھیل کی معروف درسگاہ جامعہ اسلامیہ ضلع سورت بمبئی میں حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے پڑھی۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز بھیرہ ضلع سرگودھا میں درس وتدریس کے سلسلہ سے شروع کیا مگر کچھ عرصہ بعد گجرات میں سکونت پذیر ہوکر مدرسہ شاہ حسینؒ میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ چند سال بعد گجرات کو خیر باد کہہ کر راولپنڈی آگئے جہاں اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس مقرر ہوئے لیکن جلد ہی اس ملازمت کو چھوڑ کر پرانا قلعہ راولپنڈی میں ۱۹۳۶ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کی ابتداء کی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ راجہ بازار میں منتقل ہوگیا جو شہر کا سب سے بڑا کاروباری مرکز ہے جس جگہ یہ مدرسہ قائم ہے یہ جگہ سادھوؤں کی تربیت گاہ تھی جہاں انہیں تپسیہ کے لیے تیار کیا جاتا تھا لیکن مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے علم وفضل کی شہرت سے متاثر ہوکر تربیت گاہ کے مہتمم نے یہ جگہ مولانا کو مدرسہ کے لیے دے دی اور ۱۹۴۹ء سے لے کر اس وقت تک یہ مدرسہ اسی جگہ قائم ہے اور لاکھوں تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہا ہے۔ مدرسہ تعلیم القرآن کی ابتدا کرنے کے بعد حضرت شیخ القرآن نے اپنی مستقل رہائش راولپنڈی ہی میں رکھی، البتہ اندرون اور بیرون ملک تبلیغی دوروں پر کثرت سے تشریف لے جاتے رہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مرحوم نے تقریباً تمام مسلمان ممالک کا دورہ کیا۔ گزشتہ سال سعودی عرب کی حکومت کی دعوت پر حرمین شریفین میں تین ماہ تک درس قرآن وحدیث دیتے رہے۔ اس دورے کے لیے جلالۃ الملک شاہ خالد کی حکومت نے ٹکٹ بھیجا تھا۔ مئی ۱۹۷۹ء میں مرحوم نے یورپ کا ایک ماہ کا دورہ کیا اور تمام قابل ذکر ممالک اور مقامات پر تشریف لے گئے۔ جہاں اشاعت توحید وسنت کے لیے خطاب فرماتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم محترم کے اصرار پر مولانا مرحوم نے دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کرنے والے پاکستانی علمائے کرام کے وفد کی قیادت فرمائی تھی۔ اسی دورے کے دوران مولانا مرحوم نے جمعیت علمائے ہند کی خصوصی دعوت پر جمعیت کے اجلاس دہلی میں بھی شرکت کی تھی۔ اجلاس دارالعلوم دیوبند کے دوران مولانا نے دارالعلوم کی جامع مسجد حضرت علامہ انور شاہ کی جامع مسجد اور چھتے والی جامع مسجد

میں مختلف پر ہجوم اجتماعات سے خطاب کیا اور فضلاء دارالعلوم کے خصوصی اجلاس سے بھی خطاب کیا۔

دارالعلوم تعلیم القرآن: مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی مولانا غلام اللہ خان کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ جس کے مختلف شعبے ہیں، قرآن مجید ناظرہ اور تجوید کی تعلیم دی جاتی ہے اور قرآن حفظ کرایا جاتا ہے۔ شعبہ تفسیر قرآن میں مرحوم ہر سال اندرون اور بیرون ملک کے علماء کو تین ماہ تک درس تفسیر دیا کرتے تھے۔ چونکہ پڑھنے والوں میں علماء اور فضلاء شامل ہوتے تھے۔ لہذا تفسیر کا یہ درس اپنی نظیر آپ ہوا کرتا تھا۔ جو مولانا حسین علی کے طرز کے مطابق دیا جاتا تھا۔ اس درس میں ہر سال کم وبیش پانچ سو علما شریک ہوا کرتے تھے۔

اس درس کے فارغ التحصیل علما اندرون وبیرون ملک اسی انداز میں درس دے رہے ہیں شعبہ درس حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ طحاوی شریف، موطا امام مالک موطا امام محمد پڑھائی جاتی ہیں۔ شعبہ درس فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے ان کے علاوہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ اور قرآن وحدیث کے تمام خادم علوم صرف ونحو، ادب، علم معانی وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں شعبہ تبلیغ واشاعت کے سپرد نشرواشاعت کے فرائض ہیں جو ماہنامہ تعلیم القرآن بھی شائع کرتا ہے۔ شعبہ افتا مختلف مسائل جن میں کوئی الجھن محسوس کی جائے کے جوابات دیتا ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق فتوی دیئے جاتے ہیں۔

اٹک شہر میں اسی دارالعلوم کی ایک شاخ عرصہ دس سال سے جامعہ اشاعت الاسلام کے نام سے کام کررہی ہے جہاں وہ تمام شعبے موجود ہیں جو مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں کام کررہے ہیں۔ مولانا مرحوم کے جسد خاکی کو اسی جامعہ کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔

تصانیف: مولانا مرحوم کی تصانیف میں تفسیر جواہر القرآن تین جلد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس تفسیر پر کچھ عرصہ سے نظر ثانی کا کام جاری تھا اور اس میں کچھ اضافہ بھی کر رہے تھے۔ یہ کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ اس کی پہلی جلد کی جو اب سات سو صفحات پر مشتمل ہے کتابت بھی ہو چکی ہے دوسری تصنیف جواہر التوحید ہے جو مسئلہ توحید کے ہر پہلو کو حاوی ہے جواہر التوحید کا ایک حصہ شائع ہو چکا ہے اور دو حصے زیر ترتیب تھے۔ مولانا کی ایک تصنیف بلغتہ الحیران ہے جو درحقیقت مولانا حسین علی کے تفسیری نوٹس کا مجموعہ جو مولانا نے اپنے استاد محترم سے قرآن مجید پڑھتے وقت قلم بند کئے تھے اور بعد میں کتابی شکل میں شائع کردئے۔ تفسیر بے نظیر بھی حضرت شیخ کے فوائد کا مجموعہ ہے جسے مولانا نے ترتیب دے کر شائع کی۔ مولانا کو تفسیر، حدیث، فقہ اور معقولات پر خصوصی عبور حاصل تھا۔

مولانا غلام اللہ خاں مرحوم نے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ سب سے پہلے مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوئے اور حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ کے دوش بدوش کام کرتے رہے۔ انہوں نے تحریک آزادی میں ہی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء تحریک نظام اسلام ۱۹۷۷ء میں پیش پیش رہے۔ علاوہ ازیں بہت سی سماجی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقعہ پر ملک بھر کا دورہ کیا اور جہاد کی اہمیت کو واضح کیا اہل خیر کو افواج پاکستان کی ہر طرح کی امداد دینے کی ترغیب دیتے رہے جہاد فنڈ کے لیے انہوں نے لاکھوں روپے چندے کی فراہمی کا بھی انتظام کیا۔ خلاف اسلام اقدامات کا مولانا مرحوم نہایت سختی سے نوٹس لیا کرتے تھے اور برسرعام حق کی آواز بلند کرنے میں کبھی جھجک محسوس نہ کرتے تھے، اس حق گوئی کی پاداش میں ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے دوران انہیں دس سال قید اور ۲۵ ہزار روپے جرمانہ کی سزادی گئی جو بعد میں اپیل پر

معاف ہوگئی، ایوب خان کے اقتدار کے آخری ایام میں مولانا کو ڈیڑھ سال تک دریہ میں نظر بند رکھا گیا۔ اس اثنا میں حکومت کے نمائندے مختلف پیشکشوں کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے مگر انہوں نے کوئی پیشکش قبول نہیں کی اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے ہائی کورٹ لاہور میں اس نظر بندی کے خلاف ایک سال تک مقدمہ چلتا رہا آخری تاریخ پر فاضل عدالت نے مولانا کے رفیقِ کار مشیر تصانیف ودیگر امور مولانا سید سجاد بخاری صاحب کو ہدایت کی کہ وہ احمدیت کے بارے میں مولانا غلام اللہ خانؒ کا موقف تحریری طور پر عدالت میں پیش کریں لیکن اس سے پہلے کہ اس ہدایت کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت آتی حکومت نے نظر بندی کا حکم واپس لے لیا اور یوں یہ اپیل غیر موثر قرار دے دی گئی۔ سابق صدر سکندر مرزا کے زمانہ اقتدار میں بھی ایک تقریر کی وجہ سے تین ماہ تک کلر سیداں میں نظر بند رہے حق گوئی کی پاداش میں کئی بار جیل تو گئے ہی تھے۔ ۱۹۵۶ء میں مسجد قاسم خان پشاور میں قاتلانہ حملہ کا نشانہ بھی بنے حملہ آور نے استرے کے ساتھ مولانا کا گلا کاٹنے کی کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی جان بچائی مولانا نے توحید کے موضوع پر تقریر کی جو بعض لوگوں کو ناگوار گزری اس موقعہ پر عدالت نے حملہ آور کو سات سال قید کی سزا کا حکم دیتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ قاتل نے جس تقریر کو وجہ اشتعال قرار دیا ہے اس کا مضمون تو پورے کا پورا قرآن کریم کی مختلف آیات کی صورت میں موجود ہے عدالت نے اپنے فیصلے میں کچھ آیات بھی نقل کی تھیں۔

مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے دار العلوم تعلیم القرآن کا انتظام اپنے بڑے صاحبزادے قاضی احسان الحق کے سپرد کر دیا تھا اور خطابت کے فرائض بھی انہی کے ذمے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد علماء کے ایک اجتماع میں قاضی احسان الحق کی دستار بندی کی گئی (۱) اور انہیں مولانا کا جانشین مقرر کیا گیا۔ دستار بندی کی رسم مولانا قاضی شمس الدین نے ادا فرمائی۔۔۔۔ جامع اشاعت الاسلام اٹک کا انتظام مولانا نے اپنے چھوٹے صاحبزادے مولانا حسین علی کے سپرد کر رکھا تھا۔ یہ مدرسہ جو ۵ کنال پر محیط ہے اس کی زمین مولانا کی ذاتی جائیداد تھی اور مدرسہ بھی ان کی ذاتی کوششوں سے تعمیر ہوا تھا۔ مجلس احرار اسلام کے بعد مولانا نے کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی، مگر قومی اتحاد کو ان کی مکمل تائید وحمایت حاصل تھی اور ہر طرح اتحاد سے تعاون کیا تھا۔

(۱) افسوس کہ مولانا احسان الحق صاحب بھی کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اب مولانا اشرف علی صاحب زید لطفکم دار العلوم کے مہتمم ہیں۔ (ارشد)

قاری عبد الرؤف صاحب - کراچی

عظمت کے معیار ساز

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کے نام سے اور ان کے حالات سے ایک دنیا واقف ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی خدا کی توحید سنانے کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آخری وقت بھی توحید خداوندی سنانے کے لیے اسٹیج پر تشریف فرما تھے کہ خالقِ حقیقی کو جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں اگر یہ کہوں تو مبالغہ نہیں کہ حضرت شیخ القرآنؒ جیسا عظیم انسان شاید ہی کوئی پیدا ہو۔ عظیم انسان ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ مائیں انہیں روز روز جنم نہیں دیتیں۔ ایسے انسانوں کے لیے تاریخ کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے۔ زندگی سالہا سال خانۂ خدا کا طواف کرتی ہے تب کہیں کوئی ایسا انسان وجود میں آتا ہے جو صرف عظمت ہی کے معیار پر پورا پورا نہیں اترتا بلکہ اس کو دیکھ کر خود عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ کون جانتا تھا کہ یہ پیدا ہونے والا بچہ غلام اللہ خانؒ ایک اسلامی ریاست کا عظیم رہنما انسانیت کا سالار غرباء کا غم خوار، طلباء وعلماء کا استاذ بنے گا۔ مفسر معلم مفکر اور مبلغ اسلام بنے گا۔ جس کی آنکھوں میں حیا کی معصومیت، دل میں ایمان کی قوت، اعمال میں خدا کا خوف، دعوت میں فکر انگیزی، خطابت میں سحر انگیزی، زہد و تقویٰ کا پیکر، جس کے ظاہر و باطن میں یکسانیت، جو پہاڑوں کا سا عزمِ بلند لیے چاند کی طرح شفاف کردار، جہاد فی سبیل اللہ کا شوق، اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سی صفات سے موصوف فرمایا تھا۔

آپ کو چار زبانوں میں خطاب کرنے کا شرف حاصل تھا۔ عربی، اردو، پنجابی، پشتو۔ حضرت شیخ القرآنؒ ان چار زبانوں میں بہترین خطاب فرماسکتے تھے۔ حضرت شیخ القرآنؒ کو تبلیغی جماعت سے بھی لگاؤ تھا۔ آپ نے کچھ وقت بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ لگایا تھا اور رائے ونڈ سالانہ اجتماع پر دعا کے لیے اکثر تشریف لے جاتے تھے اور اکثر تقریروں میں فرمایا کرتے تھے جس نے اپنی زندگی سدھارنی ہے وہ کچھ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ لگائے۔ حضرت شیخ القرآنؒ ہر کسی سے بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ القرآنؒ کراچی تشریف لائے، بندہ ناچیز اور قاری عبد المالک صاحب فاروقی حضرت کی قیام گاہ پر حضرت کی ملاقات کے لیے گئے تو آپ کے پاس اور بھی کچھ آدمی بیٹھے تھے، چائے اور بسکٹ کا دور چل رہا تھا۔ حضرت شیخ القرآنؒ ہمیں بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ بعد از ملاقات چائے اور بسکٹ ہمارے آگے رکھ دیے، چھوٹے بچوں سے بہت ہی پیار سے بات کرتے تھے اس وقت میں بھی بچہ ہی تھا بچپن سے مجھے حضرت شیخ القرآنؒ سے عقیدت ہے۔ مجھے حضرت شیخ کی تقریر سننے کا بہت شوق تھا۔ میں نے یہ واحد شخص دیکھا کہ جو کسی دور میں بھی نہ کسی کے سامنے جھکا نہ بکا۔

آپ کو یاد ہوگا صدر ایوب خان کے دور میں حضرت شیخ القرآنؒ کو حق گوئی کے جرم میں ان کے گاؤں میں نظر بند کردیا گیا۔ آپ نے اس زمانے میں بھی اپنا مشن جاری ساری رکھا۔ رہائی کے بعد آپ نے اپنے مشن کی رفتار اور بھی زیادہ تیز کردی۔ یہ حضرت شیخ القرآنؒ ہی تھے کہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر حکومت کو للکارتے اور ببانگِ دھل توحیدِ خداوندی کا ڈنکا بجاتے۔ جب تحریک ختم نبوت چلی تو اس

میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ لوگ آپ کی تقریریں سن سن کر مرزائیوں کو کافر کہنے پر مجبور ہوگئے۔ صرف عوام نے ہی کافر نہیں کہا بلکہ حضرت شیخ القرآنؒ اور علماء کی جدوجہد سے حکومت کو بھی اقلیت قرار دینا پڑا اور بھٹو آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر دور میں مشرک کی جڑوں کو کاٹتے رہے۔ جب نظامِ مصطفیٰ کی تحریک چلی تو حضرت شیخ القرآن صاحبؒ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ نے جلوسوں کی قیادت بھی فرمائی۔ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ابتدائی دور میں کسی بات پر حضرت شیخ القرآن صاحبؒ کو گرفتار کیا گیا لیکن پھر جلد ہی رہا کردیا گیا۔ جس حاکم نے بھی اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھایا شیخ صاحبؒ نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا۔ آپ نے اپنی زندگی کا مقصد یہ ہی بنا رکھا تھا کہ اس ملک میں اسلام کا چرچا ہو کیوں کہ یہ ملک پاکستان لاالہ الااللہ ہی کے نام سے حاصل کیا گیا تھا اور اس ملک میں شرک اور بدعات کو ختم کر کے توحیدِ خداوندی کا پرچم بلند کیا جائے۔ آپ نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی توحید سنانے کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں توحیدِ خداوندی اور سنّتِ نبوی ﷺ کا پرچم ڈنکے کی چوٹ پر لہرایا۔ ساری زندگی حق بیان کیا اور سنّتِ نبوی ﷺ کو اپنایا۔

ہمارے گاؤں سکھر تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک کا یہ عالم تھا کہ باوجود وہاں دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء کے رہتے ہوئے توحید بیان کرنا تو درکنا دیوبندیوں کا نام لینا بھی کفر سمجھا جاتا تھا۔ یہ حضرت شیخ القرآنؒ کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج سکھر کے ہزاروں انسان علماء دیوبند سے وابستہ ہیں۔ وہاں جا کر حضرت شیخ صاحبؒ نے کئی مناظرے کیے۔ آج بحمد للہ وہاں ڈنکے کی چوٹ توحید بیان کی جاتی ہے اور اکثر مساجد دیوبندیوں کی نظر آتی ہیں۔ دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کو جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ حضرت شیخ القرآنؒ سادہ لباس اور سادہ کھانا بہت پسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؒ کی تقریر سنگوالہ میں تھی جو سکھر سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت نے سکھر سے گزر کر سنگوالہ جانا تھا۔ تمام حضرات انتظار کر رہے تھے، شام کے وقت حضرتؒ سکھر تشریف لائے سنگوالہ والوں نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ حضرتؒ نے عشاء کی نماز سکھر کی جامع مسجد میں ادا کی نماز کے فوراً بعد قاری غلام محی الدین صاحب اور تمام طلبہ اور بہت سے افراد کے ساتھ سنگوالہ روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ صاحبؒ نے بھی یہ سفر پیدل کیا۔ وہاں تقریر فرمائی اور تقریر کے فوراً بعد سکھر چل دیے کسی وجہ سے وہاں کھانا تک نہ کھایا۔ پیدل سکھر آئے چونکہ قاری غلام محی الدین صاحب سے بہت پرانے تعلقات تھے۔ فرمایا قاری صاحب مجھے کھانا کھانا ہے گھر سے پکوا کر لے آؤ لیکن جو سالن پڑا ہو وہی لے آنا یا دال پکوا لینا اور کچھ نہیں کھاؤں گا۔ حضرت نے کھانا کھانے کے بعد وہیں آرام فرمایا اور صبح درس قرآن دیا اور راولپنڈی تشریف لے آئے۔

مولانا عبد العزیز
مسجد باب رحمت بارری گیٹ کراچی

مناظر، مفسر، مہمان نواز اور شفیق استاذ

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت شیخ القرآن کو، کن الفاظ میں نذرانہ عقیدت پیش کروں اور وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو حضرت شیخ کے مقام و مرتبہ اور ان کی اعلیٰ وارفع شخصیت کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔ ہمیں یہ کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہم کو زندگی بھر ایسا نڈر مبلغ ملنا مشکل ہے۔ ایسا بے لوث مقرر، ایسا مناظر، ایسا مفسر اور ایسا شفیق استاذ روز روز عالم گیتی میں نہیں آتا۔ ایسا استاذ جس کے سامنے صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ عرب اور پوری دنیا کے طلبہ آیا کرتے تھے۔ یہ طلبہ سو پچاس نہیں بلکہ پانچ سو سے لے کر آٹھ سو تک ہوتے تھے۔ اب ہم ایسا استاذ، ولی کامل، جس کا چہرہ دیکھو تو نور چمک رہا ہے کہاں تلاش کریں۔ اب حضرت شیخ القرآن ایسی جگہ تشریف لے گئے ہیں جہاں سے لوٹ کر نہیں آیا جا سکتا۔ اللہ جل شانہ شیخ صاحب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہمارے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیر طریقت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت شیخ القرآن ایسے خطیب تھے جب قرآن مجید پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ ابھی قرآن مجید اتر رہا ہے پورا پورا دن تقریر کرتے گزر جاتا۔ صبح تین بجے حضرت شیخ صاحبؒ کا اٹھنے کا معمول تھا۔ نماز فجر کے بعد تقریر پھر سارا دن اکثر پروگرام ہوتے۔ تقریباً ہر نماز کے بعد اکثر اوقات ضرور کوئی نہ کوئی پروگرام ہوتا تھا عوام کی یہ حالت تھی کہ حضرت کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہے ہوتے۔ شیخ صاحب نیند آرام چلتی گاڑی میں یا کار وغیرہ میں آدھ پون گھنٹہ کر لیتے تھے، معلوم ہوتا کہ ایک دم تازہ ہو گئے ہیں۔ جب حضرت خطاب فرماتے تو اپنے تو اپنے پرائے بھی حضرت کو مانتے۔ اہل بدعت کو للکارتے اور اہلِ حق کو بُرا کہنے والو! لاؤ مولانا قاسم نانوتوی جیسا، شیخ الہند محمود الحسن جیسا، شاہ اسماعیل شہید، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمود جیسا کوئی ہے تو لاؤ۔ حلوہ خورو! علمائے دیوبند جیسا لاؤ۔ ایک مرتبہ کھڈا مارکیٹ کراچی میں تقریر تھی، بھٹو کا دور تھا۔ حکومت کو خوب خوب کھری کھری سنائیں۔ ایوب خان اور یحییٰ خان کو بھی یونہی سناتے تھے۔ حضرت درخواستی صاحب نے جب خان پور میں تمام علماء کو جمع کیا تو حضرت شیخ نے بھی تقریر فرمائی جو کہ بندہ کے پاس کیسٹ کی صورت میں محفوظ ہے۔ خلافت وملوکیت کی بات چل نکلی۔ اس کو مولانا مودودی نے لکھا ہے اور شیعہ حضرات اس کی وجہ سے مودودی کی تعریف کرتے ہیں۔ شیعہ زیدی نے کہا تھا کہ ایک ایسا عالم اور ہونا چاہیے جو صحابہ کے خلاف کتابیں لکھے۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا **"انه منكم"** "وہ تم میں سے ہے ہم میں سے نہیں۔ ایک صاحب قسم اٹھا کر فرمانے لگے کہ میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسا نڈر مقرر نہیں دیکھا جو حکومت کو بھی صاف صاف سنائے اور فراڈی مولویوں اور پیروں کو بھی۔

ایک دفعہ ضلع اٹک تحصیل تلہ گنگ کے گاؤں سگھر میں اہلِ بدعت سے مناظرہ طے ہو گیا۔ مقابلے میں مولوی محمد عمر اچھروی صاحب کو مبلغ پانچ صد روپے پر لایا گیا تھا، دن کو مناظر ہوتا رہا۔ حضرت شیخ القرآنؒ نے جب قرآن سنایا تو لوگ سمجھ گئے کہ حق اس طرف

ہے اور باطل اس طرف، اہلِ بدعت نے دیکھا کہ جھوٹے ہیں تو ہلڑ بازی شروع کردی۔ مناظرہ دوسرے دن پر رکھ دیا گیا مگر اچھروی صاحب سے صرف ایک دن کے لیے پانچ صد روپیہ دینا طے پایا تھا اس لیے راتوں رات ہی راہِ فرار اختیار کی۔ اس مناظرہ میں حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب بھی موجود تھے۔

مہمان نوازی: ایک بار حضرت شیخ کے کسی عزیز کی شادی تھی۔ تمام جاننے والوں کو اس میں مدعو کیا گیا مگر قاری عبد الرشید صاحب فاروقی کو دعوت نہ دی گئی حالانکہ ان سے دوستانہ روابط تھے اور انہیں اس کا تعلق بھی تھا۔ چند روز بعد جناب قاری صاحب حضرت شیخ سے ملے اور مبارک باد کے علاوہ فرمایا کہ آپ نے مجھے یاد نہیں فرمایا۔ حضرت شیخ صاحب نے منتظمین سے سخت باز پرس کی اور کہا کہ ہمارے ایک ہی تو قاری تھے تم نے ان کو بھی دعوت نہیں دی۔ اس کے بعد قاری صاحب کے لیے مرغی کا گوشت اور دودھ بہ مٹھائی مہیا کی گئی تاکہ ان کی دل جوئی کی جائے۔ قاری صاحب نے کہا حضرت میں بالکل ناراض نہیں ہوں۔ اس سے حضرت شیخ کے جذبہ مہمان نوازی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی مدیر، البلاغ، اداریہ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب

توحید وسنّت کے داعی، شرک وبدعت اور اوہام ورسوم کے لیے شمشیر برہنہ

ابھی مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا حادثہ وفات تازہ تھا کہ اچانک شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کی وفات کی خبر صاعقہ بن کر گری۔ حضرت مولاناؒ عمرہ کی ادائیگی کے لیے حجاز تشریف لے گئے تھے۔ واپسی میں دوبئی میں قیام فرمایا۔ وہاں ایک جلسہ سیرت سے بھی خطاب کیا، اسی سرزمین پر داعی اجل آپہنچا، اور دین برحق کا یہ جان نثار مبلغ، اسلام کا یہ جانباز سپاہی، علمائے دیوبند کا یہ عاشق زار اور گلشن توحید کا یہ عندلیب ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اکابر علماء میں سے تھے جن کا وجود مسلمانوں کے لیے بہت بڑی ڈھارس کا سبب تھا، وہ توحید وسنّت کے داعی تھے اور شرک وبدعت اور اوہام ورسوم کے لیے شمشیر برہنہ، جس بات کو انہوں نے حق سمجھا، اس کے اعلان واظہار میں انہوں نے کسی مداہنت اور کسی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ اسی حق گوئی وبے باکی کے صلے میں انہوں نے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ قاتلانہ حملے بھی سہے لیکن ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آسکا۔

حضرت مولاناؒ نے جن اکابر علمائے دیوبند سے فیض حاصل کیا ان میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں لیکن ردّ بدعات کے خصوصی مشن میں آپ نے اپنے استاد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے مذاق کو اپنایا تھا اور ساری عمر اسی مشن کی تکمیل میں گزاری۔ اس راہ میں آپ جس قدر محنت اٹھاتے تھے اس کو دیکھ کر ہم نام کے جوانوں کو

حیرت ہوتی تھی۔ راولپنڈی میں آپ کا قائم کیا ہوا مدرسہ تعلیم القرآن ملک کے چوٹی کے دینی اداروں میں سے ہے اور اس کے درس و انتظام کے علاوہ ایک ایک دن میں کئی کئی جلسوں سے خطاب، مختلف مقامات پر درسِ قرآن اور مسلسل سفروں کی زندگی آپ کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ انہی مصروفیات کے درمیان آپ نے تفسیر "جواہر القرآن" جیسی ضخیم کتاب بھی تصنیف فرمائی جو حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے تفسیری افادات و نظریات کی بہترین تشریح ہے۔ بعض مسائل میں اکابر علمائے دیوبند سے قدرے مختلف موقف رکھنے کے باوجود اکابر کی عظمت و محبت ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ علمائے دیوبند کے تذکرے سے وہ بے خود ہو جاتے اور جہاں کہیں اس مقدس نام پر کوئی آنچ آتی محسوس ہوتی، وہ اپنے مرتبہ و منصب کی پرواہ کیے بغیر اپنی جان و آبرو کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ بحمد اللہ برادرم محترم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم اور اس ناکارہ کو ہمیشہ ان کی شفقت و محبت حاصل رہی، بارہا دارالعلوم میں ان کی تشریف آوری ہوئی، یہاں درس و خطاب سے بھی سرفراز فرمایا۔ ہم لوگوں کو بھی مولانا کا مہمان بننے کی سعادت حاصل ہوئی، اور ان کے بزرگی، ان کی شفقت اور ان کے دوسرے علمی و عملی کمالات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور واقعہ یہ ہے کہ مولاناؒ کی ذات ہم سب کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔

احقر اسلام آباد سے کراچی آنے کے لیے پابہ رکاب تھا کہ مولاناؒ کی وفات کی اطلاع بجلی بن کر گری احقر نے اپنا سفر ملتوی کیا اور اس طرح بحمد اللہ آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ نماز جنازہ لیاقت باغ میں ہوئی اور یہ مولاناؒ کے خلوص، للہیت اور انتھک جدوجہد کا ثمرہ تھا کہ نماز جنازہ میں لوگوں نے جوق در جوق شرکت کی، لیاقت باغ میں نمازِ جنازہ کے وقت سر ہی سر نظر آتے تھے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو جوارِ رحمت میں مقاماتِ عالیہ سے نوازے، پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کا قائم فرمودہ دارالعلوم تعلیم القرآن جو ان کا بہترین صدقہ جاریہ ہے، بدستور حدیث دین کا ایک اہم مرکز بنا رہا ہے۔ مولانا کے صاحبزادگان بفضلہ تعالیٰ حاکم دین اور اپنے والد ماجد کے مشن کے امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خیر و عافیت کے ساتھ قائم رکھنے اور بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
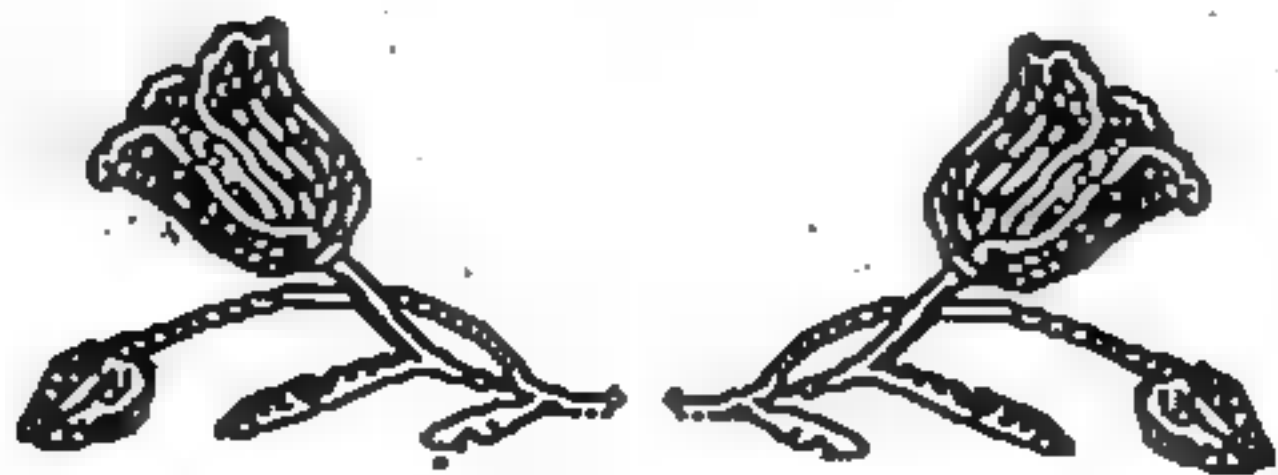
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد اسحاق خان مدنی دوبئی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل آزاد جموں و کشمیر
مبعوث سعودی عرب برائے دعوت وارشاد

ایک مردِ حق

جس نے دم واپس تک درسِ توحید دیا

حضرت خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ بھی ارشاد فرمائی کہ صحیح علم اٹھ جائے گا یعنی علماء حق دنیا سے رخصت ہوتے جائیں گے، ان کی جگہ سنبھالنے کے لیے وہ جانشین میسّر نہ آسکیں گے جو ان کے علم وفضل کے حامل اور ان کے اوصاف کے پاسدار ہوں، نا اہل لوگ ان کی مسندِ علم وفضل پر براجمان ہو کر بغیر علم وآگہی کے فتوی داغیں گے اور اس طرح خود بھی غلط راہ پر چلیں گے۔ اور دوسروں کو بھی اسی پر ڈال کر دوہرے جرم اور ڈبل گناہ کے مرتکب ہوں گے یہاں تک کہ ایسے لوگ زمین پر رہ جائیں گے جو بھوسے کی طرح بے قدر وقیمت ہوں گے۔ اور ایسے ہی اشرار پر قیامت قائم ہوگی۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر دیکھیے تو آپ کو جابجا اس کی مثالیں ملیں گی، جب کوئی عالم حق دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ایک اندھیرا سا چھا جاتا ہے اس کی صفات اور اس کے علم وفضل کامل اس کا کوئی جانشین خال خال ہی کہیں مل سکے گا اور پھر ایسی شخصیات کا وجود تو گویا عنقا ہو رہا ہے جو حق آگاہ بھی ہوں اور حق گو بھی۔

حضرت شیخ کا سانحۂ ارتحال: شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان کا سانحۂ ارتحال بھی اسی افسوس ناک اور دکھ دہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے، ابھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غم ختم نہیں ہوا تھا، ابھی حضرت شیخ بنوری نور اللہ مرقدہ کا زخم ہی بٹنے نہیں پایا تھا، ابھی اس طرح کے اور کئی علماء حق کی وفیات کے صدمے ہی ختم نہیں ہوئے تھے کہ حضرت شیخ القرآن کے انتقالِ پرملال کے سانحہ نے پھر گھائل کر کے رکھ دیا اور عجیب قصہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز اور اس کے بعد تک شیخ القرآن ہماری بھری مجلسوں میں رونق افروز رہنے کے باوجود یکایک ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ **فانا للہ وانا الیہ راجعون.** حرمین شریفین کی زیارت اور عمرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے بعد حضرت شیخ مرحوم پچھلے کچھ دنوں سے متحدہ عرب امارات کے تبلیغی پروگرام پر تشریف لائے ہوئے تھے، جامع شیراوی اور قصیص نمبر ۳ کی جامع مسجد میں مولانا کی تقریروں میں ہم بھی شریک ہوئے طبیعت اگرچہ کافی مضمحل نظر آرہی تھی، مگر عقیدہ توحید کی تبلیغ واشاعت سے جس جوش جنوں سے آپ سرشار تھے اس کے باعث گھنٹوں گھنٹوں کے طویل بیانات اور پرجوش خطابات کے دوران ابھی آپ کی آوازِ حق وصداقت کی روایتی گونج گرج اور کڑک وچمک میں کسی طرح کا کوئی فرق تک محسوس نہیں ہوتا تھا اور شمع توحید کے پروانے بھی تھے کہ دور دراز سے آپ کے اجتماعات میں کھنچے چلے آتے جو اپنے سینوں کی ایمانی حرارت کو آتشِ سوزاں کرنے کے علاوہ اپنی ٹیپ ریکارڈوں کے ذریعے بھی مولانا مرحوم کی آواز کو بند کر کے اطراف واکناف میں لے جاتے۔

آخری تقریر: دبئی میں مولانا مرحوم کی آخری تقریر جو کہ آپ کی زندگی کی بھی آخری تقریر ثابت ہوئی وہ تھی جو آپ نے قصیص نمبر ۳ کی جدید وخوب صورت اور عظیم الشان مسجد میں نمازِ عشا کے بعد فرمائی کوئی پونے دو گھنٹے کی اس طویل تقریر میں آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں عقیدہ توحید اپنے روایتی جوش وخروش اور دلکش انداز میں بڑی وضاحت سے بیان کیا، اور آخر میں اعلان فرمایا کہ اس کی تکمیل کل تقریر میں کروں گا جو دبئی کی سب سے بڑی مرکزی جامع مسجد میں نماز عشاء کے بعد ہوگی دوسرے دن حسب اعلان وپروگرام آپ وہاں تشریف لے گئے۔ سامعین دور دور سے کشاں کشاں جمع ہورہے تھے۔ یہاں کی عام روایت کے خلاف ایک بڑا مجمع بھی اکٹھا ہوگیا، آپ منبر کے قریب تشریف فرما تھے، ابھی جلسہ کا آغاز ہی ہورہا تھا کہ ابتدائی نوعیت کے اعلانات ہی جاری کیے جارہے تھے کہ یکایک مولانا کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی، آپ اپنے ایک رفیقِ سفر حافظ نور حسین صاحب کو مائیک پر کھڑا کر کے خود اپنے دو جانثاروں کے ہمراہ راشد ہسپتال تشریف لے گئے۔

حاضرین آپ کی واپسی کے منتظر اور آپ کے لیے چشم براہ تھے، ادھر اجتماع کو مشغول رکھنے کے لیے راقم کا اعلان کردیا گیا، راقم نے بھی کچھ دیر بیان کیا، انتظار کی گھڑیاں طویل تر ہورہی تھیں، آخر اس اعلان پر جلسہ ختم کردیا گیا کہ "حضرت! معلوم، ہوتا ہے مولانا کی طبیعت کچھ زیادہ ہی علیل ہوگئی ہے، لہذا جلسہ برخاست کیا جاتا ہے اور اگر مولانا کو صحت ہوگئی تو کل اسی جگہ اور اسی وقت جلسہ دوبارہ ہوگا" اس کے بعد ہم اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ "مستشفی راشد" پہنچے تو دیکھا کہ وہاں انتظار گاہ میں ایک جمِ غفیر محوِ انتظار تھا کہ کب کیا خبر آتی ہے، اندر جانے اور معلوم کرنے کی نہ کوئی صورت ہے نہ اجازت۔ مولانا مرحوم کے جو دو جانثار مولانا اکرم خان اور وکیل نسیم خان آپ کے ساتھ اندر گئے تھے ان کا بھی کوئی پتہ نہیں، آخر کار راقم، اثم نے ادھر اُدھر چکر لگانا شروع کیے تو دور اندر جا کر ہم "قسم الحوادث" (ایمرجنسی) کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں یہ تو معلوم ہوگیا کہ مولانا صاحب کو یہیں داخل کیا گیا ہے، لیکن دروازے پر موجود شرطی (پولیس مین) اندر نہیں جانے دے رہے تھے مگر پھر کچھ لمحے بعد راقم کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ راقم کو اندر جانے کی اجازت دے دی بلکہ انہی میں سے ایک شرطی خود میرے ساتھ گیا اور لفٹ کے ذریعے مجھے اس کمرے میں پہنچادیا جہاں مولانا مرحوم کو رکھا گیا تھا۔

ایک عجیب سماں: مگر وہاں پہنچ کر راقم آثم کو تو ایک اور ہی عجیب وغریب سماں نظر پڑا، دیکھتا کیا ہوں کہ شیخ القرآن "مرحوم" ہوچکے ہیں، اور قرآن وسنت کے مقدس علوم کے انمول ذخیرے کو اپنے سینے میں لیے ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے، مولانا کا ایک پروانہ اکرم خان ایک چارپائی پر بے ہوش پڑا ہے اور دوسرا بھی نسیم خان غم کی تصویر بنا خاموش کھڑا ہے، یہ منظر دیکھنے اور خلافِ توقع دیکھنے پر ہماری آنکھوں سے بھی بلا اختیار آنسوؤں کا مینہ برسنا شروع ہوگیا، وہاں پر موجود ہسپتال کا عملہ ہمیں صبر دلا رہا تھا کہ جی اس میں کیا زور ہوسکتا ہے یا کسی کا کیا بس چل سکتا ہے، دنیا کا نظام ہی اسی طرح ہے وغیرہ وغیرہ، مولانا مرحوم کی کچھ امانتیں اور اسی طرح اکرم خان کی کچھ چیزیں بھی راقم کے حوالے کی گئیں۔ اب اکرم خان کو ہوش میں لانا ایک اور مسئلہ بن گیا۔ وہاں کے اسٹاف نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی، آخر کار اسے بھی وہاں باضابطہ طور پر داخل کرنا پڑا، اس کے بعد جب اس نے آنکھ کھولی تو اس کی زبان پر پہلا لفظ تھا "مولنا چرتہ دی" (مولانا کہاں ہیں) پھر وہ تھر تھر کانپنا شروع ہوگیا۔ پھر غشی آگئی، کچھ ٹیکے لگائے گئے، پھر آنکھ کھولنے پر اس

کی زبان پر اس طرح کے الفاظ تھے "مولانا سہ شو" (مولانا کدھر گئے) مولانا تقریر کڑے دا۔ (مولانا نے تقریر کرلی؟) مولانا تقریر کلہ بہ کی (مولانا کب تقریر کریں گے) وغیرہ وغیرہ، پھر غشی اور بے ہوشی کے دورے اور اس دوران کبھی کبھی وہ کچھ قرآنی آیات بھی پڑھنا شروع کردیتے، اسی حالت میں آدھی رات بیت چکی تھی۔ بہر حال جس کا خدشہ تھا وہ ہوگیا، جس حادثہ نے رونما ہونا تھا وہ رونما ہوگیا، جو خطرہ منڈلا رہا تھا وہ بالآخر واقع ہو کر رہا، موت اپنے پنجے گاڑ چکی تھی، جس نے جانا تھا وہ چلا گیا، اب کوئی ہوش میں ہو یا بیہوش، سوائے صبر کے کیا ہوسکتا تھا۔

قابلِ رشک موت: موت تو ایک اٹل حقیقت اور لازمیٔ حیات ہے، اس سے کس کو مفر ہوسکتا ہے۔ یہ گولی اگرچہ ہے بہت کڑوی مگر کھانا ہر کسی کو پڑتی ہے، امیر وغریب شاہ وگدا، چھوٹا بڑا، ادنیٰ واعلیٰ کوئی بھی اس سے محفوظ و مستثنیٰ نہیں مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس قدر تلخ وترش ہونے کے باوجود بھی قابلِ رشک ہوتی ہیں، مولانا مرحوم کی موت بھی اسی طرح کی تھی، اندازہ فرمائیے حرمین شریفین کی زیارت اور عمرہ وطواف بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہونے اور لغزشوں سے مغفرت وبخشش حاصل کرنے کے بعد وطن واپس پہنچے اور وہاں کسی آلائش میں ملوث ہونے سے پہلے راہ حق میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے، پھر سب ساتھیوں، دوستوں اور شاگردوں وعقیدت مندوں سے مل چکنے اور دن بھر کی پوری پانچ نمازیں ادا کرلینے اور عشاء کی آخری نماز سے بھی فراغت پالینے کے بعد باوضو یہاں کی سب سے بڑی جامع مسجد کے محراب اور نیک اور پاکیزہ لوگوں کے ایک بڑے اجتماع سے اٹھتے ہی جا کر بسترِ مرگ پر سوگئے اور کلمۂ حق وصداقت کہتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کرنا ہی مقصود تھا فرحمۃ اللہ علیہ۔

بھرپور اور کامیاب زندگی: کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم نے اسی ہنگامۂ رست وخیز میں ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری، بچپن علماء حق اور صلحاء امت کی خدمت میں قرآن وسنت کے مقدس علوم حاصل کرنے کے لیے وقف کردینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس راہ میں ہر تکلیف اور دقت ودشواری کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، پھر اس کے بعد کی تمام منزلیں کلمۂ حق کی تبلیغ واشاعت کے لیے جہادِ مسلسل میں صرف کرنے کی توفیق ملی۔ ہزارہا تشنگانِ علوم کو قرآن وسنت کے علوم مقدسہ سے فیضیاب فرمایا، قرآن پاک کی ایک بے مثال تفسیر پیش کرنے کی سعادت ملی، دارالعلوم تعلیم القرآن اور اس جیسے دوسرے متعدد دینی وعلمی مراکز توحید وسنت کے نورِ تقدس کی اشاعت کے لیے قائم فرمائے، اپنے ملک کے طول وعرض کے علاوہ یورپ کے متعدد ملکوں اور دوسرے علاقوں میں توحید کے پھریرے لہرائے۔ یہاں تک کہ اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ بھی توحید کی تبلیغ کے لیے پیش کردیا آپ کی پچاس سالہ طویل زندگی کی گرانقدر خدمات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اسے ان چند اہم ابواب پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، ٹھوس اور جامع علمی رسوخ، عقیدۂ توحید سے والہانہ لگن اور شرک کی بیخ کنی کے لیے سیفِ بے نیام، علومِ قرآنیہ کے بے مثال خزانہ اور حق گوئی کے میدان میں تلوار کی کاٹ، اپنے اسلاف اور خاص کر اکابرِ دیوبند سے والہانہ عشق، جب کبھی اپنے ان اساطین امت کا ذکر کرتے تو جھوم جھوم جاتے۔

پس چہ باید کرد: پس موت کے اٹل فیصلے کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں اور حوصلہ وہمت سے کام لے کر ان نقوش کو اپنانے اور ان راہوں پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے جن کا درس مرحوم نے زندگی بھر دیا اور جن کا کچھ اجمالی تذکرہ بھی کردیا گیا اور اپنی طرف سے بھرپور کوشش کے ساتھ ساتھ اس قادر متعال ذات سے ہمیشہ دست بدعا بھی رہنا چاہیے اور دل کی گہرائیوں سے اس کی بارگاہ میں عرض بھی کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمت وتوفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین یاارحم الراحمین۔

ابو موسیٰ کلیم

یادگار زمانہ لوگ

شیخ القرآن

چند یادیں <> چند باتیں

پنڈی میں اک چراغ تھا، نہ رہا ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا

جناب شورش کاشمیری مرحوم نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ یہ شخص (مولانا غلام اللہؒ) توحید سے اس طرح عشق کرتا ہے جیسے تلوار کاٹ سے پیار کرتی ہے۔ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کسی نے تقریر کے دوران کھڑے ہو کر عرض کیا کہ غلام اللہ کو ہدایت فرمائیں بڑی متشددانہ توحید بیان فرماتے ہیں، ذرا نرمی فرمائیں۔ شاہ صاحب نے برجستہ جواب میں فرمایا کہ سیّد بخاریؒ کی باتیں آپ نہیں مانتے تھے، اب خان آیا ہے انشاء اللہ آپ کو منوا کر چھوڑے گا اور دنیا نے دیکھا، مولانا حسین علی مرحوم کے اس عظیم فکری فرزند نے ایک زمانہ کو توحید کا نکتہ سمجھایا اور اس میں اپنا لوہا منوالیا۔

چودھویں صدی ہجری کے بعد توحید بیان کرنے میں جو مصلحتیں اختیار کی جانے لگیں اور ان مصلحتوں کی بدولت اللہ کی وحدانیت کے نقش ونگار پر جو دھند چھانے لگی اسے عرب میں آکر محمد بن عبدالوہابؒ نے دور کیا تو برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ ولی اللہ کی فکری اولاد نے اس کا بیڑہ اٹھایا جن میں انور شاہ کاشمیری مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین علیؒ وغیرہ کے بعد مولانا مرحوم کا نام آئے گا۔ آپ نے توحید کے بارے میں وہ خوب صورتی پیدا فرمائی کہ تحریکِ توحید بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی اور مولانا مرحوم نے اسے بین الاقوامی ربط میں پرودیا اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دنیا بھر میں غیر متزلزل یقین اور اعتماد کی شمعیں روشن ہیں اور یہ حضرت موصوف کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ تاریخِ توحید جب مرتب ہوگی تو کوئی بھی دیانت دار مؤرخ مولانا مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیے بغیر اسے مکمل نہ کر پائے گا۔ اس لیے کہ مولانا غلام اللہ خانؒ ہی نے توحید کے بیان میں ایسا صاف وشفاف اور کھرا انداز اختیار فرمایا کہ لوگوں کے ذہنوں سے شرک کی پرچھائیں بھی مٹا کر چھوڑیں۔ شرک جس جارحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا اس کی اسی انداز میں یلغار روک کر اس پر ایسے تابڑ توڑ حملے کیے کہ اسے دفاع پر مجبور کردیا۔ مولانا نے توحید کو گرچہ نئے معنی نہیں دیئے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اسے ذہنوں میں سمودیا ہے کہ نہ ماننے والے بھی اپنے عمل پر مطمئن نظر نہیں آتے۔ اللہ کی توحید کو ایک مدت کیا تخلیق کائنات سے بیان ہورہی ہے لیکن ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق اپنے لیے ایک مخصوص زاویہ مقرر کرتا رہا ہے۔ ماضی قریب میں مصلحت بینی نے دینی شعور کو جو ضعف پہنچایا اس میں توحید بھی زخموں سے کراہتی رہی تھی لیکن مولانا نے ہر مصلحت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ہر خوف کے بند سے اپنے آپ کو آزاد کرتے ہوئے صرف ربِ واحد کا خوف دل میں بسایا اور ساری دنیا کو چیلنج کرتے ہوئے محمد علی جوہر کے شعر کی تفسیر میں اپنی زندگی لڑادی۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

لفظ تصدیق تو پہلے بھی موجود تھا اور لوگوں کو صدیق بھی کہا جاتا تھا لیکن اس لفظ کو جناب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایسی جلا بخشی کہ آسمان سے جبریل امین رسالت مآب ﷺ کے نام پیغام لے کر حاضر ہوئے کہ آج کے بعد ابو بکرؓ کو صدیق کا خطاب اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح ہجرتیں پہلے بھی وجود میں آتی رہی ہوں گی لیکن انسانیت اس کے مفہوم سے اس وقت تک مطمئن نہ ہو سکی جب تک حبشہ اور ہجرت مدینہ وقوع پذیر نہ ہوئی۔ جب دشمنوں میں گھرے ہوئے بظاہر ایک مجبور شخص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے حکم ہجرت پر برادریاں رشتے اور گھر بار چھوڑ کر مسلمان چل پڑے تو ہجرت کے اصل معنیٰ سامنے آئے بعض لفظوں کے لغوی معنیٰ اسے وہ وقار اور عزت نہ دے سکے جو عمل نے چند لمحوں میں اسے رفعتیں عطا کر دیں۔ لفظ عبادت کی سرفرازی اور شرف و فضیلت سے کون واقف نہ تھا لیکن جب بدر کے میدان میں اللہ کی توحیدی فوج کے تین سو تیرہ سپاہی اور جاں نثار مردانِ حق آگاہ نماز کے وقت جہاد کی عبادت سے چند لمحوں کے لیے ایک ایک رکعت ادا کرنے جاتے تو اس ادا نے اور ادائیگی فرض کی انوکھی تڑپ نے اس لفظ عبادت کو ایک نئی رعنائی عطا کر دی کہ اب تک اس کے تراشے ہوئے مفہوم و معنی دم بخود رہ گئے اسی طرح پہلے اطاعت اپنی جان بچا کر تابعداری شمار کی جاتی تھی لیکن میدان بدر نے اطاعت کے معنی کو تبدیل کر کے اس کی لغت میں یہ اضافہ کر دیا کہ اطاعت کا مقصد اللہ کے دین کے لیے جسمانی، مالی اور ہر طرح کی قوتوں سے جہاد کرنا اور اس میں سرفرازی کا بڑا معیار شہادت پالینا ہے مختصر یہ کہ احکامات الٰہی اور ارشادات نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے لغات کے انداز اور تمثیل کے شائبے تبدیل ہو گئے اسی طرح حضرت مولانا غلام اللہ خان نے توحید بیان کرنے کا فریضہ اس طرح انجام دیا کہ زندگی کے ہر سانس کا یہ فرض بنا دیا کہ تو جس کے حکم سے واپس لوٹتا ہے اس کی تعریف بیان کر کہ سب تعریفیں صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہیں۔

مولانا مرحوم ایک تحریک کا نام تھا وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک سکول آف تھاٹ یعنی سوچ کا مرکز و محور اور فکر کا ایسا چشمۂ صافی تھے جن سے توحید بیانی کے سوتے پھوٹتے رہے اور آج پوری دنیا میں ان کے شاگردوں کی ایک نہایت معقول تعداد اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کی بنجر زمین ایمان کو سیراب کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان پر انہیں جو دسترس عطا فرمائی اور جو فصاحت ان کے حصہ میں آئی اس نے قرآن کھول کھول کر بیان کرنے اور اس کے ایک ایک لفظ سے توحید کے کئی کئی نکات پیدا کرنے میں ایسی آسانی اور روانی بخش دی کہ قصوں اور کہانیوں کے بل بوتے اور واعظوں کی تقریریں پس منظر میں چلی گئیں۔ یہ مولانا ہی کا وصف تھا کہ انہوں نے تقریر میں خالص قرآنی آیات کا بیان ہی اپنا طرۂ امتیاز بنایا ورنہ بہت سے علماء قصوں کے بغیر اپنی تقاریر میں چاشنی بھر ہی نہیں سکتے۔ مولانا تقریر کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے سنو سنو قرآن کیا کہتا ہے یا ہائے قرآن کیسی رحمت کی بارش ہے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بیان کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر توحید کے نکتے نکالتے جاتے تو مجمع ایسا لطف محسوس کرتا اور اس طرح اس میں کھو جاتا کہ مکمل سکوت طاری ہو جاتا، توحید تو ہمیشہ شمع توحید کے پروانے بیان کرتے رہے لیکن جس ڈھنگ اور دلیرانہ انداز میں توحید حضرت مولانا غلام اللہ خان نے بیان فرمائی اور جس طرح انہوں نے اس ضمن میں مشکلات کا مقابلہ فرمایا یہ انہیں کا حصہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا موصوف

انتہائی دلیر شخص تھے، ایک دلیر انسان دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن میرا تجزیہ ہے کہ مولانا نے خوفِ خدا کی اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کی فکر اپنا کر نہ صرف خود کو دلیر بنادیا بلکہ نفع اور نقصان کی اللہ کے بغیر کسی دوسرے سے توقعات وابستہ نہ رکھنے کی سوچ سے لاکھوں بزدل انسانوں کو دلیر بنادیا۔ مولانا نے جس بیان کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، اس میں سوائے اللہ کے کوئی ڈر باقی رہتا ہی نہیں۔ اگرچہ آج موصوف دنیا میں موجود نہیں لیکن اس دھرتی کے چپہ چپہ پر حضرت مرحومؒ کی فکر کے دیوانے اور فرزانے موجود ہیں جو علم توحید کی حفاظت اپنا فرض عین تصور کرتے ہیں اور اس ضمن میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

حضرت مولاناؒ کو تحریک تحفظِ ختم نبوت کے دنوں میں اس وقت کے وزیر اعظم نے بلایا اور کہا کہ آپ کا دارالعلوم ہے یا تحریکوں کا مرکز؟ مولانا نے جواباً فرمایا، وزیر اعظم صاحب میرے مدرسہ کا نام دارالعلوم تعلیم القرآن ہے اور اس سے بڑی قرآن کی تعلیم کیا ہوسکتی ہے کہ اے "ایمان والو! محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں" اس مختصر مگر جامع جواب نے سرکاری محلوں کے درودیوار میں تھرتھراہٹ پیدا کردی۔ اسی طرح تحریک نظام مصطفیٰ میں مولانا کو دارالعلوم کے پورے پاکستان میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جیل جانا تو اتنا مرغوب تھا کہ نہ کبھی لگی لپٹی کہی اور نہ ہی کبھی ایوانوں میں درگزر ہوا۔ اللہ کی توحید کے بیان پر پنڈی بدر تو درکنار دوسرے شہروں اور قصبات تک کے داخلوں پر پابندیاں عاید ہوتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کبھی شکست نہیں کھائی۔ اس دفعہ حج کے موقع پر حرم میں خطاب کرتے سنا تو مجھے محسوس ہوا کہ مولانا اب واقعی بوڑھے ہوگئے ہیں لیکن ان کے بیان کی شدت ان کے مضمحل قویٰ کا کبھی اظہار ہونے نہیں دیتی تھی۔ حرم کے سامنے خدا کی توحید زبان پر جاری اور آنکھوں سے آنسورواں قرآن کا بیان اور حرم پر نازل ہوتی رحمتوں کی بارش، اللہ اللہ کیا سماں ہوتا تھا۔ کیا شان تھی اس توحیدی شیر کی، مولانا توحید اس طرح بیان کرتے جیسے شرک و بدعت اور سنت و توحید کے درمیان ایک خط تنسیخ کھینچتے جاتے ہوں۔ مولانا مرحوم نے زندگی کا کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر توحید کے گیت لوگوں کو سنائے اور اب مولانا کی موت سے پوری دنیا میں توحیدیوں کے عالم گیر ربط کو دھچکا لگا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمائے۔ اللہ کے ساتھ شرک کے شائبے اور غیر محسوس استعارے بھی آپ نے کاٹ پھینکے۔ مولانا کی موت کی خبر پوری دنیا میں توحیدیوں پر ایسی بجلی بن کر گری کہ عالمِ اسلام کا عظیم موحد اپنے لبوں پر مالکِ حقیقی کی وحدت کے ترانے سجائے اپنے رب ذوالجلال کے حکم پر اس جہانِ فانی سے کوچ کرگیا۔ اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔
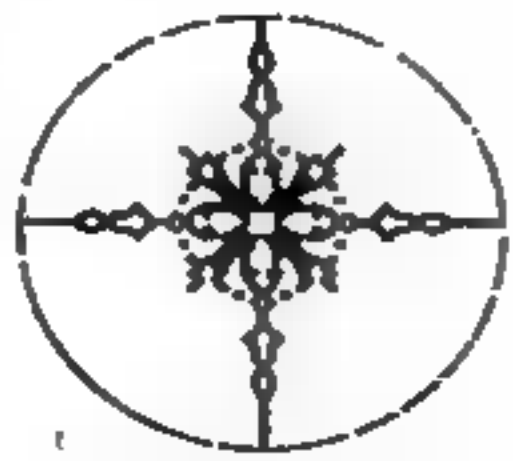
مولانا اکرام القادری مدیر ترجمانِ اسلام لاہور - اداریہ

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نے اپنی مجاہدانہ تقریروں کے ذریعے خرمنِ باطل کو پھونک کر رکھ دیا

پچھلے دنوں وطن سے دور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بھی اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا غلام اللہ خان نے اپنی حیاتِ مستعار میں ملک وملت کی جو بے مثال خدمت کی وہ اپنے اور بیگانے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی۔ قوم اور ملت کو جب بھی ان کی ضرورت پڑی وہ میدانِ عمل میں کود پڑے اور باطل کے مقابلے میں حق کے پشتی بان کا کردار ادا کیا۔ اسی مقصد عظیم کے لیے قید وبند اور گوناگوں مصائب وآلام سے بھی بار بار گزرنا پڑا اور ہر بار سرخروئی اور کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ مولانا نے اپنی زندگی کا اصول ہی یہ قرار دیا ہوا تھا کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔

دین کی سربلندی ناموس رسالت کی حفاظت اور قومی وقار کی بحالی کے سلسلے میں جو بھی تحریک اٹھی مولانا اس میں پیش پیش رہے۔ اس سلسلے میں نہ تو انہوں نے مصلحتوں کا تانا بانا بنا اور نہ ہی موجودہ دور کے بعض متجددین کی طرح دین وقوم کو خود تراشیدہ "حکمت عملی" کے اصول ہی کا سہارا لیا۔ وہ جس چیز کو حق وصواب سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار واعلان کرتے تھے چاہے اس کے لیے انہیں بڑی سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ انہوں نے ہر دور میں جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کیا اور اس کے صلے میں مصائب ومشکلات سے دوچار ہوئے۔ تحریک آزادی سے لے کر تحریک نظامِ شریعت تک ہر تحریک میں انہوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اپنی مجاہدانہ تقریروں کے ذریعہ خرمنِ باطل کو پھونک کر رکھ دیا۔ جب بھی انہوں نے اہلِ حق کو ہراساں اور پریشان دیکھا اور دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کیا کہ اس وقت خود کو پریشانیوں کے گرداب کے حوالے کرکے حق والوں کے ہراس اور پریشانی کو دور کیا جاسکتا ہے اس کے لیے خندہ پیشانی سے آگے بڑھے اور دار ورسن تک کے مراحل سے گزرنے کی ٹھان لی۔

مولانا نے بڑی دلسوزی اور دردمندی سے اس امر کا اظہار کیا کہ وہ ایک طویل عرصے کے بعد خانپور کے اس مقدس اسٹیج سے خطاب کر رہے ہیں۔ علماء کے اکٹھ پر وہ پھولے نہیں سما رہے تھے اور بار بار قافلہ سالار اہلِ حق حضرت درخواستی مدظلہ (اب رحمہ اللہ) کی ان کوششوں کو سراہ رہے تھے جو انہوں نے اس پیرانہ سالی میں عوارض کے باوجود کی ہیں۔ انہوں نے برملا علماء حق کو یہ تلقین کی کہ وہ ٹکڑیوں میں تقسیم ہونے کی بجائے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوجائیں اور پوری قوت کے ساتھ باطل کو للکاریں۔ اس مقدس اجتماع میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں سیکڑوں علماء اور ہزاروں عوام کی موجودگی میں اکابر دیوبند کے کارہائے جلیلہ کا تذکرہ کیا تو آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور گلو گرفتہ ہوگئے۔ ہزاروں کے اس مجمع میں کسی ایک فرد بشر کے نہاں خانہ دماغ میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ حضرت شیخ القرآن کی آخری تقریر ہم سن رہے ہیں اور وہ بہت جلد اپنے مالکِ حقیقی کے حضور طلب کرلیے جائیں گے۔ وہ ہر جلسہ اور اجتماع میں توحید کی لے میں بولتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگیوں کو بطور حجت وبرہان پیش کرکے عوام کے عقائد کی تصحیح کرتے تھے انہوں

حافظ قائم الدین صاحب
ڈھوک زمان ضلع میانوالی

كُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَةُ المَوتِ

موتُ العالِم موتُ العالَم

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اس دارِ فانی سے رحلت پہ اس مندرجہ بالا فقرہ کا مفہوم آشکار ہوا۔ جدھر نگاہ اٹھتی ہے تو کائنات کا ذرہ ذرہ سوگوار معلوم ہوتا ہے اور اس لاکھوں کی آبادی میں اپنے کو تنہا محسوس کرتا ہوں اور پورا شہر ایک ویرانہ نظر آتا ہے بلکہ اگر یوں کہوں تو بجا ہوگا کہ پورا شہر ایک یتیم خانہ نظر آتا ہے ہر شخص یہی محسوس کرتا ہے کہ کوئی مجھ سے تعزیت کرے۔ میری ان اشکبار آنکھوں نے حضرت علیہ الرحمۃ کو تحریک ختم نبوت اور تحریک اسلامی کے ایام میں لاکھوں انسانوں کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا جب کہ جلوس پر لوگ پھولوں کی پتیاں نچھاور کیا کرتے تھے اور پھر ان نمناک آنکھوں نے حضرت کی میت کو لاکھوں انسانوں کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا جب کہ لوگ اپنی عقیدت کے آنسو نچھاور کر رہے تھے۔ حضرت ہمہ صفت وموصوف تھے۔ وہ ایک مجاہد تھے، مقرر تھے، مدرس تھے، مصنف تھے، مفسر تھے اور ایک عظیم مفکر ومدبر تھے جن کو اب مرحوم لکھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ہر شخص ان کی موت پہ زار و نزار ہے — ہر آنکھ ان کی یاد ہی میں اشکبار ہے
وہ تھے فنا توحید میں ہم سے ہوئے جدا — ہر دل اسی لیے تو بے قرار ہے
کل رات میں نے خواب میں محسوس یہ کیا — فردوسِ بریں میں ان کا بہت انتظار ہے

نے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے مشن کو اپنا مشن قرار دے رکھا تھا اور اس کے لیے وہ قریہ قریہ بستی بستی اور اس کہن سالی میں تو ملک ملک پھرتے رہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے وہ مصائب بڑے ہی دلسوز انداز میں بیان کرتے تھے جو انہوں نے خدا کی توحید کی پاداش میں برداشت کیے۔ شبانہ روز دوروں اور تقریروں کے باوجود انہوں نے اپنے تفسیری اور تصنیفی ذوق کو بھی برقرار رکھا۔ ہر سال فارغ التحصیل علماء کو اپنے مخصوص رنگ میں دورہ تفسیر پڑھاتے اور توحید کی محبت تشنگان علوم کے سینوں میں اتار دیتے۔ مولانا نے جواہر القرآن کے نام سے تین جلدوں میں تفسیری اثاثہ اور توحیدی پاکٹ بک کے نام سے ایک گرانقدر کتاب اہلِ حق کے لیے چھوڑی ہے۔ مدرسہ تعلیم القرآن بھی ان کی عظیم یادگار ہے جس کی انہوں نے اپنے خون سے آبیاری کی۔

محمد افضل ضیا، امیر صدائے مسلم
لالہ موسیٰ

کُل مَن علیھَا فَان

۱- دیں کی اشاعت کام تھا اس کا ساغر وحدت جام تھا اس کا
عرب و عجم پر عام تھا اس کا، علم و حکمت کا فیضان — مشہور ہوا شیخ القرآن

۲- گلا کٹا کر بھی وہ جیتا، جیل میں جا کر بھی وہ جیتا
گالیاں کھا کر بھی وہ جیتا، کر گیا جان و تن قربان — ہار گئے آخر شیطان

۳- قرآں کے جواہر اس نے لٹائے، دین سنا کر پتھر کھائے
اس کی مدح کیا کی جائے، شاہوں سے بڑھ کر جس کی شان — لرزاں جس سے تھے ایوان

۴- چرچا اس کا منزل منزل، یاد ہیں اس کی محفل محفل
غمگیں ہیں سب عالم فاضل، چلے گئے شیخ القرآنؒ — یتیم ہوا سو پاکستان

۵- بدعت دُم دبا کر بھاگی، اہلِ حق کی قِسمت جاگی
کفر و شرک کی ہوئی بَربادی، مشکلیں ہو گئیں سب آسان — جب لیا اس نے سینہ تان

۶- سب ساجد، اک وہ مسجود، سب عابد اک وہ معبود
سب فانی اک وہ موجود، مخلوق اور خالق کی پہچان — کل من علیھا فان

۷- یبقیٰ وجہ ربک کہہ، حق کی راہ میں سب کچھ سہہ
گرچہ جائے خون بھی بہہ، یہی ہے تعلیم القرآن — سکھا گئے شیخ القرآن

۸- موت العالِم موت العالَم، آنکھیں سب کی آج ہیں پُرنم
میری زباں پہ رہتا ہے ہر دم، رخصت ہو کر وہ انسان — ہو گیا اللہ کا مہمان
حاضر و ناظر کوئی نہیں ہے، اول و آخر کوئی نہیں ہے
باطن و ظاہر کوئی نہیں ہے، ہاں لیکن وہ رحمٰن — ایک اسی کو باقی جان

مولانا عطاء الرحمن رحمانی، استاذ جامعہ رحمانیہ
خانو خیل، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

مادہ تاریخِ وفات

حضرت شیخ القرآنؒ

دل پریشان واشکبار چشمِ ما — رحلت کرد شیخ قرآن واستاذ علماء

یتیم نہ شد یک خانہ از رحلت او — ہمہ عالمِ اسلام یتیم گشت واین محرومی ما

نظر پیش است موتُ العالم موتُ العالم — امروز آید معنیٰ آں درفہمِ ما

فتن ہجوم کردند وباطل سر برکشید — چوں شنیدند کہ نہ ماند سرکوب ما

خوشا موت در سفر تبلیغ وزیارت بیت اللہ — کم نصیب شود چنیں موت ہر کہِ ومہِ ما

بوئے خوش ازخاکِ لحد او — اثر خدمت قرآں وسبق از پئے ما

گفتیم اللھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ — نیست بہتر درحق اواز دعا وصبرما

گفت ہاتف ازغیب ایں ندا — رفت حضرت مولانا رئیس العلماء

ضیغمِ اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء — ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

مولانا غلام اللہ خانؒ

Phone 67715 باسمہ تعالیٰ فون نمبر ۶۷۷۱۵

Jamiat Ulama-e-Islam
(West Pakistan)
Chowk Rang Mahal
LAHORE

دفتر جمعیۃ علماء اسلام
(مغربی پاکستان)
چوک رنگ محل لاہور

نقل مکتوب حضرت مولانا غلام غوث صاحب

حوالہ ________ تاریخ 29.3.68

غلام غوث ہزاروی ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان لاہور

حضرت مولانا محمد رحیم بخش صاحب، زید مجدہم [illegible]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا عبد الواحد صاحب گوجرانوالہ مرکزی جمعیۃ کے ناظم مقرر ہو چکے ہیں اور دیگر سرپرست حضرات کے کہنے پر صوبہ سے مرکز میں چلے گئے ہیں۔ جمعیۃ اور دفتر کی دیکھ بھال کے لیے ناظم مرکزیہ صوبائی کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے میں نے آپ کو حضرت مولانا عبد الواحد صاحب گوجرانوالہ کی جگہ صوبائی جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا ناظم نامزد کر دیا ہے۔ امید ہے کہ منظور فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

فقط غلام غوث بقلم خود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریر: پروفیسر محمد مظفر اقبال قریشی

بطل حریت

مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی زندگی برصغیر کی تاریخ حریت کا ایک زندہ وتابندہ باب بلکہ ایک عنوان ہے۔ انہوں نے انگریزوں اور ان کے گماشتوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ساری زندگی صرف کی۔ اور کسی قسم کی تحریص، ترغیب اور ظلم وتشدد انہیں اپنے مقصد ومنزل سے نہ ہٹا سکا۔ وہ زندگی بھر ان سے لڑتے رہے۔ نہ بکے نہ دبے، نہ تھکے نہ ہارے، وہ ان کیلئے خطرہ بنے رہے، اور کانٹا بن کر ان کے دلوں میں کھٹکتے رہے۔ انہوں نے ایسی اعلیٰ فطرت پائی تھی جس میں دردِ دل، خوف خدا، تقویٰ وطہارت، صبر وشکر، جرأت، استقامت، شجاعت وبسالت جیسے اوصاف حمیدہ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ اس پر گھر کا پاکیزہ ماحول اور اکابر دارالعلوم دیوبند کی تعلیم وتربیت اور نظرِ شفقت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور وہاں سے ایسے کندن ہو کر نکلے کہ ان کا وجود ملک وملت کیلئے سراپا رحمت بن گیا، انہوں نے ظالموں کو برسر میدان للکارا۔ مظلوموں کو زبان دی۔ غریبوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا۔ بے دینوں، بے ایمانوں، ملحدوں اور منکروں کو عوامی میدان میں بے حیثیت وبے آبرو کیا۔ اور دین کے تحفظ کیلئے ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے ہوئے ایسے کارنامے سر انجام دئے کہ آج دنیا انہیں شیر اسلام، مجاہدِ ملت، مردِ قلندر، جرنیلِ ختم نبوت، وکیلِ صحابہؓ، بابائے سیاست، سامراج دشمن، جیسے القاب سے یاد کرکے ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتی ہے۔ اور یوں اپنے دلوں کو تسکین دے کر ان کی یاد کو زندہ رکھ کر زندگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ اپنے زمانہ کے "غوث" تھے اور کیوں نہ ہوتے جبکہ غوث زمان قطبِ وقت حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب قدس سرہ خانقاہ سراجیہ کے وہ مرید باصفا تھے۔ اور حضرت ان پر ایسے مہربان اور شفیق تھے کہ دوسروں کو رشک آتا تھا اور ایسی محبت فرمایا کرتے تھے کہ دوسروں کے دل تڑپ جاتے تھے۔ اور یہی انس تھا کہ حضرت رمضان شریف مانسہرہ میں گزارا کرتے تھے، جہاں مولانا ہزارویؒ کے اس تعلق کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ اور وہ سگِ دنیا کے بجائے بندہ آخرت بن گئے۔ میں اس تمہید کے بعد اصل مقصد شروع کرنے سے پہلے مولانا عبد الرشید ارشد کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے مولانا ہزارویؒ کے بارہ میں کچھ تحریر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ "بیس بڑے مسلمان" کے بعد اب "بیس مردان حق" پر کچھ لکھنے اور چھاپنے کا عزم نہایت قابلِ تحسین بات ہے اکابر کی زندگیاں نئی نسل کیلئے چراغِ راہ ہیں۔ اور ان کے کارنامے پچھلوں کیلئے قابل فخر ولائقِ عمل۔ کچھ کرنا ہے تو ان کی طرح کرو۔ اور جینا ہے تو ان کی طرح جیئو ورنہ تمہاری زندگی اور موت برابر۔ اور قوم پر بوجھ اور ملامت، میرے دل میں مولانا ارشد صاحب کے بارہ میں جو جذبات موجزن ہیں اور جو احساسات رہ رہ کر ابھر رہے ہیں۔ انہیں نوک قلم پر نہیں لا سکتا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سعی اور محنت پر انہیں دین ودنیا میں ایسا اجر جزیل وجمیل عطا فرمائے کہ وہ بارگاہ رب العزت میں مقربین کے زمرہ میں شامل ہوں۔ اور ان کا ذکر جمیل ہمیشہ ہمیشہ زبانوں پر جاری رہے۔ آمین۔ (اللہ تعالیٰ قریشی صاحب کی دعا قبول فرمائے اور میری اس سعی کو مشکور فرمائے۔) (ارشد)

خاندان: مولانا ہزاروی نسلاً مداخیل پٹھان ہیں۔ ان کے دادا امان شاہ علاقہ غیر سے نقل مکانی کر کے بفہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اور پولیس میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہ بڑے نیک اور متقی انسان تھے۔ صوم وصلوۃ کے پابند اور تلاوت قرآن کے عاشق تھے۔ ہر ہفتہ قرآن پاک ختم کرنا ان کا معمول تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو لڑکا عطا فرمایا اس کا نام انہوں نے سید گل رکھا یہ بھی بڑے نیک بلکہ وقت کے ولی اللہ تھے، سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے اور وظائف اور معمولات کے بڑے پکے اور پابند تھے۔ اہلِ جذب کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق اور انس تھا۔ اور ان کے اوقات انوار و برکات سے ہمیشہ منور رہتے تھے۔ انہوں نے بڑے ہو کر حکمت سیکھ لی تھی اور پھر سکول میں مدرس ہوگئے تھے ان کی نیکی، شرافت اور تقویٰ وطہارت کا یہ اثر تھا کہ جہاں بھی جاتے وہاں کے خوانین ان کے گرویدہ ہوجاتے۔ ان کی ہر قسم کی خاطر تواضع کرتے۔ اور ان کی دوستی و تعلق کو اپنے لئے باعثِ سعادت تصور کرتے۔ ان کی دینداری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سکول میں مدرس ہونے کے کے باوجود اپنے ذہین وفطین بیٹوں کو دین کی تعلیم دلائی۔ دونوں کو دارالعلوم دیوبند بھیجا اور دونوں بیٹے وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر امت کیلئے ہدایت کے آفتاب و مہتاب ہو کر چمکے۔ اور ان کے اخلاص اور احترامِ حدیث کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت مولانا فقیر محمد صاحب دورہ حدیث شریف پڑھ رہے تھے۔ مولانا ہزارویؒ نے عرض کیا کہ فقیر محمد کو تار دے کر بلا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ حدیث شریف کا دورہ مقدم ہے اسے اطلاع نہ دی جائے۔ میری موت اتنی اہم نہیں جتنا کہ دورہ حدیث ہے۔ بس وہاں ہی دعا کرالیں۔ چنانچہ جب دارالعلوم میں یہ اطلاع پہنچی تو اکابر دارالعلوم اور طلبہ نے مل کر بخاری شریف کا ختم کر کے دعا کی۔ اور ایصالِ ثواب کیا۔

ولادت و کرامت: مولانا ہزاروی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں بفہ کے پاس سچی کوٹ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام سید گل تھا۔ بفہ ضلع مانسہرہ کا مشہور اور مرکزی قصبہ ہے۔ اس کی سیاسی، سماجی، تعلیمی اور مذہبی حیثیت پہلے کی طرح آج بھی مسلّم ہے۔ مولانا ہزارویؒ کے بارہ میں یہ بات خاندان میں معروف ہے، اور اپنی قلمی سوانح میں بھی اس کا کچھ تذکرہ کیا ہے کہ جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے تو جو چیز والد مرحوم گھر سے باہر کھاتے تو والدہ مرحوم بتا دیتیں کہ آج آپ نے باہر یہ چیز کھائی ہے۔ یہ بات سن کر والد صاحب حیران رہ جاتے، اور پوچھتے تمہیں کیسے پتہ چلا۔ تو فرماتیں بس مجھے معلوم ہوگیا۔ مگر مولانا ہزاروی کی پیدائش کے بعد یہ کیفیت نہ رہی۔ اسی نسبت سے آپ کا نام غلام غوث رکھا گیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ بڑے ہو کر نہ یہ کہ خود غوث زمانہ بنے بلکہ اپنی تربیت سے کئی لوگوں کو غوث زمانہ بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ مولانا ہزاروی جب پانچ سال کے ہوئے تو انہیں قرآن پاک کی تعلیم دی گئی۔ ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی گئیں، اور پھر انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا۔ ان کے والد صاحب جہاں بھی تبدیل ہوجاتے۔ مولانا صاحب کو ساتھ لے جاتے اس طرح آپ نے بفہ، بٹل اور گیدڑ پور وغیرہ سکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ ذہن بہت تیز تھا اور نگرانی بھی بڑی سخت تھی۔ اس لئے آپ پرائمری کے امتحان میں ضلع ہزارہ میں اول آئے۔ اور وظیفہ حاصل کیا۔ جب آپ نے مڈل کا امتحان اس طرح کامیابی کے ساتھ پاس کیا تو اس وقت کے ڈائریکٹر تعلیم سرحد نے آپ کے والد صاحب سے کہا آپ کا بچہ بہت ذہین ہے، اسے انگریزی پڑھاؤ، مولانا کے والد صاحب نے فرمایا۔ اچھا۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد، پھر ڈائریکٹر صاحب نے فرمایا۔ اس بچے کو ضرور انگریزی پڑھاؤ۔ والد صاحب نے فرمایا۔ انشاء اللہ

پڑھاؤں گا۔ انہوں نے کہا اِن۔ شِن۔ واللہ (استغفراللہ) کچھ نہیں ضرور انگریزی پڑھاؤ۔ والد صاحب نے فرمایا میرے کس کام کی؟ میری قبر پر کوٹ پتلون پہن کر آئے اور فاتحہ بھی نہ جانتا ہو۔ انہوں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کرلیا کہ بچے کو صرف دینی تعلیم دلانی ہے۔ اور فرمایا جو درانتی تیز ہو اس سے گھاس کاٹنے کی بجائے گنا کیوں نہ کاٹا جائے۔ لوگ عموماً اس بچے کو مسجد کے حوالے کرتے ہیں جو معذور ہو اندھا یا لنگڑا ہو مگر مولانا کے والد نے اپنے ذہین فطین بچے کو دین کی خاطر مسجد کے حوالے کیا جو آگے چل کر دین کا عظیم قائد ثابت ہوا۔

اعلیٰ تعلیم: مولانا نے کچھ تعلیم بفہ میں حاصل کی۔ یہاں آپ نے مولانا فضل احمد سے شرح وقایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ یہ آپ کے استاد اور خسر بھی تھے۔ علم فقہ اور دوسرے فنون میں بڑی مہارت تھی۔ دور دور سے لوگ ان کے پاس علمی استفادہ کیلئے آتے تھے۔ شرح جامی آپ نے مولانا لقمان سے پڑھی۔ ایک سال مظاہر العلوم سہارنپور میں رہے اور زیادہ تر تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہی حاصل کی۔ مولانا غلام رسول جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد، حضرت گنگوہیؒ کے مرید ومجاز اور باقی جملہ اکابر کے استاد ہیں۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ دارالعلوم لے گئے تھے۔ آپ نے اکثر کتابیں دارالعلوم میں پڑھیں اور کئی کتابوں میں حکیم الامت مولانا قاری محمد طیبؒ کے ہمدرس رہے۔

قاری صاحب رقمطراز ہیں:۔

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی۔۔۔۔۔

> آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ متعدد کتب میں احقر کے ہم سبق رہے ہیں۔ علمی استعداد شروع ہی سے مضبوط تھی۔ اصل وطن ضلع ہزارہ (پاکستان) ہے۔ صاف گو خطیب ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کا ناظم منتخب کیا گیا ہے۔ موصوف کی علمی شہرت کی بنا پر مصر نے آپ کو بطور نمائندہ جمعیت علماء اسلام پاکستان دعوت دی۔ اور آپ نے وہاں کی عالمی مؤتمر میں علماء عالم کو خطاب فرمایا۔ آپ کا شمار وہاں کے مشاہیر میں ہے۔
> (مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند، بیس بڑے مسلمان ص ۵۶)

دورہ حدیث: آپ نے حضرت خاتم المحدثین علامہ انور شاہؒ کاشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، وغیرہ اکابر سے دورہ حدیث پڑھا۔ اس میں آپ کی خصوصیت یہ رہی کہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کی تقریر ترمذی عربی زبان میں نوٹ فرمائی۔ پھر امتحان کے پرچے آپ نے عربی زبان میں لکھے اور سب سے پہلے لکھ کر نگرانِ امتحان کے حوالے کئے۔ آپ ہی غالباً امتحان میں اول آئے۔ اور اکابر کی تعریف کے مستحق ٹھہرے۔ اس سال آپ کے ساتھ دورہ حدیث میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور میرے شیخ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے یگانہ روزگار حضرات شامل تھے۔

دارالعلوم میں جمعیت الطلباء کا قیام: دورہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے دل میں آزادی وطن کیلئے کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اس کا تذکرہ آپ نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کیا۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے جمعیت الطلباء کے نام سے ایک تنظیم قائم کرلی۔ مگر جب اس کی منظوری کیلئے دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے پاس گئے تو انہوں نے اس شرط کے ساتھ منظوری دینے کا فرمایا کہ دارالعلوم کے درجہ علیا کا کوئی مدرس اس کی صدارت قبول کرے۔ چنانچہ سب ساتھی مل کر حضرت شیخ

الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس آئے اور اپنا مقصد و پروگرام ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے طلباء کا اخلاص اور جذبہ دیکھ کر صدارت قبول کرلی۔ اس طرح یہ پہلی سیاسی تنظیم تھی جو دارالعلوم میں مولانا ہزاروی کی جدوجہد اور مساعی سے قائم ہوئی۔ پھر ساتھیوں نے اتفاق رائے سے مولانا ہزاروی کو اس تنظیم کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا۔

جمعیت الطلبا کی کارکردگی: ابنائے دارالعلوم کی اس تنظیم نے ملک کے مختلف صوبوں کا دورہ کرکے قوم کو ایک نیا ولولہ بخشا۔ انگریز سامراج کی کھل کر مخالفت کی۔ اور لوگوں کو آزادوطن کیلئے قربانی پر آمادہ کیا۔ اتفاق واتحاد کی برکت اور تنظیم کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ صوبہ یو۔پی کا ایک دورہ مولانا ہزارویؒ کے زیر قیادت ہوا۔ اس وفد نے مختلف مقامات پر انگریزی تہذیب اور انگریزی راج کی مخالفت کی۔ اس موقعہ پر لکھنؤ بھی جانا ہوا۔ یہاں مولانا عبد الباریؒ مرحوم کا مشہور دینی مدرسہ تھا۔ اور وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے ایک منتہی طالب علم کو عربی زبان میں تقریر لکھ کردی اور طلباء کے مجمع میں وفد کو خوش آمدید کہنے کیلئے اس نے پڑھ کر سنائی۔ اس کا جواب دینے اور اپنا پروگرام پیش کرنے کیلئے مولانا ہزاروی کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ عربی زبان میں ایسی فصیح وبلیغ تقریر کی کہ طلبہ کرام اور حاضرین جھوم گئے۔ اور مرحبا، مرحبا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حضرت مولانا عبد الباریؒ بہت خوش ہوئے بڑی داد دی۔ اور پر تکلف دعوت بھی کھلائی۔ جلسہ کی یہ کاروائی اخبارات میں آگئی، اور مولانا حبیب الرحمٰنؒ ناظم دارالعلوم نے اس خبر کو پڑھا تو بڑے خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار فرمایا کیونکہ دارالعلوم کیلئے یہ بڑی نیک نامی کی بات تھی۔ مولانا ہزاروی جب وفد کو لے کر واپس آئے تو بلا کر ان سے معانقہ کیا۔ اور بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آپ یہاں ہی پڑھائیں۔ مولانا ہزاروی نے عرض کیا کہ ابھی کچھ کتابیں میں نے پڑھنی ہیں فرمایا۔ پڑھو بھی اور پڑھاؤ بھی۔ اور کسی طرف مت جاؤ۔ چنانچہ مولانا ہزاروی کو مفتی محمد شفیعؒ کی طرح معین مدرس مقرر کردیا۔

مولانا ہزاروی حیدرآباد دکن میں: مولانا ہزارویؒ نے تقریباً ڈیڑھ سال سے کچھ زیادہ عرصہ دارالعلوم میں پڑھایا تھا کہ حیدرآباد دکن کی ایک انجمن اسلامیہ گدوال کی طرف سے مولانا حبیب الرحمٰنؒ ناظم دارالعلوم کے پاس خط آیا کہ یہاں دینی حالات سخت ناگفتہ بہ ہیں۔ بدینی اور رافضیت کا سیلاب ہے آپ براہِ مہربانی ایک ایسا عالم دین بھیجیں جو نڈر، بہادر اور مدبر بھی ہوا اور ساتھ مفتی اور مقرر بھی ہو۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ اس بارہ میں مشورہ کیا۔ ان حضرات نے مولانا ہزارویؒ کے بارہ میں رائے دی کہ ان حالات میں مولانا ہزارویؒ ہی صحیح خدمت دین سرانجام دے سکیں گے۔ ان حضرات نے مولانا صاحب کو بلاکر رائے طلب کی تو وہاں کیا دیر تھی فرمایا۔ جیسے آپ کا حکم ہو، میں تیار ہوں۔ چنانچہ اکابر کے حکم پر مولانا گدوال روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر حالات کا مشاہدہ کیا تو واقعتاً ماحول نہایت خراب اور بے خدا بے دین تھا۔

گدوال کا امام بارہ: لوگ نماز پڑھنے کی بجائے ایک بُت کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جو بارہ اماموں کے نام پر بنایا ہوا تھا۔ اس کا سر سونے کا ہاتھ اور پاؤں چاندی کے تھے۔ جب محرم الحرام کا مہینہ آتا تو ایک آدمی مصنوعی حال بھر کر اور پٹاری میں بارہ اماموں کے نام کے پنجے ڈال کر آگے آگے چلتا اور جہاں سے جلوس نکلتا لوگ اس بارہ امامی بت سے مرادیں مانگتے، چڑھاوے چڑھاتے، اور اس کی نذریں مانتے اور

اس کو متصرف فی الامور خیال کرتے۔ یہ حرکات دیکھ کر مولانا کو سخت غصہ آیا۔ مگر سوچا اس کی ترکیب کیا کی جائے تاکہ شرک کا یہ اڈہ ختم ہوجائے۔ آپ نے سوچا کہ پہلے مسجد کو آباد کرنا چاہیے، پھر اس کا کچھ بندوبست کیا جائے۔ مولانا نے مسجد کو آباد کرنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نماز سے کچھ پہلے چند نمازیوں کو ساتھ لے کر گھر گھر پر جاتے۔ اور اہلِ خانہ کو بڑ کر دعوتِ نماز دیتے اور اکثر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے آتے۔ یہ طریقہ بے حد مقبول ہوا اور اکثر لوگ مسجد میں آنے لگ گئے۔ مگر وہاں کا چودھری نہ آیا۔ ایک دن مولانا نے اس سے پوچھا کہ آج تک آپ مسجد میں نہیں آئے اس نے کہا کہ آپ نے میرے پڑوسی کا جرگہ کیا ہے، مگر میرا جرگہ نہیں ہوا یہ میرے لئے بڑی ذلت اور رسوائی کی بات ہے۔ مولانا نے کہا بہت اچھا۔ ہم ضرور جرگہ کرینگے۔ دوسرے دن نمازیوں کا بڑا جرگہ لے کر اس کے گھر گئے اور اسے بخوشی منوا کر لے آئے۔ اس طرح مسجد بڑی حد تک آباد اور پر رونق ہوگئی۔ اور لوگ درسِ قرآن کی وجہ سے دین کی حقیقت کو سمجھنے لگ گئے۔

سنتِ ابراہیمی کا احیاء اور بُت شکنی: ایک دن آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ اور رات کے وقت انہوں نے مل کر بت کو توڑ دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ لوگوں کو جب پتہ چلا کہ ہمارا بُت توڑ دیا ہے۔ تو وہ حلہ بول کر گھر پر چڑھ آئے۔ مولانا گھر پر نہیں تھے۔ مختلف جگہوں پر ان کی تقاریر کا پروگرام تھا۔ مولانا کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مکان کا گھیراؤ کرلیا۔ یہ لوگ گالیاں دیتے۔ پتھر مارتے، دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے اور میں تن تنہا، رات کا وقت، دودھ پیتا بچہ گود میں، اور باہر ان شریروں کا مجمع اور بکواس۔ اس حال میں خدا ہی سے مدد چاہتی۔ سورہ یٰسین پڑھتی، مگر پریشانی کی رات تھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ پڑوس میں صرف ایک دس سالہ بچہ کی آواز گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد آجاتی تھی۔ اماں گھبراؤ نہیں اللہ خیر کرے گا۔ فرماتیں آج بھی جب اس بچے کا خیال آتا ہے تو دل سے دعا نکلتی ہے۔ صبح ہوئی تو مولانا صاحب بھی آگئے۔ اور پوچھا رات کیسے گزری۔ میں نے سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ آپ کی جان بھی بچ گئی اور عزت وآبرو بھی۔ اور فرمایا کہ میں پروگرام میں ایسا مصروف تھا کہ گھر آنے کو وقت ہی نہیں ملا۔ پھر آپ کی فیاضی اور عالی ظرفی دیکھیں کہ جو کچھ مال ومتاع اس صنم سے ملا سب اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا۔ اور خود کچھ نہیں لیا۔ یہ ہے وہ اخلاص جس کی مثال آج کے زمانہ میں کم ہی مل سکتی ہے۔ اس کے بعد آپ کے خلاف کیس دائر ہوا مگر سال بھر کی تگ ودو کے باوجود عدالت میں ثابت نہ ہوسکا۔ اور آپ باعزت طور سے بری ہوگئے۔ اس کے بعد آپ کا تبادلہ دوسری جگہ ہوگیا مگر اس فرض کو ان مقامات پر بھی آپ ادا کرتے رہے۔ اور ان کے اصنام کو تڑواتے رہے۔ غالباً ایسے چار اصنام آپ نے تڑوائے۔ اور حالات ایسی شکل اختیار کر گئے کہ جہاں بھی آپ جاتے لوگ ڈر کے مارے اپنے بتوں کی حفاظت کرتے کہ کہیں تڑوا نہ دئے جائیں۔

والد گرامی کی وفات: ۱۳۱۴ھ/۱۹۲۶ء میں آپ حیدر آباد دکن سے واپس آگئے۔ اسی سال تقدیرِ الٰہی سے آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا اور آپ پدری شفقت اور نیک دعاؤں سے محروم ہوگئے مگر قضا الٰہیٰ پر نہایت شاکر وصابر رہے۔ تاہم آپ کی والدہ ماجدہ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء تک زندہ رہیں۔ اور تحریک ختم نبوّت کے سلسلہ میں جب آپ روپوش تھے۔ ان کا انتقال ہوا۔ والدہ مرحومہ کی یہ حالت تھی کہ وفات کے آخری دنوں میں مولانا ہزارویؒ کے فراق میں دروازے کے بالکل سامنے چارپائی رکھوالی تھی۔ اور اس انتظار میں تھیں کہ شاید ابھی میرا بیٹا آجائے۔ بار بار پوچھتیں غلام غوث نہیں آیا۔ غلام غوث نہیں آیا۔ اسی درد و کرب اور فراق کی حالت میں جاں، جاں

آفریں کے سپرد کی۔ بفہ والوں نے انہیں بڑے اعزاز اور دردِ دل کے ساتھ دفن کیا۔ ان کے فراق کے حالات سن کر کئی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مولانا جب روپوشی سے آزادی پا کر واپس آئے۔ تو سب سے پہلے والدہ مرحومہ کی قبر پر گئے۔ اور بڑی دیر تک قبر کے پاس بیٹھ کر روتے رہے۔ اور پھر دعا کر کے واپس آئے۔ انہیں والدہ مرحومہ سے بے حد پیار تھا اور بڑے خدمت گار تھے۔ والدہ صاحبہ جب تک زندہ رہیں ان کے پاس ہی رہیں۔

والدہ صاحبہ کی خدمت کا ایک واقعہ: ایک بار ایسا ہوا کہ والدہ مرحومہ کے کپڑوں کو آگ لگ گئی اور ان کا سارا بدن جل کر بے حد زخمی ہو گیا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو فوراً گھر آئے۔ چودہ دن تک والدہ صاحبہ کا علاج معالجہ اور خدمت کرتے رہے۔، نہ رات کو سونا نصیب ہوا، نہ دن کو چین آیا ہر طرح سے مسلسل خود خدمت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تب آپ نے آرام کا سانس لیا۔ اور دوسری دینی خدمات کی طرف متوجہ ہوئے۔

بفہ میں قیام کا فیصلہ: غالباً ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء تھی کہ آپ ریاست حیدر آباد سے واپس آئے۔ اور بفہ میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ بازار میں آپ نے مطب کھول لیا۔ اور نمازیوں کے اصرار پر ایک مسجد میں امامت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ لوگوں کو نماز پر آمادہ کرنے کیلئے نوجوانوں کی ایک انجمن "اصلاح الرسوم" کے نام سے بنائی۔ ان نوجوانوں کو دین کی بنیادی بات سمجھا کر یہ ڈیوٹی لگائی کہ نماز سے پہلے محلہ میں پھر کر لوگوں کو نماز کی دعوت دیں۔ اور غمی خوشی کے موقعہ پر جو غلط اور غیر شرعی رسومات لوگوں میں رواج پذیر ہو گئی ہیں۔ ان کی عملاً تردید کریں تا کہ ان رسومات میں پھنس کر جو لوگ اپنے دین اور دنیا کو تباہ کر رہے ہیں اس سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی یہ جدوجہد کامیاب رہی۔ اور لوگوں میں ختم قرآن بالاجرت، نوحہ خوانی، تیجا، دسواں، چالیسواں وغیرہ رسومات و بدعات ختم ہو گئیں۔ اسی طرح شادی کے موقعہ پر خواتین جو رقص کرتیں اور موسیقی کی محفلیں جماتی تھیں وہ بھی رک گئیں۔ بفہ کے پاس عید کے تیسرے دن ایک مزار پر خواتین کا میلہ لگتا تھا، جس میں عورتیں راستہ میں دف بجاتے ہوئے جاتیں اور وہاں پہنچ کر گانے گاتیں، رقص کرتیں اور اس طرح ناچ کود کر اپنی خوشی کا اظہار کرتیں۔ یہ میلہ ساری پکھل وادی میں "غمٹ میلہ" کے نام سے مشہور تھا۔ مگر مولانا مرحوم نے صدیوں کی اس رسم کو اپنی روحانی قوت اور رحمانی مدد سے بند کرا دیا۔ خواتین اور جاگیرداروں نے مقدور بھر مولانا کی مخالفت کی مگر وہ کچھ نہ کر سکے اور میلہ بند ہو کر رہا۔ الحمد للہ آج تک بند ہے۔ ان رسومات اور فواحش و منکرات کے استیصال میں آپ کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مقابلے ہوئے، مناظرے ہوئے۔ مگر آپ ہر حال میں اپنی رائے پر جمے رہے اور ان بدعات و رسومات کو ختم کر کے ہی دم لیا۔ کوئی مادی اور مذہبی طاقت آپ کو مرعوب نہ کر سکی۔ اس دوران آپ نے کچھ عرصہ مدرسہ اصلاح الرسوم مانسہرہ میں بھی پڑھایا میرے والد صاحب مولانا ولی اللہ مرحوم بھی ان کے ساتھ مدرس تھے۔ اسی مدرسہ میں آپ سے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی، حافظ زکریا صاحب اور مولوی غلام سرور صاحب نے پڑھا ہے۔

"مولانا ہزارویؒ میدانِ سیاست میں"

کانگریس میں شرکت: مولانا ابتداہی سے جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے۔ یہ جماعت حضرت شیخ الہندؒ کے منشور اور پروگرام کے مطابق آزادی وطن اور تحفظ دین کیلئے جدوجہد کر رہی تھی۔ مگر ضلع ہزارہ کے خوانین، جاگیردار، بااثر اور باشعور لوگ کانگرس یا مسلم لیگ میں بٹے ہوئے تھے۔ سامراج دشمن اور آزادی وطن کے متوالے عموماً کانگریس میں شامل تھے۔ اور کانگریس کی ذیلی تنظیم خدائی خدمتگار سے وابستہ تھے۔ انگریزوں کے وفادار زیادہ تر مسلم لیگ میں تھے۔ اور اس پر قابض مرزائی گروہ تھا۔ جس کا عقیدہ ہی انگریز پرستی اور اس کی وفاداری ہے۔ ۱۹۳۰ء میں قصبہ بفہ میں کانگریس کی ذیلی تنظیم خدائی خدمت گار کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ یہ بفہ کا پہلا سیاسی اور عوامی جلسہ تھا اس میں صوبہ سرحد کے بڑے بڑے سیاسی زعماء اور لیڈر شریک تھے۔ انگریز پرست خوانین کو جب اس جلسے کے انتظام وانصرام کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کو ناکام بنانے کیلئے اپنے خفیہ آدمی بھیجے، اور انہیں ہدایت کی کہ جب جلسہ اپنے شباب پر آنے کے قریب ہو تو شور مچا کر اور غل غپاڑہ کر کے جلسے کو درہم برہم کر دینا۔ چنانچہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت ان لوگوں نے جلسے کو برباد کرنے کیلئے شور مچادیا اور پتھر پھینکنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر لوگ بھاگنے لگے۔ مولانا نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً اسٹیج پر آئے اور پشتو زبان میں ایسی ولولہ انگیز تقریر کی کہ بھاگتے ہوئے لوگ بھی جم کر بیٹھ گئے اور جلسہ اپنے پورے شباب کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ مولانا نے تقریر میں فرمایا کہ انگریز کے ان نمک حلالوں کو پکڑ کر بٹھاؤ اور جو نہ بیٹھے اس کو زور سے بٹھاؤ۔ چنانچہ عوام نے ان سب لوگوں کو پیٹ ڈالا جو جلسے کو خراب کرنے کیلئے کرائے پر آئے تھے۔ ان لوگوں اور ان کے سرپرستوں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ اس جلسے میں تقریر کرنے پر مجاہدِ اعظم مولانا قمبر علی۔ اور بفہ کے چند نوجوانوں کو گرفتار کر کے بیدزنی کی سزا دی گئی۔ مولانا نے اس سزا اور ظلم کے خلاف سخت تقریریں کیں اور آپ نے کانگریس میں شرکت کا اعلان کر دیا۔ اس انگریز دشمن رویہ کی وجہ سے آپ کو حکومت نے بمعہ حاجی فقیر خان آف ملک پور کے ایک سال کیلئے جیل بھیج دیا۔ آپ نے یہ عرصہ ایبٹ آباد، ڈیرہ، اور بنوں جیلوں میں گزارا آپ ۱۹۳۸ء تک کانگرس میں شامل رہے۔ پھر آپ نے ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کو دیکھ کر استعفیٰ دے دیا۔ مگر پاکستان بننے تک جمعیت العلماء ہند اور احرار میں شریک رہے۔ اور پاکستان بننے کے بعد جب جمعیت العلماء اسلام پاکستان کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو مرتے دم تک اس سے وابستہ رہے۔

مجلس احرار میں شرکت: ۱۹۲۹ء میں جب مجلس احرار قائم ہوئی، تو اس کے سیاسی، مذہبی اور انقلابی پروگرام کو دیکھ کر اس میں شریک ہوگئے۔ پشاور کی پہلی احرار کانفرنس آپ کی مساعی جمیلہ سے کامیاب ہوئی۔ آپ آخر دم تک اس سے وابستہ رہے۔ اور اسی پروگرام کے مطابق آپ نے ملک وملت کیلئے ایسی نمایاں خدمات سرانجام دیں، کہ تاریخِ احرار اس کی گواہ ہے۔

جب پاکستان بن گیا تو سیّد عطاء اللہ بخاری نور اللہ مرقدہ نے نہایت اخلاص اور تدبر سے فیصلہ کیا کہ جس احراری نے سیاسی خدمات انجام دینی ہیں تو ملک کے تحفظ وبقا کیلئے مسلم لیگ میں چلا جائے۔ اس پر کوئی الزام نہیں اور خود آپ نے مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی خفیہ اور ظاہری ریشہ دوانیوں کو محسوس کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوّت کے تحفظ اور مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچانے کیلئے مجلس تحفظ ختم

نبوّت قائم کرکے اس سے وابستہ ہوگئے۔ اور اپنے ہمسفر اور ھم خیال ساتھیوں کو بھی اس میں شریک کرلیا۔ مگر ۵۳ء تحریک ختم نبوّت، احرار ہی نے اپنی پوری شان وشوکت اور آن بان سے چلائی۔ احرار قائدین کا اخلاص ہی تھا کہ دس ہزار نوجوان اور بوڑھے ناموسِ رسالت پر قربان ہوگئے۔ ہزاروں علماء وصلحا اور اولیاء کرام جیلوں میں گئے۔ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ مگر احرار قائدین سے شکوہ تک نہیں کیا۔ انہیں کسی قسم کا الزام نہیں دیا۔ بلکہ کسی نے فریاد تک نہیں کی۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اور قائدین احرار کے فیصلہ کو اپنے عمل اور قول سے درست ثابت کیا۔ اور ان کے حوصلوں اور ولولوں کو بڑھایا۔ اس تحریک میں مولانا ہزاروی کا کردار مرکزی تھا۔ انہوں نے ہی ملک بھر کے علماء کرام، پیرانِ عظام، اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کو خطوط لکھ کر دعوت دی تھی کہ عقیدہ ختم نبوّت کے تحفظ کیلئے، ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہماری ایمانی ذمہ داری کیا ہے اسی دعوت کے نتیجہ میں مجلس عمل بنی، اس نے حکومت کو مطالبات پیش کئے اور تسلیم نہ ہونے کی صورت میں سول نافرمانی کا الٹی میٹم دے دیا۔ پھر یہ تحریک چل کر رہی۔ اس تحریک میں آپ کا جو نمایاں کردار رہا اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

"مولانا ہزارویؒ فتنوں کے تعاقب میں"

تحریر مولانا مفتی محمد داؤد صاحب
مہتمم مدرسہ قاسم العلوم مانسہرہ

مولانا ہزارویؒ نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "اگر کوئی مرزائی یا کمیونسٹ صدر یا وزیر اعظم بنا تو میں اس کو گولی مار دوں گا"۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اپنے دور کے جن فتنوں کا مقابلہ کیا۔ ان کی نشان دہی خود ہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کون سا مذہبی فتنہ ہے، جو اسلام پر حملہ آور نہیں ہے۔ عیسائیت، مرزائیت، مودودیت، انکار حدیث۔ تحریفِ قرآن، سرکاری سرپرستی میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا الحاد، عائلی قوانین، منصوبہ بندی، عریانی بے حیائی کا طوفان، مخلوط تعلیم، شراب، سود، گانا بجانا، دین اور علماء دین کی توہین، پیغمبرِ خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی شان کی تنقیص، تبلیغ اور تحریر وتقریر پر پابندی۔ یہ سب باتیں کلیتہً یا جزئیاً ہر جگہ وبا کی طرح پھیل رہی ہیں، اور بعض تخریبی سرگرمیوں کو اقتدار اور امریکی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔

(سہ سالہ رپورٹ۔ ص ۱۸،۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں بہت سے سیاسی اور اسلام کش فتنے دین کے رنگ میں نمودار ہوئے۔ جن کا مقصد اسلام سے بغاوت، انگریز کی حمایت اور آزادی کی تحریکوں کو روکنا یا کمزور کرنا تھا۔

ان میں سے ہر فتنے کا مقابلہ مولانا ہزارویؒ نے نہایت بے جگری سے کیا، اور ہر فتنہ کے لئے مولانا کی ذات شمشیر برہنہ تھی۔ بڑے حوصلے، جرأت اور پامردی سے ان کا تعاقب کیا۔ ان کے خلاف جلسے کئے۔ مناظرے ہوئے۔ تقریریں کیں۔ ملک کے طول وعرض کے طوفانی دورے کرکے عوام وخواص کے اذھان کو بیدار کیا، قلم وتحریر کے معرکے برپا کئے۔

الغرض مرزائی فتنہ ہو یا مشرقی، پرویزی فتنہ ہو یا مودودی کے افکار، غرض اکابر علماء حق نے جس تحریک کو فتنہ سمجھا اور دین و وطن کے لئے جس کو مضر قرار دیا، مولانا ہزارویؒ اس کے مقابلہ میں اور اس کے استیصال کے لئے سج دھج کر میدان میں آگئے۔ اس کو للکارا، پچھاڑا، دھمکایا اور بھگایا، اور کسی کی شان وشوکت اور زور وقوت انہیں جھکا نہ سکی، وہ علی وجہ البصیرت اپنے سلف کے موقف پر جم کر ملک وملت کی راہنمائی کرتے رہے۔

مرزائی فتنہ: انگریزوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے جو اور انتظام کئے، ان میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریزی نبوت بھی تھی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کے دل ودماغ سے جہاد کی اہمیت کو نکالنا اور انگریزوں کی وفاداری کو ان کے دلوں میں مستحکم کرنا تھا۔

چنانچہ انگریزوں نے اس مقصد کی خاطر مرزا قادیانی کو ڈھونڈ نکالا اور بتدریج اس سے دعویٰ نبوت کرایا۔ اس بدبخت نے نہ صرف دعوی نبوت کیا، بلکہ اپنی شیطانی وحی کو قرآن کے برابر بتلایا۔ احادیث مبارکہ کا انکار کیا، اور استہزاء اڑایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مطہرہ کی بڑی سخت توہین کی اور اسی طرح بہت سی خرافات بکیں۔ یہ فتنہ انگریز کی سرپرستی میں ترقی کرتا گیا۔ اور اس سے متاثرہ افراد حکومت کے دفاتر اور مناصب پر فائز ہوتے رہے۔

برصغیر کے جملہ علماء کرام نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ مگر جو سعادت حضرت خاتم المحدثین مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے زیر قیادت ان کے شاگردوں اور فضلاء دارالعلوم دیوبند کو نصیب ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو اس کے انجام تک پہنچانے میں جو علمی، تقریری، تصنیفی اور سیاسی وپارلیمانی خدمات انجام دی ہیں ان کی مثال قرون ماضیہ میں نہیں ملتی، عوامی میدان سے لے کر ایوانِ حکومت تک اس قزاقِ ختم نبوت کا تعاقب کرنا، ان کا ہی شیوہ بلکہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔

استیصال مرزائیت کے لئے مولانا ہزارویؒ کی خدمات: مولانا ہزارویؒ ایسے وقت میں آکر بفہ میں اقامت پذیر ہوئے، کہ ضلع مانسہرہ کے بڑے بڑے خوانین اور جاگیردار مرزائیت کے دام تزویر میں پھنس چکے تھے۔ وہ صرف اپنی محفلوں اور حجروں میں نہیں بلکہ بازاروں اور عوامی مجمعوں میں بھی مرزا خبیث کو "حضرت صاحب" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اور سرکاری افسر جو مرزائی ہوتے اپنے اس خبیث مذہب اور عقیدہ کی کھل کر تبلیغ کرتے۔ ان حالات کا مشاہدہ کرنے سے آپ کو بڑا دکھ ہوا اور بڑے تدبر کے ساتھ حالات کا تجزیہ کیا، اور اس بات کو نوٹ کرلیا، کہ ضلع مانسہرہ میں جنبہ، ہرا اور پارٹی کی سیاست ہے۔ اس سے عقیدہ بھی متاثر ہو رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خیال مسلمان خوانین کو ساتھ ملا کر مرزائی گروہ کا اثر زائل کیا جائے۔ آپ نے دوسرے کئی وجوہ کے ساتھ اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھ کر کانگریس میں شرکت اختیار کرلی۔ خدائی خدمت گار پارٹی کانگریس کی ذیلی پارٹی تھی اور اس کے منشور کے مطابق ملک میں سیاسی جد وجہد کر رہی تھی۔ یہاں کے آزادی پسند اور انگریز دشمن خوانین اسی پارٹی میں شامل تھے۔ مولانا نے اس پارٹی میں شامل ہو کر انہیں یہ حقیقت سمجھائی کہ انگریز اور مرزائی دو قالب یک جان ہیں۔ یہ مرزائی خوانین اور جاگیردار ہی انگریزوں کی تقویت اور استحکام کا باعث ہیں۔ وہ ایسے ہی نمک خوروں اور زرخرید بندوں کے بل بوتے پر یہاں حکومت کر رہے ہیں۔ اگر یہ نمک حلال نہ ہوں تو انگریزوں کی کیا مجال کہ وہ ہم پر حکومت کرسکیں۔ اس طرح انہوں نے ان مسلمان اور دیندار خوانین کو جمعیۃ العلماء ہند میں شامل کرلیا۔ یا کم از کم انہیں دینی معاملات میں اپنا

ہم نوا بنالیا۔ پھر اس یکجہتی اور قوت اتحاد سے فائدہ اٹھا کر آپ نے انگریزوں کے ساتھ مرزائیت کو بھی ببانگِ دھل پکارا اور اس کو ناک چنے چبوائے۔ مذھبی اور سیاسی میدان میں ایسی شکست فاش دی کہ ان کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ اس سلسلہ میں چند واقعات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

مناظرہ پھگلہ اور مرزائی مبلغ کی شکست فاش: ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں مرزا بشیر الدین محمود نے ہزارہ کو فتح کرنے اور اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے اور مزید پختہ کرنے کیلئے ان خوانین کی دعوت یا سازش پر اپنے تیز و طرار اور شاطر قسم کے مناظر اللہ دتہ کو ہزارہ بھیجا۔ ہزارہ میں بڑے بڑے جید علماء کرام موجود تھے۔ مگر یہ مدرس اور مفتی قسم کے لوگ تھے۔ مناظرہ کے فن میں انہیں مہارت نہ تھی، اور نہ ہی مرزائیت کے مغالطوں، اور چالاکیوں سے کما حقہ آگاہ تھے، چنانچہ مرزائی مناظر مختلف جگہوں پر تقریر کرتا ہوا علمائے کرام کو چیلنج دیتا اور اپنی فضا بناتے ہوئے پھگلہ آپہنچا۔ پھگلہ مانسہرہ اور بالاکوٹ کے درمیان ایک پر فضا مقام ہے۔ یہاں کے بااثر سادات، اور بالاکوٹ کا ایک بااثر خان قلیبح خان مرزائیت سے وابستہ ہو کر سب کچھ اس پر نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے۔ ان سب کی ملی بھگت اور سازش سے اللہ دتہ پھگلے پہنچا تھا۔ ان لوگوں نے مختلف دیہاتوں میں دعوت نامے بھیج کر لوگوں کو بلایا۔ اور بہت بڑے جلسے کا انتظام کیا۔ دوسرے دن اللہ دتہ پروگرام کے مطابق پولیس کی نفری اور اپنے مسلح محافظوں کے جھرمٹ میں سٹیج پر آیا اور مرزا کے قصیدے پڑھنے لگا۔ جب اس پروگرام کا علم علماء کرام کو ہوا تو سخت پریشان ہوئے اور عوام کے ایمان کو خطرہ میں محسوس کیا۔ پھر مرزائی مناظر کا جواب دینا ان کے بس میں نہ تھا اور اتنے جاگیرداروں، خوانین اور حکام کو مخالف کرنا، اور ان کے روبرو بات کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ کسی بیٹھک یا مسجد کی بات نہ تھی بلکہ میدانِ مبارزت میں جوہر دکھانے کا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ قاضی محمد یونس صاحبؒ بالاکوٹی کو جزائے خیر دے کہ ان حالات کو سن کر مولانا مرحوم کے پاس بفہ حاضر ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔

اکلوتا فرزند زین العابدین موت وحیات کی کشمکش میں: مگر مولانا کے گھر حالت یہ تھی کہ ان کا نہایت ہی ذہین و فطین اور ہی دار بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ابھی فوت ہوا، ابھی دم نکلا، سب اہلِ خانہ اس کے فراق میں دردمند اور آزردہ تھے اور آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں سے جاری تھا۔ مولانا نے چند منٹ سوچا اور قاضی صاحب سے فرمایا۔ ذرا ٹھہریں۔ میں کتابیں لے کر آتا ہوں آپ اندر آئے۔ چند کتابیں لیں، اور اپنے لختِ جگر کو خدا کے حوالے کر کے گھر سے جانے لگے آپ کی والدہ مرحومہ نے فرمایا زین العابدین مر رہا ہے اور آپ کتابیں لے کر گھر سے جارہے ہیں آپ نے بے تکلف فرمایا، اماں جان! یہاں ایک زین العابدین کی موت کی بات ہے اور ادھر نبی کریم ﷺ کی امت کے ایمان کی بات ہے اگر ایک آدمی بھی مرتد ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ مجھے زین العابدین کے مقابلہ میں امت کا ایمان زیادہ عزیز ہے۔ یہ کہہ کر آپ گھر سے رخصت ہوگئے بفہ اڈہ پر اطلاع پہنچی کہ بچہ فوت ہوگیا ہے نماز جنازہ پڑھ کر جائیں۔ آپ نے فرمایا نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانا فرض عین ہے۔ اگر میرے پہنچنے سے پہلے اللہ دتہ واپس چلا گیا تو بہت سے مسلمانوں کا ایمان خراب کر جائے گا۔ بچے کو دفن کرنے کیلئے عزیز خان اور اہلِ محلہ کافی ہیں۔ مگر اللہ دتہ کے زہر کا تریاق میرے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ قاضی محمد یونس کے ہمراہ پھگلہ روانہ ہوگئے اور ایسے وقت وہاں پہنچے جب اللہ دتہ بڑے جوش وخروش

سے سٹیج پر براجمان پولیس کی نفری اور مسلح گارڈ کے گھیرے میں تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں کو ہم خیال بنانے کیلئے علماء پر چوٹیں کرتا ہوا انہیں چیلنج دے رہا تھا۔

مولانا ہزارویؒ کا اسٹیج پر قبضہ: سارے گھیراؤ کو توڑ کر مولانا سٹیج پر چڑھ گئے اور صاعقۃ الٰہی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور کڑک کر اللہ دتہ سے فرمایا:۔

او اللہ دتہ! لوگوں کے ایمان کو خراب نہ کرو تم مرزا کی نبوّت کی بات کرتے ہو، نبوّت اور ولایت تو بڑی چیز ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ مرزا آنجہانی کو ایک شریف انسان بھی ثابت کرنے کیلئے مجھ سے مناظرہ کرلو! خدا کی قسم کہ مرزا نہایت ہی کمینہ اور بد اخلاق انسان تھا۔ تم اس خبیث کی بات کرتے ہو۔ اللہ دتہ کو جان کے لالے پڑگئے کہ یہ مولانا ہزاروی کہاں سے آدھمکا۔ اس کی قوت گویائی جواب دے گئی اور مولانا نے سٹیج سے دھکہ دے کر اس کو نیچے گرادیا۔ اس نے اپنے حواریوں کے ساتھ بھاگنے ہی میں خیر سمجھی اور قادیان پہنچ کر دم لیا۔ مولانا نے اسی سٹیج پر کھڑے ہو کر ختم نبوّت کے موضوع پر زبردست تقریر کی۔ ختم نبوّت زندہ باد کے نعرے لگوائے۔ لوگوں کے ایمانی ولولوں کو گرماتے ہوئے فرمایا کہ ان مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کرو۔ ان کی شادی، غمی اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو۔

چنانچہ مرزائیوں کا ناطقہ بند کردیا۔ الحمدللہ آج تک یہ لوگ خانہ بدر ہیں۔ اور کبھی کبھار چوری چھپے آکر اپنی جائیداد پر نگاہ حسرت ڈال کر چلے جاتے ہیں۔

قارئین کرام: غور فرمائیں کہ حضرت مولانا کی شخصیت کے جوہر نکھر کر نظروں کے سامنے آتے ہیں ان کی غیرت ایمانی، ان کی جرأت وجانبازی، ان کی حاضر جوابی، ان کا توکل، ان کی ھیبت وشوکت، غرض ایک مجاہد جرنیل اور مدبر جانباز کی قربانی کی تصویر بالکل سامنے نظر آتی ہے۔

زیدہ کی مرزائیت کا استیصال اور آپ کی کرامات: زیدہ تحصیل صوابی ضلع مردان کا ایک قصبہ ہے یہاں کے خوانین مرزائی ہوگئے تھے۔ اور ان کا علاقہ بھر میں اس قدر اثر تھا کہ لوگ مرزا کو حضرت صاحب کہتے تھے۔ ان حالات کا علم آپ کو ہوا تو ایک چھوٹی سی مسجد میں جلسہ کا انتظام کرایا۔ اس کی تفصیل کے سلسلہ میں مولانا عبد الحنان مرحوم جہانگیروی فاضل دیوبند رقمطراز ہیں:۔

محترم حضرت مولانا ہزارویؒ مرحوم کی تمام زندگی گوناگوں واقعات اور مجاہدانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے ان کی کون کون سی ادا اور جرأت، للھیّت کا واقعہ ذکر کیا جائے۔ غالباً ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد میں خاص کر تحصیل صوابی میں انگریزوں کے خود کاشتہ پودے کے منحوس اثرات بہت زیادہ پھیلنے لگے تھے۔ خاص کر خوانین طبقہ اور سرکار انگریزی کے ملازمین میں یہ زہر روز بروز بڑھ رہا تھا موضع زیدہ میں خوانین تمام علاقے میں سب سے زیادہ حکومت کے گھر باوقعت اور بارسوخ، اونچے پائے کے سمجھے جاتے تھے۔ اور کافی زور کے مالک تھے ان میں چند افراد مرزا لعنۃ اللہ علیہ کے پیرو بن گئے اور علاقہ میں موضع ٹوپی، زروبی اور اسمٰعیلیہ کے دیہات بھی میں یہ مرض پھیل گیا۔ زیدہ میں تو یہاں تک ان کا

رعب قائم تھا کہ کسی کو مرزا کا نام بھی بے ادبی سے لینے کی جرأت نہ تھی اور عوام کو احساس اور خبر تک نہ تھی کہ یہ بھی کوئی خلاف اسلام ومذھب کوئی فرقہ ہے۔ انھی دنوں میں انہیں خوانین کے ایک قریبی رشتہ دار اور خدا ترس مسلمان مرد مومن مسمیٰ شیر محمد خان آف زیدہ جہانگیرہ آیا اور اس بات کی استدعا کی کہ زیدہ میں مرزائیت بہت زیادہ قوی ہو رہی ہے اور یہ اثرات روز بروز علاقہ میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کا انسداد نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ یہ ارتداد تمام علاقہ میں پھیل جائے گا۔ چنانچہ حضرت مولانا ہزاروی مرحوم جو بعض اور ہم خیال علماء مثلاً مولانا عبد القیوم پوپلزیؒ، اور مولانا لطف اللہ جہانگیرہ اور حکیم فضل حق آف نوشہرہ، وغیرہ کے ساتھ پہلے سے اس فرقہ کے خلاف پشاور، مردان وغیرہ میں برسرپیکار تھے۔ انہوں نے مشورہ کیا اور سب اکٹھے ہو کر شیر محمد خان کی معیت میں زیدہ پہنچے۔

پہلے پہل تو لوگوں نے اپنی اپنی مساجد وغیرہ میں مرزائیوں کے خلاف جلسہ کرنے کی اجازت سے پہلو تہی کی۔ مگر بعد سمجھانے اور شیر محمد خان کی کوشش سے آئندہ جمعہ کو مسجد محلہ چنگڑ میں جلسہ مقرر ہوا۔ تمام علاقہ میں تشہیر کی گئی۔ جمعہ کو لوگ کافی تعداد میں جمع ہوئے۔ کئی لوگ تو تماشہ کے خیال سے آئے تھے کہ خانوں کے خلاف ان کے قصبہ میں جلسہ کیسے ہوگا۔ بہر حال جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے تقریر مولانا لطف اللہ صاحب نے شروع کی۔ مخالفین بھی مجمع کے باہر قطار باندھ کر کھڑے تھے۔ ان مخالفین میں خوانین کی ایک سر کردہ شخصیت مسمیٰ عجب خان جو ان دنوں میں ضلع ہزارہ اوگی میں پولیٹکل تحصیلدار تھا اور تھا بھی کٹر مرزائی۔ جس نے ہزارہ میں بھی کافی تخم بویا تھا۔ وہ بھی جلسہ گاہ کے باہر ایک چبوترے پر چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھا تھا۔ نیز اس کا ایک لڑکا یوسف خان بھی قطار میں کھڑا تھا۔ مولانا لطف اللہ صاحب نے مرزا غلام احمد کا ذکر کیا اور اس کے دعووں کے بارے میں کہنا شروع کیا، تو پہلے تو مرزائیوں نے گڑبڑ شروع کی مگر بعد میں جب مولانا لطف اللہ نے کافر کا لفظ کہا تو عجب خان اچانک کھڑا ہوا اور شور وشغب شروع کر دیا۔ اور اس کے بیٹے یوسف خان نے پستول نکال کر دھمکی دی کہ اگر مرزا کے متعلق اور ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو گولی مار دوں گا۔

جب یہ کیفیت دیکھی تو مولانا ہزاروی یکدم کھڑے ہو گئے اور مولانا لطف اللہ کو بٹھا دیا اور خود اپنا گریبان کھول کر اور سینہ ننگا کر کے کہنے لگے کہ تم میں غیرت ہے تو مارو میرے سینے میں گولی، مگر تمہارے اس موعود پیغمبر میں تو اتنی غیرت نہیں تھی تم میں اتنی غیرت کہاں سے آگئی۔ چنانچہ مولانا اپنی عادت کے مطابق اور جوش ایمانی سے ایسے گرجے اور ایسے برسے کہ تمام حاضرین اس قدر متاثر ہوئے کہ نوجوانوں نے عجب خان کیلئے جو چارپائی رکھی تھی وہ فوراً اٹھا کر باہر پھینک دی اور ہر طرف سے نعرہ تکبیر کی صدا گونجنے لگی۔ ادھر پولیس تھانیدار جو اس وقت کوئی سکھ تھانیدار تھا وہ موجود تھا۔ حضرت مولانا نے اس تھانیدار کو للکارا اور کہا اگر پولیس والے اس مجمع کو کنٹرول نہیں کر سکتے تو ہٹ جائیں، ہم مسلمان خود کنٹرول کرلیں گے چنانچہ تھانیدار نے بھی مجبوراً یوسف خان کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور باقی شریروں کو جو چند ایک آدمی تھے بھگا دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی اور مرزائیت کے تاروپود کو بکھیر دیا۔ مسلمانوں سے کہا کہ ان کو اپنے قبرستان میں دفن ہونے سے منع کرو وغیرہ وغیرہ، چنانچہ اس جلسہ کے بعد قصبہ زیدہ بلکہ علاقہ میں کایا پلٹ گئی اور

مرزائی الو پرندہ جیسے دن کو باہر نکلنے سے رہے۔ قدرت خداوندی سے ایک مرزائی مسمیٰ گلاب کا چھوٹا بچہ فوت ہوگیا۔ مسلمانوں نے مسمیٰ شیر محمد کی سرکردگی میں قبرستان پر پکٹنگ لگادی۔ اس کے بعد گلاب مرزائی نے ارادہ کیا کہ اپنی ملکیت کی زمین بھی جو بھائیوں کے ساتھ مشترک تھی اس میں قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو اس کے بھتیجوں نے جو کہ مسلمان تھے کہا کہ ہمارا دوسرا چچا مسمیٰ عبدالمنان جو کہ پشاور میں ملازم ہے، اس کو منگواؤ اور زمین تقسیم کرو بعد ازاں اپنے حصہ میں دفن کرو۔ چنانچہ اسی کش مکش میں تین دن تک مردہ پڑا رہا۔ بعد ازاں ایک اور مرزائی، شاید اس کا نام گل محمد تھا، نے اپنی زمین میں دفن کرنے کو کہا۔ مگر کوئی قبر کھودنے والا زیدہ میں نہ ملا اور ٹوپی وغیرہ سے اپنے رشتہ دار مرزائیوں کو بلایا۔، اور قبر کھودی اور دفن ہوا۔ کچھ مدت کے بعد اس عجب خان کا انتقال ہوگیا۔ اس کے جنازہ اور قبر کا بھی یہی حشر ہوا۔ زیدہ میں ایک بچہ مسلمان بھی اس کے (عجب خان) نزدیک نہیں ہوا۔ دو چار مرزائیوں نے (مل کر) سپرد خاک کر دیا۔

شاید ان دنوں خان عبدالغفور خان صاحب آف زیدہ جو کہ زیدہ کے خوانین کے چیف اور صوبہ سرحد کے لیجسلیٹیو اسمبلی کے سپیکر تھے ان کو عجب خان کے موت کی اطلاع ہوئی۔ چونکہ رشتہ دار تھے شام کو کار میں سوار ہو کر پہنچے اڈہ کے پاس لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ جنازہ ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ دفن کردیا گیا پھر عبدالغفور خان پوچھتا ہے کہ جنازہ ہوگیا؟ لوگوں نے کہا کہ دفن کردیا گیا ہے وہ غصہ سے کہنے لگا کہ میں جنازے کے متعلق پوچھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ گاؤں کے لوگ نزدیک بھی نہیں ہوئے۔ شاید کچھ مرزائیوں نے کچھ کیا ہو، تو خان موصوف کہنے لگے کہ اگر یہ بات ہے تو پھر میں کیوں جاؤں؟ تمام لوگوں سے مخالفت مول لوں۔ چنانچہ وہ اسی کار میں واپس چلے گئے کچھ عرصہ بعد اسی خان عبدالغفور صاحب کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ بہت بڑا خان تھا اور سیشن جج بھی رہ چکا تھا اور اسمبلی کا سپیکر بھی، لوگ بہت بڑی تعداد میں آئے حسب روایت شیر محمد خان کہ میں نے عبدالرحیم خان کو جو خان عبدالغفور خان کا لڑکا تھا اور اس وقت سیشن جج تھا خط لکھا کہ چونکہ تمہارا بھائی عبدالحمید خان مرزائی ہے۔ اگر وہ اپنے والد کے جنازہ میں شریک ہوگا تو ہم مسلمان شریک نہ ہونگے۔ اگر وہ شریک نہ ہو نیز اور مرزائی (بھی) تو پھر جنازہ پڑھیں گے چنانچہ عبدالرحیم خان نے لکھا کہ عبدالحمید وغیرہ نہیں ہوں گے۔ چنانچہ جب جنازہ رکھا گیا تو شیر محمد خان اور خان موصوف مرحوم کا چھوٹا لڑکا عبدالروف خان صفوں میں پھرے اور لوگوں سے کہا اگر کوئی مرزائی ہو تو اس کو نکال دو۔ چنانچہ چند ایک مرزائی ایک طرف نکل کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کیا۔ اسی جنازہ میں نواب ہوتی نواب محمد اکبر خان بھی موجود تھے اس نے خان مرحوم کے بیٹے عبدالحمید مرزائی کو بہت برا بھلا کہا۔ تیسرے روز عبدالحمید خان نے اپنے حجرے میں جبکہ لوگ تیسرے روز فاتحہ کیلئے آئے ہوئے تھے مرزائیت سے بیزاری کا اعلان کیا۔

مگر وہ اعلان بھی مصنوعی اور دھوکا تھا مگر بہرحال یہ تمام معرکہ سر کرنے اور لوگوں میں مرزائیت کی حقیقت آشکارا کرنے اور مسلمانوں کے ایمانوں کو محفوظ کرنے کا سہرا بھی انہی مجاہد کبیر مولانا مرحوم کے سر ہے۔ تھوڑا عرصہ پہلے عبدالسلام مرزائی جو کہ عبدالحمید خان کا بیٹا ہے جو کہ ہزارہ ڈی۔ سی رہ چکا ہے۔ اور جس نے مولانا مرحوم پر ہزارہ میں کئی مقدمات بنا رکھے تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اور جو اسی شیر محمد خان کی چچازاد بہن تھی کے جنازے کا بھی یہی حشر ہوا۔

(کوئی مسلمان نزدیک نہیں گیا) زیدہ کے واقعات کے بعد مولانا مرحوم نے ٹوپی نیز اسمعیلیہ میں بڑے زوردار جلسے کئے اور مرزائیوں کی اچھی طرح خبر لی جس کی وجہ سے عوام کے بچے بچے کے دل میں مرزائیت سے نفرت پیدا ہوگئی۔
(بحوالہ خط مولانا عبدالحنان صاحب جہانگیرہ فاضل دیوبند) یہ اصل خط احقر کے پاس محفوظ ہے۔

ایک اور واقعہ: ضلع مانسہرہ کا ایک بڑا معتبر خان مرزائی ہوگیا تھا۔ اور معزز خوانین کے ہاں اس کی شادی ہوئی تھی مولانا کو کسی معتبر ذریعہ سے پتہ چلا کہ اس خان کی بیوی ابھی تک مسلمان ہے۔ اس نے عقیدہ نہیں بدلا۔ مولانا کچھ علماء کو لے کر اس عورت کے بھائی سے ملے جو کہ مسلمان تھا۔ اور اسے متوجہ کیا کہ اپنی بہن کو کسی طرح اپنے پاس بلالو۔ ورنہ اس بدکاری میں تم بھی شریک ہوگے۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی اور باتوں میں ٹال دیا۔ مولانا نے مانسہرہ میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ اور مرزائیت کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے اس خان کا نام لے کر فرمایا کہ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فلاں خان کی بیوی ابھی تک مسلمان ہے۔ وہ مرزائی ہوکر مرتد نہیں ہوئی۔ میں اس خاتون سے کہتا ہوں کہ خدارا اس جہنم کی زندگی سے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو نکالے۔ اس کا مرزائی کے گھر رہنا بالکل حرام ہے۔ اور اگر وہ نہیں نکلتی تو مولانا نے بڑے زوردار لہجے میں فرمایا کہ ہے کوئی مسلمان جو اس کو اٹھا کر لے جائے میں اس کا نکاح اس مسلمان کے ساتھ خود پڑھاؤں گا۔ مولانا ایسے برسے کہ کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوئی، اور زندگی بھر ان خوانین سے ختم نبوّت کی بنیاد پر لڑتے رہے، اور انہیں سیاسی میدان میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی کا موقعہ نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ ناکام رہے۔ اور مولانا کے خلاف سازشیں کرتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت مولانا کے ساتھ تھی یہ کچھ نہ کرسکے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوّت میں مولانا کا کردار: جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس تحریک کے ابتدائی معاملات طے کرنے، علماء کرام، اولیاء عظام، اور سیاسی زعماء کو دعوت دے کر انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے، ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر سوچنے اور ملکی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر پالیسی طے کرنے کی ذمہ داری مولانا ہزارویؒ کے سپرد تھی۔ انہوں نے ہی دعوت نامے بھیج کر ان حضرات کو بلایا (۱)۔

پھر مجلس عمل بنی۔ مطالبات طے ہوئے۔ اور ان کے تسلیم نہ ہونے کی صورت میں سول نافرمانی کرکے جیل جانے کا فیصلہ ہوا۔ مجلس عمل نے اپنے مطالبات پیش کئے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اور سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے وغیرہ۔ مگر حکومت نے مطالبات کو تسلیم کرنے کی بجائے مرکزی قائدین کو کراچی میں گرفتار کرلیا۔ جس کے ردّ عمل میں تحریک چل پڑی۔ تحریک سے پہلے احرار رہنماؤں نے اس مسئلہ کیلئے اتنا کام کیا تھا۔ اور اس قدر احساس دلایا تھا کہ بس اشارہ کی دیر تھی۔ ملک

---

(۱) رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب کے صفحہ ۸۰ پر ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان کی تقریر کراچی نے واقعات کی رفتار کو تیز کردیا اور احراریوں نے اس موقع سے جس کا وہ مدت سے انتظار کررہے تھے انتہائی فائدہ اٹھایا۔ ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء کے زمیندار میں ایک اشتہار شائع ہوا کہ ۱۳ جولائی کو برکت علی ہال میں تمام جماعتوں کی ایک کنونشن منعقد ہوگی جس میں علما۔ خطیب۔ پیر، سجادہ نشین اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اور کارکن شامل ہوں گے تاکہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے ابتدائی لائحہ عمل تیار کیا جائے اس جلسے کا دعوت نامہ فرد شہادت ڈی۔ ای ۳۸، غلام غوث ہزارویؒ نے جاری کیا۔ (ارشد)

کے کونے کونے سے علماء کرام، صوفیاء عظام، اربابِ خانقاہ، طلبا و عوام میدان عمل میں آگئے۔ مگر تحریک کا اصل میدان پنجاب خصوصاً لاہور تھا۔ تحفظ ختم نبوت کیلئے لاہور والوں کی قربانیاں تاریخ کا ایک سنہرا اور ناقابل فراموش باب ہے۔ مولانا ہزارویؒ کے سپرد صوبہ سرحد خصوصاً ضلع ہزارہ تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ خان عبد القیوم خان مرحوم سے بات کر کے تحریک کا ہمنوا بنالیا تھا۔ اور اس نے حامی بھری تھی کہ وہ کسی قسم کی رکاوٹ نہیں کھڑی کرے گا۔ مگر جب تحریک زور سے چل پڑی اور ہزاروں علماء، صلحاء، طلباء اور دیندار مسلمان میدان عمل میں آگئے۔ تو مرکزی حکومت کے کہنے پر عبد القیوم خان نے اپنے قول و قرار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رکاوٹ پیدا کر کے تحریک کو صوبہ سرحد میں کمزور کردیا۔ اس دوران مولانا ہزاروی کو کسی باوثوق ذریعہ سے مولانا محمد علی جالندھریؒ کا پیغام ملا کہ لاہور کے حالات سخت ہوتے جارہے ہیں آپ بہت جلد وہاں پہنچ کر تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ تحریک ناکامی کا شکار نہ ہونے پائے۔ آپ گرفتاری نہ دیں ورنہ پیچھے رہ کر کوئی کام کرنے والا نہ ہوگا۔ آپ ہی نے پیچھے رہ کر کام کرنا ہے۔ یہ پیغام سن کر آپ لاہور پہنچ گئے۔ اور تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ گرفتاری کیلئے پروگرام کے ساتھ دستے بھیجتے رہے۔ مولانا عبد الستار خان نیازی آپ کے مستقل معاون رہے۔ حکومت نے جب دیکھا کہ حالات کنٹرول سے باہر ہورہے ہیں تو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر کے اسے فوج کے حوالے کردیا۔ جنرل اعظم مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر مقرر ہوا۔ مگر اس کے باوجود تحریک پروگرام کے ساتھ جاری رہی۔ اور منظم طریقہ سے چلتی رہی۔ اربابِ مارشل لاء نے معلوم کیا کہ یہ تحریک ایسے منظم اور مخفی طریقہ سے کون چلا رہا ہے انہیں معلوم ہوا کہ یہ سارا نظام مولانا ہزارویؒ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کسی غیر معروف جگہ میں روپوش ہیں کہ پتہ تک نہیں چلتا۔ فوجی حکام نے اعلان کردیا کہ جو مولانا ہزارویؒ کو گرفتار کرنے میں مدد دے گا تو اسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ اس پر بھی کامیابی نہ ہوئی تو مرکزی کابینہ میں فیصلہ ہوا کہ جہاں ملیں انہیں گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ مولانا ایسے حالات میں جب باہر گولیاں برس رہی تھیں۔ فوجی جس کو چاہتے برسٹ مار کر ختم کردیتے اور جس کو چاہتے جیل بھیج دیتے۔ اپنے تدبر اور عزم و حوصلہ سے تحریک کے کام کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ آپ کا لباس بہت سادہ تھا۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ بھی کوئی لیڈر ہے۔ اس وقت لاہور میں آپ کا ایک داماد محمد یوسف خان اپنی بیوی مسمات خدیجہ بی بی کے ہمراہ رہتا تھا۔ وہ اس وقت بالکل غیر معروف آدمی تھا۔ اور کسی جگہ ملازم تھا۔ مولانا اکثر ان کے گھر میں رہتے اور ہدایات لکھ کر یوسف خان کے ذریعے ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے۔

ختم نبوت کا یہ مجاہد مولانا کی ہدایات اور خطوط لے کر ایک پرانے سے تھیلے میں ڈال لیتا اور سائیکل پر سوار ہو کر فوجیوں کی گاڑیوں کے سامنے سے گزر کر متعلقہ لوگوں تک پہنچا آتا اور کسی کو شک تک نہ گزرتا۔ مارشل لاء دور میں یہ ڈیوٹی جان پر کھیل کر یوسف خان ہی ادا کرتا رہا۔ مولانا کبھی بیڈن روڈ پر حضرت سیفی صاحبؒ کے ہاں تشریف لے جاتے کبھی حضرت لاہوریؒ کے ہاں پہنچ جاتے۔ اس طرح رات دن جگہ بدلتے رہتے جب مارشل لاء کی سختی عروج پر پہنچ گئی اور آپ کی گرفتاری کیلئے جگہ جگہ چھاپے پڑنے لگے تو آپ نے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا کیوں کہ خیال آیا اگر اس طرح گولی سے مارا گیا تو بزدلی تصور ہوگی۔ آپ گرفتاری کے ارادہ سے آرہے تھے کہ مولنا حمید اللہؒ حضرت لاہوریؒ کے خلف الرشید راستہ میں ملے اور گرفتاری کی مخالفت کی اور آپ کو کار میں بٹھا کر لاہور سے کئی میل باہر لے گئے اور وہاں چھوڑ آئے۔ چند دنوں کے بعد آپ پھر لاہور آگئے اور پھر گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا مگر اس بار بھی مولانا حمید اللہ کو پتہ چلا وہ آکر راستہ سے آپ

کو کار میں بٹھا کر لاہور سے تقریباً بارہ میل دور چھوڑ آئے اور فرمایا گرفتاری نہیں دینی (اس میں کیا حکمت تھی۔ کبھی پھر عرض کروں گا انشاء اللہ) کچھ دنوں کے بعد پھر لاہور آئے۔ اور مولانا داؤد غزنویؒ سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا کہ اب کسی اشتعال کی ضرورت نہیں ہے لوگوں پر مارشل لاء کا اثر پڑا ہوا ہے۔ آپ لاہور سے باہر چلے جائیں اور گرفتاری نہ دیں۔ آپ نے لاہور سے باہر جانے کا فیصلہ کرلیا مگر مارشل لاء کے دوران لاہور سے باہر جانا بے حد مشکل تھا۔ سب راستوں پر فوجی چوکیاں تھیں آنے جانے والوں کو وہ پوری طرح چیک کرتے۔ پھر پاس بنا کر دیتے۔ لاہور جانے کی وجہ دریافت کرتے۔ واپسی کا وقت پوچھتے اور اسے ایک کارڈ حوالے کرتے۔ واپسی پر وہ کارڈ چیک پوسٹ والوں کے حوالے کر کے جانا پڑتا اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ لوگ تحریک میں قربانی دینے کیلئے نہ آ سکیں اور مطلوبہ لوگوں کو پکڑا جا سکے۔ مولانا کیلئے یہ مرحلہ بڑا مشکل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست بھی فرمالیا۔ مولانا خداداد مرحوم جو مولانا کے ہم زلف تھے اور شیخوپورہ چک نمبر ۱۶ میں زمین خرید کر آباد ہو گئے تھے اور یوسف خان کے والد ماجد تھے۔ انہوں نے بڑی زبردست قربانی اور بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا۔ وہ مولانا کی بچی اور اور اپنی بہو کو لے کر شیخوپورہ چک نمبر ۱۶ چلے گئے وہاں سے ہو کر بچی کو لے کر پھر لاہور آئے اور بچی کا برقعہ مولانا کو اوڑھا کر انہیں اپنے ہاں شیخوپورہ چک نمبر ۱۶ لے گئے۔ پندرہ، بیس دن آپ وہاں ٹھہرے رہے مگر یہاں سب سہولتوں کے باوجود یہ پریشانی تھی کہ ملک کی صورت حال صحیح طور سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی۔ آپ نے مولانا خداداد مرحوم سے فرمایا کہ مجھے اسی طرح بحفاظت میرے شیخ ومرشد کے پاس خانقاہ سراجیہ کندیاں پہنچادیں۔ انہوں نے پھر جان پر کھیل کر یہ ڈیوٹی سر انجام دی اور بحفاظت مولانا کو برقع پہنا کر خانقاہ سراجیہ پہنچادیا۔ یہاں آپ تین ماہ تک رہے پھر گرمی اور حبس وغیرہ کی وجہ سے آپ نے تنگی محسوس کی تو آپ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص مرید کے پاس بھلوال بھیج دیا۔ جہاں ان کے پاس بستی سے باہر وسیع زمین تھی اور اس میں ان کی آبادی تھی۔ اس طرح آپ سات ماہ تک ان کے پاس بڑی آزادی سے رہے۔ آپ کے پاس پابندی سے اخبارات پہنچائے جاتے اور آپ ان کی روشنی میں مرکزی قائدین تک اپنے خیالات کو پہنچاتے رہتے۔ ۵۳ھ تحریک ختم نبوت میں وہ جرح درج ہے، جو آپ نے سر ظفر اللہ خان پر جرح کرنے کیلئے لکھ کر بھیجی تھی۔ آپ کی سلامتی اور حفاظت کے بارہ میں دو واقعات بیان کرنے مناسب ہوں گے۔ ایک بار خود میرے استفسار پر مولانا نے فرمایا:۔

کہ میں لاہور میں جہاں مقیم تھا وہاں پولیس کی چوکی قریب ہی تھی اور پولیس والے آتے جاتے تھے۔ مارشل لاء حکام کا تشدد زوروں پر تھا۔ ایک دن مجھے کچھ پریشانی سی لاحق ہوئی اسی حالت میں میری نیم سی آنکھ لگ گئی اور میں بین النوم والیقظہ، دیکھتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور میرے پیشانی پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر ارشاد فرماتے ہیں:۔
غلام غوث فکر نہ کرو۔ تم نے جو کچھ کیا ہے محض ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ تیری ضرور حفاظت فرمائے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور حضور انور ﷺ کی زیارت سے دل مسرت سے بھر گیا، پھر مجھے کسی حال میں بھی پریشانی نہیں لاحق ہوئی۔

دوسرا واقعہ آپ کے مرشد قطبِ وقت حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب خانقاہ سراجیہ کا ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا، آنکھیں بند کیں، اور قلب پر نظر جما کر (یعنی مراقبہ کر کے) ارشاد فرمایا: کہ میں مولانا غلام غوث کو اپنی تحویل میں لیتا ہوں، انشاء اللہ دشمن ان

بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔

اور الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں آپ کی حفاظت کا فیصلہ ہو چکا تھا اور آئندہ کیلئے آپ سے دینی خدمت لینا مقدر تھا اور نہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ قاضی شمس الدینؒ صاحب درویش ہری پور کا بیان ہے کہ جنرل حیاء الدین قادیانی جو راولپنڈی میں متعین تھا محض اس غرض کیلئے لاہور پہنچا اور پنجاب کے جملہ قادیانیوں نے مل کر مولانا ہزاروی کی تلاش میں چپہ چپہ چھان مارا۔ گھر گھر تلاشی لی گئی۔ حتیٰ کہ سیفی صاحب کے ہاں بھی چھاپا پڑا۔ مگر خداوند تعالیٰ کی حفاظت غالب آئی اور حضرت ثانی نور اللہ مرقدہ کی کرامت اپنا کام کر گئی ورنہ سکندر مرزا، جو ہزارے کا ڈپٹی۔ سی رہ چکا تھا اور مولانا کے کارناموں سے واقف تھا اور اسے مولانا سے سخت چڑ تھی۔ ان سب نامرادوں، بے دینوں اور ملحدوں کی دلی خواہش تھی کہ مولانا جہاں ملیں انہیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ مولانا زندہ رہے اور ان کے سینوں پر زندگی بھر مونگ دلتے رہے۔ **فالحمدللہ علی ذلک.**

خاکساری فتنہ: اس فتنہ کی بنیاد علامہ عنایت اللہ مشرقی نے ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء میں رکھی، اور جلد ہی یہ ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ صوبہ سرحد میں بڑی قوت سے پھیلا، علامہ مشرقی نے اپنی اس تحریک کی بنیاد فوجی قوت کے احیاء پر رکھی، اور بیلچہ بردار رضا کار تنظیم قائم کرلی۔ اگرچہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں کے اندر بظاہر جذبہ جہاد پیدا کرنا تھا تاکہ وطن کو بیرونی سامراج سے آزاد کرایا جاسکے مگر اس تحریک کے بانی علامہ مشرقی نے مرزا قادیانی کی طرح اپنی تحریک کی بنیاد "علماء دشمنی" اور ان کی توہین و تذلیل اور اسلام کے مسلمہ عقائد وافکار کے انکار پر رکھی۔

اس نے اپنی ایک مشہور کتاب تذکرہ" کے نام سے لکھی، اور اس طرح "اشارات" اور "قول فیصل" کے نام سے دوسری کتابیں بھی لکھیں۔ مگر تذکرہ کے بارے میں اس نے یہ مشہور کردیا، کہ قرآن کریم کی یہی صحیح تفسیر اور اس کی تشریح و توضیح ہے۔ یہ کہ میرے سوا آج تک کوئی قرآن پاک کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے نماز، روزہ، حج، جہاد اور اوراد وظائف کا مذاق اڑایا اور یہ بھی کہا، کہ انگریز ہی جنت کے مستحق ہیں، اور "حوروں" سے مراد انگریز کی میم ہیں۔

جب اس کے خلاف کچھ علماء کرام نے آواز اٹھائی، تو اس نے "مولوی کا غلط مذہب" کے نام سے ٹریکٹ شائع کئے۔

جب پانی سر سے گزرنے لگا، تو مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ وہ واحد شخصیت تھے، جنہوں نے مشرقی کو تقریر و تحریر کے میدان میں للکارا اور لوگوں کو تذکرہ کی عربی، اردو عبارات پڑھ کر سنائیں اور اس کی گمراہی والحاد کو عوام میں نمایاں کیا۔

اس سلسلہ میں آپ نے ایک مناظرہ بھی اکوڑہ میں مولانا مروت خاکساری سے کیا۔ جو کہ علامہ مشرقی کا قابل اعتماد دوست اور مرید تھا۔ اس مناظرہ کی ثالثی کے فرائض شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک والوں نے ادا فرمائے۔ مناظرہ کا سن کر ہزاروں لوگ گردونواح سے اکوڑہ کی مسجد میں جمع ہوگئے۔ مولانا ہزارویؒ نے اس دن اسلام کی ایسی زوردار وکالت فرمائی کہ مولانا مروت کو لاجواب ہونا پڑا، اور اس کی مثال "فبہت الذی کفر" الخ کی طرح ہوگئی۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب نے مولانا ہزاروی کی کامیابی اور حقائق پر مبنی دلائل کی تصدیق فرما کر مولوی مروت کی شکست فاش کا اعلان کیا۔ مسلمانوں کا یہ اجتماع ایک قابل دید اجتماع تھا۔ ان کی موجودگی میں

مولوی مروت کی گت بنی، اور مولانا ہزارویؒ نے اس کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ اس کی ہزیمت کا مشاہدہ مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے کیا۔

اس طرح پشاور، مردان اور دوسرے اضلاع، جہاں خاکساریت فتنہ کا طوطی بول رہا تھا۔ مشرقی مذہب کی حقیقت کھل سامنے آگئی اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہری پور میں ہوا۔ خاکساریوں نے تنگ آکر نوشہرہ کے مقام پر بجلی فیل کر کے مولانا کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا کو محفوظ رکھا اور ان کو ناکام کیا۔

مولانا ہزارویؒ کے ساتھ اس فتنہ کی سرکوبی میں دوسرے حضرات نے بھی حصہ لیا۔ ان میں پشاور کے سید عبد اللہ شاہ اور لاہور کے مولانا بہاؤالحق قاسمی نمایاں ہیں۔ شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ نے بھی ابتداً اس فتنہ کی بڑی شدومد سے مخالفت کی۔ مگر مولانا ہزارویؒ اس وقت تک عملاً و قولاً اس کے پیچھے پڑے رہے جب تک کہ اس کا زور نہیں ٹوٹا۔ اس سلسلہ میں مولانا ہزارویؒ نے مشرقی کے خلاف ٹریکٹ بھی شائع کئے۔

(۱) مشرقی کا غلط مذہب نمبر ۱

(۲) مشرقی کا غلط مذہب نمبر ۲

جو کہ بہت ہی زیادہ مشہور ہیں۔

مودودی فکر و نظر سے اختلاف: مولانا مودودی نے کسی خاص علمی درسگاہ سے دینی تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کسی اہلِ دل کی صحبت نصیب ہوئی۔ مودودی صاحب نے ایف، اے تک تعلیم حاصل کی، پھر معاشی پریشانیوں کی وجہ سے صحافت کا رخ کیا۔ اور اس کی صحافتی قابلیت اور سلیقہ شعاری کی وجہ سے بعض بزرگوں نے "الجمعیت" میں ایڈیٹر رکھ لیا۔ اس سے انہیں ملک میں شہرت حاصل ہو گئی اور الجمعیت سے علیحدگی کے بعد ۱۹۴۱ء میں اپنی مستقل پارٹی "جماعت اسلامی" کے نام سے قائم کر لی۔ جماعت کی تشکیل کے وقت ملک کے دیگر سنجیدہ اور اہلِ علم حضرات کو بھی دعوت دی گئی اور بہت سے لوگ اس میں شریک ہوئے، مگر جلد ہی اخلاص کے فقدان کو دیکھ کر علیحدہ ہو گئے۔

اور پاکستان بننے کے بعد مودودی صاحب پاکستان آگئے۔ اور یہاں انہوں نے بڑے زور و شور سے اسلامی آئین اور شرعی قوانین کا مطالبہ کیا۔ یہ بات بڑی خوش آئند تھی اور ملک کے تمام نیک نیت حضرات اس مطالبے میں اس کے ہمنوا تھے۔ مگر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مودودی صاحب اور اس کی جماعت کا عوام میں بھرم جاتا رہا اور اس کے تمام تر نعروں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔ مودودی صاحب ابتداء میں تحریک ختم نبوت کے مجلس عمل کے ہمنوا رہے، مگر جب تحریک خلاف توقع شدت سے چل پڑی، اور دوسرے علماء کی طرح مودودی صاحب کو بھی گرفتار کر لیا گیا، تو انہوں نے عدالت میں یہ بیان دیا۔ یہ تحریک احرار نے اپنے اقتدار کے لئے چلائی تھی میں اس میں بالکل شریک نہیں تھا۔ میرے جن دو آدمیوں نے اس میں حصہ لیا تھا میں نے ان کو جماعت سے خارج کر دیا ہے۔ اس کے بعد ان کی وہ تحریریں بھی سامنے آئیں۔ جن میں انبیاء علیہم السلام صحابہ کرامؓ، اور اولیاء امت پر ایسی تنقیدیں کیں جن سے ان حضرات کی شان، ان کا تقویٰ، ان کا اخلاص، ان کی للہیت اور ان کی پاکیزہ زندگی داغدار ہوتی تھی۔ جیسے کہ خلافت و ملوکیت اور تفہیمات، تفہیم القرآن

وغیرہ میں یہ مواد موجود ہے۔ مودودی صاحب پر سب سے پہلے تنقید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمائی۔ پھر حضرت لاہوریؒ نے اس کے خلاف ایک کتاب لکھی، اسی طرح دوسرے علماء کرام نے بھی اس کے رد میں کتابیں لکھیں۔

مگر مودودی صاحب اور اس کی جماعت کے لوگ تحریر کے میدان کے بے تاج بادشاہ ہیں اور ذرائع ابلاغ پر آج بھی ان کا کافی حد تک قبضہ ہے۔ ان حالات میں جمعیت علماء اسلام نے عموماً اور مولانا ہزارویؒ نے خصوصاً مودودیت کو برسرِ میدان ایسے للکارا کہ دینی طبقہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کے خلاف ہو گیا۔ مودودیت مولانا کے تابڑ توڑ جملوں کی تاب نہ لاسکی اور مولانا کے ہر جلسہ میں شروفساد برپا کرتے نظر آتے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ مودودی انبیاء پر تنقید کرے یا صحابہ کرام پر یا حضرت عثمان غنیؓ، امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے حضرات کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنائے، تو مودودیوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، اور اگر میں اس کی غلطیوں اور گمراہیوں کو عوام کے سامنے پیش کروں تو ان کے چہروں پر شکنیں کیوں پڑتی ہیں۔ اگر مودودیوں کو مودودی صاحب عزیز ہیں تو ہمیں ان سے ہزار درجہ میں صحابہ کرامؓ اور مجددین امت عزیز ہیں۔

بہرحال مودودی کی انبیاء علیہم السلام، صحابہؓ، اور اولیاء و مجددین امت پر تنقید و تنقیص کی وجہ سے مولانا ہزاروی ان سے سخت بے زار، متنفر اور مخالف رہے۔ آخری چند سالوں کی تقاریر عموماً ان کے ہی خلاف ہوتیں، اور مودودی کی علمیت اور اس کی تحقیق اور تقویٰ پر بھرپور تنقید ہوتی۔ مودودیوں نے کرائے کے قاتلوں کے ذریعہ مولانا کو شہید کروانے کا پروگرام بنایا، مگر اللہ کی شان اس میں مولانا بال بال بچ گئے، اور اجرتی قاتل موقعہ پر گرفتار ہو کر اپنے انجام کو پہنچے۔ آخری دور میں مفتی محمود صاحبؒ اور مولانا ہزارویؒ کے اختلافات میں سے ایک بنیادی وجہ اختلاف کی یہ بھی تھی، کہ مفتی محمودؒ نے جمہوریت کے فروغ کے لئے جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا مولانا ہزارویؒ اس اتحاد کو ناپسند کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ جماعت بے وفا ہے، اس نے کسی سے وفا نہیں کی۔ ہمیشہ دوسروں کو اپنے مفاد میں استعمال کر کے الگ ہو جاتی ہے۔ مولانا ہزارویؒ کی سیاست دین کے تابع تھی، وہ سیاست کو دین کی سربلندی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ جس خطرہ کا اظہار مولانا نے کیا تھا، وہ خطرہ بعد کے حالات نے صحیح ثابت کر دکھایا۔

اس اتحاد سے پہلے مفتی صاحب سمیت تمام علماء کرام دیوبندی بریلوی، اور اہل حدیث نے بالاتفاق اس جماعت کی گمراہی کا فتویٰ دیا ہوا تھا اور عوام ان سے نفرت کرتے تھے اور ان کو مسجد کا امام بنانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ مگر مفتی صاحب کے اس اتحاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ میاں طفیل محمد نے ملک کے دیگر مقامات کے علاوہ شنکیاری اور ہری پور کے مقامات پر برملا یہ اعلان کیا، کہ مفتی صاحب کا ہمارے خلاف پہلے کا فتویٰ سیاسی تھا یعنی سیاسی چپقلش کی بنیاد پر یہ فتویٰ دیا تھا، ورنہ ہمارے عقائد اور افکار اور مفتی صاحب کے عقائد و افکار میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ مفتی صاحب کا اتحاد ملکی مفاد کی خاطر تھا جیسے کہ آج ملی یکجہتی کونسل میں سب شامل ہیں مگر مولانا ہزاروی وہ بالغ نظر شخصیت تھی، جس نے آخری دم تک مودودی فتنہ کا مقابلہ جاری رکھا اور اس کی گمراہی کو واضح کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے حوالہ کر دی، کسی قسم کی مصلحت اور حالات کی تلخی انہیں مودودیت کے ساتھ سمجھوتہ پر آمادہ نہ کر سکی۔ مولانا کے نزدیک ملکی مصلحت یا کوئی دنیاوی جمہوری مفاد نہیں تھا بلکہ وہ ہر چیز کو دینی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس سے خواہ کوئی اختلاف کرے یا اتفاق، حق یہ ہے کہ مولانا نے جس چیز کو حق جانا اس پر ڈٹ گئے اور جس کو غلط سمجھا اس سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا ہزارویؒ کی کرامات: حضرت مولانا ہزارویؒ کو عام طور سے لوگ ایک بلند پایہ عالم دین، ماہر سیاستدان، حکیم حاذق، سامراج دشمن، مجاہد ختم نبوت، وکیل صحابہؓ کے طور سے جانتے ہیں۔ مگر ان کی باطنی کیفیت، ان کے سوز و گداز، عشق ختم المرسلین ﷺ اور حب رب العالمین کے بلند مقام سے کماحقہ، آگاہ نہیں ہیں ان باطنی مقامات کے نتیجے میں بعض اوقات انسان سے عجیب وغریب حالات وواقعات ظاہر ہوتے ہیں انہیں شرعی اصطلاح میں کرامت، کرامات کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اصل کرامت استقامت فی الدین، اور خدمت دین ہے تاہم اس کے علاوہ بعض اولیاء کرام وصوفیاء عظام سے اس طرح کے خرق عادت حالات کا ظہور ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے دل ودماغ میں ان حضرات کی قدر و قیمت اور عزت وشرافت بڑھ جاتی ہے اور ان کے متعلق بارگاہ خداوندی میں قبولیت کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔ اس تمہید کے بعد یہ بات عرض کرنی ہے کہ حضرت مولانا ہزارویؒ بھی اپنے زمانہ کے ایک ولی کامل اور بلند پایہ بزرگ تھے اگرچہ ان کی ظاہری حالت اور سیاسی خدمت نے ان کی شخصیت کو اپنے رنگ میں چھپا رکھا تھا۔ اور عام نگاہ ان کو اس نظر سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ حضرت مولانا ہزارویؒ قطب وقت، غوث زمان حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب قدس سرہ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے مرید باصفا تھے اور سلوک کی منزلیں انہی کی زیر نگرانی طے کی تھیں۔ اس طرح وہ ارباب ظاہر اور اصحاب باطن کا حسین مرقع تھے۔ یہاں حضرت مولانا کی کچھ کرامتیں ذکر کرکے ان کی شخصیت اس حیثیت سے بھی متعارف کرانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

۱ - مادرزاد ولی: آپ حقیقت میں مادر زاد ولی تھے۔ ایک ثقہ روایت ہے کہ جب آپ شکم مادر میں تھے تو جو چیز آپ کے والد بزرگوار گھر سے باہر کھاتے، تو والدہ محترمہ بتا دیتی کہ آج آپ نے باہر یہ چیز کھائی ہے۔ یہ بات سن کر والد بزرگوار حیران رہ جاتے، اور پوچھتے تمہیں کیسے پتا چلا؟ کس نے بتایا؟ فرماتیں بس مجھے معلوم ہوگیا۔ مگر جب آپ کی پیدائش ہوگئی تو والدہ مرحومہ کی یہ کیفیت نہ رہی۔ والدہ محترمہ نے فرمایا یہ سب اس بچے کی کرامت تھی غالباً اسی مناسبت سے آپ کا نام غلام غوث رکھا گیا کہ بڑے ہوکر یہ بچہ غوث زمانہ ہوگا۔ اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ آپ کی یہ کشفی کیفیت جو شکم مادر میں تھی وہ آخر تک رہی۔ اس سلسلہ میں چند باتیں ذکر کرنی مناسب ہوں گی۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن: ۱ - حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے مقابلہ میں بھٹو مرحوم بھی ڈیرہ اسماعیل خان کے حلقہ سے امیدوار تھے۔ چونکہ وہ قومی قسم کے لیڈر تھے۔ تقریر کے فن سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ اور عوام پر اثر انداز ہونے کا گر بھی انہیں معلوم تھا۔ تاہم بہت سے دوستوں کو تشویش تھی کہ حضرت مفتی صاحبؒ کہیں شکست نہ کھا جائیں۔ بھٹو مرحوم کے جلسے جلوس کو دیکھ کر یہ تشویش بے جا نہ تھی۔ مگر حضرت مولانا ہزارویؒ نے ایک جلسہ عام میں یہ اعلان کرکے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

فرمایا: لوگو! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی کامیابی یقینی ہے اگر بھٹو مفتی صاحب کے مقابلہ میں ڈیرہ سے جیت گیا تو تم گواہ رہنا میں سیاست چھوڑ دوں گا۔ لوگوں کو تعجب ہوا، طرح طرح کی باتیں ہوئیں اور اس کو ایک الیکشن سٹنٹ سمجھا گیا مگر جب الیکشن کا نتیجہ آیا تو حضرت مفتی صاحب ۱۵ ہزار ووٹوں کی برتری سے جیت گئے اور بھٹو مرحوم کو حیرت انگیز شکست ہوئی۔ حالانکہ بھٹو مرحوم لاہور، ملتان اور لاڑکانہ سے جیت گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان! قلندر کی بات سچ نکلی۔

۲- جناب مودودی صاحب سے مولانا ہزارویؒ کو سخت اختلاف تھا اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ آپ ان کے کتنے مخالف تھے۔ اس کے جو نتائج ان کے سامنے تھے وہ ان سے تھرا جاتے تھے۔ اس لئے انہوں نے زندگی بھر مودودی اور اس کی جماعت کی تردید کی۔ اور ان کی طرف سے ہر تکلیف بلکہ قتل کی کوشش کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک بات مودودی صاحب کے بارہ میں اور ببانگ دھل جلسہ عام میں فرمائی اور کئی بار فرمائی۔ خود میں نے بھی سنی، اور ہزاروں لوگوں نے سنی آپ نے فرمایا: مودودی میری موت سے خوش نہ ہوں۔ میں انشاء اللہ مودودی کو مار کر مروں گا۔ اور یہ کہ مودودی امریکہ کا آدمی ہے اس کی موت بھی امریکہ میں ۱۹۷۹ء کو ہوگی۔ خدا کی شان مودودی صاحب ۲۲، ستمبر ۱۹۷۹ء امریکہ میں فوت ہوئے اور ان کی لاش کو پاکستان لاکر ان کے گھر دفن کیا گیا اور مولانا ہزارویؒ اس کے بعد ایک سال دوماہ تک زندہ رہے۔

۳- ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اسی فیصد سیٹیں جیت جائیگی۔ اس کیلئے بڑی زبردست منصوبہ بندی کی گئی تھی اور پروپیگنڈہ کی بھی حد کردی تھی اور پیپلز پارٹی کے خلاف ۱۱۳ علماء کرام سے فتویٰ جاری کرادیا تھا کہ یہ سوشلسٹ گمراہ، اور کافر پارٹی ہے۔ اس کو ووٹ دینا ناجائز وحرام ہے۔ بہت سے علماء کرام جماعت کے حق میں پیپلز پارٹی کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے۔ ان حالات میں مولانا ہزارویؒ نے اپنے کثف سے جلسہ عام میں اعلان کردیا کہ جماعت اسلامی کو پورے ملک سے صرف چار سیٹیں ملیں گی اور ہنستے ہوئے فرمایا اور جنازے کو اٹھانے کیلئے چار آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

لوگوں نے اس کو مذاق سمجھا، کسی نے مولانا کے بڑھاپے پر محمول کیا، کسی کو سخت غصہ آیا مگر جب نتیجہ نکلا تو مولانا کی بات حرف بحرف پوری ہوئی۔ جماعت اسلامی کو سندھ میں دو پنجاب اور سرحد میں ایک ایک سیٹ ملی، اور یوں جماعت اسلامی کا جنازہ اٹھانے کیلئے یہ تعداد پوری ہوگئی۔ (۱)

۴- ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جب سارے مرکزی راہنما اور لیڈر گرفتار ہوگئے تو آپ کو مرکزی قیادت کی طرف سے حکم ملا کہ پیچھے رہ کر کام کریں اور گرفتاری نہ دیں۔ مگر جب لاہور کے حالات حکومت کے قابو سے باہر ہوگئے اور تحریک کی طاقت ومقبولیت کے مظاہر سامنے آگئے تو حکومت نے قوم کے مطالبہ کو ماننے کے بجائے لاہور میں مارشل لاء نافذ کرکے اسے فوج کے حوالے کردیا۔ فوج نے چارج سنبھال کر یہ معلوم کیا کہ یہ تحریک ایسے پروگرام اور منظم طریقے سے کون چلا رہا ہے کہ مارشل لاء کے باوجود تحریک رکتی نہیں بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تو فوج کے افسروں کو معلوم ہوا کہ یہ ساری گرما گرمی مولانا ہزارویؒ اور ان کے چند رفقاء کار کے دم خم سے قائم ہے جب تک وہ گرفتار نہ ہوں تحریک دب نہیں سکتی، چنانچہ ان کی گرفتاری کیلئے متعدد جگہوں پر چھاپے مارے، مولانا کے رفقاء کار مولانا

---

(۱) میں نے ایک دفعہ حضرت مولاناؒ سے دفتر میں ملاقات کرکے پوچھا کہ الیکشن میں ہم کتنی سیٹیں جیتیں گے تو فرمایا سات آٹھ۔ میں نے کہا کہ پنجاب میں یا سرحد میں تو فرمایا کہ پنجاب کی سرزمین ایسی ہے کہ اس میں ہمیں ایک بھی سیٹ نہیں ملے گی البتہ سرحد بلوچستان سے ملیں گی۔ میں نے پوچھا، جماعت اسلامی کو، تو فرمایا۔ چار سے زیادہ نہیں ملیں گی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک بات یہ کہ حضرت مولانا ایام بیض کے اکثر روزے رکھتے تھے یہ ہرماہ قمری کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے ہوتے ہیں۔ گرمی ہو یا سردی ناغہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ میاں چنوں خیبر میل پر ایک بجے دوپہر اترے جون کا مہینہ تھا یہ ایام بیض تھے آپ کا روزہ تھا۔ یہ روزے نفلی ہیں فرض نہیں۔ باقی اپنے مشاہدات حیات مستعار میں لکھے ہیں۔ (ارشد)

عبد الستار نیازی وغیرہ تو گرفتار ہوگئے۔ مگر مولانا ہزارویؒ ان کے ہاتھ نہ لگے، چنانچہ فوج نے اعلان کردیا کہ مولانا ہزارویؒ جہاں ملیں گولی مادی جائے۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص مولانا ہزارویؒ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرائے گا ان کی گرفتاری میں مدد پہنچائے گا اسے دس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا اس اعلان کے بعد حالات سخت سے سخت تر ہوگئے مگر اس اللہ تعالیٰ کے بندے کو فوجی زعما بھی شکست نہ دے سکے۔ میں نے ایک دن ہمت کر کے حضرت مولانا مرحوم سے روپوشی کے حالات دریافت فرمائے۔ آپ نے فرمایا، کہ میں تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں جو کسی کو معلوم نہیں اور نہ کسی سے آج تک بیان کی ہے۔ فرمایا:۔

جب میں روپوش تھا، پولیس اور فوج میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی، مجھے اس وقت سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اپنی حالت سوچتا تھا کہ اگر گولی سے مارا جاتا ہوں تو یہ بزدلی کی موت ہوگی اور اگر گرفتاری کیلئے ظاہر ہوتا ہوں تو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ پریشانی تین دن تک رہی، تیسرے دن مجھے کچھ بین النوم والیقظہ، یعنی کچھ نیند اور کچھ بیداری کی حالت میں حضور خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ کی زیارت مبارک نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے آکر میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:۔

''مولوی غلام غوث تم نے میرے ناموس کیلئے قربانی دی ہے۔ پریشان مت ہو، کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ وناصر رہے گا''۔ جب میری آنکھ کھلی تو طبعیت میں زیارت نبوی ﷺ سے بشاشت کے ساتھ کامل اطمینان پیدا ہوگیا۔ پھر اس کے بعد بہت سی تکالیف آئیں مگر قطعاً پریشانی نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد ہی میں پولیس اور فوج کو جُل دے کر لاہور سے باہر چلا گیا۔ لاہور میں جب تک رہا ایسے اوقات بھی آئے کہ فوج اور پولیس والے میری امامت میں نماز پڑھتے رہے لیکن بشارت نبوی ﷺ اور حفاظت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ پہچان نہیں سکے۔ اُس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے کردار میں تائید الٰہی حاصل تھی اور یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔

۵۔ چونکہ آپ بڑے حاذق حکیم تھے۔ اور اس فن میں اکسیر سازی کی لت انسان کو پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نیک آدمی نے کیمیا کا نسخہ بتایا اور اس کی صحت پر بڑی قسمیں کھائیں۔ مولانا مرحوم نے اس کی بات کی صحت معلوم کرنے کیلئے چیزیں منگوائیں۔ اور اس کی بیان کردہ ترتیب کے ساتھ انہیں بنانا شروع کیا۔ رات کی تاریکی اور گھر کی تنہائی میں نسخہ سازی کا کام شروع کردیا۔ اسی رات مولانا کی اہلیہ محترمہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت شریف نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا: مولوی غلام غوث کو میرا اسلام کہو اور یہ کہو کہ جس کام میں تم لگے ہوئے ہو یہ بڑا خطرناک ہے۔ جب آنکھ کھلی تو اہلیہ محترمہ نے مولانا مرحوم کو آواز دی، جب آپ اندر تشریف لائے تو گھر میں ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے کسی نے عطر کی بوتل لاکر گرادی ہو۔ مولانا نے اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہ خوشبو کیسی ہے؟ اور تم نے مجھے کام سے کیوں نکالا ہے۔ کہا کہ میں نے ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مولوی صاحب کو میرا اسلام کہو اور یہ کہو کہ جس کام میں تم لگے ہوئے ہو یہ بڑا خطرناک ہے۔ چنانچہ مولاناؒ نے اسی وقت اس کام کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا جس چیز کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خطرناک قرار دیا ہو اس میں کبھی خیر نہیں ہوسکتی۔ صبح کو وہ سارا سامان دوسرے لوگوں کو دے دیا۔ اہلیہ محترمہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی جس سے حضور نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، کہا کہ ایک شخص نے قسمیں کھا کر مجھے

اکسیر کا نسخہ بتایا تھا اور میں اسے بنانا چاہتا تھا مگر حضور نبی کریم ﷺ کے منع کرنے پر میں نے چھوڑ دیا۔

۶- ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت مولانا کے مالی حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے، پھر رمضان المبارک کا مہینہ آگیا۔ پہلا روزہ تو اسی طرح اہل وعیال سمیت بھوکے پیٹ رکھ دیا۔ صبح کو طبیعت پر بوجھ تھا فرمایا کبھی خیال آتا کہ کسی سے قرض لے لوں، مگر جس کا خیال کرتے طبیعت کچھ کھنے کو نہ چاہتی، غرض اس طرح دوسرا روزہ بھی گزر گیا، مگر تیسرا دن نہایت سخت تھا اور حالات اختیار سے باہر ہو رہے تھے کہ قطب زماں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی فرمایا: مولوی احمد علی تم سوئے ہوئے ہو اور مولوی غلام غوث کے گھر میں فاقہ ہے۔ جلد اس کی مدد کرو، چنانچہ حضرت لاہوریؒ اٹھے اور ایک آدمی کو ۱۰۰ روپے دے کر روانہ فرمایا۔ اور رقعہ لکھ کر دیا کہ ان کو واپس نہ کردیں یہ حضور نبی کریم ﷺ کا حکم ہے۔ بعد میں اور رقم بھیجی جائیگی۔ چنانچہ تیسرے روزے کا افطار اس رقم سے ہوا۔ رمضان المبارک کے بعد جب مولانا ہزارویؒ کی ملاقات حضرت اقدس لاہوریؒ سے ہوئی تو خلوت میں لے جاکر یہ سارا واقعہ مولاناؒ کو سنایا۔ اس کو سن کر مولانا زار و قطار رونے لگے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ پروردگار میں تیرا کتنا گناہ گار اور سیاہ کار اور تیری رحمت وشفقت اتنی بے کنارو بے شمار۔ اس قسم کے واقعات اور بھی کئی ایک ہیں مگر فی الحال اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ والحمد للہ۔

حج مبارک اور بیرونی دورے: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں مولانا مرحوم کو معہ اہلیہ محترمہ کے حج کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ نے پہلا حج ادا کیا۔ بعد میں بھی آپ کو یہ سعادت ملتی رہی اور آپ نے پانچ حج ادا کئے، اور کئی عمرے۔ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کے بڑے شکر گزار تھے۔ یہاں بھی حج کے موقعہ پر آپ کو اپنی جرأت قلندرانہ کے اظہار کا اہم موقع ہاتھ آیا اور آپ نے اپنی بے مثال جرأت وبسالت کا اظہار فرما کر دنیاء اسلام کے مسلمانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ہوا یوں کہ ماہ ذوالحج کا چاند بہت سے لوگوں نے جمعرات کی رات کو دیکھ لیا تھا۔ جس کے مطابق عرفہ کا دن یعنی یوم الحج جمعۃ المبارک کو آتا تھا۔ مگر سعودی حکومت نے کسی مصلحت یا غلط اطلاع کی بنا پر اعلان کردیا کہ حج ہفتہ کے دن ہوگا۔ حضرت مولاناؒ کو دوستوں نے اس طرف متوجہ کیا کہ سعودی حکومت نے اعلان کردیا ہے کہ حج ہفتہ کو ہوگا۔ آپ کو یہ بات سن کر بڑا رنج ہوا اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ مگر عجیب بات ہوئی، اور حیرت کی انتہا ہوگئی کہ مولانا نماز عصر کے بعد کھڑے ہوگئے۔ عربی، اردو اور پشتو زبان میں ایک مختصر، جامع مگر پر مغز اور پر اثر تقریر فرمائی۔ آپؒ نے فرمایا:-

> دوستو! اسلامی عبادات کے ایام کا دارومدار چاند دیکھنے پر ہے۔ کسی کیلنڈر، جنتری یا شاہی حکم کے تحت نہیں ہے۔ چونکہ بہت سے مسلمانوں نے جمعرات کی رات چاند دیکھا ہے۔ اس لئے شرعی حکم کے مطابق حج کا دن (یوم عرفہ) جمعہ کو آتا ہے، لہذا ہم حج جمعہ کے دن ہی کریں گے۔ حجاج کی قیادت میں خود کروں گا۔ جو مسلمان میرے ساتھ متفق ہیں ہاتھ کھڑا کریں۔ حرم شریف کے سارے مجمع نے ہاتھ کھڑے کرکے آپ کی تائید کردی۔ اس اعلان نے مکۃ المکرمہ میں ایک تہلکہ مچادیا۔ چنانچہ سعودی حکومت کو اپنا پہلا اعلان منسوخ کرنا پڑا۔ اور گیارہ بجے کے قریب نیا اعلان کیا کہ حج جمعۃ المبارک کو ہوگا۔ سب حجاج کرام مطمئن رہیں۔ کسی قسم کی پریشانی نہ کریں۔ یہ اعلان سن کر سب حجاج کرام حضرت مولانا کے شکر گزار ہوئے اور رو رو کر دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

۲- جامعہ ازہر مصر میں: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر کے جشن ہزار سالہ کے سلسلہ میں حکومت مصر کی دعوت پر موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شریک ہو کر علماء عالم کو آپ نے خطاب کیا۔ اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ اس اجلاس میں دنیا بھر کے فضلاء کرام اور علماء عظام شریک تھے۔ مختلف موضوعات پر مقالے پیش ہوتے رہے۔ ان پر تنقید اور سوالات وجوابات ہوتے رہے۔ ان موضوعات میں ایک موضوع یہ تھا کہ قرونِ اولیٰ کے بعد آج اسلام کی ترقی کیوں رک گئی ہے؟ اس موضوع پر ایک سوڈانی فاضل نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

چونکہ اسلام غلامی کی اجازت دیتا ہے، اور موجودہ دنیا اس سے نفرت کرتی ہے۔ اس لئے اسلام کی ترقی مسئلہ غلامی کی وجہ سے رک گئی ہے۔ مولانا مرحوم کھڑے ہوگئے فرمایا۔ صاحب صدر: مجھے فاضل مقالہ نگار کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ اس نے بہت سی غلط باتیں کہہ کر اسلام کو دور حاضر میں مطعون کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں مقالہ نگار کی غلط باتوں کی وضاحت کرکے ان کا رد کر سکوں۔ صدر اجلاس نے آپ کو اگلے دن کا موقعہ دے دیا۔ آپ نے مقالہ نگار کی ہفوات کا ایسا مدلل ردّ عربی زبان میں پیش کیا کہ سارے مجمع سے مرحبا۔ مرحبا اور احسنت کی صدائیں آنے لگیں اور آپ کی اس حق گوئی، حاضر جوابی، اور تاریخی وحدیثی استدال کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس اجلاس میں محدث اعظم حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، فقیہہ اعظم مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا تاج الدین ڈھاکہ بھی شریک تھے۔ حضرت بنوریؒ جب کراچی پہنچے تو رفقاء نے ان کے اعزاز میں مجلس استقبالیہ کا اہتمام فرمایا۔ آپ نے اس مجلس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

اس سے پہلے میں مولانا غلام غوث ہزاروی کو ایک خطیب اور سیاست دان ہی سمجھتا تھا مگر ان کی جامعہ ازہر کی تقریر کو سن کر مجھے ان کی تاریخ دانی اور حدیث فہمی پر بڑا تعجب ہوا اور رشک آیا جس شخص نے ساری زندگی سیاست کے نذر کی ہے اس کے تاریخی اور حدیثی معلومات اتنے وسیع اور گہرے ہیں کہ مجھے حیرت ہوئی ہے۔ آپ کے اس عربی مقالہ کا اردو ترجمہ قاضی شمس الدینؒ کی قلم سے مختلف رسائل واخبارات میں چھپ چکا ہے۔ ترجمہ پڑھ کر مولانا مرحوم کی علمی گہرائی، تاریخی اور فقہی بصیرت کو نہ صرف تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کی داد دینی پڑتی ہے۔

مولانا ہزارویؒ قومی اسمبلی: ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر ضلع مانسہرہ سے کامیاب ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے دوسری خدمات کے علاوہ جو سب سے بڑی اور تاریخی خدمت سرانجام دی وہ بھٹو حکومت سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا ہے۔ اس میں سب ہی علماء کرام، ممبران عظام، اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ارکان وزعماء کی خدمات شامل ہیں اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ سب نے اپنی اپنی توفیق اور بساط کے مطابق اس مسئلے کے حل کرنے میں اپنا وزن ڈال کر عاقبت سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ مگر میرے خیال میں، جہاں تک میری معلومات ہیں سب سے بڑی بنیادی اور مؤثر کوشش مولانا ہزارویؒ کی ہے۔ آپ نے تحریک چلنے سے بہت پہلے ہی بھٹو مرحوم کی ذہن سازی شروع کردی تھی۔ اور اکثر ملاقاتوں میں اس کو مرزائی حرکات مقاصد اور پروگرام سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ائیر مارشل چوہدری ظفر کو ہٹانے سے پہلے بھٹو مرحوم نے آپ سے مشورہ کیا بھٹو مرحوم اس کے علیحدہ کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ مگر مولاناؒ نے فرمایا: اس کو دفع کرو۔

علیحدہ کردو، کیوں سانپ پالتے ہو۔ یہ نہ آپ کے نہ کسی اور کے وفادار ہیں۔ یہ صرف اور صرف قادیانی خلیفہ اور اس کی ریاست کے وفادار ہیں۔ چنانچہ مسٹر بھٹو مرحوم نے ہمت اور جرأت سے کام لے کر ۱۵، اپریل ۷۴ء میں اس کو علیحدہ کردیا۔ اس اقدام سے ملک میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مجاہد ختم نبوت شورش کاشمیریؒ نے چٹان میں اداریہ لکھا:-

ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد۔

ظفر چوہدری کی علیحدگی۔

آج ۱۶ اپریل کو لاہور کے کوچہ وبازار میں بے شمار ٹکڑیوں کی زبان پر ایک ہی کلمہ استحسان تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد: سبب کیا تھا کہ پاک فضائیہ کے چیف آف سٹاف مدیر ایئر مارشل ظفر اے چوہدری خاندانی اعتبار سے غالی قسم کے قادیانی ہیں۔ اور اپنے موجودہ منصب کو خلیفہ ربوہ ناصر احمد مالہ وماعلیہ کے اشاروں پر استعمال کرتے تھے۔ ۱۵ اپریل کو سبکدوش کردئے گئے۔۔۔۔۔

پھر آگے جاکر تحریر کرتے ہیں:-

مسٹر بھٹو مبارک باد کے واقعی مستحق ہیں کہ انہوں نے اسلام کے دل کا کانٹا نکال دیا ہے۔ مسٹر بھٹو مستحق داد ہیں کہ انہوں نے پچھلے سیاست دانوں کی اس کمزوری کا ازالہ کردیا کہ وہ عسکریت سے خوفزدہ رہتے تھے۔

(چٹان لاہور۔ ۲۲ اپریل ۷۴ء ۱۹ء بحوالہ تحریک ختم نبوت ج ۱، ص ۸۱۶)

۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو سانحہ ربوہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں اینٹی قادیانی تحریک چل پڑی اور پھر یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں زیر بحث آگیا۔ بھٹو مرحوم نے وزیر اعلیٰ پنجاب کو حکم دیا کہ سانحہ ربوہ کی تحقیق کیلئے ہائی کورٹ کا کوئی جج مقرر کیا جانے اور اس کی رپورٹ جتنی جلد ہوسکے مرکزی کابینہ کو پیش کی جائے۔ دوسری طرف اسمبلی میں ایک قرار داد اپوزیشن نے پیش کی، ایک مولانا ہزارویؒ اور ان کے ہم خیال علماء کرام ممبران اسمبلی نے پیش کی اور ایک قرار داد حکومت کی طرف قانونی نقاط کو پیش نظر رکھ کر پیش کی گئی۔ ان سب قرار دادوں میں ایک بات مشترک تھی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ جیسا کہ ملک کے عوام کا دیرینہ مطالبہ ہے۔ مسٹر بھٹو مرحوم نے اس موقعہ پر جو مناسب اقدامات کئے ان میں ایک اقدام یہ بھی ہے کہ مرزائی خلیفہ کو مکمل صفائی پیش کرنے کا موقعہ دیا انہیں کسی قسم کا عذر پیش کرنے کا نہیں چھوڑا۔ ان کی ساری منطق ختم کردی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم سے پوچھا نہیں گیا۔ ہمیں بولنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ چنانچہ مسٹر بھٹو مرحوم نے انہیں تحریری حکم دیا کہ اسمبلی میں آکر ممبران اسمبلی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرو عقیدہ ختم نبوت کے بارہ میں انہیں اعتماد میں لو، اور ان لوگوں کو جس قسم کے اعتراضات تم پر ہیں ان کے صحیح جوابات دے کر ان کو مطمئن کرو۔ ورنہ اسمبلی جو فیصلہ بھی کرے گی میں اس کو منظور کروں گا۔ اس حکم کے نتیجہ میں مرزا ناصر احمد نے اپنے پرانے اور گھاگ قسم کے قادیانی قلم کاروں اور قانون دانوں سے ملکر ایک مقالہ بنام "محضر نامہ" تیار کیا۔ یہ مقالہ اس نے اسمبلی میں مختلف سیشنوں میں نو گھنٹے میں پڑھ کر سنایا۔ اس میں اس نے کئی ایک پوائنٹ رکھے جن میں بعض بہت حساس تھے۔ (۱) کوئی اسمبلی یا عدالت کسی فرقے کے ایمان اور کفر کا فیصلہ نہیں کرسکتی۔ (۲) آزادی فکر رائے کی دنیا کے ہر آئین میں اجازت موجود ہے۔ (۳) اگر اسمبلی نے ہمارے خلاف

فیصلہ دیا تو ہم اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ (۴) ہم بھی ایک مسلمان فرقہ ہیں۔ (۵) ختم نبوت اور حیات عیسیٰ علیہ السلام پر اس تشریح کے ساتھ ہمارا ایمان ہے (۶) علماء اگر ہمیں کافر کہتے ہیں تو یہ ایک دوسرے کو بھی کافر کہتے رہتے ہیں۔ (۷) ملک اور بیرون ملک ہماری تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے وغیرہ۔

مرزا ناصر کے محضر نامہ کا جواب:۔ اس کے جواب میں ایک محضر نامہ اپوزیشن نے بعنوان "ملت اسلامیہ کا موقف" پیش کیا جسے حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اسمبلی میں پڑھ کر سنایا۔ مگر مولانا ہزاروی کی رائے میں اس میں مرزا آنجہانی کی ساری کتھا تھی مگر ان پوائنٹس کا جواب نہ تھا جو مرزا ناصر نے اپنے محضر نامہ میں اٹھائے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کہیں ہم اس کمزوری کی وجہ سے جیتا ہوا مقدمہ ہار نہ جائیں۔ کیونکہ یہاں پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ قانون دان بھی ہیں اور ہر چھوٹی بڑی بات پر ان کی نظر فوراً پہنچ جاتی ہے۔ تو انہوں نے اس خامی کو محسوس کرتے ہوئے پیرانہ سالی، ضعف ونقاہت اور بیماری کے باوجود اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مرزا ناصر کے محضر نامہ کا جواب لکھنا شروع کیا۔ اور بارہ تیرہ دنوں میں مکمل کر کے اپنے خرچہ پر چھپوا کر ممبران اسمبلی میں تقسیم کر دیا۔ پھر مولانا عبد الحکیم صاحب نے اسے مختلف نشستوں میں ۸ گھنٹوں میں پڑھ کر سنایا اور مرزائیوں کے دونوں گروپوں (لاہوری اور قادیانی) کیلئے علیحدہ، علیحدہ جواب لکھ کر پیش کئے۔ اس دوران نہ رات کو نیند کی اور نہ دن کو آرام فرمایا۔ کتابیں ڈھونڈتے، حوالے تلاش کرتے اور لکھتے رہتے۔ نہ جان کی پرواہ، نہ کھانے کی پرواہ، کھانا آتا تو ٹھنڈا ہو جاتا۔ چائے آتی باسی ہو جاتی۔ مگر اس مرد مجاہد اور وکیل ختم نبوت کو کبھی خیال تک نہ آتا۔ سب طرف سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن اپنے کام میں مصروف رہتے۔ کبھی کبھی مولانا عبد الحکیم صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب یا حافظ حنیف صاحب سہارنپوری تشریف لے آتے تو حوالے تلاش کرنے میں مدد فرماتے۔ مولانا کو ان کے اکثر حوالے یاد تھے مگر چاہتے تھے کہ کتاب کی عبارت، اس کے نام، اور صفحہ نمبر میں فرق نہ آنے پائے۔ تاکہ مرزائی جماعت کو کسی قسم کے اعتراض کا موقعہ نہ مل سکے۔ یہ خدمت آپ نے ایسے اخلاص، تدبر، اور ذہانت وفطانت سے سر انجام دی کہ سب علماء حضرات وممبران قومی اسمبلی کو ان کی علمی برتری کا اعتراف کرنا پڑا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک رقم طراز ہیں:۔

> قادیانی مسئلہ اسمبلی کے سامنے آیا، تو پوری حزب اختلاف نے متفقہ طور پر "ملت اسلامیہ کا موقف" کے نام سے بیان مرتب کیا۔ جسے حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہ نے کئی نشستوں میں پڑھ کر سنایا۔ جس کا آدھا حصہ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے قلمبند کیا اور آدھے حصے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو دی۔ حضرت مولانا ہزارویؒ ظاہر ہے کہ حزب اختلاف کی طرف سے پیش کئے جانے والے اس بیان پر دستخط نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا مزاج ہی اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر انہوں نے سکوت ولاتعلقی بھی اختیار نہیں کی بلکہ محضر نامہ کے نام سے ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ایک طویل مدلل اور محققانہ مقالہ قلمبند کرا کر شائع کیا اور پھر اسے ارکان اسمبلی میں تقسیم کیا۔ یہ کام آٹھ دس دن میں ہی کرنے کا تھا ۔ہمارے ساتھ تو پوری ٹیم اور جماعت تھی۔ جس نے کتابت وطباعت کا یہ معرکہ سر کیا۔ مگر مولانا مرحوم نے بالکل اکیلئے ہی یہ ہفت خواں سر کیا۔ کتنے مصائب جھیلے ہونگے۔ پروف بھی خود ہی دیکھا۔ پریس کے چکر بھی اس زار و نحیف بوڑھے سپاہی نے اکیلے کاٹے۔ (الحق ص ۹ بابت ماہ فروری ۱۹۸۱ء)۔

پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مرزا ناصر پر جرح کیلئے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کو ۲۲۲ سوالات لکھ کر دیئے کہ ان کا جواب مرزا ناصر سے طلب کریں۔ حالانکہ دوسرے ممبروں سے کسی نے دو سوال دئے، کسی نے چار کسی نے چھ اور کسی نے زیادہ سے زیادہ آٹھ سوال دئے۔ اور بعض ممبروں نے تو کچھ بھی نہیں دیا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ قادیانیت کے ظاہر و باطن، اس کے مکرو فریب اور شر وفساد کی تاریخ سے اس قدر آگاہ تھے کہ اس پر مزید کسی قسم کا اضافہ ممکن ہی نہیں تھا۔ اس جدوجہد کے علاوہ آپ نے کئی بار مسٹر بھٹو مرحوم سے بھی بات چیت کی، اور اسے اسمبلی کے فیصلہ پر آمادہ کیا۔ بھٹو مرحوم ہی کے دعوت پر اس کی موجودگی میں قادیانیت اور ختم نبوت کے موضوع پر نصرت بھٹو سے بات کی اور اسے صحیح طریقہ سے مسئلہ سمجھایا، اور اس کے شکوک وشبہات کو دور کیا اسے اس فیصلے پر قائل کیا۔ اسی طرح وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ اور جنرل ٹکا خان چیف آف دی آرمی سٹاف سے ملاقاتیں کرکے انہیں فیصلہ پر آمادہ کیا۔ جن ممبروں کے بارے میں شک تھا ان سے ملاقات کرکے ان کو بھی تیار کیا۔ غرض ختم نبوت کی یہ سفارتی اور فہمائشی مہم بھی بڑے اعلیٰ طریقہ سے سر کی۔ اور ختم نبوت کے اس بوڑھے جرنیل مگر دل کے نوجوان وکیل نے ہر طرح سے کوشش کی اور ختم نبوت کا یہ مقدمہ کامیابی سے لڑکر اپنی فدائیت ختم نبوت کا ایک ٹھوس اور ناقابل فراموش ثبوت مہیا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)۔

جمعیت علماء اسلام میں شرکت: ملک کی دینی اور سیاسی حالات کی ابتری کو دیکھ کر علماء کرام کو احساس ہوا کہ ایک ایسی تنظیم پھر سے قائم کی جائے جو ملک کی بے لوث دینی اور سیاسی راہنمائی وقت کے تقاضوں کے مطابق کرسکے۔ اور اس کے سامنے محض اقتدار کا حصول اور تحفظ نہ ہو، اور ملک میں جو لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے اس کا تدارک اچھی طرح سے ہوسکے۔ اس مقصد کیلئے ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں ملتان میں سرکردہ علماء کرام کا ایک اجتماع زیر صدارت حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ منعقد ہوا۔ سب نے اس مقصد سے اتفاق کرتے ہوئے جمعیت علماء اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا فیصلہ کیا۔ اس جماعت کی بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے کلکتہ میں رکھی تھی، اور علماء کرام کی اسی جماعت نے تقسیم ہند اور نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت کی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد اس کی سرگرمیاں ماند پڑگئی تھیں، اور صرف کاغذی سطح تک اس کا نام اور وجود باقی تھا۔ جو بوقت ضرورت استعمال کرلیا جاتا تھا۔ صرف حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اس کے روح رواں رہ گئے تھے۔ اور دوسرے اکابر یا فوت ہوگئے تھے یا ان کی دلچسپی ختم ہوگئی تھی۔ چونکہ دینی مقاصد کی تکمیل اور ملکی مصالح کی تحصیل کیلئے جو پروگرام اور طریقہ کار حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے وضع کیا تھا۔ اس کے مطابق کام کرنے کی اب سخت ضرورت تھی۔ اس لئے ان علماء کرام نے جن میں اکثریت شیخ الاسلام کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگردوں کی تھی۔ اس جماعت کو نئے سرے سے زندہ کرنے، متحرک اور فعال بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کی امارت وصدارت کیلئے ولی کامل حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ کو منتخب کیا۔ مگر شیخ التفسیرؒ نے اپنی امارت کو مولانا ہزارویؒ کی نظامت سے مشروط کردیا اور فرمایا، کہ میں امارت کا عہدہ تب قبول کروں گا جب مولانا غلام غوث کو ناظم اعلیٰ بنایا جائے۔ چنانچہ سب بزرگوں نے بڑی منت وسماجت کرکے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو اس عہدہ کے قبول کرنے پر آمادہ فرمایا اسی طرح باقی عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور علماء کرام کی یہ سیاسی تنظیم ملک وملت کی راہنمائی کیلئے میدان عمل میں سرگرم ہوگئی۔

جماعت سازی اور جمعیت سازی میں مولانا کا کردار، اور ان کی محنت کا ثمر: مولانا ہزارویؒ ایک متحرک وفعال لیڈر اور سلجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ سیاست ان کی فطرت میں رچی بسی تھی۔ وہ جماعت سازی کے گُرسے واقف تھے، اور سیاست کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ جمعیت کو عوامی جماعت بنانے میں ان کا بہت بڑا اور ناقابل فراموش کردار ہے۔ جماعت سازی کی رابطہ مہم کی خاطر نہ صرف شہروں اور قصبوں میں بلکہ دیہات تک میں گئے۔ اور اس میں کسی قسم کا شرم وعار محسوس نہیں کیا۔ دراصل انہیں جماعت بنانا، کارکن پیدا کرنا، اور ان سے کام لینے کا سلیقہ آتا تھا۔ وہ اپنے کارکنوں کو کام کرنے، مرکز کے ساتھ رابطہ رکھنے اور اس سے راہنمائی حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتاتے، اور ہر قسم کے حالات میں سیاسی اور دینی کام کرنے کا فن بھی سکھاتے، وہ کارکنوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتے، ان کی خوبیوں پر نظر رکھتے، ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے، اور ان کو ہر طرح حوصلہ دیتے، اور اس کے ساتھ ان میں پدرانہ شفقت، اور بزرگانہ محبت بھی تھی۔ ان کی زندگی بالکل سادہ تھی۔ کسی قسم کا کوئی کروفر ان میں نہ تھا اور پھر اپنے مقاصد کے ساتھ بے حد لگاؤ تھا۔ وہ جو کام بھی کرتے بڑے عزم اور پورے وثوق کے ساتھ کرتے تھے، غرض ایک طرف حضرت شیخ التفسیر کی پرخلوص دعائیں اور توجہات تھیں اور دوسری طرف مولانا ہزاروی کی شب وروز کی انتھک محنت اور مثالی کوشش تھی کہ تھوڑے سے عرصہ میں ملک بھر میں جمعیت کی تین ہزار سے زائد شاخیں قائم ہوگئیں، اور ملک میں جمعیت کی ایک ایسی سیاسی فضا پیدا ہوگئی کہ ملکی اور غیر ملکی پریس اخبارات ورسائل ان کے بیانات اور خیالات کو لکھنے اور چھاپنے پر مجبور ہوگئے۔

جمعیت کی روائیداد مورخہ ۸/۷، اگست ۱۹۶۷ء بمقام ملتان۔ بتاتی ہے کہ پندرہ ماہ کے مختصر عرصہ میں جمعیت کے راہنماؤں نے ملک میں پانچ ہزار جلسے کئے۔ جس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے، کہ جمعیت علماء اسلام نے کراچی سے پشاور تک ہر ہر ضلع میں شاخیں قائم کی ہیں اور اب یہ سلسلہ عرصہ دو سال سے مشرقی پاکستان تک پھیل گیا ہے اور اسی تنظیم کی برکت ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے ارکان اور عہدہ داروں نے سارے ملک میں طوفانی دورے کرکے اپنی بے بضاعتی کے باوجود تمام فتنوں اور بے دینوں کے خلاف سارے ملک میں تبلیغی فرائض انجام دینے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

۱- حضرت مولانا درخواستی صاحب نے پانچ سو دورے۔

۲- احقر غلام غوث نے چار سو دورے۔

۳- حضرت مفتی محمود صاحب نے دو سو دورے۔

۴- حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب پچاس دورے۔

۵- حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چار سو دورے۔

۶- قاضی عبد اللطیف صاحب چار سو دورے۔

۷- حضرت مولانا اجمل خان صاحب ڈیڑھ سو دورے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخ التفسیر کی وفات: جب جمعیت ایک قوت بن کر ابھری اور ملک میں اس کا ایک اچھا خاصا اثر قائم ہوگیا۔ تو دینی اقدار کے منکروں کیلئے یہ جماعت ایک مصیبت بن گئی، اور ان کی نیندیں اڑ گئیں کہ یہ بوریا نشین کہاں سے ہمیں دبانے اور شرمانے کیلئے میدان سیاست میں آگئے ہیں۔ جمعیت حضرت کی دعاؤں کی بدولت ایک شمشیر براں تھی جو کہ ان اسلام دشمنوں کے سر پر ہروقت لٹکی ہوئی تھی۔ مگر شومیٔ قسمت جلد ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء میں حضرت لاہوری کی وفات ہوگئی اور یہ جماعت ان کی دعاؤں سے محروم ہوکر یتیم ہوگئی۔ اور اب جماعت کی نظر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ درخواستی پر پڑی اور انہیں جمعیت کا امیر بنا کر ملک میں دینی اور سیاسی کام کو جاری رکھا۔

مارشل لاء کا نفاذ۔ جمعیت پر پابندی: ملک کی سیاسی بدنظمی اور معاشی ابتری سے فائدہ اٹھا کر گورنر جنرل سکندر مرزا نے سیاسی کھیل کھیلا اور اپنے مخالفین کو دبانے اور بے اثر کرنے کیلئے ملک میں مارشل لاء کا اعلان کردیا۔ اور بری فوج کے کمانڈر انچیف کو مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر مقرر کردیا۔ مگر ایک میان میں دو تلواریں کب تک سما سکتی تھیں۔ کچھ دنوں بعد ایوب خان نے سکندر مرزا سے زبردستی استعفیٰ لے کر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ سب سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون دے کر ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی۔ اور تمام پارٹیوں کے دفتر سربمہر کردئے۔ بلکہ اخباری بیان جاری کرنے پر بھی پابندی عائد کردی چونکہ جمیعت علماء اسلام بھی ایک سیاسی جماعت تھی۔ اس لئے اس کو بھی مارشل لاء کے زیر عتاب آنے اور اس کے ظلم وتشدد کا نشانہ بننا پڑا اور اس کی جملہ سرگرمیوں پر بھی پابندی عائد کردی گئی۔

نظام العلماء اور مولانا ہزاروی کی سیاسی بصیرت: مولانا نے ایسے مشکل ترین وقت میں جبکہ سارے سیاسی لیڈر گھروں میں گم سم پڑے اور بستروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ عجیب سیاسی تدبر کا مظاہرہ کیا کہ اپنی جماعت کا نام بدل کر "نظام العلماء" رکھ دیا۔ اور اپنی ساری سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کو اسی جوش وخروش سے جاری رکھا۔ اس وقت پورے پاکستان میں یہ واحد جماعت تھی جو اپنے پروگرام کے مطابق اپنا کام سرانجام رکھے ہوئے تھی۔ مولانا اب نظام العلماء کے ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے لکھتے اور کہتے رہے۔ ان تک حکومت کی جوبات اسلامی نظام، یا اسلامی اقدار کے خلاف پہنچتی یا غریبوں، مزدوروں، کسانوں، یا طلباء پر ظلم وستم اور تشدد کے واقعات کو سنتے تو تڑپ جاتے، اور بڑی جرأت اور فراست کے ساتھ حکومت کو ٹوکتے اور اس کی گوشمالی کرتے، مگر انداز تحریر عجیب ہوتا۔ تنقید کا عنوان مشورہ رکھ دیا تھا۔ اور اس کے تحت ایسی سخت باتیں لکھتے کہ ایوب خان اور اس کے حواری دانت پیس کر رہ جاتے، اور بعض باتیں سن کر پسینہ پسینہ ہوجاتے۔ مگر تحریر کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ کسی قانونی گرفت میں نہیں آتے تھے۔

عائلی قوانین اور جمعیت علماء اسلام: صدر ایوب خان میں اگرچہ بہت سی خوبیاں تھیں اور اس نے کافی حد تک ملک کی اچھی خدمت کی ہے مگر بعض خامیاں آج بھی کھٹکتی ہیں اور ان کے تحریر کرنے پر انسان مجبور ہوجاتا ہے۔ ان میں سے ایک خامی یہ تھی کہ مرزائی جماعت کے سرکردہ افراد کو ان کا قرب حاصل تھا، اور وہ ان پر غیر ضروری حد تک اعتماد کرتے تھے۔ اور اسی طرح کچھ الحاد پسند، اور منکرین

حدیث قسم کے لوگوں نے اس کو زیر اثر کر رکھا تھا۔ اور یہ ان سب کے گھیرے میں گرفتار تھے۔ انہی بد عقیدہ، اور ملحد لوگوں کے زیر اثر اس نے بہت سے غلط کام بھی کئے ہیں۔ بدنامی بھی ہوگئی اور مخالفت کی بنیاد بھی پڑی۔ ان میں سے ایک عائلی قوانین کا نفاذ بھی ہے۔ یہ قوانین ایک ایسی کمیٹی نے تیار کئے تھے جس میں ملحدوں اور منکرین حدیث قسم کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ پچھلی عوامی حکومت عوام اور علماء کے دباؤ کے زیر اثر ان کو نافذ نہ کر سکی۔ مگر ایوب خان نے مارشل لاء سے فائدہ اٹھا کر انہیں ردی کی ٹوکری سے نکال کر نافذ کر دیا۔ چونکہ یہ قوانین سراسر قران وسنت کے خلاف ہیں اس لئے علماء اسلام نے مارشل لاء کے خوف سے بے نیاز ہو کر ان کی مخالفت کی۔

مولانا ہزارویؒ کا کارنامہ اور نظر بندی: مولانا ہزارویؒ نے ان قوانین کی تردید کیلئے نظام العلماء کے پلیٹ فارم سے لاہور میں ایک کنونشن منعقد کیا۔ ملک بھر کے سیکڑوں علماء اور اولیاء اس میں شریک ہوئے علماء کرام نے ان قوانین کے خلاف بڑی سخت تقریریں کیں۔ اور اس کو مداخلت فی الدین قرار دیا۔ اس کنونشن میں ۸۰ سے زائد جید اور مستند علماء کرام سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ سب نے علی الاعلان اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کیا۔ مگر حکومت ان علماء کرام کو کسی طرح دبا نہ سکی۔ اور اس نے صرف نظر کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ تاہم اس کامیاب کنونشن منعقد کرانے پر حضرت مولانا ہزارویؒ کو چھ ماہ کیلئے لاہور میں نظر بند کر دیا اور آپ کی نقل وحرکت پر پابندی لگا کر نگرانی شروع کر دی۔ اور اسی نظر بندی کی وجہ سے آپ اپنے عظیم راہنما امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ نور اللہ مرقدہ کے جنازے میں بھی شرکت نہ کر سکے۔ جس کا آپ کو سخت صدمہ اور افسوس ہوا۔ خود قمطراز ہیں:۔

> میں لاہور سے باہر بغیر ایس۔ ایس۔ پی کی اجازت کے نہیں جاسکتا تھا۔ اس دن دفاتر بند ہو چکے تھے۔ ۲۲ اگست کو ۹ بجے میل پر جانے کیلئے بروقت اجازت کی امید نہ تھی۔ پہلے تو یوں بھی امید نہ تھی اگر دیتے بھی تو وہ اجازت بعد از وقت ہوتی۔ میں منٹگمری کی تاریخ بھگتنے کیلئے اجازت لینے جاتا ہوں (کیونکہ) یہاں مستقل طور پر ایک تاریخ بھگتنی پڑتی ہے۔ ایس۔ ایس۔ پی جب میٹنگ سے آتے ہیں تب دستخط فرماتے ہیں۔ پھر ٹائپ کر کے تحریری اجازت نامہ عنایت کرتے ہیں (بس) مقدر یہی تھا کہ میں دوہری مصیبت اٹھاؤں۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور ص ۵، ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء مضمون داستان غم۔ از مولانا غلام غوث ہزارویؒ

آپ کی یہ جرأت ایمانی تھی کہ حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ کی صدارت میں ایسی تقریر فرمائی کہ حکومت بوکھلا گئی۔ آپ نے اعلان کیا کہ ہم اس ملک میں دین کا تحفظ چاہتے ہیں۔ ہمیں اقتدار سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم کرسی کے خواہشمند نہیں ہیں مگر اسلام کو اس کی اصلی شکل میں زندہ رکھنا اور رکھوانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور یہ فرض ہم ہر حال میں ادا کریں گے خواہ اس کی قیمت کتنی کچھ ہمیں ادا کرنی پڑے۔ ہم دین کی خاطر کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ان قوانین کو جلد از جلد منسوخ کیا جائے۔ یہ قوانین قرآن وسنت اجماع امت کے خلاف ہیں۔ ہم ان کو ماننے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں۔ اگر حکومت ملک میں امن چاہتی ہے۔ ملک کا استحکام اور ترقی چاہتی ہے تو چاہیئے وہ دین سے نہ کھیلے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرے، اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ ظالم حکمرانوں کو اپنے اقتدار پر خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ کانٹوں کا جنگل ہے۔ آپ نے فرمایا: ارباب اقتدار یاد رکھیں کہ وہ طاقت

جبرو تشدد سے علماء کرام کو دبا نہیں سکتے انہیں تو انگریز بھی نہیں دبا سکا۔ دوسرا ایسا کون ہے جو انہیں دبا سکے۔

آپ نے فرمایا: میں حق بات کہتا رہوں گا۔ خواہ اس کیلئے مجھے امام احمدؒ بن حنبل کی طرح جیل جانا پڑے، کوڑے کھانے پڑیں، یا سولی پر چڑھنا پڑے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر میں اسلامی قوانین کو بدلنے نہیں دوں گا۔ اور میں ہر اس طاقت کے خلاف لڑوں گا جو دین میں مداخلت کی کوشش کرے گی۔ افسوس تو یہ ہے جو کام انگریز نہ کر سکا، ہندو نہ کر سکا، وہ آج مسلمان کہلانے والے کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے دین وایمان کو تباہ کر رہے ہیں۔ مولانا کی یہ للکار تھی کہ اہل لاہور پر سناٹا چھا گیا، اور ایوان حکومت میں شگاف پڑ گئے اور انہوں نے جلد از جلد نظر بندی کا فیصلہ کر کے اپنی ذہنی پریشانی کا ازالہ کیا۔ حضرت لاہوری کو بھی نظر بند کر دیا۔ اور ان پر بھی پابندی عائد کر دی۔ مولانا ہزاروی کو اس طرح دو بار ایوب خان حکومت نے چھ چھ ماہ کیلئے سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رکھا۔ عائلی قوانین کی منسوخی کیلئے آپ نے ایک اور کوشش بھی فرمائی کہ پورے ملک سے نظام العلماء کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں احتجاجی یادداشتیں بھجوائی گئیں۔ اور وزارت قانون کو اپنی طرف سے مجبور کیا گیا کہ ہم مسلمان ان قوانین کو دین کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے ان کو جلد از جلد تبدیل کر کے عوام کو مطمئن کیا جائے۔ مگر افسوس اتنی بڑی کوشش کے باوجود حکومت نہ سمجھی اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر مطالبہ کو پس پشت ڈال دیا (۱)۔

مولانا اور ایوان حکومت: ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں اپنی صوابدید کے مطابق ایک آئین بنا کر ملک میں نافذ کر دیا۔ اور پھر اس کی روشنی میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا الیکشن ہوا۔ سیاسی جماعتیں بحال کر دیں اور بہت سے سیاسی لیڈروں کو ایبڈو کر کے انہیں سیاست میں حصہ لینے اور الیکشن لڑنے کا سات سال کیلئے نااہل قرار دے دیا۔ اس طرح بہت سے نئے لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینے کا موقعہ مل گیا۔ جمعیت العلماء نے مولانا مفتی محمودؒ کو قومی اسمبلی کیلئے اور مولانا ہزاروی کو مغربی پاکستان کی اسمبلی کیلئے نامزد کیا۔

مولانا کی کامیابی: مولانا کے حلقہ میں ان کے بہت سے حریف تھے مگر اصل مقابلہ ان کا علاقے کے ایک مشہور خان، سے تھا۔ یہ خان صاحب علاقے میں ایک مضبوط حلقہ رکھتا تھا اور مالی وسیاسی پوزیشن بھی اس کی بڑی مستحکم تھی جب مولانا کے کاغذات داخل کئے گئے تو تمام علماء کرام اور دیندار مسلمان مولانا کے حق میں کنویسنگ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور سب نے پورے اخلاص اور محبت بھرے جذبے کے ساتھ ان کیلئے کام لیا۔ مگر مولانا کی سیاسی بصیرت اور جرأت دیکھیں کہ انتخابی مہم پر نکلے ہوئے تھے کہ راستہ میں اس خان کے گاؤں سے گزر ہوا۔ اس کے بنگلہ پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ پلاؤ کی دیگیں پک رہی تھیں اور میٹنگ کا انتظام تھا۔ مولانا نے بے تکلف جا کر

---

(۱) نظام العلماء کا یہ کنونشن دہلی دروازہ کے باہر ہوا تھا۔ اسی طرح کا ایک بڑا اجتماع جس میں ہر مکتب فکر کے لوگ تھے۔ نیلا گنبد میں حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی صدارت میں ہوا، اس میں مولانا مودودی صاحب، مولانا داؤد غزنوی بریلوی اور شیعہ حضرات بھی شریک تھے۔ بعد میں روداد کا ایک پمفلٹ شائع کیا گیا اور اس کے آخر میں "وما علینا الا البلاغ المبین" لکھا گیا۔ اس پمفلٹ کو پڑھ کر عامر عثمانی نے اپنے ماہ نامہ تجلی دیو بند میں لکھا کہ جو ملک اسلام کے نام پر بنایا گیا اتنی قربانیاں دی گئیں، اب اگر اس ملک میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نافذ کر دیا جائے تو علماء کا کام اشارہ کیا ہے کہ وہ اس کو خلاف شرع تو کہیں اور تفصیلی بیان بھی شائع کرائیں لیکن اس کے آخر میں "وما علینا الا البلاغ المبین" لکھ دیں۔ کیا علماء کے لئے اس کے آگے کا کوئی درجہ نہیں ہے------- اور غضب یہ ہے کہ ضیاء الحق بھی آئے آٹھویں ترمیم ہوئی، میاں نواز شریف کو دو تہائی اکثریت ملی مگر یہ قانون جوں کا توں ہے۔ (ارشد)

خان صاحب سے ملاقات کی اور اس کے حجرے میں بیٹھ کر فرمایا کہ خان صاحب میں تمہارے پاس ووٹ کیلئے آیا ہوں۔ آپ اپنا ووٹ مجھے دیں۔ کیا میں تمہارے مقابلہ میں تمہارے ووٹ کا زیادہ حقدار نہیں ہوں۔ خان صاحب نے حالات کا رخ دیکھ کر اور موقع و محل کو سمجھ کر جواب دیا کہ مولانا میرا ووٹ آپ کا ہے۔ یہ بات کر کے آپ چلے آئے مگر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خان صاحب مرحوم کے قریبی ساتھی بھی مولانا کے ہمنوا ہو گئے۔ جب خان صاحب اپنا ووٹ مولانا صاحب کو دینا چاہتا ہے تو ہم کیوں نہ دیں۔ اس محنت اور جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچ گئے۔

اسمبلی میں جرأت ایمانی: اسمبلی کے انتخاب میں کامیابی کے بعد تقریب حلف برداری کا انعقاد ہوا۔ اور قانون کے مطابق سب ممبروں سے حلف لیا گیا کہ ~~ہم~~ ملک کے آئین کی پابندی کریں گے۔ مگر مولانا نے بھرے اجلاس میں بڑی اونچی آواز سے کہا الّا یہ کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو تو میں پابندی نہیں کروں گا۔ محترم جناب سپیکر صاحب یا کسی دوسرے ممبر نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ لوگ آپ کی طبعیت، منصب اور مقام کو جانتے تھے۔ قومی اسمبلی میں بھی جب منتخب ہو کر گئے تو پھر بھی اسی طرح کیا۔ یہاں بھی آپ سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ مگر جب آپ کی نقل کرتے ہوئے کچھ دوسرے ممبران نے ایسا کیا تو سپیکر نے فوری نوٹس لیا۔ اور انہیں ٹوکا، کہ مولانا غلام غوث نہ بنو، ان کا مقام اور ہے، جیسے لکھا ہوا ہے اسی طرح پڑھو، ورنہ حلف نہیں ہوگا۔ آخر ان حضرات کو سپیکر صاحب کی یہ بات ماننا پڑی۔ مولانا اس کے بعد اسمبلی کی کارروائی میں باقاعدگی کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔ اور اپنی سلیم فطرت اور سیاسی تجربات کی بنا پر بہترین پارلیمنٹرین ثابت ہوئے۔ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے چکر سے نکل کر آپ نے جمعیت کے موقف کی اسمبلی فلور پر بڑے اعلیٰ پیمانے پر ترجمانی کی۔ اور اس طرح جمعیت کی آواز سارے ملک میں سنی جانے لگی۔

صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کے خلاف ولولہ انگیز تقریر: چونکہ مولانا اسلام کی ترجمانی، اسلامی قانون سازی، اور اسلامی موقف کی وکالت کیلئے منتخب ہو کر اسمبلی میں گئے تھے۔ اس لئے ان کا اصلی کام اور بنیادی فرض یہی تھا کہ اسمبلی میں اسلام کی بات کریں۔ غیر اسلامی قوانین کی مخالفت کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ اپنا یہ فرض بڑے اعلیٰ طریقہ سے سرانجام دیتے رہے۔ عائلی قوانین کی منسوخی کیلئے کسی ممبر نے ایک قرارداد پیش کی۔ مگر اپنی علمی کمزوری کے باعث وہ اس کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ الٹا اس قرارداد کے خلاف چند عورتوں اور ایک زن مرید مرد نے تقریریں کر کے ایوان کے ذہن کو خراب کیا۔ اور بہت سی کفر کی باتیں سنا کر ان کے ایمان کو نقصان پہنچایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو اپنی غوثیت کے اظہار کا موقعہ دیا۔ اور انہوں نے کھڑے ہو کر ایسی پر اثر اور ولولہ انگیز تقریر کی کہ سب ایوان آپ کا ہمنوا ہو گیا۔ اور سب نے متفق ہو کر ان قوانین کے خلاف اسلام ہونے کے بارے میں ووٹ دیا۔ اور انہیں منسوخ کرنے کی سفارش کی۔ ہم یہاں آپ کی اسمبلی کی تقریر نقل کر کے اس ولولہ کو پھر تازہ کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ایک مقصد تاریخی دستاویز کو محفوظ کرنا ہے۔

عنوان: ۱۹۶۴ء کی مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کے خلاف مولانا ہزاروی کی ولولہ انگیز تقریر۔

ممبران اسمبلی کا خراج تحسین۔

۳، جولائی ۱۹۶۴ء کو صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں جب عائلی قوانین کی تنسیخ کی سفارش والی قرارداد پیش ہوئی۔ جس کے خلاف چند عورتوں اور ایک مرد نے سوچی سمجھی ہوئی تقریریں کر کے پرویز اور دیگر ملحدوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ جس سے حساس ممبران اسمبلی اچھے خاصے اداس ہوئے۔ اس کے بعد مولانا غلام غوث صاحب (ہزاروی) کو تقریر کا موقع ملا۔ جب آپ کھڑے ہوئے تو سپیکر نے کہا مولانا غلام غوث صاحب آپ کو ۵ منٹ ملیں گے۔ مولانا نے فرمایا۔ جناب سپیکر اگر مخالف شریعت کو آدھا گھنٹہ مل سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں شریعت کی حمایت کروں اور مجھے ۵ منٹ ملیں یہ بڑا ظلم ہے۔ یعنی میں واک آوٹ کر جاؤں گا۔ اور میں سمجھوں گیا کہ ایوان اس شریعت کو مسخ کرنا چاہتا ہے۔ آپ میرے دلائل سنیں جب آپ نے ایوان کو ان کے دلائل سنوائے اور کفر کی باتیں سنوائی ہیں تو آپ ذرا میری باتیں بھی سنیں اور سنوائیں۔

سینیر ڈپٹی سپیکر: آپ ضرور سنائیں گے آپ کو بجائے ۵ منٹ کے ۱۰ منٹ ملیں گے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں ملے گا۔ مولانا جتنا وقت میاں عبد اللطیف صاحب کو ملا ہے اتنا وقت مجھے بھی دیا جائے۔ سینیر ڈپٹی سپیکر۔ انہوں نے ۱۵ منٹ لئے ہیں۔ آپ کو ۱۰ منٹ ملیں گے۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمانا چاہیں آپ فرمائیں باقی اور ممبران صاحبان بھی بولنا چاہتے ہیں۔

مولانا! مسلمان قوم کیلئے اس سے بڑا کوئی حادثہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام کے بارے میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں شکوک اور وسوسے پیدا ہونے لگیں۔ لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ میں اس تعلیم سے مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنا سکوں گا لیکن ان کو مسلمان بھی نہ رہنے دوں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ آج بیسیوں افراد اس ملک میں ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو لارڈ میکالے کے اس مقولے کے مصداق ہیں ہر فن اور ہر شعبہ کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری حکومت نے ہر محکمہ کیلئے ماہرین فن کا کمیشن مقرر کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جب شرعی احکام طے کرنے کا وقت آیا (تو) اس کیلئے وہ لوگ مقرر ہوئے جن کو قطعاً شریعت کا ماہر نہیں کیا جاسکتا۔ (ہیر ہیر)۔

جناب والا۔ جن لوگوں کے نام لئے گئے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کی حقیقت حال کھولتا، چونکہ وہ اب اس وقت نہیں ہیں اس لئے ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب نہیں ہے۔

جناب یہ شریعت ہے یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چوری چھپے دنیا پر غالب نہیں آئی۔ یہ میدان میں بحث کر کے کفر اور باطل پر غالب آئی ہے۔ اگر جناب والا کسی کو اس سلسلے میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تو میں آپ کو ثالث مقرر کر کے تمام دلائل اور پوائنٹس پر بحث کرنے کو تیار ہوں۔ میرے محترم صدر صاحب: میں یہاں عائلی قوانین کے مصنفین کی جہالت آپ کے سامنے بتانا چاہتا ہوں، عائلی کمیشن کے بارے میں محترمہ بیگم اشرف عباسی صاحبہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا کوئی جزو شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا کوئی حرف شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (یہاں ایک بیگم کڑ کڑ کرنے لگی تو مولانا نے فرمایا) آپ ذرا سینہ تھام کر سنیں جس پر سعید احمد صاحب کرمانی نے پوائنٹ آف آرڈر کہا۔ کہ مولانا کو سینہ تھام کر کے الفاظ واپس لینے چاہئیں۔

آوازیں: نہیں نہیں ! یہ لفظ غیر پالیمانی نہیں ہے۔ مولانا غلام غوث صاحب: میرا ارادہ کلیجہ تھام کر تھا۔ سینہ تھام کر بولنے سے کوئی اور خیال نہ تھا۔ یہ تو آپ نے مجھے متوجہ کیا ہے۔

جناب سپیکر صاحب: ان خواتین کو معلوم ہے کہ عوتوں کا منتھلی کورس (ماہواری عادت) مختلف ہوتی ہے۔ جب ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کو عدّت گزارنی پڑتی ہے۔ یعنی دوسری شادی کرنے سے پہلے کچھ مدت اس کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کو عدت کہتے ہیں قرآن حکیم میں حکم ہے:- "والمطلقت یتربّصن بانفسھن ثلثة قُروء".

ترجمہ: جن کو طلاق مل جائے وہ انتظار کریں تین قروء یعنی تین ماہواری دوروں تک اس کی جگہ عائلی کمیشن نے لکھا ہے نوے دن۔ میں صاحبزادیوں، بیگمات اور بہنوں سے عرض کروں گا کہ وہ خود سوچیں، آیا ماہانہ عادت اور کورس مستورات کا مختلف رہتا ہے یا نہیں۔ آج ایک شخص ایک بیوی کو طلاق دیتا ہے کل وہ نماز پڑھنی چھوڑ دیتی ہے۔ چھ دن وہ نماز نہیں پڑھتی پھر بیس دن پاک ہو کر وہ نماز پڑھتی ہے۔ یہ چھبیس دن ہوگئے۔ پھر چھ دن ناپاک رہتی ہے۔ بتیس دن ہوگئے۔ پھر بیس دن پاک رہتی ہے۔ یہ باون دن ہوگئے۔ پھر تیسری بار جب ماہواری ہو وہ چھ دن کا پورا ہوتا ہے تو اس طرح اٹھاون دن میں اس کی عدت پوری ہوجاتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قانون اس کو نوے دن سے پہلے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ قرآن حکیم تو تین ماہواری دورے مدت مقرر کرتا ہے، اور یہ قانون نوے دن مقرر کرتا ہے۔

آپ نے جھوٹے فتوے نقل کئے ہیں کہ علماء نے فلاں فلاں کو کافر کہا ہے۔ یہ سب تاریخی غلط بیانیاں ہیں لیکن میں آپ کے سامنے ایک فتویٰ لکھ دیتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کی مقرر کی ہوئی عدت، یعنی تین ماہواری دوروں کی میعاد کو صحیح نہیں سمجھتا اور اس کے مقابلہ میں نوے دن کی عدت کو صحیح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ (ہیر ہیر)

آپ کیا سمجھتے ہیں ! یہ قرآن ہے۔ اس میں تنسیخ اور ترمیم ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ جناب والا! میں عرض کروں گا میرے دوست نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام احمدؒ بن حنبل کو کوڑے لگوائے گئے۔ جیل میں ڈالا گیا۔ مولوی نے فتوے دئے۔ افسوس ہے اس غلط بیانی سے انہیں شرم آنا چاہیئے کیا سارے علماء ان کے ساتھ نہ تھے؟ یہ تو برسر اقتدار طبقہ ملحد و بد عقیدہ ہوگیا تھا۔ اور اس نے اپنی بد عقیدگی کی وجہ سے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھایا۔ اور کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ علماء نے مخالفت کی اور سربراہ علماء کے امام احمد بن حنبل تھے۔ جن کو جیل میں ڈالا گیا۔ اور کوڑے لگائے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ علماء کا مسلک یہ تھا کہ اختلاف مسلک کی وجہ سے ملک میں بغاوت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ جب تک حکومت اور امیر مملکت مسلمان اور اسلامی حدود کے اندر ہو اس وقت تک بغاوت حرام ہے۔ اس لئے کہ فسق فجور کو دبانے سے پڑوسی کفر کے غلبے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ علماء کرام نے حق کہا اور حق کی پاداش میں مصائب برداشت کئے۔ مگر بغاوت نہیں کی۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ گوالیار کی جیل میں گئے۔ امام احمدؒ بن حنبل نے کوڑے کھائے۔ حق کہا۔ سارے علماء کی نمائندگی کی، کسی عالم نے ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیا۔ یہ حضرات تو خود علماء حق کے نمائندے تھے۔ اور علماء ان کے

ساتھ تھے مسٹر عبداللطیف صاحب نے جتنے حوالے نقل کئے ہیں یہ تاریخی جھوٹ ہے۔ اور یہ سب وہ حوالہ جات ہیں جن کو قادیانی اور پرویزی نقل کیا کرتے ہیں (ہیر ہیر)

(جناب والا!) عائلی قوانین کے اندر ایک غلطی یہ ہے کہ طلاق کے بعد جب چیرمین صاحب کو نوٹس دے دیا جائے اور وہ فیصلہ کرے۔ اس کے بعد طلاق نافذ ہوگی۔ حالانکہ طلاق منہ سے نکلتے ہی واقع ہوجاتی ہے۔ تیسری بات جناب والا یہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر اندر چیرمین صاحب کو نوٹس دیا جائے گا۔ اس نوٹس کے بعد عدت کی میعاد شروع ہوگی۔ حالانکہ عدت کی میعاد طلاق کا لفظ (منہ) سے نکلتے ہی شروع ہونی چاہئے۔ ایک بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ اس قانون میں ایک لفظ شریعت کے خلاف نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس قانون کا ایک لفظ بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (ہیر ہیر)

یہ قانون غلط ہے اور قوم اس کو نہیں مانے گی۔ قوم اس کو برداشت نہیں کرے گی۔ پہلے علماء خاموش رہے، مگر جب ابراہیم وزیر قانون نے یہ اعلان کیا کہ ہماری گورنمنٹ ایک آرڈیننس کے ذریعہ عائلی کمیشن رپورٹ کو قانونی شکل دینا چاہتی ہے تو سارے مغربی پاکستان کے علماء اکٹھے ہوئے اور دہلی دروازہ کے باہر اجلاس ہوا۔

مولانا غلام غوث۔ دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا اور ہم نے کھلم کھلا حکومت کو متنبہ کیا کہ یہ غلط اقدام مت کرنا۔ اس کو عوام نہیں مانیں گے اور میں آج پھر کہتا ہوں کہ مسلم قوم اس کو کسی طرح برداشت نہیں کرے گی۔ (ایوان میں نعرۂ تحسین) آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو ان قوانین پر ضد کریں گے وہ حکومت کیلئے مشکلات پیدا کریں گے۔ یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ میں کہوں گا کہ انگریز آئے اور گئے۔ اس کو ہمارے پرسنل لاء میں مداخلت کی جرأت نہ ہوئی۔ بھارت گورنمنٹ کافر گورنمنٹ ہے وہ جرأت نہیں کرسکتی کہ ہمارے پرسنل لاء میں مداخلت کرے۔ نکاح، طلاق وراثت وغیرہ مسائل کے اندر کوئی گورنمنٹ مداخلت نہیں کرسکتی۔

میں ایک اور بات کہتا ہوں فرض کیجئے ہمارے ارباب اقتدار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، چلو نہ سہی۔ مگر آپ کون ہوتے ہیں ۱۰ کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے؟ ان کے مذہبی خیالات میں مداخلت کرنے والے آپ ہیں کون؟ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے آپ ہندوؤں کے پرسنل لاء میں تو مداخلت نہیں کرتے۔ انہیں مردے جلانے سے روک نہیں سکتے۔ آپ مسلمانوں کے مذہبی رسوم، عبادات اور خیالات میں کیوں مداخلت کرتے ہیں؟ حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ رہ گئی شریعت کی تعبیر تو کیا چودہ سو سال کے بزرگان دین کی متفقہ تعبیروں کے مقابلہ میں چند مسٹر کرنٹوں، اور پتلونیوں کی تعبیر کیسے مانی جاسکتی ہے۔ میرے دوست عبداللطیف نے کہا ہے، کہ میں عالم نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں اگر آپ عالم نہیں تو جاہل کو کوئی حق نہیں کہ شریعت کے بارے میں رائے دے اور قرآن کریم سے کھیلے۔

(پرزور تالیاں، ہنسی اور قہقہے)

یہ کام علماء کا ہے یہ کام ماہرین دین کا ہے۔ میں مانتا ہوں آپ مصر، مراکش یا لیبیا سے دو دو عالم لادیں۔ احساس کمتری نہ ہونا چاہئے۔ آپ کے پاکستان میں جلیل القدر علماء موجود ہیں، ان میں سے بھی چار عالم بٹھائیے۔ وہ فیصلہ کریں کہ کون سی چیز

شریعت ہے اور کونسی نہیں ہے۔ ہم کو منظور ہے۔ (نعرہ تحسین)۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت کو بازیچہ اطفال بنادیا جائے۔ مسٹر سعید احمد کرمانی: بولے یہ ٹھیکیداری بند کیجئے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: میں ٹھیکیداری کی بات نہیں کرتا۔ میں عرض کروں گا کہ جو بھی شریعت کا ماہر ہو آپ آجائیے کوئی آجائے۔ لیکن شریعت کا ماہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیشاب کیا اور آکر جماعت میں شریک ہوگئے۔ کسی نے پوچھا کہ جناب نے وضو کیا ہے تو جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا گیا پھر نماز میں کیسے شریک ہوگئے تو جواب دیا کہ تھوڑا سا ثواب تو مل جائے گا۔ اس طرح کے ماہرین کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں دو مسئلوں پر خصوصیت سے بحث ہو رہی تھی۔ ایک نکاح ثانی پر اور دوسرے پوتے کی وراثت پر۔ مسٹر سینیئر ڈپٹی سپیکر: آپ کا وقت ختم ہوگیا ہے، اب آپ اپنا پوائنٹ پورا کرلیں۔

مولانا! میں عرض کرتا ہون کہ نکاح ثانی کے بارے میں یہاں زہر اگلا گیا ہے۔ شریعت کے خلاف اور بھتیجہ اور چچا کی موجودگی میں وراثت کے مسئلہ پر جو زہر اگلا گیا ہے اس کے جواب کا موقعہ دیا جائے۔ آپ کا فرض ہے آپ نے وعدہ کیا ہے کہ میں جواب کیلئے وقت دوں گا۔ یہ دین کا مسئلہ ہے۔

جناب سپیکر: میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محترمہ بیگم صاحبہ نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو تھوڑے حقوق ملے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عورتوں کو جتنے بھی حقوق ملیں ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن شریعت کو پائمال نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آج (تک) عورتوں کو علماء نے کیا دیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آپ کو علم نہیں سابق صوبہ سرحد میں شریعت بل علماء نے پاس کرا کر عورتوں کو وراثت دلائی ہے۔ اور ایک بڑے عالم کلاچی کے اس میں شہید ہوئے۔ اس کے سوا یہ کاظمی ایکٹ، کیا ہے یہ عورتوں کو مختلف تکالیف کی وجہ سے تنسیخ نکاح کا دعویٰ کرنے کی اجازت کا قانون علماء نے بنوایا۔ اس کے مقابلہ میں ان بیگم صاحبہ نے جو بل پیش کیا تھا قطعاً (وہ) مکروفریب سے بھرا ہوا تھا۔ جس کا نام تھا "قاضی کورٹ" اس سے پہلے مجھے بھی غلط فہمی ہوئی کہ ہر تحصیل میں کوئی افسر مقرر کیا جائے گا جو سرسری طور پر تکلیف زدہ اور مصیبت زدہ عورتوں کی کہانیاں سن کر شریعت کے مطابق جلد فیصلے کرے گا۔ تاکہ ان کو مصیبت سے نجات دلائیں کہ خاوند یا ان کو رکھیں یا چھوڑیں۔ اس کا مطلب آخر میں جا کر یہ نکلا کہ قاضی عدالت سے مراد سیشن جج اور ڈسٹرکٹ جج ہے۔ یعنی یہ مقدمات ڈسٹرکٹ جج یا سیشن جج کے پاس ہوں گے۔ اس نے تو عورتوں بیچاریوں کیلئے اور مشکل پیدا کردی کہ یہ دور، دراز سے مصیبتوں کے ساتھ وہاں آئیں۔ سیشن جج کے پاس پیش ہوں دراصل یہ تو ایک صرف الیکشن سٹنٹ تھا۔ جس سے عورتوں کو دھوکہ دیا گیا خدمت آپ نے کیا کی!

علماء نے تو بروقت آپ کے حقوق کیلئے کام کیا۔ ایک اور بات ہے۔ اگر یہ قانون وضع کرنے والے مخلص ہوتے اور وہ آپ کی ہمدردی کیلئے دوسری شادی روکنا چاہتے تو ان کو چاہیئے تھا کہ یہ قانون بناتے کہ ان عورتوں کے خاوند غیر عورتوں سے ڈانس نہ کیا کریں۔ ان عورتوں کے خاوند کلبوں میں دوسری عورتوں سے محبت نہ کیا کریں۔ ان عورتوں کے خاوند چکلوں

میں نہ جایا کریں اور گھروں میں بے نکاح داشتائیں نہ رکھیں۔ (زبردست تالیاں اور نعرہ ہائے تحسین)

ایسا کیوں نہیں کیا۔ جب ایک شخص نے دو نکاح کئے اور ایک چیرمین نے جو وہاں کا چیرمین تھا، رپورٹ کردی، تو عدالت نے فریقین کو بلایا، کہ تم نے دوسری شادی کی؟ خاوند نے کہا نہیں صاحب۔ کہا گیا اچھا عورت کو بلاؤ۔ عورت کو بلایا گیا، کہا تم نے فلاں سے شادی کی؟ اس نے کہا۔ صاحب کوئی شادی نہیں کی۔ سوال ہوا کہ تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا، پھر کیسے رہتے ہو؟ کیا یہ یارانہ دوستانہ کا تعلق ہے۔ کہا اچھا خیر ہے جاؤ۔ (قہقے اور تالیاں)

تف ہے نکاح ہو تو جرم ہے ایک سال کی قید ہے۔ بیس داشتائیں رکھ لیں تو کوئی عیب اور جرم نہیں ہے۔ یہ قانون ان عورتوں کی ہمدردی کیلئے نہیں۔ ان کو دھوکہ دینے کیلئے بنا ہے۔ یہ عورتوں کو بازار میں لانے کیلئے بنا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔ "ولا یبدین زینتھن" ترجمہ: کہ زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے خاوند اور محرم لوگوں کے۔الآیۃ۔

اور یہ بازاروں میں پھر پھرا کر اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ چار سو عورتیں یا پانچ سو عورتیں چلو ہزار سہی۔

سپیکر: مولانا صاحب آرڈر۔ ذرا ٹھہرئے آپ کا ٹائم ختم ہو گیا۔

مولانا: بس دو منٹ دیجئے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ چار سو بے پردہ عورتیں یا دو ہزار عورتیں ملک کی دو کروڑ پردہ نشین عورتوں کی نمائندہ نہیں ہو سکتیں۔ (شور تالیاں اور نعرہ تحسین)

مولانا۔ میں ان سب سے پوچھتا ہوں کیا آپ کی عورتیں بازاروں میں چلتی پھرتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دو کروڑ پردہ نشین عورتوں کی نمائندہ یہ بے پردہ اور بازاروں میں پھرنے والی عورتیں قطعاً نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کی نمائندہ نہیں ہیں: (تالیاں اور نعرہ تحسین)

یہ شریعت میں مداخلت ہے۔ اگر آپ وقت دیں تو میں بتلاؤں گا کہ یتیموں کے لفظ سے کتنا دھوکا دیا گیا ہے۔ کیا بھتیجا اگر یتیم نہ ہو بالغ ہو تو کیا یہ قانون اسلامی مان لیں گے، یہ یتیم کا لفظ کہہ کر ان کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

صاحبزادی محمودہ بیگم: پوائنٹ آف آرڈر۔ سپیکر: مولانا صاحب ٹھہرئے۔ پوائنٹ آف آرڈر ہے۔

صاحبزادی محمودہ بیگم: یہ غیر پارلیمانی لفظ ہے جو مولانا صاحب نے استعمال کیا ہے۔

مولانا کو اسے "ود ڈرا" کرنا چاہیئے۔

مولانا: جی کیا فرمایا؟

صاحبزادی محمودہ بیگم: وہ فرماتے ہیں کہ بازاروں میں عورتوں کو لانے کیلئے یہ قانون بنایا گیا ہے مولانا کو اسے "ود ڈرا" کرنا چاہیئے۔

مولانا۔ میرا اٹیک ان پر نہیں ہے۔

میاں عبد اللطیف۔ یہ اسلام کے ٹھیکہ دار ہیں۔ اس لئے کہ ان کے پاس ڈاڑھی ہے۔

مولانا۔ (اور آپ کے گلے میں فرنگی کا پھندا ہے)

سپیکر: آپ تشریف رکھیں۔ مولانا صاحب آپ پہلے پانی پی لیں۔ (قہقھے اور شور)

مولانا۔ جناب مجھے پیاس نہیں لگی ہے۔ پیاس انہیں لگی ہے جو سن نہیں سکتے۔ آپ جو تاریخی جھوٹ سن سکتے ہیں، اور اب اس کا جواب نہیں سن سکتے۔

سپیکر۔ مولانا صاحب آپ کے دو منٹ ختم ہوگئے ہیں۔ اب آپ تشریف رکھیں۔

مولانا۔ نکاح کے بارے میں کہہ دوں۔

سپیکر۔ سردار ڈوڈا خان صاحب۔

(ایوان میں شور مولانا کو اور وقت دیجئے، کی آوازیں)

سپیکر۔ نو، نو، بالکل نہیں۔

سپیکر۔ آپ سپیکر کے فرائض میں مداخلت بالکل نہ کریں۔ میں ان کو بالکل وقت نہیں دوں گا۔

مولانا۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیٹھتا ہوں۔

سپیکر کی رولنگ کے خلاف دونوں طرف کے اکثر اراکین واک آوٹ کر گئے۔ مسٹر ڈوڈا خان۔ جناب سپیکر صاحب۔ میں اپنا وقت بھی مولانا صاحب کو دینا چاہتا ہوں۔

صاحبزادی محمودہ بیگم: پوائنٹ آف آرڈر۔ آپ مولانا سے کہیں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں۔

سپیکر: اجلاس کی کاروائی پندرہ منٹ کیلئے ملتوی کی جاتی ہے۔

مولانا۔ میں نے آپ کی تاریخی روایات کو جھوٹا کہا ہے۔

سپیکر۔ پھر تو سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اب باقی رہا یہ کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مولانا صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ قانون عورتوں کو بازاروں میں لانے کیلئے بنایا گیا ہے۔ سپیکر ریزولیشن کے موضوع کو دیکھتے ہوئے اسے غیر پارلیمانی تو قرار نہیں دے سکتا لیکن یہ غیر مناسب ضرور ہے۔

ڈاکٹر بیگم اشرف عباسی: چونکہ بحث شرافت کی حد سے باہر جا رہی ہے۔ اس لئے ہم دو منٹ کیلئے باہر جاتے ہیں۔ (آپ ضرور تشریف لے جائیں)۔ اس مرحلے پر صاحبزادی محمودہ بیگم اور ڈاکٹر صاحبہ ایوان سے باہر تشریف لے جاتی ہیں۔ چونکہ سرکاری اور غیر سرکاری بنچوں کے تقریباً تمام معزز ممبروں نے مولانا صاحب کو کم وقت دینے پر احتجاج کرتے ہوئے واک آوٹ کر دیا تھا۔ جس سے کورم ٹوٹ گیا۔ اور سپیکر صاحب کو اجلاس ملتوی کرنا پڑا اس وقت لابی میں ممبران اسمبلی کی خوشی قابل دید تھی۔ مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں کوئی مولانا کو کندھوں پر اٹھا رہا تھا۔ چہرے ایسے بشاش تھے جیسے عید کا چاند نظر آگیا ہو۔ جب سب دوبارہ اندر گئے تو مولانا کے آنے پر خوشی سے سب نے تالیاں بجائیں۔ اب سپیکر صاحب نے ممبران کی متفقہ رائے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے مولانا کو دس منٹ مزید وقت دیا۔ لیکن اگر تقریر کی جاتی تو ووٹنگ کا وقت نہ رہتا اور تحریک فیل ہو جاتی۔ اس لئے مولانا اور ایوان کے ارکان نے مطالبہ کیا کہ آپ ووٹنگ کرائیں، چنانچہ ووٹنگ ہوئی اور سوائے تین عورتوں اور ایک مرد کے باقی سب نے تجویز کے حق میں ووٹ دے کر

شریعت کا احترام کرتے ہوئے دو صدیوں کے بعد سرکاری ایوان میں اسلام کی فتح کا علم لہرا کر تاریخی کارنامہ انجام دیا (۱)۔

سپیکر نے جب شریعت کی فتح کا اعلان کیا تو ارکان اسمبلی اور تماشائیوں نے شایان شان مسرت کا اظہار کیا۔ ملحدین اور پرویزیوں کا منہ کالا ہوا۔ بے پردہ عورتیں بوکھلا گئیں۔ ان کے تمام تصورات خاک میں مل گئے ملکی اخبارات بلکہ لندن تک کے اخباروں نے ایک مرد درویش کی اس کامیابی پر مضامین لکھے۔ والحمدللہ۔

بحوالہ مولانا غلام غوث ہزاروی کی مجاہدانہ تقریریں۔ مولانا سعید الرحمٰن لکھتے ہیں:۔

اسمبلی میں ایک وقت وہ بھی آیا کہ دو چار عورتوں کے سوا، پوری اسمبلی نے بلا امتیاز حزب اقتدار و حزب اختلاف نے آپ کی ہاں میں ہاں ملائی (پرزور تائید کی) جب عائلی قوانین کے سلسلے میں قرارداد پر آپ نے تقریر کی تو شیخ مسعود صادق سے لے کر خواجہ محمد صفدر تک سب نے آپ کی حمایت میں ووٹ دیا۔ اور آپ نے اپنی خداداد خطابت کا لوہا منوالیا۔

خدام الدین ۲۲ ستمبر ۱۹۶۷ء۔

اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ کو حضرت شیخ التفسیر نوراللہ مرقدہ نے اپنی زبان قرار دیا تھا۔ یہی مولانا سعید الرحمٰن اس مضمون میں لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ جامع مسجد کرتار پورہ میں حضرت (لاہوریؒ) سے تقریر کا عرض کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا تقریر مولانا غلام غوث کرے گا وہ میری زبان ہے۔

سفر آخرت کے واقعات اور ان کا آنکھوں دیکھا حال: واللہ اعلم حضرت مولانا کو اپنے کسی کشف یا خواب سے قربِ موت کی خبر ہو گئی تھی اور انہوں نے تقریباً چار ماہ پہلے سے قبر کی تیاری شروع کر دی تھی۔ انہیں حقوق العباد کی بڑی فکر تھی۔ اس لئے انہوں نے اس عرصہ میں ہر ایک سے یہ کہا اور بڑے درد سے کہا، "کہا سنا معاف فرمادیں"۔

اس میں کسی بڑے، چھوٹے، اپنے، بیگانے، معروف، غیر معروف، عالم وجاہل کی کوئی تمیز نہ تھی۔ آپ جس سے بھی ملتے، یہی فرماتے۔ اور اکثر اوقات دیکھنے سننے والوں کو حیرت ہوتی کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر یہ کیسی چھوٹی بات کر رہے ہیں۔ یہ وقت کے عظیم لیڈر، اسلام کے سچے اور پکے خادم اور پھر بے مثال قربانیاں دینے والے مجاہد ہیں اور ایسی کمزور باتیں کر رہے ہیں۔ مگر افسوس انہیں کیا معلوم کہ یہ غوث زماں یہ اسلام کا مرد آہن، اور عشق نبوی ﷺ کا سوختہ، اور محبت الٰہی کا کوفتہ زندگی کے اس موڑ پر بھی نہایت حزم واحتیاط سے سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر عمل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے آخری ایام میں صحابہ کرامؓ سے نہیں فرمایا تھا؟ کہ جس کے ساتھ مجھ سے زیادتی ہوئی ہو مجھ سے بدلہ لے لے۔ یہ دراصل حقوق العباد کی اہمیت بتلانے کی تعلیم تھی، تاکہ لوگ حقوق العباد کی اہمیت سے غافل ہو کر اپنی آخرت کو تباہ نہ کریں۔ حضرت مرحوم کے پیش نظر حضور انور ﷺ کی یہی عملی سنت تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر ایک سے اپنا معاملہ صاف کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ تاکہ آخرت کی گرفت سے ان کی معافی ہو سکے۔

---

(۱) مغربی پاکستان اسمبلی (اس وقت ون یونٹ تھا) نے سفارش کرنا تھی اور اس قانون کو قومی اسمبلی نے ختم کرنا تھا وہاں حضرت مفتی محمودؒ نے بہت زیادہ مدلل تقریر کی، لیکن فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے ڈنڈے نے ممبران کو قانون کے ختم کرنے سے باز رکھا۔ (ارشد)

مسلمانوں کی نئی نسل کیلئے حضرت کے اس عمل میں فکرِ آخرت کا بڑا عمدہ اور اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے۔ بہرحال یہ تیاری ہوتی رہی اور آخر شب چہار شنبہ بتاریخ چار فروری ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء بوقت ۳ بجے شب صبح صادق سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے جان، جان آفرین کے حوالہ کردی۔ اور عالم فانی کو چھوڑ کر یہ حق کا پروانہ اور اسلام کا غازی عالمِ جاودانی کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس رات بہت سی باتیں آپ نے فرمائیں اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا: کہ میرے ساتھ زندگی کے پچاس، ساٹھ سال تم نے گزارے ہیں اور ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ دین کی فکر میں مجھ سے بہت سی زیادتیاں آپ کے ساتھ ہوئی ہیں، میں اکثر جیل میں یا سفر میں رہا ہوں اور آپ کے بارہ میں بہت کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، مجھے معاف فرمادیں، بچیاں بھی موجود تھیں۔ ان سے بھی اسی قسم کی باتیں فرمائیں اور فرمایا۔ ماں کی قدر کرنا۔ اس کی خدمت کرنا۔ اس نے میرے ساتھ زندگی بھر بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ اس کی خدمت کرو اور اس کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ دو، سب حاضرین نے آپ کو معاف کروایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا ہے اور میری ہر ایک سے درخواست ہے کہ مجھے معاف کردے۔ اپنے بھائی مولانا فقیر محمد سے شام ہی کو کہہ دیا تھا کہ فلاں آدمی کے مجھ پر چالیس روپے ہیں انہیں ادا کردینا۔ اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میری وفات کے بعد میرے جنازے کو دیر تک نہ روکنا۔ مجھے جلد از جلد دفنانے کی کوشش کرنا۔ جیسا کہ شریعت کا حکم ہے۔ اور کسی قسم کے رسم ورواج اور بدعات کا اہتمام نہ کرنا۔ حضرتؒ کی وفات کی خبر جنگل کی طرح پھیل گئی۔ بفہ کے لوگ دوڑ کر آگئے۔ اور پھر جہاں، جہاں تک کسی کی رسائی تھی۔ اس نے خود بخود دوسروں تک یہ خبر پہنچائی۔ ریڈیو پاکستان نے اپنی نشریات کو روک کر آپ کی وفات کا بڑے دردِ دل اور عظمت و محبت کے جذبات کے ساتھ اعلان کردیا۔ اور اس طرح ملک بھر کے دوست واحباب اور دوسرے مسلمان خبردار ہوگئے۔ اور جس سے کچھ انتظام ہوسکا۔ جنازے میں شرکت کی کوشش کی۔ علماء کرام، سیاسی لیڈر، اولیاء صلحاء، طلباء اور دوسرے مسلمان، کہ بفہ کی سرزمین میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ خداوند تعالیٰ کی شان کہ اس دن آپ کی جدائی پر آسمان بھی رو رہا تھا۔ اور ایسی گریہ وزاری میں مبتلا تھا کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ بارش تھی کہ سب کو پریشان کردیا تھا۔ اور بفہ کی مسجدیں، بازار، ہوٹل، اور گلیاں، سب جگہیں آدمیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ قصبہ بفہ اپنی وسعت کے باوجود آج اپنی تنگ دامانی کا گلہ کررہا تھا۔ اور وہ گلہ، شکوہ کیوں نہ کرتا کیونکہ آج اس کی سرزمین پر کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے مجاہد، کتنے غازی اور کتنے نمازی اس کے نامور سپوت اور وقت کے عظیم مردِ مجاہد کے حضور، عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ آج خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھا۔ مگر غم سے نڈھال بھی تھے۔ اپنے نامور سپوت کی جدائی پر وہ اتنا آزردہ اور پریشان حال تھے کہ یہ خوشی انہیں خوشی نہیں محسوس ہوئی تھی، بلکہ غم کی ایک خلش اور جدائی کا ایک کرب بن کر نظر آتی تھی۔ نماز ظہر کا وقت ہوا۔ تو نماز سے پہلے اور بعد بھی بہت سے علماء کرام نے تقریریں کیں۔

مولانا کے مراتب وکمالات کا ذکر کرکے حاضرین کو رلایا بھی اور خود بھی روئے۔ مگر ان میں ایسے حضرات بھی تھے جو گزشتہ چند سالوں سے پروپیگنڈہ کا شکار ہوکر مولانا مرحوم کے خلاف تقریریں کرتے تھے۔، کہ آپ نے بھٹو سے پیسے لے کر بنگلے بنائے ہیں۔ اور آپ کی آٹھ بسیں اسلام آباد سے گلگت تک چلتی ہیں وغیرہ۔ انہیں آج آپ کے حالات دیکھ اور سن کر بڑی ندامت ہوئی۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں اپنی غلطیوں کا برملا اعتراف کیا۔ اور کہا ہم نے یہاں حاضر ہوکر حضرت مولانا ہزاروی سے معافی مانگی تھی۔ اور آج پھر معافی مانگتے ہیں۔ اور

مولانا مرحوم نے ہمیں معاف فرمادیا تھا۔ ہم اس مجمع کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ مولانا مرحوم کا دامن بے داغ بلکہ بالکل بے داغ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ ہم سے آپ کے بارے میں بڑی غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے بڑے لوگوں کے پروپیگنڈہ پر اعتبار کیا اور یہ سمجھے کہ بڑے لوگ جھوٹ نہیں بولتے اور اپنے محسن کو چھوڑا۔ اور اس کی سزا بھی ملی۔ ہم رسوا ہوئے۔ اور بیدینوں کو ہم پر انگشت نمائی کا موقعہ ملا۔ اس سے پہلے مولانا مرحوم کی وجہ سے یہ لوگ ہم سے خائف رہتے تھے۔ مولانا نے کبھی ان بے دینوں، جاگیرداروں، نوابوں اور خانوں کو معاف نہیں کیا۔ وہ ہر موقعہ پر ان کی خبر لیتے تھے اور یہ بھی مولانا کی خیر خواہی تھی کہ یہ لوگ اپنے عہدہ واقتدار کی وجہ سے بگڑ کر غریب مسلمانوں پر ظلم نہ کریں۔ انہیں اپنی طرح انسان سمجھیں اور یہ بات بھی تھی کہ ان کا غرور نکل کر ان کو خدا اور سول ﷺ کے قانون کا پابند کیا جائے۔ یہ انانیت ہی فساد کی جڑ ہے۔ جب تک یہ نہ کٹے انسان کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

مولانا کو ان کی انانیت پر نشتر چلانا خوب آتا تھا۔ وہ نہ کبھی ان سے ڈرے اور نہ کبھی دبے ۔ وہ مردِ قلندر، اور حق آگاہ درویش صفت انسان تھے جو کبھی کبھار صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ مولانا مردِ انقلاب تھے۔ انہوں نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو بدلا اور انہیں ارضِ گدائی سے اٹھا کر تختِ شاہی پر بٹھایا۔ اور خود فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ وہ تقاریر تھیں جو علماء کرام نے اس وقت فرمائیں۔ اور حضرت کے کمالات کو اجاگر کرکے ان کے حضور عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے کی کوشش فرمائی۔

یہ آخری رات جس میں حضرت سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ گھر کے لوگ موجود تھے کسی کے خیال نہیں آرہا تھا کہ یہ آج ہم سے جدا ہوجائیں گے ہوش وحواس ٹھیک تھے عشاء کی نماز ٹھیک طرح سے پڑھی تھی۔ لیکن باتیں ایسی تھیں جن سے جدائی کا ترشح ہوتا تھا۔ سحری کے وقت آپ نے کچھ درد کی تکلیف محسوس کی۔ کسی نے عرض کیا کہ ڈاکٹر کو بلائیں، آپ نے بے ساختہ فرمایا "اللہ کافی" کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد آپ خاموش ہوگئے۔ پھر اچانک اٹھ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے زور دار آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا۔ "لاالہ الا اللہ" پھر خود جھٹکا دے کر اپنا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف کیا اور "محمد رسول اللہ" کہہ کر خاموش ہوگئے۔ دیکھا تو رخصت ہوچکے تھے اور چہرے پر کچھ تھکن کے ساتھ خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ چہرے پر نورانیت اور چمک لحظ بلحظہ بڑھ رہی تھی۔ اور بالکل پیشانی کے درمیان سے نور کی ایک لاٹ اپنا خوبصورت جلوہ دکھا رہی تھی۔ اور داڑھی مبارک پر ایسی نورانیت چھائی تھی کہ دیکھ کر تعجب آتا تھا۔ حضرت کی وفات حسرت آیات کی اطلاع مجھے صبح سویرے ہوئی،۔ اور میں بیوی، بچوں اور دوسرے رشتہ داروں سمیت بفہ پہنچا۔ افسوس تو تھا ہی، مگر اب سفرِ آخرت، یعنی کفن، دفن اور غسل کے انتظامات کرنے تھے۔ مولانا فقیر محمد مرحوم کے مشورہ سے قبر کا انتظام ان کے آبائی قبرستان میں ہوچکا تھا۔ باقی انتظامات میں نے خود اپنے ہاتھ میں لئے۔ اور کفن گھر میں مکہ سے لایا ہوا موجود تھا۔۔ جو آبِ زم زم سے دھویا گیا تھا۔ پھر غسل کا انتظام کیا، خود بھی اس میں شریک ہوا، اور ایسے احباب جن کو حضرت مرحوم سے بے پناہ عقیدت تھی، انہیں بلا کر غسل میں شرکت کا موقعہ دیا۔ انہی حضرات میں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جیوہرٹ راولپنڈی بھی ہیں۔ انہیں حضرت مرحوم کے ساتھ آخر تک رفاقت کا شوق حاصل رہا۔ اور انہوں نے حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کی طرح حقِ رفاقت پوری طرح اور احسن طریقہ سے ادا کیا ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد مورخہ ۱۳، مارچ ۱۹۸۱ء

میں ایک مضمون بعنوان:

بطلِ جلیل حضرت مولانا غلام ہزاروی کا سفرِ آخرت، "عینی شہادتیں" تحریر فرمایا ہے۔

میں اسی کو کچھ ضروری ترامیم کے ساتھ یہاں لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

ہفت روزہ لولاک، کے گزشتہ شمارہ میں مجاہدِ ملت، بطلِ حریت، ابوذر دوراں، حضرت اقدس مولانا غلام غوث ہزارویؒ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں نہایت قیمتی اور مبنی بر اخلاص مضامین پڑھے۔ اگرچہ غم سے نڈھال ہوں اور دل دماغ اس حادثے سے متاثر ہیں۔ مگر جی نے چاہا کہ حضرت کے سفرِ آخرت سے متعلق کچھ حالات قلمبند کروں۔

حضرت اقدس کو جیسا کہ کسی طرح علم ہو گیا ہو آخری ۲ ماہ میں کئی بار پنڈی تشریف لائے اور نئے پرانے تمام ساتھیوں سے خوب خوب ملے۔ کہا سنا معاف کرایا۔ دسمبر میں مجلس تحفظ ختم نبوّت پاکستان کی دعوت پر ربوہ (صدیق آباد) بھی تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ۔۔۔۔ مولانا مسعود الرحمن صاحب ٹیکسلا بھی تھے۔ واپسی پر میرے ہاں راولپنڈی تشریف لائے، تو بے حد خوش نظر آرہے تھے۔ ربوہ کی تمام کاروائی بھی سنائی۔۔۔۔۔ چند دنوں بعد پھر حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش ہری پور ہزارہ کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے کہ حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کی دعوت پر تقریر کیلئے آیا ہوں۔ اس بہانے دوستوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی اس بار تین دن تک راولپنڈی میں قیام رہا وفات سے آٹھ روز پہلے حافظ محمد علی صاحب چنیوٹی کے ہمراہ پھر تشریف لائے مختلف احباب سے ملاقاتیں کیں اور کہا سنا معاف کرنے کا فرماتے رہے۔ حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ سے ملاقات کیلئے اٹک تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر رات میرے پاس چوہڑ راولپنڈی میں قیام فرمایا۔ رات دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ مولانا حکیم مسعود الرحمن صاحب بھی ساتھ تھے۔ یہ آپ کی راولپنڈی میں آخری رات تھی۔ جمعہ کے دن حافظ ریاض احمد اشرفیؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی عجیب وغریب کیفیت تھی (جو قابل دید تھی) واپسی پر اپنے ایک دوست مولانا حکیم عبد الرحمٰن صاحب سے ملے۔ اس نے کچھ یادداشت لکھنے کیلئے اپنی کاپی پیش کی۔ آپ نے کاپی پر یہ شعر لکھ دیا۔

کریما بہ بخشائے برحالِ ما کہ ہستم اسیر کمندِ ہوا

پھر سابقہ جمعہ اسی دن اپنی سابقہ جگہ بھوسہ منڈی (کی جامع مسجد میں) پڑھایا۔ اور تقریر میں صاف فرمایا: کہ یہ میرا آخری جمعہ ہے (آپ حضرات) کہا سنا معاف کر دیں۔ بھوسہ منڈی کے حجام سے ناخن کٹوائے تو اس سے بھی فرمایا: میرے آخری بار کے ناخن تم کاٹ لو۔ جمعہ کے بعد قاضی شمس الدین صاحب کے ہمراہ مولانا حکیم محمد داؤد کے گھر ٹیکسلا پہنچے۔ رات گئے تک مجلس گرم رہی۔ جس میں زیادہ تر فکر آخرت پر گفتگو ہوتی رہی۔ اور عمر عزیز کی گزشتہ یادیں تازہ فرما کر دل بہلاتے رہے۔ یہ مجلس بڑی روح پرور تھی۔ باتیں کرتے ہوئے آپ نے اپنے روایتی انداز میں فرمایا: ابھی بس سانس نکلنے کی دیر ہے، اور اللہ پاک کے سامنے حاضر ہی ہو جائیں گے۔ ہفتہ کے دن آپ ٹیکسلا سے دس بجے مانسہرہ پہنچے۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ پھر آپ اپنے کسی عزیز کے ہمراہ بفہ چلے گئے۔ ہم نے ایک شادی کے سلسلہ میں گاؤں جانا تھا، اپنے گاؤں چلے گئے، کہ تیسرے دن (بروز بدھ) اطلاع

ملی کہ حضرت وصال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
سخت صدمہ ہوا اور جنازہ میں شرکت کیلئے فوراً بفہ پہنچا، یہاں آکر آپ کے وصال کے حالات سنے تو طبیعت کو کچھ سکون ہوا۔ حسین خاتمہ اور قابل رشک رخصتی پر دل بہت بشاش ہوا لکھتے ہیں: نماز ظہر کے بعد غسل دیا گیا میں خود بھی غسل میں موجود تھا۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے مرنے کے بعد اس قدر مسکراہٹ کسی کے چہرے پر آج تک نہیں دیکھی۔
شعر:

نشان مرگِ مومن با تو گویم　　　چوں مرگ آیدش تبسم بر لبِ اوست۔

مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ بھی بہت زیادہ چمک رہا تھا۔ چہرہ مبارک کو دیکھ کر غسل دینے والوں کی زبان پر بے ساختہ بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کے کلمات جاری ہوجاتے تھے۔ غسل کے وقت جسم مبارک اتنا گرم تھا جیسے کہ شدید بخار ہو اور پوری طرح نرم بھی تھا۔ غسل کے بعد میں نے آپ کے جسم مبارک پر تبرک چھڑکا۔ یہ تبرک حضور خاتم النبیین، شفیع المذنبین ﷺ کے روضۂ مبارک کی خاک پاک تھی۔ جو مجھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ کے ایک خلیفہ خاص سے تحفتاً ملی تھی اور حضرت مولانا ہزارویؒ کو اس کا علم تھا۔ دوسری سعادت یہ ہوئی کہ آپ کی آنکھوں پر غلافِ کعبہ شریف کے ٹکڑے بھی رکھے گئے۔ اور یقیناً آپ اس کے حقدار بھی تھے کیونکہ اللہ رب العالمین اور جناب نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت کا جو تعلق آپ کو تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔ کوئی ڈھکی چھپی ہوئی بات نہیں ہے پھر قبر کا جتنا قرب بڑھتا جارہا تھا۔ چہرہ مبارک کی نورانیت میں اسی قدر اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

آپ بالکل دولہا کی طرح معلوم ہورہے تھے۔ بڑھاپے کے آثار ختم ہوکر جوان نظر آتے تھے۔ جب آپ کا جنازہ آپ کے کچے مکان سے اٹھایا گیا۔ تو بارش کے باوجود لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر گلیوں، بازاروں، حجروں اور مسجدوں سے نکل کر گورنمنٹ ہائی سکول کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں پہنچا۔ یہ اتنا بڑا مجمع تھا کہ تاحد نگاہ انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ مگر سب غم سے نڈھال افسردہ دل اور پریشان حال تھے۔ کافی دیر بعد صفیں درست ہوئیں تو مولانا کے برادر اصغر مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم فاضل دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں علماء صلحاء، اولیاء وشرفا کی کثرت تھی۔ خوانین، سیاسی زعماء طلباء وعوام کا توشمار ہی نہ تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس مرد قلندر، فدائے ختم نبوت اور وکیل صحابہؓ کے آخری دیدار کی سعادت حاصل ہو۔ اس لئے لوگوں کے شدید تقاضا پر چارپائی بارش کی وجہ سے سکول کے برآمدے میں ایک طرف کو رکھی گئی۔ اور ہر آدمی کو مناسب طریقہ سے زیارت کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ ہر ایک کی زبان پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کے کلمات جاری تھے۔ ہر ایک متاثر تھا اور آپ کی کرامت اور حُسنِ خاتمہ کا دل وجان سے معترف تھا اور واپسی پر ہر ایک کی زبان پر آپ کا ذکرِ خیر جاری تھا۔ آخر غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب کے وقت جمعرات کی رات کو اس مرد مجاہد اور پیکر اخلاص وللہیت کو مالکِ حقیقی کے سپرد کرکے لوگ دل فگار، واپس آئے۔ کچھ لوگ ہجوم کی وجہ سے زیارت کرنے سے رہ گئے تھے۔ انہیں ان کے تقاضا پر قبر میں زیارت کرائی گئی۔ ان کا حلفیہ بیان تھا:۔

کہ "حضرت مولانا کے چہرہ اقدس پر ستاروں کی طرح چمک تھی"۔ اس شمارہ میں قاری گل رحمن صاحب رقمطراز ہیں:۔

آپ کی موت کا عجیب منظر تھا ایسا منظر جس نے مخالفت کرنے والوں کو بھی موافقت پر مجبور کردیا۔ اور کوئی بھی موجود آپ کا مخالف نہ رہا، آپ کی بزرگی کا اقرار عوام وخواص سب کی زبان پر جاری تھا۔ آپ کے چہرے پر نورانی چمک پیدا ہوگئی تھی۔ اور چہرہ مبارک جوانی کی طرح بڑا نظر آتا تھا، اور آپ کا حسن جوانی سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر تھا، اور ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

(جنازہ) کے بعد آپ کا دیدار کیا گیا۔ سچی بات ہے ہم عینی گواہ ہیں کہ کفن سے آپ کا چہرہ مبارک زیادہ سفید تھا۔ نورانیت اور حق وصداقت کی روشنی اس وقت بہت ہی قابل دید تھی۔ روزنامہ جہاد پشاور ۳۰ مئی ۱۹۸۸ء۔

مولانا کا ترکہ و تقسیم: حضرت مولانا فقر ابوذرؓ کے امین تھے اور نہایت خود دار تھے۔ انہوں نے زندگی بھر دولت دنیا سے نہ صرف بے رخی برتی بلکہ اس سے جنگ بھی کی۔ ان کو جو کچھ ملا راہ خدا میں یتیموں، بیواؤں، ناداروں، معذوروں اور طلباء کی ضروریات میں لٹاتے رہے۔ جس نے جو مانگا اس کو دے دیا۔ اور خود زندگی قناعت میں بسر کردی۔ ان کی سخاوت، اور دادودہش کے واقعات انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقعہ پر ذکر کروں گا۔ انہوں نے کچھ کمایا نہیں، اور جو کچھ مل گیا اس سے اپنی آخرت بنائی۔ اور دوسروں کی دنیا سنواری عجیب درویش صفت انسان تھے۔ جب فوت ہوئے تو ان کا ترکہ کیا تھا۔ اس بارے حضرت مولانا عزیزالرحمن صاحب مدظلہ اپنے مضمون میں جو اسی لولاک میں لکھا گیا یہاں قلمبند کرتا ہوں، تاکہ حضرت کے مقام کو صحیح طور سے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

مولانا عزیزالرحمن صاحب رقمطراز ہیں:۔

وہ ہستی جس کے خلاف سوچے سمجھے منصوبے کے تحت طویل عرصہ تک جھوٹا اور بے بنیاد پروپگنڈہ کیا گیا حتی کہ یہاں تک کہا گیا کہ ان کی ٹرانسپورٹ چلتی ہے اور کئی ایک بنگلے بنائے ہیں، جب سفر آخرت پر روانہ ہوئے تو کل پونجی جو حسب ذیل تھی اس طرح تقسیم فرمائی۔

۱۔ کتابیں، رسائل اور غیر مطبوعہ مضامین وغیرہ راقم الحروف کو عنایت فرمائیں۔

۲۔ تیار دوائیں اور شیشیاں وغیرہ اپنے خادم خاص حکیم مولانا مسعودالرحمن ٹیکسلا کو دیں۔

۳۔ آبائی ورثہ میں ملا ہوا (کچا) مکان آدھا اپنی زوجہ محترمہ کو اور آدھا اپنی بڑی صاحبزادی کو دے دیا۔ حضرت مولانا کو جب سفر آخرت پیش آیا تو وہ دنیاوی معاملات کے بکھیڑوں سے بالکل پاک تھے۔ اور ان کا دل ماسوی اللہ تعالیٰ سے بالکل صاف تھا، اور بس اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے، کہ کب بلاوا آجائے، اور میں اڑکر اپنے رب تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں اور جلوہ ربانی سے آنکھوں کو مسرور اور دل کو پرنور کروں۔ مولانا مرحوم کی ایک صاحبزادی نے تین ماہ کے بعد اپنی ایک پھوپھی کو خواب میں دیکھا۔ یہ پھوپھی بڑی نیک اور صالحہ تھیں۔ اور مولانا کو اس سے اس کی دینداری کی وجہ سے بڑا پیار تھا۔ اس صاحبزادی نے اپنی پھوپھی سے کہا کہ اتنی مدت تک آپ نے ہمیں آکر دیکھا بھی نہیں کہ ہمارا کیا حال ہورہا ہے۔ پھوپھی نے جواب دیا۔ بیٹی کیا کریں جب سے لالہ (مولانا صاحب) آیا ہے ہمیں فرصت ہی نہیں

ملتی۔ دنیا جہاں کے علماء، اولیاء، بادشاہ اور پتہ نہیں کیسے کیسے بڑے لوگ عرب و عجم سے آرہے ہیں۔ ہمیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ تمہارا خیال پیدا ہو۔ جب سے لالہ (مولانا صاحب) اس قبرستان میں آیا ہے کہ ہماری حالت ہی اور ہو گئی ہے۔ اب تو رحمتیں ہی رحمتیں ہیں۔ برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ قبرستان والے اتنے خوش ہیں کہ میں بیان ہی نہیں کر سکتی۔ اب یہ لوگ ہمیں کہاں ملیں گے۔ کس کو روئیں کس کو یاد کریں۔ آہ جانباز تجھ پر خدا کی کروڑوں رحمتیں ہوں تونے اپنی دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اور تونے تبصرہ کا نمبر چھاپ کر مولانا کی زندگی کے نقوش اجاگر کئے اور تیرے اس شعر نے تو مجھے تڑپا ہی دیا۔

آج کیونکہ نہ چراغاں ہو صنم خانوں میں　　آج یارانِ محمد ﷺ کا وفادار گیا

میں بھی شامل ہوں تیرے غم میں ہزارہ کی زمین　　تیرا جانباز گیا اور میرا غم خوار گیا (جانباز)

حضرت مولاناؒ کی قبر مبارک: حضرت کی قبر مبارک بفہ کے اس بڑے اور وسیع قبرستان میں ہے جو شمال کی سمت میں واقع ہے۔ جو سڑک شمال کی جانب سے چونگی چوکی سے خواجگان کو جاتی ہے اسی پر چوکی کے قریب اس قبرستان میں حضرت مولانا مرحوم محو استراحت ہیں۔ قبر بالکل کچی ہے۔ اب اس کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ مرحومہ اور بڑی صاحبزادی مریم بی بی کی قبریں بھی متصل ہو گئی ہیں۔

قبر کے سرہانے سیمنٹ کے بنے ہوئے ایک بورڈ پر یہ عبارت کندہ:

"خادم اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ)

وفات ـــــ مطابق ۴ فروری ۱۹۸۱ء۔

تعارفی نوٹ

مولانا ہزارویؒ کے بارہ میں یہ بات ذہن نشین کرنی از حد ضروری ہے کہ ۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک تاوفات فرنگی حکومت اور پاکستان کی ہر حکومت میں بستہ (ب) میں درج رہے ہیں۔ ہر حکومت نے انہیں انقلابی، باغی اور خطرناک ترین لیڈر سمجھا تھا اور ان کی مسلسل اور مکمل نگرانی ہوتی رہی تھی، یہاں تک کہ وہ اسمبلی کے ممبر تھے تب بھی انہیں معاف نہیں کیا گیا۔ سی، آئی، ڈی ہمیشہ ان کے تعاقب میں رہتی تھی۔ یہ پوچھتے رہتے کہاں جانا ہے؟ کس سے ملنا ہے؟ کیا پروگرام ہے؟ گھر سے روانگی کے ساتھ ہی اگلی چوکیوں میں اطلاع ہوجاتی تھی اور ان کی سرگرمیوں سے حکومت کو باخبر رکھنے کا پورا پورا بندوبست ہوتا تھا۔

مولانا مرحوم کو ہر حکومت کے کلید برداروں اور سکہ بند افسروں نے حتی الوسع تنگ کرنے کی کوشش کی۔ ان سب میں مرزا قادیانی کے پیروؤں نے بہت تنگ کیا، کہیں نظر بندی، کہیں داخلہ بندی، کہیں مقدمہ، کہیں شوکاز نوٹس غرض جو کچھ ان سے بن پڑا وہ مقدور بھر کرتے رہے۔ غرض یہ تھی کہ مولانا دب جائیں، نرمی برتیں، ان کا پیچھا چھوڑیں، مگر اس مردِ مجاہد اور جرنیلِ اسلام سے یہ توقع رکھنا ہی بے سود تھا۔ یہاں تو دبنے، جھکنے، رکنے اور پھسلنے کا سوال ہی نہ تھا، وہ تو اس قافلہ حریت کے علمبردار تھے جو میدان تبلیغ اور میدان سیاست میں تخت یا تختہ کا عقیدہ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ ان سے یہ توقع کرنا جہالت وحماقت تھی، کہ این خیال است محال است وجنون! بہرحال ان مرزائی افسروں میں ڈی، سی راولپنڈی میجر محمد اشرف بھی تھا۔ جس نے ایوب خان کے دور حکومت میں مولانا مرحوم کو خوب تنگ کیا اور مزے لیتا رہا۔ کئی بار آپ کے خلاف مقدمات قائم کئے۔ زبان بندی اور نظر بندی کرائی، شوکاز نوٹس دئے۔ مولانا مرحوم کے پرانے کاغذات میں سے ہمیں اس میجر اشرف کا ایک شوکاز نوٹس ملا ہے جو انگریزی زبان میں ہے۔ مولانا مرحوم نے اس کا اردو میں ترجمہ کرا کر اس کا جواب لکھ کر اس کو بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ جواب ہمیں مل گیا ہے، جو یہاں بعینہٖ نقل کیا جارہا ہے۔ پڑھ کر مزہ ہی آجاتا ہے۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ کا مصداق ہے۔

اس بدبخت نے مولانا کو بہت تنگ کیا مگر سزا کیا ملی جب یحییٰ خان کا دور حکومت آیا تو اس نے ایوب خان کے دور حکومت کے بدقماش اور بد اطوار افسروں کو نکال کر باہر کردیا، اور ان میں اس کو بھی چلتا کیا۔ اقتدار کا نشہ ہرن ہوا اور اپنے کئے کی سزا ملی، اور اگلے جہان کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ مولانا نے چنیوٹ ختم نبوت کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے مرزائیوں پر کڑی نکتہ چینی کی، اور میجر اشرف اور عبد السلام کے بارہ میں فرمایا!

"(میں) صدر یحییٰ خان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے (۳۰۳) بڑے جغادری افسروں کو نکالا ہے ---------
ان (۳۰۳) افسروں میں راولپنڈی کا سابق ڈپٹی کمشنر میجر اشرف مرزائی بھی تھا اور ان (۳۰۳) میں ہزارے کا سابق ڈپٹی کمشنر عبد السلام مرزائی بھی تھا ان دونوں نے مجھے (اپنے دور میں) ایک سال تک (نہیں بلکہ کئی سال تک) جھوٹے مقدموں میں پھنسا کر عدالتوں میں خراب کرنے کی کوشش کی۔ الحمدللہ میں آج سلامت ہوں لیکن یہ گئے اور اپنے انجام کو پہنچ گئے"۔

بحوالہ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء ج ۱، ص ۴۹۵-۴۹۶، ۱۹۹۳ء۔

بجواب شوکاز نوٹس

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی

(مجریہ ۹، اکتوبر ۱۹۶۸ء)

از مولوی غلام غوث ہزاروی خطیب جامع مسجد بھوسہ منڈی راولپنڈی "صدر"
(یہ جواب پانچ صفحات اور ایک صد پینتالیس سطور پر مشتمل ہے)

مسٹر محمد اشرف صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی!

میں آپ کے اس والہانہ جذبے کی قدر کرتا ہوں جو آپ اپنے فرقہ مرزائیہ قادیانیہ کی ترقی اور اشاعت کیلئے رکھتے ہیں اور اسی جذبے کے تحت آپ اپنے حدود اختیار میں علماء کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کا فرقہ مسلمان ہوتا تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیتے۔ مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ نہایت نیک نیتی سے اس راستے پر گامزن ہیں جو جہنم کی طرف جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اصلی اسلام کی ہدایت فرمائے (آمین) میں اس دعا سے زیادہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ آپ نے مجھے جو نوٹس دیا ہے اس کی وجوہ منسلکہ کاغذ پر تیرہ نمبروں میں لکھی ہیں۔ میں ہر ایٹم کے بارہ میں حسب الحکم کچھ عرض کروں گا۔ مگر پہلے مختصراً یہ عرض کردوں کہ آپ کے رپورٹروں نے آپ کی ایماء سے یا آپ کو خوش کرنے کیلئے یا خود اپنی کم علمی کی وجہ سے جو رپورٹیں پیش کی ہیں ان کا بیشتر حصہ غلط ہے اور جو صحیح ہیں وہ قابل اعتراض نہیں ہیں۔

پہلا الزام: کہ تم نے میجر جنرل ٹکا خان کی موزونیت کا ذکر کرکے جنرل اے، ایم یحیٰ خان کے کمانڈر انچیف بنانے پر اعتراض کیا ہے۔ جس سے فوجی عہدیداروں کے درمیان بے اطمینانی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مسٹر محمد اشرف صاحب! آپ نے ایک سابقہ نوٹس میں بھی یہ الزام لگایا ہے اور آخر کار مجھے ایک ماہ تک راولپنڈی میں تقریر نہ کرنے کا آپ نے پابند کردیا۔ جس کی خلاف ورزی کے جھوٹے الزام میں اب تک مجھ پر کیس چل رہا ہے اور جب دنیا کو یہ معلوم ہوگا کہ راولپنڈی کے حکام درس قرآن پر بھی مقدمہ چلایا کرتے ہیں تو وہ کتنے حیران ہوں گے۔ بہر حال یہ الزام قطعی غلط ہے کہ میں نے کمانڈر انچیف کے تقرر پر اعتراض کیا ہے میں نے درسی کتب میں سے خلافت راشدہ کا باب نکالنے کے خلاف باتیں کی تھیں اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم مذہبی تعصب کرتے یا فرقہ وارانہ جذبات کے تحت یہ باتیں کرتے تو جناب گورنر صاحب اور کمانڈر انچیف صاحب کے بارے میں کیوں خاموش رہتے ان پر اعتراض کیوں نہ کرتے، میں نے تو سُنّی جماعت کی عالی ظرفی اور وسعت قلبی کی تعریف کی تھی باقی ٹکا خان کا ذکر ایک اور مسئلے کے ضمن میں چند بار میں نے کیا ہے مودودی صاحب نے کہا ہے کہ "اسلام عام مساوات کا حکم دیتا ہے اور آں حضرت ﷺ نے آخری وقت میں یہ وصیّت کردی کہ "الائمۃ من قریش" کہ خلیفے قریش میں سے ہوں گویا آپ نے قرآن واسلام کے عام حکم کے خلاف وقتی مصلحت کی خاطر حکم دے دیا۔

میں اس کا جواب دے رہا تھا کہ اسلام کا اصول یہ نہیں ہے کہ اہلیت وقابلیت کو نہ دیکھو صرف "انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم" (تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے زیادہ ڈرے) کو دیکھ کر عہدے دیا کرو۔ میں نے مثال دی تھی کہ ایک بوڑھا پرہیز گار نیک مسلمان سال بھر روزے رکھتا ہے۔ لاکھوں روپے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ لٹا دیتا ہے۔ رات بھر جاگتا، نفل پڑھتا اور خدا کے خوف سے روتا رہتا ہے۔ مگر عمر بھر تلوار کبھی نہیں اٹھائی، نہ بندوق چلائی اور نہ کسی لڑائی میں شریک ہوا، نہ فنونِ حرب سے واقف ہے۔ فرض کریں آج ہمارے کمانڈر انچیف فوت ہو جائیں، تو ہم اس خدا ترس بزرگ کو کمانڈر انچیف بنائیں گے یا ٹکہ خان جیسے آدمی کو، مودودی نے اسلامی مساوات کا معنی غلط سمجھا ہے۔ ہاں اگر قابلیت میں ایک زیادہ ہو تو دوسرے کو محض پٹھان یا پنجابی ہونے یا کسی خاص قوم وملک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آگے نہالق کریں گے۔ مسلمان ہونے کے بعد صرف سینارٹی کو دیکھیں گے۔ اس میں ذات پات اور ملک وقوم کو دخل نہ دیں گے۔ اگر آپ کے جھوٹے رپورٹر میری بات نہ سمجھیں اور آپ قلم لئے تیار بیٹھے ہوں تو پھر جو کچھ ہو رہا ہے وہی ہوگا۔ میرے خیال میں آپ کے شایان شان محقرات امور نہیں بلکہ کسی بڑے اور صحیح الزام میں کاروائی کرنی چاہیے۔

دوسرا الزام: یہ الزام بالکل جھوٹ نہیں ہے میں نے کہا کہ انجمن تحفظ حقوق شیعہ اپنے حقوق کے لئے جس طرح کوشش کر رہی ہے یہ ہمارا کہنا بالکل اسی قسم کا ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں کے الیکشن لڑانے کی ساری ذمہ داری کیوں این۔ اے، فاروقی پر ڈال دی گئی، بلکہ میں نے چند اور ذمہ دار اسامیوں کا بھی ذکر کیا تھا کہ دس کروڑ مسلمانوں کے حقوق ضائع کرنا حکومت کیلئے مفید نہیں ہوسکتا۔ علماء سے مشورہ کرنے کا ذکر مضحکہ خیز ہے، آپ ڈی۔ سی ہو کر اگر اس زمانے میں اس بات کو صحیح سمجھیں کہ میں علماء سے مشورہ کرنے کی توقع حکومت سے رکھتا ہوں اور یہ مطالبہ کرتا ہوں تو پھر دوسروں سے اور رپورٹروں سے کیا شکایت۔

تیسرا الزام: اہلحدیث جماعت کو مناظرے کی دعوت دی۔ یہ قطعاً غلط سیاہ جھوٹ اور میرے طریق کار کے مخالف ہے۔ بالفرض اگر یہ کہا گیا ہے تو مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولوی عبد القادر صاحب روپڑی (اہل حدیث) کے درمیان اس طرح کی چیلنج بازی مطبوعہ اشتہارات کے ذریعے راولپنڈی میں ہوتی رہی ہے۔ جس پر جناب کو نہ کوئی غصہ آیا اور نہ ہی ان کو نوٹس دیا۔

چوتھا الزام: کہ میں نے مودودی صاحب پر تنقید کی ہے، میں حیران ہوں کہ اس سے آپ کو کیوں تکلیف ہوئی۔ ہاں! شاہ فیصل نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو غسلِ کعبہ کی دعوت دی۔ آپ نے اتنا ہی لکھا یہ نہ لکھا کہ کیا یہ غلط ہے؟ اور کہا مودودی صاحب شاہ فیصل کی تعریفیں کرتے ہیں؟ بالکل ٹھیک ہے۔ غلط تعریف غلط ہی ہوتی ہے۔ آپ کو البتہ حق حاصل ہے کہ شاہ فیصل کی تعریف کریں کہ اس نے اپنے سابقہ فرمانرواؤں کے خلاف مرزائیوں کو حرمینِ شریفین میں داخلے کی اجازت دی۔ ہم تو اس کے اس فعل کو غلط اور برا کہیں گے۔

پانچواں الزام: اس کے تین حصے ہیں (ا) حکومت پاکستان امریکہ کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بن جائے۔ اگر میں یہ مشورہ دوں تو اس میں آپ کو کیوں تکلیف ہوتی ہے۔ (ب) صدر ایوب خان نے لندن میں یہ لفظ کہے اور نہ میں نے ان پر تنقید کی۔ آپ اپنے نالائق رپورٹر پر اس طرح یقین کرتے ہیں جیسے مرزا قادیان کی وحی پر، صدر صاحب نے لندن میں (اخبارات کے مطابق) یہ کہا تھا کہ ہم نے پاپائیت ختم کردی

ہے میں نے یہ کہا تھا کہ یورپ میں پاپائیت ایک استبدادی مذہب تھا اور بادشاہوں کی طرح وہ بھی سفاک تھے۔ عیسوی مذہب میں کوئی جامع قانون نہیں تھا۔ راسپوٹین، زار روس کا دلال تھا اور زارینہ راسپوٹین سے ملی ہوئی تھی دونوں طرف بدمعاش تھے۔ عوام نے بادشاہ کو اس رنگ میں دیکھا اور مذہب کو اس رنگ میں آخر کار دونوں کو ختم کر کے رکھ دیا۔ مگر اسلام جامع شریعت رکھتا ہے زندگی کے ہر شعبے کے لئے مکمل ہدایت پر حاوی ہے۔ اس نے پورے ایک ہزار سال مکمل دنیا پر عادلانہ حکومت کی ہے۔ اسلام اور علماء اسلام کو پاپائیت اور پاپاؤں پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو بیشک میں مجرم ہوں۔ ہمارے صدر محترم کو دس کروڑ مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسلامی نظام کے محاسن پاپائیت کے مقابلہ میں اجاگر کرنا چاہیئے۔ یہ ایک معلوماتی بات ہے نہ مخالفت ہے نہ تنقیص۔

(ج)۔ حکومت پاکستان میں چار آدمی فرعون، ہامان، نمرود اور شداد کا پارٹ ادا کر رہے ہیں ان کے نام آئندہ کبھی بتاؤں گا۔ مسٹر محمد اشرف صاحب! آپ ایک کام تو کردیں کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی رپورٹر مقرر کرنے کا انتظام کریں۔ مسٹر! میں نے کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کانفرنس لاہور میں ایک بات کہی تھی۔ یہاں اس کا اعادہ کیا تھا۔ البتہ یہاں مسجد کے ادب کے پیش نظر نام نہ لئے۔ میں نے لاہور (کانفرنس) میں کہا تھا کہ پہلے لوگ فرعون، ہامان، نمرود اور شداد کے نام لکھ کر جنوں والے مریض کو اس دھواں سنگھاتے تھے۔ آپ اپنے ملکی چار آدمیوں کے نام لکھ کر ان کی بتیاں بناؤ، وہ نہ حکومت کے آدمی تھے نہ میں نے حکومت کی بات کہی تھی اور راولپنڈی کی جامع مسجد میں میں نے تو ان کے نام بھی نہیں لئے۔

چھٹا الزام: الزام یہ ہے کہ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کاذب کہا۔ ڈی۔سی راولپنڈی کو احمدی کہا۔ پیرووُں کو کاذب سمجھتا ہوں ورنہ میں خود کافر ہوجاؤں، میں نے پیر دیول پر تنقید کی ہے مگر آپ کو اور حکومت کو کیوں تکلیف ہوئی کسی شخص پر تنقید کا حق کس قانون نے چھینا ہے؟ مرزائیوں کو بارہ لاکھ روپیہ تبلیغ کیلئے دینے کا ذکر کیا ہے مگر یہ تو قومی اسمبلی میں خود حکومت نے تسلیم کیا۔ میں نے ڈی۔سی راولپنڈی کو احمدی نہیں کہا بلکہ مرزائی کہا ہے۔ اگر آپ مرزائی نہیں ہیں یعنی مرزا قادیانی کے پیرو نہیں ہیں تو میں ان الفاظ کی آپ سے معافی مانگوں گا اور آپ کی مرزائیت تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے پاک بھارت جنگ کے بعد ۱۹۶۵ء میں راولپنڈی کی جہاد کانفرنس میں بھی آپ کی مرزائیت کو کاذب سمجھتا اور کاذب کہتا ہوں، اور اگر آپ کا یہ نوٹس مقدمہ پر منتج ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس دعویٰ کو ہائیکورٹ یا سپریم کورٹ میں ثابت کروں گا۔ خدا کرے کہ یہ سعادت میرے حصے میں آجائے۔ اب تک سیشن جج سے بڑی عدالت نے آنجہانی مرزا جی کے بارہ میں فتویٰ کفر کی تصدیق نہیں کی۔ خدا کرے کہ میں اور آپ اس کا سبب بن جائیں آپ مرزائیوں میں ہیرو بن جائیں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے اجر بلکہ فضل و کرم کی امید رکھوں گا۔

ساتواں الزام: ڈاکٹر فضل الرحمان کو کافر کہنے کی بات آپ کے رپورٹر کی بات ہے میں نے بہر حال اس کو ملحد، زندیق اور گمراہ کہا اور کہتا ہوں، اور حکومت نے بھی اس کو نکال باہر پھینک دیا اگر آپ اس کو صحیح مسلمان ثابت کرنے کا شوق رکھتے ہیں تو نوٹس پر عمل کر کے مقدمہ کی شکل بنائیں۔ اس کیس میں مزہ آجائے گا۔ صدر ایوب کا ذکر رپورٹر نے خدا جانے کیوں کیا۔ میں تنقید کے وقت حکومت کا نام لیا کرتا ہوں۔

آٹھواں الزام: مودودی پر تنقید کی اور اس کو ------- کہا۔ مودودی پر تنقید سے چڑ کر آپ خود سرکاری پالیسی کو روندتے ہیں۔ ہم مودودی کو مذہباً گمراہ سمجھتے اور کہتے ہیں اور حکومت سیاسی اور اقتدار کی جنگ کی وجہ سے اس کی مخالف ہے۔ مگر آپ کی پوزیشن یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم پر اہلحدیث اور مودودی سے الجھنے کا الزام دھریں اور اصل تکلیف آپ کو مرزائیت کی ہو مگر میں عرض کروں گا کہ ہم لوگ نہ شر پسند ہیں اور نہ شور پسند۔ مرزائیت کے سلسلہ میں بھی آپ ہی نے ابتدا کی اور اب بھی اس تلخی کو بڑھا رہے ہیں۔ آخر میں تمام مغربی پاکستان بلکہ مشرقی پاکستان میں بھی تقریریں کرتا ہوں آپ کے سوا کسی اور کو ان تقریروں میں سانپ بچھو نظر نہیں آتے۔ اگر آپ پاکستان کے دارالحکومت اور صدر مملکت کی قیام گاہ کا ہی خیال کرتے تو یہاں ایسے حالات نہ پیدا کرتے۔ جس کا آخری سرا جلسے اور جلوس اور بدمزگیاں ہوں۔ یہ شرف آپ کے عہد کو ہی حاصل ہے کہ دارالخلافہ میں حالات نارمل نہیں رہے۔

نواں الزام: لوسر شرفو کا واقعہ یہ ہے کہ وہاں جلسہ کا اعلان کیا گیا تھا اور اشتہار میں میرا نام شائع ہو گیا تھا آپ نے قبل از وقت نہ مجھے پابند کیا اور نہ دفعہ نمبر ۱۴۴ لگائی۔ ۳، اگست کو عشاء کے وقت جبکہ ہزاروں لوگ جمع ہو گئے تھے آپ کی پولیس نے جلسہ گاہ میں دفعہ نمبر ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان کردیا اور چالیس کے قریب رائفلوں والے کانسٹیبل موجود تھے۔ دوسری طرف ہزاروں آدمی جمع تھے اگر کسی فریق کی بے احتیاطی سے شر ہو جاتا تو اس کا نتیجہ بہت سی انسانی جانوں کی ہلاکت کی صورت میں نکلتا۔ علماء کرام اور اہل اسلام مبتلائے فتنہ ہوتے، یا حکومت بدنام ہوتی۔ خدا جانے آپ اس میں کیا سوچ رہے تھے۔ میں نے اعلان کردیا کہ اب نہ جلسہ ہے نہ تقریر اور نہ سٹیج صدر۔ صرف درس قرآن ہوگا۔ اس طرح بھڑکے ہوئے جذبات سرد ہو گئے۔ میں نے راولپنڈی میں آکر آپ پر تنقید کی کہ پولیس نے منادی میں کہا کہ کل ۲، اگست سے دفعہ نمبر ۱۴۴ نافذ ہے مگر نہ ۲، اگست یا ۳، اگست کے اخبارات میں شائع ہوا اور نہ ہی ریڈیو وغیرہ کے ذریعے اعلان ہوا۔ نہ اہل جلسہ کو کوئی نوٹس ملا نہ مجھے، آخر خون خرابے کے امکانات کیوں پیدا کئے گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے نفاذ نمبر ۱۴۴ کو فعل دجل نہیں کہا گیا یہ رپورٹر کی مہربانی ہے۔

دسواں الزام: سماجی برائیوں میں اضافہ ہوا ہے ساری دنیا کہتی ہے اور اپوزیشن لیڈر خوب برس کر چلے جاتے ہیں آپ ان سے نہیں پوچھتے۔ باقی مرزا غلام احمد قادیانی کو میں نے دجّال کہا۔ میں نے ہرگز نہیں کہا بلکہ سرور کائنات حضرت محمد عربی ﷺ نے اپنے بعد مدعیٔ نبوّت کو کذاب ودجّال کہا اور ہم آپ ﷺ کی ارشادات کی اشاعت کرتے ہیں۔ مقدمہ کی صورت میں عدالت میں اس کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

گیارھواں الزام: مودودی پر تنقید سے آپ کو کیوں پریشانی ہوئی اس نے بلاشبہ صحابہ کرامؓ پر کیچڑ اچھالا ہے۔ امریکہ نے بلاشبہ بھارت سے ہم پر اور یہودیوں سے عربوں پر حملہ کرایا۔ اسلام کے خلاف اس کی سازشیں اظہر من الشمس ہیں۔ آپ کو امریکہ سے کیوں اتنی ہمدردی ہے۔ امریکن اور مرزائی سازش۔ اسلام کمزور کرنے کے لئے، نہ مجھے اس کا علم ہے نہ اس طرح میں کہہ سکتا ہوں اپنی اپنی جگہ دونوں اسلام کے لئے خطرہ اور مسلمانوں کے لئے ابتلاء ہیں۔

بارھواں الزام: غلام احمد پرویز کی رہائش گاہ میں ننگے ناچ ہونے کا کوئی ذکر میں نے نہیں کیا۔ نہ مجھے علم ہے۔ کراچی میں بعض ہوٹلوں میں ایسا ہونے کا ذکر کیا تھا۔ ہاں پرویز صاحب کے ہاں نیم برہنہ، عورتوں کے شمول درس کا ذکر کیا تھا۔

غلام احمد پرویز کے اقوال و بیانات کی روشنی میں ہم اس پر فتویٰ لگا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ خاتمہ سے پہلے توبہ کرنے نہ کرنے کا حال معلوم نہیں ہوتا اس لئے کسی خاص آدمی کا نام لے کر اس کو دوزخی نہیں کہہ سکتے۔ نہ ہم اس طرح بے احتیاطی برتتے ہیں البتہ اس کے بیان کردہ عقائد کو صحیح قرار دینے والوں کو ہم اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

تیرھواں الزام: احمدی لٹریچر نہیں بلکہ مرزائی لٹریچر کی ضبطی کا مطالبہ کیا ہے۔ جس میں مرزاجی نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر کہا ہے یا کنجریوں کی اولاد وغیرہ، یا پیغمبروں کی توہین کی ہے، اور فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی روکنے کے لئے اس طرح کے دو طرفہ تصانیف پر یکساں عمل ہونا ضروری ہے۔ سول نافرمانی کی دھمکی نہیں دی بلکہ یہ بات نقل کی جو جمعیت علماء اسلام کے وفد نے آنریبل قائم مقام صدر عبد الجبار خان سے کہی تھی کہ ساہیوال کے حکام نے ان بچوں کو گرفتار کر کے کتنی غلطی کی جنہوں نے دیواروں پر مرزائی کافر کے الفاظ لکھے۔ اگر ہم ملک میں اشتعال انگیزی اور شر پسندی چاہتے تو آپ کے حکام نے کتنا آسان ہتھیار ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے، اگر ہم ملک میں آج اعلان کر دیں کہ دیواروں کو کالا کرو تو کوئی دیوار سفید نہیں رہ سکتی۔ یہ تو غیر ذمہ دار بچے وغیرہ انفرادی طور پر کر رہے ہیں۔ آپ دیواروں پر لکھائی کو گویا میری تقریر کا اثر بتا رہے ہیں، حالانکہ عرصہ دراز سے یہ بات ملک میں میری تقریر سے بہت پہلے سے چل رہی ہے میں اب بھی کہتا ہوں کہ جو باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں اور ہر مسلمان کی زبان پر ہیں اس کی مخالفت کو اہمیت دے کر حکومت کی مشکلات میں اضافہ نہ کیا جائے۔ میں نے سول نافرمانی کی کوئی دھمکی نہیں دی مندرجہ بالا باتیں بیان کی ہیں، اور اسی اجلاس میں عوام کو صرف مناسب نعرے لگانے اور کسی قسم کی تعدی نہ کرنے کی تلقین کی۔

ہمارے ضلع کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اگر میں ازراہ خیر خواہی دو باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہوں تو برا نہ منائیں۔

ایک یہ کہ آپ اپنے مذہب پر نظر ثانی کریں آخر رحمۃ اللعلمین ﷺ کی ستر کروڑ امت اجابت مرزاجی کو نہ ماننے سے کافر ہو کر کیسے جہنم کو جائے گی جبکہ صرف مٹھی بھر مرزائی نجات کے حقدار قرار پائیں۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کے نبی کے آنے کا امکان ہوتا جس کا انکار کفر تھا تو قیامت تک کی خبریں اور نشانیاں بتانے والے نبی ﷺ اتنے بڑے خطرے سے امت کو کیوں آگاہ نہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ آگاہ نہیں کیا بلکہ الٹے، کبھی فرمایا کہ "میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں بن سکتا"۔ کہیں فرمایا کہ "نبوّت اور رسالت اب ختم ہو چکی ہے" کبھی فرمایا کہ "میری امت میں سے تیس (یا ستر) دجال و کذاب پیدا ہوں گے جو اپنے کو نبی کہیں گے" کبھی یہ خبر دی کہ "قصر نبوّت مکمل ہو چکی ہے آخری اینٹ کی جگہ باقی تھی جو میرے آنے سے پر ہو گئی" اس طرح کی تقریباً دو صد احادیث نبویہ ہیں۔ تو کیا خود حضور ﷺ نے اپنی امت کو آنے والے مرزا غلام احمد کے بارے میں دھوکے میں رکھ کر جہنمی بنایا۔ (العیاذ باللہ العظیم) میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے آدمی جلد توبہ کر کے مسلمان قوم کی خیر خواہی کریں اور جہاد کو مرزاجی کی طرح حرام نہ سمجھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں سارے پاکستان میں جنرل یحییٰ کے بارے میں کچھ نہیں کہتا صرف آپ کے ضلع میں کہتا ہوں اگر کسی کا یہ مقصد ہو کہ اس طرح کا سنگین الزام لگا کر شیعہ حکام کو میرے خلاف بھڑکایا جائے تو ایسے رپورٹر یا ایسے شخص کی یہ امید بر نہ آئے گی اور آخر کار عدالت میں سچ اور جھوٹ جدا جدا ہو کر رہیں گے۔

میں مغربی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کا ناظم عمومی اور سابق ایم۔ پی۔ اے ہوں، آپ کے رپورٹر سے زیادہ آپ کو میری بات کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ میں آپ کے مذہب کا مخالف ہوں مگر پاکستان، قوم اور ملک کا وفادار ہوں۔ آپ کو ڈی۔ سی مانتا ہوں مگر بے جا دباؤ قبول نہیں کر سکتا انجام کار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے خیال میں جو مرزائی دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو اپنے فرقہ کے خلاف ابھارتا ہے وہ اپنے فرقے کا خیر خواہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت ساری طاقتوں سے زیادہ اور اوپر ہے۔

آخر میں ایک ضروری بات یہ ہے کہ!

میں بفہ ضلع ہزارہ میں نہیں رہتا۔ بیشک وہ میری آبائی جگہ ہے مگر میری مستقل سکونت اب راولپنڈی میں ہے جہاں میں خطیب ہوں، اور خود آپ نے مجھے خطیب بھوسہ منڈی کر کے لکھا ہے۔ اس لئے اب کا (تازہ) موجودہ نوٹس کہ میں بفہ ہزارہ کا ہوں اس لئے داخلہ راولپنڈی پر پابندی عائد کی جائے قطعاً غلط ہے اور غیر معقول ہے۔ فقط والسلام علی من اتبع الهدیٰ

غلام غوث ہزاروی

خطیب جامع مسجد بھوسہ منڈی صدر۔ راولپنڈی - ۱۸، اکتوبر ۱۹۶۸ء

تحریر: حضرت مولانا محمد اجمل خاں

مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ واقعات کے آئینہ میں

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اپنے سنہری کارناموں کی وجہ سے کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گوناگوں کمالات سے نواز رکھا تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ بلکہ ایک تحریک تھے۔ وہ درحقیقت اسلام کے سچے خادم اور خلوص وایثار کے پیکر اور اکابر علماء دیوبند کی روایات کے امین تھے۔ وہ لاکھوں مسلمانوں کے سیاسی، مذہبی رہنما اور پیشوا تھے۔ ان کی غیر معمولی ذہانت، ان کی حاضر دماغی اور بیدار مغزی، ان کی سیاسی بصیرت اور دور بینی، ان کے خیالات کی پختگی اور اپنے مسلک پر استقامت وثابت قدمی لوگوں کی مدح وتنقید سے بے پرواہی اور ان کی خود داری، اور جفاکشی بلاشبہ یہ اوصاف قابل تعریف وتوصیف ہیں۔ حضرت مولانا نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری زندگی کے تین مقاصد ہیں:۔

(۱) ملک میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام۔

(۲) ملک سے انگریز کا اخراج۔

(۳) انگریز کے خود کاشتہ پودے "مرزائیت" کی بیخ کنی۔

حضرت مولانا ہزاروی کی سیاسی بصیرت اور دینی پختگی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۵۴ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم نو کے لئے ملتان میں علماء کرام کا ایک عظیم اجتماع ہوا، جس میں حضرت مولانا احمد علی صاحب، شیخ التفسیر کو متفقہ طور پر جمعیۃ علماء اسلام کا امیر منتخب کیا گیا، لیکن آپ نے اپنی امارت کو اس شرط پر معلق فرمادیا کہ اگر مولانا غلام غوث ہزاروی جمعیۃ کی نظامت کو قبول کریں تو پھر میں بھی عہدہ امارت کو قبول کرلوں گا۔

چنانچہ حضرت ہزاروی کو یہ منصب طوعاً وکرہاً قبول کرنا پڑا۔ حضرت ہزاروی اپنے عزم واستقلال اور جرأت وجسارت اور بے لوث خدمات کے باعث حضرت لاہوریؒ کی توقعات پر پورے اترے اور کسی موقعہ پر بھی ان کے اعتماد کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ ملک کے سیاسی زعما اور جماعتوں کے رہنما جب کبھی کسی سیاسی مسئلہ پر حضرت لاہوری سے تبادلۂ خیال کرنا چاہتے تو آپ ان کو مولانا ہزاروی سے رجوع کرنے کو کہتے اور فرماتے کہ ان سے گفتگو مجھ ہی سے گفتگو ہے۔ حضرت امیر کا یہ ارشادِ گرامی حضرت مولانا ہزاروی کی عظمت کا بین ثبوت ہے۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اپنے دورِ نظامت میں جمعیۃ علماء اسلام کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا اور شب وروز کی محنتِ شاقہ سے جمعیۃ کے مشن کو چار چاند لگائے۔ پاکستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں جمعیۃ کے دفاتر قائم کئے اور کارکنوں کو ایک نیا ولولہ اور ایک نیا جذبہ دیا اور علماء کو مساجد ومکاتب سے نکال کر میدانِ سیاست میں لاکھڑا کیا اور غریبوں، ناداروں، مفلسوں، محنت کشوں اور مزدوروں کے دلوں سے جاگیرداروں، سرمایہ داروں، اور وڈیروں، نمبرداروں کے رعب اور دبدبہ کو نکالا اور ان کے خلاف صف آرا

آپ نے اپنے حقیقی بھائی مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے بھی اپنی اہلیہ محترمہ کا شرعی پردہ کرایا۔ اس دور پر فتن میں فرمانِ رسول پر عمل کرانا ناممکن تو نہیں بہت مشکل ہے۔ معاشرہ میں عمل کر کے دکھانا کارے دارد۔ آنحضرت ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں دیور اور جیٹھ کو موت قرار دیا ہے۔ یہ تھا حضرت مولانا ہزاروی کا شریعت مطہرہ پر عملی اقدام، جبکہ ایسا کرنے والے کو موجودہ دور میں رجعت پسند اور بنیاد پرست خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا نے ان تمام باتوں سے بے پرواہ ہو کر پورے خاندان میں ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔

اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ اپنی حقیقی ہمشیرہ کے چہرے کو شرم وحیا کی وجہ سے زندگی میں بنظرِ غائر نہیں دیکھا۔ جب جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو اس وقت دائمی فرقت اور جدائی کے صدمہ کے باعث ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ یہ تھا مولانا کا تقویٰ۔

مزید براں مولانا موصوف کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ اکثر و بیشتر تبلیغی سفر پر رہتے تھے، مگر پیرانہ سالی میں بھی طویل سفر کے باعث تھکاوٹ کے باوجود اگر کوئی شخص ازراہ عقیدت آپ کی تھکان دور کرنے کی غرض سے آپ کو دبانا چاہتا تھا تو آپ سختی سے ڈانٹ دیتے تھے اور ازراہ ظرافت فرماتے تھے "تم مجھے کیا دباؤ گے مجھے تو انگریز بہادر بھی نہیں دبا سکا"۔

سادگی: آپؒ سادہ زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے اور انتہائی درجہ کے قناعت پسند انسان تھے۔ عقیدت مندوں کی خواہش کے باوجود بڑی بڑی کوٹھیوں پر رہنا پسند نہیں فرماتے تھے اور پر تکلف دعوتوں سے نفرت تھی، بلکہ آپ کو سادہ غذا زیادہ مرغوب تھی۔ حتی کہ آپ اپنے کپڑے بھی خود دھولیتے تھے۔ سفر میں اپنا سامان ایک کپڑے کی گٹھڑی میں باندھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے ۔ کسی مخلص دوست نے ایک موقعہ پر کہا کہ مولانا صاحب آپ تو اسمبلی کے ممبر ہیں، لہٰذا آپ ایسی میلی کچیلی گٹھڑی اپنے ساتھ نہ رکھا کریں کیونکہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے، تو مولانا صاحبؒ نے فوراً مسکراتے ہوئے برجستہ فرمایا! تو کیا پھر میں شلوار اور داڑھی کے ساتھ بھی نہ جایا کروں، یعنی موجودہ دور کے مطابق پینٹ پتلون پہنا کروں۔ وہ دوست اس جملے کو سننے کے بعد لاجواب ہو گئے۔

ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سردی کے زمانہ میں علی الصبح جامع مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا، تو راستہ میں ایک تنور پر چادر اوڑھے ہوئے ایک سفید ریش بزرگ کو ناشتہ کرتے ہوئے دیکھا۔ جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا غلام غوث ہزاروی ہیں، بعد میں تنور والے سے پوچھا کہ یہ بابا جی کون ہیں تو اس نے جواب میں کہا کہ نام تو مجھے معلوم نہیں البتہ یہ کبھی کبھار میرے تنور پر آتا ہے اور دال روٹی سے ناشتہ کرتا ہے۔ مولانا موصوف نے جس طرح قناعت اور سادگی سے زندگی بسر کی وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ اس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ بسترِ مرگ پر آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا فقیر محمد صاحب (فاضل دیوبند) کو وصیت فرمائی کہ میں نے فلاں شخص کے چالیس روپے قرض دینے ہیں، اس کو ضرور ادا کریں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ جماعتی دورے پر کراچی تشریف لے گئے، وہاں کام سے فراغت کے بعد جب لاہور کے لئے واپسی ہونے لگی تو مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے محض ان دونوں حضرات کے آرام کی خاطر ریل کے درجہ اوّل (I کلاس) کے دو ٹکٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ ہزاروی صاحب کو پہلے تو معلوم نہ ہوا مگر جب I کلاس کے ڈبہ میں داخل ہوئے اور نرم اور آرام دہ سیٹ پر تشریف فرما ہوئے تو مسکراتے ہوئے ازراہ تعجب مولانا بنوری سے

آپ نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کِیا، ہم تو ساری زندگی کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے تھرڈ کلاس میں سفر کرتے رہے اور آج آپ نے ہمارے لیے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ اس طرح ہماری دیرینہ عادتوں کو کیوں خراب کرتے ہیں؟۔ آئندہ مہربانی فرما کر جب کبھی کوئی ایسا موقعہ آئے تو تھرڈ کلاس کے کرایہ کے علاوہ بقیہ رقم جمعیتہ علماء اسلام کے فنڈ میں دے دیا کریں۔ یہ تھی اس مرد قلندر کی کفایت شعاری اور جفا کشی۔

توکل علی اللہ: آپ اکثر و بیشتر تبلیغی سفر بس یا ریل کے تیسرے درجہ میں کیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ کوئی خادم یا باڈی گارڈ (محافظ) نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ وہ ٹل نہیں سکتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک چھوٹا سا واقعہ انہوں نے خود سنایا کہ ۱۹۶۵ء کی ہندو پاک جنگ میں جمعیتہ علماء اسلام کے مرکزی دفتر چوک رنگ محل لاہور کی چھت پر گرمی کی وجہ سے چارپائی بچھا کر سویا کرتا تھا۔ بعض مخلص ساتھیوں نے ایسا کرنے سے منع کیا کہ آج کل رات کو بمباری ہوتی ہے آپ ایسا نہ کیا کریں تو فرمایا کہ مجھے کوئی خوف یا خطرہ نہیں ہے، کیونکہ میں "ایت الکرسی اور چاروں قل شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیتا ہوں۔ اور اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہوں، کیونکہ ان کے پڑھنے سے سب سے بڑے پناہ دینے والے خدا کی پناہ میں آجاتا ہوں۔

مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے سفر کے دوران دریائی سفر کا ایک چشم دید واقعہ: جمعیتہ علماء اسلام مشرقی پاکستان نے اپنے ہاں جماعتی پروگرام رکھا۔ تو مغربی پاکستان سے مولانا ہزاروی کی قیادت میں پانچ رکنی وفد جن میں مولانا عبید اللہ انور، مولانا عبد الحکیم، مولانا قاری عبد السمیع اور راقم السطور عازم سفر ہوئے۔ ڈھاکہ اور گردو نواح تبلیغی پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور سلہٹ روانہ ہوگئے۔ وہاں سلیمان خان جو نہایت دیندار حق پرست آدمی تھے ان کے مکان پر پہنچے۔ سلہٹ میں تقاریر کا سلسلہ شروع کیا گیا، وہاں کے پروگرام کے مطابق سنام گنج جانے کا پروگرم طے ہوا۔ وہاں جمعیتہ کے زیر اہتمام ایک کانفرنس منعقد ہونے کا پروگرام تھا۔ یہ سفر بذریعہ ریل طے کرنے کا پروگرام تھا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر ریل کا سفر نہ ہوسکا، پھر یہ طے کیا گیا کہ بذریعہ سٹیمر دریائی سفر طے کیا جائے اس کے لئے جیپ کے ذریعہ بائی روڈ سفر شروع کیا گیا لیکن درمیان میں دریائے سرمہ کو عبور کرنے کے لئے بڑی لانچ پر سفر کیا۔ کنارے پر پہنچے، آگے منزل طے کرنے کے لئے پھر جیپ استعمال کی۔ ۱۰، ۱۱ میل جانے کے بعد ہماری جیپ ایک دلدل میں پھنس گئی۔ یاد رہے کہ اس سفر میں ہمارے ساتھ بنگالی علماء کا بھی ایک وفد تھا۔ انتہائی کوشش کے باوجود جیپ آگے کی طرف نہ بڑھی، بامر مجبوری اس کو واپس کرنا پڑا۔ چنانچہ ہم دریائے سرمہ کی طرف واپس لوٹے اور سٹیمر پر جیپ چڑھائی۔ ہم اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ موسم پہلے سے کچھ خراب تھا گرج اور چمک آسمان پر موجود تھی۔ آناً فاناً طوفان بادوباراں نے ہمارے سٹیمر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ سٹیمر رسوں کے ذریعہ ساحل پر باندھا ہوا تھا۔ طوفان کی شدت کی وجہ سے اس کے رسے ٹوٹ گئے اور سٹیمر کا پتہ چل نہ سکا کہ وہ کس سمت میں جا رہا ہے۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا، سخت پریشانی کے عالم میں ہم سب مبتلا تھے اور موت کا منظر سامنے تھا، بالکل وہی نقشہ تھا جو قرآن مجید نے اپنے خصوصی انداز میں پیش کیا ہے، یعنی "دعوالله مخلصين له الدين".

مولانا ہزاروی نے اس نازک ترین موقع پر سہمی ہوئی آواز میں فرمایا کہ وقت آخری معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرو اور اس کی یاد میں مصروف اور مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ اس کرب و اضطراب کی حالت میں ہم سب یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اور خوب گڑگڑا کر آنسو بہا کر ہر ایک اللہ رب العالمین کو دل کی گہرائیوں سے یاد کیا، کیونکہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ہی کا سہارا کام آتا ہے اور سب سہارے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ وہی "نعم المولی ونعم النصیر" ہے۔ وہی مصائب و شدائد سے نجات دینے والا ہے۔ یہ امتحان تقریباً ایک گھنٹہ جاری ساری رہا اور عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ہی ہماری حفاظت کا سامان کر رکھا تھا کہ سٹیمر کو طوفان میں ایک اونچے ٹیلے کی پناہ میں لے گیا تھا جو بالکل ساحل کے قریب واقع تھا۔ جب طوفان تھما تو ملاح بانس کے بڑے ڈنڈے کے سہارے ساحل پر اترا اور سٹیم کے رسے کو پکڑ کر گھاٹ پر لے آیا، جہاں معمول کے مطابق سٹیمر لنگر انداز ہوئے۔

ہم سب نے امن و عافیت کے ساتھ ساحل کی زمین پر قدم رکھا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے کہ اس نے ہم کو ساحل مراد پر پہنچا دیا۔ جب ہم سلہٹ آنے کے لیے جیپ پر سوار ہوئے تو راستے میں دیکھا کہ سڑک پر بڑے بڑے درخت گرے ہوئے تھے، رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے ہم سلیمان آف سلہٹ کے مکان پر پہنچے۔ تقریباً اس وقت رات کے دو بجے کا ٹائم تھا۔ صاحب خانہ اور مولانا انور کو حادثے سے آگاہ کیا تو وہ سخت پریشان ہوئے تو مولانا عبید اللہ انور کہنے لگے کہ آپ حضرات خدانخواستہ اس حادثہ کا شکار ہو جاتے، اور دریا میں ڈوب جاتے تو میں کس منہ کے ساتھ لاہور واپس جاتا۔

ہمارے میزبان خواجہ سلیمانؒ نے اسی وقت چائے وغیرہ تیار کرائی اور اس حادثہ باہمی گفتگو شروع ہو گئی۔ ہر ایک نے اپنے قلبی تاثرات بیان کئے۔ حضرت ہزاروی فرمانے لگے کہ خدانخواستہ اگر اس حادثہ میں ہم کام آجاتے تو جمعیۃ ڈوب جاتی۔ میں نے اس نازک موقع پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ایمان کی سلامتی کی دعا کی اور عرض کیا کہ دشمنانِ اسلام کو ہنسی کا موقعہ نہ دینا اور جمعیۃ کو خدمتِ اسلام کا موقعہ دینا (۱)۔

مولانا مرحوم کی حق گوئی اور بیباکی:

آئیں جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۹۳۴ء میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نوشہرہ ضلع پشاور میں انگریز کے خود کاشتہ پودے کا خلاف تقریر کی۔ اس پر گرفتار ہو گئے۔ اے۔ سی نوشہرہ کی عدالت میں پیش کیے گئے۔ وہ انگریز تھا، اس کی عادت تھی کہ وہ ملزم کو دیکھتے ہی برا بھلا کہتا تھا۔ اس کا مقصد اس کاروائی سے ملزم کو مرعوب کرنا ہوتا تھا۔ مولانا کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا کہ "ٹُم بدمعاش ہو" ہر جگہ ٹُم فساد کرتا ہے، ہم ٹُم کو سیدھا کرڈے گا۔ مولانا بڑے تحمل سے کہنے لگے۔ یہ عدالت ہے۔ قانونی طریقہ یہ ہے کہ وکیل استغاثہ پیش کرتا ہے اور ملزم صفائی بیان کرتا ہے۔

---

(۱) یہ تھا اس مرد قلندر کا جذبہ ایمانی اور جماعت سے وابستگی کا عالم۔ ۱۲ منہ

تحریر و ترتیب: پروفیسر محمد مظفر اقبال قریشی

مجاہد ملت بطل حریت مولانا حکیم عبد السلام ہزاروی صاحبؒ

۱۹۰۷ء-۱۹۷۷ء

حکیم صاحب مرحوم ۱۹۰۷ء میں میر پور کابل، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا محمد دین تھا، جو اچھے کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ گھر کا ماحول سادہ مگر دینی تھا اس لئے آپ کی پرورش اور تربیت ایک نہایت علمی دینی ماحول میں ہوئی۔ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا اور پھر بعد میں درس نظامی کی کتابیں والد مرحوم سے پڑھیں۔ والد ماجد کو علم طب میں بھی بڑا ادراک تھا۔ اس لئے طب کی مشہور کتابیں: میزان الطب، اور مُوجز دونوں ان سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے طبیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں وہاں سے فارغ ہوئے، اس وقت مفتی سلیم اللہ صاحب مرحوم طبیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ جو نہایت ذی علم اور شریفانہ اخلاق کے مالک تھے اور طلباء پر ان کا بہت بڑا اثر تھا۔ حکیم صاحب نے بھی انہی کے زیر اثر اپنی علم طب کی تکمیل فرمائی۔ پھر جامعہ ملیہ دہلی میں داخلہ لیا اور تمام کتب کی تکمیل وہاں پر ہی کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر جامعہ ملیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ پھر اس کے بعد ہری پور آکر اپنا مطب (دواخانہ) کھول لیا اور ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں آل انڈیا میڈیسن سوسائٹی، نے آپ کو "حکیم حاذق" کی حیثیت سے رجسٹرڈ کر لیا۔ آپ کا رجسٹریشن نمبر ۵۰۶ ہے۔

میدان سیاست میں: آپ نے کچھ عرصہ ہی اپنے مطب کے ذریعے عوام کی خدمت کی تھی کہ ملکی حالات کو دیکھ کر دینی حرارت جوش میں آئی اور آپ نے فرنگی سامراج کی عوام دشمنی کو پیش نظر رکھ کر میدان سیاست میں نکلنے کا فیصلہ کیا۔ آپ اس میدان میں ایسے عزم وہمت، صداقت، شجاعت اور اخلاص للہیّت سے سامنے آئے کہ جلد ہی ملک کی مشہور سیاسی جماعت کانگرس نے نہ صرف رکن بلکہ معتمد راہنما تسلیم کر لیا۔ آپ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے قبل کانگرس کے ضلعی صدر، صوبہ سرحد کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور آل انڈیا کانگرس کے مستقل ممبر رہے ہیں۔

مجلس احرار میں شرکت: ۱۹۲۹ء کے آخر میں جماعت احرار قائم ہوئی۔ جس کی قیادت ایسے اولوالعزم راہنماؤں کے ہاتھ میں تھی کہ برصغیر کی تاریخ میں ایسے مخلص، نڈر، بہادر، اور بیدار مغز کارکنوں اور راہنماؤں کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی رقمطراز ہیں:۔

> بعض جماعتوں میں قیادت (لیڈر شپ) بہتر ہوتی ہے مگر ممبر اور رضاء کار کمزور ہوتے ہیں۔ بعض میں عام ممبر اور رضا کار اچھے ہوتے ہیں مگر لیڈر بزدل اور بے کار ہوتے ہیں۔ بعضوں میں دونوں کا حال پتلا ہوتا ہے۔ مجلس احرار اسلام پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ اس کو راہنما ملے تو مولانا حبیب الرحمنؒ صاحب لدھیانوی، چوہدری افضل حق، اور امیر شریعت جیسے ------ اور رضا کار ملے تو ایسے جان نثار، وفادار اور بہادر کہ ہمیشہ کفن بردوش، اطاعت کے لئے تیار رہتے تھے۔
>
> (ترجمان اسلام ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء لاہور بخاری نمبر)

حکیم صاحب مرحوم تو فطرتاً ہی ایسے پاک، بہادر، اور با کردار تھے۔ انہوں نے اسلامی اقدار کی برتری اور ملک کی آزادی کے لئے احرار میں بھی شرکت کرلی۔ اس طرح آپ آزادی وطن کے لئے دونوں جماعتوں سے منسلک رہ کر کام کرتے رہے، اور آپ کے ارادوں کو فرنگی سامراج کی کوئی سزا متزلزل نہ کرسکی۔ آپ کو دس سال تک جیل کی تنگ وتاریک کوٹھریوں میں بند رہنا پڑا۔ مگر انگریز کے جبرو تشدد کا مقابلہ آپ نے بڑی جرأت واستقامت سے کیا اور آپ نے زندگی بھر انگریز سے نرمی نہیں برتی، جو کچھ ہوسکا اس کے خلاف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ملک آزاد ہوگیا اور انگریز کو یہاں سے بہر حال میں جانا پڑا۔

پاکستان کے بعد: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حکیم صاحب جیسے مجاہدوں کی قربانیوں سے پاکستان تو بن گیا مگر ایسے عناصر اور جماعتیں میدان عمل میں آگئیں کہ اس کو وجود کو خطرات لاحق ہوگئے۔ بیرونی خطرات تو تھے ہی مگر اندرونی طور پر مرزا قادیانی کی پیروکار جماعت نے بڑی منصوبہ بندی سے ملک کی کلیدی آسامیوں اور بڑے بڑے عہدوں پر قبضہ کرلیا۔ اور ملک کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کا مکمل منصوبہ بنایا اور پھر اس کی تکمیل کے لئے پروگرام کے مطابق عمل درآمد بھی شروع کردیا۔ علماء کرام نے عموماً اور جماعت احرار نے خصوصاً اس خطرے کو بھانپ لیا اور بروقت اس کا انسداد کرنے کے لئے حکومت کو متفقہ مطالبات پیش کئے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے، اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ مگر حکومت نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی اور حکیم صاحب نے اس تحریک میں بھی بڑا فعال کردار ادا کیا۔ اور اس تحریک کو اپنے ایمانی جوش کے ساتھ انجام تک پہنچایا، اور ۱۹۷۴ء میں بھی اسی طرح خوب جوش وجذبہ کے ساتھ ختم نبوت کی تحریک میں شامل رہے یہاں تک قومی اسمبلی نے اس مسئلہ کو مستقل بنیادوں پر حل کردیا۔

جمعیتہ علماء اسلام میں شرکت: چونکہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے آپ کے دیرینہ سیاسی اور مذہبی تعلقات تھے۔ اس لئے جب جمعتہ علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو مولانا ہزاروی نے آپ کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور آپ اس میں بخوشی شریک ہوگئے۔ پھر وفات تک اس کے ساتھ منسلک رہے۔ جمعیت علماء اسلام نے جو بھی جدوجہد ملک، قوم اور دین کی بالادستی کے لئے کی ہے محترم حکیم صاحب اس میں برابر کے شریک رہے ہیں اور ہر قسم کی مالی، جانی، اور سیاسی مدد انہیں بہم پہنچائی ہے۔

طبی بورڈ: ایوب خان نے اپنے دور حکومت میں طب اسلامی کے راہنماؤں کے اصرار پر ایک طبی بورڈ تشکیل دیا اور یونانی حکیموں کی رجسٹریشن کا قانون بنایا۔ محترم حکیم عبد السلام صاحب سرکاری طور سے اس بورڈ کے ممبر نامزد ہوئے۔ پھر ۱۹۶۵ء میں دوبارہ نامزد ہوئے۔ مگر ۱۹۶۸ء میں اس کی ممبر شپ کے لئے الیکشن ہوئے۔ جس میں حکیم صاحب کو بارہ ہزار ووٹوں کی اکثریت سے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس انتخاب میں صوبہ بھر کے نامور اطباء کے علاوہ آپ کو حکیم محمد حسن قرشی، حکیم محمد سعید دہلوی، حکیم نیر واسطی، اور حکیم عبد الرحیم اشرف جیسے باکمال حکماء کی حمایت حاصل تھی۔ آپ نے اپنی اس حیثیت سے طب یونانی کی بڑی عظیم خدمت کی جس کا عتراف آپ کے ہم پیشہ اور باکمال حکماء نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ آپ کی وفات ہوئی تو محترم حکیم نیر واسطی نے آپ کے بارہ میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا۔

"آہ حکیم عبد السلام ہزاروی"

طبی بورڈ میں تقریباً بارہ سال حکیم عبد السلام ہزاروی کی معیت اور رفاقت میں گزرے، جس کی ہر ایک کہانی حکایت لذیذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت یہ ہے کہ آٹھ سال ہوئے گوجرانوالہ میں اطباء کا ایک اجلاس ہوا۔ اس میں لاہور، گوجرانوالہ، کے علاوہ گردو نواح کے اطباء کا خاصا اجتماع تھا۔ حکیم عبد السلام جب تشریف لائے تو راقم الحروف نے ان کی شان میں حسب ذیل اشعار بطور نذرانہ عقیدت عرض کئے۔ لیکن آہ! آج جب کہ وہ ہم سے جدا ہو کر ہزارہ کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔ میں ان اشعار میں آخری شعر کا اضافہ کر رہا ہوں"

چمن زار وطن میں حجت حق کا پیام آئے

بہارستان حکمت میں حکیم عبد السلام آئے

طبیبِ نامور اور عالم عالی مقام آئے

اطباء کے امیر آئے محمد ﷺ کے غلام آئے

شریعت میں سراپا تابع خیر الانام آئے

سیاست میں مگر اہل سیاست کے امام آئے

الٰہی! ان کی تربت نور سے معمور ہو جائے

کہستانِ ہزارہ جلوہ زار طور ہو جائے

(نیر واسطی مرحوم)

وفات اور خراجِ عقیدت: حکیم صاحب ۲۳، جنوری ۱۹۷۷ء کو ہری پور میں فوت ہوئے اور ہزاروں اشک بار آنکھوں نے اپنے اس محسن اور سیاسی راہنما کو قبر میں دفنا کر خداوند تعالیٰ کے سپرد کیا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خصوصی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرتے رہے۔ بڑے بڑے لوگوں نے زبانی اور تحریری طور سے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، ہم اختصار کی خاطر صرف مولانا تاج محمودؒ صاحب مرحوم ایڈیٹر "لولاک" کے ایک شذرہ کا کچھ حصہ تحریر کرتے ہیں:۔

برصغیر کے سیاسی ودینی راہنما، تحریک آزادی وطن کے مجاہد اور سرفروش لیڈر، طب اسلامی کے علمبردار، جید طبیب مولانا حکیم عبد السلام ہزاروی ۲۳، جنوری ۱۹۷۷ء کو قضاء الٰہی سے فوت ہوگئے۔ حکیم عبد السلام قافلہ آزادی کے چند باقی ماندہ بزرگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے برطانوی سامراج کے خلاف مردانہ وار حصہ لیا۔ یہ لوگ بیسویں صدی کے آغاز میں اپنے سروں پر کفن باندھ کر گھروں سے نکلے تھے اور اسلام کی سربلندی کے لئے بڑی بڑی مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ قید و بند سے لے کر دار ورسن تک ہر آزمائش کو لبیک کہتے ہوئے سرکارِ برطانیہ سے ٹکر لی، اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ انگریز یہاں سے بوریا بستر باندھ کر چلا نہیں گیا۔

حکیم عبد السلام ہزاروی صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے ہوا۔ جلد ہی متحرک اور جاذب شخصیت ہونے کی بنا پر وہ صوبہ سرحد کانگریس کے صدر اول، آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے رکن منتخب ہوگئے۔ سیاست میں تخت یا تختہ کا عقیدہ لے کر وارد ہوئے، اور بہت جلد اپنے ایثار، سیاسی بصیرت، اور مجاہدانہ سرگرمی میں کی بدولت ملک گیر شہرت کے مالک بن گئے۔ بڑے بڑے اہم معاملات ان کے سپرد ہوتے رہے۔ انہوں نے بڑی جرأت و مردانگی سے صوبہ سرحد کی فضا میں انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کئے رکھا۔ حکیم صاحب مرحوم فرنگی نظام کے خاتمہ کی جدوجہد میں مصروف عمل رہے (یہاں تک) کہ دس سال تک پابند سلاسل رہے۔

حکیم صاحب کی وفات سے ملک ایک مخلص اور مجاہد دینی بزرگ ایک پختہ کار صاحب بصیرت سیاسی راہنما اور بلند پایہ طبیب سے محروم ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نواز رکھا تھا۔ ان سے مل کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجایا کرتی تھی"۔

تصنیفی خدمات: آپ کے بیسوں مضامین اور صدارتی خطبات اپنے وقت کے مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ مضامین زیادہ تر سیاسی، مذہبی اور ملکی حالات پر مشتمل ہیں، کئی مضامین روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، ہفت روزہ "خدام الدین"، اور ماہنامہ "الحق" میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن سے آپ کی علمی اور سیاسی بصیرت نمایاں ہوتی ہے، نیز اندازِ تحریر، اور سلاست و متانت کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔ آپ کی طبی مجربات کی ایک مطبوعہ ریاض بھی قلمی موجود ہے۔

اولاد: آپ نے کئی شادیاں کی تھیں۔ جن سے اولاد موجود ہے۔ بعض لڑکے بڑی بڑی پوسٹوں پر ہیں، مگر آپ کے صحیح جانشین مولانا حکیم عبد الرشید انور ہیں۔ وہی باپ کی طرح سادگی، ملنساری، تقویٰ اور خلوص جیسے اوصاف نمایاں ہیں۔ علم کے ساتھ عمل اور اصابتِ رائے موجود ہے قومی طبی کونسل کے ممبر رہے ہیں، علاقے کا کوئی دینی مسئلہ ہو یا سیاسی، ضرور اس میں حصہ لیتے ہیں۔ خود بھی حکیم ہیں، اور باپ کی طرح جچی تلی رائے رکھتے ہیں۔ علماء کرام کے ساتھ بڑے مہربان ہیں۔ ضلع ہری پور امیر جمعیتہ علماء اسلام ہیں، دین کا جذبہ اور اخلاص ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے جمعیت علماء اسلام کے علاوہ عالمی مجلس حقوق اہلسنت سرحد کے نائب امیر ہیں حافظ قاری ہونے کے علاوہ جامعہ اشرفیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہیں۔

حکیم صاحب کے چند خاص کارنامے: (۱) حکیم صاحب نے ایک ہفت روزہ اخبار "مجاہد" کے نام سے جاری کیا، تاکہ لوگوں کو ملکی حالات سے باخبر رکھا جاسکے۔ نیز ان کی ضرورتوں اور خیالات سے حکومت کو بھی آگاہ کیا جاسکے۔ یہ ہفت روزہ کئی سال تک جاری رہا۔

(۲) ۱۹۳۵ء میں انگریزوں نے قبائلی مجاہدین پر زبردست بمباری شروع کردی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریز اب ان کو ملیامیٹ کردیں گے۔ اس بات سے حکیم صاحب کی طبیعت تلملا اٹھی، اور آپ نے اس موقع پر ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا، کہ مولانا ظفر علی خان اور حکیم محمد حسن قرشی مرحوم کی وساطت سے علامہ اقبال مرحوم سے ملاقات کی، اور ان کا خط لے کر سفیر افغانستان صلاح الدین سلجوقی متعینہ دہلی سے ملے، اور انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ سفیر افغانستان نے حکیم صاحب کے مشورہ سے حکومت ہند سے

احتجاج کیا۔ اس طرح یہ بیماری رک گئی، اور مجاہدین آزادی کی جان بچی۔

(۳) مشہور سامراج دشمن لیڈر سو بھاش چندر بوس قلعہ اٹک سے فرار ہو کر کسی طرح حکیم صاحب کے پاس پہنچ گئے تو حکیم صاحب نے ان کو اپنے ذرائع سے دریائے سندھ کے پار علاقہ غیر میں پہنچا دیا۔ انہوں نے وہاں جا کر آزاد ہند فوج قائم کی اور انگریزوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے۔ مگر اس کارِ خیر کی سزا میں حکیم صاحب کو چار سال کے لئے جیل جانا پڑا اور آپ ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۲ء تک مولی جیل راجپوتانہ میں رہے۔

مجاہد ملّت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے مجاہدانہ اور قلندرانہ اقوال

(مرتبہ پروفیسر محمد مظفر اقبال قریشی)

۱- فرمایا:-

میں اسلام پر مرمٹنے والا شخص ہوں، مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ جب تک تقدیر میں موت نہیں لکھی ہوئی۔ مجھ پر لاکھ حملے ہوں، میں کلمہ حق کہتا رہوں گا۔

۲- اگر کوئی کمیونسٹ یا قادیانی صدر یا وزیر اعظم بن گیا، تو میں اسے گولی مار دوں گا۔

۳- میں صدر ایوب خان سے کہنا چاہتا ہوں، تمہاری مرضی تم جدھر جانا چاہتے ہو، جاؤ، امریکہ جاؤ، برطانیہ جاؤ، فرانس یا جاپان جاؤ، مگر اپنے ساتھ اپنی بیٹی کو نہ لے جاؤ۔ یہ اسلامی روایت اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔ "یہ اس وقت کہا اور جلسہ عام میں کہا جب ایوب خان کا مغربی، مشرقی پاکستان میں طوطی بول رہا تھا"

۴- بڑے ایقان کے ساتھ فرمایا:

میں کہتا ہوں کہ تم لوگ قرآنی تعلیمات کو اپناؤ، اس کے بعد اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو مجھے گولی مار دینا۔

۵- جس نے قرآن کو گلے سے لگایا، وہ کامیاب و کامران ہوا، اور جس نے اس کی طرف پیٹھ کی وہ تباہ و برباد ہوا۔

۶- قرآن کا جواب کسی مذہب کے پاس نہیں، یہ ایک بھرپور اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔۔۔۔۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ایسی عظیم کتاب آج ہمارے کمزور ہاتھوں میں ہے۔

۷- جب تک سود کا لین دین جاری رہے گا، اس وقت تک ہمارے ملک اور معاشرے میں انتشار رہے گا۔ میں نے اسمبلی میں بھی یہ بات کہی تھی کہ سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے۔ اس لئے تم لوگ لاکھ کامیاب بجٹ بناؤ، کوئی سیلاب یا کوئی اور بلا آکر تمہاری ساری اسکیم برباد کردے گی۔

۸- نوجوان عہدیداروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

جینا ہے تو حق کے لئے جیئو۔ مرنا ہے تو حق کے لئے مرو۔

۹- میں کمزوروں کا ساتھ نہیں دیتا، میرے پاس آنا ہے تو ڈٹ کر نہ آو۔ پیٹ کر آو، لیکن یاد رہے اس کو مارو جو حق کے خلاف ہو۔ یا باطل پر ہو۔

۱۰- تمہارا نشان ڈنڈا ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو کوئی مذہب بغیر سیاست کے کامیاب نہیں ہوسکتا اور کوئی سیاست بغیر ڈنڈے (کی طاقت) کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۱۱- جو لوگ آپ ﷺ کے صحابہ کرام اور رشتہ داروں کے اعمال میں کیڑے نکالتے ہیں وہ (دراصل) آپ ﷺ کی صفت تزکیہ کو ناقص سمجھتے ہیں۔

۱۲- بڑی طاقتیں منافقت سے کام لے رہی ہیں۔ ہمیں ان کی دوستی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۳- لوگو گواہ رہنا! ہم نے اگر حکومت کی مخالفت کی ہے تو اسلام کے لئے اور حمایت کی ہے تو وہ بھی اسلام کے لئے اقتدار کے لئے نہ مخالفت کی ہے نہ حمایت کریں گے۔

۱۴- صدر پاکستان محمد ایوب خان سے ملنے گئے، دوران گفتگو صدر صاحب نے کسی مسئلہ کے بارے میں کہا، "مولانا جہاں تک میں اسلام کو سمجھا ہوں، وہ اس طرح ہے" مولانا ہزارویؒ نے فوراً جواباً فرمایا، کرسٹن کیلر کے ساتھ غسل کرنے والے جو اسلام کو سمجھتے ہیں وہ ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ بس ایوب خان منہ بسور کر رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے اور شیخ حسام الدین خوشی سے تمتما اٹھے۔

۱۵- جو شخص علماء کرام کی توہین کرتے ہوئے انہیں ملا، یا ملونٹا کہے گا میں اسے مسٹر کرنٹا کہوں گا۔ یہ لفظ ملک بھر میں اتنا مشہور ہوا کہ مسٹر لوگوں کو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا جب آپ سے مطالبہ ہوا کہ اس کا مفہوم کیا ہے تو فرمایا یہ مت پوچھو اس کا مفہوم بڑا خطرناک ہے۔ اگر بتایا تو آپ کو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ بس سب لقندروں کی بولتی بند ہوگئی اور علماء کرام کی عزت کھلونا بننے سے محفوظ ہوگئی۔

۱۶- آدمی کو پکا ہونا چاہیئے۔ پکے آدمی کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔ اسلام میں ہو، تب بھی عزت ہے۔ کفر میں ہو تو تب بھی عزت ہے، کچے آدمی کی کوئی ذعت نہیں ہوتی۔

خان مہدی زمان خان مرحومؒ

تحریر: پروفیسر محمد مظفر اقبال قریشی

ان کا تعلق قبیلہ اتمان زئی سے ہے، جو دریائے سندھ کے دونوں طرف شرقاً غرباً ہری پور کے پاس آباد ہے۔ سندھ کے مشرقی سمت میں اس قبیلہ کی سرداری آج بھی قائم ہے۔ سکھوں کے دور حکومت میں ان لوگوں نے ان کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ کیا۔ خان مہدی زمان مرحوم اپنے دور میں اس قبیلہ کے چیف تھے۔ یہ بہت بڑے عالم، (گریجوئیٹ) خوددار، اور خدا ترس تھے۔ جوانی کے زمانہ میں تحریک خلافت کے سرگرم کارکن تھے۔ مجاہدانہ صفات ان میں نسلاً موجود تھیں، کیونکہ ان کے نانا مولانا حیات گل مرحوم سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے ایک نامور راہنما تھے، اور ان کے دادا مرحوم سکھوں کے خلاف عملاً جہاد کرتے رہے تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے مگر تعصب کا نام و نشان نہ تھا۔ طبیعت میں بڑا انکسار تھا اور زندگی بڑی سادہ تھی دیکھنے میں خان یا خانزادہ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ پرانی وضع، قطع کو پسند کرتے تھے۔ اسلام اور اسلامی اقدار کے شیدائی تھے۔ باریش اور غازی تھے۔ اسلامی نظام کو ملک میں عملاً نافذ دیکھنے کے پرجوش حامی تھے۔ اسی لئے نظام اسلام پارٹی میں شامل ہوئے اور اس کے نائب صدر منتخب ہوئے تاکہ اسلامی نظام کو رائج کیا جاسکے۔ پھر جمہوری پارٹی میں شامل ہوگئے اور اس کے نائب صدر رہے اور ایوب خان کے مقابلہ میں فاطمہ جناح کی حمایت کی۔ ان کی جرأت و بہادری کے لئے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے ایوب خان کے دور حکومت میں قومی اسمبلی کے انتخاب میں گوہر ایوب کا مقابلہ بڑی جرأت سے کیا، جبکہ اس علاقہ میں کوئی شخص مقابلہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم خان مرحوم نے ان کے مقابلہ میں الیکشن لڑکر ان کی پھنے خانی کو کرا کردیا۔

ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ان کی جو زمین تربیلہ ڈیم میں آگئی تھی اس کی ایک بڑی رقم تقریباً تین، چار لاکھ روپے ان کو ملے مگر اس اندیشہ سے بینک میں نہیں رکھے کہ بینک کا نظام سود پر چلتا ہے۔ میں اپنے آپ کو اس سود خوری میں کیوں ملوث کروں، چنانچہ یہ رقم اپنے ایک بیٹے کے پاس امانت رکھ دی، اور ضرورت کے مطابق اس سے لے کر خرچ کرتے رہے۔ دینی مسائل پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔ مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ رسومات کے سخت خلاف تھے اور موقعہ دیکھ کر ان کی عملاً تردید کرتے تھے۔ ایک دفعہ چادر سے منہ لپیٹ کر حیلہ دوران قرآن میں بیٹھ گئے، کوئی پہچان نہ سکا۔ جب قرآن پاک مع روپیوں کے چکر لگاتے ہوئے ان کے پاس پہنچا تو اس پر قبضہ کرکے دائرہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا اب یہ مال میرا ہے۔ میں نے اسے قبول کرلیا۔ یا مولوی مجھے اس کا شرعی ثبوت دیں یہ مال میں نہیں دوں گا۔ یہ کیا ٹھگ بازاری بنائی ہوئی ہے۔ اہل بدعت مولوی بڑے رسوا ہوئے اور ان سے کچھ نہ بن پڑا بڑی منت و سماجت کے بعد دوسرے تیسرے دنوں رقم واپس کی اور انہیں اس قسم کی بدعات کرنے پر بڑی ڈانٹ پلائی۔ بہرحال مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

ان کا انتقال نومبر ۱۹۷۴ء میں ہوا اور ہری پور کھلابٹ ٹاؤن شپ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مجلس احرار اسلام کے تمام زعماء ان کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے خصوصی تعلق تھا اور دونوں نے مل کر بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ حکیم عبدالسلام صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی یوں سمجھئے کہ یک جان دو قالب تھے۔ جب خان صاحب

کی وفات ہوئی تو حکیم عبد السلام صاحب فراش تھے۔ علم ہوا تو کہنے لگے کہ میری چارپائی خان صاحب کی میت کے پس لے جاکر رکھ دی جائے۔ اس سے وفا و محبت کا کس قدر گہرا رشتہ تھا، کا پتہ چلتا ہے اس دور کے لوگوں نے آزادی کی خاطر بیش بہا قربانیاں دیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اخلاص و مروّت کا ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ آج کل کی نسل ایسی باتوں کو مبالغہ آمیزی اور افسانہ قرار دیتی ہے لیکن یہ باتیں لوگوں کی دیکھی بھالی ہیں۔ خاں مہدی زمان خاں کے لڑکے ریٹائرڈ میجر عبد العزیز خاں اور حکیم عبد السلام کے بیٹے حکیم عبد الرشید کے علاوہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کو ان کی وفا و محبت کے قصے یاد ہیں۔

مجاہد ملت، بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو اکابر علماء کرام،

مشاہیر امت اور معاصرین کا خراج عقیدت

مرتبہ پروفیسر محمد ظفر اقبال قریشی

۱- میں آج اپنے ایک لائق استاد اور لائق شاگرد کے قصبہ میں آکر نہایت مسرت وشادمانی اور انبساط وانشراح کے جذبات محسوس کر رہا ہوں۔ (شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی)

نوٹ: صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقعہ پر ہزارہ کا دورہ کرتے ہوئے جب بفہ تشریف لائے، تو شیخ الاسلامؒ نے خطبہ مسنونہ کے بعد مندرجہ بالا اقوال ارشاد فرمائے۔ ان اقوال میں لائق استاد سے مراد مولانا غلام رسول بفوی اور لائق شاگرد سے مراد مولانا غلام غوث ہزاروی ہیں۔

۲- آپ دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ متعدد کتب میں احقر کے ہم سبق رہے ہیں۔ علمی استعداد شروع سے ہی مضبوط تھی۔ اصلی وطن ضلع ہزارہ پاکستان ہے۔ صاف گو خطیب ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو جمعیتہ علماء اسلام پاکستان کا ناظم منتخب کیا گیا۔ موصوف کی علمی شہرت کی بنا پر (حکومت) مصر نے آپ کو بطور نمائندہ جمعیتہ علماء اسلام پاکستان دعوت دی، اور وہاں آپ نے مؤتمر اسلامی میں علماء عالم سے خطاب کیا۔ آپ کا شمار وہاں کے مشاہیر میں ہے۔ (حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند)

۳- میں مولانا غلام غوثؒ کو مجاہدِ اسلام سمجھتا ہوں۔ (شیخ الکل فی الکل) حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب جامعہ اشرفیہ، لاہور)

۴- (۱) مولانا غلام غوثؒ وقت کا غوث ہے۔

(۲) مولانا غلام غوثؒ میری زبان ہے۔

(۳) میں جمعیتہ علماء اسلام کی امارت تب قبول کروں گا کہ مولانا غلام غوثؒ کو اس کا ناظم اعلیٰ بنایا جائے، میری امارت ان کی نظامت سے مشروط ہے۔ (شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

۵- (۱) مولانا غلام غوثؒ سرحد کا بخاری ہے۔

(۲) مولانا ہزاروی کو محترم بھائی کہہ کر شاہ جیؒ مخاطب ہوتے تھے، جو مولانا کی عظمت ورفعت کا بیّن ثبوت ہے۔

(امیر شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

۶- اگر روحیں منتقل ہو سکتی ہیں تو پھر آج میں کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا حسین احمد مدنی اور امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کی ارواحِ مقدسہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مفتی محمود میں منتقل ہو گئی ہیں۔ (شورش کاشمیری)

۱۴- (۱) برصغیر کی سیاسی اور مذہبی شخصیتوں میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ ایک منفرد شخصیت تھے۔ جن کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ اس متحرک دنیا میں ان کا وجود ہمیشہ سنگ گراں رہا۔ اپنے اصولوں کے راستے میں وہ اصول اور اخلاص گھر سے لے کر نکلے تھے اور جب اس جہاں سے رخصت ہوئے تو کفن بھی احباب نے دیا۔

(۲) مولانا غلام غوث ہزارویؒ زندگی بھر اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہے ------- پیرانہ سالی اور تنگ حالی کے باوجود ملکی اور غیر ملکی دوروں پر جاتے رہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۳) مولانا غلام غوث ہزارویؒ زندہ رہیں گے۔

(۴) ہزار ڈھونڈ زمانے چراغ لے کر اسے تیرے جہاں سے فطرت کا شاہکار گیا

(۵) آج کیوں کر نہ چراغاں ہوں صنم خانوں میں آج یارانِ محمد ﷺ کا وفادار گیا

میں بھی شامل ہوں تیرے غم میں ہزارہ کی زمیں تیرا جانباز گیا، اور میرا غمخوار گیا

(محترم جانباز مرزا لاہور ایڈیٹر ماہنامہ تبصرہ)

۱۵- وہ ایک ایسے لیڈر تھے جو اصولوں کے پاسبان کہلاتے ہیں۔ (حضرت مولانا محمد رمضان علوی۔ راولپنڈی)

۱۶- وہ جس پر غلبہ حب نبی ﷺ ہے غلام غوثؒ وہ مرد جری ہے۔ (جناب محمود احمد عارف)

۱۷- (۱) قادیانیت کا فتنہ ضلع ہزارہ میں داخل ہوا اور انگریز کے ٹوڈی قسم کے بعض جاگیرداروں اور خانوں نے انگریز کی خوشنودی کے لئے اس فتنہ کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مگر ان کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی صورت میں شمشیر برہنہ ان کے سر پر لٹکادی۔ مولانا نے اس پامردی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا کہ شاید دباید۔

(۲) حضرت مولانا غلام غوث کی طبیعت میں کافی حدّت اور جدّت تھی اور وہ ساری تیزی باطل فرقوں اور غلط نظریات والے لوگوں کے خلاف استعمال کی۔ (شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوزاہد سرفراز خان صاحب گوجرانوالہ)

۱۸- مولانا ایک قلندر منش اور درویش صفت انسان تھے۔ جرأت وبے باکی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے، برملا کہہ دیتے تھے اور جس بات کو ناحق جانتے اسے فوراً ٹوک دیتے۔

(۲) (مولانا ہزارویؒ نے دوستی کی تو خوب کی اور دشمنی کی تو کھل کر کی۔ ان کے نظریات وخیالات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کی دیانت اور جرأت مانے بغیر چارہ نہیں۔ (پروفیسر محمد شفیع صابر پشاور)

۱۹- برصغیر کی تحریک آزادی کے عظیم مجاہد، فرنگی حکومت کے باغی اور اسلام کے عظیم سپوت مولانا غلام غوث ہزاروی ہیں۔ (حاجی شیخ محمد ابراہیم صاحب)

۲۰- حضرت مولانا استقامت اور عزیمت کے کوہ ہمالیہ تھے اور انتہائی درجہ کے نڈر اور جری تھے۔ ڈرنا یا دبنا جانتے ہی نہ تھے۔ حق بات بڑی بے خوفی سے منہ پر کہہ دیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں جان تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

(حضرت مولانا قاضی شمس الدین درویش ہری پور ہزارہ)

۲۱- حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ وہ عظیم انسان ہیں جو کہ بیک وقت ایک بہترین خطیب اور حق گو، اور بے باک عالم جن کی جرأت وبے باکی کی داستانیں زبان زد خلائق ہیں۔ ڈرنا انہیں آتا ہی نہ تھا۔ سچی بات کہنا ان کا شیوہ تھا۔
(حضرت مولانا دوست محمدؒ منگلوری مانسہرہ)

۲۲- مولانا غلام غوث ہزارویؒ چودھویں صدی کے ابوذرؓ، ایک با اصول سیاست دان، باوقار و عظیم انسان تھے۔
(حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی لاہور)

۲۳- ایک نڈر مجاہد، ایک بے نیام تلوار، اور عصر حاضر کا ابوذرؓ۔ (حضرت مولانا عبد اللطیف سرائے عالم گیر)

۲۴- مولانا پاکستان کے نامور عالم دین، خطیب اور مجاہد تھے، ان کی زندگی سادہ تھی، حق کے اظہار میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے فرق باطلہ پر ان کی گرفت بڑی شدید اور بڑی مضبوط ہوتی تھی۔ وہ بڑے وسیع النظر عالم تھے، صحابہ کرام کے وہ حقیقتہً دیوانے تھے۔ (محترم ڈاکٹر قاری فیوض الرحمن صاحب ایبٹ آباد)

۲۵- محترم مولانا ہزاروی کی زندگی گوناگوں واقعات اور مجاہدانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی کون کون سی ادا اور جرأت اور للّٰہیت کے واقعہ کو ذکر کیا جائے۔ (حضرت مولانا عبد الحنان صاحب فاضل دیوبند جہانگیرہ)

۲۶- مرزائیت کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹکے رہے۔ ضلع مانسہرہ میں یہ گروہ ان کی بدولت پنپ نہ سکا۔
(محترم محمد خواص خانؒ مرحوم ہیرڑاں مانسہرہ)

۲۷- تحریک پاکستان میں مولانا کی خدمات بڑی نمایاں اور ناقابل فراموش ہیں۔ (صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم)

۲۸- مولانا ایک نہایت ہی لائق سیاست دان تھے۔ (جنرل فضل حق مرحوم گورنر صوبہ سرحد)

۲۹- مولانا کی رحلت ملک وقوم کے لئے ایک عظیم نقصان ہے۔ (محترم مولانا کوثر نیازی صاحب)

۳۰- مولانا کی رحلت ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ (محترم محمد حنیف خان سابق وزیر اطلاعات ونشریات پاکستان مانسہرہ)

۳۱- (۱) ابھی ہم ----- مولانا مفتی محمودؒ کے غم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ یکایک ملت کے غم خوار، عمر بھر حق وصداقت کے لئے باطل سے برسرپیکار اور چراغ مصطفوی کی حفاظت کے لئے شرار بولہبی سے ستیزہ کار، مردِ مجاہد بطلِ جلیل حضرت مخدومنا مولانا غلام غوثؒ ہزاروی نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ **فرحمه الله رحمة واسعة.**

(۲) مولانا پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور حضرت لاہوریؒ قدس سرہ جمعیۃ کے پہلے امیر، اور پھر جب علماء بچھڑے ہوئے قافلہ کی ترتیب اور نئی شیرازہ بندی میں منہمک ہوگئے تو اخلاص، جوش عمل اور سوزدروں کا زادِ راہ لے کر اس کام میں وہ وہ صعوبتیں اور مشقتیں اٹھائیں کہ الامان والحفیظ، بڑوں کے ناز اور ہم عصروں کے نخرے اٹھائے۔ چھوٹوں کی منتیں کیں۔ بزرگوں کے بستر اور جوتے اٹھا اٹھا کر اور خوشامد کرکے انہیں مدرسہ وخانقاہ کے گوشہ ہائے عافیت سے (نکال کر) نظم وجماعت اور جہاد وسیاست کی رزم گاہ میں کھینچا اس اثنا میں خود روکھی سوکھی پر گزارا کرتے رہے، جو قوتِ لایموت ملی بھی، اسے اس دور میں جمعیۃ کے آرگن "ترجمان اسلام" کے زندہ رکھنے

میں خرچ کیا۔ یہاں تک کہ موٹا جوٹا کھدر قسم کا جو ایک جوڑا تھا۔ جمعیتہ کے دفتر دہلی دروازہ میں قیام کے دوران اس کی دھلائی بھی قیمتاً نہ کر سکتے تو خود لنگی باندھ کر اسے دھو لیتے کہ بچے ہوئے پیسے اخبار کے اخراجات میں لگ جائیں گے۔ (حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک)

۳۲- مولانا ہزاروی کی سیاست کشفی تھی۔ گھر اور دفتر میں ریڈیو تک نہ تھا صرف اخبار پڑھ لیتے تھے، تاہم ملکی، غیر ملکی بلکہ بین الاقوامی حالات پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ وہ حالات وواقعات کے اسباب وعلل مقاصد وپروگرام اور نتائج سے باخبر ہوتے تھے۔ اور ان کے پیچھے کار فرما طاقتوں کو خوب جانتے تھے۔ اس لئے ان کی سیاسی گرفت اور تنقید علی وجہ البصیرت ہوتی اور بڑی سخت ہوتی تھی۔ (پروفیسر محمد مظفر اقبال قریشی)

۳۲- مولانا ہزاروی کے پاس نہ تو شاہانہ تاج وتخت تھا۔ نہ ہی لاؤ لشکر، نہ جاگیر دار تھے نہ سرمایہ دار۔ ان کا سرمایہ شاندار کردار اور بے داغ ماضی ہے۔ (مولانا شمس الحق عثمانی مانسہرہ)

۳۳- (۱) وہ مرد درویش حق نے جس کو دئے تھے انداز خسروانہ۔

(۲) وہ چاہتے تو ۲۲ خاندانوں میں سے ایک ہوتے۔

(۳) مولانا نے ناموس صحابہ کرامؓ کے مشن کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ جلسہ عام ہو یا دوستوں کی مجلس، سفر ہو یا حضر حتٰی کی جماعت کی میٹنگ میں بھی صحابہ کرام کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔

(حافظ محمد حنیفؒ سہار نپوری)

۳۴- (۱) حضرت مولانا ہزارویؒ علم وعمل، اخلاق وعادات، تحریر وتقریر، اور میدان سیاست میں اس صدی کے چند گنے چنے علماء حق میں سے تھے۔

(۲) مولانا نے جس بہادری سے تحریک آزادی پاک وہند میں حصہ لیا تھا اسی بہادری کے ساتھ پاکستانی حکمرانوں کو بھی غیر دینی مزاج رکھنے کی وجہ سے للکارتے رہے اور صرف محراب ومنبر نہیں بلکہ اسمبلیوں میں بھی حکمرانوں کو نشانہ تنقید بناتے رہے۔ (قاری محمد شاہ مراد پور)

۳۵- مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جس مختصر اور کچی قبر میں مدفون ہیں در حقیقت اس میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، اور حضرت شیخ الہند سے لے کر شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا سیاسی تدبر، عزم وحوصلہ، ایثار وقربانی، جانبازی وجان سپاری اور سامراج دشمنی کی ایک تابناک تاریخ مدفون ہے۔

(مولانا مفتی محمد داؤد صاحب مانسہرہ)

مرثیہ

مجاہد ملت شہباز حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

چل بسا تو بھی اے غلامِ غوث
وعدہ اللہ تعالیٰ سے وفا کر کے

سر بلندی ہوئی نصیب تجھے
سرفروشی کا حق ادا کر کے

جا بسا آپ خلد میں، ہم کو
دردِ فرقت میں مبتلا کر کے

مار کر ایک نعرہ "یاہو"
رکھ دیا کفر کو فنا کر کے

خرمنِ کفر میں لگادی آگ
باغ اسلام کا ہرا کر کے

جوش ڈالا نبی ﷺ کی الفت کا
درد سے دل کو آشنا کر کے

تو نے دکھلا دیا زمانے کو
تھے جو چھوٹے انہیں بڑا کر کے

ڈر نکالا دلوں سے باطِل کا
حق کا اظہار برملا کر کے

مشکلیں مومنوں کی حل کردیں
ماسوئے اللہ سے جدا کر کے

گل کیا تو نے قادیاں کا چراغ
روشن ایمان کا "دیا" کر کے

تیرے اعداء کی ناؤ ڈوب گئی
تو نے چھوڑا، اسے تباہ کر کے

تجھ کو بخشی گئی حیات ابد
جان اسلام پر فدا کر کے

تیری عزت میں چار چاند لگے۔
جان ودِل نذرِ مصطفیٰ ﷺ کر کے

تیرے احباب ہو چلی رخصت
تیری بخشش کی التجا کر کے

پیشکش قاضی شمس الدین درویشؒ

"مردمومن"

آہ غلام غوث آہ اے قافلہ سالار دیں
تری رحلت پر ہیں گریاں افلاک وزمیں(۱)

دین پر قربان کردی تونے ساری زندگی
الوداع اے پیکر اخلاص وایمان ، یقیں

کو بہ کو پھرتا رہا تو دین کی خدمت کیلئے
تیری خدمت بے مثل اے خادمِ دینِ متیں

آفتاب علم تھا تو سرزمین پاک میں (۲)
ناز کرتی ہے تیرے اعمال پر یہ سرزمیں

جرأت ایمان میں تھا تو شیخ مدنیؒ کی مثال
نطق دبیبا کی میں تھا تو شاہ جیؒ کا جانشیں(۳)

جب کوئی فتنہ اٹھا تو بھی مقابل آگیا
اے خدا کے شیر تجھ پہ آفرین صد آفریں

دشمنِ دین کیلئے تو ذوالفقار ِبے نیام
محفل احباب میں تھا خوض خصال وخوش، حسیں

منفرد رہ کر تو اپنی ذات میں تھا انجمن
منبر ومحراب میں تھا اک خطیب دلنشیں

ابتدا کے دور میں بھی تو رہا ثابت قدم
ظلم وجابر کے آگے خم نہ کی تونے جبیں

لرزہ براندام تھا یورپ تری للکار سے
قادیان کا کچل ڈالا تونے مار آستیں

اب کہاں ڈھونڈیں تجھے اے بوذر وسلمان صفت
تیرے استغنا ترے اخلاص کی ہے بو کہیں؟

صرف آخر تجھ پہ دائم ہوں خدا کی رحمتیں
اس جہان فانی میں انسان کو سدا رہنا نہیں۔

چل بسا تو اور تیری یاد باقی رہ گئی
دین کے غم میں تیری فریاد باقی رہ گئی

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مانسہرہ

۱- حضرت مولانا کے وصال کے دن صبح سے شام تک موسلادھار بارش برس رہی تھی۔

۲- حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔

۳- امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔
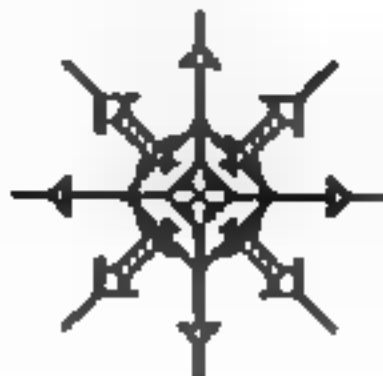
نذرانۂ عقیدت

۱- نبی کا عاشق ، حق کا نگہبان، وقت کا تھا لاریب ولی
کس کس کا میں ذکر کروں، تھیں ساری ادائیں اس کی بھلی

۲- حق کی خاطر جان تھا دیتا، خوف خدا میں روتا رہتا
وقت کے دکھڑے، ہنس ہنس سہتا شاہد ہے ہر ایک ولی

۳- اس کی صباحت اس کی ملاحت اس کی ذکاوت اس کی ذہانت
اس کا تدبر، اس کی فراست وقت کا تھا عنوان جلی

۴- اللہ اللہ اس کا چہرہ، حرکہ ومہ تھا شیدا اس کا
زہد و قناعت شیوہ اس کا، روح تھی شبنم حق سے دھلی

۵- علم کا منبع، عمل کا پیکر، خلقِ مجسم تھا وہ سراسر
بے لوثی میں کوئی نہ ہمسر، بے خوفی میں مثلِ علیؓ

۶- رشک ملائک اس کا سراپا، تابعِ سنت اس کا کفِ پا
مدفنِ سیّد اس کا علاقہ، معدنِ حکمت اس کی گلی

۷- کشتیِ حق کا کھیون ہارا۔ تھا وہ غلام غوث ہمارا
خلدِ بریں کو جاوہ سدھارا، پژ مردہ ہے دل کی کلی

۸- قاسمی اپنے قدم جمائے، راہ خدا پہ چلتا جائے
دیکھ کبھی نہ ہٹنے پائے ، حاصل ہوگی مراد دلی

مولانا ابوالقاسم غلام مصطفیٰ قاسمی
(کلورکوٹ پنجاب)

نذرانۂ عقیدت

خودداری وخلوص کا پیکر، غلام غوثؒ
وہ مردِ حق وہ مردِ قلندر غلام غوثؒ

اسلام کا نمونہ اکابر کا جانشین
حق کا سفیر قوم کا رہبر غلام غوثؒ

وہ پاسبانِ عزت اصحاب واہلِ بیت
وہ خیر خواہِ دینِ پیمبر غلام غوثؒ

میدانِ حریّت کا تھا بے باک شاہ سوار
بحرِ علوم کا تھا شناور غلام غوثؒ

شعلہ نوا خطیب، صداقت کا ترجمان
بیشک تھا زیب وزینت منبر غلام غوثؒ

اس کا لقب مجاہد ملت غلط نہ تھا
ہاں واقعی تھا مردِ دلاور غلام غوثؒ

بے شک مزاج کا وہ قلندر ہی تھا مگر
دنیاء فقر کا تھا سکندر غلام غوثؒ

اخلاص وعلم وسادگی، تقویٰ وبہادری
تجھ ایک میں تھے کتنے ہی جوہر غلام غوثؒ

بے شک تیری وفات سے ہم ہوگئے اداس
اللہ تجھ کو خلد میں دے گھر غلام غوثؒ

(سید امین گیلانی)

نذرانۂ عقیدت

اس بوریا نشین قلندر کو بخش دے
اسلام کے اس خادم ودلبر کو بخش دے

جو ذکر میں تھا تخت ثریا سے بھی بلند
اس مرد حق اور مرد دلاور کو بخش دے

قائم رہے دلوں پہ اس کی حکومت
اس عجزو انکسار کے پیکر کو بخش دے

وہ تھے رگ باطل پہ اک نشتر کاری
بے تاج وتخت، دل کے سکندر کو بخش دے

اس وارث اصحابِ پیغمبر کو بخش دے
دل کی یہی دعا ہے اے ربّ ذوالجلال

اس بوریا نشین قلندر کو بخش دے

ایم۔ دل (محمد دلاور خان) بقوی ایڈووکیٹ۔ مانسہرہ۔

خلاصہ آراء

بیس بڑے مسلمان

عبدالرشید ارشد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ العالی

"بیس بڑے مسلمان" گذشتہ سال پہنچی تھی، جب کہ میں حجاز سے واپس ہوا تھا۔ اس وقت سے برابر سننے کا اشتیاق رہا، مگر مشاغل کے ہجوم نے باوجود انتہائی خواہش کے مہلت نہ دی، لیکن طبیعت کا تقاضہ بہت رہا۔ اس سال سفرِ حجاز سے واپسی کے بعد سے میں نے عصر سے مغرب تک کی عمومی مجلس جس میں میرے کثیر مہمان اور اہلِ شہر کی بڑی تعداد اور مدرسین مدرسہ اور طلبہ بکثرت ہوتے تھے سننی شروع کی تھی، میرے لیے تو اکابر کے حالات باعثِ لذت ہوتے ہی کہ آپ کی کتاب سے سارے اکابر کے حالات نظر سے گذرے اور ان کی یاد نے مجروح دل پر نمک پاشی کا کام کیا، لیکن اجنبی سننے والوں کو بھی بہت ہی لطف آیا۔ بہت سے مہمان حضرات کتاب کا پتہ نوٹ کر کے لے گئے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ پاکستان سے کتاب تو درکنار خط و کتابت بھی دشوار ہے۔ اگر آپ کی اس مبارک کتاب کے ہندوستان میں ملنے کی کوئی جگہ ہو تو اس کا پتہ ضرور لکھئے۔ اللہ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مبارک کتاب کو آپ کے لیے دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مکرر آپ کے لیے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ دارین کی ترقیات سے نوازے اور اپنی رضا و محبت عطا فرمائے

۹ رجب ۱۳۹۱ھ
محمد زکریا

(۲۰)

بیس بڑے مسلمان

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
مولانا اشرف علی تھانویؒ	علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ
مولانا عبید اللہ سندھیؒ	مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
مولانا محمد الیاس دہلویؒ	مولانا شیخ عبد القادر رائپوریؒ
مولانا احمد علی لاہوریؒ	مفتی محمد حسن امرتسریؒ
مولانا ابو الکلام آزادؒ	مولانا محمد علی جوہرؒ
مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ	مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	سردار احمد خان پتافیؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء ــــ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

पोस्ट कार्ड

केवल पता

POSTAGE

INDIA

کوٹھی ۳۲ بی جیل روڈ

لاہور

تلخیص آپ بیتی
مولانا محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی "آپ بیتی" جس کا انتخاب ان صفحات میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کے تعارف میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اسی کے آخری حصہ (۷) کے شروع میں جو تعارفی نوٹ لکھا گیا ہے بس وہی نقل کردیا جائے۔

آپ بیتی ایک نظر میں

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بچپنے سے پیرانہ سالی تک حق تعالی شانہ کے جن گونا گوں خصوصی الطاف وعنایات کے مورد رہے ہیں، وہ اس دور میں نادر الوجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی سوانح مولانا محمد ثانی حسنی نے مرتب کی، اسکے باب اول میں جو حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں زید مجدہم کے قلم سے تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وسوانح اور آپ پر الطاف ربانی کا مختصر تذکرہ آیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اشاعت پر مؤلف "سوانح یوسفی" کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ جو باتیں لکھنے کی تھیں وہ چھوڑدیں اور جو نہ لکھنے کی تھیں وہ لکھ دیں۔ یہ گرامی نامہ "آپ بیتی" (۱) قرار پایا اسکے بعد احباب کے تقاضوں سے مزید واقعات لکھوانا شروع کئے گئے اور انھیں ابواب وفصول پر مرتب فرمایا۔ چنانچہ اب تک اس کے سات نمبر طبع ہو چکے ہیں۔

سیر وسوانح میں آپ بیتی سب سے دلچسپ اور مبنی بر حقائق تصنیف ہے۔ اور کسی نابغہ شخصیت کی آپ بیتی تمام تر سادگی، جذبہ خمول وکسر نفسی کے باوجود محض دلچسپ ہی نہیں، حکمت آگیں اور سبق آموز بھی ہے۔ آپ بیتی سے مصنف کی شخصیت اسکے اخلاق وعادات اور نفسیات کے دقیق سے پہلو بھی بلا حجاب سامنے آجاتے ہیں اور پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ اپنے اکابر کے حالات وسوانح کا حسین مرقع اور مختصر سا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جسکے مطالعہ سے نہ صرف دل ودماغ اور قلب ونظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں۔ بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفل علم وعرفان سے مستفیض ہورہا ہے۔

(آپ بیتی ۷ - ۲)

اس آپ بیتی کا قصہ: اس آپ بیتی کا قصہ جس کی طرف مندرجہ بالا تعارفی نوٹ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی وفات کے بعد ان کی سوانح حیات حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ایما پر (مرحوم

ومغفور) مولانا محمد ثانی حسنی صاحب نے لکھی تو اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی لکھنا تھا اس کے لیے انھوں نے اپنے خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ وہ مولانا ممدوح ہی نے تحریر فرمایا اور جیسا کہ چاہیے تھا۔ ناظرین کو کسی شخصیت سے واقف کرانے کے لیے ان کی زندگی کے وہ حالات وواقعات اور امتیازات وکمالات اور خداوندی انعامات خاص طور سے ذکر کئے جو قارئین کے لیے سبق آموز اور ہدایت افروز ہوسکتے تھے۔ طباعت واشاعت کے بعد جب اس کو حضرت شیخ نے (بینائی کی کمزوری کی وجہ سے پڑھوا کر سنا تو سوانح یوسفی کے مؤلف مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم کو ایک مکتوب لکھوایا، کہ بھئی جو واقعات لکھنے کے نہیں تھے وہ تو مولانا علی میاں نے لکھ دیے اور جو لکھنے کے تھے وہ نہیں لکھے یا بہت مجمل لکھے پھر اسی مکتوب میں اپنے بچپن اور ابتدائی تعلیم وتربیت کے واقعات لکھوائے، جو حضرت شیخ کے نقطہ نظر سے لکھنے کے قابل تھے (اور یقیناً کوئی دوسرا لکھنے کے لئے ان کا انتخاب بھی نہیں کرسکتا تھا) یہ مکتوب ایک چھوٹا سا رسالہ ہوگیا تھا لیکن اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا۔ بعد میں بعض مخلصین کے مشورے اور اصرار سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کرلیا گیا اور یہی آپ بیتی نمبر (۱) قرار پایا۔

اس کے بعد مختلف اوقات اور مختلف مقامات کے قیام میں اس سلسلہ "آپ بیتی" کے بعد کے نمبر اس طرح مرتب ہوئے کہ حضرت واقعات بیان فرماتے تھے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلمبند کرتا جاتا تھا۔ اس طرح اس سلسلہ کے سات نمبر تیار ہو کر شائع ہوگئے نمبر (۱) جو مرحوم مغفور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے نام حضرت شیخ کا مکتوب ہے اس کے آخر میں تاریخ ۲ شعبان ۱۳۸۷ھ (دسمبر ۱۹۶۷ء) اور آخری نمبرے کے آخر میں یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ (مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء) پڑی ہوئی ہے اس طرح قریباً ۱۴-۱۵ سال کے عرصہ میں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں یہ "آپ بیتی" مرتب ہوئی۔ اس کے صفحات کی مجموعی تعداد ساڑھے سولہ سو کے قریب ہے۔

راقم سطور نے اس "خاص نمبر" کے محدود صفحات کی گنجائش کو پیش نظر رکھ کر جستہ جستہ حالات واقعات کے انتخاب کا ارادہ کیا ہے۔ خود احساس ہے کہ میرے لیے انتخاب کا یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ "آپ بیتی" کے قریباً سارے ہی مضامین کا حال یہ ہے کہ "کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست" اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرمائے اور ایسی چیزیں اس انتخاب میں آجائیں جو خود اس عاجز کے لیے اور ناظرین کرام کے لیے نافع ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ساتھ اس عاجز راقم سطور کے نیازمندانہ تعلق کی عمر چالیس سال سے بھی زیادہ ہے اس مدت میں سیکڑوں ہی بار تھوڑے وقت کے لیے یا دو چار دن اور کبھی کبھی کئی کئی ہفتوں تک بھی خدمت میں حاضری اور مجالست نصیب رہی اس "آپ بیتی" میں حضرت شیخ نے جو کچھ لکھوایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے جو راقم سطور نے حضرت سے براہ راست بھی مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں سنا ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت گویا فرمارہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں اس کی زبان بھی تصنیفی نہیں ہے بلکہ بے تکلف مجلسی گفتگو کی زبان ہے امید ہے کہ ناظرین کرام بھی ایسا محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ اس عاجز کے لیے بھی نافع بنائے اور عام قارئین کے لیے بھی اور قبول فرمائے۔

(حضرت مولانا) محمد منظور نعمانی (مدظلہ)

۱۳ ذی الحج ۱۴۰۲ھ ۶ اکتوبر ۱۹۸۲ء

انتخاب آپ بیتی نمبر (۱)

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے "آپ بیتی (۱) دراصل حضرت شیخ کا ایک مکتوب ہے جو" سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ" کی اشاعت کے بعد اس کے مؤلف مرحوم ومغفور مولانا سید محمد ثانی حسنی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

عزیز گرامی قدر ومنزلت ! عافاکم اللہ وسلمہ بعد سلام مسنون

تمھاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی ۔ اللہ تعالی دونوں جہاں میں بہترین جزا عطا فرمائے ۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی ۔ کاش میری آنکھیں قابل نظر ہوتیں تو ایک دو شب ہی میں نمٹا دیتا ، مجھے اکابر کی سوانح پڑھنے کا ساری عمر سے شوق ہے ۔شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ، دن میں تو کبھی فرصت ملی نہیں ، عشاء کے بعد ضروری مطالعہ سے فراغت کے بعد شروع کیا کرتا تھا اور اکثر صبح بھی کردی ، مجھے شباب کے زمانے میں تمام رات جاگنا بہت آسان تھا ۔اکابر کی سوانح ہمیشہ ایک شب یا دو شب پوری کیں حضرت گنگوہیؒ ، حضرت سہارن پوریؒ ، حضرت شیخ الہندؒ ، حضرت تھانویؒ ، حضرت سید صاحبؒ حضرت چچا جانِ وغیرہم نور اللہ مرقدہم کی سوانح اور مکاتیب اسی ذوق شوق سے پورے کئے لیکن اب آنکھوں کی معذوری نے دوسروں کا محتاج بنایا اور دوسروں کے لیے

وصل ہو یا فراق غالب　　　جاگنا ساری رات مشکل ہے

آگے حضرت شیخ نے سوانح یوسفی کے اس باب کے بارہ میں جو خود انہی کے متعلق مولانا علی میاں کا لکھا ہوا ہے ، اظہار خیال فرمایا ہے جس کی حیثیت استدراک کی ہے۔ اس باب میں دو نازک امتحان اور توفیق الٰہی کے زیر عنوان شیخ کی زندگی کے دو واقعے ذکر کیے گئے ہیں۔

ایک یہ واقعہ کہ جب ابتدائی مدرسہ مظاہر علوم میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس کی حیثیت سے شیخ کا تقرر ہوا تو ان کے خاندان کے ایک بزرگ مولوی بدر الحسن صاحب نے (جو لکھنو میں جج تھے اور علی گڑھ کالج سے ان کا خاص تعلق تھا ، کالج میں ناظم دینیات کے عہدہ کے لیے اصرار بلکہ حکم فرمایا (جس کی ابتدائی تنخواہ تین سو روپے تھی) تو شیخ نے تعمیل سے معذرت کردی (یہ واقعہ چونکہ پوری تفصیل سے "آپ بیتی" (۲) کے انتخاب میں ناظرین کرام آگے پڑھیں گے اس لیے یہاں صرف اجمالی بیان ہی پر اکتفا کیا جارہا ہے)

دوسرا واقعہ اس سلسلے کا اسی طرح کا مولانا علی میاں صاحب نے یہ ذکر کیا ہے کہ کرنال میں نواب عظمت علی خان صاحب کے مشہور وقف کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دار العلوم قائم کیا گیا تھا۔ جس کی خاص غرض وغائت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اسکی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ایسے فضلا تیار کیے جائیں جو عربی و انگریزی دونوں سے واقف

ہوں اور علوم" قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں اسکے لیے بڑے وظائف دے کر مستند عربی مدارس کے فضلا کو انگریزی اور کالجوں یونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے۔ مولانا سر رحیم بخش صاحب مرحوم (جو ریاست بہاول پور کے صدر کونسل تھے) اس تحریک کے خاص علمبرداروں میں تھے، ان کا تعلق گنگوہ، رائے پور، سہارن پور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا اس دار العلوم کے لیے انھوں نے شیخ کا انتخاب کیا اور مستقل سفر کر کے سہارن پور آئے اور بڑی شفقت کے ساتھ شیخ کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا اور ضابطہ کی تین سو ماہوار تنخواہ کے علاوہ بہت سی رعایتوں اور سہولتوں کا ذکر فرمایا اور چونکہ وہ مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں (یعنی ارکان شوریٰ) میں سے تھے اور اس بنا پر ان کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ مظاہر علوم کے کسی استاذ کو کسی دوسری جگہ کے لیے ترغیب یا دعوت دیں، اس لیے انھوں نے شیخ سے یہ بھی کہا کہ تم خود ہی حضرت سہارنپوری سے اپنی ضروریات ظاہر کر کے اجازت لے لو شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

> آپ تو فرماتے ہیں، کہ میں حضرت سے اجازت لوں لیکن اگر (بالفرض) آپ کے براہ راست کہنے پر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے تو میں عرض کروں گا کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں (مجھے تو یہیں پڑا رہنا ہے) یہ جواب سن کر مولانا سر رحیم بخش صاحب نے (جو حضرت شیخ کے بڑوں میں تھے) فرمایا کہ مولوی زکریا میں تمھارا معتقد تو پہلے سے تھا لیکن اس جواب سے اور زیادہ معتقد ہو گیا ہوں۔

حضرت شیخ نے اسی قسم کے اس سے بھی زیادہ سخت امتحان کے دو واقعے اور بھی بیان فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ ان کے ایک شاگرد مولوی محمد عادل گنگوہی کا" دائرہ العارفؒ" (حیدر آباد) سے تعلق ہو گیا اور پھر وہاں کے ذمہ دار حضرات کا مضمون یہ تھا کہ یہاں دائرۃ المعارف کی مجلس میں بیہقی کے رجال پر کام کرانے کا فیصلہ ہو گیا اور اس کے لئے صرف دو حضرات کا انتخاب کیا گیا ہے، ایک حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے آپ۔ اور چونکہ کام طویل ہے اور شاہ صاحب کی ضعیفی کی وجہ سے ان سے کام پورا ہونا مشکوک ہے اس لیے ترجیح آپ کو ہے۔ تنخواہ آٹھ سو ماہوار، رہنے کے لیے مکان اور سواری کے لیے موٹر معہ اس کے سارے اخراجات کے سرکار کی جانب سے۔ مولوی محمد عادل صاحب نے اسکے علاوہ علم ومطالعہ کی لائن کی بھی متعدد ایسی چیزیں لکھی تھیں جو شیخ کے لیے بھی کشش کا باعث ہو سکتی تھیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

جواب میں اس ناکارہ نے صرف ایک کارڈ لکھا جس میں صرف یہ مصرعہ لکھ دیا تھا

"مجھے جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر" فقط زکریا

دوسرا اور آخری واقعہ اسی سلسلہ کا اس سے بھی بڑے امتحان کا شیخ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ملک کی تقسیم سے دو تین سال پہلے مشرقی بنگال کی کسی بڑی درسگاہ کی طرف سے ایک دن جوابی تار ملا کہ آپ کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خط مجھے لکھا گیا جو ابھی نہیں ملا ہے۔ پھر تار کے بعد خط بھی مل گیا۔ اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے بارہ سو ماہوار پر آپ کا تقرر تجویز کیا گیا ہے۔ آپ فوراً منظوری سے مطلع کریں۔ خط بہت لمبا تھا اور اس میں تجویز کی منظوری پر بہت اصرار کیا گیا تھا شیخ فرماتے ہیں کہ۔

تار کا جواب تار سے تو میں نے صرف یہ دیا کہ معذوری ہے۔ خط میں میں نے لکھا کہ جن دوستوں نے آپ سے میرا نام لیا ہے انھوں نے محض حسنِ ظن سے غلط روایات آپ کو پہنچائی ہے، یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے نہ متحمل (آگے حضرت شیخ فرماتے ہیں) اللہ کا احسان ہے کہ پھر کوئی واقعہ اس قسم (کے امتحان) کا پیش نہیں آیا۔

راقم سطور (محمد منظور) عرض کرتا ہے کہ اب سے قریباً دس سال پہلے اس عاجز نے اپنے ایک ذاتی مسئلہ میں (جس کا کچھ تعلق معاش سے بھی تھا) حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ چاہا تو حضرت شیخ نے جو میرے حق میں بہتر سمجھا مشورہ دیا اور توکل کی تلقین فرمائی، میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ توکل کے بارہ میں عقیدہ تو صحیح ہے لیکن میرا حال وہ نہیں ہے میں تو اسباب کا گرفتار ہوں، تو حضرت شیخ نے اپنے بعض ذاتی تجربات کا ذکر فرمایا۔

اس سلسلہ میں مذکورہ بالا چاروں واقعے بھی ذکر فرمائے مجھے الحمدللہ ان کے سننے سے کچھ نہ کچھ نفع ہوا۔ میں نے حضرت شیخ کی اس پوری گفتگو کو امکانی حد تک شیخ ہی کے الفاظ میں قلم بند کر لیا، میرا خیال تھا کہ اس کی اشاعت سے اللہ کے بہت بندوں کو نفع ہوگا اور کم از کم دل میں توکل اور اعتماد علی اللہ کی تمنا پیدا ہو گی۔ اس لیے میں نے "الفرقان" میں اس کو شائع کر دینے کا بھی ارادہ کر لیا۔ لیکن جب میں نے خط لکھ کر شیخ سے اس کی اجازت چاہی تو سختی سے منع فرما دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہی ہو گی کہ حضرت شیخ کو اس وقت اپنے نفس کے بارہ میں اطمنان نہ رہا ہو گا۔ عجب جیسی کیفیات کا خطرہ ہو گا، پھر جب اللہ تعالی کے فضلِ خاص سے یہ حال ہو گیا کہ مخلوق کی رضا و عدم اور مدح و مذمت کا قلب و نفس پر کوئی مضر اثر نہ ہو تو اللہ تعالی کے بندوں کے نفع کی امید پر اس طرح کے احوال و واقعات خود ہی "آپ بیتی" کے اس سلسلہ میں قلم بند کرا کے ہم جیسوں کے لیے نافع بنائے اللہ ان سے سبق آموزی کی توفیق دے اور حضرت شیخ کو اس کی بہتر سے بہتر جزاء عطاء فرمائے۔

بچپن کا ایک قابل ذکر واقعہ: اسی سلسلہ کلام میں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرزا ثریا جاہ جو دلی کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے فرزند تھے، وہ اور ان کے والد مرزا الٰہی بخش بھی حضرت شیخ کے دادا مولانا اسماعیل صاحبؒ کے شاگرد تھے اور ان کو حضرت مولانا سے انتہائی درجہ کی عقیدت و محبت تھی، اسی بنا پر انھوں نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار اور اس پر اصرار فرمایا کہ ان کی صاحبزادی شہزادی قیصر جہاں بیگم کا نکاح مولانا موصوف کے صاحبزادے (شیخ کے والد ماجد مولانا یحییٰ صاحب) سے ہو جائے۔

(جب کہ وہ کم سن صاحبزادے (مولانا یحییٰ صاحب تھے) سے بھی ان کی خواہش اور فرمائش کا ذکر کیا انھوں نے بھی معذرت کی اور عرض کیا کہ۔

ان شہزادی سے نکاح کے بعد بورئے پر لیٹنا، بیٹھنا تو نصیب نہ ہو گا۔

پھر ان شہزادی کا نکاح اپنے ہی طبقہ کے مرزا محمد شاہ صاحب سے ہو گیا، مگر ہمارے گھرانے سے قیصر جہاں بیگم کا تعلق ویسا ہی رہا جیسا ان کے والد مرزا ثریا جاہ کا تھا (یا اس سے بھی زیادہ)

مرحومہ نے کئی مرتبہ میرے سامنے میرے والد صاحب سے اصرار کیا کہ مجھے تو آپ نے قبول نہ کیا، مگر زکریا میرا بچہ ہے، میں اس کو اپنا بیٹا بناؤں گی، اپنے پاس رکھوں گی اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کروں گی، والد صاحب کا جواب

تو یہ ہوتا تھا کہ جس چیز کو میں نے اپنے لئے پسند نہ کیا اسکے لئے کیسے پسند کروں ۔مگران کا شدید اصرار از خود رفتہ تھا۔اس کی بنا پر ایک دفعہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے امتحاناً مجھ سے بھی دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ پاندان لیے لیے پھرنا میرے بس کا نہیں (آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر مرزا محمد شاہ کو مرحومہ سے عشق تھا۔وہ نہایت نفیس مسہری پر بیٹھی رہتی تھی اور مرزا محمد شاہ مرحوم پاندان ان کے پاس لاکر رکھتے اور کہتے کہ بیگم ایک پان کھلادو۔(آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ)میرے اس جواب پر والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود اپنا قصہ مجھے سنا کر یہ ارشاد فرمایا کہ میرے والد صاحب نے بھی مجھ سے بچپن میں قیصر جہاں کے نکاح کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اس شہزادی سے نکاح کرنے کے بعد بورئے پر لیٹنا تو کبھی نصیب نہیں ہوگا۔

اور یہ قصہ سنا کر فرمایا کہ میرے اور تیرے جواب میں آسمان و زمین کا فرق ہے، تیرے جواب سے تکبر کی بو آتی ہے۔

تربیت کی تکمیل : حضرت شیخ نے تربیت اور نگرانی کے معاملہ میں اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کی شدت پسندی اپنی قیدیوں والی زندگی اور غلطیوں کوتاہیوں پر سخت مضروبیت کے بہت سے واقعات بھی مزے لے کر بیان فرمائے ہیں اور اس کو والد ماجد کا عظیم احسان بتلایا ہے۔فرماتے ہیں :

اللہ جل شانہ والد صاحب کو ان ضربات کی بہتر سے بہتر جزاء عطاء فرمائےاور ہر مار پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔حالت تو اپنی خراب ہی رہی لیکن ان تنبیہات اور اللہ کے فضل واحسان کی وجہ سے آدمیوں میں شمار ہونے لگا ورنہ نہ معلوم کس جُون میں ہوتا۔

پھر شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت آیا کہ ان ضربات و تنبیہات اور ہمہ گیر نگرانی کا مرحلہ ختم ہو گیا۔ فرماتے ہیں !

یہ سارے مراحل والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے قریبا ایک سال پہلے ختم ہو گئے انتقال سے پہلے حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب قدس سرہ جن کا شدید اصرار والد صاحب کے بلانے پر رہتا تھا۔ان کے خط کے جواب میں والد صاحبؒ نے میرے ہی قلم سے تحریر کرایا۔اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا ہے۔(آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں) والد صاحب رائے پور طویل قیام کے لیے تشریف لے گئے اس ناکارہ نے ان کی تشریف بری کے بعد مکاری سے ان کی یاد اوران کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا، تو جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

"بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہو گیا، اب میری ضرورت نہیں رہی"

(شیخ فرماتے ہیں) کاش اللہ تعالی اپنے فضل و کرم اور لطف واحسان سے والد صاحب کے اس حسنِ ظن کو اور ان کے بعد میرے دوسرے اکابر اور احباب واصاغر کے حسنِ ظن کو "انا عند ظن عبدی بی" عالی شان فرمان ہی کی وجہ

سے صحیح فرمادے، تو اس کے لطف و کرم اور ان احسانات عظیمہ سے بعید نہیں جو ہمیشہ ہی میری ناپاکیوں کے باوجود رہے۔ فقط

"آپ بیتی" نمبر ۱ جس مکتوب کا نام ہے اس کا مضمون ان سطروں پر ختم ہو گیا۔ لیکن جب اسکی مستقل اشاعت کا ارادہ کیا گیا تو حضرت شیخ نے اس کے ساتھ اپنا مضمون شامل کرانے کا فیصلہ فرمایا جو مدرسہ مظاہر علوم کے مدرسین وملازمین کے لئے خصوصاً اور تمام ہی دینی مدارس کے اساتذہ وملازمین اور ذمہ داروں کے لیے عموماً اسی زمانے میں لکھا گیا تھا۔ اس میں بتلایا گیا کہ دینی مدارس کے بارے میں خاص کر مالیات کے معاملہ میں ہمارے اکابر کا نقطہ نظر اور طرز عمل کیا تھا اور اس سلسلہ میں متعدد اکابر کے ارشادات و واقعات لکھے تھے۔ یہاں ان میں سے صرف دو چار ہی نذر ناظرین کیے جا رہے ہیں سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کے سرپرست (یعنی رکن مجلس شوری) حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ:

مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں لگتا اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے وہ ملازمت سے علیحدہ ہوتے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہو سکتا ہے، لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کا چندہ ہوتا ہے۔ ہم سب سرپرستان مدرسہ (یعنی ارکان شوری وانتظامیہ) اس کے مالک تو ہیں ہی نہیں، امین ہیں۔ اگر اس مال کے اندر افراط اور تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا اتنا ضرور ہے کہ اگر ہم بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے کسی طرح معاف نہیں کرایا جاسکتا۔

آخر میں اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے اپنے زمانے کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جو ان کے چشم دید ہیں فرماتے ہیں۔

مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا میں نے اکابر مدرسین وملازمین میں سے کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا جملہ مدرسین حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے، جب بھی وقت ملے، البتہ حضرت سہارن پوری قدس سرہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے مولانا عنایت اللہ الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ تو دو شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت اور رات کو بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھاتے تھے۔ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانے میں مطبخ کے منتظم ہوتے تھے لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے خود نہیں چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھا آتے اسی طرح دیگر اکابرین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے نہیں دیکھا ان سب احتیاطوں کے باوجود حضرت سہارن پوری قدس سرہ جب سنہ ۴۴ھ

میں مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں گے۔

اس کے بعد شیخ نے خود اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

میرے والد صاحب قدس سرہ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دکان تھی۔ گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب کی ایک طباخ کی دکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہوجایا کرتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کی (مسجد) کے حمام کے سامنے (اندر نہیں بلکہ باہر) رکھوا دیتے تھے اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے (۱)

"تنخواہ تو میرے والد صاحبؒ نے اپنے سات سالہ دور میں کبھی نہیں لی:

آخر میں حضرت شیخ نے بیان فرمایا کہ ہمارے اکابر اسلاف نے کیسے افلاس وفقر اور صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاری اس سلسلہ میں دو واقعے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کے ذکر فرمائے ہیں اور انہی پر یہ مضمون ختم کیا ہے۔

فرماتے ہیں:-

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا، مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا قرض لینے کو دل نہ چاہا، آج اللہ نے پیسے عطا کیے تو تم کو خط لکھ رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کا جو اس موقعہ پر حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے وہ اس عاجز راقم سطور نے خود بھی براہ راست صاحب واقعہ (مولانا لطیف الرحمان کاندھلوی مرحوم) سے کئی بار سنا ہے۔ اس لیے بہ نظر اختصار اس کو اپنے الفاظ میں عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

یہ مولانا لطیف الرحمان مرحوم حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کے قریبی عزیز تھے، دہلی شہر میں قیام تھا کسی مسجد کے امام بھی تھے ایک دفعہ رمضان مبارک میں وہ حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری اور ایک آدھ دن قیام کے ارادہ سے دہلی سے نظام الدین آئے عصر کے وقت پہنچے تھے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا کا معمول عصر سے مغرب تک خلوت میں ذکر بالجہر کا تھا، افطار کے قریب ہی باہر تشریف لاتے تھے اپنے معمول کے مطابق تشریف لائے اور مدرسہ کے طلباء اور خدام جو ساتھ رہنے والے تھے ان سے پوچھا کہ افطار کے لیے کچھ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! بس کل کے بچے ہوئے گولر ہیں

(۱) چند مہینے پہلے لندن کے ایک دینی ماہنامہ کے حضرت شیخ ہی کے متعلق ایک مضمون میں یہ واقعہ اس عاجز راقم سطور (محمد منظور احمد نعمانی) کی روایت اور "الفرقان" کے حوالہ سے حضرت شیخ کی طرف منسوب ہو کر شائع ہوا ہے، صاحب مضمون کو (جو اس عاجز کے عزیز دوستوں میں ہیں) سہو ہوا ہے۔ اس عاجز نے خود حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بار بار اسی طرح سنا ہے جس طرح آپ بیتی میں لکھا گیا ہے اور اگر کبھی نقل کرنے کی نوبت آئی بھی تو اسی طرح نقل کیا ہے بہر حال یہ واقعہ حضرت شیخ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ ہی کا ہے۔ ۱۲

فرمایا واہ واہ لاؤ لوٹا سامنے رکھ دیا گیا جس میں گولر تھے دو چار گولر خود حضرتؒ نے کھائے، پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور سب نے اور مولانا لطیف الرحمان صاحب نے بھی بس گولر ہی کھائے بس وہی افطاری تھی، وہی کھانا، اس کے بعد حضرت نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اپنے معمول کے مطابق نوافل میں مشغول ہوگئے عشاء کی اذان کے قریب تک حضرت نوافل میں مشغول رہے اس کے بعد نماز عشاء اور تراویح، پھر سحر میں بھی وہ گولر ہی تھے، اس وقت بھی افطار کی طرح دو چار گولر کھا کر پانی پی لیا۔

مولوی لطیف الرحمان صاحب نے اگلے دن واپسی کا ارادہ کیا ان کو ڈر تھا کہ آج بھی بس گولروں ہی پر اکتفا ہوگا۔ اور یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ انھوں نے حضرت سے اجازت چاہی، حضرت نے اجازت نہیں دی، مجبوراً ٹھہر جانا پڑا۔ (مولوی لطیف الرحمان صاحب مرحوم فرماتے تھے، کہ اس دن بھی افطار کا وقت قریب آنے لگا اور میں نے محسوس کیا کہ آج بھی کھانے پینے کی کوئی تیاری نہیں ہے۔" بعض طالب علم "آج بھی گولر لینے کے لیے جنگل گئے تھے۔ میری جان سوکھنے لگی جب افطار کا وقت بالکل قریب آیا تو شہر سے ایک ریڑھی پر بریانی کی دیگ آئی، بہت ہی اعلیٰ درجہ کی بریانی تھی، اس کی خوشبو سے ساری مسجد مہک گئی۔ حضرت نے فرمایا لطیف! تم سے گولر نہیں کھائے جارہے تھے یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی وجہ سے بھیجی ہے خوب کھاؤ۔ مرحوم مولوی لطیف الرحمان صاحب فرماتے ہیں، اس دن جیسی لذت سے وہ بریانی کھائی زندگی بھر ایسی لذت سے کھانا یاد نہیں۔

آپ بیتی (۱) کا انتخاب ان سطروں پر ختم ہوگیا۔ والحمد للہ۔

آپ بیتی کے پہلے نمبر کے بعد

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہوچکا، آپ بیتی کا پہلا نمبر دراصل ایک خط تھا جو اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا، بعد میں اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جو نمبر لکھے گئے وہ اشاعت ہی کی نیت سے لکھے گئے ان کا آغاز وافتتاح حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا۔

(آپ بیتی نمبر ۲ لکھاتے ہوئے) قرآن مجید کی بعض ان آیات سے کیا ہے جن میں اخلاص للہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد اسی موضوع سے متعلق مشہور حدیث "انما الاعمال باالنیات" ذکر فرمائی ہے اور اس کی تشریح اور وضاحت فرما کر اخلاص اور تصحیح نیت کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اچھی سے اچھی باتیں اور اپنے یا اپنے اکابر، اسلاف کے سبق آموز واقعات ایک آدمی ریاکاری کے طور پر اور لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے بھی بیان کرسکتا ہے اور تحدیث نعمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور ثواب اخروی اور بندگان خدا کی اصلاح و تربیت کی نیت سے بھی۔ اگر خدانخواستہ پہلی بات ہو تو سخت ترین گناہ بلکہ ایک درجہ کا شرک ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو اعلیٰ درجہ کی عبادت اور نائبین انبیاء والا عمل ہے۔ حضرت شیخ نے شروع ہی میں اخلاص سے متعلق آیات واحادیث لکھ کر پہلے خود اپنے کو اور اس کے ساتھ ناظرین وقارئین کو بھی نیت کی تصحیح کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس آپ بیتی کے تحریر میں آنے کا یہ قصہ بیان فرمایا کہ جمادی الاخری ۹۰ھ (اگست ۷۰ء) میں آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں حضرت کو علی گڑھ کچھ طویل قیام فرمانا پڑا۔ آنکھ کی معذوری کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کوئی کام کیا نہیں جاسکتا تھا تو حضرت نے آپ بیتی لکھانے کا مشغلہ تجویز فرمایا جس کے لیے خدام

و مخلصین کا اصرار بھی تھا، جو وقت خالی ہوتا خاص کر رات کے وقت حضرت اپنی سر گزشت، حالات، واقعات بیان فرماتے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلم بند کرتے جاتے۔

علی گڑھ کے اس قیام میں آپ بیتی (۲) و (۳) اسی طرح مرتب ہوئیں، بعد میں ان میں اضافہ اور تنقیح کا عمل بھی ہوا۔

آگے کے نمبر بھی اسی طرح مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں قلم بند ہوئے اور شائع ہوتے رہے۔

راقم سطور صفحات کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو منتخب مضامین اور اقتباسات پیش کرے گا اس کی حیثیت غالبا "مشتے نمونہ از خروارے" کی بھی نہ ہوگی۔

اللہ تعالی اس عاجز کو بھی اور ناظرین کو بھی علم و عمل کے لحاظ سے اس سے نفع پہنچائے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر ۲

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ نے آپ بیتی ۲ کا آغاز "اخلاص اور تصحیحِ نیت" کے مضمون سے کیا ہے اور مشہور حدیث، **انما الاعمال بالنیات** الخ بھی ذکر فرمائی ہے۔ آگے اس سلسلہ میں کچھ واقعات بھی بیان فرمائے ہیں ان میں سب سے پہلا واقعہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ ۱۰ بجے صبح میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر (۱) نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں صرف مصافحہ کرنا ہے میں نے کہا جلدی بلادے مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا، رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں، پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب واپسی میں لوں گا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ، صرف تصحیحِ نیت۔ اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتدا" **انما الاعمال بالنیات** "سے ہوتی اور انتہا، " **ان تعبدو اللہ کانک تراہ** "ہے آگے اس سلسلۂ کلام میں فرمایا ہے کہ) اسی کو نسبت کہتے ہیں اسی کو یادداشت کہتے ہیں اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از وغافل مشو حافظ
متی ماتلق من تھوی" دع الدنیا و اھملھا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی لیے بیلے جاتے ہیں ذکر بالجہر بھی، مجاہدہ، مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے۔ اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

اخلاص اور تصحیح نیت کا بیان گویا آپ بیتی (۲) کا باب اول تھا۔

---

(۱) مولوی نصیر الدین مرحوم حضرت شیخ کے خاص معتمد، سارے کاموں کے ذمہ دار، گویا مدار الہام تھے اور رئیس الاحرار سے مراد مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی مرحوم ہیں جو مجلس احرار اسلام ہند کے صدر تھے۔

باب دوم میں حضرت شیخ نے اپنی تعلیم اور فراغت کے بعد مظاہر العلوم میں مدرسی اور تصنیفات کا ذکر فرمایا ہے پہلے اپنے بچپنے اور ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) کی شب میں رات کو ۱۱ بجے تراویح کے بعد ہوئی۔ڈھائی برس کی عمر تک یہ ناکارہ کاندھلہ رہا۔سنا ہے کہ اس قدر نالائق تھا کہ میرا کھیل توڑ پھوڑ تھا ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطبِ عالم گنگوہیؒ کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا۔

آگے اپنی تعلیم کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ایک عاشق ، خادم ڈاکٹر عبد الرحمان مظفر نگری تھے ،جنھوں نے حضرت کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے ہی کے لیے گنگوہ میں قیام اختیار کرلیا تھا ان کی اہلیہ سے قاعدہ بغدادی شروع ہوا اس کے بعد سیپارہ شروع ہونے کا اور پھر حفظ قرآن کا سلسلہ شروع ہوجانے کا اور اس زمانے کی اپنی خوشیوں کا بھی بڑی بے تکلفی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے پھر ختم حفظ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

۔سارا قرآن پاک اسی طرح پڑھ کر ختم کردیا اور حافظ ہوگئے میری دادی صاحبہ نوراللہ مرقدھا حافظہ تھیں اور بہت اچھا یاد تھا۔سال بھر کا معمول خانگی مشاغل کھانے پکانے کے علاوہ ایک منزل روزانہ کا تھا اور رمضان میں چالیس پارے روزانہ کا ان کے کچھ حالات "تذکرۃ الخلیل" میں بھی ہیں جب وہ گنگوہ ہوتیں تو میرا سبق سننا ان کے ذمہ تھا۔

(اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں) قرآن شریف کی یاد تو کما حقہ اب تک بھی نصیب نہیں ہوئی لیکن سنہ ۳۸ھ (۱۹۲۰ء) ماہ مبارک میں ایک قرآن پاک روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً ۸۰ء تک رہا ہوگا بلکہ اس کے بھی بعد تک۔ابتدائی معمول یہ تھا کہ سواپارہ جس کو تراویح میں سنانا ہوتا تھا اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا گرمیوں کی شب میں کچھ کم سردیوں میں کچھ زائد اس کے بعد تہجد میں اس کو دو مرتبہ اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ اور پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ گرمیوں میں دو دفعہ۔اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً دو مرتبہ (اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی سنتوں میں دوسری دفعہ اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ظہر کے بعد دوسنتوں میں سے کسی ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلاف کی وجہ سے ایک بار یا دو دفعہ پڑھنا ۔عصر کے بعد کسی دوسرے اونچے آدمی کو سنانا۔مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا ۔تراویح پر یہ پارہ ختم ہوجاتا تھا اور اگلے کا نمبر شروع ہوجاتا تھا ۲۴ گھنٹوں میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ (مجموعی طور پر تیس پارے پورے ہوجائیں ۔سالہا سال یہی معمول رہا اخیر زمانہ میں بیماریوں نے چھڑا دیا۔

ظاہر ہے قرآن مجید میں اس مسلسل مشغولیت کی وجہ سے آنے جانے والوں سے ملاقات اور بات چیت کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ روزانہ صرف تراویح کے بعد قریباً گھنٹہ، پون گھنٹہ کا وقت حضرت نے اس کے لیے رکھا تھا اس میں مخلصین اور خدام آجاتے اور اس وقت کچھ ناشتہ سا بھی ہوتا۔ اسی دور کے ایک رمضان کا یہ دلچسپ واقعہ بھی حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے:۔

میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری کی اس زمانہ میں آمد و رفت بہت کثرت سے تھی اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لیے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں مختصر الفاظ میں بہت جلدی سے سناجاتے تھے اس لیے (عام دنوں میں) ان کی آمد پر میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ رمضان میں ۰-۹ بجے صبح کو آئے مولوی نصیر سے کہا کواڑ کھلوا دو۔ اس نے کہا رمضان ہے خود زنجیر کھڑکھڑانے کا ارادہ کیا اس نے منع بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی، اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی کھڑکھڑاتے رہو۔ اس پر خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے۔ راستہ میں مولانا منظور احمد خاں صاحب ملے انھوں نے کہا، حکیم! جی تم کہاں آگئے؟ شیخ کے یہاں تو رمضان ہے اس پر کچھ سوچ پیدا ہوئی اور نصیر پر سے غصہ کچھ کم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ناظم صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے وہ ڈاک لکھوا رہے تھے فرمایا حکیم جی کہاں آگئے؟ شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔ وہاں سے اٹھ کر مفتی محمود صاحب کے حجرہ میں گئے، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دہرا دیا حکیم جی نے پوچھا آخر رمضان میں کوئی وقت بات کا ملاقات کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا کہ تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ۔ حکیم جی نے کہا کہ مجھے تو رامپور واپس جانا ہے تب مفتی جی نے کہا کہ ظہر کی نماز سے ۱۵ منٹ پہلے مسجد تشریف لائیں گے اس وقت مل لینا یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں مل لینا۔ وہ ظہر سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی بڑی دیر تک انتظار کیا، مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں اس لیے کہ ان دنوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا وہ بڑی دیر تک انتظار دیکھ کر چلے گئے واپس آئے تو میں اپنے کمرہ پر پہنچ کر قرآن پاک سنانے میں مشغول ہو گیا تھا وہ کھٹ کھٹ کرکے اوپر چڑھے اور جاتے ہی زور سے کہا بھائی جی سلام علیکم بات نہیں کرتا صرف ایک فقرہ کہوں گا رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا۔ سلام علیکم جارہا ہوں عید کے بعد ملوں گا میں نے کہا وعلیکم السلام اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہو گیا۔

۳۸ھ کے بعد سے رمضان مبارک میں قرآن پاک کی تلاوت میں اسطرح کی ہمہ وقتی مشغولیت کا یہ ذکر تو اپنے بچپنے کے حفظ قرآن کے تذکرہ کے ساتھ اس طرح آگیا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنی اردو فارسی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے جو زیادہ تر گنگوہ ہی میں ہوئی، پھر گنگوہ سے سہارن پور منتقلی اور عربی تعلیم شروع ہوئی۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے مظاہر علوم میں رمضان ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) سے شعبان ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) تک پورے دس سال کی اپنی تعلیم کا سال وار نقشہ درج کرایا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس سال میں کون کون سی کتاب زیر درس رہیں۔

اس کے بعد تقریباً پندرہ صفحے پر ان کتابوں کے درس اور انکے پڑھانے والے اساتذہ سے متعلق کچھ تفصیلی معلومات ہیں جن سے صرف ہمارے عربی مدارس کے اساتذہ یا ذی استعداد منتہی طلبہ ہی مستفید اور محفوظ ہوسکتے ہیں حضرت شیخ نے اپنی تعلیم کے ساتھ والد ماجد قدس سرہ کی تربیت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی۔ بغیر والد صاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی، میرا ابتدائی کھیل، یا انتہائی کھیل بیت بازی تھا ہم تینوں (ہم سبق) ساتھی، مظہر، اور حکیم محفوظ گنگوہی ثم دیوبندی جب بھی ابا جان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کردیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی کہ بیت بازی کا کھیل قرآن پاک کی آیات سے شروع کردیا،

ایک شخص آیت پڑھے اور آیت شریف کا آخری حرف جو ہو دوسرا شخص وہ آیت پڑھے جس کے شروع میں یہ حرف ہو۔ میرے دونوں ساتھی حافظ نہیں تھے اور میں بھی صرف نام کا حافظ تھا مگر خوب یاد ہے کہ نہ معلوم آیتیں کس طرح سوچ لیا کرتے تھے، یہ حماقت تین چار دفعہ ہوئی اور پھر بالکل چھوٹ گئی اور منشا اس کا یہ ہوا کہ عجب بات تھی کہ جس دن یہ حرکت ہوتی اس دن بلا کسی معقول وجہ کے پٹائی ہوجاتی، اس تجربہ نے دو تین دفعہ کے بعد ہی توبہ کرادی"

حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ۔

۷ محرم ۱۳۳۲ھ/(۱۹۱۳ء) ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کرائی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھایا کرتے تھے اور نماز کے بعد غسل فرمایا اور اس کے اوپر کے کمرہ میں جو آج کل مہمان خانہ ہے اس میں دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ۱۵، ۲۰ منٹ تک دعائیں مانگیں، مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں لیکن میں اسوقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا... اس کو مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھیئے۔ اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ محرم ۳۲ھ سے رجب ۹۰ھ تک تو اللہ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو۔

آگے چل کر دور تک بس اس کی تفصیل ہے کہ مشکوٰۃ شروع ہونے کے بعد سے زندگی کے آخری دنوں تک حدیث کا مشغلہ کس طرح مسلسل جاری رہا، اس میں پہلے کئی سال تک دورہ حدیث کی کتابیں پڑھنے کا ذکر ہے پھر اسی دور میں آپ کے شیخ و مرشد حضرت سہارن پوری نور اللہ مرقدہ نے ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" کی تالیف کا کام شروع فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث کے خاص استاذ کی حیثیت سے حدیث کی کتابیں پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اسی کے ساتھ حدیث کے متعلق تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی اور یہ دونوں سلسلے جاری رہے۔

(حضرت شیخ نے یہ سب اپنی طالب علمی کی سرگزشت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے) آگے مظاہر العلوم کی مدرسی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اب مدرسی کی سنو!

محرم سنہ ۳۵ھ/(۱۹۱۶ء) کے شروع میں یہ ناکارہ مدرس ہوا (آگے تنخواہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ) میرا ابتدائی تقرر میرے حضرت قدس سرہ کی تجویز سے ۱۵ روپے پر ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ نے (جو مظاہر العلوم کے سرپرستوں یعنی ارکان شوریٰ میں سے تھے) فرمایا قرضہ بہت ہے شادی بھی عنقریب ہونے والی ہے کم سے کم تنخواہ ۲۵ روپے ہونی چاہیے اس پر اصرار بھی فرمایا۔ مگر میرے حضرت نے فرمایا کہ مدرسہ کی روایات کے یہ بھی خلاف ہے، اس لیے کہ مولانا منظور احمد صاحب سہارن پوری میرے سے پانچ برس پہلے کے مدرس تھے اور ان کی اس وقت تنخواہ ترقیات ہو کر ۱۲ روپے تک پہنچی تھی، جو میرے تقرر کے ساتھ میری وجہ سے ۱۵ روپے ہوئی تھی۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنی مدرسی کے پہلے سال سنہ ۳۵ھ/(۱۹۱۶ء) سے مظاہر علوم میں باقاعدہ تدریس کے آخری سال ۸۸ھ/(۱۹۶۹ء) تک پورے ۵۴ سال کی اپنی پڑھائی ہوئی کتابوں کی سال وار فہرست لکھائی ہے کہ فلاں سنہ میں فلاں کتابیں پڑھائیں اس میں قریبا ہر فن کی درسی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

ابتدائی چند سالوں کے بعد ہی درس حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو مظاہر علوم میں تدریس کے آخری سال سنہ ۸۸ھ تک مسلسل جاری رہا (اس کے بعد حضرت شیخ کا مدینہ منورہ میں طویل قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور مظاہر علوم میں تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا) اسباق کے سلسلہ میں مدرسی کے دوسرے ہی سال ادب کی دو کتابوں "مقامات حریری" اور سبعہ معلقہ کے سبق کا واقعہ جو دلچسپ بھی ہے شیخ نے مزے لے لے کر بہت تفصیل سے فرمایا ہے کہ لیکن یہ عاجز محدود گنجائش کے پیش نظر اختصار و تلخیص پر مجبور ہے واقعہ یہ ہے کہ

حضرت شیخ نے مدرسی کے دوسرے سال سنہ ۳۶ھ میں اس وقت کے مظاہر علوم کے مہتمم صاحب سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ کوئی مضائقہ نہ ہو تو مقامات حریری کا سبق مجھ سے متعلق کر دیا جائے مہتمم صاحب نے جو حضرت شیخ کے بزرگوں میں سے تھے اس خواہش کو قبل از وقت سمجھتے ہوئے، فرمایا کہ ابھی تو دوسرا ہی سال ہے خدا نے چاہا تو وقت آئے گا۔ مقامات بھی پڑھاؤ گے اور حدیث بھی پڑھاؤ گے۔ شیخ مایوس ہو گئے۔ مظاہر علوم میں اس دور میں مدرسین پر اسباق کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ مہتمم صاحب تعلیمی سال کے شروع میں اسباق کا نقشہ لے کر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارن پوری قدس سرہ کے سامنے بیٹھ جاتے (جو مظاہر علوم کے گویا انتظامی اور تعلیمی سربراہ تھے) اساتذہ بھی موجود ہوتے۔ مہتمم صاحب کتاب کا نام لیتے اور جس استاذ کے لیے مناسب سمجھا جاتا ان کے نام لکھ دی جاتی اس دستور کے مطابق جب تقسیم اسباق کا کام ہونے لگا اور مہتمم نے مقامات حریری کا نام لیا تو مظاہر علوم کے پرانے اساتذہ میں مقامات وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اتفاق سے ان سے کسی کا وہ گھنٹہ خالی نہ رہا تھا۔ جس میں مقامات کا سبق ہوتا تھا۔

اساتذہ میں ایک صاحب نے از خود شیخ الحدیث کا نام لے کر کہا کہ مقامات ان کے نام لکھ دی جائے۔ ایک دوسرے استاذ نے تائید فرما دی، بالآخر لکھ دی گئی۔ اس کے بعد جب سبعہ معلقہ کا نام لیا گیا تو اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی یہاں بھی قرعہ فال شیخ کے نام نکلا وہ بھی ان کے نام پر خود مہتمم صاحب کے قلم سے لکھا گیا (واضح ہو کہ سبعہ معلقہ ہمارے قدیم عربی مدارس کے ادبی نصاب کی آخری اور انتہائی کتاب ہے) اس موقعہ پر شیخ نے لکھا ہے کہ۔

"مقامات" پر تو کوئی شور و شغب نہیں ہوا اس لیے کہ یہ جماعت مشکوٰۃ والوں کی جماعت تھی لیکن سبعہ معلقہ کی جماعت دورے کے بعد کی جماعت تھی اور یہ وہ لوگ تھے جو گزشتہ سال دورے میں میرے ساتھی تھے اس لیے معلقہ کی جماعت نے بہت زور و شور میرے خلاف ابتداءً کیا (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) اس سیہ کار نے ایک تو مکاری یہ کی کہ کوئی نسخہ معلقہ کا مدرسہ سے نہیں لیا اور شرح بھی اپنے نام پر کوئی نہیں لی، ایک آدھ مولانا ظفر احمد صاحب اور ایک چچا جان کے نام پر (نکلوالی) اور معلقہ کے چند نسخے مختلف مطابع کے میرے تجارتی کتب خانہ میں تھے (ان کا مطالعہ کر کے سبق کی تیاری کرتا تھا۔)

پھر اس معلقہ کے پڑھانے کا شیخ نے یہ انداز اختیار کیا کہ سامنے بھی نہیں ہوتی تھی، معلقہ کے اشعار خود ہی حفظ پڑھتے اور ان کا ترجمہ اور حل لغات اور تحقیق و تشریح فرماتے۔ اس سلسلہ میں کبھی یہ بھی فرمادیتے کہ اس شعر کا مطلب معلقہ کے فلاں شارح نے یہ بیان کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ مطلب زیادہ اچھا ہے۔ اس طرز نے شیخ کی ادبیت کی دھاک بٹھادی اور دھوم مچ گئی

اسی زمانے کا ایک واقعہ جو ہم جیسوں کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ حضرت شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہی دنوں میں جب سبعہ معلقہ کے سبق کی وجہ سے میری ادب دانی کا چرچا ہو گیا تھا۔ ہمارے خاندانی بزرگ مولوی بدرالحسن صاحب جو لکھنؤ میں سب جج تھے، وطن کاندھلہ جاتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے انھوں نے بھی میری ادب دانی کی شہرت سنی تو:

مرحوم کو بہت مسرت ہوئی اور مجھ سے از راہ شفقت فرمایا کہ تیرے ادب کی بڑی تعریف سنی ہے تیرے لیے مولوی فاضل کا امتحان دینا بہت آسان ہے جلد از جلد امتحان کا فارم بھیج دے، اس میں تیری کامیابی یقینی ہے، اس کے بعد تجھے اپنے ساتھ لکھنؤ لے جاؤں گا اور چند مہینے انگریزی پڑھا کر زبان کا امتحان بی اے کا دلوادوں گا، اس کے بعد علی گڑھ کالج کی ناظم دینیات کی ملازمت جو میری ایک تحریر پر مل سکتی ہے۔ تین سو روپے تنخواہ ہے تجھے مل جائے گی وہ خاندان میں سب سے بڑے شمار ہوتے تھے، ان کے سامنے سب اہل خاندان ادب کی وجہ سے چپ رہتے تھے میں نے بہت ادب سے معذرت کردی کہ سہارنپور چھوڑنے کا تو ارادہ نہیں، انہیں گراں ہوا فرمایا بے وقوف ہے۔ اگلے دن کاندھلہ جا کر میرے والد کے حقیقی ماموں اور میری اہلیہ مرحومہ کے حقیقی تایا مولوی شمس الحسن صاحب کو مجھے سمجھانے کے لیے بھیجا۔ مغرب سے لے کر عشاء کی اذان تک وہ مجھے سمجھاتے رہے، ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ تھا کہ شادی ہو چکی ہے ہمشیرہ کی شادی بھی کرنی ہے ۸ ہزار کا قرضہ بھی ہے پندرہ روپے کی تنخواہ میں کیا کرے گا--- میرے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تو ہمیشہ سنا اور پڑھا اور جناب کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مقدر میں جو ہے وہ تو مل کر رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا میں جس ماحول میں ہوں اس میں اگر اپنی گندگیوں سے محفوظ رہوں یہ بھی اللہ کا احسان ہوگا اس کم عمری میں عنفوان "شباب میں علی گڑھ کے ماحول میں میرا محفوظ رہنا ناممکن ہے۔

وہ فرماتے تھے دنیا دار الاسباب ہے اسباب کا حاصل کرنا ضروری ہے محض مقدر پر نہیں رہا جا سکتا-- میں نے عرض کیا کہ بالکل صحیح فرمایا، اس میں ذرا تامل نہیں لیکن الاسباب کے درجے میں دو سبب موجود ہیں ایک مدرسے کی

ملازمت جو یقیناً محدود ہے دوسرے کتابوں کی تجارت جس میں اللہ جل شانہ جتنا بھی عطا فرمادے کوئی تحدید نہیں - عشاء کی اذان پر میرے مخدوم ومکرم نے یوں فرمایا - تونے جو کچھ کہا اگر دل سے ہو تو تیرا منہ چوم لینے کے قابل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تونے سب کچھ زبان زوری سے کہا ہے میں نے عرض کیا دعا فرمادیں اللہ اس کو دل سے کر دے -

راقم سطور عرض کرتا ہے بڑی بڑی تنخواہوں کے سلسلہ کا حضرت کا یہ پہلا امتحان تھا، اس کے بعد بھی اس سے بہت بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش سامنے آئی لیکن شیخ نے کبھی اس کو قابل غور نہیں سمجھا اور مظاہر علوم کی مدرسی پر قانع رہے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدرسہ سے تنخواہ لینا بھی چھوڑ دیا اور بعد میں تو یہ کیا کہ ابتدائی چند سالوں میں جو تنخواہ لی تھی وہ بھی خوبصورتی کے ساتھ واپس کردی اس کی کچھ تفصیل ناظرین کو گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے کچھ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہو جائے گی -

آپ بیتی میں بیان مظاہر علوم میں شیخ کی مدرسی کا چل رہا تھا- اس میں سبعہ معلقہ کے ذکر کے سلسلہ میں مولوی بدرالحسن صاحب اور مولوی شمس الحق صاحب کے واقعہ کا تذکرہ آگیا تھا آگے حضرت شیخ نے مدرسی کے سلسلہ کے اور بھی متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں ایک یہ واقعہ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کو راقم سطور اختصار کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کرنے پر مجبور ہے-

وہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسی کے چھٹے ہی سال سنہ ۱۳۴۱ھ /(۱۹۲۳ء) میں جب کے ابھی مشکوٰۃ شریف پڑھانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی حضرت سہارن پوری قدس سرہ نے خصوصی طور پر تجویز فرمایا کہ بخاری شریف کے چند پارے شیخ پڑھائیں-

شیخ کو اس میں اس خیال سے تامل ہوا کہ بعض اساتذہ کو اس سے گرانی ہو گی اس بنا پر مدرسہ کے مہتمم صاحب سے معذرت کردی حضرت سہارن پوری کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے شیخ پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ میرا کہنا نہیں مانا -

شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ -

" مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی، دوسرے مدرسہ والے کہیں گے کہ نوعمر لڑکے کو جس نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی بخاری دے دی" -

" حضرت نے فرمایا کہ نوعمر لڑکے کو میں جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں --- اسی وقت از ۱۳ تا ۱۵ پاروں کا اعلان اس سیہ کار کے نام ہوا"

اس واقعہ کے ذکر کے ساتھ ہی شیخ نے اپنی مدرسی کے اس دور کے مدرسین اور مدرسہ کے چھوٹے بڑے ملازمین کا یہ حال بیان فرما کر قلمبند کرایا ہے کہ -

اس زمانے کے تقریباً ہر مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پر نہیں، جو مدرسہ کی طرف سے مل رہا ہے وہ اولاً اللہ کا احسان اور اس کا عطیہ ہے اور ثانیاً مدرسہ کا احسان اور مدرسہ کا کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو حتیٰ کہ درسگاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا- اس زمانہ میں یاد نہیں کہ استنجے کے ڈھیلوں یا حمام کی لکڑیوں کو (گاڑیوں سے اتارنے) کے لیے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی- میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب جب ڈھیلوں یا لکڑی کی گاڑی آئے اوپر مجھے اطلاع کرے- میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالب

علم کو مولانا عبد الرحمان صاحب کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ ڈھیلوں یا لکڑیوں کی گاڑیاں آئی ہوئی ہیں، میں نیچے جارہا ہوں مولانا بھی فوراً نیچے پہنچ جاتے۔ اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی (طلبہ کی) جماعتیں ایسے دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستہ میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا دو تین منٹ سے زائد گاڑیوں کے خالی ہونے میں نہیں لگتے تھے بہت سی جزئیات اس نوع کی ملیں گی۔ (اس کے آگے بڑے دکھ کے ساتھ شیخ نے فرمایا کہ) اب اس کے مقابل یہ منظر دیکھ کر کہ کسی ملازم سے یوں کہیں کہ پنکھا اٹھا دے تو وہ یہ سوچ کر کہ یہ میرا کام نہیں ، اس کا معاوضہ کیا ہوگا ، کسی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ۔

اب نینوں کا بھی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ دیکھ

مظاہر علوم کی مدرسی اور عہدہ نظامت سے گریز:۔

حضرت شیخ الحدیث کی ایک مزاجی خاصیت یہ بھی رہی کہ عہدہ سے اور باضابطہ اقتدار کی ذمہ داری قبول کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے مظاہر علوم کی مدرسی کے واقعات بیان فرماتے ہوئے شیخ نے ذکر فرمایا کہ جب حضرت سہارن پوری قدس سرہ نے سنہ ۴۴ھ/(۱۹۲۶ء) میں قیام کی نیت سے مع اہل وعیال حجاز مقدس جانے کا ارادہ فرمالیا تو اپنے زمانہ غیبت کے لیے مظاہر علوم کے بارے میں جو انتظامات لکھوائے، ان میں شیخ الحدیث کو صدر مدرس اور حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کو (جو پہلے صدر مدرس تھے) ناظم مقرر فرمایا گیا تھا۔ اگرچہ یہ تحریر بصیغہ راز لکھوائی گئی تھی لیکن کسی طرح وہ شیخ کے علم میں آگئی شیخ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے شیخ مرشد کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر کے انکی ناراضی مول لیں ، انھوں نے اس سے گریز اور فرار کی بڑی خوبصورت تجویز سوچی ۔ صورتحال یہ تھی کہ ابوداؤد شریف کی شرح ؛ بذل المجھود؛ جو حضرت سہارن پوری تالیف فرمارہے تھے وہ اختتام کو نہیں پہنچی تھی ۔ آخری جلدیں باقی تھیں اور حضرت ضعف پیری کی وجہ سے ایسے حال میں تھے کہ خود اس کی تکمیل نہیں فرماسکتے تھے شیخ نے اس صورت حال کا صحیح اندازہ فرمالیا۔ فرماتے ہیں کہ

میں نے بہت سوکھا سا منہ بنا کے یوں عرض کیا حضرت بذل کا کیا ہوگا ؟ ۔ حضرت قدس سرہ نے قلق کے ساتھ فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا تمھارے بغیر میں لکھ نہیں سکتا اور تمھارے جانے کی کوئی صورت نہیں ، اہل وعیال ساتھ ہیں ، طویل قیام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں حجاز چلوں ، حضرت اقدس کا چہرہ مجھے خوب یاد ہے اس وقت خوشی سے کھل گیا ۔۔۔۔ فرمایا تمھارے خرچ کا کیا ہوگا میں نے عرض کیا اس کی تو بالکل فکر نہیں میں سنہ ۳۸ھ/(۱۹۲۰ء) میں بھی قرض لے کر گیا تھا اب بھی لے لوں گا فرمایا مدرسے میں تمھاری تنخواہ بھی تو کچھ جمع ہے (شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا اور میری تنخواہ ۱۵ روپے ہوئی تھی اس وقت بڑے حضرت اقدس رائپوری شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدرسہ میں سفارش کی تھی کہ (۱۵ روپے) بہت کم ہے کم از کم ۲۵ روپے ہونی چاہیے اور مجھ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ تو فیق دے مدرسے کی تنخواہ چھوڑ دیجیو ۔ جس کا اثر یہ تھا کہ میرا حضرت رائپوری قدس سرہ کے ارشاد کی وجہ سے تنخواہ لینے کو بالکل جی نہیں

چاہتا تھا، مگر میرے حضرت اقدس سرہ لیتے تھے۔

اگرچہ میرے والد صاحبؒ نے کبھی نہیں لی پھر بھی چونکہ میرے حضرت لیتے تھے اس لیے میں نہ لینا بے ادبی سمجھتا تھا۔ اس لیے کسی ماہ میں اس کا غلبہ ہوتا کسی ماہ میں اُس کا۔ بہر حال محرم سنہ ۳۵ (۱۹۱۶ء) سے شعبان سنہ ۴۴ھ (۱۹۲۶ء) تک نوسو پنتالیس روپے میری تنخواہ کے جمع تھے، جو اس زمانے میں حج کے اخراجات سے بہت زائد تھے حج کا خرچ اس زمانے میں زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھا حضرت کے ذہن میں تھا کہ بقدر اخراجات لے کر اہل و عیال کے خرچ کے لیے دے دیے جائیں میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا فکر نہ فرمائیں خرچ کا انتظام ہو جائے گا، اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں حضرتؒ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا، اب اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی؟ تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تھا۔ تمھیں یک طرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق، جب تک کہ ہم قبول نہ کریں (اس موقع پر شیخ نے اپنے کئی بزرگوں سے اس مسئلہ کے بارے میں اپنی بحث کا ذکر فرمایا ہے لیکن شیخ اپنے موقف پر قائم رہے آگے فرماتے ہیں)

تو میرے حضرت قدس سرہ نے بہت ہی شفقت سے فرمایا کہ:

بذل میرا ذاتی کام تو نہیں اگر سرپرستان (یعنی ارکان شوری مظاہر علوم) کی منظوری سے میں تمھیں بکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمد و رفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلوادوں تو تم کیا کہو گے؟ میں نے عرض کیا حضرت یہ عرض کروں گا کہ بالکل جائز ہے، ذرا تردد نہیں حضرتؒ نے فرمایا تمھاری جمع شدہ تنخواہ تو اس سے بہت کم ہو گی جتنا کہ مدرسہ تم کو اس صورت میں دے گا میں نے عرض کیا بالکل صحیح ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا پھر یہی سمجھ لو۔ اس پر میں نے تنخواہ تو لے لی لیکن حضرت رائپوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے مگر آپ کو معلوم ہے مجھ سے جمع ہونا ناممکن ہے اسلیے بالفعل میری طرف سے ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمائیں کہ اس ماہ جمادی الاول سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیر الدین سے اور بعد واپسی کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں اگر اس کے پورا ہونے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے الخ۔

محرہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاول سنہ ۳۵ھ (۱۹۱۷ء)

اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہو گئی تو مجھے رائے پوری غلبے سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخوا ہیں لی گئی ہیں وہ بھی واپس کر دی جائیں اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں للہ الحمد والنعمۃ

یہاں قارئین کے ذہنوں سے یہ بات اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اس سفر حجاز کا اچانک فیصلہ دراصل صدر مدرسی کے عہدہ سے گریز و فراری کے لیے کیا تھا۔ اگرچہ اس کی یہ برکت بھی ہوئی کہ حج کی سعادت کے

علاوہ شیخ کو اپنے محبوب مرشد حضرت اقدس سہارن پوری قدس سرہ کی معیت میں مدینہ منورہ طویل قیام کا موقعہ مل گیا اور بذل المجھود بھی مکمل ہو گئی اور صدر مدرس مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری کو تجویز کر دیا گیا۔

عہدہ نظامت سے گریز کا قصہ آپ بیتی میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ۔

یہاں واپسی کے دو تین سال بعد (مظاہر علوم کے اہم ارکان شوری اور مظاہر علوم کی خاص اصطلاح میں سرپرستان) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ شیخ رشید احمد صاحب اور مولانا سر رحیم بخش صاحبؒ تینوں کا مشورہ بعض امور کی بنا پر یہ ہوا کہ نظامت کے دو حصے کئے جائیں، ایک "ناظم تعلیمات" دوسرا "ناظم مالیات" "کا عہدہ حضرت مولانا عبد الطیف صاحبؒ کے سپرد رہے جو حضرت اقدس سہارن پوری قدس سرہ کے حجاز تشریف لے جانے کے بعد سے ان کی جگہ ناظم عمومی تھے) اور ناظم تعلیمات کا عہدہ اس ناکارہ کی طرف منتقل کیا جائے اس تجویز کے وقت بھی اس ناکارہ نے بہت شدت سے اختلاف کیا، مگر ان تینوں حضرات نے میرے شدید اختلاف کے باوجود تجویز پاس کر کے احکام سرپرستاں میں لکھ کر بقیہ حضرات سرپرستاں سے بھی منظور کرالی ، ان کی تشریف بری کے بعد میں نے الحاج شیخ رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو ایک زور دار خط لکھا، جس میں میں نے لکھا کہ:

"میرے اور ناظم صاحب (حضرت مولانا عبد الطیف صاحبؒ کے تعلقات اس قدر مضبوط اور بہترین ہیں کہ اگر "ایک جان دو قالب" کہا جائے تو بے محل نہیں ہوگا ناظم صاحب میرا اس قدر لحاظ کرتے ہیں کہ گویا مجھے بڑا بنا رکھا ہے اور وہ تو میرے استاذ ہیں، اس تجویز کے بعد تعلقات میں وہ خوشگواری ہر گز نہیں رہ سکتی جو پہلے تھی یا تو اس تجویز کو منسوخ فرمادیں ورنہ آپ حضرات تلاش کرتے پھریں گے کہ زکریا نامی بھی کوئی شخص مظاہر علوم میں کبھی تھا"۔

میرے اس خط پر شیخ صاحب کو اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطاء فرمائے بہت غصہ آیا انکا والا نامہ آیا حکم نامہ پہنچا ہم تو یہ سمجھے کہ سرپرست بھی آپ ہیں ناظم بھی آپ ہی ہیں جس سے جو کام لینا ہوا حکم نامہ لکھ دیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی میں نے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ اور سر رحیم بخش صاحب کو لکھ دیا کہ یہ تجویز بعض مصالح کی بنا پر قابل عمل نہیں، آئندہ اجتماع پر اس پر دوبارہ غور ہو جائے گا۔

(یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں) ان سب باتوں کے باوجود معلوم نہیں اس سیہ کار کے متعلق بعض احمقوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نظامت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔

آپ بیتی نمبر (۴)

اس سیہ کار کی چند بری عادتیں

یہ پہلا عنوان ہے جسکے تحت حضرت شیخ نے اپنی بعض بری عادات کا ذکر فرمایا ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے اس طرزِ عمل کا ذکر فرمایا ہے کہ جس درجہ کے بھی احباب ، اکابر یا اصاغر بطور مہمان تشریف لاتے تو پہلی ملاقات میں اکابر سے احترام وادب کے ساتھ و اصاغر احباب سے شفقت و محبت سے دریافت فرماتے کہ کیا نظام ہے (مطلب یہ ہوتا کہ کتنے قیام کا ارادہ ہے ؟) اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ان کا نظام معلوم ہوجانے پر ان کے حق اور مقام مرتبہ کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنا پروگرام بنالیا جائے اس سلسلہ میں یہ بھی عام اصول و معمول تھا کہ کسی سے مزید قیام کے لیے فرمائش نہ کرتے کہ انکو گرانی یا کوئی حرج نہ ہو۔ ناواقفوں کو اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی اور ہوتی تھی کہ شیخ نہیں چاہتے کہ مہمان کچھ زیادہ قیام کرے۔ حالانکہ شیخ نے یہ اصول صاف دلی اور بے تکلفی کی بنیاد پر مہمانوں کی راحت ہی کے لیے اپنا رکھا تھا اپنے اس معمول اور عادت کے عبرت سے سبق آموز واقعات بھی شیخ نے لکھے ہیں ان میں سے صرف دو چار یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

شدید گرمی کا موسم جون کا مہینہ تھا سہارن پور میں تبلیغی اجتماع بھی ہورہا تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی تشریف لائے تھے کہ حضرت رائے پوری قدس سرہ رات کی ٹرین سے پاکستان سے سہارن پور تشریف لائے (. یہ ملحوظ ہو کہ شیخ کے دل میں حضرت ممدوح کی انتہائی عظمت و محبت تھی اس کے باوجود) شیخ نے اپنے اصول و معمول کے مطابق حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا کہ حضرت ! کیا نظام ہے ؟ فرمایا کہ کل اور پرسوں دو دن سہارنپور کے لیے طے کرکے آیا ہوں تیسرے دن جیسا آپ کا ارشاد ہو۔

شیخ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کل کا قیام بھی نہیں ، صبح کی اذان کے بعد اپنی جماعت کریں ، چائے تیار ملے گی ، مدرسہ کی جماعت سے پہلے تشریف لے جائیں، لوگوں کو میرے طرزِ عمل پر غصہ بھی آیا لیکن میں نے صبح کی اذان کے بعد چلتا کردیا۔

شیخ فرماتے ہیں :۔

میں نے حضرت سے عرض کیا جون کا مہینہ گرمی کی شدت ہمارے ہاں راحت کی کوئی جگہ نہیں اور یہ تبلیغ والے رات کو جلسے میں تھوڑی دیر کے لیے (برکت کے واسطے) شرکت کی خواہش اور درخواست مجھ سے کرائیں گے ، پرسوں جلسہ ختم ہوجائے گا ظہر کے وقت میں اور عزیز یوسف رائے پور حاضر ہونگے دو دن قیام کریں گے ۔(آگے شیخ نے لکھا یا ہے دو دن تک رائپور سے ہر آنے والے سے سنتا رہا کہ حضرت اقدس نے **لا تعدو ولا تحصیٰ** دعائیں دیں اور ہر آنے والے سے فرماتے کہ میرا تو (سہارن پور میں) دو دن قیام کا ارادہ تھا ، مگر شیخ نے نہ مانا ، محبت اس کا نام ہے میری راحت کو اپنی خواہش پر غالب کرکے رکھا اللہ تعالی بہت بلند درجے عطا فرمائے اللہ تعالی ان کو بھی ایسی راحت دے"

حضرت شیخ کو معاصر بزرگوں میں سب سے زیادہ تعلق حضرت رائے پوریؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

سے تھا اور جیسا کہ آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے (اور راقم سطور کا ذاتی علم ومشاہدہ بھی یہی ہے کہ) محبت اور بے تکلفی کا تعلق حضرت مدنیؒ کے ساتھ سب سے زیادہ تھا۔ان کے بھی متعدد واقعات شیخ نے اس سلسلہ میں لکھائے ہیں ایک دو یہاں بھی پڑھ لیے جائیں۔ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ دسمبر کا مہینہ تھا (ضلع سہارن پور ہی میں نانوتہ کے قریب ایک گاؤں) (حضرت مدنیؒ) آبھہ تشریف نلے گئے، دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت اقدس آبھہ سے واپس تشریف لائے اس قدر زور دار طوفانی بارش کہ کمرہ سے باہر پاؤں رکھنا مشکل، اتنی ہی زور دار سردی اور حضرت کو شدت سے بخار، آتے ہی فرمایا کہ مغرب نہیں پڑھی ہے مشلح وغیرہ کپڑے سب بھیگ رہے تھے میں نے جلدی سے لنگی پیش کی کپڑے اتارے لنگی اور چادر میں حضرت نے نماز پڑھی۔میں نے دو انگیٹھیاں بھروا کر منگوائیں اور عزیزم مولوی نصیر الدین بغیر کہے چائے تیار کر کے آیا، چائے کی پیالی پیش کی اور میں نے اپنی بری عادت کا مظاہرہ کیا، عرض کیا حضرت نظام سفر؟ ارشاد فرمایا خیال یہ ہے کہ اسی وقت ساڑھے دس بجے کی گاڑی سے دیوبند چلا جاؤں۔میں نے عرض کیا کہ حضرت بارش بڑی زور کی ہو رہی ہے سردی بھی زوروں پر ہے بخار بھی شدت سے ہے معلوم نہیں کہ دیوبند اس گاڑی کی اطلاع ہے یا نہیں۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اطلاع تو نہیں ہے لیکن اگر سواری نہ ملی تو اسٹیشن کی مسجد میں لوگ رہتے ہیں۔میں نے عرض کیا جیسی رائے ہو مگر اس وقت میں اور صبح چھ بجے میں کوئی زیادہ فرق تو ہے نہیں۔حضرت قدس سرہ نے نہایت تبسم سے ارشاد فرمایا فرق تو کچھ نہیں ہے یہ دیکھنا تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے میں نے عرض کیا کہ وہ تو حضرت نے ملاحظہ فرمالیا میں عرض کر چکا ہوں بہتر ہے جیسی رائے ہو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ صبح ہی جاؤں گا صرف تمہیں دیکھنا تھا۔

حضرت مدنیؒ کا دوسرا ایک واقعہ یہ بھی بیان فرمایا ہے:

ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ لکھنو سے تشریف لا رہے تھے ۱۱ بجے رات کو تار ملا میں اسی وقت اسٹیشن حاضر ہوا بارہ بجے گاڑی آئی میں نے مصافحہ کے ساتھ پوچھا حضرت! نظام؟ فرمایا اسی وقت ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے دیوبند جانے کا ارادہ ہے میں نے عرض کیا وہاں کوئی اطلاع ہے فرمایا کہ وہاں کوئی اطلاع نہیں دی ہے کہ تار دیر میں پہنچتا ہے میں نے پوچھا اس وقت دیوبند کے اسٹیشن پر سواری ملے گی؟ ارشاد فرمایا نہیں میں نے کہا تو پھر مدرسہ (یعنی مکان پر) تشریف لے چلئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اصول کے خلاف کیوں کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت میرا اصول اکابر مہمانوں کی راحت کے واسطے ہے کوئی مصیبت کے واسطے نہیں حضرت نے خوب تبسم فرمایا اور تشریف لے آئے۔

شیخ نے اپنی عادت کے سلسلہ کے میں مٹھائی سے بے رغبتی اور گوشت کی انتہائی رغبت وشوق کا بھی ذکر فرمایا اور اس سلسلہ کے کے بھی متعدد ودلچسپ واقعات بیان فرمائے ہیں صرف ایک یہاں بھی پڑھ لیاجائے

شیخ فرماتے ہیں۔

اس ناکارہ کو ہمیشہ بہت بچپن سے ۹ ذی الحج کے روزے کی عادت رہی اور اس میں افطار کے بعد ایک پیالی

جائے کے علاوہ کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے کہ کل کو اللہ تعالی کے ہاں دعوت ہے میرے سب گھر والے بھی اس کے عادی تھے کہ ایام النحر ۱۰ تا ۱۲ ذی الحجہ میرے گھر میں روٹی نہ پکتی تھی نہ آتی تھی (اب تو ۸۔۱۰ برس سے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ معمول چھوٹ گیا) اور میرا ایک تفریحی فقرہ بھی بہت مشہور تھا کہ اگر قربانی کے گوشت کے ساتھ روٹی بھی دعوت کا جز ہوتی ہے تو صدقہ الفطر بھی ایام اُضحیٰ میں ہوتا"۔

عادات ہی کے سلسلہ میں شیخ نے اس کا بھی ذکر فرمادیا، اگرچہ میرے فلاں فلاں اکابر ان کے معاملات میں سفارش کرنا خیر سمجھتے ہوئے اس کے بارے میں بڑے بڑے متوسع اور سخی رہے ہیں، لیکن مجھ کو اس سے سخت وحشت ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں جس کو آدمی کسی وجہ سے بڑا سمجھتا ہے اس کی سفارش کو حکم سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں شیخ نے لکھا یا ہے کہ۔

ملک کی تقسیم سنہ ۱۹۴۷ سے پہلے (سہارن پور میں مسلمان حاکم بکثرت آتے تھے اور جو مسلمان حاکم آتا وہ آنے سے پہلے کہیں سے اس سیہ کار کا نام سن لیتا تھا اور بہت جلد ملاقات کے لیے آتا تھا میرا ہمیشہ دستور رہا کہ ابتدائی ملاقات میں اس کا بہت اعزاز کر کے بڑے اکرام واحترام کے ساتھ اس سے درخواست کرتا کہ آئندہ کرم نہ فرمائیں وہ بہت تعجب سے پوچھتے کہ کیوں میں ان سے کہتا کہ آپ تو حاکم ہیں آپ کے پاس تو لوگوں کی رسائی مشکل اور اس غریب پر ہر شخص مسلط ہوگا کہ جج صاحب، ڈپٹی صاحب، منصف صاحب تیرے یہاں آتے ہیں ان کے لیے سفارش لکھ دے یہ ناکارہ مصیبت میں پھنس جائے گا۔

حوادث اور شادیاں: یہ آپ بیتی نمبر ۳ کا دوسرا عنوان ہے اس سلسلہ میں شیخ نے فرمایا ہے میری انہیں بری عادتوں میں سے ایک بری عادت شادیوں میں شرکت سے نفرت، لیکن اس کے بالمقابل جنازوں میں شرکت کی رغبت واہمیت ہے (آگے شیخ نے اس سلسلے کے چند واقعات لکھوائے۔

شیخ فرماتے ہیں

والد صاحبؒ کے انتقال اور میری ابتدائی مدرسی کے بعد سے لے کر سنہ ۴۷ء کے تقسیم ہند کے ہنگامے تک مدرسہ کا کوئی طالب علم چاہے دارالطلبہ میں رہتا ہو چاہے شہر کی کسی مسجد میں ایسا نہیں ہوا کہ جس کو (انتقال کے بعد) نہلانے اور کفنانے میں یہ ناکارہ مستقلاً شریک نہ ہوا ہو۔ بالخصوص جن طلبہ کو چیچک نکلی ہو (اور اسی میں انتقال ہوا ہو) ان کو اپنے ہاتھ سے غسل دینا اپنے ہاتھ سے کفن پہنانا قبرستان میں دفن تک شریک رہنا۔

البتہ سفر کر کے تعزیت کے لیے آنے والے اچھے نہیں لگے الا ماشاء اللہ حضرت مدنیؒ، حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما جیسے تو مستثنیٰ تھے، کہ ان کی آمد سے واقعی تعزیت ہوتی تھی لیکن عام آدمیوں کو نہایت شدت سے منع کر دیتا تھا۔

میری زندگی کا سب سے اہم ابتدائی واقعہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا حادثہ انتقال تھا، جو ذی قعدہ سنہ

۳۴ھ (۱۹۱۶ء) کو ہوا۔ ان کے ذمہ انتقال کے وقت آٹھ ہزار روپے قرض تھے۔ مجھ پر ان کے قرض کا بہت ہی بوجھ تھا، کہ اللہ جل شانہ کے یہاں مطالبہ نہ ہو میں نے چچا جان کے مشورہ سے دوستوں کو بہت سے کارڈ لکھے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ذمہ جو قرض تھا وہ آج سے میری طرف منتقل ہو گیا ہے یہاں آنے کی ضرورت نہیں وہیں سے دعائے مغفرت وایصال ثواب اپنی وسعت کے مطابق کرتے رہیں (۱)

جن سے کچھ لین دین تھا ان کے خط میں یہ اضافہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کا والد صاحبؒ کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کی تفصیل سے مطلع کریں (اس کے آگے شیخ نے کئی ورق میں تفصیل سے لکھایا ہے، کہ اللہ تعالی نے یہ قرضہ کس سہولت سے کس طرح ادا کرایا)

آگے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے (جو رمضان مبارک سنہ ۳۵ھ) (۱۹۱۷ء) کو ہوا تھا بیان فرمایا کہ۔

اگلے دن میں نے بہت مخصوص لوگوں کو خط لکھوائے کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ رمضان میں ہرگز ارادہ نہ فرمائیں دعائے مغفرت وایصال ثواب سے مجھے ممنون فرمائیں۔

حضرت شیخ نے اس سلسلہ میں حضرت چچاجان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سانحہ وصال کے ذکر کرتے ہوئے لکھایا ہے۔

جب میرے چچاجان نوراللہ مرقدہ کا ۲۱ رجب سنہ ۳۶۳ (۱۲ جولائی سنہ ۴۴ء) وصال ہوا تو میں نظام الدین میں تھا۔ ایک مشترکہ کارڈ (مدرسہ مظاہر علوم کے اکابر اساتذہ) حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ حضرت مولانا عبد الرحمان صاحبؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے نام لکھا۔ آپ حضرات سے کوئی نظام الدین تکلیف فرمانے کا ارادہ نہ کریں میں خود ہی کل یا پرسوں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں، ایک تحریر اپنے مشہور معروف مضمون کی لکھوا کر مدرسہ (مظاہر علوم) کے بورڈ پر لگوادی۔ نیز میرے نظریہ اور مضمون کی روشنی میں نظام الدین میں آنا محض رسمی تعزیت ہے۔ اصل تعزیت وہ کام ہے اور اس میں ہمارا ہاتھ بٹانا ہے جس میں (جان کھپاتے ہوئے) چچاجان تشریف لے گئے۔ اس کا اللہ کے فضل سے بہت اچھا اثر ہوا، کہ اتنی کثرت سے جماعتیں نکلیں کہ حضرت چچا جان کی حیات میں بیک وقت اتنی نہ نکلی تھیں۔

حضرت شیخ نے حوادث ہی کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حادثہ وفات کا ذکر فرمایا ہے

(۱) حضرت شیخ نے آپ بیتی ہی میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت والدہ ماجدہ کی وفات پر تعزیت کی مد میں لوگ آتے رہے، میں ان کے لیے بازار سے کھانا، پوری کچوری وغیرہ جو بازار میں دستیاب ہوسکا لاتا رہا قریبا چار سو روپے کا کھانا بازار سے منگوانا پڑا۔ (راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس وقت کے چار سو قوت خرید کے لحاظ سے آج کے دس ہزار سے کم نہ تھے اس میں جو حساب لگایا گیا ہے کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ بلاشبہ اس طرح سفر کر کے تعزیت کے لیے آنے والے سکون وتسلی کے بجائے باعث زحمت ہی ہوتے ہیں اللہ تعالی عقل سلیم عطا فرمائے)۔

(اور آج کل گرانی کے دور میں اور پھر رسوم میں کتنا خرچ ہوتا ہوگا۔ اگر گھر بیٹھے قرآن مجید۔ ذکر اذکار کریں تو خرچ بھی نہ ہو اور رسومات سے بھی بچیں اور پڑھا بھی زیادہ جائے اور ریاکاری بھی نہ ہو (ارشد)

مولانا مرحوم مغفور اپنی تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد لاہور پہنچے تھے۔لاہور سے سہارن پور آمد کے لیے ۲۹ ذی القعدہ سنہ ۸۴ھ (۲ اپریل سنہ ۶۵ء یوم جمعہ کی اطلاع تھی اسی جمعہ کے بارے میں شیخ نے لکھا یا ہے:۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد کھانا کھا کر سونے کے لیے لیٹا تھا کہ ۴ بجے کے قریب عزیز طلحہ نے مجھے اٹھایا اور کہا کہ صابری صاحب کا آدمی کھڑا ہے، لاہور سے فون آیا ہے کہ ماموں حضرت کا انتقال ہو گیا۔موت کے لیے تو نہ کوئی وقت ہے نہ اس میں کوئی استبعاد، میں اٹھ کر وضو کر کے مدرسہ کی مسجد میں جا بیٹھا اور نماز کی نیت باندھ لی، اس لیے کہ طلحہ کی اس اطلاع کے ساتھ ساتھ چاروں طرف سے ہجوم نے گھیرنا شروع کر دیا اور مجھے ایسے وقت میں اس طرح کی لغو باتوں سے کہ کیا ہو گیا، کیا بیمار تھے، کب ہوا، کون خبر لایا، بہت ہی وحشت ہوتی ہے۔ایسا اہم قیمتی وقت بہت ہی مبارک ہوتا ہے، جس میں طبیعت منقطع "عن الدنیا مستقبل الی الآخرۃ" ہوتی ہے، اس وقت کی تلاوت بھی قیمتی، ذکر و فکر بھی، مجمع بڑھتا ہی چلا گیا اور میں نے تکبیر تک سلام پھیر کے ہی نہ دیا عصر کی تکبیر پر سلام پھیرا اور گھر جا کر کہ وہاں خبر وہاں پہنچ چکی تھی میں نے زنانہ دروازہ پر آ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ حادثہ تو تم نے سن لیا بہت مشغول رہنا تمہارے پاس عشاء کے بعد آؤں گا۔اس سے پہلے پڑھنے پڑھانے میں لگی رہو (اس سلسلہ میں شیخ نے لکھوایا ہے) میرے گھر کی سب بچیوں کو اللہ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے مرضیات پر عمل کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطاء فرمائے نامرضیات سے حفاظت فرمائے وہ اس کی خوب عادی ہو چکی ہیں کہ وہ ایسے موقع پر تلاوت یا تسبیح لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور ہر آنے والی کو زائد تسبیح رکھی ہو تو وہ ورنہ اپنے ہاتھ کی تسبیح دے دیا کرتی ہیں اور خود بغیر تسبیح کے شروع کر دیتی ہیں کہ اس کی عادی ہیں۔

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے حادثہ وفات کے بعد شیخ نے اپنے خاص اکابر مشائخ کے حادثات وفات کا اور ہر ایک سے متعلق اپنے تاثرات اور اہم واقعات کا ذکر فرمایا ہے جن سے حضرت کا خاص تعلق رہا۔ان میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کے حادثہ وفات کا ذکر فرمایا ہے اور اس وقت آٹھ برس کی عمر میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ لکھوایا ہے اس کے بعد حضرت اقدس کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری قدس سرہ حادثہ وفات کا اور اللہ کی خاص عنایت و توفیق سے جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت کا بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد سنہ ۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے موقع پر ایسے طور پر جس کو لطیفہ غیبی ہی کہا جا سکتا ہے حضرت شیخ الہندؒ کے پاس پہنچ جانے اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا بہت ہی عجیب و غریب اور اس وجہ سے قابل ذکر واقعہ ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ مرض وفات کے آخری ایام میں دہلی ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر تھے ٹھیک انہی دنوں میں امروہہ (ضلع مراد آباد) میں شیعہ سنی مناظرہ طے ہو چکا تھا۔اور اس سلسلے میں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔حضرت سہارنپوریؒ کو ایک خاص ضرورت سے حضرت شیخ الہندؒ کو ایک پیغام بھیجنے کی

ضرورت پیش آئی، حضرت شیخ الحدیث بطور خادم ساتھ تھے مختصر سا پرچہ لکھ کر انہی کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں دہلی بھیجا (اللہ کی شان) یہ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کا آخری دن تھا۔
شیخ فرماتے ہیں۔

میں مغرب کے قریب حضرت کی قیام گاہ پر پہنچا تو حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ پر مرض وفات کا شدید حملہ تھا (پرچہ) پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آئی دوسرے دن صبح کو وصال ہو گیا (آگے بیان فرمایا ہے کہ) حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ کی نماز جنازہ دہلی میں میرے چچا جان نے پڑھائی اور حضرت کے حقیقی بھائی مولانا حکیم محمد حسن نے اس نماز میں شرکت نہیں کی انھوں نے دیوبند آنے کے بعد نماز جنازہ پڑھائی (حضرت شیخ الحدیث) نماز جنازہ کے ساتھ دہلی سے دیوبند بھی آئے اور تدفین میں بھی شرکت نصیب ہوئی، بلاشبہ یہ اللہ تعالی کی قدرت وعنایت ہی کا سرچشمہ تھا)

حضرت شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہندؒ کے حادثہ وفات کے ذکر کے بعد اپنے شیخ ومرشد حضرت سہارن پوریؒ کے حادثہ وصال کا ذکر فرمایا ہے، جو مدینہ منورہ میں ربیع الثانی سنہ ۴۲ھ (۱۹۲۳ء) میں ہوا۔ اس میں اللہ تعالی کی شان **فعال لمایرید** کا بالکل دوسری طرح ظہور ہوا۔ شیخ فرماتے ہیں:۔

یہ ناکارہ سنہ ۱۳۳۵ھ سے سفراً وحضراً ہر وقت کا حاضر باش لیکن وصال کے وقت دور کردیا گیا، کہ ذی قعدہ سنہ ۴۲ھ میں مدینہ منورہ سے میری واپسی ہوئی اور ربیع الثانی سنہ ۴۲ بروز چہار شنبہ جبکہ عرب میں ۱۶ اور ہندستان میں ۱۵ تاریخ تھی میرے حضرت قدس سرہ نے مدینے پاک میں وصال فرمایا۔ مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ نے مصلی الجنائز میں نماز پڑھائی۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے حادثہ وفات اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت کی علالت میں حاضری تو بار بار اور اکثر ہوتی رہی۔ ۱۶ رجب سنہ ۱۳۶۲ھ روز سہ شنبہ علی الصبح میں اپنے کمرہ میں تھا بھائی اکرام نے اوپر پہنچ کر حادثہ کی اطلاع کی اور میں اس حال میں اٹھا کہ سیدھا اسٹیشن دوڑ گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی بس چھوٹ رہی ہے ٹکٹ لے کر چلتی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے عید گاہ میں نماز پڑھائی ۔وصال سے چند روز پہلے دارالحزن والمحن سے طبیعت اکتا گئی تھی کئی مرتبہ فرمایا۔ یااللہ میں اس سنڈاس میں کب تک پڑا رہوں گا۔

اس کے بعد شیخ نے مولانا عاشق الہی میرٹھی نوراللہ مرقدہ کے حادثہ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ اس کی نوعیت بھی بظاہر ایک لطیفہ غیبی کی سی ہے اس لیے اس کا اقتباس بھی یہاں نظر ناظرین کیا جارہا ہے۔
شیخ فرماتے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ ایک سفر سے سہارن پور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدت علالت کی خبریں سنی جارہی ہیں خیال ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے

حضرت میرٹھی کی عیادت کرتا جاؤں بشرطیکہ تو بھی ساتھ ہو، میں نے قبول کر لیا اور یہ قرار پایا کہ اتوار کے دن دیوبند چلیں شب کو وہاں قیام رہے پیر کی صبح میرٹھ چلے جائیں چنانچہ اتوار کے دن ظہر کے وقت دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنیؒ سے میرٹھ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اجازت میں تامل فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آج عقیقہ ہے ابھی (مذبوحہ) بکرے کٹواتا ہوں، اس کا گوشت کھا کر دس بجے کی گاڑی چلے جانا (یہ عقیقہ عزیزم مولوی ارشد سلمہ کا تھا)، مگر نہ معلوم علی الصبح میرٹھ جانے کا فوری تقاضا میری طبعت پر کیوں ہوا بہت گرانی اور طبیعت کے تکدر سے حضرت مدنیؒ سے جانے کی اجازت لی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ صبح ۶ بجے مولانا میرٹھی کا انتقال ہو چکا اور مجھے دو تار سہارنپور دیے جا چکے ہیں۔ ایک حادثہ کی اطلاع کا دوسرے نماز جنازہ کے انتظار کا۔ جنازہ انتظار میں رکھا ہوا تھا جنازہ کی نماز ہوئی ظہر سے پہلے ہی تدفین ہو گئی۔ (تاریخ یکم شعبان سنہ ۱۳۶۰ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۹۴۱ء تھی) معلوم ہوا کہ حضرت میرٹھی نے اس سیہ کار کے لیے نماز جنازہ کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ کے حادثہ انتقال کے تذکرہ کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے جلیل قدر خلیفہ حضرت منشی رحمت علی کے حادثہ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا یا ہے۔

عجائب قدرت میں اس ناکارہ کا منشی رحمت علی صاحب کے انتقال میں شرکت بھی ہے حلانکہ ان کی زندگی میں باوجود اپنی علالت اور اور انکی خواہش کے کبھی حاضری نہ ہوئی۔ ان کی شدت علالت کی خبر پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے تشریف لے جانے کا ارادہ کیا اور اس سیہ کار کو بھی ہمرکاب چلنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ دس پندرہ روز پہلے حاضری ہو گئی۔ منشی صاحبؒ رموز و اسرار پر بہت کلام فرماتے تھے۔ تعبیر خواب میں خاص ملکہ تھا شب یک شنبہ ۲۱ جمادی الثانی الاخری سنہ ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۲ء) میں جالندھر میں وصال فرمایا۔

اس کے بعد حضرت شیخؒ نے۔ حضرت مدنیؒ قدس سرہ کے حادثہ وفات کا ذکر بڑی تفصیل سے بڑے تاثر کے ساتھ فرمایا ہے رمضان سنہ ۷۲ھ میں حضرت کا قیام بانسکنڈی (آسام) میں تھا وہیں سے مرض کا آغاز ہوا۔ درمیان میں افاقہ بھی ہوتا رہا اور حضرت نے اپنے خاص مزاج اور عالی ہمتی کے مطابق دارالعلوم میں حسب معمول صحیح بخاری کا درس بھی دینا شروع فرما دیا اسی حال میں اللہ کے بندوں کی دینی خدمت اور تذکیر کے لیے دور دراز کے اسفار بھی فرماتے رہے پھر وہ وقت آیا کہ مرض اس درجہ غالب ہوا کہ حضرت صاحب فراش ہو گئے بہت اہتمام سے ہر طرح کے علاج معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا اور مرض میں کبھی تخفیف کبھی شدت ہوتی رہی آخری ایام میں بظاہر افاقہ محسوس ہوتا تھا اور سب اہل تعلق کو اچھی امید تھی۔ حضرت شیخ نے ان سب مرحلوں کو پوری تفصیل سے بیان فرمایا ہے آخر میں حضرت شیخ نے لکھایا ہے۔

روزانہ صحت کے اضافہ کی خبریں آتی رہیں ۱۲ جمادی الثانی سنہ ۷۷ھ (مطابق ۵ دسمبر سنہ ۵۷ء) جمعرات کے دن زکریا دارالحدیث میں بخاری کا سبق پڑھا رہا تھا، کہ عبداللہ مؤذن نے جا کر کہا کہ حضرت مدنیؒ کا انتقال ہو گیا۔ محمد علی خان کے یہاں ٹیلیفون آیا ہے زکریا وہاں سے اٹھ کر سیدھا ریل پر پہنچ گیا کہ گاڑی کا وقت قریب تھا بعد میں مولانا اسعد سلمہ کی بھیجی ہوئی کار پہنچی، مگر زکریا جا چکا تھا (معلوم ہوا کہ) صبح کو عزیزان مولوی اسعد و ارشد سلمہا کو آپس کے اتحاد و محبت کی

نصیحتیں بھی فرمائیں اور دوپہر کو بلا سہارا کمرہ سے صحن میں کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور اہلیہ کو صبر علی المصائب کی تلقین فرماتے رہے پون بجے سونے کے لیے لیٹے تھے ڈھائی بجے تک خلاف معمول نماز کے لیے نہ اٹھنے پر اہلیہ محترمہ دیکھنے کے لیے گئیں۔ برد اطراف (سارا جسم ٹھنڈا) پایا۔ جس پر مولوی اسعد کو آدمی بھیج کر بلایا، کہ آج سب بے فکر تھے، کہ طبیعت بہت اچھی ہے ڈاکٹر نے آکر کہا کہ تشریف لے گئے۔ اعلی الله مراتبه نورالله مرقده

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے حادثہ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

میرے اکابر نوراللہ مرقدہم کے حوداث میں میرے لیے آخری حادثہ سخت ترین حادثہ میرے حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کا حادثہ وصال ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے اسوقت سے لے کر جب کہ وصال سے ۷-۸ سال پہلے (سنہ ۴۷ھ -- سنہ ۵۵ء) میں) مسوری کے زمانہ قیام میں حضرت اقدس پر مرض کا پہلا حملہ ہوا تھا۔ یوم وفات ۱۴ ربیع الاول سنہ ۸۲ھ (۱۶ اگست سنہ ۵۵ء) تک صحت اور مرض کے لحاظ سے حضرت اقدسؒ کے جو احوال رہے اور اس مدت میں پاکستان کے بھی جو متعدد سفر ہوئے ان سب کا حال پوری تفصیل سے قریبا ۱۵-۱۶ صفحات پر لکھوایا ہے، خاص کر پاکستان کے آخری سفر اور قیام میں مرض کی شدت و نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں۔

شدت علالت نے مایوسی کی حالت تک پہنچا دیا تھا ایک ایک دن میں مختلف احباب کے ۳-۴ تار زکریا کے نام صبح سے شام تک آتے تھے۔ افاقہ ہے، حالت خطرناک ہے، افاقہ ہے، حالت خطرناک ہے، اس وقت غفلت ہے۔ اس وقت صحت ہے بالآخر مولانا یوسفؒ کے پاس ۱۴ ربیع الاول سنہ ۸۲ھ مطابق ۱۶ اگست سنہ ۶۲ء، پنج شنبہ کو لاہور سے ٹیلی فون پہنچا، کہ رات ▮ بجے وصال ہو گیا۔ اس وقت ▮ بجے جنازہ کی نماز ہو گی۔

اپنے اکابر مشائخ کے مذکورہ بالا حادثات وفات کا ذکر فرمانے کے بعد۔

حضرت شیخ نے اپنی دو صاحبزادیوں اور ایک پھوپھی کے حادثات وفات بھی بیان فرمائے ہیں اور پھر حوادث کے بیان کا سلسلہ ختم فرمایا ہے سب سے بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی اہلیہ مرحومہ) کے حادثہ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے، حضرت شیخ فرماتے ہیں

مرحومہ نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں اس کو تپ دق ہو گئی تھی عین مغرب کی نماز کے دوران جبکہ وہ دوسری رکعت کے سجدہ میں تھی اشارے سے نماز پڑھ رہی تھی قبلے کی طرف منہ تھا ایسی قابل رشک حالت سے گئی ہے کہ اس کے چہرے کے انوار اب بھی یاد ہیں (دوسری صاحبزادی کے حادثہ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ)

مولانا محمد یوسف صاحب سورۃ یٰسین پڑھ رہے تھے، سلام قول من رب الرحیم۔ پر ایسا جذبہ مولانا مرحوم کو آیا کہ تین دفعہ اس کو پڑھا۔ اور تیسری دفعہ میں روح بھی ساتھ چل دی۔

تیسرا عجیب واقعہ مجھے اپنی پھوپھی صاحبہ نوراللہ مرقدہا کے ساتھ پیش آیا۔ انتقال کی شب میں صبح صادق سے ذرا پہلے

وہ لیٹی ہوئی تھیں ایک دم گھبرا کر بیٹھنے کی کوشش کی اور دروازہ کی طرف دیکھ کر مجھے فرمایا کہ جلدی اٹھا کر مجھے سہارے سے بٹھا دے حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ چوں کہ صبح کی اذان بالکل قریب تھی، مجھے یہ خیال ہوا کہ نہ معلوم کتنی دیر لگ جائے، جماعت نہ فوت ہو جائے، میں نے حاجی محسن مرحوم سے (جو پھوپھی صاحبہ مرحومہ کے داماد تھے اور ان کی تیمارداری کر رہے تھے) کہا کہ جلدی بیٹھو میری پھوپھی مرحومہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو بیٹھ۔ **رحمهم الله كلهم رحمة واسعة ...**

تقریبات اور شادیاں: آپ بیتی (۴) کا دوسرا عنوان تھا "حوادث اور شادیاں" اس عنوان کے تحت حادثات اور صدمات کا بیان فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے تقریبات اور شادیوں کے زیر عنوان شادیوں کے متعلق بھی اپنے کچھ معمولات اور واقعات بیان فرمائے ہیں اس کی تمہید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

میں جب ابتداء میں (یعنی سنہ ۲۸ھ) (۱۹۱۱ء) میں سہارنپور آیا تو میں نے خواب دیکھا کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہ اس سیہ کار سے لپٹ گئے خوب بھینچا۔ میں نے اپنے حضرت مرشدی قدس سرہ سے اس خواب کا ذکر فرمایا تھا، تو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ عنایت الٰہی تمہارے شامل حال ہیں۔ یہ تعبیر ہر وقت میرے ساتھ رہی اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ہر موقع پر اپنی عنایت کو اس سیہ کار پر بارش کی طرح برسایا ۔۔ خدا کرے کہ استدراج نہ ہو۔

ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔ میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادی، اور بنات (بیٹیوں) اور ولد اور اسباط (نواسوں) کی تقریباً ۱۶-۱۷ شادیاں کیں اور ہر شادی میں مجھ پر اللہ تعالیٰ نے وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنا لیا۔۔

علماء نے لکھا ہے دو عبادتیں ایسی ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گیں۔ ایک ایمان دوسرا نکاح۔ نبی کریم ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو اس میں بے حد لغویات شامل کر کے ایک مصیبت عظمیٰ بنا لیا ہے حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا۔ اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ انہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔

حضرت کی ایک بہن بھی تھی جو والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے وقت غیر شادی شدہ تھی، بلکہ نابالغ تھی سب سے پہلے شیخ نے انہی کی شادی فرمائی جن کا حال آپ بیتی میں بہت تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

عام گھروں کے دستور کے مطابق کہ بہنیں اپنی رضا و خوشی سے اپنا حصہ بھائیوں کو دے دیا کرتی ہیں (میں نے) اس کا حصہ

لینے سے انکار کردیا۔ مرحومہ نے بہت خوشامد کی بہت روئی بھی کہ میں آخر تمہارے ہی ذمہ رہوں گی۔ کہاں جاؤں گی؟ ماں نہیں باپ نہیں میں نے کہا ضرور (میرے ہی ذمہ) رہے گی اور انشاء اللہ ماں باپ دونوں کا بدل کر کے دکھاؤں گا لیکن حصہ ضرور الگ کروں گا (چنانچہ شیخ نے ایسا ہی کیا بلکہ بعد میں جائیداد کا اپنا حصہ بھی بہن کو ہی منتقل کردیا)

آگے حضرت شیخ نے اپنی بڑی دو صاحب زادیوں کے نکاح کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک کا حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے اور دوسری کا حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے اس وقت ہوا جب کہ یہ دونوں حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔ حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ نسبت اور منگنی تو دونوں کی خاندان کے عام رواج کے مطابق بالکل بچپنے ہی میں ہوگئی تھی۔ نکاح کا واقعہ حضرت شیخ نے اس طرح لکھایا ہے۔

چچا جان جان نوراللہ مرقدہ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ حسب معمول مورخہ ۶ محرم سنہ ۵۴ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑگیا۔ کل کے جلسہ میں حضرت مدنیؒ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوادوں میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوادیجے مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ "میری اہلیہ نے کہا کہ دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوادیتی"۔

جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنیؒ سے میں نے عرض کردی کہ یوسف و انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرمارہے ہیں حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا کہا ضرور پڑھوں گا اور جامع مسجد پہنچنے کے بعد بیٹھتے ہی فرمایا کہ مہر کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے۔ فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہر گز نہیں پڑھوں گا، میں نے عرض کیا ہاں یہ تو شرعی چیز ہے فقہاء کے نزدیک مہر مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالتصریح اجازت کی ضرورت ہے۔

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ آخر میں چچا جان کے فرمانے پر یہ طے ہوا، کہ مہر فاطمی ہی پر نکاح پڑھ دیا جائے یہ نکاح موقوف ہوگا، بعد میں گھر جاکر بچیوں کو بتلادیا جائے تو تکمیل ہوجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت مدنی نے وعظ کے درمیان ہی مہر فاطمی پر نکاح پڑھادیا۔ آگے شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

نکاح تو ہوگیا، مگر وہ گالیاں مجھ پر پڑیں کہ یاد رہیں گی۔ لڑکوں سے تو لوگ واقف نہیں تھے اور میری لڑکیاں ہونے کا اعلان تو ہو ہی گیا تھا، لڑکے دونوں حسین جمیل اور مدنی رومال دونوں کے سروں پر جو میں نے ہی جلسے میں جاتے ہوئے دے دئے تھے، دو تین فقرے نقل کرتا ہوں (کسی نے کہا) ان مولویوں کی بھی کچھ تک نہیں دو خوبصورت لونڈے دیکھے تھے، لونڈیاں ہی حوالہ کردیں۔ (کسی نے کہا) بمبئی کے سیٹھ لونڈے تھے، جلسہ میں آئے تھے، پیسے والا دیکھ کر لڑکیاں ہی دے دیں۔ (اسی سلسلہ میں آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ نکاح) چونکہ خاندان کی روایات کے خلاف ہوا تھا۔ اس لیے کاندھلہ میں بھی چہ میگوئیاں بہت ہوئیں۔ ایک صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا، کہ زکریا نے اپنی ناک بھی کاٹ دی اور ہم سب کی بھی میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری تو کٹی نہیں اور قاصد سے کہا تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور کہ دیجے کہ میں

دیکھ کر آیا ہوں اس کی تو کٹی نہیں اوروں کی مجھے خبر نہیں۔

آگے حضرت شیخ نے دوسری متعدد صاحب زادیوں کا ذکر فرمایا ہے اور خود اپنے نکاح ثانی کا تذکرہ فرمایا ہے صرف اسی کے سلسلہ کی بعض دلچسپ اور سبق آموز باتیں ذیل میں نقل کی جارہی ہیں۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں:

میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت ہی شدت سے انکار کردیا کرتا تھا ۲۵-۲۰ جگہوں سے بہت ہی تقاضے ہوئے۔ جن کی بعض کے متعلق حضرت مدنی نے بھی سفارش فرمائی اور ایک کے متعلق تو حضرت رائے پوری قدس سرہ بہت اہتمام سے تشریف لائے، مگر میں اپنی معذوریوں اور اس وجہ سے کہ ادائے حقوق نہیں کرسکتا شدت سے انکار کرتا رہا۔ لیکن جب چچا جان نوراللہ مرقدہ نے ہمشیرہ مولوی محمد یوسف کے متعلق فرمایا، (جن کی خاندان ہی میں دوسری جگہ نسبت ہو چکی تھی اور چچا جان نے میرے بارے میں ارادہ ظاہر فرما کر ان لوگوں سے اجازت لی تھی) تو مجھے انکار کی گنجائش نہیں رہی اور میں نے عرض کیا کہ پھر نکاح پڑھتے جائیے انہوں نے کہا کہ تغیر زوجگی وجہ سے استیمار کی ضرورت ہے۔ میں دو تین دن میں خط لکھ دوں گا، اس پر چلے آنا۔

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے کسی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کسی کو اطلاع دی، لیکن حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کو کسی طرح اطلاع ہو گئی اور حضرت ۷ ربیع الثانی سنہ ۵۶ھ بروز شنبہ مطابق ۱۷ جون سنہ ۳۷ء علی الصبح خود سہارنپور تشریف لے آئے اور دہلی ساتھ چلنے پر اصرار فرمایا۔ سہارن پور سے دن کے ۱۰ بجے دہلی جانے والی ٹرین سے سفر کا پروگرام تھا۔ جب اسٹیشن پہنچے تو اچانک حضرت مدنیؒ قدس سرہ اپنے قدیمی وطن ٹانڈہ سے تشریف لے آئے، آپ کے ساتھ اہل وعیال بھی تھے آپ کو بھی اسی ٹرین سے دیوبند جانا تھا اسٹیشن ہی پر ملاقات ہوئی حضرت رائے پوری قدس سرہ نے حضرت مدنی کو بتلادیا کہ یہ سفر شیخ کے نکاح کے سلسلہ میں ہورہا ہے۔ آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ہاتھ چچا جان کے پاس پیغام بھیجا، کہ مولوی الیاس سے کہہ دیں کہ

نکاح میں پڑھوں گا، میرے بغیر نکاح نہ ہوگا، میں تو اسی گاڑی سے چلتا، مگر مستورات بھی ساتھ ہیں ان کو (دیوبند) اتار کر اگلی گاڑی سے آجاؤں گا۔ میں نے اول تو رد کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں! ایک ڈانٹ پڑی میں آپ سے نہیں کہہ رہا، مولوی الیاس کے پاس پیغام بھیجا رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا (آگے پھر پروگرام کے مطابق دہلی تشریف لے آئے) اگلے روز بعد نماز جمعہ اس سیہ کار کا نکاح مہر فاطمی پر پڑھایا زکریا نے مہر فاطمی مجمل ہے اور مختلف فیہ ہے سکہ رائج الوقت سے اس کی تعیین فرمائی جائے حضرت نے (ازراہ تفریح) نہایت تبسم سے اور زور سے فرمایا کہ دولہے شرمایا کرتے ہیں، چپ رہو۔ میں نے عرض کیا کہ دین کے معاملے میں حیا نہیں یہ مسئلہ کی بات ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ پانچ سو درہم میں نے کہا یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ سکہ رائج الوقت بتایا جائے۔ فرمایا کہ تقریباً ایک سو تیتیس روپے ہوتے ہیں۔

اس مناظرے کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے کسی رسالے میں جو اس وقت نکلتا تھا تفصیل سے لکھا ہے۔ شادیوں کا بیان تم کرتے ہوئے حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ۔

اس ناکارہ کے یہاں دیکھنے والوں کو سب ہی کو معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم بعض اوقات دو سو ڈھائی سو تک ضرور پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو دس بارہ دیگوں کی نوبت بھی پکنے کی آئی، لیکن شادیوں کی مد میں ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایک دیگ پکوائی ہو۔

آپ بیتی نمبر ۳ کے انتخاب و تلخیص کا کام ان سطروں پر ختم ہو گیا، **والحمد للّٰہ رب العالمین**

انتخاب آپ بیتی نمبر (۴)

آپ بیتی نمبر (۴) کا پہلا عنوان ہے " **التحدیث بالنعمة** " (اللہ تعالیٰ کے فضل و احسانات کا بیان) اس باب میں حضرت شیخ نے اپنے ان اکابر و مشائخ اور ان کی بے حد عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا جن کو اپنی زندگی میں پایا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

سب سے پہلا دور حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کا دیکھا ہے۔ میری عمر ڈھائی برس کی تھی جب گنگوہ حاضر ہوا۔ اور آٹھ برس کا تھا جب حضرت کا وصال ہوا۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنے بچپنے کے اس دور کی اپنی شوخیوں اور حضرت شیخ قدس سرہ اور حضرت کے خصوصی خدام کی غیر معمولی عنایتوں اور شفقتوں کے کچھ واقعات اور اس بارگاہ کے بعض مناظر کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے بعد حضرت شیخ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارن پوری قدس سرہ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر خاصی تفصیل سے فرمایا ہے۔ ناظرین ایک دو واقعات یہاں بھی پڑھ لیں۔

ایک مرتبہ حضرت کی غایت درجہ شفقت اور میری کثرت حاضریؒ کو دیکھ کر ایک صاحب نے حضرت قدس سرہ سے میرے سامنے پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں؟ تو حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بیٹے سے بڑھ کر ہیں (اسی سلسلہ میں آگے یہ واقعہ لکھا یا ہے)

مدینہ پاک کے قیام کے دوران جب یہ ناکارہ "بذل" لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے کے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو ایک مرتبہ یہ ناکارہ ناپاک سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا۔ میرے حضرت قدس سرہ نے عبارت لکھواتے ہوئے نہایت تیز و تند لہجے میں فرمایا "من بتو مشغول وتو با عمرٌ و زید۔" میں حضرت اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہو گیا۔ میرا کرتا اور پاجامہ تک بھیگ گیا۔

آگے شیخ نے حضرت سہارن پوری قدس سرہ کی خصوصی عنایت شفقتوں کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں اس کے بعد اپنے اکابر میں سے حضرت شیخ الہندؒ کی عنایت کا ذکر فرمایا ہے

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت شیخ الہندؒ کے اس سفر حجاز سے پہلے کا جس میں آپ گرفتار کر کے مالٹا بھیجے گئے مندرجہ ذیل واقعہ بھی بیان فرمایا ہے جو قابل ذکر ہے۔

شوال سنہ ۱۳۳۳ھ سے پہلے جب ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت سہارن پوری) کا حجاز کا سفر طے ہوا تھا اس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ نے ایک ہفتہ مستقل مدرسہ مظاہر علوم میں قیام فرمایا اور اعلیٰ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا الحاج احمد صاحب رامپوری کا قیام بھی اس زمانے میں سہارنپور ہی رہا۔ یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانے میں تشریف فرما ہوتے، اس کی اندر کی زنجیر لگ جاتی اور کوئی شخص اندر نہیں جاسکتا تھا۔ ظہر کی اذان کے قریب حضرات اترتے اور جو کچھ ٹھنڈا یا گرم کھانا (ان حضرات کے انتظار میں) رکھا ہوتا اس کو جلدی جلدی نوش فرماتے۔ اسی درمیان میں ظہر کی اذان ہو جاتی نہایت اطمینان سے وضو اور فرائض اور سنتوں سے فراغ پر پھر کتب خانہ میں پہنچ جاتے اور عصر کی اذان پر اترتے۔

جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے واقف تھے وہ تو اجمالاً ہی کچھ سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے اسوقت یہ ناکارہ تحریک کا صرف نام ہی سنے ہوئے تھا۔ انہی ایام میں اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ذمہ حضرت شیخ الہندؒ کی غیبت میں تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی اور حضرت سہارنپوریؒ کا حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جانا تجویز ہوا، مگر اس طرح پر کہ علیحدہ علیحدہ سفر ہو۔ اس لیے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے خیال یہ ہوا کہ اگر ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے۔

اسی سلسلہ بیان میں حضرت شیخ نے (اہل درس کی اصطلاح میں دفع دخل مقدر کے طور پر) یہ بھی لکھوایا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے خود نوشت سوانح میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سہارنپوریؒ کو اس تحریک کا تفصیلی علم مدینہ منورہ میں ہوا جب کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سہارنپوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے اس کا تفصیلی حال بیان کیا، مگر میرا خیال ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو حضرت شیخ الہندؒ نے تفصیلی احوال سنائے اور حضرت سہارنپوری چونکہ پہلے سے رازدار تھے اس لیے حضرت سہارنپوری کو بھی مکالمے میں شامل کیا۔ (اس کی کچھ تفصیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مضمون میں آئی ہے (ارشد)

(آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کا بہت ہی قلق ہے کہ حضرت مدنی کی حیات میں اس پر گفتگو کرنے کی نوبت نہیں آئی گو خیال کئی مرتبہ آیا ورنہ میں حضرت اقدس مدنیؒ سے اس کی تفاصیل بیان کرتا کیونکہ حضرت مدنی تو ان حضرات کے سفر حجاز سے پہلے مدینہ منورہ میں تھے اور یہ ناکارہ اس وقت سہارنپور میں تھا (۱)

---

(۱) جن لوگوں کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک میں کس قدر کتنی کامیاب رازداری تھی، ان کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہوگی کہ حضرت مدنیؒ کو مالٹا کی طویل رفاقت اور پھر رہائی کے بعد ہندوستان میں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ حضرت سہارن پوریؒ بھی تحریک میں شامل تھے۔۔۔۔۔اس عاجز راقم سطور (محمد منظور) نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے (جب وہ ۲۵ سالہ جلاوطنی کے بعد ہندوستان واپس آئے تھے) ایک دن تنہائی میں ایسے وقت جب کہ وہ مجھ پر بہت مہربان تھے، عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے بارے میں بہت مختلف اور متضاد باتیں لوگوں سے سنی ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس کے بارے میں معلوم کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک میں انتہائی رازداری تھی، جس سے جو کام لیا جاتا تھا اس کو بس اسی کا علم تھا۔ مجھے بس وہی معلوم ہے جو کام حضرت نے مجھ سے لیا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ حضرت اور کن کن لوگوں سے کیا کیا کام لیتے تھے۔ مولانا سندھی مرحوم نے اس سلسلہ میں تحریک کی رازداری کے بعض انتہائی حیرت انگیز واقعات اس عاجز کو سنائے۔

الغرض تحریک کی اس رازداری کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت مدنیؒ سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا ہو کہ حضرت سہارن پوریؒ بھی اس کام میں شریک ورفیق ہیں، اور اس وجہ سے یہ بات ان کے علم میں نہ آئی ہو۔ خفیہ خطرناک تحریکوں کا یہی طریق کار ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ احقر ارشاد عرض کرتا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا یہ فرمانا کہ جس کے ذمہ جو کام تھا وہ اسی کو جانتا تھا، اس سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی غایت درجہ احتیاط اور منصوبہ بندی کا پتہ چلتا ہے کہ دار العلوم کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے اس مرد حق نے کیسی سکیم چلائی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہندؒ سے متعلق واقعات بیان فرمانے کے بعد مختصراً اس لطیفہ کا بھی ذکر فرمایا ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ اللہ نے حضرت شیخ الہندؒ کے وصال سے کچھ پہلے کس طرح شیخ کو حضرت کی خدمت میں پہنچایا اور پھر نماز جنازہ اور تدفین میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد شیخ نے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا ہے یہ بیان فرمانے کے بعد کہ حضرت کا مستقل معمول تھا کہ ۲۹ شعبان و جملہ حاضرین سے مصافحہ فرمالیتے اور فرماتے، کہ بس بھائی اب عید پر ملیں گے، رمضان مبارک میں باہر سے آنے والے اور قیام کرنے والے مسترشدین کو بھی بات چیت کا موقعہ بالکل نہ ملتا، بس مسجد آتے، جاتے زیارت ہوجاتی یہ حضرت قدس سرہ کا ایک خاص حال اور معمول تھا حضرت شیخ اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

اس سیہ کار نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو ایک خط لکھا کہ یہ ناکارہ حضرت والا کی خدمت میں رمضان گذارنا چاہتا ہے حضرت نے ازراہ شفقت تحریر فرمایا کہ رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا اور نہ ملنے کا، اپنی جگہ پر یکسوئی سے کام کرتے رہو اس گستاخ نے دوبارہ خط لکھا کہ صرف اخیر عشرہ کی اجازت مرحمت فرمادیں، اس کا جو جواب آیا وہ اتفاق سے میرے کاغذات میں مل گیا جس کو تبرکاً بعینہ نقل کرتا ہوں

برخوردار مولوی زکریا سلمہ اللہ -- ازاحقر عبدالرحیم--

بعد سلام مسنون ودعا۔

تمہارا خط پہنچا مضمون معلوم ہوا، جو سبب شروع ماہ مبارک میں عدم قیام کا ہے وہ اخیر ماہ میں بھی موجود ہے باقی تم اور تمہارے اباجان زبردست ہو، ہم غریبوں کی کیا چل سکے، یہ تمہاری زبردستی ہی ہے کہ اس وقت ماہ مبارک میں تم کو جواب لکھ رہا ہوں باقی جو ذکر و شغل حضرت مولانا سلمہ نے تلقین فرمایا ہے وہی کرنا چاہیے۔ حانثہ کو دعا تمہاری والدہ مکرمہ کی خدمت میں سلام

بخدمت جناب مولانا مولوی یحییٰ صاحب السلام علیکم راقم عبدالرحیم ازرائے پور

واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کا رمضان المبارک میں شیخ کے خط کا جواب دینا، اور اجازت مرحمت فرمانا غیر معمولی عنایت و شفقت کی بات تھی۔ حضرت کے ہاں ماہ رمضان میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی بالکل بند رہتا تھا۔

شیخ نے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور حضرت کی عنایتوں شفقتوں کے اور بھی متعدد واقعات لکھے ہیں۔ اس کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا زمانہ بہت پایا اور حضرت کی شفقتیں بھی بے پایاں

آگے شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ "بذل المجہود" مولانا شبیر احمد تھانوی کے مطبع میں تھانہ بھون طبع ہوئی تھی اس کے سلسلہ میں مجھے بار بار تھانہ بھون جانا اور کئی کئی دن قیام کرنا ہوتا تھا اور کام کا نظام اور پروگرام ایسا تھا ظہر سے عصر تک جو حضرت حکیم الامت کی مجلس کا وقت ہوتا تھا میں اس وقت خانقاہ ہی میں دوسری طرف "بذل" کے پروف دیکھتا تھا فرماتے ہیں۔

مجھے اس کا بڑا قلق رہتا تھا کہ تھانہ بھون رہتے ہوئے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے

ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ لوگ تو بہت دور دور سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میرے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لیے مرنے تک کافی ہے۔ حضرت نے فرمایا

مولوی صاحب! اس کا آپ فکر نہ کیجئے، آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا رہتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے میں آپ کو ظہر سے عصر تک اپنے اوراق سے سر اٹھاتے نہیں دیکھتا۔

حضرت شیخ الحدیث نے اپنے حضرات اکابر کے اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہ کا تذکرہ فرمایا، فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کو اس ناکارہ پر شفقت و محبت اس وقت سے ہے جب کہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲ سال سے بھی کم تھی سنہ ۲۷ھ میں حضرت مدنی قدس سرہ نے تقریباً دو ماہ قیام گنگوہ شریف کیا تھا اور مسلسل روزے رکھے تھے (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے، کہ روزانہ افطار حضرت ہمارے ہاں کرتے تھے اور میری والدہ مرحومہ کئی طرح کی افطاری ان کے لیے تیار کرتی تھیں جب افطار کا وقت قریب آتا تو میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا اور جب حضرت تشریف لاتے دیکھتا تو "آجاؤ تشریف لے آؤ" کا شور مچاتا)

حضرت شیخ نے حضرت مدنی قدس سرہ کی شفقتوں اور عنایتوں اور بے تکلفیوں کے واقعات کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ قریباً چالیس صفحات پر کیا ہے ان میں سے دو چار ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں

فرماتے ہیں

ایک مرتبہ گرمیوں کا موسم تھا اور میں دوپہر کو اپنے گھر کے دروازے میں سویا کرتا تھا میں سونے کے لیے لیٹا تھا سرہانے کی طرف سر اٹھا کے دیکھا تو حضرت مدنی قدس سرہ کھڑے ہیں میں نے جلدی سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پہلا سوال یہ تھا حضرت کھانا ارشاد فرمایا کہ اگر کھا لیتے تو تمہارے یہاں کیوں آتے؟۔ حضرت کے پیچھے حضرت علامہ ابراہیم اور نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب مرحوم اور ان حضرات کے علاوہ بھی حضرات تھے۔ میں ننگے پاؤں اندر گیا اور بچیوں سے کہا کہ حضرت کئی آدمیوں کے ساتھ آگئے ہیں؟ کچھ کھانے کو ہے انھوں نے کہا کہ نہ روٹی ہے نہ سالن۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ عین کھانے کے وقت ۸-۱۰ مہمان بغیر اطلاع کے آگئے تھے اس لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ اللہ جل شانہ میری ہر دو بیویوں اور سب بچیوں کو بہت ہی جزائے خیر دے مہمانوں کے سلسلے میں ان سے بہت ہی راحت پہنچی تیس چالیس مہمانوں کا کھانا آدھ پون گھنٹہ میں تیار کر دینا، ان کے یہاں معمولی بات تھی، بشرطیکہ گھر پر کئی ہوں۔ میں نے کہا جلدی سے ایک آٹا گوندھے اور ایک جلدی سے دیگچی میں مصالحہ بھونے میں باہر ننگے پاؤں گیا، حضرت مدنی قدس سرہ کی کرامت کہ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا قدیمی قصاب کرم الٰہی جو میرے یہاں گوشت لاتا ہے بہت دور آہستہ آہستہ آرہا ہے میں ننگے پاؤں اس کی طرف بھاگا اور اس کو آواز دی جلدی آ، وہ جلدی سے آیا، میرے سوال پر اس نے بتایا کہ

گوشت بھی ہے اور قیمہ بھی ہے۔ میں نے کہا کہ جلدی سے مجھے قیمہ دے دے میں نے دونوں ہاتھوں میں سارا قیمہ جو تین سیر رہا ہوگا، لیا اور گھر آکر اس پتیلی میں ڈال دیا جس میں مصالحہ بھن رہا تھا۔ تین بچیاں روٹی پکانے کے لیے بیٹھ گئیں تھیں ایک گوشت بھون رہی تھی۔ میں نے باہر آکر شور مچایا کہ کسی نے دستر خوان نہیں بچھایا، بھئی دستر خوان بچھاؤ! ہاتھ دھلاؤ سب کے ہاتھ دھلانے اور دستر خوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے۔ میں اندر گیا تو دس بارہ روٹیاں تیار ہو چکی تھیں اور قیمہ بھی نیم برشت ہو چکا تھا۔ میں جلدی سے تین رکابیوں میں سالن لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھ دیں۔ علامہ ابراہیم مرحوم جو معقول کے امام تھے، فرمانے لگے کیا آپ کو ہمارے آنے کا پہلے علم ہو گیا تھا یا آپ کو کشف ہو گیا تھا؟ میں نے کہا کہ جناب کے یہاں بیٹھنے کے بعد یہ گوشت قصاب سے خریدا گیا ہے۔ فرمانے لگے یہ بات عقل میں نہیں آتی میں نے کہا ہر بات معقول نہیں ہوتی کچھ باتیں عقول سے بالاتر بھی ہوتی ہیں، حضرت مدنی قدس سرہ نے علامہ سے فرمایا مناظرہ نہ کرو جلدی سے کھانا کھا لو دیر ہو رہی ہے اور ان کے یہاں تو یہ قصے چلتے ہی رہتے ہیں۔

(آگے شیخ یہ فرماتے ہیں)

اتنا مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہ کے دروازہ میں مصافحہ کے وقت سے گیارہویں منٹ پر دستر خوان بچھ گیا تھا۔

(آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ) حضرت مدنی قدس سرہ کے صرف کھانے ہی کے مد کی شفقتیں اور واقعات اگر گنواؤں تو ان کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ بار بار حضرت تشریف لائے اور میں سبق میں تھا۔ حضرت نے دروازے پر کسی بچہ کو آواز دے کر فرمایا کہ حسین احمد کا سلام کہدو اور کہدو کہ جو کھانے کو رکھا ہے جلدی بھیج دو گاڑی کا وقت قریب ہے اور جب اندر سے بچیوں کی یہ آواز سنتے کہ ابا جی کو مدرسے سے جلدی سے بلالاؤ تو حضرت للکار کے فرماتے کہ مجھے ابا جی کی ضرورت نہیں ہے، کھانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہو تو بھجوا دو ورنہ میں جا رہا ہوں کئی دفعہ اس کی نوبت آئی کہ میرے آنے تک حضرت کھانا شروع فرما دیتے یا تناول فرمالیتے تھے اور فرماتے کہ آپ کا آپ کے گھر والوں نے حرج کیا ہے میں نے نہیں بلوایا۔

حضرت شیخ نے اپنے ساتھ۔ حضرت مدنی قدس سرہ کے قلبی تعلق اور خاص محبت و شفقت کے واقعات نقل فرماتے ہوئے ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت قدس سرہ کا معمول گرمی ہو یا سردی اگر شب کو سونے کی نوبت آئی تو کچے گھر ہی میں سونے کا تھا (جو مکان کی تنگی اور اس زمانے میں بجلی کا پنکھا نہ ہونے کی وجہ سے گرمی کے موسم میں بہت تکلیف کا باعث ہوتا تھا) میں بہت ہی اصرار کرتا کہ مدرسہ کی چھت پر اچھی ہوا آئے گی منت خوشامد کرتا، لیکن حضرت فرماتے کہ مجھے جیل کو ٹھریوں کی عادت ہے۔

ایک دفعہ حضرت قدس سرہ ان کے ساتھ مولانا عزیز گل اور دو اور مہمان مغرب کے وقت تشریف لائے علی الصباح گنگوہ جانا تھا میں نے عرض کیا کہ گرمی بڑی شدید ہے برسات کا زمانہ ہے آج تو مدرسہ کی چھت پر بڑے کمرے میں چارپائی بچھوا دوں۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا میں تو کچے گھر ہی میں سوؤں گا ان لوگوں کے لیے بچھوا دیجیے میں نے مولانا عزیز

گل صاحب سے پوچھا کہ آپ کی وہاں چارپائی بچھوادوں۔ (جو مولانا موصوف سے مل چکا ہوگا وہ ان کے طرز گفتگو سے واقف ہوگا) کہنے لگے کہ ہم بھی وہیں مریں گے جہاں یہ مرے گا۔

حضرت مدنی کے وقوت کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

جب حضرت (تحریک خلافت کے دور میں کراچی جیل سے تشریف لائے اس وقت کا یہ منظر ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گا، کہ حضرت مرشدی (حضرت سہارنپوری) قدس سرہ مکان پر تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مدنی اسٹیشن سے تشریف لا رہے تھے مدرسہ قدیم کی مسجد کے دروازے پر آمنا سامنا ہوا۔ حضرت مدنی قدس سرہ حضرت مرشدی قدس سرہ کے ایک دم قدموں میں گر پڑے۔ حضرت مرشدی سہارن پوری قدس سرہ نے جلدی سے پاؤں پیچھے کو ہٹا کر سینہ سے لگالیا اور طرفین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے سلسلہ میں حضرت مدنی قدس سرہ کے تذکرہ کے بعد حضرت شاہ یاسین نگینویؒ کا ذکر فرمایا جو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خلفاء میں تھے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

بہت ہی شفقت فرماتے تھے بہت اہتمام سے اس سیہ کار کے سبق میں تشریف لے جاتے اور انتہائی ادب سے نیچی نگاہ کئے ہوئے تشریف رکھتے۔ میرے اصرار پر میرے قریب تشریف فرما ہوتے اس وقت ان کی ایک کرامت یاد آگئی میری ایک بری عادت تھی کہ جب سبق میں جاتا تو ڈبیہ ہمیشہ میرے ساتھ ہوتا اور سبق کے دوران میں بھی پان کھاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یوں فرمایا کہ میں پان کھانے سے تو نہیں منع کرتا آپ سبق کے دوران میں نہ کھایا کریں۔ اس دن سے تقریباً بیالیس سال ہوئے مجھے یاد نہیں کہ سبق کے دوران پان کھایا ہو، سبق میں باوضو ہونے کا اہتمام تو ہمیشہ رہا مجھے یاد نہیں کہ حدیث کا سبق کبھی بے وضو پڑھایا ہو لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد کے بعد سے سبق کو جاتے ہوئے ہمیشہ بہت اہتمام سے کلی کرکے جاتا تھا۔

حضرت شاہ یاسین نگینویؒ کے مختصر تذکرہ کے بعد مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے قلبی تعلق اور عنایتوں شفقتوں کا خاص تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے سلسلہ کے ایک دو واقعات ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں گے۔ فرماتے ہیں

بارہا اس کی بھی نوبت آئی کہ میں بلا اطلاع حاضر ہوا اور حضرت نور اللہ مرقدہ نے بلا کسی تحریک کے یہ فرمایا کہ بھائی شیخ آرہے ہوں گے خیال رکھیو مجھے وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہوتی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے متعلق ایک واقعہ یہ بھی ذکر فرمایا کہ سنہ ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں جب حضرت مرشد قدس سرہ نے اس ناکارہ کو اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ وہاں ہی تھے۔ میں نے حضرت کے پاؤں پکڑے کہ اللہ کے واسطے اس کا شمار نہ فرماویں یہ کوئی تصنع نہیں تھا اللہ کی قسم مجھے اب تک شرح صدر نہیں ہے کیونکہ میری حالت واقعی اس قابل نہیں ہے مگر حضرت مرشد نور اللہ مرقدہ کی جواب دہی کے ڈر سے اب تک بیعت کر رہا ہوں۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی طرف سے بیعت نہیں بلکہ اپنے مرشد قدس سرہ کی طرف سے لیتے تھے)

اس موقعہ پر شیخ نے اپنے بیعت کرنے کی ابتدا کا یہ واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔

ایک مرتبہ کاندھلہ جانے پر وہاں کی مستورات چچا جان کے سر ہو گئیں کہ آپ حکماً اس سے بیعت کرا دیں میں مسجد میں تھا چچا جان نے مجھے بلوایا وہ بعض مرتبہ چچا جان ہونے کا حق ادا کرنے کے واسطے ضرورت سے زیادہ ڈانٹ دیتے تھے۔ جب میں گھر میں پہنچا، چچا جان نے غصہ کا منہ بنا رکھا تھا۔ سب مستورات کو کوٹھے میں جمع کر رکھا تھا اپنے سر مبارک پر سے عمامہ اتارا اس کا ایک کونا میرے ہاتھ پکڑا دیا اور دوسرا دروازہ میں ان عورتوں کو پکڑا دیا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ ان کو بیعت کر، میں نے کچھ اوں آں کرنی چاہی ایک ڈانٹ اور پلائی بیعت کر، یہ اس سیہ کار کے بیعت کرنے کی ابتداء ہے۔

شیخ نے حضرت رائے پوری قدس سرہ کا ایک واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔

ایک دفعہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے رائے پور میں ارشاد فرمایا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ تو مجھے اجازت بیعت دے دے تاکہ حضرت سہارن پوری قدس سرہ کی نسبت سے بھی مجھے کچھ مل جائے میں نے ہاتھ جوڑ کر دست بوسی کے بعد عرض کیا کہ حضرت توبہ توبہ! ایسی بات فرما دیں۔ حضرت مولانا احمد الدین صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ اجازت نہیں دیتے تو آپ ان کو اجازت دے دیں تاکہ ان کے سلسلہ میں آپ کی شرکت ہو۔ حضرت مرشد قدس سرہ نے فرمایا میری طرف سے بڑی خوشی کے ساتھ اجازت ہے

اسفارِ حج

حضرت شیخ الحدیث نے اس آپ بیتی نمبر ۴ میں "التحدیث بالنعمۃ" کے زیر عنوان اپنے اکابر و مشائخ کی عنایتوں اور شفقتوں کے تذکرے کے بعد سنہ ۱۳۸۹ھ تک کے (یعنی وفات سے ۱۲ سال پہلے تک کے) اپنے حج سفروں کا خاصی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سفر حج سنہ ۱۳۳۸ھ میں ہوا دوسرا سنہ ۱۳۴۴ھ میں جس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے پہلے آچکا ہے) تیسرا حج اس سفر سے واپسی پر ہوا تھا پھر چوتھا حج حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اصرار پر ان کے ساتھ سنہ ۱۳۸۴ھ میں ہوا اس کے بعد پانچواں حج حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ ہوا سنہ ۱۳۸۶ھ میں ہوا اس کے بعد سنہ ۱۳۸۹ھ کے اوائل میں حضرت شیخ نے مدینہ میں طویل قیام کی نیت سے حجاز مقدس کا سفر فرمایا، قریباً ۸-۹ مہینے قیام رہا حضرت شیخ نے ان سب اسفار کی پوری تفصیلات لکھائی ہیں سنہ ۸۹ھ والے سفر کا ذکر شروع فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دعا کی تھی کہ یہ سفر سہارن پور سے مدینہ منورہ تک بنیت صوم باوضو پورا ہو جائے اللہ نے اپنے فضل سے پورا فرما دیا، ورنہ پیشاب کی کثرت سے ہوائی جہاز میں بہت فکر تھی کہ پیشاب کے بعد معاً وضو کرنے میں بھی نہ معلوم کتنے میل گزر جائیں گے مگر اللہ تعالی نے کرم فرمایا، انعام فرمایا، احسان فرمایا۔ **فللہ الحمد والمنتہ**

اسی سفر کے سلسلہ میں آگے فرمایا ہے کہ۔

روزوں کا سلسلہ سہارنپور سے شروع ہو گیا تھا اور باوجود سفر اور گرمی کے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی جو صرف اللہ کا احسان و کرم و فضل تھا۔ ۸ مئی سے **صیام شہرین متتابعین توبۃ من اللہ** (دو مہینے کے متواتر اور مسلسل روزوں) کی نیت کرلی اور احباب و اکابر کے شدید اصرار کے باوجود خیبر کے سفر (۱۲ جولائی) تک اس کا سلسلہ رہا

اسی سفر کے سلسلہ میں شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔
اللہ تعالیٰ کے احسانات متزائدہ میں جو اس سفر میں روز افزوں رہے، فضل و احسان یہ بھی رہا ہے کہ اس سفر کے جملہ تبلیغی اجتماعات میں خیبر، ینبوع، طائف، مکہ، جدہ وغیرہ میں اس ناکارہ کی شرکت رہی۔
حضرت شیخ نے حجاز مقدس کے اپنے اسفار کا تذکرہ جیسی تفصیل سے کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان کو اس تذکرہ میں غیر معمولی لذت آرہی ہے بالخصوص سنہ ۸۹ھ والے سفر اور قریبا ۸-۹ مہینے کے قیام کا تذکرہ تو اس طرح فرمایا ہے کہ کسی درجہ میں پورے سفر کا روزنامچہ سامنے آجاتا ہے۔

آپ بیتی نمبر ۴ اسفار حج کے تذکرہ پر ختم ہو جاتی ہے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر ۵

"تقسیم ہند" آپ بیتی نمبر ۵ کا پہلا یہی عنوان ہے:
ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام پر ۳۶ برس گزر چکے ہیں۔ اس وقت جو کچھ ہوا تھا اور خاص کر مشرقی پنجاب اور دہلی اور اس کے قرب و جوار میں مسلمانوں پر اور اسی طرح دوسری طرف مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر جیسی قیامت برپا ہوئی تھی کسی تحریر یا تقریر و بیان سے اس کی ایسی منظر کشی نہیں کی جاسکتی جس کو پڑھ کر یا سن کر بعد کے لوگ بھی اس کو صحیح طور پر محسوس کرسکیں۔
حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا وصال ملک کی تقسیم سے تین سال پہلے رجب سنہ ۱۳۶۳ھ (جولائی سنہ ۴۴ء میں ہوا تھا اس کے بعد سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ رمضان المبارک میں قیام تبلیغی کام کے مرکز نظام الدین کی مسجد میں ہوتا تھا۔ اور پورے مہینے کا اعتکاف فرماتے تھے ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو جب ملک کی تقسیم عمل میں آئی تو رمضان المبارک سنہ ٦٦ کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ حضرت شیخ اپنے معمول کے مطابق نظام الدین کی مسجد میں معتکف تھے۔ تراویح میں قرآن پاک بھی اسی رات میں ختم ہوا تھا حسن اتفاق سے یہ عاجز راقم سطور بھی ان دنوں وہیں مقیم تھا۔ حضرت شیخ کی بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ) سخت علیل تھیں، دق کا آخری درجہ تھا، گویا مرحومہ کی زندگی کے آخری ایام تھے (کچھ ہی مدت کے بعد انتقال بھی فرما گئیں۔ جس کا ذکر پہلے گذر چلا ہے) بہر حال ان کی اس علالت کی وجہ سے حضرت شیخ کے گھر کی تمام مستورات کا بھی نظام الدین ہی میں قیام تھا ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی پہلے مشرقی اور مغربی پنجاب میں اور پھر دوسرے علاقوں میں بھی قیامت برپا ہونا شروع ہو گئی اور عید کے چند دن بعد دہلی اور اس کے اطراف میں کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا اور لوگ اپنے گھر بار اور بعض اپنے بچوں تک کو چھوڑ کے پاکستان منتقل ہونے لگے۔

حضرت شیخ اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔
"قرآن شریف اور حدیث پاک میں قیامت کا جو منظر پڑھا تھا۔
یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرء منهم یومئذ شان یغننیه (سورۃ عبس پارہ ۳۰) (ترجمہ) "یاد کرو اس دن کو جس دن کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی اور اولاد سے اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک خاص حالت ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر ایک سے بے تعلق ہوگا"۔
یہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے نظام الدین (کے اسٹیشن سے) اسپیشل تبادلہ آبادی کے سلسلہ میں روانہ ہوتا تھا۔ اسپیشل کی روانگی کے بعد اسی اسی شیر خوار بچے، اسٹیشن پر پائے گئے، جن کو ان کے ماں باپ اسٹیشن پر چھوڑ کے ریل میں سوار ہوگئے تھے جب ان سے کہا گیا کہ ان بچوں کو کہاں چھوڑ رہے ہو تو نہایت بے دردی سے جواب دیتے کہ اگر صحیح سلامت پاکستان پہنچ گئے تو وہاں اور پیدا ہوجائیں گے اس بوجھ کو کہاں اٹھائے پھریں گے۔
اس سلسلہ کی بہت سی تفصیلات اور نظام الدین کے اس ۳-۴ مہینے کے قیام کے غیر معمولی واقعات اور انتہائی خطرناک حالات میں خارق عادت خداوندی انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔
تین چار ماہ تک یہ مسئلہ بہت معرکتہ الآرا رہا کہ پاکستان جانے والے احباب اصرار کرتے تھے بعض اکابر تو روزانہ ۲۵ - ۳۰ ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے آتے کہ مولانا کو مع ان کے گھر والوں کے پاکستان لے جائیں ان کا اصرار تھا کہ مسلمان بکثرت وہاں منتقل ہوگئے ہیں اس لئے بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا وہاں جانا ان کی دینی اصلاح کی خاطر بہت ضروری ہے نیز اس وقت یہاں کی جو متزلزل (غیر یقینی) حالت تھی اور یوپی اور دہلی کا جو عام انخلا (مسلمانوں سے) ہورہا تھا اس کی وجہ سے یہاں دینی کام کی امیدیں کم معلوم ہوتی تھیں۔مگر حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ایک جواب تھا کہ اگر بھائی جی (یعنی حضرت شیخ الحدیث) تشریف لے جائیں گے تب میں بھی جاؤں گا ورنہ نہیں۔ ان کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی ہر وقت یورش رہتی تھی کہ یہ ناکارہ بھی جلد پاکستان جانے کا فیصلہ کرے۔ میرا ایک جواب تھا کہ میں جب تک اپنے بزرگوں حضرت اقدس مولانا مدنیؒ اور مولانا رائے پوری نوراللہ مرقدہ سے مشورے نہ کرلوں - اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ اور راستے چونکہ ہر طرف کے مسدود تھے ،اس لیے ان حضرات شیخین مولانا مدنی و مولانا رائے پوری (نوراللہ مرقدہما) سے مشورہ اور بات کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔
آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔
۲۸ ذی الحجہ سنہ ۶۶ھ (۱۲ نومبر سنہ ۴۷) کو حضرت مدنی قدس سرہ دیوبند سے روانہ ہوکر شب کو مظفر نگر میں قیام فرما کر دوپہر کو بڑی وقت سے دہلی پہنچے گاندھی جی اور جواہر لال نے اس پر بہت اظہار افسوس کیا کہ آپ اس قدر تکلیف اٹھا کر تشریف لائے - آپ اطلاع کردیا کریں تو سرکاری فوجی ٹرک آپ کو لایا کرے گا، وہی لے جایا کرے گا۔ اور اس وقت بھی ان لوگوں نے حضرت قدس سرہ کے لیے ایک سرکاری فوجی ٹرک تجویز کیا جو حضرت کو دیوبند لے جانے اور چار فوجی گورکھا ہتھیاروں سے مسلح حفاظت کے لیے اس پر مقرر ہوئے حضرت قدس سرہ نے اس ناکارہ کو نظام الدین اطلاع کرائی کہ

میں سرکاری ٹرک میں فوجی پہرے کے ساتھ دیوبند جارہا ہوں تمہارے گھر کی مستورات کو اس وقت میرے ساتھ سہارنپور جانے میں سہولت رہے گی"۔

آگے حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت مدنی کی تجویز کے مطابق اسی ٹرک سے مستورات کے ساتھ روانگی اور سہارنپور تشریف آوری ہوئی اللہ نے بسلامت وعافیت پہنچادیا اس کے چند روز بعد حضرت مدنیؒ و حضرت مولانا رائے پوری نور اللہ مرقدہما سہارنپور میں جمع ہوئے اور پاکستان جانے نہ جانے کا مشورہ ہوا۔ جس پر حضرت شیخ نے اپنا فیصلہ محول اور معلق کر رکھا تھا۔ اس مجلس مشورہ کی روئیداد حضرت شیخ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

بعد مغرب کچے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور اس کی ابتدا حضرت مولانا رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے حضرت قدس سرہ اور حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم رائے پوری) کے متعلقین بھی زیادہ تر ان ہی دو جگہ کے تھے مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہو گیا ہے، ان سب حضرات کا بہت اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں ---- اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان (یعنی آبائی وطن) بھی مغربی میں ہے اور ان سب مظلومین کی دلداری بھی اسی میں ہے۔ شروع رمضان ہی سے ان کا اصرار ہو رہا ہے، مگر آپ دونوں حضرات کے مشورہ پر میں نے معلق کر رکھا ہے۔ یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ ہیں وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ کچھ شہید ہو گئے، کچھ اجڑ گئے۔ (شیخ فرماتے ہیں) اور تقریبا حضرت کی گفتگو کا رخ یہ تھا کہ (میرا) وہاں قیام ضروری ہے۔ اس سب کو سن کر:

حضرت مدنیؒ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ ہماری اسکیم تو فیل ہو گئی ورنہ نہ یہ قتل وغارت ہوتا اور نہ تبادلہ آبادی ہوتا۔ (شیخ فرماتے ہیں) حضرت مدنیؒ کا (یعنی جمعیۃ علماء کا) فارمولا یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں، داخلی امور میں خود مختار، خارجی امور، فوج، ڈاک ریل وغیرہ مرکز کے تحت، مرکز ہندو مسلم برابر ۴۵-۴۵ اور ۱۰ باقی اقلیتیں۔ گاندھی جی نے تو اس کو منظور کر لیا تھا، مگر مسٹر جناح نے انکار کر دیا۔ حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے نہ کشت وخون کی نوبت آتی اور نہ تبادلہ آبادی کی۔ اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور محمود (۱) وہاں بلانے پر اصرار کر رہا ہے، مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل وغارت گری میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور جس کو اپنی عزت وآبرو، یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو، وہ یہاں

---

(۱) اس سے مراد سید محمود مدنیؒ ہیں یہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے چھوٹے بھائی تھے، حضرت مدنیؒ ان کو بس "محمود" ہی کہا کرتے تھے، یہ حجاز میں ترکی حکومت کے زمانے میں بھی سرکاری افسر تھے، پھر سعودی حکومت کے دور میں بھی بہت باوقار رہے۔ مدینہ منورہ کے رئیس اعظم تھے، انہوں نے بار بار حضرت مولانا مدنیؒ کو لکھا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کو اور سب گھر والوں کو لینے کے لیے ہوائی جہاز لے کر آجاؤں۔
لیکن حضرت مدنیؒ ہندوستانی مسلمانوں کو ان حالات میں چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور زندگی کے باقی دس سال ہندوستانی مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت میں مشغول رہ کر گزارے، حضرت کی وفات کا تذکرہ پہلے کسی قدر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ مولانا سید محمود صاحب نے بھی اب سے چند ہی سال پہلے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ رحمۃ الابرار الصالحین ۱۲ نعمانی۔

ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے (شیخ فرماتے ہیں) حضرت قدس سرہ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں کو چھوڑ کر تو میرا بھی جانا مشکل ہے

اس طرح ان تینوں حضرات کا ہندستان کے قیام پر اتفاق ہو گیا آگے شیخ فرماتے ہیں کہ :

میں نے تو اس گفتگو کو کسی سے آگاہ نہیں کیا اور ان حضرات سے بھی اس کی توقع نہیں ۔ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہو گیا ہے ، اور انہی دونوں بزرگوں کی برکت تھی اور اصل اللہ تعالی کا انعام واحسان تھا ، کہ ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن اطمینان کی سی باتیں کر رہے تھے ۔

واقعہ یہ ہے کہ ۳۵-۳۶ سال گزر جانے کے بعد اب کسی کو بھی یہاں اندازہ کرنا مشکل بلکہ قریباً ناممکن ہے کہ ان تینوں بزرگوں کے اس فیصلے نے ہندستانی مسلمانوں کے یہاں قیام کے مسئلے پر کیا اثر ڈالا ۔ مشرقی پنجاب سے تو دونوں حکومتوں کے سمجھوتے کے تحت مسلمانوں کا مکمل جبری تخلیہ ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر پوری قیامت ٹوٹی تھی مشرقی پنجاب سے آگے ایک طرف یوپی کا پہلا ضلع سہارنپور تھا اور دوسری طرف دہلی تھی --- پاکستان سے آنے والے لاکھوں رفیوجیوں (شرنارتھیوں جنہیں ہم مہاجرین کہتے ہیں) ہندؤں اور سکھوں، کا (جن میں لٹے پٹے بھی تھے) اور مسلم دشمنی کے جذبہ سے بھرے ہوئے تھے اور اس وقت مقامی ہندؤں ، سکھوں کا بھی قریبا یہی حال تھا ان سب کا ایسا دباؤ دہلی سہارنپور اور دوسرے قریبی اضلاع پر پڑ رہا تھا ۔ جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا ۔ صورت حال ایسی تھی کہ دہلی اور سہارنپور اور یوپی کے قریبا تمام ہی مغربی اضلاع میں مسلمانوں کی جان ، انکا مال وآبرو کوئی چیز بھی بظاہر محفوظ نہیں تھی اس لیے جو لوگ پاکستان جا سکتے تھے وہ جانے ہی کی بات سوچتے تھے اور ایسا نظر آتا تھا کہ مشرقی پنجاب کی طرح یہ پورا علاقہ بھی خدا نخواستہ مسلمانوں سے خالی ہو جائے گا --- لیکن سہارنپور میں شیخ کے "کچے گھر" میں کیے جانے والے ان تین بزرگوں کے اس فیصلے نے اور منجانب اللہ اس کی شہرت نے اور اسی کے ساتھ دہلی میں دینی جذبہ جدوجہد کے لیے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے قیام کے فیصلے نے نیز مرحوم ومغفور مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کی جانبازانہ جدوجہد نے ان علاقوں میں مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جمائے ۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ سب چیزیں اللہ تعالی کے فیصلے کا وسیلہ بن گئیں ورنہ خدانا کردہ ان علاقوں کا ان کی مساجد ومدارس اور خانقاہوں کا وہی حشر ہوتا جو مشرقی پنجاب میں ہوا ۔ **ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن** ۔

حضرت شیخ اس وقت کی صورتحال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ہمارے محلہ کے بہت سے لوگ اور شہر کے بھی بہت سے احباب پاکستان جانے کے لئے ان کیمپوں میں چلے گئے تھے جو کچہری پل سے اتر کر پاکستان جانے والوں کے لیے لگے ہوئے تھے ۔ میری واپسی پر سب سے پہلے شیخ اظہار احمد تاجر چوب تھے ، جو اپنے گھر والوں کو مع سارے سامان کے کیمپ سے واپس لے آئے اور میں نے سنا شام تک دو سو آدمی ایک دوسرے کو دیکھ کر واپس ہو گئے ۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے دہلی میں حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی کی جدوجہد کے بارے میں فرمایا ہے کہ :

اس زمانہ میں دہلی میں مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ اللہ تعالی ان کو بلند درجات عطا فرمائے سارے دن دہلی کے فسادزدہ

علاقوں میں بے جگری سے پھرتے تھے مسلمانوں کو دلاسہ دیتے تھے ان کی گالیاں بھی سنتے تھے ان کو اللہ تعالی نے تحمل اوور برداشت خوب عطاء فرمایا تھا اور ان سے بڑھ کر میرے حضرت مدنی قدس سرہ تھے۔ سارے ہندستان کا اسی خطرے کے زمانہ میں دورہ فرمایا ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہ اس زمانہ میں اپنے سخت سیاسی مخالفین متشدد قسم کے مسلم لیگی حضرات کو بھی جو قدرتی طور پر زیادہ دہشت زدہ اور پریشان رہتے تھے۔

گرامی نامہ تحریر فرماتے تھے کہ

گھبرائیں نہیں انشاء اللہ حالات کسی وقت ساز گار ہوں گے " تقسیم ملک کے عنوان پر جو کچھ شیخ کو بیان فرمانا تھا اس کو ختم کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ۔

اس زمانے میں حضرت مدنی قدس سرہ پر تاثر بہت رہتا، بسا اوقات تقریروں میں کسی کسی بات پر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

متفرقات

آپ بیتی نمبر ۵ میں " تقسیم ہند " کے عنوان کے بعد دوسرا عنوان ہے "متفرقات"

اس میں مختلف قسم کے بہت سے واقعات حضرت شیخ نے بیان فرمائے ہیں صفحات کی محدود گنجائش کی مجبوری سے ان میں سے صرف ایک واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ اپنے اکابر اساتذہ کی طرح مسلکاً حنفی ہیں اور درس میں اور اسی طرح اپنی تصنیفات خاص کر شروح حدیث میں وہ حنفی مسلک کو کتاب وسنت کے موافق ثابت کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں۔ ناواقف آدمی اس کی وجہ سے ان کو متعصب حنفی بھی سمجھ سکتا ہے لیکن یہاں جو واقعہ ذکر کیا جارہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعصب سے کتنے دور اور کسقدر متوسع ہیں -- حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں۔

ابتداء مدرسی میں ایک اہل حدیث نابینا (عالم) جن کا نام تو (اس وقت) یاد نہیں مگر میرے کمرے میں ان کی تالیف "میزان الشریعۃ" کے بہت سے حصے رکھے ہوئے تھے -- نابینا تھے اور اہل حدیث سے میں تھے وہ مشکوۃ کی ان احادیث کے جو مسلک اہل حدیث کے موافق ہوں چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف کیا کرتے تھے۔ خود ہی تالیف کرتے اور خود ہی

طبع کرایا کرتے تھے اور پھر خود ہی ان کی فروخت کے واسطے سفر کیا کرتے تھے۔

سہارنپور میں ہمیشہ مستقل اس ناکارہ کے مہمان رہتے تھے اور دیوبند میں حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے مہمان رہتے تھے۔ ان کا دستور تھا، کہ درسگاہوں میں جاتے، مدرس کو ایک نسخہ پیش کرتے، میری اور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے اکثر مدرسین بھی ان سے واقف تھے۔ اکثر مدرسین نذرانہ کا (کا نسخہ) لینے کے بعد اس کی قیمت تین آنے یا کم و بیش دے دیا کرتے تھے اور ان کی درخواست پر طلبہ سے بھی کلمۃ الخیر اکثر کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن بعض لوگ اس وجہ سے کہ کوئی خاص مضمون ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، بجز روایات معروفہ مطابق مسلک اہل حدیث کے ترجمہ کے، معذرت کردیا کرتے تھے۔ یہ ناکارہ ان کی آمد پر بیس پچیس نسخے ہمیشہ خریدتا، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ سو ڈیڑھ سو نسخے ہمیشہ خریدتے اور ہم دونوں مشتہرہ قیمت سے زیادہ ہی دے دیا کرتے تھے۔ ان کی معذوری اور حدیث پاک کی خدمت اور حق مہمانی کی بنا پر۔ ان کے جانے کے بعد ان کے رسالے طلبہ حدیث میں یہ کہہ کر تقسیم کردیتے تھے، کہ رسائل گو کہ مسلک اہل حدیث کے ہیں، مگر احادیث کا ترجمہ تو بہرحال ہے ہی۔ ان کے سامنے اس وجہ طلبہ کو نہیں دیا کرتے تھے کہ اس مفت دینے کی وجہ سے ان کی خریداری پر اثر نہ پڑے۔

ایک لڑکا ان کے ساتھ جوان کو سب جگہ لیے پھرتا تھا، رات کو مغرب کے بعد وہ میرے قریب بیٹھ کر اپنا حساب لکھایا کرتے تھے مجھے ان کے حساب میں بڑا لطف آتا تھا۔ رسالوں پر قیمت تو طبع شدہ ہوتی تھی، مگر وہ کسی کو قیمت نہیں بتایا کرتے تھے جس کا جو جی چاہے دے دے، وہ خوشی سے قبول کرلیتے تھے اور جو قیمت نہ دے اس سے بھی مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ شام کو جب حساب لکھواتے تو اس طرح لکھواتے، دو نسخے فی دو آنہ، تین نسخے فی ڈھائی آنہ، چار نسخے فی تین آنہ، آٹھ نسخے فی جزاک اللہ بہت سیدھے سادھے، بھولے بھالے آدمی تھے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کے چند اہم پہلو :

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

زیر ترتیب سوانح حضرت شیخؒ کے باب نہم کا عنوان ہے۔ خداداد کمالات، مزاجی اور طبعی خصوصیات اس کے ابتدائی عنوانات سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اس حصہ میں آگئے ہیں جو حضرت شیخ سے تعلق رکھتا ہے یہاں پر اس باب کے چند ذیلی عنوانات درج کیے جارہے ہیں۔

دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت کا اہتمام:۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ تو فطری طور پر اور کچھ خاندانی اثرات سے شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اور اپنے اسلاف اور علماء حق کے

(جو مجددی اور ولی اللہی سلسلہ سے مستقل مسلسل طور پر وابستہ رہے ہیں) مسلک سے وابستگی اور اس کے بارے میں غیرت و ذکاوت حس شروع سے ودیعت فرمائی تھی، جب بھی ہندستان میں دین کے بقا اور مسلمانوں کی جداگانہ ملی و اسلامی شخصیت کے لئے کوئی خطرہ پیش آیا تو ان کی طبیعت بے چین ہو گئی اور ان کا دل دردمند ہوا۔ اور انھوں نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خود سعی اور اہل اثر کو متوجہ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

انگریزی دور میں جب پہلی مرتبہ گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون بنا تو شیخ نے اس سے سخت خطرہ محسوس کیا اور اس کے خلاف ایک رسالہ " قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم " تحریر فرمایا یہ قانون اول اول دہلی میں نافذ ہوا تھا۔ رسالہ ۱۳ محرم سنہ ۱۳۵۰ھ یکم جون سنہ ۱۹۳۱ء) کو لکھا گیا، اس میں اپنے نام کے ساتھ مجروح القلب "لکھ کر دستخط کیے، جس سے ان کے جذبہ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔

آزادی ہند کے بعد سنہ ۱۹۴۸-۴۹ کے سنین میں پھر حکومت کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون دوبارہ سامنے آیا تو شیخ نے پھر اس کا پورا نوٹس کیا اور اس کے دور رس اثرات کو بھانپ لیا اپنے ایک مکتوب میں جو ۳ جمادی الثانی ۶ اپریل سنہ ۴۹ء کو لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

روز افزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے گا تو شاید نہ رہ سکے اور اس کا کوئی حل نہیں ملتا آج کل مجھ پر جو چیز زیادہ مسلط ہے ۔وہ مکاتب کا مسئلہ ہے۔ ہر جگہ جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کے بچوں پر لوگوں کا زور ہے، اور سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس سے کہا جائے اور کیا کہا جائے جن سے امیدیں وابستہ ہو سکتی تھیں، ان سے جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے وہ بہترینؑ لچھے دار اور زور دار تقریر سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکاتب کا یہ سلسلہ محض اضاعت اوقات ہے، بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے قومی تعلیم بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے جس درجہ کی سر سید کے خیال میں انگریزی کی بھی نہیں آئی ہو گی واللہ المستعان"

اسی طرح وہ مسلک توحید و اتباع سنت و رد بدعات کے شدت سے حامی و محافظ تھے جو ان کو وارثاً و تعلیماً و تربیتاً اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ سے ملا تھا، ہندوستان کی آزادی و تقسیم ملک کے بعد کچھ سیاسی و انتظامی مصالح کی بنا پر بعض ایسے علماء کی طرف سے جو ہندوستان کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے اور اس ملک میں رہنے کے فیصلے کو ہر مسئلے پر مقدم رکھتے تھے مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے اس سلسلہ کے بعض حضرات نے بزرگان دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے تھے شیخ کو جب اس طرح کی اطلاعات ملیں تو ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ کی شان انقلابات زمانہ اور اپنے اعمال بد کے ثمرات، دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی، اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانہ میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے تا کہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے

عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہوجائے۔

سنہ ۴۴ء میں ایک مرتبہ شیخ کی نظر اخبار "الجمعیۃ" کے اشتہار پر پڑی جس میں شیخ الہندؒ جنتری کا اعلان تھا اخبار کے ایک شمارہ میں اس پر ایک تبصرہ کے دوران لکھا تھا کہ "اس کی بڑی قدر و قیمت اس بات سے ہے کہ اس میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی تصویر ہے اور اس سے کتاب کی ساری قیمت وصول ہوجاتی ہے"۔ شیخ سے رہا نہ گیا اور انھوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ یہ اخبار علماء دیو بند کا پرچہ ہے اور "جمعیۃ علماء" کی قیادت ان کے محبوب ترین اور معزز ترین بزرگوں اور دوستوں کے ہاتھ میں ہے، اس تبصرہ کو دیکھتے ہی ناچیز کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں فرماتے ہیں۔

ایک ضروری امر کی طرف آپ کی اور مولانا محمد منظور صاحب کی توجہ مبذول کرتا ہوں شیخ الہندؒ جنتری کے نام سے کوئی جنتری طبع ہوئی ہے جس کو میں نے اب تک دیکھا نہیں لیکن اس کا اشتہار جمعیۃ کے پرچوں میں اور جمعیۃ نمبر میں طبع ہوا ہے، اگر اب تک نہ دیکھی ہو تو جمعیت نمبر میں اس کا اشتہار ملاحظہ فرمادیں، اس کے متعلق اخبار "الجمعیۃ" ۱۹ اپریل صفحہ ۳ پر تبصرہ شائع ہوا ہے اس میں حضرت مدنی زاد مجدہم کی تصویر کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنتری کی پوری قیمت صرف ایک تصویر سے وصول ہوجاتی ہے۔ مشائخ علماء کے آرگن کے لئے یہ نہایت نامناسب ہے، یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ کریں تو کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں۔ اس کے متعلق اگر آپ حضرات کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو "الفرقان" (۱) اور "تعمیر حیات" دونوں میں تنقید ضروری ہے۔ اس طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابل احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں۔ شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا۔

ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں شرکت کا وعدہ پڑھا، جس سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار "جمعیۃ" تو گویا اس کے پروپگنڈہ کے لیے وقف ہو گیا۔ (مکتوب ۱۱ ربیع الاول سنہ ۷۴ھ)

اس جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ نے بڑے اہتمام و تاکید سے مجھے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ کا رسالہ "تقویت الایمان" کے جو (اس جماعت کے مسلک کا پورا ترجمان ہے اور اس میں توحید خالص کی ایسی کھلی اور طاقتور دعوت دی گئی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) عربی ترجمہ کا حکم دیا سنہ ۱۳۹۳ھ ذی الحجہ میں جب راقم سطور مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تھا مجھ سے ارشاد فرمایا میں اس کتاب کو عربی میں منتقل کروں، میں نے وعدہ کرلیا، لیکن شیخ کو اطمینان نہیں ہوا، عزیزی مولوی سید محمد واضح ندوی کے ذریعہ مجھے پیغام دیا کہ میں مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے سے پہلے اس کام کو مسجد نبوی میں شروع کرجاؤں، چنانچہ عین رخصتی کے دن ۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے جبرائیل و باب الرحمۃ کے درمیان بیٹھ کر حجاج کے ہجوم اور ذکر و تسبیح و درود کے شور کے درمیان میں نے اس کے مقدمہ کا ابتدائی حصہ لکھا اور اسی وقت واضح سلمہ نے شیخؒ کو جن کی نشست باب عمر کے قریب ہوتی تھی جا کر سنادیا (۲)

---

(۱) اسی زمانہ میں "الفرقان" میں اس مسئلہ پر صاف اور واضح انداز میں گفتگو کی گئی، اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔

(۲) یہ کتاب بہت عمدہ ہے حضرت سید سلیمان ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں اس کتاب کو پڑھ کر بہت مستفید ہوا، لیکن اس کتاب کا انتساب حضرت شاہ صاحب کی طرف شاید صحیح نہیں۔ اس پر مختصر بحث حضرت مولانا احمد خانؒ کے سوانح میں گزر چکی ایک دو فقروں پر بہت شور مچایا جاتا ہے جبکہ ان کا مفہوم وہ نہیں جو عوام میں بتایا جاتا ہے۔ بالفرض یہ اگر کتاب شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کی ہو تو اس میں بعض عبارات الحاقی ہیں، جو حضرت شاہ اسماعیل شہید کی نہیں (ارشد)

شیخ نے بڑی دعائیں دیں اور تحسین فرمائی سنہ ۱۳۹۴ھ کی آخری تاریخوں میں ترجمہ مکمل ہوگیا۔ طباعت کے بعد شیخ نے اس کو بڑی تعداد میں خرید کر احباب و خدام میں اور اہل علم میں تقسیم کیا

اسی دینی حمیت اور شرعی حمایت کا نتیجہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسے مسئلے پر جس میں بلاد عربیہ میں بڑا تساہل شروع ہوگیا ہے اور "عموم بلوی" کی کیفیت ہے قلم اٹھایا اور داڑھی کے وجوب پر ایک رسالہ لکھا جس کا عربی میں ترجمہ ہوا اور اہل عرب میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی۔

یہی جذبہ تھا جس نے ان کو جماعت اسلامی کے فکر اور بانی جماعت مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے احتساب اور ان پر تنقید کرنے پر مجبور کیا، جب ان کے علم اور ذاتی تجربہ میں یہ بات آئی کہ ان کے اسلاف و مشائخ نے اپنی بہم کوششوں سے اس تحتی بر اعظم میں خدا طلبی کا جو عام ذوق، محبت الٰہی و عشق رسول کی چنگاری اور اصلاح و تربیت نفس کا جو جذبہ پیدا کردیا تھا، جس کا عمومی اور طاقتور ذریعہ "تصوف" تھا نیز اپنے درس و تلقین، عمل اور تصنیفات سے کسی ایک مسلک فقہی سے وابستگی کی ضرورت کا جو احساس پیدا کردیا تھا اور ہر شخص کے مجتہد بن جانے کا خطرہ کا بہت حد تک سد باب کردیا تھا (جس کا اس انتشار پذیر معاشرہ میں پورا امکان تھا) اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بالخصوص اور سلف کے ساتھ بالعموم حسنِ ظن، اعتماد و احترام قائم کردیا تھا۔ ان تمام کوششوں پر ان تحریروں سے اثر پڑ رہا تھا اور دین کی اصل و بنیاد و حقیقت "تعلق باللہ و عبودیت" "فکر آخرت" اور ایمان و احتساب پر دین کا سیاسی و تنظیمی تصور غالب آرہا تھا تو وہ بے چین ہوگئے۔ اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست کے نام (۲) وہ طویل مکتوب لکھا جو ان کی غیر موجودگی میں مستقل رسالہ کی شکل میں "فتنہ مودودیت" کے نام سے شائع ہوا دوبارہ ان کی تجویز سے "جماعت اسلامی کے لیے ایک لمحہ فکریہ" کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

اسی دینی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جب مصر کے صدر اور قائد جمال عبد الناصر کے اقدامات سے اور قومیت عربیہ اور اشتراکیت کی دعوت سے نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرقی وسطیٰ میں دینی فکر و دعوت ذات نبوی ﷺ اور اسلام کے پیغام سے عربوں کی وابستگی خطرے میں پڑگئی تھی لیکن جمال عبد الناصر کے چند جرات مندانہ اقدامات جن میں اس کو کامیابی ہوئی تھی اور مغربی طاقتوں کو للکارنے کی وجہ سے ہندستان میں علماء کا ایک بڑا گروہ اور بعض ایسی جماعتیں بھی جن کی بنیاد اسلام کی حمیت و حمایت پر پڑی تھی جمال عبد الناصر کی مداح اور مؤید بن گئیں اس وقت حضرت شیخ کی مجالس میں جمال عبد الناصر کے بارے میں کھلے طریقہ پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال ہوتے تھے، یہاں تک کہ رمضان مبارک کے مشغول اوقات میں عشاء کے بعد ایک بھری مجلس میں حضرت شیخ نے محمد میاں مرحوم کا ایک سخت تنقیدی مضمون جو ندوہ کے عربی رسالہ "البعث الاسلامی" میں شائع ہوا تھا بلند آواز سے پڑھوایا اور حاضرین کو سنوایا جو شاید بعض حاضرین مجلس کو گراں بھی گزرا ہو۔ لیکن حضرت شیخ نے پرواہ نہیں کی (۲)

---

(۱) اس سے مراد مولانا زکریا قدوسی گنگوہی مرحوم ہیں جو مدرسہ مظاہر علوم کے قدیم فاضل اور استاذ مدرس تھے شیخ کے قیام مدینہ کے دوران ان کے بعض عزیزوں نے مکتوب کی اہمیت و ضرورت اور وقت کا ایک اہم مسئلہ سمجھ کر اسکو رسالہ کی شکل میں شائع کردیا (۲) حضرت مدنیؒ۔ حضرت رائے پوریؒ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد یوسف بنوریؒ مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ جمال عبد الناصر مرحوم کے بہت مداح تھے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی جو رابطہ عالم اسلامی کے ممبر تھے۔ لہذا ان کی پالیسی عرب قومیت کے بارے میں سخت تھی، جبکہ جمال عبد الناصر مرحوم نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ میرا پہلا ہدف عربوں کو اکٹھا کرنا۔ اور بعد میں عالم اسلام کو اکٹھا کرنا ہے۔ افسوس کہ ان کو اسکی مہلت ہی نہ ملی (ارشد)

ذکر و روحانیت اور وقت کے مسلم مشائخ اور اہل اللہ کی طرف توجہ دہانی

حضرت شیخ باوجود اپنے بلند روحانی مقام اور مرجع خلائق ہونے کے اپنے اہل تعلق کو اپنے وقت کے مستند و مسلم مشائخ بالخصوص شیخ وقت حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کی طرف اصرار و تاکید سے متوجہ فرمائے رہتے تھے اور اس سے ان کا للہیت، بے نفسی اور خلوص کا پورا اظہار ہوتا ہے، میرے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

رائے پور کے متعلق میں بھی اصرار سے عرض کروں گا کہ مشاغل کی مزاحمت کے باوجود کبھی کبھی گنجائش نکال لیا کریں، چچا جان تو تشریف لے ہی گئے۔ مولانا کا وجود بھی چراغ سحری ہے۔ مشاغل تو آدمی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں اس سے کب خلاصی ہو سکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

رائے پور کے جناب کے سفر کی حقیقی اہمیت بندہ کے نزدیک بحث ہے اس کو بار بار کیا عرض کروں بندہ تو بہت ضروری خیال کرتا ہے کہ اہل حضرات وہیں جائیں، جب بھی موقع مل سکے چند روز یکسوئی کے ساتھ ضرور تشریف لائیں۔

اس بار بار کی تاکید کی وجہ یہ تھی کہ حضرت شیخ تمام دینی و علمی و اصلاحی کاموں اور دعوت و تبلیغ کے لیے اخلاص و للہیت، حیات قلبی اور حرارت باطنی کو ضروری سمجھتے تھے جو ان کے نزدیک بمنزلہ اسٹیم کی تھی جس کے بغیر دین کی کوئی گاڑی چلتی نہیں

اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۲۶ دیقعدہ سنہ ۶۴ھ میں تحریر فرماتے ہیں

" انجن میں آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور للہی آگ انہیں درباروں سے ملتی ہے "

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہی ہو گئی۔ ان کے نزدیک کم از کم درجہ یہ تھا کہ ان حضرات اہل اللہ سے کم از کم دل میں کدورت نہ رکھی جائے۔" یہ مضمون ان کی تحریروں میں بار بار آیا ہے اس سوء ظن، کدورت اور اعتراض پر بار بار فکر فرمائی اپنے مشہور رسالہ " الاعتدال فی مراتب الرجال " میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں گا کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔

شیخ کا یہ مشورہ صرف اپنے خوردوں اور نیازمندوں ہی کے لیے نہیں تھا خود بھی بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے اور کئی کئی دن اور کئی وقت رہتے جس زمانہ میں حضرت کا بہٹ ہاؤس (سہارن پور) میں طویل قیام تھا شیخ کا بلاتکلف روزانہ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر فوراً بہٹ ہاؤس تشریف لے جاتے اس اندیشہ سے کہ کچھ تاخیر نہ ہو جائے شام کی چائے جو عمر بھر کے معمولات میں شامل تھی مستقلاً چھوڑ دی تھی حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو بہٹ ہاؤس میں اس کا انتظام فرمانے کی تاکید کی، لیکن شیخ نے اصرار سے منع فرما دیا، اخیر زمانہ قیام رائے پور میں باوجود اس کے کہ سفر خاص حالات و کیفیات کی بنا پر شیخ کے لیے مجاہدہ عظیم تھا ہر ہفتہ کا معمول

تھا کہ جمعہ کی شام کو تشریف لے جاتے اور پیر کی صبح تشریف لاتے (۱)

یہی حال حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تشریف آوری کے موقع پر تھا کہ اطلاع ملنے پر رات کو جاگ کر اسٹیشن تشریف لے جاتے اور وہ اہتمام واحترام فرماتے جو مشائخ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ مولانا کے قیام دیوبند کے زمانے میں وقتاً فوقتاً وہاں تشریف لے جاتے اور ملاقات کرتے۔

دینی کوششوں اور علمی کاموں کی قدردانی اور ہمت افزائی اور علمی ذوق: حضرت شیخ کو اللہ تعالی نے ایسی وسیع القلبی، وسیع النظری اور دین سے نسبت رکھنے والے کاموں کی قدردانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر اس کام کی ہمت افزائی اور اگر ممکن ہو تو اس میں تعاون کے لیے آمادہ رہتے تھے جس میں ان کو دین کا فائدہ یا علم کی ترقی نظر آتی تبلیغی دعوت، مرکزی مدارس، (مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماءؒ) کا تو کیا ذکر کوئی اچھی کتاب یا کوئی صحیح دینی کوشش ان کے علم میں آجاتی تو اس کی پوری داد دیتے اور ہمت افزائی فرماتے۔

میرے سفر امریکہ کی تقریروں کا مجموعہ "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" شیخ نے پڑھوا کر سنا تو فوراً مجھے خط لکھا کہ آپ کی امریکہ کی تقریریں بہت پسند آئیں بڑے غور سے سنا، مگر یہ سمجھ نہیں آیا کہ اہل امریکہ کی ان سے متاثر ہونے کی کیا صورت ہے، آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کردی اور نیاز مندوں نے چند نسخے چھاپ دیے میری تو رائے ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی، عربی، میں طباعت ہوسکے بہتر ہے اس کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے اگر آپ کے ذہن میں اس کی کوئی صورت ہے تو ضرور لکھیں میرا تو یہ خیال ہے کہ اہل خیر کو متوجہ کرکے ایک لاکھ کے قریب نسخے انگریزی، عربی، اردو کے سب تقسیم کیے جائیں۔ اگر لکھنؤ میں اردو میں چھپے تو ایک ہزار میرے ہیں جو پڑتا (لاگت) ہو وہ بھیج دوں گا اور میرے ایک ہزار طباعت کے بعد حاجی یعقوب صاحب کے پاس بھیج دیں

حضرت شیخ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تربیت مدرسین کے انتظام کی اطلاع ملی اس پر تحریر فرمایا۔

"تربیت مدرسین کی خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالی مبارک فرمائے۔ یہ مبارک مجمع موجود ہو تو سلام مسنون"

اکتوبر نومبر سنہ ۷۵ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر پچاسی سال گزر جانے کی تقریب میں ایک عالمی اجلاس ہوا جس میں عرب ملک کے فضلاء داعیان کو خاص طور پر دعوت دی گئی

شیخ نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں بلکہ اس کو بالکل اوڑھ لیا جب تک وہ اجلاس کامیاب اور خیر وخوبی کے کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا۔ شیخ کا پورا دل اس میں لگارہا، ہر آنے جانے والے سے وہاں کے حالات وخیر وعافیت دریافت کرتے تھے۔

لوگوں نے بیان کیا کہ سونے کی حالت میں بھی شیخ کو اس کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے سنا گیا۔ ختم ہونے کے بعد مجھے مبارک باد کا خط لکھا، جس میں بعض خدام سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ اجلاس کس نے کرایا ہے یہ میں نے کرایا ہے۔

خالص دینی کام بلکہ کوئی مفید علمی کام ہوتا تو اس کی ہمت افزائی اور تائید فرماتے اور اس میں امکانی تعاون کے لیے تیار رہتے، میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی شہرہ آفاق کتاب "نزہۃ الخواطر" کی سات جلدیں دائرۃ المعارف حیدر آباد نے شائع

(۱) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ص ۳۱۴

کی تھیں، آٹھویں جلد میں تاریخ وفات تصنیفات وغیرہ کے سلسلہ میں جابجا بیاض تھے جو مصنف کی وفات ہوجانے سے باقی رہ گئے اور ان کا پُر کرنا اور کتاب کا مکمل کرنا ان کے فرض شناس اور سعادت مند اخلاف کے ذمہ تھا، لیکن یہ کام بڑا دشوار تھا صرف ان شخصیتوں کی تعداد کئی سو تھی جن کی وفات مصنف کے بعد ہوئی تھی۔ ناچیز راقم سطور نے فاضل گرامی ڈاکٹر عبدالمعید خان ناظم دائرۃ المعارف کے اصرار سے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور سلسلہ میں اہل علم سے رابطہ قائم کیا۔ اخبارات میں اعلان کیا اور خطوط لکھے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ سے بھی مراسلت کی جن کے یہاں وفیات لکھنے کا بڑا اہتمام تھا اور خود ان کی تاریخ کبیر میں اس کا بڑا مواد تھا

میرے عریضہ کے جواب میں ان کا جو مکتوب آیا اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

میرا بھی دل چاہتا ہے کہ "نزہۃ" کی تکمیل میں جو بھی خدمت ہے وہ موجب سعادت ہے، میں تو آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جن کی وفیات کی تلاش ہے، ایک فہرست مجھے بھی بھیج دیں، مگر آنکھوں نے اس کے ساتھ ہی ٹانگوں نے ایسا معذور بنا دیا ہے کہ نہ اپنے کتب خانے کی کتابیں تلاش کی جاسکتی ہیں اور نہ مدرسہ جاسکتا ہوں۔ نزہۃ کی طباعت کا تو بہت ہی اشتیاق ہورہا ہے اللہ کرے کہ میری زندگی میں طبع ہوجائے اور خدا کرے کہ کوئی سنانے والا بھی مل جائے تو ضرور سنوں گا "ارکان اربعہ" کو بھی ضرور بھیجیں اللہ کرے کوئی سنانے والا مل جائے۔ (مولانا ابوالحسن کی ایک کتاب کا نام الارکان الاربعۃ تھا، جس کا ترجمہ ارکان اربعہ ہے)

ایک دوسرے مکتوب میں جو اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے اور جس میں اس کے بعض حصوں کی رسید ہے تحریر فرماتے ہیں۔

نزہۃ الخواطر کے سلسلہ میں جناب کی خصوصی توجہ کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو جلد از جلد ہم لوگوں تک پہنچائے کہ میں تو انہیں چیزوں کا بیمار ہوں۔

شیخ کا مفید اصلاحی و دینی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ تھا کہ ساری معذوریوں کے باوجود ان کے سننے کے لیے وقت نکال لیتے تھے اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت (جلد چہارم) ایسی حالت میں پہنچی کہ میں لب گور تھا بیٹھنا مشکل سننا مشکل لیکن مجھے آپ کی ہر کتاب کا اہتمام ہوتا ہے اس لیے اس نے مجھے ایسا پکڑا کہ چھ سات روز میں پوری سن لی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے امت کو اس سے فائدہ پہنچائے بالخصوص سلاسل کی تفصیل آپ نے لکھی اس سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے۔

اسی طرح جب عزیزی سید سلیمان حسینی ندوی نے اپنا تحقیقی مقالہ جو جرح وتعدیل کے الفاظ کی تحقیق میں تھا اور جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض میں پیش کیا گیا تھا شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو مجھے فرمایا

عزیز سید سلمان کی کتاب میں نے سرہانے رکھ رکھی ہے اور جب بھی وقت ملتا ہے ایک دو ورق سنتا ہوں اور ارادہ ہے کہ مکمل سنوں گا، میری طرف سے عزیز موصوف کو ضرور مبارک باد فرمادیں

محترمی سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم۔ اے ناظم دارالمصنفین کی کتاب بزم صوفیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

سید صاحب کی کتاب بزم صوفیہ" کے تعارف سے دل خوش ہوا اللہ تعالیٰ ان کی کتاب کو قبول فرمائے اور لوگوں کو

زائد سے زائد متمتع فرمائے میں نے فرمائش کی ہے کہ میرے پاس ایک نسخہ وی پی سے بھیج دیں
" بزم صوفیہ کتاب پہنچ گئی اور باوجود بیماری کے سنی

اپنے اسلاف ومشائخ کے ساتھ وفاشعاری اور خدام احباب کے ساتھ محبت وشکر گزاری کا تعلق

حضرت شیخؒ کے حالات وکمالات میں ایک نمایاں وصف اپنے سلسلہ کے مشائخ اور مربیوں اور محسنوں کے ساتھ وفاشعاری ان کی علمی یادگاروں کی نہ صرف حفاظت بلکہ زیادہ سے زیادہ اشاعت علمی دنیامیں ان کے تعارف اور ان کے علمی ودینی فیوض کے دائرہ کو وسیع کرنے کا وہ بے پایاں جذبہ تھا، کہ انہوں نے حضرت گنگوہیؒ کی بخاری کی تقریرات کو جن کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے قلم بند کیا تھا " **لامع الدراری** " کے نام سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا اس پر خود اپنے حواشی کا اضافہ کیا اور ایک فاضلانہ ومحققانہ مقدمہ لکھا اور ممالک عربیہ میں اس کے تعارف کی غرض سے اس ناچیز سے بھی کتاب کا عربی میں تعارف اور مقدمہ لکھوایا۔

اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کی ترمذی شریف پر تقریرات وتحقیقات کو جو " **لامع الداری** " کی طرح حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی قلم بند کی ہوئی تھی " **الکوکب الدری علی جامع ترمذی** " کے نام سے طبع اور شائع کروایا، اس پر بھی مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا۔

جہاں تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی معرکہ آراء کتاب " بذل المجہود " کا تعلق ہے اس کی اشاعت وطباعت کا تو حضرت شیخؒ پر ایسا غلبہ تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی طباعت کی تکمیل کے بغیر انکو چین ہی نہیں آئے گا۔ جو لوگ اس میں ذرا بھی حامی وشریک رہتے ان کو حضرت شیخؒ کی خاص دعائیں اور خوشنودی والتفات حاصل ہوتا، یہ سب اپنے اسلاف اساتذہ ومشائخ کے وفادارانہ وعاشقانہ تعلق کا کرشمہ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خود حضرت شیخؒ کی مقبولیت وترقی میں بھی اس کو خاص دخل تھا۔

اپنے بزرگوں کے ان آثار علمیہ کی حفاظت واشاعت کے علاوہ ان کے حالات وسوانح کی تدوین اور اشاعت کی طرف توجہ اور اس سے پوری دلچسپی اور وابستگی تھی سلسلہ میں عزیز سعید مولوی محمد ثانی مظاہری ندوی کو حکم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی سوانح نئی طرز تصنیف اور نئے مواد کے ساتھ مرتب کریں اللہ نے عزیز موصوف کو اس کی توفیق دی۔

انھوں نے حیات خلیل کے نام سے (سنہ ۱۳۹۶ ھ سنہ ۱۹۷۶ء) اس کی تکمیل کی۔ مؤلف موصوف اس کو جستہ جستہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں بھیجتے رہے حضرت شیخؒ ان کے نام تحریر فرماتے رہے۔

بعد سلام تمہاری تالیف " حیات خلیل " کا مسودہ مدینہ پاک میں پہنچ کر موجب مسرت ہوا تھا میں اس کو سن سن کر وہاں سے ہی واپس کرتا رہا اللہ تعالی تمہاری اس محنت کو قبول فرما کر دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے ماشاء اللہ تم نے بڑی محنت وکاوش سے حالات تحقیق کے بعد جمع کئے۔

پھر اس کی عربی تلخیص کا اشارہ ہوا اور یہ کام سید عبداللہ حسنی ندوی سلمہ نے انجام دیا

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیاتؒ کی ترتیب میں بھی حضرت شیخؒ کا ایما اور مشورہ اور رہنمائی اول سے آخر تک شامل رہی اور اس میں بھی اسی وفاشعاری کا جذبہ کام کر رہا تھا جو ان کے خمیر و ضمیر میں ودیعت تھا پھر حضرت شیخ کے حکم وایما پر عزیزی محمد ثانی سلمہ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ضخیم و یادگار سوانح، پھر ان کے جوان سال وجواں مرگ فرزند مولوی محمد ہارون کی مختصر سوانح تصنیف کی اور حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی کا پروانہ حاصل کیا۔

یہی حال کم وبیش سب کے ساتھ تھا جہاں تک دعاؤں کا تعلق ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مرتبہ حجاز جاکر حرم شریف میں بچپن کے پرانے پرانے لوگ یاد آئے کاندھلہ میں ایک فقیر مانگنے آتا تھا، یا یہ فرمایا کہ ایک شخص راستہ میں بیٹھا رہتا تھا، وہ بھی یاد آگیا تو میں نے اس کے لیے بھی دعائیں کی انہیں شفقتوں اور نوازشوں کو دیکھ کر اس پرانے جملے کی تصدیق ہوتی تھی اولئک **قوم لا یشقی بھم جلیسھم** "یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا"۔

مدارس عربیہ سے گہرا تعلق : شیخ کی ساری تعلیم و تربیت ذہنی واخلاقی نشوونما اور اکتساب علم وکمال سب ایک عربی دینی مدرسہ کے ماحول یا مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں اور اس کو اپنے قلب وجگر اور اہل وعیال سے زیادہ عزیز رکھنے ولوں کے آغوش میں ہوا۔ پھر انھوں نے ایک مثالی مدرسہ (مظاہر علوم) کا وہ زریں دور دیکھا تھا جب منتظمین واساتذہ مدرسہ، اخلاص وللہیت وایثار وقربانی اور زہد وورع کا پیکر اور طلب صادق، انقطاع ویکسوئی اور طلبِ علم میں انہماک وجانفشانی اور اپنے اساتذہ سے محبت وعقیدت اور اطاعت وانقیاد کا نمونہ ہوتے تھے۔ اسی لیے مدرسہ ان کی فکر و توجہ کا مرکز ان کی تخیلات وتوقعات کا مسکن اور ان کی روح کا نشیمن بن گیا تھا اور وہ اس کو علوم دینیہ کے بقاء مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی ان کو فساد وعقیدہ اور فساد وعمل سے بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔

حقیقت میں انھوں نے آپ بیتی کا سلسلہ مدارس کے اسی دور کی یاد تازہ کرنے اور انھیں خصائص کو دوبارہ پیدا کرنے کے خیال سے مرتب فرمایا اور یہی مضمون جو اس کے زیادہ تر صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن بمصداق

ایک عربی شعر کے ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ

تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

زمانہ کے فساد اور ماحول کی انتشار انگریزی کا اثر ان قدیم مدارس پر بھی پڑا اور وہاں بھی احتجاجوں اور اسٹرائکوں کا دور شروع ہوگیا۔ ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں دار العلوم دیوبند میں اسٹرائک ہوئی اور عرصہ تک انتشار وہنگامہ رہا شیخ نے ان حالات سے متاثر ہو کر مجلس شوریٰ سے استعفیٰ دے دیا اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ۸۶ھ (۱۹۶۷ء) میں خود مظاہر العلوم میں اسٹرائک ہوئی، شیخ کے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی۔ وہ اس موقع پر اکثر یہ شعر پڑھتے۔ اور دوستوں اور عزیزوں کو لکھتے۔

وہ محرم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے

کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائگاں دیکھے

مدرسہ مظاہر علوم ہی میں نہیں، شیخ کو اسٹرائک سے خواہ وہ کسی دینی مدرسہ میں ہو سخت کراہت اور نفرت تھی اور وہ ان طلبہ

---

(۱) شیخ کا مستقل رسالہ (رسالہ اٹرائیک ہے) (۲) رسالہ اٹرائیک (۱) (۳) مکتوب مورخہ ۱۲ رمضان ۱۴۰۰ھ

کو جو اسٹرائک میں قائدانہ حصہ لیں کسی رعایت، حسن ظن واعتماد اور کسی دینی اعزاز کا اہل نہیں سمجھتے تھے چنانچہ سنہ ۱۹۶۹ء میں جب دار العلوم ندوۃ العلماء میں اسٹرائک کی خبر ان کو ملی تو ان کو اس سے بھی صدمہ ہوا اور وہ کبھی ان طلبہ سے منشرح نہیں ہوئے، جن کے متعلق ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ انھوں نے اس اسٹرائک میں حصہ لیا تھا، اس لیے کہ ان کو تمام مدارس دینیہ سے جو صحیح مسلک پر قائم تھے قلبی گہرا تعلق تھا۔ وہ ان میں کسی انتشار واختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور شائد کبائر کے بعد جس چیز کو شیخ کو سب سے زیادہ نفرت تھی اور اس پر غصہ آتا تھا وہ کسی عربی مدرسہ کے طلبہ کی اسٹرائک تھی (۱) مسلسلات کے موقع پر بھی بعض وقت کہہ کر لگایا، کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصہ لیا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اجازت دینے میں بھی ہمیشہ اسی کا لحاظ رکھا گیا کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصہ لیا ہے ان کو ہرگز شرف نہ عطا کیا جائے ان کو اپنے حلقہ ارادت میں لینے سے بھی انکار کیا، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "میں ایسے سوروں سے بیعت کا تعلق ہرگز نہیں رکھنا چاہتا" (۲)

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے دل پر زندگی کے آخری دور میں دار العلوم دیوبند کے اختلاف وانتشار کا داغ لگا پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حجاز کے قیام میں بھی آپ کو اس مسئلہ سے کتنا تعلق خاطر تھا۔

اپنے ایک مکتوب میں جو اس قضیہ کے اپنے آخری حدود سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں

"دیوبند سہارن پور کا ہر وقت فکر ہے کہ میرے بڑوں کے دو باغ ہیں کتنے صلح وفلاح سے اکابر نے لگائے تھے اور ہم نالائقوں نے کس طرح اس کو برباد کرنا شروع کر دیا ہے (فالی اللہ مشتکی) بڑوں کی نصیحت تھی کہ جب تک اخلاص رہے گا پھلے گا پھولے گا اور جب اخلاص نہیں رہے گا برباد ہو جائے گا۔ اس کا منظر اب سامنے آرہا ہے (۳)

اس کے بعد ۲۴ رمضان ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) کے خط میں تحریر فرماتے ہیں

آپ سے ملنے کو اور دیوبند سے متعلق گفتگو کو بہت جی چاہ رہا ہے جب ادھر سے کوئی آتا ہے تو بغیر پوچھے مجھ سے نہیں رہا جاتا اور سن کر طبیعت مکدر ہوتی ہے کاش یہ حضرات حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ وغیرہم کی سوانح عمریاں دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ ان حضرات کی سوانح کے علاوہ کچھ نہ پڑھیں۔

حجاز کے آخری قیام میں ہندوستان سے کوئی آتا یا کوئی ایسا آدمی جن کا ان مدارس سے کچھ بھی رابطہ تھا، ملتا تو سب سے پہلے دیوبند ہی کے متعلق سوال ہوتا۔ افسوس ہے کہ حضرت شیخ کی زندگی میں یہ معاملہ پورے طور پر روبراہ نہ ہوا، ورنہ ان کو بڑی مسرت ہوتی، امید ہے کہ ان کی دعائیں اور ان کا سوز دل رنگ لائے گا اور ان کو اس دنیا میں نہیں تو اُس عالم میں دار العلوم کے اپنے بانیوں کے منشاء اور اپنے مخلص کارکنوں کے عزائم اور خواہشات کے مطابق دین کی خدمت اور علوم شریعت کی اشاعت کا کام پورے انہماک یکسوئی اور تعاون کے ساتھ انجام دینے کی خبر سے مسرت ہوگی۔

لیکن بسیار کوششوں کے باوجود یہ جھگڑا حل نہ ہوا اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق دار العلوم سے علیحدہ ہونا پڑا (ارشد) رشد وہدایت کے مسند نشین حضرات کا ذکر، ان کے اوصاف ذکیہ کا اتصاف، مقامات قرب ویقین میں ان کے اقدام کے رسوخ، حکایت حضور واضطراب، جذب وسلوک کی درمیانی راہ اعتدال کہ

---

(۱) شیخ کا مستقل رسالہ (رسالہ اسٹرائک ہے) (۲) "رسالہ اسٹرائک" (۳) مکتوب مورخہ ۱۲ رمضان ۱۴۰۰ھ

بر نداز پنہاں بحرم قافلہ پھر منہاج نبوت پر ان کی زہبا روی

آنچناں می رو کہ رہبا می پھر اس کی نشان دہی - یہ سب کچھ اس وقت تک ممکن نہیں -

جب تک کہ معیار کتاب وسنت پر نظر دقیق وعمیق نہ ہو درد مندی دل اور ارجمندی فکر نصیب نہ ہو ایک طرف معیار سے وقوف دوسری طرف اس شخصیت کے احوال کا گہرا مطالعہ ، پھر معیار پر انطباق کا سلیقہ ، تینوں بہم نہ ہوں ، بات نا تمام ہی رہے گی ہو سکتا ہے کوئی شخص ان کے خدوخال اور قامت بلند کی سیرت نگارانہ تصویر کشی کر دے ، مگر ان کے اصل کمال وجمال کی مصوری بن نہیں پڑے گی

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حارنم کہ نازش راچساں خواہد کشید

طور "حس سے بھی بے گانگی نہ ہو ، عقل بھی پاسباں رہے طورِ قدس بھی مرکز نگاہ ورہبر فکر رہے نہ محسوس پرستی کا کیف آئے نہ عقل کی مطلق العنانی کا پندار ، تفکر وتدبر طلب ، عبرت خیز حقائق ، افروز ، حکیمانہ آیات کی تلاوت کو گلوکارانہ نغمہ ہائے سحاب اند سحاب " تومثلاً ایک شخث بنا سکتا ہے مگر مخدارات سراپردہائے قرآنی کی دلبری اور دل می پرند پنہانی "کی گہرائی کہاں سے لائے بہر کیف یہ چند سطور معذرت کے ساتھ حاضر ہیں تو دانی حساب کم وبیش را

میں نے زمانہ طالب علمی میں آپ کو دیکھا اور یاد رکھا " جیسا کہ فرمایا - اس میں استعجاب ہی کیا ہے آپ تو اپنے دور کی تاریخی شخصیتوں میں ہیں جن کا بچپن ، جوانی ، بڑھاپا ، سب ہی ممتاز ہوتا ہے - آپ کو بھولنا بڑی ذہنی فرو گذاشت ہوتی اب یہ بڑے اٹھتے جا رہے ہیں ، آپ ہی جیسے حضرات ہمارے اسوہ اور قدوہ ہیں اپنی ادعیہ میں یاد فرمائیں -
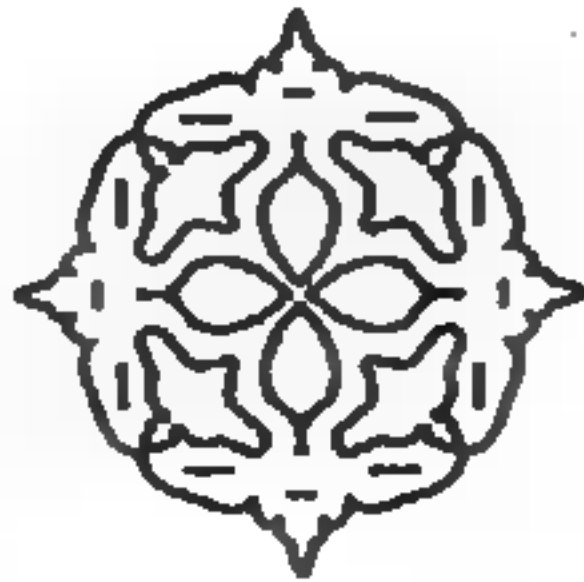
ملفوظات شیخ

ایک جدید انتخاب

اہل اللہ کے اقوال و ملفوظات ان کے فوائد و منافع اور تربیت و اصلاح کے لیے ان کی اہمیت سے اردو قارئین ناآشنا نہیں ہیں۔

ذیل میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات کا ایک مختصر مگر نہایت اہم اور مفید مجموعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو ہمیں سورت گجرات کے ایک باتوفیق خاندان کے ایک باتوفیق فرد سے موصول ہوا ہے جنھوں نے مظاہر علوم سہارن پور میں تعلیم حاصل کی اور حضرت شیخ کے زیر تربیت کافی وقت گزارا۔

انہوں نے اصرار کے ساتھ اپنے نام کا اظہار نہ کرنے کی فرمائش کی ہے بہرحال ہم ان کا شکریہ اور ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کے ساتھ یہ قیمتی تحفہ انہی کی طرف سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

سجاد ندوی

فرمایا: معاصی سے نفرت مرتبہ کے لحاظ سے اونچی چیز ہے، مگر رغبت کے ساتھ اجتناب اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

فرمایا: بعلم اللہ راہ خدا از دو قدم پیش نیست
یک قدم بر نفسِ خود نہ دیگرے در کوئے دوست

اس کی شرح میں فرمایا کہ راستہ بہت آسان ہے نفس پر قدم رکھنے کا مطلب ہے صرف یہ نہیں کہ گناہ چھوڑ دے۔ یہ تو ابتدا ہے اصلی قدم تو یہ ہے کہ لذائیذ کو "حظوظ نفس" کو "تنعمات" کو چھوڑ دے۔

فرمایا: جس جگہ جو چیز نہیں ملتی اس جگہ اسکی قدر بہت ہوتی ہے مثلاً ہندستان میں انگور کم ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جماعت افغانستان کی طرف گئی میں نے اپنی عادت کے مطابق وہاں کے حالات سنے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا وہاں انگور گوشت کے مقابلہ میں بہت سستے تھے چنانچہ ہم لوگ جتنے دن وہاں رہے انگور کھاتے رہے اسی طرح بھائی ۔۔ صاحب! اللہ کے یہاں عجز و انکسار کی بڑائی بڑائی ہے۔ اس لئے وہاں عجز و انکسار کی بڑی قدر ہے۔

فرمایا: معلوم نہیں کہنے کی بات ہے یا نہیں اس لئے کہ عمل کر کے ظاہر کر دینے سے اس کا ثواب جاتا رہتا ہے، مگر اس لئے بتا دیتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے میرا ثواب پڑا جاتا رہے۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں کے مُردوں کو کچھ نہ کچھ ایصال ثواب ضرور کرتا ہوں بمبئی پہنچتے ہی وہاں والوں کو دو قرآن ختم کر کے ثواب پہنچایا۔

فرمایا: بخل، کفایت شعاری اور قناعت الگ الگ چیزیں ہیں بخل تو یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے رُکے کفایت شعاری یہ ہے کہ فضولیات اور لذائذ میں خرچ کرنے سے رُکے اور قناعت یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر راضی رہے۔ یہ نہ سوچے

فلاں چیز مل جاتی تو اچھا تھا یا فلاں فلاں چیز بھی مل جائے۔ ایک صاحب کسی کے یہاں مہمان گئے انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جو کی روٹی لاکر رکھ دی۔ ان صاحب نے کہا اگر نمک بھی ہوتا تو کیسا اچھا لگتا۔ میزبان کے پاس نمک نہ تھا، وہ گئے اور کسی کے پاس اپنا لوٹا رہن رکھ کر نمک لے آئے، مہمان نے کھانا کھا کر کہا یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ماحضر پر قناعت نصیب فرمائی۔ میزبان بے اختیار بول اٹھا "اگر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا رہن نہ ہوتا"

اسم ذات دو ضربی کے متعلق

فرمایا: اگر دل کسی کو دے رکھا ہو تو اللہُ اللہ (ہاء معروف) کہے اور اگر اپنے پاس ہو تو اللہ اللہ (ہاء مجہول) کہے ذوق وشوق بڑھانے کے لئے اللہ اللہ ہے، اور وساوس کو قطع کرنے کے لئے اللہُ اللہ ہے، معروف و مجہول کی تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے۔

فرمایا: کہ یہ عام تجربہ ہے اور میرا بھی مجرب ہے کہ لوگ کسی اللہ والے کو کسی کام کے لئے دعا کو لکھتے ہیں تو وہ کام ہو جاتا ہے، چاہے خط بعد میں پہنچے، غور سے سن! اس کی خاص وجہ ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی دعاؤں کا ایک اہم جزو یہ ہوتا ہے کہ "یا اللہ جس کسی نے اپنے حسنِ ظن سے جو کہ تو نے ہی اس کے اندر پیدا کر رکھا ہے مجھے جس جائز مقصد کے حصول کے لئے دعا کو لکھا ہے یا کہا ہے تو اس کے مقصد کو پورا فرما" اس طرح اللہ تعالیٰ" ان کی دعا کی برکت سے کام بنا دیتا ہے۔

فرمایا: اب میں چاہتا ہوں کہ اجازت دینا بند کردوں، جس کو اجازت دیتا ہوں وہ تو مطمئن ہو کر کام ہی چھوڑ دیتا ہے، اکابر بھی وقت سے پہلے اجازت دینے کے خلاف رہے ہیں لیکن میں نے بہت سوں کو وقت سے پہلے اجازت دے دی، شروع میں بھی جلدی نہیں کرتا تھا۔ مفتی محمود صاحب کو سب سے پہلے اجازت دی ان کی چالیس سال تک رگڑائی کی مولانا منور صاحب کو بھی دیر میں دی میرا تجربہ ہے کہ جن کو اجازت دینے میں دیر کی وہ تو کام کے بنے اور جن کو وقت سے پہلے دی وہ نام ہی کے رہ گئے۔

فرمایا: طواف کرتے وقت یہ تصور کریں بیت اللہ شریف پر انوارات نازل ہو رہے ہیں، اور وہاں سے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اور ہمارے اندر بھی آرہے ہیں، ایک صاحب نے پوچھا اگر طواف کے وقت معیت کا استحضار ہو؟ فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔

فرمایا: حسد گندی چیز پر آمادہ کردیتا ہے اس واسطے سورۂ فلق میں "من شر حاسد اذا حسد" حسد سے خاص طور پر پناہ مانگی

فرمایا: مقدرات کی دعا اپنی جگہ اٹل ہیں مگر پریشانی تو طبعی چیز ہے، ہوتی ہی ہے۔ لیکن پریشانی کے وقت کی دعا، تلاوت اور اذکار بہت وزنی اور قیمتی ہوتے ہیں اس لیے ایسے اہم اوقات کو خوب وصول کرنا چاہیے۔

فرمایا: ہم نے پاک رسول ﷺ کو نہیں پہچانا ان کی تعلیم کو نہیں پہچانا اور جتنا پہچانا اس پر عمل نہیں کرتے۔

فرمایا: میں روحانی علاج میں ایک شیخ کے مرید کے لئے دوسرے کا شغل مناسب نہیں سمجھا کرتا۔

ایک صاحب نے پوچھا مدینہ منورہ میں تو شیخ کی ضرورت نہیں؟ وہاں سرکار ﷺ خود موجود ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ضرورت ہے! طبائع کا انداز یہ ہے کہ محسوس سے اثر قبول کرتی ہیں

ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر کسی کی کل دعائیں قبول ہوں تو کیا کوئی آزمائش تو نہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ" بہت مبارک فرمائے اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں بشرطیکہ اس سے عُجب وغرور نہ پیدا ہو اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ شیطان ہر طرح سے آدمی

کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

فرمایا: کام کا طریقہ یہ ہے سب سے یکسو ہو کر اخلاص سے کام میں لگے رہو مخالفوں سے نہ مناظرہ کرو نہ ان کی باتوں کا جواب دو نہ دینے کی فکر کرو اور نہ محاذ قائم کرو، بس اپنا لگے رہو۔

فرمایا: برابری اور مقابلے کے خیال سے معاشرت اچھی نہیں رہتی چھوٹے بن کر رہنے میں بڑا مزا ہے **من تواضع اللّٰہ رفعه اللّٰہ** رفعت حاصل ہونا لازم ہے، ہو کر رہے گی۔

مدرسہ کی ایک حسابی غلطی پر ایک صاحب دفتر جا کر خوب خفا ہوئے ان سے فرمایا تمہیں مدرسہ اور اہل مدرسہ کا احترام اور بڑائی ملحوظ رکھنی چاہیے تھی۔ نہ یہ کہ دفتر میں جا کر برس پڑے نیز تم نے مدرسہ کے حصہ سے کمی کی رقم وضع کی یہ بھی میرے معمول کے خلاف ہے میرا معمول ایسے موقعوں پر یہ ہے کہ ہمیشہ کمی کی رقم اپنی طرف لگاتا ہوں۔

فرمایا: مدینہ کے قیام کے لئے بڑے اونچے اخلاق کی ضرورت ہے جو ہم میں نہیں ایک بزرگ کو یہ کہنے پر کہ ہمارے یہاں کی دہی میٹھی ہوتی ہے یہاں کی کھٹی، اخراج کا حکم ہوا تھا، کہ وہیں جا کر رہو! جہاں کی دہی میٹھی ہے۔ اور ہم پتہ نہیں دن بھر کتنی گستاخیاں کرتے ہیں، اللہ ہی معاف کرے۔

فرمایا: لوگوں میں کچھ علوشان ہی بڑھ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حقیر ناچیز مسکین کے خوشنما الفاظ میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

فرمایا: تفکرات اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا پاک نام کثرت سے لینا چاہیے، کہ سکون قلب اور پریشانیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔

فرمایا: تعویزات میں اسماء الٰہیہ سے مدد بہت زیادہ مفید ہے اور آخر میں درود شریف سب سے بہترین تعویذ ہے۔

فرمایا: بیعت سے پہلے تو بہت غور وخوض کرنا چاہیے لیکن بیعت کے بعد تاوقتیکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا بدعت نہ دیکھے ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے پھر فرمایا بھئی عیب سے کون خالی ہے؟

فرمایا: ۔ اپنے آپ کو نااہل سمجھنا تو بہت ضروری ہے کسی وقت بھی اپنے اندر اہلیت کا شبہ نہ آنا چاہیے لیکن ایک ساتھ اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ضروری ہے کہیں کفران نعمت نہ ہو اپنی نااہلیت کے اظہار سے زیادہ اپنی نااہلیت کا استحضار زیادہ مفید ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص برا کہے یا اپنی شان کے خلاف کوئی معاملہ کرے مثلاً مجمع میں اعزاز واکرام نہ کرے تو اس پر غصہ نہ آوے نہ دل میں احساس ہو جب تک اس کا احساس اور غصہ آتا رہے گا اس وقت تک اپنی نااہلیت قلبی نہیں زبانی ہے۔

فرمایا: دعائے گنج العرش وغیرہ کتابوں کی اسناد صحیح نہیں، حدیث پاک میں جو دعائیں آئی ہیں ان کو پڑھیں۔

فرمایا: ٹائی پہن کر نماز ہو جاتی ہے، مگر کفار کا لباس ہے اس لئے اتار دینا چاہیے۔

فرمایا: حزب البحر محض برکت کے لئے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اگرچہ احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ مشائخ کے نزدیک زیادہ اونچی ہیں۔

فرمایا: کبھی تو علم بہت اچھی چیز تھی اب علم کا نام ذلت ہو گیا ہے ان مولویوں نے ناک کاٹ رکھی ہے۔

ایک طالب علم کو کسی ناروا فعل کے الزام میں گرفتار کیا گیا، اس کی رہائی کے بعد اس سے فرمایا کہ اگر واقعی یہ سچ ہے اور خدا کرے کہ سچ نہ ہو تو مسلمانوں پر ظلم ہو ہی رہا ہے، اللہ تعالیٰ" اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا، اور اگر یہ سچ ہے تو تو نے تین ظلم کئے۔

(۱) اسلام پر (۲) مدرسہ پر (۳) اہل علم پر

فرمایا: مشائخ سے ان کی گفتگو سے زیادہ فائدہ ان کے سکوت سے ہوا کرتا ہے کانوں کی بہ نسبت دل کی مشغولی بہت مفید اہم اور کارآمد ہے۔

فرمایا: اصل سلوک اتباعِ سنت ہے، عبادات میں، عادات میں اخلاق میں۔

فرمایا: جن لوگوں کا کاروبار سودی ہو اگر ان کی آمدنی سود کے علاوہ بھی ہو تو دعوت اور ہدیہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ساری آمدنی سودی ہو تو بالکل جائز نہیں۔

فرمایا: معمولی درجہ کی بدعات ایسی نہیں ہوتیں جس سے فسخ بیعت کیا جاوے البتہ اونچے درجات کی ایسی ہوتی ہیں جن سے فسخ کیا جاوے بلکہ فسخ ضروری ہے۔

فرمایا: نبی ﷺ کی زیارت سگریٹ کے ساتھ اکثر نہیں ہوا کرتی۔

فرمایا: جس بچے کا حمل نماز کے وقت کی صحبت سے ہو وہ حاق ہوتا ہے یہی علماء نے لکھا ہے۔

فرمایا: ۔ قرض کے لئے "**اللهم اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک**" روزانہ ستر مرتبہ پڑھنا اول آخر درود شریف سات مرتبہ جمعہ کے دن خاص طور سے عصر مضرب کے درمیان پڑھنا اور دوسرے دنوں میں جب بھی ہو بہت مفید لکھا ہے۔

فرمایا: درود شریف کی کثرت رد بدعت کے لئے بہت مفید ہے اور مؤثر ہے

فرمایا: کبر، نخوت، شہرت، حُبِ جاہ، حُبِ مال یہ سب امراض ہیں اور ان سب کو بہت اہتمام سے دور کرنے کی ضرورت ہے اس لئے ہمیشہ مشائخ کی قدیم عادات یہی رہی کہ پہلے مجاہدات سے برے اخلاق وامراض دور کرتے تھے پھر ذکر شغل بتاتے تھے لیکن حضرت مجدد صاحبؒ حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت گنگوہی کے یہاں اس کا زیادہ اہتمام رہا کہ شروع ہی سے اذکار کی پابندی کرائیں کہ اس کی برکت سے اخلاق بھی درست ہو جاتے ہیں۔

فرمایا: دربدر مانگنے میں ذلت ہوتی ہے یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ ذلت اپنی ذات کے لئے ہو تب تو بہت بے جا ہے لیکن اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے کام کے لئے ہو تو انشاء اللہ موجب اجر ہے۔

فرمایا: کسی شخص کو اس کی معذوری کی تحقیق کئے بغیر مجرم قرار دینا یہ الزام ہے، اور الاعتدال (۱) اس کا بہترین علاج ہے ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض لوگ کسی اچھے یا برے کام کو بڑے زور سے شروع کرتے ہیں پھر جب حصول مقصود قریب ہوتا ہے، تو بعض تو لگے رہتے ہیں بعض سرد ہو جاتے ہیں جواباً فرمایا: ابتداء میں تو جذبہ ہوتا ہے پھر طبیعت غالب آجاتی ہے مناسبت والے لگے رہتے ہیں عدم مناسبت والے چھوڑ دیتے ہیں "**کل میسر لماخلق له**" پھر قدرے سکوت کے بعد فرمایا ہر کے بہر کارے

---

(۱) یہ اشارہ حضرتؒ کی تصنیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" کی طرف ہے۔

ساختند

ایک صاحب نے عرض کیا کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کی نسبت خاصہ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ فرمایا مجھے علم نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت حافظ صاحب میں بعض خوبیاں ایسی ہیں گویا حضرت رائے پوری کا نقش ہیں اس کے بعد اُن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کل دوپہر تو خواب میں یوں دیکھا کہ کبھی آپ تشریف فرما ہوتے، کبھی حضرت رائے پوری نظر آنے لگتے، کبھی پھر آپ معلوم ہوتے۔ فرمایا: یہ غایت تعلق ہے اور کچھ نہیں

فرمایا: بزرگوں کی نسبت کبھی ایک کی طرف منتقل ہوتی ہے کبھی متعدد کی طرف البتہ نسبت خاصہ ایک ہی کو ملتی ہے۔

ایک صاحب نے جنھیں تحقیق و تنقید کی بہت عادت ہے، پوچھا کہ حضرت کیا بزرگوں کی آنکھیں نہیں ہوتیں جو وہ ایک چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور پھر کوئی اس کے خلاف کان بھرے تو باور کر لیتے ہیں۔

فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی مومن کو جھوٹا نہیں سمجھتے اسی لئے محدثین کے یہاں صوفیاء کی روایت معتبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص جو آپ کے یہاں کا قدیمی حاضر باشی داڑھی منڈواتا ہے جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت بری بات ہے تم داڑھی منڈواتے ہو اس نے کہا حضرت میرے تو نکلی ہی نہیں ہے (حالانکہ خوب لمبا تڑنگا عمر رسیدہ تھا داڑھی کا منڈا ہونا خوب واضح تھا) جب وہ شاکی آئے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی تم کسی مومن پر تہمت باندھتے ہو بہت بری بات ہے وہ تو کہتے ہیں میرے نکلی ہی نہیں ہے پھر فرمایا میرے پیارے باتوں سے کچھ نہیں ہوتا نہ تحقیقات میں کچھ رکھا ہے نہ تنقیدات میں کچھ دھرا ہے کہاں تک تحقیق و تنقید کئے جائے گا اب تو کچھ کر لے جُوارِ رسول خدا نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے دنیا کی فکر چھوڑ دے اپنی فکر کر لے۔

فرمایا: طالب علم کے لئے نہایت اہم پرہیز تعلقات کی کمی ہے دوستوں سے تعلقات علم کے لئے اور طلب علم کے لئے سم قاتل ہیں، اساتذہ کے احترام میں جہاں تک ہو سکے کمی نہ ہو، کہ اساتذہ کی بے احترامی سے علم کی برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

فرمایا: مجھ سے جس کا بیعت کا تعلق ہے اس کو تسخیر کے عمل کرنے کی میری طرف سے کوئی ممانعت نہیں مگر میں تسخیر کے عمل کا سخت مخالف ہوں اور اس سے اپنے دوستوں کو روکتا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس عمل کا سکھانے والا ماہر اور کامل نہ ہو اس وقت تک ناقص سے سیکھنے میں یا کتابیں دیکھ کر سیکھنے میں خطرات زیادہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص شیر کے شکار کا ماہر نہ ہو شیر پر گولی چلا دے تو کیا حشر ہوگا۔

فرمایا: اجتماعات و اختلاط سے قلب ضرور متاثر ہوتا ہے اس کے علاج مشائخ نے مختلف تجویز کئے ہیں۔ اعتکاف بھی مفید ہے اور اس سے زیادہ مفید اکابر کی صحبت ہے۔

فرمایا: جب خشیت نہیں تھی تو خوب طواف کئے خوب کعبہ کے پردوں سے چمٹے اور جب خشیت آئی تو دور سے ہی خانہ کعبہ کو دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ حرم کعبہ میں ہوتے ہوئے حجر اسود کو جی بھر کر چومنے سے محروم ہیں۔

فرمایا: اپنی زبان کی بہت حفاظت کریں حدیث پاک میں آیا ہے آدمی زبان سے ایک لفظ نکالتا ہے جس کی اس کو پرواہ

نہیں ہوتی کہ کیا کہا بہت سرسری سمجھتا ہے مگر اس لفظ کی وجہ سے وہ جہنم کے آخری طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے " "مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید" اللہ کے دو سی آئی ڈی ہروقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں جو ہر چیز لکھتے ہیں، ان کا لکھا ہوا سب دفتر موجود رہتا ہے جس کی کوئی تغلیط بھی نہیں کر سکتا نہ اس کو کوئی جھٹلا سکے۔

قصیدہ بردہ سنتے ہوئے فرمایا عشق بہت مبارک چیز ہے اگر کسی کو ہو جائے بس جگہ غلط نہ ہو۔

فرمایا: موثر حقیقی کا اعتقاد تو ہر کسی مسلمان کو ہونا چاہیے میرا معاملہ یہ ہے کہ دوا علاج یا تو میں تعمیل امر نبوی ﷺ میں کرواتا ہوں یا دوسروں کی خاطر میں، باقی ان دواؤں سے ہوتا ہواتا کچھ نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ---صاحب پوچھتے ہیں کہ ہمارے عیوب کا پتہ ہمیں تو چلتا نہیں اس لئے حضرت ایسے عیوب کی وضاحت فرمادیں جو اس راہ میں خاص طور سے رکاوٹ بنتے ہوں فرمایا بھئی مجھے خود اپنے عیوب معلوم نہیں ہوتے چندے سکوت کے بعد فرمایا۔

متفرق اشعار

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب دو اند ز فرمودہ برروئے آب
یکے آنکہ دو جمع بد بیں مباش دوم آنکہ در نفس خود بیں مباش

ایک دن طواف سے فارغ ہو کر قاضی عبد القادر صاحب کا معلوم کیا پتہ چلا کہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے آنے پر فرمایا قاضی جی کیا تھک گئے پھر خدام سے فرمایا سنو بے لونڈو!

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
جو جائیں اپنی خلوت میں. تو جلوت کا مزا آئے جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

ایک دن بڑے سوز و رقت سے فرمایا

مرا در دیست اندر دل چو می گویم زبان سوزد
اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

ایک صاحب کے ہندوستان. کے حالات دریافت کرنے پر فرمایا

سراسر دل دکھانا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

ایک قریبی عزیز کو ہندوستان کا حال زار بتاتے ہوئے فرمایا

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ جو ہے خراب تیرا ہی گھر نہ ہو

ایک صاحب نے ہندوستان سے دوران قیام مدینہ خط لکھا جس میں سہارن پور کے حالات دگرگوں اور مسلمانوں کے تفرقے اور انتشار کی خبریں لکھیں تو فرمایا۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہمار رہے

ایک خادم جو زیادہ سوتے تھے فرمایا:

جو ہو فرقت کی بیتابی یہ خوابِ گراں کیوں ہو

قدرے توقف کے بعد فرمایا:

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
عمر بھر سویا کرے گا خاک کے سایہ تلے

ایک خادم نے جب انتہائی مسکین صورت بنا کر معافی چاہی اپنے کسی جرم کی درآنحالیکہ حضرت کے بہت چہیتے تھے تو فرمایا:

روز محشر اس کا دامن چھوڑ ہی دینا پڑا
دیکھ کر اتنا کہ منہ اترا ہوا قاتل کا تھا

ایک صاحبزادہ صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے شعر تحریر فرمایا:

یہی دن ہے دعا لے لو کسی کے قلب مضطر کی
جوانی آ نہیں سکتی میری جاں پھر نئے سرے سے

ایک سفر کا نظام بنتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس جگہ کو تو حضرت کا بھی جی چاہتا ہو گا فرمایا۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

کچھ توقف کے بعد مکمل شعر دہرایا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

ایک خادم روٹھ کر چلے گئے اور کئی روز نہ آئے تو ان کا حال دریافت فرمایا۔
کسی نے بتایا وہ کہہ رہے تھے اب نہیں آؤں گا فرمایا:

کچھ وہ کھنچے کھنچے سے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

پھر جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا:

نہ ملئے گا نہ ملئے گا کوئی ہم مر نہ جائیں گے
خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

پھر فرمایا:

تمہاری جو ہم بن گزرتی ہے خوش ہماری بھی تم بن گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز بہلتے بہلتے بہل جائے گی

ایک لاڈلی نواسی کو کسی چیز کے عنایت فرمانے پر جب اس نے حسب عادت نازو نخرہ کیا تو اصرار کرتے ہوئے فرمایا:

ہے یہی شرط وفاداری کی بے چون وچرا
تو مجھے چاہے نہ چاہے میں تجھے چاہا کروں

ایک صاحب سے فرمایا جو تنقید واعتراض کے بہت عادی ہیں:

کہاں تک روئے گا اے جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کرلے تو، پرائے غم سے تو فرصت نہ ہوگی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا نظام سفر کچھ پتہ نہیں چلتا حضرت کچھ صاف بات نہیں فرمادیتے؟ فرمایا

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

ایک خاص متعلق کو قیام مدینہ کے دوران تحریر فرمایا:

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم

"کچا گھر" مشترکہ پلیٹ فارم

اللہ تعالی نے شیخ الحدیث کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ ملک کی آزادی سے پہلے مختلف سیاسی مسلک رکھنے والے اکابر سے انکا یکساں تعلق تھا، یہ حضرات جب سہارنپور آتے تو عموما حضرت شیخ کے مہمان ہوتے اور قیام فرماتے کہ ان کا مشہور مقولہ تھا "کچا گھر" (یعنی میرا گھر جو اس زمانے میں بالکل کچا تھا اور اسی نام سے اب تک مشہور ہے) مشترک پلیٹ فارم ہے ساری گاڑیاں اسی پلیٹ فارم سے گزرتی ہیں لیگ کی ہو یا احرار کی ہو کانگریس کی ہو یا جمعیت کی ہو
(آپ بیتی نمبر ۴ ص ۶۳)

مکتوبات شیخ

ملفوظات کے بعد اب قارئین کرام مکتوبات شیخ ملاحظہ فرمائیں ۔ حضرت شیخ کے مکتوبات ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں اہل تعلق کے پاس محفوظ ہیں ہمارے سامنے بھی مکتوبات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا لیکن اس نمبر کی محدود گنجائش کے پیش نظر ہم نے چند مکتوبات کا انتخاب کیا

(۱)

پہلا مکتوب کلکتہ کے ایک صاحب کے خط کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے اپنی کچھ پریشانیوں کی شکایت کی تھی اس مختصر سے مکتوب میں پریشانیوں کے اسباب اور ابتلاء کے وقت ایمانی طرز عمل کی پوری وضاحت آگئی ہے ۔

ولیبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ۔الایۃ

عزیز گرامی قدر و منزلت حافاکم اللہ بعد سلام مسنون واوعیہ صالحہ تمہارا پریشانیوں کا خط پہنچا ان حالات سے جو تم نے لکھے رنج وقلق فطری اور طبعی چیز ہے ۔ اور ہونا چاہیے اور صرف تمہیں اور تم سے تعلق رکھنے والے سبھی کو ہونا ضروری ہے اور خاص طور سے یہ ناکارہ آپکے والد صاحب کے احسانات کا دبا ہوا ہے ، اس لئے فطرۃً بھی رنج ہوا اور میرے لئے تو شرعاً بھی رنج ضروری ہے

لیکن تمہارے خط میں ایک بات ہے کہ ہم نے کسی کا حق نہیں مارا کسی پر ظلم نہیں کیا وغیرہ وغیرہ پھر یہ دمادم نقصانات کیوں ہو رہے ہیں میری عقل کام نہیں دیتی "

اس میں دو عمل قابل لحاظ ہیں اولا یہ کہ آدمی کو اپنی غلطیوں پر کبھی احساس نہیں ہوا کرتا ، یہ دعویٰ کہ کسی پر ظلم نہیں کیا گیا کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی وغیرہ وغیرہ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور تمہارے والد صاحب کے معاملات کی وجہ سے قوی امید یہی ہے لیکن اس کے باوجود آدمی کو کسی وقت اپنے خطا اور قصور سے بری نہ سمجھنا چاہیئے ۔ اللہ جل شانہ کی پاک بارگاہ میں قصوروں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ گناہوں سے توبہ اور اندرون دل سے معافی کی درخواست کرتے رہنا چاہیے حضور پاک ﷺ تک سے یہ دعا نقل کی گئی ہے کہ یا اللہ ! جس بندہ کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو یا میں نے اس کو کچھ برا بھلا کہا ہو یا مارا ہو تو مجھے معاف فرما اور اس کو اس کے لئے مغفرت اور رحمت کا سبب بنا ۔ جب سید الکونین رحمۃ العالمین ﷺ بھی اپنے متعلق یہ دعا کرتے رہے ہوں تو میرا یا تمہارا کیا منہ ہے کہ کہیں کہ ہم نے کسی پر زیادتی نہیں کی یا حق تلفی نہیں کی ۔

اس کے علاوہ اگرچہ تام قاعدہ یہی ہے کہ اپنی بد اعمالیاں پریشانیوں کا سبب ہوا کرتی ہیں قرآن پاک کا ارشاد ہے :

ما اصاب من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ۔ آیۃ

لیکن یہ کلیہ نہیں اگر یہ کلیہ ہوتا تو انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو فقر و فاقہ اور پریشانیاں نہ ہوتیں ۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے

اشد بلاءالناس الانبیاء ثم الامثل فالامثل :

کہ بلائیں سب سے زیادہ انبیاء پر آتی ہیں ۔ پھر جو افضل ہو اور ان کے بعد جو افضل ہو ۔ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول

اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے حضور ﷺ نے فرمایا پھر فقر کے لئے تیار رہو اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر اتنی زور سے دوڑتا ہے، جتنا پانی نیچے کی طرف زور سے چلتا ہے اسلئے یہ سمجھ لینا کہ پریشانیاں وغیرہ ہمیشہ سزا ئیں ہوتی ہیں - صحیح نہیں ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ کے والد کے اعمال حسنہ میری نگاہ میں بہت زیادہ ہیں اسلئے رفع درجات کے لئے یہ بھی ایک ابتلاء ہے جو وقتی ہے انشاء اللہ جاتی رہے گی گھبرانا تو ہرگز نہ چاہیے اپنی کسی تدبیر پر یہ اعتماد ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ فلاں تدبیر ضرور کار گر ہوگی تدابیر صرف اسباب کا درجہ ہیں - ان میں اثرات پیدا کرنا اللہ تعالیٰ "ہی کے قبضہ قدرت میں ہے - اللہ تعالیٰ تمہاری بہت مدد فرمائے یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی دعا بہت اہتمام سے مانگنا چاہیے، اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اثر بعض دفعہ دوسری صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ احادیث کا مضمون کثرت سے آیا ہے درود شریف کی کثرت بالالحاظ تعداد مکارہ سے حفاظت اور مقاصد میں کامیابی کے لئے بہت مفید اور مجرب ہے خود بھی اہتمام کریں اور احباب و متعلقین کو بھی تاکید کریں --فقط ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

(۲)

ایک مکتوب کلکتہ سے آیا جس کا مضمون تھا کہ یہاں دو گروہوں میں قیام اور عدم قیام کا جھگڑا اسی پر ہے کہ حضور ﷺ حاضر ناظر ہیں یا نہیں اور فضائل درود واقعہ (۴۲) میں علامہ سخاوی نے ابوبکر بن محمد سے جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں الفاظ درود صلی اللہ علیک یا محمد حرف خطاب ونداء کے ساتھ ہے جو حاضر کے لئے بولا جاتا ہے تو اس درود کا پڑھنا جائز ہوگا کہ نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ حاضر نہیں ہیں بمعناہ ذیل میں جو مکتوب شیخ نقل کیا جارہا ہے وہ اسی خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا -

عنایت فرمائیم سلمہ بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا آپ کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا اسلئے فضائل درود میں جو درود صلی اللہ علیک یا محمد ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو نہ حاضر بتایا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی شبہ ہوسکتا ہے جبکہ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون ہے کہ کوئی شخص غائبانہ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس درود کو فوراً پہنچاتے ہیں اور درود شریف بھیجنے والے کا اور اس کے باپ کا نام لیتے ہیں - یہ ایسا ہے جیسا ڈاک کے خطوط میں کوئی شخص کسی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ لکھے حالانکہ لکھنے والے کے ذہن میں یہ واہمہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کے پاس موجود ہے اسی طرح سے خطوط میں جو الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ آپ بہت یاد آرہے ہیں آپ کی خدمت میں فلاں چیز بھیج رہا ہوں وغیرہ وغیرہ - یہاں ان کو حاضر وناضر کوئی نہیں سمجھتا اور بریلویوں سے جھگڑا یارسول اللہ کے لفظ پر نہیں بلکہ اس خطاب کے وقت قیام پر ہے کہ وہ اعتقاداً عملاً یہ سمجھتے ہیں دیگر حضور ﷺ اس وقت مجلس میں تشریف فرما ہیں اس لئے قیام کرتے ہیں، دیگر اہل علم سے بھی تحقیق کرلیں، اکابر کے کلام میں اس قسم کے الفاظ کثرت سے ملیں گے اسی رسالے میں ملاجامی کے اشعار میں میں ترحم یا نبی اللہ کا لفظ ہے اور بھی بہت کثرت سے الفاظ ملیں گے مگر کوئی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا

فقط ۲۳ صفر ۹۰ھ

ذیل میں ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا جارہا ہے جس میں حضرت شیخؒ نے تقریبات نکاح شرعی طور پر منعقد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

مختصر یہ کہ لوگوں کی طعن تشنیع کی ہرگز پرواہ نہ کرنا مقامی لوگوں کی دعوت وغیرہ کا ہرگز اہتمام نہ کرنا۔ البتہ آنے والے مہمانوں کو ضرور اکرام کرنا، اور مقامی لوگوں میں جو شخص کوئی فقرہ کسے اس کی پرواہ نہ کرنا۔ تفصیلات تو بہت لمبی ہیں سب کے لکھنے کے لئے بہت بڑا دفتر چاہیئے حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ بابرکت نکاح وہ ہے جو بہت آسان ہو دلہن کے کپڑوں میں بھی زور نہ دکھلانہ، ایک دو جوڑے باقی معمولی، البتہ زیور ایسا ہو کہ جس میں گھڑائی کا زیادہ خرچ نہ ہو مالیت زیادہ ہو تو میں مخالف نہیں، ایسے زیوروں کا مخالف ہوں جن میں گھڑائی بہت ضائع ہو، لوگ طعن و تشنیع کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے۔

لہذا اس کی بالکل پرواہ نہ کرنا۔ قرض سے جہاں تک ہوبچنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری مدد فرمائے تمھیں معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم اس ناکارہ کے یہاں کتنا رہتا ہے۔ لیکن شادی کے نام سے یا ولیمہ کے نام سے کبھی کسی کی دعوت نہیں کی اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرمائے باحسن وجوہ تکمیل فرماوے

(۴)

ایک صاحب کو ان کے نکاح پر تہنیتی مکتوب ارسال فرمایا جو درج ذیل ہے

عزیزم سلمہ بعد سلام مسنون محبت نامہ متضمن بنوید جاں فزا تقریب نکاح پہنچ کر موجب مسرت ہوا اللہ تعالی زوجین میں محبت عطا فرما کر اولاد صالح عطا فرمائے۔

اس مبارک تقریب کو والدین اور برادران کے تعلق میں قوت کا سبب بنائے کمی کا سبب نہ بنائے۔ اہلیہ محترمہ کو خاص طور سے سلام مسنون ومبارک باد کے بعد کہہ دیں کہ دین ودنیا کی سعات اور تعلقات کی خوشگواری اس میں ہے کہ شروع میں خاص طور سے سسرال والوں کے ساتھ بہت زیادہ نیازمندی اور دلداری اور خدمت کا اہتمام کیا جائے یہ ہمارے اپنے گھروں کا خاص طریقہ ہے شروع میں جو لڑکیاں سسرال والوں کے ساتھ چھوٹی بن کر رہتی ہیں وہ ان سب کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرلیتی ہیں، اور جو شروع میں ذرا ناز ونخرے سے رہتی ہیں وہ دلوں سے اتر جاتی ہیں اس کا خیال رکھیں۔

(۵) ایک تعزیتی مکتوب

اسی مکتوب گرامی نامہ متضمن یہ حادثہ جانکاہ پہنچ کر رنج والم قلق واضطراب ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مقدرات اپنی جگہ اٹل ہیں جو آیا ہے جانے ہی کے واسطے آیا ہے اللہ جل شانہ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرماوے پسماندگان کو خصوصاً آپ کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرماوے۔ اللہ تعالیٰ" مرحوم کو بہت بلند درجہ عطا فرمائے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ مرحوم نے جو تکلیف اٹھائی اس کا بھی بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

یہاں تک رنج وقلق کا تقاضہ ہے فطری چیز ہے مگر اس سے نہ جانے والے کو فائدہ ہے نہ رہنے والے کو اس اہم وقت میں جو کچھ بھی ایصال ثواب جانی یا مالی کیا جاوے وہ بہت قیمتی ہوتا ہے اس لئے کہ اس وقت طبیعت دنیا سے متنفر ہوتی

ہے۔ آخرت کا استحضار اور قبر کی منزل کا خیال ہوتا ہے اسلئے جو کچھ صدقہ کیا جاوے یا پڑھا جاوے بڑا کار آمد اور قیمتی ہوتا ہے

فقط

(۶)

ایک مکتوب میں حضرت نے معمولات کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی اس کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایا جائے۔

معمولات کی پابندی احوال کی تبدیلی کے لئے لازم ہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک نام بغیر اثر کے رہ جائے، البتہ تبدیلی کا احساس دیر میں ہوا کرتا ہے۔ قلب پر جتنی زیادہ کدورت ہوگی اتنا ہی اثر دیر میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا پاک ذکر قلب کی صفائی کا واحد ذریعہ ہے کپڑے پر میل کم ہوتا ہے تو جلدی صاف ہو جاتا ہے اور جتنا زیادہ میل ہوتا ہے تو اتنی ہی دیر میں صفائی ہوتی ہے اس لئے اثر محسوس ہو یا نہ ہو معمولات کی پابندی بھی اہتمام سے کرتے رہیں۔ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ زیارت حرمین شریفین کے سوا چارہ نہیں۔ یقیناً حرمین شریفین کی زیارت موجب برکات و ترقیات ہے اور اسباب مساعد ہوں تو ضرور ارادہ کریں لیکن قلب کی صفائی جتنی اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اتنی کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ اللہ جل شانہ کا پاک نام چاہے جتنی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے جتنا ہو سکتا ہے اس میں کسر نہ چھوڑنا چاہیے۔ یہ چیزیں روحانی غذا ہیں اور ان کا ترک روح کی ضعیفی کا سبب ہے اور ان کی پابندی روح کی قوت کا سبب ہے جیسا کہ مادی غذاؤں میں اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غذا چھوڑتا ہے تو ہر شخص مصر ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور کھالو ورنہ ضعف ہو جائے گا یہی حالت روحانی غذا کی ہے بالکلیہ تارک نہ ہونا چاہئے، اگر مجبوری سے کمی ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

(۷)

مؤرخہ ۲۶ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ مطابق ۲۱ مئی ۷۱ء بروز جمعہ بعد عصر اقدام عالیہ میں مولانا ہارون صاحب صاحب زادہ مولانا انعام الحسن دامت برکاتہم کو بیعت کی اجازت فرما کر مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب سے مندرجہ ذیل مکتوب لکھوایا۔

مکرمان و محترمان مولانا انعام الحسن، مولانا الحاج علی میاں و مولانا منظور نعمانی صاحبان مولانا منور حسین صاحب اور مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدفیوضکم۔

بعد سلام مسنون تبلیغی مصالح کی بنا پر آج ۲۶ ربیع الاول ۹۱ھ اقدام عالیہ میں عزیز ہارون کو میں نے توکلاً علی اللہ بیعت کی اجازت دی ہے۔ البتہ دینی مصلحت میں اور تبلیغی مصالحت کی بنا پر اس کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب کی حیات میں نظام الدین یا میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ حُب جاہ اور حُب مال سے بہت زیادہ احتراز کرے اہل دنیا سے ان کی دنیاوی وجاہت کی وجہ سے تعلق نہ رکھے دینی مصالح کی بنا پر اجازت میں تقدیم و تاخیر اکابر سے بھی منقول ہے اور بیک وقت کئی مشائخ کا ایک جگہ موجود ہونا بسا اوقات موجب ترقیات بھی ہوتا ہے تھانہ بھون میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بیک وقت ایک ہی

مسجد میں مقیم رہے۔ اور شیخ الہندؒ اور مفتی عزیز الرحمان صاحب دار العلوم میں بیک وقت موجود رہے۔ یہ ناکارہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب ان کی خلافت کے بعد سے مظاہر علوم میں موجود رہے میرا خیال ہے ہم دونوں کا بیک وقت موجود ہونا دونوں کے لئے موجب ترقی بنا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ کے بعد عزیز مولانا یوسف صاحب اور قاری رضا صاحب رحمہم اللہ اور مولانا انعام صاحب اور حافظ مقبول صاحب کا بیک وقت نظام الدین میں قیام رہا۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان عزیزوں کے بیک وقت قیام کو بھی دونوں کے لئے موجب ترقیات بنائے۔ لیکن زمانہ فساد کی طرف دوڑ کر چل رہا ہے اسلئے میں نے عزیز ہارون کو یہ کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب (اللہ انہیں تادیر زندہ سلامت رکھے) کی حیات میں نظام الدین اور میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے اگرچہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانے میں لوگ مولانا انعام الحسن صاحب سے بیعت ہوتے رہے ہیں۔

چونکہ اس ناکارہ کی بھی اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے اس لئے تم دوستوں کو بھی اس کی اطلاع کردیتا ہوں۔ نیز میرے جستی تنکے میں چچا جان نور اللہ مرقدہ کا وہ عمامہ ہے جو مجھے بیعت کے لئے دیا تھا اسے عزیز ہارون کے حوالے کردیا جائے کہ یہ سیہ کار تو اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا اللہ عزیز کو اس سے تمتع نصیب فرمائے

اس تحریر کی ایک نقل عزیز مولوی احسان الحق کو رائے ونڈ اور ایک عزیز مولوی عبد الرحیم متالا کو بھیج دی جائے۔

فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم
بقلم عبد الحفیظ ۲۶ ربیع الاول ۹۱ھ

(۸)

ایک مدرسہ کے ذمہ دار کے نام مکتوب میں شیخ نے ۱۰ انتہائی ضروری اصولی ہدایات فرمائی تھیں۔ مدارس اور دوسرے اجتماعی کاموں کے ذمہ دار حضرات کے لئے یہ مکتوب خاص طور پر مفید ہوگا۔

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم
ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ واومض البرق الظلماء من اضم

عزیز گرامی قدر صاحب بعد سلام مسنون تمہارے خط نے مدرسہ کی یاد ایسی بھڑکائی کہ تھوڑی دیر کو تو بے چین کردیا اور مدرسہ کے لئے بہت اہتمام سے دعا کرتا ہوں کہ عمر کے سارے دور بچپن جوانی کھولیت ضعف پیری تقریبا ۶۵ سال مدرسہ میں گزرے تو اس کے بارے میں غفلت تو بہت دشوار ہے البتہ چند بہت اہم مشورے اپنے تجربات سے ضرور لکھواتا ہوں

۱۔ بڑے فتنہ کا زمانہ ہے غیر معمولی امور میں سرپرستوں سے مشورہ کا بہت اہتمام رکھیں تاکہ تمہارے لئے وقایہ بنا رہے۔

۲- اس کو بار بار دوران قیام میں بھی کثرت سے کہتا رہا ہوں - اہتمام کی وجہ سے اب بھی لکھواتا ہوں (الف) اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی کو مدرسہ میں ہرگز ترقی نہ دیں نہ علمی نہ مالی بہت ہی وثوق سے انشاء اللہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت سی جزئیات میں اس ناکارہ کا عمل ہمیشہ یہی رہا ہے جن طلبہ کا مدرسہ سے اخراج ہوتا تھا میں نے کبھی کسی کی سفارش تحریری یا زبانی نہیں کی، البتہ اس سے ضرور کہہ دیتا کہ جب تک تیری معافی ہو یا گھر واپسی اس وقت تک تیرا کھانا میرے ساتھ اس لئے کہ مدرسے کا کھانا بند ہو جاتا تھا اسی طرح کسی ملازم کی ترقی اپنے تعلقات سے نہ کبھی کی اور نہ سفارش کی (ب) اپنے مخالفوں کو کبھی گرانے کا ارادہ نہ کیجیو، نہ ان کی ترقی روکنے کا، میں نے اپنے حضرت کے یہاں اپنے سخت ترین مخالف کی سفارش کی جس پر میرے حضرت کو بھی بہت تعجب ہوا اور میرا خیال ہے کہ میری وقعت میں حضرت کے یہاں اضافہ کا سبب بنا -

۳- تعلیم مدرسہ کا اکابر کے زمانے میں بہت ہی ما بہ الامتیاز تمغہ رہا ہے - مولانا حبیب الرحمان صاحب نے قاری محمد طیب صاحب کے چھوٹے بھائی عزیز طاہر مرحوم کو مدرسہ میں میری نگرانی میں داخل کیا تھا اور میرا زمانہ کم عقلی کا تھا جواب بھی باقی ہے - میں نے بغیر پوچھے کہیں جانے پر دو رسید کئے جس کا اس مرحوم کو تحمل نہ ہوا اور آب و ہوا کی عدم موافقت کا عذر کر کے چلا گیا - اس لئے تمہارے لئے عمومی تنبیہ تو مشکل ہے - یعنی ہر شخص کو ٹوکنا لیکن جن سے تعلقات ہوں ان کو ضرور **من رایٰ منکم منکرا فلیغیر ، بیدہ** " الحدیث" کی بنا پر تنبیہ کرتے رہا کریں اور جن سے تعلقات نہ ہوں ان کے لئے عمومی اطلاع نامہ مدرسین کے دستخطوں کے لیے بھیج دیا کریں جس میں کسی کا نام نہ ہو، کہ بعض مدرسین کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس کا سب حضرات لحاظ رکھیں -

۴- مدرسین یا ملازمین بلکہ طلبہ کی بھی بد تمیزیوں سے اعرض سے کام لیا کریں

۵- اگر کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو محض شاکی کی روایت پر اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں اسی طرح کسی کی تعریف پر بلکہ دوسرے ذرائع سے چپکے چپکے سے شکایت اور تعریف کی تحقیق کرلیا کریں -

۶- پارٹی بندی سے تو کون سی جگہ خالی ہے یا ہوئی ہوگی لیکن اکابر کے زمانے میں تو یہ امور دلوں میں یا رازوں میں رہا کرتے تھے اب کئی سال سے زبانوں پر بھی آنے لگے تمہاری زبان سے کسی مجمع میں کوئی ایسا لفظ نہ نکلنا چاہیے جس سے کسی پارٹی کی موافقت یا مخالفت معلوم ہوتی ہو -

۷- مدرسہ کی مالیات کا مسئلہ بہت نازک ہے آخرت میں تو جو ہوگا ہو ہی گا - دنیا میں بھی اس کے ثمرات سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے، اپنی ذات کی حد تک مالیات کے سلسلہ میں بہت ہی احتیاط رکھنا اور ملازمین کو وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ کرتے رہنا - **کلما تکرر فی السمع تکرر فی القلب** - آپ بیتی اول حصہ میں میں نے اکابر کے بہت سے معمولات اس سلسلہ میں لکھوائے تھے ان کو خود بھی ملاحظہ فرمائیں اور اکابر اہل مدرسہ کو چاہیے تعلیمی ہوں چاہے مالی ان کے دیکھنے کی ترغیب بھی دیتے رہا کریں -

۸- اکابر کا طرز اگرچہ تم نے اکابر کا دور بہت ہی کم دیکھا ہے مگر اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو خوب دیکھا ہے انکو(

رحمۃ اللہ علیہ) اکابر کے اتباع کا بہت ہی اہتمام تھا ان کے طرز عمل کو اپنانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔

۹- مدرسہ کی شہرت یا اس کے مفاخر خوبیاں تو جتنی بھی چاہے پھیلائی جائیں مگر اپنی ذاتی شہرت اور ذاتی مفاخر کے پھیلانے کا ہرگز ارادہ نہ کریں۔

۱۰- جن سے کسی وجہ سے تکدر ہو معاملات مین گفتگو میں اس کا ظہور نہیں ہونا چاہے خندہ پیشانی سے ضرور ملا کریں چاہے اپنے کو کتنا ہی مشقت اٹھانا پڑے۔ حضرت ابو الدرداءؓ کا ارشاد بخاری میں ہے

انا الی اقوام تلعنھم قلوبنا اوکما قال صلی اللہ چلیہ وسلم

تلک عشرۃ کاملۃ باتیں تو ابھی ذہن میں بہت ہیں مگر اس وقت تو ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں

(۹)

ذیل کا مکتوب بھی اہل مدراس کے لئے بہت مفید اور ضروری نصائح پر مشتمل ہے یہ دراصل مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم درالعلوم دیوبند کے ایک خط کا جواب ہے جس میں انہوں نے نیابت اہتمام کی ذمہ داریوں کی بخوبی ادائگی کی توفیق کے لئے حضرت شیخؒ سے دعاؤں کی استدعا کی تھی حضرت شیخ نے اس کی ایک نقل والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کو بھی بھیجی تھی جس میں مکتوب الیہ کا نام درج نہیں تھا بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ یہ مکتوب مولانا محمد عثمان صاحب کے نام تھا۔

مکرم و محترم زاد مجدکم بعد سلام مسنون! گرامی نامہ مورخہ ۷ اجولائی ۱۴ رمضان آج ۲۷ جولائی ۲۴ رمضان کو پہنچ کر موجب عزت ہوا۔ میری طبیعت تو کئی سالوں سے بہت خراب ہے اور بہت تعجب اس پر ہے کہ جو شخص اپنی صحت اور قوت اور جوانی کے زمانے میں سہارنپور سے رائے پور اور نظام الدین یا چچاجان نور اللہ مرقدہ کے ساتھ میوات چلا گیا ہو کہیں اور نہ گیا ہو، وہ اس ضعف و پیری اور لب گور ہونے کی حالت میں دنیا بھر میں جھک مارتا پھر رہا ہے، مگر جہاں جہاں کا رزق مقدر ہو چکا ہے وہ تو کھانا ہی ہے میں بہت زیادہ بیمار ہوں اور یہاں کی سردی میرے لئے ناقابل برداشت ہے دو دو لحاف اور دودو ہیٹروں کے سائے میں ایک مسجد میں صورت اعتکاف بنائے پڑا رہتا ہوں دارالعلوم میرے اکابر کا لگایا ہوا باغ ہے اس لئے ہر قسم کی ترقی موجب فرحت اور ہر قسم کا خزاں میرے لئے موجب کلفت ہے دارالعلوم کے اختلافات کی چنگاری تو ۱۰-۱۲ برس سے سن رہا تھا، مگر صد سالہ اجلاس کے بعد یہ چنگاری جوالا ہو کر پھوٹی ہے اس نے بہت ہی بے چین کر رکھا ہے بلا توریہ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ دارالعلوم کے موجودہ انتشار اور فساد سے جو بے چینی دل پر گزرتی ہے، وہ اللہ ہی کو معلوم ہے یا میرے ان مخلص دوستوں کو جو شوریٰ کے ممبر ہیں اور مجھے ان سے خصوصی تعلقات ہیں درالعلوم کی صلاح و فلاح کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں مگر حضرت مدنی قدس سرہ کے بقول کہ جب ان سے کوئی دعا کو کہتا تو وہ جوش میں فرماتے کہ اگر میری دعائیں کچھ ہوتا تو انگریز کب کا منہ کالا کر چکا ہوتا۔ اگرچہ حدیث میں **دعوت فلم یستجب لی** کی ممانعت آئی ہے مگر اپنا حال **مطعمہ حرام وشربہ حرام فانی یستجاب لہ**۔ درالعلوم کے لئے تو بہت ہی اہتمام سے دعائیں کر رہا ہوں اور آج سے آپ کے گرامی نامہ سے خصوصیت سے آپ کے لیے دعاء کا وعدہ کرتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کروں گا۔ اللہ تعالی آپ سے دارالعلوم کو اور دارالعلوم کو آپ سے بہترین سرخروئی عطا فرمائے۔ اس اکابر کی یادگار کو

آپ کی مساعی جمیلہ اکابر کے نقش قدم پر چلانے میں کامیاب ہوں۔ ہے تو گستاخی مگر اپنا ایک تجربہ آپ کو لکھتا ہوں انشاء اللہ اگر آپ اسکو اپنائیں گے تو اکابر کی نگاہ میں بھی سرخرو ہوں گے اور معاصرین بھی بے جا اصرار آپ پر نہیں کرسکیں گے۔ اس ناکارہ کا تعلق مدرسہ مظاہر علوم سے یکم محرم ۳۵ھ کو ہوا تھا اور مختلف اطوار سے گزرتے ہوئے ۹۵ھ میں مدینہ منورہ کا تابعیہ مل گیا تھا اس ۶۰ سالہ مظاہر علوم کی مختلف خدمات، مدرسی، صدر مدرسی، مشیر ناظم اور سرپرستی سارے مراحل گزرے مگر ان سارے مرحلوں میں اللہ کے فضل و کرم سے محض اس کی اعانت سے ایک اصول کا بہت پابند رہا کہ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی ملازم یا طالب علم کی مدرسہ میں داخلہ کی سفارش نہیں کی۔ اس ۶۰ سالہ زندگی میں سیکڑوں واقعات طلبہ کے ایسے پیش آئے ہوں گے کہ مدرسہ سے ان کا اخراج ہوگیا۔ ان کے یا ان کے سرپرستوں کے زور دینے پر میں نے صاف انکار کردیا کہ "مدرسہ میں سفارش کرنے سے معذوری ہے۔ البتہ مدرسہ سے مخفی اس مخرج کے کھانے کا انتظام میرے ذمہ ہے۔ سفارش کسی اور سے کرالو" مدرسہ سے مخفی کا راز یہ تھا کہ اہل مدرسہ کو یہ خیال ہوگا کہ ہمارے یہاں کے مخرج کی یہ سرپرستی کررہا ہے۔ اسی طرح سے اپنے کسی مخالف کی چاہے اس سے مجھے کتنی ہی اذیتیں پہنچی ہوں میں نے مدرسہ سے اخراج کی کبھی کوشش تو درکنار اخراج میں ہمنوائی نہیں کی۔ میری سرگزشت میری آپ بیتی میں جو ایک جنگل ہے سیکڑوں نکلیں گی غالباً آپ کی نظر سے بھی گزری ہوں گی۔

ان واقعات کا لکھوانا تو مجھ بیمار کے لیے بہت دشوار ہے۔ ایک الف لیلہ چاہیے مگر میری آپ بیتی میں بہت سے قصے آچکے ہوں گے نمونۃً دونوں لائن کے ایک ایک لکھواتا ہوں دارالعلوم کی ۴۵ھ کی اسٹرائک میں میں نے مظاہر علوم کے سرپرستان کے یہاں کوشش کرکے یہ منظور کرالیا تھا کہ دارالعلوم کا کوئی مخرج مظاہر علوم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں سیکڑوں واقعات اس کے خلاف میرے ساتھ پیش آئے اور یہ میرا اقدام دارالعلوم کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ بقول حضرت مدنیؒ قدس سرہ کے اپنی بزدلی کی وجہ سے تھا۔ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ مجھے بہت طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم مظاہر علوم والے جتنے بزدل ہو ہم دارالعلوم والے اتنے بزدل نہیں اور میں حضرت قدس سرہ کے سامنے اپنی بزدلی کا اقرار بھی بڑی خوش دلی کے ساتھ کرلیتا تھا۔

دارالعلوم کے ۴۵ھ کے واقعہ میں بیسیوں بلکہ سیکڑوں طالب علم اور ان کے اکابر مظاہر علوم میں داخلہ کے لئے آئے۔ ہمارے مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نوراللہ مرقدہ ہر شخص سے یہ کہہ کر الگ ہوجاتے تھے کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں زکریا سے ہے۔ اگر وہ منظور کرلے تو داخلہ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں ہوسکتا، اس زمانہ کے بہت سے واقعات مجھ پر گزرے۔

ایک واقعہ میرے ماموں زاد بھائی مولوی ادریس کاندھلوی کے چھوٹے بھائی موسی مرحوم کا ہوا، اس کے والد اس کو لے کر مظاہر علوم میں آئے اور جب ناظم صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں بلکہ زکریا سے ہے، تو بہت خوش ہوئے کہ معاملہ تو اپنے گھر ہی میں آگیا۔ جب مجھ سے فرمایا کہ اس کا داخلہ کرنا ہے اور میں نے صاف انکار کردیا تو وہ بہت ہی ناراض ہوئے اور مجھ سے بولنا بھی چھوڑ دیا اور عزیز مولوی ادریس مرحوم پر جو اثر ہوتا وہ اور بھی قرین قیاس تھا۔

ماموں جان مرحوم نے فرمایا کہ اگر حضرت تھانویؒ سفارش لکھ دیں تب بھی تم داخل کرلو گے یا نہیں ۔ حضرت تھانوی کے ساتھ ماموں کے بہت گہرے تعلقات تھے اور مجھے یقین تھا کہ یہ ضرور سفارش لکھوالائیں گے ۔ میں نے ماموں جان سے کہا کہ اگر حضرت تھانویؒ نے سفارش لکھی تب تو قبول نہیں کروں گا ۔

کہ حضرت بریدہؓ نے حضور اقدس ﷺ کی سفارش قبول کرنے سے معذرت کردی تھی البتہ اگر حضرت تھانویؒ یہ تحریر فرمادیں کہ میں بحثیت سرپرست حکم دیتا ہوں کہ اس کا داخلہ کرلیا جائے تو میں ضرور کرلوں گا ۔ اور اس کے بعد موسیٰ مرحوم کی نظیر کوئی پکڑے گا تو میں کہہ دوں گا کہ تو بھی حضرت تھانویؒ سے حکم نامہ لکھوالا ۔

اور اس کے بالمقابل دوسرا واقعہ ہمارے مدرسہ کے ایک بہت اونچے آدمی جو حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ کے بھی بہت معتمد تھے ۔ مگر میرے والد صاحب سے بعض وجوہ سے ان کو پرخاش تھی جس کی وجہ سے چچا جان اور مجھ سے بھی عداوت تھی ۔ ہم لوگوں کی بڑی بڑی شکایتیں جھوٹ سچ حضرتؒ کے یہاں کرتے رہتے تھے ۔ والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد چچا جان کے نظام الدین چلے جانے کے بعد یہ ناکارہ ہی رہ گیا جس کی بہت ہی مخالفتیں جھوٹی سچی شکایتیں حضرتؒ سے ہوتی رہتی تھی آخر اکابر کی عداوت رنگ لائی اور انہوں نے حضرت کی مخالفت بھی اپنی علو شان پر شروع کردی ۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے مظاہر علوم سے ان کو نکال دیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں اس مرحوم کی سفارش کی تو میرے حضرت قدس سرہ نے بڑے استعجاب اور حیرت سے فرمایا تم بھی اس کی سفارش کرتے ہو ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بڑے اخلاص سے ، حضرت کا کوئی دینی یا دنیاوی نقصان نہیں ہوسکتا مگر اس شخص کا دین و دنیا دونوں برباد ہو جائے گی دنیا کی بربادی کا کچھ قلق نہیں مگر میں دین کی بربادی کی وجہ سے عرض کررہا ہوں ، حضرت للہ معاف فرمادیں ! حضرت نے میری سفارش تو قبول نہیں فرمائی ، مگر میرا خیال ہے کہ حضرت قدس سرہ کی نگاہ میں اس قسم کے واقعات سے میری وقعت بڑھتی رہی ۔ اس لیے آپ سے بڑی مؤدبانہ درخواست ہے کہ دارالعلوم میں کبھی بھی اپنے ذاتی تعلقات یا ذاتی دشمنی کو حائل نہ ہونے دیں ۔

دوسری درخواست میری یہ ہے کہ دارالعلوم کے مالیات میں ہمیشہ اپنے آپ کو مالک الملک کے سامنے جواب دہی کے لئے تیار رکھیں ۔ میرے بڑے حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا بہت مشہور ارشاد ہے کہ جو بار بار حضرت نے فرمایا کہ میں مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا ۔ ہم سرپرست لوگ مدرسہ کے مال کے مالک تو ہیں نہیں ، معطیان چندہ کے وکیل ہیں ۔ اگر کسی شخص کی ذراسی بدنیتی پر ہم لوگ اپنے تعلقات سے درگذر کریں گے تو اس سے تو معاف ہونے کا نہیں اس لئے کہ ہمیں معاف کرنے کا کیا حق ہے مگر ہماری پکڑ ضرور ہو جائے گی اس لئے دارالعلوم کے مالی معاملات میں آپ اپنے کو بہت ہی بچائے رکھیں ۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے جتنے دنوں مدرسہ میں کام کیا اس کی تنخواہ نہیں لی ۔ میں نے اپنے مرشد حضرت سہارن پوری کے ارشاد پر ابتداء میں لی تھی ، مگر بڑے حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے بحثیت سرپرستی مدرسہ میں لکھا تھا ، تنخواہ بہت تھوڑی ہے کچھ اور اضافہ کردیا جائے ! جس کو میرے حضرت نے یہ کہہ کر منظور نہ کیا کہ مدرسہ کے مصلح

اس سے زیادتی کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر اعلیٰ حضرت نوراللہ مرقدہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجیو! حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ" نے میری اعانت فرمائی اور محض اپنے فضل و کرم سے جتنے دنوں کی تنخواہ میں نے مدرسہ سے لی تھی وہ مالک نے اپنے فضل و کرم سے واپس کرادی اللھم لک الحمد کله ولک الشکر کله اللھم لا احصی ثناء علیک۔

مجھے اس خط کے لکھوانے میں دقت تو بہت ہوئی اور دردسر کی وجہ سے دیر بھی بہت لگی مگر جس اخلاص کی وجہ سے آپ نے اس روسیاہ ناکارہ کو دعا کے لئے لکھا اس سے متاثر ہو کر میں نے بھی اپنے ۶۰ سالہ تجربات میں سے چند لکھوادیے اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ دارالعلوم کو آپ سے اور آپ کو دارالعلوم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ میری اس بے ربط تحریر سے خدا کرے کوئی تکدر آپ کو نہ ہوا ہو۔ اگر ہوا ہو تو معافی چاہتا ہوں میں نے بھی محض اخلاص سے یہ طویل بکواس لکھوادی۔

فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ

بقلم نجیب اللہ ۲۸ جولائی ۸۱ء

اسٹنگر جنوبی افریقہ

(۱۰)

درج ذیل مکتوب شیخ مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کے نام ہے جو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے برادر زادے اور خلیفہ مجاز ہیں حضرت شیخ سے بھی تلمذ اور خاص تعلق کا شرف حاصل رہا۔

مولانا موصوف نے ایک خط میں حضرت شیخ الحدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق اپنے اکابر کے مسلک کی وضاحت کی درخواست کی تھی، جس کے جواب میں حضرت نے درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔

جس واضح اور دوٹوک انداز میں محدثانہ شان کے ساتھ حضرت شیخ نے اس نازک مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس سے حضرت کے علمی ذوق کا باآسانی پتہ چل سکتا ہے۔ اس پہلو سے اس مکتوب کی خاص اہمیت ہے، اور علمی برادری کو اس سے خاص طور پر استفادہ کرنا چاہیے۔

عزیز گرامی قدر عافاکم اللہ وسلم۔ بعد سلام مسنون بذریعہ ڈاک کارڈ صفر جس میں تم نے حیاۃ النبی ﷺ کے متعلق استفسار کیا اور اس کے بعد حاجی ریاض الدین صاحب کی معرفت دستی گرامی نامہ پہنچا۔ حیاۃ النبی ﷺ کے متعلق تو میرا خیال ہے کہ تم نے مولانا حسین علی صاحب (۱) کے خدام سے جو نقل کیا، وہ صحیح ہے اور حضرت اقدس نانوتوی قدس

---

(۱) مولاناشاہ حسین علی صاحبؒ ضلع میانوالی پاکستان کے اکابر علماء مشائخ میں سے تھے توحید اتباع اور سنت اور رد شرک و بدعت کا رنگ غالب تھا۔ ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ تھے جنھوں نے ان کے تفسیری افادات مرتب کرکے دو ضخیم جلدوں میں جواہر القرآن کے نام سے شائع کیا ہے۔

سرہ نے آب حیات میں کیا لکھا ہے؟ اس کے دیکھنے کا نہ تو کبھی ارادہ کیا، نہ آئندہ ہمت، جب سے اکابر کے اس سلسلہ میں واقعات سنے ہیں حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تصانیف کے مطالعہ کی ہمت نہ پڑی دو واقعے ان میں سے تمہیں سناتا ہوں اول یہ کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ کا وصال ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے منطق فلسفہ پڑھانا بالکل بند کردیا اور باوجود اصرار کے نہ پڑھایا اور وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اب تک منطق فلسفہ کی مزاولت اس شوق میں تھی کہ حضرت کی تقریر سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔ اب وہی نہ رہے تو ان میں کون وقت ضائع کرے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ہمیشہ یہ ارادہ، خواہش اصرار رہا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف حضرت شیخ الہند حیاۃ النبی ﷺ سے پڑھیں مگر سنا ہے کہ کبھی تو جواب **ماالمسئول عنه اعلم من السائل** "ملا اوکما قال۔ اور کبھی ہمت کی تو موقعہ نہ ملا۔

ان حالات کے بعد "آب حیات" کے مطالعہ کی تو ہمت نہیں البتہ اپنے اکابر کا عقیدہ جو ہمیشہ سے سنتے چلے آرہے ہیں اور اس میں کوئی تردد نہیں وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے جسد مبارک کے ساتھ قبروں میں زندہ ہیں۔ **فان الله حرم على الارض ان تاكل جسد الانبياء** " **اوكما قال صلى ا لله عليه وسلم** دوسری حدیث میں **نبی الله حیی یرزق** "وغیرہ کثرت سے ہیں اور یہ وہی حیات ہے جو شہداء کے لئے قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے۔

البتہ حسب مراتب ان حضرات کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن وہ دینوی حیات بھی نہیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے حضرت مدنیؒ کی درخواست پر اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد ان سب مسائل میں عرصہ ہوا لکھے تھے۔ المہند کے نام سے والد صاحب کے زمانہ میں تو کثرت سے طبع ہوا کرتے تھے اب ایک نسخہ دیوبند سے منگا کر ارسال ہے رسید سے مطلع کریں۔

فقط

(۱۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے خواہر زادے مولانا سید واضح رشیدی ندوی نے دہلی میں ریڈیو کی اعلیٰ مشاہرہ کی ملازمت محض اپنے دینی شعور واحساس کے تقاضے سے مجبور ہوکر ترک کردی تھی۔ بعض حضرات کا اصرار تھا کہ مولانا موصوف کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے تقرر کیا جائے کہ اس میدان میں ان کی اہلیت مسلم تھی۔ لیکن حضرت مولانا کو لوگوں کی نکتہ چینوں کے خیال سے اس میں کچھ تردد تھا۔ حضرت مولانا نے شیخؒ سے مشورہ کیا شیخؒ نے جواب میں جو مکتوب ارسال فرمایا اس کا ایک اقتباس ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

مدارس کے ذمہ دار ان اپنے اقرباء و متعلقین کے بارے میں جس آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں اس کے متعلق اس مکتوب میں واضح اور معتدل راہ عمل کی دو ٹوک انداز میں تعیین کردی گئی ہے۔

واضح سلمہ کے متعلق میں تو اپنی رائے پر بہت مصر ہوں کہ تنخواہ سے تو وہ صرفِ نظر کریں اور طعن و تشنیع کی آپ پرواہ نہ کریں

غیر کرتے ہیں ملامت دوست کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

میرا مذہب اللہ کے فضل سے شروع یہ ہے کہ فیما بینی وبین اللہ تو معاملہ صاف ہونا چاہیے۔
اور خود غرضی یا اقرباء پروری مدرسہ کے معاملہ میں ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔

میرے مدینے پاک کے قیام میں موجودہ ناظم صاحب نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ طلحہ کا تقرر یا کم از کم سبق پر بہت ہی اصرار کیا۔ میں نے مدینہ پاک سے انکار کر دیا کہ اس میں پڑھانے کی اہلیت نہیں۔ لیکن عاقل، سلمان کے بارے میں خوب گالیاں کھائیں مگر اس کی پرواہ نہ کی اس لئے کہ میرے نزدیک دونوں میں پڑھانے کی اہلیت تھی۔

مکتوب مورخہ ۲۱ ذالحجہ ۱۳۹۲ھ

(۱۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی نے سنہ ۱۹۶۱ء میں مصروشام وغیرہ کا ایک طویل تبلیغی سفر فرمایا تھا اسی سفر کے دوران مولانا مصوف کے نام ایک گرامی نامہ میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا تھا۔

سفر کے احوال سے مسرت ہوتی رہی مگر عربوں کی تقسیم کی وجہ سے بربادی کی حالت سے بہت ہی رنج وقلق ہوا۔ زیادہ رنج اس پر ہوا کہ تمام عالم میں مسلمانوں کی جو بربادی ہو رہی ہے وہ بھی آنکھوں کے سامنے اور جن اسباب پر یہ بربادی مرتب ہے وہ بھی سامنے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود جب اپنی ہی دینی حالت درست نہ ہو سکے بلکہ ہر دن بجائے دینی صلاح کے خود اپنے کو فساد فی الدین والاعمال میں مبتلا دیکھا جائے تو پھر کسی دوسرے کا کیا شکوہ! اور کیا منہ کسی دوسرے سے دینی اصلاح کی امیدواری کا! اللہ تعالیٰ" ہی کی رحمت امت کی صلاح کی طرف صرف اپنے پاک رسول ﷺ کے طفیل متوجہ ہو جائے تو خیر ہے ورنہ بربادیؒ اور ہلاکت تو ہم خود ہی خرید رہے ہیں۔

ازمکتوب مرقومہ ۱۱-۶-۱۹۶۱ء

(۱۳)

دعوت کی راہ کا عملی تجربہ رکھنے والے حضرات اس مشکل سے بخوبی آشنا ہیں کہ ایک طرف دعوت کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ تالیف قلوب کے لئے صرف مثبت طرز ہی اختیار کیا جائے۔ الاہم فالاہم کے اصول کی پابندی کی جائے نرمی اور تیسیر کا لحاظ رہے اور جزئیات اور ظاہری امور پر براہ راست زور نہ دیا جائے ---- دوسری طرف اس کے نتیجہ میں خود داعی کے اندر دین ومظاہر دین اور سنن و مستحبات اور اتباع سلف میں بسااوقات غیر شعوری طور پر تساہل پیدا ہونے لگتا ہے۔

مدارات میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور داعی خود مدعو بن جاتا ہے، اس کی دینی حالت میں پختگی باقی نہیں رہتی اور یہ سب وسوسہ شیطانی سے حکمت دعوت کے دھوکے میں ہوتا ہے ——— ایک عالم دین کے نام جو شرق اوسط میں ایک دعوتی سفر پر تھے، حضرت شیخ نے ایک مکتوب میں اس طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا۔

البتہ گستاخانہ یہ درخواست جناب سے اہمیت سے اور دوسرے درجہ میں رفقاء سے ہے کہ طبیعت بے ارادہ اثر قبول

کیا کرتی ہے۔ تجدد کے اثرات سے بہت تعوذ استغفار فرماتے رہیں ، اور قدامت کو زور سے کھینچنے کی سعی فرماتے رہیں دین میں وسعت بہت پھیلتی جارہی ہے الفاظ تواضع سے یہ چیز آپ سے زائل نہیں ہوسکتی آپ کے تھوڑے سے تسامح سے متعلقین بہت زیادہ مداہنت کرنے لگیں گے۔ اس لئے اس کی بہت سعی تمام سفر میں رہنا چاہیے کہ لوگوں کی دلداری اور ان کو قریب لانے کا جذبہ شوق میں آپ حضرات نیچے نہ اتریں۔

حضرت ابوبکر صدیق کا اسوہ مرتدین کے زور کے زمانہ میں اور حضرت عمر جیسے شدید کو "اجبار فی الجاہلیہ وخوار فی الاسلام کا طعنہ ملحوظ رہنا چاہیے

ازمکتوب مرقومہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ

(۱۴)

(مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ حضرت شیخ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے۔ ان کے نام ایک مکتوب مرقومہ ۲۶ مارچ ۷۵ھ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا۔

اس سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ ذکر و معمولات کی پابندی کا سلسلہ قائم ہے۔ بہت مبارک ہے ترقی کا زینہ ہے اللہ تعالیٰ تمھیں بہت ہی ترقیات سے نوازے جذب وشوق میں یکسانیت کبھی رہا نہیں کرتی اس کا ذکر نہ کریں اس کا مدوجزر تو سب کے ساتھ رہتا ہے البتہ غفلت طویل نہیں ہونا چاہیے۔

اسی مفصل مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرمایا۔

آج کل لوگوں نے توحید مطلب کا مفہوم غلط سمجھ رکھا ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ محبت و عظمت اس راستہ کا جزو لاینفک ہے مگر آج کل احمقوں نے اس کا مطلب دیگر اکابر کی تنقیص سمجھ رکھا ہے۔ یہ نعمت اپنے والد صاحب کے تعلق سے ملی کہ ان کے یہاں سب اکابر کے ساتھ تعلق ایسا تھا کہ کسی بزرگ کی اپنے شیخ کے مقابلہ میں تنقیص محسوس نہیں ہوتی تھی۔ تمھیں بھی خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اہل حق میں سے کسی پر تنقید سے احتراز کرنا۔۔۔

(۱۵)

(ایک بزرگ نے ایک عزیز کو حضرت شیخ کی خدمت میں تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا اور حضرت سے ان کی جانب خصوصی التفات کی درخواست کی، حضرت نے اس کے جواب میں انہیں لکھا۔

"التفات کے متعلق ایک تجربہ کی بات بے تکلف سے عرض ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اس کا تجربہ کیا کہ یہ چیز التفات خواہ کے قبضے کی ہے، التفات کنندہ کے قبضے کی نہیں ہے۔ فافهم

حکمت تربیت

حضرت اپنے متعلقین سے ہمیشہ یہ فرماتے رہتے کہ اب ہمتیں کمزور ہو گئی ہیں ہر شعبہ میں کوئی شخص کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا اپنے لئے طبیعت مزاج اور ضرورت وحالات کے لحاظ سے دین کا ایک شعبہ متعین کر لے اور بقیہ شعبوں کے اکابر اور مخصوصین سے تعلق و محبت خاصہ رکھے۔اس سے ان شاء اللہ الرجل مع من احب " کے تحت سب ہی شعبوں کی برکات اور آخرت میں ان ساتھ نصیب ہوگا اس کا حضرت کو ہمیشہ اہتمام ہوتا کہ جو جس شعبہ میں ہے وہ اس میں کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ حضرت کے مجاز ڈاکٹر اسماعیل صاحب ایلوپیتھیک ڈاکٹر ہیں حضرت کو اگر چہ ساری عمر طب یونانی سے مناسبت رہی مگر اس کے باوجود ڈاکٹر اسماعیل صاحب مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانہ قیام میں جب سلوک کی طرف زیادہ توجہ کی وجہ اپنے فن سے بے اعتنائی برتنے لگے تو ان سے پنے فن کی خاطر خواہ توجہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ڈاکٹر صاحب! جس لائن میں کوئی ہو اسے چاہیے کہ اس لائن کے کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے!

(ماخوذ از مضمون عبدالحفیظ مکی زید مجد)

عبدالرشید ارشد

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اس دور میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ افسوس کہ ان کی علمی خدمات پر جیسا مضمون "بیس مردان حق" میں آنا چاہیے تھا وہ نہ آسکا۔ میں نے مشفق و محترم حضرت مولانا خیر محمدؒ پر سوانحی مضمون لکھنے کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کو منتخب کیا حالانکہ میں اپنے بچپن سے ان کے انتقال تک سیکڑوں مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، پڑھا بھی، اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ پر مضمون لکھنے کے لئے بھی میری نگاہِ انتخاب انہی پر تھی، جیسا کہ خیر الاساتذہ کے مضمون کی ابتدا میں گزرا۔ آنمخدوم کا خیال ایک کتاب مشائخ اربعہ لکھنے کا تھا اس میں حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت بھی تھی مگر موصوف اپنے مختلف النوع مشاغل کی بناء پر ایسا نہ کرسکے، اس پر میں نے سوچا کہ حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء کی پہلی ضخیم جلد انہی کے قلم سے ہے لہٰذا میں نے اس پر نشان لگائے کہ اس کی تلخیص کرلوں لیکن یہ ہمت نہ ہوسکی لہذا مختلف مضامین کو لے لیا گیا ہے گو اس سے ان کی شخصیت کا حق تو ادا نہیں ہوتا لیکن مرتا کیا نہ کرتا گذشتہ تین ماہ میں جو دماغی اور جسمانی کام کیا ہے ایسا نوجوانی میں بھی نہیں کیا۔ اس پر قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔ اقراء ڈائجسٹ نے دو خصوصی شمارے حضرت کی یاد میں شائع کئے تھے، ایک شمارے میں دس سوالات تھے، مجھے بھی خط آیا تھا ان سوالات کا میں نے بھی جواب دیا تھا۔ ان سوال ناموں کا میں نے بھی جواب دیا تھا۔ "سُوت کی اٹّی" کی طرح ذرا تغیر کے ساتھ ان کو بھی شامل کرتا ہوں۔

پہلے سوال پڑھیے پھر جواب

سوالات یہ تھے

۱- حضرت شیخ الحدیثؒ سے آپ کی پہلی ملاقات اور اس کے تاثرات

۲- حضرت شیخ الحدیثؒ کی کس ادا نے آپ کو متاثر کیا

۳- مختصر الفاظ میں حضرت شیخ کی زندگی کے متعلق آپ کے تاثرات

۴- حضرت شیخؒ کی کتاب تبلیغی نصاب کے بارے میں آپ کی رائے۔

۵- حضرت شیخؒ کی زندگی کا کوئی اہم واقعہ جو آپ نے خود دیکھا اور سنا

۶- حضرت شیخؒ کی کوئی اہم نصیحت جو حضرت نے براہ راست آپ سے کی

۷- حضرت شیخؒ کا کوئی ملفوظ جس نے آپ کو متاثر کیا۔

۸- حضرت شیخؒ کی خدمت حدیث کے بارے میں آپ کے تاثرات

۹- حضرت شیخؒ اور اکابر کے تعلق کے بارے میں آپ کے تاثرات

۱۰- حضرت شیخؒ کے تبلیغی اور خانقاہی کام کے بارے میں آپ کے تاثرات

۱- حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ العالی (اب قدس سرہ) اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ العالی (اب قدس سرہ) شیخ الحدیث دارالعلوم اکوڑہ خٹک والوں سے ہی یہ سوال کیا جاسکتا ہے، کہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے آپ کی پہلی ملاقات---- ورنہ یہاں توزیارت کا لفظ موزوں تھا، میں نے آپ کی زیارت، آپ کے پہلے سفرِ پاکستان میں خانیوال ریلوے اسٹیشن پر غالباً چناب ایکسپریس کے ڈبے میں کی، آپ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر تبلیغی جماعت کے ہمراہ ڈھڈیاں حضرت مولانا عبد القادرؒ کے عزیز واقارب سے تعزیت کرنے اور قبر مبارک پر سلام پیش کرنے کے لیے جارہے تھے، کہ حضرت موصوف آپ کی محبوب ترین شخصیت تھے، میاں چنوں اور تحصیل خانیوال (اب ضلع) سے سیکڑوں لوگ زیارت کے لیے آئے تھے، اصل کشش شیخ الحدیث ہی کی تھی بڑی مشکل سے مصافحہ ہوا، آپ دروازے میں آکر کھڑے ہو کر "دینی دعوت" دینے لگے، دل میں آیا کہ یہ حضرت عجیب ہیں کہ ہم تو شیخ الحدیث کی زیارت کے لیے آئے ہیں، لیکن آپ درمیان میں حائل ہوگئے لیکن بعد میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث لوگوں کی آمد کو اور زیادہ با مقصد بنانے کے لیے ہر بڑے اسٹاپ پر ساتھ کھڑے ہو کر زیارت بھی کراتے تھے اور حضرت مولانا اور مجمع پر توجہ بھی فرماتے تھے، تاکہ افادہ اور استفادہ میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو، حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو تبلیغ کا جنون تھا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کو تبلیغ اور حضرت جی مرحوم سے عشق تھا یہی وجہ تھی کہ آپ موصوف سے بیس سال عمر میں اور ہر لحاظ سے بڑے ہونے کے باوجود ان کا اتنا اکرام کرتے تھے کہ ان کی وفات پر ایک مضمون میں فرمایا:-

"کان مملوکی فاضحیٰ مالکی ہذا من اعاجیب الزمان

ترجمہ:- "وہ میرا غلام تھا لیکن (خدا کی شان) مالک ہو گیا، یہ بات عجائبات روزگار سے ہے"۔

۲- حضرت شیخ الحدیث کی علم میں مشغولی اور انہماک کی یہ ادا بہت پسند آئی کہ مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں آپ کے دن گزرتے، بول و براز کے لیے بیت الخلاء کے ساتھ پرانے چپل اور جوتے پڑے رہتے ان کو پہن کر فارغ ہوتے، ننگے پاؤں گھر چلے جاتے، عرصہ گزر جاتا کہ آپ اپنے لیے جوتا نہ خرید لے، یا باہر جانا ہو تو خریدیں- برسہا برس ایک ہی جوڑا ہوتا-

۳- قرن اول سے لے کر اب تک ساری عمر طالب علم بنے رہنے کی جو مثالیں اور حکایات پڑھیں آپ اس کا اس دور میں بیّن ثبوت اور دلیل تھے-

۴- تبلیغی نصاب دنیا میں قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور اردو میں ہر علمی، دینی کتاب سے زیادہ شائع ہونے والی کتاب ہے، جس میں آپ نے فضائل اعمال (اس کا اب نام فضائل اعمال ہی ہے) کے متعلق احادیث، آثار اور سلف صالحین کی حکایات وواقعات کو ایسے دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے کہ باید وشاید، اس کتاب نے لاکھوں انسانوں کی زندگی میں اعمال صالحہ کا ذوق وشوق پیدا کر کے عمل کی بھی توفیق دی، اتنی اشاعت کے باوجود بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ برصغیر کی زبانوں میں خصوصاً ہر زبان جاننے والے تک اس کی پہنچ ہو- ویسے تقریباً بیسیوں زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے مزید ضرورت ہے-

۵- میں نے "بیس بڑے مسلمان" نامی کتاب ترتیب دی جس کا پہلا ایڈیشن قریباً ہزار صفحات کا تھا، آپ کو ڈرتے ڈرتے بھیجی، تھوڑے ہی عرصے کے بعد انڈیا سے ایک خط بذریعہ رجسٹری آیا، یہ مکتوب المخدوم شیخ الحدیثؒ کی جانب سے تھا- لفافہ مضبوط اور

وزنی تھا، فرط شوق سے کھولا تو تحریر تھا، کہ مجھے بچپن سے اکابر کے حالات پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے، کتاب ملنے کے بعد بعض دفعہ ایک ہی رات میں ختم کرلیتا تھا، آپ کی کتاب عصر کے بعد مجلس میں بالاستیعاب سنی گئی، الفاظ اور سنین کی بعض اغلاط ہیں، انہیں درست کرلیا جائے، فل سکیپ سائز کے چار صفحات تھے، خوشگوار حیرت ہوئی کہ حضرت نے اس اہتمام سے سنا، دوسرے ایڈیشن میں تصحیح کردی گئی، گویا "بیس بڑے مسلمان" حضرت شیخ الحدیث کی تصحیح کردہ ہے، کیا یہ اہم واقعہ نہیں، میرے لیے اور کتاب کے لیے، یہ سب سے بڑا اعزاز ہے۔

۷- میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے ملفوظات غیر مطبوعہ پڑھے، اس میں چار پانچ جگہ مرقوم تھا، کہ جب کوئی دین کا کام کرنا چاہیے تو درود شریف کی کثرت رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو اس جانب متوجہ فرمادیں گے جس میدان میں کام لینا مقصود ہے، یہ پڑھ کر میں بڑا پریشان ہوا کہ میں نے تو اس کثرت سے نہیں پڑھا، کس سے پوچھوں اور کام شروع کردیا؟ حضرت شیخ الحدیث کو میرے شیخ سے خصوصی نسبت تھی، آپ کو عریضہ لکھ دیا کہ مکتبہ رشیدیہ میں اکابر دیوبند کی تعلیمات و تصنیفات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے لیے دس سال سے زاید کا عرصہ ہوگیا، اب کیا کروں؟ جواب آیا مبارک کام ہے، لیکن تھوڑے تھوڑے وقفے سے نیت کی تصحیح کرلیا کریں کہ یہ لوگ اللہ کے مخلص بندے اور کتاب وسنت کے خادم اور محبت خدا ورسول میں اس دور میں یکتا تھے، ان کی خدمت کررہا ہوں۔ ابنائے زمانہ کی طرح محض یہ نیت نہ ہو کہ اکابر کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا بنا کر پیش کیا جائے۔

"اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حق شناسی اور ان کے ادب واحترام میں حد سے زیادہ کوتاہی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں، دین کے اول پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے، کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا"۔ (خاتمہ حکایات صحابہؓ)

۸- حضرت شیخ الحدیثؒ کو حدیث پڑھاتے دیکھا اور سنا نہیں، ان کی عربی کی تصنیفات سے استفادے کی استعداد نہیں، جو حدیث کی شرح میں لکھی گئی ہیں، البتہ ان کی خدمت حدیث کی عند اللہ سب سے بڑی مقبولیت کی یہ دلیل کیا کم ہے کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے اس دور تک تمام اکابر تقریباً محدثین تھے لیکن شیخ الحدیث کا لقب آپ کے نام کا جزو بن گیا، اور شاید پوری امت میں یہ اعزاز کسی کو حاصل نہیں ہوا، امام الحدیث، حافظ الحدیث کے لقب سے کئی حضرات امت میں مشہور ہیں، لیکن لقب شیخ الحدیث نام کا جزو بن جائے یہ آپ کا تشخص اور آپ کی خدمتِ حدیث پر شاہد عدل ہے، کہا جائے گا کہ اس لقب سے دیوبندی حلقہ میں مشہور ہیں، تو بادب گزارش ہے کہ اس حلقہ نے برصغیر میں درس وتدریس اور حدیث کی شروح لکھ کر سب سے زیادہ خدمتِ حدیث کی ہے، لہٰذا اس حلقے کا اعتبار کیا جائے گا۔

۹- ہمارے پورے حلقے میں حضرت شیخ الحدیث کے ہم عصر حضرات اکابر ان کے خادم کتاب وسنت ہونے کی وجہ سے ان کا ایسا ادب واحترام کرتے تھے کہ سب اپنی اپنی جگہ آفتاب وماہتاب ہیں، لیکن بعض شخصیات کی اپنی انفرادی اور مثالی حیثیت ہوتی ہے،

حضرت شیخ الحدیث اس بارے میں سب سے ممتاز ہیں اور جن اکابر کی زندگی آپ نے پائی، ان کا آپ سے برتاؤ اس پر گواہ ہے، مثال کے طور پر اکابر میں سے آخری دو بڑی شخصیتیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کی ہیں، جو منجملہ آپ کے اکابر سے ہیں، دونوں آپ کے محبوب اور آپ دونوں کے محبوب رہے ہیں حالانکہ تینوں میں نہ استاد شاگرد ہونے کا تعلق ہے نہ تینوں کی ایک برادری ہے، اور نہ تینوں کسی ایک علاقے کے رہنے والے ہیں، تینوں کے شیوخ اور اساتذہ بھی علیحدہ علیحدہ، بایں ہمہ آپس میں تعلق خاطر ایسا کہ تینوں اوصاف میں مشترک نہ ہونے والی بات کو مد نظر رکھا جائے تو شاید اس کی مثال اہل علماء و مشائخ میں کہیں نہ مل سکے اور یہ سب اس لیے کہ ہر ایک دوسرے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اپنے زمانہ میں سب سے بڑا محب سمجھتا تھا، اس کی امثال سے آپ بیتی بھری پڑی ہے جب اپنے زمانہ کے ہم عصر اکابر سے اتنی یگانگت و محبت ہے تو اپنے شیوخ و اساتذہ سے حضرت شیخ الحدیث کا کیا قلبی لگاؤ ہو گا وہ محسوس کیا جا سکتا ہے، حضرت مدنی کے سہارنپور آنے پر آپ ننگے پاؤں مظاہر العلوم ایسے چلتے پھرتے تھے گویا پاؤں زمین پر نہیں ہیں اور حضرت رائے پوریؒ جب رائے پور ضلع سہارنپور سے پنجاب کا سفر کرتے تو حضرت شیخؒ تقریباً روزانہ صبح کو حضرت موصوف کی خدمت میں خط لکھتے، پہلے پہلے چند خطوط حضرت رائے پوریؒ کے نام لکھے، پھر اس کو سوءِ ادب سمجھ کر آپ کے بھتیجے اور بھانجے کو مخاطب کرتے، اور یاد مقصود حضرت کی ہوتی (یہ خطوط انشاء اللہ جلد شائع ہونے والے ہیں) ایک خط کا ایک عکس اس کتاب میں موجود ہے۔

۱۔ حضرت شیخ الحدیث کا تعلیمی، تبلیغی اور خانقاہی کام کرنے کے بارے میں جو کام ہے وہ آپ کے درس و تدریس اور تالیفی کام کا تبلیغی جماعت سے تعلق اور حضرت رائے پوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ ربط اور رائے پور، تھانہ بھون اور تبلیغی جماعت کے مرکز بستی نظام الدین میں آنے جانے سے ظاہر ہے، آپ تینوں کاموں کو یعنی تعلیم، تبلیغ اور ذکر اللہ کو اس دور میں ہر کام سے اہم جانتے تھے، ذکر اللہ کو قرآن پاک میں "اکبر" فرمایا گیا ہے "ولذکر اللہ اکبر" تو تمام عمر کتاب و سنت کی تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے اور کرانے والا ان مراکز کی طرف لوگوں کو کیوں متوجہ نہیں کرے گا، جہاں ہر دم اللہ کو یاد رکھنے کی تلقین و تعلیم دی جاتی ہو، اور تبلیغ کے متعلق شروع میں گزرا کہ اپنے سے ہر لحاظ سے چھوٹے اور پھر داماد کو اس کی موت پر امیرِ تبلیغ ہونے کی بناء پر یہ سند عطا فرما رہے ہیں کہ مولوی محمد یوسف تو ہوائی جہاز پر اڑنے لگا اور یہ ناکارہ زمین پر پڑا اسکو تکتا رہا (مفہوم) اور پھر وہ شعر لکھا جو اوپر پڑھ آئے ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ "تذکرہ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"الغرض توفیق الٰہی کی سیکڑوں راہیں ہیں، ہدایت و تربیت غیبی کے ہزاروں بھیس ہیں، لیکن سب سے آسان اور پر امن راہ یہ ہے کہ راہنمایان طریق میں سے کسی صاحب ارشاد کی ہمت و صحبت حاصل ہو جائے"۔ (تذکرہ ص ۲۹۸)

حضرت خواجہ معین اجمیری چشتیؒ، حضرت باوا صاحب شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت مجدد الف ثانی اور بعد میں الامام المحدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد بریلویؒ کو مولانا آزاد کے بقول صاحبان ارشاد کی ہمت و صحبت حاصل ہوئی تو انہوں نے اتنا کام کیا۔

ہمارے ممدوح حضرت شیخ الحدیثؒ کا یہ تعلق اپنے استاد محترم حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ تعلق اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوری سے رہا حضرت رائپوریؒ کے آخری چند سالوں میں خانقاہ رائے پور میں ہی سمٹ آیا۔ جمعہ کی شام کو رائے پور تشریف لے جاتے اور پیر کی صبح کو واپس آتے اور اس کے ساتھ تبلیغی جماعت کی سرپرستی کے لیے اکثر بستی نظام الدین جاتے، اور جب پڑھانے سے معذور ہوگئے، تو پھر آپ نے دو کاموں کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا، تبلیغی جماعت کی سرپرستی اور ذکر اللہ کی مجالس کا قیام، (آپ کے ایک مجاز، حضرت مولانا محمد یوسف متالا نے ہولکمب بری (برطانیہ) میں اپنے شیخ کے ابتدائی چندے سے دارالعلوم کی بنیاد رکھی جو شاید غیر اسلامی ملکوں میں سب سے بڑا دینی مدرسہ ہے، وہاں تعلیم اور ذکر دونوں کا برابر اہتمام ہے) اور اس میں مزید قوت پیدا کرنے کے لیے، آپ نے اپنی آخری عمر کا زیادہ حصہ رشد و ہدایت کے سرچشمہ اور منبع مدینہ منورہ میں گزارا، وہاں سے فیض حاصل کرکے پھر براعظم افریقہ، یورپ اور ایشیا کے دورے کئے، لاہور آتے تو قیام بلال پارک میں فرماتے اور پھر فوراً رائے ونڈ تشریف لے جاتے، تاکہ اپنی توجہات باطنی سے تبلیغی مرکز میں رہ کر فیضان ہمت کو پھیلائیں، کوئی مانے نہ مانے تبلیغی جماعت کے پوری دنیا میں اثر و نفوذ میں حضرت شیخ کی توجہ، ہمت اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ تبلیغی نصاب کا بڑا حصہ ہے اور اس کے ساتھ اپنی انتہائی نقاہت اور ضعف جسمانی کے باوجود احسانی قوت کے سہارے دنیا میں جہاں جہاں جاسکے تشریف لے گئے آخری ڈیڑھ عشرے میں جہاں کہیں رمضان شریف آیا، تقریباً ہزار سے دو ہزار افراد اعتکاف کرتے، تاکہ آپ کی ہمت و صحبت حاصل ہو، فیصل آباد کا رمضان شریف تو پاکستان کے ہزاروں لوگوں کو تازندگی یاد رہے گا، یہاں مولانا آزاد کا مذکورہ بالا بیان پھر پڑھ لیجئے اور باور کیجئے کہ چودھویں ہجری کے آخری دو عشروں میں یہ صاحب ارشاد حضرت شیخ الحدیث تھے، جن کی ہمت و صحبت سے سیکڑوں چراغ جلے اور تبلیغ میں جان پڑی "تلک عشرۃ کاملۃ" لیکن جی چاہتا ہے کہ "احد عشر کوکبا" قرآنی الفاظ ہی کی روشنی میں اپنی طرف سے ایک نمبر کا اضافہ کروں، اور یہ کہ حضرت کو خطوط کا جواب دینے کا بڑا اہتمام تھا، خط خواہ میرے جیسا جاہل لکھے یا صاحب علم، جو خطوط حضرت کو لوگ لکھتے، آپ ان کا جواب پہلے خود لکھتے تھے اور آخر میں کسی اچھے خوشنویس سے لکھواتے، اور مسائل کی ہر بات کا جواب دیتے، میں نے چار عریضے لکھے، چاروں کا جواب آیا ایک کا تو حال گزرا، ایک "الرشید کے دارالعلوم دیوبند نمبر" کے لیے مدینہ منورہ لکھا کہ مظاہر العلوم اور دارالعلوم کے ربط و تعلق کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں، کسی رسالہ کے لیے حضرت کی یہ سب سے بڑی تحریر ہے جو میری نظر سے گذری، ایک بات تو وہی لکھی جو "بیس بڑے مسلمان" کے ضمن میں گزری اس کے پورے پانچ صفحہ کا، (۲۹ سطر فی صفحہ) مکتوب تحریر فرمایا، جو بعینہ عکس لے کر نمبر کے شروع میں لگادیا، اب حسرت ہوتی ہے کہ اگر ہزار عریضے لکھتا تو ہزار کا جواب آتا اور یہ کتنا بڑا ذخیرہ ہوتا، آپ بیتی کے پہلے پانچ حصے شائع ہوئے تو میں نے انتہائی شوق میں دو تین نشستوں میں پڑھ لی، جو سچائی، سادگی اور بے تکلفی اس "آپ بیتی میں ہے، کسی میں نہیں دیکھی، یہ پڑھ کر آپ کی عظمت دہ چند ہوجاتی ہے، میں نے دو تین واقعات کے بارے میں ایہام یا اجمال کا عریضہ لکھا، چند دن میں بہت عمدہ جواب آیا، اور یہ بھی لکھا کہ آپ کی فلاں کتاب یوں کیوں ہے تو نہایت بے تکلفی سے جواباً ارشاد فرمایا کہ میرا نواسہ شاہد میری تحریروں پر مسلط ہوگیا ہے اور وہ جو چاہے جو مرضی نام رکھ کر شائع کردیتا ہے، مقصود اس سے یہ ہے کہ حضرت کے ہزاروں خطوط لوگوں کے پاس محفوظ ہوں گے "اقراء ڈائجسٹ" کے فاضل منتظمین کو چاہیے کہ وہ اس کا بیڑا اٹھائیں چاہے اس میں دو سال کیوں نہ لگ جائیں"۔

مفتی مزمل حسین کاپڑیا

حضرت الشیخؒ مہد سے لحد تک

۱۳۱۵ھ ۱۱ رمضان المبارک۔ کاندھلہ کی خاندانی مسجد میں خاندان کے شرفاء و بزرگ اور اہل محلہ تراویح سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے کہ مستقبل کے شیخ الحدیث کی ولادت باسعادت کی خبر ملی

۱۸ رمضان المبارک۔ ولادت کے ساتویں روز بچے کے بال منڈوا کر اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی، عقیقہ مسنونہ کیا گیا، اور بچے کے دو نام رکھے گئے، محمد موسیٰ، محمد زکریا، اسی دوسرے نام نے شہرت پائی، اور آپ اسی سے مشہور و مقبول، عوام و خواص ہوئے۔

عمر مبارک کے ڈھائی سال

آپ اپنی والدہ کے ساتھ گنگوہ منتقل ہوگئے "کہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰؒ گنگوہ اپنے شیخ کے پاس تھے"۔ (ناقل)

عمر مبارک کے سات سال

آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا اور آپ نے حفظ قرآن کے سلسلہ میں بغدادی قاعدہ کا آغاز فرمایا۔

۱۳۲۳ھ ۲۳، جمادی الاولیٰ ۱۹۰۵ء آپ کے دادا پیر یعنی آپ کے والد ماجد کے پیرو مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رحلت فرما گئے۔

۱۳۲۵ھ حفظ قرآن کے بعد حضرت شیخ نے ابتدائی اردو اور فارسی تعلیم کا آغاز کیا۔

۱۳۲۸ھ رمضان المبارک۔ حضرت شیخ نے عربی تعلیم کا باقاعدہ آغاز مظاہر العلوم سہارنپور میں کیا۔

۲۸ھ تا ۳۴ھ تک کا عرصہ حضرت شیخ کی طالب علمی کا ہے، جس میں آپ نے درسِ نظامی میں شامل تمام کتب پڑھیں۔

۱۳۲۹ھ ۱۸، شعبان۔ الفیہ ابن مالک کی اردو شرح کی تصنیف کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

۱۳۳۲ھ ۷ محرم الحرام۔ حدیث کے آغاز کے سلسلہ میں مشکوٰۃ شریف اپنے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے شروع کی۔ سلم العلوم (فن و معقولات میں) کی اردو شرح کی ابتداء فرمائی او زمانہ طالب علمی میں ہی اس کی تکمیل فرمائی۔ اضافہ براشکال اقلیدس مرتب فرمائی۔

۱۳۳۳ھ شوال۔ دورہ حدیث کی ابتداء ہوئی، ابن ماجہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث صحاح ستہ اپنے والد ماجد سے شروع کیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۳۴ھ ۱۰ ذیقعدہ۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ رحلت فرماگئے، اس وقت حضرت شیخؒ کی عمر مبارک ۱۱ سال تھی۔ حضرت سہارنپوریؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنا شروع کی۔

۱۳۳۵ھ یکم محرم الحرام۔ حضرت شیخؒ کا مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔

۲۹ صفر۔ حضرت شیخ کی شادی خانہ آبادی مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی بی بی امۃ المتین صاحبہ سے ہوئی۔

۳ یا ۴ ربیع الاول۔ حضرت سہارنپوریؒ کے ساتھ سنن ابی داؤد کی شرح بذل المجہود تالیف کے سلسلہ میں تعاون شروع کیا۔

۷، رمضان المبارک۔ حضرت شیخ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

شوال۔ حضرت سہارنپوریؒ سے ابوداؤد شریف پڑھنا شروع کی۔ "مشائخ چشتیہ" کی تصنیف فرائی، جس میں حضرت سہارنپوریؒ سے نبی کریم ﷺ تک مشائخ چشتیہ کے احوال تحریر کیے۔ تاریخ مظاہر العلوم سہارنپور کی تالیف فرمائی، جس میں مظاہر العلوم سہارنپور کے ۵۰ سالہ حالات تحریر فرمائے۔

۱۳۳۶ھ شوال۔ حضرت سہارنپوریؒ سے مسلم شریف اور سنن نسائی پڑھنا شروع کی۔

۱۳۳۷ھ ۴ شعبان۔ حضرت شیخ کے یہاں صاحبزادی کی ولادت ہوئی، بچی کا نام ذکیہ رکھا گیا، یہ حضرت شیخ کی سب سے پہلی صاحبزادی تھیں

۱۳۳۸ھ حضرت شیخ اپنے سب سے پہلے سفر حجاز اور حج کے لیے سہارنپور سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

۲۷، ۲۸ شعبان۔ بحری جہاز کے ذریعہ بمبئی سے حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوئے۔

رمضان۔ اس سال کے ماہ مبارک سے روزانہ ایک قرآن شریف پڑھنے کا معمول شروع ہوا، جو ۱۳۸۰ھ تک برقرار رہا۔

۱۰ رمضان۔ حضرت شیخ اپنے سب سے پہلے سفر حج کے سلسلے میں جدہ پہنچے۔

۲۰ شوال۔ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ کی سب سے پہلی حاضری ہوئی۔

۴ ذی الحجہ۔ فریضہ حج کی ادائیگی کی نیت سے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔

ذی الحجہ۔ حضرت شیخ کے یہاں بچی کی ولادت ہوئی، بچی کا نام ذاکرہ رکھا گیا۔

۱۳۳۹ھ وسط محرم الحرام۔ حجاز مقدس سے پہلا فریضہ حج ادا کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف واپسی ہوئی۔

۸، صفر۔ پہلا حج ادا کرنے کے بعد سہارنپور پہنچے۔

۱۳۴۱ھ ۲۲ ربیع الاول۔ رسالہ "حجۃ الوداع" کی تالیف کا آغاز فرمایا۔

۲۴ ربیع الاول۔ رسالہ "حجۃ الوداع" کو حیرت انگیز طور پر محض ایک دن اور ڈیڑھ رات میں مکمل فرمالیا۔

۴، ربیع الثانی۔ "سنن نسائی" کی تقریر لکھنے کی ابتدا کی۔

جمادی الثانیہ۔ "تقریر سنن نسائی" کی تکمیل فرمائی۔

رجب۔ حضرت سہارنپوری کے حکم سے بخاری شریف کے تین سپارے پڑھائے، یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے حدیث پڑھائی

شوال۔ باقاعدہ حدیث کی تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا مشکوٰۃ شریف آپ کے زیر درس رہی۔

شوال۔ مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح "تقریر مشکوٰۃ لکھنا شروع کی، یہ آپ کی تدریس حدیث کا پہلا سال تھا، اور اسی تدریسی سال کے دوران اس شرح کو مکمل فرمالیا۔

۱۳۴۲ھ ۲۵ محرم الحرام۔ "الوقائع والدھور" کے عنوان سے نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور اس کے بعد کے سلاطین، بنی امیہ وغیرہم کے حالات پر کتاب لکھنے کا آغاز فرمایا جس کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک چلتا رہا۔

۸، جمادی الاولیٰ "اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ" کے عنوان سے مسلک حنفیہ پر اصول حدیث کے متن کا آغاز فرمایا۔

۱۰، جمادی الاولیٰ۔ "اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ" کی تالیف کو مکمل فرمایا۔

۱۳۴۳ھ رمضان المبارک۔ حضرت شیخ کے یہاں صاحبزادے کی ولادت ہوئی! بچے کا نام محمد موسیٰ رکھا گیا، یہ حضرت شیخ کے سب سے پہلے صاحبزادے تھے۔

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی کی تالیف کا آغاز فرمالیا۔

۱۳۴۴ھ ▪ ربیع الثانی۔ حضرت شیخ کے صاحبزادے محمد موسیٰ ۷، ۸، ماہ حیات رہ کر بستی نظام الدین میں انتقال کر گئے۔

۸، جمادی الثانیہ۔ خصائل نبوی ﷺ شرح شمائل ترمذی کی تالیف سے فراغت حاصل ہوئی/

۲۴، شوال دوسرے سفر حجاز اور حج کے لیے سہارنپور سے روانہ ہوئے۔

۷، ذیقعدہ۔ بمبئی سے حج کے لیے جدہ نامی بحری جہاز پر حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوئے۔

۲۱، ذیقعدہ۔ جدہ پہنچے۔

۲۵، ذیقعدہ مکہ مکرمہ میں حاضری ہوئی۔

۲۶، ذی الحجہ۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ روانگی ہوئی۔

۱۳۴۵ھ ۸، محرم الحرام۔ دوسرا حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری نصیب ہوئی۔

صفر۔ حضرت شیخ کے یہاں تیسری صاحبزادی کی ولادت ہوئی بچی کا نام شاکرہ رکھا گیا۔

یکم، ربیع الاول۔ مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کے پاس قدمین مبارک کے رخ پر بیٹھ کر موطا امام مالک کی شرح "اوجز المسالک" کی ابتداء کی۔

۸، جمادی الاولی- استاذ الاساتذہ قاری حسن شاعر کی عربی کتاب "تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن" کا اردو ترجمہ مکمل کیا، یہ ترجمہ بعد میں "تحفۃ الاخوان" کے نام سے طبع ہوا۔

۲۱ شعبان- بذل المجہود "شرح ابی داؤد شریف جس کی تصنیف کے سلسلہ میں آپ حضرت سہارنپوری کے ساتھ مکمل تعاون فرمارہے تھے- پایہ تکمیل کو پہنچی۔

۲۳، شعبان- "بذل المجہود" کی تکمیل کے سلسلہ میں مدرسہ شرعیہ میں بعد نماز جمعہ علماء مدینہ کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

۱۶، ذیقعدہ- مدینہ طیبہ سے حج کی ادائیگی کے لیے روانگی ہوئی۔

۱۳۴۶ھ سہارنپور تشریف لاکر تدریس، تصنیف اور علمی مشاغل میں مصروف ہوگئے۔

۱۵، ربیع الثانی- آپ کے شیخ ومربی روحانی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نور اللہ مرقدہ رحلت فرماگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون.

۱۳۴۷ھ یکم جمادی الثانی "المؤلفات والمؤلفین" کے عنوان سے کتب حدیث وفقہ کے معروف مصنفین کے حالات پر کتاب لکھنے کا آغاز فرمایا، جس کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک چلتا رہا- حضرت شیخ کے یہاں بچی کی ولادت ہوئی بچی کا نام راشدہ رکھا گیا۔

۱۳۴۸ھ اوائل ذی الحجہ- "فضائل قرآن" کی تالیف کا آغاز فرمایا۔

۲۹ ذی الحجہ- "فضائل قرآن" کی تصنیف کو مکمل فرمایا، یہ فضائل کا سب سے پہلا رسالہ ہے، جو حضرت شیخ نے تصیف فرمایا، اور اس وقت "تبلیغی نصاب" کا نہایت اہم حصہ ہے۔

۱۳۴۹ھ رجب- حضرت شیخ کے یہاں صاحبزادہ کی ولادت ہوئی، بچے کا نام محمد ہارون رکھا گیا، بچے کا مختصر عمر میں ہی انتقال ہوگیا۔

۲۷، رمضان- "فضائل رمضان" کی تالیف سے فارغ ہوئے جو کہ "تبلیغی نصاب" کا اہم حصہ ہے۔

۱۳۵۰ھ ۱۳، محرم- "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" کے عنوان سے ایک خط لکھ کر ممبران اسمبلی اور دیگر سر برآوردہ مسلمانوں کے پاس بھیجا تھا جو کہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔

۵، صفر "فضائل تبلیغ" کے عنوان سے رسالہ تحریر فرمایا جو کہ تبلیغی نصاب "کا اہم اور لازمی حصہ ہے۔

۲۸، ذی الحجہ- حضرت شیخ کے یہاں بچی کی ولادت ہوئی بچی کا نام خالدہ رکھا گیا۔

۱۳۵۲ھ وسط ربیع الاول- "الکوکب الدری کی جلد اول پر حواشی کی تکمیل فرمائی۔

۹، ذیقعدہ- حضرت شیخ کے یہاں بچی کی ولادت ہوئی بچی کا نام شاہدہ رکھا گیا۔

۱۳۵۳ھ ۱۶ رجب "الکوکب الدری" کی جلد ثانی پر حواشی کی تکمیل سے فراغت ہوئی۔

۱۳۵۵ھ　۲۴ ذی قعدہ۔ حضرت شیخ کے یہاں بچی کی ولادت ہوئی، بچی کا نام صفیہ رکھا گیا، یہ حضرت شیخ کی پہلی اہلیہ سے سب سے آخری اولاد تھیں۔

۵، ذی الحجہ۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بی بی امۃ المتین صاحبہ کا انتقال ہوا، حضرت شیخ کے قلب پر ان کے انتقال کا طبعی اثر تھا، نماز جنازہ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ نے پڑھائی۔

۱۳۵۶ھ　۲۱، محرم الحرام۔ حضرت شیخ کی صاحبزادی صفیہ کا تقریباً ۲ ماہ کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

۸، ربیع الثانی۔ آپ کا عقد ثانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صاحبزادی عطیہ صاحبہ سے نظام الدین دہلی میں بعد نماز جمعہ ہوا، نکاح حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پڑھایا۔

۲۹، شعبان۔ "اعتدال فی مراتب الرجال" کے عنوان سے چند سوالوں کا جواب تحریر کیا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

۱۲، شوال۔ "حکایات صحابہؓ" کی تالیف سے فراغت حاصل ہوئی، یہ کتاب "تبلیغی نصاب" کا اہم اور بنیادی حصہ ہے۔

۱۳۵۸ھ　۷، محرم الحرام۔ "فضائل نماز" کے عنوان سے رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ تبلیغی نصاب کا ایک اہم اور کثرت سے پڑھا جانے والا حصہ ہے۔

۱۸، ربیع الثانی۔ حضرت شیخ کے یہاں دوسری اہلیہ محترمہ سے صاحبزادے کی ولادت دہلی میں ہوئی، بچے کا نام عبد الحی رکھا گیا، ور یہ دوسری اہلیہ محترمہ سے سب سے پہلی اولاد تھی۔

۲۱، جمادی الاولیٰ۔ حضرت شیخ کے صاحبزادے عبد الحی کا انتقال ایک ماہ کی عمر میں ہو گیا۔

۲۶، شوال۔ "فضائل ذکر" کے عنوان سے رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ تبلیغی نصاب کا ایک اہم اور کثرت سے پڑھا جانے والا حصہ ہے۔

۱۳۶۰ھ　۲، جمادی الاولیٰ۔ حضرت شیخ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی، بچے کا نام طلحہ رکھا گیا۔ "اولاد نرینہ میں سے یہی زندہ ہیں"۔ (ناقل)

۱۳۶۲ھ　۱۶، رجب۔ آپ کے اکابر میں سے ایک اہم بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

۱۳۶۳ھ　۲۱، رجب۔ آپ کے عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا عظیم سانحہ پیش آیا۔

۱۳۶۶ھ　۲۹، شعبان۔ رمضان گزارنے کے لیے نظام الدین دہلی پہنچے، اور ایک ماہ کے اعتکاف کی نیت سے مقیم ہو گئے اور پورا ماہ رمضان المبارک وہیں پر گزرا۔

۳، شوال۔ "فضائل حج" کے عنوان سے رسالہ لکھنے کی ابتداء فرمائی۔

۲۹، شوال- آپ کی صاحبزادی ذکیہ زوجہ مولانا محمد یوسف صاحب کا انتقال مغرب کی نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں ہوا۔

۱۳۶۷ھ — ۱۱ محرم الحرام- سہارنپور میں مغرب کی نماز کے بعد وہ تاریخ ساز مشورہ ہوا، جس کے نتیجہ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ رحمہم اللہ عنہم اجمعین، نے ہندوستان ہی میں قیام کا فیصلہ فرمایا۔

۱۴، جمادی الاولیٰ- "فضائل حج" کی تالیف سے فارغ ہوئے اور جبکہ یہ رسالہ زیر طبع تھا، ایک متقی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیخؒ کعبۃ اللہ کی تعمیر میں مصروف ہیں، جس سے یہ تعبیر اخذ کی گئی کہ یہ رسالہ "فضائل حج" کعبۃ اللہ کی تعمیر روحانی اور حجاج کرام کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

۱۳۶۸ھ — ۲۲، صفر- "فضائل صدقات" کی تالیف کو مکمل فرمایا، بعد میں یک مستقل کتاب کی حیثیت سے شائع ہوا، تبلیغی جماعت کی تعلیم کے حلقہ میں اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

۱۳۶۹ھ — ۱۲، رجب- حضرت شیخؒ کی صاحبزادی شاکرہ کا انتقال سورہ یٰسین کی تلاوت سنتے ہوئے ہوا۔

۱۳۷۵ھ — ۲۸، ذی الحجہ- مؤطا امام مالک کی شرح "اوجز المسالک" پایہ تکمیل کو پہنچی۔

۱۳۷۶ھ — ۷، محرم الحرام- "لامع الدراری" کی تصنیف کا آغاز فرمایا۔

۱۳۷۷ھ — ۱۲، جمادی الاولیٰ- آپ کے اکابر میں سے ایک اہم بزرگ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نور اللہ مرقدہ اس دارفانی سے کوچ فرما گئے۔

۱۳۸۲ھ — ۱۳ ربیع الاول- آپ کے اکابر میں سے ایک اہم بزرگ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری، نور اللہ مرقدہ انتقال فرما گئے۔

۱۳۸۳ھ — ۶ ذیقعدہ- حضرت شیخؒ تیسرے سفر حجاز اور چوتھے حج کے لیے سہارنپور سے روانہ ہوئے۔

۲۷، ذی الحجہ- حج سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہوئے۔

۲۸، ذی الحجہ- مدینہ طیبہ میں حاضری ہوئی۔

۱۳۸۴ھ — یکم صفر- مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے۔

۱۳ صفر- حجاز مقدس سے کراچی تشریف لائے۔

ربیع الاول- پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ کرتے ہوئے سہارنپور واپس تشریف لے آئے۔

۲۵، رمضان المبارک- "فضائل درود شریف" کا آغاز فرمایا۔

۲۹، ذی قعدہ- آپ کے قوت بازو، اور آپ کے محبوب بھائی (چچازاد بھائی) حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کا عظیم سانحہ پیش آیا۔

۶، ذی الحجہ۔ "فضائل درود شریف" کو مکمل فرمایا، یہ رسالہ بھی تبلیغی نصاب کا ایک اہم حصہ ہے اور اس رسالہ سے حضرت شیخ کے عشق رسول ﷺ کی بھرپور عکاسی و ترجمانی ہوتی ہے۔

۱۳۸۶ھ — ۱۰، ذیقعدہ۔ حضرت شیخ نے اپنے چوتھے سفر حجاز اور پانچویں حج کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا۔

۱۲، ذیقعدہ۔ جدہ سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں حاضری ہوئی اور عمرہ ادا فرمایا۔

۲۴، ذی الحجہ۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔

۱۳۸۷ھ — ۱۱، محرم الحرام۔ مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت مسجد نبوی ﷺ سے احرام باندھا، اور رات مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنے مربی و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی طرف سے عمرہ ادا کیا۔ سفر حج سے واپسی پر کراچی تشریف لائے۔

۱۳۸۸ھ — ۱۰، ربیع الاول۔ "لامع الدراری" کی تصنیف کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

۱۲، ربیع الاول۔ "مدرس عربیہ میں ہڑتال، سٹرائیک کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے متعلق ایک رسالہ "سٹرائیک" کے عنوان سے تحریر فرمایا۔

۱۷، ربیع الاول۔ "لامع الدراری" کی تکمیل کی خوشی میں، حضرت شیخ کی طرف سے دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

۱۵، ربیع الثانی۔ "آپ بیتی" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ یہ رسالہ "آپ بیتی" کے سات نمبرات میں سے سب سے پہلا نمبر ہے۔ ۲۵، شوال۔ سہارنپور میں دار الطلبہ جدید کے دار الحدیث کا افتتاح فرمایا، اور اسی روز بخاری شریف کے سبق کا آغاز فرمایا۔

۱۳۸۹ھ — صفر۔ حضرت شیخ پانچویں سفر حجاز پر روانہ ہوئے اس سفر حجاز میں حضرت شیخ نے حج ادا نہیں فرمایا، بلکہ حج سے پہلے ہی واپس آگئے تھے۔

۱۴، رجب۔ حضرت شیخ نے مسجد نبوی ﷺ سے حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی طرف سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا۔

رمضان۔ اس سال کا ماہ مبارک حرمین شریفین میں گزارا، ابتدائی ۱۵ دن مکہ مکرمہ میں اور آخری ۱۵ دن مدینہ طیبہ میں گزارے۔

شوال۔ حضرت شیخ نے حجاز مقدس سے واپسی پر کراچی میں قیام فرمایا۔

ذیقعدہ۔ سفر حجاز سے واپس سہارنپور پہنچے۔

۱۳۹۰ھ — ۱۷، جمادی الاولی۔ رسالہ "عمرات النبی ﷺ" کی تالیف کا آغاز فرمایا۔

۱۵، رجب۔ "عمرات النبی ﷺ" کی تصنیف کو مکمل فرمایا۔

۱۵ ذیقعدہ۔ حضرت شیخ اپنے چھٹے سفر حجاز اور چھٹے حج کے لیے سہارنپور سے روانہ ہوئے۔

۱۳۹۱ھ حج کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی۔

۱۳۹۳ھ ربیع الاول۔ حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے مولوی محمد طلحہ کو بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۱۸، ربیع الاول۔ سہارنپور سے حجاز کے لیے اس نیت سے سفر فرمایا کہ اب مستقل قیام حجاز مقدس میں ہی کرنا ہے، گویا حضرت شیخ نے ہجرت کی نیت فرمائی۔

۲۶، ربیع الاول۔ بمبئی سے حجاز کے لیے بذریعہ ہوائی جہاز روانگی ہوئی۔

۲۷، ربیع الاول۔ مکہ معظمہ پہنچے اور عمرہ ادا فرمایا۔

۱۵، ۱۶، ربیع الثانی۔ مستقل قیام کی قیمت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

۱۶، جمادی الاولی۔ حضرت شیخ کو حجاز مقدس میں مستقل قیام کے لئے اقامہ بننے کی اطلاع دی گئی۔

۲۳، جمادی الثانیہ۔ اقامہ کی باقاعدہ مدت کی ابتداء ہوئی، حضرت شیخ کا اقامہ سعودی عرب کے فرماں رواشاہ فیصلؒ نے براہ راست منظور کیا تھا، اور اس میں شیخ صالح قزاز اور شیخ محمد علوی مالکی کی کوششوں کو بہت دخل تھا۔

۱۳۹۴ھ ۲، ۳، جمادی الثانی۔ حضرت شیخ حجاز مقدس سے کراچی تشریف لائے۔

۲۴/۲۵۔ کراچی سے دہلی روانہ ہوئے۔

۲۶/۲۷۔ سہارنپور پہنچ گئے۔

رمضان المبارک۔ سہارنپور میں دار جدید کی مسجد میں ماہ مبارک کا قیام ہوا، اس سال معتقدین کا بہت ہی ہجوم رہا۔

۱۵، ذیقعدہ۔ سہارنپور سے سفر حجاز کے لئے روانگی ہوئی۔

۲۲ ذیقعدہ۔ مکہ معظمہ پہنچے۔

۱۶، ذی الحجہ۔ حج سے فراغت کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

۱۳۹۵ھ ۲۸، رجب۔ رمضان المبارک ہندوستان میں گزارنے کے ارادے سے مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی۔

یکم شعبان۔ نظام الدین دہلی پہنچے۔

۳ شعبان۔ بخاری شریف کا ختم فرمایا۔

رمضان المبارک۔ اپنے معمول کے مطابق سہارنپور میں دار جدید کی مسجد میں پورے ماہ کے قیام کی نیت سے معتکف ہوگئے۔

۱۳۹۶ھ ۱۴، جمادی الثانی۔ ہندوستان کے سفر کے سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے روانگی ہوئی۔

۹، رجب۔ سہارنپور پہنچے۔

رمضان۔ حسب سابق ماہ مبارک سہارنپور میں دار جدید کی مسجد میں گزارا۔

۲۲، ذیقعدہ۔ حجاز مقدس کے لیے سہارنپور سے روانگی۔

ذوالحجہ۔ اس سال حضرت شیخ نے امراض کی وجہ سے حج نہیں فرمایا۔

۱۳۹۷ھ ۲۴، جمادی الثانی۔ ایک صالح آدمی کے مکاشفہ میں حضور ﷺ کی طرف سے ہندوستان کے سفر کا اشارہ ملنے پر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔

۵، رجب۔ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ کو حجاز مقدس میں مستقل رہائش کے سلسلہ میں تابعیہ مل گیا۔

۵، رجب۔ پاکستان تشریف لائے، اور وہاں سے چند روز بعد ہندوستان تشریف لے گئے۔

۲۸، شعبان ماہ مبارک کے اعتکاف کے سلسلے میں دار جدید میں منتقل ہوگئے۔

ذیقعدہ۔ سہارنپور سے روانہ ہوئے اور پاکستان سے ہوتے ہوئے اسی ماہ حجاز مقدس پہنچ گئے۔

۱۳۹۸ھ رمضان المبارک۔ اس سال کا ماہ مبارک بھی سہارنپور کے دارالطلبہ جدید کی مسجد میں گذشتہ سالوں کی طرح ہوا۔

۱۳۹۹ھ رجب۔ انگلستان کے پہلے سفر پر مولانا محمد یوسف متالا صاحب کی دعوت پر تشریف لے گئے، یہ حضرت شیخ کا انگلستان کا سب سے پہلا سفر تھا۔

رمضان۔ ماہ مبارک سہارنپور کے دارالطلبہ جدید میں گزارا

۱۴۰۰ھ رمضان المبارک۔ اس سال کا ماہ مبارک مفتی زین العابدین صاحب کی کوشش سے پاکستان کے شہر فیصل آباد میں گذرا، حضرت شیخ کا قیام دارالعلوم فیصل آباد کی مسجد میں رہا۔

۱۴۰۱ھ ۴، شعبان۔ بہت سے مبشرات اور پاکیزہ خوابوں کے اشارات کی بناء پر حضرت شیخ اسٹینگر (Stanger) ساؤتھ افریقہ میں ماہ رمضان المبارک گزارنے کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔

۱۴، شعبان۔ جدہ سے ریبونین (Reunion) کے لیے روانہ ہوئے۔

۲۹، شعبان۔ حضرت شیخ اپنے تمام مہمانوں کے ساتھ اسٹینگر کی جامع مسجد میں منتقل ہوگئے اور پورے ماہ مبارک کے اعتکاف کی نیت کرلی۔

۳، شوال۔ بعد نماز ظہر الوداعی دعا کرائی گئی۔

۳، ۲۴، شوال۔ ان ایام میں حضرت شیخ نے جنوبی افریقہ اور ذامبیا کے مندرجہ ذیل مقامات

سلور گلین (Silyerglen) رچمنڈ (Richmond) میرٹز برگ (Martizburg)

اسپینگو بیچ (Ispingobeach) وائٹ ریور (White reyer) جوہانس برگ (Johnnes Burq)

کیپ ٹاؤن (Cap Twon) لے نیشیا (Lenasia) اور چپاٹا (Chipata)

لوساکا، (Lusaka) کا تربیتی سفر فرمایا، اور مختلف مقامات پر ذکر کے حلقے، دینی مجلسیں، مساجد، اور مدارس کے افتتاح ہوئے اور ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں میں دینی جذبہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔

۲۴، شوال۔ انگلستان کے سفر کے لیے لوساکا سے لندن روانہ ہوئے، یہ حضرت شیخ کا انگلستان کا دوسرا سفر تھا۔

۲۹، شوال- یورپ کے تبلیغی مرکز ڈیوز بری (Duws Bury) تشریف لے گئے۔

۱۶، ذیقعدہ- حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوگئے۔

۱۴۰۲ھ ۱۵، محرم- مدینہ طیبہ سے ہندوستان تشریف لائے، مرض کی شدت کے پیش نظر ۲۰ روز دہلی میں قیام فرمایا، اور وہاں کے ہولی فیملی ہسپتال میں داخل ہوئے۔

۴، صفر- دہلی سے سہارنپور تشریف لے گئے۔

۱۸، ربیع الاول- حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوگئے۔

۲۰، ربیع الاول- کراچی پہنچے۔

۲۱، ربیع الاول- رات کو کراچی سے جدہ روانہ ہوئے۔

۶، ربیع الثانی- مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

یکم، شعبان- مغرب سے قبل اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، عشاء کے بعد جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔

اولاد: جیسا کہ گزرا حضرت الشیخ کے کئی اولادیں ہوئیں، لیکن اولاد نرینہ میں صرف حضرت مولانا شیخ محمد طلحہ مدظلہ العالی ہیں۔ نیک، صالح اور عمدہ صلاحیتوں اور خوبیوں کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی تقویٰ وورع کے ساتھ طویل فرمائے۔ (ارشد)
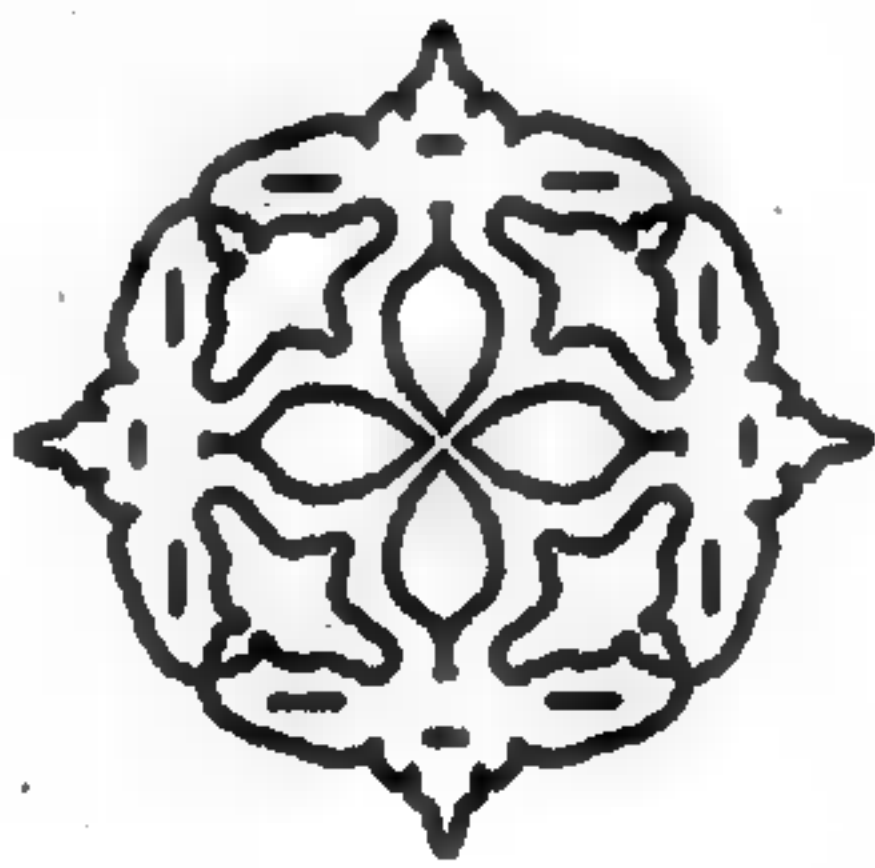
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء ـــــ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

No. 20

دارالعلوم دیوبند

[illegible]

INDIA POSTAGE 6 NP

گرامی حضرت جناب

مکتبہ رشیدیہ

میاں چنوں

ضلع ملتان

Mian Channu

Distt. Multan

W. Pakistan

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمد کامران سابق سینئر صحافی "مشرق"

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تم سا کہوں جسے!

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیّب نور اللہ مرقدہٗ

<دینی، علمی، تدریسی تبلیغی اور اصلاحی کارنامے

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں>

انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر قرار دیا اور اس کے اسباب کا تجزیہ کیا تو انہیں اپنے اصل حریف مسلمان نظر آئے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو ہدفِ ستم بنالیا اور دہشت ودرندگی کا وہ بازار گرم کیا جس کے انسانیت سوز واقعات پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت انسان کی قبا چاک کرنے میں جو سفاکی اور درندگی چنگیز اور ہلاکو نے دکھائی تھی۔ اس سے کہیں بڑھ کر جدید تہلکہ خیز اسلحہ کے ساتھ وحشت و بربریت، سفاکی انگریزوں نے انیسویں صدی میں ہندوستان میں دکھائی۔ صرف الٰہ آباد کی مثال لیجئے جہاں انگریزوں نے سات ہزار افراد کو بلالحاظ عورت مرد، بچہ یا بوڑھا، پھانسی دے دی۔ کئی ماہ تک چھکڑے لاشوں کو ٹھکانے لگانے پر مامور رہے۔۔ انگریزوں کی بربریت کا سب سے بڑا نشانہ علمائے حق بنے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ فرنگی درندوں نے کتنے علمائے کرام کو سولی چڑھا کر شہید کیا اور کتنی بڑی تعداد میں عام مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ تہ تیغ کردیا اس کی تفصیلات کتابوں میں مرقوم ہیں اور خون کے آنسو رلاتی ہیں ایک طرف تو فرنگی سامراج نے توپ وتفنگ کے دہانے کھولے اور مسلمانوں پر موت کے شعلے برسائے دوسری طرف اس نے مسلمانوں کو ان کے دین، ان کی تاریخ، ان کی تہذیب اور ان کے علوم سے دور کرنے اور ان پر اپنی لائی ہوئی تہذیب وثقافت کی لعنت مسلط کرنے کی پوری منصوبہ بندی کی۔ تہلکے اور تخریب کے اس دور میں مسلمانوں پر جو گزری اس سے کوئی پڑھا لکھا آدمی بے خبر نہیں۔ حالت یہ تھی کہ فرنگی تہذیب کا زہر چار سُو پھیلایا جارہا تھا۔ صنعتی کلچر کی داغ بیل ڈالی جارہی تھی جدید تعلیم کی مورتی سجائی جارہی تھی اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کی غیرت، حمیت اور جذبہ جہاد کو سرد کرنے کا پانسہ پھینکا جاچکا تھا۔ پرانی قدریں شکست وریخت کا شکار ہورہی تھیں اور نئی قدریں ظہور میں لائی جارہی تھیں۔ ڈوبتی ڈولتی مشرقی اقدار کے ماتم اور لچکتی مٹکتی نئی قدروں کے استقبال کے دوراہے پر مسلمان درد اور درندگی کی جس انتہا کو پہنچ گئے تھے، وہ اسلامیانِ برصغیر کی تاریخ کا نہایت الم انگیز باب ہے۔ غالب مرحوم نے اپنے اس شعر میں اس دورِ نامسعود کی پوری تصویر کھینچ دی ہے! ع

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

ان حالات میں مسلمانوں کو ذلت وہلاکت سے بچانے کے لئے دو طبقے اٹھے۔ ایک طبقہ علمائے حق کا تھا جس کے سرخیل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے اور دوسرا طبقہ انگریزوں سے مرعوب ان

مسلمان بھی خواہوں کا تھا جو انگریزی پڑھنا، جدید علوم سیکھنا اور انگریزوں سے وفاداری رکھنا ضروری سمجھتا تھا اور اسے مسلمانوں کے لئے وقت کا تقاضا قرار دیتا تھا۔ انگریزی زبان سیکھنا اور جدید علوم میں دستگاہ پیدا کرنا چند اں قابل اعتراض بات نہ تھی، مگر جدید علوم کی شیرینی الحادو بے دینی کا جو تیشہ چھپا کر لارہی تھی سر سیّد مرحوم اور ان کے ساتھی اس کا احساس یا مداوا نہیں کر سکے۔۔۔ یہ تھاوہ پس منظر اور یہ تھے وہ حالات جن کے سیل بے اماں کے آگے علمائے دیو بند چٹان بن کر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اسلام کی مشعل کو بجھنے اور مسلمانوں کے ایمان و یقین کی ناؤ کو ڈوبنے سے بچایا۔ اس طرح ان مردانِ حق کی بصیرت، جرأت، قربانی اور جہد پیہم سے برصغیر دوسرا اسپین بننے سے بچ گیا اس لحاظ سے پاکستان، بنگلہ دیش، ہندوستان اور عالم اسلام ہمیشہ دیو بند کے سایہ احسان میں رہیں گے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے مقدس رفقاءؒ اگر یہی علماء دار العلوم دیو بند قائم نہ کرتے تو برصغیر آج بھی فرنگیوں کی کالونی ہوتا، ہم بدستور غلام ہوتے اور ہمارے کانوں میں کہیں سے صدائے لا الٰہ الا اللہ نہ آتی! فرنگی سامراج نے ہندوستان پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے برصغیر کے ساحلوں سے لے کر ساحلِ انگلستان تک کے راستے کے تمام ملکوں میں ایسے کڑے فوجی انتظامات کر رکھے تھے کہ ان کی موجودگی میں خود ان ملکوں کا آزادی سے سانس لینا بھی دشوار تھا۔ ہندوستان سے فرنگی کے قدم اکھڑتے ہی ان تمام اسلامی ملکوں میں بھی ہوائے حریت چلی اور وہ بھی زنجیر غلامی سے آزاد ہوگئے۔ تاریخ کا بے لاگ طالب علم جب بھی اس انقلاب حال کا مطالعہ کرے گا اسے اس کے پس پردہ دیو بند کا نورانی ہاتھ کار فرما دکھائی دے گا۔

مولانا محمود حسن، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ فرنگی سامراج کو للکار رہے تھے اس وقت برصغیر میں ہُو کا عالم تھا، کہیں کسی حریت پسند کی کوئی صدا تھی نہ ندا، اس وقت گاندھی جی بھی صرف بیرسٹر کی حیثیت سے معروف تھے۔ کانگریس اور پھر مسلم لیگ کی طرف سے جو صدائے آزادی اٹھی وہ بہت بعد کی بات ہے۔ جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے محترم رفقائے کار اپنے خون اور پسینے کی بوندوں سے اسلامی علوم کے چراغ روشن کر رہے تھے۔ قضاوقدر نے اسی وقت غلامی کے قدم اکھاڑنے اور انگریزوں کو پچھاڑنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ یوں دیو بند محض احیائے علوم کا ادارہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک نعرہِ حق اور تحریکِ صداقت تھا جو صرف مسلمانوں ہی پر نہیں پوری انسانی تہذیب پر اثر انداز ہوا۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ انہی علمائے سلف کی روشن یادگار تھے۔ وہ بانی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے پوتے اور مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے صاحبزادے تھے۔ کتنے عظیم و جلیل دانش آموز خاندان کی للّٰہیت، علم پروری، حسنِ عمل، اخلاص اور دردمندی کی کیسی کیسی درخشاں روایتیں انہیں ورثے میں میسر آئیں۔ یہ قاری صاحب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا۔ مگر اس سے بھی بڑا فضل جو رب العزت نے حضرت قاری صاحب پر فرمایا وہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے محترم اجداد واساتذہ کے محور و مقاصد کا پرچم نہ صرف مرتے دم تک اونچا رکھا بلکہ خود اپنی سیرت کے حسن، اپنے علم و تدبر کی خوبی اور اپنی شخصیت کی تازہ کاری سے اسے مزید استحکام عطا کیا۔ وہ ساٹھ سال تک دار العلوم دیو بند کے مہتمم رہے۔ ان ساٹھ برسوں کے لیل و نہار میں انہوں نے دیو بند کے معارف و مقاصد کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ یہ قاری صاحبؒ کا ایسا کارنامہ ہے جو ان کے نام کو ابد الآباد تک تابندہ رکھے گا۔

انسان کی بڑائی کے تین عناصر ہیں۔ پہلا عنصر یہ کہ وہ اس دنیا میں آتے وقت اپنے خالق ومالک کی بارگاہ سے کیا خصوصیات لے کر آیا؟ دوسرا یہ کہ اسے اس کے خاندان نے کن اقدار اور اوصاف کا کتنا ورثہ دیا؟ اور تیسرا یہ کہ اس نے اپنی زندگی کی تگ وتاز میں خود اپنے زور بازو سے کہاں تک کام لیا؟ اپنی محنت، اپنی لگن، اپنے مجاہدے اور خود اپنے اخذ واکتساب سے علم وعمل کے کون کونسے فضائل حاصل کیے؟ پہلے دو عناصر تو وہبی ہیں۔ تیسرا عنصر اکتسابی ہے۔ ہر اچھے اور بڑے انسان کی اصل بڑائی اسی تیسرے عنصر پر موقوف ہے۔ قاری صاحب اتنے خوش بخت تھے کہ انہیں عظمت کے یہ تینوں عناصر قادر مطلق نے پوری فیاضی سے عطا کر دیے۔ وہ بہت بڑے علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ انہیں قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کی مقدس صدائیں ورثے میں ملیں اور خود انہوں نے اپنی محنت، ضبطِ نفس اور جہد پیہم سے اپنے آپ کو اتنا فیض رساں بنالیا کہ ان کی آواز علم وعمل کی گونج بن کر ساری دنیا کو ایمان اور استقامت کی دعوت دیتی رہی! قاری صاحب کو ان کے گراں مایہ گھرانے سے جو علمی، دینی، فکری اور تہذیبی اثاثہ ملا اور ان کے اجلّ اساتذہ نے انہیں فکرو نظر کی جو رعنائیاں عطا کیں، قاری صاحب نے نہ صرف ان کی پوری حفاظت فرمائی بلکہ انہوں نے اس میں جدید اضافے بھی کئے اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچ کر علوم قاسمی کو علوم عامہ بنادیا۔ ان سے لاکھوں افراد نے ایمان باللہ کی تب وتاب اور سنّت رسول اللہ ﷺ کی روشنی حاصل کی۔ وہ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے قریب قریب ہر ہر گوشے میں گئے اور ہر جگہ دین قیم کی شمعیں فروزاں کر آئے۔ وہ جہاں بھی گئے ان کی تقریریں الحاد وباطل پر بجلیاں گراتی اور ایمان ویقین کے گلاب اگاتی چلی گئیں۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

بہت دن ہوئے، یاد نہیں کونسا سن تھا بس اتنا یاد ہے کہ ان دنوں حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ مسلم مسجد لاہور میں مغرب کی نماز کے بعد حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ ایک دن دیکھا کہ مسلم مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے لوگ دیوانہ وار چلے آرہے ہیں۔ سب کا رخ مسلم مسجد کی طرف ہے مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی مگر پروانوں کے قافلے آرہے تھے۔ تعجب ہوا کہ یہ ہلچل کیوں؟ اور یہ ہجوم کس لئے؟ پتہ چلا کہ حضرت قاری محمد طیبؒ تشریف لا رہے ہیں اور وہ ابھی خطاب فرمائیں گے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ حضرت قاری صاحب منبر کی جانب جلوہ گر ہوئے۔ کرسی پر بیٹھ گئے سب کی نظریں ان کے منور چہرے پر جم گئیں۔ جاڑے کے دن تھے۔ قاری صاحب نے سُرمئی شال زیب تن کر رکھی تھی، جو ان کے گورے رنگ پر خوب سج رہی تھی۔ سر پر اجلی ٹوپی تھی، نہ دبلے نہ موٹے، میانہ بدن، میانہ قامت، آنکھوں میں چمک، چہرے پر تقدس کی روشنی، پرکشش نستعلیق شخصیت، خطبہ مسنونہ کے بعد دھیمے دھیمے دلکش لہجے میں بولنا شروع کیا تو پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اس دن پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ علمی خطابت کسے کہتے ہیں اور اس سے دلوں کی دنیا بدل دینے اور اللہ کی محبت کے بیج بونے کے کرشمے کیونکر ظہور میں آتے ہیں۔ قاری صاحب بولتے اور علم کے موتی رولتے رہے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان پر آسمانی دریچوں سے معرفت کے صحیفے اتر رہے ہیں اور وہ انہیں سیدھی سادی سلیس اور دلنشین اردو میں منتقل کر کے سامعین کے ذہنوں میں پیوست کرتے چلے جارہے ہیں۔ بڑے بڑے مقرروں کی تقریریں بارہا سنی ہیں مگر جو نورانیت اور سکینت قاری صاحب کی تقریر میں پائی وہ کہیں اور نظر نہیں آئی۔ وہ باوقار پرکشش اور دھیمے لہجے میں یکسانیت کے ساتھ بولتے تھے۔ آواز میں اتار

چڑھاؤ نہیں ہوتا تھا نہ ہاتھ لہراتے نہ دائیں بائیں جنبش کرتے۔ بس سامعین کی طرف رخ کر کے علم و نظر اور معرفت و مرحمت کی جوئے نور بہاتے چلے جاتے تھے۔ انہیں علم کی ذمہ داری اور دیوبند جیسی امانتِ خداوندی کی عظمت کا مکمل احساس تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ غایت درجہ ملنسار اور خوش اخلاق ہونے کے باوجود کسی قدر کم آمیز تھے۔ ان سے جو سوال پوچھا جاتا وہ پوری خندہ روئی اور متانت سے جواب دیتے اور پھر خاموشی اختیار کر لیتے۔ ضرورت کے مطابق الفاظ بولتے وہ مافی الضمیر واضح کرنے میں بے نظیر تھے۔

ان کے اعزاز میں ایک موقع پر باغ جناح لاہور میں ضیافت دی گئی، علماء و صلحا اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اور دینی حقائق کے سچے متلاشی مسلمانوں کا یہ اجتماع بڑا دلکش تھا۔ سامعین کی کرسیوں کی قطاریں دور دور تک بڑے سلیقے سے بچھی ہوئی تھیں۔ قاری صاحب سفید ٹوپی ہلکے صوفیانے رنگ کی شیروانی پہنے ہاتھ میں عصا لئے تشریف لائے۔ پورے مجمع میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت قاری صاحب نے ایمان کی تعریف بیان فرمائی اور اس کے ذیلی گوشوں کی وضاحت کی۔ فرمایا ایمان "امن" سے ہے۔ مسلمان اپنے ہی معاشرے کے لئے نہیں ساری دنیا کے لئے امن کا پیامبر ہیں۔ حاضرین میں اشرف پریس ایبک روڈ لاہور کے مالک شیخ محمد اشرف مرحوم اور ان کے ہم مسلک سکالر بھی موجود تھے۔ قاری صاحب نے جو علم و معرفت کے نکات بیان کرنے شروع کئے تو اونچے اونچے علمی و دینی اداروں کے بڑے بڑے عمائدین سمیت ساری محفل وجد میں آگئی جب یہ مجلس ختم ہوئی لوگ دائیں بائیں روانہ ہو گئے۔ باغ جناح کے بائیں جانب سڑک کے گیٹ پر مولانا عبد القادر آزاد اپنے عقیدت مندوں میں گھرے کھڑے تھے اور قاری صاحبؒ کی مداحی کر رہے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ قاری صاحب کی عزت و عظمت حامیوں ہی پر نہیں علماء کے قلوب پر بھی چھائی ہوئی ہے اور وہ عام لوگوں ہی میں نہیں خواص میں بھی کتنے محبوب اور مقبول ہیں۔ باغ جناح میں دور تک پھیلے ہوئے بجلی کے جلتے بجھتے قمقموں کی یہ شام خاص طور پر یاد رہ گئی۔ قاری صاحب تشریف لے گئے مگر ان کی بجلی کے قمقموں سے بھی زیادہ روشن یادیں دل و دماغ میں ہمیشہ جھلملاتی رہیں۔

ایک مرتبہ قاری صاحب ملتان روڈ لاہور کی ایک کوٹھی میں اپنے ایک عقیدت مند حاجی محمد شفیع صاحب کے مہمان تھے، حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ، ایڈیٹر الرشید مولانا عبد الرشید ارشد صاحب اور کئی عقیدت مند حاشیہ نشین تھے۔ قاری صاحب شگفتگی سے باتیں کر رہے تھے دورانِ گفتگو مولانا ابو الکلام کا نام آیا، قاری صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں دار العلوم دیوبند میں کام کر رہا تھا کہ مجھے مولانا ابو الکلامؒ کا پیغام ملا کہ مجھ سے مل جائیے۔ میں دہلی گیا مولاناؒ سے ملا، ملتے ہی فرمانے لگے آپ کو پاکستان جانا ہے تو مجھ سے فرمائیے، میں آپ کے لئے انتظامات کروں گا۔ مگر آپ فرضی نام سے پاکستان جانے کا اہتمام کیوں کر رہے ہیں؟

قاری صاحب نے فرمایا کہ میں مولانا کا یہ ارشاد سن کر حیران رہ گیا صورت حال پر غور کرنے لگا، اچانک میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا اور میں ساری صورت حال سمجھ گیا اصل بات یہ تھی کہ دار العلوم دیوبند کے ایک سفیر بغرض چندہ پاکستان جانے کے انتظام میں مصروف تھے۔ پاکستان کے نام پر ہندوستان کے انٹیلی جنس کا عملہ بڑا حساس ہو جاتا ہے، چنانچہ بھارتی سی آئی ڈی نے دار العلوم دیوبند کے سفیر کے پاکستان جانے کے معاملے کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ قاری محمد طیب فرضی نام سے پاکستان جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ معاملہ حکام بالا تک پہنچا۔ حکام بالا نے یہ رپورٹ مولانا ابو الکلامؒ کو بھیج دی۔۔۔۔۔۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولانا آزادؒ کو اصل واقعہ بتا دیا اور کہا کہ دار العلوم کے ایک سفیر پاکستان جا رہے ہیں سی آئی ڈی نے اس بات کو بتنگڑ بنا کر میرے سر منڈھ

دیا ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف پر مولانا آزادؒ ہنس پڑے، سی آئی ڈی والوں کی رپورٹ پر افسوس کا اظہار فرمانے لگے پھر بیتے دنوں کی یاد میں کھوگئے اور انگریزوں کے زمانے میں اپنے بارے میں سی آئی ڈی والوں کے دلچسپ، قصے سنانے شروع کر دیے۔

یہاں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ خود مولانا ابوالکلامؒ بھی حضرت قاری صاحب کی خطابت کے مداح تھے۔ مولانا نے وزیر تعلیم ہندوستان کی حیثیت سے ۱۹۴۹ء میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کے سلسلے میں لکھنو میں ایک کانفرنس بلائی تھی جس میں قاری صاحب نے بھی تقریر کی۔ مولانا آزادؒ نے قاری صاحب کی اس تقریر پر انہیں بھری کانفرنس میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ جہاد حریت کے ابوالکلامؒ جیسے آتش نوا خطیب کی زبانی قاری صاحبؒ کی تحسین قاری صاحب کے حضور بہت بڑا خراج ہے۔

قاری صاحب کو باطنی دولت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دربار گھر بار سے ملی تھی۔ یہ بہت بڑی دولت تھی جس نے قاری صاحب کو گرامی اور ان کے محاسن کی قوسِ قزح کو اور زیادہ حسین ودلربا بنادیا وہ ہر جگہ، ہر محفل، اور ہر تقریب میں شگفتہ اور شاد کام پائے جاتے تھے۔ بولتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ بڑے سے بڑے اونچے مضامین خصوصاً علومِ قاسمی کو اپنی فصاحت و بلاغت سے اتنا واضح اور دلنشین کر دیتے تھے کہ!

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کا سماں بندھ جاتا تھا۔ سفر و حضر میں ان کا ایک معمول یہ تھا کہ نماز مغرب کے بعد نوافل میں قرآن کریم کا ایک پارہ التزام کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔ معلوم نہیں نوافل تہجد میں کتنی مقدار میں کلام پاک پڑھتے تھے۔ ایک شکر گزار بندے اور اس کے رب کے مابین بھید کو کوئی کیا جانے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ان کے سجدوں میں خود کو رب العزت کے سپرد کر دینے کی کتنی تڑپ مچلتی تھی۔ وہ کیسی رفیع الشان اور کتنی وقیع اسلامی یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ تھے مگر ان میں تمکنت نام کو نہ تھی۔ قدم قدم پر محبت اور مہربانی سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی باتیں بتلانا، اچھی اور بری قدروں کو مستحکم کرنا اور اپنے جلیل القدر اسلاف کی بے مثل خوبیوں کا عملی نمونہ ونمائندہ بنے رہنا قاری صاحبؒ کی سیرت کا وہ بے بہا گوہر تھا جو خلوت وجلوت میں ہمیشہ چمکتا رہا۔ وہ نجی محفلوں میں بڑی نرمی اور نوازش سے باتیں کرتے تھے۔ اصاغر نوازی کی کوئی حد نہیں تھی۔

وہ صرف ایک موقع پر برہم یا بیزار ہوتے تھے اور یہ موقع وہ ہوتا تھا جب ان کا سامنا کسی فوٹو گرافر سے ہوتا تھا۔ نئے زمانے کی بے کراں مصیبتوں میں سے ان کا واسطہ سب سے زیادہ فوٹو گرافروں ہی سے پڑتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک یگانہ دینی وعلمی ادارے کے سربراہ ہونے کے علاوہ وہ عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیت تھے، اس لئے وہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جس ملک میں بھی جاتے تھے پریس فوٹو گرافر اور رپورٹر سائے کی طرح ان کے تعاقب میں رہتے تھے، جونہی قاری صاحبؒ کی نظر چوکتی، وہ جھٹ تصویر اتارتے اور چمپت ہوجاتے۔ قاری صاحبؒ جیسے بے مثال عالم کو جدید دور کے بعض ناگزیر تقاضوں اور مجبوریوں کا اچھی طرح احساس تھا، اس لئے وہ پاسپورٹ اور شناختی دستاویزات پر تصویر برداشت کرلیتے تھے۔ مگر وہ بلاضرورت تصویر کشی کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے اور فوٹو گرافروں سے کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ آج کل چھوٹے یا بڑے مذہبی اور علمی اداروں کے معلم یا خطیب جس توجہ، تاکید اور تواتر سے پریس فوٹو گرافروں کو گھیرتے ہیں اور اپنی نمایاں تصویریں اتروانے اور اخباروں میں چھپوانے کے جو جتن کرتے ہیں وہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ اس

افسوسناک رویے یا رجحان کو دیکھتے ہوئے قاری صاحب کی تصویر اور تشہیر سے بے نیازی بلکہ کبیدگی ان کے تعامل بالحدیث اور بے نفسی کی کتنی بڑی خصوصیت کا پتہ دیتی ہے۔ الغرض قاری صاحب اپنے کثیر الاطراف علوم، اپنے کمال خطابت، اپنی رخشندہ سیرت اور فیض رسانی کے اعتبار سے ایک فرد نہیں، ایک عہد، ایک ادارہ اور ایک تاریخ تھے۔ کچھ ایسا ہی مقام یا مرحلہ ہوگا جہاں پہنچ کر مولانا حالی کو یہ کہنا پڑا

بہت لگتا ہے جی محفل میں ان کی
وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

ایک منجھے ہوئے معیاری معلم یا مقرر کی تدریس یا تقریر کا اصل کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و ہنر کے جوہر اس دل آویزی سے کھولے کہ اس کا علم مجرد علم نہ رہے بلکہ متعدی علم بن جائے۔ اس قدر متعدی کہ فوراً سننے والوں کے دل ودماغ پر دیرپا اثرات کے ساتھ چھا جائے۔ قاری صاحبؒ اسی شان کے معلم، مرشد اور مقرر تھے۔ وہ قرآن وسنت کے علوم اتنی دل کشی سے سمجھاتے تھے کہ دل باغ باغ ہوجاتا اور دماغ جھوم اٹھتا تھا۔ حسن کی معراج یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا اعتراف واحترام سوکنیں بھی کرنے لگیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس خطیب کو ایک کہا جائے گا جو اپنے ہی عہد کے خطیب اعظم پر وارفتگی طاری کردے۔ ایڈیٹر "الرشید" مولانا عبد الرشید ارشد صاحب راوی ہیں کہ جالندھر میں جلسہ تھا۔ شجر و حجر پر خاموشی تھی۔ سامعین بے حس وحرکت بیٹھے گوش برآواز تھے۔ دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا، قاری صاحبؒ بول رہے تھے۔ علم کے موتی رول رہے تھے امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تشریف فرما تھے۔ قاری صاحبؒ کا بیان معرفت جوبن پر آیا تو امیر شریعتؒ بھی بے قابو ہوگئے۔ جھوم کر اٹھے اسٹیج پر تشریف لائے تکریم وعقیدت اور منزلت شناسی کے اونچے لفظوں میں قاری صاحبؒ کو خراج عقیدت پیش کیا اور فی البدیہہ اشعار کہہ کر قاری صاحبؒ کے کمالِ علم، جمالِ معرفت اور حسن خطابت کی داد دی۔ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دوائر فضیلت میں بے مثال تھے۔ ہم عصر تھے مگر معاصرتؓ کے فتنے سے کوسوں دور تھے۔ ایک دوسرے کے اوصاف وکمالات کے دلدادہ تھے۔ ایک صاحبِ کمال کا دوسرے صاحب کمال کو فیاضی سے سراہنا اور حسد وخصومت کے قریب بھی نہ پھٹکنا بڑا انسان ہونے کی کتنی بڑی نشانی ہے۔ جو دیوبندی کے فیض تربیت کا عطیہ ہے۔ ع

اب ایسے لوگ زمانے میں روز روز کہاں!

ہمارے بھائی مولانا عبد الرشید ارشد صاحب بڑے پارکھ جوہری ہیں۔ دینی علمی اور ادبی موتیوں کو خوب پہچانتے ہیں اور ذاتی ڈائری میں قلم بند کرکے حرزِ جاں بنائے رکھتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ لعل و گوہر تجوری میں نہیں بلکہ نازنینوں کی گردن میں اپنی پوری آب وتاب دکھاتے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی خود نوشت یادداشتوں سے طرح طرح کے جواہر نکالتے اور انہیں عشوہ طراز کتابوں کی شکل میں شائع کرکے عام کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یادداشتوں کے مُسودے سے یہاں قاری صاحب کی خطابت کے چند پھول پیش کئے جاتے ہیں۔ ایسے پھول اب گلستانِ جہاں میں کہیں نہیں ملیں گے۔ ان سے حضرت قاری صاحبؒ کی تمثیلات اور ان کے انداز تفہیم کا سرسری اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ارشد صاحب لکھتے ہیں:۔

"ملتان میں عظیم الشان جلسہ تھا۔ قاری صاحبؒ قرآن کریم کے ترجمے کے اصول وضوابط بیان فرمارہے تھے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ صحیح مترجم وہ ہوتا ہے کہ جس زبان سے ترجمہ کرے اُسے اُس زبان کے محاوروں،

کہاوتوں اور ضرب الامثال پر پورا عبور ہو۔ اس سلسلے میں قاری صاحبؒ نے ایک فرنگی افسر کی مثال دی۔ فرمایا یہ انگریز افسر برسوں سے ہندوستان میں مقیم تھا۔ یہاں رہتے بستے اور ملازمت کرتے کرتے اردو سیکھ گیا۔ ایک دن لہرا کر اپنے اردلی سے کہا کہ مجھے اردو پر پورا عبور حاصل ہو گیا ہے۔ اردلی مسکرایا، وہ اہلِ زبان تھا۔ ادب سے بولا نہیں صاحب کہ۔ع

کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

فرنگی بولا نہیں مجھے پورا عبور حاصل ہے۔ اردلی نے کہا، کیا میں آپ کا امتحان لے لوں۔ فرنگی نے چہک کر کہا ضرور!۔۔۔۔ اردلی نے پوچھا بتائیے "کریلا اور نیم چڑھا" کا کیا مطلب ہے؟ فرنگی صاحب فرمانے لگے کہ "کریلا۔۔۔۔ نیم چڑھا" کے درمیان بمعنی واؤ حرف عطف یا رابطہ ہے یہ کیوں؟ اردلی نے کہا آپ اسے جانے دیجئے صرف "کریلا نیم چڑھا" ہی کا مطلب بتادیجئے۔ صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر غور و فکر کے بعد بولے کہ "کریلا" تو ایک سبزی کا نام ہے اور پھر کچھ وقفے کے بعد کہا کہ "نیم کا مطلب ہے آدھا۔۔۔ پھر مزید وقفے کے بعد فرمایا کہ چڑھا کا مطلب ہے کہ ہنڈیا میں چولہے پر چڑھا، اور پھر ہنس کر کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ کریلا کڑوی سبزی ہے۔ کسی نادان نے پکایا تو پوری طرح پک نہیں سکا، بلکہ نیم یعنی آدھا پکایا، جس کے نتیجے میں کریلے کی کڑواہٹ ختم نہیں ہوئی۔ بس اب مطلب صاف اور واضح ہے۔

اردلی ہنس پڑا۔ عرض کی صاحب! میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ کو اردو پر عبور حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے صحیح مطلب بیان نہیں کیا۔ میں آپ کو اس کا صحیح مطلب بتاتا ہوں۔ سنیئے! کریلا تو ہوتا ہی کڑوا ہے۔ کسی نے اُس کی بیل کو اس سے بھی زیادہ کڑوے پتوں والے درختِ یعنی نیم کے درخت پر چڑھادیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اور زیادہ کڑوا ہو گیا۔ انگریز افسر بولا اچھا! میرا دھیان نیم کے درخت کی طرف نہیں گیا ورنہ صحیح مطلب معلوم ہو جاتا۔۔۔۔۔ یہ مثال بیان کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ فرمایا کہ اس انگریز نے کریلے کا نام سن رکھا تھا۔ اس نے فارسی کا لفظ "نیم" بھی پڑھا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فارسی میں نیم کے معنی نصف کے ہوتے ہیں اب اس "صاحب عبور" نے کیا یہ کہ ہندی کے لفظ "چڑھا" کو ساتھ ملالیا اور اسے ہنڈیا میں ڈال کر چولہے پر چڑھادیا اور یوں محاورے کا ستیاناس کر دیا۔ اور جب اردلی نے اس محاورے کا صحیح مطلب بتایا تو وہ کھسیانا ہو گیا۔ کہنے لگا اچھا کچھ اور پوچھو میں صحیح جواب دوں گا۔ اردلی نے کہا صاحب! کچھ اور پوچھوں گا تو آپ بغلیں جھانکتے رہ جائیں گے۔ انگریز نے کہا نہیں نہیں۔ کچھ اور پوچھو۔ اردلی نے کہا کہ چلئے یہی بتادیجئے کہ بغلیں جھانکنے کا کیا مطلب ہے؟ انگریز نے دایاں بازو اٹھایا بغل میں جھانکا۔ پھر بایاں بازو اٹھا کر بائیں بغل میں جھانکا اور کہا کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں یوں بغلوں کو جھانک لوں گا۔۔۔۔ یہ سن کر اردلی نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی پر قابو پایا۔ اب اس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔

غرضیکہ یہ تقریر قاری صاحب نے اتنے آسان اور دلچسپ انداز میں کی کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ گیا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا کون شخص اہل ہے اور کون نہیں ہے۔ قاری صاحب نے اس موقع پر یہ بھی بتایا کہ کوئی نا اہل آدمی ترجمے کے لئے قلم تھام کر بیٹھ جائے تو اس کے مبلغ علم کا بھانڈا کسی نہ کسی جگہ کسی نہ کسی طور پھوٹ کر رہتا ہے۔

ارشد صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت قاری صاحبؒ پاکستان تشریف لاتے تھے تو یہاں مختلف دینی مدارس انہیں بڑے اصرار سے ختم بخاری شریف پر مدعو کرتے۔ قاری صاحبؒ سب کی دعوت قبول فرما کر ہر مدرسے تشریف لے جاتے۔ مگر ان کا اعجاز نطق یہ تھا کہ ہر جگہ ان کی تقریر جداگانہ ہوتی تھی اور نت نئے الفاظ ومعانی سے جگمگاتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہر جگہ ختم بخاری شریف پر لگی بندھی یکساں باتیں کہتے اور رسمی طور پر خطاب فرما کر چلے جاتے۔ نہیں نہیں اس کے برعکس ان کی شان خطابت یہ تھی کہ ان کا خلاق ذہن ختم بخاری شریف ہی کی تقریب میں ہر جگہ نئے مضامین ومفاہیم کے انبار لگا دیتا تھا اور وہ اپنی طباعی اور جزرسی کے نئے نکات نئے معارف اور نئی تمثیلات بیان فرماتے چلے جاتے تھے۔ سامعین بھی قاری صاحب کی اس بے نظیر خوبی کے لذت شناس تھے، چنانچہ جہاں جہاں قاری صاحب تشریف لے جاتے وہ وہیں جا پہنچتے تھے اور اپنے آپ کو نئے جہانِ معنی میں گم پاتے تھے۔ یہ اپنی وضع کی وہ ندرت اور اکلوتی خصوصیت تھی جو صرف قاری صاحبؒ کے حصے میں آئی ورنہ اکثر بڑے بڑے مقرروں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں جہاں جاتے ہیں یکساں باتوں اور ایک جیسی پیش پا افتادہ تمثیلات کا جھاڑ باندھتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کے سامعین بے مزہ ہو کر لوٹ آتے ہیں۔

بھائی عبدالرشید ارشد صاحب فرماتے ہیں کہ:

"حضرت قاری صاحبؒ کو میں نے ان کی ۴۲-۴۳ سال کی عمر سے لے کر ۸۰-۸۲ سال کی عمر تک دیکھا۔ وہ کسی بھی دور میں لحیم شحیم نہیں رہے۔ دبلے پتلے ابھرا قد باریک ستواں ناک، کشادہ پیشانی، نرم ونازک لب، کان اتنے طویل کہ سر کے وسطی حصے سے لے کر جبڑے کی ہڈی تک جگہ گھیرے ہوئے، آنکھوں سے حیا اور معصومیت ٹپکتی تھی۔ میں نے بیسیوں محفلوں میں قریب سے دیکھا اور غور سے باتیں سنیں۔ کبھی بے مقصد اور فضول گفتگو نہیں کی۔ ہمیشہ بامقصد نیکی اور حسن عمل کی ترغیب وتحریص کی باتیں کرتے، اکابر کی عملی زندگی کی حکایات وواقعات کو جب بیان کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ علم ومعرفت کا دبستاں کھل گیا ہے۔ احکام شرعیہ کے اسرار ورموز اور مصالح بیان کرتے تو ایسے ایسے نادر علمی جواہر آپ کی زبان سے جھڑتے کہ آدمی حیران ہو جاتا۔ عادت مبارک یہ تھی کہ کسی محفل میں از خود گفتگو شروع نہ فرماتے۔ ماحول پر خاموشی اور سنجیدگی چھائی رہتی اسی عالم میں کوئی شخص کوئی بات پوچھ بیٹھتا تو بس۔

ع۔ ایک ذرا چھیڑئیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

کے مصداق زبان گوہر بار کھلتی سائل کے سوال کا نفس مضمون کھولتی اور اطراف وجوانب کے ہر پہلو کی وضاحت کرتے کرتے نہ جانے سلسلہ سخن کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی تھی۔

دو تین محفلوں میں دیکھا کہ کشادہ ہال ہے۔ لوگوں نے آپ کے جواہر پارے سمیٹنے کے لئے ٹیپ ریکارڈر لگا رکھے ہیں۔ بعض لوگ قلم وقرطاس سنبھالے تیار بیٹھے ہیں کہ جونہی قاری صاحبؒ کچھ ارشاد فرمائیں ان کے حرف وبیان کو نوٹ کر لیا جائے۔ گردوپیش ہر طرف قاری صاحبؒ کی عظمت سایہ فگن ہے۔ قاری صاحبؒ ہیں کہ سر جھکائے زبان وقلب سے ذکر اللہ

میں مشغول ہیں۔ سکوت وسکون کا یہ طلسم کون توڑے؟ کسی کی ہمت نہیں پڑتی۔

درآنحالیکہ قاری صاحبؒ انتہائی شفیق اور حلیم الطبع تھے۔۔۔۔ ایسے میں کوئی حاضر مجلس میری طرف اشارہ کرتا کہ کوئی سوال کرو تاکہ خاموشی کی برف پگھلے۔ قاری صاحبؒ کچھ ارشاد فرمائیں اور حاضرین اپنے دامن سماعت میں قاری صاحبؒ کی خوش کلامی، جوہر علمی اور بصائر دینی کے شہ پارے سمیٹیں۔ بس یہی وہ لمحہ ہوتا تھا کہ ادھر کسی شخص نے کوئی سوال پوچھا ادھر قاری صاحب کی زبان مبارک سے فیض اور فضیلت کی برکھا برسنے لگی۔ پھر ان کی گفتگو گھنٹوں پر محیط ہوجاتی مگر ان کے دریائے تکلم کی روانی میں سر موفرق نہ آتا۔

شیرانوالہ گیٹ لاہور میں ایک ایسی ہی نشست تھی بڑے بڑے علماء اور سیاستدان موجود تھے وہی سکون وسکوت کی فضا تھی کسی کو جسارت ہی نہ ہوتی کہ حضرت قاری صاحبؒ سے گفتگو چھیڑے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے قریبی عزیز قاری نثار احمد نے مجھے اشارہ کیا کہ کوئی موضوع سخن چھیڑا جائے۔ چنانچہ میں نے حضرت قاری صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت! وحی اور کشف میں کیا فرق ہے؟ بس میرا یہ کہنا تھا کہ دفعتہً قاری صاحب کے لب وا ہوئے، یوں محسوس ہوا جیسے ہیروں کی دکان کھل گئی ہے۔ قاری صاحبؒ نے فرمایا، یہی سوال مدت ہوئی ایک معروف عالم سے پوچھا گیا تھا، وہ اس وقت ایک قلعے کی دیوار سے تقریباً ۱۱۰ گز کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے سائل سے پوچھا یہاں سے قلعے کا دروازہ کتنی دور ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا، حضرت! تقریباً ۱۰۰ گز فرمایا یہ فاصلہ ۱۰۲، گز بھی ہوسکتا ہے۔ سائل نے کہا کہ جی ہاں ہوسکتا ہے، پھر فرمایا یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ فاصلہ ۹۸، گز ہو۔ سائل نے کہا بالکل ہوسکتا ہے۔ پھر عالم موصوف دیوار کے پاس سے ہٹے اور قلعے کے دروازے کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ سائل سے پوچھا اب دروازہ کتنی دور ہے؟ سائل بولا حضرت! اب تو صرف ایک گز دور ہے۔ فرمایا یہ فاصلہ ڈیڑھ گز بھی ہوسکتا ہے۔ سائل نے عرض کیا۔ نہیں۔ پھر فرمایا پون گز بھی ہوسکتا ہے؟ سائل نے کہا حضرت! نہیں۔ یہ تو پورا ایک گز ہی ہے۔ کم یا زیادہ نہیں ہے۔۔۔۔ عالم موصوف نے فرمایا بس وحی اور کشف میں یہی فرق ہے۔ وحی یقینی اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا تر ہے اور کشف ظن وتخمین۔ اس نشست میں حضرت مولانا عبید اللہ انور اور محترم نواب زادہ نصر اللہ خان بھی تشریف فرما تھے۔ سامعین کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کسی عارفانہ نکتے کی وضاحت پر اللہ اکبر کہہ کر چونک پڑتے اور کبھی قاری صاحبؒ کے "شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی"! کو دیکھ کر دم بخود رہ جاتے۔

ان شخصی تاثرات کے بعد اب حضرت قاری صاحب کے سوانح ملاحظہ فرمائیے۔ قاری صاحبؒ کے سوانح کے اخذ ومطالعہ میں زیادہ اعتماد وانحصار تاریخ دارالعلوم دیوبند پر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف حضرتؒ کے سوانح بلکہ اور بھی کئی وسیع علمی دینی اور تاریخی موضوعات پر اس سے زیادہ بہتر اور معتبر ماخذ، دستیاب وسائل میں ملنے کا کوئی امکان نہیں۔

مردم خیز قصبہ۔۔۔۔ نانوتہ: ضلع سہارنپور کے قریب ایک مردم خیز قصبہ نانوتہ ہے۔ یہ دیوبند کی مغربی جانب ۱۶، میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قاری محمد طیب صاحب کے جد امجد استاذ العلماء حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اسی قصبے میں ۱۸۳۳/۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے والد محترم کا نام شیخ اسد علی بن غلام شاہ ہے۔ وہ بڑے پرہیز گار پابند صوم وصلوٰۃ شخص تھے۔

اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ مولانا محمد قاسمؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبد الغنی دہلویؒ سے حدیث شریف پڑھی تھی۔ حضرت نانوتویؒ کی شادی کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس میں حضرت کے فقروزہد اور ایثار فی سبیل اللہ کا عجیب و عظیم سبق جگمگا رہا ہے۔ آج کل شاید بہتوں کے لئے یہ قصہ ایک عجوبہ ہو مگر علمائے دیوبند میں ایسی مثالیں عام تھیں۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت قاسم نانوتویؒ کے پاس علوم دین کی دولت تو بے پایاں تھی مگر دنیوی دولت سے تہی دامن تھے۔ نہ صرف تہی دامن تھے بلکہ دولت و ثروت سے دور بھاگتے تھے۔ فقر وفاقہ کے دلدادہ تھے۔ اس کے برعکس حضرت والاؒ کی جہاں شادی ہوئی وہ گھرانہ حضرت نانوتویؒ کی ضد تھا یعنی یہ کہ حضرتؒ کے سسرال والے بڑے مالدار، صاحب وجاہت اور بڑی اراضی کے مالک زمیندار تھے۔ سسرال والوں کو معلوم تھا کہ ان کا مقدس داماد کشور علم و عمل کا کتنا بڑا فرمانروا ہے۔ سو انہوں نے کیا یہ کہ حضرت نانوتویؒ کی دلہن کو سونے کے زیورات سے لاد دیا۔ دلہن حضرت نانوتویؒ کے گھر تشریف لائیں تو حضرتؒ نے پہلا حکم یہ دیا کہ زیورات سے دستبردار ہو جاؤ، آج کل کی کوئی دلہن ہوتی تو نہ جانے کتنا ماتم کرتی مگر اس ننھی نویلی دلہن کے وجود میں نہ جانے کیسی رابعہ صفت روح کام کر رہی تھی کہ بلا تامل شوہر نامدار کی اطاعت کی سارا زیور اتارا اور اپنے سرتاج کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت نانوتویؒ نے یہ زیور بیچ ڈالا اور اس کے عوض جو خطیر رقم ملی پوری کی پوری دار العلوم دیوبند کے غریب طلبہ پر صرف فرمادی۔ انہیں اپنی دلہن کے سنگھار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی ساری طلب اور تڑپ یہ تھی کہ ملتِ اسلامیہ دینی علوم کے زیور سے آراستہ ہو جائے۔ چنانچہ زیور بکنے کے بعد اس کی رقم نادار طلبہ پر خرچ ہوگئی تو یہ میاں بیوی نہال ہوگئے۔

سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل
یوں خوش ہیں جیسے دولت کونین پا گئے

شوہر نامدار کے ہاں کچھ دن رہنے کے بعد دلہن میکے گئیں تو ان کا وجود ہر زیور سے خالی تھا۔ میکے والوں کو تعجب ہوا۔ پوچھا زیور کا کیا کیا؟ کہا شوہر پر نثار کر دیا۔ اللہ اللہ! وہ کتنے بلند پایہ، عالی ظرف لوگ تھے۔ داماد کی شان میں کوئی بے ادبی نہیں کی۔ زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہیں آیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو دوبارہ زیور سے لاد دیا۔ وہ سسرال پہنچی تو حضرت نانوتویؒ نے انہیں پھر زیور سے آراستہ پایا۔ حضرتؒ کی جبین شکن آلود ہوگئی۔ نرمی اور نوازش سے فرمایا، بیگم! ہمارے ہاں رہنا ہے تو سونے چاندی کی محبت سے ہاتھ اٹھالو۔ ہمیں یہ ٹھیکرے پسند نہیں۔ سونے چاندی کی محبت مہلک روگ ہے۔ یہ سونے چاندی کے انگارے ہی تو ہیں، جنھوں نے ایمان ویقین کے نشیمن پھونک دیے ہیں۔ دلوں کی بستیاں جلا دی ہیں اور انسان کی روح کو جھلسا ڈالا ہے۔ دل بڑی قیمتی چیز ہے۔ اسے خدائے مقدس کی محبت کی جلوہ گاہ بناؤ۔ اسے سونے چاندی جیسی حقیر چیز کی محبت سے آلودہ نہ کرو۔۔۔۔ دلہن نے خاموشی سے یہ ارشادات سنے اور ہمیشہ کے لئے سر اطاعت جھکا دیا۔

یہ کیسا عجیب و عظیم قصہ ہے۔ اس میں دار العلوم دیوبند کے بانیؒ کی سیرت کا جو کوہِ نور چمک رہا ہے وہ انسانوں کو قیامت تک فلاح کی سچی راہ دکھائے گا۔ دنیا سے بے رغبتی اور خدائے ذوالجلال کی محبت واطاعت کامیابی اور سرفرازی کی وہ کلید ہے جو دین ودنیا کے ہر

ہر گنجینے کا قفل کھول دیتی ہے۔ حضرت قاری محمد طیبؒ اسی خانوادہ صدیقی کے نورِ نظر ہیں، انہوں نے اپنے عالی مرتبت دادا حضرت قاسم نانوتویؒ کی اعلیٰ روایات کی گود میں پرورش پائی۔ حضرت نانوتویؒ کے وہ علوم جو صرف ہندوستان اور افغانستان تک محدود تھے۔ قاری صاحبؒ نے ان علوم کی ضیا باریوں کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچادیا۔

ولادت اور تعلیم: قاری محمد طیب صاحب جون، ۱۳۱۴/۱۸۹۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا۔ بعد میں ان کا نام محمد طیب تجویز کیا گیا اور وہ اسی نام سے شہرہ آفاق ہوئے۔ ابھی ان کی عمر سات سال تھی کہ انہیں دارالعلوم دیوبند کے سپرد کردیا گیا۔ ان کی مکتب نشینی بڑے اونچے بزرگوں کی موجودگی میں ہوئی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی موجودگی میں آپ کی بسم اللہ کرائی گئی۔

دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا۔ اور اس کے ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجہ فارسی میں داخل کئے گئے اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شعبہ عربی میں داخلہ لے لیا۔ چونکہ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے۔ اس لئے خدا نے قوت حافظہ بطور خاص ودیعت فرمائی تھی۔ نیز جس مقدس شخصیت حضرت نانوتویؒ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی۔ انہی کی نسبت روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت ونگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء میں فراغت پا کر سندِ فضیلت حاصل کی۔ حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ امام العصر محدثِ اعظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل رہا۔

اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اوائل حدیث کی تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب انصاری اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب سے بھی سندِ حدیث لی ہے۔ آپ کے دوسرے اساتذہ ومشائخ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا رسول خان جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ جنہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت میں بڑا حصہ لیا، اور آپ پر ہمیشہ شفقت فرماتے رہے۔ (ماہنامہ الرشید لاہور)

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئی تہذیب و تعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے۔ جو اپنے وقت میں علم ودین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادہ، توکل پسندی، کم سے کم اسباب، معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہ "حضرت نانوتویؒ کے فیضان

صحبت اور رفاقت سے براہِ راست مستفید تھیں۔ دادی صاحبہ اپنی عبادت وریاضت سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز روزہ، ذکر شغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں۔

میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم وتربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی۔ مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سیکڑوں طلباء دارلعلوم کے لئے جو ملک وبیرونِ ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے۔۔۔۔۔ میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہروقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی۔

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے۔ والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بعد میں آپ نے جذبہ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متاسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلاکر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبہ دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا۔ جو طلبہ میں معروف تھا۔

یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ میری دادی صاحبہ ایک دفعہ امروہہ ضلع مراد آباد تشریف لے گئیں۔ جہاں میرے دادا صاحب کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدّث امروہی تشریف فرماتھے وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے۔ حضرت مولانا امروہی مرحومہ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والوں میں خود بھی شریک تھے۔ یہ تھا اس دور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام، میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور دین کے نادار طلبہ سے محبت وشفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ میرے آباؤ اجداد نے طلبہ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے، اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادی کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں۔ کتنے ہی علماء وفضلاء ہیں۔ جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں۔ حضرت قبلہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کی شادی بھی میرے والد صاحب کے اہتمام سے ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیوبند کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی۔ غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا، دوسرے متعدد علماء وفضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت وآرام سے وقت گزارا۔ تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانہ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔

حفظِ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ فارسی میں مولانا محمد یسین صاحب (والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب) فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ اور علوم کتب وسنت میں علامہ دہر یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن

عثمانیؒ، حضرت مولانا سیّد میاں اصغر حسین صاحب، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، اور مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میرے اساتذہ رہے۔ اپنے رفقاء درس میں بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں۔ لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گزرا، انمیں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، اور مولانا میرک شاہ کشمیری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضرات بھی اپنے علم وفضل میں بے نظیر ہیں۔

مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سیّد محمد میاں دیوبندی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دار العلوم میں سے ہیں۔ اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا۔ اس کے بارے میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حدیث شریف کے استاد اعلیٰ تھے مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے۔ طلباء کی ذراسی غفلت پر خفا ہوجاتے۔ ایک دفعہ طلباء کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دار العلوم میں سبق پڑھانا موقوف کردیا۔ طلباء پر استاد کی خفگی کا بہت بڑا اثر ہوا۔ مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی، اور طلباء نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا عثمانی کے منانے کے لئے ان کے سامنے مجھے پیش کیا جائے۔ حالاں کہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا۔

چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں جاکر عرض معروض اور طلباء کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا، تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرمائی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے اور اسباق کا سلسلہ شروع کردیا۔ میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت وعنایت دیکھ کر اکابر کی کشید گیوں کو دور کرنے کے لئے اساتذہ کی طرف سے مجھے ہی منتخب کیا جاتا تھا۔

(رسالہ ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند)

مسند درس وتدریس: حضرت حکیم الاسلام کی زندگی کے تین مرکزی مقام ہیں۔ جہاں سے آپ کا نصیب العین اور عند اللہ مقصد حیات سمجھا جاسکتا ہے:

(۱) مسند درس وتدریس (۲) مسند اہتمام (۳) مسند رشد وہدایت۔

یہی تین پہلو ہیں جو حضرت قبلہ حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے تین اہم عنصر تھے، اور آپ کی تمام خدماتِ جلیلہ ان ہی تین گوشوں سے بطور خاص متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری فرماتے ہیں کہ:

"دورانِ تعلیم میں چونکہ اکابر واساتذہ کی حقیقت شناس نگاہوں نے آپ کی صلاحیتوں اور خداداد اور علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا۔ نیز آپ کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا۔ اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد منصب تدریس پر فائز کیا گیا۔ خداداد ذکاوت وذہانت، فہم وفراست اور پھر خاندانی وجاہت ونسبت کی بنا پر بہت جلد آپ نے عام مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی حاصل کرلی۔ اس مسند علم وفضل پر فائز ہونے کے بعد آپ کے اوصاف وکمالات کے حقیقی جوہر کھلے۔ جس کا اکابر نے تہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی کی۔ چنانچہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اکثر تبلیغی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بڑے بڑے نازک مواقع پر بہ تقاضائے وقت مختلف موضوعات پر آپ سے تقریر کراتے اور اظہار اطمینان ومسرت فرماتے تھے۔ مسندِ تدریس پر فائز ہونے کے بعد شروع میں آپ نے فقہ، منطق، فلسفہ، صرف ونحو، معانی اور مہتم بالشان کی اہم

کتابیں نہایت شان وشوکت سے پڑھائیں۔ اسی اثنا میں اہتمام کی اہم ذمہ داریاں بھی آپ کو سونپی گئیں، لیکن باوجود یہ کہ دارالعلوم کے انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں۔ نیز ملک وبیرن ملک تبلیغی اسفار کثرت سے بھی زیادہ تجاوز کر چکے تھے۔ مگر آپ کا ذوق وشوقِ تدریس برابر اسی نہج پر تھا، اور اس زمانہ اہتمام میں بھی کچھ نہ کچھ اسباق اپنے ذمہ کئے رہے اور الحمدللہ ان دنوں جب کہ دارالعلوم کی انتظامی مشغولیت اور مصروفیت اس حد کی تھی کہ شب وروز کا کوئی لمحہ اس سے فارغ نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود آخر دم تک آپ نے کبھی درس وتدریس سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ (الرشید لاہور)

جناب مولانا عزیز احمد قاسمی فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت حکیم الاسلام نے ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی اور اپنے مایہ ناز اساتذہ ہی کے زیرِ سایہ حبتہ للہ درس وتدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں اور اہتمام دارالعلوم کے طویل الذیل کاموں کے باوجود درس وتدریس کا مشغلہ آپ کا کبھی ترک نہیں ہوا۔ حدیث وتفسیر اور فنِ حقائق واسرار کی کتابیں جیسے حجتہ اللہ البالغہ وغیرہ اکثر زیرِ تدریس رہتی تھیں۔ آپ سے علمی استفادہ کرنے والے برصغیر کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں ممتاز علماء وفضلاء شامل ہیں جو آج خود بھی دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم)

درس حدیث کی خصوصیات: حضرت مولانا سیّد نورالحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں:

"حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات طیّبہ کا اکثر حصہ درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد میں گزرا جس طرح آپ فضل وکمال میں عدیل ومثیل نہ رکھتے تھے اسی طرح درس میں بھی آپ کی امتیازی شان تھی اور تدریس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ آپ کا درس پُروقار اور شائستہ ہوتا تھا، اور حلقہ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقہ تدریس کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ زمانہ تدریس کے آغاز میں منطق وفلسفہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے اس کے بعد حدیث کی اعلیٰ کتب زیر درس رہیں اور ہزاروں افراد کو اپنی زندگی میں فیض یاب کیا ہے"۔ (مکتوب بنام حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری)

حضرت مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری حضرت حکیم الاسلام کی درسی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اسی مادرِ علمی میں درس دینا شروع کیا اور اس عرصہ میں مختلف علوم وفنون کی اہم کتابوں کا درس دیتے رہے۔ خصوصیت سے حجتہ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی تھی، کہ جس میں آپ کے ذوق حکیمانہ کے جوہر واسرار کھلتے تھے اور پڑھنے والوں کی تشریحات اسلامی کی ان مخفی پہلوؤں پر آپ کے درس گرامی سے وہ نظر ہو جاتی تھی جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی میسر آنا مشکل ہے۔ حق یہ ہے کہ حکمت ولی اللّٰہی کے لئے جس فکری عروج کی ضرورت ہے، وہ بدرجہ اتم حضرت حکیم الاسلام میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوۃ شریف بھی برابر زیر درس تھیں۔ آپ نے کئی سال شمائل ترمذی کا درس بھی دیا ہے۔ حضرت حکیم الاسلام ایک طرف تو حضرت حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے صحیح وارث تھے اور دوسری طرف براہِ راست حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا اس لئے آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم ومعارف کا فیضان رہتا تھا چنانچہ آپ منقولات اور تشریحاتِ اسلامی کو دلائلِ عقیلہ سے اس انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن

مطمئن ہوسکے اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر اسی نہج سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا۔ جن لوگوں نے حضرتؒ کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علومِ قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرتؒ کی زبان سے حضرت نانوتویؒ کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام مرحوم سے راقم کو مشکوٰۃ شریف اور ابنِ ماجہ شریف میں شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے۔

مشکوٰۃ جس روز شروع ہوئی تو حضرت کے درس میں ابھی بسم اللہ بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ فنِ حدیث پر تقریر شروع کی۔ سچ کہتا ہوں کہ علم وفضل کا ایک بحرِ بیکراں تھا، جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا آرہا ہو۔ حقائق ومعارف کا ایک دریا تھا جو بے اختیار امڈ رہا تھا۔ الفاظ کیا تھے حقانیت ومعارف کے موتی تھے جو بے تحاشا لٹائے جارہے تھے۔ علم حدیث کی اہمیت پر استدلال، محدثین کے طبقات اہلِ قرآن کے اعتراضات اور ان کے جوابات، گویا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو۔

بہرحال حضرت قبلہ مرحوم کی درسی تقریریں تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، تحقیق مسائل کی بناء پر علمی حلقوں میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ایک طالب علم درس میں بیٹھ کر علم وفضل کے اس خزانے سے اپنے دامنِ مراد کو بھر کر اٹھتا تھا۔

(الرشید۔ لاہور ذی قعدہ، ۱۴۰۳ھ)

اہتمام کے لئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا انتخاب: اواخر ۱۳۴۹/۱۹۳۰ھ میں مجلس شوریٰ کے رکن مولانا سعید الدین صاحب رام پوری نے مجلس میں یہ تحریک پیش کی تھی کہ حضرت مہتمم صاحب اپنی کبر سنی کے سبب سے ضعیف ہوگئے ہیں، ہر چند ان حضرات نے اب تک خدماتِ دارالعلوم میں کوئی فرق نہیں آنے دیا، تاہم مجلس شوریٰ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس امر کا احساس کرتے ہوئے ایسے وسائل اختیار کرے جس سے ان حضرات کو فی الجملہ اپنے کاموں میں امداد مل سکے، تجویز کا متن یہ تھا۔

"حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سلمہا اللہ تعالیٰ کی جو کچھ خدمات ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، اب یہ دونوں حضرات بوجہ تقاضائے عمر ونیز بسبب امراض گوناگوں ضعیف ہوگئے ہیں، اگرچہ خدمات دارالعلوم میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیتے ہیں لیکن مجلس شوریٰ کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا احساس کرکے ایسے وسائل پیدا کرے جس میں ہر دو حضرات کو خاص طور سے اپنے کاموں میں امداد ملے، لہٰذا ایک عہدہ نائب دوم کا تجویز کرنا ضروری ہے، اور اس خدمت پر ایسا شخص تجویز کرنا ضروری ہوگا جو صاحب، علم، عالی خاندان اور بااثر ہو، دارالعلوم کے ساتھ سچی اور دلی ہمدردی مثل ان ہر دو حضرات کے رکھتا ہو، پس میں اپنی رائے میں اس عہدہ کے لئے مولانا قاری محمد طیب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو تجویز کرتا ہوں، مولانا موصوف نوجوان، صالح، صاحبِ علم اور عالی خاندان اور دارالعلوم کے ساتھ آبائی نسلاً بعد نسلٍ سچی ودلی ہمدردی رکھنے والے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے فرزند اکبر ہیں، مولانا محمد طیب صاحب پوتے، حضرت مہتمم صاحب کے زمانے میں دارالعلوم کو جس قدر ترقیات آمدنی میں ہوئیں اور جس قدر درجات تعلیم المضاعف ہوئے، جس قدر طلباء کی تعداد بڑھی، اور جس قدر ہندوستان سے باہر دور دراز اقالیم وممالک میں اس دارالعلوم کی قدر ومنزلت قلوب، میں عامۃً روز افزوں پیدا ہوئی اس کے

ثبوت میں خود دارالعلوم ایک مجسم شہادت موجود ہے، لہذا تمام مسلمانان بہی خواہان دارالعلوم پر عموماً اور مجلس شوریٰ پر خصوصاً روحانی طور سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ میں بشرطِ قابلیت وصلاحیت نظام دارالعلوم تجویز کردیا جائے تاکہ وہ روحانی فیض جو ترقیات دارالعلوم میں باطنی طور پر ممدّ ومعاون ہے برابر جاری رہے" (۱)

مجلس کی اس تجویز کی رو سے ۱۳۴۱ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو نائب مہتمم بنایا گیا مگر یہ عہدہ آپ کے طبعی رجحان کے خلاف تھا، آپ انتظامی امور سے علیحدہ رہ کر یکسوئی کے ساتھ علمی اور تدریسی مشاغل کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اپنی خواہش واصرار سے اپنے آپ کو شعبہ تعلیم میں منتقل کرالیا، مگر بالآخر اکابر کے اصرار نے مجبور کیا اور پھر آپ کو نیابتِ اہتمام کا عہدہ سنبھالنا پڑا، جس پر اوائل رجب ۱۳۴۸ھ تک فائز رہے، حضرت مولانا عثمانی کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے پہلے تجربے کے طور پر قائم مقام مہتمم بنایا اور جب اس امر کا یقین ہوگیا کہ اس اہم منصب کے سنبھالنے کی آپ میں بدرجہ اتم صلاحیت موجود ہے تو مندرجہ ذیل فیصلے کے ساتھ آپ کو مستقل طور پر مہتمم مقرر کردیا گیا، مجلس کی تجویز یہ ہے:۔

"ہم سب ممبران مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۸، شوال ۱۳۴۸ھ سے ۲۱، شوال ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم کے تمام شعبوں کا غور سے معائنہ کیا، جو امور بحث طلب مہتمم صاحب نے مجلس شوریٰ میں پیش کئے ان کا بلدرو رعایت تصفیہ کیا، ہم ممبران اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ جب سے مولوی قاری محمد طیب صاحب نے زمامِ اہتمام اپنے ہاتھ میں لی ہے ان کے ہر طریقِ عمل سے صدق واخلاصِ نیت، حُب وبغض فی اللہ اور ادائے حقوق وفرض شناسی میں عزم قوی اور ثبات واستقلال بوجہ احسن ثابت ہوتا ہے، ولله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فی، ہم سب حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے قوی امید رکھتے ہیں کہ اس تھوڑی سی مدت میں جن خوبیوں کا مہتمم صاحب سے ظہور ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس سے اضعافاً مضاعفۃً ظاہر ہوگا، "وما ذلک علی اللہ بعزیز" یہ الفاظ بے اختیار قلب سے نکلے ہیں اس میں نہ تصنّع کو دخل ہے اور نہ مہتمم صاحب کی خدمات کی داد ہے (۱) (۲)۔

مسجد میں اضافہ اور دارالحدیث کی تکمیل: طلباء کی روز افزوں کثرت کے سبب سے مسجد دارالعلوم تنگ ہوگئی تھی، بالخصوص دھوپ اور بارش میں سخت تکلیف پیش آتی تھی اس لئے حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے سب سے پہلے جو اقدامی تجویز اپنے قلم سے لکھی وہ مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر سے متعلق تھی، نیز صحنِ مسجد کو بھی مشرق کی جانب بڑھایا گیا، اور حوض جو پہلے صحن کے آخر میں تھا توسیع کے بعد تقریباً وسط میں ہوگیا، اس تعمیر کے تمام مصارف سید زین العابدین صاحب حیدر آباد نے ادا فرمائے، دارالحدیث کی پُرشکوہ عمارت جو عرصے سے زیر تعمیر تھی بحمد اللہ ۱۳۴۹ھ میں بہمہ وجوہ مکمل ہوگئی۔

---

(۱) رجسٹر تجاویز مجلس شوریٰ ۱۳۴۰ھ۔ (۲) روداد۔۴۸، ۱۳۴۹ھ ص "ہ" (۳) راقم نے حضرت قاری صاحب سے سنا آپ نے فرمایا کہ مجھے جب مہتمم بنایا گیا تو میں دارالاہتمام میں جا کر ایک کونے میں پھوہڑی بچھا کر بیٹھ گیا مجھے شرم آئی کہ اپنے بزرگوں کی جگہ پر بیٹھوں کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تشریف لائے اور فرمایا کہ ان سخن سازیوں سے بات نہیں چلے گی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسندِ اہتمام پر بٹھایا۔ حضرت مدنیؒ بہت ہی مشفق بزرگ تھے۔ (ارشد)

۱۹۳۳-۱۹۳۲ /۵۰، ۱۳۵۱ھ، دورہ تفسیر کا اجراء: دارالعلوم میں عرصے سے یہ تجویز زیر غور تھی کہ جس طرح حدیث کی اعلیٰ تعلیم دورہ حدیث کے ذریعے دی جاتی ہے، اسی طرح تفسیر میں بصیرت پیدا کرانے کے لئے نصاب تعلیم میں دورہ تفسیر کا اجراء کیا جانا ضروری ہے، اب تک علم تفسیر میں جلالین اور تفسیر بیضاوی کی صرف سورہ بقرہ داخل نصاب تھی، ان کتابوں کی تعلیم سے قرآن فہمی میں اس قدر مناسبت اور استعداد تو ضرور پیدا ہوجاتی تھی کہ طالب علم فراغتِ تحصیل کے بعد ذاتی مطالعے سے مزید بصیرت حاصل کرسکتا تھا نیز ضرورت کے وقت آیات قرانیہ سے فی الجملہ استفادہ بھی کرسکتا تھا مگر چونکہ سب لوگوں کو بالعموم ایسے حالات میّسر نہیں آتے کہ وہ زمانہ تحصیل علم کے بعد علوم سے مزاولت باقی رکھ کر اپنے علم و معلومات میں مزید اضافہ کرسکیں، اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ زمانہ تعلیم ہی میں تفسیر کے متعلق تفصیلی معلومات کا ذخیرہ طالب علم کیلئے مہیا کردیا جائے تاکہ بعد میں اگر مطالعہ کتب کا موقع میّسر نہ آئے تو محفوظ شدہ معلومات سے اس کی کچھ تلافی ہوسکے۔ ہندوستان کے اسلامی مدارس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے پہلے علم حدیث کی بھی یہی حالت تھی، مشکوۃ المصابیح یا مشارق الانوار کا پڑھ لینا اس علم میں کافی سمجھا جاتا تھا شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس قدیم روش میں تبدیلی کرکے حدیث کی تعلیم کے معیار کو بلند کیا، شاہ صاحبؒ کے اس معیار کی دارالعلوم نے کما حقہ اشاعت کی، اس لئے یہاں دورہ حدیث کو تعلیم حدیث کے لئے ہمیشہ سے ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔

دورہ تفسیر کے اجراء کے ساتھ مزید دو کتابیں داخلِ نصاب کی گئیں۔ ایک تفسیر بیضاوی (مکمل) اور دوسری تفسیر ابن کثیر، یہ دونوں کتابیں فہم قرآن کے لئے علم تفسیر میں نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں، دورہ تفسیر سے پہلے جلالین اور اصول تفسیر میں الفوز الکبیر پڑھنا لازمی ہے، دورہ تفسیر کے اجراء سے دارالعلوم میں علم حدیث کی طرح علم تفسیر کا معیار بھی بہت بلند ہوگیا ہے۔

تجوید کا لزوم: تجوید کی تعلیم تو ۱۳۲۱ھ سے شروع ہوچکی تھی مگر اب تک اس کی مشق و تعلیم طلباء کے لئے اختیاری تھی، لازمی نہ تھی اس سال سے تجوید کی مشق لازمی کردی گئی، اور یہ ضابطہ بنادیا گیا کہ جب تک طالب علم کم از کم پارہ عم کی مشق نہ کرلے سندِ فراغت نہ دی جائے۔

۱۹۳۴/۱۳۵۲ھ، تعمیر دارالحدیث فوقانی: ابتداءً جب دارالحدیث کا مسئلہ زیر غور تھا تو تجویز یہ تھی کہ دارالحدیث کی عمارت "نودرے" کے اوپر تعمیر کی جائے، چنانچہ ۱۹۱۱/۱۳۲۹ھ میں اس کا سنگِ بنیاد بھی رکھ دیا گیا، لیکن اس کے بعد دوسری تجاویز کے مطابق ۱۹۱۵/۱۳۳۳ھ میں دارالحدیث کی تعمیر کا آغاز بالائے نودرہ کے بجائے عقب نودرہ سے کیا گیا اور چند سالوں میں اہلِ خیر مسلمانوں کی توجہ اور بذلِ ہمت سے نہایت عظیم الشان عمارت عالمِ وجود میں آگئی جس میں ایک وسیع ہال کے علاوہ متعدد بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے ہیں، اپنی نوعیت کی ہندوستان کے اسلامی مدارس میں یہ پہلی عمارت ہے مگر آغازِ تعمیر سے ٹھیک بیس سال بعد دارالعلوم کی روز افزوں ترقی کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ ۱۳۲۵ھ کے مجوزہ نقشے کے مطابق ایک اور ہال درسِ حدیث کے لئے "نودرے" پر تعمیر کیا جائے، چناچہ ۱۹۳۴/۱۳۵۲ھ میں اس کی تعمیر کا آغاز کردیا گیا اور چند سالوں میں بحمدللہ یہ عظیم الشان ہال تعمیر ہوگیا۔

قواعد داخلہ میں اصلاح: طلباء کے داخلے کا اب تک جو طریقہ رائج تھا وہ نہایت وقت طلب تھا، طلباء دستی درخواست کے ذریعے داخلہ کراتے تھے، اس میں عدم نظم وضبط کے سبب سے تقدیم وتاخیر طلباء کے لئے اکثر وبیشتر تکلیف اور پریشانی کی موجب ہوتی تھی، اس کو دور کرنے کے لئے اس سال داخلے کے فارم طبع کرائے گئے جو قدیم وجدید طلباء کے لئے علیحدہ علیحدہ ہیں، اس فارم کے ذریعے سے ایسا نظام قائم کیا گیا ہے کہ ہفتہ بھر کے اندر اندر فارم تمام متعلقہ شعبہ جات سے گزر جائے اور داخلے کی جملہ ضروریات، اسباقِ متعلقہ، تعین اوقات، تقسیم کتب، اجراء امداد اور رہائش کا انتظام بروقت ہوتا رہے۔

کھانے کے ٹکٹ: قواعد داخلہ کی طرح تقسیم طعام میں بھی مناسب اصلاح عمل میں لائی گئی، اب تک یہ طریقہ رائج تھا کہ طلباء مقررہ وقت پر مطبخ میں پہنچ جاتے تھے اور کیف ما اتفق اپنا اپنا کھانا لے آتے تھے، اس میں اژدہام کے علاوہ ایک بڑا نقص یہ بھی تھا کہ یہ پتہ چلنا دشوار ہوتا تھا کہ کس طالب علم نے کھانا نہیں لیا یا کسی نے دو مرتبہ تو نہیں لے لیا، یہ بات محض مقسمِ طعام کی قوتِ یادداشت پر منحصر تھی، اس طریقے کو منضبط بنانے کے لئے ایلمونیم کے مدوّر ٹکٹ بنوائے گئے یہ ٹکٹ صبح وشام کے لئے علیحدہ علیحدہ ہیں، ٹکٹوں پر صبح یا شام کے الفاظ کی صراحت کے علاوہ اختلاف رنگ کے ذریعے بھی ان کو ممتاز کر دیا گیا ہے، ٹکٹوں پر نمبر کندہ ہیں، اور ہر نمبر کے دو ٹکٹ ہوتے ہیں، مطبخ کے رجسٹر میں طلباء کے نام درج ہوتے ہیں اور رجسٹر میں جس نمبر پر نام لکھا ہوتا ہے، وہی نمبر اس طالب علم کے ٹکٹ کا ہوتا ہے، ٹکٹ داخل کرنے پر اگلے وقت کے لئے اسی نمبر کا دوسرا ٹکٹ دے دیا جاتا ہے، مقسم مکرر ٹکٹ کو دیکھ کر کھانا حوالے کر دیتا ہے، اس طریقے سے جہاں طلباء کے لئے راحت وسہولت پیدا ہو گئی ہے، وہیں تقسیم میں بھی ضبط ونظم قائم ہو جانے کے سبب سے دوبارہ کھانا لے سکنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا، اس کے علاوہ تقسیم طعام میں اگر کوئی طالب علم غیر حاضر ہو تو بسہولت اس کا پتہ چل جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ایک ہزار طلباء کو گھنٹے بھر میں باآسانی کھانا تقسیم ہو جاتا ہے۔

۱۳۵۳/۱۹۳۵ھ، ایک مبارک چندہ: شوال ۱۳۵۳ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب نے جو شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کے خلیفہ تھے، چھ ہزار روپیہ دارالعلوم کے لئے عطا فرمائے اس گراں قدر رقم کو دارالعلوم کے لئے ایک صاحبِ نسبت بزرگ کا متبرک عطیہ ہونے کے علاوہ سرزمینِ بیت اللہ کی موہبتِ عظیم سے اگر تعبیر کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، ارضِ بیت اللہ سے کسی بعید ترین ادارے کی امداد کا غالباً یہ پہلا موقع ہے۔

پینشن کا اجراء: دارالعلوم میں سرانجامی خدمت کی بلحاظ عمر کوئی تحدید نہیں ہے، جب تک کوئی کارکن باعتبار صحت قویٰ متعلقہ فرائض کو انجام دے سکتا ہے اس کے علم کی پختگی اور کارکردگی کے تجربے سے محروم ہونے کو پسند نہیں کیا جاتا، لیکن جب قویٰ کام کرنے سے جواب دے دیں اور سبکدوشی ناگزیر ہو جائے تو دیرینہ خدمت گزار کی خدمات کا از بس تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ مروّت واخلاق اور دستگیری کا معاملہ برتا جائے، اب تک اس کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہ تھا، مولانا محمد یسین صاحب، منشی منظور احمد صاحب کو جو تقریباً ۴۰ سال سے درجہ فارسی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے سبکدوش کیا گیا تو مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ ان حضرات کی طویل

خدمات کے پیشِ نظر ان کو پینشن دی جائے۔

۱۳۵۴ھ، صدارت اہتمام: گزشتہ سال حضرت مہتمم صاحب کے زمانہ سفرحج میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی عارضی طور پر قائم مقام مہتمم مقرر کئے گئے تھے، ۱۹۳۵/۱۳۵۴ھ میں مجلس شوریٰ نے ممدوح کو ان کی عظیم شخصیت اور علم وفضل کے پیشِ نظر صدارت اہتمام کے لئے منتخب کیا، اس زمانے میں ممدوح کا مستقل قیام گجرات کے مشہور مدرسہ ڈابھیل میں تھا، مولانا عثمانیؒ وہاں سے بالکلیہ قطع تعلق کے لئے آمادہ نہ تھے، چنانچہ ابتداءً کچھ مدت تک یہ صورت رہی کہ کچھ عرصہ ڈابھیل میں قیام فرماتے تھے اور کچھ عرصہ دیوبند میں، مگر بالآخر دارالعلوم کی مرکزیت نے ان کو یہاں کھینچ لیا۔

سرپرستی کا مسئلہ: اس سال کے اہم واقعات میں ایک واقعہ سرپرستی کا مسئلہ ہے، زمانہ قدیم سے دارالعلوم کی سرپرستی کی یہ شکل تھی کہ جماعت میں جو شخصیت اپنے علم وفضل، ورع وتقویٰ، بزرگی اور اصابت رائے کے لحاظ سے زیادہ ممتاز ہوتی تھی اس کو دارالعلوم کے انتظامی امور کا مرجع الامر تصور کرکے مجلس شوریٰ اپنی تجاویز کے فیصلوں میں سرپرست سے رجوع کرتی تھی، البتہ اس کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہ تھا اور واقعہ بھی یہ ہے کہ دارالعلوم میں نمود ونمائش کی ضابطہ بندیوں کے بجائے درحقیقت دیانت واخلاق اور خلوص وللہیت پر زیادہ ترکاموں کی سرانجامی کا مدار رہتا آیا ہے، سرپرست کے اختیارات کا حاصل یہ تھا کہ ممبران میں اختلاف رائے کی صورت میں سرپرست کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا، اس میں خواہ سرپرست کی رائے قلت ہی کی جانب کیوں نہ ہو، البتہ اگر ممبران متفقہ طور پر کسی چیز کو پاس کرتے اور سرپرست کو اس سے اختلاف ہوتا تو وہ وجوہ اختلاف کو مدلل تحریر کرکے مجلس میں دوبارہ غور وخوض کے لئے بھیج دیتے تھے، اس صورت میں اگر مجلس اپنی سابق رائے سے رجوع نہ کرتی تو البتہ مجلس ہی کی رائے برقرار رہتی تھی اور بغیر استرضائے سرپرست اس کا نفاذ ہوجاتا تھا۔

۱۳۵۴ھ میں جب انتظامی امور کے لئے قوانین مدون ہوئے تو مندرجہ بالا طریقِ عمل کو باضابطہ بنادیا گیا، مگر ۱۹۳۰/۱۳۴۵ھ میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ اس بارے میں مجلس شوریٰ کے اندر اختلاف رائے پیدا ہوگیا، ایک جماعت کی رائے تو اس طریقِ عمل کی حمایت میں تھی اور دوسری جماعت اس کو مجلس شوریٰ کی بے بسی اور عدم ضرورت سے تعبیر کرتی تھی اور فیصلہ کا مدار کثرت رائے پر رکھنا چاہتی تھی، چنانچہ مجلس شوریٰ کے متعدد اجلاسوں میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۳۴۴ھ سے دارالعلوم کے سرپرست تھے از خود مصلحتاً سرپرستی سے مستعفی ہوگئے، رجب ۱۹۳۵/۱۳۵۴ھ میں مجلس شوریٰ نے حسب ذیل الفاظ میں یہ استعفاء منظور کرلیا:۔

مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس پورے غور وفکر اور احترام وتقدیس اور عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے استعفاء کو نہایت افسوس کے ساتھ منظور کرتا ہے، اور حضرت ممدوح سے درخواست کرتا ہے کہ اپنی دعوتِ صالحہ اور توجہاتِ عالیہ سے دارالعلوم پر ہمیشہ ظل گستر رہیں گے (۱)۔

---

(۱) روداد مجلس شوریٰ ۳ رجب ۱۳۵۴ھ۔

۱۳۵۵/۱۹۳۶ھ، تین شعبوں کا قیام: دارالعلوم کے فضلاء اور بہی خواہان کی تنظیم آمدنی کی توقیر، کاغذات و اسلحہ کے تحفظ، طلباء کی جسمانی ورزش کے سلسلے میں حسب ذیل تین شعبے قائم کئے گئے۔

شعبہ تنظیم و ترقی: اس شعبہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ لٹریچر اور عملی کاروائی کے ذریعے ملک میں دارالعلوم کے فضلاء اور بہی خواہوں کے نام سے ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو دارالعلوم کے اثرات کو ہمہ گیر بنانے والی ہو اور جس کا ہر فرد خود بھی کم از کم ایک روپیہ سالانہ چندہ گزار ہو، اس سلسلے میں توخیر آمدنی کے لئے حسب ضرورت سفیر رکھے جاتے ہیں، جن پر ملک کے مختلف حصوں کو تقسیم کردیا جاتا ہے، یہ سفراء اپنے اپنے علاقوں میں کام کرتے ہیں، شعبہ تنظیم و ترقی کی کارگزاری کی تفصیل آئندہ اوراق میں پیش کی جائے گی۔

محافظ خانہ: اب تک دارالعلوم کے شعبے جات ودفاتر کے کاغذات و اسلحہ رجسٹر وغیرہ دفاتر ہی میں رکھے جاتے تھے، ان کی کوئی باقاعدہ ترتیب وتہذیب اور مرتب یادداشت نہ تھی، جس کے سبب سے اکثر و بیشتر بروقت ضرورت مطلوبہ کاغذات کی دستیابی میں سخت مشکلات پیش آتی تھیں، دارالعلوم کی طویل عمر اور وسیع کاروبار نے ان مشکلات میں اور بھی اضافہ کردیا تھا، کاغذات مختلف شعبہ جات میں منتشر رہتے تھے، نیز اکثر کاغذات میں دفتری طریق کار کے لحاظ سے سقم بھی باقی رہ جاتا تھا جو آئندہ کے لئے مضرت رساں بن جاتا تھا، اس کوتاہی اور دقت کو رفع کرنے کے لئے محافظ خانہ کے نام سے ایک شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا، اور جملہ شعبوں کے تمام سابقہ اسلحہ کاغذات اور دستاویزات کو محافظ خانہ میں منتقل کرکے ترتیب و انضباط کے ساتھ رکھا گیا تاکہ بوقت ضرورت کاغذات بسہولت حاصل ہوسکیں، اور ہر کاغذ کی دفتری ضابطے کے مطابق بروقت تکمیل ہوتی رہے اس وقت محافظ خانہ میں دارالعلوم کا ایک سوچودہ سال کا تاریخی سرمایہ محفوظ ہے۔

شعبہ ورزش: بقائے صحت کے لئے تفریح اور ورزش جس قدر ضروری ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے، بالخصوص طلباء کے لئے جو دن رات دماغی محنت میں منہمک رہتے ہیں اس کا ہونا از بس ضروری ہے، ہر چند طلباء اب تک بطور خود فرصت کے اوقات میں مختلف کھیل کھیل لیتے تھے مگر اس کا کوئی مقررہ نظام نہ تھا، اس اہم ضرورت کے پیش نظر باقاعدہ اس کا انتظام کیا گیا اور ایک شعبہ ورزش جسمانی کے نام سے کھول دیا گیا تاکہ دماغی محنت کے ساتھ جسمانی ورزش کے ذریعے اعضائے بدن کی نشوونما اور طاقت و توانائی کے حصول میں خاطر خواہ مدد پہنچائی جاسکے، نیز ایسے ذرائع کا شروع ہی سے انسداد کردیا جائے جو طلباء کو لہو ولعب کی طرف لے جانے والے ہوں، اس شعبہ میں مختلف جسمانی ورزشوں کے علاوہ لاٹھی، گتکا اور بنوٹ وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

علمائے مصر کا وفد: اس زمانے میں جامعہ ازہر کے علماء کا ایک مقتدر وفد جو وہاں کے مخصوص اساتذہ پر مشتمل تھا ہندوستان آیا ہوا تھا، دارالعلوم کی دعوت پر ۲، ذیقعدہ ۱۳۵۵/۱۹۳۶ھ کی شام کو وفد کے اراکین دارالعلوم میں تشریف لائے، اگلے روز وفد نے دارالعلوم کا معائنہ کیا، اساتذہ کی محنت و تن دہی، کثرت اسباق اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کی جامعیت کو دیکھ کر وفد کو حیرت ہوتی تھی، چنانچہ امیر وفد شیخ ابراہیم الجبالی نے اس پر بار بار اپنے تعجب کا اظہار کیا، ان کو یقین نہ آتا تھا کہ ایک ہی استاد ۵-۶ گھنٹے کس طرح مختلف علوم کی متعدد بلند پایہ کتابیں پڑھا سکتا ہے اور مختلف علوم میں کیوں کر جامعیت پیدا کرسکتا ہے۔

معائنے کے بعد خیر مقدم کے جلسے میں سپاس نامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں امیر وفد نے دارالعلوم کا شکریہ اوراس کی علمی خدمات کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے دارالعلوم اور جامعہ ازہر کے مابین ارتباطِ باہمی کے رشتے کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کئے جانے کی خواہش کا پرزور الفاظ میں اظہار فرمایا۔

۱۳۵۶/۱۹۳۷ء، چند جدید عمارتیں: سال زیر بحث کی تاریخ میں روز مرہ کے معمولی واقعات وسوانح کے علاوہ سات مستقل عمارتیں تعمیر ہوئیں، پہلی عمارت درجہ فارسی کی وہ درسگاہ ہے جو اس درجے کی قدیم درسگاہوں کے قریب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی یادگار کے طور پر "یادگارِ سعدی" کے نام سے موسوم ہے، "یادگارِ سعدی" حیدر آباد دکن کے سرور خان صاحب گنۃ دار کے عطیے سے تعمیر ہوئی ہے، دوسری محافظ خانے کی وہ دو منزلہ عمارت ہے جو دارالاہتمام کی جنوبی سمت میں واقع ہے۔

تیسرا سلسلہ جدید دارالطلباء کی تکمیل سے متعلق ہے جس کی تفصیل (جو حضرت مہتمم صاحب کی یادداشت سے ماخوذ ہے) یہ ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہما اللہ کے دور میں دارِ جدید کے صرف پانچ کمرے شمال مغربی سمت میں تعمیر ہوسکے تھے جبکہ اس عظیم دارالاقامہ میں ۵۲ کمرے تجویز شدہ تھے، روز مرہ کے معمولی چندوں سے یہ عظیم عمارت خدا جانے کتنے طویل عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچتی۔ اس لئے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حیدر آباد دکن کا سفر اختیار فرمایا، تاکہ ریاست دکن سے کوئی یکمشت بڑی امداد حاصل کی جاسکے، یہ سر اکبر حیدری کی صدارت عظمیٰ کا زمانہ تھا، حضرت ممدوح نے بتوسط نواب عبدالباسط خان صاحب مرحوم صدرِ اعظم موصوف سے ملاقات کا وقت لیا، ملاقات کے دوران مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ دار جدید کے ۴۷ کمرے تعمیر طلب پڑے ہوئے ہیں جو شاہی قسم کا کام ہے اس لئے فیاض اور دین پسند شاہیت ہی اسے پورا کرسکتی ہے جو بلاشبہ آج کے دور میں ہمارے لئے مملکتِ آصفیہ دکن ہے آپ اس وقت اس کے عملی سربراہ ہیں اگر آپ نے اس میں فیاضی سے کام لیا تو آپ کا دور یادگار دور رہے گا اور علمی حلقوں میں ہمیشہ آپ کا نام احترام سے لیا جاتا رہے گا، سر اکبر حیدری نے اس تقریر سے متاثر ہوکر فرمایا کہ میں اس میں ہمدردانہ سعی کروں گا تدبیر یہ ہے کہ سرکار نظام کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ایصالِ ثواب کے نام سے آپ ایک معروضہ سرکار عالی کی خدمت میں پیش فرمادیں جس میں عام تعلیمی اداروں کے ضمن میں دارالعلوم کا ذکر بھی فرمادیں وہ جتنی رقم کی منظوری مرحمت فرمائیں گے اس میں نصف دارالعلوم کی ہوگی اور نصف ہم یہاں کے تعلیمی امور کے لئے رکھ لیں گے، چنانچہ حضرت ممدوح نے اس مضمون کا مراسلہ سرکار عالی کو پیش کرنے کے لئے سر اکبر حیدری کے پاس بھجوادیا، جس پر انہوں نے ایک لاکھ روپے کی سفارش لکھی، یہ مراسلہ اسی دن سرکار عالی کے سامنے پیش ہوگیا انہوں نے نہ صرف اسے منظور ہی فرمایا بلکہ ایک کے ہندسہ کو دو بنا کر دو لاکھ کی منظوری دے دی جو حضرت مہتمم صاحب کے لئے غیر معمولی خوشی کا سبب ہوئی کہ وہ تخمیناً پچاس ساٹھ ہزار کا اندازہ لے کر گئے تھے اس زمانہ میں ایک کمرہ کا تخمینہ قریباً ایک ہزار ہوتا تھا مولانا حکیم مقصود علی خاں صاحب حیدر آبادی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم نے فون پر مبارک باد دی اور فرمایا کہ اس ملک کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ بغیر دفتری چکروں کے ہمراہ کسی معروضہ کے منظوری اور وہ بھی طلب سے زیادہ دو گنی رقم کی مل گئی، سر اکبر حیدری نے اس رقم کے لئے ایک کمیٹی بنادی اور اس پر پہلے ہی سے اپنی رائے بھی لکھ دی کہ اس رقم کو بینک میں داخل کرکے اس کے سود سے طلبائے دکن کے وظیفے جاری کئے جائیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے بکمال جرأت سر اکبر حیدری سے پھر

ملاقات کا وقت لیا اور صاف گوئی کے ساتھ ناگواری کے لہجے میں اس وعدہ خلافی کو ان کے سامنے جتا کر متاسفانہ انداز سے اٹھ کر چلے آئے جس پر سر اکبر حیدری سوائے سکوت ندامت کے اور کچھ نہ کہہ سکے۔

یہ افسوس لے کر حضرت ممدوح دیوبند لوٹے، اور اس مقصد کے لئے اس دوران مدراس کا سفر کیا حاجی اسماعیل صاحب مرحوم کے یہاں قیام ہوا جو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ سے بیعت تھے حضرت ممدوح نے دکن کا پورا واقعہ سنا کر فرمایا کہ اب میرے اس غم والم کی تلافی آپ حضرات کو کرنی ہے، جس پر مریت حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ آپ صرف ایک اپیل ہمیں لکھ کر دے دیں کام ہم کریں گے آپ کو کہیں آنا جانا نہیں پڑے گا اس طرح اس رمضان کے ایک ہی عشرہ میں ۴۷ ہزار روپے جمع کر کے انہوں نے ممدوح کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہا کہ اگر آپ بقیہ حصہ رمضان بھی ہمیں دے دیں تو یہ رقم ایک لاکھ تک پہنچ سکتی ہے مگر حضرت ممدوح نے فرمایا کہ جب ضرورت کی قدر رقم ہمیں حق تعالیٰ نے عطا فرمادی ہے تو ہوس کی ہمیں ضرورت نہیں، چنانچہ اس رقم سے دارِ جدید کے تمام کمرے سوائے صدر دروازہ کے (جو باب الظاہر کے نام سے موسوم ہے) مکمل ہوگئے (۱)۔

۱۹۳۸/۱۳۵۷ھ، حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر رسل ورسائل کا ورود: دارالعلوم کو ریلوے اسٹیشن سے ملانے کے لئے عرصے سے ایک مستقل سڑک کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں جبکہ ہندوستان کے سات صوبوں میں قومی حکومت قائم ہوگئی تھی یوپی کی صوبائی حکومت کو اس طرف توجہ دلائی گئی، اس سلسلے میں وزیر رسل ورسائل حافظ محمد ابراہیم صاحب کو دعوت دی گئی تاکہ وہ بچشم خود دارالعلوم کی اس اہم ضرورت کا معائنہ فرمالیں، چنانچہ ۳۱، مئی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کو موصوف دیوبند تشریف لائے، اسٹیشن پر اکابر دارالعلوم اور طلباء کے علاوہ عمائدینِ شہر وضلع سہارن پور، حکام محکمۂ نہر اور ممبران میونسپل بورڈ معزز مہمان کے استقبال کے لئے موجود تھے، حافظ صاحب کا شاندار جلوس اسٹیشن سے روانہ ہو کر شہر کے آراستہ بازاروں سے گزرتا ہوا ۸ بجے دارالعلوم میں پہنچا۔

دارالعلوم کی تاریخ میں ارکانِ دارالعلوم کے لئے ایسے مسرت انگیز شاندار استقبال کا یہ پہلا موقع تھا، یہاں یہ بتلانا ضروری نہیں کہ یہ جوش وخروش اور مسرت دارالعلوم کی دیرینہ حریت طلبی کا نتیجہ تھا، اس کی عمر میں ارا کینِ حکومت کے قومی ہونے کا یہ پہلا اتفاق تھا، دارالعلوم نے عرصہ ہوا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کا سماں دارالعلوم کی آنکھوں کے سامنے تھا اس لئے جس قدر بھی جوش ومسرت کا اظہار ہوتا وہ کم تھا، خیر مقدم جلسے میں سپاسنامہ اور جذباتِ تشکر سے لبریز قصائد پڑھے گئے، اکابر دارالعلوم نے معزز مہمان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، سپاس نامہ میں بتحریک حضرت مدنی رحمۃ اللہ دارالعلوم کے نام سے ایک سڑک تعمیر کئے جانے پر توجہ دلائی گئی تھی، جو اسٹیشن دیوبند سے سیدھی دارالعلوم تک پہنچتی ہو، آخر میں حافظ صاحب نے جوابی تقریر فرمائی جس کے ایک ایک لفظ سے والہانہ خلوص وعقیدت اور محبت مترشح ہوتی تھی، موصوف نے فرمایا کہ:-

"میں جب سے وزارت پر مامور ہوا ہوں بہت سے مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا اور بہت سی بستیوں میں سپاس نامے بھی پیش کئے گئے، ان میں اگر کوئی سپاس نامہ میرے لئے باعثِ فخر ہوسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ آج کا سپاس نامہ ہے جو

(۱) ماخوذ از یادداشت حضرت مہتمم صاحبؒ۔

دارالعلوم میں دیا گیا، سپاس نامہ ایسی قابل قدر یادگار ہے جس کا بھول جانا مشکل ہے، میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں عزت افزائی کے احساس کو بیان کرسکوں، علمائے کرام کی بدولت ہندوستان میں اسلام کا نام باقی ہے اور اس کی صحیح تعلیم باقی ہے، وہ جماعت جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کو الحاد ودہریت کے حملوں سے بچایا، مسلمانوں میں ان ہی علماء کی بدولت برطانیہ کی حکومت پر اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، ایسے علماء کی جماعت کسی کو اپنی طرف سے عزت دے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی نہیں ہوسکتی، یہ آپ کی عزت افزائی ایسی چیز ہے کہ میرے نزدیک اس پر ایک وزارت کیا ہزاروں وزارتیں قربان کی جاسکتی ہیں، میں باوجود اس صوبہ کا وزیر ہوجانے کے اور باوجود آپ کے اس احترام کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو طالب علم آپ کے مدرسہ میں چھوٹے سے چھوٹا ہے میں اس سے بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہوں اور اس کی خدمت کرنا میری سعادت ہے، مجھ سے جو کچھ بھی اس دارالعلوم کے لئے ہوسکتا ہے چاہے میں گورنمنٹ میں ہوں یا نہ ہوں اس کے انجام دینے کے لئے میں ہروقت تیار ہوں۔

سڑک کے متعلق سپاس نامے میں ذکر کیا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی خدمت نہیں جس کے انجام دینے کو کوئی خدمت سمجھا جائے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ سڑک بن جانی چاہیے، موجودہ حکومت اپنی حدود کے اندر رہ کر جو خدمت انجام دے سکتی ہے اس کے لئے ہروقت تیار ہے، یہاں کے مدرسین اور طلباء کی خدمت کے لئے میں موجودہ حکومت کی طرف سے یقین دلاتا ہوں۔

۱۳۵۸ھ، مولانا سندھیؒ کی واپسی: حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک انقلاب آزادی ہند کے سرگرم رکن اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید اور دست راست تھے۔ ۱۹۱۵/۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے تحریک کے سلسلہ میں افغانستان چلے گئے تھے، برطانوی حکومت کو جب ان کے مقصد سفر کا پتہ چلا تو حکومت نے جلاوطنی کا حکم جاری کردیا، سات سال کابل میں مقیم رہ کر مولانا ماسکو اور پھر وہاں سے ترکی تشریف لے گئے، ۱۳۴۴ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے جہاں اواخر ۱۳۵۷ تک قیام رہا، غرض کہ ۲۵ سال کی ہندوستان سے طویل مفارقت کے بعد ۱۹۳۷ء میں یوپی کی پہلی کانگریس حکومت نے ان پر لگی ہوئی پابندی واپس لے لی پابندی اٹھ جانے کے بعد اچانک ۶، صفر ۱۹۳۹/۱۳۵۸ھ کو بغیر اطلاع کے مولانا سندھیؒ دیوبند تشریف لائے، مولاناؒ نے سب سے پہلے مسجد دارالعلوم میں پہنچ کر دوگانہ ادا کیا اطلاع ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم ان سے ملنے کے لئے مسجد میں پہنچے حضرت مہتمم صاحب کا سامنا ہوا تو لپک کر آگے بڑھے اور حضرت مہتمم صاحب کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر جھک گئے اور رونے لگے، آمد کی خبر پھیلتے ہی دارالعلوم میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، اساتذہ وطلباء اور منتظمین مسجد میں جمع ہوگئے، خیر مقدم کا ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا نے حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی تحریک کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور اپنی طویل سیاحت کے تجربات بیان فرمائے۔

سلطان ابن سعود کا علمی ہدیہ: اواخر سال میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے زمانہ حج میں مرحوم سلطان ابن سعود نے حضرتِ ممدوح سے ملاقات فرما کر خلعتِ شاہی سے نوازا، اور کتب خانہ دار العلوم کے لئے حکومت حجاز کی جانب سے طبع شدہ کتابیں عنایت فرمائیں، سلطان کا یہ علمی ہدیہ کتب خانہ میں "عطیہ سعودیہ" کے عنوان سے ایک ممتاز جگہ رکھا ہوا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفر افغانستان: ہندوستان اور افغانستان کا تعلق تاریخی حیثیت رکھتا ہے، دار العلوم میں شروع ہی سے افغانستانی طلبہ زیر تعلیم رہے ہیں چنانچہ ۱۸۶۸/ ۱۲۸۳ھ جو دار العلوم کا پہلا سال ہے اس میں بھی ہندوستان کے مختلف اطراف کے طلباء کے دوش بدوش افغانی طلباء نظر آتے ہیں، اس تعلق کی وجہ سے ہمیشہ دار العلوم میں افغانستان کے ساتھ ہمدردانہ وابستگی کا اظہار کیا گیا ہے، نادر شاہ شہید کی تخت نشینی پر جلسہ تہنیت منعقد کیا گیا، اور ان کی شہادت کے موقع پر تعزیت کا جلسہ منعقد ہوا، اسی طرح محمد ظاہر شاہ کی تخت نشینی پر بھی تبریک وتہنیت کا جلسہ منعقد ہوا، س موقعہ پر مجلسِ عاملہ نے طے کیا کہ دار العلوم اور افغانستان کے قدیم علمی اور تعلیمی روابط کی تجدید اور ان کو مستحکم بنانے اور تبریک وتہنیت کے پیغام کو حکومتِ افغانستان تک پہنچانے کے لئے مہتمم صاحب، دار العلوم کے نمائندے کی حیثیت سے کابل تشریف لے جائیں، مولانا حامد الانصاری صاحب غازی رفیق سفر تھے، اطلاع پہلے سے دے دی گئی تھی اور اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہو گئی تھی درمیانی اسٹیشنوں اور بالخصوص لاہور اسٹیشن پر ایک کثیر مجمع ملاقات کے لئے موجود تھا جس میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ مفسر قرآن اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی شامل تھے، ان سب حضرات سے رخصت ہو کر پشاور پہنچے تو مولانا غلام صمدانی اور کثیر التعداد فضلائے دیوبند نے خیر مقدم کیا یہاں سے بذریعہ موٹر کار افغانی سرحد میں داخل ہوئے تو شاہی مدارات شروع ہو گئی، غایت تعظیم واحترام سے نہایت شان دار استقبال کیا گیا، کابل پہنچنے پر اولاً وزیر امورِ خارجہ سردار علی محمد خان صاحب سے ملاقات ہوئی، حضرت مہتمم صاحب نے ایک طویل فارسی تقریر کے ذریعے دار العلوم کا تعارف کرایا، اس کے بعد صدر اعظم سردار محمد ہاشم خاں صاحب سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے انتہائی مدارات اور شفقت آمیز انداز سے حضرت مہتمم صاحب کا خیر مقدم کیا، اور پھر خود ہی فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اعلیٰ حضرت امیر افغانستان سے بھی ملاقات فرمائیں، وقت مقرر ہونے پر قصرِ شاہی میں اعلیٰ حضرت سے شرف نیاز حاصل ہوا جو افغانی طرز مدارات کے مطابق اپنی کرسی سے اٹھ کر اور دروازہ تک آ کر بغلگیر ہوئے۔ (۱) حضرت مہتمم صاحب نے ایک مختصر فارسی تقریر کے بعد چند سطور بنام ہدیہ اخلاص باجازت پڑھ کر سنائیں جس کو اعلیٰ حضرت نے کھڑے ہو کر سنا اس میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ ہماری حاضری کا مقصد کسی بھی مالی اعانت کا سوال نہیں ہے صرف قدیمی روابط کا استحکام ہے۔

بہر حال اس ملاقات سے پہلے صدر اعظم سے ملاقات میں حضرت مہتمم صاحب نے ان کے سامنے دار العلوم کی علمی اور دینی خدمات، تعلیمی عظمت وشہرت کے اسباب اس کی حریت کارانہ مساعی اور اسلام کی بے لوث خدمات پر ایک مفصل تحریری یادداشت پیش

---

(۱) بچپن میں قاری صاحب ٹرین میں سفر کر رہے تھے ایک ہندو جوتشی ساتھ بیٹھا تھا اس نے قاری صاحب کو بغور دیکھا تو کہا کہ یہ شخص جب بڑا ہو گا تو بادشاہ اس کی جوتیاں اٹھائیں گے، اس کا مطلب یہ تھا کہ عظیم شخصیت بنیں گے کسی نے کہا کہ یہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم کے لڑکے ہیں۔ لیکن اس جوتشی کی پیشین گوئی لفظاً معناً صحیح ہوئی۔ اسی سفر افغانستان میں ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوتے وقت حضرت قاری صاحب نے جوتا اتارا تو بادشاہ ظاہر شاہ نے بڑھ کر آپ کے جوتے اٹھائے۔ (ارم)

کی، یہ مکمل تحریر "روداد سفرِ افغانستان" میں درج ہے، یہاں اس کے چند اقتباس پیش کئے جاتے ہیں:۔

"آج جبکہ دارالعلوم کے روابط کا سلسلہ مشرق ومغرب تک پھیل چکا ہے ممالک اسلامیہ میں اس کے تلامیذ منتشر ہو چکے ہیں، اور ساتھ ہی حالات کے اچانک کروٹ بدل لینے سے پوری دنیائے اسلام کو ارتباطِ باہمی کا شدید احساس ہو رہا ہے، دارالعلوم کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنی علمی رو کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور اپنے علمی و تعلیمی اثرات کو عالم اسلام میں بیش از بیش طریق پر عام کرنے کے لئے دولِ اسلامیہ کی طرف اپنے خصوصی روابط کا ہاتھ بڑھائے اور ایسے وسائل پر غور کرے جس سے وہ بجائے خود دنیائے اسلام کی علمی ضرورتوں کو پورا کر سکے، تمام دوُلِ اسلامیہ میں چونکہ دولت علیہ افغانستان ہندوستان کی ہم جوار اور قابلِ فخر اسلامی دولت ہے نیز خاندانِ شاہی کے سربرآوردہ بزرگوں کو دارالعلوم کے مؤسسین اور اکابر سے براہِ راست مخصوص ربط و تعلق رہا ہے چنانچہ حضرت والا کو سب سے زیادہ علم ہے کہ اس مبارک خاندان کو علاوہ اپنی مادی اور ظاہری قوتوں اور اپنے خاندانی جاذبِ قلوب اخلاق و شرافت کے بزرگان دیوبند کی قوی روحانی توجہات اور مقبول و مستجاب دعاؤں سے پوری پوری امداد ملی ہے جس کا ظہور آج دلیل و نہار میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے، اس لئے ہر واقفِ حال "آل قاسم" اپنے آپ کو موجودہ شاہی خاندان سے مربوط تصور کیا کرتا ہے، اور یہ امرواقعہ ہے کہ خدام جامعہ قاسمیہ اس قدیم خاندانی اتحاد کی وجہ سے دولتِ عالیہ، دولت اسلامیہ کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ وابستہ ہوگئے ہیں، اس لئے دارالعلوم کی مجلس عالیہ انتظامیہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں بطورِ خود والا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ افکار کی سعادت حاصل کروں، میرا مخلصانہ نقطہ نظر ذیل کی چار دفعات میں یہ ہے کہ:۔

(۱) اس قدیم اتحاد کو بے لوث اور بے غرضانہ طریقے اور عرفانی اساس پر ترقی پذیر صورت میں باقی رکھا جائے۔

(۲) والا حضرت معظم اور دولتِ علیہ کے عرفان مآب اولیاء امور کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ دارالعلوم جیسے مرکزی اور علمی ادارہ سے براہِ راست تعارف حاصل کر سکیں۔

(۳) دارالعلوم افغانستان اور دارالعلوم دیوبند کے عرفانی روابط کو محض تعلیمی مقاصد کے لئے اس طرح ترقی دی جائے جس سے دارالعلوم کے اولیاء امور افغانستان اور دنیائے اسلام کی تازہ ترین علمی ضروریات کا براہ راست اندازہ کر سکیں اور اس اندازے کی روشنی میں آج کے تبدیل شدہ حالات میں ایسے علماء تیار کر سکیں جو وقت کی مقتضیات کو پیدا کرنے میں دنیائے اسلام کی آزاد حکومتوں کے مقصد و منشا کے ساتھ پورا پورا تعاون کر سکیں اور سلطنت کے مخلص رجالِ کار ثابت ہوں۔

(۴) اس سلسلے میں ضروری ہے کہ والا حضرت کی رسمی رہنمائی اور توجہات کے زیرِ اثر مجھے افغانستان کی جدید علمی ترقیات، متوقعہ ضروریات اور مکاتبِ عرفانی کے معائنہ اور اکتساب نظر و فکر کا موقع دیا جائے تاکہ ملّتِ افغانیہ کے عرفانی تصورات کا اصلی خاکہ میرے سامنے آجائے اور دارالعلوم دیوبند کے آئندہ پروگرام اور بالخصوص افغانی طلباء کی تربیت میں مشعلِ راہ بن سکے۔

مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تأمل نہیں کہ ایک طرف دنیائے اسلام کی آزاد اور مستقل حکومتوں میں افغانستان ہی وہ دولت ہے جس نے اپنے پورے حلقہ اثر میں اسلامی شوکت اور اثر و نفوذ کو باقی رکھا ہے اور دوسری طرف دارالعلوم دیوبند ہی وہ اہم ادارہ ہے جس

نے اسلامی روح کی حفاظت کرنے میں پوری تنظیم اور جرأت سے کام لیا ہے اس لئے ان دونوں اسلامی مرکزوں میں باہمی روابط کا استحکام جس درجے ضروری ہے اسی درجے میں تمام عالم اسلام کے لئے بہر نہج مفید اور نتیجہ خیز بھی ہے اور جس کا نفع مآلِ کار افغانستان کے اذکیاء امت اور روشن ضمیر علماء کی صورت میں خود افغانستان ہی کی طرف لوٹ آئے گا (۱)۔

اس جدید ارتباط کے ماتحت جہاں دار العلوم دولتِ علیہ کے مشورے کی روشنی میں ملتِ افغانیہ کے لئے خدمات پیش کرے گا وہیں دولتِ علیہ کی طرف سے اس کے مناسب شان اگر دار العلوم پر ایسی خصوصی اور اخلاقی توجہات مبذول ہوں جو ان عرفانی روابط کے اظہار وبیان اور اس قسم کے روابطِ حسنہ کے دوامی تحفظ کی پرشرف اساس ہوسکیں تو دار العلوم نہ صرف انہیں قبول ہی کرے گا بلکہ اپنے لئے باعثِ شرف واعزاز اور ان روابط کے بقاء واستحکام کے لئے ضروری اور موزوں سمجھے گا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کو دورانِ قیام میں کابل کی متعدد موقر علمی وادبی جماعتوں سے سرکاری طور پر تبادلہ خیالات کا موقعہ ملا، اخبار "انیس" کے فاضل مدیر کے بقول "مہتمم صاحب کے افکار و نظریات سے علماء اور نوجوان تعلیم یافتہ طبقے نے یکساں اثر قبول کیا وزارتِ تعلیم نے کابل یونیورسٹی اور کالجوں کے معائنہ کی خواہش کا اظہار کیا، مہتمم صاحب نے یونیورسٹی کے تعلیمی نظام پر تفصیلی تبصرہ لکھ کر پیش فرمایا، جس میں یونیورسٹی کی واقعی تعلیمی خوبیوں کا اعتراف واظہار کرتے ہوئے بعض تجاویز اور مشورے پیش کئے گئے تھے اس تبصرے میں بحث کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ غیر زبانوں اور علوم جدیدہ کی تعلیم کسی ایسے متوازن عنوان سے نہ دی جائے جو دینیات کے ساتھ ٹکرا جائے اور قوم میں مختلف المذاق طبقے پیدا ہو کر قومی تشتت کا باعث بن جائیں، لیکن دینی اور دنیوی تعلیم مشترک طریق پر ہونی چاہیئے تاکہ پیدا شدہ تفریق ختم ہوجائے۔ اس سفر کے نتائج میں جو چیز سب سے اہم ہے وہ اسلامی مرکزوں میں تعلیمی ربط و تعلق کا قیام واستحکام ہے، اگر اس سے دانشمندانہ طریق پر کام لیا جائے تو تعلیمی ترقی کے سلسلے میں عالم اسلام کے لئے مستقبل میں اہم مفید نتائج پیدا ہوسکتے ہیں، کابل سے واپسی پر صدر اعظم نے وداعی ملاقات کرتے ہوئے اپنی حکومت کی جانب سے دار العلوم کے لئے پچاس ہزار روپے افغانی کے عطیے سے مطلع فرمایا، صدرِ اعظم کے خاص الفاظ یہ تھے کہ "آپ الحمدللہ مستغنی ہیں اور دار العلوم کا مدار توکل پر ہے، اسے خدا کے سوا کسی کی حاجت نہیں، لیکن بہر حال حکومت کا فریضہ تھا کہ وہ کم از کم دار العلوم کے معاملے میں اپنے فرائض کو پہچانے اعلیٰ حضرت نے جو کچھ کمک دار العلوم کے لئے منظور فرمائی ہے وہ دار العلوم کی شان سے کم ہے، مگر دنیا کے موجودہ حالات میں افغانستان کی ذمہ داریاں جو اہمیت رکھتی ہیں ان کا آپ کو بھی علم ہے (۲)۔

شاہانہ عطیے کے وصول ہونے پر دار العلوم میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت مہتمم صاحب نے حکومت افغانستان کی مہمان نوازی، بارگاہِ خسروی میں باریابی، (۳) صدرِ اعظم اور وزرائے حکومت کی پرتپاک ملاقاتوں، علمی مرکزوں، تعلیمی اور

---

(۱) کل کو افغانستان کی صورت حال کا پتہ نہیں کیا ہو لیکن آج یہ حالت ہے کہ "طالبان" کابل سمیت تہائی ملک پر قابض ہو کر اسلامی نظام نافذ کر چکے ہیں۔ (ارشد)

(۲) اس سفر کے تفصیلی حالات کے لئے حضرت مہتمم صاحب کا سفر نامہ افغانستان ملاحظہ فرمائیے۔ (۳) ہمارے لئے یہ الفاظ "بارگاہ خسروی میں باریابی" محل نظر ہیں۔ حضرت قاری صاحب کا بحثیت مہتمم دار العلوم اور علمی و عملی لحاظ سے درجہ اتنا بلند تھا کہ تاریخ دار العلوم لکھنے والے صاحب کو اس سے احتراز مناسب تھا یہ ٹھیک ہے کہ کسی اسلامی ملک کے سربراہ سے ملنا جبکہ حالات دگرگوں ہوں۔ عمدہ بات ہے لیکن اس کو الفاظ کا یہ جامہ پہنانا درست نہیں۔ (ارشد)

صنعتی اداروں، انجمن ادبی، جمعیۃ علماء کابل یونیورسٹی اور مختلف علوم والسنہ کے کالجوں کے حالات اور افغان قوم کے دینی اور مذہبی احساسات پر نہایت بلیغ الفاظ میں تبصرہ فرمایا۔

ہندوستان کے مختلف اداروں، انجمنوں، مدارس اور معزز شخصیتوں نے بھی شاہ افغانستان کی اس علم دوستی کے شکریے اور سپاس گزاری میں پر جوش حصہ لیا، اخبارات نے بالعموم اپنے کالموں میں اس خبر کو نہایت نمایاں طور پر شائع کیا، اور اس مخلصانہ تعلق کی تجدید واستحکام پر پورے ملک میں نہایت مسرت وشادمانی کا اظہار کیا گیا۔

دار التفسیر: اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ دورہ حدیث کی طرح ۱۹۱۳/۱۳۵۰ھ سے دور تفسیر بھی جاری کردیا گیا تھا، اس وقت دورہ تفسیر کے لئے کوئی مستقل درس گاہ موجود نہ تھی۔ ۱۹۴۰/۴۱ ۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر ۳۰×۳۰ فٹ مربع ہال کی درس گاہ دارالتفسیر کے نام سے تعمیر کی گئی، دارالتفسیر کے اوپر ایک پرشکوہ گنبد بنایا گیا ہے، جو اپنی رفعت وعظمت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دارالعلوم کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے، درالحدیث وتفسیر کی یہ عظیم الشان عمارت بہ ہیئتِ مجموعی بڑی پرشوکت ہے جسے دیکھنے والا محوِ حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتا۔(۱)

۱۹۴۰/۴۱ ۱۳۵۹/ھ باب الظاہر کی تعمیر: افغانی عطیے کے مصرف کی نسبت مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ چونکہ دارالعلوم کی مخصوص سڑک تیار ہوگئی ہے اور دارالتفسیر کا گنبد بھی مکمل ہوچکا ہے اس لئے دارالحدیث کے بالمقابل دارالطلباء کے صدر دروازے کا بنوایا جانا ضروری ہوگیا ہے، لہٰذا اس روپے سے صدر دروازہ تعمیر کرا کر اس کا نام شاہ افغانستان کے نام پر "باب الظاہر" رکھا جائے تاکہ دارالعلوم اور افغانستان کے مخلصانہ تعلق کی ایک دیرپا یادگار قائم ہوجائے "باب الظاہر" کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی (۲) کا انتخاب کیا گیا جنہیں دعوت دینے کے لئے حسب منشا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مہتمم صاحب خود حبیب گنج ضلع علی گڑھ تشریف لے گئے، مولانا حسب وعدہ مقررہ تاریخ پر دیوبند پہنچے، علماء طلباء اور عام مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع میں صدر یار جنگ مرحوم کے مبارک ہاتھ سے باب الظاہر کی بنیاد رکھی گئی، دارالعلوم میں باب الظاہر ایک عظیم الشان اور پرشوکت سہ منزلہ عمارت ہے، جس میں متعدد کمرے اور بڑی بڑی درس گاہیں ہیں جن میں شعبہ خوشنویسی کے اساتذہ طلبہ کو فنِ کتابت سکھلاتے ہیں۔

---

(۱) پورے عالم اسلام میں اس شان کا نہ دارالحدیث ہے نہ دارالتفسیر۔(ارشد) (۲) نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن مرحوم وہ شخصیت ہیں کہ جن کے نام مولانا ابوالکلام ازاد نے صدیق مکرم کے خطاب سے احمد نگر قلعے کی اسارت کے دوران میں غائبانہ خطوط لکھے جو رہائی کے بعد "غبار خاطر" کے نام سے شائع ہوئے اور یہ کتاب اردو ادب میں شاہکار ثابت ہوئی اور اس کتاب نے نواب صاحب کو زندہ جاوید کردیا۔ نواب صاحب بڑی علمی شخصیت تھے۔ آپ کی ایک کتاب "علماء سلف اور نابینا علماء" مشہور ہے اور آپ کا کتب خانہ برصغیر کے اہم کتب خانوں سے تھا۔ مرحوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بیکے از بانیان تھے قارئین مولانا مونگیری کے حالات میں پڑھ آئے ہیں۔(ارشد)

ایک مفید تعلیمی اسکیم کی تدوین: فرماں روائے ریاست قلات کی طلب ودعوت پر حضرت مہتمم صاحب قلات تشریف لے گئے، خانِ قلات کا مقصد یہ تھا کہ ریاست قلات کے نوخیز طلباء کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک نصاب تعلیم تجویز کیا جائے جس میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور معاشرتی ضرورتوں کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے، نیز دینی اور دنیوی تعلیم کے اختلاف سے جو بعد پیدا ہو کر قوم میں دو علمی طبقے پیدا ہوگئے ہیں جس سے ان کے مابین منافرت کی زبردست خلیج حائل ہوگئی ہے اس کو دور کرنے کے ذرائع اختیار کئے جائیں، اور ایک ایسا جامع نصاب تعلیم وضع کیا جائے جس کے ذریعے سے دونوں تعلیموں کو بقدر ممکن جمع کر کے "تعلیمی ثنویت" کی اس خلیج کو درمیان سے ہٹا دیا جائے، تاکہ قدیم وجدید تعلیمی رجحانات کو ایک نقطہ اتحاد پر جمع کر کے قوم میں علم وفکر کی وحدت پیدا کرنے کی سعی کی جاسکے۔

اس نقطہ نظر سے تعلیمی اسکیم کو مرتب کرنے کے لئے حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم سے اپنے ساتھ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی کو لے لیا تھا وہاں پہنچ کر مقامی قدیم وجدید ماہرینِ تعلیم کے مشورے سے ایک نہایت جامع اور مفید نصاب مرتب کر کے پیش کیا گیا، فرماں روائے قلات کی خواہش کے مطابق اس نصاب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دارالعلوم سے مولانا شمس الحق صاحب افغانی، مولانا حامد الانصاری غازی اور چند دوسرے حضرات کو قلات بھیجا گیا لیکن اس میں دارالعلوم کا نقصان یہ ہوا کہ اول الذکر کو وزارتِ تعلیم کا منصب تفویض ہوا، اور مؤخر الذکر نشر واشاعت کے ڈائریکٹر بنائے گئے، اور یہ دونوں حضرات قلات کے ہوگئے، لیکن ابھی یہ اسکیم اپنی ابتدائی منزل ہی میں تھی کہ دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر برطانوی حکومت نے اپنے دفاعی مصالح کی بناء پر ریاست کے انتظام کو اپنے کنٹرول میں لے لیا، افسوس ہے کہ اس غایت مفید اسکیم کے ذریعے سے قدیم وجدید رجحانات میں وحدت واتحاد پیدا کرنے کے لئے جو ذرائع تجویز کئے گئے تھے وہ بروئے کار نہ آسکے۔

دارالعلوم اور مسلم یونیورسٹی کا تعلق: دارالعلوم دیوبند اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے ہیں، جو ۱۸۵۷ھ کے انقلاب کے بعد یکے بعد دیگرے عالم وجود میں آئے، دارالعلوم نے اسلامی علوم کی راہ سے مسلمانوں کے دین کو سنبھالا، اور مسلم یونیورسٹی نے عصری اور معاشی علوم کی تعلیم کے ذریعے سے مسلمانوں کو دنیوی تباہی سے بچایا، باوجودیکہ دونوں مسلمانوں ہی کے لئے قائم ہوئے اور مسلمانوں کے لئے کام کرتے رہے ہیں، مگر دونوں کے درمیان براہِ راست تعلق قائم نہ تھا، تحریکِ خلافت کے زمانے میں جب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ مسلم یونیورسٹی میں تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی گئی تو اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے وہ معرکۃ الآراء صدارتی خطبہ دیا تھا جو جامعہ ملیہ کا تاسیسی خطبہ سمجھا جاتا ہے اس کے بعد پھر وہی بے تعلقی کا دور عود کر آیا تھا۔

گذشتہ سالوں میں یونیورسٹی کی انجمن "اسلامی تاریخ وتمدن" کی جانب سے محامد الانصاری صاحب نے دارالعلوم کے اکابر کو "اسلامی ہفتہ" کی تقریب میں دعوت دی، اس سلسلے کی ابتداء حضرت مہتمم صاحب سے ہوئی، حضرت ممدوح نے "اسلام اور سائنس" کے عنوان پر ایک معرکۃ الآراء عالمانہ وفلسفیانہ تقریر فرمائی جو بقول ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدر انجمن مسلم یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ

کے حلقوں میں بے حد مقبول ہوئی۔(۱)

دوسری تقریر سال رواں میں "اسلامی تہذیب وتمدن کے عناصر ترکیبی" پر ہوئی اس تقریر کو بھی بے انتہا پسند کیا گیا، اول الذکر تقریر انجمن کی جانب سے کتابی شکل میں چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔ ان تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ یونیورسٹی میں علماء کے خلاف جو علمی استخفاف اور بدظنی پھیلی ہوئی تھی وہ دور ہوگئی، اس وقت سے اب تک دارالعلوم اور یونیورسٹی کے تعلق میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے اور ان دونوں علمی اداروں کے مابین جو بعد واقع تھا وہ بحمد للہ بہت کم ہوچکا ہے۔

■ ۱۳۶۰ھ، دارالاقامہ کی تکمیل: ۱۳۶۰ھ، ۱۹۴۱ء کا زمانہ وہ ہے جس میں دنیا تباہ کن اور ہولناک عالمگیر جنگ میں مبتلا تھی، ملک کے عام اقتصادی حالات نہایت نازک اور پیچیدہ ہورہے تھے، مگر حق تعالیٰ کا فضل وکرم دارالعلوم کو آگے بڑھانے میں مصروف تھا، رمضان المبارک میں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے حضرت مہتمم صاحب مدراس تشریف لے گئے، اس سفر سے چند ماہ قبل مدراس کے تاجروں کا ایک وفد حاجی اسماعیل صاحب مریت کی قیادت میں یہاں پہنچ کر دارالعلوم کا تفصیلی معائنہ کرچکا تھا اور دارالعلوم کے نظم ونسق کی خوبی اساتذہ اور کارکنوں کے اخلاص وللہیت، طلباء کے تعلیمی انہماک اور دارالعلوم کی ضرورتوں اور اس کے خالص دینی ماحول سے متأثر ہوکر دارالعلوم کی امداد واعانت پر متوجہ تھا ان حضرات کا یہ معائنہ حضرت مہتمم صاحب کے سفر کے لئے زبردست محرک ثابت ہوا، اور آپ مدراس تشریف لے گئے، رفیق سفر حضرت مولانا مبارک علی صاحبؒ نائب مہتمم دارالعلوم تھے، دارالعلوم کے بے شمار عقیدت مندوں اور بہی خواہوں نے حلقہ اثر کی توسیع کے ساتھ اہلِ مدراس نے ۴۷ ہزار روپے دارالاقامہ کے کمروں کی تکمیل کے لئے پیش کئے اس میں ۲۰ ہزار روپے تنہا حاجی محمد اسماعیل صاحب کی جانب سے تھے۔(۲)

حضرت مہتمم صاحب کی مدراس سے واپسی کلکتہ کے راستے سے ہوئی، اور چند روز کلکتہ میں قیام رہا، بحمد اللہ یہ سفر بھی کافی نتیجہ خیز ثابت ہوا اور اس سفر کا ثمرہ ۲۴ ہزار روپے کی شکل میں برآمد ہوا اس میں ■ ۲ ہزار روپے تنہا حاجی محمد دین صاحب تاجر چرم

---

(۱) حضرت مہتمم صاحب نے اس پرمغز تقریر میں سائنس اور اسلام کی حقیقت، اسلام اور سائنس کا تعلق اور اس کے مقتضیات پر عالمانہ انداز میں ایک تشفی بخش تبصرہ کیا ہے، آپ نے سائنس کا موضوع اور اس کے حدودِ بحث متعین فرمانے کے بعد عناصر اربعہ ان کے متضاد خواص، ان کی مختلف خصوصیات وآثار کا تفاوت اور اس کے اسباب پر استقرائی تبصرہ فرمایا ہے، قوت کا منشاء اور معیارِ تفاوت متعین کرنے کے ساتھ ہی آپ نے ایک صحیح "اثر" کی روشنی میں انسانی قوت واستعداد اور مادی قوتوں پر اس کے تصرف وتسلط پر دلچسپ بحث فرمائی ہے، یہ واضح کرنے کے بعد کہ انسانی قوتوں کا سرچشمہ روح ہے، آپ نے روحانیت، الٰہیات، ذاتِ الٰہی اور صفاتِ باری تعالیٰ پر نہایت لطیف پیرایے میں استدلال کیا ہے، اسی کے ساتھ فلسفیانہ انداز میں یہ بتلایا ہے کہ روحانی قوتوں کے کمال کا معیار کیا ہے؟ فضائل نفس کے اصول اور روحانی اخلاق واوصاف کے مظاہر کیا ہیں؟ روحانی ومادی اخلاق کے کیا امتیازات ہیں؟ اسلام اور مادی حکمت میں کیا نسبت ہے؟ مادیتِ محضہ کی مضرتیں کیا ہیں؟ اسلام کس حقیقت کی طرف دعوت دیتا ہے اور مادیتِ محضہ کو اپنا واحد نصب العین بنا کر انسان روحانی اور الٰہی حقیقتوں سے کیونکر دور جا پڑتا ہے؟ (دلنشین انداز بیان اور دلچسپ تمثیلات نے ان دقیق مباحث کو جتنا عام اور دلچسپ بنادیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سید محبوب رضوی

(۲) افراطِ زر کے اس زمانے میں ہزاروں کی رقمیں بہت کم معلوم ہوتی ہیں لیکن ان دنوں یہ بہت گراں عطیات تھے، ہمیں والد صاحب برطانیہ سے چھ ماہ بعد یا شاید سال بعد ۴۰ پونڈ بھیجتے تھے جس کے ہمیں ۵۳۰ روپے ملتے تھے اور ہمارا گزارا بہت اچھے انداز میں ہوتا تھا۔ ہمیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم بہت خوشحال ہیں۔ (ارشد)

نے عنایت فرمائے، حق تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے، اور جو گزر چکے ہیں انہیں علیٰ علیین میں مقام بلند نصیب فرمائے ان کی توجہ اور عنایت سے دارالاقامہ کی تکمیل ہوگئی، جو برسہا برس سے نامکمل پڑا ہوا تھا اور طلباء جگہ کی قلت کے سبب سے سخت تکالیف اٹھارہے تھے، دارالاقامہ کی تکمیل سے دارالعلوم کا احاطہ جو اب تک بالکل غیر محفوظ تھا وہ محفوظ ہوگیا، **جزاہم اللہ عنا فی الدنیا والآخرۃ۔**

ماہنامہ "دارالعلوم": عام مسلمانوں کے عقائد و عمل کی دینی اصلاح و تربیت کے لئے ۳۲ سال قبل ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم کی سرپرستی اور نگرانی میں ماہنامہ "القاسم" جاری ہوا تھا، جو عرصے تک نہایت کامیابی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی مفید خدمات انجام دیتا رہا، "القاسم" نے علماء دیوبند کے جو محققانہ اور بلند پایہ علمی مقالات شائع کئے اور جس صاف اور سادہ انداز میں صحیح دینی معلومات کا بہترین ذخیرہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا، اس کی یاد آج تک اہل عمل کے دلوں میں تازہ ہے، "القاسم" ۱۱ سال کی طویل مدت تک جاری رہنے کے بعد بند کردیا گیا تھا، اس کے بعد سے اب تک پیہم کچھ ایسے حالات پیش آتے رہے کہ دارالعلوم کی جانب سے کوئی رسالہ جاری نہ ہوسکا، حالانکہ ۲۰ سال کی مدت میں دارالعلوم کے مخلصین و متوسلین کی جانب سے مسلسل ایک ماہنامہ کے اجراء پر اصرار کیا جاتا رہا، نیز خود اکابرِ دارالعلوم بھی اس اہم ضرورت کو محسوس فرماتے رہے، لیکن اس کے باوجود اس بارے میں کوئی عملی قدم نہ اٹھ سکا، بالآخر جمادی الاول ۱۳۶۰ھ سے "دارالعلوم" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ کا اجراء عمل میں آیا، ماہنامہ "دارالعلوم" کے مقاصد جن کے تحت اس کا اجراء ہوا ہے مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) دارالعلوم کے حالات و کوائف سے معاونین و متوسلین دارالعلوم کو باخبر رکھنا۔
(۲) اسلام کی تعلیمات کو سہل و دل نشین پیرایے میں پیش کرکے مسلمانوں میں صحیح مذہبی ذہنیت پیدا کرنا۔
(۳) علمی مسائل کے متعلق علمائے دیوبند کے محققانہ مقالات اور حالات حاضرہ پر دارالعلوم کا موقف پیش کرنا۔
(۴) مخالفینِ اسلام کے حملوں کی سنجیدگی کے ساتھ مدافعت کرنا۔

۱۳۶۱ھ، حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری: ۹-۱۰، جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱/۱۹۴۲ھ کی درمیانی شب میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند، جھنگ (مغربی پنجاب) کی ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کی صدارت کرنے کے لئے دیوبند سے روانہ ہوئے، سہارنپور کے قریب ٹپری اسٹیشن پر پولیس انسپکٹر نے وارنٹ گرفتاری پیش کیا اور سہارنپور اسٹیشن پر حضرت مدنیؒ کو گاڑی سے اتار کر سہارنپور جیل پہنچا دیا گیا، وہاں سے اگلے دن مراد آباد لے جایا گیا، یہ گرفتاری ایک سیاسی تقریر کی بناء پر عمل میں آئی تھی جو حضرت مولانا مدنیؒ نے جمعیۃ العلماء ضلع مراد آباد کی کانفرنس منعقدہ بچھراؤں میں فرمائی تھی (یہاں ایک لطیفہ سنیئے اس جلسے کی صدارت حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے فرمائی تھی، حضرت مہتمم صاحب جب حضرت مدنی سے مراد آباد جیل میں ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مدنیؒ نے جیلر سے فرمایا کہ اس قابلِ اعتراض جلسہ کے یہ صدر صاحب تو دندناتے پھر رہے ہیں اور مجھ بوڑھے آدمی کو آپ نے جیل میں ڈال رکھا ہے، حضرت مہتمم صاحب نے (مزاحاً) فرمایا کہ حضرت میں بھی تو اس وقت آپ کے ساتھ جیل میں ہی

ہوں، ۱۰، کی صبح کو حضرت کی گرفتاری کی اطلاع دارالعلوم میں پہنچی، اس خبر کے سنتے ہی اساتذہ طلباء اور ذمہ داروں اور کارکنوں میں سخت ہیجان اور اضطراب اور غم وغصے کی لہر دوڑ گئی شہر میں ہڑتال کردی گئی اور تمام بازار بند ہوگئے، حضرت صدر مہتمم صاحب کی صدارت میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں صدر جلسہ نے فرمایا کہ اگر حکومت حضرت مولانا مدظلہ کو گرفتار کرکے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو چیلنج کرنا چاہتی ہے تو ہمیں پوری جماعت کی طرف سے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

اس موقع پر نوجوان طلباء کے صبر وضبط کا اعتراف نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی، حضرت مولانا مدنیؒ کے زمانہ اسارت میں کئی مرتبہ احتجاجی جلوس نکالے گئے، مظاہرے اور جلسے کئے گئے، مگر باوجود یہ کہ نوجوان طلبہ میں حکومت کے خلاف سخت ہیجان اور انتہائی جوش وخروش پایا جاتا تھا، تاہم ہر موقع پر پرمتانت جوش اور پرامن مظاہروں کے ساتھ عالمانہ وقار ہی نمایاں رہتا تھا، حالانکہ بالعموم ایسے اشتعال انگیز مواقع پر یہ خصوصیت برقرار نہیں رہتی، مگر دارالعلوم کے طلباء نے ثابت کردیا کہ وہ نوجوانی اور طالب علمانہ عمر میں بھی جذبات کے اظہار میں کس قدر محتاط اور قابو یافتہ ہیں اور سخت سے سخت موقع پر بھی عالمانہ وقار ومتانت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔

مراد آباد جیل میں ۱۰، رجب ۱۳۶۱/۱۹۴۲ھ کو حضرت مولانا مدنی کے مقدمہ کا فیصلہ سنادیا گیا، عدالت نے ۱۸ ماہ قید محض، پانچ سو روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید ۶ ماہ کی سزا تجویز کی اور بی کلاس میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

سالانہ امتحان کا التواء اور تعطیل عام: حضرت مدنیؒ کی گرفتاری اواخر جون ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے، اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اگست ۱۹۴۲ء میں کانگریس ہائی کمانڈ کی گرفتاری کے ساتھ ملک بھر میں کانگریس کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا جس پر ہندوستان بھر میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ لیڈر گرفتار کئے جاچکے تھے، عوام نے کم وبیش ہر جگہ تشدد اختیار کرلیا، حکومت کے اداروں اور ریلوے لائنوں پر بالعموم حملے کئے جانے لگے، یہ زمانہ شعبان کا مہینہ تھا، جس میں دارالعلوم میں سالانہ امتحان ہوتا ہے اور پھر عام سالانہ تعطیل ہوجاتی ہے، ملک کے تشویشناک حالات سے اندیشہ تھا کہ طلباء اپنے اپنے وطن پہنچنے سے محروم نہ رہ جائیں اس لئے دارالاہتمام میں تخفیف امتحان کی تجویز زیر غور ہی تھی کہ اسی اثناء میں خود طلباء نے بھی متفقہ طور پر یہ استدعا کی کہ ملک کے موجودہ تشویشناک حالات میں امتحان کے ختم ہونے تک اگر ہم لوگ ٹھہرے رہے تو اندیشہ ہے کہ ہم اپنے اپنے وطنوں تک نہ پہنچ سکیں گے، کیونکہ ریلوے لائن خطرے میں پڑجانے کے باعث وطن تک پہنچنے میں سخت دشواریاں حائل ہوجانے کا اندیشہ ہے، دوسرے یہ کہ ہمیں وقت کی پکار اور ضرورت پر لبیک کہنا اور اس میں شریک ہونا بھی ہے، لہذا طلبہ کو جلد سے جلد چلے جانے کی اجازت دی جائے، چنانچہ وقتی ہنگامہ خیز حالات کے پیش نظر اس فیصلے کے ساتھ کہ سالانہ امتحان ۲۵، ذی الحجہ تک دے دینا لازمی ہوگا، طلبہ کی مذکورہ درخواست منظور کرلی گئی اور دارالعلوم میں التوائے امتحان کے ساتھ عام تعطیل کا اعلان کردیا گیا۔

چینی نمائندہ عثمان وو کی آمد: چینی اسلامی قومی سالویشن فیڈریشن نے ہندوستان کے مسلم اداروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے عثمان وو کو اپنا نمائندہ بناکر ہندوستان بھیجا تھا، موصوف اپنے اس دورے کے سلسلہ میں ۲۵، شعبان کو دارالعلوم میں تشریف لائے، اور یہاں کے نظم ونسق اور طریق تعلیم وغیرہ امور کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا، بحیثیت مجموعی دارالعلوم کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور حسب ذیل

الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا۔

"میرے لئے یہ ایک اعزاز ہے کہ مجھے دار العلوم کے دیکھنے کا موقع ملا، مولانا محمد طیب صاحب نے مجھے دار العلوم کی سیر کرائی جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں، یہ ادارہ خالص مذہبی ادارہ ہے جس کو مشرق کا الازہر کہہ سکتے ہیں، ہند اور بیرون ہند کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس مشرقی "الازہر" کی نگہبانی کرے اور اس کی امداد میں کوشاں رہے تاکہ مشرق میں "اسلامی کلچر" بہتر حالت میں جاری رہ سکے"۔

۱۳۶۲ھ/ ۴۲-۱۹۴۳ء، ملکی حالات کا اثر دار العلوم پر: ۱۳۶۲ھ میں سنینِ ماضیہ کے اعتبار سے طلباء کی تعداد نسبتاً بہت کم رہی، ملک میں اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کے اثرات کم وبیش ہر جگہ پائے جاتے تھے، ریلوے لائنوں کے خطرے میں پڑجانے سے سفر کرنا خطرناک ہوگیا تھا، بالخصوص بنگال اور بہار میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی، گرانی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، سیاسی بے چینی اور شورش عام تھی، بنگال قحط اور فاقہ زدگی سے دم توڑ رہا تھا، اس لئے بنگال اور دوسرے دور دراز کے طلباء کے لئے گھر سے قدم نکالنا بھی مشکل تھا بنگال کے طلباء جن کی بڑی تعداد ہر سال دار العلوم میں مقیم رہتی ہے اس مرتبہ بہت کم آسکے۔

ایک طرف تو ملک میں یہ ہنگامہ برپا تھا اور دوسری طرف خود دار العلوم کے اربابِ حل وعقد میں سیاسی مسلک کے اختلاف کی بناء پر کشیدگی اور مخالفت کا شدید خلفشار رونما ہوگیا جو بالآخر صدر مہتمم اور پانچ اساتذہ کے استعفاء اور علیحدگی پر منتج ہوا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، مستعفی جماعت کے ساتھ تقریباً ۶۰ طلباء بھی دار العلوم سے علیحدہ ہوگئے، مگر بحمد اللہ اس کے باوجود اساتذہ کی خالی شدہ آسامیوں کے فی الفور پر ہوجانے کے باعث نظام میں کوئی غیر معمولی اور نمایاں فرق رونما نہیں ہوا۔

علامہ عثمانیؒ کی یکسوئی: ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء میں جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم مقرر ہوئے تھے، تو دار العلوم کے مسلک کے تحفظ کے سلسلے میں حضرت مہتمم صاحب کے اختیارات بھی حضرت صدر مہتمم صاحب کی جانب منتقل کردیئے گئے تھے، لیکن عملاً دار العلوم کا نظام حضرت مہتمم صاحب ہی کے ہاتھ میں تھا، صدر مہتمم صاحب کا قیام چونکہ دیوبند میں کم رہتا تھا، اور وہ ڈابھیل کے مدرسہ کی صدر مدرسی پر فائز ہونے کی وجہ سے سال کا زیادہ حصہ وہیں گذارتے تھے، اس لئے ہر قسم کی ذمہ داری اور جواب دہی مہتمم صاحب ہی پر عائد ہوتی تھی، اور گذشتہ طویل مدت کے تجربے نے یہ ثابت کردیا تھا کہ عملاً جبکہ پورے ادارے کو مہتمم صاحب ہی چلا رہے ہیں تو ان ہی کو اختیارات بھی حاصل ہونے چاہئیں۔ یہ سوالات اس بناء پر محل بحث ونظر بنے ہوئے تھے کہ مہتمم صاحب کو عملاً فرائض ذمہ داری سے نبھانے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا تھا کیونکہ وہ شعبہ جات ودفاتر کے امور کی تکمیل کے لئے مجلس شوریٰ وانتظامیہ کے سامنے جواب دہ تھے، دستور اساسی کی رو سے کلیتہً عملی اور انتظامی ذمہ داریاں مہتمم صاحب سے متعلق تھیں، اس لئے ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء میں مجلس نے وقتی حالات کے قدرتی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام اختیارات مہتمم صاحب کی جانب منتقل کردیئے، اس تجویز کی رو سے صدر مہتمم کی حیثیت صرف ایک آئینی نگراں کی قرار پائی، اور انتظامی امور سے صدر مہتمم کا تعلق ختم ہوگیا، اس وقت عام ملکی حالات کے پیشِ نظر طلباء، اساتذہ اور کارکنوں کی ایک بڑی اکثریت ملکی سیاسیات میں شریک ہوکر عملی جدوجہد کرنا ضروری

اور وقت کا اہم تقاضا سمجھتی تھی، اور علامہ عثمانیؒ دار العلوم کے تعلیمی ادارہ ہونے اور بعض دیگر وجوہ کے نقطۂ نظر سے اس کے وابستگان کی عملی جدوجہد کو مضر سمجھتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ دار العلوم من حیث الجماعت عملی سیاسیات سے دامن کشاں رہے، یہ کشمکش یہاں تک بڑھ گئی کہ فریقین کے مابین عدم تعاون کی خلیج حائل ہو گئی۔

ایسے مواقع پر آئینی اداروں میں عموماً یہ طریق عمل جاری ہے کہ جب ذمہ دارِ اعلیٰ کسی حکمتِ عملی کو چلانے میں دشواریاں اور ناکامی محسوس کرتا ہے تو وہ مستعفی ہو کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے، تاکہ عدم تعاون سے دو عملی کے مضر نتائج بروئے کار نہ آئیں، چنانچہ حضرت علامہ عثمانیؒ نے بھی اس موقع پر اسی عاقلانہ تدبّر کا ثبوت دیا، اور وہ مستعفی ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ علامہ عثمانی کے ساتھ اساتذہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ظہور احمد صاحبؒ اور دو استاد، اور تقریباً ۶۰ طلباء بھی جو ممدوح کے ہم خیال تھے، ان کی یکسوئی کے بعد مستعفی ہو کر دار العلوم سے علیحدہ ہو گئے، البتہ کچھ مدّت کے بعد حضرت مہتمم صاحب کی سعی و کوشش سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور مولانا ظہور احمد صاحبؒ دار العلوم میں واپس تشریف لے آئے۔

۱۳۶۳ھ حضرت مولانا مدنیؒ کی رہائی: ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء ہندوستان کی سیاسیات میں نہایت ہنگامہ خیز سال تھا۔ ملک کے تمام بڑے چھوٹے لیڈر جیل کی چہار دیواری میں محبوس کر دیئے گئے تھے، اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ کو جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء کے عشرۂ اوّل میں دیوبند اور سہارن پور کے درمیان سفر کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں آپ کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا، حضرت مولانا مدنیؒ ۱۴، رمضان المبارک کو دیوبند تشریف لائے۔ اسٹیشن پر ہزارہا عقیدت مندوں کا اجتماع تھا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ مدّت سے ایسا نظارہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، بعد نماز تراویح جامع مسجد میں خیر مقدم کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، حضرت مولانا نے تہنیتی قصائد کے بعد جن میں ایک اہم قصیدہ حضرت مہتمم صاحب نے بھی فارسی زبان میں لکھ کر سنایا تھا، انگریزوں کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان اور دنیائے اسلام کی آزادی ہی ہمارے قلوب کو مطمئن کر سکتی ہے، جب تک یہ حاصل نہ ہو ہمارا فرض باقی رہے گا، اور آزادی کی جنگ جاری رہے گی"۔

۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء شعبۂ خوشخطی کا اجراء: پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا جو تعلق ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے، تحریر و کتابت کا علم سے گہرا تعلق ہے اسی بناء پر خط کو "نصف علم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مدارس عربیہ میں حسنِ تحریر کو اب تک مناسب جگہ نہیں دی گئی ہے، البتہ دار العلوم میں خط کی عمدگی کا اس قدر لحاظ ضرور رکھا جاتا تھا کہ امتحانات کے پرچوں میں جن طلباء کا خط عمدہ ہوتا ان کو حسنِ تحریر پر امتیازی نمبر دئے جاتے تھے، مگر خط کی اصلاح و درستگی کا دار العلوم کی جانب سے بطور خاص کوئی انتظام نہ تھا اور صرف طلباء کے لئے اپنے ذوق پر اس کا انحصار تھا، بالعموم طلباء کے خط نہایت بدخط ہوتے تھے۔ امسال اس خامی کی اصلاح کے لئے خوشخطی کے شعبے کا اجراء عمل میں لایا گیا، اور طلباء کے لئے خط کی درستگی اور حسن تحریر کو ضروری قرار دیا گیا، شعبۂ خوشخطی کے ذریعہ نسخ اور نستعلیق دونوں خطوں کی مشق کرائی جاتی ہے، حسنِ تحریر کے علاوہ جو طلباء خوش نویسی (کتابت) کی تعلیم بحیثیت فن حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کو فنی لحاظ سے اس کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس طرح پر خط کی اصلاح کے علاوہ یہ شعبہ طلبائے دار العلوم کے لئے حصولِ معاش کا بھی ایک باعزت اور

عمدہ ذریعہ ہے۔(۱)

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء دارالصنائع کا قیام: یہ تو ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے میں دارالعلوم کے طلباء پر تعلیم وتدریس اور تبلیغ ودینی قیادت کے علاوہ عام معاشی راہیں کشادہ نہیں ہیں، دارالعلوم میں اس امر کا احساس کرتے ہوئے ضروری سمجھا گیا کہ طلباء کے مستقبل کے لئے معاش کے ذرائع مہیا کئے جائیں تاکہ وہ دارالعلوم سے نکلنے پر فراغت واطمینان سے مستغنیانہ زندگی بسر کرسکیں، شعبۂ خوشخطی کے قیام میں اصلاحِ خط کے ساتھ ایک یہ مقصد بھی پیشِ نظر تھا، حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔ مولانا عبدالغفور صاحب بخاری کو جو اس وقت دارالعلوم کی مسجد کے امام تھے، اور بعد میں مدینہ منورہ ہجرت کرکے چلے گئے اور وہیں وفات پائی ان کی مخلصانہ سعی وامداد سے اس شعبے کا قیام عمل میں آیا، اور جلد سازی کے کام سے شعبے کا آغاز ہوا، موصوف بخارا کے رہنے والے تھے، بمبئی میں ان کا اچھے پیمانے پر جلد سازی کا کارخانہ تھا، ان کو خود بھی اس کام میں اچھی دسترس حاصل تھی، بمبئی کے قیام کے زمانے میں ان کو دینی علوم کے حصول کا شوق دامن گیر ہوا، اور دارالعلوم کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے منتخب کیا، جلد سازی کی مشین، آلات اور اس سلسلے کا دوسرا سامان جو کچھ ان کے پاس تھا وہ دارالعلوم کے وقف کردیا، چنانچہ انہی کے وقف کردہ سامان سے رجب ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں شعبۂ تجلید (کتابوں کی جلد باندھنا) سے دارالصنائع کا افتتاح عمل میں آیا، موصوف نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود اپنی خدمات بھی بغیر کسی معاوضے کے دارالصنائع کے لئے پیش کرکے ایسے لوگ تیار کردیئے جو طلباء کو تجلید کی تعلیم دے سکیں۔

اس کے بعد دارالصنائع میں مختلف اوقات میں دوسری صنعتوں کی تعلیم کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔

۱۳۶۶ھ بہار اور گڑھ مکتیشر کے فسادزدہ مسلمانوں کی امداد واعانت: ابھی ہندوستان میں آزادی کے آسمان پر آفتاب طلوع بھی نہ ہونے پایا تھا کہ بہار اور گڑھ مکتیشر (ضلع میرٹھ) میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اکثریت کے لوگوں نے اقلیت پر قیامت برپا کردی، جو لوگ فسادات میں زندہ بچ گئے تھے وہ اس قدر خوف زدہ تھے کہ آئندہ اپنے گھروں میں مقیم رہنے پر آمادہ نہ تھے، اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں گاندھی جی کی خدمات تاریخ کے صفحات سے بھلائی نہیں جاسکتیں، بہار کے فسادزدہ علاقے میں ان کے دورے نے تریاق کا کام کیا، تاہم ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو خود مسلمانوں ہی کی جانب سے ڈھارس اور اطمینان دلاکر ان میں خود اعتمادی اور صبرو استقلال کی تبلیغ وتلقین کرنے کے علاوہ اخلاقی طور پر آئندہ کے لئے ایسے رخنوں کو بند کرنے کی جدوجہد بھی کی جائے، چنانچہ اس کے لئے دارالعلوم سے وفود بھیجے گئے، جن کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا، اور بہت سے مسلمان جو ترکِ وطن کا ارادہ کرچکے تھے وہ رک گئے اور جو ترکِ وطن کرچکے تھے وہ حالات کے معمول پر آجانے کے بعد اپنے گھروں میں واپس آگئے۔(۲)

تقریباً یہی صورت گڑھ مکتیشر میں پیش آئی اور دارالعلوم کے وفد نے وہاں پہنچ کر حکومت کی امداد سے مساجد اور مکانوں کی صفائی، درستگی، مرمت اور شہیدوں کی تدفین اور امن وامان بحال کرنے میں نہایت تندہی، جانفشانی اور دل سوزی سے کام لیا، مسلمانوں کا خوف وہراس دور کرکے مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بسنے پر آمادہ کردیا۔

میرے بزرگوں کا خط بڑا عمدہ ہوتا تھا حضرت مدنیؒ اور قاری صاحب ہر دو حضرات کا خط بہت عمدہ تھا (۲) اس کی تفصیل کسی دوسری جگہ اسی کتاب مفصل موجود ہے۔(ارشد)

پراویڈنٹ فنڈ کا اجراء: دارالعلوم کے اساتذہ اور کارکنوں کے مشاہرے ان کی خدمات کے عوض میں ہمیشہ بہت کم رہے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مشاہرے بدقت ان کی اور ان کے اہل وعیال کی ضرورت کے لئے کفایت کرسکتے ہیں، اس میں پس انداز ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا، مگر انسانی ضرورتیں ایثار وقربانی کے ماتحت نہیں ہیں، اس لئے جب کوئی وقتی اور ہنگامی حادثہ پیش آتا تو انہیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح جو لوگ بڑھاپے یا دوسرے اسباب کی بناء پر سبکدوش ہوتے ان کے لئے مستقبل میں کوئی معمولی سامالی سہارہ بھی نہیں ہوتا تھا، خود راقم سطور نے اپنی آنکھوں سے ایسے متعدد غم ناک واقعے دیکھے ہیں کہ دارالعلوم میں آخر عمر تک ملازمت کرنے کے بعد جب انتقال ہوا تو پسماندگان میں اتنی مالی مقدرت بھی نہ تھی کہ وہ مرحوم کے کفن دفن کا انتظام کرسکیں، خود ملازم بھی اگر کبھی کسی مزمن مرض میں مبتلا ہوجاتا تو اپنا علاج نہ کرسکتا تھا، پیہم تجربات اور ملازمین دارالعلوم کی درخواست پر ناگزیر انسانی احوال وضروریات کے پیش نظر دارالعلوم میں پراویڈنٹ فنڈ کا سلسلہ جاری کیا گیا تاکہ شدید ضرورتوں یا سبکدوش ہونے کے مواقع پر بسہولت امداد میسّر آسکے، اس موقع پر مجلس شوریٰ نے ملازمین کی عرض داشت پر توجہ کے ساتھ اپنی ہمدردی کا ثبوت دیا، پراویڈنٹ فنڈ میں ہر مستقل ملازم کی تنخواہ سے ۶ پیسے فی روپیہ کے حساب سے وضع کیا جاتا ہے، اور اسی قدر اس میں دارالعلوم کی جانب سے شامل کردیا جاتا ہے۔ سبکدوش ہونے پر پراویڈنٹ فنڈ کی جمع شدہ رقم اس کے حوالے کردی جاتی ہے، نیز دورانِ ملازمت میں ضرورت کے موقعوں پر پراویڈنٹ فنڈ کا دو تہائی حصہ بطور قرض بھی لیا جاسکتا ہے، جو پانچ فیصد کے حساب سے ماہ بماہ وضع ہوتا رہتا ہے۔

۱۵، اگست ۱۹۴۷ء: اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں علماء کرام کو جو مقام حاصل رہا ہے اس میں کوئی جماعت ان کی حریف فخر نہیں کہی جاسکتی، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز انقلاب کے بعد صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ملک میں زندہ رکھا، انکی مسلسل جدوجہد نے بالآخر پورے ملک میں آزادی کی روح پھونک دی، حضرت نانوتوی قدس سرہ اس تصور کے سب سے بڑے داعی اور اس تحریک کے سب سے بڑے مبلغ تھے، انہوں نے جس سرگرمی کے ساتھ اس تصور کو پروان چڑھایا، افسوس ہے کہ جنگ آزادی کی تاریخ لکھنے والوں نے اس بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے، ہندوستان کی آزادی کے موقع پر حضرت نانوتویؒ کی تیار کی ہوئی جماعت کو جس قدر مسرت ہونی چاہئے تھی اس کا اندازہ حضرت مہتمم صاحب کی اس تقریر سے ہوسکتا ہے جو حضرت ممدوح نے جشنِ آزادی کے موقع پر ۱۵، ۱۶، اگست کی درمیانی شب میں طلبائے دارالعلوم اور اہلِ شہر کے مجمع میں فرمائی تھی، چونکہ اس تقریر سے آزادی کی جدوجہد میں علماء کی خدمات کی تاریخ پر فی الجملہ روشنی پڑتی ہے اس لئے تقریر کا بجنسہٖ پیش کردینا مناسب ہوگا، حضرت ممدوح نے فرمایا:۔

بزرگانِ ملت علمائے کرام اور عزیز طلبائے دارالعلوم! آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، ایک عظیم الشان سلطنت جس کے متعلق مسلّم تھا کہ اس میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اور جس کے بارے میں خود اس سلطنت کے ایک مغرور اور متکبر نمائندے گلیڈ اسٹون نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ ہماری سلطنت آج اس قدر طاقتور ہے کہ اگر آسمان بھی اس پر گرنا چاہے تو ہم اسے بھی اپنی سنگینوں کی نوک پر روک لیں گے اور وہ ہماری سلطنت کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، وہی سلطنت آسمان کے گرنے سے نہیں محض

زمین کے چند ذرّوں کے اڑنے سے اس سہولت سے ختم ہورہی ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی! ہم اس انقلاب پر پورے ملک کو مبارک باد دیتے ہیں۔ پورا ملک عموماً اور خصوصیت سے وہ جوان اور بوڑھے اس مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی قربانیوں اور مساعی نے یہ شیریں ثمر ہندوستان کے سامنے لارکھا۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر ہم ان اکابر ملّت کی مساعی کا تذکرہ نہ کریں جنھوں نے حقیقتاً اس آزادی کا سنگِ بنیاد رکھا اور اس وقت رکھا جب آزادی کے تصوّر سے بھی اس ملک کے دل ودماغ خالی تھے، یہ شاہ ولی اللہؒ کے جاں باز شاگردوں کی مجاہد جماعت ہے جو دوسو برس سے اس سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور خون سے اس کی راہ نوردی کررہی تھی ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی اقتدار مکمل ہوکر پوری طرح اس ملک پر چھاگیا تو صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو اس ملک میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصوّر کا سب کو دیوانہ بناکر چھوڑا، ۱۸۵۷ء میں بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ بقول حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اس تصوّر کے سب سے بڑے حامل اور اس جوش کے سب سے بڑے امین تھے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہ کی قیادت میں تلوار اٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اترے لیکن راہ کی مشکلات کے باعث فتح کا سلسلہ شاملی کی تحصیل تک رہ گیا اور دہلی کے تخت تک نہ پہنچ سکا اور ملک آزادی سے محروم رہ گیا لیکن یہ جماعت اپنے تصور سے غافل نہ ہوئی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس دنیا سے گئے تو ان کے صحیح اور سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ نے جو ان کے علم اور نظریات کے جائزوارث تھے، اس پوری جماعت کے ساتھ تحریک آزادی کو جاری رکھا۔

مدینہ کے گورنر جمال پاشا کے قول کے مطابق شیخ الہندؒ کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے جثّے میں کیا کرامت رکھی ہوئی تھی کہ اس نے پوری دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، بہرحال ان بزرگوں کا جذبہ انگریزوں کے اقتدار کے خلاف نہ جاہ ومنصب کے لئے تھا نہ وزارت کی کرسیوں کے لئے تھا نہ کسی ایک پارٹی کے اقتدار کے لئے تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ جابر قوم کی گرفت سے مظلوم ملک کو نکالا جائے، اور حق بحقدار کے طور پر جس کی امانت ہو اسے سپرد کیا جائے، جس سے حق کا کلمہ بلند ہو۔

ان بزرگوں کا سب سے بڑا مشغلہ یہی ذکروفکر ہر وقت رہتا تھا کہ انگریزوں کا جُوا کس طرح کندھوں سے اتارا جائے اسی کے بارے میں پیشینگوئیاں اور مکاشفات تھے۔ اور اسی کے بارے میں عام نظم اور انتظام، ایک دن چھتے کی مسجد میں سب بزرگ جمع تھے، انگریزوں کے تسلط اور غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر حضرت حاجی سیّد محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ "انگریزوں نے گھرے پنجے جمائے ہیں دیکھئے کس طرح اکھڑیں گے؟"۔

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شیخ الحدیث تھے فرمایا "حاجی صاحب! آپ کس خیال میں ہیں وہ وقت دور نہیں جب کہ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا، کوئی جنگ نہ ہوگی بلکہ بحالتِ امن وسکون یہ ملک صف کی طرح پلٹ جائے گا، رات کو سوئیں گے ان کی عملداری اور صبح کریں گے دوسری عملداری میں"۔

میں آج کے جاں بازوں کی ناقدری نہیں کرتا لیکن اس سے کسی حالت میں بھی نہیں ہٹ سکتا کہ آج آزادی کی تمام مساعی ایک عمارت ہے جس کی بنیاد یہ لوگ رکھ گئے تھے، اور اس لئے میں ببانگِ دُہل کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کی یہ جدوجہد صرف

مسلمانوں نے شروع کی انہوں نے اسے پروان چڑھایا، حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا، ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اس فتویٰ کو استعمال کیا، اور اس نسخہ شفاء کو خاص ترکیب سے پیا اور پلایا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی نسخے کو معجونِ مرکب کی صورت میں محفوظ کیا اور اس قابل کردیا کہ ہر کس وناکس اسے استعمال کرسکے، چنانچہ وہ استعمال شروع ہو کر عام ہوگیا، تحریک خلافت میں بھی نسخہ گو تلخ تھا مگر سب نے استعمال کیا اور بہر حال عام استعمال شروع ہو کر آزادی کا جذبہ مسلمانوں سے گزر کر ابنائے وطن تک پہنچا وہ بھی سرگرم ہوگئے اور ہندو مسلمانوں کی انتھک مساعی اور قربانیوں کا ثمرۂ شیریں آج ملک کی آزادی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اور ان بزرگانِ مرحومین کے لئے دعاءِ خیر کرتے ہیں جن کی تخم ریزی سے یہ درخت تناور ہوا اور آج اس کا پھل سب کھا رہے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی تمام دنیائے اسلام کی آزادی ہے، اس لئے ہماری مبارک باد کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہے، ہماری مبارک باد کی مستحق ہندوستان وپاکستان دونوں سلطنتیں ہیں، ہم پاکستان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور ہندوستان کو وطن کی حیثیت سے مبارک باد دیتے ہیں، میں اس تصور کو بھی ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں اب مسلمان ایک معمولی اقلیت کی صورت میں رہ گئے ہیں، اور آج کی آزادی میں جہاں ان کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ انگریز کا دو سو سالہ اقتدار ختم ہوگیا جس کے لئے وہ بے چین تھے وہیں اس فکر کا موقع بھی ہے کہ ان کی حیات اجتماعی کی اس ملک میں اب کیا صورت ہوگی؟ اس کے لئے انہیں ابھی سے قدم اٹھانا چاہئے، شریعت مقدسہ کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اپنے میں سے کسی امام اور متدین امیر کا انتخاب کریں، ہندوستان کی مسلم جماعتیں منتشر رہنے کے بجائے متحد ہوں، ایک ہوجائیں اور اسلام کے کلمے پر ایک ہوں، ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں، اسی ایک جملے میں ان کی حیات اجتماعی کی لمبی چوڑی تفسیر پنہاں ہے، ان کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ ماضی کے واقعات فراموش کردیئے جائیں، ہم طعن وطنز کا سلسلہ ترک کریں، ایک دوسرے پر الزام رکھنے کی فکر نہ کریں، بلکہ صرف مستقبل کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ متحد ہونے کے لئے اخوت ومساوات کی کیا تدابیر ہوسکتی ہیں جن کو وہ آج عمل میں لاسکتے ہیں۔ میرے خیال میں پہلے سے زیادہ اب اس کے امکانات ہیں کہ وہ متحد ہوسکیں۔ وہ پارٹیاں جن پر آویزشوں کی بنیادیں ہیں اس انقلاب سے منقلب ہوچکی ہیں، اور حقیقتاً ہندوستان کے بدلنے سے وہ بھی بدل گئی ہیں، اس لئے اب بجائے اس کے کہ ہم نئی پارٹیوں کی بنیادیں رکھ کر اختلافات کی تخم ریزی کریں یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وحدتِ جماعت کا سنگِ بنیاد رکھ کر ان تمام مسائل کو حل کریں جو نئے ہندوستان میں پیدا ہوگئے ہیں۔ (۱)

اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے حسبِ ذیل اعلان شائع کیا گیا:۔

دارالعلوم دیوبند مسلمانوں کی ایک مذہبی درس گاہ اور ایک عظیم الشان علمی ادارہ ہے، جس نے ملکی سیاسیات کے ہنگاموں میں بھی اپنی تعلیم اور تعلیمی کاموں کی ہمیشہ حفاظت کی ہے، اور تعلیمی سلسلوں میں کسی وقتی تحریک سے مغلوب ہو کر کبھی

---

(۱) رسالہ دارالعلوم بابت ماہ ذیقعدہ، ۱۳۶۶ھ (اکتوبر ۱۹۴۷ء)

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء مسلم یونیورسٹی کورٹ کے لئے علمائے دیوبند کا انتخاب: دیوبند اور علی گڑھ کے مابین عرصے سے جو بعد چلا آرہا تھا، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کی یونیورسٹی میں تقریروں سے اس میں بڑی کمی آگئی تھی، چنانچہ پہلا موقع تھا کہ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ کے لئے علمائے دیوبند کو منتخب کیا گیا، حضرت مولانا حفظ الرحمنؒ، مولانا محفوظ الرحمن نامی مرحوم اور مولانا محمد طیب صاحب کا کورٹ کی رکنیت کے لئے انتخاب عمل میں آیا، اور اس طرح ان دونوں عظیم علمی اداروں میں تعاون کی راہیں کھل گئیں۔

دار العلوم کی تلاشی اور احکام عید الاضحیٰ کی ضبطی: گذشتہ سال بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر حکام کی مداخلت سے دار العلوم کے ساتھ اہانت آمیز واقعہ پیش آیا تھا، اس سال پھر عید الاضحیٰ سے چند روز قبل ۵، ذی الحجہ کو دار العلوم کی تلاشی کا افسوسناک حادثہ پیش آیا، ایک مقامی پولیس افسر تیس پنتیس مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ دار العلوم کے دروازے پر پہنچا اور ادارہ اہتمام کے کسی رکن سے اجازت اور ان اخلاقی تقاضوں سے کام لئے بغیر جو اس قسم کے مواقع پر ضروری سمجھے جاتے ہیں اس نے دفتر اہتمام کی تلاشی لے کر عید الاضحیٰ کے ان مطبوعہ احکام و مسائل پر قبضہ کرلیا جن میں قربانی کے احکام درج تھے، قربانی کے احکام چندے کی اپیل کے ساتھ سالہا سال سے شائع ہوتے رہے ہیں اور اس سے پہلے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا گیا، اس مرتبہ حکام کے نزدیک اشتہار کے مضمون کا وہ حصہ خاص طور سے قابلِ اعتراض تھا جس میں قربانی کے جانوروں کی تفصیل کے ساتھ گائے کا ذکر تھا، ان کے نزدیک گائے کے ذکر کے یہ معنیٰ تھے کہ دار العلوم کی جانب سے حکومت کے احکام کے خلاف قربانی کی ترغیب دی گئی ہے، حکام کو بتلایا گیا کہ گائے کا ذکر بطور مسئلہ کے کیا گیا ہے، چنانچہ اس میں اونٹ کی قربانی کا ذکر موجود ہے، حالانکہ ہندوستان بھر میں اونٹ کی قربانی نہیں ہوتی، نیز اس کے ساتھ یہ نوٹ بھی موجود ہے کہ بحالاتِ موجودہ مسلمان وقت کے مصالح کے پیشِ نظر گردوپیش کے ملکی حالات کی رعائت ملحوظ رکھیں اور ایسے طریقے اختیار نہ کئے جائیں جن سے امن وامان میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو، دار العلوم دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا مرکزی دینی ادارہ ہے، یہ شرعی احکام ہیں جن کا بیان کرنا دار العلوم کا فریضہ ہے، یہ احکام ہندوستان سے باہر بھی بڑی تعداد میں بھیجے جاتے ہیں جہاں گائے کی قربانی پر پابندی نہیں ہے، علاوہ ازیں خود ہندوستان میں بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں گائے کا ذبیحہ ممنوع نہیں ہے، مگر حکام کا اصرار بدستور باقی رہا، چنانچہ ان کے اصرار پر ایک مزید اعلان شائع کیا گیا، جس میں حکام کے مزعومہ شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ "جن مقامات پر حکومت کی جانب سے گائے کی قربانی پر پابندی عائد ہے وہاں ملک کے موجودہ حالات اور آپس کے میل ملاپ کے لئے گائے بیل اور بچھڑے کی قربانی سے احتراز کیا جائے، نیز حکومت کے احکام کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے"۔

ملک میں حکام کے اس توہین آمیز اقدام پر جابجا احتجاجی جلسے کئے گئے اور اخبارات کے ذریعے اس فعل کی مذمت کی گئی۔

---

(۱) آج بھی ہندوستان سے جو گائے کی کھالوں کو برآمد کرکے زرمبادلہ کمارہا ہے۔ گویا ہندو کا یا صحیح معنوں میں بنیے کا یہ مذاق ہے کہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔ (ارشد)

۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء پاکستان طلباء کے داخلے میں حکومت ہند کا تعاون: ہندوستان کے تقسیم کے بعد پرمٹ (۱) سسٹم کی وجہ سے پاکستانی علاقے کے طلباء کی آمد ورفت بالکل بند ہوگئی تھی، بالخصوص مغربی پاکستان کے طلباء کے لئے دارالعلوم میں حصول علم کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا، دارالعلوم کی شہرہ آفاق مرکزیت کے پیشِ نظر طالبانِ علم دارالعلوم میں آنے کے لئے بے چین تھے، اور اس امر کے لئے درخواستوں پر درخواستیں چلی آرہی تھیں کہ پاکستانی طلباء کے لئے ایسے ذرائع مہیا کئے جائیں جو انہیں ان کے گوہرِ مقصود (علم) سے ہم کنار کرسکیں، اس صورتِ حال کو حکومتِ ہند کے سامنے پیش کیا گیا وزارتِ تعلیم نے دارالعلوم کی اس درخواست کو منظور کرکے یہ اجازت دے دی کہ جو طلباء پاکستان سے دارالعلوم میں آنا چاہیں ان کو درخواست پیش کرنے پر ایک سال کا پرمٹ دے دیا جایا کرے گا جس کی بعد میں حسبِ ضرورت صوبائی حکومت سے توسیع کرائی جاسکتی ہے، مگر اس اجازت کے باوجود دفتری ضوابط کی وجہ سے زیادہ عرصے تک یہ سلسلہ چل نہ سکا۔

حکومت ہند کی جانب سے بیرونِ ہند میں دارالعلوم کا تعارف: اس سال میں وزارتِ خارجہ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے اپنی نشریات کے سلسلے میں اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ دارالعلوم کی تاریخ اور موجودہ حالات کا بیرونی دنیا اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں تعارف کرایا جائے، چنانچہ اس مقصد سے دارالعلوم کے حالات اور عمارتوں کی تصاویر حاصل کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے وزارتِ خارجہ اور آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن کے اراکین دیوبند آئے، موخرالذکر اراکین میں ڈپٹی ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو برائے مشرق وسطیٰ اور مصر وایران کے نظمائے نشریات شامل تھے، دارالعلوم کی بڑی بڑی عمارتوں، اس کے مختلف شعبہ جات اور نادر مخطوطات کے فوٹو لئے گئے، دارالعلوم کے معائنے کے بعد ان حضرات نے اپنے تأثرات کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا مناسب ہوگا کہ اس کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے۔

ایم، اے، این ڈپٹی ڈائریکٹر برائے مشرقِ وسطیٰ کے الفاظ یہ تھے:۔

"یہاں پر سادہ زندگی اور بلند عزائم کی روح اپنے حقیقی معنیٰ میں ملتی ہے، میں نے بعض لیکچروں کو سنا اور دیکھا، اور یہ بھی دیکھا کہ طلباء کو کس ضبط ونظم کے ساتھ کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، مطبخ بہت صاف ستھرا تھا، مالیات کا حساب بہت باضابطہ رکھا جاتا ہے، دارالعلوم میں ایک بہت بڑا کتب خانہ ہے، جس میں مختلف موضوعات پر قیمتی کتابیں ہیں، حقیقت میں یہ ادارہ ایک یونیورسٹی ہے"۔

عبدالفتاح عودہ ناظم نشریات عربی نے کہا کہ:۔

"یہ امر واقعہ ہے کہ میں نے دیوبند میں اسلام کا ایک قلعہ اور ایمان وسُنَنِ نبوی کی ایک پناہ گاہ پائی، یہاں آکر میں نے معلوم کیا کہ دین ودنیا اور آخرت دونوں کے لئے کس طرح کی صلاحیت دارالعلوم اپنے اندر رکھتا ہے، یہ بڑی قیمتی میراث ہے جس کے ساتھ تمسک کرنا ہمارے لئے ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہم مستقبل کی تعمیر کے لئے اسے عماد اور ستون بنائیں:۔

---

(۱) اس وقت دونوں ملکوں کے درمیان پاسپورٹ اور ویزا نہ تھا پرمٹ لے کر ایک دوسرے ملک میں سفر کیا جاسکتا ہے۔

علی امیر معز ناظم نشریات فارسی نے بیان کیا کہ:۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں میں نے اسلام کی حقیقی عظمت اور قدرت کا احساس کیا، میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی صفیں نماز میں خالی نہیں اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، آخر کار ایک دن آئے گا کہ اسلام کے اتحاد و سادگی کے سائے اور مسلمانوں کی بے ریائی اور بے لوثی کے نتیجے میں اسلام تمام جہان پر چھا جائے گا۔

اسلام کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق خدا کی عبادت جس سے ہم مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں دور ہوگئے تھے اور دنیوی مال و دولت اور جاہ و جلال نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اس کو ہم نے اس مقدس مقام میں پایا، اور اس طرح پایا کہ اسلام کی عظمت سے ہم دوبارہ آگاہ ہوئے"۔

سفیر افغانستان کی دارالعلوم میں تشریف آوری: جس طرح دارالعلوم کا علمی فیضان عام ہے، اسی طرح اس کے ہمدردوں کا حلقہ بھی وسیع ہے، آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کے علاوہ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس کی تعمیر و ترقی میں کم و بیش شریک رہے ہیں، خصوصاً افغانستان نے دارالعلوم کی دینی خدمات کو ہمیشہ اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے، چنانچہ ان ہی قدیم روابط کے پیشِ نظر سفیرِ افغانستان مقیم دہلی سردار نجیب اللہ خاں، ۷، رجب کو دارالعلوم میں سرکاری حیثیت سے تشریف لائے، اور کئی گھنٹے تک اکابر دارالعلوم سے علمی مسائل پر تبادلۂ خیالات فرمایا۔ دارالعلوم کے شعبہ جات اور درسگاہوں کا معائنہ کیا، سفیر موصوف "بابُ الظاہر" کی بالائی منزل میں قیام پذیر ہوئے، "باب الظاہر" افغانستان کے بادشاہ محمد ظاہر شاہ کی علم دوستی کی شاندار یادگار ہے، ممدوح کے اعزاز میں دارالحدیث کے بڑے ہال میں جلسہ منعقد کیا گیا، تہنیتی قصائد کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے خیر مقدم کی تقریر میں دارالعلوم اور افغانستان کے تاریخی تعلقات پر تفصیلی روشنی ڈالی اور دارالعلوم کے بین الاسلامی مسلک کی وضاحت فرمائی، آخر میں سردار نجیب اللہ خاں نے اپنی جوابی تقریر میں ملتِ افغان کے دارالعلوم سے شغف و تعلق اور دارالعلوم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:۔

"دارالعلوم دیوبند افغانستان کے عوام کی نظر میں ایک عوامی علمی درس گاہ ہے، مگر میں اپنے مشاہدے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف ایک علمی درسگاہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسلامی ثقافت کا مرکز بھی ہے، دارالعلوم نے اس زمانے میں جبکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت باقی نہیں رہی تھی، دین اور اسلامی علوم کی حفاظت کی، اور مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ بھی اس طرح علوم و فنون کی خدمت میں مصروف رہے گا، افغانستان کے عوام اور علماء اور علم دوست اس کے قدر دان ہی نہیں بلکہ علماء کے مددگار اور ہی خواہ بھی ہیں۔

ثقافت اسلامی کی بنیاد سچائی، محبت، مساوات اور حقیقت شناسی پر مبنی ہے، اور یہ دارالعلوم ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

دارالعلوم کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ راست کردار اور راست گفتار فرزند پیدا کئے ہیں جن پر دارالعلوم صحیح طور پر فخر کرسکتا ہے، دارالعلوم تنہا ہندوستان کا ورثہ نہیں ہے بلکہ تمام عالم اسلامی کی میراث ہے، اس لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو ترقیوں کے ساتھ باقی رکھے اور عالم اسلامی کے لئے مفید بنائے"۔

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء مولانا آزادؒ کی تشریف آوری: حکومتِ ہند کے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد ۲۹، ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کی صبح کو دیوبند تشریف لائے، تشریف آوری سے قبل آپ کا تار حضرت مدنیؒ کے پاس اس مضمون کا پہنچا کہ میں ۸، جنوری کو آرہا ہوں اور کھانا مولانا محمد طیب کے ساتھ کھاؤں گا اس تشریف آوری کے موقع پر ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔

سب سے پہلے آپ دارالعلوم میں تشریف لائے، مسندِ اہتمام کا اس درجے احترام ملحوظ رکھا کہ صدر مقام سے کسی قدر ہٹ کر بیٹھے، دیر تک تعلیمی امور پر گفتگو ہوتی رہی، نشست کے بعد مولانا نے دارلعلوم کے شعبہ جات اور درسگاہوں کا معائنہ فرمایا، دورانِ معائنہ میں ہر ہر شعبہ کی اہمیت اور اس کی کارکردگی کا اپنے مخصوص انداز میں اظہار فرماتے رہے بعد ظہر جلسہ خیر مقدم ہوا، تہنیتی قصائد اور سپاس نامے پیش کئے گئے، حضرت مہتمم صاحب نے تفصیل کے ساتھ دارالعلوم کا تعارف کرایا، آخر میں مولانا آزاد نے نہایت فصیح و بلیغ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی، جس میں بانی دارالعلوم کی مثالی زندگی کی خصوصیات دارالعلوم کی علمی اہمیت و عظمت اور اس سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے ان کو زریں نصائح کی تلقین فرمائی، تقریر کا یہ حصہ اس قدر اہم ہے کہ اگر طالبانِ علم اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالیں تو علم کی دنیا میں حیات آفریں انقلاب پیدا ہوسکتا ہے، مولانا آزاد نے فرمایا:-

"طلبائے عزیز! کیا تم نے اس پر کبھی غور کیا ہے کہ تم جو تعلیم حاصل کر رہے ہو اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ علم مقصود ہے یا وسیلہ؟ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو وسیلہ ہیں، اصل مطلوب نہیں، البتہ جو مطلوب ہیں وہ ان کے بغیر نہیں مل سکتیں، اس لئے وسیلہ بھی مطلوب ہوجائے گا، مثلاً سکہ چاندی سونے کا چلتا ہے، دولت کمانے کا یہی ذریعہ ہے مگر ہماری زندگی کی ضرورتوں میں یہ سونا چاندی کس کام آتا ہے، اگر پیاس لگی ہو تو کیا چاندی سے بجھ جائے گی بھوک میں کیا سونا بھوک بجھادے گا؟ مگر جب تک یہ سامان نہ ہو کھانے پینے کی چیزیں نہیں مل سکتیں، اس لئے چاندی سونا بھی ضروری ہوگیا ہے، گورنمنٹ نے کرنسی نوٹ چلائے ہیں، کاغذ کا پرچہ ایک چھدام کا بھی نہیں ہے، مگر گورنمنٹ نے اس پر چھاپ دیا ہے ایک ہزار روپے، اب یہ وسیلہ ہے اسی کاغذ کے ذریعہ سے روپیہ اور اشرفیاں مل جاتی ہیں، یہ کاغذ وسیلہ ہوگیا ہے ایک ہزار روپے وصول کرنے کا، اب لوگ ہزار روپے کی اشرفیاں یا چاندی کے سکے نہیں رکھتے بلکہ کاغذ کا یہ پرزہ رکھ لیتے ہیں، جو چیزیں وسائل کا حکم رکھتی ہیں ان میں استقرار ضروری نہیں ہے، لیکن جو چیزیں مقاصد میں داخل ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ بھوک میں غذا مقصد ہے، وسیلہ اس کو بدل نہیں سکتا!

تم نے اپنے گھروں اور عزیز و اقارب کو چھوڑا اور یہاں آئے، ملک میں تعلیم کے دوسرے طریقے بھی رائج ہیں، لوگ ان کی طرف دوڑتے ہیں، مگر تم نے اسکولوں اور کالجوں سے آنکھیں بند کیں تاکہ دینی علوم میں مہارت حاصل کرو، بڑا مبارک ارادہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جس علم کو تم سیکھ رہے ہو وہ علم وسیلہ ہے یا مقصد؟ تمہارے ذہن نے اگر اسکو نہ سمجھا تو میں متنبہ کروں گا کہ تم صحیح کام نہیں کر رہے ہو، اور قوموں نے ہمیشہ علم کو وسیلہ سمجھا ہے مگر مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے علم کو وسیلہ نہیں مقصد سمجھا ذریعہ معاش نہیں سمجھا! ہندوستان میں ۲۴ یونیورسٹیاں ہیں، کالج ہیں لاکھوں اسکول ہیں، جن کا دامن دیہات تک پھیلا ہوا ہے، ان میں جو تعلیم ہوتی ہے اس کو وسیلہ سمجھا جاتا ہے، مقصد نہیں سمجھا جاتا، ان میں صرف اس لئے تعلیم حاصل کی جاتی ہے کہ سرکاری ملازمتیں مل سکیں، اور اونچے عہدے حاصل کئے جاسکیں، جو شخص وہاں جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جب تک یہاں کی ڈگری موجود نہ ہو وہ معاش حاصل نہیں

کرسکتا، مگر میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جس علم کی خاطر تم زانوئے ادب طے کر رہے ہو وہ علم مقصد ہے! وسیلہ نہیں ہے! اس کو کسی وسیلے کے طور پر حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے! مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو علم کے لئے سیکھا ہے، وسیلے کے طور پر نہیں، انہوں نے کبھی علم کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعے سے معیشت حاصل کریں، مسلمانوں نے ذریعۂ معیشت کسی اور چیز کو بنایا، جنہوں نے علماء کے افسانے سنے ہیں وہ جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ جنہوں نے علم فقہ مدوّن کیا جس پر کروڑوں مسلمان عمل کرتے ہیں وہ بزاز تھے، انہوں نے اپنے وسیع علم کو ذریعہ معیشت نہیں بنایا، معروف کرخی موچی تھے، آج تم اس پیشے کو بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہو، وہ کرخ (۱) میں نکل جاتے، بازار میں بیٹھتے، راہ چلتے آدمیوں کے جوتے سیتے، اور اس کی اُجرت سے گزر بسر کرتے، شمس الآئمہ کا نام ہی حلوائی پڑ گیا تھا، اور اتنا بڑا عالم اپنا ذریعہ معیشت حلوہ فروشی بنائے ہوئے تھا!

اسی طرح اسلام کے مشہور علماء نے علم دین کے چشمے بہائے مگر کبھی علم دین کو ذریعہ معیشت نہیں بنایا، وہ علم کو علم کے لئے حاصل کرتے تھے، زخارفِ دنیوی کے لئے نہیں، ان کے نزدیک یہ گناہ تھا کہ علم کو دنیا کے لئے حاصل کیا جائے، وہ تشنگانِ علم کو علم کی روشنی سے سیراب کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے! یہ ہمارے علماء کا خاص شیوہ رہا ہے کہ دین کی خدمت اور علوم دینیہ کی اشاعت کو انہوں نے اپنا فریضہ سمجھا ہے، انہوں نے اس کے لئے خرید و فروخت کا بازار گرم نہیں کیا، اس حقیقت کو اگر تم نے سمجھ لیا تو اپنی پوری زندگی کی تاریخ ڈھال لی!۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم دین کی توفیق دی ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس کی صدا ہر شخص کے کانوں تک پہنچادو، کچھ دنوں کے بعد تم تعلیم کے مرحلوں کو طے کر کے فراغت حاصل کرو گے، اور ایک عالم دین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہو گے، اس وقت تمہارے سامنے یہی فریضہ ہونا چاہیئے، اگر تم نے یہ کر لیا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو علم تم حاصل کر رہے ہو اس آسمان کے نیچے اس سے اونچا عزت کا کوئی اور مقام نہیں ہوگا۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق بخشے، میں امید کرتا ہوں کہ مجھے انشاء اللہ بار بار اس قسم کی تقریبات میں شرکت کا موقع ملے گا۔ (۲)

ملک کی تقسیم کا آمدنی اور طلباء کی تعداد پر اثر: ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء یعنی ملک کی تقسیم کا سال دارالعلوم کی آمدنی کے لئے بڑا پریشان کن سال تھا، طلباء کی تعداد بھی غیر معمولی طور پر کم ہو گئی، متحدہ ہندوستان کے جو علاقے پاکستان کے حصے میں آئے تھے وہی

---

(۱) کرخ بغداد کے ایک محلے کا نام ہے۔ (۲) مولانا ابوالکلام آزاد نے درس گاہوں کا معائنہ کیا۔ ایک درس گاہ میں ایک قاری صاحب قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ مولانا نے ان سے ایک رکوع سنانے کی فرمائش کی اور پھر جب پورے دارالعلوم کا معائنہ کر لیا تو تھک گئے تو فرمایا میری اس تھکاوٹ کا علاج یہ ہے کہ قاری صاحب سے ایک رکوع سنا جائے۔ میں نے میاں چنوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کی چائے کا ذکر کیا جب حضرت قاری صاحب بودلہ ہاؤس سے میرے گھر ناشتہ پر تشریف لائے یہ ۱۹۵۰ کے لگ بھگ کی بات ہے تو حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ ہم نے مولانا سے کہا کہ آپ کی چائے کی تعریف بہت سنی ہے، ہمیں بھی پلایئے۔ اس پر مولانا نے اپنے خادم کو کہہ کر ہمیں چائے پلائی۔ (ارشد)

دارالعلوم کی آمدنی کے علاقے تھے، مغربی پاکستان کے علاقے سے آمدنی زیادہ ہوتی تھی اور مشرقی پاکستان سے طلباء زیادہ تعداد میں آتے تھے، پھر دہلی، کلکتہ، حیدر آباد کے فسادات اور ان مقامات کی مسلمان تاجر پیشہ آبادی کی اکثریت کا پاکستان منتقل ہوجانا مزید پریشانی کا باعث ہوا، دارالعلوم کے لئے یہ زمانہ بڑی آزمائش وابتلا کا تھا، مگر رفتہ رفتہ یہ حالت تبدیل ہوتی رہی، طلبہ کی تعداد جو سولہ سو سے گھٹ کر ایک ہزار پر آگئی تھی اس سال میں ترقی کر کے بارہ سو سے اوپر پہنچ گئی، آمدنی میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا رہا، حالات پر سکون ہوجانے پر پاکستان کے اہلِ خیر نے بڑی فیاضی سے امداد واعانت میں حصہ لیا، چنانچہ دارالعلوم کی جانب سے پاکستان کے مرکزی مقامات میں تحصیل چندے کے دفاتر کھول دیئے گئے، چند سالوں تک پاکستان سے سب سے بڑی امداد غلّے کی ہوتی رہی، پانچ ہزار من گیہوں جو طلباء واساتذہ اور عملے کی سال بھر کی ضروریات کے لئے درکار ہوتا تھا بہت ہی معمولی نرخ پر بھاول پور (پاکستان) سے ہر سال آتا رہا، اس بحرانی زمانے میں دارالعلوم کے سنبھالے رکھنے میں بھاول پور کے اس غلّے کا بڑا حصہ ہے، خصوصاً ملکی تقسیم کے بعد چار سال تک اگر یہ امداد میسّر نہ آتی تو دارالعلوم کو بڑی دشواریاں پیش آتیں، حق تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائے، جن کی توجہ اور سعی وکوشش ایسے حالات میں دارالعلوم کے لئے مددگار ثابت ہوئی۔

۱۳۷۱ھ، اچاریہ ونوبا بھاوے کے تأثرات: اچاریہ ونوبا بھاوے اپنی بھومی دان کی تحریک کے سلسلے میں ۲، ربیع الاول ۱۳۷۱ھ (۲، دسمبر ۱۹۵۱ء) کو واردِ دیوبند ہوئے اتفاق سے اس تاریخ میں دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہورہا تھا، حضرت مہتمم صاحب، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اچاریہ جی سے ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، وقت کی تنگی کے باعث اچاریہ جی کو دن میں دارالعلوم کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکا، شب میں سات بجے کے قریب اچاریہ جی آئے اور دارالعلوم کو دیکھ کر اس مسرّت کا اظہار کیا کہ ان کو ایشیا کی اس عجیب وغریب تعلیم گاہ کے دیکھنے کا موقع ملا، آپ نے طلباء اور ذمہ داران دارالعلوم کو مبارک باددی کہ خدمتِ ملک وملت کے اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے انگریزی اقتدار کے دورِ غلامی میں انہوں نے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

طلباء کی درخواست پر انہوں نے ایک مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "یہ یونیورسٹی ہمارے ملک کا بہترین سرمایہ ہے، جس میں پورے ایشیا کے نوجوان جمع ہیں جن کے ذریعے سے ہم ایشیا کے اتحاد کے نقشے میں رنگ بھر سکتے ہیں، غلامی کے دور میں اس یونیورسٹی نے جو خدمت انجام دی ہے، مجھے امید ہے کہ اس سے بہت زیادہ عظیم الشان خدمت آزادی کے دور میں انجام دے گی، ہم اس یونیورسٹی کے ذریعے سے مشرقی ایشیا میں اپنا پیغام پہنچاسکیں گے، ہندوستان ہمیشہ سے پریم اور اتحاد کا حامل رہا ہے، یہاں بہت سی قومیں آئیں اور پریم واتحاد کی گنگا جمنا سے سیراب ہوئیں، ہندوستان اپنا یہ پیغام پورے ایشیا بلکہ تمام دنیا تک پہنچانا چاہتا ہے، اس کے پیغام سے دنیا کی موجودہ گتھی سلجھ سکتی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ یونیورسٹی ہمارے اس پیغام کو پہنچانے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوگی"۔(۱)

دارالعلوم کو دیکھنے کے بعد اچاریہ جی نے شہر میں جو تقریر کی اس میں بھی بطور خاص انہوں نے دارالعلوم کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

---

(۱) روزنامہ "الجمعیۃ" مورخہ ۸، دسمبر ۱۹۵۱ء

"میں اس ادارے میں جاکر بہت خوش ہوا، یہ سادہ زندگی، کم سے کم ضروریات زندگی اور ایک بامقصد زندگی کی طرف رہنمائی کرنے والا ادارہ ہے۔ جس نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو مذہب کی برکتوں سے مالامال کیا ہے، یہ علم کا بڑا مرکز ہے یہاں سے علم کی جو ہوائیں چلتی ہیں وہ دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس مشینی دور میں اس ادارے کے لوگ مشینی زندگی کی اہمیت سے واقف ہوتے ہوئے بھی بڑی سادہ زندگی گذارتے ہیں"۔

آخر میں انہوں نے کہا "یہی ایک ادارہ ہے جس نے پہلے دن سے برٹش سامراج کی مخالفت کی، اور اس مخالفت میں ہر محاذ پر سب سے پہلے قربانیاں پیش کی ہیں"۔

دارالعلوم کا ایک نازک مالیاتی دور: مابعد جنگ جو اقتصادی زبوں حالی پیش آئی اس سے کوئی ادارہ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہا، دارالعلوم پر بھی اس کا اثر پڑنا ناگزیر تھا، ادھر ملکی تقسیم کے بعد آمدنی کے بڑے علاقے پاکستان میں شامل ہوچکے تھے، مسلمانانِ عالم کی اس مشترک امانت کی اعانت کے لئے ایک عالمی اپیل شائع کی گئی، اور الحمدللہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا، خصوصاً پاکستان اور جنوبی افریقہ نے اس میں بڑا حصہ لیا، حتیٰ کہ ساؤتھ روڈیشیا جس کا نام بھی کبھی دارالعلوم کے اعانتی حلقے میں سننے میں نہیں آیا تھا وہ بھی چندہ دہندگان کی صف میں شریک ہوگیا، اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم کی کشتی گرداب سے نکل کر ساحل مراد کی جانب رواں دواں ہوگئی۔

قرب وجوار کے مسلمانوں کی فیاضی: اسی کے ساتھ ساتھ دارالعلوم میں ایک نئی اسکیم کا آغاز کیا گیا، یعنی دارالعلوم کی جانب سے فصلِ ربیع کے موقع پر قرب وجوار کے مسلمان زمینداروں اور کاشتکاروں کا ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا، جس نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ دارالعلوم کی امداد واعانت میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے، اس کی یہ صورت تجویز کی گئی کہ دارالعلوم کی سال بھر کی ضرورت کے لئے پانچ ہزار من غلّے کی فراہمی کاشتکاروں اور زمینداروں کی جانب سے ہونی چاہیے، چنانچہ اس پر عمل شروع کردیا گیا اور باوجودیکہ پہلے سے کام کا تجربہ نہ تھا اور ادھر فصل کٹنے کا زمانہ ٹھیک رمضان المبارک کا مہینہ تھا مگر اس کے باوجود ساڑھے تین ہزار من غلہ فراہم ہوگیا، اگرچہ غلّے کی یہ مقدار مطلوبہ ضرورت سے کم تھی تاہم اس سے دارالعلوم کو اس نازک اور ہوش رُبا گرانی کے زمانے میں بڑی تقویت پہنچی، اللہ تعالیٰ اس نیک کام کرنے والوں کے اموال میں خیر وبرکت عطا فرمائے، غلّے کی فراہمی کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے اور اب اس میں میرٹھ ڈویژن کے اضلاع کے علاوہ بجنور اور ہریانہ کا علاقہ بھی شامل ہوگیا ہے۔

ایک مصری فاضل کا ورود: عرب لیگ جو ممالک عربیہ کی ایک سیاسی جماعت ہے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ علمی کاموں سے بھی دلچسپی رکھتی ہے، اس سلسلے میں عرب لیگ کا ثقافتی شعبہ اپنی لائبریری میں نوادر اور کمیاب کتابیں جمع کرنے کے لئے مختلف ممالک میں اپنے نمائندوں کو بھیجتا رہتا ہے، تاکہ ان ممالک کے کتب خانوں سے نوادر مخطوطات حاصل کرکے اپنے یہاں ایک ایسا علمی ذخیرہ فراہم کرے جو بے مثال ہو، چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے نمائندے شیخ محمد رشاد ابن عبدالمطلب کو ہندوستان بھیجا، شیخ موصوف دیوبند تشریف لائے اور نصف درجن مخطوطات کا انتخاب کرکے ان کے فوٹو لے گئے۔

شیخ محمد رشاد ابن عبد المطلب عربی اور انگریزی زبانوں کے نہ صرف ایک نوجوان فاضل تھے، بلکہ ان تمام علمی اور تحقیقاتی تقاضوں سے بھی واقف تھے جو یورپ کی تہذیب اور اس دور کی سائنسی تحقیقات نے اہل علم طبقے کے لئے پیدا کر دیئے ہیں۔ مختلف ممالک کے علمی دوروں نے شیخ موصوف کو نہایت وسیع النظر بنا دیا تھا۔ دار العلوم کو دیکھ کر ان پر جو تاثر ہوا وہ ان کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، جو انہوں نے کتاب معائنہ میں لکھے ہیں:۔

"کوئی شبہ نہیں کہ فخر و مباہات کے زبردست اسباب میں سے ایک بات یہ ہے کہ میں نے اس زبردست عمارت کو بالکل قدیم طرز اور مضبوط بنیادوں پر قائم پایا، اس کا ایک ہی سبب ہے، اور وہ ہے اس کے قائم کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص اور ان کے اعمالِ صالحہؒ!۔

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء شعبہ طب میں اضافہ اور دار الشفاء کا قیام: جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے، دار العلوم میں فنِ طب کی تعلیم قیام دار العلوم کے چند سال بعد ہی شروع کر دی گئی تھی، طبی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ہی طبیبِ دار العلوم بیمار طلباء کے علاج و معالجے کی خدمات بھی انجام دیتا تھا، بیمار طلبہ طبیب سے اپنے اپنے مرض کی تشخیص اور نسخہ تجویز کرا کر ایسے عطار خانوں سے دوا لیتے تھے جو دار العلوم کی جانب سے مقرر تھے، دواؤں کی قیمت دار العلوم سے ادا کی جاتی تھی، معمولی مریضوں کے لئے تو یہ طریقہ کافی تھا مگر جو لوگ شدید بیماریوں میں مبتلا ہوں ان کے لئے عرصے سے ایک ایسے دار الشفاء کے قیام کی تجویز زیرِ غور تھی جس میں مریضوں کے لئے تمام ضروری چیزیں موجود ہوں، چنانچہ اس سال ایک دار الشفاء کا اجراء کیا گیا اور اس کے لئے ایک عمارت بنوا کر مخصوص کر دی گئی، اس میں مفرد، مرکب اور پیٹنٹ ادویہ کے ذخیرے کے ساتھ چارپائیوں، بستروں اور تیمار داری کا بھی ضروری سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔

اس شعبے کے قائم ہوتے ہی ہمدرد دواخانہ دہلی نے طلباء کے لئے ایک ہزار روپیہ سالانہ کی دواؤں کی پیش کش کی، جس کی مقدار اب تین ہزار روپے سالانہ تک پہنچ چکی ہے، نیز ملک کے دوسرے طبی دواخانے بھی بقدر ہمت اپنی اپنی دواؤں سے دار الشفاء کی امداد میں حصہ لے رہے ہیں۔ خصوصاً کلکتہ کے مشہور انگریزی دواساز امین اینڈ اسماعیل اور ہندسی، سی ورکس مؤناتھ بھنجن (اعظم گڑھ) اپنی اپنی مخصوص اور پیٹنٹ ادویات دار الشفاء کے لئے پابندی کے ساتھ بھیجتے رہے ہیں۔ دار الشفاء میں ۷ معالجوں کے علاوہ ۶ کارکن دوا کی تقسیم اور تیمار داری وغیرہ کی خدمات انجام دینے کے لئے مقرر ہیں۔

دارِ جدید میں پانی کی بہم رسانی: دارِ جدید کا وسیع صحن کئی ایکڑ زمین کے احاطے میں پھیلا ہوا ہے، اس کے کمروں میں چار پانچ سو طلباء کا ہر وقت قیام رہتا ہے، گو دار جدید کے احاطے میں بورنگ کے متعدد نل لگے ہوئے ہیں مگر اتنی بڑی آبادی اور دارِ جدید کے چمن کے لئے یہ نل بالکل ناکافی تھے، چنانچہ پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے دارِ جدید میں ٹیوب ویل لگایا گیا، اس سے چمن میں آب پاشی بھی کی جاتی ہے اور طلباء بھی اس کے وافر پانی سے بسہولت مستفید ہوتے ہیں۔

۱۳۷۴ھ/۵۵-۱۹۵۴ء، ملک حجاز کا پیغامِ تبریک: دنیائے اسلام کے اخبارات میں شاہ سعود کے اس خواب کی خبریں شائع ہو رہی تھیں جس میں انہیں آنحضرت ﷺ کی جانب سے مسجدِ نبوی ﷺ کے بارے میں توجہ دلائی گئی تھی، اور

جس پر حکومت کی جانب سے مسجدِ نبوی میں توسیع کا نقشہ تیار کیا جارہا تھا، اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے شاہ سعود کو مبارک باد پیش کی گئی تھی، جس میں لکھا گیا تھا کہ اخبارات میں وہ مساماتِ صادقہ شائع ہوئی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے جلالۃ الملک کو خطاب فرمایا گیا ہے اس سے ہماری عقدت میں بدرجہا اضافہ ہوا ہے۔ ہم جلالت الملک۔ کی بقا اور خدمتِ حرمین کی مزید توفیق کے آرزومند ہیں"۔

سفیرِ حجاز مقیم ہند کی معرفت جلالۃ الملک کی جانب سے جو برقیہ موصول ہوا اس میں مرقوم تھا:۔

"مجھے جلالۃُ الملک نے حکم دیا ہے کہ آنجناب نے اپنے تار میں جن جذبات کا اظہار فرمایا ہے اس کے لئے آنجناب کو اور دارالعلوم کے اسٹاف کو جلالۃُ الملک کی خوشنودی کا پیغام پہنچادوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں ان تمام چیزوں کی توفیق عنایت فرمائے، جو اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے لئے مناسب ہوں"۔ (۱)

انور السادات کی دارالعلوم میں آمد: عرب جمہوریہ کے صدر انور اسادات جو اس وقت مؤتمر اسلامی کے جنرل سکریٹری تھے دارالعلوم میں تشریف لائے، موصوف نے حسبِ ذیل الفاظ میں اپنے تأثرات رقم فرمائے"۔

"اس عظیم دینی اور تاریخی درس گاہ کی زیارت نے مجھے مجبور کیا کہ میں بصمیم قلب اپنے بھائیوں کی خدمت میں مبارک باد پیش کروں جو اس ادارے کو چلارہے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس ادارے کو علم ومعرفت کا منارہ بنائے اور ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائے"۔

امریکہ اور یورپ میں دارالعلوم کا تعارف: کناڈا یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے ایک ریسرچ اسکالر کی طلب پر جن کی تحقیقات کا موضوع "عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی دینی تعلیم" تھا، دارالعلوم کی علمی اور دینی تاریخ پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر بھیجا گیا جو امریکہ اور یورپ کے علمی حلقوں میں دارالعلوم کے تعارف کا اچھا ذریعہ ثابت ہوا، یہ مقالہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے ارشاد پر راقم سطور نے لکھا تھا۔ (۲)

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء مصر سے دارالعلوم کے روابط: مؤتمرِ اسلامی کے جنرل سیکریٹری انور السادات کی آمد کے موقع پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے موصوف سے جامعہ ازہر اور دارالعلوم کے مابین روابط قائم کئے جانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، مؤتمر اسلامی اور جامعہ ازہر میں حضرت مہتمم صاحب کی اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا اور وہاں سے دو جلیل القدر استاذ شیخ عبد المنعم النمر شیخ اور عبد العال العقباوی کو دو سال کے لئے دارالعلوم میں جدید عربی ادب وانشاء کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا، ان حضرات کی دو سالہ مدت پوری ہوجانے پر شیخ عبد الوہاب محمود ان کی جگہ پر تشریف لائے، جامعہ ازہر سے رابطہ قائم ہوجانے کے بعد سے طلبائے دارالعلوم میں عربی ادب اور عربی زبان میں تقریر وتحریر کا ایک خاص ذوق پیدا ہوگیا ہے اور اب ایک مستقل شعبہ "صفتِ عربی" کے نام سے قائم ہے جس سے عربی نطق واملاء میں طلباء مہارت پیدا کرتے ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں طلباء عربی بول چال اور عربی مضمون نگاری پر قادر ہوچکے ہیں۔

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ ص ۳۔ (۲) ماہنامہ دارالعلوم بابت جولائی ۱۹۵۵ء ص ۴

دارالعلوم کی مسجد میں توسیع: ہمارے یہاں کی مساجد کے عام دستور کے مطابق دارالعلوم کی مسجد کا حوض وسطِ صحن میں تھا، گرمی، سردی اور برسات میں اس پر بیٹھ کر وضو کرنا تکلیف دہ ہوتا تھا، اسی کے ساتھ طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے مسجد کا صحن بھی تنگ ہوگیا تھا۔ ۱۳۷۵ھ میں حوض کو وسطِ صحن سے ہٹا کر مشرق کی جانب دارالفتاء کی عمارت کے نیچے بنایا گیا، اس تغیر سے مسجد کے صحن میں بھی کشادگی پیدا ہوگئی اور گرمی، سردی اور برسات میں کھلی ہوئی جگہ پر وضو کرنے کی تکلیف بھی ختم ہوگئی۔

اسی کے ساتھ سردی کے موسم میں گرم پانی کے لئے ایک بڑی ٹنکی تیار کرائی گئی اور حوض کے چاروں طرف پائپ لگا کر اس میں براس کاگ لگادیئے گئے، اس سے وضو کرنے میں بڑی سہولت ہوگئی۔ اب بیک وقت بہت سے آدمی حوض کے اطراف میں بیٹھ کر گرم پانی سے وضو کرسکتے ہیں۔

ایک مذہبی اجتماع: اس سال برادرانِ وطن کی جانب سے ملک میں دو اہم اجتماع منعقد کئے گئے ایک اجتماع "بین الملی آریہ سماج کانفرنس" کے نام سے شیر کوٹ (بجنور) میں اور دوسرا "بین الملی کانفرنس آریہ ورت راجپورہ (دہرہ دون) میں منعقد ہوا، دونوں اجتماعات میں دارالعلوم کی جانب سے مبلغ دارالعلوم مولانا سیف اللہ صاحب ہاشمی نے نمائندگی کی، پہلے اجتماع میں "اسلام کی فطری تعلیمات اور محاسنِ اخلاق پر تقریر ہوئی" اس اجتماع میں صدرِ جلسہ نے دارالعلوم کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:۔

"اسلام کی خوبیاں تمام مذاہب سے زیادہ ہیں اور دارالعلوم کا مشن تمام مشنوں سے اونچا اور بلند رہا"۔

دہرہ دون کے اجتماع میں مولانا موصوف نے خدائے بزرگ و برتر کی توحید، انبیاء و رسل کی عام بعثت، اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے موضوع پر تقریر کی، اس تقریر کے بارے میں دہرہ دون کے اخبار "اتحادِ دنیا" نے حسبِ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:۔

"ہندو راجہ چرت سنگھ صاحب نے کہا کہ سب سے اچھی تقریر جناب سیف اللہ صاحب کی تھی، موصوف دیوبند سے آئے، اسلام پر بولے اس مبلغ اسلام نے اس طرح تبلیغ کی کہ ہر دین کا آدمی ذرا بھی خلاف نہیں کہہ سکتا تھا اور تعریف بہتوں نے کی" (۱)۔

فتاویٰ دارالعلوم کی تدوین: طلب فتاویٰ کا سلسلہ قیام دارالعلوم کے زمانے ہی سے شروع ہوچکا تھا، ابتداً یہ کام حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ انجام دیتے رہے، حضرت مولانا کی وفات کے بعد مختلف اساتذہ سے یہ کام لیا جاتا رہا، لیکن جب طلبِ فتاویٰ کی تعداد زیادہ بڑھ گئی تو ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں اس کے لئے ایک مستقل دارالافتاء قائم کیا گیا، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دارالعلوم کے پہلے مفتی مقرر ہوئے، ابتداً فتاویٰ کی نقول رکھنے کا معمول نہیں تھا، اواخر ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے فتاویٰ کی نقول رکھنے کا قاعدہ مقرر ہوا، اس لئے دارالعلوم میں شروع کے ۴۷ سال کے فتاویٰ کی نقول موجود نہیں ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانے کے فتاویٰ میں ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء تک کے فتاویٰ کی تعداد ۳۷۵۶۱ ہے، بالعموم ایک مستفتی کئی کئی سوالات لکھ کر بھیجتا ہے، اگر اوسطاً تین سوالات ہر مستفتی کے مان لئے جائیں تو اس طرح فتاویٰ کے مسائل کی تعداد تین گنی ہو کر سوا لاکھ کے لگ بھگ ہوجاتی ہے۔

---

(۱) روداد ۱۳۷۵ھ۔ ص ۱۶۔

حضرت مہتمم صاحب کی اس تحریک کو مجلسِ شوریٰ نے پسند کیا کہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب پر ابواب وار مرتب کرکے شائع کیا جائے، ان فتاویٰ کے مدوّن و مرتب مولانا ظفیر الدین صاحب نے ترتیبِ فتاویٰ کے سلسلے میں ایسے فتاویٰ کو جو مکرر تھے اپنی ترتیب میں حذف کردیا ہے، البتہ اگر کسی مسئلہ کی نوعیت میں نمایاں فرق ہوا تو اسے دوبارہ بھی لے لیا گیا ہے۔ فاضل مرتب نے یہ التزام کیا ہے کہ فتاویٰ میں حوالے درج نہیں تھے، مرتب نے ایسے مسائل کے کتبِ فقہ سے حوالے دیدئے ہیں اسی کے ساتھ حوالوں میں کتاب اور باب کے ساتھ مسئلہ کی عبارت بھی نقل کردی گئی ہے، اس التزام سے ہر ہر مسئلہ اپنی جگہ پر مُبَرہَن ہوگیا ہے، اور اگر قاری اصل کتاب سے رجوع کرنا چاہے تو وہ بغیر کسی دشواری کے مراجعت کرسکتا ہے، اس التزام سے فتاویٰ دارالعلوم کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے، یہ فتاویٰ اپنی اصل شکل میں تاریخ وار تھے یعنی جس ترتیب سے مستفتیوں کی جانب سے بھیجے گئے تھے، اسی ترتیب سے ان کے جواب درج تھے، لیکن کتابی شکل میں لانے کے لئے ان کو فقہی انداز پر مسائل وار مرتب کیا گیا ہے جس کا اندازہ اس سے کیاجاسکتا ہے کہ کتاب الصلوٰۃ میں ۱۸ ابواب ہیں اور ہر باب میں چار چار فصلیں قائم کی گئی ہیں تاکہ تلاش مسائل میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

فتاویٰ دارالعلوم کی پہلی جلد ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی، اب تک ان کی نو ضخیم جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور ابھی کئی جلدیں طبع ہونے سے باقی ہیں، (۱) فتاویٰ دارالعلوم کی مقبولیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باوجود دیکہ فتاویٰ کا سلسلہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، مگر جو جلدیں شائع ہوچکی ہیں ان کے کئی کئی ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں" (۲)۔ نویں جلد کتاب الطلاق کے مسائل واحکام پر مشتمل ہے اور تقریباً پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں تشریف آوری کے موقع پر فتاویٰ کے اس ذخیرے کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "اس سے ایک دوسرا تاتارخانیہ مرتب ہوسکتا ہے، یہ ایک بڑی دینی خدمت ہے اس سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتی ہیں" (۳)۔

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء صدر جمہوریہ ہند دارالعلوم میں: اس سال کے اہم واقعات میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کی دارالعلوم میں تشریف آوری ہے۔

صدر جمہوریہ ۱۴، ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ (۱۳، جولائی ۱۹۵۷ء) کو دارالعلوم میں تشریف لائے۔ یہ کسی سربراہِ مملکت کے دارالعلوم میں آنے کا پہلا موقع تھا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ صاحب عثمانی کے علاوہ موتمرِ اسلامی کے نمائندے شیخ عبد المنعم النمر اور شیخ

---

(۱) اب اس کی ۱۰ جلدیں شائع ہوچکی ہیں (ارشد) (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم مقدمہ جلد اوّل۔ (۳) فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری کی طرح فقہ کی ایک ضخیم کتاب ہے جو ہندوستان میں مدوّن ہوئی ہے۔ یہ کتاب ابوابِ ہدایہ کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں خاندانِ تغلق کے عہد میں خانِ اعظم تاتار خان کی فرمائش پر شیخ عالم بن علاء الحنفی نے فقہ حنفی کا یہ مجموعہ چار ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے، فیروز شاہ تغلق کے عہد میں خانِ اعظم تاتار خاں وزارت کے منصب پر فائز تھے، ایک زمانے میں فتاویٰ تاتارخانیہ کی خاصی شہرت رہی ہے، حلب کے عالم ابراہیم بن محمد نے اس کتاب کی ایک تلخیص بھی تیار کی ہے، کشف الظنون میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا تھا، اس لئے خانِ اعظم کی طرف منسوب ہوکر فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ (کشف الظنون مطبوعہ استنبول جلد اول ص ۲۱۱)

عبد العال العقبادی وغیرہ حضرات نے ریلوے اسٹیشن پر صدر جمہوریہ ہند کا خیر مقدم کیا، صدرِ جمہوریہ کی کار جب دار العلوم کے لئے روانہ ہوئی تو دیوبند اور قرب وجوار کے ہزاروں آدمی سڑک پر دو رویہ صدر کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے، دار العلوم کی تاریخ میں اس نوعیت کا استقبال اس نے قبل دیکھنے میں نہیں آیا، پورا راستہ رنگ برنگ جھنڈیوں سے آراستہ تھا، اسٹیشن کے قریب سب سے پہلے دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:۔

دیدہ ودل فرشِ راہ (۱)

احاطہ دار العلوم کے باہر طلبائے دار العلوم کی دو رویہ قطاریں کھڑی ہوئی تھیں، اس موقع پر ہندو بیرون ہند کے طلباء کے علیحدہ علیحدہ گروپ تھے، طلباء دار العلوم ہندوستان کی تقریباً سبھی ریاستوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

صدر جمہوریہ نے دار العلوم کا تفصیلی معائنہ فرمایا، عمارتیں دیکھیں، کتب خانہ کے نوادر مخطوطات ملاحظہ فرمائے، آزادیٔ وطن کی راہ میں علمائے دیوبند کی قربانیوں کی داستان سنی، اساتذہ اور طلباء کا سادہ طرزِ معاشرت دیکھا، قرآن مجید کے ایک فارسی ترجمے کو بڑی توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور اس میں راقم سطور سے چند آیتوں کا ترجمہ پڑھوا کر سنا، معائنہ دار العلوم کے بعد خیر مقدم کے ایک عظیم الشان جلسہ میں حضرت مہتمم صاحب نے سپاس نامہ پیش کیا، صدر نے اس کے جواب میں دار العلوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"دار العلوم کے بزرگوں نے صرف اس ملک کے رہنے والوں ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی خدمات سے اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ غیر ملک کے طالب علم بھی آپ کے یہاں آتے ہیں اور یہاں سے تعلیم پا کر اور جو کچھ یہاں انہوں نے سیکھا ہے اپنے ملکوں میں واپس جا کر اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ بات اس ملک کے سبھی باشندوں کے لئے قابلِ فخر ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ جس خلوص، نیک نیتی اور جس عزم وارادے کے ساتھ اس کام کو آج تک کرتے آئے ہیں آئندہ بھی اسے جاری رکھیں گے، مجھے امید ہے کہ یہ دار العلوم دن بدن ترقی کرتا جائے گا، اور صرف اس ملک ہی کی نہیں بلکہ غیروں کی بھی خدمت کرتا رہے گا"۔

سہ پہر میں عصرانے کے موقع پر صدر جمہوریہ ہند نے اراکینِ دار العلوم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دار العلوم کے بزرگ علم کو علم کے لئے پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں، مگر کم، جنہوں نے علم کو محض علم کی خدمت کے لئے سیکھا اور سکھایا، (۲) ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی، آج دار العلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دار العلوم یا مسلمانوں کی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے۔

---

(۱) بعض لوگ اس پر معترض ہوں گے۔ انہیں علم ہونا چاہیئے کہ پنجاب کے گورنر ایڈوائزر کو پنجاب کے تمام مشائخ نے لاہور "ان کے حضور" پیش ہو کر جو سپاسنامہ پیش کیا وہ آج بھی موجود ہے اس گورنر کی مدح اس طرح کی گئی کہ پڑھیں تو پتہ چلتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں یا تھے کہ جو بقول شیخ رشید احمد (۲۵ جولائی نوائے وقت ۱۹۹۶) انگریزوں کے مخبر تھے، لیکن ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ آج کچھ مسلم لیگ میں ہیں کچھ پیپلز پارٹی میں۔ راجندر پرشاد تو آزاد ملک کا آزاد صدر تھا جو دار العلوم خود حاضر ہوا، جس نے انگریز کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ مندرجہ بالا سپاسنامہ میں پنجاب کے ایک گورنر کے دادا کا نام سب سے پہلے ہے۔ (ارشد) (۲) تقریر کا یہ حصہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر سے ملتا جلتا ہے کہ علم کو علم کیلئے حاصل کرو نہ کہ دنیا کے لئے۔ (ارشد)

آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے، دلوں کا اطمینان اور چین مفقود ہے، اس کا صحیح علاج روحانیت ہے، میں دیکھتا ہوں کہ سکون اور اطمینان کا وہ سامان یہاں کے بزرگ دنیا کے لئے مہیا فرمار ہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اسی لائن پر آنا ہے اس لئے دارالعلوم کے بزرگ جو اہم علمی خدمت انجام دے رہے ہیں وہ آگے بڑھے گی اور کام اسی طرح جاری رہے گا۔ میں دارالعلوم میں آکر بہت زیادہ مسرور ہوا اور یہاں سے کچھ لے کر جارہا ہوں، میں تمام ذمہ داران دارالعلوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں" (۱)۔

حضرت مہتمم صاحب نے صدر جمہوریہ ہند کی نسبت اپنے تاثرات کا حسب ذیل الفاظ میں اظہار فرمایا:۔

"صدر جمہوریہ ہند کو میں نے نہ صرف ایک عظیم عہدے کا پروقار مسند نشین دیکھا، بلکہ انہیں ایک نہایت ہی صوفی منش اور بزرگانہ انداز کا مشفق اور پابندِ مذہب واخلاق انسان بھی پایا"۔

دارالعلوم میں صدر جمہوریہ ہند کی آمد کے موقع پر ہندوستان کے انگریزی پریس خصوصاً ہندوستان ٹائمز نے دارالعلوم کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے نامناسب نہ ہوگا اگر ان کو بجنسہ یہاں پیش کردیا جائے، آج کل جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ترقی پسند رجحانات پائے جاتے ہیں، "ہندوستان ٹائمز" نے اپنے مقالے میں ان کی ترجمانی کی ہے اس نے لکھا ہے:۔

"ہندوستان میں بہت کم لوگ ایسے اداروں کے متعلق زیادہ معلومات کا دعویٰ کرسکتے ہیں جن کی پبلسٹی بہت ہی کم ہوئی لیکن جو عرصے سے اپنے خاموش اور اصولی کام سے افراد اور واقعات پر اثرانداز ہوتے رہے ہیں، ایک ایسا ادارہ دیوبند میں اسلامی درسگاہ "دارالعلوم" ہے، جہاں صدر جمہوریہ ہند گئے تھے، ایک مذہبی اکیڈیمی کے اعتبار سے دارالعلوم کا تمام دنیائے اسلام میں الازہر یونیورسٹی قاہرہ کے بعد دوسرا درجہ ہے اس لئے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ الازہر کے دو اساتذہ کا ایک ڈیلی گیشن گذشتہ دو سال سے دارالعلوم میں کام کررہا ہے، جن لوگوں نے ۱۸۶۶ء میں دیوبند کی درسگاہ کی بنیاد رکھی ان میں وہ علماء تھے، جنہوں نے سو سال پہلے جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا، غالباً مدرسہ کی بنیاد رکھنا غیر ملکی حکومت کے قیام کا ایک ردِ عمل تھا، کیونکہ اس کے بعد سے دیوبند کے رہنماؤں نے خود کو ان تمام تحریکوں کے ساتھ سرگرمی کے ساتھ وابستہ رکھا جن کا مقصد ملک کے لئے آزادی حاصل کرنا تھا، جمعیت علماء ہند کے بیشتر رہنما جو قوم پرست علماء کی ایک طاقت ور جماعت ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہی رہے ہیں، نہ تو مسلم لیگ کی پرو برٹش (برطانیہ نواز) پالیسیاں اور نہ ہی دو قوموں کی تھیوری کسی وقت بھی باحوصلہ علماء کو قومی کیریکٹر کی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے باز رکھ سکیں، وہ خلافت کے دور میں برطانیہ کے خلاف تھے اور ۱۹۴۰ء میں انہوں نے جنگِ عظیم دوم کے زمانے میں کانگریس کے رجحان کی تصدیق کی، لیکن اس درسگاہ نے صرف ملک کی سیاسی زندگی ہی میں اہم حصہ ادا کیا ہے بلکہ اس کے مذہبی کام جن میں دیوبند کی کتابوں کی تیاری بھی شامل ہے دنیائے اسلام میں سراہے گئے ہیں، تعلیم کے میدان میں اس نے اسلامی مطالعے کی روایات کو قائم رکھا، عربی اور فارسی میں دلچسپی کو برقرار رکھا اور اردو کے کاز کو ترقی دی۔

---

(۱) صدر جمہوریہ ہند دارالعلوم دیوبند میں ص ۲۷، ۳۲ مرتبہ سید محبوب رضوی، شائع کردہ دارالعلوم دیوبند۔

دیوبند کی درسگاہ پر جو نکتہ چینی کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ سماجی طور پر اور اکیڈمک میدان میں یہ زیادہ ترقی پسند نہیں رہی ہے، کلاسیکل قسم کے جمود اور قدامت پرستی پر اس کا اصرار قابل تعریف ہوسکتا ہے، لیکن اگر وہ اثر استعمال کرنے کی خواہش رکھتی ہے جو اس کو رکھنی چاہئے تو اس کو اپنے طریقِ کار میں موجودہ حالات کے مطابق اعتدال پیدا کرنا ہوگا۔ نیشلزم نے اب نئے معنی اختیار کرلئے ہیں اور مذہب کی بھی موجودہ حالات کے مطابق نئی تشریح ہونی چاہیئے۔ مختلف مذہبی رہنماؤں کی طرف سے اپنے پیروؤں میں زیادہ مفاہمت اور یکسانیت پیدا کرنے کی تحریک خاص توجہ کی مستحق ہے، تاہم کوشش استدلالی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیئے، یہ اس درسگاہ جیسے باوقار اداروں کا کام ہے کہ وہ ایسے نظریات کو فروغ دینے کے سلسلے میں عملی اقدامات کرنے میں امداد دیں کہ جو تمام مذاہب کے اصولوں اور عبادت کے احترام کے حامل ہوں اور ساتھ ہی خالص اور صحت مند نیشلزم کے جدید رجحان کو نظر میں رکھتے ہوئے حوصلہ افزائی کریں (۱)۔

"ہندوستان ٹائمز" نے اپنے اداریہ کے آخر میں دارالعلوم کو جو مخلصانہ مشورہ دیا ہے اس پر روزنامہ "دہلی نے اسی وقت تبصرہ کیا تھا، اس تبصرے کے بعد مزید کسی جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی "الجمعیۃ" کا تبصرہ حسبِ ذیل ہے:۔

"صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کو حال ہی میں دیوبند تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، تشریف بری کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کا معائنہ فرمائیں اور اس مرکز علوم سے جو ایک صدی تک تحریکِ آزادی کا سرچشمہ رہا ہے، رابطہ پیدا کریں، آپ نے وہاں پہنچ کر دارالعلوم کے کتب خانے پر نظر ڈالی، اس کے نادر ونایاب مخطوطات کو معائنہ کا شرف بخشا، اساتذہ کرام سے تبادلۂ خیال فرمایا، اور اپنی تقریر میں دارالعلوم کی طویل خدمات کو سراہا، اور اس کی تاریخی اور مذہبی عظمت کا اعتراف کیا اور اس کی طرف سے بہترین جذبات لے کر واپس ہوئے۔

معاصر "ہندوستان ٹائمز" نے بھی صدرِ محترم کے اس مختصر دورے کو خاص اہمیت دی ہے، اور پوری سیر چشمی کے ساتھ دارالعلوم کے شان دار ماضی کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے، اس نے بجا طور پر اعتراف کیا ہے کہ:۔

دارالعلوم دیوبند ان اداروں میں سے ہے جس نے اپنی خاموش اور مسلسل خدمات سے اشخاص اور واقعات کو ہمیشہ متاثر کیا ہے، اور ہندوستان میں صرف یہی ایک اسلامی یونیورسٹی ہے جو عالم اسلام میں ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے بعد خاص الخاص اہمیت رکھتی ہے، اس کے بانیوں میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے مدتوں پہلے جنگ آزادی میں حصہ لیا اور آزادی کی ہر تحریک کو اپنایا، جمعیۃ علماء ہند جو قوم پرور علماء کا سب سے زیادہ طاقتور ادارہ ہے اس کی کارفرما شخصیتیں اسی دارالعلوم دیوبند کی پیداوار ہیں، ان علماء کو نہ تو مسلم لیگ کی پرو برٹش پالیسی متاثر کرسکی اور نہ دو قومی نظریہ ان کے زاویۂ نگاہ کو بدل سکا، (۲) تحریکِ آزادی کے دور میں بھی علماء کانگریس کے فیصلوں کی تصدیق میں پیش پیش رہے۔

---

(۱) "ہندوستان ٹائمز" مورخہ ۱۶، جولائی ۱۹۵۷ء۔ (۲) اخبار کا یہ محاکمہ غلط ہے۔ دارالعلوم میں دو قومی نظریہ کے حامی مہتمم دارالعلوم، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع، مفتی دارالعلومؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ التفسیر اور کئی دوسرے علماء تھے۔ متحدہ قومیت کے حامی بڑے شخصیتوں میں صرف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے رحمہم اللہ (ارشد)

معاصر نے ان سطور میں دارالعلوم دیوبند اور جمعیتہ علماء اور اس کے سر براہوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد صرف واقعات ہیں اور ہم خوش ہیں کہ واقعات کا اعتراف اس خوش دلی کے ساتھ کیا گیا۔

معاصرؔ نے ان اعترافات کے ساتھ یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ دارالعلوم کو اپنی قدامت پسندی پر قائم رہتے ہوئے اتنی لچک پیدا کرنی چاہئے کہ وہ جدید مسائل تک رسائی حاصل کر سکے، اس نے لکھا ہے کہ دارالعلوم پر اگر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ اس نے سماجی اور اکاڈمی میدان میں خاطر خواہ ترقی نہیں کی، لیکن ہمارے نزدیک اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں، ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو مشورہ دینے اور اس کی بعض خامیوں پر انگلی رکھنے کا مجاز ہے، اور ہم بھی اسی بھائی چارہ کی اسپرٹ میں عرض کریں گے کہ ترقی اور قدامت پسندی کا مفہوم اضافی Relative بھی ہوسکتا ہے، ممکن ہے کہ معاصر کے نزدیک دارالعلوم کے کردار میں جمود ہو مگر فی الواقع ایسا نہ ہو، دارالعلوم جن مقاصد کے لئے قائم کیا گیا ہے وہ ان کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ہے، اگر ملک کی تقسیم عمل میں نہ آتی اور حالات کی تبدیلی اس کی مالیات پر اثر انداز نہ ہوتی تو اس کے دائرہ کار میں ضرور وسعت پیدا ہوتی، اور اس کے قدم ترقی کے میدان میں اور آگے بڑھتے، مگر ایسا نہ ہوسکا جس کا ہمیں اپنے معاصر سے زیادہ احساس ہے۔

معاصر کے مشوروں میں یہ مشورہ بھی شامل ہے کہ آج نیشلزم کو نئے معنے دیئے جا رہے ہیں، اسی طرح مذہب کی تشریح اور تعبیر بھی ایسی ہونی چاہئے جو موجودہ حالات سے مطابقت پیدا کر سکے، شاید معاصر کو یہ سن کر خوشی ہو کہ اسلام کے اصول ہر زمانے سے مطابقت رکھتے ہیں، اور ہم کسی ایسی تعبیر پر مجبور نہیں ہیں جو اصولوں کو مسخ یا ان کی نفی کرنے کے مرادف ہو، تجربہ شاہد ہے کہ عالمگیر اصولوں میں مساوات، انسانی بھائی چارہ اور احترام آدمیت اور شخصی قوانین میں طلاق، وراثت اور عورت کے مالکانہ حقوق اسلام ہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں، اور دوسروں نے اسلام کے ان ہی اصولوں اور قوانین کی پیروی کر کے اپنی تجدد پسندی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، جہاں تک مذہب کی نئی تعبیر کا تعلق ہے، دوسروں کو اس کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی ہے، اسلام تو بذاتِ خود ایسی تعبیر ہے جو ہر زمانے کے مزاج پر حاوی ہے، اور سوسائٹی کی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

معاصر کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر مذہب کے لیڈروں کو مفاہمت کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے، نیز دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام مذاہب کے اصول واعمال کا احترام کرتے ہوئے ایسے خیالات کو نشوونما دے، جو موجودہ رجحانات کے ساتھ حقیقی اور صحت مند نیشلزم کو فروغ دے سکیں، بلاشبہ اس مشورے سے اختلاف کرنا مشکل ہے لیکن اگر نیشلزم کے وہ معنے نہیں ہیں جو اپنی تنگ دامانی اور تعصب کے لئے مشہور ہے تو اس کے علم بردار ہمیشہ علماء دیوبند ہی رہے ہیں، تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں جب کہ نیشلزم دودھ پیتے بچے سے زیادہ نہ تھا، جب علماء دیوبند نے اپنی حکومت کا نقشہ بنایا تو اس کی صدارت کے لئے ان کی نظر انتخاب راجہ مہندر پرتاب پر پڑی، ہمیں کہنے دیجئے کہ اس سے بہتر اور صاف اور ستھرا نیشلزم آج تک پیدا نہ ہوسکا، اور آئندہ بھی اس کی توقع پورے یقین کے ساتھ نہیں کی جاسکتی، ہم نے معاصر کے اشارات کے لئے اشارات ہی کی زبان اختیار کی ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس زبان کو سمجھنے میں اسے دشواری پیش نہیں آئے گی" (۱)۔

---

(۱) روزنامہ الجمعیتہ دہلی ۱۹، جولائی ۱۹۵۷ء۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفرِ برما: اس سال کے اہم حالات میں حضرت مہتمم صاحب کا سفرِ برما بھی شامل ہے، اس سفر کے محرک رنگون کے ایک اہلِ خیر جناب حاجی اسماعیل محمد باگیا صاحب تھے، موصوف سورت کے رہنے والے ہیں مگر مدت سے تجارت کے سلسلے میں رنگون میں قیام ہے، حضرت مہتمم صاحب کا یہ سفر ۱۵، جمادی الاولیٰ سے ۲۸، رجب تک جاری رہا، اور برما کے مختلف شہروں میں وہاں کے اہلِ خیر حضرات کی دعوت پر جانا ہوا، حضرت مہتمم کے اس طویل سفر سے برما میں دارالعلوم کا تعارف خواص سے گذر کر عوام تک ہو گیا، اور دارالعلوم کے حلقۂ اثر میں غیر معمولی توسیع ہوئی، عوام اور حکومت دونوں حضرت مہتمم صاحب کی شخصیت سے متأثر ہوئے۔ برما کے وزیر اعظم اونو کے علاوہ وزیر عدل وانصاف جناب عبد اللطیف صاحب اور وزیر معدنیات جناب عبد الرشید صاحب نے مقصدِ سفر کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا، خصوصاً جناب عبد اللطیف صاحب اکثر برما کے سفروں میں حضرت مہتمم صاحب کے ہمراہ رہے، عوام نے اپنے غیر معمولی تأثر کا اظہار دارالعلوم کے لئے دو لاکھ روپے سے زائد کی رقم فراہم کر کے کیا، اور حکومت نے بڑی فیاضی کے ساتھ اس رقم کو ہندوستان منتقل کرنے کی اجازت دے دی، اس رقم سے کتب خانۂ دارالعلوم کے لئے ایک بڑا ہال تعمیر کرایا گیا ہے، جو مسلمانانِ برما کی دارالعلوم میں ایک عظیم یادگار ہے۔

اس چندے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو ہزار روپے خود وزیر اعظم اونو کی جانب سے تھے، موصوف نے غیر مسلم ہوتے ہوئے اپنی علمی فیاضی اور رواداری کی ایک ناقابل فراموش مثال قائم کی، مجلس شوریٰ نے مسلمانانِ برما کی اس علم دوستی پر دارالعلوم کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے بطورِ خاص وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا، یہاں پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ اہلِ برما خصوصاً رنگون کے اہلِ خیر حضرات اگرچہ دارالعلوم کی امداد واعانت میں حصہ لیتے رہے ہیں، مگر اتنی بڑی مقدار میں چندہ کی فراہمی کا یہ پہلا موقع تھا، اس سفر کی تفصیلات سفر نامہ برما کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۳۷۷ھ / حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات: اس سال کے عظیم ترین اور روح فرسا حوادث میں سب سے بڑا حادثہ جو دارالعلوم ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلامی کے لئے حادثۂ کبریٰ تھا وہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات کا تھا، حضرت مولانا مدنیؒ نے طویل علالت کے بعد ۱۲، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵، دسمبر ۱۹۵۷ء) کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، حضرت مولانا مدنیؒ کی شخصیت دارالعلوم کے لئے نہ صرف صدر المدرسین کی تھی بلکہ وہ دارالعلوم کے سرپرست اور مربی بھی تھے، ان کے ظاہری اور باطنی فیوض سے دارالعلوم کے اساتذہ، کارکن اور طلباء سب ہی بہرہ ور ہوتے تھے۔ ۳۱ سال تک آپ نے دارالعلوم کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے علم حدیث اور دارالعلوم کے نظامِ تعلیم کی بے نظیر خدمات انجام دیں اور ہزاروں تشنگانِ علوم آپ کے دریائے علم ومعرفت سے سیراب ہوئے، ۴۴۸۳ طلباء نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی، حضرت مولانا مدنیؒ اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، اخلاق وکمالات، علمی ودینی اور سیاسی واجتماعی خدمات کے لحاظ سے ہندوستان کے علمی ودینی اور سیاسی طبقۂ علماء میں ایک بے نظیر شخصیت رکھتے تھے، اس لئے پورے عالمِ اسلامی میں اس حادثۂ کبریٰ کو محسوس کیا گیا، حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ اپنے استاذِ جلیل حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے برابر قبرستانِ قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

شاہ افغانستان کا ورود: ۱۳۷۷ھ کے اہم واقعات میں شاہِ افغانستان محمد ظاہر شاہ کا دارالعلوم میں ورودِ مسعود ہے، جو دارالعلوم کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، یہ دارالعلوم کی تاریخ کا ایسا باب ہے جو نہ صرف دارالعلوم کے زرین ماضی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، بلکہ اس کے شاندار مستقبل کی بھی نشاندہی کرتا ہے، شاہ افغانستان نے ازراہِ علم نوازی دارالعلوم کی دعوت کو شرفِ قبول بخشا، اور پروگرام کے مطابق ۵، شعبان ۱۳۷۷ھ (۲۵، فروری ۱۹۵۸ء) کو بذریعہ کار تشریف لائے، دارالعلوم کی جانب سے شاہ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند اور افغانستان کے تعلقات: یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ افغانستان سے ہمیشہ دارالعلوم کے مخلصانہ تعلقات رہے ہیں، جس میں دونوں طرف خیر سگالی کا جذبہ پایا جاتا ہے، (۱) احاطۂ دارالعلوم کا عظیم الشان دروازہ "باب الظاہر" دارالعلوم اور افغانستان کے گہرے باہمی ربط و تعلق کی ایک ایسی یادگار ہے جو ہر وارد و صادر کے ذہن کو بے ساختہ افغانستان کی "دولتِ خداداد" کی جانب منتقل کردیتی ہے۔

ہندوستان افغانستان کا تعلق جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے اتنا ہی پرانا ہے، جتنا دو ہمسایہ ملکوں کا قدرتی طور ہوسکتا ہے، دونوں ملک نہ صرف ثقافتی رشتے میں منسلک ہیں بلکہ زبان کے لحاظ سے بھی ہندوستان و افغانستان ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، افغانستان کی زبان فارسی ہندوستان پر چھ سو سال کے قریب حکمراں رہی ہے، اور آج بھی ہندوستان کے بہت سے لوگ اس کو سمجھتے اور پڑھتے ہیں، ہندوستان کی مشکل ہی سے کوئی زبان ایسی ہوگی جس میں تھوڑے بہت فارسی کے الفاظ موجود نہ ہوں۔

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں جب دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو بیرونی ممالک میں افغانستان ہی وہ ملک ہے جس نے سب سے پہلے دارالعلوم کا خیر مقدم کیا، اور اپنے نونہالوں کو دارالعلوم کی آغوش تعلیم و تربیت کے سپرد کردیا، یہ وہ زمانہ تھا جس میں سفر کی موجودہ سہولتیں میسر نہ تھیں، شمالی ہند کی نارتھ ویسٹرن ریلوے جو بعد میں افغانستان اور ہندوستان کے درمیان آمدورفت کا سب سے بڑا ذریعہ رہی ہے اس وقت تک جاری نہیں ہوئی تھی، اس چیز سے جہاں ملتِ افغانستان کے غیر معمولی دینی جذبے اور علم دوستی کا ثبوت ملتا ہے، وہیں دارالعلوم کی روزِ اوّل سے مقبولیت کا پتہ بھی چلتا ہے، اس وقت سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں افغانستان کے طالبان علم کی تعلیمی سرگرمیاں دارالعلوم کی رونق کا باعث نہ رہی ہوں، اور ادھر افغانستان میں بھی فضلائے دارالعلوم کے لئے ملک کے اہم کلیدی عہدوں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ نے جب بیسوی صدی کے دوسرے عشرے میں ہندوستان کے لئے ایک عارضی حکومت کا خاکہ تیار کیا تو اس کا مرکز افغانستان ہی کے دارالسلطنت کابل میں بنایا گیا تھا، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا محمد میاں انبہٹوی عرف مولانا منصور انصاری کو اس مقصد کے لئے بطورِ خاص افغانستان بھیجا گیا، یہ دونوں حضرات شیخ الہندؒ کی انقلابی تحریک کے سرگرم کارکن تھے، کابل میں ان کی جدوجہد دارالعلوم اور افغانستان کے درمیان مخلصانہ روابط کے استحکام میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے شاہ افغانستان دارالعلوم دیوبند میں ص ۳۳- مرتب سید محبوب رضوی شائع کردہ دارالعلوم دیوبند۔

غرض کہ افغانستان کے ہندوستان اور بالخصوص دیوبند سے ہر زمانے میں گوناگوں تعلقات قائم رہے، چنانچہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سفرِ افغانستان کے موقع پر ان دیرینہ تعلقات کا خاص طور پر اظہار ہوا، جس کی قدرے تفصیل گذر چکی ہے، دارالعلوم میں "باب الظاہر" کی تعمیر اسی سفر کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی۔

جلسہ خیر مقدم میں شرکت کے لئے اعلیٰ حضرت اور ان کے رفقاء حضرت مہتمم صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی معیت میں احاطہ مولسری کے شمالی زینے سے اوپر تشریف لے گئے، اور "رسالہ دارالعلوم" کے دفتر سے گذرتے ہوئے ادارہ اہتمام میں رونق افروز ہوئے، بعد ازاں اعلیٰ حضرت نے محافظ خانہ دارالعلوم کا معائنہ فرمایا اور "بسیار خوب است" کے الفاظ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما کر کتب خانے میں تشریف لے گئے۔ یہاں نادر و نایاب مخطوطات، مختلف عہد کے لکھے ہوئے قرآن شریف کے قلمی نسخے اور شاہی عطیات میں سعودی عرب، ترکی، مصر، ایران اور نظام دکن کی عطا کی ہوئی کتابیں نہایت قرینے کے ساتھ سجائی گئی تھیں، حکومتِ افغانستان کی عطا کی ہوئی کتابیں نمایاں طور پر رکھی ہوئی تھیں، ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ کا ترجمہ قرآن مجید بحواشی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا وہ نسخہ بھی شامل تھا جس کو حکومتِ افغانستان نے سردار محمد ہاشم خاں مرحوم سابق وزیر اعظم کی نگرانی میں سرکاری طور پر اردو سے فارسی میں منتقل کرایا ہے، اس کا اردو ایڈیشن حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم نے شاہِ افغانستان کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور اسی وقت سے اس کے فارسی ترجمے کی داغ بیل پڑ گئی تھی، ہر کتاب پر خوشنما کارڈ لگا ہوا تھا، جس میں کتاب کا تعارف درج تھا، شاہ نے غایت توجہ اور پسندیدگی سے ان سب چیزوں کو ملاحظہ فرمایا۔

شعبہ جات دارالعلوم اور کتب خانہ کے معائنہ کے بعد شاہ دارالحدیث کے مشرقی برآمدے سے گذرتے ہوئے اور دفتر تعلیمات کو ملاحظہ فرماتے ہوئے دارِ جدید کے شمالی صحن میں تشریف لائے یہاں انہوں نے سامنے سے "باب الظاہر" کو ملاحظہ فرمایا اور بعد ازاں جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔

دارِ جدید کے جنوبی صحن میں باب الظاہر کے نیچے ایک وسیع و عریض پنڈال تیار کیا گیا تھا، یہ عظیم الشان پنڈال جو حُسن وسادگی اور شوکت کا ایک عجیب دل کش منظر پیش کر رہا تھا، مختلف قطعوں میں تقسیم تھا، ڈائس کی داہنی جانب دارالعلوم کے اساتذہ، شعبہ جات کے نظماء اور دوسرے کارکنوں، پریس اور آل انڈیا ریڈیو کے نمائندوں کی نشستیں تھیں، اور بائیں جانب اعلیٰ حضرت کے رفقاء، مقامی حکام اور معزز مہمان تشریف فرما تھے، سامنے کے حصے کو دو قطعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلا قطعہ طلبائے دارالعلوم اور دوسرا حصہ عوام کے لئے مخصوص تھا، یہ مجمع تقریباً بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

ڈائس کے سامنے دارالعلوم زندہ باد اور داہنے بائیں دولتِ خداداد افغانستان اور جمہوریہ ہند زندہ باد کے خوشنما کتبے آویزاں تھے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم نے فارسی میں افتتاحی تقریر فرمائی جس میں اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری پر دارالعلوم کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے دارالعلوم کی علمی و عرفانی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی تھی، حضرت ممدوح نے فرمایا:۔

"اعلیٰ حضرت ہمایونی! دارالعلوم میں آپ کی تشریف آوری کا ہم پُر خلوص خیر مقدم کرتے ہوئے ہزار ہا ہزار جذباتِ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لُطف و کرم نے آپ کا ورودِ مسعود ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب ہے۔

اعلیٰ حضرت! جس جگہ آپ اس وقت رونق افروز ہیں یہ مقام دینِ حنیف کا مرکز اور مسلکِ حق کا محور ہے، یہ صرف ایک مدرسہ اور جامعہ ہی نہیں ہے بلکہ دین وایمان کاستون اور طریقت وشریعت کی اساس اور معرفتِ الٰہی کے خزانے بھی اپنی آغوش میں رکھتا ہے، اور مادیّت والحاد کی اس گرم بازاری کے زمانے میں حق وصداقت کا روشن مینار اور انجمنِ حق کی شمع فروزاں ہے۔ اعلیٰ حضرت! اس تشریف آوری کے موقع پر آپ ہندوستان میں بہت سی قدیم عمارتیں اور تاریخی مقامات ملاحظہ فرمائیں گے اور یہاں کی اونچی شخصیتوں سے مل کر یقیناً مسرور ہوں گے مگر یہ سب مادی اور دنیوی ترقی کے مظاہر ہیں۔

لیکن یہ دارالعلوم تمام اسلامی دنیا میں اپنی روحانی اور اخلاقی عظمت کے لحاظ سے ایک بلند واعلیٰ مقام رکھتا ہے، اور بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ادارہ رُشد وہدایت کا آفتاب اور صراطِ مستقیم ودینِ قویم کا مظہر ہے، **"ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم"!**

اعلیٰ حضرت! ہر چند یہ ادارہ دنیوی طمطراق اور تمدّنی شان وشکوہ سے تہی دامن ہے مگر اس کا ذرّہ ذرّہ حق وصداقت کی تابانی اور علم ومعرفت کی درخشانی کا مظہر ہے، اور اس ادارے کے ماضی وحال کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ یہاں کے اکابر وعلماء ہمیشہ علم ومعرفت کے علم بردار رہے ہیں، اور سوائے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے کوئی چیز ان کے لئے نمونہ عمل نہیں رہی"۔

جلسۂ خیرِ مقدم میں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم نے اعلیٰ حضرت کو سپاس نامہ پیش کیا، آخر میں اعلیٰ حضرت پُرجوش نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، اعلیٰ حضرت نے فارسی میں تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم کی علمی وعرفانی خدمات کا اعتراف اور دارالعلوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے شاندار استقبال پر اظہارِ مسرّت کیا۔ شاہ کی تقریر اردو ترجمہ یہ ہے:۔

"میں بہت مسرور ہوں کہ آج مجھے دارالعلوم کے دیکھنے کا موقع حاصل ہوا۔ یہ دارالعلوم افغانستان میں اور خاص طور پر وہاں کے مذہبی حلقوں میں بہت مشہور ومعروف ہے، افغانستان کے علماء دارالعلوم دیوبند کے بانیوں اور یہاں کے اساتذہ کو ہمیشہ عزّت کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں، اور علم وروحانیت کے یقین میں جو فضیلت اور مرتبت انہیں حاصل ہے اس کے ہمیشہ قائل اور مدّاح رہے ہیں، افغانستان میں اس دارالعلوم کی شہرت محض اس سبب ہی سے نہیں ہے کہ یہ ایک مشہور ادارہ ہے، بلکہ دراصل یہ نتیجہ ہے ان تعلقات کا جو افغان طلباء اور اس دارالعلوم کے درمیان عرصۂ دراز سے قائم رہے ہیں، بہت سے افغان علماء اس دارالعلوم سے فیض یاب ہوئے اور انہوں نے اپنے وطنِ عزیز واپس جا کر علم کی روشنی پھیلائی اور ملک کی خدمات انجام دی ہیں۔ میں آپ کے اس دوستانہ اور پُر مسرّت استقبال سے جو میں نے یہاں آکر مشاہدہ کیا ہے بہت ہی متاثر ہوا ہوں اور تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، نیز اس علمی ادارے اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص کی مزید کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں (۱)۔(۲)

---

(۱) "شاہ افغانستان دارالعلو دیوبند میں" مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی، مرتبہ سید محبوب رضوی۔ (۲) جس افغانستان کے طلبہ دارالعلوم دیوبند سے منتسب مدارس کے افغانی اور پاکستانی طالبان نے قبضہ کرکے شرعی احکام نافذ کردئے ہیں۔(ارشد)

۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء شعبۂ تنظیم فضلائے دارالعلوم: مجمع عام میں فضلائے دارالعلوم کی دستار بندی کا طریقہ شروع ہی سے دارالعلوم میں جاری ہے، ابتداءً دستار بندی کے جلسے چند سالوں کے فاصلے سے جلد جلد ہوتے رہتے تھے، جیسا کہ ابتدائی سالوں کے حالات میں ان کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں، پھر طویل وقفے کے بعد ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں بڑے پیمانے پر دستار بندی کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا، جس کی یاد اب تک دیکھنے والوں کے دلوں میں باقی ہے، ۱۳۲۸ھ کے بعد سے اب تک بڑے پیمانے پر دستار بندی کا کوئی جلسہ منعقد نہیں ہوسکا، اس لئے مجلس شوریٰ نے ایک تجویز کے ذریعہ طے کیا کہ ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم کی عمر کے سو سال پورے ہونے پر فضلائے دارالعلوم کی دستار بندی کے لئے عظیم الشان پیمانے پر جلسہ دستار بندی منعقد کیا جائے۔ چنانچہ اخبارات میں اس کا اعلان کردیا گیا تھا، اس مدت میں چونکہ طلبائے دارالعلوم کی ایک بڑی تعداد نے فراغت حاصل کی تھی اس لئے اس کام کے لئے عارضی طور پر ایک شعبہ "نظم جلسہ مجوزہ دستار بندی" کے نام سے قائم کیا، مگر حالات کی ناسازگاری کیوجہ سے یہ ارادہ عملی جامہ نہ پہن سکا، اس بناء پر جو شعبہ اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا، ۱۳۷۸ھ میں اسے تنظیم فضلائے دارالعلوم کے نام سے موسوم کرکے مناسب سمجھا گیا کہ جلسہ دستار بندی سے قبل فضلائے دارالعلوم کی تنظیم کی جائے۔

تنظیم فضلائے دارالعلوم کے اکابر کی ایک دیرینہ آرزو تھی اور عرصے سے یہ خواہش محسوس کی جارہی تھی کہ فضلائے دارالعلوم ایک ایسے رسمی رشتے میں منسلک ہوجائیں جس کے ذریعے سے دارالعلوم ان کے حلقۂ کار اور خدمات سے باخبر رہے اور وہ دارالعلوم کی ضروریات وحالات سے واقف رہیں، پہلے اخبارات اور کتابچوں کے ذریعے سے تنظیم فضلائے دارالعلوم کی غرض وغایت کی اشاعت کی گئی، اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ فضلائے دارالعلوم بھی اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور انہوں نے اس بارے میں اپنی خدمات پیش کرنے کا یقین دلایا تو لائحہ عمل مرتب کرکے کام شروع کردیا گیا، اور فضلائے دارالعلوم کی فہرستیں تیار کرکے ہر ضلع میں بھیج دی گئیں، چنانچہ مختلف صوبہ جات اور اضلاع میں فضلائے دارالعلوم نے مرکز کی ہدایت کے مطابق اپنے اپنے ضلع میں اجتماعات بلاکر دارالعلوم کے ساتھ اپنے تعاون کا ثبوت دیا، مگر افسوس ہے کہ بہت سے مقامات کے فضلائے دارالعلوم کی سرد مہری یا لاعلمی کے باعث تنظیم فضلائے دارالعلوم میں کما حقہ پیش رفت نہ ہوسکی اور اب تک یہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، امید ہے کہ ابتدائی مراحل طے ہونے پر یہ اجلاس منعقد کیا جاسکے گا۔

۱۳۷۹ھ/۵۹-۱۹۶۰ء، حضرت مہتمم صاحب کا سفرِ افریقہ: ری یونین (مشرقی افریقہ) کے ہمدردانِ دارالعلوم جناب حاجی احمد ٹپیل و محمد پٹیل صاحبان کی دعوت پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ۶، محرم ۱۳۷۹ھ کو رے یونین کا سفر فرمایا، اس سفر کے دوران زنجبار، دارالسلام، موریشس مڈغاسکر اور رے یونین کے مختلف شہروں میں تشریف لے جانا ہوا، وہاں کے باشندوں نے عقیدت مندانہ انداز سے خیر مقدم کیا جگہ جگہ جلسے ہوئے، حضرت مہتمم صاحب نے بطور خاص اس سفر میں اس کی تحریک فرمائی کہ دینی لحاظ سے ان مقامات کے پس ماندہ مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے دارالعلوم میں بھیجیں تاکہ یہ بچے دینی تعلیم سے مزین ہوکر اپنے اپنے مقامات کے عوام تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کا ذریعہ بنیں، اس کے علاوہ خود مقامی طور پر ابتدائی تعلیم کے لئے تعلیم گاہوں

کا انتظام کریں، حضرت مہتمم صاحب کے اس سفر سے دارالعلوم کو مادی فائدہ بھی کافی پہنچا اور تقریباً سوا لاکھ روپے دارالعلوم کو بلا طلب و تحریک حاصل ہوگئے۔

دائرۃ المعارف حیدر آباد کی جوبلی میں دارالعلوم کی نمائندگی: دائرۃ المعرف عثمانیہ حیدر آباد کا ایک مشہور اشاعتی ادارہ ہے یہ ادارہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کے اہم اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ نے اپنی زندگی میں علمی نوادر اور مخطوطات کی طباعت واشاعت کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور مختلف اسلامی علوم وفنون کی کتابیں گرانقدر مصارف برداشت کرکے بڑے اہتمام سے شائع کی ہیں جو ہندو بیرون ہند کے علمی حلقوں میں بڑی قدرو منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں، دائرۃ المعارف نے جنوری ۱۹۶۰ء میں بڑے پیمانے پر جوبلی منانے کا انتظام کیا تھا، جس میں ایشیائی اور مغربی ملکوں کے فضلاء نے بھی شرکت کی تھی اس میں نمائندگانِ دارالعلوم کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، دارالعلوم کی طرف سے مولانا محمد سالم صاحب (۱) استاد دارالعلوم اور راقم سطور (سید محبوب رضوی) کو حیدر آباد بھیجا گیا، دارالعلوم کی جانب سے حضرت مہتمم صاحب کا پیغام اور ایک علمی مقالہ بھی جوبلی کی نمائش میں پیش کئے گئے، دارالعلوم کی اس علمی شرکت سے ہندوستان کے ان دونوں علمی اداروں میں گہرے روابط قائم ہوگئے، دورانِ قیام حیدر آباد میں آندھرا پردیش کے گورنر جناب بھیم سین سچر نے دارالعلوم کے ارکانِ وفد کو چائے پر مدعو کیا جو دارالعلوم کی عظمت اور مرکزی حیثیت کا اعتراف تھا۔

صدر جمال عبد الناصر کے لئے علمی ہدایا: مارچ ۱۹۶۰ء میں صدر جمہوریہ مصر جمال عبد الناصر مرحوم ہندوستان کا دورہ کرنے والے تھے، اس زمانے میں حضرت مہتمم صاحب قاہرہ میں موجود تھے حضرت ممدوح نے صدر ناصر کو دارالعلوم میں تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ صدر ناصر جب ہندوستان کے دورے پر آئے تو شوال کا پہلا ہفتہ تھا جو دارالعلوم میں تعطیل کا زمانہ ہوتا ہے، اس لئے حضرت مہتمم صاحب نے ایام تعطیل ہیں دارالعلوم میں صدر ناصر کی تشریف آوری کو ان کے مناسب شان نہ سمجھتے ہوئے یہ مناسب سمجھا کہ خود دہلی پہنچ کر ملاقات فرمائیں، حضرت ممدوح نے اس موقع پر دارالعلوم میں سالانہ تعطیل کا عذر کرتے ہوئے دیوبند میں ملاقات نہ ہوسکنے پر اظہارِ افسوس فرمایا، اور اس کی تلافی کے طور پر دارالعلوم کی جانب سے فیض الباری، فتح الملہم اور سوانح قاسمی کے نسخے علمی ہدیئے کے طور پر پیش فرمائے۔ صدر ناصر نے کھڑے ہو کر بڑی عقیدت سے اس ہدیہ کو قبول کیا، اور وقیع الفاظ میں دارالعلوم کا شکریہ ادا کیا، اس کے جواب میں صدر ناصر نے قاہرہ پہنچ کر قرآن شریف کا ایک حسین وخوبصورت نسخہ دارالعلوم کے لئے ارسال کیا، یہ قرآن مجید ایک خوبصورت چوبی فریم میں رکھا ہوا ہے، اس فریم کی یہ صفت قابلِ ذکر ہے کہ دیکھنے میں بجائے خود ایک مجلد کتاب معلوم ہوتا ہے، اور رکھولا جائے تو وہی رحل کی صورت ہوجاتا ہے۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ دارالعلوم میں ایک تنازعہ کی بناء پر دارالعلوم وقف بن گیا اس کے مہتمم حضرت قاری محمد سالم مدظلہ ہیں۔ اک چھوٹے سے شہر میں دو بڑے تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں ہزاروں طلبہ دین حاصل کر رہے ہیں۔ (ارشد)

حجاجِ کرام: اس سال میں دارالعلوم کے متعدد حضرات حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی سے مشرف ہوئے، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم، استاد الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ مولانا معراج الحق صاحب، مولانا عبدالاحد صاحب، مولوی محمود احمد گل صاحب، مولانا احمد رضا صاحب، مولوی زاہد حسن صاحب اور حاجی اللہ رکھا ملازم تعمیرات حج کے لئے تشریف لے گئے۔

۱۳۸۰ھ جامعہ طبیہ کا اجراء: دارالعلوم میں تعلیم طب کا آغاز ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں ہوا تھا، پہلے اس شعبہ میں مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ برادر خورد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا تقرر ہوا، حکیم صاحب درسِ فقہ وحدیث اور طلبائے دارالعلوم کے علاج کے علاوہ فنِ طب کی تعلیم بھی دیتے تھے، ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں اسے مستقل شعبے کی شکل دی گئی، دارالعلوم کی طرح یہ شعبہ بھی سال بسال ترقی کی جانب گامزن رہا، مگر اب تک اس کے لئے کوئی مستقل عمارت نہ تھی۔ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں جامعہ طبیہ کو وقف کرنال سے ایک معقول امداد اس شرط کے ساتھ پیش کی گئی کہ دارالعلوم کے شفاخانہ کا نام نواب عظمت علی خاں صاحب مرحوم کے نام پر عظمتیہ شفاخانہ رکھا جائے، اسی کے ساتھ جامعہ طبیہ کی ایک مستقل کمیٹی بنا کر (جو ملک کے موقر اور بااثر اطباء پر مشتمل ہے) حکومت سے کہا گیا کہ وہ ملک کے دوسرے طبیہ کالجوں کی طرح دارالعلوم کے جامعہ طبیہ کی سند کو تسلیم کرکے جامعہ طبیہ کے فارغین کو مجازِ مطب قرار دے، جس کو حکومت نے منظور کرلیا ہے، جامعہ طبیہ میں چار سالہ نصاب کے ذریعے فنِ طب کی علمی اور عملی تعلیم دی جارہی ہے، اب جامعہ طبیہ میں متعدد استاد تعلیمِ طب اور طلبائے دارالعلوم کے معالجے پر مامور ہیں، احاطۂ دارالعلوم کے شمال میں جامعہ طبیہ کی ایک وسیع اور شاندار عمارت تیار ہوچکی ہے، جس میں درسگاہوں کے علاوہ مریضوں کے بستروں کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ نیز معالجہ طلباء کی حد تک محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ بلا تخصیص مذہب وملت سب کا علاج کیا جاتا ہے۔ دارالشفاء کے دو بال تعمیر ہوچکے ہیں اور مزید کچھ عمارتیں زیرِ تجویز ہیں۔

ڈاکٹر پی، ہارڈی کی آمد: لندن یونیورسٹی میں شعبۂ تعلیم اسلام کے لکچرار ڈاکٹر پی، ہارڈی اپنی تاریخی تحقیق کے سلسلے میں دیوبند آئے، تقریباً ایک ہفتہ دارالعلوم میں قیام کیا، حضرت مہتمم صاحب سے دارالعلوم کے پس منظر اور اس کے علمی مقاصد کے موضوع پر طویل گفتگو ہوئی، ڈاکٹر ہارڈی کا یہ تاثر قابلِ ذکر ہے کہ "جس اسلام کو ہم کتابوں میں پڑھتے تھے، اور جس اسلام کو پیغمبرِ اسلام نے دورِ اول میں پیش فرمایا تھا، سچ یہ ہے کہ وہ اسلام ہم نے دیوبند اور علمائے دیوبند میں موجود پایا"۔

ڈاکٹر ہارڈی نے تحریری شکل میں اپنے جو تاثرات چھوڑے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"میں ہندوستان میں یہ توقع لے کر آیا تھا کہ یہاں مجھے اسلام کے سلسلے میں تعلیمی مواد فراہم ہوسکے گا، چنانچہ یہاں آنے کے بعد میں نے دارالعلوم دیوبند آنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنا مقصد حاصل کرسکوں یہاں آنے کے بعد نہ صرف یہ کہ میری توقعات پوری ہوئیں بلکہ بہترین اخلاق اور مخلصانہ تعاون نے مجھے بے حد متاثر کیا، یہاں کے فاضل علماء نے میری رہنمائی کی بالخصوص حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے میرے مقاصد کے سلسلے میں میری رہبری فرمائی، میں نہ صرف یہاں کی بہترین یادیں ساتھ لے کر جاؤں گا بلکہ واقعتہً اس کی کوشش کروں گا کہ مجھے پھر یہاں آنے کی اجازت دی جائے۔

چنانچہ حضرت مہتمم صاحب کے سفرِ انگلستان کے موقع پر موصوف نے حضرت ممدوح سے عرض کیا کہ میں ایک سرکاری ضرورت سے جرمنی جارہا ہوں ورنہ آپ کے پاس کچھ وقت گزارتا۔

۱۳۸۱ھ مسٹر ہمایوں کبیر کی آمد: اس سال میں واردین وصادرین کی بڑی کثرت رہی، آنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت مرکزی حکومت کے وزیر ثقافت وسائنسی تحقیقات پروفیسر ہمایوں کبیر کی تھی، موصوف جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ میں تشریف لائے، خیر مقدم کے جلسے میں پروفیسر ہمایوں کبیر نے دارالعلوم کی دینی اور ملکی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "دارالعلوم کے بزرگوں نے دینی اور علمی خدمات کے علاوہ وطن کی آزادی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ بہت روشن اور ناقابلِ تردید ہیں، دیوبند کی تاریخ بڑی اہم تاریخ ہے، آپ کا یہ دارالعلوم ایشیا میں اپنی قسم کا پہلا ادارہ ہے۔

دارالعلوم نے ہندوستان میں سب سے پہلے مفت تعلیم کا انتظام کیا ہے، اس سے بھی بڑھ کر حیرت اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کے لئے خوراک اور لباس کا انتظام بھی مفت کرتے ہیں۔ آٹھ نو سو طلباء کے خورد ونوش کا انتظام معمولی بات نہیں ہے، اور پھر جب سوچا جائے کہ لاکھوں روپے سالانہ کے مصارف آپ صرف مسلمانوں کے چندوں اور امدادی رقموں سے پورا کرتے ہیں تو اور بھی زیادہ مسرّت ہوتی ہے، چندے کا کام دراصل آپ کے لئے بڑا مفید کام ہے اس سے آپ کو مسلمانوں میں جانے اور ان میں کام کرنے اور عوام کے ساتھ دارالعلوم کا تعلق قائم رکھنے کا کام کرنا پڑتا ہے، اس طرح آپ مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہتے ہیں، اس سے دوسری طرف مسلمانوں میں خود اعتمادی اور ذمہ داری کا یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس دارالعلوم کو چلانا ہے، اس خیال کو سامنے رکھنے سے ان میں بیداری پیدا ہوتی ہے، آپ کے یہاں ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ ایشیا اور افریقہ کے اور اس سے بھی زیادہ دور دراز کے طلباء پڑھنے آتے ہیں، اس طرح آپ کا اثر ساری دنیا میں پھیلتا ہے، اور آپ بین الاقوامی عمل کا مرکز بنتے ہیں۔ دارالعلوم اسلامی ادارہ ہے، آپ کے اوپر اسلام کی طرف سے بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور ہندوستان کی طرف سے بھی، علم ایک بڑی طاقت ہے، دنیا میں ہر جگہ علم کی عزت کی جاتی ہے۔ سپاسنامے میں خدا کے بھروسے پر زور دیا گیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسرا بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کا یہ دارالعلوم دن بدن ترقی کر رہا ہے، اسلام نے دنیا کو سب سے پہلا جو پیغام دیا وہ علم کا پیغام ہے، حضور اکرم ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس کی ابتداء "اقرأ" کے لفظ سے ہوتی ہے جس کے معنی ہیں "پڑھو" اسلام کا یہ اولین پیغام تھا، جب اسلام دنیا میں آیا تو ہندو یونان اور مصر وغیرہ ممالک میں اگرچہ علم موجود تھا، مگر اس کو مخصوص لوگوں تک محدود رکھا جاتا تھا، عام لوگ تعلیم حاصل نہیں کرسکتے تھے، علم پر ہر جگہ اجارہ داری قائم تھی، مصر میں خاص خاص لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا طبقہ علم حاصل نہیں کرسکتا تھا، یہی حال یونان کا تھا، ہندوستان میں بھی تعلیم کا چرچا تھا، لیکن یہ صرف برہمنوں اور اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھا، شودروں کو تحصیلِ علم کی اجازت نہ تھی، بعض اوقات اس طبقے پر علم حاصل کرنے کے جرم میں بڑے بڑے مظالم بھی ہوتے تھے، یہ اسلام ہی تھا جس نے علم کو عام کرنے اور ہر شخص کو علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا، اسلام کے پیغمبر نے ساری دنیا کو یہ کہہ کر علم سے روشناس کرایا کہ "ہر مرد وعورت کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے" اسلام کے اس اصول کو اب ساری دنیا نے اپنا لیا ہے، امریکہ جو آج علم کا مرکز بنا ہوا ہے اس میں علم یورپ کے ذریعے سے پہنچا ہے اور یورپ کو اسلام ہی نے علم سے روشناس

کرایا ہے، اس لئے ساری دنیا کو اسلام کا شکر گذار ہونا چاہیے، اسلام میں دین و دنیا کا فرق نہیں ہے، وہ دین و دنیا دونوں میں بنی نوع انسان کی بھلائی چاہتا ہے، پیغمبرِ اسلام نے ہدایت کی ہے کہ مسلمان علم حاصل کریں خواہ اس کے لئے انہیں چین جانا پڑے، چین جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چین میں اس زمانے میں کچھ زیادہ علم تھا، بلکہ اس زمانے میں چین کو دنیا کی آخری حد سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو حتی الامکان علم حاصل کرنا چاہیئے، خواہ اس کے لئے انہیں دنیا کے آخری سرے تک جانا پڑے۔

مسلمانوں نے جب تک اس ہدایت پر عمل کیا ان کا قدم برابر آگے بڑھتا رہا، جب آپ علم سکھانے کی کوئی کوشش کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اور چونکہ یہ بات آپ ہندوستان میں بیٹھ کر کرتے ہیں اس سے ہندوستان کا سر اونچا ہوتا ہے اور ہندوستان کی خدمت ہوتی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ کے یہاں ذریعۂ تعلیم اردو زبان ہے، آپ کے یہاں جو طالب علم آتے ہیں ان کی زبان برمی ہو یا بنگالی، وہ فارسی بولتے ہوں یا انڈونیشی، انگریزی بولنے والے ہوں یا اور کوئی ان کی مادری زبان ہو، آپ انہیں اردو میں تعلیم دیتے ہیں، اس طرح پر آپ نے اردو کو بین الاقوامی زبان بنادیا ہے (۱)۔

آپ کے طریقہ تعلیم اور سادہ طرز زندگی کا مجھ پر بڑا اثر ہوا ہے آپ بہت ہی کم اخراجات میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ دار العلوم دیوبند نے علم کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ ساری دنیا کے لئے قابل قدر ہے جس سادگی خلوص وایثار وقربانی کے قابل قدر جذبات کے ساتھ آپ اسلام اور ملک کی خدمت کر رہے ہیں وہ سب کے لئے قابلِ تقلید ہے، مجھے اس سے بڑی خوشی

---

(۱) اردو کو دار العلوم میں ذریعۂ تعلیم ہونے کے باعث جو عظیم الشان فائدہ پہنچا ہے گو اس پر اردو کی ترقی واشاعت کے حلقوں کی ابھی تک نظر نہیں گئی ہے، تاہم اس کے ثمرات ونتائج سے انکار نہیں کیا جاسکتا، دار العلوم دیوبند چونکہ دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی مرکزی تعلیم گاہ ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں ہی کے نہیں بلکہ مختلف ممالک کے طلباء تحصیلِ علم کی غرض سے آتے رہتے ہیں جو اردو کے ذریعۂ تعلیم ہونے کی وجہ سے اپنے دورانِ قیام میں خاصی اردو سیکھ جاتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مقامات پر اس کی اشاعت کا ذریعہ بنتے ہیں، چنانچہ چند سال کی بات ہے کہ ایک صاحب جنہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی، دار العلوم میں آئے تھے وہ کہتے تھے کہ "میں جب بخارا پہنچا جو وسط ایشیا کا مشہور مقام ہے تو وہاں ایسے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی جنہوں نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہمدردانہ لہجے میں اردو میں مجھ سے گفتگو کی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اس قدر دور دراز اتنی صاف اردو ان کو کیونکر آئی ہوگی، پھیرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ دار العلوم دیوبند کا تعلیمی فیض ہے، اور ہم ہی نہیں بلکہ یہاں کا علمی حلقہ بالعموم اردو بولتا اور سمجھتا ہے۔

انہوں نے نہایت اخلاق ومحبت سے میرے ہندو ہونے کے باوجود مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی، جس کی یہ خصوصیت میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس میں جس نے بھی تقریر کی وہ میری خاطر سے اردو میں کی"۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہمارے آں جہانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ ان کے دورہ روس کے موقع پر پیش آیا، پنڈت نہرو کو تاشقند کے ہوائی اسٹیشن پر وہاں کے باشندوں کی طرف سے جو سپاس نامہ پیش کیا گیا وہ اردو میں تھا، جسے وہاں کے ایک ازبک نے پڑھ کر سنایا، پنڈت نہرو کو اس پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بھی سپاس نامہ کا جواب اردو ہی میں دیا، جسے اخبارات کے بیان کے مطابق حاضرین نے سمجھا، اور جوابی تقریر کے دوران انہوں نے متعدد مرتبہ تالیاں بجائیں (روزنامہ الجمعیۃ مورخہ ۱۸، جون ۱۹۵۵ء صفحہ اول) اس سلسلے کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جنوبی افریقہ کے فضلائے دار العلوم جن کی وطنی زبان انگریزی یا گجراتی ہے وہ آپس میں خط وکتابت اردو ہی میں کرتے ہیں۔ کینیا جو مشرقی افریقہ میں واقع ہے اس کے صدر مقام نیروبی سے اردو میں ایک ہفتہ وار اخبار "ابزرور" کے نام سے نکلتا ہے، رنگوں (برما) سے تو متعدد روزنامے ماہنامے اور رسائل اردو میں شائع ہوتے ہیں، غرض کہ اس طرح دار العلوم دیوبند نے اردو کے دائرے کو اپنے فضلاء کے ذریعہ سے دنیا کے تقریباً تمام ایشیائی وافریقی ممالک تک وسیع کر کے ہندوستان کی اس زبان کو بین الاقوامی زبان بنانے کا ایک اہم کام انجام دیا ہے۔ سید محبوب رضوی۔

ہوئی کہ آج جب کہ دنیا بھر کی یونیورسٹیاں لاکھوں اور کروڑوں روپے تعلیم پر خرچ کر رہی ہیں آپ بہت ہی کم خرچ سے اتنی عظیم اور قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یونیورسٹی کی عمارت کا نام نہیں ہے وہ تو پڑھنے پڑھانے والوں سے بنتی ہے یہی لوگ یونیورسٹی کی درحقیقت روح ہوتے ہیں، ورنہ عمارت تو ایک ڈھانچہ ہے اس کا جوہر تعلیم و تعلّم ہی ہے۔

آپ نے فیصلہ کیا ہے کہ دارالعلوم کے لئے گورنمنٹ سے امداد نہیں لیں گے اور صرف عوام کے چندوں سے اس درسگاہ کو چلائیں گے، اس میں شبہ نہیں کہ اس کا عوام پر اچھا اثر پڑتا ہے، اور ان میں اپنی ذمہ داری کا احساس بڑھتا ہے، مگر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ آپ عوام کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے خواہ وہ علمی اعتبار سے کتنا ہی مفید اور ضروری کیوں نہ ہو، (۱) اس موقع پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ عوام کو مفید و مضر بتانے والا بھی تو علماء کا ہی طبقہ ہے، عوام علماء سے سیکھتے ہیں، ان کو سکھاتے نہیں ہیں۔

حکومتیں بے جان آثارِ قدیمہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور ان پر لاکھوں روپے صرف کرتی ہیں، آپ کا یہ دارالعلوم تو زندہ آثارِ قدیمہ ہے، اگر حکومت اس پر خرچ کرے تو یہ ایک مفید تر بات ہوگی۔

سائنس کی ایجادات سے آج بڑی سہولتیں حاصل ہوگئی ہیں، دنوں اور ہفتوں کے سفر چند لمحوں اور گھنٹوں میں طے ہوجاتے ہیں، سائنس کے لئے بنیادی طور پر تین چیزیں ضروری ہیں، حروف علم حساب اور کاغذ یہ تینوں چیزیں ایشیائی ہیں، حروف کے متعلق تاریخ دانوں کا فیصلہ ہے کہ وہ فنیقی قوم نے ایجاد کئے یہ ایشیا ہی کی قوم تھی، کاغذ چین میں ایجاد ہوا، اور حساب ہندوستان میں عربوں نے یہاں سے حساب سیکھ کر اس کو ترقی دی الجبراء کے موجد عرب تھے، اگر بنیادی طور پر یہ چیزیں پہلے سے موجود نہ ہوتیں تو سائنس کی موجودہ ترقی نہیں ہوسکتی تھی۔

سائنس اور مذہب، کسی مذہب کے ماننے والوں کے لئے دو ہوں، تو ہوا کریں، اسلام کے لئے دو نہیں ہیں، دوسرے مذاہب کے ماننے والے سائنس کو اس وقت تک نہیں اپنا سکے جب تک انہوں نے اپنا مذہب ترک نہیں کر دیا (اور مسلمان جتنا مذہب کا زیادہ پابند اور واقف ہوتا ہے اتنا ہی وہ سائنس کے زیادہ قریب آجاتا ہے) لیکن اب یورپ میں بھی سائنس کو مذہب کا مخالف سمجھنے کا خیال چھوڑ دینے کی باتیں ہونے لگی ہیں، وہاں اب بڑے بڑے مصنفین اس موضوع پر کتابیں لکھ رہے ہیں وہ سائنس اور مذہب دونوں کی بنیاد سچائی کو قرار دیتے ہیں (۱)۔

اسلام اور سائنس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مسلمانوں نے پہلے بھی دنیا میں علم کی اشاعت کی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انہوں نے علم میں فرق نہیں برتا وہ برابر آگے بڑھتے گئے، اس لئے مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں دارالعلوم کو مدد کرنی چاہئے، اب آپ ہی کو یہ کام کرنا ہے کہ مذہب اور سائنس کے جھگڑے کو دنیا سے ختم کر دیں اس سلسلے میں آپ کا دارالعلوم ایک بڑا قدم اٹھا سکتا ہے، اور اس طرح پر صرف ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ پوری دنیا کی خدمت کر سکتا ہے، اس ملک کی تاریخ میں تعلیم کو عوام تک مفت پہنچانے کا جو راستہ آپ نے دکھلایا ہے اسے ہندوستان کی تاریخ بھلا نہیں سکتی۔

---

(۱) یہ اسلام ہی کا طفیل ہے۔ سید محبوب رضوی۔

ہندوستان کی جنگِ آزادی میں دارالعلوم کی شرکت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ "اس ادارے کے علماء وفضلاء جنگ آزادی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس ادارے سے فرقہ پرستی کی ہمیشہ مخالفت کی گئی ہے، یہ دارالعلوم جس طرح پہلے فرقہ پرستیوں سے بالاتر رہا ہے، آئندہ بھی اسی طرح رہے گا، یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ اسے مطعون کیا جارہا ہے، جمعیۃ علماء ہند نے ملک کی آزادی کے لئے زبردست خدمات انجام دی ہیں، آج کچھ لوگ تنگ نظری کا شکار ہو کر اس محبِ وطن جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس جماعت کی ایک روشن تاریخ ہے، جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، اگرچہ ہندوستان میں فرقہ پرستی کی وبا عام ہے، مگر دارالعلوم نے فرقہ پرستی کی ہوا کو قریب بھی نہیں آنے دیا، میرا یقین ہے کہ یہ دارالعلوم ہمیشہ دنیا کو انسانیت وشرافت اور نیکی اور محبت کے ساتھ قومیت کا سبق دیتا رہے گا، جس سے ہم ایک ایسی برادری بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے جس میں سب مل جل کر رہ سکیں گے" (۱)۔

قرآن مجید کے ریکارڈ: حکومت مصر نے پورے قرآن مجید کی قرأت کے ریکارڈ تیار کئے ہیں، قرأت شیخ محمود الحصری کی ہے جو مصر کے مشہور قاری ہیں۔ چوالیس ریکارڈوں میں پورا قرآن مجید آگیا ہے، حکومت مصر کی جانب سے ایک پورا سیٹ دارالعلوم کو دیا گیا ہے، دارالعلوم کے لئے دہلی سے اس سیٹ کے لانے کا فخر راقم سطور کو حاصل ہے۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء دارالعلوم ایک صدی کے بعد: دارلعلوم کی تاریخ کا یہ وہ سال ہے جس میں اس نے اپنی عمر کے ایک سو سال پورے کرلئے تھے، لیل ونہار کی اس طویل گردش میں دارالعلوم دیوبند کا ہر قدم بفضلہ تعالیٰ آگے کی جانب بڑھتا رہا ہے، اس سال کی روداد میں ایک سو سال پہلے کے حالات سے موازنہ کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب نے ارقام فرمایا ہے جو انہیں کے الفاظ میں پیشِ خدمت ہے:۔

"الحمد للہ کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنی عمر کے سو سال پورے کرلئے۔ محرم ۱۲۸۳ھ میں جس مکتب کی بنیاد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے مقدّس ساتھیوں کے نیک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی، سو سال کی مدّت میں وہی مکتب ایک عظیم الشان بین الاقوامی تعلیمی اور تربیتی ادارے کی صورت میں نظر آرہا ہے، جو نہ صرف ایک تعلیمی ادارہ ہی ہے جس سے طلباء صرف سند حاصل کرلیتے ہیں بلکہ ایک اقامتی ادارہ بھی ہے جہاں تعلیم کے ساتھ تربیت اور اسلامی زندگی کے طور طریق بھی سکھائے جاتے ہیں، دارالعلوم کا فاضل اگر ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتا ہے تو دوسری طرف اسلامی طور طریق، رہن سہن اور مذہبی زندگی کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے، دنیا کے کسی گوشے میں آپ چلے جائیں دارالعلوم کا تربیت یافتہ اپنی حیثیت میں نمایاں اور ممتاز نظر آئے گا۔

بہر حال، اس سو سال کی مدت میں دارالعلوم دیوبند نے اگر ایک طرف ہزارہا فضلاء اور اسلامی تعلیمات کے ماہر پیدا کئے تو دوسری طرف مبلغ، مفسّر، قاضی، مفتی، سیاست داں اور اسلامی زندگی کے نمائندے بھی پیدا کئے جن سے دنیا کے کروڑوں مسلمان دینی، دنیوی اور مذہبی رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

اس سو سال کی مدّت میں دارالعلوم دیوبند نے ہمہ نوع ترقی کی ہے، اگر ۱۲۸۳ھ میں طلبہ کی تعداد ۷۸، اساتذہ کی ۶ اور سالانہ

---

(۱) تفصیل کے لئے "پروفیسر ہمایوں کبیر دارالعلوم دیوبند میں" مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی ۱۹۶۱ء مرتبہ سیّد محبوب رضوی سے مراجعت کی جائے۔

آمدنی ۶۴۹ ۹ روپے کی تھی تو ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کے سوویں سال میں طلبہ کی تعداد ۱۴۸۵، اساتذہ کی ۴۹ اور سالانہ آمدنی ۲۲۶ ۶۸۷ روپے ہو گئی۔ اس کے انتظامی عملے کا آغاز صرف ایک مہتمم سے ہوا تھا، اور آج بحمد للہ اس کے عملہ میں دو سو کے قریب افراد مشغولِ کار ہیں، جو عند اللہ اس ادارے کی مقبولیت، اس کے بانیوں کے نیک نیتی اخلاص اور للہیت کی کھلی ہوئی نشانی ہے، اس کامیابی پر اراکین شوریٰ تمام معاونین وچندہ دہندگان، اساتذہ، طلباء اور کارکن سب ہی مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے باہمی تعاون اشتراکِ عمل اور بے لوث خدمات کے نتیجے میں اس مکتب نے اتنا عظیم الشان مقام حاصل کیا ہے۔

اس سو سال کی مدّت میں جو حضرات مرحوم ہو چکے ہیں ان کے مراتب اُخروی کی بلندی کے لئے بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، نیز بارگاہِ حق میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس ادارے کے مقدس بانیوں سابق اساتذہ، کارکنوں اور امداد کنندگان کی قبور کو نور سے بھر دے، آخرت میں انہیں مقامِ رفیع عطا فرمائے، اور تمام موجودہ حضرات کو زیادہ سے زیادہ دین اور اس دینی ادارے کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنی خوشنودی اور جزائے خیر سے نوازے۔

محرم ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء دار العلوم دیوبند کے لئے ایک مبارک ومسعود مہینہ تھا، ضرورت تھی کہ اس مہینے میں دار العلوم دیوبند کی سو سالہ تقریب منائی جاتی اور ایک عظیم الشان اجتماع کیا جاتا، ۱۵، محرم کو دار العلوم اور اس کے ملحقہ ومتعلقہ مدارس میں اجتماعات اور جلسے کر کے اس عظیم ادارے کی تاسیس اور خدمات وغیرہ پر روشنی ڈالی جاتی گویا دار العلوم دیوبند کا یہ سو سالہ اجتماع در حقیقت ہزار ہا علماء، فضلاء ان کی دینی خدمات اور اتقیائے امت کے کارناموں کا اظہار، اور بالفاظ دیگر علم وفضل کا ایک صد سالہ اجتماع ہوتا، ایسے وقت میں اجتماعی خوشی کے جذبات کا ابھرنا امرِ طبعی تھا، چنانچہ سب سے پہلے یہ جذبہ اس ناکارۂ خلائق احقر محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کے دل میں موجزن ہوا، اور پھر احاطہ دار العلوم کے حلقوں، حضرات اساتذہ کرام، حضرات کارکنانِ دفاتر، عملۂ انتظام اور عزیز طلباء کی طرف سے بھی اجتماعی طور پر اس جذبے کا اظہار تحریراً وتقریراً کیا گیا کہ:۔

"اس مبارک موقع پر اظہار خوشی ومسرت کے لئے تقریب کی کوئی مناسب شان صورت اختیار کی جائے"۔

ظاہر ہے کہ دار العلوم کوئی رسمی ادارہ نہیں ہے بلکہ وہ رسمیات سے بالاتر ایک حقیقت اور حقیقتوں کا مربی ادارہ ہے اس لئے اس کی خوشی کا مظاہرہ پھول پتّیوں کی نمائش، یا چراغاں وغیرہ کی نمود، یا عام رسمی مظاہروں کی صورت اختیار نہیں کر سکتا تھا اور عام جذبات بھی یہی تھے کہ اس تقریبِ سعید کے موقع پر دار العلوم میں ایک عام اجتماع منعقد کیا جائے، جس میں بنائے دار العلوم کے حالات، اس کی تاسیس کا پس منظر، قیام دار العلوم کے مقاصد، اس کے بانیوں کی سیرت وکردار اور اس کے آئندہ کے لائحۂ عمل وغیرہ کی تذکیر کی جائے، اور دار العلوم کی امتیازی خصوصیات کو ایک بار دلوں میں پھر تازہ کر دیا جائے کہ مظاہرہ مسرت کی یہی صورت دار العلوم کے شایاں ہو سکتی تھی، لیکن بخت واتفاق کی دنیا بالکل ہی الگ ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے، "عرفت ربی بفسخ العزائم"، ہوا یہ کہ بعینہ وہی تاریخیں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس میرٹھ کی مقرر ہو کر شائع ہو گئیں، ایسی صورت میں ان ہی ایام میں دار العلوم کی صد سالہ تقریب کا عظیم اجتماع اس اجلاس سے متصادم ہوتا جو ملت کے اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر کسی طرح بھی مناسب نہ تھا، اس لئے ایسے تزاحم کے وقت التوائے اجتماع کو مناسب سمجھتے ہوئے، ان تاریخوں میں اجتماع کے خیال کو ترک کر کے صرف اس پر اکتفا کیا گیا کہ اس موقع

پر سرِدست ان تاریخوں میں دارالعلوم کی تعطیل کردی جائے، اور اجتماع کا منصوبہ بعد میں کسی وقت پورا کیا جائے۔

ادھر اتفاق سے ان ہی ایام میں احقر مہتمم جنوبی افریقہ کے سفر کے لئے پابرکاب تھا، جس میں تقریباً ساڑھے تین ماہ صرف ہوگئے، اس لئے اس خواب کی تعبیر برآمد ہونے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی، حق تعالیٰ کو منظور ہے تو انشاء اللہ جلد ہی یہ موقع آنے والا ہے"۔

کتب خانہ کی ترتیب: کتب خانہ دارالعلوم میں ایک لاکھ کے قریب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اس میں بڑی تعداد اگرچہ درسی کتابوں کی ہے مگر کم وبیش نصف کتابیں ان میں غیر درسی ہیں، ان میں مطبوعہ غیر مطبوعہ دونوں طرح کی کتابیں شامل ہیں، مخطوطات بھی معتد بہ تعداد میں موجود ہیں۔

کتب خانہ کی ترتیب اور فہرست تیار کرنے کا کام پہلی مرتبہ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء میں راقم سطور کے سپرد ہوا تھا، مدت تک وہی فہرست کام دیتی رہی، چوتھائی صدی کے بعد ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں پھر مزید ترتیب کی ضرورت پیش آئی، اس دوران میں ہزاروں کتابوں کا کتب خانے میں اضافہ ہوچکا تھا، اس کے لئے مجلس شوریٰ کی جانب سے مولانا ظفیر الدین صاحب کا انتخاب کیا گیا، مولانا موصوف نے بڑی جگر کاوی اور دیدہ ریزی سے فہرست کی تیاری کا کام انجام دیا ہے، اس مرتبہ مزید ایک اضافہ یہ ہوا ہے کہ لائبریریوں کے موجودہ طریق کے مطابق کتابوں کے کارڈ تیار کرکے ان کو حرفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، کارڈوں کے ذریعے سے کتاب برآمد کرنے میں بڑی سہولت ہوگئی ہے، علاوہ ازیں مخطوطات کی تعارفی فہرست بھی تیار کی گئی ہے جس کی دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں، کتب خانے کا تفصیلی تعارف "کتب خانہ" کے زیرِ عنوان آئندہ اپنے مقام پر پیش کیا جائے گا۔

مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات: اس سال کے واقعات میں ایک اہم واقعہ مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمن کی وفات کا سانحہ ہے، مولانا نہ صرف دارالعلوم کے علمی حلقوں میں ممتاز اور نمایاں شخصیت رکھتے تھے بلکہ ملک میں سیاسی لحاظ سے بھی ان کا بڑا مقام تھا، مدت تک جمعیۃ علماء ہند کی نظامت اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے، ان کی زندگی کا آغاز دارالعلوم کی مدرسی سے ہوا تھا پھر آخر میں مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے ان کا انتخاب کیا گیا، مولانا کی عمر کا بڑا حصہ دارالعلوم کی خدمت میں گذرا چنانچہ ان کی خدمات کا اعتراف مجلس شوریٰ کے اراکین نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے تاثرات اور دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، اور قوم سے ایسی یگانہ روزگار شخصیت کے اٹھ جانے کو ایک عظیم قومی حادثہ اور زبردست نقصان تصور کرتا ہے، حضرت مرحوم نہ صرف ایک جید عالم فاضل مصنف اور بے نظیر خطیب تھے بلکہ صحیح معنیٰ میں مجاہدِ ملت بھی تھے، ہندوستان کی سیاسی اور قومی تاریخ میں ان کی مجاہدانہ سرفروشیاں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں، وہ نہ صرف ملک کے ممتاز لیڈر تھے، بلکہ مسلمانوں کے قائد اور علمی وسیاسی رہنما بھی تھے، ان کی ذات گرامی اپنی ہمہ گیر قابلیت اور مقبولیت کے لحاظ سے بلا امتیاز مذہب وملت پورے ہندوستان کی ہمہ گیر شخصیت تھی، ان کے فکر رسا، معاملہ فہمی، وقت شناسی، ثبات قدمی اور استقلال کا لوہا موافق ومخالف سبھی مانتے تھے، ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ خیز اور پر آشوب زمانے میں اپنی جان

ہتھیلی پر رکھ کر ملک اور بالخصوص مسلمانوں کی جو زبردست اور عظیم الشان خدمات انہوں نے انجام دی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ ان ہی کا حصہ تھا، ماضی میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کو ان کی منتظمانہ اور مدبرانہ بالغ نظری سے بڑی مدد اور تقویت ملتی رہی ہے، وہ معاملات کی تہ تک پہنچ جانے اور لاینحل گتھیوں کو سلجھانے کا بے نظیر ملکہ رکھتے تھے، اس لئے ان کی زندگی پوری قوم اور ملک کے لئے ناقابلِ فراموش ہے، جماعت دارالعلوم اپنے اس جلیل القدر فرزند کی دائمی مفارقت پر مغموم ہے"۔ (۱)

شام کے ایک جلیل القدر عالم کے تاثرات: جامعہ حلب (شام) کے استاذ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے دارالعلوم کو دیکھ کر اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا ان کا یہ پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کے نزدیک یہاں کے علماء کی تصانیف میں ایسے علمی مباحث ملتے ہیں جو علمائے متقدمین، مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں دستیاب نہیں ہیں، مگر یہ نادر کتابیں چونکہ اردو زبان میں ہیں اس لئے ممالکِ عربیہ ان کے استفادے سے محروم ہیں، ضرورت ہے کہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ وسیع پیمانے پر ان سے استفادے کے مواقع فراہم ہوں، شیخ ابو غدہ کے تاثرات کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اس عاجز و ناتواں راقم سطور کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل وانعام ہے کہ اس نے ہندوستان کے شہروں کی سیاحت وزیارت کا موقع بہم پہنچایا، بالخصوص ان شہروں میں سرِ فہرست دیوبند اور اس کی دینی درسگاہ "دارالعلوم" کا درجہ ہے، جو درحقیقت ہندوستان کا علم و تقویٰ سے بھرپور زندہ قلب، علماء و مؤلفین کا مرکز اور دین و معرفت کے طلباء کی آماجگاہ ہے، اس مرکز کی زیارت عمر بھر کی تمناؤں اور لیل و نہار کے خوابوں میں سے ایک خواب و تمنا تھی، خدا کا شکر ہے کہ آج دارالعلوم کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

دور رہتے ہوئے جو کچھ دارالعلوم کے بارے میں سنا تھا اس کا جو کچھ ذہن میں خاکہ و تصور تھا قریب سے دیکھ کر اس کو اس سے کہیں زیادہ اچھا اور بہتر پایا، اس مقدس ادارے کے گوشے گوشے سے انوارِ علم کا فیضان ہوتا ہے، اس کی درسگاہوں میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تعلیم دیجاتی ہے اور تشنہ کامانِ علم اور طالبانِ رشد وہدایت کے لئے مثالی نظم و نسق، سلیقہ شعاری اور روشن دماغی کے ساتھ اس اسلوب سے احکامِ دین و شریعت بیان کئے جاتے ہیں جس میں اہلِ روحانیت کی روحانیت اور اصحابِ علم و تحقیق کے آثار و فیوض نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کمال فضل واحسان ہے کہ مجھے مولانا الاجل برکتہ الامتہ ذی الانفاس الطاہرہ سیدی الشیخ المحدث السید فخر الدین احمد المرادآبادی کے درسِ حدیث شریف کے کچھ حصے کی سماعت کا شرف حاصل ہوا، حضرتِ موصوف نے طلباء محبین کرام کی درخواست پر

---

(۱) حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ سیوہاروی پر مستقل مضمون کتاب "بیس بڑے مسلمان" میں موجود ہے۔ مراجعت کی جائے مرحوم نے فسادات دہلی میں جو کام سر انجام دیا اس کو س کر وقت کے بڑے بڑے شیخ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ نے فرمایا تھا کہ ایک فسادات دہلی (۱۹۴۷ء) کے زمانہ میں دہلی کے اندر مسلمانوں کے بچانے کے سلسلے مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے جو خدمات سرانجام دی ہیں ان کے بدلے میں اپنی پوری عمر کے اذکار واشغال نثار کرنے کو تیار ہوں، بیس بڑے مسلمان ،ص ۹۳۴، بروایت مفتی جمیل الرحمٰنؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

احقر کی رعایت کرتے ہوئے حدیث بنی سلمہ پر عربی میں تقریر فرمائی، جس میں ذکر ہے کہ بنی سلمہ کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے مکانوں کو چھوڑ کر مسجد نبوی ﷺ کے جوار میں منتقل ہوجائیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا "دیارکم تکتب لکم اثارکم" موصوف کی تقریر بیش بہا موتیوں اور تابناک ستاروں کا مجموعہ اور فیض الباری اور عمدۃ القاری کا مصداق تھی، اسی کے ساتھ شیخ موصوف کی طرف سے ان طلباء کو جو گوش برآواز تھے اپنے خصوصی ارشادات سے نوازنے کا سلسلہ جاری تھا جو ان تلامذہ کے نفوس میں اس طرح سرایت کرتے تھے جس طرح عطر ہوامیں اور پانی زندگی میں کرتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو سنّتِ مطہرہ اور اس کے متبعین کی طرف سے جزائے خیر دے اور اس ادارے کو سماحۃ الشیخ صدر المدرسین مولانا العلامہ ابراہیم البلیاوی اور مولانا القاری محمد طیب صاحب جیسے ارکان واساطین ائمہ اجلہ بدرالہدیٰ (بدرہائے ہدایت) اور مصابیح دجیٰ (شمعہائے ظلمت) کے زیرِ سایہ ہمیشہ پھلتا پھولتا قائم رکھے، اور ان بزرگوں کے نفع بخش اوقات اور انفاسِ طاہرہ میں برکت عطا فرمائے۔

ذمہ دارانِ مدرسہ نے میرے ساتھ مزید اکرام واحسان یہ کیا کہ احقر کو اپنا خصوصی مہمان بنایا اس طرح بسہولت علمائے اکابر سے علمی استفادے کا موقع ملا، للہ الحمد نیز وہ چیز جس کے لئے آج ہم سب اللہ تعالیٰ کے مرہونِ منّت اور احسان مند ہیں وہ یہ ادارہ ہے جو مع اساتذہ وتلامذہ کے دین کا گھنا سایہ دار درخت، علم وتقویٰ کا مرکز اور جسمِ اسلامی کی بقاء کا ضامن وہ پھیپھڑا ہے جس میں حیاتِ روحانی کے آثاروال دواں ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس ادارے کی بقاوترقی اور اس کے علماء کو طولِ حیات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے۔" واللّٰہ یجیب ولا یخیب رجاء الراجین فضلاً منہ وکرماً".

علم وتقویٰ کے اساطین سے مالامال اس عظیم الشان ادارے کے علماءِ عظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ اگر ذرا اجرأت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارا ایک واجبی حق ہے جس کا مطالبہ کررہا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے متفردانہ عقول کے نتائجِ فکر اور بیش بہا علمی فیوض وتحقیقات کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر عالمِ اسلام کے دوسرے علماء کے لئے استفادہ کا موقع فراہم کریں، یہ فریضہ ان حضرات پر اس لئے عائد ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ہندوستان کے علمائے محققین کی کوئی تصنیف پڑھتا ہے تو اس میں اس کو وہ نئی متفردانہ تحقیقات ملتی ہیں جن کا مدار علیہ گہرے علم اور وسیع مطالعے کے علاوہ تقویٰ وصلاح اور روحانیت ہوتی ہے، اور چونکہ ہندوستان کے علماء وشیوخ کرام نیکی واصلاح العمل اور روحانیت اور استغراق فی العمل جیسی شرائط پر نہ صرف یہ کہ پورے اترتے ہیں بلکہ سلفِ صالحین کے صحیح وارث اور ان کے نمونے ہیں اس لئے ان کی کتابیں نئی اور کارآمد چیزوں سے خالی نہیں ہوتیں، "وذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشا" بلکہ ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو متقدمین علمائے اکابر، مفسّرین ومحدّثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں، لیکن افسوس اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نادر تالیفات میں سے اکثر بلکہ سب کی سب اردوزبان میں لکھی گئی ہیں، جو گو ہندوستان کی عام اسلامی زبان سہی لیکن عربی کو کثیر الاستعمال اور علوم اسلام کی خاص زبان ہونے کا جو شرف حاصل ہے ظاہر ہے کہ وہ اردو کو حاصل نہیں، لہذا یہ علوم اور بیش قیمت تحقیقات جو ہمارے برادرانِ اسلام علمائے ہند کا خصوصی حصہ اور کارنامہ ہیں اگر اردو ہی کے قالب میں محبوس رکھی گئیں تو ہم عربی زبان بولنے والوں سے مخفی اور پوشیدہ رہ کر ہماری محرومی کا باعث بنی رہیں گی، اس طرح نہ صرف ہمارے ساتھ ہی ناانصافی ہوگی بلکہ علم ودین کے حق کا

بھی ایک بہت بڑا نقصان ہوگا، اس لئے فریضۂ معرفت اور امانتِ علم کی ادائیگی کے لئے یہ بات اولین واجبات میں سے ہے کہ ان نفیس شاہکار اور عمدہ کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ ان سے وہ آنکھیں روشنی حاصل کریں جو ایسی چیزوں کے لئے بیتاب، تشنہ اور مشتاق ہیں اور جیسا کہ میرا خیال ہے اس اہم ذمہ داری اور کٹھن فریضہ کی ادائیگی کا کام اسی ادارہ عامرہ کے افراد کرسکتے ہیں جو علمائے کرام اور طلبائے نجباء کا گہوارہ و سرچشمہ ہے (۱)۔

اس موقع پر جبکہ میں ذمہ دارانِ ادارے کے مشفقانہ طرزِ عمل، نوازشاتِ بزرگانہ اور طلبائے عزیز کے جذباتِ محبت واخوت کے لئے کلماتِ شکر حیطۂ تحریر میں لارہا ہوں اپنے مذکورہ بالاحق اور مطالبے کو دہرانے کی ایک بار پھر پُر امید ہو کر جرأت کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ اگر ان حضرات نے اس فریضے کی ادائیگی کی طرف توجہ مبذول فرمائی تو اس طرح جہاں وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے ساتھ ہی ساتھ یہ دین وثقافت کی ایک عظیم الشان خدمت اور قابلِ ذکر کارنامہ ہوگا، کیونکہ یہ علوم دنیا کے تمام مسلمانوں ہی کی ملک نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان مساوی طور پر ان سے استفادے کے مستحق ہیں چہ جائیکہ صرف ہندوستان ہی کے مسلمان ان کے اجارہ دار قرار پائیں، اس لئے از بس ضروری ہے کہ اردو کتابوں کے عربی میں تراجم کئے جائیں تاکہ ان کی زیادہ سے زیادہ ترویج واشاعت ہو اور وسیع پیمانے پر ان سے استفادے کے مواقع فراہم کئے جاسکیں۔

مجھے یہ سن کر کسی حد تک اطمینان اور مسرت ہوئی کہ یہ اہم مسئلہ دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوریٰ کے زیر غور ہے، اور وہ عنقریب اس اہم بار اور ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے قدم اٹھانے والی ہے، جو درحقیقت اس ادارے کے علماء کا اور بالخصوص طلباء کا واجبی فرض ہے، میں اس خوشخبری کے بعد تمام علمائے اکابر کا ان کے اس مبارک عزم واقدام پر تہ دل سے پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کارِ عظیم میں اس کی خصوصی مدد ومعاونت ان کے شاملِ حال ہوتا کہ بسہولت وہ اس فریضے کو مرحلۂ تکمیل تک پہنچاسکیں، باری تعالیٰ کے لئے یہ کوئی دشوار امر نہیں، "وماذلک علی اللہ بعزیز"، اور نہ ہی ان علمائے اماجد کے لئے ان کے پختہ عزائم کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی ایسا کٹھن اور دشوار گذار مرحلہ ہے جو ناقابلِ عبور ہو (۲)۔

۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء حضرت مہتمم صاحب کا سفر افریقہ ومصر: سال زیرِ نظر میں حضرت مہتمم صاحب کے دو بیرونی سفر ہوئے، پہلا سفر جنوبی افریقہ کا تھا اور دوسرا مصر کا، یہ دونوں سفر مختلف حیثیتوں سے دارالعلوم کے لئے مفید ترین ثابت ہوئے، اواخر محرم میں جنوبی افریقہ کا سفر ہوا جوہانسبرگ کے ہوائی اڈے پر استقبال کے لئے جنوبی افریقہ کے چاروں صوبوں کے مسلمانوں کا نمائندہ اجتماع خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھا جو تقریباً دو ہزار افراد پر مشتمل تھا، جوہانسبرگ کے ڈچ میئر مسٹر اور بر بولز خیر مقدم کے لئے مع اپنی اہلیہ کے اس موقع پر موجود تھے۔ یورپین پولیس بھی کافی تعداد میں تھی، پندرہ دن جوہانسبرگ میں قیام رہا اور وہاں سے ڈربن اور پھر کیپ ٹاؤن تشریف لے گئے، ڈربن کے دورانِ قیام میں اطراف وجوانب کے مختلف مقامات پر جانا ہوا، کیپ ٹاؤن کے ایک اجتماع سے

---

(۱) اس وقت تک فضلائے دارالعلوم اور مظاہر العلوم سہارنپور کی عربی میں کئی ایک شروح اور فقہ کی کتب کے حواشی عربی میں شائع ہوچکے تھے جو شاید موصوف کی نظر سے نہیں گزرے، اور آج ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۶ء میں تو اس قدر عربی کتب تفسیر وشرح حدیث وفقہ پر اتنی کتب شائع ہوچکی ہیں کہ ان کی صرف فہرست ایک ضخیم کتاب کی متقاضی ہے۔ (ارشد) (۲) روداد ۱۳۸۲ھ ص ۱۲-۱۴۔

خطاب کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں کو مادی طاقت سے ہر گز پریشان نہیں ہونا چاہیئے، مسلمانوں کو اپنی روحانی طاقت بڑھانے کی ضرورت ہے، مسلمان اپنے ان فرائض کو بھول چکے ہیں جن کی بجاآوری کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں، ہمیں نیکی کی تلقین کرتے رہنا چاہیئے اور برے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

جنوبی افریقہ میں دارالعلوم دیوبند اور جماعت دارالعلوم کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلی تھیں بڑی حد تک اس سفر سے ان کا ازالہ ہوگیا اور پائیدار اثرات لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوگئے، جوہانسبرگ میں وہاں کی یونیورسٹی وٹ واٹرز رینڈ میں ان دنوں ایک تعلیمی کانفرنس ہورہی تھی جس میں جنوبی افریقہ کے ماہرینِ تعلیم جمع تھے، کانفرنس میں حضرت مہتمم صاحب کو شرکت کی دعوت دی گئی، صدرِ کانفرنس نے حضرتِ ممدوح کی شرکت پر شکریہ ادا کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی عظمت اور اس کے بین الاقوامی اثرات کا اعتراف کیا، حضرت مہتمم صاحب نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا کہ "ہمیں وطن و قوم اور نسل کی حد بندیاں ایک دوسرے سے جدا کرسکتی ہیں، مگر علم سارے انسانوں کا مشترک سرمایہ ہے اور انسانوں کی وحدت کے لئے ایک فطری ضامن ہے، چنانچہ رنگ و نسل اور جذباتی تفریقوں کے باوجود علم ہی وہ ذریعہ ہے جس نے ہم سب کو یہاں جمع کردیا ہے"۔

جنوبی افریقہ کے اس سفر میں وہاں کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جنوبی افریقہ میں وسیع پیمانے پر دارالعلوم کا تعارف ہوگیا، عام طور پر وہاں کے اجتماعات میں مغربی زبانوں کے اخبارات کے نمائندے موجود ہوتے تھے اور وہ اجتماعات کی کارروائیوں کے ساتھ دارالعلوم کے حالات بھی شائع کرتے تھے، اس طرح دارالعلوم کی شہرت نہ صرف برِّاعظم افریقہ بلکہ یورپ کے مختلف ملکوں تک پہنچ گئی، اس کے علاوہ اجتماعات میں اخباری نمائندوں نے مختلف اسلامی مسائل پر بھی حضرت مہتمم صاحب سے مختلف سوالات کئے، ان کے جوابات سے مغربی دنیا کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوئیں جس سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا۔

جنوبی افریقہ سے نیروبی اور وہاں سے مصر، بیت المقدس اور حجاز ہوتے ہوئے بیروت کے راستے سے تین ماہ کے بعد واپسی ہوئی۔

دوسرا سفر ۱۹، شوال ۱۳۸۳ھ (۴، مارچ ۱۹۶۳ء) کو عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ کی دعوت پر ہوا، اس مؤتمر میں جو مجمع البحوث الاسلامیہ کے نام سے موسوم تھی دنیائے اسلام کے ممتاز علماء کو دعوت دی گئی تھی، اس میں ۳۸ ملکوں کے ۷۰ منتخب علماء نے شرکت کی، مصری علماء کی تعداد اس کے علاوہ تھی، مجموعی طور پر سواسو علماء مؤتمر میں شریک رہے، ہند و پاک کے نمائندے سب کے سب فضلائے دیوبند تھے، حضرت مہتمم صاحب کے علاوہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مؤتمر میں ہندوستان کی نمائندگی فرمائی مؤتمر کا مقصد تمدنِ جدید سے پیدا شدہ مسائل کی شریعتِ اسلامی کی روشنی میں تحقیق و تنقیح تھا، یہ مسائل حسبِ ذیل عنوانات پر منقسم تھے۔

(۱) اسلام میں مالیات کی تقسیم کا انتظام۔

(۲) عرب اور اسلام کے عالم گیر نفوذ کے طبعی اسباب۔

(۳) اسلام میں اراضی کی شخصی ملکیت اور اس کے آثار۔

(۴) دولت مندوں کے اموال میں غریبوں کے حصے کی نوعیت۔

(۵) اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام۔

(۶) اسلام میں اجتہاد کا ماضی و حال۔

اگرچہ مؤتمر میں مذکورہ بالا سبھی عنوانات پر بحث و تمحیص ہوئی، مگر سب سے زیادہ زور آخری عنوان پر تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ کانفرنس کی پوری مدّت میں دو تہائی وقت صرف اس مسئلہ پر صرف ہوا، فکر یہ ظاہر کیا گیا کہ جب تک علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا اس وقت تک پیچیدہ مسائل حل نہیں ہوں گے، کیونکہ آج کی صورتِ حال جدید اکتشافات کی موجودگی میں یکسر بدل گئی ہے، پچھلا نقشِ قدم اس کا تصفیہ نہیں کرسکتا۔

حضرت مہتمم صاحب جو ہندوستانی وفد کے رئیس تھے اور مولانا محمد یوسف بنوری رئیس وفدِ پاکستان نے اس موضوع پر اپنے اپنے مقالے پیش کئے حضرت مہتمم صاحب کے مقالے کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہمارے لئے فکر و نظریا طریقِ استنباط میں جہاں اصول اور قواعد فن کی پابندی ضروری ہے وہیں سلف کی پیروی بھی ضروری ہے، ہم اجتہاد کے دائرے میں رہ کر بھی اتباعِ سلف کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتے، سنّت اور اسوۂ سلف ہمارے اجتہاد کی انتہائی منزل ہونی چاہیئے! آپ نے فرمایا کہ:۔

"آج مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں انہیں پیچیدہ سمجھا جارہا ہے، ان کے سلسلے میں اس کے بجائے کہ ہم اپنے لئے منصب اجتہاد ثابت کرنے پر اپنا زور صرف کریں، یہ زیادہ موزوں ہوگا کہ ان مسائل کا عملی حل پیش کردیا جائے۔ اشخاص کے لئے اجتہادی قوتوں پر غور کئے جانے کے بجائے مسائل پر غور کیا جانا زیادہ سہل اور مختصر راستہ ہے، نئے حوادث اور ان سے اُبھرنے والے مسائل کچھ اس دور کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ اسلام کے ہر قرن میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، نئے افکار و نظریات، نئے واقعات واحوال کی وجہ سے ہمیشہ سامنے آتے رہتے ہیں، اور ہر دور کے مفکر علماء اپنی علمی صلاحیتوں اور فکری قوتوں سے اصولِ فقہ اور منضبط مسالکِ فقہیہ کی روشنی میں فیصلے دیتے رہے ہیں، چنانچہ آج بھی نئے حوادث کے سلسلے میں مسائل کی تنقیح میں علمائے امّت نے کوتاہی نہیں کی۔ حوادث الفتاویٰ اور آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام کے نام سے ہندوستان میں مستقل کتابیں شائع ہوچکی ہیں جو جدید مسائل کا شافی حل پیش کرتی ہیں، البتہ اگر ضرورت ہے تو اس کی ہے کہ ایسے احکام کی اشاعت و تنقیح عالمی پیمانے پر ہو اور اسے مقامی کے بجائے بین الاقوامی انداز سے پیش کیا جائے، اور ایسے جدید فتاویٰ وہ خواہ کسی بھی ملک کے ہوں، انہیں پورے عالم اسلامی کے سامنے لایا جائے، ظاہر ہے کہ اس کام کو مجمع البحوث الاسلامیہ سے بہتر کون انجام دے سکتا ہے، وہ اپنے عالم گیر اثرات سے دنیا کے جدید فتاویٰ کے ذخیرے فراہم کرسکتی ہے، اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم پیش کرسکتی ہے تاکہ فکر میں عالمیت اور یکسانی پیدا ہو کر امّت کے عمل میں یکسانیت پیدا ہوجائے، وحدتِ امّت کے لئے یہ مؤتمر ایک وسیلے کا کام دے سکتی ہے۔

حضرت مہتمم صاحب نے اپنے مقالے میں موجودہ دنیا کو اسلام سے متعارف کرانے پر بھی زور دیا، اور مؤتمر اسلامی سے اپیل کی کہ اسلام کو پورے عالم کا دین بنانے کی جدوجہد مؤتمر کے پیش نظر رہنی ضروری ہے۔

مقالے کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی کچھ نہ کچھ قوتیں آج بھی ہمارے علماء کے اندر موجود ہیں، اگر نہ ہوتیں تو مفتیوں کو

فتویٰ دینا اور معاملات پر غور کر کر کے فیصلہ کرنا دشوار ہوجاتا مگر اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے کہ اجتہاد کی طلب اس لئے نہ ہونی چاہیئے کہ ہم آج کے مغربی تمدن سے مرعوب ہو کر اس کی تائید میں نئے نظریات تو پہلے سے خود قائم کرلیں اور پھر قرآن وحدیث سے اس کے مؤیدات تلاش کر کے انہیں حدودِ جواز میں لانے کی فکر کریں، ظاہر ہے کہ یہ کتاب وسنّت کا اتباع نہیں بلکہ کتاب وسنّت سے اپنا اتباع کرانا ہے، یہ ایک خطرناک غلطی ہے، فکر ونظر اور طریقِ استنباط میں جہاں اصول وقواعد کی پابندی ضروری ہے وہیں سلف کی مکمل پیروی اور اس ذوق کی بھی ضرورت ہے جو ہمیں اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے، ورنہ اس کے بغیر وہ رنگ قائم نہیں رہ سکتا جو "ویزکّیھم" کے تحت نبی کریم ﷺ نے ہمیں بخشا ہے، اس لئے ہم طبعاً اجتہاد کے دائرے میں رہ کر بھی اتباعِ سلف سے باہر نہیں جاسکتے، ایک ایک سنّت اور ایک ایک اسوۂ سلف ہمارے جہد اجتہاد کی انتہائی منزل ہونی چاہیئے (۱)۔

مؤتمر میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن حضرت مولانا منّت اللہ رحمانی کی جانب سے بھی ایک مقالہ پیش کیا گیا تھا جس میں نہایت بالغ نظری سے فقہی مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے ایک اہم حقیقت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے اور اصول وفروع کے فرق کو نہایت دقیقہ سنجی سے واضح کیا گیا ہے، مقالے میں لکھا ہے:-

"فروعی مسائل کو غیر معمولی اہمیت دینے کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے علماء اور اصحابِ فتاویٰ کی نظر دین کی ابدی بنیادوں اور عالم گیر اصولوں سے ہٹ کر فروع پر آگئیں اور اصل دین مستور ہوگیا جس پر نجاتِ انسانی کا مدار ہے، چھوٹے چھوٹے مسائل نے ان کی جگہ لے لی جس سے وحدتِ اسلامیہ کو غیر معمولی نقصان پہنچا اور اخوتِ اسلامی پارہ پارہ ہوگئی اور "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین" اور "وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً" کا اعلان بے معنی ہوگیا، اس لئے ضرورت ہے کہ فروعی مسائل میں غیر معمولی شدّت کو ختم کیا جائے اور ہر مسئلے کو وہی جگہ دی جائے جس کا وہ مستحق ہے اور حجتہ دینیہ کے پیشِ نظر اس کا جو مقام ہے اور ہم اصل دین کو دنیا کے سامنے پیش کریں جسے محمد رسول اللہ ﷺ رہتی دنیا تک کے لئے اور ہر ملک ومکان کے لئے لے کر آئے تھے (۲)۔

مؤتمر کے اختتام پر (۳) حضرت مہتمم صاحب اور حضرت مولانا رحمانی قاہرہ سے حج بیت اللہ کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے، اولاً مدینہ منورہ میں قیام رہا، بعد ازاں حج سے مشرف ہوئے، قیام مدینہ منورہ کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ کی دعوت پر وہاں تشریف لے جانا ہوا، (اس موقع پر صاحبزادہ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاذ دار العلوم اور مولانا عبد الحق صاحب پیشکار اہتمام جو اس وقت مدینہ

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے روداد دار العلوم اور ماہنامہ دار العلوم کا دیوبند کا عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ نمبر ——————— مرتبہ سیّد محبوب رضوی۔ (۲) سفر مصر وحجاز از حضرت مولانا منّت اللہ رحمانی ص ۱۳۴ مطبوعہ لیبل پریس پٹنہ۔ (۳) اس موقع پر حکومت مصر نے نمائندگان کی سیر وسیاحت کا بھی انتظام کیا تھا، پہلے ہوائی جہاز کے ذریعے اسوان بند پہنچایا گیا، جس پر ہزار ہا مزدور کام کر رہے تھے۔ پھر کاروں کے ذریعے مصر کے دوسرے شہروں طنطا اور سیوط وغیرہ بھیجا گیا، طنطا مصر کا ایک عظیم صنعتی شہر ہے، وہاں کے کارخانے دکھلائے گئے، پھر تیسرا سفر کاروں کے ذریعے غزہ کا کرایا گیا، جس پر اب یہودیوں کا قبضہ ہے، کاریں صحرائے سینا سے گذرتی ہوئی غزہ میں داخل ہوئیں، حضرت مہتمم صاحب کا بیان ہے کہ وہ جب سینا سے گزرے تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا اسی صحراء سے گزرنا اور میدانِ تیہ میں حیران ہو کر چالیس سال گزارنے کا منظر نظروں میں پھر گیا، اس تاریخی پس منظر سے متاثر ہو کر حضرت ممدوح نے ایک مستقل کتاب کی تالیف شروع فرمادی جو ہندوستان پہنچ کر مکمل ہوئی، یہ ضخیم کتاب بہت سے حقائق شرعیہ اور کتنے ہی سیاسی معارف پر مشتمل ہے، افسوس ہے کہ ابھی تک طبع نہیں ہوسکی، خیال یہ ہے کہ اس کی طباعت واشاعت علمی ذخیرے میں ایک بیش بہا اضافہ ثابت ہوگی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ دار العلوم کے ترجمان "الداعی" میں بالاقساط شائع ہورہا ہے۔

منورہ میں موجود تھے) جلسۂ خیر مقدم میں اساتذہ طلباء کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب نے اربابِ جامعہ کا شکریہ ادا کیا، آخر میں آپ نے دارالعلوم کے حالات اور مسلکِ دارالعلوم کا تعارف کرایا اور جامعۂ اسلامیہ مدینہ کی گراں قدر خدمات پر حکومت اور اربابِ جامعہ کو ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کیا۔

مجموعی حیثیت سے حضرت مہتمم صاحب کے یہ دونوں سفر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ ان سفروں کے ذریعے سے برِّ اعظم افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے علاوہ مغربی ممالک میں بھی دارالعلوم کے تعارف کا حلقہ وسیع ہوگیا، اور چونکہ قاہرہ کے اجتماع میں تمام دنیائے اسلام کے نمائندے موجود تھے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ پورے عالمِ اسلام میں دارالعلوم متعارف ہوگیا۔

۶، محرم ۱۳۸۴ھ ۱۹۰، مئی ۱۹۶۴ء) کو حضرت ممدوح مراجعت فرمائے دیوبند ہوئے، اسٹیشن پر اساتذہ وطلباء کارکنانِ دفاتر اور اہلِ شہر کی جانب سے پُرجوش استقبال کیا گیا، طلبائے دارالعلوم کی درخواست پر حضرت مہتمم صاحب نے دارالحدیث کے جلسہ خیر مقدم میں ایک طویل تقریر فرمائی جس میں آپ نے سفرِ مصر وحجاز کے تأثرات اور مؤتمر اسلامی قاہرہ اور جامعۂ اسلامیہ مدینہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے۔

مستشرقین کی کانگریس میں دارالعلوم کی شرکت: مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا چھبیسواں اجلاس جنوری ۱۹۶۴ء کی شروع تاریخوں میں منعقد ہوا، جس میں گیارہ سو ماہرین شرقیات نے شرکت کی۔ ان میں پانچ سو بیرونی ممالک کے نمائندے شریک تھے، اور چھ سو ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی اداروں کے فضلاء شامل تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ اس کانگریس کا اجلاس یورپ سے باہر ایشیا میں ہوا، ایشیا میں سب سے پہلے یہ فخر ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کی سرزمین کو حاصل ہوا، کانگریس کے ابتدائی سالوں میں اس کی مجلسوں میں شرکت صرف یورپی ماہرینِ شرقیات تک محدود تھی، رفتہ رفتہ اس کے دائرے میں توسیع ہوتی گئی اور ایشیائی ملک بھی اس میں شامل ہوگئے۔

دہلی میں کانگریس کا اجلاس وگیان بھون کی عظیم الشان عمارت میں منعقد ہوا تھا۔ یہ کانگریس دس شعبوں پر منقسم تھی، اس میں ایک شعبہ نوادر مخطوطات کے لئے مخصوص تھا۔ انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی کی درخواست پر دارالعلوم کے منتخب مخطوطات اس موقع پر پیش کئے گئے، مستشرقین نے ان کو خاص طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور متعدد مخطوطات کے نوٹس بھی لئے، اس طرح مستشرقین کی یہ کانگریس دارالعلوم کے لئے وسیع طور پر بین الاقوامی تعارف کا ذریعہ ثابت ہوئی، دارالعلوم کے مخطوطات کو کانگریس میں متعارف کرانے کا کام راقم سطور نے انجام دیا تھا۔

۸۴-۱۳۸۵ھ مجلہ دعوۃ الحق کا اجراء: ہمدردانِ دارالعلوم کے حالات و کوائف سے باخبر رکھنے اور دارالعلوم کے مسلک کی توسیع واشاعت کے لئے ایک زمانے میں "القاسم" اور "الرشید" وغیرہ ماہنامے شائع ہوتے رہے ہیں، القاسم کے بند ہونے کے بعد ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۲ء میں مجلہ "دارالعلوم" جاری ہوا، مگر اب تک یہ رسائل صرف اردو زبان میں شائع ہوتے تھے، سالِ رواں میں دارالعلوم کے حلقے کو وسیع تر بنانے کے لئے ایک سہ ماہی عربی مجلہ "دعوۃ الحق" کے نام سے نکالا گیا "دعوۃ الحق" برِّصغیر کے عربی مدارس کے علاوہ

عرب ممالک میں بھی دل چسپی سے پڑھا جاتا ہے، یہ عربی مجلہ عرب ملکوں میں مسلک دارالعلوم کی اشاعت کا ذریعہ ہونے کے علاوہ عرب ممالک سے رابطے کا بھی ایک قوی ذریعہ (۱) رہا ہے۔

غلّے کی فراہمی میں حکومت اتّر پردیش کا تعاون: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء کے آخری مہینے میں دارالعلوم کو شدید غذائی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت مہتمم صاحب نے اس صورتِ حال پر حکومت اتّر پردیش کو توجہ دلائی، دارالعلوم کی جانب سے حکیم محمد الیاس صاحب کٹھوری اور راقم سطور کو لکھنؤ بھیجا گیا ارکانِ وفد نے حکومت کے ذمہ داروں خصوصاً وزیرِ اعلیٰ اور وزیرِ خوراک کو بتایا کہ دارالعلوم کو غذائی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کیا دقتیں پیش آرہی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان مشکلات کی وجہ سے دارالعلوم نئے تعلیمی سال کے آغاز میں طلباء کا داخلہ نہ کرسکا تو اس سے دارالعلوم دیوبند کی بین الاقوامی حیثیت اور حکومت کے وقار پر ناخوش گوار اثر مرتب ہوگا۔ اس وقت کی وزیرِ اعلیٰ مسز سوچیتا کرپلانی نے اس موقع پر اپنے پورے پورے تعاون کا ثبوت دیا، اور دارالعلوم کے لئے مطلوبہ غلّے کی فراہمی میں سہولت بہم پہنچائی جس کا سلسلہ بحمد للہ اب تک جاری ہے۔

اُتّر پردیش کے گورنر کی دارالعلوم میں آمد: اس سال دارالعلوم میں جو مختلف حضرات تشریف لائے ان میں اُتّر پردیش کے گورنر جناب وشوانا تھ داس صاحب قابلِ ذکر ہیں، موصوف ۲۳، مارچ ۱۹۶۵ء کو دارالعلوم میں تشریف لائے اور دارالعلوم کو دیکھ کر جلسۂ عام میں اپنے جن گہرے اور گراں قدر تاثرات کا اظہار کیا یہاں ان کا نقل کرنا طوالتِ بے جا نہ ہوگا۔ موصوف نے فرمایا:۔

"علم انسان میں جو تواضع اور انکسار پیدا کرتا ہے، میں اس کی بہت اچھی مثال دارالعلوم میں دیکھ رہا ہوں، آپ حضرات جس محنت اور جانفشانی سے تعلیم دے رہے ہیں، اس نے مجھے بہت متاثر کیا ہے، اس پر میں آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، دارالعلوم کے طریقۂ تعلیم کو دیکھ کر مجھے ہندوستان کے اس قدیم طرزِ تعلیم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، جس میں گرو اپنے شاگردوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے مصارف خود برداشت کرتے تھے، مگر جب سے ہندو سوسائٹی میں دنیوی ہوس جاگزیں ہوئی ہے وہ پرانا طریقہ ختم ہوگیا ہے، مگر اب پھر اس کی اہمیت کو محسوس کیا جانے لگا ہے، مجھے دارالعلوم کے حُسنِ انتظام کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے میری خواہش ہے کہ آپ کا یہ دارالعلوم برابر ترقی کرتا رہے۔

آپ نے موجودہ طرزِ تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج کل جو طریقۂ تعلیم رائج ہے اس میں استاد اور شاگرد کے مابین روحانی تعلق نہیں رہا ہے، اس نے استادوں اور طلباء کو ایک دوسرے سے دور کردیا ہے، اور آئے دن طلباء کے ہنگامے پیش آتے رہتے ہیں۔ علم اور جہل دو متضاد صفات ہیں، علم انسان کو اونچا اٹھاتا ہے اور جہالت اسے پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ آپ اپنے طلباء کو جہالت کی پستی سے اٹھا کر انہیں علم کی بلندی پر پہنچا رہے ہیں اور اس طرح انسانیت کی تکمیل کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ استاد کی مثال اس کمہار کی مانند ہے جو گیلی مٹی سے حسبِ منشاء برتن بناتا ہے، اسی طرح طلبہ کی زندگی استاد کی تعلیم کے سانچے میں ڈھلتی ہے مجھے یہ دیکھ کر بھی خوشی ہوئی کہ آپ کی تعلیم میں دنیوی مال ودولت آپ کے پیشِ نظر نہیں ہے۔

---

(۱) اب کچھ عرصے سے "دعوۃ الحق" کے بجائے ایک پندرہ روزہ عربی اخبار "الداعی" کے نام سے نکل رہا ہے۔

گورنر صاحب نے طلبہ سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ آپ جو کچھ اپنے استادوں سے سیکھ رہے ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، میں آپ کی ترقی کے لئے دعا کرتا ہوں اور دوسرے ممالک کے جو طلباء یہاں زیرِ تعلیم ہیں ان کو تعلیمی سہولت پہنچانے کے لئے دارالعلوم سے خصوصی درخواست کرتا ہوں، یہ طلباء ہمارے ملک کے مہمان ہیں، یہ طلباء فراغت کے بعد جب یہاں سے اپنے اپنے وطن واپس جائیں گے تو یہ ہمارے ایلچی ثابت ہوں گے۔

گورنر صاحب نے ملک کی یک جہتی پر زور دیتے ہوئے کہا:۔

"دنیا کے اکثر ملکوں میں مختلف قومیں آباد ہیں جو مختلف زبانیں بولتی ہیں، ان کے مذہب بھی الگ الگ ہیں، مگر اس کے باوجود سب آپس میں مل جل کر اور بھائی چارے کے ساتھ رہتے ہیں، اسی طرح اس ملک میں ہمیں رہنا چاہئے۔

میں، مہتمم دارالعلوم یہاں کے اساتذہ، طلبہ اور کارکنوں کی خدمت میں ان کے پُرخلوص اور پُرتپاک استقبال پر تہ دل سے شکر گزار ہوں نیز اپنے ملک کے اس عظیم ادارے کی ہر وہ خدمت جو یہ ادارہ پسند کرے، کرنے کے لئے میری حکومت ہمہ وقت تیار ہے۔

حضرت مہتمم صاحب نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی اس میں دارالعلوم کے متوکلانہ طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، آپ نے بانیٔ دارالعلوم کے ہشتگانہ اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دارالعلوم کی بنیاد ظاہری اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرنے پر رکھی گئی ہے، اسی لئے تکثیرِ چندہ کو بانی نے اصل قرار دیا ہے اور مستقل آمدنی کے وسائل جیسے کارخانہ تجارت یا بھاری گرانٹوں کے وعدے وغیرہ پر بھروسے سے روکا ہے تاکہ کارکنوں میں بے فکری نہ پیدا ہو اور وہ ان آمدنیوں پر بھروسہ کرکے بیٹھ نہ رہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ تعیش اور اس کا ثمرہ آپس کی پھوٹ ہے۔ حضرت بانی کا منشاء یہ ہے کہ مالی سلسلوں میں ایک گونہ بے سروسامانی اور فکر قائم رہے، یہ فکر ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنتا ہے، جس سے توکل اور حقیقی زندگی کی شان پیدا ہوتی ہے، نیز اسی اصول میں حضرت بانی نے زیادہ ترغریبوں کے چندے کی طرف توجہ دلا کر درحقیقت رابطۂ عوام کی بنیاد ڈالی ہے تاکہ یہ ادارہ غریبوں کا رہے اور عوامی کہلائے، سرکاری یا جاگیر دارانہ نہ ہو، اسی لئے یہاں کے فضلاء میں یہ اثرات الحمدللہ موجود ہیں، طلباء، اساتذہ اور منتظمین میں سادگی، کفایت شعاری اور تھوڑے پر قناعت کے جذبات پرورش پائے ہوئے ہیں، جس سے ان میں ہوسناکی اور حرص وہوا کے جذبات جمع نہیں ہونے پاتے، اس ادارے کی سب سے بڑی خصوصیت اور اساس وبنیاد علم واخلاق ہے جس کی تکمیل کے لئے یہ ادارہ قائم ہوا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی قوم کی برتری یا ترقی کا راس المال درحقیقت نہ سرمایہ ہے نہ رسمی تنظیم بلکہ کردار واخلاق اور علم صحیح ہے۔ اس لئے یہاں کے بزرگوں کی تمام تر توجہ طلباء کے علم واخلاق کی درستگی، معاشرت کی سادگی، کردار کی بلندی اور آخرت کے یقین پر مبنی ہے"۔

دارالعلوم حکومت کی نظر میں: مرکزی حکومت ہند کی جانب سے شائع کردہ ایک کتابچہ، جس کا عنوان ہے "ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی ادارے" اس میں دارالعلوم دیوبند کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:۔

"ہندوستان میں ایک ایسی یونیورسٹی بھی ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے بے مثال اور منفرد ہے، دہلی سے کوئی سو میل کے فاصلے پر دیوبند کے خوبصورت شہر میں اسلامی تعلیم کی یہ ممتاز درسگاہ واقع ہے، اس کی بنیاد گزشتہ صدی کے اواخر میں پڑی تھی، یہ ادارہ

عباسیوں کے عہد کے بغداد کی پرانی یونیورسٹی کی یاد دلاتا ہے، کیونکہ یہ طرزِ تعمیر کے لحاظ سے لے کر معمولات تک میں اسی کی طرح پر ہے۔

دارالعلوم دیوبند دنیا کے مشہور اسلامی اداروں میں سے ہے، تقریباً نوے سال (۱) پہلے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسلامی تہذیب کے مطالعے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی تھی، ابتداء میں یہ ادارہ ایک چھوٹے سے مکتب کی حیثیت سے شروع ہوا تھا، پھر آگے چل کر مولانا محمود حسنؒ کی کوششوں سے بڑھا جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہو کر بڑے مرتبے کو پہنچے وہ بڑے باہمت اور غیر ملکی حکومت کے کٹر دشمن تھے، انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت کی، جس کے سبب سے انہیں زندگی کا بقیہ حصہ جیل اور جلاوطنی میں گذارنا پڑا۔

اس دارالعلوم میں جن مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے، ان میں تفسیر حدیث، اسلامی قانون، فلسفہ قانون، اصول فقہ، علم الکلام، فلسفہ، ادب، علم نجوم، طب، ریاضی، تاریخ اور دوسرے متعدد مضامین شامل ہیں، مگر حدیث و تفسیر کی تعلیم کو یہاں خاص اہمیت حاصل ہے، اس کی بناء پر پورے مشرق میں یہ اپنی شہرت رکھتا ہے۔

یہاں طلباء سے فیس نہیں لی جاتی، بلکہ کتابیں رہائش اور خوراک کے اخراجات بھی دارالعلوم کے ذمے ہیں، یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے، اور ہر سال مختلف مالک کے طلباء یہاں داخلہ لیتے ہیں۔

یہاں کی لائبریری میں تقریباً دس (۲) ہزار عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں ہیں، جن میں نایاب قلمی نسخے اور تاریخی دستاویزیں شامل ہیں (۳)۔

۱۹۶۹-۱۹۶۸ء ایک افسوس ناک واقعہ: اس سال دارالعلوم میں مجلسِ مشاورت کے ایک جلسے کے موقع پر ایک بہت ہی افسوس ناک واقعہ پیش آیا، مجلس مشاورت کا یہ جلسہ شہر میں منعقد ہوا تھا۔ جلسے میں دارالعلوم کے طلباء بھی پہنچ گئے، دورانِ جلسہ میں طلباء اور اہلِ جلسہ کے مابین کشیدگی رونما ہو گئی جس نے بہت جلد ہنگامہ، مارپیٹ اور پتھراؤ کی صورت اختیار کرلی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جلسہ منتشر ہو گیا، جلسہ گاہ درہم برہم ہو گئی۔ طلباء نے جلسے سے واپس آکر دارالعلوم میں ان لوگوں کے خلاف زبردست ہنگامہ کھڑا کر دیا جن کا جلسے سے تعلق تھا، یہ صورتِ حال اس لئے اور زیادہ سنگین بن گئی کہ مجلس مشاورت کے قائدین میں بعض حضرات دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے، اہتمام نے حضرات اساتذہ کے تعاون سے بڑی مشکلات کے بعد شورش پر قابو حاصل کیا، ایسے سنگین حالات کے پیشِ نظر مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا، مجلس نے صورتِ حال کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا کہ دارالعلوم ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد جماعتی کش مکش سے علیحدہ رہ کر اسلاف کے طرز پر طلباء کو تعلیم و تربیت دینا ہے۔ طلبائے دارالعلوم کا اولین اور اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ دارالعلوم کے مقصد کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھیں اور اپنی زندگی کو اسی مقصد کے تحت ڈھالیں اور کوئی ایسا قدم ہرگز نہ اٹھائیں جو دارالعلوم کے مقصد کے خلاف ہو۔

---

(۱) دارالعلوم دیوبند محرم ۱۲۸۳ھ مطابق مئی ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا، اس لئے قمری حساب سے سال رواں ۱۳۹۶ھ میں اس پر ۱۱۴ سال کی مدت گزر چکی ہے، شمسی حساب سے یہ مدت ۱۱۱ سال ہوتی ہے۔ (۲) دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں کتابوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ (۳) ماخوذ از اسلامک انسٹی ٹیوشن ان انڈیا۔ سید محبوب رضوی۔

اس موقع پر کچھ لوگوں نے طلباء کی آڑ لے کر دارالعلوم کے نظم میں مداخلت کرنے کی کوشش کی بعض اخبارات بھی ان کے ہمنوا ہوگئے، مگر عام طور پر پریس نے دارالعلوم کی حمایت کی اور جب دارالعلوم کی جانب سے ملک کے سامنے واضح طور پر صورتِ حال پیش کی گئی، تو فسادی عناصر کا سارا تانا بانا پادر ہوا ثابت ہوا۔

کتب خانہ کا جدید ہال: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں دارالعلوم کی عمارتوں میں کتب خانہ کی توسیع کے لئے ایک جدید ہال اور دو کمروں کا اضافہ ہوا۔ یہ ہال عربی زبان کی کتابوں کے لئے مخصوص ہے، ہال سے ملحق ایک کمرے میں اکابر اور علمائے دارالعلوم کی تصانیف کو یکجا کر کے مصنف وار رکھا گیا ہے۔

علمائے دیوبند کی تصانیف: تصانیف کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع کیا گیا ہے، جن مصنفین کی تصانیف اس کمرے میں جمع ہیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:-

شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اہل اللہ، شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، شاہ محمد اسحاق، مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا احمد علی سہارنپوری، حاجی امداداللہ مہاجر مکی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا خلیل احمد انبہٹوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حافظ محمد احمد مہتمم پنجم دارالعلوم، مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا رحیم اللہ بجنوری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا منصور انصاری، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی، مولانا مفتی محمد سہول بہاری، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد السمیع دیوبندی، مولانا اعزاز علی امروہی، مولانا فخر الدین احمد، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی، مولانا محمد طاہر قاسمی رحمہم اللہ۔

مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا منت اللہ رحمانی، ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا انوار الحسن شیر کوٹی وغیرہم زیدت معالیہم فی الدارین۔

مصر، شام اور اُردن کے لئے امداد: عالم اسلامی میں جب بھی کوئی الم ناک واقعہ پیش آیا اس پر دارالعلوم کی جانب سے ہمیشہ اظہار ہمدردی کیا گیا اس کی کچھ تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء میں بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ملتِ اسلامیہ کا ایک ایسا عظیم ترین حادثہ تھا جس سے پورا عالمِ اسلامی متاثر تھا، بالعموم دنیائے اسلام نے مظلوم عربوں کی امداد و اعانت میں حصہ لیا تھا، دارالعلوم نے بھی اپنی سابقہ روایت کے تحت اس موقع پر عربوں کی حمایت کے لئے اپنا دستِ تعاون بڑھایا، اس کے لئے ملک سے اپیل کی اور ایک خطیر رقم فراہم کر کے مصر، شام اور اُردن کی حکومتوں کو پیش کی گئی۔ دارالعلوم میں چندے کی فراہمی کے لئے ایک دفتر قائم کیا گیا جس میں دارالعلوم کے کارکنوں نے بڑے جوش و خروش سے بلامعاوضہ اپنی خدمات پیش کیں، اس دفتر کی ذمہ داری راقم سطور کے سپرد تھی۔

مسجدِ اقصیٰ کی المناک آتش زنی پر دارالعلوم کے ایک منعقدہ جلسے کی طرف سے اس موقع پر حکومتِ اُردن کو جو قرار داد روانہ کی گئی تھی اس میں اسرائیل کی مذمت کرتے ہوئے عربوں کو اپنے تعاون کا یقین دلایا گیا تھا، اس کے جواب میں حکومتِ اُردن کی جانب سے درجِ ذیل جواب موصول ہوا:۔

"ہمیں آپ کی قرار داد موصول ہوئی جو آپ کی پُرجوش جماعت دارالعلوم دیوبند نے عربوں کی حمایت اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے سلسلے میں بھیجی ہے، ہم آپ کی اس ہمدردانہ حمایت کے لئے صمیم قلب سے آپ کے شکر گزار ہیں۔

حضرت علامہ بلیاوی کی وفات: ۱۳۸۷ھ کے رمضان المبارک میں حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صدر المدرسین کی وفات دارالعلوم کے لئے ایک بڑا سانحہ تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے دارالعلوم کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ وابستہ تھی۔ حضرت علامہ اکابر کی یادگار، قدیم روایات کے حامل اور بزرگوں کی دینی روش کے امین تھے، وہ ایک جیّد عالم اور بے نظیر استاذ تھے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ دارالعلوم کی تدریسی خدمات انجام دیں، اور ایک عرصے تک تدریس کے ساتھ صدارت اور نظامتِ تعلیمات کے فرائض بھی نہایت عمدگی سے انجام دیئے، تفسیر وحدیث کے علاوہ عقائد و کلام اور منطق وفلسفہ میں جو کمال انہیں حاصل تھا وہ علمی حلقوں میں آپ اپنی مثال تھا، ان کی زندگی نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ عموماً علماء کے لئے بھی روشنی کا ایک مینار تھی، ان کے تلامذہ جن کی تعداد کا احصار کرنا مشکل ہے، ہندو بیرونِ ہند بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا درس طلبہ کے لئے بڑا گراں قدر سرمایہ ہوتا تھا، طویل مدّت کی علالت کے بعد انہوں نے رمضان کے مبارک مہینے میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، قبرستان قاسمی ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔

۸۸-۱۳۸۹ھ/۷۰-۱۹۶۹ء دارالعلوم کا عام الحزن: حضرتؒ علامہ کی وفات نے دارالعلوم میں وفیات کا گویا دروازہ کھول دیا، ابھی ان کا غم غلط نہیں ہوا تھا کہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء میں دارالعلوم کے ایک قدیم استاد مولانا محمد جلیل صاحب نے انتقال فرمایا۔ ابھی ان کا غم ہلکا نہیں ہوا تھا کہ ایک ہی ماہ کے بعد دارالعلوم کے نائب مہتمم اور بزرگوں کی روایات اورعادات واطوار کے حامل مولانا سیّد محمد مبارک علی صاحب بھی ۴، جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء کی شب میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے، دونوں بزرگ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ اور خدّام میں سے تھے، کم وبیش چالیس سال سے زیادہ دارالعلوم کی خدمات انجام دیں اور تادمِ واپسیں اسی پرانی روش پر قائم رہے۔

ان دونوں بزرگوں کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ مولانا حمید الدین صاحب رُکن مجلس شوریٰ ۲۴، شعبان ۱۳۸۸ھ کو مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے دہلی سے تشریف لاتے ہوئے مظفر نگر کے قریب کار کے حادثے میں جان بحق ہوگئے، مولانا فہم وفراست اور دارالعلوم کی روایات اور اقدار کے تحفظ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، دارالعلوم اور اس کے کاموں کے ساتھ بڑا شغف تھا۔

یہی صدمات کیا کم تھے کہ ۱۴، شوال ۱۳۸۸ھ کو مولانا محمود احمد صاحب نانوتوی، مفتی اُجین بھی واصل بحق ہوگئے۔ مولانا اپنی سادگی، صاف دلی اور ٹھوس علمی استعداد کے لحاظ سے بڑی عظمتوں کے حامل تھے، مدھیہ پردیش میں ان کا وجود علم وہدایت کا ایک مرکز تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور بزرگانِ دارالعلوم کے آثار کے امین تھے۔

اس صدمۂ جانکاہ کو ایک عشرہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ۲۴، شوال ۱۳۸۸ھ کو دارالعلوم کے صدر القراء مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب بھی ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ مرحوم نے بھی کم وبیش دارالعلوم میں ۴۰ سال فن قرأت کی خدمات انجام دیں اور ہزاروں شاگرد اور مجوّد تیار کئے جو ہندوپاک میں پھیلے ہوئے ہیں اور مسندِ علم تجوید وقرأت کی رونق بنے ہوئے ہیں۔

۱۳۸۹ھ۔۱۹۷۰ء کی اسٹرائک: ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ میں طلباء نے جو اسٹرائک کی وہ دارالعلوم میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا، اگرچہ اس میں دارالعلوم کے سب طلباء شامل نہ تھے، مگر اسٹرائکی طلباء نے اس موقع پر جو مذموم طریقے اختیار کئے اس کے سبب سے طلباء کی وہ جماعت جو شریک اسٹرائک نہ تھی (حالاں کہ وہ تعداد کے لحاظ سے اسٹرائکی طلبہ سے بہت زیادہ تھی) بالکل بے بس اور مجبور ہوگئی اس لئے اسٹرائکی طلباء جو چاہتے وہ کر گزرتے، نوعمری کا جوش اور عقل وشعور کی ناپختگی اور اس کے ساتھ خارجی دواعی کے تحت ایسے مواقع پر آدمی جو کچھ بھی کر گزرے وہ کم ہے۔ اسٹرائک کے وقت حالات جس رُخ پر جارہے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تعلیمی مقاطعہ صرف مطالبات کے لئے نہیں بلکہ یہ دارالعلوم کے لئے تخریب کاری کی کوئی منظم مہم اور سازش ہے جو دارالعلوم کو تباہ اور برباد کرنے پر آمادہ ہے اور جس کی قیادت بیرونی عناصر کے ہاتھوں میں ہے اور وہ طلباء کو آلۂ کار کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اس مرتبہ اسٹرائکی طلباء نے صرف تعلیمی مقاطعے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ پہلے درس گاہوں کی کنجیوں پر قبضہ کیا اور پھر دارالعلوم کے تمام دروازوں کو اندر سے بند کرکے ان میں قفل لگادیئے، اور اس طرح سے دارالعلوم پر مکمل اسٹرائکی طلباء کا قبضہ ہوگیا، تمام درس گاہیں، دارالعلوم کے جملہ دفاتر، کتب خانہ، حتیٰ کہ دارالاہتمام اور خزانہ سب طلباء کی گرفت میں آگئے۔

تخریب کاری کی یہ سازش اتنی مضبوط اور منظم تھی کہ جس کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہونے لگا کہ دارالعلوم کی بقاء خطرہ میں پڑگئی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم نے اربابِ انتظام کی دست گیری فرمائی، اہتمام اور مجلس شوریٰ کے کمالِ تدبّر اور دور اندیشی نے چند ہی دنوں میں نہایت خوش اسلوبی سے تخریب کاری کی اس مہم پر قابو پالیا، شورش پسند طلباء کا اخراج کردیا گیا، حالات کو رُوبراہ لانے کے لئے کچھ دنوں کے واسطے دارالعلوم کو بند کردیا گیا، اور طلباء کو ان کے وطن بھیج دیا گیا۔

یہ ایسی زبردست سازش تھی کہ اگر خدانخواستہ کامیاب ہوجاتی تو دارالعلوم کا سفینہ اس گردابِ بلا میں پھنس کر غرق ہونے کے کنارے آلگا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی دارالعلوم سے کام لینا ہے، رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت!

مغربی ممالک کے ریسرچ اسکالر: دارالعلوم کا کتب خانہ جو ایک عظیم الشان علمی ذخیرہ ہے اور اپنے نوادرات ومخطوطات اور بہترین ذخیرہ کتب کے لحاظ سے اہلِ علم کے لئے ایک سرمایۂ خاص اور ہمیشہ باعثِ کشش رہا ہے، چند سالوں سے اس کی افادیت کا دائرہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے، اس دور کے ریسرچ اسکالر اور تحقیقی کام کرنے والے کتب خانۂ دارالعلوم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں۔ متعدد محققین نے یہاں آکر کتب خانے کے علمی ذخائر سے فائدہ اٹھایا اور بعض لوگوں نے خط وکتابت کے ذریعے سے استفادہ کیا، ہندوستان کے مختلف حصوں سے آنے والوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے ریسرچ اسکالر بھی اپنے تحقیقی کام کی تکمیل کے لئے کتب خانہ دارالعلوم سے استفادہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ لندن یونیورسٹی سے پروفیسر بارڈی امریکہ سے مسز گیلی گراہم، جرمنی سے مس کیرین ڈیٹ

میرا اور کیلی فورنیا سے مسز مٹکاف اپنے تحقیقی مقالے کی تیاری کے سلسلے میں دیوبند آئیں اور کتب خانہ دار العلوم سے استفادہ کیا، جرمن طالبہ کی تحقیق کا موضوع تھا "ہندوستان کی سیاست میں مسلمانوں کا حصہ" جرمن طالبہ نے بتایا کہ "مجھے دار العلوم میں توقع سے زیادہ مواد ملا، مجھے امید نہیں تھی کہ میرے تحقیقی مقالے کے متعلق یہاں کی لائبریری میں اتنا زیادہ مواد مل سکے گا" (۱)۔

امریکن خاتون مسز گیلی گراہم کا موضوع مسئلہ خلافت تھا، انہوں نے حضرت مہتمم صاحب سے اس مسئلے میں استفادہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں اولاً کچھ سوالات مرتب کرلیں انہی کے ذریعے سے معلومات کا راستہ کھل سکے گا، اس پر انہوں نے ۳۱ سوالات کی ایک فہرست دی۔ حضرت مہتمم صاحب نے اپنے دولت خانہ پر چند حضرات اساتذہ کو دعوت دے کر بلالیا تھا تاکہ مسز گراہم کو تحقیقی جوابات دیئے جاسکیں، اس اجتماع کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے سوالات کی فہرست ہاتھ میں لے کر مسز گیلی گراہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سوالات کے نمبروار جوابات تو بعد میں یہ حضرات دیں گے میں اجمالاً اس مسئلہ کی بنیاد اور اس کی تصریحات کے بارے میں ابتداءً کچھ عرض کئے دیتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے ایک مفصّل تقریر فرمائی جس میں خلافت کی حقیقت اس کے تاریخی دور اور اس کے تغیرات اور آثار مابعد پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ یہ تقریر تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی جو ان سوالات سے متعلق جامع معلومات پر مشتمل تھی اور فرمایا کہ اب یہ اساتذہ موجود ہیں آپ ایک ایک سوال کرتی رہیں اور یہ جوابات دیتے رہیں گے۔ مسز گراہم جو تقریر نوٹ کرتی رہی تھیں انہوں نے کہا کہ "مجھے میرے سارے سوالات کے تشفی بخش جوابات مل گئے اور اب کسی سوال کی مجھے ضرورت باقی نہیں رہی۔

عرب ممالک کے زائرین کے تاثرات: رجب ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء میں عرب ملکوں میں سے مراکش، الجزائر اور شرقِ اُردن کے چند حضرات دار العلوم میں تشریف لائے، دار العلوم کو دیکھ کر یہ لوگ بہت متاثر ہوئے اور اپنے مشاہدات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:۔

"خداوند قدوس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ہندوستان آنے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم ہندوستان کا سفر کرتے ہوئے اس جوش وخروش اور دینی جذبات کو محسوس کررہے تھے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب میں موجزن تھے، ہم جب اپنی ان مشکلات اور تکالیف راہ کا جو ہمیں ایسے اسفار میں پیش آتی ہیں، صحابہ کرام کی مجاہدانہ زندگانی سے موازنہ کرتے ہیں تو ہماری یہ ساری جدوجہد ایک حقیر شئے نظر آتی ہے، ہم نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کو گھوم پھر کر دیکھا، یہاں مسلمان باشندے بفضل اللہ سنّتِ نبوی ﷺ کو اپنی زندگی میں خاص مقام دیتے ہیں۔ ان کی مستورات پردے کی پابند اور مذہبی اجتماعات اور مواعظ و نصائح سننے کی شوقین ہیں، یہاں کے دینی ادارے بھی خصوصیات کے حامل ہیں، جو اپنی خاص وضع پر چل رہے ہیں، ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ہندوستان کے رسم ورواج پر اسلامی تعلیمات کے اثرات دُور رس ہیں، اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں اطرافِ عالم سے لوگ آتے رہتے ہیں اسلامی تعلیمات مرکزِ توجہات ہیں۔ ہم دار العلوم کے اربابِ انتظام کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں دار العلوم سے واقف کرایا اور ہماری گزارشات کو غور وشوق سے سنا، مزید یہ کرم فرمایا کہ ہم کتاب معائنہ میں اپنی رائے کا اظہار بھی کریں۔ **فجزا ہم اللہ خیرا۔**

ہم خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس دار العلوم کو مزید ترقی و کامرانی عطا فرمائے، اور اس کے رجال کار، مدرسین اور طلباء کو ان کے مقاصدِ حسنہ میں فائز المرام بنائے۔

---

(۱) رسالہ دار العلوم بابت ماہ فروری، ۱۹۷۰ء ص ۴۶، روداد عمل، ۱۳۸۹ھ ص ۵۔

مسجد چھتہ: آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم کا آغاز چھتے کی ایک قدیم مسجد سے ہوا تھا اس مسجد کے شمال اور جنوب میں متعدد حجرے تھے، جنوبی حجروں میں حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا قیام رہتا تھا اور شمالی حجرہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی قیام گاہ تھا۔ شمالی حجرہ بہت بوسیدہ ہوچکا تھا، ۱۳۸۹ھ میں اسے ازسرِ نو تعمیر کرایا گیا، اور ایک وسیع کمرہ میں اس تاریخی جگہ کو محفوظ کردیا گیا، کمرے کے سامنے ایک وسیع برآمدہ بنادیا گیا ہے، اس عمارت کی تعمیر کی سعادت خورجہ (بلند شہر) کے ایک ریٹائرڈ فوجی افسر اور ہمارے محترم جناب میجر احمد سعید خاں صاحب کے حصے میں آئی، اللہ تعالیٰ میجر صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی توجہ سے یہ تاریخی مقام ایک بڑی مدت کے لئے محفوظ ہوگیا ہے۔

۱۳۹۰ھ نصاب تعلیم میں تبدیلی: دارالعلوم میں نصابِ تعلیم میں نظرِ ثانی کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی اور یہ مسئلہ مجلسِ شوریٰ کے زیرِ غور تھا، جس کے نتیجے میں حسبِ ذیل تبدیلیاں نصاب میں کی گئیں:۔

(۱) نصابِ تعلیم میں درجہ بندی کو لازم قرار دیا گیا، اس سے قبل جماعت بندی کے بجائے کتاب وار طریقِ تعلیم جاری تھا۔

(۲) نصابِ تعلیم میں کچھ کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

(۳) درجاتِ تکمیل کے سلسلے میں تکمیلِ تفسیر، تکمیلِ دینیات، تکمیل معقولات اور تکمیلِ ادب کا اجراء کیا گیا۔ نصابِ تعلیم کی تفصیلات "نصابِ تعلیم" کے عنوان میں پیش ہوں گی۔

دارالعلوم کا بیرونی ملکوں سے رابطہ: موجودہ دور میں آمدورفت میں سہولت کے ذرائع نے صدیوں پہلے کے طویل ترین فاصلے ختم کردیئے ہیں۔ ان حالات میں ایک ملک دوسرے ملکوں سے بے گانہ نہیں رہ سکتا۔ عربی مجلہ "دعوۃ الحق" اسی رابطے کے قیام کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ مجلہ جن ممالک میں پہنچ کر دارالعلوم کی علمی اور دینی خدمات کے تعارف کا ذریعہ ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

پاکستان، سعودی عرب، جمہوریہ مصر، کویت، شام، لبنان، لیبیا، عراق، شرقِ اُردن، سوڈان، مراکش، تیونس، یمن، الخلیج العربی، نائیجیریا، الجزائر، ایران، انڈونیشیا، ترکی، تاشقند، حبش، امریکہ، جرمن، ڈنمارک، سیلون۔ اس وقت دعوۃ الحق کے بجائے پندرہ روزہ "الداعی" شائع ہورہا ہے۔

۱۳۹۱ھ ۱۹۷۲ء جدید تعمیرات: اس سال میں دارالعلوم کی عمارتوں میں جو اضافہ ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ دارالشفاء جامعہ طبیہ کی نامکمل عمارت مکمل ہوگئی۔ یہ عمارت دارالعلوم کے احاطے سے باہر جانبِ شمال مغرب تعمیر کی گئی ہے۔ دارالشفاء کی یہ عمارت دو بڑے ہال، چار کمروں اور برآمدوں پر مشتمل ہے۔ ایک وارڈ من جانب وقف کرنال اور ایک وارڈ جناب حافظ ارشاد الٰہی صاحب آگرہ اور چند دوسرے معطیان کی طرف سے تیار ہوا ہے۔ دارالشفاء کے شمال میں افریقی طلباء کے دارالاقامہ کا بڑا حصہ "افریقی بلڈنگ" کے نام سے تیار ہوا جس میں ۱۱ وسیع کمرے ہیں۔ دارالاقامہ جدید کے کچھ کمروں میں تعمیری تغیر کرکے ان کو غلے کا گودام بنایا گیا، یہ گودام غلے کی حفاظت کے لئے تحفظ کے جدید ترین طریقے کے مطابق بنایا گیا ہے، اس میں دارالعلوم کی سال بھر کی ضرورت کا چھ ہزار من غلہ اسٹاک کیا جاتا ہے۔

دار العلوم کی خدمات سے تاریخ روشن ہے: اس سال کے حالات میں نامناسب نہ ہوگا اگر آل انڈیا زرعی کمیشن کے ایک ممبر چودھری رندھیر سنگھ کے ان تاثرات کا اظہار بھی کر دیا جائے جو موصوف نے دار العلوم کو دیکھ کر جلسۂ عام میں کئے۔ چودھری صاحب نے فرمایا:-

"یہ ادارہ ایک ایسا کارخانہ ہے جس کی زیارت اور جس میں حاضری بہت بڑی سعادت ہے، ایک دیرینہ تمنا کی تکمیل پر آج مجھے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے، میں آپ کی برادری اور خاندان کے ایک فرد کی طرح یہاں آیا ہوں اور آپ سے بہت ہی پُرخلوص اور صاف لفظوں میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بحیثیت مسلمان اس ملک کے ایک اہم فرقے کے افراد ہیں، آپ کو فرقہ پرستوں کی تنگ نظریوں سے پریشان یا متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں کا اس ملک پر بڑا احسان ہے، تہذیب و تمدن اور اخلاق و کردار بنانے اور سنوارنے میں مسلمانوں نے قابلِ فخر خدمات انجام دی ہیں اور ہم اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کے نام پر اور اسلام کی سچی روشنی پھیلانے والے لوگ اور ادارے موجود ہیں"۔

چودھری صاحب نے پُرزور انداز میں کہا کہ "یہ ملک آپ کا ہے، مسلمان اس ملک کے معزز شہری ہیں، ان کی خدمات سے اس دیش کی تاریخ روشن ہے، اس قسم کے روحانی اور اخلاقی ادارے ہندوستان کا سر اونچا کرنے میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں" (۱)۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفرِ یورپ: اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مہتمم صاحب کا سفرِ یورپ بھی لائقِ ذکر ہے۔ حضرت ممدوح نے انگلستان، فرانس اور مغربی جرمنی کا سفر فرمایا یہ سفر ۱۴، جمادی الآخر ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء سے شروع ہو کر ۱۵، شعبان ۱۳۹۱ھ کو ختم ہوا۔ انگلستان کے تمام بڑے بڑے شہروں گلوسٹر بریڈ فورڈ باٹلے، بلیک برن، برسٹن، بولٹن، شیفلڈ، کونٹری، برمنگھم، راچڈیل، والسول وغیرہ میں جانا ہوا، خاص لندن میں متعدد اجتماعات میں تقریریں ہوئیں، ایک تقریر بریڈ فورڈ یونیورسٹی میں ہوئی۔ یونیورسٹی کے طلباء کی خواہش تھی کہ یہاں ایک ایسی تقریر کی ضرورت ہے جو یورپ کے ملحدانہ خیالات اور غیر خدائی نظام پر اثر انداز ہو سکے، حضرت ممدوح کی تقریریں وجودِ صانع، توحید الٰہی، ضرورتِ رسالت، شریعتِ اسلام کے بنیادی مقاصد، مبداء و معاد وغیرہ مضامین پر مشتمل تھیں، تقریر کے بعد طلباء نے بتایا کہ "دورانِ تقریر میں ہمارے ان تمام شبہات کا ازالہ ہوتا رہا جو یہاں کے مغربی ماحول نے ہمارے ذہنوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ٹھنڈے پانی سے ہمارے دلوں کو دھویا جارہا ہے"۔

۲۲، ستمبر ۱۹۷۱ء تک انگلستان میں قیام رہا، وہاں سے واپسی میں پیرس جانا ہوا، پیرس میں عرب بڑی تعداد میں آباد ہیں، ہوائی اڈے پر عربوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ استقبال کیا، وہاں کے دو جلسوں میں عربی میں تقریریں ہوئیں، جن کا عربوں پر اچھا اثر پڑا۔ پیرس سے مغربی جرمنی کا سفر ہوا، اور وہاں سے مکہ مکرمہ میں حاضری ہوئی، عمرہ اور روضۂ اقدس حضرت رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو کر کویت میں مختصر قیام کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی۔

مغربی ممالک کے اس دورے کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے یہ تاثر ظاہر فرمایا کہ "یورپ کے لوگ اس وقت سکونِ قلب کے

---

(۱) روداد عمل ۱۳۹۱ھ، ص ۴، ۵۔ (۲) احقر انہی دنوں برطانیہ گیا تو حضرت قاری صاحب کا پتہ لگا لیکن زیادہ معلومات نہ ہونے کی بناء پر لندن کو برمنگھم سے جاتے ہوئے واپس ہوا کہ اسی رات حضرت کی واپسی تھی۔ (ارشد)

طلب گار ہیں، سائنس نے وہاں کے رہنے والوں کو روحانیت سے بالکل محروم کردیا ہے، وہ لوگ تشنہ لب ہیں، وہاں ایسے علماء و مبلغین کی سخت ضرورت ہے جو انگریزی زبان پر پوری قدرت رکھنے کے ساتھ اسلامی علوم کے بنیادی اصول وہاں کے لوگوں کو بصیرت اور تفقہ کے ساتھ سمجھا سکیں، اور استغناء کے ساتھ ان میں کچھ عرصہ گزاریں، یورپ کے حالات پر حضرت مہتمم صاحب کا ایک مفصل مکتوب متعدد اخبارات میں شائع ہوچکا ہے اور بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس میں اعتدال کے ساتھ وہاں کے محاسن اور معائب کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۹۲ھ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جدوجہد: دارالعلوم دیوبند کی سابقہ تاریخ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دائرہ عمل محض تعلیمی میدان ہی تک محدود نہیں رہا ہے، چونکہ اسلام دینی و دنیوی زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس لئے اس نے نہ صرف آخرت کے لئے بلکہ دنیوی زندگی کے لئے بھی ایک مستقل نظامِ عمل دیا ہے، اسلام اپنے احکام کی معقولیت و منقولیت روحانیت و مادیت، انفرادیت، واجتماعیت، عبادت و معاشرت اور رابطۂ انسانی اور علائق ربانی کا وہ حسین امتزاج ہے جو انسانی عقل کی صحت مند روایات کے ساتھ ساتھ قلوب کو حجت و برہان سے مطمئن کر کے دعوت قبول دیتا ہے، اس لئے مسلمانوں کا تعلق اسلام سے فطری طور پر قوی رہا ہے، چنانچہ جب بھی اسلام یا مسلمانوں پر حملہ ہوا یا مسلمانوں کو کوئی دینی یا سیاسی ضرورت پیش آئی تو دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے حتی الامکان اس کے پورا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، چنانچہ اکابرِ دارالعلوم کو جونہی یہ معلوم ہوا کہ حکومتِ ہند مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کرنا چاہتی ہے تو اکابرِ دارالعلوم نے اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی، اس سے قبل ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں وزیر ہند کی ہندوستان میں آمد کے سلسلے میں ملک کے انتظام میں کچھ تغیرات متوقع تھے۔ اس وقت بھی علمائے دیوبند نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کو سامنے رکھ کر خود اس مسئلے پر میمورنڈم تیار کیا جو دس دفعات پر مشتمل تھا، نومبر ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سربراہی میں ایک مؤقر وفد دہلی پہنچ کر وزیرِ ہند سے ملا، اور میمورنڈم پیش کیا جس میں صفائی سے ظاہر کردیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے، جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، ایسا قانون ہمارے لئے ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگا۔

اس میمورنڈم میں دو بنیادی مطالبے تھے ایک یہ کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے اجراء کے لئے محکمۂ قضاء قائم کیا جائے، چونکہ شرعی اصول پر بہت سے مسائل کی تنفیذ کے لئے مسلم حاکم شرط ہے، اس لئے قاضیوں کا انتخاب و تقرر اہلِ سنت والجماعت سے ہو، اس کونسل میں ہر فرقے کے علماء نمائندے اور ممبر ہوں، اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقے کے اپنے فقہی اصول پر ہو، دوسرا یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں اور دوسرے دینی رفاہِ عام کے تحفظ و نگرانی اور نظم و نسق کے لئے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جائے جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

ان مطالبات پر اس دور کے تقریباً پانچ سو علماء کے توثیقی دستخط حاصل کئے گئے جو اب تک دارالعلوم کے محافظ خانہ میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا، جو مسلم پرسنل لا ہی کا ایک اہم جزو تھا۔ گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے، اس پر وقف کے مسائل کی

تفصیلات مرتب کرائی گئیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قیادت میں وقف بل کے مسودے پر شریعتِ اسلامی کے نقطۂ نظر سے تنقید کرتے ہوئے پیش کردہ اشکالات کا تحریری حل پیش کیا گیا، اور ساتھ ہی ایک تحریر بنام "الانصاف فی قانون الاوقاف" مرتب کی گئی جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے، اس سلسلے میں وقت کے مناسب تمام مساعی عمل میں لائی گئیں۔

پھر برطانوی حکومت ہی کے زمانے میں ساردا ایکٹ کا مسئلہ اٹھا، جو پرسنل لاہی کا ایک مستقل جزو تھا، علمائے دیوبند نے اس پر مضامین لکھے، اور حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے ایک مستقل رسالہ ساردا بل کے بنیادی محرکات اور نکاح کی عمر کے متعلق شرعی قانون میں ترمیم کیے جانے کی تردید کے ساتھ لکھا، جس میں پیش آمدہ اشکالات کا حل بھی پیش کیا گیا تھا (۱)۔

انقلاب ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء سے کچھ قبل علماء دیوبند کی طرف سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب الحیلۃ الناجزہ شائع کرائی، جس میں ظالم خاوندوں سے بے کس اور بے بس عورتوں کی گلوخلاصی کی شرعی صورتیں پیش کی گئیں، اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند میں علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی، جس نے ان ہی شرعی اصولوں کی روشنی میں فیصلے کرکے سیکڑوں عورتوں کو رہائی دلائی اور ان کی مشکلات کا قرارواقعی حل نکالا۔

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کے انقلاب اور تقسیم ملک کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تنسیخ زمینداری کا مسئلہ اٹھا، جس کا اثر اوقاف کی زمینوں پر بھی پڑتا تھا، جو پرسنل لاہی کا بنیادی جزو تھا، اس بارے میں ایک وفد مولانا آزاد سے ملا جس کی قیادت حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے فرمائی پھر دوبارہ یہ ہی وفد لکھنؤ جاکر پنڈت پنتھ وزیرِ اعلیٰ یوپی سے ملا، اور بموجودگی دیگر وزراء یو، پی کونسل کے چیئرمین اوقاف سے اس مسئلے میں بحث و تمحیص کی۔

غرض کہ دارالعلوم نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں الحمدللہ کبھی کوتاہی نہیں کی، عائلی قوانین کے مشترک منصوبے کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے بڑی قوت سے چیلنج کیا گیا، مضامین اور مقالات شائع کئے گئے، دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز عالم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مبسوط رسالہ بنام "ہمارے عائلی مسائل" شائع کیا جس میں معقول انداز سے ان کا شرعی حل پیش کیا گیا۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۶ء میں پرسنل لامیں تغیر تبدّل کا مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھا اور اسلام کے فقہی اور شرعی مسائل کو زمانہ حال کی ضرورت کے لئے ناکافی ظاہر کیا گیا تو اس کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جواب دہی کے لئے حضرات اساتذہ وارباب افتاء دارالعلوم دیوبند کی ایک مسلم پرسنل لا کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ ان مسائل کے سلسلے میں مدلل دفاع کا فریضہ انجام دے، چنانچہ کمیٹی نے خاطر خواہ طریق پر اپنا کام انجام دیا اس سلسلے میں اولاً حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم نے ممتاز فضلاء دیوبند

---

(۱) افسوس کہ اسلامی مملکت پاکستان میں عائلی قوانین صدر محمد ایوب کے زمانے میں نافذ ہوئے جن کی کئی شقیں صراحتاً کتاب وسنت سے متصادم ہیں اور تارہندم چلے آرہے ہیں۔ علماء جمہوریت کے لئے تو لڑتے ہیں لیکن ان قوانین پر خاموش ہیں گو ان دنوں جب یہ نافذ ہوئے تو جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد اور دہلی میں علماء نے متفقہ طور پر ان کو رد کیا اور ایک تحریر شائع کی جس کے آخر وما علینا الا البلاغ المبین۔ دیوبند کے ایک دینی پرچے میں، ایک صاحب نے لکھا کہ پاکستان میں کیا علماء کا کام یہ رہ گیا ہے کہ اگر کوئی غیر شرعی قانون بنے تو یہ آیت پڑھ دی جائے۔ اس سے آگے کوئی قدم نہیں ہے۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں مولانا غلام غوث نے قومی اسمبلی میں مفتی محمود نے تقریریں کیں جو اس کتاب میں شامل ہیں۔ (ارشد)

ایک اجتماع ۱۴، مارچ ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم میں طلب کیا، جس میں ملک کے دوسرے دانشوروں کو بھی دعوت دی گئی، وجہ یہ تھی کہ اس مسئلے کے بارے میں ہر چند حضرات علمائے کرام نے بلاشبہ کافی توجہ فرمائی، مضامین مقالات اور رسائل شائع کئے، لیکن یہ ساری جدوجہد انفرادی اور شخصی طور پر ہوئی۔ ضرورت تھی کہ اجتماعی طور پر اس مسئلے کا شرعی موقف سامنے آئے اسی پر گورنمنٹ بھی توجہ دے سکتی تھی، اس نقطۂ نظر سے حضرت مہتمم صاحب نے اولاً علمائے دیوبند کے منتخب حضرات اور ملک کے دوسرے مشاہیر اہلِ دانش کو دارالعلوم میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ متعدد مقامی اور غیر مقامی مفکرینِ ملت شریک ہوئے، تاکہ پرسنل لا کے بارے میں شرعی موقف متعین کر لیا جائے، اس اجتماع میں بحث و تمحیص کے بعد ایک مشترک بیان اور سوال نامہ مرتب کیا گیا، ساتھ ہی اس اجتماع نے ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کی تجویز منظور کی، اور اس کی تیاری کے لئے اجتماع نے ایک تیاری کمیٹی بنائی جس میں مقامی کمیٹی کے متعدد ممبراراکین شوریٰ، ماہرینِ قانون اور دانشوروں کو بحیثیت رکن تیاری کمیٹی شامل کیا گیا، اس کمیٹی کے کئی اجلاس دارالعلوم میں ہوئے، تیاری کمیٹی کا ایک اجتماع اوائل مئی میں ہوا، جس میں متعلقہ سوال نامہ زیر بحث آیا، جسے طبع کرا کر ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء، مفتیانِ کرام، مفکرین اور دانشوروں کے پاس بھیجا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ جولائی تک جوابات روانہ کر دیے جائیں، ان جوابات پر غور کرنے کے لئے مقامی تیاری کمیٹی کا اجلاس دارالعلوم میں ۲، جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ (۱۴، جولائی ۱۹۷۲ء) کو منعقد ہوا اور اس میں طے کیا گیا کہ ان جوابات پر مزید غور وفکر کرنے اور مجوزہ اجتماع عام کی تاریخیں مقرر کرنے کے لئے تیاری کمیٹی کا اجلاس ۵،۶، رجب ۱۳۹۲ھ (۱۵،۱۶ اگست ۱۹۷۲ء) کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا جائے، چنانچہ مقررہ تاریخوں میں یہ اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، جناب ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب لکھنوی، جناب مولانا عبد القادر صاحب مالیگاؤں، جناب مولانا مجاہد الاسلام صاحب امارتِ شرعیہ بہار جناب مولانا برہان الدین صاحب استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اراکین مسلم پرسنل لا کمیٹی دارالعلوم دیوبند نے شرکت کرکے بحث میں حصہ لیا۔

اس جلسے میں شریک علماء واکابر نے مطبوعہ سوال نامے کے جوابات سننے کے بعد جو دارالعلوم کے اساتذہ اور فضلاء نے مرتب کئے تھے اور جن کے لئے حضرت مہتمم صاحب نے ان کے پاس چند رہنما اصول پہلے ہی سے ارسال کر دیئے تھے سب نے اس پر اظہارِ مسرّت کیا کہ وقت کے ان اہم ترین مسائل پر علماء کے جوابات محققانہ اور عقلی و نقلی دلائل سے مزیّن ہیں، جن سے مسائل زیر بحث میں اسلامی موقف پوری طرح کھل کر سامنے آگیا ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ شریعتِ اسلامی کے ناقابلِ تبدیل اصول ہر دور کے مسائل کا خاطر خواہ حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انسانیت کی فلاح کے ضامن ہیں۔

تیاری کمیٹی کے فیصلے کے مطابق مجوزہ عام اجتماع کی تاریخ اور مقام طے کرنے کے لئے پانچ افراد کے ایک وفد نے (جو حضرت مولانا محمد طیّب صاحب، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، اور مولانا محمد سالم صاحب پر مشتمل تھا) بمبئی کا دورہ کیا، بمبئی کے مخلص اور حوصلہ مند مسلمانوں نے بڑی خوشی اور گرم جوشی سے اس کا ذمہ لیا کہ یہ آل انڈیا کنونشن بمبئی میں منعقد ہو چنانچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کے لئے ۲۰، ۲۱، ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ (۲۷، ۲۸، دسمبر ۱۹۷۲ء) کی تاریخیں

طے ہوگئیں، مقصد کی اہمیت کے پیش نظر یہ مناسب اور مفید سمجھا گیا کہ ہندوستان کے مختلف مکاتیب فکر کے اکابر اور معروف و مسلم تنظیموں کے سر براہوں کی طرف سے مشترکہ دعوت نامہ جاری کیا جائے، چنانچہ ۲۷، ۲۸، دسمبر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء کو یہ عظیم کنونشن اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں نے حصہ لیا۔

مسلمانان ہند کے مختلف مکاتب فکر کے اجتماع اور نمائندگی کے لحاظ سے یہ کنونشن جس قدر غیر معمولی تھا اسی حد تک خدا تعالیٰ نے اسے کامیاب بھی فرمایا، کنونشن کے داعیوں اور مندوبین کی متفقہ رائے سے جن میں سنی، شیعہ، مہدوی، بریلوی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے علاوہ دوسری سیاسی غیر سیاسی جماعتوں کے رہنما موجود تھے، حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کو کنونشن کا صدر منتخب کیا گیا، ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مذہبی مکاتب فکر اور طبقات میں سے کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں رہا جس کے اکابر علماء وزعماء کنونشن کے پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوگئے ہوں اس کنونشن نے اور دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں نے متحدہ آواز کے ساتھ اپنے ریزولیوشن کے ذریعے اعلان کردیا کہ وہ کسی حالت میں بھی مسلم پرسنل لا میں تغیر و تبدل کو گوارہ نہیں کرسکتے، یہ شریعت اسلامی کا ایک حصہ ہے، اس متحدہ آواز کا اثر ملک اور حکومت دونوں پر پڑا اور اس ذریعے سے ہندوستان کے تمام مسلمان وحدت کلمہ کی بنا پر متحدہ ہوگئے، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک بے مثال صورت حال تھی۔

تحریک خلافت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہر مکتب فکر کے مسلمانوں نے متحدہ ہو کر اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا، اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دوسرا عظیم اجتماع حیدرآباد میں منقد ہوا، اس جلسے کی ورکنگ کمیٹی نے آل انڈیا بورڈ کا صدر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اور جزل سیکریٹری حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کو منتخب کیا۔

بمبئی کے کنونشن کا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم و فضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا تھا کہ مسلمانان ہند خواہ ان کا تعلق کسی مکتب فکر سے ہو اپنے پرسنل لا سے نہ کسی ایسے قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں جو پرسنل لا کے کسی ایک شرعی جزئیہ پر بھی اثرانداز ہو، بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن پر ان کے ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی اور قومی امتیاز قائم ہے۔

حوادث: اس سال کے حوادث میں سب سے بڑا حادثہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات کا ہے، ۲۱، صفر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء کو چہار شنبہ و پنجشنبہ کی درمیانی شب میں ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے علوم عمل کا یہ چراغ گل ہوگیا، اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں مقامات رفیعہ عطا فرمائے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کے درس بخاری شریف کو بڑی شہرت حاصل تھی، ان کے درس حدیث میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے درس حدیث کی خصوصیات پائی جاتی تھیں، چنانچہ ان کے زمانے میں دورہ حدیث کے طلباء کی تعداد تین سو کے قریب پہنچ گئی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس جو اب تک مسلسل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کے بلاواسطہ تلامذہ

میں چلی آرہی تھی، حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کی وفات سے خالی ہوگئی، اس حادثے کا غم غلط نہیں ہوا تھا کہ دارالعلوم کے ایک قابل استاد مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی کا اپنے وطن کوپا گنج (ضلع اعظم گڑھ) میں انتقال ہوگیا. مرحوم حضرت محدثِ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں تھے، فراغت کے بعد برابر درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تیسرا حادثہ مولوی عبد الواحد صاحب ناظم محاسبی کے انتقال کا ۴،شوال ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء کو پیش آیا، انہوں نے چالیس سال سے زیادہ دارالعلوم کے شعبۂ محاسبی کی خدمات انجام دیں، حق تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور وہاں کی راحتیں نصیب فرمائے۔

مصری ثقافتی وفد: جناب محمد توفیق صاحب عویضہ کی قیادت میں مصر کا ایک وفد بذریعہ کار دیوبند پہنچا۔ وفد نے دارالعلوم دیوبند کے لئے حکومت جمہوریہ مصر کی جانب سے ایک مطلا قرآن شریف اور قاری محمود البناء کی قرأت کے ۴۴ ریکارڈ کا ایک سیٹ پیش کیا، ان ریکارڈوں میں پورا قرآن شریف محفوظ ہے۔ توفیق صاحب نے دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ علامہ رشید رضا کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ "جس شخص نے دارالعلوم کو نہیں دیکھا اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا"۔

واردین وصادرین: ۷ ستمبر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء کو بذریعہ کار ٹوکیو یونیورسٹی (جاپان) کے اردو پروفیسر تاکیش سوزو اور تاریخ کے پروفیسر مت میوآرا ایک اسکالر خاتون کے ساتھ آئے اساتذہ، طلبہ، کارکنوں اور آمد وصرف کے اعداد وشمار نوٹ کئے، دفتر اہتمام میں اعداد وشمار کے آویزاں متعدد نقشوں کے فوٹو لئے، جن میں سو سال کے صدر مدرس، مہتمم، اساتذہ طلبہ، تعداد فضلاء اور آمد وصرف کے اعداد وشمار دیئے گئے ہیں، یہ تینوں خاصی اردو سمجھ اور بول لیتے تھے، ان لوگوں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی سرپرست دارالعلوم کی تمام تصانیف کے سرورق کے فوٹو لئے۔

زائرینِ حجاز: ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں متعلقین دارالعلوم میں سے مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری بذریعہ ہوائی جہاز حج کے لئے گئے، مولانا موصوف کے علاوہ راقم سطور کو بھی حج بیت اللہ اور روضۂ اقدس آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۳۹۴-۹۳ھ رابطہ عالم اسلامی کے وفود: اس سال میں سعودی عرب سے دو وفد دارالعلوم میں آئے۔ ایک وفد جو رابطہ دارالعلوم میں آیا، سید ابراہیم ثقاف رئیس الوفد تھے، اس کے کچھ عرصے کے بعد دوسرا وفد شعبان کے اوائل میں آیا، اس میں وزارت معارفت کے ڈائریکٹر اور ادارہ مباحثِ علمیہ کے نمائندے شامل تھے، ان حضرات نے دارالعلوم کو دیکھنے کے بعد اسے علم کا روشن مینار، عرفان ومعرفت کا مرجع اور طالبینِ ہدایت کی پناہ گاہ قرار دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ دارالعلوم سے ایسے علماء پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں حدیث کا علم پھیلایا، انہوں نے غلو پسندوں کی تحریف، جاہلوں اور فتنہ پردازوں کی تاویلات اور گمراہی سے دینِ حنیف کو محفوظ رکھا ہے۔

گورنر اُتر پردیش کی آمد: ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء کے اواخر میں اتر پردیش کے گورنر اکبر علی خاں صاحب تشریف لائے، موصوف نے دارالعلوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "یہ اکابرِ دیوبند ہی تھے جنہوں نے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں آزادی کی تڑپ اور جنگِ آزادی میں حصہ لینے کے لئے زبردست جذبات پیدا کئے، ہندو مسلم اتفاق، انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت اور رحمۃ للعالمین ﷺ

کے اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ مقدسہ کی ترویج واشاعت کی وہ مشعل روشن کی جس سے پورے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہوگیا، علم ودانش کا یہ گہوارہ اسلامی تعلیمات کا بین الاقوامی مرکز، جنگ آزادی کا مضبوط قلعہ، یک جہتی کا مرکز اور ہندوستان جیسے ملک کی عظمتوں کا امین ہے"۔

اس موقع پر دیوبند میں بھارت ڈگری کالج کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے گورنر صاحب نے فرمایا کہ! "آج ہم مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند اور سوامی دیو کلیان جی بانی بھارت ڈگری کالج دیوبند کو شانہ بشانہ دیکھ کر بے تکلف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدمت کی لگن اور اخلاص سے جو دل بھرپور ہوتے ہیں ان میں نہ صرف یہ کہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دوسرے کے قدر دان اور قدر شناس بھی ہوتے ہیں، اختلاف وہیں ہوتا ہے جہاں خدمت کی لگن نہ ہو، ہمارا فرض ہے کہ اس موقع پر مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کا شکریہ ادا کریں جو اپنا قیمتی وقت دے کر اخلاص ولگن کے ساتھ ملک اور قوم کی ہمتیں بڑھانے کے لئے یہاں موجود ہیں، اس وقت میں ان دونوں کی یہاں موجودگی ہم سب کو محبت واخلاق سے ایک ہوجانے کا بڑا عظیم سبق دیتی ہے جسے ہمیں اپنے دلوں کی تختیوں پر لکھ لینا چاہیئے، اور اس پر عمل کرنا چاہیئے"۔

دار القضاء کا قیام: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۵ء میں مسلم پرسنل لاء اور قوانینِ شریعت کے تحفظ اور بقا کے لئے عملی طور پر محکمہ قضاء قائم کیا گیا اس کے نتیجے میں اب تک متعدد مقامات پر دار القضاء قائم ہوچکے ہیں، جن میں نکاح وطلاق وغیرہ عائلی مسائل کا شرعی طور پر فیصلہ ہونے لگا ہے۔

۱۳۹۵ھ حضرت مہتمم صاحب کا سفر افریقہ وحجاز اور یورپ: اوائل شعبان ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۶ء میں مشرقی افریقہ کے ملک رے یونین میں سینٹ پیٹر کے مقام پر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ایک عالی شان مسجد کا افتتاح فرمایا، اس مسجد کا سنگِ بنیاد بھی چند سال قبل موصوف ہی نے رکھا تھا، وہاں سے رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر اس کے رسالت المسجد کے اجلاس میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، رابطہ عالم اسلامی کے اس اجلاس کا مقصد یہ تھا کہ دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے کیا ذرائع بروئے کار لائے جائیں، اس اجلاس میں مختلف ملکوں کے ممتاز علماء اور دانش وروں کو دعوت دی گئی تھی، حضرت مہتمم صاحب نے اس عظیم اجتماع میں جو مقالہ پیش کیا اس میں مسجد کی اہمیت اور اس کے افادی پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے، جو ہر مسلمان کے لئے لائق توجہ ہے، اس مقالے کے چند مختصر اقتباس ملاحظہ ہوں۔

"مسجد کے عنوان سے رابطہ عالم اسلامی نے دین کے جن بنیادی مقاصد کے شعور کو بیدار کیا ہے اس پر یہ مبارک باد کا مستحق ہے، رابطہ عالم اسلامی کا یہ اقدام پورے عالم اسلام کے لئے ایک مبارک اقدام ہے، جس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ ہماری دین ودنیا کی تمام مہمات ذکر اللہ اور صلوٰۃ کی روح کے ساتھ انجام پاسکیں گی۔

مسجد ہی انسان کی صلاح وفلاح اور دینی ودنیوی اصلاح کا واحد ذریعہ ہے، جو ذکر وصلوۃ کے راستے سے تمام امور خیر کو انسان کے ضمیر میں پیوست کرکے اسے ایک سچا خدا پرست اور ایک سچا شہری بنادیتی ہے، جس میں عبادت واطاعت، اخوت ومساوات ایثار وہمدردی اور ملنساری کے ساتھ تقدس وبرگزیدگی کے ملے جلے جذبات اُبھر آتے ہیں اور وہ دنیا کے لئے ایک سکون بخش اور راحت دہ انسان بن جاتا ہے۔

مسجد کا تصوّر در حقیقت طہارت، عبادت، عدالت، سماحت، خدمت، دعوت، اخوت، محبّت، مساوات اور اجتماعیت عامہ کا تصور ہے، اور یہی وہ اسلام کے بنیادی مقاصد ہیں جو مسجد کا پیغام کہے جاسکتے ہیں، پس، مسجد اگر مکان ہے تو یہ امورِ خیر اس کے مکین ہیں جن کے لیے یہ مقدس مکان تعمیر کیا گیا ہے، بنا بریں ہمارا شرعی فرض ہوگا کہ ہم مسجد کے لفظ کو کوئی رسم یا اصطلاح نہ سمجھیں بلکہ ان مقاصدِ مہمہ کی تکمیل کا ایک فطری عنوان باور کریں۔

اسلام میں سارے اساسی کاموں کا محلِ آغاز واتمام مسجد ہی رہی ہے، مسجد ہماری عبادت گاہ بھی ہے اور تربیت گاہ بھی، مسجد ہی دعوت گاہ بھی ہے اور مسجد ہی سیاست گاہ بھی ہے جس سے ایک طرف اگر علمائے روزگار نکلتے تھے تو دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کے عساکر بھی روانہ ہوتے تھے، اسمیں اگر درس وتدریس ہوتا تھا تو اسی میں عدالتی فیصلے اور بین الاقوامی معاہدے بھی طے پاتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد اسلام کی شوکت کا آغاز فرماتے ہوئے اولاً مسجد ہی کا سنگِ بنیاد رکھا، بارگاہِ حق میں تخلیقِ عالم کا آغاز مسجدِ حرام سے ہوا اور بارگاہِ رسالت میں تشریع کی شوکت کا آغاز مسجدِ نبوی ﷺ سے ہوا، جس سے مسجد تکوین وتشریع دونوں کا مبدا ثابت ہوتی ہے، مسجد ہمیں پیغام دے رہی ہے کہ ہم عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت، سیاسیات او اجتماعیات کو اس کے ذریعے سے اس رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کریں جو نماز وذکر اور تعلق مع اللہ کا رنگ ہے، "صبغته الله ومن احسن من الله صبغتةً ونحن له عابدون".

بہرحال اس مقدس شہر اور بلدِ امین سے رسالۃ المسجد کی صدا کا اٹھنا اور مساجد یا مقاصدِ مسجد کی تنظیم کا ابھرنا خوش آئند اور اس دور کے مسلمانوں کے لئے نیک فال ہے، بشرطیکہ اس صدا کو اسی حقیقت کے ساتھ آگے بڑھایا گیا جو رسالۃ المسجد کے اس عنوان کا حقیقی موضوع اور اس صدا کا قدرتی مفہوم ہے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کے بھلے دن آجائیں گے، اور ہر ملک کے مسلمان بالخصوص علماء دل وجان سے اس صدا کا خیر مقدم کریں گے، جہاں تک ہندوستان کے علماء اور فضلائے دار العلوم دیوبند کا تعلق ہے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ خیر مقدم ہی نہیں بلکہ اپنا بھرپور تعاون بھی پیش کریں گے۔ وبالله التوفيق".

رسالۃ المسجد کے اس اجتماع میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی اراکین مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند نے بھی شرکت فرمائی۔

مکہ مکرمہ سے حضرت مہتمم صاحب پیرس (فرانس) ہوتے ہوئے مسلمانانِ انگلستان کی دعوت پر لندن تشریف لے گئے، وہاں کے متعدد شہروں کے اجتماعات سے خطاب فرمایا اور انگلستان میں مقیم بہت سے مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کا موقع ملا۔

شیخ الازہر اور دیگر علماء عرب کی آمد: ۱۳۹۵ھ کے اہم واقعات میں شیخ الازہر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود، وکیل الازہر، شیخ عبد الرحمٰن بیطار، مفتیٔ اعظم مصر محمد خاطر اور سابق شیخ الازہر شیخ محمد الفحام تشریف لائے، شیخ الازہر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود نے فرمایا:-

"میں یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کے زُہد وتقویٰ رفعتِ علم اور اخلاص وللّہیت ہی کے یہ آثار ہیں جو اس ادارے میں دیکھے جارہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ فضلائے دار العلوم تمام شہروں اور ملکوں میں کامیابی کے ساتھ مشغول ہیں"۔

شیخ محمد الفحام نے فرمایا:-

"میں ایک زمانے سے دار العلوم دیوبند کی زیارت کا مشتاق تھا، میرا یہ اشتیاق دن بدن بڑھتا رہا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری موت اس وقت تک نہ آئے جب تک میں دار العلوم کی زیارت نہ کرلوں، الحمد للہ میری یہ تمنا پوری ہوئی جس کو میں کبھی بھول نہیں سکتا، میں نے اپنی آنکھ سے جو کچھ یہاں دیکھا وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو میں نے سنا تھا، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دار العلوم دیوبند اور اس کے علماء کو ہر قسم کی توفیق اور ترقی سے نوازے، یہ ادارہ اسلام کے قلعوں میں سے ایک محفوظ قلعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اعانت فرمائے جو اس میں کام کر رہے ہیں تاکہ وہ اسلام کی خوب سے خوب تر خدمت انجام دے سکیں"۔

ان حضرات کے چند روز بعد علمائے عرب کی ایک دوسری جماعت آئی جس میں جناب یوسف السیّد ہاشم رفاعی وزیر حکومتِ کویت، استاذ عبد الرحمٰن مدیر ماہنامہ "البلاغ" کویت اور قطر کے شیخ عبد المعز عبد الستار کے ساتھ تاشقند کے نمائندے شرف الدین محمد دف وغیرہ شامل تھے۔ یوسف السیّد ہاشم الرفاعی نے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"عالمِ اسلام کو اس وقت ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے، یہ چیلنج پہلے تو اسلام کے دشمنوں کی جانب سے تھا وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام اس دور کا ساتھ نہیں دے سکتا لیکن اب یہ چیلنج خود داخلی طور پر مسلمان نوجوانوں کے اندر سے اُبھر رہا ہے، جدید تعلیم یافتہ نوجوان مستشرقین کی کتابیں دیکھتے ہیں، اور تشکیک میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام عصرِ حاضر میں رہنمائی کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ اگر دشمن آپ کے گھر میں ہو تو اس کا مقابلہ دشوار ہوتا ہے، ان نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس کے صحیح خدوخال کے ساتھ جانتے ہی نہیں ہیں، اس فکری چیلنج کے لئے ہمیں علمائے راسخین کی ضرورت ہے، اور علمائے راسخین پیدا کرنے کے لئے دار العلوم دیوبند جیسے ادارے کی ضرورت ہے، اسلام پر اعتراضات کے دفعیہ کے لئے ہم جلیل القدر علماء کے محتاج ہیں، ہمیں حافظ ذہبی اور حافظ ابنِ حجر کے معیار کے علماء کی ضرورت ہے، اور ہمیں فخر ہے کہ الحمد للہ اس درجے کے علماء اس دار العلوم میں موجود ہیں۔

دار العلوم دیوبند اپنے افکار و نظریات میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے کسبِ فیض کرتا رہا ہے، امام غزالی نے اپنے عہد کے مطابق فلسفۂ یونان کی یلغار سے اسلام کو محفوظ رکھا۔ شاہ ولی اللہ نے کفر و شرک کی تردید کے لئے کام کیا، ہمیں بھی اس وقت ان چیزوں پر کام کرنا چاہیئے جو اس دور کی پیداوار ہیں، شیطانی طاقتیں روز نئے حربے استعمال کرتی ہیں، ہمیں اپنے عقائد وافکار کی حفاظت کے لئے ان کے خلاف کام کرنا چاہیئے"۔

شیخ عبد المعز عبد الستار نے فرمایا کہ:-

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس اسلامی قلعے کی زیارت کی توفیق بخشی جسے ہم ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے نام سے یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ دار العلوم دیوبند کو دینِ حنیف کی خدمت اور اسلامی دعوت کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے، ہم اپنے وطن میں برابر دار العلوم کے بارے میں سنتے اور پڑھتے رہتے تھے کہ دار العلوم دیوبند ہندوستان میں دین کی روشنی کا مینار ہے جو اپنی ضیا پاشیوں سے سارے عالمِ اسلام کو منور کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مستقبل کو حال سے زیادہ بہتر بنائے جیسا کہ اس نے حال کو ماضی سے بہتر بنایا ہے!

آخر میں انہوں نے کہا کہ میں سورۂ عصر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت اپنے مندرجات کے لحاظ سے انسانی زندگی کو سنوارنے کے لئے بہت کافی ہے، اس میں ایمان، عمل صالح، حق کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اگر ساری دنیا کے فلسفی اور دانش ور مل کر انسانی زندگی کے لئے پروگرام مرتب کریں تو ان چار چیزوں سے بہتر کوئی اور چیز پیش نہیں کر سکیں گے"۔

وفیات: ۷، شوال ۱۳۹۵ھ کو حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی وفات کا الم ناک حادثہ پیش آیا۔ مولانا مرحوم متبحر عالم ہونے کے ساتھ فقہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے، جمعیۃ علمائے ہند میں ان کی سیاسی اور تصنیفی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی، سیاسی ہنگامہ خیزیوں میں شرکت کے باوجود ان کی خلوت نشینی، درس و تدریس تصنیف و تالیف اور اوراد وظائف کی پابندی کی مثال کم ملتی ہے، برسہا برس دار العلوم کی مجلس شوریٰ و عاملہ کے رکن رہے، ان مجالس کی تجاویز کو بالعموم وہی قلم بند کیا کرتے تھے۔

اواخر ذی الحجہ میں دار العلوم کے شعبۂ کتابت کے استاذ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، مولانا موصوف خط نسخ اور نستعلیق کے باکمال کاتب تھے، فنِ کتابت میں ان کے سیکڑوں شاگرد برِ صغیر میں موجود ہیں۔ مولانا موصوف کو ایک واسطے سے مشہور خطاط منشی ممتاز علی میرٹھی سے تلمذ حاصل تھا۔ حضرت مولانا نانوتویؒ سے آپ کو ایک خاص قلبی نسبت تھی۔ آپ نے مولانا نانوتویؒ کی کئی تصانیف کی تسہیل و تشریح فرمائی، اور دار العلوم ہی کے زیرِ اہتمام ان کی اشاعت کی گئی (۱)۔

صدر جمہوریہٗ ہند کی آمد: ۲۳، ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء کا دن دار العلوم کی تاریخ میں صدر جمہوریہٗ ہند کے دن کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ اسی تاریخ میں ہندوستان کے صدر محترم جناب فخر الدین علی احمد صاحب دار العلوم کی دعوت پر بذریعہ ہیلی کوپٹر تشریف لائے۔ یو۔پی کے گورنر اور وزیرِ اعلیٰ کے علاوہ چند مرکزی اور صوبائی وزراء بھی صدر جمہوریہ کے ساتھ تھے، صدر محترم طے شدہ پروگرام کے مطابق ہیلی پیڈ سے حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا مدنی رحمہم اللہ کے مزارات پر تشریف لے گئے اور ایصالِ ثواب کیا، پھر وہاں سے حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے مزار پر پہنچ کر فاتحہ پڑھی، بعد ازاں دار العلوم اور اس کے کتب خانہ کا معائنہ کر کے دار العلوم کی جانب سے دی گئی چائے کی دعوت میں شرکت کی، اس موقع پر اتر پردیش کے گورنر اور وزیرِ اعلیٰ کے علاوہ چند مرکزی اور صوبائی وزراء سرکاری اعلیٰ حکام دار العلوم کی مجلسِ شوریٰ کے بعض اراکین دار العلوم کے اساتذہ و نظمائے شعبہ جات، دیوبند اور دوسرے مقامات کے بہت سے عمائدین بھی شریک تھے۔

آخر میں صدرِ محترم جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے، جہاں مولانا حامد الانصاری غازی رکن مجلسِ شوریٰ دار العلوم نے استقبالیہ تقریر میں صدرِ محترم کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا: "یہ عالموں، فاضلوں، عارفوں اور جنگ آزادی کے سورما سپاہیوں کا مرکز ہے، یہ ۱۸۵۷ء کے شہیدوں، ریشمی خطوط کی تحریک کے جانبازوں کی سرزمین دار العلوم ہے، یہ ادارہ جنگ آزادی کا قلعہ، مجاہدینِ آزادی کا تاریخی مرکز اور علوم و فنون کا سب سے بڑا ایشیائی ادارہ ہے، اس دار العلوم نے انگریزوں کے خلاف اپنے فتووں کے ذریعہ سے تحریکِ خلافت، جلیانوالا باغ اور سوراج مومنٹ کی جنگِ آزادی میں ہر محاذ پر ہزاروں آدمیوں کو جیل اور قربانی کے راستے پر ڈالا ہے۔

---

(۱) الحمد للہ یہ سب کتب حضرت قاری صاحب نے احقر کو کسی شخص کے ہاتھ بھیجیں اور میرے پاس موجود ہیں۔ (ارشد)

غازی صاحب نے فرمایا کہ آج قومی اور بین الاقوامی قوانین میں جس سوشلزم اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں جن بنیادی حقوق کا ذکر ہے یعنی کھانا، کپڑا، مکان، تعلیم اور صحت کا انتظام یہ سب اس دارالعلوم میں سو سال پہلے دیئے جا چکے ہیں۔ پورا ملک اس کے بارے میں دارالعلوم دیوبند سے روشنی اور رہنمائی حاصل کر سکتا ہے"۔

خیر مقدم کی تقریر کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے سپاس نامہ پیش فرمایا جس میں دارالعلوم دیوبند کی علمی اور سیاسی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ دارالعلوم کے بانئ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے اساسی اصولِ ہشتگانہ میں رجوعِ الی اللہ اور آزاد تعلیمی نظام کی اساس عوامی تعاون کو قرار دیتے ہوئے سادہ ایمانی زندگی، روحانی تربیت، حُب الوطنی، قومی یک جہتی اور ملی آزادی کی حفاظت کو اسلامی تعلیم کے ساتھ یہاں کے نفوس میں پیوست کیا ہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم و تربیت نے بڑے بڑے مجاہدینِ آزادی پیدا کئے ہیں جن کے احترام میں یہاں کے ہندو اور مسلمان برابر کا حصہ لیتے ہیں اور خلوص کے ساتھ مل جل کر ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس طرح یہ ادارہ ہندوستان کے لئے اسلامی رابطے کا سب سے قدیم اور قابلِ احترام ذریعہ ہے۔

آخر میں صدر محترم نے جوابی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا، ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ ملکی زندگی میں ایک خود دار فعال اور مؤثر عنصر کی حیثیت سے بھرپر حصہ لیں اور اپنی قابلیتوں کو کمال پر پہنچائیں۔

صدرِ محترم نے اکابرِ دارالعلوم کو ان کی علمی اور سیاسی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ عظیم رہنما تھے جنہوں نے اپنے امتیازی کردار کے ساتھ جنگِ آزادی کے ہر مرحلے میں سو سال تک ملک اور قوم کی خدمت انجام دی ہے، انہوں نے اپنی عظیم خدمات کا کوئی حق طلب نہیں کیا، بلکہ محض اپنا فرض سمجھ کر مسلمانوں کے تاریخی وقار میں اضافہ کیا ہے۔ صدر جمہوریۂ ہند کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:۔

یہ دارالعلوم صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کی ایک اہم عظیم اور تاریخی، دینی درسگاہ ہے۔ میں آپ کے خلوص اور آپ کی اسلامی سادگی اور دینی لگاؤ سے بے حد متاثر ہوا ہوں، ترقی کے موجودہ دور میں انسانیت کی یہی قدریں کمیاب ہوتی جا رہی ہیں۔۔

حضرات! ہمارا یہ دارالعلوم ایک دینی درس گاہ کے علاوہ بھی بہت کچھ رہا ہے، جنگِ آزادی میں یہ سرفروشوں اور مجاہدوں کا ایک مرکز تھا، میرا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ وطنِ عزیز کی آزادی کی جدوجہد میں دیش کی تمام دینی اور قومی درس گاہوں میں دارالعلوم دیوبند کا نام سرِ فہرست رہا ہے، اس لئے اس کے تاریخی اور مجاہدانہ کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، ہمارے وطن کی آزادی کی تاریخ میں اس کا نام سنہری حروف سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔

بانئ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے دوسرے مخلص ساتھیوں، عالموں اور مجاہدوں اور ان کے جانشینوں کی مخلصانہ اور بے لوث علمی اور دینی خدمات کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس ادارے سے فیض یاب ہوئے، اور ان بزرگوں کے وسیلے اور واسطے سے لاکھوں گھرانوں میں دینی علم و فکر کی شمعیں روشن ہوئیں۔

آج سے ایک صدی پہلے ایک طرف حضرت حاجی امداد اللہؒ کی زیر سرپرستی مولانا محمد قاسم وغیرہ جیسی برگزیدہ ہستیوں نے دینی تعلیم کی تحریک شروع کی، دوسری طرف سر سیّد احمد خاں اور ان کے ساتھیوں نے جدید تعلیم کی تحریک چلائی، بنیادی طور پر یہ دونوں تحریکیں ملی دردمندی کا نتیجہ تھیں، ان کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہ تھا، مگر دیوبند کو یہ خصوصی امتیاز حاصل تھا کہ اس نے جہادِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس لئے یہ ادارہ ہر محبِ وطن ہندوستانی کے لئے باعث فخر ہے۔

جہاں تک اسلام اور اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے آپ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں کہ یہاں بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں جن کی ساری زندگی اسلام اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے میں بسر ہوئی ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا اور اسلام کے زندہ اور پائندہ اصولوں کی دولت سے مالامال فرمایا، اسلام نے سب سے پہلے سبق توحید کا دیا ہے، اور دنیا کو مساوات سکھائی ہے، اس طرح وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر متحد ہونے کا گر سکھایا ہے، اس کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت وصفائی اور قلبی پاکیزگی کی پانچ وقتی ٹریننگ کا پابند بنایا ہے، ضبط و تنظیم کا سبق سکھایا، مرکزیت پر زور دیا اور علم کے ساتھ عمل اور تقویٰ کی اہمیت واضح کی ہے، اسلامی احکام دین اور دنیا دونوں کی رہنمائی کرتے ہیں، نماز روحانی تربیت کے ساتھ صحتِ جسمانی اور ضبط و نظم کا سبق سکھاتی ہے، اسلام نے جن بنیادی اصولوں کی تعلیم دی ہے، وہ وقتی نہیں بلکہ دائمی ہیں، کیا اس ترقی یافتہ دور میں اتحاد، تنظیم اور ڈسپلن کی اہمیت سے انکار کیا جاسکتا ہے؟

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے بانی دار العلوم کے بنیادی اصولوں کی حفاظت اور پاسبانی کی ہے اور اپنے تعلیمی نظام کو کسی قسم کے بے جا دباؤ اور بیرونی مداخلتوں سے بالکل آزاد رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس عظیم درسگاہ میں دینی تعلیم کے ساتھ طلبہ میں وطنی محبت، قومی یک جہتی اور ملک کی آزادی کی حفاظت کے پاکیزہ جذبات کی پرورش کی ہے اور یہی وہ روایات ہیں جن پر ہم سب کو فخر ہے، اور یقیناً اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ دار العلوم کے استادوں اور طالب علموں نے جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہمارے بزرگوں نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں، مجھے اسیرانِ مالٹا مولانا محمود حسنؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے ساتھیوں کی یاد آرہی ہے، ان کی پاکیزہ زندگی کا نقشہ میری آنکھوں میں گھوم رہا ہے، اور مولانا حفظ الرحمٰنؒ کی مجاہدانہ زندگی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۸۵۷ء میں جب سامراجیوں نے ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ جمایا تو بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیاوی جاہ و دولت کے بعد ہم دینی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں، اسی دینی اور وطنی آزادی کے ملے جلے جذبے کے تحت حاجی امداد اللہؒ کی سرپرستی میں ۱۸۶۶ء میں یہ دینی مرکز قائم ہوا، اس لئے دینی تعلیم کے ساتھ حب الوطنی کی شمعیں روشن کرنا بھی اس کا ایک اہم اور بنیادی مقصد رہا ہے، یہ یقیناً خوشی کی بات ہے کہ دار العلوم میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے منطق، فلسفہ، ریاضی، طب، جرنلزم، انگریزی اور ہندی تعلیم کا بھی انتظام کیا ہے، مگر مجھے زیادہ خوشی ہوگی اگر آپ دیگر علوم کی طرف بھی توجہ دیں، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے علوم سیکھنے میں ہمیشہ پہل کی ہے۔

آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے عظیم رہنماؤں نے بڑی دانش مندی اور دور اندیشی سے "سیکولرازم" کے اصول کو اپنایا تھا، ہمارے دستور کے مطابق ہر شہری کو رائے اور عقیدے کی آزادی ہے، اس دستور میں تمام شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل

ہیں، اس دستور کا تقاضہ ہے کہ اونچ نیچ کی دیواروں کو ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے، عقیدہ یا مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔ زبان یا علاقے کی بنیاد پر تعصب اور تنگ نظری کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑی جائے، یہ سب باتیں وہی ہیں جو پیغمبر اسلام کے عظیم اور تاریخی خطبے سے ہم آہنگ ہیں اور جسے انسانیت کا اولین منشور کہا جاسکتا ہے۔

آپ نے سپاس نامہ میں مسلم پرسنل لا کا ذکر کیا ہے، اس سلسلے میں آپ کی نظر سے پرائم منسٹر اور میرے بیانات گذرے ہوں گے جن میں متعدد بار واضح طور پر کہا جا چکا ہے کہ پرسنل لا میں تبدیلی لانے کا اس وقت تک کوئی سوال ہی نہیں جب تک مسلمان خود نہ چاہیں، جہاں تک اسلام کا سوال ہے اس کے لئے قرآن پاک اور اسوۂ محمدی ﷺ میں ہر دور کے لئے رہنمائی موجود ہے، جب یہ ہمارا ایمان ہے تو ہمیں آج مسائل کا حل بھی اسی میں ڈھونڈھنا ہے، علماء کے اس مرکز میں اگر میں یہ یاد دلاؤں تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کی نکھری ہوئی تعلیمات اس دعویٰ کے ساتھ دنیا کے سامنے آئی ہیں کہ وہ انسانی فطرت کے ہمنوا اور ہر دور اور ہر ماحول میں انسانیت کے لئے امن وفلاح اور ترقی کا پیغام ہیں، ان کی انسانیت نوازی اور نفع بخشی سے ہر دور میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، ہماری دنیا گردشِ روزگار کے سائے میں تبدیلیوں کا ایک وسیع میدان ہے، حالات اور وقت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں، زندگی ہر دن نئے مسائل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے اور ہمیں اس کے ساتھ نباہ کرنا پڑتا ہے، اب یہ کام بیدار مغز علماء کا ہے کہ وہ اسلام کی پاکیزہ اور وسیع تعلیمات کو حالات کے پورے شعور کے ساتھ اس خوبی سے دنیا کے سامنے پیش کریں کہ ان کی دل نوازی، نفع بخشی اور تاثیر میں کسی طرح کوئی کمزوری محسوس نہ ہوسکے اور ان کی صحت مند رہنمائی سے خدا کی مخلوق ہر دور میں پورا فائدہ اٹھا سکے۔

حضرات! ۱۸۶۶ء سے ۱۹۷۶ء تک کا ایک سو دس برس تک کارنامہ ہے، اس عرصے میں دارالعلوم نے علم وفضل کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں، اور دیش کے لئے جو بیش بہا قربانیاں کی ہیں وہ بہت بڑا کارنامہ ہیں، اور میری دعا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا فیض ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے۔

دار العلوم کا مسلک

دار العلوم کی تحریروں میں اس کے مسلک کی یہ تشریح کی گئی ہے:۔

دار العلوم دیوبند کا مسلک اہلِ سنّت والجماعت، حنفی مذہب اور اس کے مقدّس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے مشرب کے موافق ہوگا۔

دار العلوم کے مسلک کی حفاظت تمام ارکان و متعلقینِ دار العلوم کا فرض ہوگا کسی ملازم دار العلوم یا طالب علم کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی ایسی انجمن یا ادارے یا جلسے میں شرکت کرے جس کی شرکت دار العلوم کے مسلک یا مفاد کے لئے ضرر رساں ہو (۱)۔

جہاں تک دار العلوم اور اکابر دار العلوم کے دینی رُخ کا تعلق ہے اسے نہایت ہی بلیغ اور جامع انداز میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم نے اپنے رسالہ مسلک علمائے دیوبند میں واضح کر دیا ہے، اس کا خلاصہ کم و بیش انہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

"علمی حیثیت سے یہ ولی اللٰہی جماعت مسلکاً اہلِ سنّت والجماعت ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنّت اور اجماع وقیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اوّلین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس کے یہاں کتاب وسنت کی مرادات محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اقوالِ سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے متعیّن ہو سکتی ہیں، اسی کے ساتھ عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب وسنّت کا ایک بڑا اہم جزو ہے، وہ روایات کے مجموعے سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الرّوایات اور تعارض کے وقت تطبیقِ احادیث اس کا خاص اصول ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا، جب تک کہ وہ قابل احتجاج ہو، اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا، بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی وعملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی کے ساتھ بطریقِ اہل سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبرّا اور بری ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے، اس نے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت وتواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزیّن کیا، اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء (علمی حیثیت سے) اور غناء نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے، وہیں فروتنی، خاکساری اور ایثار وزُہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے، نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلتِ نفس اور مسکنت میں گرفتار، وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے وہیں عجز ونیاز، تواضع وفروتنی اور لا امتیازی کے جوہروں سے مزیّن ہو کر عوام میں ملے جلے اور "کاحد من النّاس" بھی رہے، جہاں وہ مجاہدہ ومراقبہ سے خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات

---

(۱) دستور اساسی دار العلوم دیوبند دفعہ ۴، ۶۔

جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے، غرض علم واخلاق خلوت وجلوت اور مجاہدہ وجہاد کے مخلوط جذبات ودواعی سے ہر دائرہ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی، جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے، اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنیٰ محدث سے بیزار ہوجانے یا نسبتہ احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کے حذاقت کے معنی تصوّف بیزاری کے نہیں بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدّث، فقیہ، مفسّر، مفتی، متکلم، صوفی اور حکیم ومربّی ثابت ہوا، جس میں زُہد وقناعت کے ساتھ عدم تقشف، حیا وانکساری کے ساتھ عدم مداہنت، رافتہ ورحمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت در انجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہوگئے، ادھر علم وفن اور تمام اربابِ علوم وفنون کے بارے میں اعتدال پسندی، حقوق شناسی اور ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہوگئے، بنا بریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل وکمال اور راسخین فی العلم خواہ محدّثین ہوں یا فقہاء، صوفیاء ہوں یا عرفاء، متکلمین ہوں یا اصولین، امراء اسلام ہوں یا خلفاء ان کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں، جذباتی رنگ سے کسی طبقے کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یا مدح وذم میں حدود شرعیہ سے بے پروا ہوجانا اس جماعت کا مسلک نہیں، اس جامع طریق سے دار العلوم نے اپنی علمی خدمات سے شمال میں سائبیریا سے لے کر، جنوب میں سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلادی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔

دوسری طرف سیاسی اور ملکی خدمات سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا بالخصوص تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی محمد امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے ان دو مریدانِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور ان کے منتسبین اور متوسلین کی مساعی انقلاب، جہادی اقدامات اور حریت واستقلال ملّی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید وبند وغیرہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جاسکتی ہیں نہ بھلائی جاسکتی ہیں، جو لوگ ان حالات پر محض اس لئے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کئے گئے تو اس سے خود ان ہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہوگا، اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور اربابِ تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی النسبت کی ہوں یا غیر دیوبندی کی جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو لایعنی ہے اور قطعاً ناقابلِ التفات ہیں، اگر حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہہ صرف یہ کی جاسکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک حزم واحتیاط کا مظاہرہ ہیں، ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے نہ وہ قابلِ التفات ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا اور انہیں متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلافِ رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملّی خدمات کے سلسلے میں آگے آتے رہے، خواہ وہ تحریکِ خلافت ہو یا استخلاص وطن، انہوں نے بروقت ان تمام انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔

مختصر یہ کہ علم واخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا اور وسعتِ نظری، روشن ضمیری اور رواداری کے ساتھ دین وملت اور قوم ووطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار، لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم علوم نبوت کو حاصل رہی ہے، جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے اور اسی پہلو کو اس نے نمایاں رکھا اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم ومعرفت، جامع عقل وعشق، جامع عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامع دیانت وسیاست، جامع روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامع عبادت ومدنیت، جامع حکم وحکمت، جامعہ ظاہر وباطن، اور جامع حال وقال ہے، اس مسلک کو جو سلف وخلف کی نسبتوں سے حاصل شدہ ہے اگر اصطلاحی الفاظ میں لایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیناً مسلم، فرقتہً اہل السنت والجماعت، مذہباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً ماتریدی اشعری، سلوکاً چشتی بلکہ جامع السلاسل، فکراً ولی اللہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی اور نسبتاً دیوبندی ہے۔

اس سلسلے میں چونکہ "مسلکِ دارالعلوم" کے نام سے مستقل رسالہ لکھا جاچکا ہے اس لئے اس موقع پر اس کی زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس کے جامع جملے اس تحریر میں لے لئے گئے ہیں، تفصیلات کے لئے اس رسالہ سے مراجعت کی جاسکتی ہے (۱)۔

نیز اس لئے بھی یہاں زیادہ تفصیل غیر ضروری تھی کہ اس مسلک کا واضح ترین خاکہ تاریخ کے مقدمہ میں بھی حضرت مولانا موصوف نے تحریر فرمادیا ہے، البتہ اس پھیلے ہوئے مضمون کی تلخیص کی ضرورت تھی سو وہ بھی حضرت ممدوح ہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے، جو انہوں نے احقر کی فرمائش پر تحریر فرما کر مجھے عنایت فرمائی ہے، جس کا متن بلفظہ یہ ہے:-

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسلک اعتدال سات اصولی بنیادوں پر قائم ہے جو مع مختصر تشریح حسبِ ذیل ہیں۔

۱ - علم شریعت: جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات وغیرہ کی سب انواع داخل ہیں جن کا حاصل ایمان اور اسلام ہے، بشرطیکہ یہ علم سلف کے اقوال وتعامل کے دائرے میں محدود رہ کر ان مستند علماء دین اور مربیان قلوب کی تعلیم وتربیت اور فیضانِ صحبت سے حاصل شدہ ہو، جن کے ظاہر وباطن، علم وعمل اور فہم وذوق کا سلسلہ سندِ متصل کے ساتھ حضرت صاحبِ شریعت علیہ افضل الصلوات والتحیات تک مسلسل پہنچا ہوا ہو، خود رائی یا محض کتب بینی اور قوتِ مطالعہ یا محض عقلی تگ وتاز اور ذہنی کاوش کا نتیجہ نہ ہو، گو وہ عقلی پیرایۂ بیان اور استدلالی حجت وبرہان سے خالی بھی نہ ہو کہ اس علم کے بغیر حق وناحق، حلال وحرام، جائز وناجائز، سنت وبدعت اور مکروہ ومندوب میں امتیاز ممکن نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر دین میں خود رو تخیلات، فلسفیانہ نظریات اور بے بصرانہ توہمات سے نجات ممکن ہے۔

۲ - پیروی طریقت: یعنی محققینِ صوفیہ کے سلاسل اور اصول مجرّبہ کے تحت (جو کتاب وسنّت سے ماخوذ ہیں) تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس اور سلوک باطن کی تکمیل، کہ اس کے بغیر اعتدال اخلاق، استقامت ذوق ووجدان، باطنی بصیرت، مذہبی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام وایمان کے ساتھ ساتھ احسان سے متعلق ہے۔

---

(۱) دارالعلوم کی سو سالہ زندگی ص ۲۳-۲۷

۳- اتباعِ سنّت: یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں سنت نبوی ﷺ کی پیروی اور ہر حال وقال اور ہر کیفیت ظاہر وباطن میں ادبِ شریعت برقرار رکھ کر سنتِ مستمرّہ کا غلبہ، کہ اس کے بغیر رسوم جہالت، رواجی بدعات ومنکرات اور باوجود احوالِ باطن کے فقدان کے محض رسمی طور پر اہلِ حال کے وجدی شطحیات وکلمات کی نقالی یا انہیں شریعت کے متوازی ایک مستقل قانونِ عام کی صورت دے دیئے جانے کی بلا سے نجات ممکن نہیں۔

۴- فقہی حنفیت: اسلامی فرعیات اور اجتہادیات کا نام فقہ ہے، اور اکابر دارالعلوم چونکہ عامۃً حنفی ہیں اس لئے فقہی حنفیت کے معنی اجتہادی فرعیات میں فقہ حنفی کا اتباع اور مسائل وفتاویٰ کی تخریج اور ترجیح میں اسی کے اصولِ تفقہ کی پیروی کے ہیں کہ اس کے بغیر استنباطی مسائل میں ہوائے نفس سے بچاؤ اور تلفیق کے راستے سے مختلف فقہوں میں تلون کے ساتھ دائر سائر رہ کر عوام کی حسب خواہش، نفسِ مسائل میں قطع وبرید یا ہنگامی حالات کی مرعوبیت سے ذہنی قیاس آرائی اور لاعلمی کے ساتھ مسائل میں جاہلانہ تصرفات واختراعات سے اجتناب ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام سے متعلق ہے۔

۵- کلامی ماتریدیت: یعنی اعتقادات میں فکر صحیح کے ساتھ طریق اہلِ سنت والجماعت اور اشاعرہؒ وماتریدیہ کے تنقیح کردہ مفہومات اور مرتب کردہ اصول وقواعد پر عقائد حقہ کا استحکام اور قوتِ یقین کی برقراری، کہ اس کے بغیر زائغین کی شک اندازیوں اور فرق باطلہ کے قیاسی اختراعات اور اوہام وشبہات سے بچاؤ ممکن نہیں ظاہر ہے کہ یہ شعبہ ایمان سے متعلق ہے۔

۶- دفاعِ زیغ وضلالت: یعنی متعصب گروہ بندوں اور اربابِ زیغ کے اٹھائے ہوئے فتنوں کی مدافعت، مگر وقت کی زبان وبیان میں اور ماحول کی نفسیات کے شعور کے ساتھ وقت ہی کے مانوس وسائل کے ذریعہ جس سے اتمامِ حجت ہو، نیز مجاہدانہ روح کے ساتھ ان کے استیصال کی مساعی کہ اس کے بغیر ازالہ منکرات اور معاندین کی دست بُرد سے شریعت کا تحفظ ممکن نہیں، اس میں ردِ شرک وبدعت ردِ الحاد ودہریت، اصلاحِ رسوم جاہلیت اور حسبِ ضرورت تحریری یا تقریری مناظرے، اور تغییر منکرات سب شامل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اعلاء کلمۃ اللہ بفحوائے "لتكون كلمة الله هى العليا" اور اظہار دین بفحوائے "ليظهره على الدين كله" اور عام نظم ملت سے متعلق ہے۔

۷- ذوقِ قاسمیت ورشیدیت: پھر یہی پورا مسلک اپنی مجموعی شان سے جب دارالعلوم دیوبند کے مربیان اوّل اور نبض شناسانِ امت حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ کے روح وقلب سے گزر کر نمایاں ہوا تو اس نے وقت کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک خاص ذوق اور خاص رنگ کی صورت اختیار کرلی جسے مشرب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جنانچہ دستور اساسی دارالعلوم دیوبند منظور شدہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ کہا گیا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل السنت والجماعۃ حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا" (دستور اساسی ص۶) اس لئے مسلک دارالعلوم دیوبند کے اجزاء ترکیبی میں یہ جزایک اہم عنصر ہے جس پر دارالعلوم کی تعلیم وتربیت کا کارخانہ چل رہا ہے، جو احسان کے تحت آتا ہے، جب کہ اس کا تعلق روحانی تربیت سے ہے، پس علم شریعت، پیرویٔ طریقت، اتباعِ سنت، فقہی حنفیت، کلامی ماتریدیت، دفاعِ ضلالت اور اور ذوقِ قاسمیت ورشیدیت اس مسلکِ اعتدال کے عناصر ترکیبی ہیں، جو "سب

سنابل فی کل سنبلته مأۃ حبه "کا مصداق ہیں، ان سبع سنابل کو اگر شرعی زبان میں ادا کیا جائے تو ایمان، اسلام، احسان اور اظہار دین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہر نمبر میں اس کی طرف اشارہ بھی کردیا گیا ہے، انہی دفعات سبعہ کا مجموعہ بہ تفصیلات بالا دارالعلوم دیوبند کا مسلک ہے، غور کیا جائے تو یہ مسلک بعینہ حدیث جبریل کا خلاصہ ہے، جس میں جبریل علیہ السلام کے سوالات پر آنحضرت ﷺ نے اسلام، ایمان، احسان اور دفاع فتن کی تفصیل ارشاد فرمائی ہے، اور اس کے مجموعہ کو تعلیم دین فرمایا ہے، اس لئے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ علماء دیوبند کا مسلک حدیث جبریل ہے تو بے محل نہ ہوگا۔

حدیث جبریل کا متن بلفظہ مع ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال بينما نحن عند رسول الله ﷺ ذات يوم اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر لايرىٰ عليه اثر السفر ولايعرفه منّا احد حتى جلس الى النبیﷺ فاسندر كبتيه الى ركبتيه ووضع كفيه على فخذيه وقال يا محمد اخبرنى عن الاسلام قال الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمد ارسول الله وتقيم الصلوة وتوتى الزكوة وتصوم رمضان وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلا قال صدقت، فعجبناله يسأله ويصدّقه قال فاخبرنى عن الايمان قال ان تومن با لله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الاخر وتؤمن بالقدر وخيره وشره قال صدقت قال فاخبرنى عن الاحسان قال ان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تھے کہ اچانک نہایت سفید کپڑوں والا، نہایت سیاہ بالوں والا ایک شخص ظاہر ہوا، جس پر سفر کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوتی تھی اور ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا بھی نہ تھا، یہاں تک کہ وہ آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے دونوں زانوں آنحضور ﷺ کے زانو سے ملادیئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر یا آنحضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے اور اس نے سوال کیا کہ اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتلائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، اور نماز کو قائم رکھو، اور زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر قدرت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے اور پھر اس کی تصدیق کرتا ہے، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیے، آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر خیر وشر پر کامل یقین کرو، اس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا، پھر اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے احسان کے بارے میں بتلائیے، آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو

تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال فاخبرنی عن الساعتہ قال مالمسئول عنھا باعلم من السّائل قال فاخبرنی عن اماراتھا باعلم من السائل قال فاخبرنی عن اماراتھا قال ان تلد الامۃ ربّتھاوان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان قال ثم انطلق فلبثت ملیًا ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم رواہ مسلم ورواہ ابوھیرۃ مع اختلاف وفیہ واذا رأیت الحفاۃ العراۃ الصم البکم ملوک الارض، فی خمس لایعلمھنّ الا اللہ ثم قرأ انّ اللہ عندہ علم السّاعتہ وینزّ ل الغیث. الآیتہ (متفق علیہ)

گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتلائیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں جس شخص سے سوال کیا جارہا ہے، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ اس کی علامتوں کو بتلا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا، علامات میں یہ ہے کہ باندی کے پیٹ سے اس کا آقا پیدا ہوا اور یہ کہ تم برہنہ پا، برہنہ بدن بکریاں چرانے والے مفلسوں کو دیکھو کہ وہ بلند عمارتیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر مسابقت کریں، حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا، میں دیر تک ٹھہرا رہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر! تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے، یہ روایت مسلم کی ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے بھی تھوڑے اختلاف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تم برہنہ پا، برہنہ بدن، گونگے بہرے لوگوں کو زمین کا حکمراں دیکھو، اور یوم قیامت ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ بلاشبہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔ (متفق علیہ)

پھر ان تمام بنیادی عناصر کی بنیادو اساس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہد ہے، جن میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے، پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں، جن کے لئے سندو روایت ناگزیر ہے اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں جن کے لئے تربیت یافتہ عقل و فہم اور تقویٰ شعار ذہن وذوق ناگزیر ہے، اس لئے یہ مسلک اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی، بلکہ عقل و نقل کی متوازن آمیزش سے بایں انداز برپاشدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل اس کی ہمہ وقتی خادم اور کار پرداز ہے۔

اس لئے علماء دیوبند کا یہ مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرّف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اس کے مفہوم کو عقل کے تابع کر دیا گیا ہے، جس سے دین فلسفۂ محض بن کر رہ جاتا ہے، عوام کے لئے زندقہ کی راہیں ہموار

ہوجاتی ہیں اور ساتھ ہی سادہ مزاج عقیدت مندوں کا کوئی رابطہ دین سے قائم نہیں رہتا، اور نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے، جس میں الفاظ وحی پر جمود کر کے عقل ودرایت کو معطل کردیا گیا ہے، اوردین کے باطنی، علل واسرار اور اندرونی حکم ومصالح کو خیر باد کہہ کر اجتہاد اور استنباط کی ساری راہیں مسدود کردی گئی ہیں، جس سے دین ایک بے حقیقت بلکہ بے معنویت وغیر معقول اور جامد شے بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکمت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا، پس ایک مسلک میں عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں عقل معطل اور بے کار، ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط وتفریط اور "وکان امرہ فرطاً" کی ہیں جن سے یہ متوسط اور جامع ومعتدل دین بری ہے، اس لئے دین کا جامع عقل ونقل مسلک یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ تمام اصول وفروع میں عقل سلیم نقل صحیح کے ساتھ ہمہ وقت وابستہ رہے مگر دین کے ایک مطیع وفرمانبردار خادم اور پیشکار کی طرح کہ اس کی ہر ایک کلی وجزئی کے لئے عقلی براہین، معقول دلائل اور حسّی شواہد ونظائر فراہم کرتی رہے جس سے دین، امت کے ہر طبقہ کے لئے قابلِ قبول اور ہمہ جہتی دستورِ حیات ثابت ہوا اور یہ امت "وجعلنا کم امّة وسطاً" کی صحیح مصداق دکھائی دے، یہی مسلک اہلِ السنت والجماعت کا مسلک کہلاتا ہے اور علماء دیوبند اس مسلک کے نقیب اور علمبردار ہیں، اسی لئے وہ اس مسلک جامع اور ان تمام دینی علوم کے اجتماع سے بیک وقت مفسّر بھی ہیں اور محدّث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد ومفکّر بھی اور پھر ان تمام علوم کے امتزاج سے ان کا مزاج معتدل بھی ہے اور متوسّط بھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے جماعتی مزاج میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ، اور اس وسعتِ نظری کی بدولت نہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم ہے نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے اور نہ غلبۂ جاہ ومال اور افراطِ عیش بلکہ صرف بیان مسئلہ ہے اور اصلاحِ امت یا احقاقِ حق ہے اور ابطالِ باطل، جس میں نہ شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ مغرورانہ طعن واستہزاء کا، ان ہی اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام دار العلوم دیوبند ہے، اور اسی علمی وعملی ہمہ گیری سے اس کا دائرہ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

حضرت تھانویؒ سے بیعت وخلافت: حضرت قاری صاحبؒ نے ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ سے بیعت کی تھی۔ وہ ابھی طریقت کی منزلیں طے ہی کر رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ رحلت فرماگئے۔ ۱۳۴۳ھ میں آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا، اور آپ کی نگرانی میں راہِ معرفت وحقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کے یہاں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی اور آپ کی تربیت میں مخصوص طریقے سے حصہ لیتے تھے۔ آخر کار جب شیخ کی حقیقت آشنا نگاہوں نے مرید کے جواہر استعداد کا اعتراف کرلیا تو ۱۳۵۰ھ میں آپ کو اپنا مجاز قرار دے دیا اور خلافت کے خلعت فاخرہ سے مشرف فرمایا۔ (الرشید لاہور)

یہاں خود حضرت حکیم الاسلام اپنے شیخ عالی مقام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"میری زندگی کی ساخت وپرداخت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت حکیم الامت کے ہاں آتے جاتے گذرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی فقیہہ سنجی، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیہات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط ونظم ان کا وسیع عمیق علم ان کی سیکڑوں تصانیف ان کی محبت وبابرکت اور حکیمانہ اندازِ تربیت نے زندگی

کے بہت بڑے سبق سکھائے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا۔ آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت وطریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام وحلال کا اور جائز وناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت کے یہاں تھا۔ آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات ودستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا۔ میرا تعلق حضرت حکیم الامت سے عرصہ دراز تک رہا حضرت احقر سے بے حد شفقت ومحبت فرماتے۔ میرے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے زمانے میں دل میں انتہائی زیادہ تکبر پیدا ہوا۔ میں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں مکتوب لکھا کہ میں تو تکبر میں مبتلا ہو چکا ہوں اس کا علاج تجویز فرمایا جائے۔

حکیم الامت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح میں اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ مکتوب کا جواب لکھا کہ اہتمام کو چھوڑ کر ابھی تھانہ بھون پہنچو۔

مکتوب ملتے ہی میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوا، تو فرمایا کہ خانقاہ میں رہائش رکھو اور آپ کے ذمہ کام یہ ہے کہ خانقاہ کی مسجد میں نمازیوں کے جوتے آپ نے درست کرنے ہیں۔ میں نے یہ کام شروع کیا ہی تھا لیکن بقول مولانا رومیؒ!

نفس مارا کمتر از فرعون نیست
لیکن اورا عون مارا عون نیست

اور تمام نمازیوں کی جوتیاں درست کرتا لیکن نفس نے یہ سکھایا کہ جو جوتیاں نئی ہوتیں ان کو درست کر دیتا تھا اور پرانی جوتیاں درست نہ کرتا تھا۔ حضرت حکیم الامت نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمایا کہ محمد طیب کیا وجہ ہے، پرانی جوتیاں بھی تو جوتیاں ہیں ان کو کیوں درست نہیں کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ تکبر اتنا بڑا مرض ہے کہ یہ اہل اللہ سے بھی بڑی مشکل سے جاتا ہے، اور سب سے آخر میں یہ ختم ہوتا ہے۔ اس نے کئی آدمیوں کو ذلیل کیا ہے اور شیطان کو لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کیا ہے۔

حضرت کے یہ الفاظ سن کر تو میں مرمٹا۔ یعنی ایسی فنائیت حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت سے حاصل ہوئی کہ اپنی فنائیت سے بھی بے خبری ہو گئی۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

خطابت میں حضرتؒ کا مقام اور تبلیغی واصلاحی خدمات

رشدوہدایت کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی تبلیغی واصلاحی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ حضرت کی تبلیغی تقریریں اور وعظ ان کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا کہ جس کی وجہ سے پاک وہند کا چپہ چپہ گونجتا رہا اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آپ کی تقریروں کی وجہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت وراستی کی روشنی پاتے رہے۔ فنِ خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی حاصل تھی۔ زمانۂ طالب علمی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں اور علمی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اہم سے اہم مسائل پر تین تین چار چار گھنٹے مسلسل تقریر کرنے اور علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ حقائق وشریعت کے بیان وایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی۔ جسے بڑے بڑے اہلِ علم تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

فرقِ باطلہ کے رَد میں آپ کی انفرادی شان تھی۔ نہایت باوقار متین اور سنجیدہ لہجہ اختیار فرماتے تھے۔ بازاری اور سوقیانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی واصلاحی انداز میں گمراہ عقائد کا اس طرح رد فرماتے کہ مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ آپ کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

آپ نے افغانستان، برما اور افریقی ممالک کے اسفار ودورے بھی کئے۔ دیوبند میں زمانہ قیام میں روزانہ بعد مغرب آپ کی مجلس روحانی مقامی اور غیر مقامی طالبانِ حق کے لئے ایک مکتب رشدوہدایت کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ جس میں آپ مختلف موضوعات پر اپنی علمی تحقیق سے حاضرین کو محظوظ فرماتے تھے یہاں جب بھی پاکستان تشریف لاتے۔ تو آپ کے مراکز رشدوہدایت کراچی میں دارالعلوم اور جامع اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، لاہور میں جامعہ اشرفیہ ملتان میں جامعہ خیر المدارس، ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ اور اکوڑہ خٹک (پشاور) میں دارالعلوم حقانیہ اور جامعہ اشرفیہ وغیرہ دینی مدارس ہوتے تھے، جہاں بڑے بڑے اجتماعات سے حضرت خطاب فرماتے، اور ہزاروں افراد کو اپنے فیضِ علمی وروحانی سے مستفیض فرماتے تھے۔ (الرشید، لاہور)

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ اپنے تقریری ذوق کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"تحریر وتقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی۔ اسے بڑھانے اور ترقی دینے، نیز اس لائن پر سفر کرانے میں میرے اکابر پیش پیش رہتے تھے۔ میری طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جو مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریریں کرائیں۔ یہ واقعہ کوئی ساٹھ پینسٹھ سال پہلے کا ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں، میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کے لئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی اور نہ پیر میں جوتا، اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آگیا۔ حضرت علامہ کشمیریؒ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ:۔

"یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں۔ ہرگز یہ خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے"۔

یہ حضرت استاذ مرحوم کی حوصلہ افزائی تھی، ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل ویاقوت! یہی اکابر تو میرے مربّی تھے۔ ۱۹۴۹ء کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ملک کے تعلیمی مسائل پر لکھنؤ میں ایک کانفرنس طلب کی۔ اس میں احقر کو بھی تقریر کرنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا آزاد نے میری تقریر کی جو تحسین فرمائی وہ الفاظ آج بھی مجھے یاد ہیں غرض میری زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں برِاعظموں کے طویل سفروں میں گزارا ہے، اور حق تعالیٰ نے تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ برما، حجاز، افغانستان، عدن، جرمنی، جنوبی افریقہ، لیبیا، روڈیشیا، مدغاسکر، حبشہ، زنجبار، سری لنکا، ایسٹ افریقہ، رے یونین، کویت، لبنان، اردن، فرانس اور انگلستان اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور وہاں مذہبی اور علمی سوسائٹیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ میں جہاں تک حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہزاروں ہزار شکریہ ادا کرتا ہوں عہدہ برآنہیں ہوسکتا کہ ان لاکھوں بندوں تک مجھے اسلام، ایمان، انسانیت اور دیوبند کے مسلک کے تحت اخوت ورواداری کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہوئی وہیں اس اعتراف پر بھی مجبور ہوں کہ اپنے اساتذہ اور مربیوں کی نظیر شاذونادر ہی کہیں دیکھنے میں آئی جن سے میری علمی اور اخلاقی تربیت کا تعلق رہا ہے"۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

مولانا سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی مرحوم ناظم جمعیت علماء ہند کا آپ کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ اب تک مہتممین دارالعلوم دیوبند ثوابت تھے اور مولانا قاری محمد طیب صاحب سیارہ ہیں۔

آپ کو ہر جگہ سپاسنامے دئے گئے اور لوگوں کو دارالعلوم سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کے مسلک کی اشاعت ہوئی۔ دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو طبعی دلچسپی تھی وہ تعلیم وتدریس اور دعوت و تبلیغ تھی۔ ان کمالات کی وجہ سے ملک و بیرونِ ملک میں آپ کو ایک خاص امتیازی مقام حاصل تھا۔ عام تبلیغی دوروں کے علاوہ جب دیوبند میں قیام ہوتا تو عصر سے مغرب تک عمومی مجلس کا معمول رہتا تھا۔ جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرے اور تبلیغ واصلاح ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی سفر وحضر میں جاری رہتا تھا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے جو ہند اور بیرونِ ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۳۴۶ھ سے ہر جمعہ کو جامع مسجد دیوبند میں تقریر کا معمول تھا جو تقریباً بیس بائیس برس تک جاری رہا۔ بعد میں کثرتِ اسفار کی وجہ سے متروک ہوگیا اور تقریریں ملک گیر ہوگئیں۔

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں جب کہ شاہ ابن سعود مرحوم پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ بال بال بچ گئے۔ ہندوستان کے علماء وفضلاء اور عمائدین کی طرف سے مبارک باد کا جلسہ فندق مکہ میں منعقد کیا گیا جس کا صدر مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو بنایا گیا تھا۔ علماء ہندوستان کے وفد نے شاہ ابن سعود کو مبارک باد پیش کی اس موقع پر آپ نے ہی عربی کی مختصر تقریر کے بعد جلسہ تبریک کی تجویز پڑھ کر سنائی تھی۔

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ بمبئی نے جس میں تمام فرقوں کے علماء اور تمام مؤثر تنظیموں کے سربراہ شریک تھے۔ آپ کو اپنا صدر منتخب کیا اس سلسلے میں دومرتبہ وزیراعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے آپ کو دعوت دے کر بلایا اور پرسنل لاء کے موضوع پر گفتگو کی۔ بہرحال ملک وقوم میں آپ کا ایک خاص علمی وقار قائم تھا۔ کئی اکیڈمیاں آپ کی تالیفات کی طباعت واشاعت کا

کام انجام دے رہی ہیں۔ مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں متعدد مرتبہ شریک ہو چکے تھے اور پوری دنیا میں تبلیغی دورے فرما چکے تھے۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:۔

"حق تعالیٰ شانہ نے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام و تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں بلا تکلف خطاب فرماتے تھے۔ زبان ایسی صاف اور شستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ حقائق وواقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہو کر سامعین کے سامنے کھڑا ہے۔ شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت وحقیقت کے رموز و لطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم و معرفت وہبیہ کا طوفان امڈ آیا ہے۔

حضرت قاری صاحب مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے ہزاروں مرتبہ خطاب فرمایا ہوگا، اور بعض اوقات ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر و خطابت کی نوبت بھی آئی۔ لیکن ان کی ہر تقریر کا ہر موضوع منفرد ہوتا تھا اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف و اسرار کے ایسے گل ولالہ بکھیرتے کہ حقائق و معارف کے چمنستان میں نئی بہار آجاتی۔ ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

ایک موقعہ پر یہ مضمون ارشاد فرمارہے تھے کہ مطالب و معانی کو صرف الفاظ سے ہی نہیں ادا کیا جاتا، بلکہ لب ولہجہ اور انداز تکلم سے بھی الفاظ میں معنی بھرے جاتے ہیں، اور اس کی مثال میں اردو کا ایک فقرہ "کیا بات ہے؟" پیش کیا کہ یہ انکار کے لئے بھی ہے اور اقرار کے لئے بھی، استفہام کے لئے بھی ہے اور اخبار کے لئے بھی، داد و تحسین کے لئے بھی ہے اور زجر و توبیخ کے لئے بھی۔

الغرض مسلسل ایک گھنٹہ تک "کیا بات ہے؟" کی تشریح ہوتی رہی، اور حضرت مرحوم اس کے ہر مفہوم کو لب ولہجہ کی تبدیلی سے سمجھاتے رہے اور مجمع سحرِ بیان سے عش عش کر رہا تھا۔

حضرت مرحوم کی بعض تقریریں وقتاً فوقتاً شائع بھی ہوتی رہیں۔ حال ہی میں عزیز محترم مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری سلمہ خطیب مسجد غفوریہ حسن پروانہ کالونی ملتان نے حضرت کی تقریروں کی کیسٹیں فراہم کر کے "خطبات حکیم الاسلام" کے نام سے تین ضخیم جلدیں مرتب کی ہیں اور اگر یہ محنت و جستجو جاری رہی اور حضرت کی۔ جتنی تقریریں محفوظ کرلی گئی ہیں وہ سب شائع کر دی گئیں، تو امت کے لئے حقائق و معارف اور "کلماتِ طیبات" کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم ہوجائے گا۔ (ماہنامہ بینات کراچی ۱۹۸۳ء)

(مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

علمی و تصنیفی خدمات: جناب مولانا عبد اللہ جاوید ہاشمی فرماتے ہیں کہ:۔

"درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد کے علاوہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی علمی و تصنیفی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ دار العلوم کے اہتمام اور تبلیغی وتدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی مضمون نگاری اور انشا پردازی کی ابتداء

زمانہ طالب علمی سے "القاسم" کے صفحات سے شروع ہوئی۔ جب ہی اس سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھے جاتے تھے۔ انشا پردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ ہندو پاکستان کے طبقہ۔ علماء کے صفِ اول کے اہلِ قلم اور مقالہ نگار تھے۔ ملک بھر کے موقر جریدے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ اس فن میں بھی آپ کو خاص ملکہ تھا، اور اوق سے ادق عنوانات پر لمبے لمبے طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔ آپ کی تصانیف وتالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دورانِ سفر میں انجام پاتا تھا۔

آپ کی تصانیف وتالیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کروں تو صفحات کو تنگ دامنی کا گلہ ہوگا۔ اس لئے صرف ان کتابوں میں سے چند مشہور کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کی سب سے پہلی تصنیف "التشبہ فی الاسلام" ہے۔ جو آپ کے ابتدائی دور کی شاہکار ہے۔ علمی حلقوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر مقبول خاص وعام ہو چکی ہیں۔ فطری حکومت اسلام اور فرقہ واریت، سائنس اور اسلام، مشاہیر امت، شانِ رسالت ﷺ، فلسفہ نماز، شرعی پردہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت مسئلہ تقدیر، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیین، اسلام اور مغربی تہذیب، تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوال، اصولِ دعوت اسلام، عالمی مذہب نظریہ دو قرآن پر ایک نظر، کلمہ طیبہ کی حقیقت، مسئلہ زبان اور ہندوستان، دین وسیاست، اسباب عروج وزوال اقوام، الاجتہاد والتقلید، اسلامی مساوات، کلماتِ طیبات، تفسیر سورہ فیل۔ آفتاب نبوت، سفرنامہ افغانستان، عرفانِ عارف مجموعہ کلام، مقالات طیبات تاریخ دار العلوم دیوبند، خطبہ طیبہ، مقالات اکابر دیوبند، روایات الطیب اور خطبات حکیم الاسلام وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں، اور تصانیف کے علاوہ ان علمی مقالوں کی تعداد حد کثرت سے متجاوز ہے، جو پاکستان اور ہندوستان کے مقتدر علمی جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔ (الرشید۔ لاہور)

جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:۔

"تقریر وخطابت کی طرح حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف وتالیف میں بھی ایک خاص رنگ تھا۔ جس میں علم وعقل کی ہم آہنگی اور ظاہر و باطن کی یک جائی پائی جاتی تھی۔ ان کی خداداد حکمت ومعرفت مسائل کے اسباب وعلل۔ اسرار وحکم، مبادی وغایات اور اطراف وجوانب کا احاطہ کر لیتی تھی۔ حضرت موصوف کو حسین وشیریں الفاظ میں مافی الضمیر ادا کرنے کا خاص ملکہ تھا، دقیق ترین مسائل کو بہت ہی آسان عبارت میں ادا فرماتے تھے، اور ایسے ژولیدہ وپیچیدہ مباحث جن میں برسوں بھٹکتے ہیں اور انہیں ان کا کوئی سرا نہیں ملتا۔ حضرتؒ کا قلم حقائق رقم ایسے مباحث کو بڑی سہولت وسلاست سے حل کر دیتا تھا اور ان کی تحریر پڑھ کر آدمی محسوس کرتا کہ اس موضوع پر اس کے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہیں رہی۔ انہوں نے سیرت طیبہ سے لے کر مسئلہ تقدیر ایسے نازک مسئلہ پر قلم اٹھایا، مگر ان کا خاص معیاری اسلوب ہر جگہ قائم رہا، صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض ذہن کی صناعی اور الفاظ کی مینا کاری نہیں بلکہ یہ وہبی علوم ہیں اور ان میں "قاسمی روح" جھلکتی ہے۔ (بینات کراچی)

جناب مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب آپ کی تالیفات کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تبلیغ وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمت بھی انجام دیتے رہے اور آپ کی تصنیفات ڈیڑھ سو سے زائد ہیں۔ جن میں مشہور تالیفات یہ ہیں:-

"سائنس اور اسلام" یہ آپ کی علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک تقریر ہے۔ امام الانبیاء ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سے بطور اجتہاد پوری سائنس کو ثابت فرمایا اور ایک فلسفہ نماز ہے، فلاسفروں کو تین طبقات میں تقسیم فرماکر تینوں کی تردید فرمائی ہے، اور پھر عجیب انداز سے حکمتِ صلوۃ یا حقیقت صلوۃ بیان فرمائی ہے۔

"التشبہ فی الاسلام" یہ دو جلدوں میں ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب علمی تنقید ہے۔ سر سید مرحوم کی تہذیب اخلاق کے بعض مضامین کی"۔

"اسلام کا اخلاقی نظام" یہ ایک پادری کے سوال کے جواب میں لکھی تھی۔ جس میں تقابلی مطالعہ اسلام وعیسائیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلام کے اخلاقی نظام کی برتری وبلندی عیسائیت پر اس حکیمانہ انداز سے ثابت فرمایا جس کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اس جواب کو پڑھ کر پادری نے اعتراف کیا تھا جو کہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا، کہ اسلام کے اخلاقی نظام کا کوئی مذہبی نظام بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بہر حال آپ کی تمام تصنیفات پر تبصرہ یہ ایک مستقل مضمون ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ان کے علاوہ آپ تینوں زبانوں کے شاعر بھی تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ عربی کی شاعری کا شاہکار آپ کا ایک عربی منظوم رسالہ شائع شدہ ملتا ہے جس کا اردو ترجمہ "مشاہیر امت" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ یہ رسالہ ستر اشعار کا ہے۔ جس میں ہر فن کے موجد کے مختصر حالات عجیب انداز سے بیان کردئے ہیں، کہ ایک منصف انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے، اور نیز آپ کی متعدد نظمیں، مثنویاں اور قصائد ہیں جو رسالہ "دارالعلوم" اور "القاسم" میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ بعض بلیغ نظمیں کتابی صورت میں بھی شائع ہوچکی ہیں۔ (لولاک فیصل آباد)

اوصاف وکمالات: حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خانؒ صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فضائل وکمالات، دینی مزایا اور خوبیوں کے اعتبار سے ملّت کی ان چند گنی چنی ہستیوں میں تھے، جو مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ قدیم تعلیم نے جو بہترین نمونے پیدا کئے حضرت قاری صاحب کا نام ان میں بے تکلف لیا جاسکتا ہے۔

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند آپ کے جد امجد تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے پانچویں مہتمم تھے۔ جن کا زمانہ اہتمام ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۴۷ھ تک رہا اور دارالعلوم نے اس دور میں ہر اعتبار سے نمایاں ترقی کی۔ گویا حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم سے آبائی تعلق تھا۔ اس لئے دارالعلوم کی محبت ان کے ریشے ریشے میں سرایت کی ہوئی تھی۔ وہ بچپن سے بڑھاپے تک دیوبند میں رہے بلکہ یوں کہئے کہ ان کی عمر دارالعلوم کی فضا میں گزری ہے۔ دیوبند یا دارالعلوم ان کے لئے صرف وطن نہ تھا بلکہ ان کے دادا کا لگایا ہوا سدا بہار دینی باغ تھا۔ جس کی آبیاری ان کے باپ دادا نے کی تھی، اور جس میں علم وعمل اور ظاہر وباطن کے ائمہ واساطین نے علوم ومعارف اور تعلیم وتربیت کی بساط

بچھا رکھی تھی۔ ان کی پرورش ان روحانی اور پاکیزہ فضاؤں میں ہوئی جس وقت دارالعلوم کا چپہ چپہ اپنے وقت کی نادرۂ روزگار شخصیتوں کے فیوض و برکات سے بھرپور معطر تھا۔

انہوں نے محدث عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، جنیدِ وقت حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اور استفادہ کے ہفت خواں کو طے کرکے خود علم و عمل کے اس مقام پر فائز ہوگئے جن کی مثالیں شاذ نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ علوم ظاہری کے سمندر ان کی نگاہ میں پایاب تھے۔ معقولات و منقولات پر یکساں دسترس تھی۔ اللہ تعالیٰ نے علوم حکم و اسرار دین سے بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ ان کا علم بہت ہی وسیع، راسخ و پختہ تھا۔ نگاہ بصیر، فکر عمیق اور نظر ثاقب تھی۔ ان کے مشائخ میں مجاہد کبیر اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ (جن سے وہ بیعت ہوئے تھے) اور حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (جن کے وہ خلیفہ تھے) جیسے اولیاء باصفا تھے۔ ، وہ خود خانوادہ قاسمی کے چشم و چراغ تھے۔ ان عظیم نسبتوں اور گوناگوں فضائل و مناقب نے انہیں علم و عمل کی ان رفعتوں تک پہنچایا جہاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اور ان سے وہ عالمگیر و ہمہ گیر دینی و علمی، ظاہری و باطنی خدمات لی گئیں، جو بہت کم اشخاص سے لی جاتی ہیں اور جسے محض محبت الٰہی اور توفیق ربانی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے علمی افادات سے جیسے اپنے تلامذہ کو مستفید کرتے رہے اسی طرح وہ باطنی دولت جو انہیں شیخ وقت حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے ملی تھی۔ اکناف عالم میں دریا دلی سے تقسیم کرتے رہے۔ ان کا دعوت و ارشاد کا میدان بھی آفاقی تھا، اور طرز اصلاح و تربیت اشرفی، مواعظ و خطبات کا انداز البیلا، اچھوتا، دلکش اور ہر طبقہ کے لئے موثر تھا۔ ان کے مواعظ میں حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ کی دل آویزی و تاثیر، قاسمی حکمت کی گہرائی اور ان کے اپنے اخلاق کی شیرینی و نرمی پائی جاتی ہے۔ زبانِ خلق نے انہیں "حکیم الاسلام" کے نام سے پکارا، اور حق یہ ہے کہ ان کی تصنیفات مواعظ و خطبات نے اس خطاب کی توثیق کردی۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی تصنیفات تقریباً سوا سو سے زائد ہیں۔ جو ان کے متکلمانہ، حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں علوم و فیوض کا بحرِ ذخار ہے۔ حضرت قاری صاحب کی کتابوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری از خود اسلام کی حقانی اور اس کی تعلیمات کی حقانیت کا قائل ہوجاتا ہے اور شک و ریب کی ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں۔

فقیر نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب کی کتاب "اسلام اور مسیحی اقوام" ۱۹۴۱ء میں پڑھی تھی۔ جس کے نقوش آج تک دل و دماغ میں مرتسم ہیں۔ یہ پہلی کتاب تھی جس نے حضرت قاری صاحب کی عظمت اور علماء کی قدر دل میں ثبت کی۔ کاش ہماری نشرادِ نو ہمارے اکابر کے ان علمی خزائن سے بہرہ ور ہوسکتی، اور اپنے اوہام و شکوک باطلہ کا مداوا کرپاتی، کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی کتابیں آج بھی برملا پکار رہی ہیں!

چند چند تو خواندہ حکمت یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را نیز خواں

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے چہرے کی پاکیزگی و نورانیت ہی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ فرشتہ صفت انسان نیکی وپاکی کا مجسمہ، محبت اور پارسائی اور متانت ووقار کا پتلا ہے، جس سے خیر تو پہنچ سکتی ہے۔ ضرر کا اندیشہ نہیں۔ ضرورت پر مدد تو مل سکتی رسوائی وخذلان کا خوف نہیں۔ وہ خوش اندام، خوش لباس تھے۔ تواضع وشرافت، بے نفسی واخلاص، نرمی ومروت وملاطفت، حلم ومروت، حلم وبردباری ان کے اخلاقی جواہر تھے وہ سبک روح، خنداں رو، مرنجان مرنج طبیعت کے حامل تھے۔ وہ مختلف طبائع اور مزاجوں سے بخوبی نبھا لیتے تھے۔ ان کی ان خوبیوں نے انہیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوبیت عامہ اور شہرت تامہ سے نوازا تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ان کی صفات رائقہ وکمالات فائقہ اور جامعیت وہمہ جہتی ثقافت کا نتیجہ تھا کہ وہ بیک وقت مختلف طبقات ومختلف نظریاتی جامعات، مختلف اداروں اور جماعتوں کے معتمد ورکن بن سکے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے متقدر رکن اور دیگر متعدد علمی اور دینی اداروں کے ممبر اور سرپرست تھے۔ آپ عرصہ دراز تک آل انڈیا سنی سنٹرل بورڈ کے ممبر رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے وہ پہلے دن سے آخر دن تک متفقہ صدر رہے۔ خیال رہے کہ یہ بورڈ مختلف دینی جماعتوں اداروں اور طبقات کا نمائندہ ہے۔

بہرحال جہاں دارالعلوم دیوبند کا فیض پہنچا وہاں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام پہنچا۔ دنیا انہیں مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ لاحقہ ان کے اسم گرامی کا لازمہ بن گیا۔ ہر جگہ وہ اس نسبت سے عزیز ومحترم تھے۔ ہندوستان ہو یا پاکستان، افریقی ممالک وافغانستان ہو یا امریکہ وانگلستان جہاں بھی دارالعلوم کی شعاع نور پہنچی۔ وہ محبت واکرام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اور انہیں ایک مخلص دینی خادم ورہنما، ایک ربانی عالم بزرگ وپیشوا، ایک پاکباز مصلح ومرشد اور ایک عظیم عالم وخطیب سمجھا جاتا ہے۔

دلوں کے اندر ان کی جگہ تھی، اور محبت ووفا کے رشتے ان سے قائم تھے وہ دیوبند کا نشان، بزرگوں کی نشانی، خانوادہ قاسمی کے نمائندہ علم وعمل کی قندیل اور تقریباً پون صدی پر پھیلی ہوئی دینی خدمات کا مجسمہ تھے۔ وہ اسلامیان برکوچک کی گزشتہ دینی، علمی وتعلیمی سرگرمیوں کی زندہ تاریخ تھے، اور ہماری ملی تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ تھے۔ (ماہنامہ البلاغ پشاور) (ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ۔)

سپریم کورٹ کے جج محقق العصر مفکر اسلام حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات کا جلوہ جہاں آرا دیکھا تھا۔ جس کی ہستی کی تعلیم وتربیت میں علم وعمل کے ان مجسم پیکروں نے حصہ لیا ہو۔ اس کے اوصاف وکمالات کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کے پیکر میں معصومیت حسن اخلاق اور علم وعمل کے جو نمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں ان کے نقوش دل ودماغ سے محو نہیں ہو سکتے۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے پوتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکمت دین کی جو معرفت حضرت نانوتوی قدس سرہ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج ومذاق میں جذب کر کے انہیں شرح وبسط

کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس و تصنیف کے لئے باقاعدہ وقت بہت کم ملا۔ اور نو عمری ہی میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آگئیں۔ ان ذمہ داریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عموماً علمی مشاغل سے دور کر کے اسکی علمی استعداد پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا معاملہ اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھا انتظامی بکھیڑوں میں مبتلا رہنے کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور ان کی علمی استعداد سدا بہار رہی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اگرچہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت بھی حضرتؒ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھی، حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ درس و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی بہت سی تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں، اور ان کے مطالعہ سے دین کی عظمت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک وعظ و خطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایسا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی فرماتے ہیں:۔

"حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے کاروانِ علم و فضل کے ان باقیات صالحات میں سے تھے جنہیں دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوتا تھا، کہ یہ دنیا ابھی اہل اللہ سے خالی نہیں اور ابھی ہمارے دامن میں ایسے گنج گراں مایہ موجود ہیں جن سے نہ صرف ہماری عظمت کا قومی بھرم قائم ہے۔ بلکہ جو خود انسانیت کے آبرو اور اس کے چہرے کا غازہ ہیں۔ وہ اس خانوادہ شرف و مجد کے گوہر شب چراغ تھے، جو خاندان ولی اللٰہی کے روحانی اثاثہ کا امین اور علماء سلف کی متاعِ عظمت کا وارث رہا ہے۔ ان کے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور آج ہندوستان کی ناموافق آب و ہوا وقت کی نامساعدت اور حالات کی ناسازگاری کے باوصف یہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی کرامت تھی کہ وہ اس مرکز علمی اور اپنی نوعیت کی دنیا بھر میں منفرد درسگاہ کی آب و تاب اور ان کی روایتی شان و شوکت کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ تقسیم ملک کے ابتدائی دور میں انہوں نے پاکستان کو اپنا مستقر بنانا چاہا، مگر یہاں کی فضا انہیں راس نہ آسکی، اور وہ حضرت مدنیؒ کے تقاضا و اصرار پر واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

آج دارالعلوم دیوبند اس ظلمت کدہ شرک و معصیت میں روشنی کا وہ مینار ہے جس سے اکناف و اطراف عالم کے تشنگانِ علم اکتساب ضیا کرتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنی وجاہت اور حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ تھے۔ سرخ و سپید رنگ، بیضوی چہرہ، غلافی آنکھیں، کشادہ پیشانی، دلکش خدوخال، تیکھے نقش، موزوں قد، اکہرا بدن، نگار آتشیں رخ سر پر کلاہ فضیلت، آنکھوں میں ضیا و طبیعت میں گداز، رخ روشن پر اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات کی تابندگی کا پر تو ایک پیکر حسن و جمال ایک مجسمۂ خوبی و رعنائی۔ ایک سراپا اخلاص وللہیت وجود علم و معرفت کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا منبع، شریعت و طریقت کا مرکز، حسن ظاہری و باطنی کا جامع ایک مینارۂ نور جس کی ضیا

باریوں سے فکرو نظر کا دامن منور اور دلوں کی دنیا جگمگاتی تھی۔ جس کا سینہ معرفتِ الٰہی کا گنجینہ اور دل انوار و تجلیات کا خزانہ تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ تقریر کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نسیم صبحگاہی محو خرامِ ناز ہو۔ وہ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے ان کے اندازِ تکلم میں جوئے آبِ رواں کی نغمگی تھی جو فردوسِ گوش بن جاتی تھی۔ ان کے لب ولہجہ میں حدی خوانوں کا سوز اور ان کی گفتگو میں نودمیدہ غنچوں کی مہک تھی۔ جو دماغوں کو معطر کرتی اور دلوں کی دنیا میں ہلچل برپا کر دیتی۔ وہ ہماری عظمت رفتہ کی حسین و جمیل یادگار تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفۂ اجل تھے۔ سیاست سے الگ ہو کر علم کی دنیا کے سیاح عمل کی وادیوں میں تھے۔ جستجو کہ "خوب سے خوب تر کہاں" کے متلاشی، خیال و کردار میں پاکیزہ، فکر و نظر میں راستباز، تقویٰ وطہارت میں نمونہ کے انسان، خوش وضع، خوش قطع، خوش لباس، خوش پوشاک، خوش بخت و خوش خصال، خوش اطوار خوش نہاد، ایک نورانی وجود، والدین کے ادب کی رخشندہ مثال جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک اور شبنم کا صحیح مصداق۔

بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے پوتے، مہتمم دارالعلوم مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے فرزند وطیب، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علمی ترجمان اور دارالعلوم دیوبند کے ساٹھ سالہ خدمت گار، مزاج ایسا کہ بچوں کے ساتھ ہوں تو حکایت لطیف، نوجوان، بزرگوں کو کلمات طیبات فرمادیں تو اخلاق محسنی، دلچسپ نصائح سنائیں تو گلستان منظوم ہدایت کا باب کھلے تو "ہست قرآں در زبان پہلوی" حلیم و بردبار شخص متواضع وجودِ مسعود ع

"نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز"

(الرشید، لاہور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک پاک باز اور باکردار انسان تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے ترجمان تھے۔ الولد سرٌ لابیہ کا مظہر تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ اکابر دیوبند کے علوم بالخصوص علوم قاسمیہ، علوم شیخ الہندؒ، علوم تھانویؒ اور علوم عثمانیؒ کا ایک عظیم خزانہ، جامع ماہر اور شارح تھے۔ تحریر و تقریر میں ان کو زبردست ملکہ حاصل تھا، اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے، اساتذہ اور علماء کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے یہ سب کچھ حضرت قاری صاحبؒ کے دورِ اہتمام اور ان کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا ہے، اور دارالعلوم کے عروج و ترقی کا تاج اور سہرا حضرت قاری صاحب کے سَر ہے۔ حضرت قاری صاحب ایک پاکیزہ شخصیت جامع العلوم اور بہترین کمالات سے متصف تھے۔ (ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک)

فتنۂ مرزائیت کے خلاف جہاد

اسلام کے بنیادی عقیدے چھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، تمام انبیائے سابقین کے بعد حضرت محمد ﷺ کی آخری اور حتمی (Final) نبوت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان جن میں آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ یوم حشر پر ایمان اور قضاوقدر پر ایمان!

آیۂ رحمت حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کا ابر نبوت نسلِ انسانی پر قیامت تک رحمت فشاں رہے گا۔ یہی عقیدہ ہے جو ایمان کی اصلِ اساس اور تحمل کی بنیاد ہے۔ کیونکہ یہ حضور ﷺ ہی کا فیضان ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی وحدہ لاشریک ذات عالی کو پہچانا اور ہم پر بندگی کی فضیلت اور فرائض منکشف ہوئے۔ اس اعتبار سے حضور ﷺ پر فدائیت و شیفتگی کا جذبہ مسلمانوں کے خون میں گردش کرتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو لنگڑے لولے مسلمانوں کو بھی چلنے اور میر اُمم ﷺ کی حُرمت پر کٹ مرنے کا ذوق عطا کر دیتا ہے۔ اگر یہ جذبہ چھین لیا جائے تو مسلمان کے تمام عقائد کی عمارت کھنڈر بن جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ختم المرسلین ﷺ صادق وامین سے زیادہ اجمل واکمل اور برگزیدہ ترین پیغمبر کا تصور خالق دوجہاں کے ذہن میں بھی نہیں آیا۔ تبھی تو انہیں ﷺ نبوت کا آخری شہ پارہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ برصغیر میں انگریزوں کے سامراجی عزائم کے لئے سب بڑا چیلنج مسلمان تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بے دست وپا کرنے کے لئے انہیں ایسے شخص کی جستجو کرنی پڑی جو عشقِ محمدی ﷺ کی بنیادیں ہلا ڈالے۔ انہیں یہ شخص قادیان میں مرزا غلام احمد کی شکل میں مل گیا۔ ۱۲-۱۱ ھ میں مسلمانوں کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسود عنسی، طلیحہ، مسیلمہ کذاب اور اس کی عیسائی بیوی سجع جیسے فراقوں کی نبوت کاذبہ کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس قیامتؑ خیز فتنے کو انہوں نے اپنے ایمان واستقامت اور فراست وشجاعت سے کچل ڈالا تھا۔ انیسویں صدی میں نبوت کاذبہ کا فتنہ ہندوستان میں پھوٹ پڑا۔

یہ فتنہ وقت کی سب سے بڑی سامراجی قوت انگریزوں کی سرپرستی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اٹھایا۔ مرزا صاحب نے فرنگی سامراج کے قصیدے ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان پڑھے۔ جہاد کو حرام قرار دیا۔ انگریزوں سے وفاداری کو شرط لازم ٹھہرایا۔ "محمدیت" کی جگہ "احمدیہ" کو فروغ دینا چاہا۔ اپنی جھوٹی نبوت کا علم پکڑ کر مسلمانوں کا ایمان غارت کرنے اور ان میں انتشار واختلال پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر علمائے حق نے یہ مذموم کوشش ناکام بنا کر مرزا صاحب اور ان کے سرپرست انگریزوں کے مذموم ارادے خاک میں ملا دیے۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنۂ مرزائیت کی سرکوبی کا اعزاز اور امتیاز جن علمائے کبار کے حصے میں آیا ان میں علمائے لدھیانہ، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، حضرت پیر مہر علی شاہؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری اور امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سرفہرست ہیں۔ اصل میں ان علمائے حق کے اصل سرخیل حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری ہی تھے۔ انہوں نے ردّ مرزائیت پر جو رسائل تحریر فرمائے ہیں وہ ان کے علوم کا شہ پارہ ہیں۔

مزیز برآں انہوں نے فتنہ مرزائیت کو خائب، خاسر کرنے کے لئے علمی، قلمی اور خطابتی محاذوں پر مختلف علمائے کرام کو خصوصی تربیت دے کر مامور فرمایا۔ خطابت کے مورچے پر امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مامور کئے گئے۔ حضرت علامہ انور

شاہؒ نے لاہور میں پانچ سو علمائے کرام سمیت خود حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر شریعت کے خطاب سے نوازا۔ حق یہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مرزائیت کو کلمۂ فرار پڑھنے پر مجبور کردیا۔ علامہ انور شاہ ہی کی توجہ کا اثر تھا کہ علامہ اقبالؒ بھی مرزائیت کے مضرات و مہلکات سے آگاہ ہوئے اور اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ حضرت علامہ انور شاہؒ نے علمی محاذ کے علاوہ مناظروں اور عام جلسوں میں مرزائیت کا پول کھولنے کے لئے جن علمائے کبار کو خصوصی تربیت دی ان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضیٰ حسنؒ، حضرت قاری محمد طیبؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع اور مولانا ادریس کاندھلویؒ کے نام ممتاز ہیں۔ یہاں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ پاکستان میں علمائے دیوبند کے ایک عاشق صادق شورش کاشمیری مرحوم نے بھی مرزائیت کے خلاف زندگی بھر ڈٹ کر جہاد کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامیانِ پاکستان مرزائیت کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے اور اس جہاد میں فیض یافتگان دیوبند ہی قائدانہ کردار ادا کرتے رہے۔ یہ حضرت مفتی محمودؒ، حضرت مولانا عبد الحق اکوڑویؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ہی تھے جنہوں نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کو مرزائیت کے ہمہ جہتی مفسدات سے آگاہ کیا، تاکہ آنکہ مسٹر بھٹو ہی کے دور اقتدار ہیں۔ ۷، ستمبر ۱۹۷۴ء کو مرزائی دائرہ اسلام سے باقاعدہ آئینی طور پر خارج قرار پائے۔ کیا عجب یہی واقعہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید!

پنجاب میں نعرہ حق: ۱۳۴۳ھ میں حضرت شاہ صاحب نے پنجاب کا ایک وسیع دورہ کیا تاکہ مختلف مقامات پر قادیانیوں نے قادیانی منطق کا جو جال پھیلا رکھا ہے۔ اس کا تاروپود بکھیرا جائے۔ چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثانی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید محمد بدر عالم صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی معیت میں حضرت شاہ صاحب پنجاب کے دورے پر نکلے۔ یہ علم و عمل کے پہاڑ اور فضل وولایت کے سمندر لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات اور راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہزارہ اور کوئٹہ وغیرہ میں جلسوں میں مرزائیوں کو للکارتے پھرے مرزائی دجّال جو آئے دن اہل اسلام کو مناظروں کے چیلنج کرتے پھرتے تھے۔ ایسے چھپے کہ کسی ایک جگہ بھی چہرہ نہ دکھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

بہاول پور کا فیصلہ کن تاریخی مقدمہ: ۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ بہاول پور کی ایک مسلمان عورت نے ---------- بہاول پور کی ایک عدالت میں دعوی کیا کہ اس کا شوہر مرزائی ہوچکا ہے، لہذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے۔ سات سال تک یہ مقدمہ بہاول پور کی ادنیٰ عدالتوں میں پیش ہوتا رہا۔ بالآخر دربار معلیٰ میں پہنچا۔ ۱۹۳۳ء میں دربار معلیٰ سے تحریر ہو کر کہ اس مسئلے کی دونوں طرف کے علماء کی شہادتیں لے کر تنقیح کرکے کوئی فیصلہ کیا جائے۔ پھر نچلی عدالت میں آیا۔ مدعیہ غریب عورت تھی۔ اس کے یہ بس کی بات نہ تھی کہ اتنا لمبا چوڑا کام کرے۔ درآں حالیکہ دوسری طرف قادیان کا بیت المال اور رجال کار سب کچھ اس کے لئے وقف ہوگیا۔ لیکن الحمدللہ بہاولپور کے غیور مسلمانوں کی انجمن موید الاسلام نے اس کا بیڑا اٹھایا اور شیخ الجامعہ بہاول پور کی زیر سرپرستی تمام مشاہیر علماء کو شہادت کے لیے دعوت دی۔ حضرت شاہ صاحب ان دنوں ڈابھیل صدر مدرس تھے۔ مگر بوجہ علالت دیوبند میں فروکش تھے، لیکن جب اس مسئلہ کا

علم ہوا تو اپنی صحت اور دیگر مصروفیتوں کی پرواہ کئے بغیر دیگر مشاہیر کی معیت میں تاریخ مقدمہ سے کئی روز پیشتر بہاول پور میں تشریف لائے اور تقریباً ۲۵ روز بہاول پور میں قیام فرمایا۔

حضرت علامہ کشمیری کا تین دن مسلسل بیان ہوتا رہا۔ ناظرین وسامعین کا بیان ہے کہ حضرت کے بیان کے وقت احاطۂ عدالت میں سکتہ طاری رہتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم کا ایک سمندر ہے۔ جس کی گہرائی کا سوائے قدرت باری تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں۔ بیان ۶۰ صفحات پر قلمبند ہوا، لیکن سارا از اوّل تا آخر نہیں۔ صرف اتنا طبع ہوا، جو حضرت جج صاحب کو لکھواتے تھے۔ جو جو عبارات اثناء بیان میں تشریحات و تفسیرات کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں وہ قلم بند نہیں ہوئیں۔ نیز حوالہ جات میں صرف اوّل و آخر لفظ لے لیا گیا، حالانکہ حضرت پوری عبارت مع تشریح و تفسیر سناتے تھے۔ اگر پورا بیان مفصل شائع کیا جاتا تو تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات پر پھیل جاتا۔

بہرحال حضرت علامہ کشمیریؒ اور دوسرے محقق علماء کے بیانات ہوئے اور مقدمہ کا فیصلہ ۷، فروری ۱۹۳۵ء کو سنایا گیا جو ایک سو باون صفحات پر اردو زبان میں شائع ہوا اور ڈسٹرکٹ جج نے مرزائی کو مرتد قرار دیتے ہوئے نکاح فسخ کردیا۔ **وللہ الحمد المنتہ.** عدالتی سطح پر اہل اسلام کی اتنی بڑی فتح یہ حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی قدر کی بدولت ہوئی۔ اس مقدمہ کی مفصل کارروائی مطبوعہ ملاحظہ کی جائے۔ یا پھر "حیات انور" نامی کتاب میں حضرت مولانا محمد انوری صاحب کا مضمون پڑھا جائے۔ جس میں اس روداد کا اجمالی ساخاکہ آگیا ہے۔ (ماخوذ از "بیس بڑے مسلمان")

قادیان میں اعلان حق: "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی" کے مصداق حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اعلان حق کرنے کے لیے نیز قضیۂ زمین بر سر زمین کی خاطر کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے اور وہاں پبلک جلسہ کرکے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ مرزائیوں نے حکام سے مل کر بہت کوشش کی کہ ان جلسوں پر پابندی لگادی جائے۔ مگر یہ جلسے جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ہوتے تھے اس کی بناء پر پابندی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب قادیانی جلسے بند کرانے میں کامیاب نہ ہوسکے تو پھر جلسہ سے قبل حضرت شاہ صاحب کو دھمکی آمیز خطوط لکھا کرتے کہ اگر تم یہاں آئے تو قتل کردیئے جاؤ گے اور واپس نہ جاسکو گے اور یہ صرف دھمکی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ کئی ایک دفعہ عملاً کوشش بھی کی گئی مگر! حضرت انور شاہ صاحبؒ مرزائیت کے چہرۂ اعلیٰ سے نقاب الٹتے رہے۔ مرزائیت کے خلاف اس جہاد کے لیل ونہار میں جو شخصیت حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کے سفر و حضر میں شریک رہی وہ مولانا محمد انوریؒ کے علاوہ حضرت قاری محمد طیبؒ کی ذات گرامی ہے۔ قاری صاحبؒ اپنے نامور اتالیق کے حکم پر جہاں تہاں بڑے بڑے جلسہ ہائے عام سے خطاب کرتے اور مرزائیت کے پرخچے اڑاتے رہے۔ حضرت علامہ انور شاہؒ نے قاری صاحبؒ کی تقریروں کی خود تحسین فرمائی اور انہیں گدڑی کا لعل قرار دیا۔ قاری صاحبؒ فی الواقع علم ونظر، عبادت وریافت اور زبان و بیان کے گوہر بے بہا تھے اور اپنی فطری آب و تاب دکھانے سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ، حضرت قاری طیبؒ اور ان کے محترم ساتھی علمائے کرام کے مواعظ وارشادات سے نہ جانے کتنے مرتد دوبارہ اسلام کی آغوش میں آگئے اور کتنے ان گنت لوگ مرزائیت کی خندق میں گرتے گرتے بچے۔ حضرت علامہ انور شاہؒ، حضرت قاری محمد طیبؒ اور ان کے ساتھی علمائے کرام کا تنہا یہی کارنامہ انہیں رب العزت کی بارگاہ عالی سے بیش از بیش جزا مرحمت

کرانے کے لئے بہت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ان کے دیگر کمالات وحسنات کا انعام اللہ تعالیٰ انہیں کس طور اور کس پیرائے میں عطا فرمائے گا۔ یہاں بے اختیار یہ بات دل میں آرہی ہے کہ خدا کرے آنجہانی مرزا کے آج کل کے پیرو کار سنجیدگی سے حضرت علامہ انور شاہؒ اور حضرت قاری محمد طیبؒ کے خطبات ورسائل کا مطالعہ کریں۔ اس سے ان پر نبی آخر الزماں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی سیرت اقدس روشن ہوگی، جو انہیں دوبارہ اسلام کے دامنِ رحمت میں لوٹا لائے گی۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ہجرت پاکستان

عام مسلمان اور پاکستان کے نام پر سب کچھ قربان کردینے والے کم پڑھے لکھے یا بالکل ہی ناخواندہ لوگوں نے تو اس طرح ہجرت کی کہ گھر بار، جان مال، عزت وآبرو غرض پوری متاع زندگی داؤ پر لگا کر روانہ ہوئے، مگر تعلیم یافتہ اور سیاست سے آشنا حضرات نے زیادہ تر ایسی حالت میں ہندوستان چھوڑا کہ ایک سوئی کا نقصان بھی نہیں اٹھایا۔ بہت سے لوگ ایسے تھے کہ کسی خاص عنوان سے محدود ویزا پر پاکستان گئے، دو چار ماہ رہے، حالات کو ٹٹولتے رہے دیکھا کہ موقع بیٹھ رہا ہے تو رہ گئے، ورنہ مدت مقررہ کے اندر اندر واپس آگئے۔ بہت سے ایسے بھی رہے کہ موقع کی تلاش میں آج کل آج کل کرتے کرتے واپسی کی مدت ختم ہوگئی اور لاکھ لاکھ سر پٹکتے رہے مگر کبھی واپس نہیں آسکے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ تھے اور اپنے مزاج اور رجحان کے اعتبار سے مسلم لیگ اور پاکستان کے مؤید، معترف اور مددگار تھے، مگر چونکہ اس تائید وطرف داری سے علی الاعلان مدرسہ میں سیاسی محاذ آرائی ہوتی تھی اس لئے جماعت کے مصالح کا خیال فرماتے ہوئے ہمیشہ اپنی رائے اپنے ہی تک محدود رکھتے تھے۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد نوعیت بالکل بدل گئی تھی۔ علماء کرام وہاں تشریف لے جارہے تھے اور شیخ الاسلام، مفتی اعظم اور مقتدائے امت جیسے مناصب پر فائز ہو رہے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب بھی کسی موقع پر پاکستان تشریف لے گئے تو تلامذہ اور معتقدین نے وہیں قیام پر اصرار کیا۔ فوری طور پر کوئی صورت تو سامنے نہ آسکی مگر اس تگ ودو میں واپسی کی مدت ختم ہوگئی۔ اہل وعیال تو سب ہندوستان میں تھے ہی، موصوف کی شہرت، عزت اور مقبولیت بھی بہ نسبت پاکستان کے ہندوستان میں کئی گنا زیادہ تھی۔ ان حالات میں ہندوستان واپسی ضروری سمجھی گئی، مگر اب راستے ہمیشہ کے لیے مسدود ہوچکے تھے۔ معمول کے مطابق ہندوستانی ہائی کمیشن کی طرف رجوع کیا تو صاف جواب ہوگیا۔ ادھر ادھر سے سعی سفارش کرائی تو بالکل بے سود ہوئی۔

آخر کار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھ کر واپسی کے لئے چارہ گری کے طالب ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے منتظر ہی تھے خط پاتے ہی مولانا حفظ الرحمٰن سے فرمایا کہ مولانا طیب صاحب کی واپسی کی اجازت حاصل کریں۔ مولانا نے ارباب حکومت سے رجوع کیا تو پتہ چلا کہ اب ان کی واپسی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ بر دلیل کے جواب میں حکومت یہ کہتی تھی کہ اگر ان کو اجازت دے دی گئی تو بڑے بڑے مسلم لیگیوں اور پاکستانیوں کے لئے دروازہ کھولنا پڑے گا، بہت سے اصحاب رائے بھی اس بات کے خلاف تھے کہ حضرت مولانا طیب صاحب کو واپس بلایا جائے، مگر حضرتؒ ایسی ہر تجویز کو سختی سے رد کرتے رہے اور آخر بہ نفس نفیس مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ وزیر تعلیم کے پاس تشریف لے گئے۔ مولانا آزاد، ملاقاتوں اور معاملات میں ضوابط وقواعد اور دوسرے لفظوں میں پروٹوکول کے بہت

پابند تھے۔ بلا اطلاع اور تعینِ وقت کے کسی سے نہیں ملتے تھے۔ اب تو خیر حکومت کے حلقہ وزارت سے منسلک تھے۔ جب بالکل ہی گوشہ نشین تھے اس وقت بھی ان کے رکھ رکھاؤ اور پابندی ضوابط کا یہی حال تھا۔ ایک بار ملک کے سب سے بڑے اور قابلِ احترام لیڈر سی آر داس کو یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ میں مشغول ہوں کسی دوسرے وقت آئیں۔ اسی طرح بروایت مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی، گاندھی جی کو بھی گھر سے واپس بھیج دیا تھا اور کسی دوسرے وقت آنے کے لئے فرمایا تھا۔ ادھر حضرت مدنی کا یہ حال تھا کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ملاقات کے لئے بھی کسی پابندی اور ضابطہ داری کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ حسب دستور بلا کسی تکلف اور اہتمام کے پہنچ گئے۔ مولانا آزاد کے یہاں ان ضوابط وقواعد میں کچھ مستثنیات بھی تھے، جن میں حضرت مدنی بھی شامل تھے۔ حضرت نے سلام ودعا کے بعد اظہار مدعا کیا۔ مولانا نے حضرت کو تفصیل سے سمجھایا کہ قانون کی پابندی لازمی ہے اور اس کی رو سے مولانا طیب صاحب کی واپسی ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا آزاد نے اپنی رائے کا بھی اظہار کیا کہ مولانا طیب صاحب وہیں بہتر ہیں، آپ ان کو وہیں رہنے دیں۔ اس بات پر حضرت کے تیور بدل گئے اور سختی سے فرمایا کہ ان کو ہر حال میں یہاں آنا چاہیئے۔ آپ اس معاملے میں لیت ولعل نہ کریں۔ مجبور ہو کر مولانا آزاد نے پنڈت جواہر لال کو فون کیا اور حضرت کے اصرار کے بارے میں تفصیل سے مطلع کیا۔ پنڈت جی نے اسی وقت فرمادیا کہ آپ حضرت مدنیؒ کو مطمئن کردیں میں ابھی ان کی واپسی کے احکام صادر کرتا ہوں۔ مولانا محمد طیب صاحب جب دیوبند پہنچے تو طلباء دیوبند، اساتذہ اور خود حضرت نے ان کا بہت شاندار استقبال کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موصوف کوئی بڑا دینی اور اسلامی معرکہ سر کرکے آئے ہیں۔ مہتمم صاحب ٹرین سے اتر کر حضرت کی طرف لپکے اور معانقہ ومصافحہ کیا۔ حضرت نے اپنی خیر مقدمی تقریر اس شعر اے تماشاگاہ عالم روئے تو۔۔۔۔ تو کجا بہر تماشائی سے شروع کی۔ اسی شام کو مدرسہ میں مولانا کے اعزاز میں جلسہ ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب نے اپنی تقریر سے پہلے یہ شعر پڑھا!

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

اور پھر فرمایا کہ اب جبکہ میری واپسی کی ساری تدابیر مسدود ہوچکی تھیں۔ یہ محض حضرت مدنی مدظلہم کی مہربانی ہے کہ میں آج پھر یہاں حاضر ہوں۔ (شیخ الاسلام مولانا حسین مدنیؒ۔ ص ۶۸۵ تا ۶۸۷، از سید فرید الوحیدی)

پاکستان میں اہم خطبات: حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے لئے پاکستان کوئی اجنبی اور نیا ملک نہیں تھا، انہوں نے تو اس کے لئے قربانیاں دی ہیں اور وہ اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ہم عصر علماء کرام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، اور دیگر حضرات کی طرح قیام پاکستان کے لئے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں اپنے شیخ اور استاذ کے حکم پر سرگرم حصہ لیتے رہے، انہیں پاکستان سے محبت تھی۔ ان کے عزیز واقارب یہاں کثرت سے موجود ہیں۔ یہ ان کا اپنا گھر تھا وہ یہاں بارہا تشریف لائے اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، اکوڑہ خٹک، ملتان اور فیصل آباد کے دینی مدارس میں عوام وخواص کو اپنے سحر انگیز خطابات سے محظوظ فرماتے رہے۔ ہزاروں افراد یہاں آپ کے فیض علمی وروحانی سے مالامال ہوئے۔

جب بھی آپ پاکستان تشریف لاتے تو خاص طور پر اپنے رفیقِ خاص مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہاں دارالعلوم کراچی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مدرسہ خیر المدارس ملتان اور حضرت مولانا عبد الحقؒ کے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضرور جاتے۔ یہ مدارس ان کے مراکز فیض تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: پاکستان میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کی طرف نظریں اٹھتی تھیں۔ اب یہ سب حضرات چل بسے۔ اب یہاں آنے اور رہنے کا مزہ نہ رہا۔ ان حضرات سے آپ کے گہرے روابط تھے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ ایک بار لاہور کے قیام میں فرمایا کہ:۔

"ہمارا درسوں میں جن سے زیادہ ملنا جلنا تھا اور جن کی کشش ہمیں یہاں لے آتی تھی وہ نہ رہے ان میں ایک تو مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا۔ دوسرے مولانا بدر عالم صاحب تھے جنہوں نے پاکستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا گھر بنایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ دور دور تک پھیلایا۔ تیسرے مفتی محمد شفیع صاحب ہیں جن کے ساتھ ہر معاملے میں قریبی تعلق رہا۔ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سفر و حضر سب میں ساتھ رہا۔ بہر حال ان حضرات سے حضرت حکیم الاسلامؒ کے گہرے تعلقات تھے، پاکستان جب بھی تشریف لاتے ان ہی حضرات کے یہاں قیام فرماتے تھے

ذیل میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے پاکستان میں آخری چند دوروں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے، جن میں آپ نے مختلف بڑے شہروں کے دینی مدارس کے اجتماعات اور چند اہم کانفرنسوں اور جلسوں سے خطاب فرمایا۔ یہاں انہی چند اہم خطابات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جناب سجاد میر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۹۷۵ء میں لاہور میں آمد کا مختصراً آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ:۔

سرحدوں پر ضابطوں کی جو حدیں قائم ہیں اور انہیں پھلانگنا اس عہد میں آسان نہیں رہا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سفارتی تعلقات تک نہیں ہیں۔ تاہم خدا نے وسیلہ پیدا کیا اور قاری محمد طیّب کئی سال بعد ایک بار پھر اہلِ پاکستان کے درمیان موجود تھے۔ یہاں لاہور میں ان کا قیام تین دن تک رہا۔ اس دوران ایک درس قرآن دینے کے علاوہ قاری صاحب نے دو اجتماعات سے بھی خطاب کیا، ایک جامعہ اشرفیہ اور دوسری دارالعلوم الاسلامیہ کی رسم دستار بندی کی تقریب تھی۔ ہمیں بھی ان اجتماعات میں ان کی باتیں سننے، ان سے الگ باتیں کرنے اور انہیں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ نہ کبر و نخوت، سراپا انکسار، دھیرے دھیرے رواں دواں، جب یہ شخص علم کے گہرے سمندروں سے پایاب گزرتا ہے تو لہروں کا سکوت دیدنی ہوتا ہے۔ کتنے خوبصورت، کتنے نستعلیق ہیں یہ لوگ جن کی باتوں سے ملی ہے سیکڑوں کو زندگی اور یہ سیکڑوں لوگ اس روز جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے جامعہ اشرفیہ کی مسجد کا رخ کر رہے تھے۔

شہر کی دیواروں پر پوسٹر اور فضاؤں میں لاؤڈ سپیکر کی صدائیں یہ اعلان کر رہی تھیں کہ جمعہ کے فوراً بعد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء کی رسم تقسیم اسناد سے خطاب فرمائیں گے۔ اس اجتماع میں جہاں دور دراز سے خلقت کھچی چلی آتی تھی وہاں مسلک دیوبند کے جیّد اور نامور علماء بھی موجود تھے۔ قاری صاحب نے خطاب شروع کیا:۔

"میں آپ سے چند کلمات مختصر وقت میں گذارش کروں گا۔ مختصر اس لئے کہ ضعیف و علیل ہوں اور بیان طویل ہوتا نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے بچپن کی بات ہے ہمارے استاذ اکبر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے ملنے تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ میں بھی ہمراہ ہوتا مجھے یاد ہے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے کہ شاہ صاحب کے آنے سے میرے قلب پر ان کی عظمت کا بوجھ پڑتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ اتنا بڑا عارف کامل یہ بات کہہ رہا ہے اور اس وقت تو یہاں اتنے علماء موجود ہیں۔ اندازہ کیجئے مجھ ناتوان کے دل پر کس قدر بوجھ پڑ رہا ہو گا۔ سو کچھ ضعف اور علالت اور کچھ علماء کی موجودگی میں کالم کو مختصر کروں گا"۔

مگر پھر جو بات چلی تو اس وقت تک جاری رہی جب مؤذن نماز عصر کے لئے پکار رہا تھا اور بادلوں سے پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ اندر ٹیپ ریکارڈوں کی قطاریں پڑی تھیں اور باہر لاؤڈ سپیکروں کا نظام متعین تھا۔

بہر حال قاری صاحب نازک اور باریک نکتے سمجھا رہے تھے۔ وہ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو نصیحت کر رہے تھے کہ وہ اپنی صورت اور وضع ایسی بنائیں جو دوسروں کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا کرے وہ کہہ رہے تھے۔ "ہم ذرا اپنے ارد گرد نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہر شے مرکب پیدا کی ہے۔ اس کا ایک حصہ خفی ہے جسے روح کہتے ہیں اور دوسرا جلی ہے جسے جسم کہتے ہیں۔ جسم محض کی بات کریں تو اس کا انجام تو گلنا سڑنا ہے اور روح بغیر جسم کے نمایاں نہیں ہو سکتی۔ یوں سمجھئے کہ جب بھی کوئی غیبی حقیقت ظاہر ہو گی تو اس کا کوئی نہ کوئی پیرایہ کوئی نہ کوئی صورت ہو گی، جیسے گلاب کی خوشبو پتی اور پھول میں نمایاں ہوتی ہے، ذائقہ بغیر کسی شکل کے ظاہر نہیں ہوتا۔ اللہ ہر صورت کو مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کو مناسب صورت دیتا ہے"۔

اور ادھر قاری صاحب کی تقریر جاری تھی۔ ادھر ہمارے فوٹو گرافر محفوظ شاہد صاحب اس تاک میں تھے کہ نظر بچا کر تصویریں اتار لوں۔ فلیش گن کی لائٹ چمکی اور مائک سے قاری صاحب کی آواز سنائی دی۔

"کیوں بھائی تصویریں بنا کر ہمیں رسوا کرتے ہو"۔

یہاں لاؤڈ سپیکروں نے خاصی خرابی پیدا کی۔ قاری صاحب کو اتوار کی صبح ایک دوسرے اجتماع سے بھی خطاب کرنا تھا۔ یہ اجتماع دار العلوم اسلامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد تھا۔ جہاں شہر کی ابتداء ہوتی ہے۔ وحدت روڈ اور ملتان روڈ آپس میں ملتی ہیں۔ وہیں دار العلوم کی عمارت ہے۔ یہ دار العلوم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایما پر فن تجوید وقرأت کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ قاری صاحب نے دو گھنٹے سے بھی طویل خطاب میں قرآن کے موضوع پر گفتگو کی۔ اتنی دور افتادہ جگہ تھی مگر یہاں بھی دور دور سے لوگ کافی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ (ماخوذ ہفت روزہ اذکار۔ لاہور)

یہ دورہ حضرت حکیم الاسلام نے جنوری ۱۹۷۵ء میں فرمایا۔ اسی دورہ پاکستان میں آپ نے اپنے رفیق خاص حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی وفات کے سلسلے میں مولانا کاندھلویؒ کے صاحب زادگان سے تعزیت کی، جو ان کے دورہ سے چند ماہ قبل لاہور میں فوت ہوگئے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی رحلت پر بھی آپ نے تعزیت کی۔ اسی دورہ ۱۹۷۵ء میں کراچی بھی اپنے قدیم رفیق مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپ نے دار العلوم کے اساتذہ اور طلباء سے "علم اور زیارت علم" کے موضوع پر ایک اہم خطاب فرمایا جو علم و معرفت کا مرقع اور حکمتوں کا گنجینہ تھا۔ ایک گھنٹہ اس خطاب نے سامعین کو نہال کردیا۔ اس خطاب کی رپورٹ اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی رپورٹ ماہنامہ "البلاغ" کراچی اور "ترجمان اسلام" لاہور میں مفصل شائع ہوئی ہیں۔ بعد میں یہ اہم تقریریں "خطبات حکیم الاسلام" اور "اخلاص فی الدین" نامی کتابوں میں بھی من وعن شائع کردی گئی ہیں۔ (ماہنامہ الرشید۔ لاہور)

مارچ ۱۹۷۶ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر پھر پاکستان تشریف لائے۔ حکومت پاکستان نے ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے انعقاد کا پروگرام بنایا تھا اور اس میں دنیائے اسلام کی نامور علمی شخصیتوں کو دعوت دی گئی تھی۔ ہندوستان سے اس پروگرام میں حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب قاسمیؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی پاکستان تشریف لائے۔ پاسپورٹ وغیرہ کے مراحل میں تاخیر کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے دئے گے استقبالیہ اور سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس ہی میں شریک ہوسکے، جبکہ کانفرنس کا افتتاح حضرت حکیم الاسلام ہی کے عظیم الشان خطاب سے ہونا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام نے سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے خطاب فرمایا اور آپ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:۔

"پاکستان نے جو یہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی ہے، میں پاکستان کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس بین الملکی کانفرنس کے پیشِ نظر اتحاد باہمی کے جو مبارک اور خوش آئند اثرات و نتائج ہیں، ان میں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا جائے کہ پڑوسی ممالک کا زیادہ حق ہے کہ ان کو اتحاد کے جذبہ سے پاکستان زیادہ سے زیادہ اپنے سے قریب کرے اور ان پڑوسی ممالک میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہندوستان ہے"۔

حضرت نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پاکستان نے عالمی اتحاد کے سلسلہ میں دو عظیم الشان اقدامات کئے ہیں۔ ایک سربراہ کانفرنس اور دوسری سیرت کانگریس جو عالمی اتحاد کا موجب ہوگی۔

۲، مارچ ۱۹۷۶ء کو کراچی میں منعقد کئے گئے سیرت کانگریس کے استقبالیہ میں جو شہر کراچی کی طرف سے دیا گیا تھا، انتظام کرنے والی سیرت کمیٹی نے حضرت حکیم الاسلام سے درخواست کی کہ وہ مہمانوں کا شکریہ ادا کریں۔ حضرت نے کلمات ترحیب و تشکر پیش کرتے ہوئے یہ دلچسپ بات ارشاد فرمائی کہ اس کانگریس کے مہمانِ خصوصی عرب ممالک کی مؤقر شخصیتیں ہیں، جن کی مہمانی کا شرف عجمیوں کو حاصل ہے اور عجم ہونے کے رشتہ سے پاکستان اور ہندوستان دونوں برابر ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میں مہمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک میزبان کی حیثیت سے ہندو پاکستان دونوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں اور عرب مہمانوں کے لئے سپاس گزار ہوں"۔

سیرت کانگریس کے اختتامی اجلاس میں سیرت کمیٹی کی طرف سے حکیم الاسلام کو چاندی کے منقش خول میں جو ایک مخملی بکس کے اندر تھا ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کی اور حضرت کی دینی علمی اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ یوں تو تمام پاکستان ہی مہمانوں کا شکر گزار ہے، لیکن اہلِ پاکستان کو سب سے زیادہ دو شخصیتوں نے متاثر کیا ہے۔ ایک حرم مکہ کے امام شیخ عبد اللہ بن السبیل اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب شیخ الجامعہ دارالعلوم دیوبند۔

جب حضرت اقدس اس اختتامی اجلاس سے باہر تشریف لانے لگے تو عوام کے زبردست ہجوم نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ چونکہ عوام حضرت حکیم الاسلام کی تقریر سننے آئے تھے۔ جس سے اب تک محروم رہے ہیں۔ اس لئے ہم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوسکتے جب تک اس جلسہ میں حضرت ممدوحؒ کی کوئی مفصل تقریر نہ ہو۔

چنانچہ قاری زاہر قاسمی صاحب نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور جلسہ دوبارہ جمایا گیا اور ساٹھ ستر ہزار افراد کے ایک زبردست اجتماع میں حضرت کی تقریر ہوئی، جو ایک تاریخی اہمیت کی تقریر تھی۔

۲۵، مارچ ۱۹۷۶ء کو حضرت حکیم الاسلام لاہور روانہ ہوئے۔ لاہور میں ۲۷، مارچ کو شب میں ایک عام شہری جلسہ ہوا، جس میں ایک اہم تقریر ہوئی اور ۲۸، مارچ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر کے افتتاح کے لئے دوسرا جلسہ عام جامعہ اشرفیہ لاہور میں ادارہ الرشید کی طرف سے منعقد کیا گیا، جس میں ابتدائی تقریر حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی ہوئی، جو دارالعلوم کی عظمت وشان پر مشتمل تھی۔ آخری تقریر دارالعلوم دیوبند کے موضوع پر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ہوئی۔ جس میں یہ نمبر تجلید شدہ حضرت کو سپاسنامہ پیش کیا گیا اور پانچ نسخے دارالعلوم کے لئے دئے گئے۔ اس تقریب میں حضرت کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سپاسنامہ مولانا عبد الرشید ارشد صاحب نے پیش کیا۔ انہوں نے کہا:۔

"عالی مقام حکیم الاسلام! علم وعمل کے تاجدار! آپ کے دارالعلوم دیوبند نے صرف علمی خدمات ہی سرانجام نہیں دیں بلکہ ایسے عملی انسان پیدا کئے جو اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں حضور اقدس ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے تھے اور جنہوں نے عملی طور پر سنن رسول مقبول ﷺ کا احیاء کیا۔ جس کا اثر یہ نکلا کہ علی گڑھ، ندوہ اور دیگر اداروں کے ممتاز افراد اور سربراہ ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے"۔

معزز مہمان! آپ کے شیخ اور سرپرست دارالعلوم حضرت حکیم الامت تھانوی۔ آپ کے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ آپ کے رفیقِ خاص دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم اور آپ نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا قائدانہ ساتھ دیا۔ جس سے پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، ورنہ شاید پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا۔

اسی دوران اسلام آباد اور راولپنڈی، اکوڑہ خٹک وغیرہ شہروں میں بھی تشریف لے گئے، جہاں دوسرے کئی اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ اسلام آباد میں جناب مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور نے حضرت کو ایک پر تکلف دعوت دی اور راولپنڈی میں مو

غلام اللہ خاں صاحبؒ نے اپنے مدرسہ میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ جس میں حضرت نے خطاب فرمایا۔ بعد میں حضرت نے اہلِ شہر کی طرف سے دیئے گئے ایک استقبالئے میں شرکت کی اور مختصر خطاب کیا۔

اس کے بعد حکیم الاسلامؒ کراچی تشریف لے گئے، جہاں ۳۰ مارچ ۱۹۷۶ء کو دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی صدارت میں ان ہی کے دارالعلوم کراچی کورنگی میں پاکستان کے دینی مدارس کے سربراہان کا ایک اہم اجلاس ہورہا تھا۔ آپ بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں ملک بھر کے جید علماء تشریف لائے تھے۔ اس اہم اجلاس سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات نے خطاب کیا اور آخر میں حضرت حکیم الاسلام نے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی تقریبات کی تیاری کے بارے میں مفصل روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس کے کنوینر مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور ناظم مولانا محمد تقی عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی منتخب کئے گئے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء کو آپ واپس دیوبند روانہ ہوگئے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

حضرت حکیم الاسلام آخری عشرہ اپریل ۱۹۷۸ء میں دیوبند (انڈیا) سے کراچی تشریف لائے۔ مستقل قیام اپنے برادرزادہ قاری زاہر قاسمی صاحب کے ہاں تھا۔ سب سے پہلے اپنے رفیق قدیم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات پر تعزیت کے لئے حضرت مفتی اعظمؒ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کے ہاں دارالعلوم کورنگی تشریف لے گئے۔ جہاں دارالعلوم کراچی کے اساتذہ طلباء اور منتظمین حضرات سے حضرت مفتی اعظم کی رحلت پر تعزیتی خطاب فرمایا جس میں حضرت مفتی اعظم کے اوصاف و کمالات دینی و علمی خدمات اور اپنے قدیم تعلقات کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد ۲۹ اپریل بروز شنبہ حضرت حکیم الاسلام صبح قریباً ۸ بجے جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی گئے اور وہاں کے اساتذہ وطلباء سے حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی وفات پر تعزیت کی اور اسی سلسلہ میں خطاب بابرکت سے بھی اساتذہ وطلباء کو مشرف فرمایا، ان دونوں حضرات مرحومین کی تعزیت کے سلسلے میں جو کلمات ارشاد فرمائے اس کے چند جملے ملاحظہ فرمایئے۔

ارشاد فرمایا کہ:۔

> ان حضرات کی رحلت کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو نفس وصال کی، جس کا تعلق ان حضرات کی ذات سے ہے۔ دوسرے فراق کی، جس کا تعلق ان حضرات کے پس ماندوں سے ہے۔ جہاں تک نفس وصال کا تعلق ہے اس میں رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ یہ حضرات بوجہ علم واخلاق اور زہد و تقویٰ کے فائز المرام تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کو بخش دیا ہوگا، بلکہ مرابت عالیہ کا معاملہ فرمایا ہوگا اور جہاں تک تعلق پس ماندوں کا ہے وہ واقعی قابل رنج و غم ہے، مگر اس میں بھی بفحوائے قول خداوندی "انّ مع العسر یسرا" ایک وجہ تسلی کی نکل آسکتی ہے۔

امام محمد کی وفات کے بعد بعض عارفین نے پوچھا کہ آپ پر کیا گزری؟ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ علماء سے سن رکھا تھا کہ موت بڑی کھنگ چیز ہے، بڑی سخت چیز ہے، بڑی ہی درد و کرب کی چیز ہے، مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہوا، میں تو فقہ کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا، سوچتے سوچتے آخرت میں پہنچ گیا۔ مجھے خبر نہیں گزری۔ یہ ایک جملہ ہوا اور دوسرا جملہ یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور یہ فرمایا کہ اے

محمد! اگر ہمیں بخشنا نہ ہوتا تو ہم اپنا علم تیرے سینے کے اندر کیوں ڈالتے۔ علم تو تقویٰ کی چیز ہے، تو یہی صورت ان حضرت کی بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے سینے میں علم ڈالا اور علم بھی ایک امتیازی درجہ کا۔

اپنے اساتذہ و شیخ بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور استاذ الاکبر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے علوم ومعارف کی جتنی امانت ان حضرات کے سینے میں تھی اور ان علوم ومعارف پر جتنا افادہ ان حضرات نے فرمایا یہ بھی امتیازی چیزیں تھیں جو انہیں حاصل تھیں۔ اتنا بڑا علم کتاب وسنت کا جب ان حضرات کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا تھا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہ یقین ہے کہ ان کے مراتب بھی بلند ہوں گے۔ ویسے تو غیب کی خبر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مگر اللہ ہی نے جن علامات کی اطلاعات دی ہیں ان کی بناء پر ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ ان حضرات کے مراتب بلند ہیں اور وہ درجات قرب میں ہیں اور بہت اونچے مقام پر ہیں۔ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ، تو ان کے لئے کوئی رنج کی چیز نہیں ہے کیونکہ انہوں نے تو اپنا مقصد پالیا۔ رنج اور صدمہ تو پسماندوں کا ہے کہ جن سے ایک نعمت چھن گئی، ایک دولت چھن گئی، اس واسطے رنج اور صدمہ اپنے فراق کا ہے، ان کے وصال کا نہیں ہے۔

جب میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنی تو دارالعلوم دیوبند میں اس حادثہ فاجعہ کا سب سے زیادہ اثر مجھ ناتواں پر ہوا۔ وہ میرے تعلیمی زمانے کے ساتھی تھے ایک ساتھ دونوں نے پڑھا۔ ایک ہی ساتھ حج کیا، ایک ہی ادارہ میں رہے اور ایک ہی وقت درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ مدتوں دارالعلوم دیوبند میں حدیث وفقہ کے استاذ تھے۔ تفسیر میں تفسیر معارف القرآن ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت بنوری صاحب اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں، مگر ان کا علم اور ان کی دینی خدمات زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی۔ حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم ایک بڑے عالم اور محدث تھے۔ مولانا مرحوم کا جو برتاؤ میرے ساتھ تھا، وہ ایک خصوصی برتاؤ تھا۔ وہ بڑی محبت کرتے تھے اور محبت سے گزر کر ایسی نیازمندی سے پیش آتے تھے جیسے کوئی شاگرد۔ یہ تواضع للہ کی بات تھی ورنہ وہ علم فضل میں ہم لوگوں سے کہیں بڑے تھے، مگر جتنا علم بڑھتا ہے اتنی ہی تواضع بڑھتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ سب کو اور ہمیں صبر بھی دے اور اجر بھی عطا فرمائے اور توفیق بھی دے کہ آئندہ ان کے کاموں کو چلائیں اور ان کے یہ مدارس خدا کرے ہمیشہ جاری وساری رہیں۔

کراچی میں چند اجتماعات سے خطاب فرمانے کے بعد آپ بذریعہ طیارہ ۳۰، مئی ۱۹۷۸ء کو ملتان تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب بھی تشریف لائے، جو حضرت کے مجازین خصوصی بھی ہیں۔ ملتان میں آپ مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم مہتمم جامعہ خیر المدارس کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ مولانا محمد شریف صاحب مرحوم بھی حضرت کے مجاز بیعت تھے۔

۳۰، مئی کو جامعہ خیر المدراس ملتان میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں پورے پنجاب سے ہزاروں لوگ حضرت کی زیارت اور تقریر سننے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔ جلسے کا پروگرام نماز مغرب کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ جلسہ میں علماء، صلحاء اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے خیر المدارس کے فارغ التحصیل علماء کی دستار بندی بھی کی اور ہزاروں افراد کے اس اجتماع سے ایک بصیرت افروز علمی خطاب بھی فرمایا۔ حضرت کی تقریر کے چند جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندہری بانی مدرسہ خیر المدارس کی وفات کے بارے میں تعزیتی کلمات ہیں۔ ویسے یہ تقریر ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک بڑے علمی انداز میں جاری رہی۔ جو ماہنامہ "الرشید" ستمبر ۱۹۸۳ء میں مکمل شائع بھی ہو چکی ہے۔ لیجئے صرف یہاں چند تعزیتی کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کہ:۔

"میری اس وقت حاضری کا مقصد ملتان میں نہ کوئی جلسہ تھا نہ کوئی مجلس تھی، نہ کوئی تقریب اور وعظ کا تخیل ذہن میں تھا۔ میری حاضری کا مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کی وفات کے بعد یہ پہلی حاضری تھی تاکہ تعزیت ادا کروں اور تعزیت کے لئے ہجوم اور مجمع نہیں ہوتا۔ اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے تو میں روک دیتا اور مجھے امید تھی کہ مولانا محمد شریف صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس، فرزند ارجمند حضرت مولانا خیر محمد صاحب مان بھی لیتے، لیکن اچانک آکر معلوم ہوا کہ کوئی جلسہ بھی ہے اور اجتماع بھی۔ جلسہ اور تقریریں ان سب کے لئے ضرورت پڑتی ہے نشاط کی۔ طبیعت میں انشراح ہو، نشاط ہو، یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں، مگر میں اس وقت حاضر ہوا ہوں ایک بجھے ہوئے دل کے ساتھ۔ مولانا خیر محمد صاحب کا غم سامنے ہے، مگر یہاں آکر تازہ ہو گیا، حالانکہ ان کی وفات کو ایک عرصہ گزر چکا ہے، مگر میرا تعلق اتنا قوی تھا ان سے اور قلبی رابطہ برسہا برس سے تھا۔ مولانا مرحوم جب جالندھر میں مقیم تھے، پنجاب کا جو بھی میرا سفر ہوتا تو دو جگہ اترنا لازمی ہوتا تھا۔ جالندھر میں مولانا مرحوم کی وجہ سے اور امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کی وجہ سے۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا مرحوم کا قیام ملتان میں ہوا یہاں بھی ایک دو مرتبہ ان کی حیات میں حاضری ہوئی۔ اس وقت ان کی وفات کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے حاضری کا، تو وہ سارے تعلقات بھی سامنے آگئے۔ وہ ساری تاریخ سامنے آگئی، اس وجہ سے دل پر غم کا ایک بوجھ ہے تو اس بجھے ہوئے دل سے میں کیا تقریر کروں اور کیا جلسے کا حق ادا کروں؟ اور خود میرا بھی اب ضعیفی کا عالم ہے، قوت بھی وہ نہیں ہے، جو پہلے تھی۔ جذبات بھی سرد پڑ چکے ہیں تو ایسی حالت میں تقریر ہو تو کیا ہو؟ بہر حال اب غم کے سلسلے میں ہی ایک تعزیتی تقریر ہو گی"۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی ذات مقناطیسی ذات تھی جو قلوب کا رجحان تھا اور دل کھنچتے تھے اور ان کی وفات جیسا کہ مقولہ مشہور ہے۔ موت العالم موت العالم، اس لئے کہ عالم کے ذریعے حیات پھیلتی ہے۔ وہ حیات یہ نہیں ہے جو کھانے پینے کی ہے۔ وہ حیات روحانی ہوتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے اور وہی حقیقی روح ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کو اپنی روح فرمایا ہے۔ اسی روح سے اقوام زندہ ہوں گی اور اسی روح کے نکل جانے سے پژمردگی طاری ہو گی۔

حضرت کی یہ عالمانہ بصیرت افروز تقریر "روح اور جسم کی حقیقت" کے بارے میں مدللانہ انداز سے ہوتی رہی اور لوگوں کا عظیم الشان ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بڑے پرسکون ماحول میں حضرت کی یہ تقریر سنتا رہا۔ آگے حضرت نے علماء ربانی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"علماء ربانی کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ ان کا دل، روح اور دماغ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے۔ یہ اثر ہے نبی اکرم ﷺ کا اور ان کا صدقہ ہے۔ حضور پُر نور ﷺ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ "**كان يذكر الله على كل احيانه**".

کوئی لمحہ نبی کریم ﷺ کا ذکراللہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ زبان سے ذکر کریں، قلب سے ذکر کریں، جس کو ذکر کہتے ہیں۔ روح سے ذکر کریں، جس کو توجہ کہتے ہیں اور معرفت کہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طریق پر ذکر میں مصروف رہتے ہیں، تو جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ موت العالم موت العالَم تو ایسے عالم کا اٹھ جانا تو پورے عالم کا اٹھ جانا ہے، کیونکہ وہ روح نکل جاتی ہے تو پورے عالم پر ایک پژمردگی چھا جاتی ہے۔

تو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے ان کے نام میں خیر ہے، ان کے مسمّیٰ میں بھی اللہ نے خیریت ہی رکھی تھی اور واقعتہً خیر ہی خیر تھے۔

حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا درس دینا، مواعظ سے تبلیغ وتلقین کرنا، اپنے پروردوں کی تربیت کرنا، غرض ذکر اللہ ہی ان کا مشغلہ تھا، چاہے کسی بھی انداز سے ہو تو ایسے عالم ربّانی کا اٹھ جانا یقیناً یقیناً پورے عالم کے لئے موت کا بھی اور علامات موت کا یقیناً اشارہ ہے۔ جب کوئی عالم ربّانی اٹھتا ہے تو قلوب محسوس کرتے ہیں کہ ایک قسم کی ظلمت طاری ہو گئی ہے۔ پورے عالم پر روحانیت میں کمی آگئی ہے۔ ہر شخص محسوس نہیں کرتا۔ صاحبِ دل جانتا ہے کہ نورانیت میں کتنی کمی آئی ہے"۔ (ماہنامہ "الرشید" لاہور، ستمبر ۸۳ء)۔

الغرض حضرتؒ نے جامعہ خیر المدارس ملتان میں یہ ایک نہایت نصیحت آمیز تقریر فرمائی۔ اس کے علاوہ مدرسہ قاسم العلوم اور تعلیم الابرار وغیرہ مدارس کا بھی معائنہ فرمایا۔ خیر المدارس میں حضرت کی تقریر کے بعد حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب نے بھی خطاب فرمایا اور دعا حضرت نے فرمائی۔ شب کا قیام خیر المدارس ہی میں فرمایا۔

۴، مئی ۱۹۷۸ء کو مع رفقاء ساہیوال تشریف لے گئے۔ اس کی مختصر رپورٹ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:۔

فرماتے ہیں کہ:۔

۲۵، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ جمعرات کی صبح جامعہ رشیدیہ کے لئے ایک عجیب صبح تھی کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند جامعہ رشیدیہ نمبر ۲ کی جدید عمارت کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے ملتان تا لاہور کار کے ذریعے صرف اس لئے سفر کی تکلیف فرمائی کہ راستہ میں "دیوبندی مکاتیب فکر" کے احباب سے ملاقات ہوجائے۔ چنانچہ حضرت موصوف ۹ بجے کے قریب جامعہ رشیدیہ تشریف لائے، جامعہ کے اکیس علماء فارغ التحصیل کی دستار ہائے فضیلت، سندات، انعامی کتب آپ کے سامنے رکھی تھیں، اور ۲۲ طلباء حفاظِ قرآن، قرآن حکیم ختم کر چکے تھے۔

حضرت کی تشریف آوری پر احقر ناظم ادارہ نے مختصر سازبانی سپاسنامہ پیش کیا اور جامعہ رشیدیہ کا دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند سے تعلق اور رابطہ بیان کیا۔ حضرت نے جامع خطاب فرماتے ہوئے (کتب خانہ رشیدیہ) میں دعا فرمائی۔ اس تقریب سعید میں ساہیوال، بہاولپور، بہاول نگر، ملتان، فیصل آباد، سرگودہا اور لاہور کے اضلاع سے لوگ حضرت قاری صاحب موصوف کی زیارت کے لئے اور خطاب سے مستفید ہونے کے لئے کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں فرمایا کہ:۔

"پاکستان میں میری حاضری محدود وقت کے لئے ہوتی ہے۔ وقت بہت کم ہے اور پروگرام طے پایا کہ ملتان سے لاہور تک سفر سڑک کے راستے بذریعہ کار کیا جائے تاکہ راستے میں دوستوں سے ملاقات ہوتی چلی جائے اور زیارت سے ہم مستفید ہوتے چلیں گے، اگرچہ گرمی کا موسم ہے اور سفر گو دشوار تھا مگر دوستوں اور احباب کی گرمیٔ محبت گرمیٔ آفتاب پر غالب آگئی۔ جامع رشیدیہ میں حاضری ہو گئی کیونکہ اس کا تعلق اکابر دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ نیز جہاں بھی کوئی فاضل دارالعلوم بیٹھا ہے اس سے تعلق ہے یہ خطہ تو ایک ہی تھا مگر تقسیم نے جدا کر دیا"۔

یورپ میں، مَیں نے دیکھا کہ بہت زیادہ مدارس قائم ہیں اور فضلاء دارالعلوم اپنی اپنی جگہوں پر اشاعت دین میں بذریعہ تدریس مصروف ہیں۔ تقریباً ۲۰ بچیس گرجے خرید کر وہاں مدارس اور مساجد قائم کردی گئی ہیں اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ ان گرجوں کو خریدنے میں غیر مسلموں نے بھی انتہائی کوشش کی، مگر فروخت کرنے والوں نے مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے کو ترجیح دی۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ "یہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں گے" اب وہاں عقیدہ تثلیث کی جگہ عقیدہ توحید کی تعلیم دی جارہی ہے اور یورپین نوجوان نسل اپنے نظریات واعمال سے دل برداشتہ ہوچکے ہیں۔ وہ اب سکون حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہیں جس کے نتیجے میں فضلاء دارالعلوم دیوبند نے نوجوان نسل کے ذہنوں میں تبدیلی کے لئے محنت کی اور کر رہے ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اور اس لئے میں کہتا ہوں کہ آپ ہی (فضلاء دارالعلوم) فاتح انگلستان بن سکتے ہیں۔ یہی صورت برما وغیرہ دوسرے ممالک میں ہے کہ وہاں بھی مدارس قائم ہیں اور اشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔ بہرحال اکابر دارالعلوم دیوبند نے ایسا شجرہ طیبہ قائم کیا ہے کہ دنیا میں کہیں شاخیں ہیں، کہیں پھول اور کہیں پتیاں"۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

"میں تو ایک طالب علم ہوں اور یہاں آکر سکون محسوس کر رہا ہوں کیونکہ مچھلی جس طرح پانی میں خوش ہوتی ہے اور وہاں اسے آرام ملتا ہے۔ اپنی برادری میں آکر مجھے قلبی سکون وآرام میسّر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ یہاں میری حاضری میرے لئے باعث سعادت ہے کہ اتنے احباب، دوستوں اور بزرگوں کی زیارت ہوگئی۔ بزرگوں، احباب کی زیارت کرنا اسلام کی روایت ہے"۔

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ:۔

"ہم میں سے کوئی پنجابی ہے کوئی پٹھان ہے اور کوئی کسی خاندان اور علاقہ سے تعلق رکھتا ہے، مگر اسلام کے ایک رشتہ نے سب تفاوت اور فرق ختم کردئے۔ ہم میں گو بعد زمان ومکان ہے، مگر رشتہ اسلام کی وجہ سے دلوں میں قرب ہے اور دلوں کے اس تعلق اور محبت کو بُعد زمانی یا مکان ختم نہیں کردیتا۔ اس زیارت کو غنیمت سمجھتا ہوں، کیونکہ عمر کی آخری منزل ہے دل چاہتا ہے کہ جتنے احباب سے ملاقات ہوجائے اتنا ہی کم ہے"۔

اس کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور مجلس ختم ہوگئی۔ (ماہنامہ الرشید مئی ۱۹۷۸ء)

جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے بذریعہ کار لاہور تشریف لے گئے جہاں جامعہ اشرفیہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ یہ وہ عظیم درسگاہ ہے جس میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی متعدد بار تشریف آوری ہوئی ہے اور یہاں بڑے بڑے عظیم الشان جلسوں سے آپ نے خطاب فرمایا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الاسلام کے خاص رفیق وبزرگ ساتھی تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے موجودہ مہتمم اور حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب اور نائب مہتمم حضرت مولانا صاحبزادہ عبد الرحمٰن صاحب حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء ومجازین میں سے ہیں اور حضرت حکیم الاسلام کے خاص عشاق میں سے ہیں۔

پاکستان میں حضرت حکیم الاسلام کے فیض یافتہ حضرات کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اور حضرت کے ہزاروں مریدین وتلامذہ ملک بھر میں دینی علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں۔ پاکستان میں حضرت کا یہ آخری دورہ تھا۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس ۱۹۸۰ء میں دیوبند میں منعقد ہوا جس کی مختصر رپورٹ آگے آرہی ہے۔

دار العلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات: دار العلوم دیوبند کے قیام کو اس وقت تقریباً ایک سو بیس سال گذر چکے ہیں۔ مدارس دینیہ عربیہ کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ ہر سال اپنے فضلاء کو ڈگری دینے کے ساتھ ان کی دستار بندی یعنی ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ طالب علم اب پڑھانے کے قابل ہوگیا ہے اور اس کے اساتذہ اس طالب علم کی نیک چلنی پر مطمئن ہیں۔ دار العلوم میں پچھلے ایک سو بیس سال میں تین دفعہ اس قسم کی تقریبات منعقد ہوئی ہیں جن میں فضلاء دار العلوم کی دستار بندی کی گئی۔

سب سے پہلے جلسہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کرام کی دستار بندی کی گئی تھی اور دوسرے جلسے میں جو کہ اس کے ۲۵ سال بعد ہوا تھا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے مشاہیر علماء کی دستار بندی کی گئی تھی۔ ان دو جلسوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کی سعی وکاوش سے ان کے آخری دور اہتمام میں مارچ ۱۹۸۰ء میں فضلاء دار العلوم دیوبند کی دستار بندی کے لئے یہ صد سالہ تقریبات منعقد کی گئی تھیں۔ جس میں تقریباً ۱۷ ہزار افراد کو سندِ فضیلت دی گئی، ان کی دستار بندی کی گئی۔ یہ تقریبات ۲۱ مارچ تا ۲۳ مارچ تین روز تک جاری رہیں اور اس صد سالہ تقریبات دار العلوم دیوبند میں تمام ممالک اسلامیہ سے فضلاء دیوبند اور دیگر معزز حضرات اور علماء کرام، نمائندگانِ حکومت اور سفراء عالم اسلام نے شرکت کی اور بڑے بڑے ممالک اسلامیہ کے سربراہوں کے پیغامات

پڑھ کر سنائے گئے۔ تقریبات کی ابتداء پاکستان سے اسپیشل ٹرین کے پہنچنے پر ہوئی۔ پاکستان سے ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل ایک اسپیشل ٹرین جس کی قیادت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا عبد القادر آزاد صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات علماء نے کی۔

صبح ۶ بجے دیوبند کے اس نئے اسٹیشن پر پہنچی جو پنڈال کے سامنے اس تقریبات کے لئے بنایا گیا تھا۔ اسپیشل ٹرین کو لاہور میں کسٹم اور امیگریشن اور محکمہ صحت کے عملے نے بہت گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اسپیشل ٹرین کا استقبال دار العلوم دیوبند کے منتظمین اور دیوبند کے شہریوں نے بڑے پر تپاک انداز میں کیا۔

۲۰، مارچ کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں سے سپیشل ٹرینیں آدھ آدھ گھنٹہ بعد دیوبند آتی رہیں اور شام تک دیوبند کا ہر حصہ علماء کرام اور دوسرے لوگوں سے بھر چکا تھا۔ ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ لوگوں کی رہائش کے لئے پنڈال کے ارد گرد خیمے لگائے گئے تھے اور ہر ملک کے لئے الگ الگ خیمے تھے اور وہاں پر رہائش کا اچھا انتظام کیا گیا تھا۔

۲۱، مارچ تقریبات کے پہلے روز سب سے پہلے صبح نو بجے ہندوستان کے محکمے ڈاک نے اسی صد سالہ تقریبات کے لئے جو ٹکٹ جاری کیا تھا اس کی خریداری کا افتتاح کیا اور ڈاک خانے کے بڑے افسر نے دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے لئے ٹکٹوں کا پیکٹ بطور تحفہ پیش کیا اور اس کے بعد اس ٹکٹ کی فروخت دار العلوم دیوبند اور پنڈال کے قریب بنے ہوئے ڈاک خانہ میں شروع کی گئی اور چند ہی گھنٹوں میں اس ٹکٹ کا سٹاک مکمل طور پر ختم ہو گیا۔

۲۱، مارچ بروز جمعہ پنڈال ہی میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پنڈال اتنا بڑا بنایا گیا تھا کہ اس میں تقریباً دس لاکھ افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اسٹیج بھی بہت بڑا بنایا جس میں تقریباً تین ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اسٹیج پر کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ پنڈال میں سب سے آگے صحافیوں کے لئے میز کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ نماز جمعہ میں تقریباً انیس بیس لاکھ افراد نے شرکت کی اور اتنا بڑا ہجوم تھا کہ تمام پنڈال اور اس کے ارد گرد اور تمام وہ شامیانے جو لوگوں کے قیام کے لئے بنائے گئے تھے نمازیوں سے بھر گئے تھے، اور پھر بھی بہت سارے لوگ رہ گئے جنہوں نے اپنی نماز کا الگ انتظام کیا۔

واضح رہے کہ دیوبند کی تمام مساجد اور دار العلوم کی بڑی مسجد میں بھی جمعہ کا انتظام حسب سابق تھا۔ پنڈال میں جمعہ کی نماز کی امامت کے فرائض حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے انجام دیئے اور نماز کے بعد اتنے بڑے اجتماع نے اسلام کی سربلندی اور عالم اسلام کی خوشحالی اور اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا کی۔

عجیب منظر تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، علماء، مشائخ، صوفیا اور عوام ہر قسم کے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے اور اپنے عجز کا اظہار کر رہے تھے۔ اسی عاجزی اور آہ وزاری کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سہ روزہ اجتماع کامیاب کیا اور اتنے بڑے ہجوم میں کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اور نہ ہی کسی شخص کو کسی قسم کی پریشانی ہوئی۔

نماز جمعہ کے بعد پہلے اجلاس کا آغاز مصر کے مشہور قاری عبد الباسط عبد الصمد کی تلاوت پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس خدمت کے لئے مقرر فرمایا کہ میں اس عظیم اجتماع میں دار العلوم دیوبند کی طرف سے سپاسنامہ پیش کروں اور ہم خدا تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ آج یہاں دنیا بھر کے علماء کرام ومشائخ عظام، امراء کرام اور غریب مسلمان سب کے سب ایک جگہ جمع ہیں اور ان کے دل اور جسم دونوں ایک اسلامی اخوت اور مساوات کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور میں آپ تمام حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند کی دعوت پر اس اجلاس میں شرکت کرکے اس کو کامیاب وکامران کیا۔ دیوبند ایک قدیم ترین بستی ہے، جو تین ہزار سال قبل کی آبادی بتائی جاتی ہے اور آج یہ مسلمانوں کا ایک عظیم علمی مرکز ہے۔ اس بستی میں ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو انار کے درخت کے نیچے اس مرکز علم دار العلوم دیوبند کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا اور ایک استاد اور ایک شاگرد نے اس انار کے درخت کے نیچے اس عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کا افتتاح کیا۔ ان دونوں استاد اور شاگرد کا نام محمود تھا۔ یعنی استاد اور شاگرد ہم نام تھے اور اس مدرسہ کا قیام کسی فرد واحد کے خیال کی بناء پر پیش نہیں آیا، بلکہ اسی زمانہ کے علماء کرام نے نبی اکرم ﷺ کے حکم اور اشارے کے مطابق اس مدرسہ کے قیام کا انتظام فرمایا اسی لئے اس مدرسہ کو الہامی مدرسہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان علماء کرام کی قیادت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور اس مدرسہ کے قیام کا اعلیٰ مقصد جنوبی ایشیا میں اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کی حفاظت تھا کیونکہ اس وقت انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی ناکام ہو چکی تھی اور انگریزوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں سے ان کے علوم چھین کر ان کی تہذیب وتمدن کو ختم کرکے انہیں نیم عیسائی بنادیا جائے اس کے دفاع کے لئے اس وقت کے علماء کرام نے یہ طریقہ کار منتخب کیا اور ہندوستان میں دار العلوم کے قیام کے بعد مدارس عربیہ دینیہ کا جال بچھادیا۔ یہی وجہ ہے آج پاکستان وہندوستان میں اسلامی علوم محفوظ ہیں۔ الحمد للہ آج اس دار العلوم کو ایک سو سترہ سال گزر چکے ہیں اور اس کے فضلاء وعلماء کرام نے دنیا بھر میں وہ امتیازی خدمات انجام دی ہیں جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ اسلامی علوم کو جدید زبان اور جدید حالات کے مطابق ڈھال کر اسلام کو اس وقت تک کے لئے قابل قبول بنانے کا کارنامہ بھی اسی عظیم الشان درسگاہ کے حصہ میں آیا ہے۔ آج اس دار العلوم کے فضلاء دنیا بھر میں مدارس عربیہ کے ذریعے اسلامی علوم کی حفاظت کر رہے ہیں، چونکہ اس وقت مسلمانوں کو اتحاد اور ارتباط کی بہت سخت ضرورت ہے تاکہ وہ جدید فتنوں کا مقابلہ کرسکیں۔ اس لئے یہ اجتماع طلب کیا گیا تاکہ دنیا بھر کے علماء کرام ومشائخ عظام اور عوام اور امراء ایک جگہ جمع ہو کر اسلامی علوم کی حفاظت کے جدید طریقے کار پر غور کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اس اجلاس سے وہ نتائج اور ثمرات پیدا فرمائے جو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے ہدایت بن سکیں۔" ایک بار پھر خدا سے اس اجلاس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں اور آپ تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں"۔

یہ تھا حضرت مہتمم صاحب کے خطبۂ استقبالیہ کا خلاصہ، مفصل خطبۂ استقبالیہ ملک بھر کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہوچکا ہے۔ خصوصاً بینات کراچی۔ الحق اکوڑہ خٹک اور ماہنامہ "الرشید" لاہور نے من وعن حضرت کا یہ خطبہ استقبالیہ شائع کیا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کے بعد سعودی عرب کے نمائندے نے شاہ خالد اور شہزادہ فہد کی طرف سے پیغام پڑھ کر سنایا اور شاہ خالد کی طرف سے دس لاکھ روپے ہندی کے عطیہ کا اعلان کیا اور سعودی نمائندے نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات اور حضرت حکیم الاسلام کی سعی وکاوش کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

ان کے بعد دوسرے اسلامی ملکوں کے سربراہوں کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔ جن میں اردن کے شاہ حسن اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کے پیغامات قابلِ ذکر ہیں۔ ان پیغامات میں کہا گیا کہ دارالعلوم دیوبند نے جنوبی ایشیاء اور پورے عالم اسلام میں جو عظیم علمی، دینی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اسلام میں سنہری حروف کے ساتھ محفوظ ہیں۔

اس تین روزہ عظیم الشان صد سالہ تقریبات میں عالم اسلام کی جن نامور شخصیتوں نے خطاب فرمایا ان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم، مولانا غلام اللہ خاں، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور مولانا عبدالقادر آزاد وغیرہ حضرات کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ یہ سہ روزہ صد سالہ تقریبات بڑے جوش وخروش سے تین روز تک جاری رہیں اور ۲۳ مارچ کو یہ صد سالہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

علالت ورحلت

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:۔

"دارالعلوم دیوبند کا منصب اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس ساٹھ سال اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے لیکن حضرت نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا اور اپنی ساری زندگی دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف کردی سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پرسکون ہی دیکھا۔

اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے منتظمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا اور دیوبند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کرسکتا۔ لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحب کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پرسکون دیکھا۔ چہرے پر تھکن ضرور تھی لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں باہمی اختلافات نے جن طوفانی ہنگاموں کی شکل اختیار کی انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کردیا۔ دور ہونے کی وجہ سے ہمیں تمام حالات وواقعات سے واقفیت تو نہ تھی لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحب پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہوگی؟۔ اس زمانے کے حالات اس قدر پیچیدہ اور ان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق وناحق کا فیصلہ تو شاید آخرت ہی میں ہوگا۔

حضرت قاری صاحب کی زندگی تک ایک خفیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے، لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کردیا۔ حضرت قاری صاحب کے دم سے دارالعلوم میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں اور اس کے مخصوص مزاج ومذاق کی جھلک باقی تھی۔ اب دارالعلوم کی ان روایات کا اللہ تعالیٰ ہی حافظ ہے(۱)۔

بہر حال اجلاس صد سالہ کے بعد بعض خفی وجلی وجوہ واسباب کی بناء پر دارالعلوم میں جو خلفشار کی صورت پیدا ہوئی یہ ایک تلخ کہانی ہے اور اس کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اجلاس صد سالہ کے چندماہ بعد سے حضرت کی صحت گرتی چلی گئی اور تقریباً ایک سال سے زائد تو بالکل صاحب فراش رہے۔ اسی دوران دارالعلوم کی یہ اختلافی صورت پیدا ہوئی اور حضرتؒ کے لئے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف وانحطاط کی وجہ سے اس کا سلجھانا ممکن نہ رہا۔ آخری عمر کے ایک ڈیڑھ سال دارالعلوم کے اہتمام اور نظم ونسق سے گو آپ لاتعلق ہے۔ مگر آپ کا روحانی وقلبی تعلق دارالعلوم سے بدستور قائم رہا اور ہمیشہ دارالعلوم کے لئے خیر طلب اور دعا گو رہے۔ دارالعلوم سے قلبی تعلق کا اندازہ اس مکتوب گرامی سے لگائیے جو آپ نے علالت کے دوران ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے لئے لکھا تھا۔ حضرت کا یہ مکتوب گرامی یہاں من وعن پیش کیاجاتا ہے۔ جس سے حضرتؒ کے دردوکرب کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

محترم المقام مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدکم!

السلام علیکم۔

گرامی نامہ مورخہ ۲۸، اپریل ۱۹۸۳ء باعث شرف اور موجب تسلی ہوا۔ یہ میرے لئے روح کی غذا اور صحت مندی کی علامت ہے۔ آج کا دور کرب کا دور ہے۔ اخلاقی انتشار عالمی پیمانے پر بڑھ رہا ہے۔ ننانوے فیصد غلط فہمیاں چھائی ہوئی ہیں اور ایک فیصد حقیقت پر حاوی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امان ہے۔ آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی راہنمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے۔ آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے مسئول ہیں۔ یہ ہے سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے میں دہلی میں بہ منت ہسپتال رہا۔ اب دیوبند ہوں۔ میرا کھانا پینا صرف دوا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں۔ نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا، بلکہ غم دارالعلوم کا ہے۔۔۔۔ جماعت جو ۱۱۶ برس تک اوروں کے لئے ہدایت، تقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کررہ گئی۔ یہی میری بیماری ہے۔ ویسے یہ عمر کا تقاضا ہے اس عالم بے چارگی میں آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ جسے میں اپنے لئے اور دارالعلوم کے لئے روحانی صحت مندی کی علامت سمجھتا ہوں۔ آں محترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں۔ آں محترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی خطاوار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے۔ معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں، نہ معافی کا، بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے۔ ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں۔ ہم سب کو توفیق نصیب ہو اور آخرت کی جواب دہی سے نجات ملے!

---

(۱) ماہنامہ البلاغ کراچی

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندۂ بارگاہ سلطانیم

اس دن سے جس نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو یہ دن دکھائے۔ میں نے تین الفاظ اختیار کرلئے ہیں۔ السکوت والصبر والغنیٰ۔ انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں۔ زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی، خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے، پھر بحال ہوجائے۔ آں محترم سے دعا کی درخواست ہے۔ والامر بید اللہ الکریم۔ والسلام۔ محمد طیب غفرلہ۔ ۷-۵-۸۳ء

بلاشبہ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا لکھا ہوا یہ مکتوب گرامی ان کی اصل فطرت کے عین مطابق ہے۔ حضرت کے اس مکتوب گرامی کے بعد حضرت کی طبیعت زیادہ ناساز اور موجب تشویش ہوگئی اور دہلی کے ایک ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ مگر حالت سنبھلنے کے بجائے ۶ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷، جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ۸۸ سال کی عمر میں حضرت عالم فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق حضرت کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں ادا کی گئی اور دارالعلوم کے اکابر ومشائخ دیوبند کے قبرستان قاسمی ہی میں اپنے جدّامجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔

آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا قاری محمد سالم قاسمی نے پڑھائی۔

رحلت کے وقت حضرت کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں موجود تھیں۔ صاحبزادوں میں مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد اسلم قاسمی اور مولانا محمد اعظم قاسمی جیّد علماء میں سے ہیں۔

دیر یا سویر، موت سبھی کو آتی ہے، جو بھی اس دنیا میں آتا ہے، اسے فنا کا جام بہر حال پینا پڑتا ہے۔ مگر زندگی اور موت کی اس رزم گاہ میں، جسے دنیا بھی کہتے ہیں، بعض ایسے لوگ بھی اٹھ جاتے ہیں جن کی مدت تنہا ایک فرد کی موت نہیں ہوتی، بلکہ ایک ادارے، ایک انجمن، ایک عہد اور، ایک تاریخ کی موت ہوتی ہے۔ قاری محمد طیب صاحبؒ کی رحلت ایسا ہی سانحہ تھا ان کے اٹھ جانے سے سلف صالحین کا ایک گراں مایہ دور ختم ہوگیا اور علم وعرفان، عشق ومحبت، تعلیم وتہذیب، خطابت وخانقاہی، مروت ومتانت، شرافت وشائستگی اور سیر چشمی واصاغر نوازی کی محفلیں بے نُور ہوگئیں-------- ایسا نہیں ہے کہ قادر مطلق کی فیاضیوں کے دروازے بند ہوگئے ہیں اور اب کوئی بڑا عالم یا عظیم خطیب پیدا نہیں ہوگا۔ یقیناً اچھے اور بڑے لوگ ہر عہد میں پیدا ہوتے رہیں گے لیکن جو منفرد عظمت اور بے مثال جلالت حضرت قاری صاحبؒ سے مخصوص تھی اب اس عظمت وجلالت کا فاضلِ علوم کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ ہم ان جیسا ڈھونڈتے نکلیں گے مگر کہیں پا نہ سکیں گے۔ آہ!

ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے؟

قاری صاحبؒ کی وفات کی خبر نشر ہوئی تو پورے عالم اسلام پر غم کی بدلیاں چھا گئیں۔ جو جس جگہ اور جس حالت میں تھا وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ قاری صاحبؒ نے یہ تو کبھی نہیں کہا تھا!

کچھ نہ کرنا مگر اتنا تو کم از کم کرنا
ہم جو مرجائیں ذرا دھوم سے ماتم کرنا

مگر ہوا یہ کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش ہی نہیں پورا عالم اسلام ان کے سوگ میں ڈوب گیا۔ کالجوں، یونیورسٹیوں، دینی مدرسوں، جامعات، مسجدوں اور خانقاہوں میں کلام پاک پڑھا گیا۔ انہیں بلند درجات کی دعائیں دی گئیں اور اس کے ساتھ ہی فضا سسکیوں سے بھر گئی۔ اخبارات وجرائد نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور تعزیتی جلسوں میں ان کے فضائل بیان کرتے کرتے مقررین کے گلے رُندھ گئے۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ۔**

آدمی مدت سے اپنے ہی ساتھی ابنائے آدم پر ظلم کر رہا ہے۔ عزیزوں اور دوستوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ اس کی بے وفائیوں کی داستان دلخراش ہے۔ خوبصورت الفاظ کانوں کو اور خوبصورت چہرے آنکھوں کو فریب دے رہے ہیں۔ آدمی، آدمی کے ہاتھوں طرح طرح کے غم، دھوکے، غارتگری اور ذلت اٹھانے کے باوجود اپنی نجات وسعادت کے اصل مرکز کی طرف نہیں لوٹ رہا۔ کاش! کبھی انسانوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے رب العزت پر اعتماد کی لذت بھی چکھ لی جائے تو بیڑا پار لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں سے ٹوٹ کو محبت کرتا ہے۔ وہ بے وفا نہیں ہے۔ کوئی اسے دل دے کر تو دیکھے۔ وہ انسان پر بخشش ومرحمت کی برسات کر دیتا ہے۔---- اس کی درخشاں مثال ہمارے حضرت قاری محمد طیّب صاحبؒ ہیں۔ انہوں نے اپنا دل اللہ تعالیٰ کو دے دیا تھا۔ وہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ ہی کا مبارک نام جپتے رہے، اسی کی حاکمیت اور قدرت کے گن گاتے رہے اور اسی کی محبت واطاعت کا سبق دیتے دیتے چل بسے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا صلہ یہ دیا کہ کروڑوں افراد کے قلوب میں ان کی عزت ومحبت کے چراغ روشن کردئے۔ اور ان کی معطر یادوں کو امر بنادیا۔ ایسی عزت تو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

قاری صاحبؒ خاموش ہوگئے مگر وہ اپنے خطبات و تصنیفات میں ہمیشہ بولتے رہیں گے۔ ان کی خطابت، ان کی نصیحت اور ان کا پیغام ہمیشہ گونجے گا اور قافلۂ انسانیت کو اللہ کی بندگی کا راستہ دکھاتا رہے گا۔

اولاد:- حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ بڑے باپ کے بیٹے اور آفاقی شہرت کے حامل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے عظیم المرتبت پوتے تھے اور یہ خاندان بہت اوپر سے ورع وتقویٰ میں مشہور چلا آرہا تھا اور سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے---- حضرت قاری صاحب کے متعلق ان کے محاسن آپ پڑھ چکے آنمخدوم کے دو صاحبزادے ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد سالم زید مجدہم ۱ـ آج کل دارالعلوم (وقف) جامع مسجد کے مہتمم ہیں۔ عالم، عابد اور اپنے والد گرامی قدر کی طرح اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ آپ انڈیا کی مقبول اور محترم شخصیت ہیں۔ کئی دفعہ حضرت قاری صاحب کے ساتھ اور بعد اکثر پاکستان تشریف لاتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد اسلم صاحب زید مجدہم:- موصوف بڑے ذکی، ذہین، فطین اور بہت بڑے عالم ہیں۔ اردو، فارسی، عربی اور انگلش (اور اب شاید بعض ہندی زبانوں پر) عبور حاصل ہے۔ بہت اچھے خطیب اور مقرر ہیں، اس صفت کا اتنا شہرہ ہے کہ آپ کو دارالعلوم (وقف) میں وقت دینا مشکل ہوجاتا ہے۔ دارالعلوم میں استاد حدیث اور تالیف و تصنیف کا بھی کام کرتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کے جانشین تو ہیں ہی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس میدان میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

قائدِ شریعت حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء —— ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء

عکسِ تحریر

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق رحؒ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک مکتوب کا عکس

۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کی تحریک نظامِ مصطفیٰ جو مارچ سے جون تک جاری رہی جس میں قوم و ملک کے قومی رہنما، دینی زعماء اور عامۃ المسلمین کی ایک کثیر تعداد سے جیلوں کو بھر دیا گیا تھا شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ اور ان کے خاندان کو بھی اس ابتلاء اور آزمائش سے گزرنا پڑا، حضرت شیخ الحدیث کی عظمت علمی اور رفعت منزلت کے پیشِ نظر حکومتی کارندوں کو انہیں گرفتار کرنے کی جرأت نہ ہوسکی البتہ حضرتؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق اور ان کے خاندان کے افراد کو ہری پور جیل میں پسِ دیوارِ زنداں کر دیا گیا قائدِ تحریک مولانا مفتی محمود اور دیگر عمائدین ملک و ملت رفیقِ زنداں تھے شیخ الحدیثؒ نے اپنے فرزند کو جو خط لکھا ذیل میں اسی کا عکس تحریر بطورِ تبرک پیشِ خدمت ہے جس پر ۲ اپریل ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے۔

نورِ چشمی برخوردار سمیع الحق طول عمرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط موصول ہوا

الحمد للہ کہ درس قرآن مجید و درس حدیث شریف میں آپ کا

وقت گذر رہا ہے۔ برخوردار یہ قید و بند و مصائب

دینی نظام کے قیام کیلئے ہیں خداوند کریم قبول فرماوے

رب العزۃ جلد از جلد کامیابی عطا فرماوے۔ ھل انت

الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت

آپ کی یہ قربانی موجب سعادت ہے اور آپ کے واسطے سے

ناچیز و خاندان کے لیے باعث اجر ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ

نیز پاکستان کے لیے جو کچھ قربانی کرنا موجب نجات ہے۔

الحمد للہ کہ حضرت مفتی صاحب و دیگر علماء و مولانا صدیق کی رفاقت

میسر ہے [illegible] کے پاس گیا تھا مگر [illegible]

جواب دیا امید ہے کہ چند یوم میں [illegible] جاوے گا رب [illegible]

عطا فرماوے [illegible]

حضرت قبلہ مفتی صاحب و دیگر احباب کو سلام عرض

عبد الحق عفی عنہ ۲۔ اپریل ۱۹۷۷ء

[illegible]

احمد کامران
سابق سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ "مشرق" پاکستان

محدث کبیر عارف باللہ حضرت مولانا عبد الحق اکوڑوی ؒ

شخصیت - اور - کارنامے

جن لوگوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ کو نہیں دیکھا، انہیں کیونکر بتاؤں کہ مرحوم ایمان واستقامت، علم وعمل تواضع وتقدس، شفقت ومرحمت، زیبائی ورعنائی اور نور ونکہت کی کتنی دلکش تصویر تھے۔ حق یہ ہے کہ زبان وبیان کا کوئی اسلوب مولاناؒ جیسی متاعِ یوسفی کی صحیح تصویر کشی نہیں کرسکتا۔ ان کی ظاہری شخصیت تو سب دیکھتے تھے اور دنگ رہ جاتے تھے مگر ان کے اس باطن کو کوئی کیونکر دیکھ سکتا تھا جو ان کے ظواہر سے کہیں زیادہ حسین وجمیل اور منور ومعطر تھا۔ وہ بڑے عظیم انسان تھے۔ ان کا اپنے رب سے بڑا مضبوط تعلق تھا۔ کون جانے وہ قُرب خداوندی کے کس درجے پر فائز تھے۔ وہ راتوں کے سناٹے میں اپنے پروردگار کے حضور جو گریہ وزاری کرتے تھے اس کا لذت شناس کوئی دوسرا کیونکر ہوسکتا ہے؟ اور کسی کو کیونکر بتاسکتا ہے کہ وہ سکوتِ شب سے لے کر آہِ سحر گاہی تک رب کریم کی معرفت ومداحی کے کن کن مرحلوں سے گزر جاتے تھے! ع

تراچنانکہ توئی ہر کسے کُجا داند
بقدر طاقت خود می کند استدراک

چارسدہ کے ایک بزرگ مولانا عبد الغفور، حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں آسودۂ راحت رکھے۔ ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ایک دن کہنے لگے:۔

"مولانا ابوالکلام آزادؒ فرمایا کرتے تھے کہ جوں جوں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے میری ملاقاتیں بڑھتی جاتی ہیں اسی نسبت سے میرے دل میں ان کی محبت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے"۔

میرا دل حضرت مدنیؒ کے بارے میں امام الہندؒ کے اس قول کی مکمل تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے کہ ٹھیک یہی معاملہ مولانا عبد الحقؒ کے سلسلے میں مجھ پر بھی گزر چکا ہے۔ اخبار نویسی کی زندگی میں بڑے بڑے دینی، علمی، ادبی اور سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مگر مجھ پر جو اثر مولانا عبد الحقؒ کی سیرت وشخصیت نے ڈالا، وہ اثر میری طبیعت نے کسی اور سے قبول نہیں کیا۔ وہ مجھ کو بھری بزم میں یکتا اور شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا اور سب کے رفیق نظر آئے۔ جوں جوں مولاناؒ سے میری ملاقاتیں بڑھتی گئیں اتنا ہی ان کی سیرت کا کندن اور زیادہ چمک چمک کر سامنے آتا رہا اور ان سے میری محبت وعقیدت کی لو اور زیادہ اونچی اور روشن تر ہوتی چلی گئی! ع

یزیدک وجہہ حسناً
اذا مازدتہ نظراً

ایران کے شاعر صادق سرمد نے اپنے ممدوح کے بارے میں ایک شعر کہا ہے میں اس میں تصرف کرکے اسے اپنے مکرم ومخدوم

حضرت مولانا عبد الحقؒ کے لئے مستعار لیتا ہوں! ع

چشم حق بیں اندریں عصرِ جدید
ہمسرِ مولانا عبد الحقؒ نہ دید!

مولاناؒ کی یاد آتی ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور دل بے قرار ہو کر ناممکنات کی آرزو کرنے لگتا ہے کہ کاش! وہ دن پھر لوٹ آئیں جب مولاناؒ حیات تھے اور اپنی ایمان افروز باتوں اور سوز بھری دعاؤں سے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک دیا کرتے تھے۔ وہ سر سے لے کر پاؤں تک نُور کا آبشار تھے۔ جب وہ گھر سے اپنے سنگِ مرمر جیسے ٹخنوں کو گردش دیتے ہوئے دِھیرے دِھیرے ہموار قدموں سے مسجد تشریف لاتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے اور باطل کے اندھیرے چیر کر دینِ حق کا اجالا پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔ آہ! حضرت مولاناؒ اپنے حسنات کی جنت میں جا بسے اور مجھ جیسے بے شمار نیاز مندوں کو غمِ ہجر کے حوالے کر گئے۔ سوچتا ہوں اب طرح طرح کے بے قرار، مایوس، ملول، مفلس، مریض اور مضطرب لوگوں کو مولانا عبد الحقؒ جیسا سچا غم خوار عارف باللہ دعا گو کہاں نصیب ہو گا۔

اک دُھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے!

۱۹۷۶ء کی بات ہے۔ میں روزنامہ "مشرق" لاہور میں کام کر رہا تھا کہ اچانک میرا تبادلہ پشاور کر دیا گیا۔ میں تھوڑا عرصہ پہلے ہی بڑی مشکل سے کوئٹہ سے تبادلہ کرا کے لاہور آیا تھا۔ اس لیے انتظامیہ کی طرف سے پشاور چلے جانے کا حکم بڑا شاق گزرا۔ بہر حال مردہ بدست زندہ، میں بوجھل دل سے پشاور چلا گیا۔ لیکن

عُدو شود سبب خیر گر خدا خواہد! ع

پشاور میں میری دوستی جنگی محلے قصہ خوانی کے جناب شیخ محمد ارشد اور جناب ہمایوں صاحب سے ہو گئی۔ یہ دونوں دوست تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں اور پاکستان ہی نہیں افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، روس، افریقہ، فلپائن، سنگا پور اور نہ جانے کن کن ملکوں میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت کے لئے بے تابانہ اڑے پھرتے ہیں۔ میں ان کی للّٰہیت، اخلاص اور انتھک محنت سے بہت متاثر ہوا۔ انہی کی وساطت سے میرا تعارف خیبر میڈیکل کالج پشاور کے ایڈمنسٹریٹو آفیسر حضرت شیخ غلام حسین سے ہوا۔ وہ امیر تبلیغی جماعت پاکستان حضرت عبد الوہاب مدظلہ کے نہایت مقرب ساتھی ہیں۔ اللہ کا پیارا نام اتنی مٹھاس اور گداز لہجے میں لیتے ہیں کہ روح جُھوم اٹھتی ہے۔ یسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں شہد کی بُوندیں ٹپک رہی ہیں۔ ان دونوں دوستوں نے مجھے رفتہ رفتہ تبلیغ کی راہ پر ڈال دیا۔۔۔۔ یہ ہے وہ پس منظر جب میں نے پہلی مرتبہ پشاور کے تبلیغی بھائیوں اور مشرق پشاور کے رفقائے کار سے مولانا عبد الحقؒ کا نام اور ان کی کرامتوں کے چرچے سنے اور دل ان کی زیارت کے لئے بے قرار رہنے لگا۔ اب اکثر خیال گزرتا ہے کہ اگر میرا تبادلہ نہ ہوتا اور میں لاہور سے پشاور نہ جاتا تو تبلیغ جیسے اصل فرض زندگی اور مولانا عبد الحقؒ جیسی بابرکت ہستی سے بے خبر رہ کر کتنے خسارے میں رہتا۔ یہاں پہنچ کر بے اختیار ارشاد ربانی یاد آ جاتا ہے۔

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیرلکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شرلکم (بقرہ ۲۱۶)　　ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز سے کراہت کرو اور وہ تمہارے لئے خیر ہو اور یہ (بھی) ہوسکتا ہے کہ کسی چیز سے تم محبت کرو اور تمہارے لئے بہتر نہ ہو

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے جو کچھ کرتا ہے اسی میں اس کی فلاح ہوتی ہے۔ انسان تقدیر کا زندانی ہے۔ جب تک زندگی ہے مصائب ومکروہات سے مفر نہیں۔ ان دنوں میں خاص طور پر بہت پریشان تھا۔ بعض صدمے ایسے گزرے تھے کہ زندگی کے ولولے سرد پڑ گئے تھے۔ گھر سے دوری، تنہائی، مبہم مستقبل، معاشی پریشانیاں، اپنوں کی بے گانگی، مخلصوں کے بھیس میں مخبروں کا ہجوم، دفتری سیاست، بعض افسروں کا معاندانہ سلوک اور بہت سی دوسری نامسعود باتیں ایسی تھیں کہ ذہن گدلا ہو گیا تھا۔ سوچتا تھا نوکری چھوڑ دوں۔ مگر چھوڑ دوں تو پھر کیا کروں؟ اسی شش و پنج میں تھا، دل بہت آزردہ تھا۔ کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا تھا۔ کھانا پینا، مطالعہ کرنا، ہنسنا بولنا کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ فی الجملہ ساری زندگی اس شعر کے مصداق تھی! ع

کچھ ایسے واقعات مرے دل کے ساتھ ہیں
زندہ تو ہیں مگر بڑی مشکل کے ساتھ ہیں

ایک دن خیال آیا کہ مولانا عبد الحقؒ کی خدمت میں جاؤں اور ان سے دعا کی التجا کروں، چنانچہ میں گاڑی پر بیٹھا اور اکوڑہ خٹک جا پہنچا، وہاں کا بچہ بچہ مولاناؒ کا گھر جانتا تھا۔ اس لئے آسانی سے مولاناؒ کے گھر پہنچ گیا۔

یہ نیم پختہ گھر دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ بالکل معمولی سا مکان تھا۔ آرائشی تکلف اور زیب و زینت تو کجا، اس کی دیواریں بھی پلستر سے محروم تھیں۔ بے ساختہ مرزا غالب یاد آگئے! ع

ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف اسد!

مکان کی خستگی اور مکین کی بلند مقامی کا تقابل کرتے کرتے یاد آیا کہ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں ایوان و محل بنانے کی بجائے انسانیت کی پرداخت سیرت کی تعمیر اور خیر و برکت کے اثاثے بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔۔۔۔ بہر حال مولاناؒ کے دروازے پر دستک دی تو ایک بچہ باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ ایک چٹ اندر بھجوادی۔ یہ وہ دن تھے جب مرحوم ضعیف ہونے کے علاوہ بیمار بھی رہنے لگے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ، معلوم نہیں مولاناؒ کی صحت کیسی ہے اور وہ اس وقت مل بھی سکیں گے یا نہیں؟ مگر وہ اتنے کریم الطبع اور اکرامِ ضیف کے اس قدر خوگر تھے کہ انہوں نے مجھے لوٹانا گوارا نہیں کیا۔ فوراً بلا بھیجا۔ میں زینہ چڑھ کر اوپر کی منزل پر پہنچا تو سامنے کمرے میں وہ وجود مقدس موجود تھا! ع

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ جس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

سُرخ وسفید رنگ، بلند پیشانی، ملگجی بھویں، جھکی ہوئی پلکوں سے مرحمت و مہربانی کا شہد ٹپکاتی ہوئی آنکھیں، ستواں ناک، کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی دراز ریش مبارک، چاندی جیسے بال، سادہ، سفید اُجلے لباس میں ملبوس، نرمی و نوازش سے گندھا ہوا سراپا،۔۔۔۔ یہ حضرت مولانا عبد الحقؒ تھے۔ اپنے عالی مقام اسلاف کے سچے جانشین!

مولاناؒ کے بستر پر اجلی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ آس پاس چاروں طرف الماریوں میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی میز اور ساتھ ہی ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ مولاناؒ کی چارپائی کے قریب برقی گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا جو دم بدم تفتیشِ اوقاتِ نماز کے علاوہ

چھوٹی موٹی ضرور توں کے وقت دبایا جاتا۔ مولاناؒ کے اہلِ خانہ مطلع ہوجاتے۔ کوئی بچہ اوپر آتا اور مولاناؒ اس سے مطلوبہ چیز منگالیتے یا کوئی بات کہنی ہوتی تو کہہ دیتے۔

اللہ اللہ! وہ ان کا بیماری، بڑھاپے اور نقاہت کے باوجود بستر سے اٹھنا اور مجھ جیسے ادنیٰ نووارد ملاقاتی سے پوری بشاشت اور گرم جوشی سے مصافحہ کرنا اور پھر پوری طمانیت اور خوش دلی سے گفتگو کرنا۔ ان کی اعلیٰ شرافت اور انسانیت نوازی کا یہ منظر اب تک نظر کے سامنے ہے۔ حافظے کا دریچہ کھل گیا ہے اور ان کی ذرہ نوازیوں اور کریمانہ اخلاق کی یادیں دل ودماغ کو مہکاتی چلی جارہی ہیں۔

میں نے مشرق کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا۔ بہت خوش ہوئے دھیمے دھیمے لہجے میں گفتگو فرمانے لگے۔ باتوں کا سلسلہ چلا تو مولانا ابوالکلام آزادؒ اور حضرت مدنیؒ کا ذکر چھڑ گیا۔ ان دونوں بزرگوں کا نام سن کر حضرت کا چہرہ مبارک اور زیادہ دمک اٹھا۔ وہ حضرت مدنیؒ کے عاشق اور مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی رفعتوں کے قدر شناس تھے۔ حضرت مدنیؒ ان کے معلم تھے۔ وہ اپنے جلیل القدر اتالیق کا نام بار بار لے رہے تھے۔ فرمانے لگے ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا۔ بٹوارہ ہوچکا تھا۔ برصغیر کی ہر چیز تہلکے کی زد میں تھی، امن وامان زیر وزبر ہوچکا تھا۔ مگر اس ہلچل میں بھی حضرت مدنیؒ نے مجھے فراموش نہیں کیا۔ وہ مجھے دیوبند آنے اور تدریسی فرائض انجام دینے کی دعوت دیتے رہے لیکن عرفت ربی بفسخ العزائم۔ حالات ایسا رُخ اختیار کرگئے کہ میں دیوبند نہ جاسکا اور اللہ کا نام لے کر یہیں اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم کی داغ بیل ڈال دی۔

راقم کو یہ حقیقت بعد میں معلوم ہوئی کہ مولانا عبد الحقؒ کس امتیاز اور اعزاز کے ساتھ دیوبند بلوائے گئے۔ پروفیسر جناب افضل رضا اکوڑوی نے لکھا ہے کہ حضرت مدنیؒ اور مولانا ابوالکلامؒ نے مولانا عبد الحقؒ کو دیوبند بلانے کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا تھا اور ان کے بحفاظت سفر کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی لیکن ان کے والد محترم مولانا الحاج معروف گل بٹوارے کے ہنگاموں اور دہشت ودرندگی کے واقعات کی وجہ سے انہیں بھیجنے پر راضی نہیں ہوئے (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۴۶۴)

خاکسار کے نزدیک تو اس چھوٹے سے واقعہ میں مولانا عبد الحقؒ کی بڑائی کے بہت سے پہلو چمک رہے ہیں۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے کہ ایک نوعمر معلم کو اپنے عہد کی دو اتنی بڑی ہستیوں کا اعتماد حاصل ہوا۔ سیرت کی کیسی تابندگی اور علم کا کیسا مقام رفیع ہوگا جس تک مولانا عبد الحقؒ پہنچے اور دنیا کی سب سے وسیع اسلامی یونیورسٹی میں معلمی کے لئے اصرار اور اعتماد کے ساتھ بلوائے گئے!

میں مولانا عبد الحقؒ سے پہلی ملاقات کا حال سنا رہا تھا۔ مولاناؒ گفتگو فرما رہے تھے اور میں گوش برآواز تھا۔ مولاناؒ دیوبند میں بیتے دنوں کی یادیں ٹٹولتے ہوئے دفعتہً رک گئے۔ میری طرف توجہ فرمائی اور یہ آیات مقدسہ پڑھی "**ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب**" اس کا ترجمہ بیان فرمایا اور پھر جب اس کی تشریح کی تو میں دم بخود رہ گیا یوں محسوس ہوا کہ میں جن مصائب اور مکروہات میں گرفتار تھا، وہ ان پر خود بخود منکشف ہوگئے ہیں اور وہ مجھے ان سے نجات ملنے کی بشارت دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ آدمی اللہ کا ہوجائے اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرلے تو اس پر کبھی ہراس طاری نہیں ہوتا۔ رب العزت اس کی مدد فرماتا ہے اور ایسے مقامات سے رزق بہم پہنچاتا ہے جو سان گمان میں بھی نہیں گزرتے۔

یہ تھی مولانا عبد الحقؒ سے میری پہلی ملاقات جس میں ان کی شفقت اور ایمان افروز باتوں سے میرے تفکرات کا خاتمہ ہو گیا اور مجھے ایمان کی حلاوت محسوس ہونے لگی ——— اور یہ کچھ مجھ پر ہی موقوف نہیں تھا۔ ان کی خدمت میں مجھ جیسے ناچیز سے لے کر ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے اونچے سے اونچے لوگ آتے تھے اور ان کا ابرِ کرم سب پر یکساں فیاضی کے ساتھ برستا تھا۔ کوئی چھوٹا ہوتا یا بڑا۔ وہ سب کی عزت افزائی فرماتے تھے۔ دلوں کا درد ٹٹولتے تھے اور اپنے کریمانہ سلوک، ایمان افروز باتوں اور پرسوز دعاؤں سے سب کی پریشانیوں کو زائل کر دیتے تھے۔ مدت گزری ایک کتاب میں کسی دردمند انگریز کے چند سیدھے سادے دلکش جملے نظر سے گزرے تھے۔ مولاناؒ کو دیکھا تو بے اختیار حافظے میں چمک اٹھے:۔

DO ALL THE GOOD YOU CAN.
TO ALL THE PEOPLE YOU CAN.
IN ALL THE WAYS YOU CAN.
AS LONG AS EVER YOU CAN.

(ترجمہ) "ہر ممکن نیکی کرو، سب سے نیکی کرو، ہر طریقے سے نیکی کرو، جب تک تم میں سکت ہے برابر نیکی کرتے رہو"۔ ان جملوں میں اسلامی تعلیمات کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے۔ مولانا عبد الحقؒ کی زندگی سرتاپا نیکی تھی۔ وہ اپنے، پرائے، دوست، دشمن، ادنیٰ اعلیٰ، امیر، غریب، سب کے ساتھ نیکی اور فیاضی کا سلوک کرتے رہے۔ وہ نیکی کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں تھے۔ خدا کی بندگی اور خلقِ خدا سے محبت ان کی سب سے بڑی متاع تھی۔ وہ جھونپڑوں سے لے کر پارلیمنٹ کے ایوان تک نیکیوں کا نُور پھیلاتے رہے۔ ان کی بابرکت شخصیت کو دیکھ کر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جیسے انانیت پسند لیڈر کا سر بھی فرطِ ادب سے جھک گیا۔ یہ قصہ آگے آئے گا۔

میں مولاناؒ سے الوداعی مصافحہ کر کے اکوڑہ خٹک سے رخصت ہوا اور پشاور لوٹ آیا۔ لیکن وہ میرے دل کے حجرے سے رخصت نہیں ہو سکے۔ وہ میرے خیالوں پر مسلسل چھائے رہے اور یہ شعر رہ رہ کر زبان پر آتا رہا! ع

بے غمِ عشقِ تو صد حیف زعمرے کہ گزشت
کاش ازیں پیش گرفتار غمت خواہم بود!

کچھ عرصے بعد میں دوبارہ اکوڑہ خٹک گیا۔ مولاناؒ کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ تشریف نہیں رکھتے۔ آنکھوں میں تکلیف ہے، ڈاکٹر کے پاس پشاور گئے ہیں۔ مغرب کا وقت ہو رہا تھا، میں قریبی مسجد میں چلا گیا، یہ وہی مسجد تھی جہاں مولاناؒ نے دار العلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ نماز کے بعد مولاناؒ کا انتظار کرنے لگا، خاصی دیر ہو گئی۔ عشاء کی اذان ہوئی، نماز پڑھی پھر باہر آکر معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ مولاناؒ ابھی تشریف نہیں لائے۔ مولاناؒ سے ملے بغیر واپس پشاور جانے کو جی نہ چاہا لیکن بڑھتے پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر میں بس سٹاپ کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں مولانا کی گلی ہی میں تھا کہ دور سے ایک موٹر کار کی تیز روشنی پڑی۔ ساری گلی اجالے میں نہا گئی۔ قریب ہی کوئی شخص زور سے بولا "مولاناؒ آگئے" یہ سن کر میں نہال ہو گیا۔

گاڑی مسجد کے دروازے کے قریب رک گئی۔ مولاناؒ کی آنکھوں پر سبز پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ صاحبزادے کے سہارے گاڑی سے اترے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ بہت خوش ہوئے۔ دیر تک اپنے دستِ مبارک میں میرا ہاتھ تھامے رہے۔ وہ سنتِ رسول ﷺ

کے ایسے شیدائی تھے کہ مصافحہ کرنے والے کا ہاتھ اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ خود ملاقاتی اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے۔ بچے، بوڑھے، جوان نہ جانے کہاں کہاں سے نکل آئے اور مولاناؒ کے گرد پروانہ وار جمع ہوگئے۔ میں ان کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کسل مندی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر وہ اپنی تکلیف کا اظہار یا اعلان کرنے کی بجائے اپنی بے مثال شرافت اور عالی ہمتی سے سب کے ساتھ مصافحہ کر رہے تھے۔ فرداً فرداً سب کی خیریت اور حالات دریافت فرما رہے تھے اور دعائیں دے رہے تھے، جو شخص خود بیمار ہونے کے باوجود نہ تو غرض مندوں سے گھبرائے نہ جھنجلائے بلکہ خود اپنی تکلیف استقامت سے جھیل کر دوسروں کے اضطراب پر تسکین، تقویت اور تشفی کی ٹھنڈک نچھاور کرتا رہے۔ اس کی عظمت کا درجہ کون متعین کرے گا! مولاناؒ اپنی خدمت میں آنے والوں کی خیریت یا احوال رسمی طور پر نہیں پوچھتے تھے۔ رسمی باتیں تو وہ جانتے ہی نہیں تھے جو بھی آتا تھا وہ اس کے حقیقی معنوں میں دکھ سکھ کے ساتھی بن جاتے تھے۔ وہ لوگوں کے رنج وملال کی داستانیں سن کر اسقدر بے قرار ہوجاتے تھے کہ بے اختیار تڑپ کر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ پھیلا دیتے اور دیر تک مصائب کے خاتمے کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ یہ ان کی کرامت تھی کہ ان کی خدمت میں حاضر باش ہر شخص اپنے صدمے بھول جاتا تھا اور تسکین قلب کی دولت لے کر واپس جاتا تھا۔ اللہ کے بندوں سے اس قدر بے لوث محبت اور ان کے رنج وراحت میں اس درجے شریک رہنے کی نظیر زندگی بھر کہیں اور کبھی نظر نہیں آئی۔ اسلافِ کرام کی غم خواری اور خلق خدا پر شفقت کے جو واقعات کتابوں میں پڑھے تھے، وہ مولاناؒ نے اپنی زندگی میں عملاً برت کر دکھا دیے۔ وہ اپنی جیب سے غریبوں اور ناداروں کی نہایت خاموشی سے مالی امداد بھی فرمایا کرتے تھے۔ خاص طور پر رمضان شریف میں ان کی فیاضیاں بہت بڑھ جاتی تھیں، وہ افغان مجاہدین کو بڑی بڑی رقم دیتے رہے۔ اخفائے سخاوت کا یہ حال تھا کہ ان کی داد و دہش کی اپنوں کو تو کیا شاید "کراماً کاتبین راہم خبر نیست!" وہ اکثر ضرورت مندوں کو بے دریغ قرضے دے دیتے اور پلٹ کر کبھی واپسی کا سوال نہ کرتے۔۔۔ یہاں پہنچ کر یہ بھید کھلنے لگتا ہے کہ انہیں عند اللہ اتنی مقبولیت اور عند الناس اتنی محبوبیت کیونکر نصیب ہوئی، جو شخص بندوں کے قریب رہ کر ان کے مصائب ومشکلات پر کڑھے اور انہیں گھٹانے اور ختم کرنے کے لئے تگ ودو کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے کبھی دور نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے پایاں محبت ہے۔ وہ جس کو اپنے بندوں کے مصائب پر غم کھاتا دیکھتا ہے اس پر اپنی رحمتوں کے دہانے کھول دیتا ہے۔

ایسا بھی نہ تھا کہ وہ محض قال اللہ اور قال رسول ﷺ کہنے والے سیدھے سادے بزرگ تھے۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ والے مدبر بھی تھے۔ فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ عاجزی، متانت، بردباری اور دانشِ برہانی نے ان کی پوری شخصیت کا احاطہ کر رکھا تھا، جس سے ملتے تھے اسے جتائے بغیر باتوں باتوں میں ایمان کو مضبوط بنانے اور حسنِ عمل کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے حالات کے مطابق اوراد و وظائف مرحمت فرماتے تھے۔

ابھی وہ اپنے عقیدتمندوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص جو سامنے والی دکان پر جوتے بنا رہا تھا لپک کر آیا اور سلام عرض کر کے کھڑا ہوگیا۔ مولاناؒ نے اس سے پشتو میں بات چیت کی۔ حال پوچھا اور اس کا ہاتھ بھی اسی وقت چھوڑا جب وہ اپنی بات مکمل کر کے واپس جانے لگا۔ بعد کو مولاناؒ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا اس وقت آپ تھکے ہوئے ہیں، آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی مجھ سے یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ میں آپ سے پھر کسی وقت گزارشات کروں گا۔ یہ سنتے ہی مولاناؒ معاً چند طلبہ کی طرف متوجہ ہوئے

اورانہیں میرے قیام کے انتظام کی تاکید فرمائی۔ یہ طلبہ مجھے مسجد سے ملحقہ ایک کشادہ کمرے میں لے گئے۔ میرے لئے صاف ستھرا بستر بچھایا۔ اسی دوران حضرت مولاناؒ نے میرے لئے کھانا بھجوایا۔ میں نے جتنا پاکیزہ، جتنا سادہ اور جتنا لذیذ کھانا مولاناؒ کے ہاں کھایا ہے ویسا ہمہ صفت کھانا بڑے سے بڑے حکام کے ایوانوں میں بھی نصیب نہیں ہوا۔۔۔۔ اگلے دن مسجد میں بعد نماز فجر ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں سنتیں پڑھتے ہوئے بڑے غور سے دیکھا۔ کیا بتاؤں وہ کس جذب وشوق سے نماز پڑھتے تھے۔ بیمار تھے، ضعیف تھے، مگر کس مستعدی سے سیدھے تن کر قیام فرماتے تھے۔ کتنی کتنی دیر تک رکوع اور سجدے میں پڑے رہتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اپنی بندگی اور اپنے مالک وخالق کی عظمت وبرگزیدگی کا مکمل احساس ہے۔ نورانیت سے لبریز وہ پاکیزہ اور دل کشا فضا اب تک یاد آتی ہے۔ میں نے مولاناؒ سے اپنی مشکلات بیان کیں تو کیا عرض کروں کہ وہ میرے رنج وغم سے کس قدر بے قرار ہوئے اور کس طرح درد میں ڈوب کر میرے لیے دعا فرمائی اور پھر وظائف مرحمت فرمائے۔ اب جب بھی کوئی افتاد سر اٹھاتی ہے تو انہیں دل ڈھونڈتا ہے، مگر اب کہاں جائیں، کدھر نکلیں اور انہیں کہاں پائیں؟ اب تو وہ آغوشِ رحمت میں ہیں۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ۔**

حضرت مولانا کے صاحبزادے سینیٹر مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق بھی مجھ پر کرم فرماتے تھے۔ انہوں نے ایسا اہتمام کردیا کہ مجھے حضرتؒ سے ملنے کے مواقع زیادہ آسانی سے میسر آنے لگے۔ کبھی دولت کدے پر اور کبھی دار العلوم میں جب بھی ان سے ملا، ایمان تازہ ہوگیا۔ انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، ان کی گفتگو بڑی شائستہ، مبارک اور دلنشین ہوتی تھی۔ ہر ملاقات میں ایسی ایسی اچھوتی باتیں معلوم ہوتی تھیں جو ایمان میں حرارت، طبیعت میں گداز اور خیالوں میں بالیدگی پیدا کردیتی تھیں۔

افسوس! ان سے ملاقاتوں کا یہ دل فریب باب ۱۹۸۲ء میں یکایک بند ہوگیا۔ ہیڈ آفس سے تبادلے کا حکم آیا اور میں پشاور سے پھر لاہور آگیا۔

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم!

پشاور سے واپس آتے ہوئے مولانا عبد الحقؒ سے جدائی کے غم میں میرا دل اشکبار ہوگیا۔ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ مولاناؒ کی شخصیت کتنی نادر اور "سرآمد روزگار" تھی اور ان سے مل کر مجھ پر کس قسم کے تاثرات چھا جاتے تھے۔۔۔۔ زندگی کڑی دھوپ کا سفر ہے۔ جب تک سر پر مولانا عبد الحقؒ جیسے گراں مایہ انسانوں کے فکر وعمل کی چادر نہ ہو۔ یہ سفر کامیابی سے نہیں کٹ سکتا۔ حق یہ ہے کہ اچھا اور بڑا انسان بننے کے لئے اچھے اور بڑے انسانوں کا غائر مطالعہ شرطِ لازم ہے۔ خاص طور پر مولاناؒ جیسی شخصیت کا مطالعہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ آج کل کے عام لگے بندھے معنوں یا معیار کے بڑے انسان نہیں تھے، بلکہ ان کی بڑائی اس یگانہ شان کی حامل تھی جو صرف قال اور حال کی مکمل یکسانیت ہی سے ظہور میں آتی اور برگ وبار لاتی ہے۔ ایسی بڑائی کے آگے اونچے سے اونچے مقتدر افراد بھی بونے نظر آتے ہیں۔ مولانا ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۵ء تک قومی اسمبلی کے ممبر رہے مگر اس سے ان کی منزلت میں رتی بھر اضافہ نہیں ہوا، بلکہ خود ان کی بابرکت منور شخصیت پارلیمنٹ کے بام ودر اور ارکان کے قلوب واذہان کو تب وتاب عطا کرتی رہی۔ ان کی عظمت، ان کے علم اور حسنِ عمل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ قرآن وسنت کے علوم نے ان کی گفتار، رفتار اطوار اور کردار کو ایسی ندرت اور نورانیت عطا کردی تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے اپنی جگمگاتی ہوئی شخصیت سے چراغاں کردیتے تھے۔ اس قسم کی بڑائی اور برگزیدگی ایکا ایکی ہاتھ نہیں آتی۔

بلکہ اس کے پسِ پردہ سالہا سال کی محنت، قربانی اور مجاہدے کام آرہے ہوتے ہیں۔

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں!

مولاناؒ کی سیرت کو اجاگر کرنا اور اس سے نئی نسلوں کو مسلسل روشناس کراتے رہنا، اعلیٰ کردار اور اچھی سیرت سازی کا ناگزیر تقاضا ہے۔۔۔۔ آئیے مولانا عبد الحقؒ کی جامع جہات، جامعِ صفات اور جامعِ حسنات شخصیت کا ذرا وسیع تر تناظر میں جائزہ لیں۔

مولاناؒ کا مولد۔ اکوڑہ خٹک

اکوڑہ، ایک شخصی نسبت ہے۔ ایک افغان قبیلے خٹک کے جدامجد کا نام ملک اکوڑے بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح خٹک، ایک علاقائی نسبت ہے۔ پشتو میں خٹک کے معنی اونچی زمین کے رہنے والے لوگ بتائے گئے ہیں۔ اکوڑ اور خٹک کے ملاپ سے اکوڑہ خٹک کا نام ابھرا اور رواج پا گیا۔ اکوڑہ خٹک دریائے لُنڈے کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اسے خٹک قبیلے کے سردار اکوڑہ نے سولہویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا۔

اٹک کا پُل پار کرتے ہی صوبہ سرحد کی شیر افگن مٹی جسم وجان کو گرمانے لگتی ہے۔ جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی ہے، تاریخ کی گزرگاہ سامنے آتی اور ہمارے سورماؤں کے ایاب وذہاب، اور حرب وضرب کی داستانیں سناتی چلی جاتی ہے۔ دائیں بائیں ننھی ننھی پہاڑیاں بے آب وگیا ہونے کے باوجود نگاہوں کا دامن کھینچتی ہیں۔ یہیں سے خیر آباد، جہانگیرہ شیدو، اور پھر اکوڑہ خٹک کا علاقہ آجاتا ہے۔ یہی وہ تاریخی سرزمین ہے جو محمود غزنویؒ سے لے کر روسیوں کو بھگادینے والے افغان مجاہدین تک کے جدال وقتال اور کمال واقبال کی نہ جانے کتنی کروٹیں دیکھ چکی ہے اور رنگ زیب عالم گیرؒ کے زمانے میں اکوڑہ خٹک کا ایک نامور فاضل خوشحال خان خٹک تھا۔ پشتو کا یہ عظیم شاعر صاحب سیف وقلم تھا اور

حرف حق باشوخیٔ رندانہ گفت

کا ملکہ رکھتا تھا۔ عربی اور فارسی پر بڑی دسترس تھی۔ اکبر کے دینِ الٰہی کے بخیئے ادھیڑتا رہتا تھا۔ ۱۶۷۴ء میں کابل کا گورنر امیر خان کسی بات پر خوشحال خان سے خفا ہو گیا۔ اس نے عالم گیری عمال کو اشارہ کیا تو انہوں نے خوشحال کو قید کر دیا۔ اس ظلم کے باعث وہ مغلوں کا دشمن بن گیا۔ وہ مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے افغانوں کو اکٹھا کر رہا تھا کہ خود زندگی کی حدود سے نکل کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اس کا مزار اکوڑہ خٹک سے تین میل دور علاقہ ایسوڑی بالا میں ہے۔

یہی اکوڑہ خٹک کی سرزمین ہے، جہاں تحریک غلبۂ اسلام کے داعی حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور ان کے سرفروش شیدائیوں کی تلواریں پہلی مرتبہ سکھوں کے خلاف چمکیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات عالیہ کے پیکر جمیل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کیا تھیں؟ ایک غیر معروف شاعر صوفی عبد الرب نے اپنے اس شعر کے کوزے میں کتنی بڑی اور کیسی رفیع الشان تاریخ کا سمندر سمودیا ہے! ع

یہی ہے مختصر اً حکمت ولی اللہ!
جمے تو مدرسہ وخانقاہ، اٹھے تو سپاہ

سید صاحبؒ کا واحد مقصد اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کرنا تھا۔ صوت حال یہ تھی کہ ہندوستان کے بڑے حصے پر انگریزوں کا تسلط تھا۔ پنجاب پر رنجیت سنگھ قابض تھا۔ سکھوں کے جارحانہ حوصلے اس حد تک بے قابو تھے کہ وہ صوبہ سرحد کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے لئے وار داتیں کر رہے تھے۔ سید صاحبؒ کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان میں جہاد کی روح سرد پڑ گئی تھی۔ کسی مضبوط مرکز کے بغیر فریضہ "جہاد کی معرکہ آرائیاں دشوار تھیں۔ سید صاحبؒ بڑے غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ صوبہ سرحد کو جہادی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جائے۔ ہندوستان میں اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کی۔ یہ پہلی تحریک تھی جس کے لئے سید صاحبؒ جنوری ۱۸۲۶ء کو رائے بریلی سے سفرِ جہاد پر نکلے۔ سندھ کے میدانوں اور بلوچستان کے پہاڑوں کو عبور کر کے قندھار اور پھر کابل پہنچے وہاں سے پشاور آئے اور پھر چارسدہ تشریف لے گئے۔

اس زمانے میں اکوڑہ خٹک کا رئیس امیر خان خٹک تھا۔ اس کا اپنے بھتیجے خواص خان سے جھگڑا ہو گیا۔ خواص خان چچا کی دشمنی میں ایسا اندھا ہوا کہ چچا کو چھوڑ کر بے دریغ سکھوں سے جا ملا۔۔ ملی اور اجتماعی مفاد کو روند کر ذاتی مفاد کے لئے اندھا ہو جانا اور اپنوں سے بے وفائی اور غداری کر کے باطل قوتوں کا آلہ کار بن جانا پرلے درجے کی المناک بے غیرتی ہے۔ افسوس! ہماری تاریخ ایسے ننگِ ملت ننگِ دین اور ننگِ وطن افراد کے دھبوں سے جا بجا داغدار ہے۔ اندلس کے کئی عرب امرء اپنے ہی ابنائے ملت کی دشمنی میں اندر خانہ نصرانیوں سے ملے ہوئے تھے۔ انہی کی ملت فروشی اندلس میں مسلمانوں کے زوال کا ایک اہم سبب تھی۔ ۶۳۷ھ میں مصر کے ایوب صالح کے خلاف اس کے بھائی صالح اسماعیل نے ایک قلعہ محض اس لئے فرنگیوں کو عنایت کردیا کہ وہ ایوب صالح پر حملہ کر دیں۔ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں سر ھنری لارنس کے پٹھو بھینگے رجب علی اور مرزا الٰہی بخش نے سلطنت مغلیہ کی آخری نشانی بہادر شاہ ظفر کو دھوکا دیا اور انگریزوں کے حوالے کر کے انہیں گرفتار کرادیا۔ اور بہادر شاہ ظفر کے گرفتار ہوتے ہی انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے قدم دوبارہ مضبوطی سے جم گئے۔۔۔ اور پھر بابائے بنگلہ دیش شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے عوامی لیگی اعیان وانصار کی سازش اگر تلہ کھلم کھلا بھارت نوازی پاکستان دشمنی اور اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں بہنوں کو خون میں نہلانے کے واقعات تو حالیہ تاریخ کی آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔ افسوس!

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

کے روح فرسا مظاہرے ہم مسلمانوں کی تاریخ میں کیسی فراوانی سے ملتے ہیں۔ کاش! ہماری تاریخ بغداد کے ابن علقمی، دکن کے میر صادق اور بنگال کے میر جعفر جیسے کلنک کے ٹیکوں سے پاک ہوتی!۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہر حال خواص خان کے سکھوں سے جاملنے سے سکھوں کے حوصلے بڑھے۔ سکھ فوج اپنے جرنیل بدھ سنگھ کی قیادت میں اکوڑہ خٹک کی طرف بڑھنے لگی۔ اس صورت حال سے امیر خان سراسیمہ ہوا۔ سید صاحبؒ کی خدمت میں چارسدہ پہنچا۔ ان سے بیعت کی، سکھوں کی پیش قدمی کا حال سنایا اور درخواست کی کہ اکوڑہ خٹک پہنچ کر سکھوں کی سرکوبی کی جائے۔ سید صاحبؒ نے اس کی درخواست قبول فرمائی۔ دسمبر ۱۸۲۶ء کے آخری ایام تھے کہ سید صاحبؒ اکوڑہ خٹک پہنچ گئے۔ اس سے پہلے سید صاحبؒ سکھ دربار لاہور کو ایک مکتوب گرامی بھیج چکے تھے جس میں سکھوں کو قبول اسلام کی ترغیب

دے کر فرمایا تھا کہ اسلام قبول کرلو۔ ہمارے بھائی بن جاؤ گے۔ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو ہماری اطاعت اختیار کرو اور جزیہ دو۔ یہ دونوں باتیں منظور نہ ہو تو فیصلہ بندوق کی نالی کرے گی۔ سکھوں نے اس مکتوب گرامی کا جواب خندۂ استہزا سے دیا۔

سید صاحبؒ ڈیڑھ ہزار غازیوں کے ساتھ اکوڑہ پہنچے تو معلوم ہوگیا کہ سکھوں کی فوج دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے اور وہ بھاری توپیں اور بندوقیں لے کر آئیں ہیں! ع

صدائے تیغ تو آمد بہ بزم زندہ دلاں
کدام سر کہ درد ذوقِ ایں سرور نماند

دس ہزار کے لشکر سے ڈیڑھ ہزار کی نفری کا کیا مقابلہ۔ مگر سید صاحبؒ کے قافلے میں تو ہر مجاہد ذوقِ شہادت سے سرشار تھا اور سر ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا۔ سید صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح و نصرت کی دعا مانگی اور غازیوں کو شب خون مارنے بھیجا۔ یہ غازی دریائے لُنڈا پار کر کے سکھوں کے لشکر پر بجلی بن کر جا گرے۔ پھر ایسا رن پڑا کہ سکھ جرنیل بدھ سنگھ اپنے بہت سے سپاہیوں سمیت مارا گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سکھ فوج پر ایسی دہشت چھائی کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ یوں اکوڑہ خٹک حضرت سید احمد شہیدؒ کی جولانگاہِ جہاد کا پہلا فتحمندانہ میدان بن گیا۔

آج یہی اکوڑہ خٹک حضرت مولانا عبد الحقؒ کے نام نامی سے شہرہ آفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیوں کا ماجرا عجیب ہے۔ سید صاحب سرحد میں اسلامی حکومت قائم کر کے سکھوں کو ہرانا اور پھر انگریزوں کو بھگانا چاہتے تھے تاکہ برصغیر میں اسلام کے نفاذ کا اہتمام کیا جاسکے۔۔۔۔ سید صاحبؒ کی یہ آرزو اس وقت تو پوری نہ ہو سکی مگر آج وہی آرزو ایک اور رنگ میں اس طرح پوری ہو رہی ہے کہ مولانا عبد الحقؒ نے اکوڑہ خٹک کو اسلامی علوم کا آفتاب بنادیا ہے جس کی کرنیں پاکستان اور افغانستان سے گزر کر اب وسطی ایشیا تک پہنچ رہی ہیں۔ اسی وسطی ایشیا تک جسے روسیوں نے کم و بیش پون صدی تک کفر و الحاد کا ظلمت زار بنائے رکھا!

افغانستان ۱۹۷۹ء سے لے کر فروری ۱۹۸۹ء تک روسیوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ انہیں افغانستان سے مار بھگانے میں، دار العلوم حقانیہ کے علماء طلبہ نے جس سر فروشی کا مظاہرہ کیا اس سے اسی رول کی یاد تازہ ہو گئی جو حضرت سید احمد شہیدؒ نے سکھوں کے خلاف ادا کیا تھا۔ افغان مجاہدین کے نامور جرنیل فاتح خوست و گردیز کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی اور مولوی یونس خالص، حضرت مولانا عبد الحقؒ ہی کے شاگرد ہیں۔ دار العلوم کے دلیرانہ کارنامے سن کر ماسکو میں کام کرنے والی ایک برطانیہ کی سفارت کار خاتون مسز آرا شیپگ مولانا سے ملنے آئیں اور بہت متاثر ہو کر واپس گئیں۔ افغان جہاد کے سلسلے میں جنرل ضیاء الحق اور لیفٹیننٹ جنرل فضل حق مرحوم مولانا عبد الحقؒ کے ایثار و تعاون کے بڑے معترف اور شکر گزار تھے۔ افغانستان کی خفیہ تنظیم خاد اور روس کی کے جی بی ایجنٹ دار العلوم حقانیہ کو اپنا ہدف قرار دیتے اور تخریبی وار کرنے کی گھات میں لگے رہتے تھے لیکن مولانا عبد الحقؒ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا خاص معاملہ تھا۔ اسی لئے دہشت گردوں کے مذموم ارادے کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ (مولانا عبد الحقؒ نمبر باب ۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت نہ ہو تو طور سینا مٹی کے تودے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہی حال اکوڑہ خٹک کا ہے مولانا عبد الحقؒ نے اکوڑہ خٹک کو اسلامی علوم کا گہوارہ بنا کر ہماری تہذیب اور تاریخ کی پیشانی چمکا دی ہے۔ مولانا عبد الحقؒ نہ ہوتے تو آج اکوڑہ

خٹک کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا۔

رہے آباد لاکھوں برس ساقی تیرا میخانہ!

مولانا عبد الحقؒ اکوڑہ خٹک ہی کے ایک نجیب الطرفین خاندان میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجدادِ کرام غزنی کے علاقے غوڑہ مرغیؔ سے محمود غزنویؒ کے لشکر کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ واپسی پر اکوڑہ خٹک ٹھہرے۔ یہ علاقہ ایسا بھایا کہ یہیں رہنے لگے۔ مولاناؒ کے آبائے کرام سپہ گری، کاشت کاری اور تجارت کے پیشوں سے وابستہ تھے۔ ان کے دادا کا نام الحاج میر آفتاب اور والد ماجد کا نام الحاج مولانا معروف گل ہے۔ مولانا معروف گل اسلامی علوم کے عاشق، دین کے خادم اور مسجد ککے زئی اکوڑہ کے خطیب تھے۔ وہ اپنی دینی خدمات کے عوض کسی صلہ ومُزد کے کبھی روادار نہ ہوئے۔ وہ خاصے متمول تھے۔ عمارتی لکڑی کی تجارت کرتے تھے۔ دینی طلبہ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے اخراجات اپنی جیب سے پورے فرماتے تھے۔ انہوں نے دیارِ حرم میں اپنے ہونہار فرزند کے لئے دعا مانگی "یا اللہ! عبد الحق کو دین کا عالم اور علم دین کا خادم بنادے"۔۔۔۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ان کا بیٹا تیزی سے دینی علوم پڑھتا اور مولانا عبد الحقؒ بنتا چلا گیا۔ (مولانا عبد الحقؒ سے ریڈیو پاکستان کا انٹرویو ۱۹۸۲ء، مولانا عبد الحقؒ نمبر صفحہ ۳۹)

مولاناؒ کی عمر چار سال کی تھی کہ انہوں نے اذان سیکھ لی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں والدہ محترمہ اور والد ماجد سے حاصل کی۔ چھ سال کی عمر میں نماز پڑھنے لگے۔ گلی محلے کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ والدین کی کڑی نگرانی نے انہیں کھیل کود میں وقت برباد کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد ابتدائی مذہبی کتابیں اکوڑہ خٹک کے عالمِ دین مولانا عبد القادر شیخ صدیقیؒ سے پڑھیں۔ پھر ایک بزرگ سید عبد الرحیم المعروف حاجی صاحبؒ قصا بانو سے "گلستان" "بوستان" "پنج گنج" اور دیگر کتابیں پڑھیں۔

مولاناؒ نے اپنے سوانح میں لکھا ہے کہ ان کے بچپنے میں انگریزی تعلیم کا دور دورہ تھا۔ مگر ان کے والد ماجد انگریزوں اور انگریزی تعلیم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے ایک استاذ محترم کے ساتھ ایک انگریزی سکول میں چلا گیا۔ والد ماجد کو پتہ چلا تو سختی سے ڈانٹ دیا۔ فرمایا! آئندہ کبھی انگریزی سکول کا رخ نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے سارا وقت دینی علم کے حصول کے لئے وقف کر دیا۔

ابھی ان کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ وہ صرف و نحو سیکھنے کے لئے اکوڑی ضلع کیمبل پور چلے گئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ان کے قدم اکوڑہ خٹک سے باہر نکلے اور انہوں نے پہلا تعلیمی سفر اختیار کیا۔ بعد کو وہ ضلع مردان گئے اور ایازو گڑھی اور گوجر گڑھی کے مدارس میں درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ منطق کی تعلیم گوجر گڑھی میں مولانا چکسیریؒ صاحب سے حاصل کی۔ پھر علاقہ طورو کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے، جہاں وہ مولانا عنایت اللہؒ اور مولانا عبد الجلیلؒ سے پڑھتے رہے۔ یہاں سے فراغت پا کر صوابی پہنچے اور موضع شاہ منصور میں مولانا عبد الرزاق شاہ منصوریؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ موضع جلالیہ ضلع اٹک میں ممتاز اساتذہ سے کافیہ، شرحِ جامی اور دیگر کتابیں پڑھیں۔ مولاناؒ فرماتے تھے کہ دورانِ تعلیم میرے والد محترم مسافر کا بھیس بدل کر تشریف لاتے تھے اور چھپ چھپ کر یہ دیکھتے تھے کہ میں تعلیم میں مصروف ہوں یا نہیں۔

سرحد اور پنجاب کے علمائے کرام سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھنے کے بعد آپ نے رختِ سفر باندھا۔ میرٹھ اور پھر دہلی پہنچے۔ دہلی میں ایک سرحدی عالم سے ریاضی سیکھی۔ پھر دہلی سے چالیس میل دور گلوٹھی گئے۔ وہاں مولانا مشتاق حسنؒ سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ مولانا مشتاقؒ نے گلوٹھی سے کلکتہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ بھی ان کے ساتھ کلکتہ چلے گئے۔ وہاں مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ مولانا مشتاق حسن ہی سے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعد کو امروہہ گئے اور مولانا عبد اللہ باجوڑیؒ اور حضرت تاجک حافظ صاحبؒ سے نور الانوار اور میر زاہد کے رسائل پڑھے۔

۱۳، شوال ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء کو دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ جہاں آپ نے منطق، فلسفہ، عربی ادب عالیہ، فقہ، قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث شریف کے علوم کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں انہیں سندِ فراغت عطا کی گئی۔ یہ سند ماہنامہ الحق کے مولانا عبد الحقؒ نمبر میں شائع ہوئی ہے۔ میں نے اسے بغور پڑھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ مولاناؒ کی خوش قسمتی پر بڑا رشک آیا۔ کتنے نادر اور کیسے اونچے علوم، انہوں نے کیسے کیسے معظم اساتذہ سے حاصل کئے۔ اس سند پر حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا اصغر حسینؒ، حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا غلام رسول خانؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے دستخط ہیں۔ اتنے جید اور جہاندیدہ، اتنے مبارک اور معتبر علمائے کبار کی گواہی مولانا عبد الحقؒ کے فاضل اجل ہونے کی کتنی مستند شہادت ہے!

بحیثیت طالب علم مولاناؒ کے لیل و نہار کس طرح گزرے؟ انہوں نے دیوبند اور دیوبند کے علاوہ دیگر مقامات پر کس محنت اور مجاہدے سے تعلیم حاصل کی؟ اور پھر جب مولانا کو دیوبند ہی میں معلم مقرر کر دیا گیا تو انہوں نے اپنے فرائض کتنی لگن اور قابلیت سے انجام دیئے؟ یہ بڑی سبق آموز اور ولولہ انگیز داستان ہے۔ اس سلسلے میں خود مولاناؒ اور ان کے ہم عصر علمائے کرام اور شاگردوں نے ان کے اعتماد علی اللہ، شغف علم، اخذ و اکتساب کی صلاحیت، محنت و ہمت، بردباری، خودداری، بے نفسی، دنیا سے بے رغبتی اور اساتذہ کرام سے والہانہ محبت کے جو واقعات بیان کئے ہیں انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اب ہمارے خاکستر میں ایسی چنگاریاں ہی باقی نہیں بچیں اور اب دشتِ علم کو مولاناؒ جیسا آبلہ پا شاید ہی میسر آئے۔

مولانا عبد الحقؒ ہی کے ہم نام حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں اپنے بچپن اور زمانہ تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"از ابتدائے زمانِ طفولیت نمی دانستم کہ بازی چیست و خواب کدام و سیاحت کیست و آرام و آسائش کجا"۔

ٹھیک یہی حال مولانا عبد الحقؒ کا ہے۔ بچپن ہی سے کھیل کود سے منہ موڑ لیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنا، عنفوانِ شباب میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گھر کی راحت، والدین کی شفقت، عزیزوں کی محبت، عمدہ کھانوں کی لذت، اور سیر و تفریح کے سارے امکانات کو خیر باد کہہ کر سفر کرنا، اجنبی شہروں میں جانا اور راحتِ نفس کے ہر مطالبے سے دستبردار ہو کر صرف علم سے واسطہ رکھنا اور رات رات بھر جاگ کر اسباق کا مطالعہ کرنا۔۔۔ نفس کشی اور مسلسل مجاہدے کی یہ کتنی کٹھن زندگی تھی اور ایسی زندگی کا ذائقہ آج کل کے طلبہ کے لئے کتنا کڑوا ہو گا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر مولاناؒ نے راہ طلب کے ان متواتر مجاہدوں کو نہ صرف گوارا کیا بلکہ انہیں اپنے لئے مرغوب اور مسرت بخش بھی بنا لیا۔۔۔ اس سلسلے میں مولاناؒ اور ان کے محترم ساتھیوں کے ارشادات سنیئے:۔

دیوبند---- الہامی مدرسہ تھا: فرمایا:-

"انگریز اور ہندو اسلام کے بیخ کنی کرنا چاہتے تھے حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے سوچا کہ برصغیر میں دین کی حفاظت کی کیا صورت کی جائے؟ تو انہوں نے اس کے لئے ایک صورت اختیار کی کہ نہ ہمارے پاس فوجی طاقت ہے، نہ مالی طاقت ہے، اس صورت میں انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ کیونکر لڑیں، تو یہ الہامی القا ان کے دل میں ہوا کہ تم ایک مدرسے کی بنیاد رکھو۔ تو انہوں نے مدرسے کی بنیاد رکھ کر لوگوں کو اشاعت دین کی ترغیب دینی شروع کی۔ اس وقت لوگ ہنستے رہے کہ انگریزوں کے مقابلے میں، ہندو کے مقابلے میں اور پادریوں کے مقابلے میں یہ چند مولوی کیا کرسکیں گے۔ ظاہر بات ہے ان کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی، کوئی سامان نہیں تھا، لیکن انہوں نے اس زمانے میں جو کام اخلاص سے کیا۔ اسی اخلاص کی برکت سے وہ دار العلوم ایسا بنا۔ ایسا تناور درخت بنا کہ جس کے پھل پھول اور ثمرات صرف برصغیر ہی نہیں، تمام عالم میں پھیلے اور پوری انسانی تہذیب پہ اس کے اثرات پڑے"۔
(انٹرویو ریڈیو پاکستان ۱۹۸۲ء)

طلبہ کا ایثار: فرمایا:-

"دیوبند کے قدیم طلبہ نئے آنے والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ جب تک دار العلوم کی طرف سے نئے طلبہ کے قیام وطعام کا بندوبست نہ ہوتا ہم پرانے طلبہ ان نئے طلبہ کو اپنے پاس ٹھہراتے تھے۔ ان کے لئے کھانے کا بندوبست کرتے تھے اور ان کے جملہ اخراجات بھی اپنے ہی طور پر پورے کرتے تھے"۔

فرمایا:-

"ایک طالب علم چھ ماہ تک میرے لئے کھانے کا اہتمام اپنے حصے کے کھانے سے کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے مالامال فرمائے۔ وہ مجھ سے یہ ظاہر کرتا رہا کہ اس کے کھانے کا بندوبست کسی اور جگہ ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کہیں کھانا نہیں کھاتا بلکہ روزے رکھتا ہے اور میرے ساتھ مسلسل ایثار کر رہا ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ میرے بھائی! یہ تو بہت ہی نامناسب بات ہے کہ تم خود بھوکے رہو اور ہمیں کھلاتے رہو۔ اس پر اس طالب علم نے جواب دیا کہ یہ تو مسلمان کی شان ہے

"ویوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة" "اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود محتاج ہوتے ہیں"۔

فرمایا:-

"دیوبند کے طلبہ ایسے ہی ایثار پیشہ تھے۔ سب ایک دوسرے کے غم خوار اور ایک دوسرے کی بھلائی چاہنے والے تھے"
(انٹرویو ریڈیو پاکستان ۱۹۸۲)

چھ ماہ تنخواہ نہیں ملی! فرمایا:-

"دیوبند میں ایک وقت ایسا آیا جس میں چھ ماہ تک تنخواہ نہیں ملی۔ کچھ نہیں تھا، تنخواہ وغیرہ کچھ نہیں۔ مہتمم صاحب نے وہاں کے تمام مدرسین اور ملازمین کو جمع کیا اور کہا کہ مدرسے کا خزانہ تو خالی ہے۔ اب آپ حضرات کیا کریں گے؟ سب نے کہا کہ ہم بخوشی بلا تنخواہ کام کریں گے۔ چھ مہینے تک تنخواہ نہیں ملی" (انٹرویو ریڈیو پاکستان۔ ۱۹۸۲ء)

بازو ٹوٹ گیا: فرمایا:-

"جب میں زیر تعلیم تھا تو بڑی جماعتوں کے طلبہ کے لئے مختلف گھروں سے روٹی سالن لے کر جایا کرتا تھا۔ ایک روز موسلادھار بارش ہوئی کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا، میں طلبہ کے لئے جو روٹیاں اور سالن لے کر جا رہا تھا وہ سب گر گیا اور میرا بازو ٹوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ کیا کہہ سکتا تھا۔ بس اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتا رہتا تھا، حق تعالیٰ نے طلب علم کی برکت سے میرا ہاتھ پھر سے جوڑ دیا، مگر ابھی تک میرے اس بازو میں ضعف موجود ہے۔ بہر حال یہ ان دنوں کی نشانی ہے جب میں طالب علم تھا۔ اسی لئے یہ بازو مجھے بہت عزیز ہے"۔ (روایت: الحاج ڈاکٹر ہدایت الرحمٰن مکہ مکرمہ مولانا عبد الحق صفحہ ۳۲۰)

ایک روٹی پر گزارا: فرمایا:-

"میں نے حصولِ علم کے زمانے میں کئی کئی مہینے صرف ایک روٹی پر اکتفا کیا۔ پہلی مرتبہ دیوبند میں میرا جانا ایسے وقت ہوا کہ داخلہ بند تھا۔ میرا داخلہ نہ ہو سکا۔ وہاں سے میرٹھ چلا گیا، وہاں استاذ علیہ الرحمہ نے فرمایا! یہاں گزارا مشکل ہے اگر ایک وقت کے کھانے پر صبر کرو تو میں دو چپاتیوں اور دال کا انتظام کرادوں گا۔ میں نے غنیمت سمجھا اور اکتسابِ فیض کرتا رہا"۔ (صحبتے با اہل حق)

چراغ کی روشنی میں مطالعہ: فرمایا:-

"ایک علاقے میں چھ ماہ کے عرصہ میں بہت ہی کم وقت ایسا آیا ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا ہو۔ ایک جگہ پڑھنے کے دوران تو ایسا ہوا کہ کھیت سے گھاس کے پتے جمع کر کے ساگ پکوا لیا جاتا۔ اسی پر گزر اوقات ہوتی۔ عام طور پر مساجد میں طلبہ کو باجرے کی روٹی ملتی تھی۔ تیل کے چراغ سے مطالعہ ہوتا تھا جو ذرا سے تیز جھونکے سے بجھ جاتا تھا۔ عجب بے نفسی کا زمانہ تھا۔ اساتذہ بھی ساتھ بیٹھ کر وہی باجرے یا مکئی کی روٹی کھالیتے۔ ہمارے ایک استاد تھے جن سے چند دن ملا حسن پڑھتا ہوا۔ موضع گڑھی کپورہ میں ان کے پاس ٹھہرے، وہ بھی مسافر تھے۔ اس وقت بہت ضعیف ہیں۔ اس وقت ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ بڑے شوق سے کتابیں پڑھاتے، کھانا اکٹھا ہو جاتا تو طلبہ کے ساتھ بیٹھ جاتے، اسی مکئی کی روٹی اور لسی میں شریک ہو جاتے"۔

(دعوات حق جلد نمبر ۱، صفحہ ۶۱۴)

روٹی، آٹھ میل دور: فرمایا:۔

"جب میں دہلی میں تھا تو مجھے آٹھ میل دور جا کر روٹی کھانی پڑتی تھی۔ جب واپس آتا تو وہ ہضم ہو چکی ہوتی۔ تحصیل علم میں جس قدر مشقت اور تعب زیادہ ہوگا، اتنی ہی علم کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی اور اس پر نتائج و ثمرات بھی اچھے مرتب ہوں گے"۔ (صحبتے با اہلِ حق۔ ص ۶۵)

رمضان المبارک کا حال: فرمایا:۔

"میں اپنے ہی علاقے کے ایک گاؤں میں پڑھ رہا تھا، رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا، مکئی گھاس کے پتے اور ساگ کھانے کے لئے ملتا تھا اور سحری کے لئے پاؤ آدھ سیر چھاچھ"۔ (دعوات حق جلد دوم)

پہننے کے لئے صرف ایک جوڑا: مولانا عبد اللطیف بالاکوٹی فرماتے ہیں کہ:۔

"میں دیوبند میں پڑھتا تھا اور مولانا عبد الحق کے قریب والے کمرے میں رہتا تھا۔ مجھے اپنے اساتذہ کرام کے کپڑے دھونے کا شوق تھا۔ مولانا عبد الحقؒ پر ان کے پشاور کے ساتھی جان چھڑکتے تھے اور کسی کو ان کی خدمت کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ایک دن مجھے موقع مل گیا۔ حضرتؒ کے کمرے میں پہنچا وہ مطالعہ فرما رہے تھے۔ عرض کیا میلے کپڑے عنایت فرمادیجئے تاکہ دھو ڈالوں۔ فرمایا! کیوں تکلیف کرتے ہو؟ میں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنا وہی لباس اتارنا شروع کردیا جو پہن رکھا تھا۔ انہوں نے موٹے کمبل کو بطور تہبند باندھا۔ کرتے کی جگہ چغہ پہنا اور اپنا جوڑا میرے حوالے کردیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ عرض کیا۔ کیا آپ کے پاس دوسرا جوڑا نہیں ہے؟ کمبل اور چغے کی بجائے دوسرا جوڑا پہن لیجئے۔ فرمایا! "دوسرے جوڑے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک جوڑا کافی ہے" میں ان کے اس زہد و استغنا پر دم بخود رہ گیا۔

(مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۱۸)

صبر و تحمل: مولانا حافظ محمد سیار الدین کہتے ہیں کہ:۔

"میں دیوبند میں تھا تو شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ سے بیبذی پڑھتا تھا۔ عصر کے بعد حضرت کا درس ہوتا تھا۔ ان کے کمرے میں دوسرے طلبہ ازراہ خوش طبعی زور زور سے باتیں کرتے تھے۔ مگر مولانا مسلسل مطالعہ فرماتے رہتے۔ شور زیادہ بڑھ جاتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے، مگر وہ اس کے کبھی روادار نہیں ہوئے کہ اپنے رفقاء کو ٹوکیں اور انہیں بلند آہنگی سے باتیں کرنے سے منع کریں۔ طلبہ اپنی ظرافت میں لگے رہتے مگر مولانا کے صبر و تحمل اور خندہ روئی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ کریمانہ اخلاق اور عالی ظرفی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۱۶)

نرالی شان کے معلم: حضرت استاذی شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ سے ناچیز نے ۱۹۴۲ء میں دیوبند میں طحاوی شریف پڑھی ہے۔ حضرت استاذی نے طحاوی شریف جس شان سے پڑھائی ایسی عرصے میں کسی نے نہیں پڑھائی تھی۔ صرف بخاری اور ترمذی پر زور ہوتا تھا۔

لیکن حضرتؒ نے پہلے ہی سبق میں ثابت کردیا کہ حنفی محدث کی کتاب کا حنفی استاد پر کیا حق ہے۔ میں نے حضرتؒ کی تقریر بھی لکھی اور مولانا محمد نعیم صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے استاد ہیں۔ انہوں نے بھی تقریر طحاوی قلم بند کی تھی۔ افسوس وہ ہجرت کے موقع پر ضائع ہوگئی۔ حضرتؒ کی اردو میں تقریر نہایت شستہ اور سلیس ہوتی تھی۔ اکابر دیوبندؒ نے مولانا عبد الحقؒ کو انفع کا تخلص عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ ان دنوں علاقہ کا کاخیل کے مولانا عبد الحق نافع گل بھی دیوبند میں معلم تھے اس لئے تمیز و پہچان کے لئے مولانا عبد الحقؒ اکوڑوی کو انفع کے تخلص سے یاد کیا جاتا تھا۔ ناچیز مولانا نافع گلؒ کا بھی ادنیٰ شاگرد ہے اور ان کے علم و فضل کا سبھی کو اعتراف ہے، مگر موصوف کو اردو پر قدرت نہ تھی۔ اس لئے طلبہ کو پوری طرح سمجھانے سے قاصر تھے لیکن مولانا عبد الحق صاحب انفع کو ہندوستانی، پنجابی، سرحدی اور بنگالی تمام طلبہ میں جو مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ غالباً اس میں آپ کے علم و فضل کے ساتھ آپ کے اخلاق کریمانہ کا بھی دخل ہے"۔ (انیس احمد صدیقی ۲۴، رمضان ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۱۹)

فنا فی العلم: کامر ضلع اٹک کے ایک عالمِ دین نے فرمایا:-

"میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبد الحقؒ کا شاگرد رہا۔ مشکوٰۃ شریف حضرت شیخ الحدیثؒ ہی سے پڑھی۔ میں نے سات سال تک دارالعلوم میں فیض حاصل کیا ہے اور مولانا عبد الحقؒ کی مبارک زندگی کا بغور جائزہ لیا ہے۔ وہ فنا فی العلم تھے۔ میں نے مولاناؒ کو درسگاہ سے اپنے کمرے تک اور کمرے سے درسگاہ تک آتے جاتے دیکھنے کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں دیکھا۔ البتہ مولانا اعزاز علیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبد السمیعؒ کے ہاں وقتاً فوقتاً موجود رہتے تھے۔ اس کے علاوہ باہر کی دنیا سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا"۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۲۰)

جوانی بے داغ رہی: مولانا عبد الحق کے ایک پرانے دوست اور میرٹھ، کلکتہ اور دیوبند کے زمانۂ تعلیم کے ساتھی مولانا انور شاہ آف فورٹ سنڈیمن نے ایک مرتبہ مولانا عبد الحق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"میں نے ان کی جوانی کے زمانے میں چار سال انہی کی رفاقت میں بسر کئے ہیں مگر میں نے ان میں کبھی کسی گناہ کا کوئی شائبہ تک نہیں دیکھا"۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۵۵)

دیوبند کے اساتذہ: دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام نادر روزگار انسان تھے۔ علمی لحاظ سے بھی اور عملی اعتبار سے بھی۔ ہم لوگوں نے محض تاریخ پڑھی ہے، مگر دیوبند کے اساتذہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود تاریخ بنائی ہے۔ انہوں نے ایمان افروزی، علم پروری اور کردار سازی ہی نہیں کی بلکہ فرنگی سامراج نیچریت، مرزائیت اور بدعت و بدی کے ہر اہرمن کا دندان شکن مقابلہ کیا اور بارگاہ رب العزت میں سرخرو رہے۔ ان بزرگوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کے پاس حکومت نہیں تھی، فوج نہیں تھی، پیسہ نہیں تھا، کوئی سیاسی جتھا بھی نہیں تھا۔۔۔ پھر وہ کونسی قوت تھی کہ پھٹے ہوئے مُصلوں پر بیٹھنے والے ان فاضل اجل لوگوں نے اپنے عہد کی سب سے بڑی جابر قوت برطانیہ کے استبداد و اقتدار کی چُولیں ہلاڈالیں۔

وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقیر بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ!

واقعہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند کی سب سے بڑی متاع اللہ کی ذات عالی سے عشق رسالت مآب ﷺ کا کامل اتباع اور علم کی لگن تھی۔ یہی وہ دولت تھی جسے یہ علمائے حق زندگی اور زمانے کی ہر راحت سے بے نیاز اور ہر کلفت سے دوچار رہ کر عمر بھر عام کرتے رہے اور اسی پر مرمٹے! مولانا عبد الحقؒ ان خاصانِ بارگاہ میں سے ہیں جنہوں نے ان مقدس ہستیوں کو خود دیکھا، پرکھا اور ان سے علم و نظر کا فیض پایا۔ ان اساتذہ کا حال، کمال اور جمال خود مولاناؒ کی زبانی سنیئے:۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ: فرمایا:۔

"ہمارے دیوبند کے اکابر بڑے کفایت شعار اور قناعت پسند تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ دیوبند کے ایام تدریس میں ۵۰ روپے ماہوار پر گزر اوقات کرتے تھے۔ آپ کو کلکتے کے مدرسۂ عالیہ کی طرف سے بارہ سو روپے ماہوار مشاہرے کی پیش کش ہوئی، مگر آپ نے ادھر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ میں پچاس روپے کی ذمہ داری اور اس کے اپنے صحیح مصرف میں استعمال سے فارغ نہیں تو بارہ سو روپے کا غم اور ذمہ کیسے اٹھا سکتا ہوں۔۔۔۔ یہ ہے ہمارے اکابر حضرات کی کفایت شعاری اور قناعت، اب ہمارے دور میں ایسی قربانی کرنے والے ناپید ہوتے جارہے ہیں"۔ (صحبتے با اہلِ حق صفحہ ۱۵)

اساتذہ کرام سے محبت: فرمایا:۔

"دیوبند میں مجھے اپنے اساتذہ کرام کی تقاریر یاد ہوجایا کرتی تھیں۔ مجھے اپنے اساتذہ سے بے حد محبت اور عشق تھا۔ میں بعض کتابوں کی تکرار اور بعض کا درس دیا کرتا تھا۔ بعض شفیق اساتذہ چپکے چپکے کان لگا کر میری تکرار یا تدریس سنا کرتے تھے۔ خوش ہوتے تھے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے تھے"۔ (روایت مولانا عبد القیوم حقانی، مولانا عبد الحقؒ نمبر)

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ: میں نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت شیخ الاسلام والمسلمین المجاہد فی سبیل اللہ علامۃ الدھر فہمامۃ العصر، ملجائی وماویٰ الحافظ الحاج مولانا بالفضل مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ لامتناھیہ سے پڑھیں۔ حضرت مولانا اصغر حسین صاحبؒ زاہد فنا فی اللہ و قطب دوراں تھے۔ ابوداؤد شریف ان سے پڑھی۔ تمام مذاہب خصوصاً مذہب حنفی کے ٹھوس اور مختصر مگر جامع دلائل بیان فرماتے تھے۔ حضرت مولانا اعزاز علیؒ شیخ الفقہ والادب تھے۔ جہاں مذہب حنفی پر فقہاء نے فتویٰ نہیں دیا۔ ان کے متعلق فرماتے کہ روایت حنفی ان دلائل سے درست ہے۔۔۔۔۔۔ شیخ الادب متنبی و حماسہ پڑھاتے وقت فصاحت و بلاغت کا موجزن دریا (معلوم ہوتے) تھے ان کے حواشی میں کچھ تھا اور بیان و درس کے وقت کچھ اور مضامین ہوا کرتے تھے۔ میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت کی شرح میں یہ دقائق کیوں درج نہ ہوسکے؟ فرمایا! شرح میں اتباع اکابر کی گئی۔ اس میں مشہور توجیہہ کی موافقت کی گئی ۔۔۔اور یہ میری ذاتی رائے ہے۔ یہ شرح میں موزوں نہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ اور حضرت مولانا غلام رسول خاں صاحبؒ جامع المنقول والمعقول تھے۔ بحر العلوم علامہ ابراہیمؒ سے ذکی المطالعہ طالب علم فیض حاصل کرتا تھا۔ ان کا علم طویل و عریض تھا اور حضرت مولانا غلام رسول خاں صاحبؒ کا علم عمیق تھا۔ کتاب کی گہرائیوں سے موتیوں کو نکال کر طلبہ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ درحقیقت دار العلوم دیوبند کا ہر استاد، منبعِ علم اور امام فن تھا۔ (وہ) اخلاقِ

حسنہ وتقویٰ کے مجسمے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنیؒ علوم کے ماہر تھے۔ ریاضی، فلسفہ ومنطق پر حاوی تھے اور علوم قرآن وحدیث میں بندہ نے انہیں اپنے دور کے اساتذہ میں بے نظیر پایا۔ ان سے ذکی غبی اور متوسط سبھی طلبہ یکساں مستفیض ہوتے رہے۔۔۔۔ مضامین دقائق وحقائق ایسی صاف وسلیس تقریر میں بیان فرماتے کہ تمام طلبہ سیر ہوجاتے اور سب کے دامن علم کے بھر جاتے۔ اخلاقِ کریمانہ کا یہ حال کہ سیکڑوں پوچھنے والوں کو کبھی نہ ڈانٹا اور نہ غصہ کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرمایا!" خلق الانسان من عجل" "انسان کی فطرت میں جلدی ہے"۔ بھائی! تم جو پوچھنا چاہتے ہو وہ ابھی آپ کے سامنے پیش ہونے والا ہے مگر تم جلدی کر رہے ہو۔۔۔۔ سال کا آخری سبق اور اول سبق یکساں حلم واطمینان سے پڑھاتے تھے۔ امام بخاریؒ کو جیسا عبور ہے قرآن پر، اسی طرح حضرت شیخ مدنیؒ کو قرآن پر پورا عبور تھا۔ جہاں کوئی مسئلہ پیش ہوا، فوراً آیت مبارکہ برموقع ومحل علیٰ سبیل الارتحال تلاوت فرماتے۔ حدیث میں سب سے پہلے اختلاف مذاہب، پھر ہر مذہب کے دلائل، پھر احناف کا مسلک، دلائل اور دوسروں کے شکوک وشبہات کا ازالہ فرمایا کرتے تھے۔ مذہب حنفی کو کالشمس فی النہار واضح فرماتے"۔ (خود نوشت سوانح حیات مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۵)

حضرت مدنیؒ کا مقام ومنزلت: حضرت مدنیؒ کی شان سب سے نرالی تھی۔ علماء بہت دیکھے، مدرسین کے درس میں شریک ہوتے، ہندوستان کی قیادت کو پرکھا مگر جو چیز اور امتیازی صفات شیخ مدنیؒ میں دیکھے، وہ دوسری جگہ نظر نہیں آئے۔ شیخ مدنیؒ کا تقویٰ، شجاعت، تواضع، انکساری اور کسرِ نفسی ان کے طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ جب حضرت مدنیؒ کا نام سنا تھا اور دیکھا نہیں تھا تو نام کی شہرت سے ان کی شخصی عظمت کا ایک نقشہ ذہن میں بن چکا تھا۔ خیال تھا کہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور امیرانہ رکھ رکھاؤ کے آدمی ہوں گے۔ مگر جب ان کی مجلس دیکھی، ان کی معاشرت دیکھی تو انہیں کچھ اور پایا ان کا علم بھی بے مثال تھا اور حلم بھی بے مثال! دوسری درس گاہوں میں منطق اور فلسفہ کی بڑی کتابیں پڑھیں۔ جب شیخ مدنیؒ کی درسگاہ میں حاضری دی تو ان کی درسگاہ میں سب سے بڑی خصوصیت یہ پائی کہ خود کو پہچان لیا۔ خود شناسی کا احساس ہوا۔ علم اور علما کی شان سامنے آئی۔ جب مجھے دار العلوم میں تدریس کا موقعہ ملا تو اس زمانے میں بھی شیخ مدنی کا درس حدیث ہوا کرتا تھا اور میں تدریس کے اوقات کے علاوہ بعد العصر اور بعد العشاء کے درسوں میں شریک ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ مسلسل ۱۵ روز تک سفر پر رہے۔ جب واپسی ہوئی تو سب کو یقین تھا کہ حضرت تھکے ہوئے ہیں اور مطالعہ بھی نہیں کیا۔ سبق نہیں ہوگا، مگر آپ گاڑی سے اترے، سیدھے دار الحدیث پہنچے اور سبق پڑھانا شروع کردیا۔ نواقض وضو کا بیان تھا۔ ارشاد فرما رہے تھے کہ مسئلہ زیر بحث میں آٹھ مذاہب ہیں۔ پھر ان مذاہب اور ان کے دلائل پر تفصیل سے بحث کی۔ طلبہ حیران تھے کہ تھکے ماندے ہونے کے باوجود اس قدر تبحرِ علمی، وسعتِ مطالعہ اور قوتِ حافظہ، یہ تو بس ان کی کرامت تھی۔ (صحبتے با اہلِ حق)

حضرت مدنی حافظ الحدیث تھے۔ سال کے آخر میں بعد نماز عشاء بھی درس بخاری دیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے بخاری کی شرح قسطلانی مطبوعہ مصر رکھی ہوتی تھی۔ جو انتہائی باریک خط سے لکھی گئی ہے۔ حضرت شیخؒ کے اوقات یا تو درس وتدریس میں یا جہاد حُریت اور تبلیغ کے اسفار اور جلسوں میں صرف ہوتے تھے۔ آرام کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے بعد دار الحدیث میں بخاری کا درس دے رہے تھے اور قرأت بھی خود ہی کر رہے تھے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہور رحمت اللہ علیہ گاڑی میں تشریف لے آئے اور

سیدھے دارالحدیث آکر درس میں شریک ہوئے۔ درس کے بعد مصافحہ کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ آپ کب تشریف لائے؟ حضرت لاہوریؒ نے جواب دیا کہ کافی وقت ہوگیا۔ تو فرمایا کہ آج مجھے سبق کے دوران کچھ غنودگی سی رہی۔ چند دنوں سے مسلسل آرام نہیں کیا۔ اس لئے آپ کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ یعنی آپ نظر نہ آسکے۔ اس غنودگی کے وقت حضرت شیخ بخاری شریف کی عبارت برابر پڑھتے رہے۔ ہمیں اس سے انداز ہوا کہ آپ تمام بخاری شریف کے حافظ تھے۔ خداوند کریم نے حافظے کی نعمت سے نوازا تھا۔ بعض حضرات سے سنا ہے کہ مالٹا کی اسارت کے زمانے میں رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سال تراویح میں قرآن مجید سننے سے محروم ہیں تو حضرت مدنیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تمنا پوری کرنے کے لئے اول یوم سوا پارہ یاد فرمایا۔ اسی طرح ہر روز یاد کرتے اور رات کو سنا دیتے۔ حافظے کی ایسی حالت تھی۔

اتباعِ رسول ﷺ کا کامل نمونہ: حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ عشقِ رسول ﷺ میں ایسے مستغرق تھے کہ نہ صرف تشریعی سنن کے کامل پیرو تھے بلکہ تکوینی شمائل رسول اللہ ﷺ کے بھی عکس جمیل اور مظہر تھے۔ حضرت مدنیؒ کا چہرہ انور نہایت باوقار تھا۔ ان کو دیکھ کر رعب طاری ہوجاتا تھا۔ مگر ان کی مجلس درس اور صحبت میں بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا اور نہ ان کے نورانی چہرے کے جمال وانوار کے مشاہدے سے سیری ہوتی تھی۔ ایک عجیب فدائیت اور محبت ہوجاتی تھی۔ چلتے وقت قدموں کو وقار اور قوت سے زمین سے اٹھاتے، آگے جھکے ہوئے چلتے رہتے۔ تواضع اور انکسار چھایا ہوتا، نگاہیں نیچی رہتیں۔ چہرے پر مسرت، تبسم اور عجیب بشاشت طاری رہتی تھی۔ شمائل ترمذی شریف جب ہم پڑھا کرتے تھے تو ایک ایک خصلت کا صحیح نقشہ حضرت شیخ کو دیکھ کر سمجھ میں آجاتا تھا۔ حضرت مدنیؒ کی زندگی کی شکل میں شمائل کی زندہ تصویر ہمارے سامنے تھی۔ (مولانا عبدالحق نمبر صفحہ ۱۳۶)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایک طالب علم اپنے اساتذہ کرام کی عقیدت اور محبت میں کس قدر ڈوبا ہوا ہے اور کیسی سرشاری اور کتنے ادب سے ان کے علمی کمالات اور سیرت کے جلووں کا تذکرہ کررہا ہے۔ کیا آج بھی طلبہ کے دل میں اپنے اساتذہ کا اتنا ہی ادب اور ویسی ہی عقیدت موجود ہے، جیسی مولانا عبدالحقؒ کو اپنے گرامی اساتذہ سے تھی؟ اتنا ادب نہ سہی اس کا عشر عشیر بھی موجود ہے؟ اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ آج ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں علوم سے خالی ہیں اور طلبہ لکھنے پڑھنے کی بجائے گانے گاتے، گالی بکتے یا گولی چلاتے نظر آتے ہیں۔ علم اور معلّم کا مکمل احترام یہ علم کا طالب سے پہلا تقاضا ہے۔ جب تک یہ تقاضا بہ تمام وکمال پورا نہیں ہوگا۔ ہم علم کی خوشبو اور نتیجتاً ارتقا سے محروم رہیں گے۔

جن دنوں مولانا عبدالحقؒ دیوبند میں تھے، وہ اس لحاظ سے بڑے آشوب اور آزمائش کا زمانہ تھا کہ ایک طرف انتہا پسند جنونی ہندو تنظیمیں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے درپے تھیں اور دوسری طرف انگریزوں کی سرپرستی میں پادریوں کی ٹولیاں اہلِ ہند کو عیسائیت کی طرف کھینچ رہی تھیں۔ مولاناؒ اس صورت حال پر رنجیدہ رہتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیوبند کے نواحی دیہات میں اسلام کی تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔ غریب شودروں کی پسماندگی دیکھ کر ان کا دل کڑھتا تھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کتنے شودروں کو عیسائی بننے سے بچایا اور اسلام کی دولت سے مالامال کیا۔

مولاناؒ کو ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں دیوبند سے سندِ فراغت ملی۔ بعد ازاں وہ واپس اکوڑہ خٹک تشریف لے آئے۔ ۱۹۳۳ء میں اپنے محلے لگکے زئی کی مسجد میں انہوں نے مدرسہ قائم کیا اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے لگے۔

عقد نکاح: مولانا عبد الحقؒ کی شادی ۱۹۳۵ء میں جہانگیرہ کے علمی خاندان میں مولانا عبد الغفار کی صاحبزادی سے ہوئی۔ مولانا عبد الغفار کے بیٹے مولانا عبد الحنان دیوبند میں مولانا عبد الحقؒ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ وہ ان کے حُسنِ سیرت اور علمی کمالات کے عینی شاہد تھے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا الحاج سیف الرحمنؒ نے ہمشیرہ کی شادی مولانا عبد الحقؒ سے کرنے کے سلسلے میں مشورہ چاہا تو مولانا عبد الحنان نے یہ معاملہ اپنے استاد حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندی کی خدمت میں پیش کیا اور مشورے کے طالب ہوئے۔ مولانا عبد السمیع نے مولانا عبد الحقؒ کی پرزور وکالت کی۔ فرمایا کہ ایک عالمِ دین ساتھ رشتہ ہر لحاظ سے مبارک اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ اچھے خاندان میں رشتہ جوڑنا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ اس طرح دنیاوی لحاظ سے بھی انسان بہت سے مصائب اور مکروہات سے بچ جاتا ہے۔

استاد گرامی کی اس رائے کے بعد مولانا عبد الحنان نے مولانا سیف الرحمنؒ کو اپنا عندیہ دے دیا۔ شادی کی بات پکی ہو گئی۔ مولانا عبد الحق نکاح کے لئے عزیز و اقارب اور علماء و صلحا کے ساتھ جہانگیرہ تشریف لے گئے۔ یہ نرالی شادی تھی، نہ اس میں برات کا دھوم دھڑکا تھا، نہ ڈھول باجا، نہ آتش بازی، نہ نمود و نمائش، بس سنت نبوی ﷺ کے مطابق سادگی کی شان سے شادی ہو گئی۔ مولانا عبد الحق نے اپنی تقریب نکاح کو بھی اسلامی تعلیمات اجاگر کرنے کا ذریعہ بنالیا۔ رات بھر جلسہ رہا۔ علمائے کرام نے تقریریں فرمائیں۔ دلوں میں رب العزت کی محبت کے بیج بوئے۔ سنت رسول ﷺ کو لازمۂ حیات بنالینے کا سبق دیا اور بتایا کہ انسان کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی بندگی کرے اور اپنی زندگی کے ہر عمل کو حضور ﷺ کے اسوۂ مبارک کے مطابق انجام دے۔ اس موقع پر علمائے کرام نے اہلِ جہانگیرہ کو فرنگی سامراج کے مکروہ ارادوں سے خبردار کیا اور اعلان کیا کہ انگریزوں کے ساتھ ہر قسم کا تعاون حرام ہے۔ (روایت: مولانا الحاج سیف الرحمنؒ مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۴۸)

حضرت مدنیؒ کی اکوڑہ خٹک تشریف آوری: دار العلوم حقانیہ کے آغاز و قیام کے دو دور ہیں۔ پہلا تقسیم ہند سے پہلے کا ہے اور دوسرا قیام پاکستان کے بعد کا۔ ان دونوں ادوار میں مولاناؒ کے والد ماجد مولانا معروف گل ان کی بھرپور سرپرستی فرماتے رہے۔ مولانا عبد الحق نے ۱۹۳۷ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ ۹، مئی ۱۹۳۸ء کو اکوڑہ خٹک تشریف لائے، مدرسے کا معائنہ فرمایا، اور ترقی کی دعا کی۔ اس موقع پر آپ نے اپنے تاثرات درج کرتے ہوئے فرمایا:-

> "میں اپنی خوش قسمتی سے ماہ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں اس مدرسہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اس مدرسے کو جاری ہوئے ابھی ایک برس کا عرصہ نہیں ہوا، مگر ظاہری احوال اور ترقیات امید افزا ہیں۔ بحمد اللہ! بچے بھی بکثرت ہیں اور مدرسین کرام کی قربانی اور ایثار بھی اطمینان بخش ہے میں اہلِ اکوڑہ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مدرسے کے جاری رہنے اور روز افزوں ترقی کرنے میں ہر قسم کی امداد فرمائیں۔ وہ ہر طرح تمام اہلِ قصبہ کے لئے دین و دنیا کا ذخیرہ ہے۔ نیز میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ قصبہ اپنے اپنے بچوں کو ضرور بالضرور یہاں کی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔

"وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین"

(روایت جناب محمد اجمل خٹک صدر اے این پی، مولانا عبدالحق نمبر صفحہ ۴۶۲)

حضرت مدنیؒ کی مندرجہ بالا تحریر سے وہ تعلق نمایاں ہوتا ہے جو حضرتؒ کو مولانا عبدالحقؒ اور ان کے قائم کردہ مدرسے سے تھا۔ حضرت مدنیؒ نے اسی پر بس نہ کیا وہ دیوبند میں طلبہ واساتذہ کے عام جلسوں میں حضرت مولانا عبدالحقؒ کی صفات عالیہ کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا عبدالحقؒ کے ایک مکتوب کے مندرجات بھی جلسے میں بہ نفس نفیس پڑھ کر سنائے اور دیر تک دارالعلوم حقانیہ کی ترقی وشادابی کی دعا کی۔ راقم الحروف چھٹیوں میں لاہور آتا تھا اور پھر واپس پشاور چلا جاتا تھا۔ آتے جاتے جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک سے گزرتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ کی مقدس عمارت نظر آتی تھی تو یوں لگتا تھا جیسے اس عمارت کے درو بام پر حضرت مدنیؒ کا سایہ پڑ رہا ہے۔ قرآن وسنت کے علوم کو ٹھیک ٹھیک اسلاف کرام کے اسلوب و نہج پر فروغ دینے کا جتنا مخلصانہ اہتمام یہ ادارہ کر رہا ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ دارالعلوم حقانیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل، حضرت مدنیؒ کی دعاؤں اور مولانا عبدالحقؒ کے اخلاص وللہیت کا نتیجہ ہے قیام پاکستان کے بعد بھی دینی علوم کے اس گہوارے سے حضرت مدنیؒ کی قلبی وابستگی برقرار رہی۔ وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ سے فرماتے تھے کہ دارالعلوم حقانیہ کا خیال رکھنا۔ وہ ہمارا ہی مدرسہ ہے۔

مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک ہی میں مصروف تدریس تھے کہ انہیں دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مولانا مبارک علیؒ اور مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ کے خطوط ملے جن میں انہوں نے آپ کو دیوبند آنے اور تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی اور ۱۹۴۳ء میں بحیثیت معلم دیوبند تشریف لے گئے وہاں آپ نے اپنے تدریسی فرائض جس اخلاص، للّٰہیت اور قابلیت سے انجام دئے اس کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ طلبہ آپ کے گرویدہ اور اکابر اساتذہ آپ کی تدریس اور شخصی خوبیوں کے معترف ہوگئے۔ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے ایک حکم نامے کے ذریعے جلد ہی آپ کو مستقل کردیا۔ اس حکم نامے میں مولانا عبدالحقؒ کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت قاری طیب صاحبؒ نے یہ عبارت تحریر فرمائی:۔

"گزشتہ چند ماہ کے عرصے میں جناب نے جس محنت اور تعلیمی سلسلے میں جس حسنِ کارکردگی کا ثبوت دیا ہے، خدام دارالعلوم اس کی قدر کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے جناب سے اچھی توقع رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں بے انصافی ہوگی کہ آپ جیسے حضرات کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ چنانچہ جناب کی قابلیت اور شہرت ومقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء سے آپ کو مستقل کیا جاتا ہے"۔ (ماہنامہ الحق ۱۹۷۳ء)

خدا جانے مولانا عبدالحقؒ نے علمی اور عملی فضیلت کی کس بلند چوٹی پر اپنا آشیانہ بنا رکھا تھا۔ مجھ جیسا کور بصر اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہے ہاں اتنا ضرور پڑھا اور سنا ہے کہ انہوں نے مرتے دم تک دعوت الی اللہ علم کی عظمت طلبہ کی قدر شناسی ودردمندی اور تدریس وتعلیم کا وہی معیار قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی جو ان کے محبوب، معلم اور مخدوم حضرت مدنیؒ نے قائم کر دکھایا تھا۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

اسی تدریسی محنت اور لگن کا نتیجہ تھا کہ ان کا شمار دیوبند کے اکابر اساتذہ میں ہونے لگا۔ تقریباً تین ہزار طلبہ نے ان سے قرآن وسنت کے علوم پڑھے۔ جن کی بڑی تعداد آج بھی پاکستان، بھارت، افغانستان، ملائیشیا، برما، رنگون، ایران اور روسی وچینی علاقوں میں دین کی تعلیم دینے میں مصروف ہے۔

حضرت مولانا محمد اسرار الحق صدیقی اکوڑوی فاضل دیوبند کا بیان ہے کہ:۔

"مولانا عبدالحقؒ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ اولاً حاصل مطالعہ بیان فرماتے تھے۔ دورانِ درس بڑے بڑے رموز کی باتیں نہایت سادہ، عام فہم اور دلنشین انداز میں واضح کرتے چلے جاتے۔ عجیب وغریب نادر نکتے بیان فرماتے۔ طریق خطاب سادہ اور بے تکلف تھا، چونکہ آپ عارف باللہ تھے اس لئے آپ کی للٰہیت اور اخلاص کے باعث درس میں دلربائی کی عجیب شان پیدا ہوجاتی تھی، جو طلب کو اپنا گروید بنالیتی تھی۔ اس طرح ان کا علم اس قدر مجذوب اور متعدی ہو گیا تھا کہ طلبہ کو اثر کر لگتا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ مولاناؒ کو دارالعلوم حقانیہ میں حدیث شریف پڑھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ بڑھاپے اور نقاہت کے باوجود وہ جس عالی ہمتی اور انہماک سے درس دے رہے تھے، وہ حدیث شریف سے ان کے عشق کا ایمان افروز مظاہرہ تھا۔ طلبہ سر جھکائے دم بخود حضرتؒ کی تقریر سن رہے تھے۔ فضا میں سکوت اور سکون تھا۔ پورے دارالعلوم پر نورانیت کی چادر تنی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں دور تک کوئی متنفس موجود نہیں۔ مولانا دھیمے دھیمے باوقار لہجے میں حدیث شریف کی عربی عبارتیں پڑھتے اور پشتو میں تشریح فرماتے چلے جارہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے تو میں یکبارگی ٹھٹھک گیا۔ مجھے دھوکا ہوا کہ کہیں میں امام غزالیؒ کا زمانہ تعلیم و تعلم تو نہیں دیکھ رہا مگر حقیقت پر واھمے کا کوئی امکان نہ تھا۔ میرے سامنے مولانا عبدالحق ہی تشریف فرما تھے۔ اسلاف کرام کے سچے نمائندہ ونمونہ، ان کے لب مبارک پھول جھڑ رہے تھے۔ مجھے پشتو نہیں آتی۔ اس لیے میں ان کے مواعظ ومطالب کو سمجھ نہ سکا۔ لیکن دارالعلوم کی اس مقدس اور مشک بار فضا نے ایسا لبھایا کہ قرونِ اولیٰ کے دور کی تصویریں نگاہوں میں پھر گئیں۔ دل نے گواہی دی کہ علم کی شان اور اس کی تحصیل کا حقیقی طریقہ یہی ہوتا ہے جو مولانا کی تدریس اور طلبہ کی توجہ اور تحردیدگی سے ہویدا ہو رہا ہے۔

مولاناؒ کا درس اور اکثر ارشادات وخطبات عام طور پر پشتو ہی میں ہوتے تھے اور یہ ناگزیر تھا، کیونکہ ان کے مخاطب اکثر وبیشتر پشتو بولنے والے ہی تھے اور مولاناؒ کی تڑپ یہ تھی کہ وہ علوم دین کے سارے بھید اپنی پوری معنویت کے ساتھ طلبہ کے ذہنوں میں پیوست کردیں اس لئے انہوں نے اظہار مطالب کا ذریعہ پشتو ہی کو بنائے رکھا۔ عربی اور فارسی میں ان کی قابلیت مسلّم تھی، مگر وہ اردو پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ افغان تھے مگر اردو اس بے ساختگی اور شائستگی سے بولتے تھے کہ مزہ آجاتا تھا۔ کہیں کہیں تذکیر وتانیث میں الٹ پھیر ہوجاتا تھا۔ نپے تلے چھوٹے چھوٹے جملے بولتے تھے، حشو زوائد سے پاک، تکلف اور تصنع سے بری، اور خلوص کی مٹھاس سے لبریز، انہیں ٹھیٹھ دہلوی والوں کے محاورے بھی یاد تھے۔ جن کی وہ کبھی کبھی دلچسپ تشریح بھی فرمایا کرتے تھے۔ مجھے مولاناؒ کے جو مواعظ اور ملفوظات پڑھنے سننے کا موقع ملا، ان کا ماحصل یہ ہے کہ علم کی اصل روح اللہ تعالیٰ کی مرضیات ونامرضیات سے بخوبی آگاہی ہے۔ خود مولاناؒ کی زندگی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ وہ اپنے علم وفضل طرز بودوباش اپنی گفتار اور کردار کی ایک ایک ادا سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کم کرنے اور بدی سے دور بھاگنے کا درس دیتے تھے۔

مولاناؒ چھٹی پر دیوبند سے اکوڑہ خٹک آئے ہوئے تھے کہ بٹوارہ ہو گیا۔ فرنگی سامراج اپنے غرور کا پشتارہ لے کر چلا گیا۔ برصغیر آزاد ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تقسیم کے ہنگاموں اور خونریزیوں کے باعث مولانا واپس دیوبند نہ جا سکے۔ مولاناؒ نے بٹوارے کے بعد کی صورت حال، پاکستان میں دینی علوم کی تدریس اور اس کے تقاضوں کا جائزہ لیا اور جس طرح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۸۵۷ء کی قیامت صغریٰ کے بعد توکلاً علی اللہ دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی اس طرح مولانا عبد الحقؒ نے ۱۹۴۷ء کی قیامت خیزیوں کے بعد اکوڑہ خٹک میں بے سروسامان ارادوں کے ساتھ دیوبند ثانی دار العلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔ اب مولاناؒ کے قدم اس شاہراہِ عمل پر تیزی سے بڑھنے لگے جو قدرت نے ان کے لئے تجویز کردی تھی۔ سرحد کے وہ طلبہ جو دیوبند میں پڑھتے تھے یا وہاں جا کر داخلہ لینا چاہتے تھے اور تقسیم کے تہلکوں میں دیوبند جانے سے قاصر تھے، انہیں اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے اپنے ہی دیار میں مولانا عبد الحق جیسا فاضل اجل مل گیا۔

دولتے ہست کہ یابی سر راہے گاہے!

دیکھتے ہی دیکھتے مولاناؒ کے گرد علم دین کے پروانے جمع ہونے لگے۔ مولاناؒ کے پاس کوئی جاگیر نہیں تھی، کوئی پیسہ نہیں تھا، نہ انہیں کسی مخیر جماعت کا سہارا تھا۔

بہ بیں ایں بے سروساماں

چہ شاں کردہ می آید

انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر بھروسہ کیا اور پڑھانا شروع کردیا۔ ان کے والد محترم مولانا معروف گل اپنی جیب سے طلبہ کے اخراجات پورے فرماتے تھے۔ مولانا عبد الحقؒ کی اہلیہ محترمہ طلبہ کے لئے خود کھانا پکاتی تھیں۔ مولاناؒ کو کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ مدرسے کے اخراجات کہاں سے پورے کئے جائیں گے اور خود ان کو اپنے ذاتی اور گھریلو مصارف کے لئے رقم کہاں سے ملے گی۔ وہ دامن جھاڑ کر اٹھے ہر طرف سے منہ موڑ لیا مالک الملک پر بھروسہ کیا اور مسند درس وارشاد پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اس درس گاہ کے لئے نہ کوئی ڈھنڈورا پیٹا، نہ کوئی اشتہار چھپوایا، نہ کوئی پوسٹر لگوایا اور نہ کسی سے چندہ مانگا، حتیٰ کہ مدرسے کا کوئی نام بھی تجویز نہیں کیا چہ جائیکہ وہ اس کے نام کا کوئی بورڈ لکھواتے اور آویزاں کراتے۔ نام و نمود سے نفور اس عظیم شخصیت کے حوصلوں اور ولولوں کا سارا انحصار خالق کائنات کی عاجز نوازیوں پر تھا اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص اللہ رب العزت پر بھروسہ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر اعتبار سے کفالت فرماتا ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سہارے کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ چٹیل میدانوں میں خدا پرستی کے بیج بوتا ہے اور دلوں کی مردہ زمین میں ازسرنو جان ڈال کر نیکیوں کی لہلہاتی ہوئی فصل تیار کردیتا ہے۔ مولانا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ شروع شروع مسجد ننگے زئی میں پڑھاتے رہے۔ طلبہ کی تعداد بڑھی تو چند مکان کرائے پر لے کر اور چند مخلص معلموں کا تقرر کر کے مدرسے میں وسعت پیدا کرلی۔ پھر صوبہ سرحد ہی نہیں پاکستان، افغانستان، قبائلی علاقوں اور ایران سے بھی اعلیٰ استعداد کے طلبہ آنے لگے۔ ان طلبہ نے اپنے ہی طور پر اس مدرسے کا نام دار العلوم حقانیہ رکھ لیا۔ طلبہ کی روز افزوں تعداد اور مدرسے کی تنگ دامانی دیکھ کر مقامی اہلِ دل خود ہی آگے بڑھے۔ کسی نے اراضی کا عطیہ دیا، کسی نے دام و درہم پیش کئے اور کسی نے دعا دی یوں ایک بے آب وگیاہ

میدان میں ایک سادہ مگر خوبصوت عمارت ابھری اور نور افشاں ہو گئی۔ یہ دار العلوم حقانیہ کی جدید عمارت تھی جس کا افتتاح سرحد کے نامور عالم شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتیؒ نے ۱۷، مارچ ۱۹۵۷ء کو کیا۔ اس مبارک تقریب میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے دعا فرمائی۔ یوں ایک مردِ خود آگاہ کے سوز و اخلاص نے تمام مشکلات اور موانع پر قابو پا کر ننھے سے دار العلوم کو محلہ گلے زئی سے نکالا اور ایک عظیم عمارت میں منتقل کیا اور مہر نیم روز بنا دیا۔

آج دار العلوم حقانیہ اپنی وسعت، جامعیت، اور تعلیم و تعلّم کے اعتبار سے مثالی اسلامی دار العلوم بن چکا ہے۔ اس میں ابتدائی مدارج سے لے کر علوم عالیہ کے اونچے درجوں تک معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ اس عظیم درسگاہ میں ایک طرف حقانیہ ہائی سکول تعلیم القرآن ہے، دوسری طرف نہایت خوبصورت جامع مسجد دار الحفظ والتجوید ہے، دار الحدیث ہے، دار الافتا ہے، مؤتمر المصنفین اور ماہنامہ "الحق" کے دفاتر ہیں، نہایت قیمتی کتابوں پر مشتمل عظیم الشان لائبریری ہے، طلبہ اور اساتذہ کرام کے لیے اقامت گاہیں ہیں اور اب مدرسۃ البنات قائم کیا جارہا ہے۔ یہ نہایت اہم اور رحمت پروردگار کے دریچے کھلوانے والا پراجیکٹ ہے۔ آج کی بچیاں کل کی مائیں ہیں۔ آج بچیوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے گا تو کل وہ عظیم مائیں بن کر ابھریں گی اور اپنے بچوں کو بھی دینی تعلیم و تربیت سے مزین کر دیں گی۔ یوں چراغ سے چراغ جلے گا اور دین حق کا نور پھیلتا چلا جائے گا۔

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ کا بڑا گراں مایہ شعبہ ہے۔ یہ شعبہ حضرت مولانا عبد الحقؒ، حضرت قاضی زاہد الحسینی مدظلہ سینیٹر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن کی مایہ ناز دینی و علمی کتابیں شائع کر چکا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں، بس اجمالاً یہ کہنا کافی ہے کہ مؤتمر المصنفین کی شائع کردہ کتابوں سے خدائے ذوالجلال کی محبت بڑھتی ہے اور قدموں کو نیکی کے راستے پر چلنے کی ہمت اور حوصلہ نصیب ہوتا ہے۔ دار العلوم کا مجلہ ماہنامہ "الحق" بھی دقیع علمی جریدہ ہے اور دینی اور علمی اداروں میں "الحق" کے علمی اور دینی مقالات ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

تلامذہ

مولانا عبد الحقؒ کے بے شمار شاگرد آج حافظ ہیں، قاری ہیں، معلم ہیں، مفتی ہیں، مبلغ ہیں، مجاہد ہیں، خطیب ہیں۔ مولانا کے شاگرد دنیا بھر میں ہیں، وہ جہاں جہاں موجود ہیں وہاں قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں، حدیث شریف پڑھا رہے ہیں، فقہی مسائل بیان کر رہے ہیں اور تبلیغ دین کا عظیم الشان فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان کے شاگردوں کے ہجوم نجوم میں شیخ الحدیث حضرت سید حامد میاںؒ، حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ اور مفتی احمد الرحمن رحمھم اللہ تعالیٰ جیسی برگزیدہ ہستیاں بھی شامل ہیں۔ حضرت مفتی محمود کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن ایم این اے سینیٹر مولانا سمیع الحق، مولانا انوار الحق، مولانا عبد القیوم حقانی، جناب محمد اجمل خٹک ایم این اے، ڈاکٹر رشید احمد جالندہری ڈائریکٹر تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد، افغان کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی فاتح خوست و گردیز، مولانا یونس خالص امیر حزب اسلامی افغانستان، مولانا محمد موسیٰ جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا عصمت اللہ وزیر خزانہ بلوچستان، مولانا عبد الہادی وزیر خوراک بلوچستان، مولانا ڈاکٹر ضیاء الحق قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

صاحبؒ، مولانا عبد الحق ہی کے شاگرد ہیں۔ بھارت میں مولانا مرغوب الرحمنٰ مہتمم دار العلوم دیوبند اور مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مدیر الفرقان لکھنؤ اور مولانا شاہ صبغت اللہ بختاری، مولانا عبد الحق ہی کے معروف شاگرد ہیں۔

ان ممتاز علمائے کرام کے علاوہ پاکستان، افغانستان، بھارت، عرب امارات، بنگلہ دیش اور برطانیہ میں بے شمار ایسے علماء فضلاء دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جنہوں نے حضرت مولانا عبد الحق سے دیوبند یا اکوڑہ خٹک میں تعلیم پائی۔ مولانا مرحوم نے زندگی کے کیسے کیسے سرد و گرم تھپیڑے سہہ کر کتنی بڑی تعداد میں کیسے کیسے اور کن کن غریب اور کسمپرس لوگوں کو دین کی تعلیم دے کر گرامی بنایا اور خلقِ خدا کی خدمت پر لگادیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور افراد کی قدر و قیمت اعلیٰ خدمات کی کسوٹی پر پرکھی جائے گی تو حشر کے ہجوم و ہیجان میں مولانا عبد الحق کا رتبہ کتنا اونچا اور قابل رشک نظر آئے گا۔

دار العلوم حقانیہ جید علماء اور نامور لیڈروں کی نظر میں: دار العلوم حقانیہ میں مولانا عبد الحقؒ نے کم و بیش ۴۵ برس تک درس حدیث دیا۔ حدیث شریف کے اس عشق و انہماک کی وجہ سے علماء، صلحاء، اور عوام سبھی انہیں شیخ الحدیث کہنے لگے۔ یوں "شیخ الحدیث" کے مبارک الفاظ مولاناؒ کے نام کا جزو بن گئے۔ ایک طرف تو خود مولانا کی للّٰہیت طویل مخلصانہ تدریسی خدمات اور ان کے لائق صاحبزادوں سینیٹر مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق کی ان تھک محنت اور قابلیت اور دوسری طرف مولانا عبد القیوم حقانی اور دار العلوم کے دیگر علمائے کرام اور عملے نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور بے لوث خدمات سے دار العلوم حقانیہ کو آفتاب عالم تاب بنادیا۔ اندرون اور بیرون ملک سے نامور علماء، صلحاء اور ممتاز علمی و سیاسی شخصیتیں مولانا عبد الحقؒ کی زیارت اور دار العلوم دیکھنے کے لئے آنے لگیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ تو قیام پاکستان سے پہلے ہی دار العلوم کے ابتدائی دور میں یہاں تشریف لا چکے تھے۔ بعد کو جب قیام پاکستان کے بعد مولانا عبد الحقؒ نے دار العلوم کا دوبارہ اجراء کیا تو یہاں جو مبارک ہستیاں اور نامور رہنما تشریف لائے ان کے نام یہ ہیں:۔

حضرت مولانا محمد یوسف امیر عالمی تبلیغی جماعت نور اللہ، حضرت مولانا سعید احمد مدظلہ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی الشیخ عبد اللہ الزائد، جامعہ ازہر قاہرہ کے وائس چانسلر الشیخ محمد الطیب النجار، الشیخ محمد محمود الصوان مکہ مکرمہ، الشیخ علامہ محمد بشیر الابراہیمیؒ الجزائر، الشیخ عبد المجید الزندانی سابق وزیر یمن، چینی عالم دین مولانا صالح بن عادل، حضرت مدنیؒ کے صاحبزادے مولانا اسعد مدنی، پاکستان سے حضرت مولانا عزیر گلؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا عبد اللہ درخواستیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مفتی محمد حسنؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا خیر محمد، مولانا غلام اللہ خان، حضرت قاضی زاہد الحسینی، مولانا نور الحسن بخاریؒ اور مولانا کوثر نیازی۔

اوپر جن علمائے کرام کے اسمائے گرامی درج کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دار العلوم حقانیہ میں جو سیاسی رہنما گورنر، وزراء، اور صحافی تشریف لائے۔ ان کی فہرست طولانی ہے۔ ان میں جناب خان عبد الغفار خان مرحوم، ان کے صاحبزادے جناب خان عبد الولی خان، مولانا بھاشانی، جنرل ضیاء الحق، گورنر سرحد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق مرحوم، جناب اے کے بروہی، میر علی احمد تالپور سابق وزیر دفاع،

راجہ ظفر الحق، اصغر خاں اور پروفیسر غفور احمد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس ہجوم نجوم میں سے بعض ممتاز شخصیتوں کے تاثرات سنتے چلیئے:۔

"یادگار سلف حضرت مولانا عزیر گلؒ، حضرت مولانا عبد الحقؒ کی مداحی میں والہانہ کلمات ارشاد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ "اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مولانا عبد الحقؒ سے بہت بڑا کام لیا ہے"۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۱۱۸۶)

امیر عالمی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ

"آج مدرسے میں حاضری ہوئی، معلمین، متعلمین اور منتظمین سے ملاقات ہو کر خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ ان حضرات کو علوم نبویہ ﷺ کے عمومی اور خصوصی فیضان کا ذریعہ بنا کر دارین کی ترقیات نصیب فرمائے"۔

حضرت مولانا سعید احمد خاں مدظلہ

"دار العلوم حقانیہ مرکز علم ہے۔ تمام عالم میں مشہور ہے۔ جہاد کا قلعہ ہے، دین کا مورچہ ہے، اس کے فضلاء متوسلین و متعلقین، طلبہ اور اہلِ علم کو اس ادارے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ کی نسبت کے پیش نظر یہاں کے علوم اور انوار و برکات کو تمام عالم میں پھیلانا چاہیئے"۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت قاری محمد طیبؒ ۶ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء کو اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ فرمایا "آٹھ سال بعد اس سرچشمہ علم میں حاضری کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ۱۹۵۰ء میں احقر اس وقت حاضر ہوا تھا جب مدرسے کے لئے نہ کوئی خاص جگہ تھی، نہ مکان، ایک مسجد میں غریبانہ انداز اساتذہ و تلامذہ نے کارِ تعلیم شروع کر دیا تھا۔ لیکن آٹھ سال بعد دار العلوم کو اس شان سے دیکھا کہ اس کے پاس شاندار عمارت بھی ہے۔ وسیع میدان بھی ہاتھ میں ہے۔ اس کے وسیع نظم و نسق کے لئے مختلف انتظام شعبہ جات بھی ہیں۔ ماہر فنون اساتذہ کافی مقدار میں جمع ہیں۔ ۲۶ فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی بھی ہو گئی ہے، جن میں مختلف پاکستانی علاقوں کے علاوہ کابل اور قندھار کے طلبہ بھی ہیں۔ ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد بھی رکھی جا رہی ہے۔ خلق اللہ کا رجوع ہے، اعتماد ہے اور وہ پورے بھروسے کے ساتھ پروانہ وار اس شمع علم کے ارد گرد فدائیت و عقیدت کے ساتھ ہجوم کر کر کے آ رہے ہیں۔ بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ آج اسے صوبہ سرحد کی سب سے بڑی مرکزی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ سات سال کی مختصر مدت میں ظاہری و باطنی ترقیات بجز اس کے کہ کارکنوں کے اخلاص وللہیت کا ثمرہ کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان مخلصین میں راس المخلصین حضرت مولانا عبد الحقؒ اکوڑوی ہیں جن کے ایثار و اخلاص کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ وہ دار العلوم دیوبند کے طالب علم اور اس کے بعد کافی عرصے تک ایک ماہر فن استاد کی حیثیت سے دار العلوم دیوبند میں مقیم تھے۔ تقسیم ملک کے بعد بمجبوری اکوڑہ میں مقیم ہوئے اور دار العلوم دیوبند آج تک ان کی جدائی پر نالاں ہے۔ ان کی سادہ اور بے لوث مخلصانہ طبیعت اور خدمت نے ہی اس سات سال کی قلیل مدت میں اس مکتب کو مدرسہ اور مدرسے سے دار العلوم بنا دیا ہے۔ اس دار العلوم کے احاطے میں پہنچ کر احاطہ دار العلوم دیوبند کا شبہ ہونے لگتا ہے اور بالآخر شبہ یقین سے بدل جاتا ہے جب یہ دیکھا

جاتا ہے کہ حقیقتاً اس نے اپنی صورت وسیرت میں دارالعلوم دیوبند کی صورت وسیرت کو سمولیا ہے اور وہ دارالعلوم دیوبند ہی بن گیا ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس سرچشمہ فیض کو اور اس کے بانی کو اپنے فضل وکرم کے سائے میں تادیر قائم رکھے اور مسلمانان پاکستان کے لئے یہ مدرسہ نور ہدایت اور مینارہ روشنی ثابت ہو۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ہندوستان کے نامور اسکالر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۹، جولائی ۱۹۷۸ء کو مولانا عبد الحقؒ کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ اس موقع پر انہوں نے دارالعلوم حقانیہ میں طلبہ کے دارالاقامہ کا سنگ بنیاد رکھا اور خود ہی اس کا نام حضرت سید احمد شہید کے نام نامی سے موسوم کر کے احاطہ سید احمد شہید رکھا۔ آپ نے فرمایا:۔

"آج ۱۳، شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء کا دن میرے لئے بہت ہی مسرت اور سعادت کا دن ہے کہ میں اپنے عزیز رفقا اور محترمی سید صباح الدین عبد الرحمٰن ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ ومدیر "معارف" کی معیت میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک حاضر ہوا۔ اس سرزمین سے جس میں یہ دارالعلوم واقع ہے ایک وسیع اور عزیز تاریخ اور بڑی یادگار روایات وابستہ ہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے جس پر مسلمانوں کی نئی تاریخ لکھی جانے والی تھی۔ مگر وہ نامکمل رہ گئی اور اس کے ساتھ احیائے اسلام اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ کا ورق الٹ گیا۔ دارالعلوم حقانیہ کا قیام ایک نیک فال ہے اور ان ہی شہیدوں اور مخلصوں کی جانفشانیوں کی برکت ہے۔ میرے ذہن میں دارالعلوم کا جو نقشہ اور تصور تھا میں نے اس کو اس سے کہیں بہتر اور وسیع تر پایا۔ اس کو دیکھ کر امید پیدا ہوتی ہے کہ یہ ملک کا مرکزی دارالعلوم اور عظیم جامعہ اسلامیہ ثابت ہوگا۔ خوش قسمتی سے اس کو مولانا عبد الحقؒ کی سرپرستی، ان کی دعا اور توجہ حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ فاضل اساتذہ کی تدریسی خدمات اور طلبہ کی کثیر تعداد بھی یہاں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نظر بد سے بچائے اور ہر طرح کی آفات ومکروہات سے حفاظت فرمائے اور یہ جلد منازل ترقی طے کر کے بام عروج پر پہنچے"۔

مزید فرمایا:۔

"میں شیدو، ہندو اور جہانگیرہ وغیرہ، ان سب ناموں سے مانوس ہوں۔ اس راستے پر آج پہلی مرتبہ آیا ہوں۔ اس سے قبل پشاور اور مردان کے راستے آنا ہوا تھا، جو آج سے ۳۴-۳۵ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ جب دارالعلوم حقانیہ نہیں تھا۔ میں آیا اور گھوم پھر کر چلا گیا۔ کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا اور میری عمر وفا کرے گی اور اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا کہ میں پھر دوبارہ یہاں آؤں گا اور اس دارالعلوم کو دیکھوں گا۔ جہاں ان شہیدین کی نہ صرف یاد تازہ ہے بلکہ اپنا انتساب بھی ان کی یاد سے کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت! یہ نسبت گرامی ایسی ہے کہ انشاء اللہ یہ رنگ لائے گی۔ خونِ شہیدان رنگ لایا، یہ نسبت انشاء اللہ رنگ لائے گی۔ اس کا نام حقانیہ ہے۔ اس میں حقانیت انشاء اللہ قائم رہے گی اور یہاں سے جو لوگ نکلیں گے وہ حقانیت کے علمبردار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ العلماء حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ

کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اس مدرسے کی کامیابیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے اس باغ کو سرسبز و شاداب، اور پھلتا پھولتا رکھے۔ یہاں اس سرزمین میں ایک ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہیے تھا جہاں قال اللہ اور قال رسول ﷺ کی آوازیں بلند ہوں۔ اس لئے کہ اسی قال اللہ اور قال رسول ﷺ ہی کا نتیجہ تھا کہ کتنے اللہ کے بندے ہتھیلیوں پر سر رکھے ہزاروں میل سے ہندوستان سے، کہاں کہاں سے یہاں پر آئے اور کہاں یہ میدان! یہ قال اللہ اور قال رسول ﷺ ہی تھا جو ان کو اتنا دور کھینچ لایا اور جب تک قال اللہ اور قال رسول ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ کی رحمت برستی رہے گی۔۔۔۔۔۔"۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو دار العلوم حقانیہ سے بڑی محبت تھی۔ بڑے شوق سے اکوڑہ خٹک تشریف لے جاتے تھے دار العلوم کی تقریبات میں شمولیت فرماتے تھے اور آن کی آن میں خاموشی سے غائب ہوجاتے تھے۔ عقیدت مند انہیں تلاش کرتے رہتے ایک دن ایک مسجد میں فرش پر لیٹے ہوئے مل گئے۔ فرمایا! مجھے جو راحت مسجد کے فرش پر نصیب ہوتی ہے وہ آرام دہ بستروں پر نصیب نہیں ہوتی۔ وہ تعلیم یافتہ طبقہ کو چیلنج کرکے فرماتے تھے کہ "صرف گیارہ سال کی مدت میں مولانا عبد الحقؒ نے دار العلوم حقانیہ میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، تمام جدید تعلیم یافتہ افراد باہم مل کر اس کا عشر عشیر بھی نہیں کرسکتے۔

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جہاں جہاں ہمارے اکابر بیٹھ گئے، جنگل میں منگل بنادیا۔ ایک مرتبہ قاری محمد طیب صاحب نے فرمایا مجھے دار العلوم حقانیہ سے دیوبندی خوشبو آتی ہے۔ یہ دیوبند کا بقیہ بھی ہے اور نمونہ بھی۔ ایک فقرہ سابق سفیر افغانستان کا نقل کرتا ہوں، وہ کہتے تھے:۔

"ہندوستانیوں اور افغانیوں کے لئے دیوبند قبلۂ علمی ہے مگر دار العلوم حقانیہ میرے لیے قبلہ علمی کی حیثیت رکھتا ہے"۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو مولانا عبد الحق کے ساتھ جو محبت اور شفقت تھی زبان کو یارا نہیں کہ بیان کرسکے۔

حضرت لاہوریؒ اکثر اپنے درس اور مجلس ذکر میں دار العلوم حقانیہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ہم کیا جانیں ولی رالی می شناسد۔

خدائی خدمت گار تحریک کے راہنما خان عبد الغفار خان مرحوم مولانا عبد الحق کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور دینی علوم کی اشاعت کے لئے حضرت مولاناؒ کی جدوجہد کے معترف تھے۔ مرحوم دار العلوم حقانیہ دیکھنے کے لئے اکوڑہ خٹک گئے۔ اس موقعہ پر ان کے صاحبزادے جناب عبد الولی خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ بعد کو جناب ولی خاں سابق مشرقی پاکستان کے لیڈر مولانا عبد الحمید بھاشانی کے ساتھ دار العلوم آئے۔ تیسری مرتبہ ۷، دسمبر ۱۹۷۲ء کو جناب ولی خان کسی عزیز کی وفات پر تعزیت کے لئے اکوڑہ خٹک گئے تو مولانا عبد الحق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے دار العلوم کے طلبہ سے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا:۔

"میں دارالعلوم حقانیہ میں پہلی مرتبہ بادشاہ خان کے ساتھ آیا تھا۔ دوسری مرتبہ مولانا بھاشانی کے ساتھ، اور آج تیسری مرتبہ بذات خود حاضر ہوا ہوں۔ آپ کا یہ دارالعلوم، دیوبند کی روایات کا امین ہے۔ بادشاہ خان سیاست میں آنے سے پہلے دیوبند گئے تھے۔ دیوبند کے علماء اپنے عمل، اپنے کردار، اپنی اسلامی تعلیمات اور قومی اصلاحی و تربیت کے لحاظ سے اسلام کی اصل روح قائم رکھے ہوئے ہیں۔ دیوبند تحریک آزادی ہند کا سرچشمہ تھا۔ یہ علمائے دیوبند ہی تھے جو فرنگی سامراج کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے شدائد برداشت کئے۔ مسلمانوں میں جا کر انہیں بے خوفی سے بیدار کیا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ دیوبند کی وہی روشنی اسی نہج پر یہاں دارالعلوم حقانیہ بھی روشن ہے، جس نہج پر خود دیوبند اس سے روشن تھا۔ افسوس کہ وہ دیوبند ہم سے جدا ہو گیا۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ دیوبند ہی کے اکابر حضرت مفتی محمودؒ، حضرت مولانا عبد الحقؒ اور ان جیسے اکابر یہاں موجود ہیں اور یہ سب دیوبند ہی کے چراغ کی روشنی یہاں روشن کئے ہوئے ہیں"۔

جناب ولی خان نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آپ کے علمائے سلف نے کافر فرنگی اور نوآبادیاتی سامراج کے خلاف جدوجہد کی تھی اور آزادی کا پرخار راستہ پکڑا تھا۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں گے کہ آپ بھی باعمل علماء ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہی روشنی آپ کی تعلیم اور کردار میں بھی نظر آئے گی جو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، مفتی محمودؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ نے اپنائی ہے۔ بہر حال میں یہاں ایک جگہ تعزیت کے لئے آیا تھا۔ میں نے اپنا فرض سمجھا کہ حضرت مولانا عبد الحقؒ کو بھی سلام کرتا جاؤں۔ یہ ہمارے بڑے ہیں۔ میرے والد صاحب ان کے دوست تھے۔ ان کی محبت تھی۔ میں بھی ان کی سنت کو جاری رکھنا چاہتا ہوں"/ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۴۷۵)

مولانا بھاشانی

اوپر جناب ولی خان کی تقریر میں مولانا بھاشانی کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ موصوف اشتراکی فلسفے کے آدمی تھے۔ برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں۔ روس، چین اور بلاد عرب میں بھی ان کا نام معروف تھا سابق وزیر اعظم پاکستان مسٹر حسین شہید سہروردی مرحوم شیخ مجیب الرحمٰن اور دائیں بازو کے تمام لیڈروں سے ان کی چشمک رہتی تھی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو خود کو ترقی پسند اور لیفٹ کا آدمی ظاہر کرتے تھے۔ مولانا بھاشانی نے انہیں بھی گھاس نہیں ڈالی۔ سابق گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان نواب کالا باغ کے دبدبے سے ہر خاص و عام بدکتا تھا، مولانا بھاشانی انہیں بھی ان کے منہ پر کھری کھری سناتے تھے اور آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ وہ اپنے سوا شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ اپنے فکر و فلسفے سے وفاداری و استواری پر آخر دم تک قائم رہے۔ پان کھاتے تھے اور گھیراؤ جلاؤ کی پالیسی پر چلتے تھے۔ یہ بے ڈھب، دیر آشنا اور ضدی بنگالی لیڈر مولانا عبد الحقؒ سے ملا تو انہیں دیکھتے ہی پگھل گیا۔ بھاشانی صاحب دارالعلوم حقانیہ دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ ان کی زبان سے یہ جملے نکلے گئے:۔

"یہاں کا عظیم کام دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ایسے کام کرنے والے دیانتدار حضرات مل جائیں تو قوم زندہ ہے اور دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے۔ اتنا عظیم کام اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مولانا عبد الحقؒ پر قوم کو اعتماد ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے وقت میں تمام عالم کے سب سے بڑے مجاہد اور سب سے بڑے عابد تھے۔ ان کے شاگردوں نے جہاں بھی قدم رکھا، وہاں دین اور علم دین کی ایک دنیا بسادی"۔

اے کے بروہی

مسٹر اے کے بروہی عالمی شہرت کے قانون دان تھے وہ بھارت میں پاکستان کے سفیر بھی رہے۔ وہ پاکستان کے واحد سفیر تھے۔ جن کی سفارتی خدمات سے سبکدوشی پر بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے برملا رنج وملال کا اظہار کیا۔ وہ قانون دان سے زیادہ ایک درد مند انسان اور بڑے مسلمان تھے۔ انگریزی کے خطیب تھے۔ بڑی سلیس انگریزی بولتے تھے۔ ان سے لاہور اور کراچی میں ملاقاتیں ہوئیں۔ بڑے خلیق، نرم خو اور متواضع آدمی تھے۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کے عاشق تھے۔ زندگی کے آخری ایام حضرت تھانویؒ کے معارف کے مطالعہ ہی میں بسر کئے۔ وہ علمائے حق کا جتنا احترام کرتے تھے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ موصوف ۲۸، اپریل ۱۹۷۴ء کو اکوڑہ خٹک گئے، کئی گھنٹے دار العلوم میں رہے۔ دیر تک مولانا عبد الحق کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ حضرت مولانا نے بروہی صاحب سے فرمایا:۔

"آپ جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ کا علم وفضل اور قانونی مہارت مسلم ہے۔ آپ آج کی جدید دنیا کو اسلامی قانون کی جامعیت اور قدر وقیمت سے روشناس کرائیں۔ آپ ایسا کرتے رہیں گے تو آپ کا یہ عمل علما کی مساعیؒ سے زیادہ اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمان اسلام کی حقانیت ثابت کرکے اتمام حجت کرسکتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ پورے جذبے، جرأت اور صراحت کے ساتھ اسلام کی ترجمانی کرتے رہیں"۔

مولانا کے یہ ارشادات سن کر مسٹر بروہی پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ انہوں نے دار العلوم کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"میں تو یہاں صرف حضور والا حضرت مولانا عبد الحق کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں اور آج حضرت مولانا سے میری ملاقات میری زندگی کا نہایت تاریخی دن ہے۔ مدتوں کی آرزو کی تکمیل ہے، میری مادری زبان سندھی ہے اور ساری تعلیم انگریزی میں پائی ہے۔ تو خیالات جو وارد ہوتے ہیں وہ انگریزی کا جامہ پہن کر وارد ہوتے ہیں۔ تاہم کوشش کروں گا کہ انہیں اردو کا جامہ پہنا سکوں۔ حضرات! میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ کے سامنے کچھ عرض کرسکوں"۔

-------- اس کے بعد مسٹر بروہی نے یہ آیت مبارکہ پڑھی "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ اور پھر ختم نبوت کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔

مندرجہ بالا تمام شخصیتوں کے تاثرات مولانا عبد الحق نمبر کے باب نمبر ۷ اور ۸ سے ماخوذ ہیں۔

مولانا کوثر نیازی

مولانا کوثر نیازی مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے دور اقتدار میں وفاقی وزیر اطلاعات اور بعد کو وزیر مذہبی امور رہے۔ مرحوم اعلیٰ علمی، دینی اور ادبی ذوق کے آدمی تھے۔ وہ جس خوش اخلاقی کامظاہرہ وزارت سے پہلے کرتے تھے۔ وزارت پر فائز ہونے کے بعد بھی وہ اسی اخلاق اور شائستگی سے متصف رہے۔ اقتدار نے انہیں حال سے بے حال نہ ہونے دیا۔ یہ بڑی خوبی ہے اور کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ وہ سیاسی زندگی کی جدوجہد میں مولانا عبد الحقؒ سے ملے تو قدرتی طور پر بدرجہ غایت متاثر ہوئے۔ وہ ۱۱، جولائی ۱۹۶۶ء کو اکوڑہ خٹک گئے۔ دارالعلوم میں قیام کے دوران انہوں نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق کے پاس محض نیک نیتی اور اخلاص کازادِ راہ تھا جو دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ میں نے آج اپنے قیام کے دوران دارالعلوم میں جو کچھ دیکھا، جو سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا اور میں نے جو جائزہ لیا اس کی بناء پر کہتا ہوں کہ مستقبل قریب میں انشاءاللہ یہ دارالعلوم پاکستان میں وہی حیثیت حاصل کرے گا جو برصغیر میں دارالعلوم دیوبند کی ہے"۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا طلبی سے محفوظ رکھا۔ قناعت کا جذبہ اور زندگی عطا فرمائی اپنے اور رسول کریم ﷺ کے علوم کا وارث بنایا۔ اس سے بڑی عزت اور کیا ہو سکتی ہے۔ لوگوں کے پاس جو اقتدار ہے وہ زوال پذیر اور پانی کے بلبلے کی مانند ہے۔ کل جو کرسی پر تھے آج ان کا نام لینا بھی جرم اور قابل دشنام ہو چکا ہے۔ ان کا حکم صرف جسموں پر چلتا ہے، دلوں پر نہیں۔ آپ کا حکم اس زمانے میں بھی جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر چلتا ہے۔ اصل دولت دولت آخرت ہے اور اس دولت کے مقابلے میں دنیا کی نسبت یہ ہے جیسے کوئی بہتے سمندر میں انگلی ڈال دے اور کچھ تری اس کی انگلی پر لگ جائے۔ آپ کی مثال تو بحر مواج کی مانند ہے۔ آپ اپنے سامنے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی مثال سامنے رکھیے"۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۵۰۹)

مولاناؒ کی علمی عظمت: علمی عظمت اور محدثانہ جلالت کے اعتبار سے مولانا عبد الحقؒ کس پائے کی شخصیت تھے؟ اس بارے میں وہی شخص لب کشائی کرسکتا ہے جو خود مولاناؒ کے پائے کا عالم ہو۔ ایاز قدر خود را بشناس کے مصداق مجھ بے ہنر کا اس مرحلے سے خاموش گزر جانا ہی مناسب ہے۔ ہاں اپنی محدود معلومات کے مطابق اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کے روبرو جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہوتا وہ فوراً اس مسئلے اور موقع کی مناسبت سے قرآن کریم کی آیت اور احادیث مبارکہ سنا دیتے تھے اور ایسی جچی تلی صائب رائے دیتے تھے کہ اس پر حرف آخر کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

دراصل مولانا ایمان، حسن عمل، درس وتدریس اور ارشاد وخطابت کی شخصیت تھے۔ انہیں قلم وقرطاس سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں اتنی فرصت بھی نہیں تھی کہ وہ تصنیف وتالیف کی طرف توجہ فرماتے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت تھی۔ حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرح مولانا عبد الحق کی بینائی بھی زندگی کے آخری دور میں بڑی حد تک دھندلا گئی تھی۔ چونکہ بینائی ساتھ نہ دے سکی۔ اس وجہ سے بھی وہ تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے۔ مولاناؒ کو زیادہ قلق لذتِ مطالعہ سے محرومی کا تھا۔

رہ رہ کر اظہار ملال فرمایا کرتے تھے۔ علم کی پیاس ان کی گھٹی میں تھی، جوں ہی کوئی وقیع کتاب چھپتی، انہیں اس کا علم ہوجاتا۔ ایسے موقع پر وہ کس حسرت سے فرماتے:۔

"بس! اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہوگا۔ ایک وہ وقت تھا، جب پانچ منٹ بھی فرصت کے ملتے تھے تو کتاب کے مطالعے میں صرف ہوتے تھے اور اب یہ وقت آگیا ہے کہ شرح المہذب فتح العزیز اور تلخیص الجبیر میرے سامنے ہے لیکن مطالعہ واستفادہ کی سعادت سے محروم ہوں"۔ (صحبتے با اہلِ حق صفحہ ۱۲۷)

گو بینائی جواب دے گئی مگر وہ اپنے دل ودماغ اور زبان وبیان کے ذریعے اپنی تمام تر اعلیٰ صلاحیتیں دینی علوم کی اشاعت اور دینی قدروں کے فروغ کے لئے بروئے کار لاتے رہے۔ وہ برابر دار العلوم آتے اور باقاعدگی سے حدیث شریف پڑھاتے رہے۔ وہ ہر جمعہ کو اپنی مسجد میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے اور عوام سے زیادہ علماء وصلحاء کے محبوب ومعظم تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ اور دیگر علمائے حق کے حلقوں میں یہ چرچا عام تھا کہ جس کو اس دور میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیارت کی تمنا ہو، وہ حضرت مولانا عبد الحقؒ کو دیکھ لے انہیں ملک بھر کے اعلیٰ دینی وعلمی اداروں میں بڑے اصرار واحترام کے ساتھ بلایا جاتا تھا۔ رائے ونڈ کے تبلیغی بزرگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور انہیں مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے سالانہ امتحان کے موقع پر تشریف لانے کی دعوت دیتے تھے۔ یوں مولاناؒ رائے ونڈ، جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے آستانہ علم وفضل شیرا نوالہ دروازہ لاہور کے علاوہ سابق مشرقی پاکستان تک ملک بھر کے تمام بلند پایہ دینی اداروں میں تشریف لے گئے۔ مزید برآں وہ عزیزوں، دوستوں اور احباب کی شادی اور غمی کے مواقع پر بھی تشریف لے جاتے تھے اور ان کے رنج وراحت میں شریک ہوتے تھے۔ ایسے تمام مواقع پر وہ بڑی سبق آموز اور بصیرت افروز تقریریں فرمایا کرتے تھے۔ وہ دینی اداروں میں طلبہ کو حصول علم کے رموز سے آشنا کراتے۔ شادیوں میں سنت کی شان اور سادگی ملحوظ رکھنے پر زور دیتے۔ غمی کے مواقع پر تو ان کی موجودگی متاثرین کے لئے تسکین اضطراب کا سامان بن جاتی تھی۔ وہ حاضرین کو آخرت کی طرف متوجہ فرماتے۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے اور لوگوں کے قلوب کو آخرت میں سرخرو ہونے کی تیاری پر آمادہ کر دیتے تھے۔۔۔ اس قسم کے مواقع پر کی گئیں اکثر تقریریں ٹیپ یا قلم بند کرلی گئیں۔ اس کے لیے حضرت مولانا سمیع الحق اور حضرت مولانا عبد القیوم حقانی ہمارے شکر وسپاس کے ہمیشہ مستحق رہیں گے انہوں نے تقریروں کو تحریر میں منتقل کیا اور پھر یہ تحریریں حرف بحرف حضرت علیہ الرحمہ کو سنائیں۔ مولانا عبد الحق نے یہ تحریریں بڑی توجہ سے سنیں۔ وہ جہاں تہاں کوئی غلطی محسوس فرماتے فوراً ٹوک دیتے اور تصحیح کراتے۔ کسی موقع پر کوئی تشنگی پاتے اور مفہوم کو زیادہ وضاحت سے اجاگر کرنا ضروری سمجھتے تو اضافے قلم بند کراتے کسی مرحلے پر قطع وبرید کا حکم دیتے اور کہیں ترمیم کراتے۔ یوں حضرت مولاناؒ کی تین عظیم الشان کتابیں "حقائق السنن" "دعواتِ حق" اور "صحبتے با اہل حق" نظر عام پر آئیں۔

"حقائق السنن" مولاناؒ کے ان اسباق کا مجموعہ ہے جو انہوں نے طلبائے حدیث کو ترمذی شریف کی تشریحات وتفہیمات بیان کرتے ہوئے پڑھائے۔ "دعواتِ حق" خطبات جمعہ اور مختلف دینی اداروں میں کی گئی تقریروں پر مشتمل ہے۔ "صحبتے با اہل حق" مولاناؒ کی نجی مجلسوں کی بے تکلف نصیحت آموز عارفانہ، عاشقانہ اور عالمانہ باتوں کی آئینہ دار ہے۔ یہ تینوں کتابیں مولانا کے علوم ومعارف، عشق

وعزیمت، درد دل اور فکر ونظر کی وسعتوں اور رعنائیوں کی دستاویز ہیں اور جریدۂ عالم پر ان کے دوام کو ثبت رکھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

مولاناؒ کی کسی تحریر یا تقریر میں کوئی ادبی چٹخارہ نہیں ہے۔ لچھے دار باتیں نہیں ہیں زیب داستان کے لئے کوئی افسانہ آرائی نہیں ہے۔ ان کے حرف وبیان میں صرف قرآن وسنت کی تعلیمات کا نور ہے۔ کتنا، دل نواز، کتنا دلربا، کتنی تسلی اور طمانیت دینے والا نور، جس کی بدولت عورت، مرد، عامی عالم، غریب، امیر، خاص وعام، عوام وحکام، طلبہ اور اساتذہ سبھی اپنی زندگی کے فکر وعمل کے لیے قرآن وسنت کی واضح روشنی اور منزلِ کامرانی کے نشان پاسکتے ہیں۔

حقائق السنن: جیسا کہ پہلے عرض کیا "حقائق السنن" جامع ترمذی کی تشریح ہے اور اردو میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی ابھی پہلی جلد شائع ہوئی ہے۔ مولاناؒ جس سرشاری اور وارفتگی کے ساتھ طلبائے حدیث کو پڑھاتے تھے اس کی کوئی تصویر کشی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے یہ بڑی خوش بختی کی بات ہے کہ مولانا علیہ الرحمۃ کی تدریسی تقریریں ٹیپ کرلی گئیں اور حدیث شریف سے متعلق مولاناؒ کے وسیع الاطراف علوم حقائق السنن میں محفوظ ہوگئے۔ یہ علوم مولاناؒ کی علمی اور دینی زندگی کا سب بڑا سرمایہ ہیں اور دینی علوم کے شائقین، علماء اور طلبہ کے لیے ارمغانِ حق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسولِ رحمت ﷺ کے فرمودات عام کرنے اور انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔۔۔۔ حقائق السنن کے گراں مایہ ہونے میں کیا شک جب اس کی شہادت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی، شیخ الحدیث مولانا سرفراز صفدر اور حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی جیسے جید اساتذہ دیتے ہوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالمی شہرت کے اسلامی سکالر ہیں، وہ ایک زمانے میں حضرت مدنیؒ اور حضرت لاہوریؒ کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ انہوں نے "حقائق السنن" پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"مولانا عبد الحق چونکہ حدیث کے عالم واستاذ ہونے کے ساتھ (اپنے شیخ واستاذ حضرت مدنیؒ کی طبعیت میں) تزکیہ وسلوک کے بھی روشناس ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں جا بجا دلچسپ سبق آموز واقعات وحکایات درس پڑھنے والے کے لئے دلآویزی کا ذریعہ اور موعظت وتربیت کا سامان ہیں۔ فضلائے قدیم کی طرح اپنے اساتذہ سے عقیدت وشغف خاص طور سے حضرت مدنیؒ سے غیر معمولی عقیدت کتاب میں جھلکتی ہے۔ فنی وتحقیقی حیثیت سے بھی کئی بحثیں مختصر ہونے کے باوجود بصیرت افروز اور اصولی قدر وقیمت کی حامل ہیں۔ مثلاً تعریف حدیث میں قید "من حیث انہ رسول" کی ضرورت وافادیت، مورخ ومحدث کے فرق کی تشریح، متقدمین ومتاخرین کی تعریف حدیث کا فرق، آنحضرت ﷺ کے فرائض سہ گانہ تلاوت کتاب، تعلیم حکمت وتزکیہ کی تشریح، بعثت فی الامیین کی حکمت اور تمدنی اثرات کی اہمیت، مقام عبدیت اور اس کی عظمت وجلالت کا بیان!

مولانا چونکہ ایک بیدار دماغ، حساس ودردمند دل بھی رکھتے ہیں۔ عہد حاضر کے بدلے ہوئے حالات اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے ذہن سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اور آپ کا مطالعہ درسی اور فنی کتابوں تک محدود نہیں ہے، آپ نئی تحقیقات اور تازہ رجحانات سے بھی بقدر ضرور متعارف ہیں۔ اس لیے کتاب میں جا بجا ایسے مضامین ملتے ہیں جن سے نئے شبہات وسوالات

سے واقفیت اور شرحِ حدیث و تقریر درس اور ان سے بقدر ضرورت تعرض کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً سائنسی ایجادات و فہم حقائق اور سلسلہ بقاء اعراض پر عالمانہ و متکلمانہ بحث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تعدد ازدواج پر دلنشین انداز میں بحث۔ کتاب اگرچہ حدیث وفقہ کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے لیکن مولانا کی تاریخ سے واقفیت کا بھی روشن ثبوت ملتا ہے۔ جس کے متعلق سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ علماء واساتذہ دینیات کے دائرے سے باہر ہے۔ اس سب کے ساتھ کتاب کے مسلک اہل سنت کے اس اعتدال و توازن کا بھی اظہار ہوتا ہے جو ان کے اساتذہ اور اسلاف کا شیوہ ہے اور مکتب وخاندانِ ولی اللّٰہی کا شعار! مثلاً آپ نے مروان بن الحکم اور یزید پر ناقدانہ کلام کیا ہے اور ان کے بارے میں ان کے جلیل القدر معاصرین اور ائمہ حدیث کا جو نقطہ نظر رہا ہے، اس کو بلا تکلف نقل فرمادیا ہے۔ خالص درسی وفنی حیثیت سے بھی کئی ایسی بحثیں ملتی ہیں جو فن حدیث میں رسوخ اور عمق کا نمونہ ہیں، مثلاً جامع ترمذی کی خصوصیات جس کے گیارہ وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

بزدوی پر تنقید اور حضرت ابوہریرہؓ کے تفقہ کا اثبات اور بعض کثیر الانواع والاسماء الفاظ کی اچھی بحث، مذہب حنفی کا اقراب الی الحدیث ہونا وغیرہ وغیرہ۔ غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں اردو میں "جامع ترمذی" کی شرح و بیان کی کوشش کی گئی ہے اور ان دشوار اور نازک مضامین کو جو ابھی تک عربی کی شروح حدیث اور ماہر الفن اساتذہ کے حلقہ درس سے مخصوص تھے۔ سلیس وشستہ اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے"۔ (ماہنامہ الحق مارچ ۱۹۹۳ء مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۳۲۹)

"دعوات حق": مولانا علیہ الرحمہ ہر جمعہ کو جو خطبہ دیتے تھے وہ خاص اہمیت اور معنویت کا حامل ہوتا تھا۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی برکتوں، سہولتوں اور راحتوں کے ساتھ ساتھ ان کی لائی ہوئی لعنتوں کے ہر گوشے سے بھی مکمل طور پر باخبر تھے۔ وہ سائنس، ٹیکنالوجی، دفاعی اور میڈیکل سائنس اور دیگر جدید علوم کے نہ صرف یہ کہ قائل تھے بلکہ ان علوم کی تحصیل کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ سائنس کا کردار ایجاد نہیں انکشاف ہے۔ ہر مادے کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ جب سائنسدان اپنی تحقیق سے کسی مادے کی خاصیت بیان کرتے ہیں تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کسی پہلو کے آگہی کا اعلان کرتے ہیں۔ جدید علوم کے بارے میں ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمان جو علم بھی حاصل کریں، سچے اور کھرے مسلمان بن کر حاصل کریں اور مغربی تہذیب سے ہرگز مرعوب یا متاثر نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ ماڈرن زندگی کی جھوٹی چمک دمک اور مغربی تہذیب کے مفاسد اور مکروہات کے بخئے ادھیڑتے تھے۔ جاہلانہ رسوم ہندووانہ رواج اور بدعتوں کی بیخ کنی پر زور دیتے تھے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات و تعلیمات اور ان کے فیض اور فضیلتوں کو روشن کرتے چلے جاتے تھے ان کی للہیت، سادگی، خلوص، دردمندی اور پھر ان کا بھرپور علم سامعین پر کس طور پر اثر انداز ہوتا تھا؟ اس کا اندازہ اے این پی کے سربراہ جناب اجمل خٹک کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت مولانا عبد الحقؒ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ اس جنازے میں میرے والد محترم بھی شامل تھے۔ وہ تدفین کے بعد واپس گھر آئے تو بہت متاثر تھے۔ فرمانے لگے۔ تقریریں تو بہت سنی ہیں، مگر آج کے جنازے میں مولانا معروفؒ گل کے صاحبزادے مولانا عبد الحق کی تقریر نے ہمیں چونکا

دیا۔ انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں، وہ بالکل نئی ہیں اور ہم نے پہلی مرتبہ سنی ہیں۔ لوگ ان کی تقریر سن کر بہت متاثر ہوئے ہیں"۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۱٦)

"دعوات حق" مولاناؒ کی اس نوعیت کی مؤثر اور فکر انگیز تقریروں کا مجموعہ ہے۔ یہ تقریریں جناب اجمل خٹک ہی کے والد محترم کو نہیں اور نہ جانے کتنے افراد اور ان کے والدین کو متاثر کر چکی ہیں۔ ان تقریروں کے ایک ایک لفظ میں للّٰہیت کی تجلیاں، خلوص کی شبنم، سادگی کی شان اور فکرو تدبر کی الماس پاشی ملتی ہے۔ جوں جوں قاری "دعوات حق" پڑھتا جاتا ہے اس کے گرد نور کے ہالے پھیلنے لگتے ہیں اور زندگی کے ہر نشیب وفراز کے لئے رہبری میسر آنے لگتی ہے۔ دین کی صاف شفاف، سیدھی اور سچی تعلیمات اور شرافت ونجابت کی اعلیٰ قدریں بھولے بھالے لفظوں میں ابھرتی اور دل پر اپنے نقوش جمیل جماتی چلی جاتی ہیں۔ کتنی اونچی ہستیوں کی باتیں، کتنی زندگی آموز، دلنشین اور بالیدہ باتیں کیسے برگزیدہ عالم کی زبان سے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!!

میں نے "دعوات حق" پڑھی تو دل بے قرار ہو گیا۔ قرآن کریم کی آیات و تعلیمات رسالت مآب ﷺ کے اسوۂ مبارک کی درخشاں باتیں، صحابہ کرامؓ کے عشق وعزیمت کے واقعات، سلفِ صالحین کی اپنے رب پر مرمٹنے والی باتیں اور زاہدانہ زندگی کی تمثیلات!۔۔۔۔ اتنے انوارات کے ہجوم میں اپنی سیاہیاں، اپنی لغزشیں، اپنی ٹھوکریں، اپنی خطائیں اور اپنی خامیاں کس وضاحت کے ساتھ سامنے آئیں اور رلاتی چلی گئیں۔ اس کتاب کا اصل جوہر مولانا عبد الحقؒ کی حرارتِ ایمانی اور سوزو گداز ہے، جو انسان کو اپنے مالک وخالق کا سچا بندہ بننے اور رسالت مآب ﷺ کی ایک ایک ادا اور ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو حرز جان بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کتاب میں ایمان کی حقیقت بتائی گئی ہے۔ قلوب کو اللہ رب العزت کی محبت سے سرشار کرنے کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔ عبادت کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ تقویٰ کی فضیلت جتائی گئی ہے۔ نمازوں کا ذوق ابھارا گیا ہے، زکوٰۃ اور صوم وصدقات کے فضائل اور قرآن کریم کی تلاوت اور اسکی بے پایاں برکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں عوام کو بدعت کی تاریکیوں اور تہلکے سے خبردار کیا گیا۔ تاجروں کو دیانتداری اور دولت مندوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید وترغیب دی گئی ہے اور سود کی ہلاکت خیزیوں سے ڈرایا گیا ہے۔ اس میں علم دین کی اہمیت اور برکتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اس میں غریبوں، دردمندوں، ضعیفوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد پر زور دیا گیا ہے۔ حکام کو ان کی وسیع اور نازک ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لئے جھنجھوڑا گیا ہے اور آداب جہانبانی اور خلقِ خدا کی خدمت کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس میں مولاناؒ نے طلبہ کے دل پر دستک دی ہے ان پر شفقت اور مرحمت کے موتی لٹائے ہیں اور بتایا ہے کہ علم دین کتنا بڑا خزانہ ہے، اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور دین کی حرمت وحفاظت اور اشاعت وابلاغ کے لئے مرمٹنا کتنا بڑا اعزاز اور امتیاز ہے! عربی کی ایک کہاوت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہونٹوں سے نکلی ہوئی بات کانوں تک پہنچتی ہے، مگر دل سے نکلی ہوئی بات دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ مولاناؒ کی زبان مبارک سے نکلنے ولا ہر جملہ ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرا ہے اور اعلیٰ آدرشوں کی شمیم وشبنم پھیلاتا چلا گیا ہے۔ فی الجملہ "دعواتِ حق"۔۔۔۔ گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست۔۔۔۔ کی پکار اور ہر انسان سے دھر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دینے کی التجا ہے۔

صحبتے با اہل حق: مولاناؒ کا معول تھا کہ درس و تدریس سے فراغت پا کر بعد نماز عصر دارالعلوم میں بیٹھ جاتے تھے۔ طلبہ واساتذہ، تبلیغی جماعتوں، مہمانوں اور دیگر ہر قسم کے غرض مندوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ ان کی زندگی کے آخری دور میں افغان مجاہدین بکثرت آتے اور حضرت علیہ الرحمہ سے وظائف اور دعائیں لے کر محاربوں اور محاذوں پر جاتے تھے۔ اس لئے اس دور میں حضرتؒ کی توجہ افغان مجاہدین کی طرف خاص طور پر مبذول ہو گئی تھی۔ حضرتؒ کی بعد عصر کی یہ مجلس بڑی بے تکلفانہ اور صلائے عام کے مصداق تھی جو چاہتا بے روک ٹوک آتا اور جو کچھ چاہتا آزادی اور بے تکلفی سے بیان کرتا۔ مولاناؒ سب کی سنتے اور اپنی سناتے۔ کوئی دم کرانا چاہتا تو دم کر دیتے، کوئی تعویذ مانگتا تو عنایت کر دیتے، کوئی دعا کی درخواست کرتا تو فوراً مالک الملک کے حضور ہاتھ پھیلا دیتے اور سائل کی مصیبت دور ہونے کی گڑگڑا کر دعا مانگتے۔ کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا تو بتا دیتے۔ کوئی سیاسی بات کرتا تو اس پر قرآن وسنت کی روشنی میں تبصرہ فرماتے کوئی اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ پوچھتا تو سر سے پاؤں تک جگمگا اٹھتے، ڈھیروں دعائیں دیتے، ذکر کی تلقین فرماتے اور اوراد ووظائف بتلاتے۔ دینی، علمی، سماجی، تاریخی، سیاسی، روحانی اور معاد وجہاد کے موضوعات پر یہ کیسی تابندہ نشست ہوتی تھی اور ہر موضوع اور موقف پر مولاناؒ کے دل سے پھوٹ کر نکلنے والی دانائی کی سیدھی سچی بے ساختہ باتیں دلوں کو کیسی بصیرت اور سکینت عطا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وہ یہ باتیں قلم بند کرتے اور ماہنامہ الحق میں شائع کر دیتے تھے۔۔۔۔ یوں یہ گفتگو کتاب بنتی چلی گئی اور "صحبتے با اہل حق" کے عنوان سے جلوہ گر ہوئی۔ اس کتاب میں مولاناؒ کی زبانی بعض جلیل القدر شخصیتوں کا حال سنیئے:۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: فرمایا:۔

"حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔ صرف دیوبند کے بانی ہی نہیں بلکہ آج ہندو پاک میں جہاں کہیں بھی اسلامی مدارس قائم ہیں، علوم دینیہ کا سلسلہ رواں ہے۔ علماء اور زمرۂ اہل حق جو نظر آتا ہے، یہ تمام فیض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ہے۔ حضرت نانوتویؒ اپنے وقت کے امام رازیؒ اور امام غزالیؒ تھے۔ جہاں آپ نے تدریس و تعلیم، تصنیف وتالیف میں ایک مقام پیدا کیا، وہاں تبلیغ وجہاد، عیسائیت کے خلاف محاذ اور پادریوں سے مناظرے کے میدان میں بھی مجاہدانہ وار آگے رہے۔ آپ کا تاریخی نام خورشید حسن تھا۔ حد درجے متواضع، خلیق، اور منکسر المزاج تھے۔ کھدر کے کپڑے پہنتے تھے۔ کبھی ایسا لباس نہیں پہنا جس سے مولویانہ ٹھاٹ کا اظہار مقصود ہو۔ اس قدر عظیم مصنف محقق اور علامہ ہونے کے باوجود اپنی عام نجی محفل میں گفتگو سادہ، بے تکلف اور عامیانہ ہوتی تھی۔ بلاوجہ اور بہ تکلف کبھی اپنی علمیت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب درس گاہ میں ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وقت کا رازیؒ یا غزالیؒ بول رہا ہے"۔

(مولانا عبدالحق نمبر صفحہ ۳۶۶)

حضرت مفتی کفایت اللہؒ: مولانا عبدالقیوم حقانی نے پوچھا، حضرت! آپ کی مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے کبھی ملاقات ہوئی؟ ارشاد فرمایا۔ "خوب یاد ہے، کئی بار ان کی زیارت وملاقات کے قدرت نے بہترین مواقع مرحمت فرمائے۔ مرحوم جمعیت علمائے ہند کے روح رواں تھے۔ ایک طرف آزادی کی جنگ انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ سیاست کے خارزار کے شناور تھے، تو دوسری طرف علوم ومعارف

کے بہت ماہر عالم تھے۔ فقہ و قانون ان کا خاص موضوع تھا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ان کا بڑا احترام کرتے تھے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۲۱۰)

"حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بہت کم بولتے تھے اور جب بولتے تو ان کی ایک ایک بات بہت وزنی اور کافی ہوا کرتی تھی۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ کے سامنے کسی کو بھی بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مگر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب اہم اور مشکل مسائل کے وقت حضرت مدنیؒ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کو بلاتے، ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے کو صائب قرار دیتے۔ یہ خصوصیت صرف حضرت مفتی صاحبؒ کو حاصل تھی۔ مراد آباد کے ایک اجلاس میں جب گڑبڑ ہوئی تو حضرت مدنیؒ نے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کو بلایا، وہ تشریف لائے۔ صورت حال کی واقفیت کے بعد انہوں نے جو تجاویز پیش کیں وہ سب نے قبول کرلیں۔ در حقیقت حضرت مفتی صاحبؒ جمعیت علمائے ہند کے روح رواں تھے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۶)

مولانا ابوالکلام آزادؒ: فرمایا:۔

"اللہ! وہ کیسے اور کتنے عجیب لوگ تھے۔ کردار اور عمل کے پکے۔ بات کے سچے منافقت اور مداہنت سے کوسوں دور، اس لئے جو بات کرتے تھے، دل میں اتر جاتی تھی۔ مولانا آزادؒ کی تقریر عقل و شعور اور جذبات کی آمیزش سے تیار ہوتی تھی۔ شستہ گفتگو، ادبی طرز ادا اور پھر مولانا آزادؒ کی خطابت سے اس میں جادو بھر جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دشمن کے سروں پر فولادی ہتھیار سے حملہ کررہے ہیں۔ ایک ایک حرف شجاعت و صداقت کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ مولانا حفظ الرحمنؒ، مولانا آزاد کے نقش قدم پر تھے۔ ان کا انداز نرالا تھا۔ سامعین اور حاضرین کے دل مٹھی میں لے لیتے تھے۔ ان جیسی سحر بیانی کسی دوسرے میں دیکھنے میں نہیں آئی"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۴)

"ایک مرتبہ مولانا آزادؒ لاہور تشریف لائے۔ ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ یہ زمانہ بھی وہی تھا کہ بیگانے تو کیا اپنے بھی مولانا آزادؒ کو اپنی تنقید و تردید کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ مجھے بھی اس موقع پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا آزادؒ کی تقریر تھی۔ تقریر کیا تھی عقل و شعور اور جذبات کا آمیزہ تھا۔ دلائل اور براھین آزادؒ کی خطابت میں ڈھل کر سامعین کے دلوں کو مسحور کررہے تھے، لوگوں نے ابوالکلام آزادؒ زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کردیے تو مولانا آزادؒ نے فرمایا "مسلمانو! یہ وقت نعروں کا نہیں، کام کرنے کا ہے۔ اب بھی وقت ہے، سنبھل جاؤ، اور کام کرلو بجائے جوش کے ہوش سے کام لو۔ اب میرا پیغام صرف یہی رہ گیا ہے کہ مسلمان بیدار ہوں اور نعرہ بازی کے بجائے کام کریں مگر حیرت ہے کہ جب میں یہی بات کہتا ہوں تو مسلمان بجائے اس کے کہ کچھ کام کریں، الٹا میرے پیچھے پڑجاتے ہیں"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ: فرمایا:۔

"ہمارے دور کی عظیم شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ہیں۔ جن کی زندگی میں ان کی تصانیف کو عوام و خواص میں مقبولیت نصیب ہوئی اور ایسی ہمہ گیر مقبولیت کہ شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں

تبلیغی نصاب سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو، اور صرف اس ایک کتاب کو نہیں بلکہ آپ کی دوسری علمی کتابیں، مثلاً کوکب الدری، لامع الدراری، اوجز المسالک وغیرہ بھی علماء وطلبا اور علمی حلقوں کی مقبول اور مشہور کتابیں ہیں۔ پس یہ ایک درجۂ فضیلت ہے جو کم ہی مصنفین کو حاصل ہوتا ہے"۔ (صحبتے با اہل حق، صفحہ ۴۹)

فرمایا: "حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم کے توجیہات الہامی ہوتے ہیں۔ دقیق علمی مسائل میں آپ کے لطیف توجیہات سے بڑے بڑے اہم علمی عقدے حل ہوجاتے ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا الکوکب الدری کا حاشیہ مثالی ہے۔ اپنے اکابر اور علمائے دیوبند کی تمام تصنیفات، شروح حدیث، تفاسیر اور علمی تحقیقات سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے امت کے لیے اتمام حجت ہیں۔ ان کی تصنیفات سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ حضرات اکابر علمائے دیوبند کی کتابیں اور تصنیفات ہمارے اکابر کے مسلک اعتدال کی شاہد ہیں"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۵۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ: فرمایا:۔

"حضرت تھانویؒ کی تصانیف کو دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر علمیت وعملیت اور ہمت وصلاحیت دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں کس قدر برکتیں رکھ دی تھیں کہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں امت کی اصلاح وفلاح کا کافی سامان موجود ہے اور علم وعمل کی تشنگی بجھانے کے لئے ایک چشمۂ فیض ہے کہ لوگ سیراب ہوتے ہیں۔ آپ کے وعظ وتبلیغ اور رشد وہدایت کے دیگر امر اور تدریسی خدمات اس پر مستزاد ہیں"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۴۹)

"حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن بے نظیر تفسیر ہے، جو انسان کو بڑی بڑی تفاسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ بڑے جامع اور تحقیقی انداز میں ہے۔ بالخصوص عربی میں آپ کے حاشیہ التکشف عن مهمات التصوف نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ یقیناً علم وتصوف کے بیش قیمت جواہرات ہیں، جو آپ نے ایک سلک میں حسن ترتیب سے پرو دیے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مواضع ومسائل کو واضح آسان اور ایسے حسن انداز سے حل فرماتے ہیں کہ کوئی الجھن اور اشکال باقی نہیں رہتا۔ جب ہم جلالین اور بیضاوی پڑھتے تھے تو ان تفاسیر کو حل کرنے کے لئے ہم نے "بیان القرآن" کو کافی وشافی پایا۔ دوسری تفاسیر سے ہمیں اس قدر اطمینان وتشفی حاصل نہیں ہوتی تھی جتنی کہ "بیان القرآن" سے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۴۸)

حضرت شیخ الہندؒ سے استفادہ: فرمایا کہ:۔

"۵۳، شروحات بخاری دیکھ لینے سے وہ تشفی نہیں ہوتی جو حضرت شیخ الہندؒ کے "الابواب والتراجم" کی تین سطروں سے حاصل ہوجاتی ہے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۲۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ: فرمایا:۔

"تقسیم سے قبل دارالعلوم دیوبند میں زمانہ تدریس کے قیام کے دوران میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے ملاقاتیں اور مجالس ہوا کرتی تھیں۔ مختلف علمی اور سیاسی موضوعات پر موصوف سے گفتگو رہتی۔ ایک روز دوران گفتگو میں نے دریافت کیا حضرت!

آپ کی تصانیف میں سب ایک سے ایک بڑھ کر ہیں "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" جیسی علمی اور بلند پایہ کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ و تفسیر قرآن کریم کی تکمیل "فوائد عثمانیہ" کے نام سے کی ہے۔ ان میں زیادہ محنت، تعب اور مشکل اور دقت کس تصنیف میں آپ کو پیش آئی؟ تو انہوں نے بڑی شفقت سے فرمایا "تصنیف اور تالیف کے میدان میں خدا کا فضل شامل حال رہا۔ جس موضوع پر لکھنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد نے یاوری کی۔ البتہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ و فوائد کی تکمیل میں بڑے حزم و احتیاط اور سوچ بچار سے کام لینا پڑا اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان سے پایہ تکمیل کو پہنچا"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۳)

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: فرمایا:۔

"امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تو ہندوستان کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ وہ تو جامع الکمالات تھے۔ ان کی تقریر میں سب سے محبوب چیز قرآن کی تلاوت ہوتی تھی، یوں محسوس ہوتا تھا گویا اب قرآن نازل ہو رہا ہے۔ سننے والے محظوظ ہوتے اور وجد محسوس کرتے۔ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لاتے رہے۔ مگر اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈر کا شیوع نہیں ہوا تھا، اس لئے ان کی تقریر محفوظ نہیں کی جاسکیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسے میں ایک مرتبہ تقریر فرما رہے تھے کہ بجلی فیل ہوگئی یا بند کردی گئی۔ کارکن اسے ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مسکرا کر کہا "بھائی ٹھک ٹھک بند کرو، عطاء اللہ شاہ نے جس بات کے بیان کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، وہ بیان کرکے رہے گا"۔ کارکن آرام سے بیٹھ گئے۔ شاہ صاحبؒ کی تقریر جاری تھی کہ صبح کی اذان ہوگئی۔ بغیر لاؤڈ سپیکر کے شاہ جی کی یہ تقریر رات بھر چھ گھنٹے جاری رہی۔ کیا مجال کہ کسی نے کروٹ بھی لی ہو"۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۵)

اعتراف عظمت: گورنر سرحد مرحوم فضل حق بڑے جاہ و جلال اور کروفر کے گورنر تھے۔ ہمارے بعض اچھے خاصے کائیاں ساتھی بھی گورنر فضل حق کا سامنا کرتے ہوئے کتراتے تھے۔ ہوا یوں کہ ایک دن گورنر صاحب اکوڑہ خٹک میں افغان مہاجرین کے لئے ایک ٹیوب ویل کا افتتاح کرنے گئے، عین اسی وقت ایسی زبردست بارش ہوئی کہ گورنر فضل حق اور ان کے سارے ساتھی جائے تقریب سے بھاگ نکلے اور دارالعلوم حقانیہ میں پناہ لی۔ حضرت مولانا عبد الحقؒ دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، انہوں نے گورنر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لیے مہمان نوازی کی اس شان کا مظاہرہ کیا جو ان کی فطرت کا خاصہ تھی۔ گورنر فضل حق، مولاناؒ کی عظمت پا کی کے باوجود ان کی تواضع للّٰہیت اور مہمان نوازی سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنا سارا کروفر جاہ و جلال اور انانیت بھول گئے۔ انہوں نے مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کوئی خدمت بتائیے، ادھر فضل حق جیسے گورنر کی فروتنی کا یہ عالم اور ادھر مولاناؒ کی بے نیازی اور حفظ خودی کی یہ شان کہ شکریہ ادا کرکے فرمایا رب العزت نے مجھے اپنے خزانوں سے سب کچھ دے رکھا ہے۔ کسی چیز کی حاجت نہیں بس آنکھوں کی تکلیف ہے۔ گورنر نے یہ بات دل میں رکھ لی وہ اکوڑہ سے پشاور پہنچے اور آئی سپیشلسٹ پروفیسر محمد نواز صاحب کو حکم دیا کہ اکوڑہ خٹک جاکر مولاناؒ کی آنکھوں کا علاج کرو۔

گورنر فضل حق، مولاناؒ کے اس درجہ عقیدتمند تھے کہ جب چاہتے تھے بلا تکلف مولاناؒ کی خدمت میں اکوڑہ پہنچ جاتے تھے اور بڑے ادب سے کہتے تھے کہ حضرتؒ مجھے کوئی حکم دیجئے، کوئی کام بتائیے، کوئی خدمت لیجئے۔ شاید موصوف کے دل میں یہ بات ہو کہ مولاناؒ اپنے لیے نہ سہی، دارالعلوم ہی کے لیے کوئی فرمائش کریں، مگر مولاناؒ نے ان سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ خدائے مقدس کے ہاتھ بک جاتے ہیں اور اپنی زندگی اسی کی مرضیات کے مطابق بسر کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فیضان کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایسے بے نیازوں کو بادشاہوں، گورنروں اور وزیروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ان خدامستوں کے دروازے پر حکومت آتی اور دولت حاضر ہوتی ہے مگر ٹھوکریں کھا کر واپس چلی جاتی ہے۔ مولانا عبد الحقؒ ایسے ہی تھے۔ وہ کبھی کسی حاکم وقت کے شرمندۂ احسان نہیں ہوئے البتہ حکام وقت کو ان کی چوکھٹ پر ہمیشہ ٹہلتا پایا گیا۔

۳۱، اکتوبر ۱۹۷۷ء کو پشاور یونیورسٹی کا کانوکیشن ہال پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، یونیورسٹی کے عمائد، نامور سکالر، پروفیسر، دانشور طلبہ وطالبات اور معزز مہمانوں سے سارا ہال بھر گیا۔ درمیان میں ڈائس پر مہمان خصوصی حضرت مولانا عبد الحقؒ جلوہ افروز تھے۔ پشاور یونیورسٹی کے چانسلر گورنر فضل حق بڑی عقیدت سے اس خصوصی تقریب کی صدارت کے لئے آئے۔ پوری فضا حیرت ومسرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس یونیورسٹی کے بام ودر نے اب سے پہلے اتنا برگزیدہ سکالر نہیں دیکھا تھا۔ یونیورسٹی کے تمام سکالروں کو مولاناؒ کی علمی عظمتوں کا اعتراف تھا۔ اسی اعتراف میں وہ مولاناؒ کو علوم الہیات پر دسترس کی سب سے بڑی سند یعنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے رہے تھے۔ گورنر فضل حق نے اپنی صدارتی تقریر میں مولاناؒ کے علم ونظر اور ان کی بے مثال علمی اور تدریسی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ پھر چاندی کا ایک خوبصورت کیس اٹھایا اور اس میں سجی ہوئی ڈگری مولانا عبد الحق کی خدمت میں پیش کی۔۔۔۔ اور پھر سارا ہال حضرتؒ کے لیے توصیفی جملوں سے گونج اٹھا۔۔۔۔ دیوبند کے بوریے پر بیٹھ کر تعلیم پانے والے ایک طالب علم کے حضور آج پشاور یونیورسٹی کی ساری عظمتیں جھک گئی تھیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکتا ہے، اللہ پاک اسے کیسے کیسے سر بلندوں میں اعزاز اور امتیاز بخش کر کیسی سرفرازی عطا فرماتے ہیں! آج پشاور یونیورسٹی اس حقیقت کا اعلان واظہار کر رہی تھی۔۔۔ اس اعلان کا ایک ضمیمہ یہ بھی تھا کہ جو بھی مولانا عبد الحقؒ کی طرح دل اور جان کی نقدی دے کر علم دین سیکھے اور سکھائے گا اسے ایسی ہی عظمتیں نصیب ہوں گی۔

۱۴، اگست ۱۹۸۱ء کو مولانا عبد الحقؒ کی دینی خدمات اور علمی محاسن کو ایک اور خراج تحسین جنرل ضیاء الحق نے پیش کیا۔ مرحوم نے مولاناؒ کے سینے پر ستارۂ امتیاز کا تمغہ ٹانکا۔ یہ ستارۂ امتیاز کی خوش نصیبی تھی کہ اسے اپنی سج دھج کے لئے مولانا عبد الحقؒ کا بقعۂ نور سینہ ملا۔ ستارۂ امتیاز تو دنیاوی ایوارڈ تھا۔ خدا جانے آغوش رحمت میں مولاناؒ کو کیسے کیسے شمس وقمر مل رہے ہوں گے۔

گھر کی گواہی: کسی شخص کے سیرت و کردار کا اندازہ لگانے کے لیے اس کے خاندان اور ماحول کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کوئی فرد اپنے ماحول کے مؤثرات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر ماں باپ کا انداز تربیت بچے کے ذہن پر جو انمٹ نقوش ثبت کرتا ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔۔۔۔ مولاناؒ بڑے خوش نصیب انسان تھے کہ ان کے والدین اور اسلاف کرام نہایت متقی، اور دینی تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے والے مخلص مسلمان تھے۔ مولانا کے دادا الحاج میر آفتاب بہت خوش حال زمیندار تھے۔ خاصی بڑی

اراضی کے مالک تھے۔ ان کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ جب تک جیئے، اپنے محلے کی مسجد میں امامت کراتے رہے، اسی طرح جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا جاچکا ہے مولاناؒ کے والد محترم الحاج مولانا معروف گل بھی دین کے فدائی اور علوم دین کے شیدائی تھے۔ مولانا مبارک علی دیوبندیؒ کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا معروف گلؒ کا انتقال ۱۳۶۸ھ میں ہوا۔ مولانا مبارک علیؒ کا یہ خط مولانا عبد الحقؒ کے نام ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ دیوبند میں مولانا معروف گل کو ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم ختم کیا گیا اور خصوصی دعا کی گئی۔

مولانا عبد الحق کی والدہ محترمہ کا انتقال ۱۰، دسمبر ۱۹۷۶ء کو ۸۵ سال کی عمر میں ہوا۔ مرحومہ اللہ تعالیٰ کی یادوں میں کھوئی ہوئی خاتون تھیں۔ نماز روزے، اعتکاف اور تسبیح و تہجد کا التزام مرتے دم تک جاری رکھا، تمام مسنون دعائیں، یسین شریف اور قرآن کریم کی دیگر بہت سی سورتیں انہیں زبانی یاد تھیں۔ قرآن کریم سے اتنا عشق تھا کہ چکی پیستے پیستے بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔ مولانا عبد الحقؒ کو ناظرہ قرآن کریم خود انہوں نے پڑھایا۔ وہ اپنے فرزند ارجمند کو "مولوی صاحب" کہا کرتی تھیں۔ جب بھی مولانا کہیں آتے جاتے والدہ محترمہ سے ضرور اجازت لیتے۔ وہ بخوشی اجازت دے دیتی تھیں مگر فوراً ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر دعا کرتی تھیں "اے اللہ! عبد الحق کی حفاظت فرمایا۔ میں اسے تجھ ہی سے واپس لوں گی"۔ انتقال سے ۳۰-۳۵ سال پہلے نہ جانے ان کی آنکھوں میں کیا تکلیف ہوئی کہ بینائی جاتی رہی۔ بتایا گیا کہ آنکھوں کا اپریشن کرالیا جائے تو بینائی بحال ہوجائے گی۔ مولانا عبد الحق اپنی والدہ مخدومہ سے بار بار التجا کرتے رہے کہ ہسپتال چلئے۔ اپریشن کرائیے۔ آپ کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئے گی۔ مثل مشہور ہے کہ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں! مگر ایمان واستقامت اور عفت وحیا کی اس پتلی نے آنکھوں کی روشنی پر تعلیمات نبوی ﷺ کے نور کو ترجیح دی اور بینائی بحال کرانے کی بجائے پردے کے التزام ودوام کو عزیز تر رکھا۔ فرمایا:۔

"میں اپنی آنکھوں کا اپریشن کراؤں گی تو لازماً سرجن کے سامنے مجھے اپنا چہرہ بے نقاب رکھنا پڑے گا یہ حالت مجھے کسی صورت گوارا نہیں۔ مجھے ایسی آنکھیں نہیں چاہئیں جن کے حصول میں ایک لمحے کے لیے بھی کسی غیر محرم کی نظر میرے چہرے پڑے"۔ (روایات حضرت مولانا سمیع الحق "الحق" مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۶۷)

اللہ اکبر! بڑھاپے میں بھی حیا کا یہ عالم! اور پردے کا اس قدر اہتمام!! کیا آج ایسی کوئی مثال ہمارے آس پاس یا دور ونزدیک ضعیف خواتین میں تو کجا نوجوان لڑکیوں میں بھی کہیں مل سکے گی؟ بصارت بحال ہوجانے کی یقین دہانی کے باوجود سرجن کے سامنے ایک لمحے کے لئے بھی پردے سے دستبردار نہ ہونا اور آنکھوں سے محروم رہ کر ایک دو دن نہیں مسلسل ۳۰-۳۵ برس تک ہنسی خوشی اندھیرے کو جھیلتے رہنا۔ مرحومہ کی عظمت وعزیمت کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جو انہیں قرونِ اولیٰ کی رابعہ صفت خواتین کی صف میں لاکھڑا کرتا ہے۔

عرصہ ہوا مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کی "صدق" سے منقول ایک تحریر نظر سے گزری تھی۔ کچھ اس طرح کی بات لکھی تھی کہ موصوف بہار گئے۔ گورنر بہار ڈاکٹر ذاکر حسین کے مہمان ہوئے۔ ذاکر صاحب نے مولانا کو لانے کے لئے کار بھیجی، مولانا کار میں بیٹھ کر گورنر ہاؤس روانہ ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کار کے عقب اور دونوں اطراف کے شیشوں پر سیاہ پردے تنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پردے ہٹانے چاہے تو وہ ہٹ نہ سکے۔ مولانا نے گھبرا کر ڈرائیور سے پوچھا، بھائی! یہ کیسی کار ہے؟ اس اس پر آپ نے اتنے ضدی پردے

کیوں چڑھا رکھے ہیں؟ ڈرائیور نے اصل صورت حال بتائی کہا کہ یہ کار ذاکر صاحب کی نہیں بلکہ ان کی بیگم صاحبہ کی ہے۔ ذاکر صاحب کی کار بگڑ گئی ہے اور مرمت طلب ہے، اس لئے انہوں نے آپ کی پذیرائی کے لئے اپنی بیگم صاحب کی کار بھیج دی ہے بیگم صاحبہ پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔ اسی لئے یہ کار مخصوص پردوں والی ہے۔ مولانا عبدالماجدؒ کی یہ تحریر پڑھ کر مجھے اس لئے خاص طور پر خوشی ہوئی تھی کہ بھارت جیسے ممالک میں جہاں پردے کا جنازہ نکل چکا ہے، ذاکر صاحب کی اہلیہ محترمہ پردے کی عظمت کو کس اہتمام سے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ مغربی تہذیب کی گراوٹ اور گندگی کے ریلے میں اونچی اور اعلیٰ اقدار کا پرچم پوری قوت سے تھامے رکھنا معمولی بات نہیں ہے۔۔۔۔ مدتوں کے بعد جب مولانا سمیع الحق صاحب کی تحریر سے ان کی دادی مخدومہ کے پردے کا حال معلوم ہوا تو دل کا پیالہ ویسی ہی مسرت سے لبریز ہو گیا جیسی مسرت ذاکر صاحب کی اہلیہ محترمہ کے پردے کا حال جان کر نصیب ہوئی تھی۔ ایسی عظمت مآب خواتین کی زندگی ہماری بہو بیٹیوں کو اعلیٰ اسلامی زندگی کا کیسا دل نشین سبق دیتی ہے۔

جہاں تابی ز نور حق بیاموز!

کہ او با صد تجلی در حجاب است

مولاناؒ کے والدین کی مثالی اسلامی زندگی اور ان کے خاندان کی اعلیٰ اقدار نے مولانا عبدالحق کو جو اخلاق اور اطوار عطا کئے دیوبند نے انہیں زرِ خالص بنادیا۔ اور مولانا کی پوری زندگی قرآن کریم کی اس آیت مقدسہ کے مصداق بن گئی۔

قل انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین

مولاناؒ کی زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ عالم تھے، مہتمم تھے، مبلغ تھے، مرشد تھے، خطیب تھے، قومی اسمبلی کے رکن تھے۔۔۔ یہ سب ان کی پبلک لائف کے مناصب ومظاہر ہیں۔ دوسری طرف اور سبھی لوگوں کی طرح ان کی نجی گھریلو زندگی بھی تھی، مگر وہ ظاہر و باطن کی یکسانیت اور یگانگت والی ایسی منفرد شخصیت تھے کہ انہوں نے اپنی پبلک اور پرائیویٹ لائف میں کوئی ثنویت ہی قائم نہیں کی۔ وہ ہر حال میں اپنے رب کے شکر گزار بندے تھے۔ گھر ہو یا مسجد، دارالعلوم ہو یا پارلیمنٹ، شادی ہو یا غمی، محفل ہو تنہائی، وہ ہمیشہ، ہر جگہ، ہر وقت، ہر حال اور ہر موقع پر اپنے قول اور عمل سے سچے خداپرست اور اتباع رسول ﷺ کا نمونہ نظر آتے تھے۔ مولاناؒ کے صاحبزادوں سینیٹر مولانا سمیع الحق، محترم پروفیسر محمود الحق حقانی، مولانا حافظ انوار الحق، مولانا اظہار الحق، دختر نیک اختر محترمہ زاہدہ سلمہ، محترمہ ام کلثوم، برادر نسبتی مولانا عبدالحنان فاضل دیوبند، داماد مولانا اشرف علی قریشی، جناب افسر بہادر، ڈاکٹر سید داؤد گیلانی، اور مولانا سمیع الحق کے داماد جناب شفیق الدین فاروقی نے مولانا عبدالحقؒ کی گھریلو زندگی کے جو حالات بیان فرمائے ہیں، وہ گھر کی گواہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان شہادتوں سے مولاناؒ کی بے داغ دیانت، سنت رسول ﷺ سے عشق اور خانگی زندگی کو خداوند قدوس کی یادوں سے منور کر کے رحمت وراحت کی زندگی بنالینے کے کیسے کیسے سبق آموز اور دل کشا پہلو سامنے آتے ہیں۔۔۔۔ مولاناؒ کے سب سے چھوٹے داماد سکواڈرن لیڈر ڈاکٹر سید داؤد گیلانی کا ایک واقعہ سنئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"حضرت شیخ الحدیثؒ کی رحلت سے تقریباً ایک مہینہ پہلے میں اکوڑہ خٹک حضرتؒ کے گھر گیا۔ ان دنوں میرا بڑا بیٹا سید سلیمان بیمار تھا، میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا سلیمان کو دوا دی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ میں بھول

گئی ہوں۔ انسان ہونے کے ناطے مجھے غصہ آگیا۔ اچانک نگاہ باہر صحن میں پڑی تو دیکھا کہ حضرتؒ تخت پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت کے ادب کے پیش نظر میں نے اہلیہ سے کچھ نہ کہا اور باہر جانے لگا، حضرت نماز سے فارغ ہو چکے تھے جونہی میں تخت کے قریب سے گزرا، حضرتؒ نے عصا کے اشارے سے مجھے روکا اور ساتھ پڑی ہوئی چارپائی پر مجھے بیٹھنے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا تو پوچھا کہاں جارہے ہو؟ میں نے کہ مسجد میں جارہا ہوں۔ فرمایا، تم نے عشاء کی نماز تو مسجد میں پڑھ لی ہے، میں نے کہا کہ میں ویسے ہی مسجد میں جارہا ہوں۔ فرمایا، کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ کے مابین کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تو حضرت علیؓ مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں لیٹ گئے۔ یہ بات رسالت مآب ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ فاطمہؓ کی جگہ میں معافی چاہتا ہوں، اس پر حضرت علیؓ نادم ہوئے اور فوراً گھر چلے گئے۔۔۔۔ لہٰذا اگر آپ مسجد جارہے ہیں تو میں بھی مسجد میں آؤں گا تاکہ مجھے بھی حضور رسالت مآب ﷺ کی سنت مبارک پوری کرنے کا موقع مل جائے۔۔۔۔ حضرت کے یہ جملے سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ساتھ ہی میں حیران ہوا کہ کمرہ تو صحن سے کافی دور ہے۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کوئی بات اتنے زور سے نہیں کہی تھی کہ میری آواز حضرتؒ کے کانوں تک پہنچ جائے۔ میں نے عرض کیا حضرتؒ! میں نے تو آپ سے اپنی اہلیہ کی کوئی شکایت نہیں کی، آپ کو کیسے علم ہو گیا۔ فرمایا "ایک دن حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو دعا کرتے وقت کہتی ہو یارب محمد ﷺ! اور جب ناراض ہو تو یارب ابراہیم! کہتی ہو۔۔۔ آج یہاں بھی کچھ ایسا ہی انداز محسوس ہوا۔ یہ سن کر مجھے اور زیادہ ندامت محسوس ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرتؒ صاحب کرامت تھے۔ معاملات کو فوراً بھانپ لیتے تھے۔ ان کا ایک ایک عمل حضور رسالت مآب ﷺ کی سنت کے مطابق تھا"۔ (ماہنامہ الحق مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۸۹۳)

فرماتے ہیں:۔

"میں گھر کا آدمی ہوں، مجھے مولانا عبد الحقؒ کے خانگی حالات کا بھی علم ہے۔ ایک مرتبہ میں نے مولانا صاحب کو انتہائی غصے میں دیکھا جبکہ اس سے قبل میں نے مولاناؒ کو کبھی ایسے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ واقعہ یہ ہے کہ (سوئی گیس آنے سے پہلے) مطبخ کے تنور میں لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ لکڑیاں جلنے کے بعد کوئلہ بن جاتی تھیں۔ یہ کوئلہ دارالعلوم کے لئے بیچ دیا جاتا تھا۔ وہ کوئلہ مولانا کے گھر میں بھی قیمتاً منگوایا جاتا تھا۔ ایک دن مولانا نے کوئلے کی بوری گھر میں دیکھی تو پوچھا اس کی قیمت دارالعلوم کو دے دی گئی ہے یا نہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ ابھی قیمت ادا نہیں کی گئی، اس پر مولانا کو شدید غصہ آیا۔ فرمایا۔ یہ خیانت ہے، تم کو عادت پڑ جائے گی۔۔۔۔ غرضیکہ قیمت کی ادائیگی تک مولانا کو چین نہ آیا"۔

فرضی سند: اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض مدرسوں میں طالب علم سے فیس لے کر سند دے دی جاتی ہے۔ چاہے اس نے مدرسے میں ایک دن بھی نہ پڑھا ہو، مگر دارالعلوم حقانیہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک طالب علم دارالعلوم دورہ حدیث نہ کرلے اسے سند نہیں دی جاتی۔ مولاناؒ فرضی سند کو عنداللہ بہت بڑا جرم سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اس سلسلے میں کسی کی سفارش

کے لئے تشریف لائے تو مولانا عبد الحقؒ نے صاف انکار فرمادیا۔ ہمارے ایک ساتھی مولانا نور محمد ساکن تورڈھیر، دیوبند میں ہمارے ساتھ شریک درس تھے۔ وہ دار العلوم کے فاضل تھے مگر کسی وجہ سے دار العلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں شریک نہیں ہوسکے تھے، اس وجہ سے انہیں سند نہیں مل سکی۔ وہ متحدہ ہندوستان کے زمانے سے فوج میں پیش امام تھے۔ وہ پاکستان بننے کے بعد یہاں آئے تو پاکستانی فوج میں یہ قانون بن گیا کہ چند دار العلوموں کی سند کے بغیر کسی کو فوج میں امامت پر نہیں رکھا جائے گا۔ اس قانون کے پیش نظر مولانا نور محمد، مولانا عبد الحق کے پاس آئے اور سند مانگنے لگے۔ مولانا نے ان سے فرمایا کہ "آپ دار العلوم دیوبند میں میرے ساتھ پڑھ چکے ہیں مگر میں خلاف قانون سند نہیں دے سکتا۔ البتہ یہ شہادت نامہ دے دوں گا کہ آپ میرے سامنے دیوبند میں دورہ حدیث کر چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شہادت نامہ لکھ کر دیا جسے ملٹری افسروں نے قبول کرلیا۔

ایک مرتبہ کوئٹہ سے ایک کرنل صاحب آئے۔ کسی مولوی صاحب کو ساتھ لائے، آتے ہی ایک خطیر رقم بطور چندہ دار العلوم کو دے دی۔ کچھ دیر بعد فرضی سند مانگنے لگے، جب انہوں نے سند کا ذکر چھیڑا تو مولاناؒ نے ناظم صاحب سے فرمایا! ان کی رقم واپس کردو، کیونکہ یہ رشوت دینا چاہتے ہیں، ہمیں مدرسے میں رشوت کا پیسہ ہرگز قبول نہیں۔ کرنل صاحب نے معافی مانگی اور کہا کہ ہمیں سند کی ضرورت نہیں، ہم تو یہاں چھان پھٹک کے لئے آئے تھے کہ یہاں سے فرضی سند مل سکتی ہے یا نہیں۔ بعد کو کرنل صاحب بہت متاثر ہو کر واپس گئے۔ (ماہنامہ الحق مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۱۱۲)

مولانا عبد الحقؒ کو ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں حضرت داجی گل کے نام سے پکارتی تھیں۔ یہ پشتو کے تکریمی الفاظ ہیں۔ مولانا کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ زاہدہ سلمہ تحریر فرماتی ہیں:۔

"رات کو جب سوتے میں میری آنکھ کھل جاتی تھی تو داجی گل کو جائے نماز پر روتے ہوئے دیکھتی اور گڑگڑا کر دعا کرتے سنتی، بہن بھائیوں میں سب سے آخری نمبر پر ہونے کے ناطے انہوں نے ہمیشہ شفقت کا ہاتھ میرے سر پر رکھا، نماز کے لئے اٹھاتے تو کہتے نماز پڑھ لو، پھر سوجانا۔ رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی انہیں اہل محلہ کی فکر رہتی اور بار بار پوچھتے کہ فلاں کے گھر میں افطاری بھیجی ہے یا نہیں؟ اور خود سخت گرمی کے روزوں میں ایک گلاس شربت اور ایک کھجور سے افطار کرکے مسجد تشریف لے جاتے تھے"۔

اہلیہ محترمہ کو طلبہ کی خدمت کی تاکید: ساری زندگی دار العلوم کی فکر میں گزار دی۔ والدہ محترمہ کو ہمیشہ یہی فرماتے کہ دار العلوم کے لئے آٹا، مرچ اور مصالحہ خود پیسا کرو، کیونکہ بازار کے مصالحوں میں ملاوٹ کا اندیشہ ہے۔ طلبہ کو ملاوٹ سے پاک غذا کھلانی چاہئے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہیں ہوگا کہ مولانا عبد الحقؒ کی اہلیہ محترمہ نے تقریباً ۴۰ سال تک اپنے دست مبارک سے تمام طلبہ واساتذہ کے لئے خود روٹی سالن پکایا اور حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ ضعیفی کے باوجود طلبہ کے لئے مدتوں آٹا گوندھتی رہیں۔

(روایت پروفیسر محمد افضل رضا، مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۸۲)

چندے پر بے چینی: "جب کوئی گھر میں دارالعلوم کے لئے چندہ دیتا تو حضرتؒ اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھتے جب تک کہ چندے کی رقم ناظم صاحب تک پہنچا کر رسید چندہ دینے والے کو نہ پہنچادیتے"۔

یادگار دن: مجھے آج بھی وہ دن یاد ہیں ----- میں چھوٹی سی تھی تب بھی مجھے بار بار سر پر دوپٹہ اوڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ زندگی میں کبھی پٹائی نہیں کی۔ جو بات سمجھاتے پیار اور محبت سے سمجھاتے، نماز اور روزوں کے اہتمام کی بڑی سختی سے تاکید فرماتے۔

میری ماں اور باپ دونوں نے اس فانی دنیا میں جس طرح زندگی گزاری ہے اور جس طرح دونوں نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کردی تھی اس کی مثال نہیں ملے گی۔ الغرض میں اپنے عظیم والد کی کس کس بات کو یاد کروں۔ بس یہی دعا کر سکتی ہوں!

رب اغفر وارحمهما كما ربیانی صغیرا!

صاحبزادی کے نام پیغام: ۱۹۷۵ء میں مولاناؒ کے داماد جناب افسر بہادر خان ناروے تشریف لے گئے تو ان کی اہلیہ محترمہ ام کلثوم کے نام بذریعہ کیسٹ پیغامات ارسال فرمائے۔ ان پیغامات کے ایک ایک لفظ سے دین کی محبت، دین کی تعلیم اور حکیمانہ تربیت کا ذوق چھلک رہا ہے۔ فرمایا:۔

"نور چشم ام کلثوم!

ہمیں خوشی ہے کہ آپ خیریت سے (ناروے) پہنچ گئیں، ہمیں بہت زیادہ فکر تھی۔ تمہارے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ تم وہاں زیادہ خوش نہیں ہو۔ لوگوں کو دیکھو جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے ہیں، تم تو خوش قسمت ہو جو ناروے جیسے خوبصورت ملک میں رہتی ہو۔ دیکھو! وہاں ایسی زندگی گزارنا کہ لوگ تم سے نصیحت حاصل کریں اور جب کبھی دل اداس ہوجائے تو جائے نماز پر بیٹھ کر یہ وظیفہ پڑھا کرو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔ اس سے تمہارے دل کو سکون ملے گا:۔

۱۹۷۷ء میں مولانا نے اپنے پیغام کا دوسرا کیسٹ بھیجا۔ فرمایا:۔

"نور چشم کلثوم! خدا تمہارے عمل میں برکت دیں۔ میں خدا کے فضل سے ٹھیک ہوں، البتہ نظر بہت زیادہ کمزور ہوگئی ہے۔ راستے پر چلنا دشوار ہوتا ہے، کتاب بھی ٹھیک نہیں پڑھی جاسکتی۔ امید ہے کہ تم بھی اچھی ہوگی اور صائمہ بھی ٹھیک ہوگی۔ جناب افسر بہادر بھی تندرست ہوں گے۔ بس دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان کے ساتھ نصیب کرے۔ میری عزیز بچی! نماز پڑھا کرو۔ تمہاری جدائی بہت گراں ہے، خدا کو یہی منظور ہوگا۔ ہم خدا کے کرنے پر راضی ہیں۔ افسر بہادر کو سلام کہنا اور کہنا کہ خدا تمہیں مزید ترقی نصیب فرمائیں اور ہر دو جہاں میں کامیاب رکھے۔ ان کو ترقی دیں۔ پروردگار تمہیں خوش رکھے اور دنیا و آخرت کی سرخروئی نصیب فرمائیں۔ میرے بارے میں فکر نہ کریں۔ بس دعا کیا کریں۔

افسر بہادر کو میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ پہلے بھی اس نے دوائیاں بھیجی تھیں، جو کہ میری طبیعت کو بہت اچھی لگیں۔ شربت بھی بڑا مزیدار تھا اور گولیاں بھی اور اب پھر بھیجی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے ----------"۔

جناب افسر بہادر کے نام: افسر بہادر! والدہ کی بہت خدمت کیا کرو، تمہاری والدہ بہت وفادار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ تمہاری بہت اچھی پرورش کی ہے۔ جنت والدین کے پاؤں کے نیچے ہے، تمہاری والدہ نے تمہاری بہت خدمت کی ہے، خدا اس کی عمر میں برکت دے تاکہ تم بھی اطمینان کے ساتھ اپنا وقت گزار سکو"۔

(مولاناؒ کے عزیزوں کے یہ تمام تاثرات ماہنامہ الحق کے مولانا عبد الحقؒ نمبر باب ۳ سے اخذ کئے گئے ہیں)

بڑے انسانوں کی بڑی باتیں:! مولاناؒ کس دردمندی سے اپنی صاحبزادی کو نماز کی پابندی اور اللہ کا پاک نام لینے کی تعلیم اور ترغیب دے رہے ہیں اور یہ اٹل حقیقت واضح کر رہے ہیں کہ ہر طرح کا رنج و غم دور کرنے کا تنہا ذریعہ صرف اللہ کی ذات عالی کو یاد کرنا ہے، پھر اپنے داماد سے وہ کتنی عزت و محبت سے مخاطب ہیں۔ داماد سعادت مند ہے۔ ان سے ہر لحاظ سے چھوٹا ہے۔ اس کے باوجود وہ کس طرح ادویات بھیجنے پر اس کا شکریہ ادا کر رہے ہیں اور دعائیں دے رہے ہیں، پھر اس پر بس نہیں، وہ اپنے عزیز داماد سے یہ نہیں کہتے کہ میری بیٹی والدین سے دور ہے، پردیس میں ہے، افسردہ رہنے لگی ہے، اس کی خوب خدمت کرو اور اس کی دلجوئی میں کوئی کسر باقی نہ رکھو۔۔۔۔ جی نہیں وہ ایسی کوئی بات اشارتاً بھی نہیں کہہ رہے بلکہ اس کے برعکس وہ کیا کہہ رہے ہیں، کیا تاکید کر رہے ہیں؟ وہ فرما رہے ہیں کہ اپنی والدہ کی خدمت کرو کیونکہ تمہاری جنت اسی معظم ہستی کے قدموں کے نیچے ہے۔

بظاہر معمولی لگنے والی یہ ننھی سی بات کتنی غیر معمولی ہے اور اس میں آخرت ہی نہیں دنیاوی زندگی کو بھی مبارک اور راحت رساں بنا لینے کا کتنا بڑا سبق جگمگا رہا ہے۔ سسر داماد کو اس کی اپنی والدہ کی خدمت پر آمادہ کرے گا تو داماد کے دل میں سسر کی وقعت اور منزلت میں کتنا اضافہ ہوگا اور خود سمدھن کے دل سے بیٹے کے سسر کے لئے کیسی دعائیں نکلیں گی، یہی وہ اسلامی تعلیم ہے جو بہو کے دل میں بھی ساس کی عظمت پیدا کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں گھریلو زندگی کو جنت کا کوچہ بنا دیتی ہے۔ گھریلو سکون سے محروم ہمارا آج کا جھلسا ہوا معاشرہ اس تعلیم سے بڑے فلاحی سبق سیکھ سکتا ہے!

تعلیم نبوی ﷺ پر عمل کا اہتمام، ایک عقیدت مند کی شہادت: شاد باغ لاہور کے الحاج غلام یٰسین صاحب حضرت مولانا احمد علیؒ سے بیعت ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کی رحلت کے بعد انہوں نے حضرت مولانا عبد الحقؒ سے فیض حاصل کیا۔ غلام یسین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ لاہور میں ہمارے ہاں قیام فرما تھے۔ میں ان کے ساتھ علیحدہ کمرے میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ہماری ایک رشتہ دار خاتون تشریف لائیں اور حضرت مولاناؒ سے دعا کی درخواست کی۔ اسی لمحے مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑی جو ساتھ والے کمرے میں تھی، میں اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف جانے لگا تو حضرت مولانا عبد الحقؒ نے فوراً میرے ہاتھ پکڑ لئے، مجھے اپنے پاس بٹھا لیا، جب تک وہ خاتون واپس نہیں چلی گئیں۔ حضرتؒ نے مجھے کمرے سے ہلنے نہیں دیا، اللہ اکبر! تعلیم نبوی ﷺ پر مکمل عمل کا یہ کس قدر ایمان افروز اور سبق آموز اہتمام تھا۔ حضرت مولاناؒ کو ایک لمحے کے لیے بھی تنہائی میں کسی غیر محرم خاتون کی موجودگی گوارا نہیں ہوئی۔

سیاسی زندگی، پارلیمنٹ میں اسلام کی بے باک ترجمانی: سیاست کو دین سے الگ کر دیا جائے تو اسی چنگیزی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے ہم آج کل دوچار ہیں۔ اس حقیقت سے شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ اچھی طرح باخبر تھے مگر وہ طبعاً سیاسی مزاج کے انسان

نہیں تھے۔ کتاب اور گوشۂ فراغت ان کی سب سے بڑی متاع تھی۔ اس لیے وہ تماش بینوں میں گھری ہوئی سیاست سے ہمیشہ دور اور نفور رہے۔ مگر حالات نے ایکا ایکی ایسا پلٹا کھایا کہ انہوں نے سیاست سے دور رہنے کے سلسلے میں اپنے رویے یا روایت کے جواز پر نظر ثانی فرمائی اور ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لینے پر راضی ہوگئے۔ یہ جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کا زمانہ تھا اور ملک بھر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، شیخ مجیب الرحمٰن، مولانا بھاشانی، جناب خان عبد الولی خان کا غلبہ برپا تھا۔ مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو کا آفتاب نصف النہار پر تھا، وہ اونچے درجے کے ARISTOCRAT تھے۔ بہت بڑے جاگیردار تھے۔ مگر طرفہ تماشا یہ تھا کہ انہوں نے مغربی پاکستان میں سوشلزم کو ایک تحریک بنادیا تھا۔ مولانا بھاشانی اور مسٹر سی آر اسلم جیسے سکہ بند سوشلسٹوں نے مسٹر بھٹو کے سوشلزم کا بھانڈا پھوڑنے کی بہت کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ نوجوانوں کی اکثریت مسٹر بھٹو پر فدا تھی اور ان کی تردید میں کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔

ادھر مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کا نقارہ اس شدت سے پیٹا کہ اس کے شور میں ہر معقول اور معتدل آواز دب گئی۔ خان عبد الولی خان شخصاً بڑے نفیس، شریف الطبع اور جمہوری قدروں کے دلدادہ ہیں، مگر ان کی سیاست میں سیکولرازم کی گونج سنائی دیتی تھی۔ مولانا بھاشانی مشرقی پاکستان کے دیہی علاقوں میں سوشلزم کی آبیاری میں مصروف تھے۔ یہ بڑی ہلچل اور نظریاتی انتشار کا دور تھا۔ جماعت اسلامی والے مسٹر بھٹو پر اور مسٹر بھٹو کے جیالے جماعت اسلامی پر ٹوٹ ٹوٹ کر حملے کر رہے تھے۔

اس لپاڈگی میں نالائقی اور کردار کشی کے بعض بڑے شرمناک اور دلدوز واقعات بھی پیش آئے۔ اسی دوران جنرل یحییٰ خاں ۱۹۷۰ء میں انتخابات کرانے کا اعلان کردیا۔ پیپلز پارٹی، عوامی لیگ، مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی اور جماعت اسلامی نے انتخابی دنگل جیتنے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کردیں۔

یہ تھا وہ پس منظر جب جمعیت علمائے اسلام نے شدت سے محسوس کیا کہ اگر علمائے حق کو بڑی تعداد میں منتخب کرا کے اسمبلیوں میں نہ بھیجا گیا تو اسلامی اقدار کی چولیں ہل جائیں گی اور ملک نظریاتی زلزلے یا زوال کا شکار ہوجائے گا۔ جمعیت کے اکابر نے اسی فیصلے کے تحت حضرت مولانا عبد الحقؒ سے استدعا کی کہ وہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بہر حال حصہ لیں۔ مولانا حالات کی نزاکت سے بے خبر نہیں تھے، مگر وہ اپنے مزاج، اپنی فطری شرافت اور اخلاق عالیہ کے باعث الیکشن کے اکھاڑے میں آنے پر تیار نہ ہوئے، ادھر جمعیت علمائے اسلام کے اکابر کے علاوہ خود اکوڑہ خٹک کے شہریوں، حتیٰ کہ دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے فاضل ارکان نے مولاناؒ کو حالات کی رفتار سے آگاہ کر کے اپیل کی کہ وہ قومی اسمبلی میں اسلام کی آواز بلند کرنے کے لئے الیکشن ضرور لڑیں۔

اس صورت حال کے تیور دیکھ کر مولاناؒ نے انتخابات میں حصہ لینے پر رضا مندی ظاہر کردی، مگر اس موقع پر انہوں نے اپنے ارادتمندوں سے جو گفتگو فرمائی وہ ایک طرف اسلام کے اصول سیاست کی عکاسی کر رہی ہے تو دوسری طرف اس سے خود مولاناؒ کی فطرت کا حسن بھی چھلک رہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا:۔

> "مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے۔ ان سے تو کیا کسی چیونٹی سے بھی محاذ آرائی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ پھر انتخابات کے ہنگامے میں ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل، سب وشتم، مبالغہ آمیز دعوے اور وعدے کئے جاتے ہیں۔ میں ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں"۔

مولانا نے انتخاب میں حصہ لینے کی یہ شرط عائد کی:۔

"نہ کسی سے ووٹ کا مطالبہ کروں گا، نہ انتخابی ہنگاموں میں شرکت کروں گا، نہ مخالفین کے سب و شتم کا جواب دیا جائے گا، انتخاب میں ہر امیدوار اپنی اہلیت اور استحقاق کے وعدے کرتا ہے۔ یہ شرعاً ناجائز اور مذموم ہے۔ میں اپنی نا اہلی کے باوجود دعوے کیسے کروں گا"۔ (روایت مولانا سمیع الحق، مولانا عبدالحق نمبر صفحہ ۵۴۳)

مولاناؒ نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں تین مرتبہ حصہ لیا اور تینوں مرتبہ وہ اپنے مدمقابل امیدواروں کے مقابلے میں جس بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے وہ ایک محبوبیت عامہ کا ثبوت ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ان کے مقابلے میں اے این پی کے رہنما جناب اجمل خٹک اور پیپلز پارٹی کے جناب نصر اللہ خٹک تھے۔ حضرت مولاناؒ کو ۳۲۲۴۴ ووٹ ملے، جبکہ جناب اجمل خٹک نے ۲۹۹۹۰ اور مسٹر نصر اللہ خٹک نے ۲۴۰۰۰، ووٹ حاصل کئے۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات میں مولاناؒ کو ۵۶ ہزار اور ان کے مدمقابل، اس وقت کے وزیراعلیٰ سرحد مسٹر نصر اللہ خٹک کو ۲۲، ہزار ووٹ ملے۔

۱۹۸۵ء کے انتخابات میں مولاناؒ کو ۵۸ ہزار اور ان کے حریف مسٹر اسلم خٹک کو ۱۰ ہزار ووٹ حاصل ہوئے۔ الیکشن کی معرکہ آرائیوں میں امیدوار نمایاں نہیں، بے نقاب ہوتے ہیں اکثر امیدوار جس غلاظت، نجاست اور خباثت کے لاوے اگلتے اور اپنے حریفوں پر پھینکتے ہیں اور جائز و ناجائز کی تمیز اٹھا کر ہر طریقے سے جیتنے کے جو مذموم حربے بروئے کار لاتے ہیں، ان سے کون بے خبر ہوگا؟ اس کیچڑ میں بڑے بڑے ہاتھی پھسل گئے۔ مگر آلائش، آلودگی، آزردگی، الزام تراشی کردار کشی، گالی اور گولی کے اس بازار سے جب مولانا عبدالحقؒ گزرے تو یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ وہ اس بازار میں بھی اعلیٰ شرافتوں کی قندیلیں روشن کر رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی سے ووٹ نہیں مانگے۔ جوڑ توڑ نہیں کئے۔ ڈھنڈورا نہیں پیٹا، جلوس نہیں نکالے، حریفوں کا نام بھی لیا تو پوری عزت سے لیا!۔

ایک موقع پر انتخابی نتائج سنائے جا رہے تھے۔ مولاناؒ کے عقید تمند "گوش بر ریڈیو" تھے۔ اچانک مولاناؒ کی کامیابی کا اعلان ہوا۔ عقیدت مند خوشی سے جھوم گئے۔ مولاناؒ کے گھر پہنچے، وہ سو رہے تھے۔ انہیں جگا کر کامیابی کی خبر سنائی گئی تو وہ اپنے عقید تمندوں میں تشریف لائے، انہیں دیکھتے ہی مداحوں نے "مولانا عبدالحقؒ زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔ مولاناؒ نے فوراً ٹوک دیا۔ فرمایا:۔

"میرے لئے نعرے نہ لگائے جائیں، کیونکہ ان نعروں سے میرے محترم مقابل امیدوار کو تکلیف پہنچے گی اور ان کے احساس شکست میں اضافہ ہوجائے گا۔ میں ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے"۔

انتخابی معرکوں اور سیاسی محاربوں میں کیا کوئی بڑے سے بڑا خلیق آدمی بھی مولانا عبدالحقؒ جیسے کریمانہ اخلاق کی مثال پیش کرسکتا ہے؟۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات میں وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے وزرائے اعلیٰ کو بلامقابلہ منتخب ہوجانے کا شوق چرایا۔ سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے وزرائے اعلیٰ تو بلامقابلہ کامیاب ہونے میں کامیاب ہوگئے مگر جناب ذوالفقار علی بھٹو کا پالا جماعت اسلامی کے جناب جان محمد عباسی اور وزیر اعلیٰ سرحد مسٹر نصر اللہ خٹک کا واسطہ مولانا عبدالحقؒ سے پڑ گیا۔ جان محمد عباسی اغوا ہوئے۔ اپنے

مسٹر بھٹو میں جو انانیت پائی جاتی تھی اس کے پیش نظر کوئی ان سے یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ کسی کو سوار کرانے گاڑی کے دروازے تک جائیں گے۔ مگر سیرت کی خوبصورتی بڑی چیز ہے اس میں وہ معجزے چھپے ہوئے ہیں جو بڑے سے بڑے ناقابل تسخیر افراد کی انانیت کو بھی مسخر کرلیتے ہیں۔

قومی اسمبلی میں مولاناؒ کا ہر لمحہ قرآن وسنت کی بالادستی اور شریعت بل منظور کرانے کی جدوجہد میں گزرا۔ ۱۹۷۳ کے آئین کی تشکیل کے موقع پر وہ قرآن وسنت کی بالادستی کے لئے اس قدر کوشاں رہے کہ انہوں نے ڈھائی سو آئینی ترمیمیں پیش کیں۔ وہ دینی علوم کے علاوہ آئینی، قانونی اور پارلیمانی امور پر بھی ایسی مہارت رکھتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ سود کی لعنت، خاندانی منصوبہ بندی، عائلی قوانین، اسمبلیوں میں عورتوں کی نشستیں، ذرائع ابلاغ کی گمراہیوں، خاص طور پر ٹیلی ویژن کی مرغوب عام بے ہودگیوں کے خلاف انہوں نے جو تقریریں کیں، ان پر کوئی حرف گیری کی جرأت نہیں کرسکا۔ یہ ان کی پیرانہ سالی ہی کی جدوجہد تھی کہ انہوں نے خود دورے کئے اور شریعت بل کو ملک گیر مسئلہ بنادیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حکمرانوں کی مصلحتوں نے شریعت بل کو پس منظر میں ڈال دیا۔ قومی اسمبلی کی رکنیت کے تینوں ادوار میں انہوں نے زندگی اور زمانے کے ہر اہم مسئلے کا اسلام کی روشنی میں جائزہ لیا اور ایوان کو رہبری عطا کی۔ ان کی پارلیمانی تقریریں ان کے گہرے سیاسی شعور، کمال فراست اور نفاذِ اسلام کے لئے ان کے ارمانوں کی آئینہ دار ہیں۔ ان تقریروں میں ایک معلم کے معارف، ایک مفکر کی بصیرت، ایک مشفق کی نصیحت، ایک مجاہد کی ضرب، ایک مومن کی تب وتاب اور ایک مصلح کی پکار گونج رہی ہے۔ مولانا سمیع الحق نے یہ تقریریں "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" کے زیر عنوان شائع کردی ہیں۔ فقہ، قانون، آئین اور اسلام کے اصول سیاست کے طلبہ اور دینی وعلمی ذوق رکھنے والے عام شائقین کا مطالعہ مولاناؒ کی پارلیمانی تقریریں پڑھے بغیر ادھورا رہے گا۔

مسلمان کی جامع اور متفقہ تعریف: مسٹر بھٹو کا دور حکومت تھا۔ ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء کی شام کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہورہا تھا ۱۹۷۲ء کے آئین کی تیاری ہورہی تھی۔ بحث جاری تھی۔ بعض ماڈرن ارکان نے یہ سوال چھیڑ دیا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ پھر انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسلمان کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جاسکتی جس پر ہر مکتبہ فکر کے مسلمان متفق ہوسکیں۔ اس لیے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل نہیں کی جاسکتی۔ مولانا عبد الحق ایوان میں تشریف فرما تھے۔ یہ باتیں سنتے ہی ان کی رگوں میں غیرت وحمیت کے شرارے کوندنے لگے۔ خلاف معمول وہ بڑی تیزی اور برہمی سے اٹھے اور چند لمحوں میں کھڑے کھڑے مسلمان کی ایسی جامع اور متفقہ تعریف بیان فرمائی کہ پورا ایوان سناٹے میں آگیا، اور دم بخود ہو کر مولاناؒ کی تقریر سنتا رہا۔ مولاناؒ نے فرمایا:۔

"عربی میں اسلام اور ایمان کی تعریف یہ ہے **التصدیق بجمیع ماجاء به النبی ﷺ**۔ اردو میں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور کتاب وسنت یعنی قرآن مجید، احادیث اور ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو، پیغمبر ﷺ کے تمام معجزات پر یقین رکھتا ہو اور حضور ﷺ کو آخری نبی مانتا ہو۔ بایں معنی کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد کسی شخص کو نہ بروزی، نہ ظلی نہ تبعی، نہ مستقل کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی۔ جس طرح دنیا میں آخری اور سب سے کامل روشنی آفتاب کی ہے، اس سے اوپر کوئی روشنی مادیات میں نہیں، نہ اس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت ہے، اسی

طرح اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلے کو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درجہ کمال تک پہنچایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی" میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کالشمس فی نصف النہار ہیں۔ ان کے بعد کسی کو نبوّت نہیں ملے گی اور اس کے بعد کتاب وسنت اور ضروریات دین کا وہی مفہوم ہوگا جس پر خیر القرون کا اتفاق رہا۔ یعنی اب کوئی شخص صلوٰۃ وزکوٰۃ کا معنی اپنی طرف سے نہیں کرسکتا۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے دور میں جو مفہوم تھا، ان تمام مفاہیم کو اسی طریق پر ماننے---- یہ ہے مسلمان!"۔

(مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۵۶۰)

مسلمان کی اس سے زیادہ واضح، جامع، سلیس اور دل نشین تعریف، نظر سے نہیں گزری، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک لفظ پر مجھ سمیت ہر مسلمان کو پختہ ایمان اور صدق دلی سے دائمی عمل کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائیں!

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور کا ایک اہم ترین تاریخی کارنامہ ہے، ستمبر ۱۹۷۴ء کو مرزائیوں کا اقلیت قرار پانا ہے۔ مسٹر بھٹو اور ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد مسئلہ ختم نبوت کی اساسی اہمیت سے پوری طرح آگاہ نہیں تھی۔ اس موقع اور موضوع پر مولانا عبد الحقؒ نے پارلیمنٹ میں جو تقریر کی اور جس طرح مرزائیوں کے آنجہانی پیشوا مرزا ناصر احمد پر کانٹے دار سوالوں سے جرح کی اس سے ایوان پر مرزائیت کی قلعی پورے طور پر کھل گئی۔ یوں وہ ۹۰ سال پرانا تشویشناک مسئلہ جس نے ہر مسلمان کو ہمیشہ بے چین رکھا، شرحِ صدر کے ساتھ متفقہ طور پر حل ہوگیا اور ہر نوعی قادیانیت یا مرزائیت دائرہ اسلام سے خارج قرار پاکر اقلیت ٹھہری!

جس معزز قانون ساز ایوان کے اکثر ارکان لفافوں اور لوٹوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہوں، وہاں بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے پرہیز یا گریز کوئی مرد حق ہی کرسکتا ہے۔ مولاناؒ ایسے ہی مرد حق تھے۔ وہ سودے بازیوں کی پستیوں سے بہت بلند اور نادر شخصیت تھے، اور اپنے ضمیر اور ایمان کے سامنے ہفت اقلیم کو بھی ناقابل التفات سمجھتے تھے۔ وہ جس دانائی، بے خوفی، پارسائی اور خودداری کی شان بے لوثی کے ساتھ ملک کے سب سے بڑے سب سے زیادہ موثر اور مقتدر ادارے کو صراطِ مستقیم دکھاتے رہے ویسا مقدس اور دلربا منظر شاید ہی کسی اور پارلیمان نے کبھی دیکھا ہو۔ ان کا یہی یگانہ امتیاز اور بلند کریکٹر تھا کہ کیا حکام اور کیا عوام سبھی ان کے آگے احترام سے بچھے چلے جاتے تھے مگر سرحد کا ایک بدقسمت ایم پی اے ایسا نکلا جو مولاناؒ کے مقام ومنزلت سے بے خبر رہ کر ان پر اتہام لگا بیٹھا۔ الحاج ڈاکٹر میر احمد خاں صوفی مانکی شریف کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک دن اس ایم پی اے نے کہا کہ مولاناؒ کو حکومت نے ایک کروڑ روپے کی رشوت دی ہے۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت اس ایم پی اے کے جھوٹ کی تردید کی اور کہا کہ مولاناؒ کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی گناہ ہے کیونکہ وہ ایسی پستیوں سے بہت بلند ہیں۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ میں خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ایم پی اے مذکور جھوٹ بول رہا ہے، تاہم پھر بھی میں "ولکن لیطمئن قلبی" کی غرض سے اکوڑہ خٹک گیا۔ حضرت مولاناؒ سے ملا۔ سارا ماجرا سنایا، مولاناؒ حسب عادت مسکرا دیے، الزام لگانے والے ایم پی اے پر نہ کوئی برہمی ظاہر فرمائی نہ اسے کوئی بد دعا دی---- اور پھر چند روز بعد ہم نے دیکھا کہ وہ ایم پی اے گونگا ہوگیا ہے۔ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۱۰۸)

مولانا عبد الحقؒ نے ۱۹۵۲ء میں حج کیا۔ ماشاء اللہ ان کے بیٹے بیٹیاں بھی اس شرف سے مشرف ہیں اور مولاناؒ کے بیٹوں اور بیٹیوں ہی پر موقوف نہیں ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے بھی حاجی عالم، حافظ، قاری اور خدام دین ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا!

میرے گوہر تمام یک دانہ!

زبانِ حال سے یہ مصرع مولانا عبد الحقؒ پر پوری معنویت کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عاجز نوازیوں سے امید ہے کہ یہ ہمہ آفتاب گھرانہ نسل در نسل دار العلوم حقانیہ کی مشعل کو قیامت تک روشن رکھے گا۔

مولاناؒ نہایت صاف شفاف سفید لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ٹخنوں سے اونچی سفید شلوار، لمبا سفید کرتا اور نفاست سے بندھی ہوئی سفید پگڑی پہن کر وہ اجالوں کے سفیر نظر آتے تھے۔ تقلیل غذا کے عادی تھے۔ البتہ چائے بقدر شوق نوش فرماتے تھے۔

مولانا علیہ الرحمہ سرحد کے معروف بزرگ حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی سے بیعت تھے۔ حاجی صاحبؒ رحلت فرماگئے تو آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کرلی تھی۔ اس طرح آپ کو اپنے مخدوم و محبوب معلم سے ظاہری علوم کے ساتھ باطنی فیوض و برکات بھی نصیب ہوئے تھے۔

ایک التجا۔۔۔اور۔۔۔ چند اوراد و وظائف: راقم نے بارہا اپنے بزرگوں سے کبھی کبھی ایک بدو کی داستان سنی ہے۔ کہنے کو تو وہ کوئی صحرائے عرب کا بدو تھا، لیکن مقصد کے عرفان اور منزل تک رسائی کے اعتبار سے وہ کتنا بڑا عارف اور کیسا سرخرو اور عظیم انسان تھا کہ آج کا کوئی بڑے سے بڑا متمدن انسان بھی اس کی عظمت سے آنکھ نہیں ملا سکتا۔

یہ بدو بکریاں چرا رہا تھا ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا ثبوت کیا ہے؟ بدو کو جلال آگیا، لاٹھی لے کر اس کے پیچھے بھاگا، کہنے لگا، بے وقوف! تیری سمجھ میں اتنی روشن بات بھی نہیں آتی۔ مجھے دیکھ، میں اونٹ کے قدموں کے نشان دیکھ کر سمجھ جاتا ہوں کہ ادھر سے اونٹ گزرا۔۔۔۔۔۔۔ یہ زمین، یہ آسمان پر چمکنے والا سورج، چاند اور تارے۔۔۔۔۔ کیا اتنی چمکدار نشانیاں دیکھ کر بھی تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ چیزیں خود بخود نہیں بنیں، انہیں کسی نے بنایا ہے، وہ اکلوتی ہستی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اس پاک ہستی کا نام اللہ ہے۔ مجھے اونٹ کے قدموں کے نشان سے اونٹ کا ثبوت مل جاتا ہے۔ تجھے چاروں طرف زمین و آسمان کے نظارے دیکھ کر بھی خدا کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیا تیری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں؟۔

افسوس! آج کے انسان کا یہی حال ہے۔ کسی کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں، کسی کی آنکھوں پر اور کسی کے دل پر! ہمارے چاروں طرف ارحم الراحمین کی مہربانیوں اور مرحمت کے آبشار بہہ رہے ہیں۔ مگر ہمارے دل اندھے اور دیدے بے نم ہیں، ہم اللہ جل جلالہ کی عظمتوں اور قدرتوں کو نہیں پہچانتے اور اس کی مہربانیوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی سامان نہیں کرتے۔ ہم میں سے کوئی مال کی محبت میں پھنس گیا ہے اور زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک کو بھول گیا ہے۔ وہ جتنا مال کماتا ہے اور جس قدر بنک بیلنس بڑھاتا ہے اتنا ہی زیادہ مصیبتوں اور مقدموں میں دھنستا چلا جاتا ہے، کوئی غربت اور مفلسی کی خندق میں گر گیا ہے، دن رات دولت کے ٹیلوں پر چڑھنے کے خواب دیکھ رہا ہے اپنی بھوک اور بچوں کی احتیاج کا رونا روتا رہتا ہے مگر رزاقِ دوجہاں کو یاد نہیں کرتا۔ کوئی کسی کے فنا پذیر حُسن پر مرمٹا ہے۔ جھوٹی اور

چمکیلی اداؤں پر جان دے رہا ہے۔ دن کا چین اور راتوں کی نیند کھو بیٹھا ہے۔ آہیں بھر رہا ہے۔ ذلت اٹھا رہا ہے مگر یہ بد نصیب جمالِ خداوندی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ بعض لوگوں کو دولت واقتدار کے عشق نے پاگل کر دیا ہے۔ ان کے پاس بہت کچھ ہے مال ودولت ہے، بنگلے ہیں، بیوی بچے ہیں، شاندار گاڑیاں ہیں مگر ان کی جھولی سچی خوشی سے خالی ہے۔ ان کے پاس فوم کے گدے ہیں مگر نیند نہیں ہے۔ قیمتی انجکشن ہیں، صحت نہیں ہے۔

پھر ہم ہی میں سے بہت بڑی اکثریت ایسے بھائیوں کی ہے جو دو غلی زندگی بسر کر رہے ہیں فی الجملہ ہم ڈانو ڈول لوگ ہیں۔ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور ٹیلی ویژن پر میچ یا معاشقے بھی دیکھتے ہیں، مسجد میں بھی جاتے ہیں، کوچہ جاناں کا طواف بھی کرتے ہیں، صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں۔ بنک سے سود بھی کھاتے ہیں۔ حج پر بھی جاتے ہیں، مگر مکروفریب اور ملاوٹ سے باز بھی نہیں آتے، خلاف شرع تھوکتے بھی نہیں، اندھیرے اجالے میں چوکتے بھی نہیں، ہم چاہتے ہیں کہ۔۔۔ شیخ جی بھی خوش رہیں، راضی رہے شیطان بھی!۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔ ہماری اس دو غلی زندگی سے ہمارا مقدس پروردگار ہم سے روٹھ گیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہم طرح طرح کی پریشانیوں، جھگڑوں، مقدموں، مصیبتوں، نحوستوں اور بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ہمارے دماغ شعور سے اور ہمارے دل سکون سے محروم ہیں۔ ہم جس قدر خوشی اور سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، اتنا ہی طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں ہمارا گھیراؤ کر لیتی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ زندگی بڑی کٹھن آزمائش ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر بخیر وخوبی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ راقم الحروف نے مولانا عبد الحقؒ جیسی برگزیدہ ہستیوں کی خدمت میں بیٹھ کر جو سبق سیکھا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے بچے اور ہر آن اللہ رب العزت کی بندگی کرے، اس طرح زندگی بہت راحت اور عزت سے بسر ہوگی۔ بصورت دیگر زندگی ہر موڑ اور ہر مرحلے پر اپنا تاوان لیتی رہے گی۔۔۔ دراصل گناہ آگ کی مانند ہے، بھڑکتے ہوئے شعلوں پر چاہے ہم بند کمرے میں ہاتھ ڈالیں یا سر عام کھلے میدان میں، ہر حالت میں ہمارا ہاتھ جل جائے گا۔ یہی معاملہ گناہ کا ہے، چاہے ہم چھپ کر گناہ کریں یا سر عام، گناہ تو ہم کر لیں گے مگر اس کے نتائج ہم کو ذلت اور ہلاکت کی آگ میں جلائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔۔۔۔۔ اس لئے خدا پرستی کی زندگی کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے گناہ سے فوراً ہمیشہ کے لیے توبہ کر لیں۔ انسان کے حالات اس کے اعمال کا قدرتی نتیجہ ہوتے ہیں۔ جونہی ہم گناہوں کی زندگی ترک کر کے نیک اعمال کی زندگی اختیار کریں گے، ہمارے زمین وآسمان بدل جائیں گے، ہمارے حالات میں خوش گوار تبدیلی آئے گی اور ہماری خزاں رسیدہ زندگی میں بہاروں کے قافلے لوٹ آئیں گے۔

یہ معجزہ کیونکر رونما ہو سکتا ہے کہ ہمارے دل ودماغ بدل جائیں اور ہم بدی کی جگہ نیکی سے اور نفسانی اور شیطانی قوتوں کی بجائے رب العزت سے پیار کرنے لگیں؟ اس کا ایک ہی طریقہ ہے، دوسرا کوئی نہیں اور وہ یہ کہ ہم زیادہ سے زیادہ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں پھریں، اور مولانا عبد الحق جیسے برگزید عارفوں کی بابرکت صحبت میں بیٹھیں اس طرح رفتہ رفتہ دین کا مزاج سمجھ میں آنے لگے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے قدم سچی خدا پرستی کی راہ پر چل نکلیں گے۔

حضرت مولانا عبد الحقؒ تبلیغی جماعتوں کا بہت بڑا سہارا تھے۔ مجھ گنہگار نے تبلیغ والوں کے لئے ان کی دلگداز دعائیں خود اپنے کانوں سے سنی ہیں۔ آہ! ان کی یاد کس طرح رہ رہ کر آتی ہے اور کتنا رلاتی ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ انسان کی ہر مصیبت، ہر پریشانی اور

ہر بیماری کا علاج اللہ رب العزت کی یاد کو قرار دیتے تھے۔ وہ اپنی خدمت میں آنے والے ہر دکھی انسان کو اللہ کا پاک نام ہی بتلاتے تھے۔ میں اپنا گریہ روکتا ہوں اور عالی مقام مولاناؒ کے وہ وظائف نقل کرتا ہوں جو وہ مصیبت زدہ لوگوں کو مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ یہ وظائف در حقیقت رجوع الی اللہ کی دعوت ہیں۔ مولاناؒ اپنی مجلس میں اوراد و وظائف کی عام اجازت بھی مرحمت فرمادیا کرتے تھے۔ اس لئے جو بھائی یا بہن یہ وظائف پڑھیں ان سے التجا کرتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا عبد الحقؒ کی بلندیٔ درجات کے ساتھ مجھ خاکسار کے لیے یہ دعا ضرور فرمائیں کہ رب العزت مجھ سے مرتے دم تک تبلیغ کے کام لیتا رہے۔ انسان کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کرم فرماتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں اچھے کام لے لیتے ہیں۔

یہاں حضرت مولاناؒ کے عطا کردہ اوراد و وظائف درج کرنے کا تنہا مقصد افادۂ عام ہے۔ انہیں بڑی توجہ اور مستقل مزاجی سے پڑھا جائے۔ ان اوراد و وظائف کی برکت سے سب سے بڑی دولت تو یہ ملے گی کہ اللہ جل جلالہ سے مضبوط تعلق قائم ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طلب وسعی میں جینا بہت بڑی متاع ہے مزید برآں ذیلی اور ضمنی فوائد بے شمار ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پڑھنے والوں کے درد اور درماندگیاں دور ہوجائیں گی۔ حضرت مولاناؒ کے اوراد و وظائف کی تاثیر کا اندازہ اس سے لگائیے کہ خود اس خاکسار کو حضرتؒ نے ایک تعویز مرحمت فرمایا۔ میں نے وہ تعویز ادب سے جیب میں رکھ لیا۔ ابھی میں مولاناؒ سے رخصت ہو کر اکوڑہ سے نوشہرہ ہی پہنچا تھا کہ اس تعویز کی برکتیں مجھے واضح طور پر نظر آنے لگیں اور جن تفکرات میں، میں گرفتار تھا وہ سب کافور ہوگئے۔ اس تعویز کو میں نے مدتوں حرزِ جان بنائے رکھا۔ میں لاہور آیا تو میرا بٹوہ گم ہوگیا۔ مجھے بٹوہ گم ہونے کا ملال نہیں ہوا۔ بٹوے میں اصلِ جان عزیز وہ تعویز تھا جو حضرت مولاناؒ نے عطا فرمایا تھا۔ اس تعویز سے محرومی کا آج تک قلق ہے۔

یہاں یہ گزارش بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ مولاناؒ تعویذ یا وظیفہ مرحمت کرتے وقت جو ارشادات فرماتے تھے وہ بے حد قیمتی ہیں۔ ان ارشادات کو خاص توجہ سے بار بار پڑھنے اور دل ودماغ میں جاگزین کرلینے کی بڑی ضرورت ہے۔ گناہوں سے دور بھاگنا، نمازوں کا پابندی سے التزام وظائف کے اول آخر درود شریف پڑھنا اور وظائف کی مستقل مزاجی سے پابندی کامیابی کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک دو دن وظیفہ پڑھنا اور مطلوبہ نتائج کی آرزو کرنے لگنا ٹھیک بات نہیں۔ ان شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی پر دھیان جما کر بلاناغہ خوب پابندی کے ساتھ وظائف پڑھیئے اور اللہ تعالیٰ کی عاجز نوازیوں کے کرشمے دیکھئے۔

اسم اعظم: ایک صاحب نے اسم اعظم کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا "الولیّ الودود، العلیم، الحلیم الکریم الوہاب ذوالطول یا ذالجلال والاکرام" پڑھا کریں۔ اس میں اسم اعظم بھی ہے، محبوبیت، تسخیر اور علمی وروحانی ترقیوں کے لیے اکسیر ہے۔ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھنے کا معمول بنالیں۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۲۲۶)

ظالموں سے حفاظت کا وظیفہ: فرمایا:۔

"امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تو نماز کے بعد دفع شر، شیاطین سے حفاظت، مظالم سے پناہ ونجات کی خاطر یہ آیت پڑھنے کا معمول تھا اور مجھے بھی بے حد پسند ہے اور زندگی بھر سے اس کو معمول بنا رکھا ہے"۔

"انی توکلت علی اللہ ربی وربکم مامن دابة الاھو اخذبناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم. فان تولّوا فقد ابلغتکم ما ارسلت به الیکم ویستخلف ربی قوما غیرکم ولاتضرونه شیئاً ان ربی علی کل شیئ حفیظ"....

آیت کریمہ کے ترجمے پر غور کیا جائے تو ایمان تازہ ہوتا ہے، اور یقین بڑھتا ہے۔ خدا کی ذات پر توکل و بھروسہ بڑھتا ہے، ہر دابہ کا ناصیہ، ہر طاقت کی شہ رگ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ شیر ہو، کتا ہو، درندہ ہو، ظالم حکمران ہو، جن ہو، کوئی طاقت ہو، سب اللہ کے قبضے میں ہیں۔ ان کے سامنے سب بے بس ہیں۔ ان کا پکڑنا قدرت الٰہی سے کوئی بعید نہیں، مگر ڈھیل میں اس کی حکمت و مصلحت ہے۔ آپ اپنا کام کرتے جائیے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو تو دنیا کی سب طاقتیں مل کر بھی آپ کو کوئی ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ وہی محافظ، وہی ولی اور وہی نگہبان ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اسے صبح اور مغرب کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ آپ سب اس کو پڑھا کریں، اللہ کریم اس کی برکتوں سے نظر کرم فرمائے گا۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۸۹)

لا اله الاالله کا ورد: بعض مہمانوں نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے بڑی تاکید سے فرمایا۔ کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہیں، روزانہ کم از کم ہزار مرتبہ لا اله الا الله کا ورد کرتے رہیں، اور ۵۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھا کریں۔ ہوسکے تو دن میں کسی وقت ۱۹ مرتبہ یاحی یا قیوم پڑھ لیا کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسم اعظم ہے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۳۴۷)

اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے: دوران دعا ایک صاحب نے عرض کیا۔ حضرت! میں سخت مصائب اور مشکلات میں گھرا ہوا ہوں، ارشاد فرمایا: "لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم لا ملجاء ولا منجاء من الله الا الیه" کا وظیفہ جاری رکھیں۔ اللہ پاک آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۳۴۷)

استغفار کی بے شمار برکتیں ہیں: فرمایا:۔

"میں آنے والے احباب کو عام طور پر استغفار کی تلقین کرتا ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ بھی کثرتِ استغفار پر زور دیا کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ عرض کیا حضرت! میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: کثرت سے استغفار پڑھو۔ ایک اور صاحب آئے۔ عرض کیا، حضرت! بارش نہیں ہورہی۔ فرمایا اہل شہر کثرت سے اسغفار کریں۔ ایک اور صاحب آئے اور رزقِ حلال کی درخواست کی، فرمایا تم بھی استغفار پڑھا کرو۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت! جو بھی آیا آپ نے استغفار پڑھنے کی تلقین و تاکید فرمائی حالانکہ سب کے مسائل و مقاصد مختلف تھے، تو حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا بھائی! یہ کوئی میں نے اپنی طرف سے نہیں بتایا بلکہ خود اللہ

رب العزت نے قرآن حکیم میں ان امور میں کثرتِ استغفار کی تاکید کی ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:۔

فقلت استغفروا ربک انہٗ کان غفّارا. یرسل السماء علیکم مدرارا. ویمدد باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہاراً.

اور قوم سے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ بنادے گا اور نہریں بہادے گا" (صحبتے با اہل حق، ص۔ ۴۷)

حصول علم کی دعا: فرمایا:۔

"قرآن کریم اور احادیث میں کثرت سے دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرو حتیٰ کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا سے مانگو۔ دعا مانگنے پر باری تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں۔ "ادعو نی استجب لکم" مگر یاد رہے کہ خداوند قدوس اور اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ نے کہیں بھی یہ تعلیم نہیں دی کہ یہ دعا مانگی جائے کہ اے اللہ مجھے سلطنت دے یا میری سلطنت کو طول دے اور میری دنیا و دولت اور حکومت میں اضافہ کر بلکہ رب العزت نے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ "رب زدنی علما" یا اللہ! میرے علم کو اور بڑھادے۔ یعنی علم کا سوال اور دعا منصوص کردی۔ اس سے معلوم ہوتا کہ علم کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کے لئے دعا اور سوال کرنے کی پیغمبر علیہ السلام کو بھی تعلیم فرمائی گئی، تو بہتر یہی ہے کہ ہم بھی اس دعا کو اپنا معمول بنالیں اور ہر نماز کے بعد تین بار پڑھا کریں، تاکہ باری تعالیٰ اپنی مرضیات کا علم و یقین عطا فرمائے۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۵۱)

پسندیدہ درود شریف: ایک صاحب کو اوراد و وظائف تلقین فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ دن میں ۱۰۰ مرتبہ یہ درود شریف بھی پڑھ لیا کرو۔ "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما تحب وترضی عدد ما تحب وترضی"۔۔۔۔ ارشاد فرمایا: مجھے یہ درود بے حد پسند ہے۔ ایک درود تو یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے حضور اقدس ﷺ کے صفات کا ذکر کریں اور اپنے فہم اور عقل سے حضور ﷺ پر نزولِ رحمت کی تعیین کریں۔ دوسرا یہ کہ خود اللہ پاک اپنے بے پناہ فضل و کرم سے حضور اقدس ﷺ کے شایانِ شان اپنی رحمتیں نازل فرمادے۔ حضراتِ محدثین نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ ہم اللہ کی رحمتوں کی جس نوع کی بھی تعین کریں گے، وہ ناقص ہوگی۔ آپ کی اعلیٰ اور ارفع شان کے ہرگز موافق نہ ہوگی۔۔۔۔"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۱۱)

حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کا وظیفہ: ایک صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ مجھے رسالت مآب ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ اس کے لیے کوئی وظیفہ مرحمت فرمایئے۔ ارشاد فرمایا:۔

"درود شریف وسیلہ قرب ہے۔ کثرت دورد سے حضور ﷺ سے عشق و محبت اور طلب پیدا ہوتی ہے۔ کثرت سے درود شریف پڑھیے۔ بزرگوں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے اس عمل کو مجرب بتایا ہے"۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۶۵)

پریشانیوں کے خاتمے کا وظیفہ: ایک صاحب نے عرض کیا حضرت! میں ہر وقت مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرا رہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا روزانہ ۳۱۳ مرتبہ **لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین** پڑھ لیا کریں، اللہ تعالیٰ سب پریشانیاں دور فرمادے گا۔ یہ ۳۱۳ کا عدد بڑا متبرک ہے۔ غزوہ بدر میں اصحاب رسول ﷺ کی تعداد ۳۱۳، تھی۔ امام مہدی کے رفقاء کی تعداد بھی ۳۱۳ ہوگی۔ لوط علیہ السلام کو رہائی دلانے والے اللہ کے نیک بندوں کی تعداد بھی ۳۱۳ تھی۔ اس سے معلو ہوتا ہے کہ ۳۱۳ کا عدد بڑا متبرک ہے۔(صحبتے با اہل حق صفحہ ۵۸)

جیل سے رہائی کا وظیفہ: بلوچستان سے چار صاحبان حضرتؒ سے ملاقات کے لیے آئے۔ ان میں سے ایک صاحب نے عرض کیا ہمارا ۱۶ سالہ بچہ جہاد افغانستان میں شریک تھا، اب معلوم ہوا ہے وہ کابل جیل میں ہے اس کی اور تمام قیدی مجاہدین کی رہائی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ حضرت مولاناؒ نے یہ سنتے ہی نہایت عجز و نیاز سے افغان مجاہدین کی فتح اور قیدی مجاہدین کی رہائی کی دعا مانگی فرمایا قیدیوں کی رہائی کے لئے کثرت سے "**انا للہ وانا الیہ راجعون**" کا وظیفہ جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آسانیاں پیدا فرمادے گا۔ مزید فرمایا کہ قیدیوں کی رہائی کی نیت سے ان کے ورثا اور متعلقین اور عام مسلمان ہر نماز کے بعد ۴۰ مرتبہ **یا معید** کا ورد جاری رکھیں۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۶۷)

مصیبتوں سے حفاظت کی دعا: فرمایا:-

"حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزانہ صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرے تو اسے کسی قسم کی مضرت اور تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ پریشان کن حالات سے دوچار ہوگا۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے وہ دعا یوں تلقین فرمائی۔"**بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم**"۔(صحبتے با اہل حق صفحہ ۹۰)

حل مشکلات کا وظیفہ: پنجاب سے کچھ مہمان آئے تھے۔ انہوں نے حضرت مولاناؒ سے دعا کی درخواست کی اور مشکلات کے حل ہونے کے لئے وظیفہ مانگا۔ حضرتؒ نے فرمایا:-

"**لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم لا ملجاء ولامنجأ من اللہ الا باللہ**" شب و روز میں کسی وقت بھی روزانہ ۵۰۰ مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا ایک ہی وقت پڑھا جائے۔ وقفے وقفے سے بھی ۵۰۰ مرتبہ کی تعداد ۲۴ گھنٹوں میں پوری کی جاسکتی ہے۔ احادیث میں اسے جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔ جنت آرام وآسائش اور نعمتوں اور بھلائیوں کی جگہ ہے۔ اس وظیفے سے جنت کا راستہ بھی آسان ہوجائے گا اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ مشکلات آسان فرمائیں گے۔ تمام مشکلات کے لئے مفید اور مجرب ہے۔ بعض احباب ایک روز پڑھ کر دوسرے روز نقد ثمرہ مانگتے ہیں، حالانکہ بات ایسی نہیں، یقین، اعتماد علی اللہ اور مداومت لازمی ہے۔ قرضوں کی کثرت، مالی مشکلات، دینی معاملات، تبلیغی اور تصنیفی کام، تعلیمی مشاغل امتحانات میں کامیابی اس کی برکت سے اس نوع کے عقدے اللہ پاک حل فرماتے ہیں۔

حل مشکلات کے لئے ہمارے اکابر نے ایک دوسرا وظیفہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وضو کر کے روزانہ قبلہ رخ ہو کر ۵۰۰، مرتبہ درود شریف پڑھا جائے۔ درود کی کوئی خاص قید نہیں، البتہ درود ابراہیمی تو سب کو یاد ہے اور نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس کا پڑھنا آسان رہے گا۔ ہمیشہ کا یہ عمل بھی حل مشکلات میں مجرب ہے اصل چیز یقین، اعتماد علی اللہ اور مداومت ہے۔
(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۵۹)

ذکر الٰہی کی برکت: ارشاد فرمایا:۔

"ذکر اللہ روحِ کائنات ہے۔ لفظ "اللہ" تمام صفات وکمالات کا جامع ہے جب تک اللہ کا نام لیا جاتا رہے گا، کائنات قائم رہے گی اور قیامت نہیں آئے گی۔ مگر ایک وقت آئے گا، جب الحاد اور دہریت کا غلبہ ہوجائے گا، اللہ کا ذکر اللہ کی یاد دلوں سے اٹھ جائے گی۔ بھولے سے بھی کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا، تب اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا اور قیامت قائم ہوجائے گی۔ گویا عالم کی بقا اور کائنات کے وجود کا دارومدار ذکر الٰہی پر ہے۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۶۲)

سب سے بڑا وظیفہ۔۔۔ اللہ کی ذاتِ عالی پر اعتماد: فرمایا کہ:۔

"قرآن اور حدیث میں اشرار سے حفاظت، شیاطین سے تحفظ اور بچاؤ کے اوراد کثرت سے آئے ہیں۔ سب سے بڑا وظیفہ خدا پر اعتماد والتجا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ صبح سویرے نماز کے بعد بلکہ ہر نماز کے بعد (۱) **بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔** (۲) **اعوذ بکلمات اللہ التامۃ کلھا من شر ماخلق** اور (۳) **معوذ تین** پڑھنے کا معمول بنالینا چاہیئے۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۸۸)

نیک مقاصد کے پورے ہونے کا وظیفہ: روزانہ ۹۰ بار **الملک القدوس** پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیجئے، انشاءاللہ تعالیٰ نیک مقاصد میں کامیابی ہوگی۔
(مولانا قیام الدین الحسینی پنڈداد نخان کو مولانا عبد الحق کا ارشاد کردہ وظیفہ (مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۱۲)

بھوک سے نجات اور دشمن سے حفاظت: ضلع ہنگو سے چند مہمان آئے۔ فقر وفاقہ سے نجات اور دشمنوں سے حفاظت کے لیے وظیفے کی درخواست کی۔ مولاناؒ نے فرمایا:۔

"شب وروز صبح اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ سورہ قریش مع **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ لیا کرو۔ اول وآخر درود شریف کا ورد بھی جاری رکھیں۔ اس سورت میں دو قسم کے امن کا ذکر ہے ایک **امن من الجوع**۔ دوسرا **امن من العدو**۔ قریش کو اللہ پاک نے جوع (بھوک) سے نجات اور امن دیا تھا۔ ساری دنیا بھوکی تھی مگر قریش کو بیت اللہ کے جوار کی وجہ سے تحفے اور نذرانے ملتے تھے۔ اسی طرح اس دور میں پورے عالم میں بدامنی تھی۔ ڈاکے اور لوٹ مار عام تھی۔ مگر قریش کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قرب بیت کی وجہ سے ان کی دست بوسی ہوتی تھی۔ اس سورت میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس بیت کی عظمت اور قربت کے طفیل تمہیں جوع اور عدو سے امن حاصل ہے۔ چاہیے کہ اس بیت کے رب کے

احکام کی اطاعت کی جائے۔رب البیت کی عبادت کی جائے۔رب البیت کے احسان کا شکریہ ادا کیا جائے"۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۲۰)

موذیات سے حفاظت: ارشاد فرمایا:۔

"اگر کسی جگہ موذیات سانپ، بچھو وغیرہ کا خطرہ ہو یا زیادہ ہوں تو پانچ سیخیں لے کر ان پر چالیس مرتبہ ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین پڑھ کر دم کریں اور چار سیخوں کو چاروں کونوں میں اور (ایک سیخ، وسط میں گاڑ دیں، اللہ پاک موذیات کے شر سے اور نقصان سے محفوظ فرمادے گا"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۳۴۰)

خانگی الفت کا نسخہ: ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت! میرے گھر میں افتراق اور ناچاقی رہتی ہے۔ زندگی اجیرن ہے۔ پریشانی میں گزر رہی ہے، اہل خانہ اور کچھ رشتہ دار بے اعتنائی برتتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا۔ یہ ساتھ بازار ہے۔ کسی دکان سے چینی یا کوئی میٹھی چیز لے آئیں۔ وہ صاحب جب شیرینی لے آئے تو مولاناؒ نے شیرینی پر سات مرتبہ مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر دم کیا۔

(۱) هو الذی ایدک بنصره.

(۲) ان الذین آمنوا وعملو الصلحٰت سیجعل لهم الرحمن وداً.

(۳) ومن الناس من یتخذ من دو ن الله انداداً یحبونهم کحب الله والذین امنوا اشد حباً لله.

اور شیرینی واپس کرتے ہوئے فرمایا زوجین میں الفت، خاندان میں اتفاق، اور جائز محبت کے لیے یہ آیتیں تریاق اعظم اور نسخہ اکسیر ہیں۔ یہ آیتیں شیرینی پر دم کر کے خود بھی کھائیں اور متعلقہ افراد کو بھی کھلائیں۔ آیتیں پڑھنے کے بعد دعا بھی مانگنی چاہیے۔ "اللّٰہم الف بین قلوبهم" اے اللہ فلاں کو فلاں سے الفت پیدا کر اور ان میں محبت پیدا کردے"۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۳۳۰)

قوت حافظہ کے لیے: ارشاد فرمایا:۔

"قوتِ حافظہ کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں اہم سبب اپنے اساتذہ کے لئے دعا کرنا بھی ہے۔ جتنا بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا، قوتِ حافظہ میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہے گا"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۶۶)

سورہ فاتحہ۔۔۔۔ ہر بیماری کے لئے شفا: ٹانک سے علماء اور طلبہ کی ایک جماعت حاضر خدمت تھی۔ ایک صاحب نے مختلف بیماریوں کا حال بتا کر وظیفے کی درخواست کی۔ مولاناؒ نے فرمایا:۔

"پانی پیتے وقت، کھانا کھاتے وقت، سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا۔ اس کا نام حدیث میں شافیہ آیا ہے، خود حضور اقدس ﷺ نے امت کو امراض (سے شفا) کے لیے یہی نسخہ ارشاد فرمایا ہے۔ پڑھتے وقت طاق عدد کا خیال رکھیں۔ ایک بار، تین بار، پانچ بار یا سات بار ان الله وتریحب الوتر اللہ تعالیٰ کی ذات وتر ہے اور وتر سے محبت رکھتی ہے"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۷۵)

زبان کھلنے کا وظیفہ: مولانا عبد القیوم صاحب حقانی کے چھوٹے صاحبزادے محمد قاسم کی زبان نہیں کھل رہی تھی جبکہ اس کے ہم عمر بچے باتیں کرتے تھے مولانا حقانی صاحب نے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا تو فرمایا: "زبان کھولنا اور بند کرنا یہ سب اللہ کی قدرت میں ہے۔ شیرینی لے کر ۱۴ مرتبہ "رب شرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من اللسانی یفقھوا قولی" پڑھیں اور شیرینی پر دم کر کے بچے کی زبان کے نیچے رکھ دیا کریں۔ ۱۴ روز تک عمل کریں، اللہ پاک اپنے کلام کی برکت سے زبان کھول دے گا"۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۰۱)

حضرت مفتی محمد حسن نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادے اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم مولانا فضل الرحیم صاحب کو حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے یہ وظائف مرحمت فرمائے:۔

"(۱) برائے دفع شر دشمنان۔ فراخی رزق، ازالہ خوف اور برائے حصول ملازمت فجر اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ قریش ہر مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے۔ اول آخر درود شریف۔

(۲) برائے برکت کاروبار: فجر عشاء کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف گیارہ دفعہ یا مغنی آخر میں پھر گیارہ مرتبہ درود شریف۔

(۳) برائے صحت وعافیت از جملہ امراض: فجر کی دو سنت اور فرض کے درمیان ہر مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سمیت سورہ فاتحہ ۴۱ بار، اس کے پڑھنے میں یہ طریقہ لازماً ملحوظ رکھنا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی "میم" الحمد کے "لام" کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔

(۴) برائے ازالہ ہر قسم کی پریشانی اور حصول اطمینان قلب ومقاصد دنیوی واخروی، فجر ومغرب کے بعد ۳۱۳، مرتبہ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث اول وآخر درود شریف۔

(۵) برائے حل مشکلات ودفع آفات وبلیات: فجر ومغرب کے بعد ۱۲۶ مرتبہ الجبار پڑھیں اول وآخر درود شریف۔

(مولانا عبد الحقؒ نمبر صفحہ ۱۰۷۷)

صحت، قوت اور سلامتی کا وظیفہ: سوات کے مشہور عالم اور عارف باللہ (جنہوں نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی تھی) حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنیؒ ۱۴، مارچ ۱۹۵۸ء کو حضرت مولانا عبد الحقؒ سے ملنے اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ ان کے پاس رسالت مآب ﷺ کا موئے مبارک تھا، جو مدینہ منورہ ہی میں انہیں ان کے کسی عقیدت مند نے دیا تھا، موصوف نے ایک معطر شیشی سے موئے مبارک نکال کر پانی کے گلاس میں ڈالا اور وہ پانی عقید تمندوں کو پلایا۔ چند قطرے سینیٹر مولانا سمیع الحق کو بھی پلائے۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق نے اپنی والدہ ماجدہ کی صحت کے لیے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے یہ وظیفہ ارشاد فرمایا:۔

"یا اللہ یا سلام یا قوی کا ورد روزانہ بعد اہل البدر یعنی ۳۱۳، مرتبہ (اول آخر درود شریف) پھر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس وظیفے کی برکت سے صحت، قوت اور سلامتی نصیب ہو گی"۔ (روایت مولانا سمیع الحق۔ مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۴۷۶)

علم میں اضافے کے لیے: اسی نشست کے دوران حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنیؒ نے مولانا سمیع الحق کو علم میں اضافے کے لیے یہ وظیفہ بھی ارشاد فرمایا:۔

"اللھم نور بالعلم قلبی واستعمل بطاعتک بدنی وبارک وسلم۔۔۔ فرمایا اس وظیفے کا ورد کیا کرو۔

(مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۴۷۶)

وضو کر کے تنہائیوں میں قبلہ رو بیٹھنا اور اللہ کا پاک نام لینا بہت بڑی متاع اور ہر کامیابی کی کنجی ہے۔ محبوب حقیقی سے تنہائیوں میں مل کر دل کی باتیں کہہ دینی چاہئیں۔ یہ کشود کار کا یقینی طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں محبت میں ڈوب کر استحضار قلب کے ساتھ جو بھی اللہ کا ذکر کرے گا، اس کی قسمت کے کواڑ کھل جائیں گے اور "والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا" کے وعدہ ربانی کے مطابق اللہ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہو جائے گا۔ تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا سب سے بہتر طریقہ تہجد کی نماز ہے۔ جو وظائف تہجد کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کی تاثیر بیان سے باہر ہے۔

مولانا عبد الحقؒ کے فضائل کا سرچشمہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دل اللہ کی ذات عالی کو دے دیا تھا۔ وہ گھر میں ہوتے یا سفر میں، شادی میں جاتے یا غمی میں، رات کے پچھلے پہر ہمیشہ جاگ جاتے۔ خاموشی سے وضو کرتے۔ تہجد پڑھتے اور اپنے رب کے حضور گریہ وزاری شروع کر دیتے تھے۔ علامہ قاضی عبد الکریم کلاچی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے حضرت مولانا عبد الحقؒ کے ساتھ ریل میں طویل سفر کرنا پڑا۔ موسم کی گرانی، مسافروں کا ہجوم، پانی کی قلت، سفری صعوبت، وہ کسی چیز کو بھی خاطر میں نہیں لائے۔ رات کے پچھلے پہر اٹھ بیٹھے اور پوری ہمت کے ساتھ تہجد وتلاوت کے معمولات پورے کرنے لگے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں بھی مولاناؒ کا آداب سحر خیزی بجالانا اور رب جمیل کی حمد ومناجات میں ڈوب جانا ایک عجیب وعظیم واقعہ تھا جس سے میری آنکھیں کھل گئیں اور میں سوچنے لگا کہ جب حالت سفر میں مولاناؒ کو اپنے رب کی یادوں کا اتنا اہتمام ہے تو اللہ جانے وہ اپنے گھر میں قیام الیل کا کیسا در با التزام کرتے ہوں گے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ بس مولانا عبد الحقؒ کی تہجد گزاری دیکھ کر اسی دن سے مجھے بھی تہجد کا شرف نصیب ہونے لگا۔

(روایت: مولانا عبد القیوم حقانی۔ مولانا عبد الحق نمبر صفحہ ۲۴۲)

مولانا عبد الحقؒ ایسے ہی تھے۔ انہوں نے ہزاروں طلبہ کو عالم، حافظ، قاری، مفتی اور فقیہ بنا دیا اور بے شمار گمراہوں کو گناہوں کے خارزار سے نکال کر خدا پرستی کے خیاباں میں لاکھڑا کیا۔ اور اس طرح ہم سب کو یہ سبق دے دیا کہ مسلمان جمود کی چیز نہیں ہے، بلکہ انقلابی ہستی ہے۔ ہمارے ماحول میں بدی کا راج ہے مگر ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہمیں خود نیک بننا چاہیئے دوسروں کو ایک بننے کی دعوت دینی چاہیئے اور ایک مومن کے عزم اور مجاہد کی ضرب کے ساتھ بدی کی قوتوں کا تخت الٹ دینا چاہیئے!

مولاناؒ سے آخری ملاقات شیرانوالہ لاہور میں حضرت میاں اجمل قادری کے ہاں ہوئی۔ مجھے دفتر میں پتہ چلا کہ حضرت میاں صاحب نے مولانا عبد الحقؒ کے اعزاز میں ضیافت دی ہے۔ میں جلدی جلدی کام نمٹا کر شیرانوالہ پہنچا اور اس مبارک ومنور ہستی کی زیارت سے پھر شاد کام ہوا جس کی زیارت سے اکوڑہ خٹک میں روشنی اور شادابی حاصل کرتا تھا۔ مولانا عبد الحقؒ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ آس پاس حضرت مولانا سمیع الحق، حضرت مولانا محمد اجمل خان، حضرت میاں اجمل قادری، حضرت مولانا عبد الرحیم اور دیگر علمائے کرام تشریف

فرماتے۔ مجھے حسرت رہی کہ مولاناؒ کی شاخ گفتار سے کوئی پھول جھڑے تو میں اپنے دامنِ سماعت میں سمیٹوں مگر حضرت مولاناؒ خاموش بیٹھے رہے۔ کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ اسی دوران حضرت میاں اجمل قادری نے ایک گلاس، سوڈے کی بوتل انڈیل کر مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولاناؒ نے چند گھونٹ نوش فرمائے اور پھر گلاس حضرت مولانا محمد اجمل خان کو عطا فرمایا۔ مولانا اجمل خان نے دو گھونٹ پیئے پھر دو گھونٹ حضرت میاں اجمل قادری نے نوش فرمائے اور باقی ماندہ گلاس مجھ خاکسار کو مرحمت فرمادیا۔ میں نے یہ سہ آتشہ مقدس جام اپنی خوش نصیبی سمجھ کر پیا۔

ضیافت میں حضرت میاں اجمل قادری نے نہایت نفیس اور خوش ذائقہ مچھلی کا اہتمام فرمایا تھا۔ کھانا کھایا، اور نگاہ پھر اس گوشے کی طرف ڈالی جہاں حضرت مولانا عبد الحقؒ بیٹھے تھے، مگر اب وہاں حضرت مولانا موجود نہیں تھے۔ مجھے حیرت ہوئی، پوچھا تو پتہ چلا کہ مولانا عبد الحقؒ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حجرہ مبارک میں محو عبادت ہیں۔ یہ حجرۂ مبارک مولانا عبد الحقؒ کے لیے خاص طور پر کھولا گیا ہے۔۔۔۔ ولی را ولی می شناسد! کون جانے مولانا عبد الحقؒ، حضرت لاہوریؒ کے حجرۂ مبارک میں کیسے کیسے انوار سمیٹتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ ہر چھوٹے بڑے پر اپنی محبت کی شبنم بکھیرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ آہ! کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ پھر تو!

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی ان سے ملاقات نہ ہونے پائی

میں نے مولانا عبد الحقؒ کو جب بھی دیکھا رفیق اعلیٰ کی جستجو میں بے قرار پایا۔ وہ انسانوں کی بھیڑ میں رہ کر بھی کسی سرد وسنسان تنہائی کے اسیر نظر آتے تھے اور زمین سے زیادہ آسمانی بستی کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ دھیرے دھیرے ہموار اور استوار قدموں کے ساتھ نظر نیچی کئے چلتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی کھوئی ہوئی ملکوتی منزل ڈھونڈ رہے ہیں۔ ۷، ستمبر ۱۹۸۸ء کو بالآخر یہ منزل مل گئی، انہوں نے خیبر ہسپتال پشاور میں یاحی یا قیوم برحمتک استغیث کہہ کر آخری ہچکی لی اور آغوش رحمت میں پہنچ گئے!

اولاد واحفاد حضرت مولانا کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے مولانا سمیع الحق صاحب حضرت کے جانشین حقانیہ کے مہتمم، ماہنامہ "الحق" کے بانی ومدیر اعلیٰ، دار العلوم کے تصنیفی وتالیفی ادارہ مؤتمر المصنفین کے بانی و مہتمم، کئی ایک کتابوں کے مؤلف ومرتب اور بہترین مدرس ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں مجلس شوریٰ کے ممبر بنے، پھر ۱۹۸۵ سے سینٹ کے ممبر چلے آرہے ہیں۔ آپ نے سینٹ میں شریعت بل پیش کیا اور پانچ سال کی مسلسل جدوجہد سے متفقہ پاس کرایا لیکن قومی اسمبلی میں پاس نہ ہوسکا ملک کے صف اول کے دینی وسیاسی رہنما ہیں

دوسرے صاحبزادے مولانا انوار الحق بہاول پور یونیورسٹی میں داخل ہوئے لیکن آخری سال حقانیہ آکر دورہ حدیث شریف کیا۔ ایم۔اے اسلامیات ہیں اور آج کل حقانیہ کے نائب مہتمم ہیں، اچھے مدرس اور منتظم ہیں۔ اپنے والد مرحوم کے حلقہ سے ایم این اے الیکشن بھی لڑا لیکن حلقے میں تبدیلی کردی گئی تھی لہذا ناکام رہے۔

تیسرے بیٹے پروفیسر محمود الحق نے اسلامیہ کالج پشاور سے ایم ایس سی کرکے وہیں ملازمت کرلی۔ ۱۹۸۷ء میں اوسلو سے ماحولیات کا کورس کیا۔ چوتھے بیٹے مولانا اظہار الحق تجارت کرتے رہے لیکن مہتمم صاحب کے معاون اور اپنے ادارے کے مطبع اور دوسرے ایسے ہی امور کے ناظم ہیں۔ حقانیہ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہاں کے فضلاء نے افغانستان میں ہتھیلی پر جان رکھ کر کام کیا اور بہترین فوجی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ کئی شہید ہوئے۔ یہ حقانیہ اور حقانیہ کے فضلاء کو بہت بڑا کریڈٹ جاتا ہے۔

قطعہ سالِ وفات

[illegible] حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب [illegible]

از: حافظ محمد ابراہیم فانی

اے	مغفورہ	وکیل	
۱۱	۱۳۳۱	۶۶	۱۴۰۸ھ

اے کہ تیری موت آئی صد پریشانی کے ساتھ
درد و غم کرب و الم اور خانہ ویرانی کے ساتھ

شہرِ دل پر یا خدا یہ ماجرا کیا ہو گیا
حملہ زن ہے لشکرِ غم فتنہ سامانی کے ساتھ

اے خداوندا ہمیں توفیقِ ضبطِ غم بھی دے
موت گو ہے لازمہ اک نسلِ انسانی کے ساتھ

صدمۂ فرقت نہیں یہ فردِ واحد کے لیے
آسماں بھی گریہ زن ہے بزمِ حقانی کے ساتھ

موت تھی "اللہ" تیری کس قدر رشک آفریں
جب اُٹھا تیرا جنازہ کیفِ جدائی کے ساتھ

مہبطِ انوارِ حق ہو آپ کا خاکی مزار
حشر تک ہو رحمتِ حق کی نگہبانی کے ساتھ

اے کہ تو مغفورہ مولا وکیلِ کائنات
تیری تربت ہو منور لطفِ ربانی کے ساتھ

نالہ زن تنہا نہیں ہیں آپ مولانا سمیع
مرثیہ خواں ایک عالم بھی تو ہے فانی کے ساتھ

امن کا سائبان تھے عبدالحقؒ

مولانا محمد طاہر اطہر، مدرس جامعہ فاروقیہ، شیخوپورہ

آیئے دیدہ ور کا ذکر کریں
بے بدل رہبر کا ذکر کریں

ساتھیو! جو بچھڑ گیا ہم سے
آج اسی ہم سفر کا ذکر کریں

دین حق کی زبان تھے عبدالحقؒ
ایک سیلِ رواں تھے عبدالحقؒ

رہبر رہبراں تھے عبدالحقؒ
ملک کے پاسباں تھے عبدالحقؒ

جو بھی آیا اسے پناہ ملی،
امن کا سائباں تھے عبدالحقؒ

ان کا ثانی نہ تھا سیاست میں
بے بدل نکتہ داں تھے عبدالحقؒ

دل کی گہرائیوں میں رہتے تھے
کیونکہ شیریں زبان تھے عبدالحقؒ

وہ خزینہ تھے علم وحکمت کا
علم کی کہکشان تھے عبدالحقؒ

عصر حاضر کا اوّل و آخر
ترجمان قرآن تھے عبدالحقؒ

سر بہ خم دہریت رہی ہردم
ایک آتش فشان تھے عبدالحقؒ

جس میں خم نہیں تھا نہ تھی کہیں پستی
وہ بلند آسمان تھے عبدالحقؒ

فتح الصمد بنظم اسماء الاسد

المعروف بلقب

نظم الفقیر الرّوحانی فی رثاء الشیخ عبد الحقّ الحقانی

للعبد الفقیر محمد موسیٰ الرّوحانی البازی

(عفا اللہ عنہ وعافاہ)

استاذ الحدیث والتفسیر بالجامعۃ الاشرفیۃ ۔ لاہور باکستان

حضرت مولانا عبد الحق ؒ صدرِ مملکت سے لیکر ان سے تعلق رکھنے والے علما زعما کے ملک اور بیرون ملک سے اتنے تعزیتی پیامات آئے اور اخبارات نے اتنا کچھ لکھا کہ اس کا احاطہ مشکل ہے ۔ اس کے لیے "الحق" مولانا عبد الحق نمبر" مطالعہ فرمائیے ۔ یہاں حضرت مولانا کا طویل قصیدہ ملاحظہ فرمائیے ۔ جو نمبر سے بطور شکریہ نقل ہے ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّابَعْدُ۔ یہ چند فوائد ہیں۔ قصیدہ رثائیہ = فتح الصمد بنظم اسماء الاسد ملقب بہ = نظم الفقیر الرّوحانی فی رثاء الشیخ عبد الحق الحقانی۔ کے پڑھنے سے قبل ان کا مطالعہ کرنا موجب بصیرت و دافع اشکالات ہے۔ ان فوائد کے مطالعہ کے بغیر قصیدہ ہذا کے پڑھنے والے کو کئی اشکال درپیش ہو سکتے ہیں

فائدہ ۱ = عربی زبان سلطان لغات و امیر السنہ ہے۔ اُس کے خصائص و فضائل بے شمار ہیں۔
عربی زبان کے بیشمار خصائص اور فضائل میں سے ایک خاص فضیلت اُس کی وُسعت ہے۔ اس کا دائرۂ الفاظ و کلمات نہایت وسیع ہے۔
بعض اشیاء کے عربی زبان میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں نام ہیں مثلاً عربی زبان میں تلوار کے تقریباً پچاس[۵۰] نام ہیں اور شہد کے اسّی[۸۰] نام ہیں۔ ابن خالویہؒ نے سانپ کے ناموں میں مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں سانپ کے تقریباً دو سَو نام جمع ہیں۔
اسی طرح ابن خالویہؒ اور علامہ صاغانیؒ نے شیر کے اسماء میں مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ یہ کتب اِس وقت دُنیا میں مفقود اور عنقاء ہیں۔ اِن کتابوں کے صرف نام بعض کتابوں میں ملتے ہیں۔
علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ ابن خالویہ کے قول کے مطابق شیر کے پانچ سَو اسماء ہیں اور بعض ائمہ لغت نے شیر کے مزید ایک سَو تیس[۱۳۰] اسماء ذکر کیے ہیں۔
جس زبان میں ایک شے کے کئی سو اسماء ہوں اُس زبان کے الفاظ و کلمات کا دائرۂ وُسعت عقل سے باہر ہے۔ صاحب قاموس نے اس سلسلہ میں ایک عجیب و لطیف کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے
الروض المسلوف فیما له اسمان الی اُلوف۔

فائدہ ۲ = میرا یہ قصیدہ رثائیہ بے نظیر و بے مثال ہے۔
قصائدِ سلف وخلف میں اس کی مثال کسی کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔

اِس قصیدے میں چھ سَو سے زیادہ اسمار اَسد و متعلقاتِ اسمار اسد جمع ہیں۔
کسی قصیدہ میں اتنے اسمار جمع کر کے موزون و منظوم کرنا نہایت مشکل اور بہت دشوار کام ہے۔
الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق بخشی۔ فللہ الحمد والمنّۃ
اُمید ہے کہ اس قصیدہ کے مطالعہ سے اور پڑھنے سے شائقینِ علم ادب کی معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوگا۔

فائدہ ۳ ۔ قصیدۂ ہٰذا میں مذکور اسمارِ اسد کا مصداق اور محمل حضرت العلّامہ شیخ المشائخ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ انسان پر شیر کا اور شیر کے اسمار کا اطلاق بطورِ مدح وثنا کے عقلاً و لغۃً وعُرفاً و شرعاً بطریقۂ تشبیہ اور استعارہ کے باذکرِ حرفِ تشبیہ اور بغیر ذکرِ حرفِ تشبیہ عرب و عجم میں رائج ہے اور اس اطلاق سے مُشَبَّہ کے کمالات واَوصافِ عالیہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں = زیدٌ کالاَسَدِ" یعنی زید شیر جیسے ہے و" زیدٌ اَسَدٌ" یعنی زید شیر ہے۔
شرعاً بھی کسی انسان پر شیر کا اطلاق یا شیر کے نام سے اس کی تلقیب جائز بلکہ مُستحسن ہے اور موجب فخر ومسرت ہے۔
دیکھیے نبی علیہ السلام نے اپنے عم حمزہ رضی اللہ عنہ کا لقب اَسدُ اللہ رکھا تھا، اَسد اللہ کا معنی ہے خُدا کا شیر۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لقب اَسدُ اللہ الغالب رکھا گیا تھا۔
صحیح مُسلم میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسند احمد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت موجود ہے جسمیں اَبُوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اَسدُ اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور کُتبِ حدیث میں بھی یہ روایت موجُود ہے۔ یہ روایت سلَبِ مقتول سے متعلق ہے۔ بعض روایات کے الفاظ یُوں ہیں۔ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ کلا واللہ لا نعطیہ لأُضَیبِعٍ من قریش وندع اَسَدًا من اُسْدِ اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ۔

اسی طرح ہر زبان اور قوم کا حال ہے، ہمارے زمانے کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسان کی عظمت اور غایت بلندی کا بیان مقصود ہو تو کہتے ہیں کہ یہ شخص قوم کا شیر ہے یا ملک کا شیر ہے یا شیرِ علم ہے یا شیرِ انسانی ہے یا دین کا شیر ہے یا اسلام کا شیر ہے۔

عجمی اضافت وترکیب والے مشہورِ زمانہ محبوب ومقبول دو نام سب کو معلوم ہیں یعنی شیر احمد اور شیر محمد۔

فائدہ ۴ = نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے دو چچے شیر کے نام سے موسوم تھے یعنی حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہما، حمزہ اور عباس شیر کے اسماء میں سے ہیں۔ شیر کے لیے یہ شرف اور عظمت کافی ہے کہ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر عم اس کے اسماء سے موسوم تھے، اور سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کئی مرتبہ انھیں حمزہ وعباس ہی کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شیر کے اسم حَیدَرَہ سے موسوم تھے اور فخر ومباہات کے وقت اپنے اس اسم کو بطورِ فخر ذکر کیا کرتے تھے۔ جنگِ خیبر میں مُرحَّب یہودی کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بطورِ فخر فرمایا کہ مَیں حیدرہ (شیر) ہُوں۔ میری ماں نے میرا یہ نام رکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ خیبر میں بطورِ فخر یہ شعر پڑھے۔

= انا الَّذِی سَمَّتنِی اُمّی حَیدَرَہ   کلَیثِ غاباتٍ کَرِیہِ المنظَرَہ =

= اَکِیلُھم بالسَّیفِ کیلَ السَّندَرَہ =

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کا شیر کے اسم سے موسوم ہونا یا ملقب ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اور اسلام میں اور سارے عرب میں نہایت فخر اور مسرّت کا باعث تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد اُبو طالب غائب تھے تو والدہ نے انھیں اپنے باپ کے نام کی رعایت سے اسد یا حیدرہ سے موسوم کیا، آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کے باپ کا نام اسد تھا سفر سے واپسی پر اُبو طالب نے آپ کا نام عَلِیؓ رکھا۔

فائدہ ۵ = کُتبِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیر کے اسماء سے موسوم یا موصوف یا ملقب ہونا ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں خصوصاً عرب میں نہایت مستحسن سمجھا جاتا تھا اور آج کل بھی مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عرب میں کئی اشخاص اپنے بیٹوں کو شیر کے نام سے موسوم کرتے تھے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کئی افراد شیر کے مختلف ناموں سے موسوم تھے مثل اسامہ، حمزۃ، عباس، حیدرہ یعنی علی بن ابی طالب، مرثد، حارث، عابس، عنبس، عنبسۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ سب شیر کے اسماء (نام) ہیں۔ عابس چار صحابہ کا۔ عَنبَس ایک یا دو کا اور عبّاس تقریباً گیارہ صحابہ کا نام ہے،

عَنبَسة سے تینؓ سے زیادہ صحابہؓ موسوم ہیں، اسامة سے تقریباً سات صحابہؓ موسوم ہیں۔ اَسَد بارہ صحابہؓ کا نام ہے، حمزة سے چھؓ صحابہؓ موسوم ہیں۔ بعض ائمہ نے چھؓ سے زیادہ ذکر کیے ہیں، حارث تقریباً ایک سَو ستاون ۱۵۷ صحابہؓ کا نام ہے۔ حارث شیر کے مشہور اسمار میں سے ہے۔

استقصار مقصود نہیں۔ بطور نمونہ صرف چند اسمار کا ذکر کیا گیا۔

فائدہ ٦ = قصیدہ ہٰذا میں مذکور اسمائے اسد میں سے بعض کے ساتھ تار ملحق ہے مثل حَیدَرَة حَمزَة، هَرثَمَة، عَنبَسة، قَسوَرَة، ضُبارِمَة، هَوَاسَة، فُصافِصة، رَزامة وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسمار ذوات التار مذکر ہی ہیں نہ کہ مؤنث۔ لہٰذا کسی مرد پر مقام مدح وثنار میں ان ذوات التار اسمار اسد کے اطلاق میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

کلامِ عرب میں نظماً ونثراً رجال (مرد) کی مدح وثنار میں ذوات التار اسمار اسد کا استعمال رائج وشائع ہے۔ اس تار کے بارے میں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ یہ تار تانیث نہیں ہے تاکہ رجال پر ان اسمار کے اطلاق میں اشکال پیدا ہوجائے بلکہ وہ تار مبالغہ ہے مثل رجل علامة ای کثیر العلم ورجل راویة ای کثیر الروایة۔

یا یہ تار نقل من الوصفیة الی الاسمیة کے لیے ہے، یا یہ تار وحدت ہے یعنی وہ جو جنس اور واحد جنس کے فرق پر دال ہوتی ہے مثل تمر وتمرة وبقر وبقرة، یا یہ تار علامت تذکیر ہے مثل تار عدد ثلاثة تا عشرة۔ کہتے ہیں ثلاثةُ رجالٍ بالتاء = یعنی مذکر کے لیے تار لا اضری ہے اور کہتے ہیں = ثلاثُ نِسوَةٍ = بغیر التاء، یعنی مؤنث کے لیے تار کے بغیر یہ عدد مستعمل ہوتا ہے۔

حافظ سیوطیؒ ہمع الهوامع ج ۲ صلا پر لکھتے ہیں انواعِ تار بیان کرتے ہوئے وقد یلحق التاء للدلالة علی التذکیر کما فی الاعداد من ثلاثة الی عشرة، انتہی۔

بہرحال یہ اسمارِ اَسد جو ذوات التار ہیں مذکر پر اور بطور استعارہ ومجاز مرد پر ان کے اطلاق کا صحیح ہونا شک وشبہ سے بالا ہے۔ اہلِ لغت نے تصریح کی ہے کہ یہ اسمار مذکر ہیں نیز ان کی طرف ضمیر مذکر راجع ہوتی ہے۔ نیز ان کی صفت مذکر ہی مستعمل ہوتی ہے کما لا یخفی علی من طالع کتب الادب۔ اس لیے عرب مقام مدح وتسمیہ میں استعارةً وتشبیہاً مرد کو ان سے موصوف وموسوم کرتے رہتے ہیں۔ نیز حضرت علیؓ اور

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا حیدرۃ وحمزۃ سے اور اسی طرح بعض صحابہؓ کا عنبسۃ سے موسوم ہونا ان اسماء کے مذکر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگر یہ اسماء مؤنث ہوتے اور تانیثِ مسمّٰی پر دال ہوتے تو ان سے مرد موسوم نہ ہوتے۔

الغرض یہ اسماء ذوات التاء بلاریب مذکر ہی ہیں اور ان میں تاء کا وجود تانیث کی علامت نہیں ہے تاء کئی الفاظ میں تانیثِ مسمّٰی کی بجائے صرف تانیثِ لفظی کے لیے مفید ہوتی ہے مثل نملۃ وبقرۃ۔ اور بعض الفاظ میں تو تاء تانیث لفظی کے لیے بھی مفید نہیں ہوتی مثل علامۃ وراویۃ وحُجّۃ ورُحلۃ و داھیۃ وباقعۃ۔ بڑے عالم کی مدح میں کہتے ہیں عالمٌ حُجّۃٌ وعالمٌ رُحلۃٌ۔ یعنی وہ حجّت ہے مسائل میں اور لوگ دُور دراز علاقوں سے اس کے پاس آتے ہیں۔ لفظِ رَبْعۃ (درمیانے قد والا) بھی ایسا ہی ہے۔ درمیانے قد والے مَرد کے بارے میں کہتے ہیں رجلٌ رَبْعۃ ومَربوع۔ شمائل ترمذی کی حدیث ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَبْعَۃً یعنی نبی علیہ السلام متوسط قد والے تھے نیز نہایت دانا و ذہین مرد کی مدح میں کہتے ہیں رجلٌ داھیۃٌ وباقعۃٌ۔ پس حُجّۃ۔ رُحلۃ رَبْعۃ۔ باقعۃ۔ داھیۃ میں تاء موجود ہے لیکن مرد پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ چند سطور قبل معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک نام حیدرۃ تھا حیدرۃ میں تاء ہے۔ اسی طرح حمزۃ میں بھی تاء ہے اور یہ نبی علیہ السلام کے چچے کا نام ہے۔ اگر یہ تاء تانیث کے لیے ہوتی تو حمزۃ وحیدرۃ سے مَرد موسوم نہ کیے جاتے۔

بہرصورت یہ اسماء ذوات التاء مادۂ شیر کے لیے وضع نہیں ہیں اور نہ مادۂ شیر کے ساتھ وہ مختص ہیں۔ لہٰذا قصیدہ ہٰذا میں مرد کے لیے ان ذوات التاء اسماء کے استعمال سے اور مَرد پر ان کے اطلاق سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

مادۂ شیر کے لیے چند خاص نام ہیں، یعنی اللبوءۃ۔ بلغاتھا الکثیرۃ۔ العِرس بکسر العین وسکون الراء۔ ان دونوں کا معنٰی ہے شیر کی مادہ ای اُنثیٰ الاسد، والخُنابِسۃ۔ یعنی حاملہ شیرنی۔ اُمّ القشعم۔ اُمّ الحارث۔ الأسَدۃ وغیرہ۔

فائدہ ۷ ۔ اسماء اجناس واعلام کے بارے میں مُسلّم قانون ومعروف ضابطہ ہے کہ ان میں صرف

مدلول و مسمّٰی پر دلالت مقصود ہوتی ہے اور ان کے اطلاق و استعمال سے صرف مسمّٰی اور مصداق کا امتیاز مطلوب ہوتا ہے۔ بوقت استعمال و اطلاق ان کا اشتقاقی معنی مُراد نہیں ہوتا اور نہ اشتقاقی معنی کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ ورنہ بہت سے اسماء میں اشکالِ معنوی پیدا ہوگا اور اپنے اپنے مدلول و موضوع لہ معنی پر ان کا اطلاق و حمل مشکوک ہو جائے گا۔

دیکھئے عربی میں سانپ کے ڈسے ہُوئے کو سلیم اور جنگل یعنی درندوں کے مسکن کو مفازۃ کہتے ہیں، اپنے معنی موضوع لہ پر دونوں لفظوں کے اطلاق اور حمل میں کوئی گنجلک نہیں ہے لیکن اگر اشتقاقی معنی و مأخذ کی رعایت اور تصور کیا جائے تو پھر اپنے موضوع لہ پر ان کی دلالت مشکل ہوگی، کیونکہ سلیم کا مأخذ سلامۃ ہے اور مفازۃ کا مأخذ فوز (کامیاب ہونا) ہے اور ظاہر ہے کہ جنگل یعنی درندوں کا مسکن کامیابی کی جگہ نہیں بلکہ اس میں بیشمار خطرات درپیش ہوتے ہیں، اسی طرح سانپ کا ڈسا ہوا سلامتی سے بہت دُور ہوتا ہے۔ یہ ایک تمہید کا بیان تھا۔

اس تمہید کے پیشِ نظر میں کہتا ہُوں کہ قصیدۂ ہذا میں اسماءِ اَسد کا ذکر صرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ شیر کے اسماء ہیں اور ان سے شیر ہی کے معنی پر دلالت اور اطلاق مُراد ہے (اور پھر بطورِ تشبیہ یا استعارہ و مجاز کے مدح و ثنا کی خاطر ان کا اطلاق حضرت مولانا شیخ الحدیث مرحوم پر ہُوا ہے) ان اسماء اُسدیہ میں یہاں پر اشتقاقی معنی ملحوظ و مُراد نہیں ہے اور نہ اشتقاقی مأخذ و مفہوم کی طرف ان میں اشارہ مقصود ہے تمام اسماءِ اَجناس و اَعلام کے بارے میں مذکورہ صدر مسلّم و معروف قانون و ضابطے کے مطابق یہ اسماء اِس قصیدہ میں مستعمل ہوئے ہیں۔ ان میں اشتقاق کی رعایت اور تصور ہرگز درست نہیں ہے ورنہ بہت سے اسماء کے اطلاق میں باعتبار معانی و مفاہیم بڑا اشکال پیدا ہوگا اور اپنے مدلول و موضوع لہ پر ان کا اطلاق اور حمل مشکوک ہو جائے گا۔

دیکھئے۔ عباس شیر کا نام ہے اور شیر ہی کی مناسبت سے بطور مدح و تعظیم کے نبی علیہ السّلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس سے موسوم تھے۔

لیکن اشتقاق از مأخذ سے یہ نام موجب ہجو و مستلزم مذمت و قباحت ہے اور قبیح معنی والا نام شرعاً و عرفاً مستحسن شمار نہیں ہوتا۔ عباس کا مأخذ عَبَس ہے اور عَبَس کا معنی ہے ترش رُو ہونا، جبین بجبیں

ہونا، اور شریعتِ اسلامیہ میں طَلاقتِ وَجْہ (کُشادہ رُوئی) مَامُور ہے اور عبوستِ وَجہ (تُرش رُوئی) مستکرہ ہے۔

اسی طرح حمزۃ شیر کا نام ہے، یہ نبی علیہ السلام کے چچا سید الشہدا کا نام ہے۔ اشتقاقی معنی کی رعایت و تصور کے بغیر صرف شیر پر دلالت اور اس کے نام ہونے کی وجہ سے یہ نہایت پیارا نام مستحسن محبوب اور موجب مدح و ثنا والا نام شمار ہوتا ہے لیکن اشتقاقی معنی اور اس کے مَاخذ کے مفہوم کا اگر تصور کیا جائے تو اس نام میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی بلکہ وہ قبیح اسما میں داخل ہو جاتا ہے۔ حمزۃ کا مَاخذ حمز ہے حمز کا معنی ہے کسی بد ذائقہ تُرش چیز کا زبان پر برا اثر ڈالنا یعنی چرپراہٹ ڈالنا۔

الغرض مذکورہ صدر قانون و ضابطہ کے پیشِ نظر اس قصیدۂ رثائیہ میں بطورِ مدح و ثنا شیر کے اسما کا استعمال ہوا ہے۔

لہٰذا اِس قصیدے کے قاری و ناظر کو چاہیئے کہ اس کے پڑھنے اور مطالعہ کے وقت حضرت شیخ محترم شیخ الحدیث مرحوم پر اسماءِ اَسد (شیر کے نام) کے اطلاق و حمل میں مذکورہ صدر ضابطہ و قانون کو مدِ نظر رکھے۔ اور اشتقاقی معنیٰ اور مَاخذ کے مفہوم سے قطع نظر کرے۔ کیونکہ اس قصیدہ میں ان اسما کا ذکر صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ وہ صرف اَسد کے معنی (شیر) پر دلالت کرتے ہیں۔ البتہ جن اسماءِ اسد میں شیر پر دلالت کے ساتھ ساتھ اشتقاقی معنی بھی متبادر الی الذہن ہو اور مَاخذِ اشتقاقِ اسم کی طرف ذہن کا انتقال تقریباً لازم یا غالب ہو اور مَاخذِ اشتقاق کا مفہوم بظاہر نامناسب ہو اور کسی بزرگ انسان پر ان کا اطلاق و حمل موجب مدح ہونے کی بجائے مُوہِم سوءِ ادب ہو مثل جاھل، کلب، شتیم، مُشَتّم، عجوز، جرو عفریت، حیۃ الوادی، مُزمِل، اخنس، کَرِیْہ (یہ سب شیر کے اسما ہیں) تو اِس قسم کے اسما کا اطلاق قصیدۂ ہذا میں اعداءِ دین و فساق پر کیا گیا ہے۔

اسی طرح مادہ یعنی شیرنی سے مختص اسما مثل لبوۃ، عِرس، خُنابسۃ (حاملہ شیرنی) اُمّ القشعم، اُمّ الحارث وغیرہ اَسما کا مصداق بھی اَعداءِ دینِ اسلام ہی کو بنایا گیا ہے۔ دیکھئے۔ وکنتَ تجاھِدُ الفُسّاقَ الخ شعر ۱۵۵ تا ۱۶۳۔

فائدہ ۸ = اس قصیدہ میں مذکور اسماءِ اَسد عموماً اَخبار ہیں مبتدا مذکور یا مبتدا محذوف کیلئے۔

بتدأ محذوف ضمیر "هو" ہے جو مرثی یعنی حضرت شیخ الحدیث مرحوم کو راجع ہے، نیز یہ از قبیل عدّ الاسماء والأوصاف بھی ہیں اور بتدأ واحد وموصوف واحد کے اوصاف کثیرہ و اخبار کثیرہ کے ذکر اور طریقۂ عدِ اسماء و اوصاف میں ترکِ حرفِ عطف بھی جائز ہے اور ذکر حرف عطف بھی درست ہے۔ بالفاظِ دیگر ایسے موقع پر دونوں طریقے یعنی ذکر حرفِ عطف و ترکِ حرفِ عطف کلام فصیح و بلیغ میں عند القدماء والمتاخرین رائج و شائع ہیں اور دونوں طریقے بلیغ و مستحسن سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ قصیدۂ ہٰذا میں بھی اسماءِ اُسد کے ذکر میں ان دونوں طریقوں پر عمل کیا گیا ہے۔ گاہے حرفِ عطف ذکر کیا گیا اور گاہے ترک کیا گیا۔

اسی طرح قصیدہ ہٰذا میں مذکور دیگر اوصافِ مدح و احوالِ ثنا میں بھی مذکورہ صدر معروف ومسلم عند البلغاء طریقے پر عمل کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی اسماءِ اُسد کی طرح یا تو اخبار ہیں یا صفات ونعوت۔ چنانچہ گاہے ان اوصاف واحوال میں ذکر حرفِ عطف پر اور گاہے ترکِ حرفِ عطف پر عمل کیا گیا۔ نیز اسماءِ اُسد کی مناسبت وجوار کے پیشِ نظر دیگر اوصافِ مدحیہ میں ترکِ حرفِ عطف کے طریقہ پر عمل مزید مقبول و مستحسن شمار ہوگا۔

فائدہ ۹ = بعض اسماءِ اُسد غیر منصرف ہیں مثل اُسامۃ۔ فرافِصۃ۔ اور غیر منصرف پر دخولِ تنوین وجرّ اگرچہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے عند القدماء والمتاخرین رائج ہے لیکن قصیدہ ہٰذا میں اس ضرورتِ شعری سے حتی الوسع اجتناب واحتراز کیا گیا ہے۔ اس لیے اسماءِ غیر منصرفہ کو عموماً مضاف کرکے مستعمل کیا گیا ہے مثل فُرافِصةُ المُهَيمِن، اُسامةُ رَبِّنا۔

فائدہ ۱۰ = قصیدۂ ہٰذا غریب و بدیع طریقۂ ارتقاءِ تدریجی پر اور تفننِ بیان وتنوّعِ اسلوب پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اولاً مطلق اشعارِ مدح و رثاء کا ذکر ہے پھر ساتویں شعر کے کلمۂ قافیہ میں بطریق بدیع ذکرِ اسماءِ اُسد کی طرف انتقال کیا گیا ہے۔ پھر آٹھویں شعر کے مصرعۂ ثانیہ جو دو اسماءِ اسد پر مشتمل ہے اس انتقالِ بدیع کا بدائع وحسین ومربوط تتمہ ہے۔ پھر اسماءِ اسد پر مشتمل صرف دو اشعار کا ذکر ہے نہ کہ زیادہ اشعار کا۔ پھر رجوع الی اوصاف المدح کے طور پر ایک شعر کا ذکر ہے تاکہ محض اوصافِ مدح سے یکلخت انتقال نہ ہو جائے۔ اوصافِ مدحیہ کے یکلخت ترک سے ذہن پر بوجھ پڑ سکتا ہے اس لیے رجوع پر عمل کیا گیا۔

پھر اسماءِ اسد پر مشتمل تین اشعار کا ذکر ہے، پہلے اسماءِ اُسد کے دو اشعار تھے اور اب تین کر دیے گئے تاکہ اسماءِ اسد والے اشعار میں تدریجی زیادت اور تدریجی ارتقاء سے قاری وناظر کا ذہن آہستہ آہستہ و تدریجاً

تصوّرِ اسماءِ اَسد سے مانوس اور وابستہ ہوتا جائے۔

پھر محض اوصافِ مدحیہ (خالی از اسماءِ اسد) کی طرف حسبِ اشتیاقِ ذہنِ ناظر و قاری رجوع کر کے چار اشعار کا ذکر ہے۔

پھر چار اشعار (پہلے تین اشعار تھے) اسماءِ اسد والے ہیں =

پھر محض اوصافِ مدح (خالی از اسماءِ اسد) پر مشتمل پانچ اشعار کا ذکر ہے =

پھر چھ اشعار (پہلے چار تھے) وہ ہیں جو اسماءِ اسد و اسماءِ متعلقاتِ اَسد پر مشتمل ہیں۔

پھر تین اشعار وہ ہیں جو اسماءِ اَسد کے ذکر سے خالی ہیں اور دیگر احوال و اوصافِ ثنا و تعریف پر مشتمل ہیں۔ بعدہ پانچ اشعار وہ ہیں جو اسماءِ اسد پر مشتمل ہیں۔

بعدہ چار اشعار اسماءِ اسد سے خالی ہیں۔

بعدہ سات اشعار اسماءِ اسد پر مشتمل ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ کبھی اسماءِ اسد والے اشعار کا اور کبھی دیگر احوال و اوصاف والے اشعار کا ذکر ہے۔

فائدہ ۱۱ = برائے تعمیمِ فائدہ و تسہیلِ فہم اس قصیدے کے ساتھ اس کا اُردو ترجمہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ ترجمہ کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ متعدد اشعار میں تحت اللفظ ترجمہ کی بجائے مُرادی ترجمہ پر اکتفار کیا گیا ہے۔

یہ قصیدہ غریبہ عجیبہ بحرِ وافر مثمّن سے ہے۔ بحرِ وافر کا مشہور وزن چھ بار مفاعلتن ہے۔ یعنی یہ بحر عموماً مسدّس مستعمل ہوتا ہے تاہم مثمّن بھی مستعمل ہوتا ہے۔ قصیدۂ ہذا میں یہ بحر مثمّن ہے۔ کئی بحور مسدّسہ کا مثمّن مستعمل ہو شعراء و بلغاء کے نزدیک رائج و مقبول ہے۔

حافظ شیرازیؒ کے مشہور دیوان کا پہلا حصہ اور پہلے شعر کا پہلا مصرع عربی و مثمّن ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

الَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی اَدِرْ کَاْسًا وَّنَاوِلْهَا

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

یہ مصرع بلکہ یہ ساری ابتدائی نظم بحرِ ہزج مثمّن میں سے ہے۔ بحرِ ہزج عموماً مسدس ہوتا ہے یعنی اس کا وزن ہوتا ہے مفاعیلن چھ مرتبہ۔

لیکن دیوانِ حافظ شیرازی کی پہلی نظم بحرِ ھزج مثمن سے ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بحر وافر مثمن سے ہو۔
میرے اِس قصیدہ کے بارے میں قارئین یہ بات ملحوظِ نظر رکھیں کہ جابجا اس میں مفاعلتن
بسببِ عصب کے مفاعیلن ہوگیا ہے۔ عَصَب کا معنی ہے اِسکانُ حرفٍ خامسٍ
متحرکٍ ۔ اسی طرح حسب قوانینِ علمِ عروض اس میں بعض دیگر تصرفات از قبیل زحاف وعلل بھی
واقع ہوئے ہیں۔

فائدہ ۱۲ = یہ امر نہایت مسرت وخوشی کا باعث ہے کہ بندہ عاجز اس قصیدہ کے نظم وتہذیب
سے حرم شریف میں اقامت کے دوران فارغ ہُوا۔ یعنی منیٰ میں مسجد خیف کے قریب رابطۂ عالم اسلامی
کے دارالضیافۃ میں بروز سبت وبتاریخ ۱۲ / ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۳ / جون ۱۹۹۲ء اس قصیدہ کی
ترتیب ونظم کی تکمیل ہوئی۔

اِس وقت یہ بندہ عاجز حج مبارک کے سلسلے میں اپنے کنبہ سمیت رابطۂ عالم اسلامی کے دارالضیافۃ
میں مقیم ہے۔ اِس وقت میرے پاس کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ سفر کی وجہ سے اور لوگوں کے شدید ازدحام
کی وجہ سے کسی کتاب کا حصول نہایت مشکل کام ہے۔

اس قصیدہ کا نام رکھتا ہوں۔ فتح الصمد بنظم أسماء الأسد۔

اور لقب وعُرف = نظم الفقیر الرّوحانی فی رثاء الشیخ عبد الحق الحقانی = رکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

نزیل منیٰ۔ الفقیر مُحَمّد مُوسیٰ الرّوحَانی البَازی عفا اللہ عنہ

استاذ الحدیث والتفسیر بالجامعۃ الاشرفیۃ

لاھور۔ باکستان

یوم السبت ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

فتح الصمد بنظم اسماء الأسد

نظم الفقير الروحانی في رثاء الشيخ عبد الحق الحقانی

قصيدة فريدة لا نظير لها في الماضي قد جمعت فيها ما ينيف على ستمائة من اسماء الاسد وما يتعلق بالاسد وهي رثاء المحدث الكبير مسند العصر جامع المعقولات والمنقولات شيخ الحديث

مولانا عبد الحق رحمه الله تعالیٰ

مؤسس جامعة دار العلوم الحقانية ببلدة اكوره ختک
المتوفى يوم الاربعاء ٢٤ محرم ١٤٠٩ھ ٧ ستمبر ١٩٨٨م

فرغت من نظم هذه القصيدة اليتيمة واكمالها في منى الارض المباركة والحرم الشريف ساعة خمس ونصف مساء يوم السبت بتاريخ ١٢ ذوالحجة من سنة ١٤١٢ھ ١٣ يونيو من سنة ١٩٩٢م . وذلك بعد ما فرغنا من اداء اكثر مناسك الحج

وكنت مقيمًا مع عائلتي كلها في دار الضيافة لرابطة العالم الاسلامي . بمنى

الفقير الى الله محمد موسى الروحاني البازي (عفي عنه)
أستاذ الحديث والتفسير بالجامعة الأشرفية
لاهور - باكستان

نزيل منى - يوم السبت ١٢ ذوالحجة ١٤١٢ھ ١٣ يونيو ١٩٩٢م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غم اور آنسو کے چند منظوم کلمات

رثاء المسند الرحلة الحجّة

الشّیخ عبد الحق رحمہ اللہ

مؤسّس دار العلوم الحقّانیّة باکورہ ختک

من العبد الفقیر محمد موسیٰ الروحانی البازی الاستاذ بالجامعة الاشرفیة لاہور

(۱)

① خَلِیلَیَّ ابْکِیَا اِذْ بَانَ مُسْنِدُنَا وَقَیِّمُنَا

اے میرے دو حبیبو. گریہ وفغاں کرو. کیونکہ ہمارے عظیم محدث اور سرپرست ہم سے جدا ہوئے۔

وَلَهْفِیْ۔ آہِ۔ مَاتَ الشَّیخُ عَبدُ الحَقِّ اَکرَمُنَا

ہائے افسوس. کہ ہمارے محترم و مکرم مولانا شیخ عبد الحقؒ وفات پاگئے

② قِفَا نَبْكِ الَّذِی قَدْ کَانَ یُرْشِدُنَا وَیَنْصَحُنَا

اے دو دوستو ٹھہرو تاکہ غم کے آنسو بہائیں اور روئیں اس محدث کی موت پر جو ہمیں ارشاد و نصیحت کرتے تھے

وَیَهْدِینَا صِرَاطًا مُسْتَقِیمًا وَهُوَ اَعلَمُنَا

اور ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے تھے. وہ سب سے بڑے عالم تھے

③ قِفَا نَنْعَ السَّرِیَّ الحُجَّةَ الاَسنٰی وَرُحلَتَنَا

اے دو رفیقو ٹھہرو ہم اُس شخص کی موت کی اطلاع لوگوں کو دیں جو سردار، حجت. بلند اور ہمارا مرجع تھے

وَشَیخَ شُیُوخِ هٰذَا العَصرِ مَن مَا زَالَ یُعَظِّمُنَا

اور موجودہ زمانہ میں شیوخ کے شیخ تھے. وہ سدا ہماری ترقی و بلندی میں کوشاں تھے

---

① المسند هو المحدث الکبیر۔ القیّم درست کرنے والا، سرپرست

③ السّریّ سردار، الحُجّة حافظ الحدیث، الاسنٰی بلند۔ الرُّحلة وہ شیخ کبیر جس کی طرف سب لوگ سفر کرتے ہیں۔ نعی۔ موت کی اطلاع دینا۔

④ قِفَا نَبْكِ الْحَبِيبَ الشَّيْخَ عَبْدَ الْحَقِّ مَوْلَانَا

اے دوساتھیو ٹھہر و تاکہ ہم آنسو بہائیں اور روئیں مولانا شیخ عبد الحق کی موت پر ۔ وہ جو ہمارے حبیب تھے۔

وَمَنْ قَدْ كَانَ يَبْذُلُ وُسْعَهُ فِيمَا يُقَوِّمُنَا

اور وہ شیخ جو مسلسل کوشش کرتے رہے ہماری اصلاح کے لیے

⑤ وَمَنْ جَمَعَ الشَّتَاتَ وَلَمَّ شَعْثَ الْقَوْمِ يَأْسُوهُمْ

اور وہ جو مسلمانوں کی زبوں حالی و اختلاف کا ازالہ کرتے تھے ہمدردی کرتے ہوئے

وَيَجْبُرُ وَهْيَنَا جَبْرًا وَيُصْلِحُنَا وَيُحْكِمُنَا

اور ہماری کمزوری کا جبیرہ کرتے ہوئے ہماری اصلاح کرتے تھے اور ہمیں ظاہری روحانی طور پر طاقتور بناتے رہے۔

⑥ وَاَصْلَحَ حِينَمَا اسْتَشْرٰى الْفَسَادُ وَرَمَّ رَثًّا اِذْ

انہوں نے اصلاح کی دین اور قوم کی جبکہ فساد حد سے متجاوز ہو چکا تھا اور خرابی کا ازالہ کیا اس وقت

تَفَاقَمَ صَدْعُهُ وَازْدَادَ حَتّٰى كَادَ يَأْزِمُنَا

جبکہ فساد اور شر اتنا زائد ہو گیا تھا کہ ہماری مکمل تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا

⑦ مَحَطُّ رُكُوبِ اَهْلِ الْعِلْمِ نَافِعُهُمْ وَمُرْشِدُهُمْ

مولانا مرحوم سب علماء کا مرجع تھے نیز وہ بڑے نافع و مرشد تھے

نَعَمْ هُوَ عِنْدَ رَفْعِ شَعَائِرِ الرَّحْمٰنِ ضَيْغَمُنَا

وہ شعائر اللہ بلند کرنے کے لحاظ سے علماء میں شیر کا درجہ رکھتے تھے

---

⑤ لَمَّ ای جمع ، یہ صیغہ ماضی ہے ۔ شعث متفرق ، پریشانی ۔ یقال لمّ شعثہ ۔ اصلاح کرنا خرابی اور نقص دور کرنا ۔ یأسو ہمدردی و غمخواری کرنا ، جبر کا معنی ہے اصلاح کرنا ، کسی چیز کا حال اچھا کرنا ۔ وَہْی شگاف ، کمزوری ، إحکام مضبوط کرنا ، فساد سے روکنا ۔

⑥ استشراء الفساد کا معنی ہے فساد کا انتہا کو پہنچنا ۔ رَمّہ درست کرنا ۔ الرَّثّ بوسیدہ چیز ۔ یقال رمّ الرثّ یعنی خرابی دور کی ۔ تفاقم زیادہ ہونا اور بڑا ہونا ۔ صدع شگاف ، متفرق ہونا ۔ یقال تفاقم صَدْعُہ ای عظم شرّہ وزاد ۔ أزم تباہ کرنا ، استیصال کرنا ، استحصال کرنا ۔

⑦ محطّ کا معنی ہے مرکز ، مرجع ، منزل ۔ رکوب جمع ہے رکب کی ۔ ای القافلة ۔ رکب اسم جمع ہے یعنی

⑧ وَمَفْخَرَةُ الْوَرٰى نُوْرُ الْهُدٰى طَلَّاعُ اَنْجِدَةٍ

وہ مسلمانوں کے لیے باعث فخر، نور ہدایت، اور مشکلات کو حل کرنے والے تھے

وَفِی الْبَاْسَاءِ فِرْفِرُنَا وَفِی الْبَلْوٰی عَشَرَّمُنَا

وہ علمی و دینی معرکوں میں نیز ہر آزمائش کے وقت شیر خدا تھے

⑨ وَهِمْهِيْمٌ وَهَمْهَامٌ وَهُمْهُوْمٌ وَهَوَّامٌ

وہ اسلامی امور میں ہمارے لیے اسد اللہ 〃 〃 〃 تھے

وَهَضَّامٌ وَهَصَّامٌ وَهَاضُوْمٌ هَصَمْصَمُنَا

〃 〃 〃 〃

⑩ مُضِرَّسُنَا وَعَتَرَّسُنَا عَتَرَّسُنَا عَرَنْدَسُنَا

〃 〃 〃 〃

وَاَغْضَفُنَا وَعِرْفَاسٌ وَصِلْقَامٌ وَصَلْقَمُنَا

〃 〃 〃 〃

⑪ لَقَدْ جَلَّتْ مَآثِرُهٗ كَمَا عَزَّتْ مَنَاقِبُهٗ

شیخ مرحوم کی خوبیاں، کمالات و مناقب بہت بلند اور کمیاب و غالب ہیں

وَقَدْ جَمَّتْ مَعَارِفُهُ الَّتِی اَمْسَتْ تُسَوِّمُنَا

اسی طرح ان کے معارف و علوم بہت زیادہ ہیں جو ہم علماء کے لیے موجب زینت ہیں

اونٹ یا گھوڑوں کی سوار جماعت، قافلے، بڑے عالم کے بارے میں کہا جاتا ہے هو مَحَطُّ الرحال ومحط الركوب. یعنی وہ قافلوں کا مرجع و منزل ہے، دور دراز سے قافلے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ ضیغم قصیدہ ہذا میں یہ پہلا اسم اسد ہے۔

⑧ اَنْجِدَة و اَنْجَاد جمع نَجْد، بلند زمین، یقال هو طلّاع اَنْجِدَةٍ یعنی وہ مشکل امور پر غالب آنے والا ہے

⑪ مآثر جمع ہے مأثرة کی، خاندانی بزرگی جو مشہور ہو۔ مناقب جمع منقبة، بزرگی، فخر کی بات، خوبی، جمّ الشئ ای کثر۔ تسویم کا معنی ہے حاکم بنانا، پوری قدرت و قوت دینا، تحسین و تزئین کے معنی میں بھی مستعمل ہے، یہاں یہ تینوں معنی درست ہیں۔

(١٢) قُد اِحسُنا[20] وقَسقَاسُ[21] قُسا[22] قِسُنا وقسقسُنا[23]

وہ ہمارے لیے باعتبار محافظ ہونے کے اسد اللہ " " " کی حیثیت رکھتے تھے

ونَہّاسُ[24] نَہوسُ[25] مِنہسُ[26] ضِغزُ[27] وقَشعَمُنا[28]

" " " " "

(١٣) مُہَرّتُنَا[29] واَہرَتُنَا[30] ومَہرُوتُ[31] ومُنہرِتُ[32]

" " " ہادی

وضَابِثُنَا[33] ومُضرِجُنَا[34] وعَسَرِبُنَا[35] وشَجعَمُنَا[36]

" " " "

(١٤) بسُورُ[37] ذُو قَعاقِعَ[38] لائِثُ[39] وعجَنّسُ[40] المَولیٰ

" " " "

سِراحُ[41] اللہِ آبِیَ[42] اللہِ جَسّاسُ[43] واَدلَمُنا[44]

" " " "

(١٥) فَرُوحُ العلمِ قَد بَلَغَ التَّراقِیَ بعدہ وذَوَتْ

اُن کی وفات کے بعد رُوح علم گلے کو پہنچی اور سُوکھ گئے

رِیَاضُ العِلمِ بَعدَ الزَّہوِ اِذ قد مَاتَ مِضخَمُنَا

علمی باغیچے شاداب ہونے کے بعد کیونکہ ہمارے شریف راہنما وفات پاگئے

(١٦) واَشرَفُنَا واَورَعُنَا واَتقانَا واَخشَعُنَا

وہ سب سے زیادہ شریف۔ پرہیزگار۔ متقی اور خدا کا خوف رکھنے والے تھے

ومَولانَا واَعلانا واَولانا واَفخَمُنَا

وہ ہم میں اعلٰی و اولیٰ بالاکرام مولانا اور معظم تھے

---

(١٥) تَراقی سینے کا بالا حصہ، ہنسلی یہ جمع ہے ترقوت کی۔ ذَوی سبزی اور گھاس کا مُرجھانا اور خشک ہونا۔ زَہو و زَہاء کا معنی ہے تر و تازگی، رونق اور چمک۔ مِضخَم وہ شخص جو سردار و مخدوم و عالی مرتبت ہو۔

(۱۷) وبالقرآن اَعلمُنا وبالآثارِ اَعرَفُنا

وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم۔ احادیث کے بہت بڑے عارف

وبالاسرارِ اَدرانا وللاسلام اَخدمُنا

اور اسرار شریعت کے زیادہ جاننے والے تھے اور اسلام کے سب سے بڑے خادم تھے

(۱۸) مُحدّثُنا مُفسِّرُنا وبحرُ العلمِ اَفقھُنا

وہ ہمارے محدث۔ مفسر۔ علم کے سمندر۔ سب سے بڑے فقیہ

وحافِظُنا وعُروۃُ دِینِنا الوُثقیٰ وَافھمُنا

حافظ الحدیث تھے۔ اور اسلام کا مضبوط دستہ اور بلند فہم والے تھے

(۱۹) غضوبُ[۴۵] اللہِ غضبُ[۴۶] اللہِ اَصھبُہٗ[۴۷] وعشرَبُہٗ[۴۸]

وہ اسد اللہ ہیں // // //

عشَّرَبُہٗ[۴۹] غشَّرَبُہٗ[۵۰] عُشارِبُہٗ[۵۱] وضَبثمُنا[۵۲]

// // // //

(۲۰) قطوبُ اللہِ[۵۳] قاطِبُہٗ[۵۴] وقعنبُہٗ[۵۵] قعانِبُہٗ[۵۶]

// // // //

وکعنبُہٗ[۵۷] کعانِبُہٗ[۵۸] وقائِتُہٗ[۵۹] وھیزمُنا[۶۰]

// // // //

(۲۱) مُقبقِبُہٗ[۶۱] وجُخدُبُہٗ[۶۲] وجُخدُبُہٗ[۶۳] وقبّابٌ[۶۴]

// // // //

واَغلَبُنا[۶۵] مُفاجِئُنا[۶۶] وقِرضابٌ[۶۷] وھیصمُنا[۶۸]

// // // //

(۲۲) ومُفترِسٌ ابوالفرّاسِ فرفارٌ فرافِرةٌ[69][70][71][72]

|| || || ||

وفِرفارٌ عفرفرةٌ فرافِرنا ومِهصمُنا[73][74][75][76]

|| || || ||

(۲۳) اذا سبق الکرامُ الی علوٍّ کنت سابقهم

جب عُلمار کسی کارِ خیر کی طرف سابقت کرنے لگتے تو آپ سب سے آگے ہوتے

وقائدهم نعم ما زلت تهدینا وتقدُمنا

اوران کے قائد ہوتے۔ آپ سدا ہمیں ہدایت کرتے اور ہر کارِ خیر میں ہم سے آگے ہوتے

(۲٤) لموتك قد بکت ارضٌ وعرشٌ ثم کرسیٌّ

آپ کی موت پر ماتم کناں ہیں زمین ۔ عرش ۔ کرسی

وافلاكٌ وانجمُها وکعبتُنا وزمزمُنا

آسمان ۔ ستارے ۔ کعبۃ اللہ اور زمزم شریف

(۲۵) وباکستانُ مع هندٍ۔ مساجدُنا۔ مدارِسُنا

نیز غمگین ہے سارا پاکستان ۔ ہند ۔ ہماری مسجدیں ۔ مدارس

وارضُ اللهِ۔ مکتُنا۔ مدینتُنا۔ یلملمُنا

اور اللہ کی پاک زمین یعنی مکہ مکرمہ ۔ مدینہ طیبہ اور یلملم

(۲٦) وهذی الکتبُ والاقلامُ مع دارالعلومِ بکت

نیز ساری کتابیں ۔ اقلام ۔ دارالعلوم حقانیہ روتے ہیں

ویبکی العقلُ ثم النقلُ اِذ قد مات مُقرمُنا

نیز گریاں ہیں عقل و نقل کیونکہ ہمارے عظیم آقا و سید وفات پاگئے

---

(۲۳) تقدُمنا۔ بابه نصرای تتقدمنا، یقال قدم القومَ قدمًا واستقدمه ای تقدمهم وصار قدامهم۔

(۲٦) المقرم۔ بڑے سردار و عالی مقام رہنما۔ قال الزبیدیؒ فی التاج ۹ ح ۲۳ ومما یستدرك

(۲۷) وَيبكِي الطَّيرُ والحِيتان ثم السَّهلُ مَعْ جبلٍ

نیز روتے ہیں پرندے۔ مچھلیاں۔ ہموار میدان اور پہاڑ

وَيَبكِى الجنُّ ثم الإِنسُ إذ قد فاضَ كَيخَمُنا

نیز کل جن و انس آہ و بکا کر رہے ہیں کیونکہ علم کے بڑے سلطان انتقال کر گئے

(۲۸) لِأخذِ المُلحِدين لناضُباتُ[77] المِضبَثِ[78] لماضِي[79]

آپ ملحدوں کے پکڑنے کے بارے میں ہمارے لیے شیر // کا طاقتور پنجہ ہیں

قِنَابُ[80] اللَّيثِ مِقْنَبُه[81] ومِقنابٌ وِمِخزَمُنا[82]

اور ہمارے دین کی محافظ تلوار ہیں // // // //

(۲۹) فُتُوخُ[83] اللَّيثِ قُنْبُ[84] اللَّيثِ مِخْلَبُهُ[85] وبُرثُنُهُ[86]

// // // // //

عكَازِيلٌ[87] ومِضْبَثُهُ[88] وعند البأسِ كَرزَدمُنا

اور سختی کے وقت بڑے قوی اور شجاع تھے // //

(۳۰) هُزابِرُنا[89] هِزَبرٌ[90] هِزبرٌ[91] زُفَرٌ[92] وأزهرُنا[93]

ہمارے اسداللہ ہیں // // // //

مُجالِحُنا مُبِيحٌ[94] قارِحٌ[95] غَشِثٌ[96] وعرهُمُنا[97][98]

// // // // //

علی صاحب القاموس المقرم کمکرم السیّد العظیم علی التشبیہ بالمقرم من الابل انتہی۔

(۲۷) کَیخَم کحیدر عظیم المرتبہ سلطان، یہاں مراد سلطانِ علم و اسلام ہے یقال سلطان کیخم ای عظیم۔

(۲۸) ان دو شعروں میں شیر کے پنجے کے دس اسماء کے علاوہ شیر کے بھی دو اسم مذکور ہیں یعنی مِضْبَث و مَاضِی،
مِخْزَم کمنبر سیف قاطع۔

(۲۹) بأس۔ خوف، سختی۔ کَرْزَم شجاع عظیم، دلیر، نڈر۔ ابن السائب وغیرہ کئی صحابہؓ کَرْزَم سے موسوم تھے۔

(۳۱) وَلَيْثٌ اُفْتِخٌ[۹۹] مُتَرَبِّدٌ[۱۰۰] سِيَدٌ[۱۰۱] وَ اَزْبَدُنَا[۱۰۲]

//	//	//	//

وَمَرْثَدُنَا[۱۰۳] شَدِيدٌ[۱۰۴] مُصْمَعِدٌّ[۱۰۵] اللّٰهِ ضَرْضَمُنَا[۱۰۶]

//	//	//	//

(۳۲) شَرَنْبَثُنَا[۱۰۷] شُرَابِثُنَا[۱۰۸] شُنَابِثُنَا[۱۰۹] وَشَنَبْثُنَا[۱۱۰]

//	//	//	//

غُشَاغِثُنَا[۱۱۱] وَعَائِثُنَا[۱۱۲] وَعَيَّاثٌ[۱۱۳] وَضُمْضُمُنَا[۱۱۴]

//	//	//	//

(۳۳) حُطُومُ[۱۱۵] الدِّينِ عَشْزَبُهٗ[۱۱۶] عَشَزَّبُهٗ[۱۱۷] وَاَهْدَبُهٗ[۱۱۸]

اسلام کے محافظ شیر ہیں	//	//	//

وَغَيْلُ[۱۱۹] مَعَاشِرِ الْعُلَمَاءِ حَطَّامٌ[۱۲۰] وَمُحَطِّمُنَا[۱۲۱]

جمیعۃ علماء کے شیر رہنما ہیں	//	//

(۳۴) اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ رِوَايَةً وَدِرَايَةً وَتُقًى

آپ امیر المومنین ہیں روایت ۔ درایت ۔ تقویٰ ۔

وَاِحْسَانًا وَاِسْنَادًا وَفِي التَّحْدِيثِ اَحْزَمُنَا

احسان اور اسناد میں اور روایت حدیث کے لحاظ سے ہم میں اوثق ہیں

(۳۵) صَدُوقٌ صَالِحٌ ثِقَةٌ اَمِينٌ مُتْقِنٌ عَدْلٌ

روایت حدیث وعلوم میں صادق ۔ صالح ۔ ثقہ ۔ امین ۔ محکم وعادل ہیں

وَمُسْنِدُ عَصْرِهٖ عَلَّامَةٌ ثَبْتٌ وَمُحْكَمُنَا

اور اپنے عصر کے عظیم محدث ۔ علامہ ۔ اثبت اور محکم ہیں

---

(۳۴) ان تین شعروں میں حدیث و رُواۃ حدیث سے متعلق و مختص متعدد اصطلاحی الفاظ نہایت لطیف وغریب طریقہ سے ذکر کیے گئے ہیں۔

(۳۶) قَوِيٌّ ضَابِطٌ وَ مُجَوِّدٌ فِي كُلِّ مَا يَرْوِي

روایتِ حدیث میں بہت قوی۔ ضابط اور جید ہیں ہر مروی میں

وَ مَحْفُوظٌ وَ مَأْمُونٌ وَ مَعْرُوفٌ وَ اَسْلَمُنَا

اور محفوظ۔ مامون۔ معروف اور ہر قسم کی جرح سے سالم ہیں

(۳۷) مَهِيبُ[۱۲۲] اللهِ كَفَّاتٌ[۱۲۳] كَذَا مُتَهَيِّبٌ[۱۲۴] هَدِبٌ[۱۲۵]

وہ اسد اللہ ہیں 〃 〃 〃

وَمِنْهَتُهٌ[۱۲۶] وَ مُنْهِتَةٌ[۱۲۷] وَ نَهَّاتٌ[۱۲۸] وَ مُجْشِمُنَا[۱۲۹]

〃 〃 〃 〃

(۳۸) وَ نَأْآتٌ[۱۳۰] وَ هَرَّاتٌ[۱۳۱] هَرُوتٌ[۱۳۲] دَلْهَثٌ[۱۳۳] هَرِتٌ[۱۳۴]

〃 〃 〃 〃 〃

وَ دِلْهَاثٌ[۱۳۵] دُلَاهِثُنَا[۱۳۶] وَ اَبْغَثُنَا[۱۳۷] عَشَمْشَمُنَا[۱۳۸]

〃 〃 〃 〃

(۳۹) وَ جِرْهَاسٌ[۱۳۹] وَ جِرْفَاسٌ[۱۴۰] وَ جَوَّاسٌ[۱۴۱] وَ مُخْتَبِسٌ[۱۴۲]

〃 〃 〃 〃

خَبُوسٌ[۱۴۳] خَابِسٌ[۱۴۴] وَ خُنَابِسٌ[۱۴۵] نِهَزٌ[۱۴۶] وَ اَخْتَمُنَا[۱۴۷]

〃 〃 〃 〃 〃

(۴۰) فُرَافِصَةُ[۱۴۸] الْمُهَيْمِنِ هِنْدِسٌ[۱۴۹] مُتَمَهِّرُ[۱۵۰] الْبَارِي

وہ اللہ مہیمن باری کے اسد ہیں 〃 〃

وَ هَجَّاسٌ[۱۵۱] فَصَافِصَةٌ[۱۵۲] فُرَافِصُنَا[۱۵۳] وَ اَحْلَمُنَا

اور ہم علماء میں بڑے علم و تحمل والے ہیں 〃 〃 〃

---

(۴۰) اس شعر کے آخر میں لفظ قافیہ یعنی "اَحْلَمُنَا" اسم اسد نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے اوپر بطور علامۃ و تنبیہ خط کھینچا گیا ہے۔ پس قصیدہ ہذا میں لفظ قافیہ پر خط و لکیر اس بات کی علامت ہے کہ یہ اسم اسد نہیں ہے۔ یہ لکیر افعال

(۴۱) غِدَفٌ[154] قَصْقَصٌ[155] وقُصَاقِصٌ[156] صَادٌ[157] ومُرْتَصِفٌ[158]

//	//	//	//	//

ومِقْعَاصٌ[159] ومِقْعَصُنا[160] و دُهْوَاءٌ[161] وزَهْدَمُنا[162]

//	//	//	//

(۴۲) وما مِنْ مجلسِ العُلماءِ اِلّا انتَ سَيِّدُهم

آپ علماء کی ہر مجلس میں صدر و سردار

واَوحدُهم واَمثلُهم وفي الخيراتِ اَقدمُنا

یکتا اور افضل ہوتے تھے اور کارہائے خیر میں سب سے آگے ہوتے تھے

(۴۳) وزَيَّنتَ منابرَ الاسلامِ اِذ ماكنتَ تصعدُها

آپ نے دینِ اسلام کے منبروں کو زینت بخشی جبکہ آپ اُن پر چڑھ کر

فتخطُبنا وتنصحنا وعن فحشاء ترخمنا

خطبہ دیتے ہوئے ہمیں نصیحت کرتے اور بُرائی سے روکتے

(۴۴) كأنّ كلامَكَ الجذّابَ دُرّتُنا ولُؤلؤُنا

آپ کا کلام بلحاظ کشش کے گویا کہ ہمارے لیے گوہر۔ موتی

وجوهرُنا ویاقوتٌ. زُمُرُّدُنا و مَنْجَمُنا

جواہر۔ یواقیت۔ زمرد اور جواہرات کی کان ہے

پر نہیں کھینچی گئی۔ کیونکہ افعال میں اشتباہ و اشکال نہیں ہے۔

(۴۱) دُهْوَاء کبُصَراء، حرف "ھاء" در اصل مفتوح ہے والسکون للضرورۃ۔

(۴۳) ترخم شدت سے کسی کام سے روکنا اور دفع کرنا یقال زخمہ ای دفعہ دفعًا شدیدًا۔

(۴۴) مَنْجَم معدن، جواہر و یواقیت کی کان۔

(٤٥) وإنَّ خِطابَكَ المحبوبَ مِغناطِيسُ أفئدةٍ

بے شک آپ کا خطاب باعتبار محبوب ہونے کے دلوں کا مقناطیس ہے

وعَسجَدُنا وفِضَّتُنا ودِينارٌ ودِرهَمُنا

اور ہمارے لیے سونا چاندی دینار اور درہم ہے

(٤٦) دَهوَسُ[١٦٣] العلمِ دَوكَسُه[١٦٤] دُماحِسُه[١٦٥] ودَرفاسٌ[١٦٦]

آپ علم کے شیر ہیں　　″　　″　　″

ودِرناسٌ[١٦٧] ودُبَّحسٌ[١٦٨] ودَوَّاسٌ[١٦٩] مُختَعمُنا[١٧٠]

″　　″　　″　　″

(٤٧) عَمُوسُ[١٧١] اللهِ عَنبَسُهُ[١٧٢] عَمّاسُ[١٧٣] اللهِ مَيّاسٌ[١٧٤]

آپ اسد اللہ ہیں　　″　　″　　″

عَلَندَسُه[١٧٥] عُنابِسُه[١٧٦] وعَنبَسَةٌ[١٧٧] وضَيثَمُنا[١٧٨]

″　　″　　″　　″

(٤٨) وبَهنَسُنا[١٧٩] مُبَهنِسُنا[١٨٠] عَضَوَّرُنا[١٨١] خُنافِسُنا[١٨٢]

آپ ہمارے لیے ایسے اسد اللہ ہیں　　″　　″　　″

وخَبّاسٌ[١٨٣] كذا مُتَبَهنِسٌ[١٨٤] في البِرِّ يُقحِمُنا

″　　″　　جو نیکی میں ہمیں شدت سے داخل کرتے رہتے ہیں

(٤٩) واَصبَحُنا[١٨٥] وسِرحانٌ[١٨٦] واَصدَحُنا[١٨٧] وطَحطاحٌ[١٨٨]

″　　″　　″　　″

صُمادِحُنا[١٨٩] وقَرحانٌ[١٩٠] وشُندُخُنا[١٩١] وزَهدَمُنا

″　　″　　″　　اور ہم علماء میں شاہین ہیں

---

(٤٨) فی البرّ متعلق ہے فعل مؤخر کے ساتھ جو کہ یقحم ہے۔ اس قسم کی ترکیب آگے بھی آتی رہے گی خصوصاً مصرع ثانی کے آخر میں۔

(٤٩) زَهدَم کجعفر یہ شیر کا اسم بھی ہے، اس کا ذکر شعر ۲۱ میں گزر گیا ہے اور اس کا معنی باز و شاہین بھی ہے

(۵۰) جَرِیْءُ اللّٰهِ اَرْقَبُ[۱۹۲] رَبِّنَا[۱۹۳] الْمَوْلٰی وَطَیْثَارٌ[۱۹۴]

〃 〃 〃

وَلَیْثٌ[۱۹۵]. جَائِبُ الْعَیْنِ[۱۹۶] الْعَظِیْمُ الشَّانِ ضَرْغَنَا[۱۹۷]

آپ عظیم الشان اسد اللہ ہیں 〃 〃

(۵۱) ضِرْزَمٌ[۱۹۸] مَرْزُبَانُ[۱۹۹] الزَّأْرَةِ الْعُلْیَا وَرَاهِبُنَا[۲۰۰]

〃 بلند آواز والے 〃 〃

وَاَشْهَبُنَا[۲۰۱] وَمَرْهُوْبٌ[۲۰۲] مُدَرَّبُنَا[۲۰۳] وَقَیْخَمُنَا

اور ہم علماء کے عالی مرتبت سردار ہیں 〃 〃 〃

(۵۲) وَدُبَّخْسٌ وَدِرْدَاسٌ[۲۰۵] وَعِتْرِیْسٌ[۲۰۶] وَخَنْبَسُنَا[۲۰۷]

〃 〃 〃 〃

خَوَابِسُنَا[۲۰۸] وَفُرْفُوْرٌ[۲۰۹] وَعِفْرِیْنٌ[۲۱۰] یُقَدِّمُنَا

آپ ہمارے لیے وہ اسد اللہ 〃 ہیں جو نیکی میں ہمیں آگے بڑھاتے رہے 〃

(۵۳) نَبَاهَتُهٗ. نَزَاهَتُهٗ. دِیَانَتُهٗ. اَمَانَتُهٗ

ان کی نیک شہرت ۔ پرہیزگاری ۔ دیانت ۔ امانت داری

نَجَابَتُهٗ. دَلَائِلُنَا بِهٖ قَدْ دَارَ قُمْقُمُنَا

اور شرافت ہر کام میں ہمارے لیے رہنما تھیں شیخ مرحوم ہمارے امور کی خبر گیری فرماتے تھے

اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اسی وجہ سے اس پر خط کشیدہ کیا گیا ہے۔ نظم و نثر میں باز و شاہین و صقر کا استعمال مقام مدح کبار و سلاطین میں معروف و رائج ہے = (۵۰) اَرْقَبُ اسم اسد ہے اور مضاف ہے ربنا المولیٰ کی طرف۔ جائب العین مرکب اسم اسد ہے۔ آگے العظیم الشان محض صفت ہے۔

(۵۱) قَیْخَم بلند و رفیع مرتبہ والا۔ عالیشان۔ ہر بلند شئ خواہ ظاہری طور پر بلند ہو یا مرتبہ و روحانی طور پر۔ و فی القاموس القیخم کحیدر المشرف المرتفع۔ مَرْزُبان الزأرة شیر کا مرکب نام ہے۔ زأرة شیر کی آواز کو کہتے ہیں۔ العُلیا محض صفت ہے۔ یہ جزء اسم نہیں ہے۔ (۵۲) یقدمنا۔ ای یقدِّمنا فی کل خیر و عمل نافع و فی کل مجلس علمی و دینی یقال قدمه ای جعله متقدمًا۔

(۵۳) نباهة۔ شرافت، شریف ہونا، سمجھ اور شہرت۔ نزاهة برائی سے دور ہونا، پاک دامن ہونا۔ نجابة

(۵٤) حَقائِقُہٗ دَقائِقُہٗ غَرائِبُہٗ عَجائِبُہٗ

ان کے علمی حقائق - دقائق - غرائب - عجائب -

بَدائِعُہٗ رَوائِعُہٗ مَناهِلُنا و مَعلمُنا

بدائع اور پسندیدہ تحقیقات ہمارے گھاٹ اور علامات ہدایت ہیں

(۵۵) نَصائِحُہٗ بِخُطبتِہٖ تُقَوِّمُنا وقد اَسَرَت

ان کے خطبہ میں مذکورہ نصائح ہماری اصلاح کرتے تھے اور قیدی بنایا

حَلاوَتُها و بَهجَتُها قُلوبًا فَهوَ شَدقَمُنا

اس کی حلاوت و جمال نے دلوں کو۔ شیخ مرحوم ہم علماء میں بڑے فصیح تھے

شریف الاصل ہونا، قول وفعل میں لائق ستائش ہونا، شرافت، وفی المثل، علی هذا دار القُمقُم (بضم القافین) ای الی هذا صار معنی الخبر ومآلُ الخبر وغایة الخبر یضرب للرجل اذا کان خبیرًا بالأمر ومثله قولهم علیٰ یدی دار الحدیث۔ اس شعر میں "دلائلنا" خبر ہے اور اس سے قبل پانچ الفاظ بغیر حرف عطف کے مبتدأ ہیں۔

(۵٤) روائع جمع ہے رائعة کی، خوشگوار کلام، پسندیدہ وحسین، تعجب میں ڈالنے والا۔ روائع مسائل دقیقہ و نکات علمیہ عجیبہ میں مستعمل ہوتاہے۔ اور یہاں یہ آخری معنی مُراد لینا بہتر ہے۔

مناهل جمع ہے منهل کی، اس کا معنی گھاٹ، پانی پینے کی جگہ۔ منزل یہاں مُراد ہے۔ مرجع و استفادہ علمیہ کی جگہ۔ یہ استعارہ مکنیہ وتخییلیہ پر مشتمل ہے۔ معلم علامت، نشان جو راستوں پر بطور علامت مسافت بنا دیے جاتے ہیں اور رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ نیز معلم کا معنی ہے مقاصد میں کامیابی کی جگہ۔ وفی القاموس مَعلَمُ الشئ مَظنّته یہاں علمی و دینی رہنمائی کی علامات ومقامات مُراد ہیں۔ اس شعر میں متقدم چھ کلمات مبتدأ ہیں بطریق عدد کے بغیر حرف عطف کے اور مناہل ومعلم خبر ہیں۔ اس شعر میں شیخ مرحوم کی بلند علمی تحقیقات ومسائل مستنبطہ کی طرف اور سابقہ شعر میں ان کے عظیم اوصاف، خصائل وکمالات کی طرف اشارہ ہے اور اگلے شعر میں مرحوم کی فصیح ومؤثر تقریر وخطبہ کا ذکر ہے۔

(۵۵) بهجة خوبی اور حُسن۔ شدقم کجعفر بڑا فصیح وبلیغ انسان جو کلام کے جملہ اسالیب واسرار کا عالم ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بطور مدح کے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث میں شدقم کا اطلاق کیا ہے قال الزبیدی فی التاج ج ۸ ص ۲۵۷ مستدرکًا علی صاحب القاموس والشدقم یوصف به البلیغ المفوه المنطیق وبه فسّر حدیث جابر رضی الله تعالی عنه حدثه رجل بشئ فقال جابر رضی الله تعالی عنه ممن سمعت هذا؟ فقال من ابن عباس رضی الله عنهما قال جابرؓ من الشدقم۔ انتهٰی۔ شدقم سے اس شعر میں اسم اسد مُراد نہیں ہے۔ اس لیے اس پر خط کشیدہ کیا گیا ہے۔ ویسے شدقم اسم اسد بھی ہے جو شعر ۸۴ میں مذکور ہے۔

(۵۶) ضَبُوثُ[۲۱۱] اللهِ راصِدُہ[۲۱۲] مُؤَرَّجُه[۲۱۳] وخَزرَجُه[۲۱۴]

آپ وہ اسد اللہ ہیں　〃　〃　〃

ومُضطَبِثٌ[۲۱۵] وضَبّاثٌ[۲۱۶] يُفخِمُنا ويأدُمُنا

جو ہماری تعظیم کرتے ہیں اور ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں　〃　〃

(۵۷) ومُضطَهِدٌ[۲۱۷] ابو الفَرهُودِ[۲۱۸] نَهدُ[۲۱۹] الخالِقِ المولیٰ

آپ خالق مولیٰ کے اسداللہ تھے　〃　〃

مُعِيدٌ[۲۲۰] ناهِدٌ[۲۲۱] مُتَوَرِّدٌ[۲۲۲] هَسدٌ[۲۲۳] مُطَهَّمُنا

ہم علماء میں آپ کامل و جامع الکمالات ہیں　〃　〃　〃　〃

(۵۸) خَبُورُ[۲۲۴] اللهِ حَيدَرُهٔ[۲۲۵] وحادِرُهٔ[۲۲۶] وحَيدَرَةٌ[۲۲۷]

〃　〃　〃　〃

وخادِرُه[۲۲۸] ودَوسَرُهٔ[۲۲۹] وعن شَرٍّ يُقحِزُمُنا

وہ ہر شر سے ہمیں روکتے ہیں　〃　〃

(۵۹) وعَوفُ[۲۳۰] اللهِ عَسلَقُهٔ[۲۳۱] وعِسلِقُهٔ[۲۳۲] عَسلَقُهٔ[۲۳۳]

〃　〃　〃　〃

عُسالِقُه[۲۳۴] وعن فعل المفاسدِ كان يجذِمُنا

اور ہر قسم مفاسد سے ہمیں منع کرتے ہیں　〃

---

(۵۶) يفخِمنا صفت ہے ضبّاث کی۔ یأدم اسوہ و قدوہ ہونا یقال اَدَمَ الرجلُ اهلَه۔ اپنے لوگوں کے لیے نمونہ و اسوۂ حسنہ بنا۔ قال الازهري يقال جعلتُ فلانًا اُدمةَ اهلي اى اسوتهم۔ وفي الاساس فلان ادام قومه اى ثمالهم و قوامهم ومن يصلح امورهم وهوادمة قومه اى سيدهم ومقدمهم۔ وقد اَدَمهم ادمًا (بابه نصر) اى كان لهم ادمةً = تاج ج ۸ صفحہ ۱۸۰

(۵۷) مطهّمنا۔ بصیغۂ اسم مفعول از باب تفعیل ہے۔ کامل و اکمل محاسن والا۔ اعلیٰ جمالِ ظاہری یا باطنی والا انسان۔ وفي القاموس المطهّم كمعظّم هو التام من كل شئ والبارع الجمال =

(۵۸) يقال قحزمه قحزمةً اى صرفه ومنعه = حيدرة میں تا، تانیث کے لیے نہیں۔ بلکہ مبالغہ کے لیے ہے مثل علامة یا وحدتِ جنس کے لیے۔

(۵۹) يقال جذمه اى قطعه ومنعه

(۶۰) أُسامَةُ[235] رَبِّنا[236] جَهْمٌ وَكَعْطَلُهُ[237] جُراهِمُهُ[238]

آپ وہ اسد رب تعالیٰ ہیں // // //

وَجِرْهامٌ[239] لَدَى البَلْوى يُساعِدُنا وفِرْضِمُنا[240]

// جو ہر آزمائش و تکلیف میں ہماری نصرت کرتے ہیں //

(۶۱) سُلاقِمُه[241] شُدَاقِمُه[242] وصارِمُه[243] صُماصِمُهُ[244]

// // // //

وَصِلْهامٌ[245] وعن شَرٍّ وفِسْقٍ كان يَحْسِمُنا

// اور ہر شر و فسق سے ہمیں کاٹتے اور روکتے تھے

(۶۲) مُكَعْطِلُنا[246] وهُنْبُغُنا[247] مُخَسِّفُنا[248] وقُفْصُلُنا[249]

// // // //

وَمُحْتَصِرٌ[250] وعن ذُلِّ المَعاصِي كان يَخْذِمُنا

// اور گناہوں کی ذلت سے ہمیں روکتے تھے

(۶۳) عَفَرْنَسُنا[251] وعُفْرُوسٌ[252] وعِفْراسٌ[253] وعِفْرِيسٌ[254]

// // // //

وعِفَرْسُنا[255] غُضافِرُنا[256] وذُو لِبَدٍ[257] وخَثْعَمُنا[258]

// // // //

بطور مبالغہ منع کے معنی میں یہاں استعمال ہوا ہے۔ اصل معنی ہے کاٹنا۔

(۶۰) يُساعِدُنا صفتِ اسم متقدم ہے۔ لدى البلوى۔ یہ فعل مؤخر کے لیے ظرف ہے۔ فِرضِمنا عطف ہے جرهام پر۔

(۶۱) يحسمنا اى يقطعنا ويمنعنا۔ يقال حسمه اى قطعه ومنعه۔

(۶۲) خذمه اى قطعه ومنعه

(٦٤) وَأَلفاهُ الذی قد جاءَهُ مُستَفتِیًا بحرًا

ہر مستفتی نے شیخ مرحوم کو علم کا ایسا سمندر پایا جو

یَطُمُّ علی بحارِ الأرضِ إذ شیخی غطمطمُنا

زمین کے جملہ سمندروں پر فائق ہے۔ کیونکہ میرے شیخ علم کے بے پایاں سمندر ہیں

(٦٥) وکم مِن مُشکِلٍ فی العلمِ حقّقه ببُرهانٍ

انھوں نے بے شمار علمی مسائل کی تحقیق کی برھان

وأمثِلةٍ وأثبتَه وفصّلَ إذ یُعلِّمُنا

اور مثالوں سے۔ اور تفصیلًا ان کا اثبات کیا۔ کیونکہ وہ ہمیں تعلیم دیتے تھے

(٦٦) وَلِیُّ اللهِ قُطبُ العصرِ شیخُ شیوخِنا طُرًّا

وہ ولی اللہ۔ قطب عصر اور ہمارے جملہ شیوخ کے شیخ تھے

ونجمُ الهُدی بدرُ الدینِ شمسُ العلمِ صیرمُنا

نجم ہدایت۔ بدر دین۔ آفتاب علم اور محکم وصحیح رائے والے تھے

(٦٧) ولم تأخذه فی الرحمٰنِ لومةُ لائمٍ یومًا

انھیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے بارے میں کسی طعن کنندہ کے طعن نے متاثر نہیں کیا

زعیمٌ ترجمانُ الدینِ. فی التقوی مُصمِّمُنا

وہ علماء کے لیڈر۔ دین کے ترجمان۔ تقویٰ اختیار کرنے میں پختہ عزم والے تھے

---

(٦٤) یقال طمّ الاناءَ برتن بھرا۔ طمّ الماءَ ڈھانپ لینا وطمّ الشیُٔ والامرُ زیادہ ہونا اور بڑا ہونا۔ بطور غلبہ یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ یہ تمام سمندروں سے زیادہ پانی والا ہے۔

غَطَمْطَم۔ عظیم و وسیع سمندر۔ نیز وہ انسان جو وسیع مکارم اخلاق والا ہو۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں پہلا معنی انسب واولیٰ ہے۔

(٦٦) صَیْرَم کحیدر۔ نہایت دانا وعقلمند شخص۔ محکم وصحیح رائے والا۔

(٦٧) زَعِیم ذمہ دار۔ سردار۔ لیڈر۔ قوم کا نمائندہ اور معتمد علیہ۔ مُصَمِّم کرگزرنے والا۔ ای الرجل الثابت النافذ الماضی فی الامور یعنی مضبوط عزم وارادے والا شخص۔

(٦٨) وقد اعلٰی شعائر ربه دهرًا واحیاها

انھوں نے مدت دراز تک شعائر اللہ کو بلند اور زندہ رکھا

وشمنا منه اسدًا فهو منفردًا عرمرمنا

ہم نے ان میں کئی شیر جمع دیکھے۔ پس وہ تنہا بڑی فوج کا کام کرتے تھے

(٦٩) ومبصرنا[٢٥٩] وبهورنا[٢٦٠] مبربرنا[٢٦١] وبربار[٢٦٢]

آپ وہ اسد اللہ // // //

نجید[٢٦٣] باقر[٢٦٤] متجبر[٢٦٥] ورد[٢٦٦] یعظمنا

// // // // تھے جو ہماری بڑی تعظیم کرتے تھے

(٧٠) ابو لبد وملبدنا[٢٦٧] ابو لبد[٢٦٨] ولابدنا[٢٦٩][٢٧٠]

// // // //

وساعدة[٢٧١] المهیمن وهو جیفرنا[٢٧٢] وشیظمنا[٢٧٣]

// // //

(٧١) ابو حفص[٢٧٤] ابو شبل[٢٧٥] ابو العباس[٢٧٦] اشجعنا[٢٧٧]

// // // //

ابو الابطال[٢٧٨] فرفرنا[٢٧٩] ابو الاخیاف فسحمنا[٢٨٠]

// // // آپ وسیع الصدر انسان تھے

---

(٦٨) عرمرم بڑی فوج۔ نیز مضبوط اور شدید ارادے وعزم والا انسان۔ وفی القاموس العرمرم الشدید والجیش الکثیر یعنی ممدوح باعتبار پختہ عزم وارادے کے بڑی فوج کے برابر تھے۔ شمنا ای رأینا۔

(٦٩) یعظم صفت اسم متقدم ہے۔

(٧٠) ان دو شعروں میں اسد کی سات کنیتیں جمع ہیں ساعدة اسد کے اسماء میں غیر منصرف ہے۔ مهیمن اللہ تعالٰی کا نام ہے۔

(٧١) اس بیت میں اسد کی پانچ کنیتیں جمع ہیں۔ فسحم کقنفذ۔ وسیع الصدر انسان۔

(۷۲) وَضِرْغَامٌ[۲۸۱] وَاَكْلَفُنَا[۲۸۲] وَمُعْتَزِمٌ[۲۸۳] وَعَزَّامٌ[۲۸۴]

//	//	//	//

وَمُجْتَرِئٌ[۲۸۵] كَذَا ضِرْغَامَةٌ[۲۸۶] لَحِمٌ[۲۸۷] وَعَجْرَمُنَا

//	//	// قوی عزم و ارادہ والے

(۷۳) عُرَاضِمُنَا[۲۸۸] وَعِرْضَامٌ[۲۸۹] وَعِرْزَمٌّ[۲۹۰] وَعِرْزَامٌ[۲۹۱]

//	//	//	//

عُرَازِمُنَا[۲۹۲] عُرَاهِمُنَا[۲۹۳] عُشَارِمُنَا[۲۹۴] وَعُرْزُمُنَا[۲۹۵]

//	//	//	//

(۷۴) اِمَامٌ جِهْبِذٌ عِلْمًا وَطَوْدٌ رَاسِخٌ عَزْمًا

وہ علم میں امام ۔ کامل عقل والے اور عزم میں مضبوط پہاڑ کی طرح تھے

فَرِيدُ الْعَصْرِ نُورُ الدَّهْرِ نَوْرُ الزَّهْرِ حَوْجَمُنَا

اپنے زمانہ میں بے مثال ۔ زمانہ کا نور ۔ پھول کی کلی اور سرخ گلاب کی مانند تھے

(۷۵) نَبِيلٌ لَوْذَعِيٌّ اَلْمَعِيٌّ مَاجِدٌ فَخِمٌ

شریف ۔ نہایت ذہین ۔ تیز فہم ۔ معزز ۔ عظیم المرتبہ ۔

جَلِيلٌ اَرْيَحِيُّ الْقَلْبِ طَلْقُ الْوَجْهِ فَدْعَمُنَا

بزرگ ۔ کشادہ دل ۔ کشادہ رو تھے اور ہمارے جمیل عظیم سردار ۔

---

(۷۲) عَجْرَم کجعفر ۔ شدید و قوی الارادہ انسان ۔

(۷۴) جِهْبِذ بکسر جیم و با ۔ کامل عقل والا ۔ عقلمند آدمی ۔ بات کو پرکھنے والا ۔ ای الرجل الناقد العارف تمییز الجید من الردی = طود پہاڑ = نَور بفتح النون ۔ غنچہ ۔ کلی = زھر پھول = حَوْجَم کجعفر جمع حوجمۃ وھو الورد الاحمر حسین وجمیل سرخ گلاب =

(۷۵) لَوْذَعِی نہایت ذہین و فصیح ۔ اَلْمَعِی بڑے ذکی و ذہین ۔ نہایت تیز ذہن والا ۔

اَرْیَحِی کشادہ اور مکارم اخلاق والا ۔ فراخ دل ۔ نیک دل ۔

طلق الوجہ کشادہ رو مرد ، ہنس مکھ ۔ فدعم کجعفر جمیل و بلند سردار ۔ قاموس میں ہے ،

الفدعم ھو الرجل الحسن العظیم ۔

(٧٦) فُیُوضُ الشَّیخِ قد ذاعت علومُ الشیخ قد فاضت

شیخ کے فیوض وعلوم کل دنیا میں شائع ہیں اور پھیل گئے ہیں

مَواعِظُه لنا ذِکرٰی بها قد ضاءَ دَهْجَمُنا

ان کے مواعظ حسنہ ہمارے لیے نصیحت ہیں۔ ان کے ذریعہ ہمارے لیے راہِ عقبیٰ روشن ہوئی

(٧٧) بَنٰی باکورَةٍ دارَ العلومِ فاَصبحت عَینًا

انھوں نے اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ دارالعلوم اولاً علم کا چشمہ تھا

فنهرًا ثمّ بحرَ العلم فهی الیومَ عَیلَمُنا

پھر بڑا دریا ہوگیا پھر سمندر بن گیا۔ اور وہ آج ہمارے لیے بے کراں سمندر ہے

(٧٨) ضُراکُ[296] مُختَلی[297] الرّحمٰن هَترکُه[298] ضُبارِکُه[299]

وہ رحمٰن اور اسلام کے اسد ہیں // // //

ومُهرِعُه[300] کذا مُتبَلِّلُ[301] الاِسلامِ فَیلَمُنا

وہ بلند عظیم الشان انسان ہیں // //

(٧٩) وحامِی[302] اللهِ دَوسَکُه[303] و مُستَنُّ[304] و دَغفَرُه[305]

// // // //

فُراسِنُنا[306] نعم فی بحرِ علمِ الدّینِ اَعوَمُنا

ہاں۔ وہ دینی علم کے سمندر میں ہم سب سے زیادہ اور بہتر تیرنے والے ہیں //

---

(٧٦) دَهْجَم طریق۔ راستہ

(٧٧) عَیلَم سمندر۔ وفی القاموس العیلم البحر والبئرُ الکثیرۃ الماء۔ یہ شعر مدح بطریق ترقی ازحال ادنیٰ بطرف حال اعلیٰ کے لطیف اسلوب پر مشتمل ہے۔

(٧٨) فَیلَم کھیدر بلند وعظیم الشان انسان۔

(٧٩) فی بحر متعلق ہے اَعوَم مؤخر کے ساتھ۔ اَعوَم اسم تفضیل ہے۔ پانی میں سب سے بہتر اور زیادہ تیرنے والا۔ یقال عام فی الماء عَومًا ای سَبَح۔

(۸۰) وباسِلُه[307] وشابِلُه[308] وضَمزرُه[309] واجبهُه[310]

وہ اسد اللہ ہیں // // //

ضَبيطرُنا[311] مُضَبّرُنا[312] مُجهجهنا[313] وهُلقِمُنا[314]

// // // //

(۸۱) ومُندلِفٌ[315] كذا مُتدلِّفٌ[316] هُزَعٌ[317] وهزّاعٌ[318]

حضرت شیخ وہ اسد اللہ ہیں // // //

ومِهراعٌ[319] ورِئبالٌ[320] ورِيبالٌ[321] يُكرِمُنا

جو ہمارا اکرام کرتے ہیں // // // //

(۸۲) ضُماضِمُ[322] ربّنا مُستلحِمٌ[323] نهّامةُ[324] الباقي

// // //

ونحّامٌ[325] ونهّامٌ[326] وعِرهمٌ[327] وضمضمُنا[328]

// // // //

(۸۳) فُرانِقُه[329] كذا مُتبسِّلُ[330] الرحمٰنِ خِنّوسٌ[331]

وہ اسد الرحمٰن ہیں // //

هَضومُ[332] اللهِ مُمتنِعٌ[333] مُسافِعُه[334] وعِرَضمُنا[335]

// // // //

(۸۴) مُغِبٌّ[336] مُزدرِي[337] غابِ العلومِ مِهوبه[338] الأقوىٰ

وہ علمی درختوں کے بن کے قوی اسد ہیں // //

عَيوثُ[339] اللهِ مُصطادٌ[340] واجوفُنا[341] وشَدقمُنا[342]

// // // //

---

(۸۱) يُكرِمُ صفتِ اسم متقدم ہے۔ اس طرح ترکیب قصیدۂ ہٰذا کے مصرعِ ثانی کے آخر میں کثرت سے مذکور ہے۔

(۸۲) باقی خدا تعالیٰ کا اسم ہے۔ یہاں مضاف الیہ واقع ہوا ہے۔

(۸۴) غاب جمع ہے غابة کی۔ اس کا معنی ہے جنگل۔ غابُ العلوم سے بطور استعارہ وتشبیہ مراکزِ علوم مُراد

(۸۵) أعبدَ الحقِّ. كنتَ لنا ضِياءَ الحقِّ لا يُطفىٰ

اے مولانا عبد الحق۔ آپ ہمارے لیے اللہ کا وہ نور ہیں جو بجھایا نہیں جاسکتا

بأفواهٍ إذِ البارِی يُتمِّمُهٗ ويرحمُنا

لوگوں کے منہ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرتے ہوئے اس کی تکمیل فرماتے ہیں

(۸۶) تُنافِحُ عن كتابِ اللهِ كالهوّامِ إذ يَحمِی

آپ قرآن کی ایسی محافظت کرنے والے ہیں جیسا کہ شیر حفاظت کرتا ہے

عرينَ الشِّبلِ إذ قد كنتَ تشرحُه وتُفهمُنا

بچوں کے مسکن کی۔ کیونکہ آپ قرآن کی تشریح کرتے ہوئے ہمیں سمجھاتے رہے

(۸۷) وكنتَ اميرَنا سَوقًا وكنتَ نقيبَنا قَودًا

آپ ہمارے امیر اور سردار تھے چلانے اور رہبری میں

وكنتَ حكيمَنا حِكَمًا بها دومًا تُنمنِمُنا

اور آپ ہمارے دانشمند و حکیم تھے بیان اسرار میں جن سے آپ سدا ہمیں مزین کرتے رہے

(۸۸) عديمُ المِثلِ فی علمٍ وسيعُ الحِلمِ فی رُعبٍ

آپ علم میں بے مثال ہیں۔ اور وسیع بردباری والے ہیں رعب کے ساتھ

رفيعُ الشانِ فی حزمٍ وفی شُوریٰ مُحكِّمُنا

بلند شان والے ہیں ہوشیاری میں۔ اور مشورہ میں دانا صاحب تجربہ شیخ ہیں۔

ہیں۔ الاقوی اسم تفضیل ہے صفت اسم متقدم ہے۔

(۸۶) تنافح کا معنی ہے مدافعت کرنا۔ حفاظت کرنا۔

هوّام اسم اسد ہے۔ شبل شیر کا بچہ۔ عرین وہ مقام جہاں شیر رہتا ہے۔

(۸۷) نقیب قوم کا سردار اور رہنما۔ قوم کے حقوق کی حفاظت کرنے والا۔ یقال نمنمه ای زخرفه وزیّنه یہاں مطلق تزئین وتحسین کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

(۸۸) حِلم کا معنی ہے دانائی۔ بردباری۔ شوریٰ مشورہ۔ مجلس شورہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ شوریٰ الدولة۔ کونسل آف اسٹیٹ۔ اسمبلی ونحوذلك۔ مُحكَّم كمحدّث ای بکسر الکاف۔ دانا تجربہ کار شیخ قاموس میں ہے هو الشيخ المجرب۔

(۸۹) سَمَیْذَعٌ غُنَا وَجَحْجَاحٌ وَلُهْمُوْمٌ وَنِحْرِیْرٌ

آپ فیاض سردار، سخاوت میں سبقت کرنے والے سردار۔ وسیع سینہ والے۔ ماہر علوم

وَقَمْقَامٌ وَغِطْرِیْفٌ وَبُهْلُوْلٌ مُعَمَّمُنَا

نہایت نیک سردار۔ خوش اخلاق سردار۔ جامع فضائل سردار اور مسلّم مقتدیٰ تھے

(۹۰) وَبَاقِعَةٌ وَكَوْثَرُنَا وَدَاهِيَةٌ وَنَقَّابٌ

آپ نہایت دانا۔ سخی سردار۔ جامع اخلاق حمیدہ۔ وسیع علم والے سردار تھے

وَغَیْدَاقٌ وَشَهْمٌ بَلْ مُحَدَّثُنَا وَخِضْرِمُنَا

مکارم اخلاق والے۔ بہت عقلمند۔ بلکہ صاحب الہام وکشف۔ اور کثیر عطایا والے تھے۔

---

(۸۹) سَمَیْذَع فیاض سردار۔ شریف بہادر۔

جَحْجَاح جود وفیاضی کی طرف سبقت کرنے والا عظیم سردار۔ لُهْمُوم نہایت سخی آدمی۔ وسیع سینے والا۔ نِحْرِیر نہایت عقلمند۔ سمجھدار۔ ماہر وحاذق۔ قَمْقَام بڑا نیک وفیاض سردار۔ غِطْرِیف خوش طبع خوبصورت سردار۔ سخی۔ بُهْلُول خوش طبع۔ کشادہ رُو سردار۔ جامع فضائل سردار۔ مُعَمَّم وہ عظیم سردار جس کو قوم نے پیشوا اور مقتدیٰ مان لیا ہو۔

(۹۰) باقعة وہ دانا اور زیرک مرد جس کو فریب نہ دیا جاسکے۔ یہ تا، تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ برائے مبالغہ ہے۔ کوثر جنت کی ایک نہر وحوض۔ بڑا سخی وفیاض سردار ورہنما۔ یہاں معنی ثانی مُراد ہے۔ داهيةٌ بطور مبالغہ نہایت بلند وذہین وعقلمند وجامع خصال مرد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یقال رجلٌ داهيةٌ یعنی نہایت ذہین وعقلمند انسان ہے۔ اس کی تا، مبالغہ کے لیے ہے نہ کہ تانیث کے لیے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں کُتب رجال حدیث میں یہ قول مکتوب ہے کان داهيةَ العرب۔ نَقَّاب وہ سردار اور رہنما جو فیاض ہو اور کاموں کے اسرار وحقائق دریافت کرے اور وسیع علم والا ہو۔ شَهْم ذہین اور بہت عقلمند انسان۔ محدَّث بفتح دال مشددہ۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امورِ خیر کا القاء والہام ہوتا ہو۔ ای الذی یلقیٰ الصوابُ فی قلبه یسمی مُرَوَّعًا ومحدَّثًا۔ وفی الحدیث النبوی ان لکل أمة مروَّعین ومحدَّثین فان یکن فی هذه الامة احد منهم فهو عمر۔ غیداق بڑا سخی اور وسیع سینے والا اور مکارم اخلاق والا۔ خِضْرِم بہت زیادہ مال اور عطایا دینے والا۔ قال الثعالبی فی فصل تفصیل اوصاف السیّد من کتاب فقه اللغة ص۱۴۳۔ القمقام السید الجواد۔ الغطریف السید الکریم الکوثر۔ السید الکثیر الخیر۔ البُهْلول السید الحسن البشر۔ المعمَّم المسوّد فی قومه۔ وایضا قال فی فصل الکرم والجود۔ الغیداق الکریم الجواد الواسع الخلق الکثیر العطیة۔ السمیذع والجحجاح نحوه۔ الخِضْرِم الکثیر العطیة

(٩١) واصیدنا[٣٤٤] لاسرار الشریعة وهو صیّاد[٣٤٥]

اسرار شریعت دریافت کرنے کے اسد ہیں	//

ومحمیّ[٣٤٦] وکان یصید ما یحمی وینظمنا

اور وہ ان امور کو حاصل کرتے تھے جو ہماری حفاظت ونظم کا باعث ہوتے تھے	//

(٩٢) وشاکی الله[٣٤٧] هلقام[٣٤٨] هراثمة[٣٤٩] وهرثمة[٣٥٠]

وہ اسد اللہ ہیں	//	//	//

خبعثنة[٣٥١] خبعثننا[٣٥٢] خبعثننا[٣٥٣] وهرثمنا[٣٥٤]

//	//	//	//

(٩٣) همام[٣٥٥] شیظمیّ[٣٥٦] معتلی[٣٥٧] الباقی ودهواء[٣٥٨]

وہ رب رحمٰن باقی کے شیر ہیں	//	//	//

وداهی[٣٥٩] ربنا الرحمن دلهام[٣٦٠] وسلقمنا[٣٦١]

//	//	//

(٩٤) وقصقصة[٣٦٢] وهاصرنا[٣٦٣] واضبطنا[٣٦٤] وضابطنا[٣٦٥]

//	//	//	//

جلنبطنا[٣٦٦] غطمّشنا[٣٦٧] وقصقاص[٣٦٨] ومهذمنا

اور ہماری حفاظت کے لیے سیف اللہ ہیں	//	//	//

اللهموم الواسع الصدر وقال فی فصل الدهاء وجودة الرأی ۔ اذا کان الرجل ذا رأی وتجربة فهو داهیة واذا جال بقاع الارض واستفاد التجارب منها فهو باقعة فاذا نقب فی البلاد واستفاد العلم والدهاء فهو نقاب واذا کان حدید الفؤاد فهو شهم انتهی ۔ ان دو شعروں میں شیخ مرحوم کے جود وکرم وسیادت وجودۃ رائی وذہانت وفطانت کے سلسلے میں بیشمار اوصاف ومناقب کا ذکر ہے ۔ بلاریب وہ ان مناقب واوصاف کا صحیح مصداق تھے ۔

(٩٣) الباقی اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو مضاف الیہ واقع ہوا ہے ۔

(٩٤) مهذم کمنبر شمشیر براں ۔

(۹۵) وَهَيصَارٌ[۳۶۹] وَهَيصُورٌ[۳۷۰] وَهَصَّارٌ[۳۷۱] وَمِهصَارٌ[۳۷۲]

" " " "

هَصُورَتُنَا[۳۷۳] كَذَا هُصَرٌ[۳۷۴] وَفِى التَّقوٰى مُقَدِّمُنَا

" " اور تقویٰ میں ہمیں آگے بڑھانے والے ہیں

(۹۶) هَصُورٌ[۳۷۵] مِهصَرٌ[۳۷۶] هَصِرٌ[۳۷۷] وَهُصَرَتُنَا[۳۷۸] وَهَيصُرُنَا[۳۷۹]

" " " " وہ اسد اللہ ہیں

وَمِهصِيرٌ[۳۸۰] وَهَزهَازٌ[۳۸۱] هُزَاهِزُنَا[۳۸۲] وَأَرْدَمُنَا

" " " وہ مسلمانوں کے لیے سحاب رحمت ہیں

(۹۷) فَمَوتُكَ مَوتُ عَالَمِنَا بِأَرضٍ مَعْ سَمٰوَاتٍ

آپ کی موت زمین و وسیع سماوات سمیت سارے عالم کی موت ہے

فَيَبكِى كُلُّ مَن فِيهَا وَيُبكِينَا وَيُؤلِمُنَا

پس عالم کے کل سکان خود بھی رو رہے ہیں اور ہمیں بھی رلاتے ہوئے غمگین کرتے ہیں

(۹۸) وَتَبكِيكَ الصِّحَاحُ السِّتَّةُ العُليَا. وَمِشكَاةٌ

آپ پر ماتم کناں ہیں حدیث کی صحاح ستہ اور مشکاۃ المصابیح۔

كَذَاكَ حَقَائِقُ السُّنَنِ الشَّرِيفَةِ وَهِىَ عَيهَمُنَا

یہی حال آپ کی کتاب حقائق السنن کا ہے اور وہ ہمارے لیے پانی سے پر نہر کی مانند ہے

---

(۹۵) فی التقوی مؤخر لفظ مقدم سے متعلق ہے یعنی مرحوم تقویٰ میں ہمیں آگے بڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

(۹۶) اَرْدَمْ ماہر ملاح۔ برستا ہوا بادل۔ بطور استعارہ وتشبیہ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ یعنی مرحوم کے علوم و فیوضات لوگوں کے لیے سحاب رحمت ہیں نیز وہ بحر معاصی وجہالت میں واقع لوگوں کو وعظ ونصیحت وتعلیم کے ذریعہ باہر نکالتے تھے جس طرح ماہر ملاح پانی میں ڈوبنے والوں کو باہر نکالتا ہے۔

(۹۷) لفظ مَعْ میں عین یہاں ساکن ہے اور یہ مع میں لغت فصیحہ بلیغہ اور رائج وکثیر الاستعمال ہے خصوصاً شعر میں۔ و فی المغنی ج۲ ص۲۱ وتسكين عين مع لغة غنم و ربيعة لاضرورة انتهى۔

(۹۸) عَيهَم كجعفر میٹھے پانی کی نہر اور چشمہ۔ لم يذكره صاحب القاموس واستدركه عليه العلامة الزبيدى فى التاج ج۸ ص۴۱۳ حيث قال ويقال للعين العذبة عَيهَم وللعين المالحة زَنيَم انتهى

(۹۹) وتبکیک الھدایۃ مع بنایتھا ۔ عنایتھا

آپ پر رو رہی ہے کتاب ہدایہ اور اس کی چار شروح بنایہ ۔ عنایہ

کفایتھا ۔ کذا فتح القدیر بکی ومعجمنا

کفایہ ۔ فتح القدیر اور معجم طبرانی

(۱۰۰) ویبکی البحر ثم النھر ثم الدر والشامی

نیز غم سے رو رہی ہیں یہ کتب یعنی بحر رائق ۔ نہر ۔ درمختار ۔ شامی

وقاضی خان والمبسوط والقاضی وسلمنا

فتاویٰ قاضی خان ۔ مبسوط ۔ اور منطق کی قاضی مبارک وسلم العلوم

(۱۰۱) قموص[۳۸۳] الله قضقاض[۳۸۴] وھواس[۳۸۵] وقعاص[۳۸۶]

آپ اسد اللہ ہیں // // //

عطاط[۳۸۷] الیس[۳۸۸] ھواسۃ[۳۸۹] المولیٰ وبحرمنا

// // // // اور ہمارے لیے علم کا وسیع سمندر ہیں

(۱۰۲) ھرامسنا[۳۹۰] ھموس[۳۹۱] العلم ھرماس[۳۹۲] وھرمیس[۳۹۳]

// // // //

ابو القرعوش[۳۹۴] ھماس[۳۹۵] ابو القرعوش[۳۹۶] ضمضمنا

// // // اور ہمارے لیے پختہ عزم والے بہادر سردار تھے

---

(۹۹) اس شعر میں چھ کتابوں کا ذکر ہے ۔ ہدایہ اور اس کی چار شروح اور معجم طبرانی ۔ اس شعر میں لفظ مَعْ بسکون عین ہے جو کہ لغت فصیح ہے کما قدمنا آنفاً۔

(۱۰۰) اس شعر میں آٹھ اہم کتابوں کا ذکر ہے ۔ بحر میں تفسیر بحر محیط و بحر رائق دونوں کی طرف اشارہ ہے ۔ نہر فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے ۔ درّ سے درمختار مراد ہے ۔ القاضی سے منطق کے قاضی مبارک اور سلّم سے سلم العلوم مراد ہے ۔ ان دو شعروں میں اشارہ ہے کہ مولانا مرحوم تفسیر و فقہ و حدیث کے علاوہ معقولات کے بھی بڑے ماہر تھے ۔

(۱۰۱) مَولیٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو مضاف الیہ واقع ہوا ہے ۔ بَحْرَمْ بجعفر پانی کا بڑا حوض اور جھیل ۔ یقال غدیر بحرم ای کثیر الماء ۔ اس کا استعمال بطور تشبیہ ہوا ہے ای الشیخ المرحوم فی العلم مثل الغدیر البحرم الذی لاینتقص ماؤہ ۔ (۱۰۲) قُرْعُوش بضم قاف وعین و قِرْعَوش بکسر قاف و فتح عین

(۱۰۳) ضَبِیرٌ مِضبَرٌ اَسَدُ المُهَیمِنِ رَبِّنَا البَاقِی [۳۹۷] [۳۹۸] [۳۹۹]

آپ رب مہیمن باقی کے وہ اسد	//	//

كذاكَ الْأَزْلَمُ الْجَذَعُ الَّذِی یَبْکِیهِ مُعَظَّمُنَا [۴۰۰]

ہیں جس کی موت سے اکثر مسلمانِ عالم رو رہے ہیں	//

(۱۰۴) جَهُومٌ ضَمِرزٌ مُستَأنِسُ المَولٰی وَاِثمِدُهُ [۴۰۱] [۴۰۲] [۴۰۳] [۴۰۴]

//	//	//	//

وَمِغضَفُ رَبِّنَا الاَعلٰی ضُبَاثِمُهُ مُرَزَّمُنَا [۴۰۵] [۴۰۶]

آپ رب اعلیٰ کے اسد ہیں	//	اور ہم میں نہایت محتاط صاحب تجربہ شیخ ہیں

(۱۰۵) هِرِّیتٌ مُزبِرٌ رُزَمٌ وَعِربَاضٌ وَوَهَّاسٌ [۴۰۷] [۴۰۸] [۴۰۹] [۴۱۰] [۴۱۱]

//	//	//	//	//

وَدِرْوَاسٌ ضُبَاثٌ مَزبَرانِیٌّ مُشَبَّمُنَا [۴۱۲] [۴۱۳] [۴۱۴] [۴۱۵]

//	//	//	//

(۱۰۶) جِرَاضُ اللهِ جِرْوَاضٌ جُرَائِضُهُ وَجِرِیَاضٌ [۴۱۶] [۴۱۷] [۴۱۸] [۴۱۹]

آپ اسد اللہ ہیں	//	//	//

وَجُرَئِضُهُ وَجُرَاضٌ جُرَافِسُهُ غَشَمشَمُنَا [۴۲۰] [۴۲۱] [۴۲۲]

اور نہایت جری و بہادر انسان ہیں	//	//	//

دونوں کا معنی ہے۔ ولد اسد۔ ضَمَضَم رجل جرئ و شجاع وماضی فی الامور۔ قالہ الزبیدی وغیرہ۔
نیز یہ اسماء اسد میں سے بھی ہے جس کا ذکر شعر ۸۲ میں گزر گیا ہے۔ یہاں معنی اول مراد ہے۔ اس لیے اس پر خط کھینچا گیا ہے۔

(۱۰۳) الازلم الجذع شیر کا یہ اسم مرکب ہے۔ دو کلموں سے اعنی ازلم وجذع سے۔ معظم ای الاکثر

(۱۰۴) مولیٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اسی طرح باقی بھی۔ مُرَزَّم وہ دانا و دانشمند شخص جو وسیع تجربے والا ہو اور ہر کام میں نہایت محتاط ہو۔ استدرك الزبیدی هذا الاسم فی التاج ج ۸ ص ۳۱۱ علی صاحب القاموس فقال المرزّم کمعظّم الرجل الحذر الذی قد جرّب الاشیاء اھ محتاط صاحب تجربہ۔

(۱۰۶) جُرَئِض کعلبط اس میں را در اصل مفتوح ہے لیکن یہاں ساکن ہے لضرورۃ الشعر۔
غشمشم ای الرجل الشجاع القوی۔ یہ اسم اسد نہیں ہے اس لیے اس پر خط کشیدہ کیا گیا ہے۔

(۱۰۷) فَطُوبیٰ عِشتَ مَحبُوبًا وَبُشرٰی مُتَّ مَحمُودًا

مبارک ہو۔ کہ آپ زندگی میں محبوبِ خلائق تھے اور موت کے بعد محمود یعنی ستائش کیے ہوئے

فَعِشتَ وَکُنتَ عِیشَتَنَا وَمُتَّ فَحَانَ مَقتَمُنَا

پس جب آپ زندہ تھے تو ہم بھی زندہ تھے اور جب آپ رحلت کر گئے تو ہماری موت قریب ہو گئی

(۱۰۸) اِذا الاسلامُ قد مالَت دعائِمُه وقد غارتْ

جب اسلام کے ستون متزلزل ہوئے اور غائب ہوئے

نُجُومُ الحَقّ کُنتَ هُنَاكَ تَدعَمُه وَتَدعَمُنَا

نجوم حق۔ تو ایسے وقت میں آپ ہمیں اور اسلام کو سہارا دینے لگے

(۱۰۹) سِراجُ النّاسِ هَدیًا بل کَنَجمٍ بل کَبَدرٍ بلْ

آپ کی سیرت لوگوں کے لیے چراغ بلکہ کوکب بلکہ بدر بلکہ

کَشَمسٍ یَختَفِی مِن ضَوئِها قَمَرٌ وَاَنجُمُنَا

وہ آفتاب ہے جس کی روشنی میں چاند اور سارے چھپ جاتے ہیں

(۱۱۰) مُساوِرُنا[۴۲۳] وَخَطّارٌ[۴۲۴] وَمُخدِرُنا[۴۲۵] وَاَخدَرُنَا[۴۲۶]

آپ ہمارے لیے اسد اللہ تھے // // //

وَکَعَضلُنا[۴۲۷] وَکَعَظلُنَا[۴۲۸] ضُرَاضِمُنا[۴۲۹] وَضِرضِمُنَا[۴۳۰]

// // // //

---

(۱۰۷) عیشۃ و معاش کا معنی ہے حیات۔ زندگی۔ زندہ رہنا۔ یقال عاش الرجل عیشۃً ومعاشًا ای صار ذا حیاۃ۔ حان کا معنی ہے کسی شئے کا وقت قریب ہونا۔ یقال حان الشئُ یعنی وقت قریب ہوا۔ ویقال حان له ان یفعل کذا یعنی وقت قریب آنا۔ مقتشم کا معنی ہے موت۔

(۱۰۹) یہ شعر مدح بطریق ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کے غریب و عجیب اسلوب پر مشتمل ہے۔

(۱۱۱) عُفَارِيَةٌ[431] كذا مُتَنَاذِرٌ[432] عِفْرٌ[433] ومُهْتَصِرٌ[434]

" " " "

عَفَرْنیٰ[435] وَهُوَ عِفْرِيَةٌ[436] عِفْرُّ اللهِ اَبْذَمُنَا[437]

" " " آپ بڑے دانا تھے

(۱۱۲) نَجِيبُ الاَصلِ نَوَّهَ باسمِ والدِهٖ وشَيَّدَهٗ

وہ شریف نسب والے ہیں۔ انھوں نے والد کے نام و شان کو مشہور و بلند کیا

فعبدُ الحقِّ عالِي الجذمِ زاكِي الخُلقِ مُؤْدَمُنا

پس مولانا عبدالحقؒ بلند اصل والے، پاکیزہ اخلاق والے اور ہمارے معتمد علیہ اور تجربہ کار زعیم ہیں

(۱۱۳) ونِعمَ الاَصْلُ نِعمَ الفَرْعُ اِذْ مَاْتٰی اَبِيه اتیٰ

اصل یعنی آباء و اجداد اور فرع دونوں بہت اچھے ہیں کیونکہ بیٹا اپنے آباء ظاہری و باطنی کے راستے پر گامزن ہے

وماظَلَمَ الّذِی ضَاهیٰ اَبَاه وكان يُنْعِمُنَا

اور جو بیٹا کردار میں والد کے مشابہ ہو وہ ظالم نہیں بلکہ نیک ہے۔ وہ ہمارے محسن ہیں

---

(۱۱۱) ابذم کا معنی ہے اعقل۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی زیادہ عقلمند۔ پختہ و غیر متزلزل رائے والا۔ بذیم کا معنی ہے قوی اور بوقت غضب کامل عقل و ہوش والا۔ بُذم بضم با۔ کا معنی ہے رائے و حزم اور پختہ عزم۔ پس ابذم کا معنی ہے قوی عزم و رائے والا۔ دانا شخص۔

(۱۱۲) مؤدم بکسر دال بھی درست ہے یعنی مخالفین کے درمیان صلح کرنے والا ای المصلح بيننا عند الاختلاف۔ اور بفتح دال بھی درست ہے وهو الرجل المبشر الحاذق المجرب الجامع بين اللين والخشونة۔ كذا فی القاموس۔ نجيب الأصل ای شريف الاصل۔ تنویہ کسی کا نام بلند کرنا۔ تعظیم کرنا۔ تشیید بلند کرنا قوی و مضبوط بنانا۔ مشہور کر دینا۔ عالی الجذم ای عالی النسب والاصل۔ زاکی ای طاهر۔

(۱۱۳) اصل سے آباء اور فرع سے ولد مراد ہے۔ اصل و فرع سے یہاں عام معنی مراد ہے جس میں آباء و ابناء نسبی بھی داخل ہیں اور حسبی بھی داخل ہیں۔ حسبی سے وہ شیوخ مراد ہیں جن سے شیخ مرحوم نے تعلیم حاصل کی ہے یعنی حضرت شیخ مرحوم ان شیوخ اور روحانی آباء کے روحانی و علمی فرزند ہیں اور ان آباء روحانی کے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے۔ دوسرا مصرع مشہور مثل "من أشبه اباه فما ظلم" کی طرف مشیر ہے۔ وهذا مَثَلٌ يضرب للولد اذا كان على شاكلة ابيه خَلقًا وخُلقًا۔ ضاهیٰ ای أشبَهَ۔ يقال انعم فلانًا ای رفّهه ای جعله ذا عيش لين و رغد۔ ويقال انعم الله صباحك ای جعله ذا لينٍ و رغدٍ وطيبٍ۔ ويقال انعمه الله بالنعمة ای

(۱۱۴) وهٰذا الشِبلُ مثلُ اللَّيثِ فی البُؤسٰی ومَخبَرِہٖ

یہ ولدِ اسد اللہ اپنے آبا کرام کے مماثل ہیں ہر شدت و آزمائش میں

فَيَنصَحنا ونَنصَحه ونَخدِمُه ويَخدِمُنا

پس وہ ہمارے خیر خواہ ہیں اور ہم اُن کے خیر خواہ ہیں نیز وہ ہمارے خادم ہیں اور ہم اُن کے خادم ہیں

(۱۱۵) ألا لا رَيبَ أنَّ الشَّيخَ عبدَ الحقِّ سَيِّدُنا

یاد رکھو۔ شیخ عبد الحق مرحوم ہمارے رہنما۔

كَرِيمٌ أحوَذِيٌّ عَبقَرِيُّ القَومِ أشهَمُنا

کریم نیک اعمال والے۔ اعلیٰ فضائل والے۔ سردار ہیں

(۱۱۶) عُلُومُ الشَّيخِ عَبدِ الحَقِّ لامِعَةٌ وساطِعَةٌ

مولانا عبد الحقؒ کے علوم چمکدار۔ بلند۔

وصَادِعَةٌ ونَاصِعَةٌ فتلكَ اليَومَ أثكَمُنا

مظہر حق۔ خالص و واضح ہیں۔ وہ آج ہمارے لیے جادۂ حق ہیں

اوصلها الیه = پس یہ انعام بمعنی ترفیہ ہے یا بمعنی ایصال النعمة ہے۔ اور یہ بنفسہ بھی متعدی ہو تاہے اور اس کا تعدیہ بحرف علیٰ بھی ہوتا ہے۔ مصرع اول میں متنبی کے اس شعر مشہور کی طرف اشارہ ہے:

وكلكمُ اتىٰ مأتىٰ ابيهِ ۔۔۔ فكلُّ فعال كلكمْ عُجاب

(۱۱۴) بُؤسیٰ سختی۔ شدت = مَخْبَر آزمائش۔ امتحان۔ وہ آگاہی جو خبر یا آزمائش سے حاصل ہو۔ اس مصرع میں علامہ حریریؒ کے اس مشہور و معروف قول کی طرف اشارہ ہے ۔ والشبل فی المخبر مثل الاسد =

(۱۱۵) احوذی ماہر۔ بہتر کار گزار۔ ہر کام میں چست اور پھرتیلا۔ عَبْقَرِی سردار۔ ہر چیز میں فائق۔ تعجب انگیز فضائل والا۔ اشهم صیغہ اسم تفضیل ہے۔ ذکی۔ سردار و عالی مرتبت جس کا حکم جاری ہو =

(۱۱۶) لامعة چمکدار = ساطعة بلند اور پھیلی ہوئی روشنی۔ مطلق بلند اور روشن = صادعة حق ظاہر کرنیوالا۔ حق بات کو کھلم کھلا بیان کرنا اور ظاہر کرنا۔ یقال "صدع الامر" ظاہر کرنا۔ "صدع بالحق" حق بات کو بیان کرنا اور ظاہر کرنا =

ناصعة واضح۔ خالص۔ یقال نصع الشئ خالص ہوا۔ واضح ہوا۔ ظاہر ہوا = أثكم طریق راہ۔

(۱۱۷) ويانِعةٌ وجامِعةٌ ورائِعةٌ و رافِعةٌ

نیز شیخؒ کے علوم پختہ۔ جامع۔ پسندیدہ۔ بلند مرتبہ والے۔

وذائِعةٌ وباصِعةٌ ونافِعةٌ تُروِّمُنا

شائع۔ جاری پانی اور نافع ہیں۔ ہمیں مشتاق بنانے والے ہیں

(۱۱۸) فيوضُ الشّيخِ عبدِ الحقّ واضحةٌ ولائحةٌ

مولانا عبد الحقؒ کے فیوض دینیہ واضح۔ روشن۔

وراجِحةٌ وفاتحةٌ بها قد ضاء نَيْسمُنا

راجح۔ ابواب برکات کھولنے والے ہیں۔ ان کے ذریعہ ہم پر راہِ حق واضح و روشن ہوئی

(۱۱۹) ورابحةٌ وطافِحةٌ ونادحةٌ ومادحةٌ

وہ فیوض بہت نافع۔ قلوب کو پُر و وسیع کرنے والے۔ باعث مدح

وناجِحةٌ وناصِحةٌ ونافِحةٌ تُهيِّمُنا

موجب کامیابی و اخلاص۔ مہکنے والے۔ ہمیں ان کے محب بنانے والے ہیں

---

(۱۱۷) يانعة پختہ لذیذ پھل یعنی مرحوم کے علوم پختہ اثمار اور پھلوں کی طرح ہیں۔ کچے نہیں تاکہ ان میں شک کیا جائے۔ رائعة پسندیدہ چیز اور تعجب میں ڈالنے والی چیز کو "امر رائع" کہتے ہیں يقال راعنى الشئ فهو رائع یعنی وہ پسند آئی اور اُس نے تعجب میں ڈالا = باصعة بہتے ہوئے پانی کو باصع کہتے ہیں۔ یعنی یہ علوم جاری پانی کی مانند ہیں۔ تُرَوِّمُنا اى علومه تجعلنا رائمين لها وطالبين لها۔ ترویم کا معنی ہے خواہش دلانا اور کسی شے کا خواہشمند وطالب بنانا۔ يقال رَوَّمَه اى جعله يروم ويطلب =

(۱۱۸) لائحة اى ظاهرة ومضيئة يقال لاح الشئ لوحا۔ ظاہر ہونا۔ ولاح البرق بجلی کا چمکنا۔ راجحة اى غالبة على فيوض الغير فى النفع وفيوض الغير مرجوحة ومغلوبة فى ذلك = فاتحة اى فاتحة للناس ابواب البركات والسعادات = نيسم هو الطرق والسبيل =

(۱۱۹) رابحة اى نافعة والربح هو النفع = طافحة طافح کا معنی ہے بہنے والا۔ پُر کرنے والا اى طافحة قلوب العلماء وما لئتها الى ان فاضت وجرت۔ يقال طفح الاناء طفحًا اى امتلأ وفاض۔ و طفح الاناءَ طفحًا اى ملأه حتى يفيض لازم ومتعد = نادحة يقال ندح الشئ ندحًا اى وسّعه والندح السعة والكثرة فالنادحة معناه انها موسّعة للقلوب وشارحة للصدور اى تجعل القلوب وسيعة مشروحة = مادحة یعنی باعث مدح و ثنا ہیں = ناجحة یعنی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

(۱۲۰) مَعارِفُ شَیْخِنا الصِّندِیدِ ظَاهِرةٌ وناضِرَةٌ

عالی مرتبت شیخ کے معارف ظاہر۔ مُبارک اور رونق والے۔

وزاهِرةٌ ووَافِرةٌ وهامِرةٌ وهِلقَمُنا

خوشنما درخت۔ کثیرہ۔ برسنے والے بادل اور ہمارے لیے سمندر ہیں

(۱۲۱) وباهِرةٌ ودائِرةٌ وعامِرةٌ وغامِرةٌ

نیز یہ معارف اعلیٰ۔ گردش کناں۔ آباد و مقبول۔ محیط۔

وحاضِرةٌ وباقِرةٌ ونائِرةٌ وحَنتَمُنا

حاضر۔ باعث وسعتِ علمی۔ روشن اور برستے ہوئے بادل ہیں

والنجاح هو الفوز = ناصحة یعنی باعثِ خیرخواہی اور اخلاص ہیں۔ ناصح کا معنی ہے ہر شئی میں خالص جو فریب و ملاوٹ و فساد سے خالی ہو۔ ولذا جاز ان یکون ناصحة بمعنی صحیحة سلیمة مصیبة = نافحة مہکنے والے خوشبودار۔ یقال نفح الطیب نَفحًا خوشبو کا منتشر ہونا اور پھیل جانا = تُهَیِّمُنا ای فیوض الشیخ تجعلنا مُحِبّین لها وذلك لحسنها وعظمتها۔ یہ کلام مبنی بر تشبیہ و استعارہ ہے۔ اسی طرح یہ چاروں شعر متعدد استعاراتِ لطیفہ بدیعہ و تشبیہات غریبہ رفیعہ پر مشتمل ہیں۔ بعض کلمات استعارہ بالکنایہ پر اور بعض استعارہ مصرحہ پر اور بعض تشبیہ بلیغ پر مشتمل ہیں۔ یقال هام یهیم بکذا ای احبه وهام علی وجهه ای ذهب لا یدری این یتوجه وهیّمه الحب ای جعله ذا هیام۔

(۱۲۰) معارف کا معنی ہے علوم = صندید سردار۔ عالی مرتبت آدمی۔ بڑے عالم پر بھی صندید کا اطلاق ہوتا ہے = ناضرة تروتازہ۔ رونق والا۔ نضرۃ برکت و خوشحالی کے معنی میں بطور کنایہ مستعمل و رائج ہے۔ قرآن میں ہے "وجوه یومئذ ناضرة"۔ یعنی شیخ مرحوم کے معارف و علوم سرسبز و شاداب باغ ہیں۔ نیز وہ موجب خوشحالی و برکت ہیں۔ معارفِ شیخ کو عظیم الشان بستان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور پھر نسبت نضرۃ تخییل ہے۔ استعارہ مصرحہ و تشبیہ بلیغ بنانا بھی درست ہے۔ اسی طرح حکم ہے متقدم چار اشعار میں اور آنے والے دو اشعار میں اکثر کلمات مذکورہ کا۔ ان پانچ چھ اشعار کے لطائفِ ادبیہ و اسرار بیانیہ و غرائب عربیہ و عجائب لغویہ میں مستقل طویل رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ زاهرة زاہر کا معنی ہے خوشنما پودہ۔ چمکدار اور صاف رنگ والی چیز۔ ہر بلند و پاکیزہ چیز پر بطور استعارہ و تشبیہ زاہر کا اطلاق رائج و شائع ہے یعنی معارفِ شیخ پھولوں کی طرح خوشنما، چمکدار اور دلربا ہیں۔ وافرة ای کثیرة کسی شئے کا کثیر ہونا۔ زیادہ ہونا کشادہ ہونا۔ هامرة ای سائلة وجاریة مثل الماء الجاری۔ متعدی بھی ہے اور لازم بھی۔ نیز هامر کا معنی ہے برسنے والا بادل۔ یعنی معارفِ شیخ برستے ہوئے بادل کی مانند ہیں یا مشرق و مغرب میں جاری پانی کی طرح ہیں۔ معارف کو بادل یا نہر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور نسبت ہمر میں استعارہ تخییلیہ ہے۔ هِلقم۔ سمندر =

(۱۲۱) باهرة بَهر کا معنی ہے غالب ہونا۔ نیز فضیلت و منقبت میں بڑھ جانا = دائرة گھومنے والے یعنی معارفِ شیخ

(۱۲۲) وطَائِرَۃٌ وطَاهِرَۃٌ وظَافِرَۃٌ وخَافِرَۃٌ

یہ معارف اُڑنے والے (یعنی ہر جگہ پہنچے ہوتے ہیں) پاکیزہ۔ باعثِ کامیابی و حفاظت۔

وزَاخِرَۃٌ وعَاطِرَۃٌ ومَاطِرَۃٌ تُفَخِّمُنَا

موجزن بحر۔ معطر۔ برسنے والے اور موجب عظمت ہیں

سارے عالم میں گردش کرتے ہیں یعنی معروف و مقبول ہیں۔ عامرہ یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ عامر کا معنی ہے آباد ہونا۔ آباد کرنا۔ زندہ رکھنا۔ کسی شئے کا بہت زیادہ ہونا یعنی معارفِ شیخ آباد و مقبول ہیں (یہ کنایہ ہے مقبول و معروف ہونے سے) نیز وہ دلوں اور مدارس کو آباد کرنے اور زندہ رکھنے والے ہیں۔ اس میں بھی حسب سابق استعارات ہیں = غامرۃ غَمَرَ کا معنی ہے پانی کا بلند ہو کر ڈھانکنا۔ کسی کو فضل و احسان سے ڈھانپ لینا۔ اس کا باب نصر ہے نیز المال الغامر کا معنی ہے بہت زیادہ مال۔ یقال غمرہ الماءُ پانی کا بلند ہو کر ڈھانکنا۔ وغمر فلانًا بفضلہ۔ فلاں کو اپنے فضل و احسان سے ڈھانپ لیا۔ یعنی معارفِ شیخ اُس سمندر کی مانند ہیں جو ساری دُنیا پر محیط ہو۔ اس میں بھی سابقہ استعارات جاری ہوتے ہیں = حاضرۃ یعنی معارفِ شیخ سے سب لوگ مُستفید ہو رہے ہیں گویا کہ وہ ہر شخص کے پاس حاضر ہیں = باقرۃ یعنی یہ معارف باعثِ تبقّر و موجب بقرِ فنون ہیں۔ نیز وہ دلوں میں وُسعتِ علمی پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ بَقْر کا معنی ہے کھولنا اور وسیع کرنا۔ تبقّر و بَقْر کنایہ ہوتا ہے علم میں زیادتی و مہارت سے۔ اس لیے بڑے ماہر عالم کو باقر کہتے ہیں = نائرۃ نائر کا معنی ہے روشن۔ چمکدار۔ نور والا یعنی یہ معارف روشن ہیں اور قلوب میں نُور پھیلنے پھیلانے کا ذریعہ ہیں = یہ سب الفاظ استعاراتِ بدیعہ و تشبیہاتِ عجیبہ پر مشتمل ہیں = حَنْتَم کجعفر۔ پانی سے پُر کالی بدلی۔ کہتے ہیں کہ کالے بادل عمومًا پانی کی کثرت اور شدت سے برسنے کی علامت ہیں۔ وفی القاموس الحنتم۔ الجرۃ الخضراء والسحائب السود کالحناتم انتھٰی۔ مقصد یہ ہے کہ شیخ مرحوم کے علوم اُن بادلوں کی طرح ہیں جو دائمًا کثرت سے برستے ہیں۔

(۱۲۲) طائرۃ ای ھذہ المعارف مثل الطیر طارت الی کل مکان ووصلت الیہ بالسرعۃ کانھا طیر یطیر الی الشرق والغرب = ظافرۃ ظافر کا معنی ہے کامیاب اور غالب۔ یعنی یہ معارف دارین میں کامیابی اور سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں = خافرۃ خفر کا معنی ہے پناہ دینا۔ حفاظت کرنا۔ امن دینا۔ رہبری اور رہنمائی کرنا = زاخرۃ زاخر کا معنی ہے موجزن۔ "یقال زخر البحر زخرًا" دریا اور سمندر کا چڑھنا اور موج مارنا۔ وایضا یقال زخرہ آراستہ کرنا۔ خوش کرنا۔ یعنی معارفِ شیخ بحرِ زخار ہیں اور موجب خوشی اور زینت ہیں = اس لفظ میں بھی استعارہ یا تشبیہ لطیف ہے = عاطرۃ عاطر کا معنی ہے خوشبودار ہونا۔ مہکنا۔ معطّر = ماطرۃ برسنا اور برسانا۔ نیز ماطر بلند شئے کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی معارفِ شیخ موسلا دھار بارش کی مانند ہیں یا بارش برسانے والے بادل کی طرح ہیں = نیز وہ نہایت بلند ہیں اور بلندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

(١٢٣) فَرُوسُ[٤٣٨] اللهِ فَرَّاسُ[٤٣٩] الكَرِيمِ وَمُسْتَرٍ[٤٤٠] وَابُو[٤٤١]

وہ اسد اللہ ہیں // // // //

فِراسٍ فَارِسُ[٤٤٢] الرَّحْمٰنِ كَهَمْسَةٍ[٤٤٣] وَدَهْثَمْنَا

// // // // اور صاحب مکارم اخلاق شیخ ہیں

(١٢٤) مُرَئِّسُنَا[٤٤٤] رُمَاحِسُنَا[٤٤٥] شَرِيسٌ[٤٤٦] اَشْرَسُ[٤٤٧] عَرِسٌ[٤٤٨]

ہمارے اسداللہ ہیں // // // //

وَعَبَّاسٌ عَبُوسٌ[٤٤٩] عَابِسٌ[٤٥٠] هَرِسٌ[٤٥١] وَصِلْدٍ[٤٥٢] مُنَا[٤٥٣]

// // // // //

(١٢٥) وَنِبْرَاسٌ[٤٥٤] وَرَيَّاسٌ[٤٥٥] وَفِرْنَوسٌ[٤٥٦] هَشَمْشَمَةٌ[٤٥٧]

// // // //

كُوُوسٌ[٤٥٨] شَابِكٌ[٤٥٩] رِيَبَالَةُ[٤٦٠] الْمَوْلٰى وَمِغْشَمْنَا

// // // وہ ہم علماء میں پختہ عزم والے شجاع تھے

(١٢٦) قُضَاقِضُ[٤٦١] رَبِّنَا الْغَفَّارِ قُضْقَاضٌ[٤٦٢] قُضَاقِضَةٌ[٤٦٣]

رب غفار کے وہ اسد ہیں // //

وَصَعْبٌ عَيْدَرُوسٌ[٤٦٤] حَارِثٌ[٤٦٥] شَرِسٌ[٤٦٦] يُنْشِمُنَا[٤٦٧]

// // // // جو ہماری بلندی و ترقی کا ذریعہ ہیں

---

(١٢٣) المستری یہ اسماء اسد میں سے ایک اسم ہے۔ یہ اسم معتل اللام ہے = دھثم وہ مرد جو صاحب مکارم اخلاق ہو۔ وفی القاموس الدھثم کجعفر الرجل السھل الخلق = نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم دھثم ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے سوا ہر نیک اخلاق والے انسان پر بھی دھثم کا اطلاق شائع و معروف ہے۔

(١٢٥) مولیٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے = ریبالۃ وھشمشمۃ میں تاء تانیث کے لیے نہیں ہے، صرح بہ جمیع ایمۃ اللغۃ۔ بلکہ یہ تاء مبالغہ یا تاء وحدت ہے مثل علامۃ وداھیۃ وباقعۃ = مغشم کمنبر وہ شجاع مرد جو اپنے مقصود کی راہ میں کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرے۔ پختہ و مستحکم عزم و ارادے والا =

(١٢٦) قضاقضۃ میں تاء تانیث کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تاء وحدت ہے یا تاء مبالغہ ونحو ذٰلک۔ اسی طرح حکم ہے

(۱۲۷) عَلَندَسَةٌ حُلابِسُنَا وحَلبَسُنَا وحِلبِيسٌ [468] [469] [470] [471]

" " " "

وحُلبُسنَا كذا مُتأنِّسُ الرّحمٰن صهتَمُنَا [472] [473]

" " وہ ہمارے لیے محکم عزم والے سردار ہیں

(۱۲۸) رَزَامُ اللهِ رَزّامٌ رزامته و قِلهامٌ [474] [475] [476] [477]

" " " "

نعم رَزّامةُ الباقي شُذاقِمُه وشَذقَمُنَا [478] [479] [480]

رب باقی کے اسد " "

(۱۲۹) وانّ حديثه حسنٌ صحيحٌ مسندٌ عالٍ

ان کی ہر بات حسن ۔ صحیح ۔ بلند سند والی

ومَرفوعٌ ومَشهُورٌ ومُتّصِلٌ ومِجزمُنَا

مرفوع ۔ مشہور متصل السند اور مفید یقین ہے

ان اسماء ذوات الثار کا جو گزر گئے یا آنے والے ہیں = يَنشُمُنا ای يُعلينا و يرفع ذكرنا وعزتنا و فی القاموس يقال نَشّم الله ذكره تنشيمًا ای رَفعه =

(۱۲۷) صَهتَم وہ سردار جو پختہ عزم وارادے والا ہو۔ قال الامام الازهري الصَهتَم مثل الصِهمِيم، انتهٰى = والصِهمِيم. بكسر الصاد هو السيّد الشريف من الناس كذا فی القاموس = قال الزبيدي فی التاج ج ۸ ص ۳۷۲ ومما يستدرك على صاحب القاموس رجل صَهتَم شديد عسر لا يرتد وجهه ذكره الازهري عن ابن السكيت، قال وهو مثل الصِهمِيم، انتهٰى =

(۱۲۹) ان دو شعروں میں بطریق لطیف وبدیع تشبیہًا واستعارۃً حدیث نبوی کے چند اعلیٰ واقویٰ القاب ذکر کرنے کے علاوہ اُن صفات کی نفی کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک عیوب میں شمار ہوتی ہیں۔ پہلے شعر میں سات صفات عالیہ قویّہ کا ذکر ہے اور دوسرے شعر میں چھ صفات ناقصہ قبیحہ کی نفی ہے = مِجزَم اسم آلہ ہے یعنی آلہ و ذریعہ جزم ویقین۔ مراد یہ ہے کہ وہ مفید جزم ویقین ہے۔ جزم کا معنی ہے پختہ ارادہ ۔ یقین۔

(۱۳۰) ولم نرفیہ تدلیسًا وتصحیفًا وارسالًا

ہم نے ان کی کسی بات میں نہ تدلیس دیکھی اور نہ غلطی۔ اور نہ ارسال

واعضالًا وتعلیلًا ولا وضعًا یرغمنا

اور نہ انقطاع اور نہ علت قادحہ اور نہ وضع (کذب) جو رسوا کرے

(۱۳۱) حقائقہ عقائدنا دقائقہ مقاصدنا

ان کے مسائل حقہ ہمارے عقائد ہیں۔ اور دقائق عملیہ ہمارے مقاصد ہیں

بدائعہ مطالبنا مواعظہ تحذلمنا

غرائب دینیہ ہمارے مطلوب امور ہیں۔ اور مواعظ حسنہ ہمارے لیے مصلح ہیں

(۱۳۲) مناقبہ لنا نہجٌ معارفہ لنا مہجٌ

ان کے کمالات ہمارے لیے طرق ہدایت ہیں اور معارف ہمارے لیے ارواح کی مانند ہیں

شمائلہ لنا سرجٌ بہا ینجاب غیہمنا

آپ کے اخلاق طیبہ ہمارے لیے وہ قندیل ہیں جن کے ذریعہ تاریکی ختم ہوتی ہے

---

(۱۳۰) ترغیم کا معنی ہے اذلال۔ یقال رَغمہ ترغیمًا ای أذلّہ۔ یہ صفت اوصاف سابقہ ہے جو عند المحدثین قبائح میں شمار ہیں کیونکہ ہر قبیح وصف موجب ذلت و رسوائی ہے۔ فعل میں ضمیر ہو ان اوصاف قبیحہ کو راجع ہے بتاویل کل واحد =

(۱۳۱) حقائق۔ دقائق۔ بدائع اور مواعظ میں سے ہر ایک لفظ مبتدا ہے اور علی الترتیب ان کی اخبار ہیں عقائد۔ مقاصد۔ مطالب اور فعل تحذلم۔ تحذلم کا معنی ہے اصلاح کرنا یقال حذلمہ ای اصلحہ =

(۱۳۲) نُہُج بضم نون وہاء۔ یہ جمع ہے نَہج کی۔ طریق واضح۔ یقال طریق نَہج وطُرق نُہُج و نُہُوج۔ مُہَج یہ جمع ہے مُہجَۃ کی۔ روح۔ دم قلب۔ و مہجۃ کل شئ ای احسنہ وخالصہ = یہاں تینوں معنی مراد لینا درست ہے۔ البتہ پہلا معنی اولیٰ ہے = ینجاب ہٹنا۔ زائل ہونا۔ یقال انجابت السحابۃ ای انکشفت = غَیہَم کیدر ظلمت یعنی تاریکی =

(۱۳۳) مُعِيلُ اللهِ[۴۸۱] غَيَّالُ[۴۸۲] وقَصَّالُ[۴۸۳] عَمَيْثَلُه[۴۸۴]

وہ اسد اللہ ہیں　//　//　//　//

مُقَصْمِلُه[۴۸۵] وقِصْمِلُه[۴۸۶] و مِهْزَعُنا[۴۸۷] و اَقْدَمُنا[۴۸۸]

//　//　//　//

(۱۳۴) حَبِيبُ النَّاسِ والعُلماءِ رَادِيُنا[۴۸۹] وسَارِيُنا[۴۹۰]

وہ سب لوگوں اور خصوصاً علماء کے محبوب ہیں۔ ہمارے اسد اللہ ہیں　//

وهَادِيُنا[۴۹۱] مُسَارِيُنا[۴۹۲] وعند الخوفِ مُرْزِمُنا[۴۹۳]

اور بوقت خوف کے ہمارے لیے اسد اللہ ہیں　//　//

(۱۳۵) مَدِينٌ[۴۹۴] مُبْتَغِي اللهِ الرَّحِيمِ[۴۹۵] ومُعْتَمِي[۴۹۶] البَاقِي

وہ اللہ رحیم باقی کے شیر ہیں　//　//

وَدِرْبَاسٌ[۴۹۷] وَدِرْيَاسٌ[۴۹۸] وفي التَّقوىٰ مُصَمْصِمُنا

اور تقویٰ میں ثابت قدم ہیں　//　//

(۱۳۶) وكانَ عِفِرِّنَ[۴۹۹] خالِقِنا كذا مُتَبَغِّي[۵۰۰] المَولىٰ

وہ خالق مولیٰ کے شیر ہیں　//

وحَمْزَتَه[۵۰۱] وعَن سُبُلِ المَعاصِي كانَ يَكْصِمُنا

اور گناہوں کے راستوں سے ہمیں شدت سے روکتے رہے　//

---

(۱۳۳) اقدم یہ شیر کا اسم ہے۔ شعر ۱۳۲ میں مذکور اقدم اسم اسد نہیں بلکہ وہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے قَدَمَ يَقْدُمُ سے۔ یعنی سب سے آگے ہونا۔

(۱۳۵) اسم اللہ۔ الرحیم۔ الباقی اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ فی التقوىٰ ظرف متقدم ہے۔ اس کا متعلق مؤخر ہے۔ مُصَمْصِم یہ اسم اسد نہیں۔ اس لیے خط کشیدہ ہے۔ اس کا معنی ہے پختہ عزم وارادے والا انسان۔ کر گزرنے والا۔ يقال صَمْصَمَ الرجلُ في الامر اى ثبت ومضىٰ فيه۔

(۱۳۶) خالق و مولیٰ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ ہیں۔ عن سبل یہ ظرف متعلق ہے يكصم مؤخر کے ساتھ۔ يكصم بالصاد والثاء کا معنی ہے شدت سے دفع کرنا اور منع کرنا۔ يقال كصم فلانا كصمًا اى دفعه بشدة۔ ويقال كثمه عن الامر اى صرفه عنه۔ كذا في القاموس۔

(۱۳۷) سُبطٌ[۵۰۲] ضَیغَمِیٌّ[۵۰۳] ذُو زَوَائِدَ[۵۰۴] قَسوَرٌ[۵۰۵] سَبُرٌ[۵۰۶]

|| || || || ||

وَقَسوَرَۃٌ[۵۰۷] ضُبَارِمَۃٌ[۵۰۸] ضُبَارِمُنَا[۵۰۹] وَضُمضِمُنَا[۵۱۰]

|| || || ||

(۱۳۸) جُبَیلُ[۵۱۱] بَرَاحِنَا هُرٌّ[۵۱۲] هُرَاهِرُنَا[۵۱۳] وَهَرهَارٌ[۵۱۴]

|| || || ||

وَقِرشَبٌّ[۵۱۵] وَسَوَّارٌ[۵۱۶] وَفِی الحَسَنَاتِ اَقشَمُنَا

اور میدان حسنات میں ہم سب سے زیادہ گھسے ہوئے ہیں || ||

(۱۳۹) وَصِمٌّ[۵۱۷] اللهِ صِمَّتُهٗ فُرَانِسُهٗ[۵۱۸] عَکَندَسُهٗ[۵۱۹][۵۲۰]

|| || || ||

حُمَارِسُهٗ[۵۲۱] وَضَاءَ بِهٖ اِلَی الآثَارِ دَعلَمُنَا

ان کے طفیل ہمارے لیے احادیث نبویہ کا راستہ روشن ہوا ||

---

(۱۳۷) ذو زوائد اسم اسد ہے۔ ذکرہ ابن سیدہ وغیرہ۔ قسورۃ و ضبارمۃ میں تا تانیث کے لیے نہیں ہے۔ یہ اسماء مذکر ہیں اور تاء وحدت وغیرہ معانی کے لیے ہے نہ کہ تانیث کے لیے مثل داهیة و ربعة۔ یقال رجل داهیة و ربعة۔ قرآن میں ہے "فرت من قسورة"۔ ضمضم کعلبط ای بفتح المیم الاولی والسکون للضرورة۔

(۱۳۸) جُبیل براح اسم اسد ہے بالاضافۃ۔ یعنی یہ مرکب اضافی ہے۔ پس یہ اسم دو کلموں سے مرکب ہے۔ فی الحسنات متعلق ہے اقشم کے ساتھ۔ اقشم اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی ادخل۔ یقال قشم الرجل فی بیته" داخل ہوا۔

(۱۳۹) آثار سے احادیث و دیگر امور علمیہ مراد ہیں۔ دَعلَم کا معنی ہے الطریق۔ راستہ۔ قصیدہ ہذا میں کئی کلمات مرادف طریق مذکور ہیں۔ خصوصاً قافیہ میں مثل نیسم، اثکم، دَهجم۔ ذکر الامام ابو الفرج ابن قدامة البغدادی فی باب اسماء الطریق وصفاته من کتاب جواهر الالفاظ ص۱۵ غیر واحد من اسماء الطریق حیث قال، الطریق۔ والسبیل۔ والنهج والمنهج والنیسب طریقة مستدقة والنیسم الطریق الدارس والاکثم والاثکم الواسع واللهجم والدهثم والدهمج والدعلم والدهجم الواسع انتهی باختصار۔

(۱۴۰) وَبِهِمْ هُمُ[۵۲۲] رَبِّنَا الرَّحْمٰنِ اَصْحَرُهٗ[۵۲۳] وَمُصْحَرُهٗ[۵۲۴]

ہمارے رب رحمن کے شیر ہیں ″ ″ ″

اَزُوْمُ[۵۲۵] اللّٰهِ زَنْبَرُهٗ[۵۲۶] وَبِالتَّقْوٰى يُسَعِّمُنَا

″ ″ اور تقوی سے ہماری تربیت کرتے تھے

(۱۴۱) ضَبُوْرُ[۵۲۷] اللّٰهِ اَسْجَرُهٗ[۵۲۸] وَعَوَّامُ[۵۲۹] عُوَاثُنُهٗ[۵۳۰]

″ ″ ″ ″

هُرَاسُ[۵۳۱] اللّٰهِ عَارِنُهٗ[۵۳۲] وَهَرَّاسٌ[۵۳۳] يُهَرِّمُنَا

″ ″ اور وہ اسد اللہ ہیں جو ہماری تعظیم کرتے ہیں

(۱۴۲) وَكَانَ غَضَنْفَرَ الْمَوْلٰى كَذَا مُتَقَدِّىَ الْبَارِى

وہ مولی باری تعالی کے شیر ہیں ″

وَبِيَأْسِهٖ وَمُجْتَابَ الظَّلَامِ وَكَانَ يَرْأَمُنَا

″ ″ اور ہمارے ساتھ وہ بہت محبت کرتے تھے

(۱۴۳) حَمَاسَتُهٗ۔ شُجَاعَتُهٗ۔ وَنَجْدَتُهٗ۔ بَسَالَتُهٗ

ان کی دلیری ۔ شجاعت ۔ قوت ۔ بہادری

وَهِمَّتُهُ الَّتِىْ فَاقَتْ صَوَارِمُنَا وَاَسْهُمُنَا

اور بلند ہمت ہمارے لیے تلواروں اور تیروں کی مانند ہیں

---

(۱۴۰) بالتقوی متعلق ہے فعل مؤخر کے ساتھ = يُسَعِّمُنَا اى يغذّينا و يربّينا باختيار التقوى وبامره ايانا بذلك۔ يقال سَعِمه سَعْمًا وسَعَّمه تسعيمًا بكذا اى غذّاه وربّاه بكذا =

(۱۴۱) يهرّمنا صفت ہے هَرّاس کی = يقال هَرَّمه تهريمًا اى عَظَّمه وكَرَّمه =

(۱۴۲) المولى والبارى اسماء اللہ ہیں۔ یہاں مضاف الیہ واقع ہوئے ہیں = مجتاب الظلام یہ اسم اسد ہے جو مرکب ہے اسمین سے یعنی مرکب اضافی ہے۔ قال الزبیدی فی التاج ج ۱ ص ۱۹۵ مستدركًا على صاحب القاموس ومجتاب الظلام الاسد، انتهى =

يَرْأَمُنَا اى يحبنا۔ يقال رئمه رَأْمًا اى اَحَبَّه وأَلِفَه =

(۱۴۳) اس شعر میں پہلے پانچ الفاظ مبتدا ہیں اور آخر میں صوارمنا الخ خبر ہے = اَسْهُمْ جمع ہے سہم کی۔ تیر۔

(۱٤٤) تَوَاضُعُهُ وَشَفَقَتُهُ وَرِقَّتُهُ اسْتِقَامَتُهُ

ان کی تواضع ۔ شفقت ۔ رقت ۔ استقامت

لَدَى الْكُرُبَاتِ وَالْبَلْوَى بَصَائِرُنَا وَأَنْعُمُنَا

مصائب اور آزمائش کے موقع پر ہمارے لیے بصائر اور نعمتیں ہیں

(۱٤٥) عَوَارِفُهُ وَرَحْمَتُهُ وَرَأْفَتُهُ تَحَنُّنُهُ

ان کے احسانات ۔ رحمت ۔ مہربانی ۔ شفقت ۔

مَوَدَّتُهُ وَمِنَّتُهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَرْسُمُنَا

محبت اور علماء سے ان کی بھلائی ہمارے لیے علامات ہدایت ہیں

(۱٤٦) مُنَهَّتُنَا[۵۳٤] دَلَهْمَسُنَا[۵۳۵] وَعَيَّارٌ[۵۳٦] مُزَعْفَرُنَا[۵۳۷]

ہمارے لیے اسداللہ ہیں // // //

وَمِطْحَرُنَا[۵۳۸] وَمُمَكْوَرٌ[۵۳۹] وَفِي الْبَأْسَاءِ مِصْدَمُنَا

// // اور سختی میں ہمارے بہادر سردار ہیں

پہلے مصرع میں چار الفاظ قریب المعنی ہیں بمقصود مبالغہ و تاکید ہے = نَجْدَة بہادری ۔ قوت ۔ دلیری ۔ بسالة ۔ شجاعت =

(۱٤٤) اس شعر میں بھی اوّلاً مذکور چار الفاظ مبتدا ہیں ۔ لَدَى الخ ظرف ہے استقامته کے لیے = کربات جمع ہے کربة کی ۔ بڑا غم ۔ بڑی مصیبت = بَلْوَى آزمائش ۔ سختی = بصائرنا الخ خبر ہے مبتدأ مذکور کے لیے ۔ یہ جمع ہے بصیرة کی ۔ بصیرت کا معنی ہے عقلمندی ۔ دلیل واضح ۔ یقین ۔ بینائی = أَنْعُم جمع ہے نعمة کی ۔ نعمت کا معنی ہے آرام ۔ عیش ۔ بھلائی ۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز ۔ یعنی شیخ مرحوم کے مذکورہ صدر اوصاف ہمارے لیے موجب بصیرت و رہنمائی و دلائل اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں =

(۱٤٥) عَوَارِف جمع ہے عارفة کی ۔ عارفة کا معنی ہے ۔ پہچانا ہوا ۔ بھلائی ۔ احسان = علی العلماء متعلق ہے مِنّته کے ساتھ = أَرْسُم جمع ہے رَسْم کی ۔ رسم کا معنی ہے علامت ۔ نشان ۔ یہاں مراد ہیں علاماتِ رُشد و ہدایت ۔ وہ نشان جن کے ذریعہ سعادتِ دارین حاصل ہوسکے ۔

(۱٤٦) بأساء سختی مصیبت = مِصْدَم یہ اسم اسد نہیں ہے ۔ وہ سردار جو بہادر اور قوی ہو =

(۱۴۷) ضِبَطْرُ[۵۴۰] اللهِ فِرْسَانٌ[۵۴۱] كذا مُتَشَذِّرُ[۵۴۲] الْبَارِي

" " "

ضَمُوزُ[۵۴۳] الْمُؤْمِنِينَ هَرَنْبَسُهُمْ[۵۴۴] حِفْظًا يُهَشِّمُنَا

مومنوں کے لیے اسد اللہ " تھے ایسی حفاظت کے لحاظ سے جو ہمارے لیے باعث عظمت ہے

(۱۴۸) خُشَامُ[۵۴۵] اللهِ عَيَّالٌ[۵۴۶] مُنِيخٌ[۵۴۷] جَأْبُه[۵۴۸] هُصَمُ[۵۴۹]

" " " " "

وَفِرْنَاسٌ[۵۵۰] مُضَرَّجُنَا[۵۵۱] مُشَرْشِرُنَا[۵۵۲] وَجَهْضَمُنَا[۵۵۳]

" " " "

(۱۴۹) رَهِيصُ[۵۵۴] اللهِ عُرْوَتُه وَعِرْصَامٌ[۵۵۵] عُرَاصِمُه[۵۵۶]

رب رحمٰن کے اسد تھے " " "

مُصَامِصُه[۵۵۸] وَعَيَّلُنَا[۵۵۹] وَوَهْوَاهٌ[۵۶۰] وَعَرْصَمُنَا[۵۶۱]

" " " "

(۱۵۰) ضِبَرٌّ[۵۶۲] هِبْرِزِيٌّ[۵۶۳] سَنْدَرِيٌّ[۵۶۴] أَشْدَخُ[۵۶۵] ضَبِثٌ[۵۶۶]

" " " " "

كذا مُتَنَاذِرٌ[۵۶۷] وَعَلَى أُمُورِ الْخَيْرِ أَقْوَمُنَا

" اور امورِ خیر پر سب سے زیادہ مداومت کرنے والے تھے

---

(۱۴۷) الباری مضاف الیہ ہے۔ یہ اسم اللہ ہے۔ حِفظا تمیز ہے نسبت اضافی متقدم سے۔ اور موصوف ہے یُهَشِّمُنا کے لیے۔ یعنی ممدوح کی حفاظت کرنا ہمارے لیے موجب اکرام و تعظیم ہے۔ یقال هَشَمَه = اکرام و تعظیم کرنا۔

(۱۵۰) متناذِر بکسرِ ذال ہے۔ اس سے قبل شعر ۱۱۱ میں مذکور متناذَر بفتح ذال ہے۔ یہ دونوں اسماء اسد ہیں۔ علی امور ظرف ہے اقومنا موخر کے لیے۔ اقوم اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کام پر زیادہ مداومت و مواظبت کرنا یقال قام علی الامر مداومت کرنا۔ خیال رکھنا۔ رعایت و نگہبانی کرنا۔

(۱۵۱) وَطَبَّقَ عِلْمُه شَرقًا وغَربًا بعدَ ما سارَتْ

اُن کا علم مشرق و مغرب میں پھیل گیا اس کے بعد کہ پہنچایا

بِهِ الرُّكبانُ فِي الآفاقِ فَهُوَ اليومَ غِطيَمْنا

اسے قافلوں نے اطرافِ عالم میں۔ یہ علم آج ہمارے لیے نفع دینے میں عظیم سمندر ہے

(۱۵۲) بَنیٰ دارَ العلومِ عَرِيْنَ[568] اُسُدِ الخالِقِ الباقِي

انھوں نے دارالعلوم حقانیہ کا سنگِ بنیاد رکھا جو اللہ خالق باقی کے شیروں کا مسکن ہے

وَخِيسَتَهم[569] وَخَيفَتَهم[570] وَخِيسًا[571] فَهِيَ مُغْيَمْنا

″　　″　　″　سو وہ ہم علماء کی اقامت گاہ ہے

(۱۵۳) وَخِدْرَهُم[572] كذا اَجَمًا[573] وتامُورًا[574] وعِرِّيسًا[575]

وہ مسکن ہے　″　　″　　″

لِاُسُدِ اللهِ طُوبىٰ اَلْكُلُّ اَهلُ اللهِ مِذْاَمُنا

اللہ تعالیٰ کے شیروں (طلبہ علمِ دین) کیلیے مبارک ہو۔ یہ کُل طلبہ اہل اللہ ہیں اور ہماری اسلامی فوج ہیں

---

(۱۵۱) الرکبان قافلے = غِطیم کدِرھم۔ بڑا سمندر۔ وفی القاموس الغِطَم کھِجَفّ البحر العظیم کالغِطیَم والغَطَمطَم اھ

(۱۵۲) اُسُد جمع ہے اسد کی = خالِق و باقی اسماء اللہ ہیں = ان دو شعروں میں شیر کے مسکن و ماوی کے آٹھ اسماء جمع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرنے والے شیروں کا مسکن ہے۔ یعنی اس میں رہنے والے طلباء و علماء اللہ تعالیٰ کے شیر ہیں =

عَرِین عرینة خِیسة خَیفة بفتح خاء و سکون یاء۔ خِیس یہ سب مسکن اسد کے نام ہیں = مُغْیَم صیغہ ظرف ہے۔ رہائش گاہ۔ اقامت والی جگہ۔ یقال اَغیَمَ فی المکان ای اقام فیہ =

(۱۵۳) اس شعر میں چار اسماء ہیں شیر کے مسکن کے۔ طوبیٰ الگ کلام ہے ای بُشریٰ = الکل مبتدأ ہے اور اس کا مابعد خبر ہے = مِذْاَم کمنبر عظیم فوج۔ کذا فی القاموس نیز مَذاَم بفتح میم و ہمزہ بھی درست ہے۔ بنا بریں یہ ظرف مکان ہوگا۔ یعنی پناہ گاہ۔ سہارے والی جگہ۔ یقال داَمَ الرجلُ الحائطَ یعنی سہارا دینا برائے حفاظت و تقویت۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دارالعلوم ہماری دینی و علمی پناہ گاہ اور سہارے والی جگہ ہے نیز اس میں رہائش پذیر علماء و طلباء اسلامی فوج ہیں =

(۱۵۴) بَنیٰ دارَ العُلومِ فَتِلکَ اَزْهَرُنا وَنَدْوَتُنَا

انھوں نے دارالعلوم حقانیہ کی اساس رکھی۔ سو وہ جامعہ ازہر مصر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی نظیر ہے۔

وَکَوثَرُنا وَتَسْنِیمٌ وَفِردَوسٌ وَهَیقَمُنَا

اور ہمارے لیے کوثر و تسنیم و فردوس اور علم کا عظیم و وسیع سمندر ہے

(۱۵۵) وَکُنتَ تُجَاهِدُ الفُسّاقَ اِذْ فَسَقُوا وَتَدمَغُهم

آپ ہمیشہ فساق دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے ہوئے انھیں دفع کرتے رہے

وَتَحمِینا بِغَیرِ مَخَافَةٍ مِنهُم وَتَعصِمُنَا

اور بغیر کسی خوف کے ہماری حفاظت کرتے رہے

(۱۵۶) کَثِیرًا مَا رَأَینَا سَبعَهُم[576] وَلَبُؤهُم[577] یَعثُو

کئی بار ہم نے فساق کے شیر (سردار، لیڈر) // کو دیکھا فساد کرتے ہوئے

بِاِلحَادٍ وَتَحرِیفٍ وَزَندَقَةٍ وَیُرغِمُنَا

الحاد و تحریف و زندقہ سے اور ہمیں ذلیل کرتے ہوئے

---

(۱۵۴) ازھر سے جامعہ ازہر مصر۔ اور ندوۃ سے ندوۃ العلماء لکھنؤ مراد ہیں۔ ھَیقَمنا ای بحرنا الواسع۔ الهیقم ھو البحر الواسع العظیم۔ یعنی دارالعلوم حقانیہ مسلمانوں کے لیے علم کا عظیم سمندر ہے۔ اس سے سارے مسلمان مستفید ہوتے ہیں۔ نیز وہ کوثر و تسنیم و فردوس کے حصول کی سعادت کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

(۱۵۵) یہ نو اشعار اعداء دینِ اسلام یعنی فساق کے احوالِ سیئہ اور ان کے دفع سے متعلق ہیں۔ یعنی حضرت شیخ مرحوم حفاظتِ اسلام کی خاطر جہاد کرتے ہوئے اِن فساق و ملاحدہ کو دفع فرماتے تھے اور انھیں اپنے بُرے ارادوں کی تکمیل میں ناکام بناتے تھے۔ جو فسق و شرارت کے میدان میں اپنے آپ کو شیر کی مانند بہادر اور طاقتور سمجھتے تھے۔ شعر ۱۵۶ سے آگے پانچ اشعار میں شیر کے اُن ستائیس[27] اسماء کا اطلاق فساق و ملاحدہ پر کیا گیا ہے۔ جن کا اشتقاقی مأخذ و معنی متبادر الی الذہن ہے اور ان کا معنی باعتبار رعایتِ مأخذ و رعایت اشتقاق از مأخذ قبیح و نامناسب ہے۔ نیز ان اشعار میں شیرنی کے اسماء بھی مذکور ہیں۔

(۱۵۶) سبع بسکون باء و فتح سین شیر کا نام بھی ہے اور مطلق درندے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ سبع بفتح سین ہے اور باء میں سکون و ضمہ و فتحہ تینوں درست ہیں۔ لبوء مختلف فیہ اسم ہے۔ اس لیے یہاں اعداء پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ عند البعض یہ مادۃ اسد کا نام ہے اور جمع ہے لیکن بعض ائمہ کہتے ہیں کہ یہ اسد مذکر کا اسم ہے اور لبوءۃ اسد انثی کا۔ مثل اسد و اسدۃ۔ وفی التاج ج ۱ ص ۱۱۵ مستدرکًا علی صاحب القاموس، وبقی ان اللَّبوء الاسد۔ قال فی المحکم وقد اُمیت اعنی انه قل استعمالهم ایاه (ای للاسد المذکر) البتة۔ انتھی ما فی التاج۔
اِرْغام کا معنی ہے اذلال۔

(۱۵۷) وأخنسهم شتيماً جاهلاً كلباً مشتمهم[۵۷۸][۵۷۹][۵۸۰][۵۸۱][۵۸۲]

اور ہم نے دیکھا ملحدوں کے شیر (لیڈر) " " " "

عجوزاً جروهم شتامة يعوى ويشتمنا[۵۸۳][۵۸۴][۵۸۵]

" " " کو بھونکتے ہوئے اور ہمیں گالی دیتے ہوئے

(۱۵۸) وأفضحهم مرملهم كريهاً حية الوادي[۵۸۶][۵۸۷][۵۸۸][۵۸۹]

نیز ہم نے دیکھا ان کے شیر " " "

وعفريتاً يكاد الدين يهدمه ويهزمنا[۵۹۰]

" کو جس کے شر سے دین کی تباہی اور ہماری شکست کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا

(۱۵۹) ومرملهم بلبوته ولبأته لباءته[۵۹۱][۵۹۲][۵۹۳][۵۹۴]

نیز دیکھا ان کے نر شیر کو مادہ شیرنی " "

ولبوته لباة مع لب عرس يفرصمنا[۵۹۵][۵۹۶][۵۹۷][۵۹۸]

" " " " سمیت جو ہماری ہلاکت کے درپے تھا

(۱۶۰) وأهرسهم بأم الحارث الطوغى خنابسة[۵۹۹][۶۰۰][۶۰۱]

نیز دیکھا ان کے نر شیر کو مادہ یعنی سرکش حاملہ شیرنی

وأم القشعم الفسقى يخوفنا ويغشمنا[۶۰۲]

اور فاسق مادہ شیرنی کے ساتھ ہمیں ڈراتے ہوئے اور ہم پر ظلم کرتے ہوئے

---

(۱۵۷) يعوى کتے وغیرہ کا بھونکنا۔ بھیڑیئے کتے وغیرہ بعض درندوں کی آواز کو عُواء کہتے ہیں۔

(۱۵۸) حية الوادى شیر کا اسم ہے۔ یہ مرکب اضافی ہے =

(۱۵۹) مُرمِل اسد مذکر یا جنس اسد کا نام ہے۔ بلبوته میں با بمعنی مع ہے یعنی شیرنی سمیت شرارت کرنے والے نر شیر جو مسلمانوں کو اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں = پس اس شعر میں فاسق مرد لیڈروں کے علاوہ ان فاسقہ عورتوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو لیڈر بنی ہوتی ہیں اور اسلام کی مخالفت کرتی ہیں =

اس شعر میں شیرنی سے مختص سات اسماء کا ذکر ہے اور وہ مُرمِل کے سوا اسماء ہیں = عِرس بکسر عین وسکون راء کا معنی ہے شیرنی اور عَرِس مثل حَذِر بفتح عین وکسر راء اسد مذکر کا نام ہے حسب تصریح ائمہ = عَرِس مثل حذر شعر[۱۲۴] میں مذکور ہے = يفرصم ای يقطع ويكسر كذا فی القاموس =

(۱۶۰) أهرس اسد مذکر کا نام ہے = بأم میں با بمعنی مع ہے = مشہور ہے کہ شیر کے ساتھ جب شیرنی ہو تو اسکی شرارت

(١٦١) فَجِئْتَ بِسَيْفِ اِيمَانٍ وَتَوْفِيقٍ وَاِحْسَانٍ

سو آپ آئے ایسے موقع پر ایمان۔ توفیق الٰہی۔ احسان

وَجُنَّةِ هِمَّةٍ فَاقَتْ وَتَدْفَعُ مَنْ يُحَطِّمُنَا

اور بلند ہمت کی ڈھال کے ساتھ اور دفع کرنے لگے ان کو جو ہم پر ظلم ڈھاتے تھے

حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ امّ الحارث کا معنی ہے شیرنی۔ طوغیٰ اسم تفضیل مؤنث ہے یہ صفت ہے امّ الحارث کے لیے۔ خنابسة کا معنی ہے حاملہ شیرنی۔ بعض کتب معتبرہ میں دیکھا ہے کہ امّ القشعم موت کو بھی کہتے ہیں اور شیرنی کو بھی۔ القسقیٰ اسم تفضیل مؤنث ہے۔ یہ صفت ہے امّ القشعم کے لیے۔ یغشم ای یظلم۔ ان پانچ اشعار میں اسد کے ان ستائیس اسمار کا اطلاق ملحدین اور اعداءِ دین پر کیا گیا ہے جن کا اطلاق حضرت شیخ مرحوم پر مناسب معلوم نہیں ہوتا مثل لبوءة وخنابسة وغیرہ اسمار مؤنث۔ یا ان کا اشتقاقی معنی قبیح وغیر مناسب ہے نیز وہ قبیح اشتقاقی معنی متبادر الی الذہن بھی ہے مثل شتیم مشتق از شتم (گالی) ومثل کلب وجاهل وعجوز وکریه وحية الوادی وعفریت وافضح واخنس وجرو (کتے کے بچے کو بھی جرو کہتے ہیں) وغیرہ وغیرہ۔ باعتبار ظاہر ان اسمار کا اطلاق بطور مدح غیر مناسب ہے اور قصیدہ ہذا کی جامعیت کے پیش نظر اس قصیدے کا ان اسمار سے خالی ہونا بھی نامناسب تھا۔ لہٰذا قصیدہ ہذا کی جامعیت حسب استطاعت برقرار رکھنے کی خاطر ناظم نے نہایت لطیف و بدیع طریقہ سے حضرت شیخ مرحوم کی مدح کرتے ہوئے ان اسمار کا اطلاق ان ملاحدہ وفساق پر کیا ہے جو دین اسلام کو نقصان دینے کے درپے ہیں اور حضرت شیخ مرحوم ان اعداءِ کبار ورؤساءِ ملاحدہ کو دفع کرتے ہوئے اسلام کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح اس لطیف و بدیع اسلوب نظم سے دونوں مقصد پورے ہوئے۔ اوّل ان اسماءِ مذکورہ کا ذکر قصیدہ ہذا میں۔ دوم ان کے ذریعہ منفی طور پر حضرت شیخ مرحوم کی مدح وثنا۔ هٰذا ولله الحمد والمنة۔

(١٦١) یہ دو شعر متعدد لطیف و دقیق و بدیع استعارات وتشبیہات پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ایمان کو بطور استعارہ بالکنایہ مادۂ سیف مثل حدید یا مصنع سیف (کارخانہ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور پھر ذکر سیف میں استعارہ تخییلیہ ہے۔ وهكذا حكم التوفيق والاحسان والهمة۔ استعارہ بالکنایہ کی اور تقریریں بھی یہاں ممکن ہیں۔ نیز استعارہ بالکنایہ کے علاوہ بیانی دیگر طرق تشبیہ بھی جاری ہو سکتے ہیں كما لايخفى على من تدبر فيه۔ جُنة بضم جیم سپر۔ ڈھال۔ فاقت فعل ماضی ہے۔ صفت همة ہے ای همة فائقة۔ تحطيم کا معنی ہے توڑ ڈالنا۔ یہاں مراد ہے ظلم کرنا۔ یقال حطمه تحطيما ای كسره وظلمه۔ اس شعر کے کلمات میں تنکیر برائے تعظیم وتفخیم ہے ای ایمان عظیم و توفیق عظیم۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ شیخ مرحوم کامل ایمان عظیم توفیق۔ بلند احسان اور قوی وغیر متزلزل ہمت والے تھے۔

(۱۶۲) وترميهم بنبل العلم والأذكار والتقوى

اور ان پر پھینکتے رہے علم و اذکار و تقویٰ کے تیر

واقواس الدعاء مناضلاً من كان يزحمنا

دعا کی کمانوں کے ذریعہ مقابلہ کرتے ہوئے ان کا جو ہمیں تنگ کرتے تھے

(۱۶۳) تخاصمهم فتخصمهم بحل صعاب ما اعترضوا

ان کا مقابلہ کرتے ہوئے ان پر غلبہ پاتے تھے اُن کے اُن مشکل اعتراضات کو حل کرتے ہوئے

على القرآن مع سنن فتفحمهم وتدأمنا

جو قرآن و حدیث پر تھے سو آپ ان کو خاموش کرتے ہوئے ہمیں سہارا دیتے تھے

(۱۶۴) فعشت وانت روح للورى طرًا وقلبهم

آپ نے ایسی زندگی گزاری . کہ نفع پہنچانے کے لحاظ سے آپ لوگوں کیلیے روح . قلب

واسماعٌ وابصارٌ والسنةٌ ومعصمنا

کان . آنکھ . زبان اور ہاتھ تھے

(۱۶۵) وعشت وانت للعلماء مرقاةٌ ومعراجٌ

آپ حیات میں تھے اس شان سے کہ علماء کے لیے ترقی و عروج کا ذریعہ

ومنهاجٌ ومعيارٌ ومرآةٌ وسلمنا

راہ حق . معیار . آئینہ اور بلندی کی سیڑھی تھے

---

(۱۶۲) نبل تیر = اقواس جمع ہے قوس کی . کمان = مناضل کا معنی ہے تیر اندازی کرنا . تیر اندازی میں مقابلہ کرنا . کسی کی جانب سے مدافعت کرنا . کسی کی حمایت کرنا = یزحمنا زحم کا معنی ہے دفع کرنا . تنگ کرنا . تنگی کرنا . اس شعر میں بھی شعر سابق کی طرح متعدد لطیف استعارات وتشبیہات ہیں = مناضلا حال ہے ماقبل سے .

(۱۶۳) تخاصم کا معنی ہے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا . تخصمهم کا معنی ہے غالب آنا . مقابلے میں غالب ہونا . بحل الخ یہ جار مجرور متعلق ہے تخصم کے ساتھ = صعاب یہ مصدر ہے یا جمع ہے . دشوار . مشکل = مع بسکون عین ہے . یہ لغت فصیح ہے . افحام کا معنی ہے لاجواب کرنا . خاموش کر دینا دلیل دے کر = تدأمنا سہارا دینا یقال دأم الرجل الحائط . دیوار کو سہارا دینا =

(۱۶۴) معصم کلائی . سارے ہاتھ پر بھی معصم کا اطلاق ہوتا ہے یہاں ہاتھ مراد ہیں =

(۱۶۶) حَیِیتَ وکُنتَ اَنْجَلَنا وَاَکْمَلَنا وَاَعْقَلَنا

آپ زندگی میں ہم سب سے زیادہ معزز ۔ کامل اور دانا تھے

وَمُتَّ وانتَ مُفْجِعُنا وَمُؤلِمُنا وَمُوتِمُنا

اور وفات پاتے تو آپ نے ہمیں نہایت پریشان غمگین اور یتیم کر دیا

(۱۶۷) وَنَحْنُ مَعاشِرَ العُلَماءِ کُنّا نَسْتَشِیرُكَ فِی

ہم علماء آپ سے ہی مشورے لیتے رہے

اُمُورِ العِلْمِ والاسلامِ اِذْ نَعْییٰ فَتُعْلِمُنا

امور علم و اسلام میں ۔ جب ہم عاجز ہو جاتے پھر آپ ہمیں راہ حق بتلاتے رہتے تھے

(۱۶۸) فَعِشْتَ وانتَ مَوْرِدُنا وَمَصْدَرُنا وَمَنْهَلُنا

آپ نے زندگی گزاری اس شان سے کہ آپ ہمارے لیے آنے جانے کا ماویٰ ۔ علمی گھاٹ اور منزل ۔

وَمَرْجِعُنا وَمَرْکَزُنا وَسَلْوَتُنا وَمَرْهَمُنا

مرجع ۔ مرکز ۔ باعث اطمینان و تسلی ۔ دکھ اور غم کی دوا تھے

(۱۶۹) وَعُدَّتُنا وَعِصْمَتُنا وَنُخْبَتُنا وَعِزَّتُنا

نیز آپ ہمارے لیے کامیابی کا ذریعہ ۔ پناہ گاہ ۔ برگزیدہ ۔ عزت ۔

وَرِفْعَتُنا وَقُوَّتُنا وَهِمَّتُنا وَمَغْنَمُنا

باعث بلندی ۔ قوت ۔ ہمت اور غنیمت و نعمت تھے

---

(۱۶۷) نعییٰ عاجز ہونا ۔ ناواقف اور بے خبر ہونا یقال عیی یعییٰ (بابہ سمع) عاجز ہونا ۔ جاہل ہونا = تُعْلِمُنا ای تخبرنا ۔ یقال اعلمه اعلامًا جتا دینا ۔ اطلاع دینا تعلیم دینا ۔ لغۃً اعلام مرادف تعلیم بھی ہے ۔ قاموس میں ہے علّمه تعلیماً وأعلَمه ایاه فتعلّمه، انتھیٰ = علامہ زبیدی تاج شرح قاموس ج ۸ ص ۴۰۵ پر عبارت مذکور کے بعد لکھتے ہیں ۔ وھو صریح فی ان التعلیم والأعلام شئ واحد =

(۱۶۸) سَلْوَة تسلی بخش چیز ۔ تسلی پانا ۔ تسلی = مَرْهَم مرہم ۔ دوائی جو زخموں کے علاج کے لیے بناتے ہیں ۔ وہ دوا جو زخم کے اچھا ہونے کے لیے لگاتے ہیں یعنی حضرت شیخ مرحوم کا وجود ہمارے لیے موجب تسلی اور غمزدہ دلوں کے لیے روحانی اور شافی و کافی دوا و مرہم کی حیثیت رکھتا تھا =

(۱۶۹) عُدَّة سامان ۔ مقاصد میں کامیابی کا سامان و ذریعہ = عِصْمَة بچاؤ ۔ بچانے کا ذریعہ ۔ یقال فلان عِصمة للأرامل ۔

(۱۷۰) وغُرّتُنا نُقاوتُنا ومُخرتُنا و زُبدتُنا

نیز آپ ہمارے لیے سردار ۔ پسندیدہ ۔ عمدہ ۔ خلاصہ کمالات و چیدہ ۔

وصَفوتُنا واُسوتُنا وحُجّتُنا و مَجعمُنا

برگزیدہ ۔ نمونہ و مقتدیٰ ۔ حجت اور پناہ گاہ تھے

(۱۷۱) حَیِیتَ وانتَ زَھرتُنا ونَضرتُنا وبَھجتُنا

آپ نے ایسی زندگی گزاری کہ آپ ہمارے لیے رونق ۔ خوبصورتی ۔ شادمانی ۔

ورَوعَتُنا بَشاشَتُنا وجِدّتُنا ومِیسمُنا

رُوحانی حُسن ۔ خوشی ۔ جدتِ مسرت اور جمال باطنی کا باعث تھے

(۱۷۲) ورونقُنا غضارتُنا بضاضتُنا نضارتُنا

نیز آپ ہمارے لیے باطنی رونق ۔ راحت ۔ خوشحالی ۔ شادابی ۔

طَراوتُنا وعَظمتُنا بَصِیرتُنا ومَوسِمُنا

تر و تازگی ۔ عظمت ۔ بصیرت اور عظیم عید کے موجب تھے

ان کی حفاظت کرنے والا ہے ۔ ان کے لیے بمنزلہ پناہ گاہ و ملجا ہے ۔ نُخبَۃ برگزیدہ ۔ چُنا ہوا ۔

(۱۷۰) غُرّۃ یقال فلانٌ غرۃ القوم ای شریفہم وسیدہم ۔ منتخب چیز ۔ قوم کا سردار = نُقاوۃ پسندیدہ ۔ کسی چیز کا عمدہ اور بہتر حصہ ۔ قالوا نقاوۃُ الشئ خیارہ وخلاصتہ = مُخرَۃ ھوالشئُ الذی تختارہ ۔ پسندکی ہوئی چیز = زُبدَۃ خلاصہ ۔ عمدہ = صَفوَۃ خالص ۔ برگزیدہ ۔ منتخب = اُسْوَۃ نمونہ ۔ مثال ۔ وہ جس کی پیروی کی جائے = مَجعَم پناہ گاہ وفی القاموس المجعَم الملجأ ۔ قال الامام الادیب المشہور ابو الفرج قدامۃ بن جعفر البغدادی فی کتابہ جواھر الالفاظ ص۲۸۹ فی باب خیار الشئ یقال خیار الشئ ومختارہ ونخبتہ و نقاوتہ وصفوتہ وخالصہ وغرتہ و زبدتہ ومُخرتہ =

(۱۷۱) اَنتَ مبتدا ہے اس کے بعد شعر ہذا میں اور اگلے شعر میں ہر کلمہ اس کی خبر ہے ۔ بعض میں حرف عطف متروک ہے اور بعض میں مذکور ہے ۔ ان میں سے اکثر مصدر ہیں ان کا حمل مبالغۃً ہے مثل زَیدٌ عَدلٌ = زَھرَۃ پھول ۔ رونق = نضرَۃ چہرے کی تروتازگی ۔ خوبصورتی وخوشنمائی = بَھجَۃ خوبی اور حُسن ۔ شادمانی اور خوشی = رَوعَۃ حُسن وجمال میں سے حصہ ۔ پسندیدگی = بشاشَۃ خوشی ۔ خندہ پیشانی = جِدّۃ نیا ہونا = مِیسَم ۔ الحسن والجمال ۔ ان سب کلمات کا اطلاق بطور مبالغہ ہے ۔

(۱۷۲) غَضارَۃ آسودہ حال ہونا ۔ اچھی زندگی والا ہونا ۔ نعمت ۔ آسودہ زندگی ۔ وسعت و آسودہ حالی = بَضاضَۃ نازو

(۱۷۳) وَوُصلتُنا اِلٰی کَرَمٍ وَسِیلَتُنَا اِلٰی نِعَمٍ

آپ ہمارے لیے نیکی تک پہنچنے کا سبب۔ حصولِ نعمت کا وسیلہ

ذَرِیعَتُنَا اِلٰی اِدراكِ مَغزانا وَاَیهَمُنَا

علمی و دینی مقصود پانے کا ذریعہ اور نہایت بہادر سردار ہیں

(۱۷٤) جَزَاكَ اللّٰہُ یَا شَیخِی. بِمَا قَد كُنتَ تَهدِینَا

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اے شیخ مرحوم۔ اس بات پر کہ آپ ہماری رہنمائی کرتے تھے

وَتُوَجِّهُنَا وَتَنصُرُ دِینَنَا نَصرًا وَتَرعَمُنَا

اور ہمیں وجیہ و معزز بناتے ہوئے دین کی نصرت اور ہماری رعایت و نگرانی کرتے تھے

(۱۷۵) وَلَستَ بِمَیِّتٍ یَا شَیخُ. اِذ طَوَّقتَنَا الأَطوا

اے شیخ مرحوم۔ آپ مرے ہوئے نہیں۔ کیونکہ آپ نے ہر مسلمان کے گلے میں

قَ مِن عِلمٍ وَاِحسَانٍ وَفَیضٍ فَهِیَ تَتَحَمُّنَا

علم واحسان وفیض کے وہ حسین ہار ڈال دیے ہیں جو ہمیں سدا مزین کرتے رہیں گے

نعمت کی زندگی = نَضَارَۃ خوبصورتی و رونق۔ دولتمندی۔ تروتازہ ہونا۔ شگفتہ ہونا۔ شاداب ہونا = طَرَاوَۃ تروتازگی۔
قال ابوالفرج البغدادی فی باب النضارۃ وحسن المنظر من کتاب جواھر الالفاظ ص۲۸۰ یقال له نضارۃ وبَضاضۃ وزھرۃ ونضرۃ وبھجۃ وغضارۃ وضیاء ورونق وبشاشۃ وطراوۃ وجِدّۃ ورواء وزینۃ ولباقۃ وروعۃ وصفاء کل ذلك بمعنیً انتھٰی = وقال ایضًا یقال اشرب لونه بضاضۃ وبشاشۃ = مَوسِمٌ۔ مجتمع الناس۔ وقت اجتماع الحاج۔ العید الکبیر۔
موسم کا اطلاق شیخ مرحوم پر بطور تشبیہ کے ہے ای حیاۃ الشیخ کانت لنا مثل العید الکبیر۔

(۱۷۳) مَغزٰی مقصد۔ مراد = اَیهَم بہادر۔ شجاع۔ قال الثعالبی فی فقه اللغۃ الایھم ھو الشجاع۔

(۱۷٤) توجھنا ای تجعل کلّ واحدٍ منّا وجیھًا یقال اَوجَھه اِیجاھًا وجیہ بنانا۔ عزت والا بنانا۔
نصرًا مفعول مطلق ہے۔ ترعمنا ای ترقبنا وترعانا۔ رعایت کرنا۔ حفاظت کرنا۔ خیال رکھنا۔

(۱۷۵) تَطوِیق کا معنی ہے گلے میں طوق پہنانا = اطواق جمع ہے طوق کی۔ گلے کا زیور۔ ہار = تَتَحَمُّنَا ای تزیّننا
یقال تحم الثوب نقش ونگار کرنا اور مزین کرنا =

(۱۷۶) أيا شيخَ الشيوخِ اذهب فلست بغائبٍ عنّا

اے شیخ شیوخ، جایئے سفر آخرت پر۔ آپ ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے

وكيفَ وفيضُ علمِك لم يزل كالمزنِ يُسجِمنا

اور کیونکر غائب ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کا علمی فیض سدا ہم پر بادل کی طرح برستا ہے اور برستا رہے گا

(۱۷۷) سقاكَ سحائبُ الرضوانِ والغفرانِ والحسنیٰ

دعا ہے۔ کہ آپ کو سیراب کرے رضوان اللہ۔ مغفرت اور نیکی کے بادل

وآتاكَ القصورَ بجنّةِ الفردوسِ مُلهِمُنا

اور ربِ ملہم آپ کو جنت الفردوس میں عالیشان محلات نصیب فرمائے

(۱۷۸) فربِّ اجعل ضريحَ الشيخِ روضةَ جنّةٍ وابذُل

اے اللہ، شیخ مرحوم کی قبر کو جنتی باغیچہ بنا دیجئے۔ اور عنایت فرمایئے

له روحًا وريحانًا وراحًا انت مُنعِمُنا

انھیں روح و ریحان اور جنتی شراب۔ آپ انعام کرنے والے ہیں

(۱۷۹) سقى الوسميُّ قبرَ الشيخِ ما دامت سماواتٌ

بہارِ رحمت کی بارش شیخ کی قبر کو اُس وقت تک سیراب کرتی رہے جب تک آسمان قائم ہوں

وما غنّى العنادلُ والهزارُ وفاحَ عندمُنا

اور جبتک عنادل ہزار داستان نغمہ سنج ہوں۔ اور خوشبودار عندم پودا مہکتا رہے

(۱۷۶) يُسجِمُنا ای يمطرنا۔ بارش برسا برسانا۔ يقال اسجمت السحابة الماء اسجامًا دیر تک برسنا برسانا۔ والتقدير يُسجِم علينا فحذف على وعدی الفعل بنفسه مثل واختار موسیٰ قومه ـ

(۱۷۷) سَقٰی متعدی ہوتا ہے ایک مفعول کو بھی اور دو مفعول کو بھی یقال سقيته الماء پانی پلانا۔ نیز سقٰی کا معنی ہے بارش بھیجنا اور برسانا۔ سقٰی کا فاعل سحائب ہے۔ نیز جائز ہے کہ اس کا فاعل اس شعر کے آخر میں مُلهِمُنا ہو اسی طرح آتاك کا فاعل بھی ملهمنا ہے بطریق التنازع۔ اس تقدیر پر لفظ سحائب بارش سے کنایہ ہوگا اور تقدیر اول کے پیش نظر سحائب سے بادل مراد ہے۔ (۱۷۸) ضَرِيح قبر = رَوح آرام۔ نرم ہوا۔ خوشی و رحمت و مہربانی = رَيحان خوشبودار پودا۔ یہ پھول سے بھی کنایہ ہوتا ہے = الراح خوشی۔ نشاط۔ شراب۔ یہاں مراد جنتی شراب ہے۔

(۱۷۹) الوَسمِيّ موسم بہار کی پہلی بارش = عنادل جمع ہے عندلیب کی۔ عندلیب معروف خوشنما و خوش آواز پرندہ ہے اسے بلبل بھی کہتے ہیں = هزار بلبل۔ ہزار داستان۔ یہ عطف تفسیری ہے = فاحَ صیغہ ماضی ہے۔ یقال فاح المسك مشک کا مہکنا اور پھیلنا = عندم جمع الاخوین۔ یہ ایک خوشبودار و خوشنما معروف پودا ہے ■ تمت بالخیر

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے علمی و دینی خدمات کے اعتراف میں پشاور یونیورسٹی کی جانب سے دی جانے والی ڈاکریٹ کی اعزازی ڈگری کا عکس۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

UNIVERSITY OF PESHAWAR
(PAKISTAN)
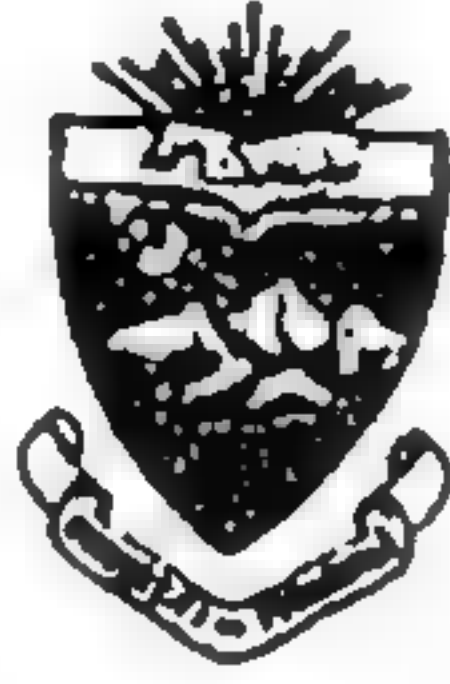
The Syndicate of the UNIVERSITY OF PESHAWAR by a resolution has this day, the Seventh of October of the year One Thousand Nine Hundred and Seventy Seven, conferred the Degree of

DOCTOR OF DIVINITY

HONORIS CAUSA

ON

Maulana Abdul Haq Haqqani

OF

DISTRICT PESHAWAR

in recognition of his high scholarship and the service in the field of Islamic studies.

Registrar

Vice-Chancellor

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی دینی علمی خدمات کے اعتراف میں پشاور یونیورسٹی
کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دیئے جانے کا عکس ———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

PROGRAMME

SPECIAL CONVOCATION

OF THE

UNIVERSITY OF PESHAWAR

FOR CONFERRING THE HONORARY DEGREES OF

DOCTOR OF LAWS

ON

DR. ANNEMARIE SCHIMMEL

AND

DOCTOR OF DIVINITY

ON

MAULANA ABDUL HAQ HAQQANI

CONVOCATION HALL
31st October, 1978

ABDUS SADIQ
Registrar

بقیہ تلخیص آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ

تالیفات :

حضرت شیخ الحدیث نے مظاہر علوم کی مدرسی کے واقعات کے بعد آپ بیتی کے اسی دوسرے نمبر میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اپنی تالیفات و تصنیفات کا ذکر فرمایا ہے یہ تعداد میں ۸۳ ہیں اور جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا - ان میں مطبوعہ بھی ہیں اور غیر مطبوعہ بھی ہر کتاب کے ذکر کے ساتھ حضرت شیخ نے اس کا مختصر تعارف اور زمانہ تالیف بھی لکھوایا یہاں ان کتابوں کے صرف نام ہی لکھے جاسکیں گے اور حسب گنجائش بعض کا بہت مختصر تعارف بھی

۱ - شرح الفیہ اردو (غیر مطبوعہ) ؛الفیہ ابن مالک ؛ نحو کی انتہائی اور مشکل کتاب ہے منظوم ہے اس میں ہزار شعر ہیں ، شیخ نے اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی یہ شرح تین جلدوں میں لکھی تھی۔

۲ - شرح سلم اردو (غیر مطبوعہ) سلم العلوم منطق کا مشکل ترین متن ہے شیخ نے سنہ ۳۴ھ میں اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی اردو میں یہ شرح لکھی تھی۔

۳ - اضافہ براشکال اقلیدس - (غیر مطبوعہ) سنہ ۳۳ھ میں اقلیدس - پڑھنے ہی کے زمانے میں اقلیدس کی درسی کتب میں مذکور اور معروف شکلوں پر شیخ نے اپنی ذہانت و طباعی سے بہت سی نئی نئی شکلوں کا اضافہ کیا تھا۔

۴ - تقریر مشکوٰۃ - (غیر مطبوعہ) پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں اس کی مختصر شرح لکھی تھی - اس کے بعد مشکوٰۃ پڑھانے کے دو میں اس کی شروح وغیرہ سے اس میں بہت اضافے ہوتے رہے اور وہ ایک حد تک مکمل شرح ہو گئی۔

۵ - تقاریر کتب حدیث (غیر مطبوعہ) - شیخ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد ماجد سے پڑھیں اس کے بعد مکرر حضرت سہارن پوری قدس سے ، اور ہر دو حضرات کی تقریریں لکھنے کا اہتمام فرمایا - یہ وہی مجموعہ ہے۔

۶ - مشائخ چشتیہ (غیر مطبوعہ)

۷ - احوال مظاہر علوم (غیر مطبوعہ)

۸ - تلخیص البذل (غیر مطبوعہ)

۹ - شذرات الحدیث (غیر مطبوعہ)

۱۰ - جزء حجتہ الوداع والعمرات (غیر مطبوع) یہ حضرت شیخ کی اہم محققانہ تصانیف میں سے ہے اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

۱۱ - خصائل نبوی (مطبوع) شمائل ترمذی کی اردو میں مقبول عام شرح ہے۔

۱۲ - حواشی بذل المجہود (غیر مطبوع) ۱۳ - تحفتہ الاخوان (مطبوع)

۱۴ - شرح عربی جزری (غیر مطبوعہ) ۱۵ - رسالہ دراحوال قراء سبعہ (غیر مطبوعہ)

۱۶ - اوجز المسالک شرح موطا امام مالک چھ جلد (مطبوع)

۱۷ - فضائل قرآن (مطبوع) ۱۸ - فضائل رمضان (مطبوع)

۱۹ - قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (مطبوع) ۲۰ - فضائل تبلیغ (مطبوع)

۲۱- الکوکب الدری (مطبوعہ) ۲۲- حکایت صحابہ (مطبوع)
۲۳- الاعتدال (مطبوع) ۲۴- مقدمات کتب حدیث (غیر مطبوعہ)
۲۵- فضائل نماز (مطبوع) ۲۶- فضائل ذکر (مطبوع)
۲۷- فضائل حج (مطبوع) ۲۸- فضائل صدقات (مطبوع)
۲۹- فضائل درود شریف (مطبوع) ۳۰- لامع الدراری ۳ جلد (مطبوع)
۳۱- اسٹرائک (مطبوع) ۳۲- آپ بیتی نمبر ۱ (مطبوع)
۳۳- اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ (غیر مطبوعہ) ۳۴- الواقع والدہور (غیر مطبوعہ)
۳۵- المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوعہ) ۳۶- تلخیص المؤلفات للمؤلفین (غیر مطبوعہ)
۳۷- جزء المعراج (غیر مطبوعہ) ۳۸- جزء وفات النبی ﷺ (غیر مطبوعہ)
۳۹- جزء افضل الاعمال (غیر مطبوعہ)
۴۰- جزء روایات الاستحاضۃ (غیر مطبوعہ) ۴۱- جزء رفع الیدین (غیر مطبوعہ)
۴۲- جزء الاعمال بالنیات (غیر مطبوعہ) ۴۳- جزء اختلاف الصلوٰۃ (غیر مطبوعہ)
۴۴- جزء اسباب اختلاف الائمہ (غیر مطبوعہ) (بعد میں طبع ہو گیا)
۴۵- جزء المبہمات فی الاسانید والروایات (غیر مطبوعہ) ۴۶- رسالہ التقدیر
۴۷- سیرت صدیق رضی اللہ عنہ (غیر مطبوعہ) ۴۸- رسالہ فوائد حسینی (غیر مطبوعہ)
۴۹- حواشی قرآن پاک (غیر مطبوعہ) ۵۰- حواشی الاشاعۃ (غیر مطبوعہ)
۵۱- حواشی وذیل التہذیب (غیر مطبوعہ) ۵۲- حواشی اصول شاشی وہدایہ وغیرہ (غیر مطبوعہ)
۵۳- حواشی مسلسلات (غیر مطبوعہ) ۵۴- جزء مکفرات الذنوب (غیر مطبوعہ)
۵۵- جزء ملتقط الرقاۃ (غیر مطبوعہ) ۵۶ جزء ملتقط الرواۃ عن المرقات (غیر مطبوعہ)
۵۷- معجم المسند الامام احمد (غیر مطبوعہ) ۵۸- جزء المناط (غیر مطبوعہ)
۵۹- رسالہ مجددین ملت (غیر مطبوعہ) ۶۰ جزء صلوٰۃ الاستسقاء (غیر مطبوعہ)
۶۱- جزء صلوٰۃ الخوف (غیر مطبوعہ) ۶۲- جزء صلوٰۃ الکسوف (غیر مطبوعہ)
۶۳- جزء ماقال المحدثون فی الامام الاعظم (غیر مطبوعہ)
۶۴- تقریر نسائی شریف (غیر مطبوعہ) ۶۵- جزء تخریج حدیث عائشہ فی قصۃ بریدہ (غیر مطبوعہ)
۶۶- جزء امراء المدینہ (غیر مطبوعہ) ۶۷- جزء طرق المدینہ (غیر مطبوعہ)
۶۸- جزء مایشکل علی الجارحین (غیر مطبوعہ) ۶۹- جزء الجہاد (غیر مطبوعہ)
۷۰- جزء انکحتہ ﷺ (غیر مطبوعہ) ۷۱- مشائخ صوف (غیر مطبوعہ)

۷۲ - اولیات القیامہ (غیر مطبوعہ) ۷۳ - مختصات المشکوٰۃ (غیر مطبوعہ)

۷۴ - ردمودیت (غیر مطبوعہ) ۷۵ - مشرقی کا اسلام (غیر مطبوعہ)

۷۶ - میری محسن کتابیں (غیر مطبوعہ) ۷۷ -- نظام مظاہر علوم (غیر مطبوعہ)

۷۸ - جامع الروایات والاجزا (غیر مطبوعہ) ۷۹ - معجم تذکرۃ الحفاظ للذہبی (غیر مطبوعہ)

۸۰ - تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (غیر مطبوعہ)

۸۱ - تبویب مشکل الآثار (غیر مطبوعہ)

۸۲ - معجم الصحابۃ الذین اخرج عنہم ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ (غیر مطبوعہ)

۸۳ - تبویب احکام القرآن للجصاص (غیر مطبوعہ)

مختصر تعارف کے ساتھ ان "۸۳" تالیفات کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت شیخؒ نے لکھا یا ہے کہ

اب تک انہیں اجزاء ورسائل کا پتہ چلا ہے۔ میرے اندازے میں پچیس تیس ابھی اور بھی ہیں لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنی بھی کافی ہیں اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے۔

ضمیمہ

علماء لدھیانہ کے فکر کی تاریخی کامیابی

نواب مشتاق حسین وقار الملک کے اظہار حق اور سر رضا علی کی سر سید کی پالیسی کے خلاف کھلی شہادت اور وہ بھی وہ شہادت جو سر سید کے بطن سیاست سے پیدا ہونے والے فرزند ارجمند نے پورے باون سال کی سیاسی آزمائشوں کے بعد عوامی عدالت میں اپنے جرم ہائے سیاہ کے طور پر پیش کی ہے۔ وہ اپنی جگہ پر خود فقیہہ سیاست مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی دوررس فکری رہنمائی اور ان کے مکتب خیال کی تاریخی کامیابی کا بین ثبوت ہے، علی گڈھ کی اس تاریخی سیاست کو سامنے رکھتے ہوئے علماء لدھیانہ کے مکتب خیال کے آغاز پر فتوے کے جوابات آزادی ہند کی سیاست کا بنیادی پتھر ہیں۔

سر سید کی سیاست کے خلاف علماء کا فیصلہ

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

اللھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔ جب دنیوی معاملات میں شریک ہونا ہنود سے بموجب آیات وحدیث جائز و درست ہے، تو اس مجلس (یعنی کانگریس) میں شریک ہونا کیونکر منع ہوگا، جیسا کہ بازار جانا جہاں اکثر دوکاندار اہل ہنود ہوں، واسطے کاروبار دنیا کے منع نہیں اس طرح نیشنل کانگریس میں شریک ہونا جائز اور مباح ہے (اقتباس جواب) چونکہ اصول وقواعد جہاں تک دیکھے گئے مضرِ اسلام اور موجب عدم ترقیِ اسلام نہیں ہیں۔ پس اس میں شریک ہونا درست اور جائز ہے۔ سر سید کی اعانت کرنا ان سے علاقہ اور رابطہ پیدا کرنا ہر گز درست نہیں۔ سر سید احمد خاں کی جماعت ایسوسی ایشن (انڈین پیٹریاٹک) جو آٹھ اگست ۱۸۸۸ء کو قائم ہوئی ہے، اس جماعت میں داخل ہونا اور ان کی مدد کرنا ان کی شاخیں شہر بشہر قائم کرنا فساد برپا کر کے لوگوں کو دھمکانا اور سر سید کو اپنا مقتداء دینی اور دنیوی امور میں ٹھہرانا ہر گز ہر گز درست نہیں۔ جو فتویٰ سر سید نے خود تیار کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے نیشنل کانگریس میں داخل ہونے کو کفر اور حرام ثابت کیا ہے، یہ سب دلیلیں سر سید احمد خاں نیچری پر ہی عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ نیچری سر سید احمد کی ایسوسی ایشن میں بڑے بڑے متعصب ہندو مثل راجہ بنارس کے شامل ہیں۔ پس اگر نیشنل کانگریس بہ سبب شمولیت ہنود کے واسطے داخلہ مسلمانوں کے ناجائز قرار دی جائے تو جماعت سر سید احمد خاں میں جو متعصب ہندو اور مرتدین شامل ہیں پھر اس جماعت میں مسلمانوں کا شامل ہونا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ حرام ہے۔

سر سید احمد خاں مسلمانوں کو میٹھی زہر پلا رہا ہے۔ سر سید کی جماعت "ایسوسی ایشن" "دام در سبزہ و مار آستین" ہے۔ ان کا زہر آلود افسوں انجام کار مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا۔

دستخط مرتبین فتویٰ: (۱) خادم علماء مولانا محمد عفی عنہ مفتی لدھیانوی (۲) عبد العزیز عفی عنہ لدھیانوی (۳) مفتی محمد عبد اللہ لدھیانوی (۴) مولانا عبد الواحد لدھیانوی۔ مولانا محمد اسماعیل۔

ان جوابات کو اور پورے فتویٰ کو محمد علی بھیم جی نے ستمبر ۱۸۸۸ء میں بمبئی میں شائع کرایا۔ اس فتویٰ کو کلکتہ، مدراس، خصوصاً آلہ آباد، لکھنؤ، علی گڈھ اور جہاں کانگریس کی شاخیں قائم ہو چکی تھیں ان سب شاخوں کو بھیجا۔

اس فتوی کے شائع ہونے کے ساتھ ہی فرنگی سیاست کے علی گڑھی مہروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ سر سید اور ان کی پارٹی کو امید نہ تھی کہ اس دور جبر و قہر میں انگریزی سیاست کی اولادِ نرینہ کے خلاف کوئی زبان کھول سکے گا۔ سر سید اور ان کی جماعت اپنی جگہ یہ سمجھے ہوئے تھی کہ انگریزی طاقت اور جبروت کے مقابلے میں کون مسلمان ہے جسے زبان ہلانے کی ہمت ہوگی یا اظہار حق کرے گا۔ سر سید کے خلاف چونکہ فتوے کے جوابات کی زبان نہایت سخت تھی، اور صحیح معنی میں مردان حُر کی ضربِ کاری تھی جس سے فرنگی سیاست کے مہر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔

اس ناقابل برداشت ضرب کاری کا جواب دینے کے لئے سر سید کی پارٹی فقیہ سیاست مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا عبد العزیز صاحب کے خلاف فریب کارانہ سوالات بنا کر یو۔ پی اور پنجاب کے علماء سے فتویٰ لے کر ہزاروں کی تعداد میں اشتہارات کی صورت میں شائع کر کے تقسیم کرائے اور اپنے اس دام فریب میں شیخ گنگوہی مولانا رشید احمد صاحب کو بھی شامل کرلیا۔ فقیہہ سیاست نباض وقت مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب نے قطب عالم مولانا شاہ

عبد العزیز کے خلاف فتویٰ کی طرف شیخ گنگوہیؒ کو توجہ دلائی تو شیخ گنگوہیؒ نے فوراً معذرت نامہ تحریر فرما کر فقیہہ سیاست مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا عبد العزیز کے پاس لدھیانہ بھیجا، شیخ گنگوہیؒ کے معذرت نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

بندے کا جو فتویٰ طبع ہوا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولانا عبد العزیز صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے۔ بندہ راہ راست کہہ کر مسلمانوں کو مطلع کرتا ہے اور اپنا ذمہ باری کرتا ہے۔ مولوی عبد العزیز ہرگز ہرگز اس فتویٰ کے مصداق نہیں، اس عبارت میں جو گستاخی کلام نسبت مولوی صاحب کے ہے وہ نہایت ناز یبا ہے بندہ کے نزدیک ایسے کلام علماء کی شان میں موجب ہتک اسلام وعلم ہیں۔ پس بندہ معذرت کرتا ہے اور معافی چاہتا ہے۔ رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۸۸ء میں علماء خاموش تھے۔ مدرسین پر ہیبت طاری تھی۔ خانقاہوں میں سکوت کا عالم تھا۔ لیکن ہر عالم، ہر مدرس، ہر صوفی اپنی جگہ بے چین تھا کہ کس طرح میدان سیاست میں واپس آکر مسلمانان ہند کو فرنگی سیاست کے دام فریب سے بچایا جائے۔ لدھیانہ سے آزادیٔ ہند کے پہلے مکتب خیال کے مفکرین کا میدان سیاست میں جرأت دلیری کے ساتھ قدم رکھنا ہی تھا کہ علماء ہند میں جرأت ایثار کے چشمے پھوٹ نکلے۔ سہارنپور، گنگوہ، دیوبند، اور دہلی کے علماء حق جو سیاست سے فی الحال دستکش وخاموش بیٹھے پھر میدان عمل میں آگئے۔ لدھیانہ سے آزادیٔ ہند کی سیاست کا جو سورج طلوع ہوا تھا اس کی روشنی اور گرمی ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچی۔ چند ہی مہینوں میں فقیہہ سیاست مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کے فہم تدبر نے ایک ہزار علماء اور مدرسین کو سرسید کے خلاف میدان عمل میں لاکھڑا کیا۔ اب کانگریس کی حمایت وتائید میں سیکڑوں عربی مدارس کانگریس کے آفس بن گئے۔ مسجدوں کے خطبوں اور خانقاہوں میں کانگریس کی تبلیغ اور اشاعت کا کام زوروں پر ہونے لگا، اور مسلمانوں پر سے فرنگی ہیبت وخوف کے پردے اٹھنے لگے۔ مولانا شاہ محمد صاحب کے فتویٰ کی تائید میں جن علماء حق و مدرسین نے اور خانقاہوں کے پاک باز اور پاک طینت شیوخ نے دستخط کئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(۱) جوابات مولوی صاحب مذکورہ بسلسلہ شرکت کانگریس جائز ہے اور سرسید احمد خاں کی جماعت ایسوسی ایشن میں شامل ہونا ناجائز ہے چونکہ یہ مسلمانوں کو میٹھا زہر پلا رہا ہے۔ (۲) علماء لدھیانہ کے خلاف جو فتویٰ دیا گیا ہے وہ غلط اور فریب کارانہ ہے۔

۱- مولانا رشید احمد گنگوہی سہارنپوری ۲- مولانا احمد علی سہارنپوری ۳- مولانا پیر محمد سہارنپوری ۴- مولانا عنایت الٰہی سہارنپور ۵- مولانا ثابت علی سہارنپور ۶- مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبند ۷- مولانا محمد حسن دیوبند ۸- مولانا عبد اللہ خان دیوبند ۹- مولانا حافظ احمد حسن دیوبند ۱۰- مولانا فضل عظیم دیوبند ۱۱- مولانا عبد القدیر صاحب دیوبند ۱۲- مولانا محمد مراد ساکن بلوہ ضلع مظفر نگر ۱۳- مولانا ابو محمد عبد الحق دہلوی ۱۴- مولانا محمد اسحاق صاحب دہلی ۱۵- مولانا غلام رسول امرتسر ۱۶- مولانا محمد کرامت اللہ دہلی۔

میں علماء لدھیانہ کو خوب جانتا ہوں اور ان کا معتقد ہوں۔ مولوی صاحبان فضل الٰہی سے گوہر درج شریعت اور اختر برج ہدایت ہیں، ان کی سعی دلیرانہ اور کوشش مردانہ ہے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ کے گلشن کو اس خطۂ مختصر لدھیانہ اور اس کے مضافات میں رونق افزا تر وتازہ، گل ولالہ کر رکھا ہے۔ ان کے مخالفین کے دل پر ان کی تقریروں سے ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔ اس کوشش حریت کے لیے ان صاحبان کو آفتاب ومہتاب کہے جائے تو شک وشبہ نہیں۔

مولانا غلام محمد	کرنال	مولانا غنی شاہ صاحب	امرتسر	مولانا احمد اللہ	امرتسر	مولانا حضور اللہ	//
مولانا غلام رسول	امرتسر	مولانا احمد خان	//	مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری	//	مولانا میاں نبی بخش	//
مولانا غلام مصطفیٰ	//	مولانا حیدر شاہ	//	مولانا پیر رسول شاہ	//	مولانا نظام الدین	//
مولانا عبد العزیز	//	مولانا احمد شاہ	//	مولانا ابو عبد اللہ احمد	//	مولانا حافظ کریم بخش	//
مولانا غلام محمد	//	مولانا عزیز بابا	//	مولانا غلام محی الدین	//	مولانا انوار احمد صاحب	//
مولانا غلام محی الدین	//	مولانا عبد الرحمٰن	//	مولانا مہدی شیخ	//	مولانا عبد اللہ مفتیؒ	لدھیانہ
مولانا پیر عبد اللہ	//	مولانا شہاب الدین	//	مولانا حافظ حامد	//	مولانا عبد الواحد	//
مولانا غلام محی الدین بیگ	//	مولانا محمد شاہ	//	حافظ علیم الدین	//	مولانا نظام الدین	//
مولانا رسول بابا	//	مولانا عبد اللہ	//	مولانا عبد اللہ شیخ	//	مولانا رکن الدین	لدھیانہ
مولانا غلام نبی قادری	//	مولانا عبد السلام	//	مولانا امر الدین	//	مولانا محمد شفیع ناصر	رام پور
مولانا فیض محمد	//	مولانا حیدر شاہ ملاجیون	//	مولانا عبد الکبیر	//	مولانا محمد اسحاق	لدھیانہ
مولانا حاجی غلام محی الدین	//						

علماء انبالہ: جو جوابات سوالات مذکورہ کے دیے گئے ہیں صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا شیخ کامل پیر۔ سائیں توکل شاہ (۲) مولانا عبدالرحیم خاں (۳) مولانا ظہور الدین سہارنپور

علماء سہارنپور: جو جوابات سوالات مذکورہ کے دیے گئے ہیں صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا احمد علی محدث سہارنپور (۲) مولانا ثابت علی خان پور۔ سہارنپور (۳) مولانا ابوالحسن سہارنپور

(۴) مولانا محمد امیر باز خان // (۵) مولانا فضل الرحمٰن // (۶) مولانا عمر دراز خان //

(۷) مولانا قمر الدین // (۸) مولانا عنایت الٰہی // (۹) مولانا منفعت علی دیوبند // (۱۰) مولانا حافظ احمد ح

علماء پاک پٹن پنجاب: (۱) مولانا محمد سرفراز صاحب پاک پٹن (۲) مولانا غلام قادر پاک پٹن (۳) مولانا شاہ سوار چشتی پاک پٹن

(۴) مولانا محمد عظیم پاک پٹن (۵) مولانا محمد اسماعیل صاحب ساکن جورا کلاں متصل قصور۔

علماء فیروز پور: جو جوابات مذکورہ سوالات کے دیے گئے ہیں، صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا جمال الدین صاحب فیروز پور (۲) مولانا جمال الدین موضع امیر (۳) مولانا سراج الدین فیروز پور

(۴) مولانا محمد حسین فیروز پور (۵) مولانا عبدالرحیم فیروز پور (۶) مولانا محمد صدیق فیروز پور

علماء دہلی: جو جوابات مذکورہ سوالات کے دیے گئے ہیں، صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا محمد حسین واعظ
(۲) مولانا شاہ عالم
(۳) مولانا گل محمد خاں
(۴) مولانا محمد قاسم
(۵) مولانا حبیب احمد صاحب
(۶) مولانا امام الدین
(۷) مولانا حافظ محمد عبداللہ ولد مولوی نور محمد
(۸) مولانا محمد ادریس
(۹) مولانا محمد علاؤ الدین
(۱۰) مولانا محمد امیر الدین
(۱۱) مولانا قادر علی

(۱۲) مولانا مصطفیٰ دہلوی
(۱۳) مولانا محمد //
(۱۴) مولانا شمس الدین صاحب //
(۱۵) مولانا سید مخلص الرحمٰن //
(۱۶) مولانا عبدالرحیم //
(۱۷) مولانا سید احمد //
(۱۸) مولانا مفتی کرامت اللہ //
(۱۹) مولانا غزل الدین //
(۲۰) مولانا نور الہدیٰ //
(۲۱) مولانا محمد حسن صاحب //
(۲۲) مولانا محی الدین صاحب //

(۲۳) مولانا سید محمود صاحب دہلوی
(۲۴) مولانا عبدالغفور صاحب //
(۲۵) مولانا غلام محمد صاحب //
(۲۶) مولانا احمد یار صاحب //
(۲۷) مولانا امام الدین صاحب //
(۲۸) مولانا محمد اسماعیل //
(۲۹) مولانا محمد حسین //
(۳۰) مولانا حافظ رحیم بخش صاحب //
(۳۱) مولانا محمد عزیز الحسن صاحب //
(۳۲) مولانا محمد عبداللہ //
(۳۳) مولانا محمد ابراہیم //

علماء رام پور: جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیئے گئے ہیں صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا عبدالواحد صاحب رام پور (یوپی) (۲) مولانا ارشاد حسین صاحب (۳) مولانا محمد عبداللہ رام پور (یوپی)

(۴) مولانا حامد حسین رام پور (یوپی) (۵) مولانا ریاست علی خاں صاحب (۶) مولانا گوہر علی صاحب رام پور (یوپی)

علماء ملتان و تونسہ و بٹالہ و جموں:

(۱) مولانا حافظ غلام محمد صاحب	رتر چھتر بٹالہ	(۸) مولانا عبد العلیم	ملتان پنجاب	(۱۵) مولانا فقیر خدا بخش صاحب	تونسہ
(۲) مولانا غلام رسول صاحب	// //	(۹) مولانا نظام الدین	// //	(۱۶) مولانا فقیر علی صاحب گوہر	تونسہ
(۳) مولانا غلام مصطفیٰ صاحب	// //	(۱۰) مولانا غلام محمد سکنہ	کوٹ شریف	(۱۷) مولانا یار محمد	تونسہ
(۴) مولانا سید محمد شمس الدین	بٹالہ	(۱۱) مولانا حافظ نور محمد	کوٹلی ملتان	(۱۸) مولانا نور محمد	تونسہ
(۵) مولانا محمد فیروز الدین	//	(۱۲) مولانا محمد صدیق	// //	(۱۹) مولانا غلام محی الدین بکھو	تونسہ
(۶) مولانا حکیم نور الدین	جموں	(۱۳) مولانا محمد	// //	(۲۰) مولانا کریم بخش فتح آباد	تونسہ
(۷) مولانا عبد الرحمان ملتانی	ملتان پنجاب	(۱۴) مولانا شاہ اللہ بخش	تونسوی		

علماء جالندھر و ہشیار پور: جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیئے گئے ہیں درست اور صحیح ہیں۔

(۱) مولانا نجم الدین صاحب	جالندھر	(۷) مولانا امانت علی نکودر	جالندھر	(۱۳) مولانا محمد اشرف سلطان پور	جالندھر
(۲) مولانا عزیز بخش	//	(۸) مولانا مصطفیٰ	//	(۱۴) مولانا امام الدین کپور تھلہ	جالندھر
(۳) مولانا سید رکن الدین صاحب	//	(۹) مولانا عبد اللہ خیر اللہ پور	//	(۱۵) مولانا محبوب عالم ہوشیار پور	پنجاب
(۴) مولانا غلام محمد صاحب نکودر	//	(۱۰) مولانا عبد الرحمٰن خیر اللہ پور	//	(۱۶) مولانا فتح دین	پنجاب
(۵) مولانا عبد الکریم نکودر	//	(۱۱) مولانا خیر اللہ خیر اللہ پور	//	(۱۷) مولانا فتح محمد	جالندھر
(۶) مولانا نور محمد صاحب نکودر	//	(۱۲) مولانا شاہ دین شاہ کوٹ	//	(۱۸) مولانا غلام دستگیر قصوری	لاہور

کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے جواب میں مولانا عبد العزیز صاحب قطب عالم لدھیانوی نے یہ فرمایا کہ ہندوؤں سے معاملہ کرنا درست ہے اور ایک جماعت مسمی نیشنل کانگریس ہندو اور مسلمانوں کے واسطے موقوف کرانے انکم ٹیکس وغیرہ کے قائم ہوئی۔ اس میں شامل ہونا جائز ہے اور سر سید نے جو جماعت متعصب ہندوؤں اور مسلمانوں کی بنائی ہے، ان سے ملنا اور معاملہ کرنا شرعاً درست نہیں، آیا یہ جواب مولوی عبد العزیز قطب علم کا شرع کے مطابق ہے کہ نہیں۔

جواب

(۱) ہنود زمانہ سے معاملہ کرنا بہ تحقیق شریعت جائز ہے، خصوصاً اس معاملہ میں انہیں شریک کرنا جس میں رفاہ عام نفع انام وحفظ حقوق مراعات مخلوق ہو کہ اس میں خاص انہیں کا فائدہ نہیں بلکہ تمام اہل وطن کا نفع ہے ایسی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔

(۲) سید احمد زبانی دعویٔ اسلام رکھتے ہیں۔ حقیقت میں دام در سبزہ و مار آستین ہیں۔ ان کا زہر آلود افسون انجام کار لوگوں کو ہلاک کر دینے گا، اس لئے ان کے ساتھ ملنا شرعاً ناجائز ہے۔ دستخط۔ امام طبقہ علماء بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ بریلی شہر۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ مطابق نومبر ۱۸۸۸ء۔

(مولانا) نیاز محمد خاں نقش بندی مجددی مراد آبادی (مولانا) محمد حسین تمنا، مراد آبادی نقش بندی مجددی۔

علماء لاہور و قصور وغیرہ: جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیے گئے ہیں، وہ صحیح اور درست ہیں۔ سر سید کے اقوال وافعال سے اہل اسلام کو انحراف کرنا لازم ہے۔ اور معاملات دنیا میں کانگریس سے شراکت کرنی درست ہے، لیکن سر سید کی جماعت سے تعلق رکھنا ہرگز درست نہیں ہے۔

نام	مقام	نام	مقام	نام	مقام
(۱) مولانا غلام مرتضیٰ بریلی	لاہور	(۲۵) مولانا خلیل احمد	بہاولپور	(۴۹) مولانا غلام محمد صاحب	ہوشیار پور
(۲) مولانا شیخ احمد وایکانی	لاہور	(۲۶) مولانا نذیر احمد صاحب	//	(۵۰) مولانا مسعود حسن	دہلوی
(۳) مولانا غلام نبی احمد	//	(۲۷) مولانا رشید احمد صاحب	//	(۵۱) مولانا شہاب الدین	ہوشیار پور
(۴) مولانا محمد نور الدین	//	(۲۸) مولانا محمد غوث	//	(۵۲) مولانا حاجی برکت اللہ	//
(۵) مولانا محمد امین	//	(۲۹) مولانا احمد بخش	//	(۵۳) مولانا منصور علی	لاہور
(۶) مولانا عبد اللہ	//	(۳۰) مولانا مشتاق احمد قادر بخش	//	(۵۴) مولانا ناصر الاسلام	//
(۷) مولانا غلام محی الدین	//	(۳۱) مولانا محمد شاہ	//	(۵۵) مولانا خواجہ ضیاء الدین احمد	//
(۸) مولانا غلام احمد	//	(۳۲) مولانا غلام محمد	لاہور	(۵۶) مولانا شفیع اللہ محمد کریم اللہ	//
(۹) مولانا محمد عالم	//	(۳۳) نور احمد	//	(۵۷) مولانا محمد یعقوب	//
(۱۰) مولانا غلام جیلانی	//	(۳۴) مولانا محمد یار	//	(۵۸) مولانا محمد نور بنی	//
(۱۱) مولانا عبد الملک	//	(۳۵) مولانا احمد دین	//	(۵۹) مولانا محمد حبیب اللہ	//
(۱۲) مولانا عبد القادر	//	(۳۶) مولانا محمد عبد اللہ مفتی ٹونکوی	//	(۶۰) مولانا سید حسن شاہ	//
(۱۳) مولانا عبد العزیز	//	(۳۷) مولانا سید غلام حسین	قصوری	(۶۱) مولانا عبد اللہ خاں	//
(۱۴) مولانا غلام رسول	وارد //	(۳۸) مولانا سید محمد	قصوری	(۶۲) مولانا ظہور الحق	//
(۱۵) مولانا عبد الکریم	قاضی شاہ پور	(۳۹) مولانا غلام مصطفیٰ	//	(۶۳) مولانا محمد حسن	//
(۱۶) مولانا قل احمد	ساکن چک	(۴۰) مولانا عبد الملک	//	(۶۴) مولانا سید شیر علی	//
(۱۷) مولانا عبد الحق	لاہور	(۴۱) مولانا محمد فضل حق	//	(۶۵) زین العابدین	//
(۱۸) مولانا علاء الدین بجابڑہ	//	(۴۲) مولانا سید محمد عبد اللہ	//	(۶۶) مولانا احمد گل	//
(۱۹) مولانا عبد القادر دیروی	//	(۴۳) مولانا سید محمد زماں شاہ	//	(۶۷) مولانا محمد جان	بھوپال
(۲۰) مولانا عبد الغفار	//	(۴۴) مولانا عبد الحی	لاہور	(۶۸) مولانا عزیز الرحمٰن	//
(۲۱) محمد مسکین	//	(۴۵) مولانا محمد فضل اللہ	لاہور	(۶۹) مولانا سید محمد صاحب	//
(۲۲) مولانا ولی محمد	مرالیوار	(۴۶) مولانا محمد ابراہیم	لاہور	(۷۰) مولانا سید عبد اللہ	//
(۲۳) مولانا غلام محمد صاحب	لاہور	(۴۷) مولانا محمد یوسف	لاہور	(۷۱) مولانا ابو الفضائل سید غلام رسول	//
(۲۴) مولانا شیر محمد	//	(۴۸) مولانا محمد نذیر حسن	انبالہ	(۷۲) مولانا ذو الفقار احمد	لاہور

علما مدینہ منورہ و بغداد: الجواب کلہا صحیحۃٌ تمام مذکورہ جوابات درست ہیں۔

(۱) مولانا الحاج علی بن یوسف خادم روضۃ النبی ﷺ مدینہ منورہ

(۲) مولانا طاہر افندی البغدادی خادم روضہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ۔ بغداد

مرد مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
ہمسایہ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
قدرت کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

فتویٰ نصرۃ الابرار کی تاریخی اہمیت: گزشتہ تیس سال میں کانگریس کی تحریک کے بنیادی ممبران کے تفصیل کے ساتھ جو تذکرہ تاریخی نقطۂ نظر سے قلم بند کئے گئے ہیں، ان تذکروں میں نصرۃ الابرار کے فتوے کو سنگ بنیاد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مشہور مورخ مولانا سید طفیل احمد منگلوری اپنی کتاب "مسلمانوں کے روشن مستقبل" میں صفحہ ۲۳۹ پر حسب ذیل الفاظ میں فتوے کو اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

"بعض مسلمانوں نے کانگریس کی شرکت کے عدم جواز کے فتوے شائع کئے اس کے جواب میں مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب لدھیانوی نے (جو مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب صدر احرار اسلام ہند کے دادا تھے) نصرۃ الابرار کے نام سے فتووں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ جس میں لدھیانہ، جالندھر، ہوشیار پور، کپور تھلہ، امرت سر، چھپرا گجرات، جموں، فیروز پور، قصور، ملتان، پاک پٹن، انبالہ، سہارن پور، گنگوہ، مظفر نگر، دہلی، رام پور، بریلی، مراد آباد، مدینہ منورہ، بغداد شریف، وغیرہ کے علماء کرام کے دستخط تھے اور دستخط کرنے والوں میں اس زمانے کے تمام نامی علماء مثل مولانا رشید احمد گنگوہی، مولوی لطف اللہ علی گڈھی۔ ملا محمد مراد، مظفر نگری وغیرہ کے نام شامل تھے۔ ان فتووں میں دکھایا گیا تھا کہ دنیوی امور میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنا جائز ہے۔ مگر چونکہ کانگریس کی عام کارروائی اور تقریریں انگریزی میں ہوتی تھیں اس لئے علماء اس میں حصہ نہ لے سکے۔ دراصل اس زمانہ میں مسلمان بڑی کشاکش میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو سر سید جیسی بڑی شخصیت کے لوگ کانگریس کے مخالف تھے اور دوسری طرف بدر الدین طیب جی و صوبہ بمبئی اور مدراس اس کے موافق تھے۔ بمبئی کے تاجر علی محمد بھیم جی تمام ملک میں کانگریس کے لیے دورے کرتے پھرتے تھے۔ طیب جی نے سر سید کو ایک چٹھی لکھی تھی کہ کانگریس نے یہ طے کیا ہے کہ اگر کچھ مسلمان ڈیلی گیٹ کسی امر کے مخالف ہوں گے، تو وہ کانگریس میں پیش نہ ہوسکے گا۔ اس کا جواب سر سید نے یہ دیا کہ جب کانگریس ایک سیاسی جماعت ہے تو کوئی اصولی سیاسی مسئلہ ایسا نہیں ہے خصوصاً جن کے لیے کانگریس قائم ہوئی ہے، جو مسلمانوں کے برخلاف نہ ہو۔

علی گڈھ کی پہلی سیاسی انجمن: بالآخر ۱۸۸۸ء میں علی گڈھ میں "یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" یعنی جماعت محبان۔

سر سید پر سید افغانی کا محاکمہ: سید جمال الدین افغانی پیرس سے عربی زبان میں "عروۃ الوثقیٰ" کے نام سے اخبار نکالتے تھے۔ اس اخبار کی ۲۸، اگست ۱۸۸۴ء کی اشاعت میں سید افغانی نے "ہندوستانی نیچری" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا اس کے اردو ترجمے سے کچھ عبارات حسب ذیل ہیں:۔

"انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوا تو اس نے یہاں کے حکمرانوں اور معززین سے ایسا کھیل کھیلا جسے دیکھ کر عبرت آموز انسان کی آنکھ سے کبھی ٹپ ٹپ آنسو گرتے ہیں اور کبھی بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی نکل جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطنت مغلیہ کے آثار مٹے، تو انگریز نے ملکی حالات کا گہرا جائزہ لیا اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہندوستان میں آباد ہے۔ ہر مسلمان کا دل اپنی عظیم سلطنت کی تباہی سے زخمی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کا دینی رابطہ مشرق و مغرب کے کروڑوں مسلمانوں سے قائم ہے۔ انگریز خوب جانتا تھا کہ جب تک مسلمان قرآن پڑھتا اور سمجھتا ہے جب تک مسلمان اپنے دین پر قائم ہے، تب تک مسلمانوں کا اجتماعی لحاظ سے کسی اجنبی سیاسی طاقت کے سامنے مستقل طور پر جھکے رہنا ممکن نہیں۔

پھر اجنبی بھی کیسا اجنبی؟ ایک ایسا مکار اور غدار اجنبی، جس نے محبت اور دوستی کے پردے میں، مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت پر فریب سے قبضہ کرلیا۔ اس لئے انگریز نے مسلمانوں کے دینی اعتقادات سست اور کمزور کرنے کی غرض سے ہر ممکن وسیلے سے مدد لی۔ اپنے پادریوں اور دینی پیشواؤں کو اکسایا کہ اسلام پر اعتراضات گھڑیں رسالے لکھیں۔ حضور صاحب شریعت ﷺ پر ناروا بہتان اور الزام تراشیں (برأ اللہ مما قالوا) ایک طرف یہ کاروائیاں جاری تھیں۔ دوسری طرف انگریز نے مسلمانوں پر جینا دو بھر بنانے اور اپنی قوت و تشدد کے بل سے مسلمان کو عاجز کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ عام ملازمین کو الگ کر دیا۔ مساجد و مدارس کے اوقاف ضبط کر لیے۔ مسلمان علماء اور اکابر کو جلاوطن کر کے کالے پانی بھیج دیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ مسلمان ویسے تو اپنے دین سے برگشتہ ہونے میں نہیں آتا، شاید ان طریقوں سے اس کا سخت ایمان کچھ ڈھیلا پڑ جائے۔ غرض ایک طریقہ ناکام رہا تو دوسرا اختیار کیا گیا۔ دوسرے طریقہ سے کامیابی میں تاخیر ہوئی تو تیسرا طریقہ آزمایا گیا۔ انگریز ہر حیلہ سے مسلمانوں کو کمزور اور تباہ کرنے کے درپے تھا کیوں کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کو اصل خطرہ مسلمان سے ہی تھا۔ ملک مسلمانوں سے ہی چھینا گیا تھا۔ حق انہی کا غضب ہوا تھا۔

"اتفاقاً" ہندوستان کا ایک باشندہ احمد خاں نامی انگریزوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے، ان کی کوٹھیوں کا طواف کرتا تھا۔ (بحوالہ رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا" مؤلفہ سر سید ۱۸۶۰-۶۱ء) اس نے اپنے آپ کو انگریز کی خدمت کے لیے پیش کیا۔ عام مسلمانوں کا اور طریقہ چھوڑ کر انگریز کے عقیدے کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی۔ اس سے پہلے ایک تصنیف (تبیین الکلام) میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ توریت وانجیل میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ یہ اپنی موجودہ شکل میں "محفوظ" اور "صحیح" الہامی صحیفے ہیں۔ اس طرح اس نے انگریز کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنا چاہا۔

نیچری مسلک: "وہ نیچری مسلک اختیار کر کے یہ ثابت کرنے لگا کہ کائنات میں نیچر اخود کار فطرت کے سوا اور کوئی بالاتر، یا بے مثال حقیقت بروئے کار نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس نے چند خوشحال اور کھاتے پیتے پر جوش مسلمانوں کو ورغلایا۔ کئی جدت پسند طبیعتیں، شریعت کی پابندی سے نجات حاصل کرنے اور مادی فوائد کے لالچ میں اس کے گرد اکٹھی ہو گئیں۔ انگریز حکام کو مسلمانوں نے دل میں فساد کے بیج بونے کا یہ نیا طریقہ بڑا پسند آیا انھوں نے اس کی عزت اور تکریم شروع کر دی۔ ایک مدرسہ کے قیام میں اس کی مدد کی۔ یہ ایک جال تھا جو مسلمان بچوں کا شکار کر کے ان کی پرورش "احمد خاں بہادر" کے افکار کے مطابق کرنے کے لیے پھیلایا گیا۔

"احمد خاں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جس میں قرآنی الفاظ کا مطلب توڑ مروڑ کر اللہ کی نازل کردہ کتاب کا مفہوم بدلنے کی سعی کی گئی اس نے ایک رسالہ بھی جاری کیا جس میں مسلمانوں کی عقلوں کو گمراہ کرنے والے، ان کی جمعیت میں تفرقہ ڈالنے والے اور مختلف مسلمان اقوام میں باہمی پھوٹ کے بیج بونے والے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو دیگر ممالک اسلامیہ (خصوصاً خلافت عثمانیہ ترکیہ) سے بدظن کیا جاتا ہے۔

"میں نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران "احمد خاں" کے غلط عقائد کے خطرناک نتائج واضح کرنے کی غرض سے عربی اور فارسی زبان میں ایک رسالہ شائع کیا تھا کیونکہ بعض اہلِ علم لوگ احمد خاں اور اس کے حاشیہ برداروں کے ریاکارانہ الفاظ اور منافقانہ بیانات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

"۔۔۔۔۔ہندوستانی نیچری، ایک لحاظ سے یورپ کے نیچریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپ کے نیچری، دینی ناموس سے بیزار بھی ہوں، تو کم از کم وطن وملت کی غیرت سے ہمیشہ جان ومال کی قربانی پر آمادہ رہتے ہیں، لیکن یہ ہندوستان کے نیچری ایک طرف لوگوں کو دینی عقاید سے برگشتہ کرتے ہیں اور دوسری جانب قوم یا وطن پر اغیار کے تسلط سے بھی خوش ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ملکی مصلحت یا قومی ناموس کے کسی کونے تک انگریز کا ہاتھ نہیں پہنچا، تو وہاں بھی اجنبی کی دستبرد کا اہتمام ہو جائے۔ یہ سب کچھ وہ کسی بڑے اجر کی خاطر نہیں بلکہ حقیر معاوضے اور معمولی شاباش کے عوض کرنے پر آمادہ رہتے ہیں"۔

خاندان حبیب

کیوں نہ ہو مجھ کو حبیب، میرے حبیب کا حبیب

رئیس الاحرار مولانا کے پردادا کے دادا سے علم وفضل اس خاندان میں آرہا ہے۔ اب آگے تیسری نسل اس کی حامل ہے۔ ان کے پردادا نے ۱۸۵۷ میں جہاد کا فتویٰ دے کر لدھیانہ میں متوازی حکومت کا اعلان کر دیا۔ ناکامی پر پردادا حضرت مولانا عبد القادرؒ اپنے چاروں مجاہد بیٹوں کے ساتھ ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں ستیلانہ میں روپوش رہے۔ گاؤں کے راجپوت سپوت نکلے اور انھوں نے اس وقت کے ایک لاکھ انعام اور بار بار پولیس کی تلاشی پر پتہ نہ لگنے دیا۔ عام معافی پر گھر آئے اور پردادا گاؤں سے نکلتے فوت ہوگئے۔۔۔۔۔۔۔۔ بیٹے گھر آئے تو آشیانہ جل چکا تھا اور مسجد گرادی گئی تھی، دوبارہ تنکے چُن چُن کر آشیانہ بنایا۔

رئیس الاحرار کے دادا کی ایمانی حس نے مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کی باتیں سن کر کفر کا فتویٰ دیا، حالانکہ اس نے ابھی نبوت کا دعویٰ نہ کیا تھا، دعویٰ کرنے پر تو ہر مکتبۂ فکر نے اس کو کافر قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی نے سب سے زیادہ گالیاں علماء لدھیانہ کو دی ہیں۔ جب کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو بعض لوگوں نے رئیس الاحرار کے دادا سے استفسار کیا۔ مرحوم نے چند علماء سے مل کر ہندوستان حرمین شریفین اور بغداد سے استفسار کیا۔ ہندوستان کے تمام اکابر علما نے متفقہ طور پر جواز کا فتویٰ دیا۔ حرمین شریفین اور بغداد سے بھی جواز کا فتویٰ آیا۔ برصغیر کے اہم نام مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا رشید احمد گنگوہی، سائیں توکل شاہ انبالوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا غلام دستگیر قصوری اور صوفی برکت علی سالار والوں کے پردادا پیر کے بڑے خلیفہ مولانا محمد امیر باز خاں رحمہم اللہ اجمعین (بشمول دوسرے دو صد کے قریب پورے برصغیر کے علماء کے) نمایاں ہیں۔ قارئین نے پورے اسماء گرامی پڑھ لیے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک دوسرے رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی نے ہمارے رئیس الاحرار کے والد بزرگوار مولانا محمد زکریا کے نام اپنا دیوان منسوب کیا۔ رئیس الاحرار کو فرنگی استعمار کی مخالفت گھٹی میں ملی تھی۔ بار بار جیل گئے اور ایک دفعہ پھر جیل سے واپسی گھر کو خراب آباد پایا۔

۱۹۳۶ء میں مسٹر محمد علی جناح لاہور آئے، سر فضل حسین نے پاؤں نہ لگنے دیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن اور چودھری افضل حق نے کہا کہ موچی دروازے میں تقریر کریں، ہمارے رضا کار انتظام کریں گے، موصوف کا جلسہ بڑی سج دھج سے ہوا گو مجلس احرار اسلام کو اس کی سزا بھگتنا پڑی۔ اس اور دیگر معاملات کے لیے جلد اول کا (ص ۱۰۷ تا ۱۲۷) مطالعہ فرمائیں۔ مرحوم کی دسویں نسل اب علم پھیلا رہی ہے، شاید اس کی مثال پوری دنیا میں نہ ملے۔

اس کے بعد میں قارئین سے یہ درخواست اور سوال کر کے کتاب کو ختم کرتا ہوں کہ آپ نے پوری کتاب پڑھی، تمام مردان حق کے حالات پڑھے، کیا ہر ایک نے اپنی زندگی ملک وملت خصوصاً کتاب وسنت کے لیے وقف نہ کر رکھی تھی؟۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان خدام دین اور محبان خدا و رسول ﷺ کے حالات پڑھ کر ہم کو اور اپنے خاندان واحباب کو کتاب وسنت پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے گا اور ہم انشاء اللہ اس راستے پر استقامت سے چلنے کی کوشش فرمائیں گے۔ میں نے "بیس مردانِ حق" اسی لیے مرتب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

نیاز مند: عبد الرشید ارشد

باسمہ سبحانہ

اجمالی فہرست

اعتذار

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے حسب ذیل کتب تصنیف فرمائیں جن کے نام یہ ہیں۔ افسوس کہ تبصرہ صرف تین کا آسکا۔

(۱) ازالۃ الاوہام
(۲) ازالۃ الشکوک
(۳) اعجاز عیسوی
(۴) احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث
(۵) بروق لامعہ
(۶) البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف
(۷) معدل اعوجاج المیزان
(۸) تقلیب المطاعن
(۹) معیار التحقیق
(۱۰) اظہار الحق
(۱۱) آداب المریدین

فللّٰہ الحمد اولاً وآخراً
کہ اس کے فضل و کرم سے کتاب
"بیس مردانِ حق"
مکمل ہوئی۔